نعم الباری
فی
شرح صحیح البخاری
تصنیف
علامہ غلام رسول سعیدی
ضیاء القرآن پبلی کیشنز کراچی

شرح صحیح البخاری کے نام ''**نِعم الباری**'' کی توجیہ

میں نے 18 رجنوری 2006ء کو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی 256ھ کی مشہور زمانہ کتاب ''المسند الصحیح الجامع المعروف بہ صحیح البخاری'' کی شرح لکھنے کا آغاز کیا، میں نے ابتداءً اس کا نام انعام الباری رکھا تھا، بعدازاں مجھے معلوم ہوا کہ شیخ محمد تقی عثمانی بھی اس نام سے صحیح البخاری کی شرح لکھ رہے ہیں اور اس وقت تک انعام الباری کی چار جلدیں ہو چکی تھیں، اس لیے میں نے اس کا نام بدل کر نعمۃ الباری رکھ دیا اور فرید بک اسٹال لاہور سے اس کی سات جلدیں لکھنے کا معاہدہ کیا اور 14 ستمبر 2010ء کو میں نے نعمۃ الباری کی ساتویں جلد مکمل کر کے سید محسن اعجاز شاہ صاحب کے حوالہ کر دی اور یوں میری حد تک اس معاہدہ کی تکمیل ہوگئی۔

بعدازاں میرا رابطہ ادارہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز سے ہوا اور میں نے محترم محمد حفیظ البرکات شاہ صاحب سے شرح صحیح البخاری لکھنے کا معاہدہ طے کیا اور اب آٹھویں جلد سے میں نے اس کا نام نعمۃ الباری کے بجائے ''**نِعم الباری**'' رکھ دیا ہے تا کہ معاندین اور مفسدین کے لیے کسی شر کی گنجائش نہ رہے اور وہ یہ نہ کہیں کہ نعمۃ الباری کا معاہدہ تو ہم سے تھا اب یہ ضیاء القرآن اس کو کیوں شائع کر رہا ہے۔ اس لیے میں نے اس کا نام ہی تبدل دیا ہے اور بجائے نعمۃ الباری کے اس کا نام ''**نِعم الباری**'' رکھ دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ میرا اور ضیاء القرآن پبلی کیشنز کا حافظ اور ناصر ہو اور ہمیں معاندین اور مفسدین کے شر اور فساد سے محفوظ اور مامون رکھے۔ آمین یا رب العالمین بجاہ سید المرسلین علیہ وعلیٰ الہٖ واصحابہٖ وازواجہٖ وذریتہٖ الف الف صلوات وتسلیمات دائما ابدا۔

غلام رسول سعیدی

خادم الحدیث دارالعلوم نعیمیہ، کراچی 38
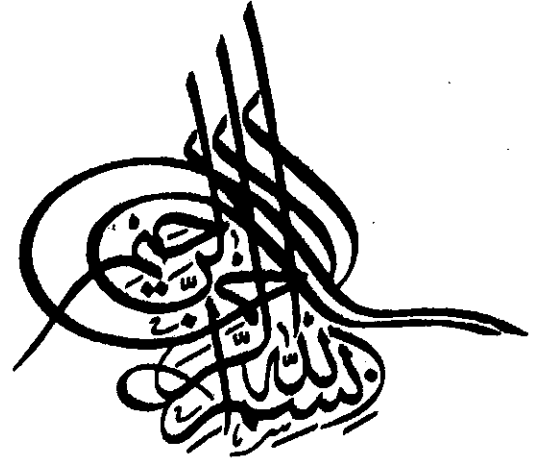
نعم الباری
فی
شرح صحیح البخاری

علامہ غلام رسول سعیدی

الجزء سادس عشر

وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوهَا
اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرو تو شمار نہ کرسکو گے (ابراہیم: ۳۴)

نعم الباری

فی

شرح صحیح البخاری

جلد سادس عشر (۱۶)

الاحادیث: ۶۵۶۳ ـــ ۷۱۳۷

کتاب الاحکام، کتاب التمنی، کتاب اخبار الاحاد،
کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، کتاب التوحید

تصنیف
علامہ غلام رسول سعیدی
شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ، کراچی ۳۸

ضیاء القرآن پبلی کیشنز کراچی

نام کتاب	نعم الباری فی شرح صحیح البخاری، جلد سادس عشر (۱۶)
تصنیف	علامہ غلام رسول سعیدی دامت برکاتہم العالیہ (تمغۂ امتیاز) شیخ الحدیث دار العلوم نعیمیہ، کراچی
ناشر	محمد حفیظ البرکات شاہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، کراچی
سال اشاعت	بار اول جولائی 2014ء بار دوم جون 2015ء
تعداد	ایک ہزار
کمپیوٹر کوڈ	HS29

ملنے کا پتہ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی
فون:۔ 021-32212011-32630411 فیکس:۔ 021-32210212
e-mail:- info@zia-ul-quran.com
ziaulquranpublications@gmail.com
Website:- www.ziaulquran.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

نعم الباری فی شرح صحیح البخاری (سادس عشر)

افتتاحیہ

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الحمد لله ربّ العالمين، الّذی جعلنا من المسلمين، ووصفنا بخير امّة من الأمم الماضين، و انعم علينا بتنزيل القرآن الكريم و هدانا به الی الصّراط المستقيم، و الصلوٰة والسّلام علی اشرف الانبياء والمرسلين قائد الغرّ المحجّلين، الذی شرح الفرقان باحاديثه و بيانه القويم، و كشف عن اسراره و غوامضه لهداية النّاس اجمعين، و انقذنا بحسن سيرته من الظلمات والضلال المبين، و علی اله الطيبين واصحابه الطّاهرين الذين قاموا باشاعة الدين المتين مع كمال الخلوص والجهد العظيم، و علی ازواجه الطّاهرات امهات المؤمنين، و علی جميع الائمة التابعين من المفسرين والمحدثين المخلصين الكاملين الی يوم الدّين۔

و بعد فيقول العبد الفقير الی مولاه القدير غلام رسول السعيدی دائم الاحتياج الی كرم ربه السرمدی انّی بعد الفراغ من التفسير قد شرعت فی شرح الصحيح للامام البخاری (عليه نعم الباری) توكّلا علی رحمة الله و فضله العميم۔ ولا يكون تحريره و تقريره و تكميله الّا نعمته العظمیٰ۔ فلذا سمّيته بنعمة الباری فی شرح الصحيح للبخاری۔ (تقبّله الله بلطفه و تغمدنی بغفرانه بمحض فضله)

اشهد ان لا اله الّا الله وحده لا شريك له واشهد انّ سيّدنا و مولانا محمدا عبده و رسوله۔ اعوذ بالله من شرور نفسی و من سيئات اعمالی۔ من يهده الله فلا مضلّ له ومن يّضلله فلا هادی له۔ اللهم ارنی الحق حقاً وارزقنی اتباعه۔ اللهم ارنی الباطل باطلاً وارزقنی اجتنابه۔ اللهم اجعلنی فی تصنيف هذا الكتاب علی صراط مستقيم واجعله موافقاً باسمه واحفظه من شرور الاشرار والحاسدين۔ اللهم اجعله خالصا لوجهك الكريم و مقبولاً عندك وعند رسولك الرؤف الرحيم واجعله شائعاً و مستفيضاً و مفيضاً و مرغوباً فی اطراف العالمين الی يوم الدين واجعله لی ولجميع من انتسب الی من المسلمين صدقة جارية الی يوم القيامة وارزقنی زيارة النبیّ الكريم ﷺ فی الدنيا و شفاعته فی الاخرة واحينی علی الاسلام بالسلامة و امتنی علی الايمان بالكرامة۔ اللهم انت ربّی لا اله الا انت خلقتنی وانا عبدك وانا علی عهدك ووعدك ما استطعت۔ اعوذ بك من شرّما صنعت ابوٴ لك بنعمتك علیّ وابوٴ لك بذنبی فاغفرلی فانه لا يغفر الذنوب الا انت۔ ربّ اوزعنی ان اشكر نعمتك التی انعمت علیّ و علی والدیّ وان اعمل صالحاً ترضه۔ آمين يا ربّ العالمين بجاه سيد المرسلين ﷺ۔

ترجمہ

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے مخصوص ہیں، جس نے ہمیں مسلمان بنایا اور سب سے بہترین امت کا لقب عطا فرمایا، قرآن کریم نازل فرما کر ہم پر احسان کیا اور اس کتاب کے ذریعہ ہمیں سیدھی راہ دکھائی۔ حمد کے بعد سب سے افضل اور بلند رتبہ پیغمبر آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام ہو، جو سفید رو اور سفید ہاتھ پیروں والوں کے قائد ہیں، جنہوں نے اپنی احادیث اور مستحکم بیان سے قرآن مجید کی تشریح فرمائی اور تمام لوگوں کی ہدایت کے لیے اس کے اسرار و رموز سے پردہ اٹھایا اور ہمیں اپنا بہترین نمونہ عمل عطا کر کے ظلمت و گمراہی سے نجات بخشی۔ آپ کے بعد آپ کی اولاد پاک اور صحابہ کرام پر رحمتوں کا نزول ہو جو پورے اخلاص اور محنت کے ساتھ اشاعت دین میں مصروف رہے، اور آپ کی ازواج مطہرات پر رحمتوں کا نزول ہو جو مسلمانوں کی مائیں ہیں اور ان سب کے بعد تا قیام قیامت آنے والے مخلص اور باکمال ائمہ مفسرین اور محدثین پر رحمتیں نازل ہوں۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد رب کائنات کے دائمی کرم کا بندۂ محتاج غلام رسول سعیدی غفرلہٗ عرض پرداز ہے کہ میں تفسیر تبیان القرآن سے فارغ ہونے کے بعد اللہ عزوجل کی رحمت اور اس کی عنایت پر بھروسا کرتے ہوئے صحیح بخاری کی شرح کا آغاز کر چکا ہوں۔ چونکہ ظاہری قویٰ اس عظیم کام کے متحمل نہیں ہیں اس لیے تصنیف کے جملہ مراحل سے گزر کر پایۂ تکمیل کو پہنچنے تک اس شرح کا مکمل دار و مدار صرف اور صرف اللہ عزوجل کی خصوصی نعمت اور احسان پر ہے۔ اسی لیے میں نے اس شرح کا نام ''نعم الباری فی شرح صحیح البخاری'' رکھا ہے۔ (اللہ تعالیٰ اپنے لطف و عنایت سے اس تصنیف کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور محض اپنے فضل و کرم سے مجھے اپنی بخشش میں ڈھانپ لے)۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں اپنے نفس کے شر اور بداعمالیوں سے اللہ عزوجل کی پناہ میں آتا ہوں۔ جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو وہ گمراہی پر چھوڑ دے اس کو کوئی راہ راست پر نہیں لا سکتا۔ اے اللہ! مجھ پر حق واضح فرما اور مجھے اس کی اتباع عطا فرما اور باطل کو مجھ پر منکشف فرما اور اس سے بچنے کی توفیق مرحمت فرما۔ اے اللہ! مجھے اس شرح کی تصنیف میں صراط مستقیم پر گامزن فرما اور اس شرح کو اسم بہ مسمّٰی کر دے اور اسے شریروں کے شر اور حاسدوں کے حسد سے محفوظ فرما۔ اے اللہ! اس تصنیف میں صرف اپنی رضا مقدر فرما دے اور اس کو اپنی اور اپنے مہربان رسول (سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کی بارگاہ میں مقبول بنا دے، اور صبح قیامت تک اس کو اکناف عالم میں مشہور و مقبول، مرغوب و محبوب اور اثر آفرین بنا دے، اس کو میرے لیے اور میرے جملہ مسلمان متعلقین کے لیے قیامت تک صدقۂ جاریہ بنا۔ مجھے دنیا میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور قیامت میں آپ کی شفاعت سے بہرہ مند فرما۔ مجھے سلامتی کے ساتھ اسلام پر زندگی اور عزت کے ساتھ ایمان پر خاتمہ نصیب فرما۔ اے اللہ! تو میرا رب ہے، تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، تو نے مجھے پیدا کیا ہے اور میں تیرا بندہ ہوں اور تجھ سے کیے ہوئے وعدہ پر اپنی طاقت کے مطابق قائم ہوں۔ میں اپنی بداعمالیوں کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں، تیرے مجھ پر جو انعامات ہیں ان کا میں اقرار کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں۔ میری بخشش فرما، کیونکہ تیرے سوا کوئی گناہوں کو معاف کرنے والا نہیں ہے، پروردگار! تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر جو انعامات فرمائے ہیں ان پر مجھے ہمیشہ شکر ادا کرنے کی توفیق عطا فرما اور مجھے ایسے نیک اعمال کی توفیق دے جو تجھے محبوب اور پسند ہوں۔ آمین یا رب العالمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نحمدہٗ ونصلی ونسلم علیٰ رسولہ الکریم

۹۳۔ كِتَابُ الْأَحْكَامِ

احکامِ شرعیہ کا بیان

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس کتاب کی شرح میں لکھتے ہیں:

احکام کا لفظ ''حکم'' کی جمع ہے اور اس سے مراد حکم کے آداب اور اس کی شرائط ہیں، اسی طرح حاکم سے مراد بھی حکم کے آداب اور اس کی شرائط ہیں، اور حاکم کا لفظ خلیفہ اور قاضی کو شامل ہے۔ امام بخاری نے اس عنوان میں ان امور کو ذکر کیا ہے جو احکام اور حکام دونوں سے متعلق ہیں۔

فقہاء کے نزدیک حکمِ شرعی کی تعریف یہ ہے: ''اللہ تعالیٰ کا خطاب جو مکلفین کے افعال کے ساتھ متعلق ہے خواہ وہ خطاب اقتضاء یعنی طلب کے ساتھ ہو یا تخییر کے ساتھ ہو''۔ اور ''الحُکم'' کا مادہ الاحکام ہے اور اس کا معنی ہے: کسی چیز کو پختہ بنانا اور اس کو عیب سے دور رکھنا۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۳۰۴، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

میں کہتا ہوں: امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت المتوفی ۱۵۰ھ نے حکمِ شرعی کی درجِ ذیل تعریف کی ہے:

''معرفۃ النفس مالھا وماعلیھا'' یعنی انسان کے نفس کا ان چیزوں کو جاننا جو اس کے حق میں مفید ہیں اور ان چیزوں کو جاننا جو اس کے حق میں مضر ہیں، سو یہ حکمِ شرعی ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۱۔ بَابٌ:

قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ (النساء:۵۹)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور جو تم میں سے صاحبانِ امر ہیں ان کی (اطاعت کرو)''

بابِ مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس سوال کا جواب کہ النساء:۵۹ میں ''اَطِيْعُوا اللّٰهَ'' کے بعد ''اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ'' میں ''اَطِيْعُوا'' کا اعادہ فرمایا ہے اور ''اُولِي الْاَمْرِ'' کے ساتھ ''اَطِيْعُوا'' کے فعل کا اعادہ نہیں فرمایا

عام طور پر یہ معروف ہے کہ اس آیت میں امراء کی اطاعت کرنا مقصود ہے، اس کے برخلاف بعض مفسرین نے کہا: یہ آیت علماء کی اطاعت کے متعلق نازل ہوئی ہے، اور امام ابوجعفر طبری نے اسی کو ترجیح دی ہے۔

امام ابن عیینہ نے کہا کہ میں نے زید بن اسلم سے اس آیت کے متعلق سوال کیا اور اس وقت مدینہ میں محمد بن کعب کے بعد زید

بن اسلم کی مثل کوئی قرآن کی تفسیر کرنے والا نہیں تھا، سوانہوں نے کہا: تم اس آیت سے پہلی آیت کو پڑھو تو تمہیں معلوم ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا ۙ وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ﴿۵۸﴾ (النساء:۵۸)

بے شک اللہ تم کو یہ حکم دیتا ہے کہ تم امانت والوں کو ان کی امانتیں ادا کرو اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو، بے شک اللہ تمہیں کیسی اچھی نصیحت فرماتا ہے، بے شک اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے O

زید بن اسلم نے کہا: یہ آیت والیوں اور حکام کے متعلق ہے۔

ایک سوال یہ ہے کہ ''اَطِيْعُوا اللّٰهَ'' کے بعد ''اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ'' میں لفظ ''اَطِيْعُوا'' کا ارادہ فرمایا ہے اور ''اُولِي الْاَمْرِ'' کے ساتھ ''اَطِيْعُوا'' کا فعل ذکر نہیں فرمایا، جب کہ دونوں جگہ حقیقت میں ''مطاع'' اللہ تعالیٰ ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی احکام تکلیفیہ کا علم ہوتا ہے جو کہ قرآن اور سنت میں مذکور ہے، پس گویا اصل عبارت یوں ہے کہ ''جن چیزوں کی تمہارے لیے قرآن مجید میں تصریح کی گئی ہے ان میں تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے لیے قرآن کے جن احکام کا بیان کرتے ہیں ان کی اطاعت کرو اور جن چیزوں کے سنت ہونے کی تمہارے لیے تصریح کرتے ہیں ان میں ان کی اطاعت کرو'' اور دوسری تقریر یہ ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وحی کے مطابق جو تمہیں حکم دیتے ہیں جس کی تلاوت کی جاتی ہے اس میں ان کی اطاعت کرو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وحی کے مطابق جو تمہیں حکم دیتے ہیں جو قرآن میں مذکور نہیں ہے اس میں ان کی اطاعت کرو''۔

اور ایک منفرد جواب یہ ہے کہ بعض تابعین نے بنی امیہ کے بعض حکام سے اس وقت کہا جب انہوں نے یہ کہا کہ کیا تمہیں اللہ تعالیٰ یہ حکم نہیں دیتا کہ تم ہماری اطاعت کرو؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ'' یعنی حکام کی اطاعت کرو، تو بعض تابعین نے اس کے جواب میں یہ کہا کہ جب تم حق کے خلاف کوئی بات کرو تو تمہاری اطاعت کو چھین لیا گیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ (النساء:۵۹)

پھر اگر کسی چیز میں تمہارا اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو بشرطیکہ تم اللہ اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتے ہو۔

علامہ الطیبی نے اس سوال کا جواب یہ دیا ہے کہ ''اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ'' میں لفظ ''اَطِيْعُوا'' کے فعل کا اعادہ کیا گیا ہے، اس میں یہ اشارہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت مستقل ہے، اور ''اُولِي الْاَمْرِ'' میں ''اَطِيْعُوا'' کے فعل کا اعادہ نہیں کیا، اس میں یہ اشارہ ہے کہ بعض امراء ایسے پائے جائیں گے جن کی اطاعت واجب نہیں ہوگی، پھر اس کا بیان فرما دیا ''فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ..... الآیۃ''۔

گویا کہ یوں فرمایا کہ حکام اگر حق کے ساتھ عمل نہ کریں تو ان کی اطاعت نہ کرو، اور ان کے جو احکام اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے خلاف ہوں، ان احکام کو رد کر دو۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۳۰۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

مصنف کی طرف سے سوالِ مذکور کا جواب

میں کہتا ہوں: ''اَطِيْعُوا اللّٰهَ'' اور ''اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ'' میں ''اَطِيْعُوا'' کے فعل کا اعادہ کیا گیا ہے اور ''اُولِي الْاَمْرِ'' سے پہلے

''اَطِیْعُوا'' کے فعل کا اعادہ نہیں فرمایا، اس میں نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت بھی مستقل ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بھی مستقل ہے خواہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا حکم دیں جو قرآن مجید میں صراحۃً مذکور نہ ہو، تب بھی اس کی اطاعت واجب ہے مثلاً قرآن مجید نے پالتو گدھے کے کھانے کو حرام نہیں قرار دیا اور نہ کچلیوں سے شکار کرنے والے درندوں کو اور نہ پنجوں سے شکار کرنے والے پرندوں کو حرام قرار دیا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پالتو گدھے کے کھانے کو بھی حرام قرار دیا اور شکاری درندوں اور شکاری پرندوں کو بھی حرام قرار دیا، سو آپ کا یہ حکم اگرچہ صراحۃً قرآن مجید میں مذکور نہیں ہے لیکن آپ کے اس حکم کی اطاعت واجب ہے، اور حکام سلطنت کی اطاعت مستقل نہیں ہے، ان کی اطاعت صرف ان ہی احکام میں واجب ہے جب ان کے احکام اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے مطابق ہوں اور قرآن اور سنت سے مستنبط ہوں، اور اگر وہ اپنی طرف سے کوئی حکم دیں جو قرآن وسنت سے مستنبط نہ ہوں تو ان کے ایسے احکام کی اطاعت واجب نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۷۱۳۷۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ عَنْ يُونُسَ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رضي الله عنه أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ مَنْ أَطَاعَنِي فَقَدْ أَطَاعَ اللهَ وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ عَصَى اللهَ وَمَنْ أَطَاعَ أَمِيرِي فَقَدْ أَطَاعَنِي وَمَنْ عَصَى أَمِيرِي فَقَدْ عَصَانِي۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی از یونس از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے خبر دی، وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کرلی، اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کرلی، اور جس نے میرے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی، اور جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔

(صحیح البخاری: ۲۹۵۷، ۷۱۳۷، صحیح مسلم: ۱۸۳۵، سنن نسائی: ۴۱۹۳، سنن ابن ماجہ: ۲۸۵۹، مسند احمد: ۱۰۲۵۹)

صحیح البخاری: ۷۱۳۷، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امراء اور حکام کی اطاعت مجملاً واجب ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت مطلقاً واجب ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس آیت میں ''اُولِی الْاَمْرِ'' سے مراد امراء اور حکام ہیں۔ (تفسیر طبری ج ۴ ص ۱۵۰)

اور حسن بصری نے کہا: اس آیت میں ''اُولِی الْاَمْرِ'' سے مراد علماء یا صحابہ ہیں۔ (تفسیر طبری ج ۴ ص ۱۵۲)

اور مجاہد نے کہا: اس آیت میں ''اُولِی الْاَمْرِ'' سے مراد صاحبانِ عقل اور سنتِ رسول کو جاننے والے اور علماء ہیں۔

(تفسیر طبری ج ۴ ص ۱۵۲)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۲ ص ۴۲۶، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۷۱۳۷، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امیر کی اطاعت کا حکم دینے کی توجیہ

اس حدیث میں مذکور ہے ''جس نے میرے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی''۔

بخاری کے ایک شارح علامہ ابن التین نے لکھا ہے: کہا گیا ہے کہ قریش اور عرب کے لوگ جوان کے قریب رہنے والے تھے، وہ کسی کی امارت اور حکومت کو نہیں پہچانتے تھے تو وہ امراء اور حکام کی بات نہیں مانتے تھے، تو آپ نے یہ ارشاد ان کو امراء کی اطاعت پر برانگیختہ کرنے کے لیے فرمایا، تا کہ وہ امراء کی اطاعت کریں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کوئی لشکر کہیں روانہ کریں اور کسی کو اس کا امیر بنائیں یا کسی شہر کا آپ کوئی حاکم مقرر کریں تو عوام اس کی اطاعت کریں اور اس کے خلاف خروج نہ کریں، تا کہ مسلمانوں کا اتحاد قائم رہے اور ان میں انتشار نہ ہو۔

دراصل یہ امام شافعی کی عبارت ہے جس کو انہوں نے کتاب الام میں ذکر کیا ہے، اور میں بعض شافعی شارحین پر حیران ہوں کہ انہوں نے امام شافعی کی اس عبارت کی کس طرح علامہ ابن التین کی طرف نسبت کر دی، اور علامہ ابن التین نے اس کلام کو علامہ خطابی کی عبارت سے اخذ کیا ہے۔

امام احمد اور امام ابویعلیٰ اور امام طبرانی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کی جماعت میں بیٹھے ہوئے تھے تو آپ نے فرمایا: ''کیا تم نہیں جانتے جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کر لی، اور بیشک میری اطاعت بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے ہے، صحابہ نے کہا: کیوں نہیں! بلکہ ہم گواہی دیتے ہیں، آپ نے فرمایا: پس بے شک میری اطاعت میں سے یہ ہے کہ تم میرے مقرر کردہ حکام کی اطاعت کرو، اور ایک روایت میں فرمایا: میرے مقرر کردہ ائمہ کی اطاعت کرو''۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امراء اور حکام کی اطاعت کرنا واجب ہے لیکن یہ اس وقت واجب ہے جب امراء اور حکام اللہ کی کسی نافرمانی کا حکم نہ دیں، اور امراء کی اطاعت کا حکم دینے میں حکمت یہ ہے کہ امت کا اتحاد قائم رہے اور امت میں انتشار نہ ہو۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۳۰۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت قرار دینے پر مصنف کے دلائل

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَنْ يُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَ مَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴿۸۰﴾ (النساء: ۸۰)

جس نے رسول کی اطاعت کی تو بے شک اس نے اللہ کی اطاعت کر لی، اور جس نے پیٹھ پھیری تو ہم نے آپ کو ان کا نگران بنا کر نہیں بھیجا○

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔ (الحشر: ۷)

اور رسول جو تم کو دیں اس کو لے لو اور جس سے تم کو روکیں اس سے رک جاؤ۔

۷۱۳۸۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ أَلَا كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ فَالْإِمَامُ الَّذِي عَلَى النَّاسِ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلَى أَهْلِ بَيْتِهِ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلَى أَهْلِ بَيْتِ زَوْجِهَا وَوَلَدِهِ وَهِيَ مَسْئُولَةٌ عَنْهُمْ وَعَبْدُ الرَّجُلِ رَاعٍ عَلَى مَالِ سَيِّدِهِ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْهُ أَلَا فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از عبداللہ بن دینار از حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سنو! تم میں سے ہر شخص (اپنے عوام کا) محافظ اور نگہبان ہے، اور تم میں سے ہر شخص سے اس کے عوام کے متعلق سوال کیا جائے گا، پس جو شخص اپنے عوام کے ملک کا سربراہ ہے اس سے اس کے عوام کے متعلق سوال کیا جائے گا، اور مرد اپنے گھر والوں کا محافظ اور نگہبان ہے اور اس سے اس کے گھر والوں کے متعلق سوال کیا جائے گا، اور عورت اپنے شوہر کے گھر والوں کی اور اس کی اولاد کی حفاظت کرنے والی ہے، اور اس سے اس کے گھر والوں کے متعلق سوال کیا جائے گا، اور کسی مرد کا غلام اپنے آقا و مالک کے مال کا محافظ اور نگہبان ہے اور اس سے اس کے متعلق سوال کیا جائے گا، سنو! تم میں سے ہر شخص محافظ اور نگہبان ہے اور ہر شخص سے اس کے زیرِ انتظام لوگوں کے متعلق سوال کیا جائے گا۔

(صحیح البخاری: ۸۹۳، ۲۴۰۹، ۲۵۵۴، ۲۵۵۸، ۲۷۵۱، ۵۱۸۸، ۵۲۰۰، ۷۱۳۸، صحیح مسلم: ۱۸۲۹، سنن ترمذی: ۱۷۰۵، سنن ابوداؤد: ۲۹۲۸، مسند احمد: ۵۹۹۰)

صحیح البخاری: ۷۱۳۸، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ہر محافظ کی اپنے زیرِ حفاظت لوگوں کی تفصیل

علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی الشافعی المتوفی ۷۴۳ھ، لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے "ہر شخص اپنے زیرِ انتظام کا محافظ ہے"۔

اس محافظ سے محافظ لذاتہ مطلوب نہیں ہے، اس کو اس لیے محافظ بنایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کو اس کے زیرِ حفاظت رکھا ہے ان چیزوں میں شارع علیہ السلام کی اجازت کے بغیر تصرف نہ کرے، پہلے نبی ﷺ نے اجمالاً ذکر فرمایا، پھر بعد میں آپ نے ہر ایک کی تفصیل فرمائی کہ سربراہِ ملک اپنے زیرِ حفاظت عوام کی حفاظت کرے، اور مرد اپنے زیرِ حفاظت گھر والوں کی حفاظت کرے، اور عورت اپنے زیرِ حفاظت گھر کے مال اور خاوند کی اولاد کی حفاظت کرے، اور غلام اپنے مالک کے مال کی حفاظت کرے۔

دوسرے علماء نے یہ بیان کیا کہ اس حدیث میں ان کا ذکر ہے جن کے زیرِ انتظام یا جن کے ماتحت کچھ لوگ ہیں، لیکن جس

شخص کے زیرِ انتظام کوئی نہ ہو، نہ کوئی اس کا ماتحت ہو اور وہ منفرد ہو، نہ اس کی بیوی ہو، نہ اس کا خادم اور غلام ہو اور نہ اس کی اولاد ہو، سو وہ کس کا محافظ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ وہ اپنے اعضاء کا محافظ ہے حتیٰ کہ اپنے اعضاء سے وہ کام لے جن کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو حکم دیا ہے، اور اپنے اعضاء کو ان کاموں سے روکے جن کاموں سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے، لہٰذا وہ اپنے اعضاء کا راعی اور محافظ ہے اگر چہ وہ خود بھی سربراہِ ملک یا اپنے آقا کے زیرِ انتظام اور زیرِ حفاظت ہے، لہٰذا وہ راعی اور محافظ بھی ہے اور مرعی اور زیرِ حفاظت بھی ہے۔

امام طبرانی نے المعجم الاوسط میں سندِ حسن کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ''ہر راعی اور محافظ سے قیامت کے دن سوال کیا جائے گا کہ آیا اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کو قائم کیا یا اس کو ضائع کر دیا؟''

اور امام ابن عدی نے سندِ صحیح کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ''بے شک اللہ تعالیٰ ہر راعی اور محافظ سے یہ سوال کرے گا کہ جن کو اس کی حفاظت میں دیا گیا تھا اس نے ان کی حفاظت کی یا ان کو ضائع کر دیا؟''

اور اس حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ اگر مکلف اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت میں کوئی تقصیر یا کمی کرے گا تو اس سے مواخذہ کیا جائے گا۔

اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خادم اور غلام کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے مالک کے مال میں اس کی اجازت سے تصرف کریں، اسی طرح بیوی اور اولاد کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے شوہر اور والد کے مال میں اس کی اجازت سے تصرف کریں۔

بنو امیہ کے بعض متعصب حکمرانوں نے جعلی سند کے ساتھ یہ حدیث روایت کی ہے کہ ''جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو خلافت کا منصب دیتا ہے تو اس کی نیکیوں کو لکھتا ہے اور اس کی برائیوں کو نہیں لکھتا''۔ ابنِ شہاب جب ولید بن عبد الملک کے پاس گئے تو ولید بن عبد الملک نے ابنِ شہاب سے اس حدیث کے متعلق پوچھا تو ابنِ شہاب نے کہا: یہ حدیث جھوٹی ہے اور کاذب ہے، اور اس کے کاذب ہونے پر یہ آیت دلیل ہے:

يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَ لَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ۝۲۶ (ص:۲۶)

اے داؤد! بے شک ہم نے آپ کو زمین میں خلیفہ بنا دیا ہے، سو آپ لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیجئے اور خواہش کی پیروی نہ کیجئے، ورنہ (نفس کی پیروی) آپ کو اللہ کی راہ سے بہکا دے گی، بے شک جو لوگ اللہ کی راہ سے بہک جاتے ہیں ان کے لیے سخت عذاب ہے کیونکہ وہ روزِ حساب کو بھول جاتے ہیں O

اس آیت سے واضح ہو گیا کہ اگر خلیفہ بھی غلط کام کرے گا تو اس سے بھی مواخذہ کیا جائے گا۔

پھر ولید بن عبد الملک نے یہ سن کر کہا: بے شک لوگ ہم کو ہمارے دین سے گمراہ کر دیتے ہیں۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۳۰۶، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

مریدوں کا پیروں کو گمراہ کرنا

میں کہتا ہوں: جس طرح بنو اُمیہ کے دور میں لوگ خلفاء کی خوشامد کرنے کے لیے جعلی اور جھوٹی حدیثیں سناتے تھے، اسی طرح ہمارے دور میں پیروں کی خوشامد کے لیے اور ان کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ان کے مریدین ان کی جھوٹی کرامات بیان کرتے ہیں اور یہ ظاہر کرتے ہیں کہ اس دنیا میں جس پر بھی اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم ہو رہا ہے وہ انہی پیروں کی وجہ سے ہے، اللہ تعالیٰ اس صورت حال سے ہمارے دور کے پیروں کی اصلاح فرمائے اور مریدوں کو ہدایت دے کہ وہ پیروں کو گمراہ نہ کریں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۲۔ بَابٌ: الْأُمَرَاءُ مِنْ قُرَيْشٍ — امراء اور حکام کا قریش سے ہونا

بابِ مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس باب کی احادیث کا عنوان قائم کیا ہے "امراء قریش میں سے ہیں" اور امام طبرانی کی روایت میں امراء کی بجائے ائمہ کا لفظ ہے، اور امام ابوداؤد الطیالسی اور امام بزار اور امام بخاری نے "التاریخ" میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ائمہ قریش سے ہوں گے جب تک کہ وہ حکم میں عدل کرتے رہیں گے۔۔۔ الحدیث۔

اور امام نسائی اور امام ابویعلیٰ اور امام طبرانی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ مُلک اور حکومت قریش میں رہے گی، اور امام احمد نے حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ائمہ قریش سے ہوں گے، اس حدیث کے رجال صحیح ہیں۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۳۰۶۔۳۰۷، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

بابِ مذکور کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

خلافت کے قریش کے ساتھ مخصوص ہونے پر دلائل اور منکرین کا رد

اس حدیث میں نظام معتزلی اور ضرار اور خوارج میں سے ان کے موافقین کا رد ہے جو یہ کہتے ہیں کہ امام اور خلیفہ کے لیے قرشی ہونے کی شرط نہیں ہے۔ (اکمال المعلم ج ۶ ص ۲۱۴)

ان منکرین نے کہا: امامت کا ہر وہ شخص مستحق ہے جو اللہ تعالیٰ کی کتاب کے احکام کو قائم کرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے مطابق لوگوں کو فتوے دے خواہ وہ عجمی ہو یا کوئی اور ہو، پس جب وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے اور ہم اس کو اس منصب سے معزول کرنا چاہیں تو یہ ہمارے لیے آسان ہوگا۔

اور ابوبکر بن الطیب نے کہا: یہ قول تمام مسلمانوں کے اجماع کے خلاف ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے کہ خلافت قریش میں رہے گی، اور اسی پر مسلمان ہر زمانہ میں عمل کرتے رہے ہیں، اور صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار کے لیے وصیت کی اور فرمایا: تم میں سے جو شخص اس خلافت اور حکومت کے منصب پر فائز ہو تو وہ ان کی برائیوں سے درگزر کرے۔ (صحیح البخاری: ۹۲۷)

پس اگر خلافت انصار کی طرف مفوض ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انصار کے متعلق یہ وصیت نہ فرماتے اور ان احادیث کی صحت پر دلیل یہ ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے تمام لوگوں کے سامنے سقیفہ بنو ساعدہ میں اس حدیث سے انصار کے امیر ہونے کے خلاف استدلال کیا اور انصار میں سے جو اکابر صحابہ تھے، انہوں نے اس حدیث کو سننے کے بعد اس موقف سے رجوع کر لیا کہ انصار سے بھی ایک امیر ہونا چاہیے جب کہ وہ اس سے پہلے اس پر کافی بحث کر چکے تھے کہ ایک امیر انصار سے ہو اور ایک امیر مہاجرین سے ہو۔ اور اگر انصار کو اس حدیث کی صحت کا علم نہ ہوتا تو وہ ضرور اس حدیث کی صحت پر طعن کرتے اور اس کا رد کرنے کے درپے ہوتے اور یہ ناممکن تھا کہ تمام قریش ایک جھوٹے دعویٰ پر قائم ہوتے، کیونکہ جو چیز احادیث سے ثابت نہ ہو تو اختلاف کے وقت اس پر طعن کیا جاتا ہے، اور خاص طور پر جب کہ اس امرِ عظیم (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے خلیفہ ہونے) کے متعلق لوگوں میں اختلاف ہو گیا تھا۔

امام اور خلیفہ کے قرشی ہونے پر یہ دلیل ہے کہ صدرِ اول سے لے کر اس کے بعد کے تمام زمانوں میں اس کا اعتبار کیا جاتا رہا، اور بعض متکلمین نے یہ کہا کہ خلافت تمام قبائلِ عرب میں ہونی چاہیے لیکن مسلمانوں کا اجماع اس کے خلاف ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۲ ص ۴۲۹۔۴۳۰، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۷۱۳۹۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ كَانَ مُحَمَّدُ بْنُ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ يُحَدِّثُ أَنَّهُ بَلَغَ مُعَاوِيَةَ وَهُوَ عِنْدَهُ فِي وَفْدٍ مِنْ قُرَيْشٍ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَمْرٍو يُحَدِّثُ أَنَّهُ سَيَكُونُ مَلِكٌ مِنْ قَحْطَانَ فَغَضِبَ فَقَامَ فَأَثْنَى عَلَى اللهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ ثُمَّ قَالَ أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّهُ بَلَغَنِي أَنَّ رِجَالًا مِنْكُمْ يُحَدِّثُونَ أَحَادِيثَ لَيْسَتْ فِي كِتَابِ اللهِ وَلَا تُؤْثَرُ عَنْ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم وَأُولَئِكَ جُهَّالُكُمْ فَإِيَّاكُمْ وَالْأَمَانِيَّ الَّتِي تُضِلُّ أَهْلَهَا فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ إِنَّ هَذَا الْأَمْرَ فِي قُرَيْشٍ لَا يُعَادِيهِمْ أَحَدٌ إِلَّا كَبَّهُ اللهُ فِي النَّارِ عَلَى وَجْهِهِ مَا أَقَامُوا الدِّينَ تَابَعَهُ نُعَيْمٌ عَنِ ابْنِ الْمُبَارَكِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُبَيْرٍ۔

(صحیح البخاری: ۳۵۰۰، ۷۱۴۰، صحیح مسلم: ۱۸۲۰، مسند احمد: ۲۰۸۶)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، وہ بیان کرتے ہیں کہ محمد بن جبیر بن مطعم ان سے حدیث بیان کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ حدیث پہنچی اور اس وقت وہ ان کے پاس قریش کے ایک وفد میں تھے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما حدیث بیان کرتے ہیں: عنقریب تمہارے لیے قحطان سے ایک بادشاہ ہوگا، تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ غضب ناک ہوئے، پس وہ کھڑے ہوئے، پس انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ایسی حمد و ثناء کی جو اس کی شان کے لائق ہے، پھر کہا: حمد و صلوٰۃ کے بعد معلوم ہو کہ بے شک مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تم میں سے بعض لوگ ایسی احادیث بیان کرتے ہیں جو کتاب اللہ میں نہیں ہیں اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں، اور یہ لوگ تمہارے جاہل ہیں، پس تم ان لوگوں سے اور ان کی آرزوؤں سے دور رہو جو ان آرزوؤں والوں کو گمراہ کر دیں گی، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بے شک یہ خلافت قریش میں ہوگی، جو شخص بھی ان سے عداوت رکھے گا، اللہ تعالیٰ اس کو منہ

کے بل گرا دے گا، جب تک وہ دین کو قائم کرتے رہیں گے۔
اس حدیث کی نعیم نے متابعت کی ہے از ابن المبارک از معمر از
الزہری از محمد بن جبیر۔

صحیح البخاری: ۷۱۳۹، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قحطان سے بادشاہ ہونے کی تاویل اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کا منشاء

علامہ المہلب مالکی نے کہا ہے: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے کہا: ''عنقریب قحطان سے ایک بادشاہ ہوگا''۔ ہوسکتا ہے کہ ان کی مراد یہ ہو کہ یہ بادشاہ غیر خلیفہ ہوگا اور غلبہ کے ساتھ لوگوں پر حکومت کرے گا اور لوگوں کی رضا اس کی حکومت کے متعلق نہیں ہوگی۔
اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے اس قول کا اس لیے انکار کیا کہ کہیں یہ گمان نہ کیا جائے کہ قریش کے غیر سے بھی خلیفہ ہونا جائز ہے، اور اگر کسی صحابی کے پاس کوئی ایسی حدیث ہوتی کہ غیر قریش سے بھی خلیفہ ہوسکتا ہے تو وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس وقت اس حدیث کی خبر دیتا جب انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما پر انکار کیا تھا۔
حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے جو کہا تھا کہ ''عنقریب قحطان سے بادشاہ ہوگا'' اس کا تحقق اس وقت ہوگا جب قیامت کی علامات ظاہر ہو جائیں گی اور دین متغیر ہو جائے گا۔
امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی حتیٰ کہ ایک مرد قحطان سے نکلے اور اپنی لاٹھی اور اپنے زور سے لوگوں کو چلائے''۔ (صحیح البخاری: ۳۵۱۷)
یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ قیامت کی علامتوں میں سے یہ ہے کہ ایسے امور واقع ہوں گے جو شرعاً جائز نہیں ہیں۔
اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''یہ خلافت قریش میں اس وقت تک رہے گی جب تک وہ دین کو قائم رکھیں گے''۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعض قریشی خلفاء ایسے ہوں گے جو دین کو قائم نہیں کریں گے تو پھر ان کے اوپر قحطانی غالب آ جائیں گے۔

خلافت قائم کرنے کا حکم

اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ امامت اور خلافت کو قائم کرنا فرض ہے یا سنت ہے؟ جنہوں نے کہا کہ خلافت کو قائم کرنا فرض ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ فرائض کا قیام خلافت کے قیام پر موقوف ہے، اور جنہوں نے کہا کہ خلافت کو قائم کرنا سنت ہے، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کی وفات کے بعد خلافت معطل ہوگئی تھی، اور جو کہتے ہیں کہ خلافت فرض ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ضرورت کی بناء پر خلیفہ کا تقرر نہیں کیا گیا۔
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۲ ص ۴۳۰۔۴۳۱، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

علامہ ابن الملقن سے مصنف کا اختلاف

میں کہتا ہوں: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد خلافت معطل نہیں ہوئی تھی بلکہ ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ برحق تھے

اوران کے بعد حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما خلیفہ برحق تھے، کیونکہ حدیث میں ہے کہ "خلافت (متصلہ) تیس سال تک رہے گی" اور یہ تیس سال حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی وفات پر پورے ہو گئے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

صحیح البخاری: ۷۱۳۹، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

خلفاء کے خلاف خروج کرنے کی تحقیق

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "قریش اس وقت تک خلافت پر برقرار رہیں گے جب تک وہ دین کو قائم کرتے رہیں"۔ اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ جب وہ دین کو قائم نہیں کریں گے تو پھر ان کے احکام نہیں سنے جائیں گے۔

علامہ ابن التین نے کہا ہے: اس پر اجماع ہے کہ جب خلیفہ کفر یا بدعت کی دعوت دے تو اس کے خلاف خروج کیا جائے، اور جب خلیفہ لوگوں کے مال غصب کرے اور خون ریزی کرے اور لوگوں کی عزتیں پامال کرے تو پھر اس کے خلاف خروج کرنے میں اختلاف ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ ابن التین کا یہ کہنا درست نہیں کہ جب خلیفہ کسی بدعت کی دعوت دے تو اس کے خلاف خروج کرنے پر اجماع ہے، مگر علامہ ابن التین کے قول کو اس صورت کے ساتھ مقید کیا جائے گا کہ اس بدعت سے مراد ایسی بدعت لی جائے جو کفر ہو تب اس کے خلاف خروج کرنے پر اجماع ہے، ورنہ مامون رشید اور معتصم باللہ اور واثق باللہ، ان خلفاء نے اس بدعت کی ترویج کی کہ قرآن مجید مخلوق ہے اور جن علماء نے مخالفت کی ان کو قتل کر دیا یا ان کو کوڑے مارے یا انہیں قید کر دیا اور دیگر سزائیں دیں، اور کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ ان کے خلاف خروج کرنا اس وجہ سے واجب ہے، اور پھر دس سال سے زیادہ عرصہ تک اسی طرح ہوتا رہا حتیٰ کہ المتوکل باللہ خلیفہ ہوا اور اس نے ان منکرات اور بدعات کو باطل کیا اور سنت کے اظہار کا حکم دیا۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۳۰۸، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۱۴۰۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا عَاصِمُ بْنُ مُحَمَّدٍ سَمِعْتُ أَبِي يَقُولُ قَالَ ابْنُ عُمَرَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَا يَزَالُ هَذَا الْأَمْرُ فِي قُرَيْشٍ مَا بَقِيَ مِنْهُمُ اثْنَانِ۔

(صحیح البخاری: ۳۵۰۱، ۷۱۴۰، صحیح مسلم: ۱۸۲۰، مسند احمد: ۶۰۸۶)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن یونس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عاصم بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے اپنے والد سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ خلافت قریش میں رہے گی جب تک قریش میں سے دو مرد بھی باقی ہوں۔

صحیح البخاری: ۷۱۴۰، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صرف امامتِ کبریٰ کے لیے قرشی ہونے کی شرط ہونا نہ کہ ہر امیر اور ہر امام کے لیے

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ٦٧٦ ھ نے کہا ہے: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ قیامت تک خلافت قریش میں رہے گی جب تک کہ قریش کے دو فرد بھی موجود ہوں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ سے لے کر اب تک بغیر کسی مزاحمت کے خلافت قریش ہی میں رہی ہے، اور جس نے غلبہ سے ملک اور سلطنت کو حاصل کر لیا تب بھی اس کا انکار نہیں کیا گیا کہ خلافت قریش ہی میں ہے، اور ان لوگوں کے متعلق کہا گیا کہ یہ قریش کے نائبین ہیں۔

علامہ نووی کی اس عبارت پر یہ اعتراض ہے کہ بنو امیہ کے زمانہ میں خوارج بھی اپنے آپ کو خلیفہ کہتے تھے اور وہ قریش میں سے نہیں تھے، اسی طرح بنو عبید نے خلافت کا دعویٰ کیا اور مصر اور شام اور حجاز میں ان کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا اور بعض کے ناموں کا خطبہ عراق میں پڑھا جاتا تھا، اور ایک سال تک بغداد میں کوئی خلیفہ نہیں تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ رہے بنو عبید، تو وہ اپنے آپ کو حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کی ذریت قرار دیتے تھے، اور باقی جن کا ذکر کیا گیا ہے وہ سب متغلبین تھے اور ان کا حکم وہ ہے جو باغیوں کا حکم ہے، لہٰذا ان کے خلیفہ ہونے کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

علامہ قرطبی نے کہا ہے: اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ امامتِ کبریٰ (یعنی تمام بلادِ اسلامیہ کے لیے واحد خلیفہ ہو) صرف قرشی کے لیے ہوگی اور انہوں نے اس طرف میلان کیا کہ یہ حدیث اَمر کے معنی میں ہے، اور حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''قریش کو مقدم کرو اور تم ان پر مقدم نہ ہو''، اس حدیث کی امام بیہقی نے روایت کی ہے۔

نیز ان احادیث میں ائمہ سے مراد خلفاء ہیں ورنہ خود نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سالم مولیٰ ابو حذیفہ رضی اللہ عنہما کو نماز کی امامت کے لیے مقرر کیا اور ان کے پیچھے قریش کی ایک جماعت نماز پڑھتی تھی، اور آپ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو اور حضرت معاذ بن جبل عنہ کو اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو لوگوں کے اوپر کئی لشکروں میں امیر بنا کر بھیجا اور ان لشکروں میں قریش کے لوگ بھی شامل ہوتے تھے۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ قرشی ہونے کی شرط صرف امامتِ کبریٰ کے لیے ہے اور کسی لشکر کے امیر کے لیے یا نماز کے امام کے لیے یا کسی شہر کے حاکم کے لیے قرشی ہونے کی شرط نہیں ہے۔

(فتح الباری ج ٨ ص ٣٠٩۔ ٣١١، ملخصاً وملتقطاً، دار المعرفہ، بیروت، ١٤٢٦ھ)

٣۔ بَابُ: أَجْرِ مَنْ قَضَى بِالْحِكْمَةِ

حکمت کے مطابق فیصلہ کرنے والے کے اجر کا بیان

لِقَوْلِهِ تعالىٰ: وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (المائدہ: ٤٧)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو لوگ اللہ کے نازل کیے ہوئے کے مطابق فیصلہ نہ کریں، سو وہی لوگ فاسق ہیں O

باب مذکور کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ٨٠٤ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

آیا المائدہ: ٤٧ کا حکم صرف مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہے یا یہود و نصاریٰ کو بھی عام ہے؟

حسن بصری نے کہا: یہ آیت اہلِ کتاب کے متعلق نازل ہوئی جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے تمام احکام کو ترک کر دیا یعنی رجم کرنے

میں اور دیات میں، اور ہم پر یہ حکم واجب ہے۔ (تفسیر طبری ج ۴ ص ۵۹۷)

اور الشعبی نے کہا: جس آیت میں ''کافرون'' کا ذکر ہے وہ اہلِ اسلام کے متعلق ہے اور جس آیت میں ''الظالمون'' کا ذکر ہے، سووہ یہود کے متعلق ہے اور جس آیت میں ''فسقون'' کا ذکر ہے وہ نصاریٰ کے متعلق ہے۔ (تفسیر طبری ج ۴ ص ۵۹۵)

اور عطاء اور طاؤس نے کہا کہ اس آیت میں کفر سے مراد وہ کفر نہیں ہے جو مشرکین کا کفر ہے، اور ظلم سے مراد مشرکین کے ظلم کی مثل نہیں ہے اور فسق سے مراد مشرکین کے فسق کی مثل نہیں ہے۔ (تفسیر طبری ج ۴ ص ۵۹۵۔۵۹۶)

علامہ ابن بطال نے کہا ہے: اس باب کی احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے احکام کے مطابق فیصلہ کیا وہ اجرِ جزیل کا مستحق ہوگا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے ساتھ رشک کرنے کو مباح قرار دیا، اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے احکام کے مطابق فیصلہ کرنا اشرف احوال سے ہے اور ان عظیم کاموں میں سے ہے جن سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ قاضی کے ساتھ ہوتا ہے جب تک وہ ظلم نہ کرے، پس جب وہ ظلم کرے تو اللہ تعالیٰ اس سے بیزار ہو جاتا ہے اور شیطان اس کے ساتھ لازم ہو جاتا ہے''۔

(سنن ترمذی: ۱۳۳۰، سنن ابن ماجہ: ۲۳۱۲، صحیح ابن حبان: ۵۰۶۲)

اس کی توجیہ کہ امام بخاری نے المائدہ کی آیت کا وہ حصہ ذکر کیا جس میں ''فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ'' مذکور ہے اور وہ حصہ ذکر نہیں کیا جس میں ''فاولٰئک ھم الظٰلمون'' مذکور ہے اور نہ وہ حصہ ذکر کیا جس میں ''فاولٰئک ھم الکٰفرون'' ہے

اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ آیت (المائدہ: ۴۷) یہود و نصاریٰ کے متعلق نازل ہوئی ہے، اس پر علامہ الداؤدی نے تنبیہ کی ہے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ کافر ہیں لیکن کافر باللہ نہیں ہیں اور نہ کافر بالملائکہ اور بالکتب اور بالرسل ہیں۔

اور النحاس نے کہا: اس کی توجیہ میں بہترین بات یہ ہے کہ یہ تمام آیتیں کفار کے متعلق ہیں، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے احکام میں سے کسی ایک حکم کو رد کر دیا تو وہ کافر ہو جائے گا۔ اور فقہاء کا اجماع ہے کہ جس نے رجم کے حکم کا انکار کیا وہ کافر ہے، کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کے احکام میں سے ایک حکم کو رد کر دیا۔

اور حسن بصری نے کہا: اللہ تعالیٰ نے حکام سے تین چیزوں کا عہد لیا، ایک یہ ہے کہ وہ خواہش کی پیروی نہیں کریں گے، دوسرا یہ کہ وہ لوگوں سے نہیں ڈریں گے اللہ تعالیٰ سے ڈریں گے، اور تیسرا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آیات کے بدلہ میں تھوڑی قیمت نہیں لیں گے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۲ ص ۴۳۴۔۴۳۵، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۷۱۴۱۔ حَدَّثَنَا شِهَابُ بْنُ عَبَّادٍ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ حُمَيْدٍ عَنْ إِسْمَاعِيلَ عَنْ قَيْسٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ رَجُلٌ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں شہاب بن عباد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم بن حمید نے حدیث بیان کی از اسماعیل از قیس از حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ، وہ

آتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَسَلَّطَهُ عَلَى هَلَكَتِهِ فِي الْحَقِّ وَآخَرُ آتَاهُ اللّٰهُ حِكْمَةً فَهُوَ يَقْضِي بِهَا وَيُعَلِّمُهَا۔

بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صرف دو مردوں میں رشک کرنا جائز ہے: ایک وہ مرد جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو، پھر اسے اس مال کو راہِ حق میں خرچ کرنے پر مسلط کر دیا ہو، اور دوسرا وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے حکمت دی ہو پس وہ اس حکمت کے مطابق فیصلہ کرے اور اس کی تعلیم دے۔

(صحیح البخاری: ۷۳، ۱۴۰۹، ۷۱۴۱، ۷۳۱۶، صحیح مسلم: ۸۱۶، سنن ابن ماجہ: ۴۲۰۸، مسند احمد: ۳۶۴۳)

صحیح البخاری: ۷۱۴۱، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

منصبِ قضاء کی فضیلت اور اس کی شرائط

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ منصبِ قضاء کے حصول کے لیے اس شخص کو رغبت کرنی چاہیے جو قضاء کی شرائط کا جامع ہو اور حق پر عمل کرانے کی طاقت رکھتا ہو، اور وہ مظلوم کی دادرسی کی طاقت رکھتا ہو، اور ظالم سے مظلوم کا حق لے کر مظلوم کو دینے کی طاقت رکھتا ہو، اور ظالم کا ہاتھ پکڑنے کی طاقت رکھتا ہو، اور لوگوں کے درمیان اصلاح کرنے کی طاقت رکھتا ہو، اور یہ تمام امور عبادات سے ہیں، اسی لیے انبیاء علیہم السلام ان امور کے مطابق عمل کرتے تھے اور انبیاء علیہم السلام کے بعد خلفاء راشدین ان کے مطابق عمل کرتے ہیں، اسی وجہ سے اس پر اتفاق ہے کہ منصبِ قضاء فرضِ کفایہ ہے، کیونکہ اس کے بغیر لوگوں کو استقامت پر نہیں رکھا جا سکتا۔

امام بیہقی نے سندِ قوی سے روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جب خلیفہ ہو گئے تو انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو قضاء کے منصب پر مقرر کیا اور ایک اور سندِ قوی سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو منصبِ قضاء پر مقرر کیا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عمال کی طرف لکھا کہ تم نیک لوگوں کو قضاء پر مقرر کرو، اور یہ سب اکابر صحابہ ہیں، اور بعض متقدمین نے منصبِ قضاء کو قبول نہیں کیا، کیونکہ ان کو یہ خوف تھا کہ وہ اس کے حقوق ادا نہیں کر سکیں گے اور ان حقوق کی ادائیگی پر کوئی مددگار انہیں میسر نہیں تھا۔

منصبِ قضاء کا شرعی حکم، آیا یہ فرضِ عین ہے یا فرضِ کفایہ؟

جب کوئی شخص قضاء کی شرائط کا جامع ہو اور قضاء کے حقوق ادا کرنے پر قادر ہو تو آیا اب اس کا منصبِ قضاء کے قبول کرنے سے انکار کرنا جائز ہے یا نہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر شہر میں اس کے علاوہ کوئی اور ایسا شخص نہ ہو جو قضاء کی شرائط کا جامع ہو تو اس پر متعین ہے کہ وہ منصبِ قضاء کو قبول کرے کیونکہ یہ فروضِ کفایہ میں سے ہے، اور دوسرا شخص اس کے قیام پر قادر نہیں ہے، پس اس کے اوپر متعین ہے کہ وہ منصبِ قضاء کو قبول کرے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۳۱۲، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۴۔ بَابُ: السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ لِلْإِمَامِ مَا لَمْ تَكُنْ مَعْصِيَةً

جب تک امام معصیت کا حکم نہ دے تو اس کے احکام سننے اور اس کی اطاعت کرنے کا وجوب

بابِ مذکور کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام اور سربراہِ ملک کی اطاعت کی تفصیل

احادیث میں امام کے احکام سننے اور اس کی اطاعت کے وجوب کا بیان ہے، جب تک کہ اس کا کوئی حکم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف نہ ہو، اور جب اس کا حکم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف ہو تو کسی کے لیے بھی جائز نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی معصیت میں اور اس کے رسول کی معصیت میں کسی کی اطاعت کرے، عام متقدمین کا یہی قول ہے۔

ابنِ جریر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ امام پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق حکم دے اور امانت کو ادا کرے، پس جب وہ ایسا کرے گا تو لوگوں پر حق ہے کہ اس کے احکام سنیں اور اس کی اطاعت کریں۔ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۳ ص ۴۳۷-۴۳۸، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۷۱۴۲۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضى الله عنه قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم اسْمَعُوا وَأَطِيعُوا وَإِنِ اسْتُعْمِلَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ كَأَنَّ رَأْسَهُ زَبِيبَةٌ۔

(صحیح البخاری: ۶۹۳، ۶۹۶، ۷۱۴۲، سنن ابن ماجہ: ۲۸۶۰، مسند احمد: ۱۱۷۱۶)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ بن سعید نے حدیث بیان کی از شعبہ از ابی التیاح از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: احکام سنو اور اطاعت کرو، خواہ تمہارے اوپر حبشی غلام کو حاکم مقرر کر دیا جائے گویا کہ اس کا سر انگور جتنا ہو۔

صحیح البخاری: ۷۱۴۲، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس سوال کا جواب کہ غلام کو خلیفہ اور امیر سربراہِ ملک بنانا جائز نہیں ہے، پھر اس باب کی احادیث میں غلام کی اطاعت کے وجوب کا کیوں ذکر فرمایا؟

علامہ المہلب مالکی نے کہا ہے: اس حدیث سے یہ لازم نہیں آتا کہ غلام کو سربراہِ ملک بنا دیا جائے، کیونکہ یہ گزر چکا ہے کہ امامت صرف قریش میں ہے، اور امت کا اس پر اجماع ہے کہ غلام کے لیے امامت نہیں ہوتی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے جو شخص سربراہِ ملک ہو وہ پہلے غلام ہو اور پھر اس کو آزاد کر کے سربراہِ ملک بنایا گیا ہو، اور یہ

اس وقت ہے کہ جب اس کو اختیار سے سربراہِ ملک بنایا جائے، لیکن اگر وہ طاقت اور غلبہ سے سلطنت پر قبضہ کر لے تو پھر فتنہ کی آگ کو بجھانے کے لیے اس کی اطاعت واجب ہوگی جب تک کہ وہ کسی معصیت کا حکم نہ دے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ امام اعظم اور سربراہِ ملک جب کسی حبشی غلام کو کسی شہر کا حاکم بنا دے تو اس کی اطاعت کرنا واجب ہے، اور اس حدیث سے یہ لازم نہیں آتا کہ حبشی غلام امام اعظم اور سربراہِ ملک ہوگا۔

اور علامہ خطابی نے کہا ہے: یہ ایسی مثال ہے جس کا واقع میں وجود نہیں ہے، اور حبشی غلام کا مبالغۃً اطلاق کیا گیا ہے، اگرچہ شرعاً حبشی غلام کا سربراہِ ملک ہونا متصور نہیں ہے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۳۱۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۱۴۳۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنِ الْجَعْدِ عَنْ أَبِي رَجَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ يَرْوِيهِ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ رَأَى مِنْ أَمِيرِهِ شَيْئًا فَكَرِهَهُ فَلْيَصْبِرْ فَإِنَّهُ لَيْسَ أَحَدٌ يُفَارِقُ الْجَمَاعَةَ شِبْرًا فَيَمُوتُ إِلَّا مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد نے حدیث بیان کی از الجعد از ابورجاء از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ اس حدیث کو روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنے امیر سے کسی ناگوار چیز کو دیکھے تو اس پر صبر کرے، کیونکہ جو شخص بھی جماعت سے ایک بالشت بھی الگ ہوگا تو وہ زمانہ جاہلیت کی موت مرے گا۔

(صحیح البخاری: ۷۰۵۳، ۷۰۵۴، صحیح مسلم: ۱۸۴۹، مسند احمد: ۲۸۲۱، سنن دارمی: ۲۵۱۹)

۷۱۴۴۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ حَدَّثَنِي نَافِعٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِيمَا أَحَبَّ وَكَرِهَ مَا لَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ فَإِذَا أُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ بن سعید نے حدیث بیان کی از عبید اللہ، انہوں نے کہا: مجھے نافع نے حدیث بیان کی از حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا کہ احکام کو سننا اور اطاعت کرنا مسلمان مرد پر لازم ہے خواہ وہ ان احکام کو پسند کرے یا ناپسند کرے، جب تک کہ معصیت کا حکم نہ دیا جائے، پس جب معصیت کا حکم دیا جائے تو نہ اس کے احکام سنے جائیں اور نہ اس کی اطاعت کی جائے۔

(صحیح البخاری: ۲۹۵۵، ۷۱۴۴، صحیح مسلم: ۱۸۳۹، سنن ترمذی: ۱۷۰۷، سنن ابوداؤد: ۲۶۲۶، سنن ابن ماجہ: ۲۸۶۴، مسند احمد: ۴۶۵۴)

۷۱۴۵۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ حَدَّثَنَا سَعْدُ بْنُ عُبَيْدَةَ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ بَعَثَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم سَرِيَّةً وَأَمَّرَ عَلَيْهِمْ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمر بن حفص بن غیاث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سعد بن عبیدہ نے حدیث بیان کی از

وَأَمَرَهُمْ أَنْ يُطِيعُوهُ فَغَضِبَ عَلَيْهِمْ وَقَالَ أَلَيْسَ قَدْ أَمَرَ النَّبِيُّ ﷺ أَنْ تُطِيعُونِي قَالُوا بَلَى قَالَ قَدْ عَزَمْتُ عَلَيْكُمْ لَمَا جَمَعْتُمْ حَطَبًا وَأَوْقَدْتُمْ نَارًا ثُمَّ دَخَلْتُمْ فِيهَا فَجَمَعُوا حَطَبًا فَأَوْقَدُوا نَارًا فَلَمَّا هَمُّوا بِالدُّخُولِ فَقَامَ يَنْظُرُ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ قَالَ بَعْضُهُمْ إِنَّمَا تَبِعْنَا النَّبِيَّ ﷺ فِرَارًا مِنَ النَّارِ أَفَنَدْخُلُهَا فَبَيْنَمَا هُمْ كَذَلِكَ إِذْ خَمَدَتِ النَّارُ وَسَكَنَ غَضَبُهُ فَذُكِرَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ لَوْ دَخَلُوهَا مَا خَرَجُوا مِنْهَا أَبَدًا إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ۔

ابی عبد الرحمٰن از حضرت علی رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر روانہ کیا اور اس لشکر کے اوپر انصار کے ایک مرد کو امیر بنا دیا اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ اس امیر کی اطاعت کریں، پس وہ امیر کسی بات پر لشکر والوں پر ناراض ہو گیا اور اس نے کہا: کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو یہ حکم نہیں دیا کہ تم میری اطاعت کرنا؟ اہل لشکر نے کہا: کیوں نہیں؟ اس نے کہا: میں نے تمہارے لیے ارادہ کیا ہے کہ تم لکڑیوں کو جمع کرو اور تم ان کو آگ لگاؤ، پھر تم اس آگ میں داخل ہو جاؤ، پس لوگوں نے لکڑیاں جمع کیں، پھر آگ لگائی، پھر جب انہوں نے اس میں داخل ہونے کا ارادہ کیا تو وہ کھڑے ہو کر ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے، ان میں سے کسی نے کہا: ہم نے آگ سے بھاگنے کے لیے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی ہے، تو کیا ہم آگ میں داخل ہو جائیں گے؟ پس جس وقت وہ اسی سوچ و بچار میں تھے تو اچانک وہ آگ بجھ گئی اور اس امیر کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس واقعہ کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا: اگر وہ اس آگ میں داخل ہو جاتے تو ابد تک اس آگ سے نہ نکلتے، اطاعت صرف نیک کاموں میں کی جاتی ہے۔

(صحیح البخاری: ۴۳۴۰، ۷۱۴۵، ۷۲۵۷، صحیح مسلم: ۱۸۴۰، سنن نسائی: ۴۲۰۵، سنن ابوداؤد: ۲۶۲۵، مسند احمد: ۱۰۲۱)

صحیح البخاری: ۷۱۴۵، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس سوال کا جواب کہ اس لشکر کا آگ میں داخل ہونا زیادہ سے زیادہ گناہِ کبیرہ تھا، پھر آپ نے یہ کیوں فرمایا کہ وہ ابد تک اس آگ سے نہ نکلتے

علامہ المہلب نے اس سوال کے جواب میں یہ کہا ہے کہ ابد سے مراد یہاں پر ابد الدنیا ہے یعنی دنیا ختم ہونے تک وہ آگ میں جلتے رہتے، یہ آپ کی مراد نہیں ہے کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ آگ میں جلتے رہتے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ (النساء: ۴۸) بے شک اللہ اس گناہ کو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور جو اس سے کم (گناہ) ہو اس کو جس کے لیے چاہے بخش دیتا ہے۔

اور یہ معلوم ہے کہ جن لوگوں نے اس آگ میں داخل ہونے کا ارادہ کیا تھا وہ اس ارادہ سے کافر نہیں ہوئے تھے کہ ان پر ہمیشہ

ہمیشہ کے لیے عذاب ثابت ہوتا، بلکہ اس حدیث کی اس پر دلالت ہے کہ اگر وہ اس آگ میں داخل ہو جاتے تو وہ اس آگ میں مرجاتے اور اس وقت تک اس آگ سے نہ نکلتے جب تک کہ دنیا ختم نہ ہو جاتی۔

جو شخص احکامِ شرعیہ کے خلاف حکم دے اس کو منصبِ امارت پر برقرار رکھنے کے متعلق فقہاء کے نظریات

قاضی ابوبکر بن الطیب نے کہا ہے کہ امت کا اس پر اجماع ہے کہ ایسے شخص کو منصب سے اتارنا واجب ہے اور اس کی اطاعت کی فرضیت ساقط ہو گئی۔

اور اس میں اختلاف ہے کہ جب امیر فاسق ظالم ہو، لوگوں کے اموال غصب کرتا ہو، ناحق لوگوں کو قتل کرتا ہو، حدود اللہ کو ضائع کرتا ہو اور حقوق کو معطل کرتا ہو تو اکثر لوگوں نے کہا: اس کو منصبِ امارت سے اتارنا واجب ہے۔

اور جمہور ائمہ اور محدثین نے کہا ہے: ان امور کی وجہ سے اس کو منصبِ امارت سے نہیں معزول کیا جائے گا اور اس کے خلاف خروج واجب نہیں ہے، بلکہ اس کو وعظ و نصیحت کرنا اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرانا واجب ہے، اور جس معصیت کا وہ حکم دے رہا ہے اس میں اس کی اطاعت نہ کی جائے، اور ان کا استدلال درجِ ذیل حدیث سے ہے:

امام ابوداؤد اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم پر فرض نماز کو پڑھنا ہر مسلمان کے پیچھے واجب ہے خواہ وہ نیک ہو یا بدکار ہو اور خواہ وہ گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہو۔ (سنن ابوداؤد: ۵۹۴)

قاضی ابوبکر نے کہا ہے: اگر امیر کو جنون ہو جائے اور وہ صحیح اور غلط کی تمیز نہ کر سکتا ہو اور اس کی صحت سے مایوسی ہو یا امیر بہرہ ہو اور گونگا ہو اور بہت بوڑھا ہو یا اسے کوئی ایسا امر عارض ہو جائے کہ وہ امت کی خیر خواہی کے کام نہ کر سکے تو ان صورتوں میں اس کو منصبِ امارت سے معزول کر دیا جائے گا۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۲ ص ۴۰۴، ملخصاً و ملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۵۔ بَابٌ: مَنْ لَمْ يَسْأَلِ الْإِمَارَةَ أَعَانَهُ اللّٰهُ عَلَيْهَا

اس کا بیان کہ جو خود امارت اور حکومت کا سوال نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرماتا ہے

۷۱۴۶۔ حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ حَدَّثَنَا جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ لِي النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يَا عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ سَمُرَةَ لَا تَسْأَلِ الْإِمَارَةَ فَإِنَّكَ إِنْ أُعْطِيتَهَا عَنْ مَسْأَلَةٍ وُكِلْتَ إِلَيْهَا وَإِنْ أُعْطِيتَهَا عَنْ غَيْرِ مَسْأَلَةٍ أُعِنْتَ عَلَيْهَا وَإِذَا حَلَفْتَ عَلَى يَمِينٍ فَرَأَيْتَ غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا فَكَفِّرْ عَنْ يَمِينِكَ وَأْتِ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں حجاج بن منہال نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر بن حازم نے حدیث بیان کی از الحسن از حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عبدالرحمٰن بن سمرہ! تم امارت (حکومت یا منصب) کا سوال نہ کرنا، کیونکہ اگر تم کو امارت تمہارے سوال کی وجہ سے دی گئی تو تم کو اس کے سپرد کر دیا جائے گا)، اور اگر تم کو امارت تمہارے سوال کے بغیر دی گئی تو تمہاری اس میں مدد کی جائے گی، اور جب تم کسی چیز کی قسم کھاؤ اور جس چیز کی قسم کھائی ہے اس کے غیر کو بہتر سمجھو تو اپنی قسم کا کفارہ

دو اور اس کام کو کرو جو بہتر ہے۔

(صحیح البخاری: ۶۶۲۲، ۶۷۲۲، ۶۱۴۶، ۷۱۴۷، صحیح مسلم: ۱۶۵۲، سنن ترمذی: ۱۵۲۹، سنن نسائی: ۳۷۸۲، سنن ابوداؤد: ۲۹۴۹، مسند احمد: ۲۰۰۹۵)

۶۔ بَابُ: مَنْ سَأَلَ الْإِمَارَةَ وُكِلَ إِلَيْهَا

اس کا بیان کہ جس نے امارت کا سوال کیا وہ اس کے سپرد کر دیا جائے گا

۷۱۴۷۔ حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ حَدَّثَنَا يُونُسُ عَنِ الْحَسَنِ قَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ ﷺ يَا عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ سَمُرَةَ لَا تَسْأَلُ الْإِمَارَةَ فَإِنْ أُعْطِيتَهَا عَنْ مَسْأَلَةٍ وُكِلْتَ إِلَيْهَا وَإِنْ أُعْطِيتَهَا عَنْ غَيْرِ مَسْأَلَةٍ أُعِنْتَ عَلَيْهَا وَإِذَا حَلَفْتَ عَلَى يَمِينٍ فَرَأَيْتَ غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا فَأْتِ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ وَكَفِّرْ عَنْ يَمِينِكَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابومعمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالوارث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یونس نے حدیث بیان کی از الحسن، انہوں نے کہا: مجھے عبدالرحمٰن بن سمرہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عبدالرحمٰن بن سمرہ! امارت کا سوال نہ کرنا، کیونکہ اگر تم کو امارت سوال کی وجہ سے دی گئی تو تم کو اس کے سپرد کر دیا جائے گا، اور اگر تم کو امارت بغیر سوال کے دی گئی تو تمہاری اس پر مدد کی جائے گی، اور جب تم کسی چیز کی قسم کھاؤ اور اس کے غیر کو بہتر جانو تو اس کام کو کرو جو بہتر ہے اور اپنی قسم کا کفارہ دے دو۔

(صحیح البخاری: ۶۶۲۲، ۶۷۲۲، ۶۱۴۶، ۷۱۴۷، صحیح مسلم: ۱۶۵۲، سنن ترمذی: ۱۵۲۹، سنن نسائی: ۳۷۸۲، سنن ابوداؤد: ۲۹۴۹، مسند احمد: ۲۰۰۹۵)

صحیح البخاری: ۷۱۴۷، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کا سننِ ابوداؤد کی ایک حدیث سے تعارض اور اس کا جواب

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جس نے منصبِ امارت کو طلب کیا، پھر وہ منصب اس کو دے دیا گیا تو اس کی حرص کی وجہ سے اس کی اعانت ترک کر دی جائے گی، اور اس سے یہ معلوم ہوا کہ جس منصب کا تعلق حکومت کے ساتھ ہو اس کو طلب کرنا مکروہ ہے، اور جو اس کی حرص کرے گا اس کی اللہ کی طرف سے مدد نہیں کی جائے گی، اور یہ حدیث بہ ظاہر درج ذیل حدیث کے معارض ہے:

امام ابوداؤد اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے مسلمانوں کے منصبِ قضاء کو طلب کیا حتیٰ کہ اس کو حاصل کر لیا، پھر اس کا عدل اس کے ظلم پر غالب رہا تو اس کے لیے جنت ہے، اور جس کا ظلم اس کے عدل پر غالب رہا تو اس کے لیے دوزخ ہے۔

اس باب کی حدیث میں مذکور ہے "جس نے منصب کا سوال کیا اس کی مدد نہیں کی جائے گی"، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس سے عدل حاصل نہ ہو، پس منصب حاصل ہونے کے بعد جب اس نے عدل کیا تو پھر اس کی مغفرت کر دی جائے گی۔

اور یہ معلوم ہے کہ ہر ولایت اور حکومت میں مشقت ضرور ہوتی ہے، پس جس کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعانت نہ ہو اور پھر وہ اس میں داخل ہو جائے تو اس کی دنیا اور آخرت خراب ہو جاتی ہے، اس لیے صاحبِ عقل اور دین دار اس منصب کی طلب نہیں کرے گا۔

علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ اس باب کی احادیث غالب احوال پر محمول ہیں ورنہ حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا تھا:

قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآىِٕنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ (یوسف:۵۵) (یوسف نے) کہا: مجھے اس ملک کے خزانوں پر مقرر کر دیں بے شک میں حفاظت کرنے والا علم والا ہوں O

اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعا کی:

رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَهَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ (ص:۳۵) اے میرے رب! مجھے بخش دے اور مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جو میرے بعد کسی اور کے لائق نہ ہو۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ جب کسی شخص کو حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرح یقینی علم ہو کہ وہ منصب امارت کا اہل ہے اور کوئی دوسرا اس منصب کا اہل نہیں ہے تو وہ اس منصب کے حصول کے لیے دعا کر سکتا ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حدیث میں جو منصب کے سوال کرنے کی ممانعت ہے وہ غیر انبیاء کے حق میں ہے، لہٰذا یہ آیات اس باب کی احادیث کے معارض نہیں ہیں۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۳۱۴۔۳۱۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۔ بَابُ: مَا یُكْرَهُ مِنَ الْحِرْصِ عَلَى الْإِمَارَةِ
امارت کی حرص کے مکروہ ہونے کا بیان

بابِ مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کے عنوان میں امارت کا ذکر ہے اور امارت کے عموم میں امارتِ عظمٰی بھی داخل ہے جو کہ خلافت ہے اور امامتِ صغریٰ بھی داخل ہے جو کہ بعض شہروں پر ولایت اور امارت ہوتی ہے، اور اس باب کی حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آئندہ واقع ہونے والے کام کی خبر دی ہے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۳۱۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۱۴۸۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّكُمْ سَتَحْرِصُونَ عَلَى الْإِمَارَةِ وَسَتَكُونُ نَدَامَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَنِعْمَ الْمُرْضِعَةُ وَبِئْسَتِ الْفَاطِمَةُ وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ حُمْرَانَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْحَمِيدِ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ عُمَرَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن یونس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن ابی ذئب نے حدیث بیان کی از سعید المقبری از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: بے شک تم عنقریب امارت کی حرص کرو گے اور وہ (تمہارے لیے) قیامت کے دن ندامت کا باعث ہو گی، پس دودھ پلانے والی کیا ہی اچھی ہے اور دودھ چھڑانے والی

بْنِ الْحَكَمِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَوْلَهُ۔

(سنن نسائی: ۴۲۱۱، مسند احمد: ۹۴۹۹)

کیسی بری ہے۔ اور محمد بن بشار نے کہا: ہمیں حدیث بیان کی عبداللہ بن حمران نے، انہوں نے کہا: ہمیں حدیث بیان کی عبدالحمید بن جعفر نے از سعید المقبری از عمر بن الحکم از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔

صحیح البخاری: ۷۱۴۸، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امارت اور حکومت کی حرص کی مذمت کا سبب

علامہ المہلب المالکی نے کہا ہے: امارت اور حکومت پر لوگوں کی حرص کا ظاہر مشاہدہ ہیں، اور اسی کی وجہ سے لوگ امارت اور حکومت کے اوپر ایک دوسرے کا خون بہاتے ہیں اور ان کی عزتوں کو پامال کرتے ہیں اور زمین میں جھگڑا اور فساد کرتے ہیں حتیٰ کہ وہ امارت اور حکومت کو اپنی ذات کے لیے حاصل کریں، پھر یہ ضروری ہے کہ ان کو اس برے حال سے چھڑایا جائے جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ چھڑانے والی کے ساتھ مثال دی ہے، کیونکہ جو شخص امارت پر حرص کرتا ہے یا تو وہ اس امارت کے حصول کی جدوجہد میں قتل کر دیا جائے گا یا معزول کر دیا جائے گا جس سے اس کو ذلت ہوگی یا اسی حال میں مر جائے گا تو آخرت میں اس سے لوگوں کے حقوق کا مطالبہ کیا جائے گا اور وہ نہیں دے سکے گا تو اس وقت وہ نادم ہوگا۔

ضرورت کے وقت امارت کی حرص کا جواز

رہا وہ شخص جس کو اس پر حرص ہو کہ مسلمانوں کے جو حقوق ضائع ہو رہے ہیں، ان حقوق کو دلوایا جائے یا ان کی ضروریات جن وجوہ سے پوری نہیں ہو رہیں، ان وجوہ کو زائل کیا جائے اور اس کے زمانہ میں کوئی ایسا شخص نہ ہو جو مسلمانوں کے ان امور کا انتظام کر سکے تو اس وقت اس کے لیے کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ امارت کے حصول کے لیے حرص کرے تاکہ جو مسلمانوں کے حقوق ضائع ہو گئے ہیں وہ حقوق دلائے، اور ان شاء اللہ اس وجہ سے وہ متہم نہیں ہوگا، جیسا کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ضرورت کے وقت خود لشکر کی کمان کا جھنڈا سنبھال لیا تھا۔ (شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۸ ص ۱۶۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

میں کہتا ہوں: علامہ ابن بطال نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی جس حدیث کا حوالہ دیا ہے وہ درج ذیل ہے:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو حضرت زید اور حضرت جعفر اور حضرت ابن رواحہ کی وفات کی خبر اس سے پہلے دے دی کہ لوگوں کے پاس ان کی وفات کی خبر پہنچتی، آپ نے فرمایا: زید نے جھنڈا اٹھایا، پس وہ شہید ہو گئے، پھر اس کو جعفر نے اٹھایا پس وہ شہید ہو گئے، پھر اس جھنڈے کو ابن رواحہ نے اٹھایا تو وہ شہید ہو گئے، پھر اس جھنڈے کو بغیر کسی کے حکم کے خالد بن ولید نے اٹھا لیا، پس ان کو فتح عطا کی گئی۔

(صحیح البخاری: ۱۲۴۶، ۳۷۵۷، سنن نسائی: ۱۸۶۸، مسند احمد: ۱۱۷۰۴)

صحیح البخاری: ۷۱۴۸، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی تائید میں دیگر احادیث

امام بزار اور امام طبرانی نے سندِ صحیح کے ساتھ حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ امارت کا اول ملامت ہے اور امارت کا ثانی ندامت ہے اور امارت کا ثالث قیامت کا عذاب ہے، سوا اس کے جو عدل کرے۔

اور امام طبرانی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''امارت اس کے لیے بہترین چیز ہے جو اس کو حق کے ساتھ حاصل کرے اور اس کی گرہ کو کھولے، اور امارت اور حکومت اس کے لیے بری چیز ہے جو اس کو ناحق حاصل کرے تو وہ امارت اس کے لیے قیامت کے دن حسرت ہوگی''۔

اس حدیث میں یہ وضاحت ہوگئی ہے کہ امارت کا حصول مطلقاً مستحسن یا مذموم نہیں ہے، بلکہ جو اس کو حق کے ساتھ حاصل کرے اس کے لیے مستحسن ہے اور جو اس کو ناحق ذریعہ سے حاصل کرے اس کے لیے مذموم ہے، اور اس کی تائید درج ذیل حدیث سے ہوتی ہے:

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا آپ مجھے کسی جگہ کا عامل نہیں بناتے؟ آپ نے فرمایا: ''تم کمزور ہو اور بے شک یہ امارت اور حکومت قیامت کے دن ذلت اور ندامت ہوگی، سوا اس کے جو اس کو حق کے ساتھ حاصل کرے اور اس کے اوپر جو ذمہ داری عائد ہوئی ہے اس کو پورا کرے''۔

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ نے کہا ہے کہ امارت اور ولایت سے اجتناب کرنے کے لیے یہ بہت قوی دلیل ہے خصوصاً اس شخص کے لیے جس میں ضعف ہو اور کمزوری ہو، اور اس شخص کے لیے کہ جو امارت کو اور حکومت کو بغیر اہلیت اور استعداد کے حاصل کرے اور عدل نہ کر سکے، کیونکہ قیامت کے دن وہ اپنی ان تقصیرات کے اوپر نادم ہوگا جو اس سے سرزد ہو گئیں، رہا وہ شخص جو امامت اور سربراہی کے اہل اور لائق ہو اور امیر بننے کے بعد عدل کرے تو اس کو عظیم اجر ملے گا جیسا کہ بہت سی احادیث میں اس کی تصریح ہے لیکن بہر حال امارت اور حکومت میں داخل ہونا عظیم خطرہ سے خالی نہیں ہے، اسی وجہ سے اکابرین نے کسی عہدہ کا بوجھ سنبھالنے سے انکار کیا۔

امارت کو عمدہ دودھ پلانے والی اور بری دودھ پلانے والی فرمانے کی توجیہ

اس حدیث میں مذکور ہے ''کیا ہی اچھی ہے دودھ پلانے والی اور کیا ہی بری ہے دودھ چھڑانے والی''۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو امارت کے متعلق فرمایا ''وہ کیسی اچھی دودھ پلانے والی ہے'' کیونکہ اس سے عزت حاصل ہوتی ہے اور مال و دولت کا حصول ہوتا ہے اور احکامِ شرعیہ کو نافذ کرنے کا موقع حاصل ہوتا ہے اور دنیاوی لذات حاصل ہوتی ہیں اور فرمایا ''کیسی بری ہے دودھ چھڑانے والی'' یعنی جب منصب حاصل کرنے والا مر جائے گا اور اس کے اوپر لوگوں کے حقوق ہوں گے جن کو اس نے ادا نہیں کیا ہوگا تو

آخرت میں اس سے ان حقوق کی بناء پر مواخذہ کیا جائے گا۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۳۱۵۔۳۱۶، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۱۴۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدٍ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى رضى الله عنه قَالَ دَخَلْتُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ أَنَا وَرَجُلَانِ مِنْ قَوْمِي فَقَالَ أَحَدُ الرَّجُلَيْنِ أَمِّرْنَا يَا رَسُولَ اللهِ وَقَالَ الْآخَرُ مِثْلَهُ فَقَالَ إِنَّا لَا نُوَلِّي هَذَا مَنْ سَأَلَهُ وَلَا مَنْ حَرَصَ عَلَيْهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن العلاء نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابواسامہ نے حدیث بیان کی از برید از ابی بردہ از حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میرے ساتھ میری قوم کے دو مرد تھے، پس ان دو مردوں میں سے ایک نے کہا: یارسول اللہ! ہمیں کسی جگہ کا حاکم بنا دیں اور دوسرے نے بھی اس کی مثل کہا تو آپ نے فرمایا: ہم اس کو کوئی منصب نہیں دیں گے جو اس کا سوال کرے گا اور نہ اس کو منصب دیں گے جو اس کی حرص کرے گا۔

(صحیح البخاری: ۲۲۶۱، ۳۰۳۸، ۴۳۴۱، ۴۳۴۳، ۴۳۴۴، ۶۱۲۴، ۶۹۲۳، ۷۱۴۹، ۷۱۵۶، ۷۱۵۷، ۷۱۷۲، سنن نسائی: ۵۳۸۲، سنن ابوداؤد: ۳۵۷۹، مسند احمد: ۱۹۱۶۷)

۸۔ بَابُ: مَنِ اسْتُرْعِيَ رَعِيَّةً فَلَمْ يَنْصَحْ

جو شخص عوام کا حاکم بنایا جائے اور وہ ان کی خیرخواہی نہ کرے اس کی مذمت کا بیان

۷۱۵۰۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَشْهَبِ عَنِ الْحَسَنِ أَنَّ عُبَيْدَ اللهِ بْنَ زِيَادٍ عَادَ مَعْقِلَ بْنَ يَسَارٍ فِي مَرَضِهِ الَّذِي مَاتَ فِيهِ فَقَالَ لَهُ مَعْقِلٌ إِنِّي مُحَدِّثُكَ حَدِيثًا سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ مَا مِنْ عَبْدٍ اسْتَرْعَاهُ اللهُ رَعِيَّةً فَلَمْ يَحُطْهَا بِنَصِيحَةٍ إِلَّا لَمْ يَجِدْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ۔

(صحیح مسلم: ۱۴۲، مسند احمد: ۱۹۸۰۴)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوالاشہب نے حدیث بیان کی از الحسن، وہ بیان کرتے ہیں کہ عبیداللہ بن زیاد نے حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی اس مرض میں عیادت کی جس میں وہ فوت ہو گئے تھے، تو ان سے حضرت معقل رضی اللہ عنہ نے کہا: میں تمہیں ایک حدیث بیان کرتا ہوں جس کو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جس بندہ کو بھی اللہ تعالیٰ عوام کا حاکم بنائے، پھر وہ اپنے عوام کی خیرخواہی نہ کرے تو وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا۔

۷۱۵۱۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ أَخْبَرَنَا حُسَيْنٌ الْجُعْفِيُّ قَالَ زَائِدَةُ ذَكَرَهُ عَنْ هِشَامٍ عَنِ الْحَسَنِ قَالَ أَتَيْنَا مَعْقِلَ بْنَ يَسَارٍ نَعُودُهُ فَدَخَلَ عَلَيْنَا عُبَيْدُ اللهِ فَقَالَ لَهُ مَعْقِلٌ أُحَدِّثُكَ حَدِيثًا سَمِعْتُهُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق بن منصور نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حسین الجعفی نے حدیث بیان کی، وہ بیان کرتے ہیں کہ زائدہ نے کہا: اس کی انہوں نے ہشام سے روایت کی از حسن بصری، انہوں نے بیان کیا: ہم

مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ مَا مِنْ وَالٍ يَلِي رَعِيَّةً مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَيَمُوْتُ وَهُوَ غَاشٌّ لَهُمْ إِلَّا حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ۔
(صحیح مسلم: ۱۴۲، مسند احمد: ۱۹۸۰۴)

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی عیادت کرنے کے لیے گئے، پس ہمارے پاس عبید اللہ آئے تو ان سے معقل نے کہا: میں تمہیں ایک حدیث بیان کرتا ہوں جس کو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ نے فرمایا: جو شخص بھی مسلمان عوام کا والی اور حاکم بنایا جائے اور وہ اس حال میں مرجائے کہ وہ ان کے ساتھ خیانت کرنے والا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے اوپر جنت کو حرام کردے گا۔

صحیح البخاری: ۷۱۵۰۔۷۱۵۱، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث میں مذکور رجال کا تعارف

اس حدیث کی سند میں حسن کا ذکر ہے، اس سے مراد حسن بصری مشہور تابعی ہیں۔ اور اس حدیث کے متن میں عبید اللہ بن زیاد کا ذکر ہے، جو حضرت معاویہ اور ان کے بیٹے یزید کے زمانہ میں بصرہ کے حاکم تھے، اور اس سے معلوم ہوا کہ حسن بصری اس موقع پر موجود تھے۔

نیز اس حدیث میں حضرت معقل بن یسار کا ذکر ہے، یہ مشہور صحابی ہیں۔ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی وفات ۶۰ اور ۷۰ھ کے درمیان یزید بن معاویہ کی حکومت میں ہوئی ہے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۷۱۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۷۱۵۱، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

والی اور حاکم پر عوام کی خیر خواہی کرنا فرض ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص لوگوں پر امیر ہو وہ ان کے حقوق کا محافظ ہے اور اس سے ان لوگوں کے متعلق سوال کیا جائے گا''۔ (صحیح البخاری: ۵۲۰۰، صحیح مسلم: ۱۸۲۹)

سو جس حاکم نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی مخالفت کی اور اپنے عوام کے ساتھ خیانت کی یا ان پر ظلم کیا تو قیامت کے دن تمام بندوں کے حقوق کا اس حاکم سے سوال کیا جائے گا، پس وہ کیسے قادر ہوگا کہ اتنی بڑی امت کے مظالم کا بدلہ اتار سکے، اور اس حدیث میں ظالم ائمہ کے متعلق شدید وعید ہے۔

اور حاکم پر واجب ہے کہ وہ مظلومین سے حجاب میں نہ رہے، کیونکہ اس کے متعلق بھی شدید وعید وارد ہے۔

ولید بن مسلم یزید بن ابی مریم سے روایت کرتے ہیں از القاسم بن مخیمرہ از ابی مریم الفلسطینی، اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے تھے، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ''جو شخص مسلمانوں کے امور میں سے کسی امر کا والی اور حاکم ہو، پس وہ ان کی ضروریات پوری کرنے کے مواقع سے حجاب میں رہے تو اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت پوری کرنے سے حجاب میں رہے گا''۔

نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بے شک جن حکام نے اگر ایسا کیا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے اور تمام مومنین سے خیانت کی"۔ (المستدرک ج ۴ ص ۹۴۔ ۹۳، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۲۲ ص ۳۳۱)
(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۸ ص ۱۷۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۹۔ بَابُ: مَنْ شَاقَّ شَقَّ اللّٰهُ عَلَيْهِ

جو کسی کو مشقت میں مبتلاء کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو مشقت میں مبتلاء کردے گا

۷۱۵۲۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ الْوَاسِطِيُّ حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنِ الْجُرَيْرِيِّ عَنْ طَرِيفٍ أَبِي تَمِيمَةَ قَالَ شَهِدْتُ صَفْوَانَ وَجُنْدَبًا وَأَصْحَابَهُ وَهُوَ يُوصِيهِمْ فَقَالُوا هَلْ سَمِعْتَ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم شَيْئًا قَالَ سَمِعْتُهُ يَقُولُ مَنْ سَمَّعَ سَمَّعَ اللّٰهُ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَ وَمَنْ يُشَاقِقْ يَشْقُقِ اللّٰهُ عَلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَقَالُوا أَوْصِنَا فَقَالَ إِنَّ أَوَّلَ مَا يُنْتِنُ مِنَ الْإِنْسَانِ بَطْنُهُ فَمَنِ اسْتَطَاعَ أَنْ لَا يَأْكُلَ إِلَّا طَيِّبًا فَلْيَفْعَلْ وَمَنِ اسْتَطَاعَ أَنْ لَا يُحَالَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجَنَّةِ بِمِلْءِ كَفِّهِ مِنْ دَمٍ أَهْرَاقَهُ فَلْيَفْعَلْ قُلْتُ لِأَبِي عَبْدِ اللّٰهِ مَنْ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم جُنْدَبٌ قَالَ نَعَمْ جُنْدَبٌ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق الواسطی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں خالد نے حدیث بیان کی از الجریری از طریف ابی تمیمہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں صفوان اور حضرت جندب رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب کے پاس حاضر تھا اور حضرت جندب رضی اللہ عنہ ان کو وصیت فرما رہے تھے، پس ان لوگوں نے کہا: کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سنا ہے؟ تو حضرت جندب نے بیان کیا: میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس نے کسی کو سنانے کے لیے کوئی کام کیا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے اس کام کو سنا دے گا، آپ نے فرمایا: اور جس نے کسی کو مشقت میں مبتلاء کیا، اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن مشقت میں مبتلاء کر دے گا، پس لوگوں نے کہا: آپ ہمیں وصیت کیجئے، آپ نے فرمایا: بے شک سب سے پہلے انسان کے جسم میں سے اس کا پیٹ بدبودار ہوتا ہے، پس جس شخص کو یہ طاقت ہو کہ وہ حلال کھانے کے سوا اور کوئی چیز نہ کھائے، سو وہ ایسا کرے۔ اور جس شخص کو یہ طاقت ہو کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک بالشت کے برابر بھی ناحق خون بہانے کی وجہ سے کوئی چیز حائل نہ ہو تو وہ ایسا کرے، راوی کہتا ہے: میں نے امام بخاری سے پوچھا: یہ کون کہتا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، کیا حضرت جندب رضی اللہ عنہ کہتے تھے؟، انہوں نے کہا: ہاں حضرت جندب رضی اللہ عنہ کہتے تھے۔

(صحیح البخاری: ۶۴۹۹، صحیح مسلم: ۲۹۸۷، سنن ابن ماجہ: ۴۲۰۷، مسند احمد: ۱۸۳۳۰)

صحیح البخاری: ۷۱۵۲، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الجُریری، ان کا نام سعید بن ایاس ہے، اور جُریری کی وفات ۱۴۴ھ میں ہوئی اور موت سے تین سال پہلے ان کے دماغ میں خلل ہو گیا تھا۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو تمیمہ، ان کا نام ابن مجالب الحجیمی البصری ہے، امام بخاری نے ان سے صرف یہی حدیث روایت کی ہے۔ اس حدیث کی سند میں صفوان کا ذکر ہے، یہ ابن محرز بن زیاد تابعی ہیں اور اہل بصرہ میں سے مشہور ثقہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں حضرت جندب رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے، ان کا نام ابن عبداللہ البجلی ہے جو مشہور صحابی ہیں، یہ اہلِ کوفہ میں سے تھے، پھر بصرہ کی طرف منتقل ہو گئے تھے۔

حضرت جندب رضی اللہ عنہ کی خوارج کے متعلق روایت

امام طبرانی نے اپنی سند کے ساتھ از الاعمش از ابی تمیمہ روایت کی ہے کہ وہ حضرت جندب رضی اللہ عنہ کے ساتھ بصرہ کی طرف گئے، پس حضرت جندب رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا تم کسی کے ساتھ قرآن مجید کا دور کرتے تھے؟ انہوں نے کہا: ہاں! حضرت جندب رضی اللہ عنہ نے کہا: ان کو میرے پاس لاؤ، راوی نے بیان کیا: پس میں ان کے پاس نافع، ابو بلال، مرداس، نجدہ اور صالح بن مشرح کو لے کر آیا، میں نے کہا: ان میں سے چار تو خوارج کے سردار ہیں جنہوں نے حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کی مدد کے لیے مکہ کی طرف خروج کیا تھا جب یزید بن معاویہ حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کے خلاف لشکر لے کر آیا تھا، پس یہ لوگ پہلے محاصرہ میں موجود تھے، پھر جب ان کے پاس یزید بن معاویہ کی موت کی خبر آئی تو انہوں نے حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق کیا کہتے ہیں، حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما نے ان کی حمد و ثناء کی تو یہ چاروں غضب ناک ہو گئے اور حضرت ابن الزبیر سے الگ ہو گئے، اور نجدہ یمامہ میں چلا گیا اور وہاں اور حجاز کے بعض شہروں پر غلبہ حاصل کیا۔ اور نافع بن الازرق، عراق میں چلا گیا اور ایک مدت تک اس کا وہاں فتنہ رہا۔ اور ابو بلال مرداس نے عبیداللہ بن زیاد کے خلاف خروج کیا، پس عبیداللہ بن زیاد نے اس کو قتل کر دیا۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۳۱۸۔۳۱۹، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۷۱۵۲، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اپنی فضیلت کے اظہار کے لیے اپنے کسی عمل کو سنانے اور دکھانے کی مذمت

علامہ حمد بن محمد خطابی الشافعی المتوفی ۳۸۸ھ نے لکھا ہے: اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جس نے اپنے علم کو دکھایا اور لوگوں کو سنایا تا کہ لوگ اس وجہ سے اس کی عزت کریں اور اس کو عالم قرار دیں، اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن رسوا کر دے گا حتیٰ کہ لوگوں کو اس کی رسوائی دکھائے گا، اور یہ اس کی سزا ہے کہ وہ دنیا میں اپنے کاموں کی شہرت اور ان کو سنانے سے محبت رکھتا تھا۔

(اعلام الحدیث ج ۴ ص ۲۳۳۶)

اس حدیث کی وضاحت درج ذیل حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے اپنے کسی عمل کو سنایا، اللہ تعالیٰ (اس کی برائی) اپنی مخلوق کو سنائے گا اور اس کو حقیر بنائے گا اور ذلیل کرے گا''۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۲، المعجم الاوسط للطبرانی: ۴۹۸۴، شعب الایمان للبیہقی: ۶۸۲۱)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۲ ص ۴۵۲، وزارۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۱۰۔ بَابُ: الْقَضَاءِ وَالْفُتْيَا فِي الطَّرِيقِ

راستہ میں فیصلہ کرنے اور فتویٰ دینے کا بیان

وَقَضَى يَحْيَى بْنُ يَعْمَرَ فِي الطَّرِيقِ وَقَضَى الشَّعْبِيُّ عَلَى بَابِ دَارِهِ۔

یحییٰ بن یعمر نے راستہ میں فیصلہ کیا اور شعبی نے اپنے گھر کے دروازہ پر فیصلہ کیا۔

۷۱۵۳۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رضی الله عنه قَالَ بَيْنَمَا أَنَا وَالنَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم خَارِجَانِ مِنَ الْمَسْجِدِ فَلَقِيَنَا رَجُلٌ عِنْدَ سُدَّةِ الْمَسْجِدِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ مَتَى السَّاعَةُ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم مَا أَعْدَدْتَ لَهَا فَكَأَنَّ الرَّجُلَ اسْتَكَانَ ثُمَّ قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ مَا أَعْدَدْتُ لَهَا كَبِيرَ صِيَامٍ وَلَا صَلَاةٍ وَلَا صَدَقَةٍ وَلَكِنِّي أُحِبُّ اللهَ وَرَسُولَهُ قَالَ أَنْتَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عثمان بن ابی شیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از منصور از سالم بن ابی الجعد، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے بیان کیا کہ جس وقت میں اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد سے باہر جا رہے تھے تو مسجد کے دروازہ کے پاس ایک مرد ہم سے ملا، اس نے کہا: یارسول اللہ! قیامت کب واقع ہوگی؟ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم نے قیامت کے لیے کیا تیاری کی ہے؟ تو وہ شخص ڈر کر خاموش ہوگیا، پھر اس مرد نے کہا: یارسول اللہ! میں نے قیامت کے لیے بہت زیادہ روزے نہیں رکھے اور نہ بہت نمازیں پڑھیں اور نہ بہت صدقہ دیا، لیکن میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرتا ہوں، آپ نے فرمایا: تم اسی کے ساتھ ہوگے جس کے ساتھ تم محبت کرتے ہو۔

(صحیح البخاری: ۳۶۸۸، ۶۱۶۷، ۶۱۷۱، ۷۱۵۳، صحیح مسلم: ۲۶۳۹، سنن ترمذی: ۲۳۸۵، مسند احمد: ۱۲۹۵۸)

صحیح البخاری: ۷۱۵۳، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

راستہ میں مسئلہ معلوم کرنے اور کسی مقدمہ کے فیصلہ کرنے کے متعلق فقہاء کے اقوال

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں: حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جب عالم سے کوئی شخص سوال

کرے یا فتویٰ معلوم کرے تو عالم کا اس کے سوال یا استفتاء پر سکوت کرنا جائز ہے جب کہ وہ مسئلہ غیر معروف ہو، یا مسئلہ معروف ہو لیکن لوگوں کو اس کی ضرورت نہ ہو، یا اس کے جواب سے کسی فتنہ کا کوئی خطرہ ہو، یا اس کے جواب سے کسی بری تاویل کا کوئی اندیشہ ہو۔

اور علامہ ابن بطال نے المہلب سے نقل کیا ہے کہ راستہ میں فتویٰ کا جواب دینا یا سوال پر فتویٰ کا جواب دینا تواضع کے قبیل سے ہے، اور اگر کوئی ضعیف آدمی یہ سوال کرے تو یہ درست ہے، اور اگر کوئی دنیادار سوال کرے یا جس کی زبان سے فحش کلامی کا خدشہ ہو تو پھر مکروہ ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: علامہ المہلب کی دوسری مثال عمدہ نہیں ہے، کیونکہ سوال سے کبھی عالم پر ضرر مرتب ہوتا ہے تو وہ اس لیے جواب دیتا ہے کہ اس ضرر سے محفوظ رہے، پس اس حالت میں اس کا جواب دینا باعثِ تحسین ہوگا۔ اور انہوں نے کہا: راستہ میں چلتے ہوئے فیصلہ کرنے یا سواری پر فیصلہ کرنے کے متعلق اختلاف ہے، اشہب مالکی نے کہا: اس میں کوئی حرج نہیں ہے جب اس کو سمجھنے میں دشواری نہ ہو، اور ابن حبیب نے کہا: اگر تھوڑا سا سوال ہو تو اس کے جواب میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اور علامہ ابن التین نے کہا ہے: کسی باریک اور مشکل مسئلہ کے متعلق راستہ میں فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے۔

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سواری پر طواف کر رہے تھے تا کہ لوگ آپ کو طواف کرتے ہوئے دیکھ لیں اور مشرف ہوں اور تا کہ آپ سے سوال کریں، اور صحابہ کے پیدل چلتے ہوئے اور سواری پر سوال کرنے کے متعلق بہ کثرت احادیث مروی ہیں۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۳۲۰۔۳۲۱، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۱۱۔ بَابُ: مَا ذُكِرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَكُنْ لَهُ بَوَّابٌ

نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے دربان نہ ہونے کا بیان

۷۱۵۴۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا ثَابِتٌ الْبُنَانِيُّ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ لِامْرَأَةٍ مِنْ أَهْلِهِ تَعْرِفِينَ فُلَانَةَ قَالَتْ نَعَمْ قَالَ فَإِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِهَا وَهِيَ تَبْكِي عِنْدَ قَبْرٍ فَقَالَ اتَّقِي اللهَ وَاصْبِرِي فَقَالَتْ إِلَيْكَ عَنِّي فَإِنَّكَ خِلْوٌ مِنْ مُصِيبَتِي قَالَ فَجَاوَزَهَا وَمَضَى فَمَرَّ بِهَا رَجُلٌ فَقَالَ مَا قَالَ لَكِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ مَا عَرَفْتُهُ قَالَ إِنَّهُ لَرَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَجَاءَتْ إِلَى بَابِهِ فَلَمْ تَجِدْ عَلَيْهِ بَوَّابًا فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ وَاللهِ مَا عَرَفْتُكَ فَقَالَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق بن منصور نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الصمد نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ثابت البنانی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا، انہوں نے اپنے گھر کی ایک عورت سے کہا: کیا تم فلانہ عورت کو پہچانتی ہو؟ انہوں نے کہا: جی ہاں، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس عورت کے پاس سے گزرے اور وہ قبر کے پاس رو رہی تھی تو آپ نے اس سے فرمایا: اللہ سے ڈر اور صبر کر، اس عورت نے کہا: خود کو مجھ سے دور رکھو، کیونکہ تم پر میری مصیبت نہیں آئی، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے

النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم: إِنَّ الصَّبْرَ عِنْدَ أَوَّلِ صَدْمَةٍ۔

بتایا: پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے گزرے اور چلے گئے، پھر اس عورت کے پاس سے ایک مرد گزرا، سو اس نے کہا: تم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا؟ اس عورت نے کہا: میں نے آپ کو نہیں پہچانا، اس مرد نے کہا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بتایا: پس وہ عورت آپ کے دروازہ پر آئی تو اس نے وہاں پر کوئی دربان نہیں پایا، وہ کہنے لگی: یا رسول اللہ! اللہ کی قسم! میں نے آپ کو نہیں پہچانا تھا، تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صبر صدمہ کی ابتداء میں معتبر ہوتا ہے۔

(صحیح مسلم: ۹۲۶، سنن ترمذی: ۹۸۸، سنن نسائی: ۱۸۶۹، سنن ابوداؤد: ۳۱۲۴، سنن ابن ماجہ: ۱۵۹۶، مسند احمد: ۱۲۰۴۹)

صحیح البخاری: ۷۱۵۴، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حکام کے لیے دربان رکھنے کے متعلق فقہاء کے اقوال

حکام کے لیے دربان رکھنے کے جواز کے متعلق فقہاء کا اختلاف ہے، امام شافعی اور ایک جماعت نے کہا: حاکم کے لیے مناسب یہ ہے کہ وہ کوئی دربان نہ رکھے، اور دوسرے فقہاء نے کہا کہ یہ جائز ہے۔ اور پہلے قول کا محمل یہ ہے کہ جب لوگوں کے سکون کا زمانہ ہو اور لوگ خیر پر مجتمع ہوں اور حاکم کے پاس اپنے مقدمات کے فیصلوں کے لیے آتے ہوں، اور دوسرے فقہاء نے کہا کہ جب حاکم کے پاس لوگ اپنے مقدمات لے کر آتے ہوں تو دربان کا رکھنا مستحب ہے تا کہ دربان شریر لوگوں کو حاکم کے پاس جانے سے روکے۔

علامہ ابن التین نے علامہ داؤدی سے نقل کیا ہے کہ بعض قاضیوں نے جو سخت دربان رکھنے شروع کر دیے ہیں، اور فریقین کے خطوط منگوانے کو داخل کر لیا ہے، یہ متقدمین کے طریقہ سے نہیں ہے۔ اور دوسرے شارحین نے کہا ہے: دربان کے ذمہ یہ ہے کہ وہ حاکم کو حاضرین کے حال سے مطلع کرے، کیونکہ ہو سکتا ہے کوئی شخص حاکم سے لڑنے کے لیے آیا ہو اور حاکم یہ گمان کرتا ہو کہ وہ اس سے ملاقات کے لیے آیا ہے، پس وہ اس کی تکریم کرے، پس وہ اس کی ایسی تکریم کرے جو لڑنے والے کے لیے جائز نہیں ہے۔ اور دربان کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ حاکم کو بالمشافہ خبروں سے مطلع کرے یا خط لکھ کر مطلع کرے، اور حاکم کے لیے دائمی طور پر حاجب اور دربان رکھنا ممنوع ہے۔

امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے سندِ جید کے ساتھ ابو مریم الاسدی سے روایت کی ہے کہ انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: "جس کو اللہ تعالیٰ نے عوام کے لیے کسی عہدہ کا منصب عطا کیا ہو اور اس نے لوگوں کی ضروریات پوری کرنے کے درمیان کوئی حاجب رکھا ہو، تو اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت پوری کرنے سے قیامت کے دن

حجاب میں رہے گا"۔

اس حدیث میں حاکم کے لیے وعید شدید ہے جو بغیر عذر کے اپنا دربان رکھے، کیونکہ دربان رکھنے کی وجہ سے لوگوں کو حقوق پہنچانے میں تاخیر ہوگی یا ان کے حقوق ضائع ہو جائیں گے۔ اور جو شخص کوئی دربان رکھے تو وہ باعتماد شخص کو دربان رکھے جو پاک باز ہو، امانت دار ہو اور حسنِ اخلاق کا مالک ہو۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۳۲۱۔ ۳۲۲، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۱۲۔ بَابُ: اَلْحَاكِمِ يَحْكُمُ بِالْقَتْلِ عَلَى مَنْ وَجَبَ عَلَيْهِ دُونَ الْإِمَامِ الَّذِي فَوْقَهُ

اس کا بیان کہ بڑا حاکم قصاص میں قاتل کو قتل کرنے کا حکم دے نہ کہ اس سے کم درجہ کا حاکم

۷۱۵۵۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ خَالِدٍ الذُّهْلِيُّ حَدَّثَنَا الْأَنْصَارِيُّ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ ثُمَامَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ إِنَّ قَيْسَ بْنَ سَعْدٍ كَانَ يَكُونُ بَيْنَ يَدَيِ النَّبِيِّ ﷺ بِمَنْزِلَةِ صَاحِبِ الشُّرَطِ مِنَ الْأَمِيرِ۔
(سنن ترمذی: ۳۸۵۰)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن خالد الذھلی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن عبداللہ الانصاری نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی از ثمامہ از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس طرح رہتے تھے جیسے امیر کے ساتھ سپاہی رہتا ہے۔

۷۱۵۶۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى هُوَ الْقَطَّانُ عَنْ قُرَّةَ بْنِ خَالِدٍ حَدَّثَنِي حُمَيْدُ بْنُ هِلَالٍ حَدَّثَنَا أَبُو بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ بَعَثَهُ وَأَتْبَعَهُ بِمُعَاذٍ۔
(صحیح البخاری: ۲۲۶۱، ۶۹۲۳، صحیح مسلم: ۱۸۲۴)

۷۱۵۶۔ امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی اور وہ القطان ہیں، از قرہ بن خالد، انہوں نے کہا: مجھے حمید بن ہلال نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی از حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو امیر بنا کر بھیجا اور ان کے پیچھے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔

۷۱۵۷۔ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ الصَّبَّاحِ حَدَّثَنَا مَحْبُوبُ بْنُ الْحَسَنِ حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ هِلَالٍ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى أَنَّ رَجُلًا أَسْلَمَ ثُمَّ تَهَوَّدَ فَأَتَى مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ وَهُوَ عِنْدَ أَبِي مُوسَى فَقَالَ مَا لِهَذَا قَالَ أَسْلَمَ ثُمَّ تَهَوَّدَ قَالَ لَا أَجْلِسُ حَتَّى أَقْتُلَهُ قَضَاءُ اللهِ وَرَسُولِهِ ﷺ۔
(صحیح البخاری: ۲۲۶۱، ۶۹۲۳، صحیح مسلم: ۱۸۲۴)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے عبداللہ بن الصباح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محبوب بن الحسن نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں خالد نے حدیث بیان کی از حمید بن ہلال از ابو بردہ از حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد نے اسلام قبول کیا، پھر وہ یہودی ہو گیا، پس حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس حضرت معاذ بن جبل آئے اور وہ یہودی حضرت ابوموسیٰ کے پاس تھا، تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے

پوچھا: اس شخص کا کیا معاملہ ہے؟ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے بتایا: اس نے اسلام قبول کیا، پھر یہودی ہو گیا، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا: جب تک میں اس کو قتل نہ کردوں، نہیں بیٹھوں گا، یہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ہے۔

بابِ مذکور کی احادیث کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

سربراہِ ملک کے سوا قصاص کا فیصلہ کرنے کے متعلق فقہاء کے اقوال

علامہ ابن القاسم مالکی نے "المجموعہ" میں لکھا ہے: جو لوگ دیہات کے عامل ہوں ان کے لیے حدود میں کسی کو قتل کرنا جائز نہیں ہے، اور ان کو چاہیے کہ وہ مقدمہ شہر کے حکام کی طرف لے جائیں۔

اور اشہب مالکی نے کہا: جس شخص کو امیر کسی دیہات کا والی بنادے تو وہ حدود میں قتل کرنے کا فیصلہ کرسکتا ہے اور حدود میں ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ کرسکتا ہے۔ (النوادر والزیادات ج ۸ ص ۸۲)

فقہاء احناف میں سے امام طحاوی نے کہا ہے کہ صرف شہر کے حکام حدود کو نافذ کریں گے اور دیہات کے حکام حدود کو قائم نہیں کریں گے۔

اور امام شافعی نے کہا ہے: جب حاکم نیک ہو اور صدقات کو ان کی جگہ پر خرچ کرتا ہو تو اس کے لیے صدقات میں خیانت کرنے والے کو سزا دینا جائز ہے، اور اگر وہ حاکم نیک نہ ہو تو اس کے لیے تعزیر دینا جائز نہیں ہے، اور دلیل سے اس کی تائید ہوتی ہے جو کہتا ہے کہ حاکم اور والی کے لیے حدود کو قائم کرنا جائز ہے جب کہ اس سے اوپر والا حاکم نہ ہو، اور اس باب کی حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے مرتد کو قتل کر دیا اور یہ نہیں کیا کہ اس کا مقدمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھیجتے۔

مرتد سے توبہ طلب کیے بغیر اس کو قتل کرنا

علامہ داؤدی نے کہا ہے: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرتد سے توبہ طلب کیے بغیر اس کو قتل کر دینا جائز ہے، کیونکہ جو شخص مسلمان ہونے کے بعد یہودی ہو گیا تھا، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے اس سے توبہ طلب کیے بغیر اس کو قتل کر دیا۔

اور عبدالعزیز نے کہا ہے کہ مرتد کی توبہ مقبول نہیں ہوتی، اور شہر کے فقہاء نے یہ کہا ہے کہ اس سے توبہ طلب کی جائے گی، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ یَّنْتَهُوْا یُغْفَرْ لَهُمْ۔ آپ کافروں سے کہہ دیجئے کہ اگر وہ (کفر سے) باز آجائیں تو ان کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ (الانفال:۳۸)

نیز امام بخاری حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے قتال کروں حتیٰ کہ وہ کہیں: اللہ کے سوا کوئی برحق معبود نہیں ہے"۔ (صحیح البخاری:۱۳۹۹)

اور دوسری دلیل یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ مرتد کو اسلام کے خلاف کوئی شبہ ہو، پس جب اس کے سامنے اسلام کو پیش کیا جائے گا تو اس کا وہ شبہ زائل ہو جائے، اور اگر وہ اس کے باوجود اپنے ارتداد پر قائم رہے تو اس کو اجماعاً قتل کر دیا جائے گا، کیونکہ حدیث میں ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جو اپنے دین کو تبدیل کرے اس کو قتل کر دو"۔
(صحیح البخاری: ۳۰۱۷)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۲ ص ۴۶۲۔ ۴۶۴، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۱۳۔ بَابٌ: هَلْ يَقْضِي الْقَاضِي أَوْ يُفْتِي وَهُوَ غَضْبَانُ؟

آیا حاکم حالتِ غضب میں فیصلہ کر سکتا ہے یا فتویٰ دے سکتا ہے؟

۷۱۵۸۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ عُمَيْرٍ سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ أَبِي بَكْرَةَ قَالَ كَتَبَ أَبُو بَكْرَةَ إِلَى ابْنِهِ وَكَانَ بِسِجِسْتَانَ بِأَنْ لَا تَقْضِيَ بَيْنَ اثْنَيْنِ وَأَنْتَ غَضْبَانُ فَإِنِّي سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ لَا يَقْضِيَنَّ حَكَمٌ بَيْنَ اثْنَيْنِ وَهُوَ غَضْبَانُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الملک بن عمیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے عبد الرحمٰن بن ابی بکرہ سے سنا، انہوں نے کہا: حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کی طرف مکتوب لکھا اور وہ اس وقت سجستان میں تھے کہ تم حالتِ غضب میں دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ نہ کرنا، کیونکہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: کوئی حَکَم دو آدمیوں کے درمیان حالتِ غضب میں فیصلہ نہ کرے۔

(صحیح مسلم: ۱۷۱۷، سنن ترمذی: ۱۳۳۴، سنن نسائی: ۵۴۰۶، سنن ابوداؤد: ۳۵۸۹، سنن ابن ماجہ: ۲۳۱۶، مسند احمد: ۱۹۹۵۴)

صحیح البخاری: ۷۱۵۸، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حالتِ غضب میں فیصلہ کرنے کے متعلق فقہاء کے اقوال

علامہ المہلب مالکی المتوفی ۴۳۵ھ لکھتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو حکم دیا ہے کہ کوئی شخص حالتِ غضب میں دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ نہ کرے، یہ حکم بطورِ استحباب ہے، تاکہ وہ حق سے تجاوز نہ کرے، اسی وجہ سے علماء نے حالتِ غضب میں فیصلہ کرنے کو مکروہ قرار دیا ہے۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، شریح اور عمر بن عبد العزیز سے بھی اسی طرح منقول ہے، اور یہی امام مالک، فقہاء احناف اور امام شافعی کا قول ہے۔

اگر اس پر یہ اعتراض کیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حالتِ غضب میں بھی فیصلہ فرمایا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے خطرہ نہیں تھا کہ آپ حق سے تجاوز کریں گے اور فیصلہ کرنے میں کسی ایک جانب میلان کریں گے، کیونکہ آپ معصوم ہیں اور آپ کے علاوہ دوسرے بشر معصوم نہیں ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی چیز خلاف شریعت یا خلاف سنت دیکھتے تو اس میں تغیر فرما دیتے، اور آپ حالتِ غضب میں بھی فیصلہ فرماتے تھے اور فتویٰ دیتے تھے۔

ان احوال کا بیان جن میں فیصلہ کرنا مکروہ ہے

جس وقت قاضی بھوکا ہو، اس وقت اس کے لیے فیصلہ کرنا مکروہ ہے، شریح سے روایت ہے کہ جب وہ غضب ناک ہوتے یا بھوکے ہوتے تو کھڑے ہو جاتے، اور شعبی طلوعِ آفتاب کے وقت کچھ کھاتے تھے، ان سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو انہوں نے کہا: میں قضاء کے لیے جانے سے پہلے اپنا پیٹ بھرتا ہوں، اور وہ اونگھ کی حالت میں یا غم کی حالت میں فیصلہ نہیں کرتے تھے، اور شعبی نے کہا: جس حال کے متعلق تمہیں معلوم ہو کہ اس حال میں تمہاری عقل متغیر ہوگی یا فہم مستحضر نہیں ہوگی، تو اس حال میں فیصلہ کرنا ممنوع ہے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۸ ص ۱۷۸۔۱۷۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۷۱۵۸، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیثِ مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی حدیث کو لکھ کر بھیجنا بھی اس کی مثل ہے کہ کوئی شخص اپنے شیخ سے حدیث کو سنے، یہ اس حدیث پر عمل کرنے کے وجوب کے متعلق ہے، لیکن اس مکتوب کی بناء پر اس حدیث کی روایت کرنے سے بعض علماء نے منع کیا ہے، جب تک اس حدیث کی روایت کرنے کی اجازت نہ ہو، اس کی روایت کرنا ممنوع ہے، اور مشہور ہے کہ یہ جائز ہے۔ اور صحیح یہ ہے کہ وہ یہ نہ کہے کہ مجھے فلاں نے خبر دی ہے، بلکہ یہ کہے کہ فلاں نے میری طرف لکھا ہے، یا کہے کہ فلاں نے اپنی کتاب سے مجھے خبر دی ہے۔

(۲) اس حدیث میں یہ ثبوت ہے کہ کسی مسئلہ کا حکم اس کی دلیل کے ساتھ لکھا جائے، اور اسی کی مثل الفتویٰ میں بھی چاہیے۔

(۳) اس حدیث میں باپ کی بیٹے پر شفقت کا بیان ہے کہ باپ نے بیٹے کو اس چیز کی خبر دی جو اس کے لیے نفع آور ہو، اور اس چیز سے ڈرایا جس میں خطرہ تھا، اور اس میں عمل کے لیے اور اقتداء کے لیے علم کو پھیلانے کا ثبوت ہے خواہ عالم سے سوال نہ کیا جائے۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۳۲۶، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۱۵۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي خَالِدٍ عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي وَاللهِ لَأَتَأَخَّرُ عَنْ صَلَاةِ الْغَدَاةِ مِنْ أَجْلِ فُلَانٍ مِمَّا يُطِيلُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن مقاتل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل بن ابی خالد نے خبر دی از قیس بن ابی حازم از حضرت ابو مسعود الانصاری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مرد نے آکر کہا: یا رسول

بِنَا فِيهَا قَالَ فَمَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَطُّ أَشَدَّ غَضَبًا فِي مَوْعِظَةٍ مِنْهُ يَوْمَئِذٍ ثُمَّ قَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ مِنْكُمْ مُنَفِّرِينَ فَأَيُّكُمْ مَا صَلَّى بِالنَّاسِ فَلْيُوجِزْ فَإِنَّ فِيهِمُ الْكَبِيرَ وَالضَّعِيفَ وَذَا الْحَاجَةِ۔

اللہ! بے شک اللہ کی قسم! میں فلاں شخص کی وجہ سے فجر کی نماز پڑھنے میں تاخیر کرتا ہوں، کیونکہ وہ ہم کو فجر کی نماز بہت لمبی پڑھاتے ہیں، حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: پس میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی نصیحت کرتے وقت اس دن سے زیادہ غضب میں نہیں دیکھا، پھر آپ نے فرمایا: اے لوگو! بے شک تم میں سے کچھ لوگ نمازیوں کو متنفر کرنے والے ہیں، پس تم میں سے جو شخص بھی لوگوں کو نماز پڑھائے وہ اختصار سے پڑھائے، کیونکہ ان میں بوڑھے بھی ہوتے ہیں، کمزور بھی ہوتے ہیں اور حاجت مند بھی ہوتے ہیں۔

(صحیح البخاری: ۹۰، ۷۰۲، ۷۰۴، ۶۱۱۰، ۷۱۵۹، صحیح مسلم: ۴۶۶، سنن ابن ماجہ: ۹۸۴، مسند احمد: ۱۶۶۱۷، سنن دارمی: ۱۲۵۹)

اس حدیث کی شرح ''ابواب الامامۃ'' میں گزر چکی ہے، اور اس حدیث میں جس شخص کے لمبی نماز پڑھانے کا ذکر ہے، وہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہیں۔

۷۱۶۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي يَعْقُوبَ الْكَرْمَانِيُّ حَدَّثَنَا حَسَّانُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا يُونُسُ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ هُوَ الزُّهْرِيُّ أَخْبَرَنِي سَالِمٌ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ وَهِيَ حَائِضٌ فَذَكَرَ عُمَرُ لِلنَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَتَغَيَّظَ عَلَيْهِ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم ثُمَّ قَالَ لِيُرَاجِعْهَا ثُمَّ لِيُمْسِكْهَا حَتَّى تَطْهُرَ ثُمَّ تَحِيضَ فَتَطْهُرَ فَإِنْ بَدَا لَهُ أَنْ يُطَلِّقَهَا فَلْيُطَلِّقْهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن ابی یعقوب الکرمانی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حسان بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یونس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد نے حدیث بیان کی اور وہ زہری ہیں، انہوں نے کہا: مجھے سالم نے خبر دی کہ بے شک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ان کو خبر دی کہ انہوں نے اپنی بیوی کو حالتِ حیض میں طلاق دے دی، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر غضب ناک ہوئے، پھر آپ نے فرمایا: اسے چاہیے کہ اس طلاق سے رجوع کرلے، پھر اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھے حتیٰ کہ وہ حیض سے پاک ہوجائے، پھر اس کو دوبارہ حیض آئے، پھر حیض سے وہ پاک ہوجائے، پھر اگر اس پر یہ ظاہر ہو کہ وہ اس کو طلاق دے، تو وہ اس کو طلاق دے دے۔

(صحیح البخاری: ۴۹۰۸، ۵۲۵۱، ۵۲۵۲، ۵۲۵۳، ۵۲۵۸، ۵۲۶۴، ۵۳۳۲، ۵۳۳۳، ۷۱۶۰، صحیح مسلم: ۱۴۷۱، سنن ابوداؤد: ۲۱۷۹، مسند احمد: ۶۱۰۶، موطا امام مالک: ۱۲۲۰، سنن نسائی: ۳۳۹۱، سنن دارمی: ۲۲۶۲)

اس حدیث کی شرح ''کتاب الطلاق'' میں گزر چکی ہے۔

۱۴۔ بَابُ: مَنْ رَأَى لِلْقَاضِي أَنْ يَحْكُمَ بِعِلْمِهِ فِي أَمْرِ النَّاسِ إِذَا لَمْ يَخَفِ الظُّنُونَ وَالتُّهَمَةَ

جس کے نزدیک قاضی کا اپنے علم کے مطابق لوگوں کے معاملات میں فیصلہ کرنا جائز ہے، جب کہ اس کو بدگمانی اور تہمت کا خطرہ نہ ہو

كَمَا قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِهِنْدٍ: خُذِي مَا يَكْفِيكِ وَوَلَدَكِ بِالْمَعْرُوفِ، وَذَلِكَ إِذَا كَانَ أَمْرًا مَشْهُورًا۔

جیسا کہ نبی ﷺ نے حضرت ہند رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ”تم اتنا مال لے لو جو تمہارے اور تمہاری اولاد کے لیے دستور کے مطابق کافی ہو“ اور یہ اس وقت ہے جب وہ معاملہ مشہور ہو۔

بابِ مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس عنوان سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے موافقین کے قول کی طرف اشارہ کیا ہے کہ قاضی کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ لوگوں کے حقوق میں اپنے علم کے مطابق فیصلہ کرے، اور اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حقوق مثلاً حدود میں اپنے علم کے مطابق فیصلہ کرے، کیونکہ یہ فیصلہ تسامح پر مبنی ہے۔

امام بخاری نے اس عنوان کے ساتھ یہ قید لگائی ہے کہ ”جب اس کو بدگمانی اور تہمت کا خطرہ نہ ہو“، یہ قید اس لیے لگائی ہے کہ جس نے یہ اجازت دی ہے کہ قاضی اپنے علم کے مطابق فیصلہ کر سکتا ہے تو اس کو بعض علماء نے مطلقاً منع کیا ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ وہ غیر معصوم ہے، پس ہو سکتا ہے کہ جب وہ اپنے علم کے مطابق فیصلہ کرے تو اس کے اوپر تہمت ہو کہ اس نے اپنے دوست کی وجہ سے اس کے دشمن کے خلاف فیصلہ کیا ہے، لیکن جب اس قسم کی بدگمانی اور تہمت کا خطرہ نہ ہو تو پھر قاضی کا اپنے علم کے مطابق فیصلہ کرنا جائز ہے۔

علامہ الکرابیسی نے کہا ہے کہ میرے نزدیک اس حکم کے جواز کی شرط یہ ہے کہ وہ حاکم نیکی، پاک دامنی اور صدق میں مشہور ہو، اور اس کی کوئی بڑی لغزش معلوم نہ ہو، پس ایسے قاضی کے لیے اپنے علم کے مطابق فیصلہ کرنا جائز ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ گویا کہ امام بخاری نے اس قید کو الکرابیسی سے اخذ کیا ہے کیونکہ وہ ان کے مشائخ میں سے ہیں۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۳۲۶، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۱۶۱۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ حَدَّثَنِي عُرْوَةُ أَنَّ عَائِشَةَ رضي الله عنها قَالَتْ جَاءَتْ هِنْدُ بِنْتُ عُتْبَةَ بْنِ رَبِيعَةَ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ وَاللهِ مَا كَانَ عَلَى ظَهْرِ الْأَرْضِ أَهْلُ خِبَاءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ أَنْ يَذِلُّوا مِنْ أَهْلِ خِبَائِكَ وَمَا أَصْبَحَ الْيَوْمَ عَلَى ظَهْرِ الْأَرْضِ أَهْلُ خِبَاءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ أَنْ يَعِزُّوا مِنْ أَهْلِ خِبَائِكَ ثُمَّ قَالَتْ إِنَّ أَبَا سُفْيَانَ رَجُلٌ مِسِّيكٌ فَهَلْ عَلَيَّ مِنْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے عروہ نے حدیث بیان کی کہ بے شک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت ہند بنت عتبہ بن ربیعہ رضی اللہ عنہا آئیں، پس انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! اللہ کی قسم! روئے زمین کا کوئی گھرانہ ایسا نہیں تھا جس کے متعلق میں اس درجہ میں اس کی ذلت کی خواہش مند تھی جتنی آپ کے گھرانہ کی ذلت و رسوائی

حَرَجٌ أَنْ أُطْعِمَ مِنَ الَّذِي لَهُ عِيَالَنَا قَالَ لَهَا لَا حَرَجَ عَلَيْكِ أَنْ تُطْعِمِيهِمْ مِنْ مَعْرُوفٍ۔

(صحیح البخاری: ۲۲۱۱، صحیح مسلم: ۱۷۱۴، مسند احمد: ۲۵۳۶۰)

کی میں خواہش مند تھی، لیکن آج میرا حال یہ ہے کہ میں سب سے زیادہ اس کی خواہش مند ہوں کہ روئے زمین کے تمام گھرانوں میں آپ کا گھرانہ عزت وسر بلندی والا ہو، پھر انہوں نے کہا: بے شک حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ بخیل شخص ہیں تو کیا میرے لیے کوئی حرج ہے اگر میں ان کے مال میں سے (ان کی اجازت کے بغیر لے کر) اپنے اہل وعیال کو کھلاؤں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم پر کوئی حرج نہیں ہے، اگر تم ان کو دستور کے مطابق کھلاؤ۔

صحیح البخاری: ۷۱۶۱، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قاضی کا اپنے علم کے مطابق فیصلہ کے متعلق فقہاء کے اقوال

امام شافعی اور ابوثور نے کہا ہے کہ قاضی کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے علم کے مطابق فیصلہ کرے خواہ اللہ تعالیٰ کے حقوق میں فیصلہ کرے یا لوگوں کے حقوق میں، اور خواہ اس کو اس کا علم فیصلہ سے پہلے ہو یا فیصلہ کے بعد۔

اور فقہاء احناف نے کہا ہے: حاکم نے جن ایسے افعال کا مشاہدہ کیا جو حدود کو واجب کرتے ہیں خواہ فیصلہ سے پہلے یا فیصلہ کے بعد تو ان میں وہ اپنے علم کے مطابق فیصلہ نہ کرے سوائے حدِ قذف کے۔ اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک قاضی کو لوگوں کے حقوق میں جن چیزوں کا قضاء سے پہلے علم ہو ان میں وہ اپنے علم کے مطابق فیصلہ نہ کرے۔

اور امام ابویوسف اور امام محمد نے کہا کہ جس کا اسے قضاء سے پہلے علم ہے، اس میں وہ اپنے علم کے مطابق فیصلہ کرے۔ اور امام مالک، امام احمد، اسحاق اور ابوعبید نے کہا کہ قاضی اپنے علم کے مطابق بالکل فیصلہ نہ کرے خواہ حقوق اللہ ہوں یا آدمیوں کے حقوق ہوں، خواہ اس کو اس کا علم قضاء سے پہلے ہو یا قضاء کے بعد مجلسِ قضاء میں علم ہو۔

امام شافعی کی اپنے موقف پر دلیل

امام شافعی نے حضرت ہند رضی اللہ عنہا کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ہند رضی اللہ عنہا اور ان کی اولاد کے حق میں حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے خلاف فیصلہ کر دیا، کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے مال سے ان کو خرچ دیا جائے گا اور آپ نے حضرت ہند رضی اللہ عنہا سے اس پر کسی گواہ کا سوال نہیں کیا، کیونکہ آپ کو معلوم تھا کہ حضرت ہند رضی اللہ عنہا حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیوی ہیں، اور ان کا خرچ اور ان کی اولاد کا خرچ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے مال میں واجب ہے، اس وجہ سے آپ نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے خلاف فیصلہ کیا، کیونکہ آپ کو معلوم تھا کہ یہ خرچ دینا حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ پر واجب ہے۔ اور جب کسی کو اس طرح کا علمِ یقین حاصل ہو تو وہ اپنے علم کے مطابق فیصلہ کر سکتا ہے۔

امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے اصحاب کی اپنے موقف پر دلیل

امام ابوحنیفہ کے اصحاب نے اس سے استدلال کیا ہے کہ حاکم کو فیصلہ سے پہلے جس کا علم تھا تو اس کا وہ علم بطور شہادت تھا، پس یہ جائز نہیں ہے کہ ہم اس کو اس معاملہ میں حاکم بنائیں، کیونکہ اگر اس کو حاکم بنایا تو وہ اپنی ذاتی شہادت سے فیصلہ کرے گا، اور جب اس نے یہ فیصلہ کیا تو ایسا ہوگا جیسے قاضی ایک گواہ کی بنیاد پر فیصلہ کر رہا ہے، اور اصحاب ابوحنیفہ نے کہا کہ اگر اسے فیصلہ کے وقت یا فیصلہ کی مجلس میں علم ہو تو اس علم کے مطابق فیصلہ کرنا اس لیے جائز ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''میں جس طرح سنتا ہوں اس کے مطابق فیصلہ کرتا ہوں'' اور آپ نے یہ فرق نہیں کیا کہ آپ نے گواہوں سے سنا ہو یا مدعیٰ علیہ سے سنا ہو۔

امام مالک کے اصحاب کی دلیل

امام مالک کے اصحاب یہ کہتے ہیں کہ حاکم معصوم نہیں ہے، اور یہ جائز ہے کہ اس کے فیصلہ پر یہ بدگمانی کی جائے کہ اس نے اپنے دوست کا لحاظ کرتے ہوئے اپنے دشمن کے خلاف فیصلہ کیا ہے، تو اس بدگمانی کی جڑ کاٹنے کے لیے ضروری ہے کہ قاضی اپنے علم کے مطابق فیصلہ نہ کرے۔

اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ اگر میں کسی شخص کو دیکھوں کہ اس نے حد کا ارتکاب کیا ہے تو میں اس پر حد نہیں جاری کروں گا حتیٰ کہ اس کے متعلق دو گواہ یہ گواہی دیں کہ اس نے حد کا ارتکاب کیا ہے، اور صحابہ میں سے کسی نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مخالفت نہیں کی۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۸ ص ۱۷۹۔ ۱۸۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۱۵۔ بَابُ: الشَّهَادَةِ عَلَى الْخَطِّ الْمَخْتُومِ وَمَا يَجُوزُ مِنْ ذَلِكَ وَمَا يَضِيقُ عَلَيْهِمْ وَكِتَابِ الْحَاكِمِ إِلَى عَامِلِهِ وَالْقَاضِي إِلَى الْقَاضِي

مہر شدہ خط پر گواہی دینے کا بیان، اور جو اس میں جائز ہے اور جو اس میں جائز نہیں ہے، اس کا بیان اور حاکم کے اپنے عامل کی طرف خط لکھنے کا بیان اور قاضی کا قاضی کی طرف خط لکھنے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس عنوان کا معنی یہ ہے کہ کیا مُہر شدہ خط کے اوپر یہ گواہی دینا جائز ہے کہ یہ فلاں آدمی کا خط ہے (جب کہ وہ اس خط کی تحریر کو پہچانتا ہو) اور اس میں امام بخاری نے مہر شدہ کی قید لگائی ہے، کیونکہ جب اس خط پر مُہر ہوگی تو اس میں یہ احتمال نہیں ہوگا کہ یہ خط جعلی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ کسی مُہر شدہ خط پر گواہی دینا بر سبیل عموم جائز نہیں ہے اور نہ بر سبیل عموم ممنوع ہے، کیونکہ اگر اس کو مطلقاً منع کیا جائے تو لوگوں کے حقوق ضائع ہو جائیں گے اور اس پر مطلقاً عمل نہیں کیا جائے گا، اس لیے کہ اس میں یہ اطمینان نہیں ہے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ خط جعلی ہو، اس لیے یہ چند شرائط کے ساتھ جائز ہوگا۔

اس کے بعد امام بخاری نے ذکر کیا کہ حاکم کا اپنے عامل کی طرف خط لکھنا اور قاضی کا قاضی کی طرف خط لکھنا، تو یہاں پر تین احکام ہیں: (۱) مہر شدہ خط پر یہ گواہی دینا کہ یہ فلاں آدمی کا خط ہے اور یہ چند شرائط کے ساتھ جائز ہے (۲) حاکم کا اپنے نائب کی طرف خط لکھنا (۳) ایک قاضی کا دوسرے قاضی کی طرف خط لکھنا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۳۵۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

تنبیہ: یہاں پر چند تعلیقات ہیں، ہم ان تعلیقات کو نمبروار ذکر کر کے ان کی شرح بیان کریں گے۔

پہلی تعلیق: اس میں امام بخاری کے امام ابو حنیفہ پر اعتراض کا ذکر ہے اور اس کے جواب کا بیان ہے

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ كِتَابُ الْحَاكِمِ جَائِزٌ إِلَّا فِي الْحُدُودِ ثُمَّ قَالَ إِنْ كَانَ الْقَتْلُ خَطَأً فَهُوَ جَائِزٌ لِأَنَّ هَذَا مَالٌ بِزَعْمِهِ وَإِنَّمَا صَارَ مَالًا بَعْدَ أَنْ ثَبَتَ الْقَتْلُ فَالْخَطَأُ وَالْعَمْدُ وَاحِدٌ۔

اور بعض لوگوں نے کہا: حدود کے سوا حاکم کے خط پر عمل کرنا جائز ہے، پھر انہی بعض لوگوں نے کہا کہ اگر قتلِ خطاء کا معاملہ ہو تو اس کے متعلق خط لکھنا جائز ہے، کیونکہ ان کے زعم میں قتلِ خطاء مال ہے حالانکہ وہ مال اس وقت ہوتا ہے جب قتل ثابت ہو جائے، پس قتلِ خطاء اور قتلِ عمد دونوں ایک ہیں۔

امام بخاری کے مذکور اعتراض کا جواب از علامہ عینی

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، لکھتے ہیں:

امام بخاری کی بعض لوگوں سے مراد فقہاء احناف ہیں، اور امام بخاری کی اس سے غرض صرف فقہاء احناف پر طعن و تشنیع ہے، حاصل کلام یہ ہے کہ اس عبارت سے امام بخاری کا مقصود فقہاء احناف کے اقوال میں تناقض اور تضاد کو ثابت کرنا ہے، کیونکہ فقہاء احناف نے کہا کہ ایک قاضی کا دوسرے قاضی کی طرف خط لکھنا جائز ہے سوائے حدود کے، پھر انہوں نے کہا: اگر قتلِ خطاء کا معاملہ ہو تو اس میں قاضی کا قاضی کی طرف خط لکھنا جائز ہے، کیونکہ نفس الامر اور واقع میں قتلِ خطاء مال ہے، کیونکہ اس میں قصاص نہیں ہوتا، لہٰذا وہ اس حکم میں باقی اموال کے ساتھ ملا ہوا ہے، پھر امام بخاری نے فقہاء احناف کے کلام میں تناقض ثابت کرنے کے لیے یہ کہا کہ قتلِ خطاء مال اس وقت ہوتا ہے جب قتل ثابت ہو جائے، اس کا حاصل یہ ہے کہ قتلِ خطاء مال اس وقت ہوتا ہے جب حاکم کے نزدیک اس قتل کا ثبوت ہو جائے، اور ابتداء میں قتلِ خطاء اور قتلِ عمد دونوں ایک ہیں اور دونوں کا حکم واحد ہے۔

اس کا جواب یہ ہے: ہم یہ نہیں مانتے کہ قتلِ خطاء اور قتلِ عمد دونوں ایک ہیں، اور یہ دونوں ایک کیسے ہو سکتے ہیں جب کہ قتلِ عمد کا تقاضا قصاص ہے اور قتلِ خطاء کا تقاضا قصاص نہ ہونا ہے اور مال کو واجب کرنا ہے، تا کہ جو خطاءً قتل کیا گیا ہے، اس کا خون ضائع نہ جائے۔

امام بخاری کی دوسری تعلیق اور اس سے بھی فقہاء احناف کا رد کرنا مقصود ہے

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

وَقَدْ كَتَبَ عُمَرُ إِلَى عَامِلِهِ فِي الْجَارُودِ

اور بیشک حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حدود میں اپنے عامل کی طرف خط لکھا۔

امام بخاری کی اس دوسری تعلیق کا جواب از علامہ عینی

امام بخاری کی اس تعلیق کو وارد کرنے سے غرض فقہاء احناف پر رد کرنا ہے، کیونکہ وہ حدود میں ایک قاضی کے دوسرے قاضی کی طرف لکھے ہوئے خط کے جواز کا اعتبار نہیں کرتے، اور امام بخاری نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس اثر کو فقہاء احناف پر رد کرنے کے لیے ذکر کیا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس خط کا قصہ یہ ہے کہ امام عبدالرزاق نے اپنی سند کے ساتھ عبداللہ بن عامر بن ربیعہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قدامہ بن مظعون کو بحرین کا عامل مقرر کیا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس عبدالقیس کا سردار جارود آیا، پس اس نے کہا کہ قدامہ بن مظعون نے شراب پی اور اس کو نشہ ہوا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس معاملہ کے متعلق قدامہ کی طرف خط لکھا، پھر اس میں طویل قصہ ہے کہ قدامہ بن مظعون حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور جارود نے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس کے خلاف شراب نوشی کی شہادت دی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قدامہ بن مظعون کو کوڑے مارے۔

امام بخاری کا منشاء یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے نائب (قدامہ بن مظعون) کی طرف خط لکھا اور یہ خط شراب نوشی یعنی حدود کے متعلق تھا، اس سے معلوم ہوا کہ قاضی اپنے نائب کی طرف حدود کے معاملہ میں خط لکھے تو یہ جائز ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عامل کی طرف حد قائم کرنے کے لیے خط نہیں لکھا تھا بلکہ انہوں نے اس معاملہ کی تفتیش کے لیے خط لکھا تھا، تا کہ صورتِ حال منکشف ہو جائے۔ کیا یہ نہیں دیکھا جاتا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جارود اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کی وجہ سے قدامہ بن مظعون کے اوپر حد قائم کی؟

تنبیہ: اس جارود کا پورا نام جارود بن المعلی ہے، اس کی کنیت ابو غیاث ہے اور یہ عبدالقیس کا رئیس تھا، امام ابن اسحاق نے بیان کیا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس دس ہجری میں عبدالقیس کے وفد کے ساتھ آیا تھا، پہلے یہ نصرانی تھا، پھر اس نے اسلام قبول کر لیا اور اس نے اسلام میں اچھے کام کیے۔

ایک قاضی کے دوسرے قاضی کی طرف حدود میں خط لکھنے کے متعلق آثار

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

وَكَتَبَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ فِي سِنٍّ كُسِرَتْ — عمر بن عبدالعزیز نے اس دانت کے متعلق خط لکھا جس کو توڑ دیا گیا تھا۔

علامہ عینی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

عمر بن عبدالعزیز نے اپنے عامل زریق بن حکیم کی طرف اس دانت کے متعلق لکھا جس کو توڑ دیا گیا تھا اور انہوں نے اس کی طرف خط لکھا جس میں ایک مرد کی دانت توڑنے پر گواہی کو جائز قرار دیا، اس تعلیق کو ابو بکر الخلال نے کتاب القصاص والدیات میں سندِ موصول کے ساتھ روایت کیا ہے۔

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ كِتَابُ الْقَاضِي إِلَى الْقَاضِي جَائِزٌ إِذَا — اور ابراہیم نے کہا: قاضی کا قاضی کی طرف خط لکھنا جائز ہے جب

عَرَفَ الْكِتَابَ وَالْخَاتَمَ

کہ وہ اس کے خط کو اور اس کی مہر کو پہچانتا ہو۔

علامہ عینی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

ابراہیم سے مراد ابراہیم نخعی ہیں اور اس اثر کو امام ابن ابی شیبہ نے سندِ موصول کے ساتھ روایت کیا ہے۔

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

وَكَانَ الشَّعْبِيُّ يُجِيزُ الْكِتَابَ الْمَخْتُومَ بِمَا فِيهِ مِنَ الْقَاضِي

اور شعبی اس خط کو جائز قرار دیتے تھے جس پر مہر لگی ہوئی ہو کہ یہ قاضی کی طرف سے ہے۔

علامہ عینی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

شعبی سے مراد عامر بن شراحیل ہیں جو کبیر تابعی ہیں، اور اس اثر کو بھی امام ابن ابی شیبہ نے سندِ موصول کے ساتھ روایت کیا ہے، یعنی شعبی جس خط پر مہر لگی ہوئی ہو کہ یہ فلاں قاضی کی طرف سے آیا ہے اس کو جائز قرار دیتے تھے۔

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

وَيُرْوَى عَنِ ابْنِ عُمَرَ نَحْوُهُ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی شعبی کی روایت کی مثل روایت کی گئی ہے۔

علامہ عینی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس اثر کی سند صحیح نہیں ہے، اس لیے امام بخاری نے اس کو صیغہ تمریض یعنی مجہول کے صیغہ سے بیان کیا ہے۔

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

وَقَالَ مُعَاوِيَةُ بْنُ عَبْدِ الْكَرِيمِ الثَّقَفِيُّ شَهِدْتُ عَبْدَ الْمَلِكِ بْنَ يَعْلَى قَاضِيَ الْبَصْرَةِ وَإِيَاسَ بْنَ مُعَاوِيَةَ وَالْحَسَنَ وَثُمَامَةَ بْنَ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَنَسٍ وَبِلَالَ بْنَ أَبِي بُرْدَةَ وَعَبْدَاللهِ بْنَ بُرَيْدَةَ الْأَسْلَمِيَّ وَعَامِرَ بْنَ عَبِيدَةَ وَعَبَّادَ بْنَ مَنْصُورٍ يُجِيزُونَ كُتُبَ الْقُضَاةِ بِغَيْرِ مَحْضَرٍ مِنَ الشُّهُودِ فَإِنْ قَالَ الَّذِي جِيءَ عَلَيْهِ بِالْكِتَابِ إِنَّهُ زُورٌ قِيلَ لَهُ اذْهَبْ فَالْتَمِسِ الْمَخْرَجَ مِنْ ذَلِكَ

اور معاویہ بن عبدالکریم الثقفی نے کہا: میں عبدالملک بن یعلیٰ قاضی بصرہ کے پاس حاضر ہوا اور ایاس بن معاویہ کے پاس اور حسن کے پاس اور ثمامہ بن عبداللہ بن انس کے پاس اور بلال بن ابی بردہ کے پاس اور عبداللہ بن بریدہ اسلمی کے پاس اور عامر بن عبیدہ اور عباد بن منصور کے پاس، یہ سب قاضیوں کے خطوط لکھنے کو بغیر گواہوں کے جائز قرار دیتے تھے، پھر جس کے پاس وہ مکتوب آیا اگر اس نے کہا کہ یہ جھوٹ ہے، تو اس سے کہا جائے گا: تم جاؤ اور اس خط کے حکم سے نجات کا راستہ تلاش کرو۔

علامہ عینی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

معاویہ بن عبدالکریم الثقفی کی امام احمد، امام ابوداؤد اور امام نسائی نے توثیق کی ہے اور یہ ایک سو اسّی (۱۸۰) ہجری میں فوت ہو گئے تھے۔ اور اس میں عبدالملک بن یعلیٰ قاضی بصرہ کا ذکر ہے، یہ عہدہ قضاء پر فائز ہونے کے بعد ایک سو دو ہجری یا ایک سو تین ہجری میں فوت ہو گئے تھے۔

اور ایاس بن معاویہ المزنی کا ذکر ہے، یہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خلافت میں بصرہ کے قاضی تھے، اور یہ ایک سو دو (۱۰۲) ہجری میں فوت ہو گئے تھے۔

اور اس میں حسن کا ذکر ہے، اس سے مراد حسن بصری ہیں، یہ تھوڑے عرصہ کے لیے بصرہ کے قاضی ہوئے، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ایک سو بیس صحابہ کی زیارت کی تھی اور ایک سو دس ہجری میں ان کا انتقال ہو گیا تھا، اس وقت ان کی عمر (۸۹) سال تھی۔

اور اس میں ثمامہ بن عبداللہ بن انس کا ذکر ہے، یہ ثقہ تابعی ہیں اور ہشام بن عبدالملک کی حکومت کے اوائل میں یہ بصرہ کے قاضی تھے۔

اور اس میں بلال بن ابوبردہ کا ذکر ہے، یہ بھی ہشام بن عبدالملک کی طرف سے بصرہ کے قاضی تھے، ان کو یوسف بن عمر الثقفی نے قتل کر دیا تھا۔

اور اس میں عبداللہ بن بریدہ کا ذکر ہے، یہ مشہور تابعی ہیں، یہ مرو کے قاضی تھے اور ایک سو پندرہ (۱۱۵) ہجری میں ان کی وفات ہوئی۔

اور اس میں عامر بن عبیدہ کا ذکر ہے، یہ قدیم ثقہ تابعی ہیں اور یہ ایک بار کوفہ کے قاضی مقرر ہوئے۔

اور اس میں عباد بن منصور کا ذکر ہے، یہ پانچ مرتبہ بصرہ کے قاضی مقرر ہوئے، یہ ایک سو باون (۱۵۲) ہجری میں فوت ہو گئے تھے۔

مذکورہ تمام قضاۃ، قاضی کے خط لکھنے کو جائز قرار دیتے تھے، اور اس پر گواہ نہیں طلب کرتے تھے کہ یہ فلاں قاضی کا خط ہے۔

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

وَأَوَّلُ مَنْ سَأَلَ عَلَى كِتَابِ الْقَاضِي الْبَيِّنَةَ ابْنُ أَبِي لَيْلَى وَسَوَّارُ بْنُ عَبْدِ اللهِ

اور جس نے سب سے پہلے قاضی کے خط کے اوپر گواہ کا سوال کیا وہ ابن ابی لیلیٰ اور سوار بن عبداللہ ہیں۔

علامہ عینی لکھتے ہیں:

ابن ابی لیلیٰ کا نام محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ ہے، اور ابولیلیٰ کا نام یسار ہے جو کوفہ کے قاضی تھے اور یہ ولید بن یزید کی حکومت میں قاضی تھے۔

اور سوار بن عبداللہ کا امام ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے، یہ فقیہ تھے، منصور نے ان کو ایک سو اڑتیس (۱۳۸) ہجری میں بصرہ کی قضاء پر فائز کیا۔ اور یہ اپنی موت تک اس قضاء پر فائز رہے اور ایک سو چھپن (۱۵۶) ہجری میں ان کی وفات ہوئی۔

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

وَقَالَ لَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُحْرِزٍ جِئْتُ بِكِتَابٍ مِنْ مُوسَى بْنِ أَنَسٍ قَاضِي الْبَصْرَةِ وَأَقَمْتُ عِنْدَهُ الْبَيِّنَةَ أَنَّ لِي عِنْدَ فُلَانٍ كَذَا وَكَذَا وَهُوَ بِالْكُوفَةِ وَجِئْتُ بِهِ الْقَاسِمَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ فَأَجَازَهُ

اور ہم سے ابونعیم نے کہا: ہمیں عبیداللہ بن محرز نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں موسیٰ بن انس قاضی بصرہ کی طرف سے ایک خط لے کر آیا اور میں نے ان کے پاس گواہ قائم کیا کہ میں نے فلاں سے اتنے اور اتنے روپے لینے ہیں اور وہ کوفہ میں ہے،

اور میں اس کو قاسم بن عبدالرحمٰن کے پاس لے کر آیا تو انہوں نے
اس کی اجازت دی۔

علامہ عینی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:
ابونعیم الفضل بن دکین ہیں، یہ امام بخاری کے مشائخ میں سے ایک ہیں جس کو انہوں نے ایک مذاکرہ میں نقل کیا، اور عبیداللہ بن محرز کوفی ہیں، اور امام بخاری نے ان سے صرف اسی اثر کو روایت کیا ہے، اور موسیٰ بن انس بن مالک قاضی بصرہ مشہور ثقہ تابعی ہیں، ان کی حدیث صحاح ستہ میں ہے، وہ الحکم بن ایوب الثقفی کی حکومت میں بصرہ کے قاضی تھے اور القاسم بن عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن مسعود حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی طرف سے بصرہ کی قضاء پر مقرر تھے اور وہ قضاء پر اجرت نہیں لیتے تھے اور وہ ثقہ تھے، ان کی حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی ہے، ایک قول یہ ہے کہ وہ ایک سو سولہ (۱۱۶) ہجری میں فوت ہو گئے تھے۔
اس اثر میں امام بخاری نے کہا ہے ''فاجازہ''، اس کا معنی ہے: انہوں نے اس کو نافذ کیا اور اس کے مطابق عمل کیا۔

ایک قاضی کے دوسرے قاضی کی طرف لکھے ہوئے خط کے متعلق فقہاء اسلام کے نظریات

فقہ حنبلی کی کتاب ''المغنی'' میں لکھا ہوا ہے کہ ائمہ فتویٰ کے نزدیک یہ شرط ہے کہ جب ایک قاضی کا خط دوسرے قاضی کی طرف پہنچے تو اس کے سامنے دو نیک گواہ گواہی دیں (کہ یہ فلاں قاضی کا خط ہے) اور صرف قاضی کا اس خط کی تحریر کو پہچانتا اور اس کے اوپر قاضی کی مہر کا لگا ہوا ہونا کافی نہیں ہے۔
اور حسن بصری اور سوار اور حسن العنبری سے منقول ہے، انہوں نے کہا کہ یہ خط اس وقت معتبر ہوگا جب قاضی اس تحریر کو پہچانتا ہو اور اس پر لگی ہوئی مہر کو پہچانتا ہو اور ابوثور کا بھی یہی قول ہے۔
اور علامہ ابن الملقن شافعی نے ''التوضیح'' میں لکھا ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ جب قاضی اپنے خط کے اوپر دو گواہوں کی گواہی قائم کر دے اور ان کے سامنے اس خط کو نہ پڑھے اور نہ ان کو بتائے کہ اس خط میں کیا لکھا ہے؟ اس صورت میں امام مالک نے کہا کہ یہ جائز ہے اور جس قاضی کی طرف یہ خط لکھا گیا ہے، اس پر لازم ہے کہ وہ اس خط کو قبول کرے ان دو گواہوں کے اس قول کی وجہ سے کہ یہ فلاں قاضی کا خط ہے جو اس نے ہمیں دیا ہے اور اس پر مہر لگی ہوئی ہے۔
اور امام ابوحنیفہ اور امام شافعی اور ابوثور نے کہا: جب قاضی ان دو گواہوں کے سامنے خط کو نہ پڑھے اور نہ اس کو بیان کرے تو جس قاضی کی طرف وہ خط لکھا گیا ہے وہ اس خط میں لکھے ہوئے پر عمل نہ کرے اور امام مالک سے بھی ایک قول اسی کی مثل مروی ہے۔
اور جب مہر ٹوٹی ہوئی ہو تو اس میں اختلاف ہے، پس امام ابوحنیفہ اور امام زفر نے کہا کہ اس کو حاکم قبول نہ کرے، اور امام ابویوسف نے کہا: اس کو قبول کرے اور اس کے مطابق حکم دے جب اس کے اوپر گواہ قائم ہوں، اور امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔
امام بخاری بیان کرتے ہیں:

وَكَرِهَ الْحَسَنُ وَأَبُو قِلَابَةَ أَنْ يَشْهَدَ عَلَى وَصِيَّةٍ حَتَّى يَعْلَمَ مَا فِيهَا لِأَنَّهُ لَا يَدْرِي لَعَلَّ فِيهَا جَوْرًا

حسن نے اور ابوقلابہ نے کہا کہ وصیت کے اوپر اس وقت تک شہادت دینا مکروہ ہے حتیٰ کہ جان لے کہ اس میں کیا لکھا ہوا ہے، کیونکہ وہ نہیں جانتا ہو سکتا ہے کہ اس میں کوئی ظلم کی بات لکھی ہوئی ہو۔

علامہ عینی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس تعلیق میں جو حسن کا ذکر ہے یہ حسن بصری ہیں، اور ابو قلابہ کا ذکر ہے، یہ عبداللہ بن زید الجرمی ہیں۔

امام بخاری نے کہا "ان یشھد" یعنی کسی شخص کا بھی اس وصیت کے اوپر گواہی دینا مکروہ ہے جب تک کہ اس نے اس وصیت کو پڑھ نہ لیا ہو۔

علامہ داؤدی نے کہا ہے: یہی صحیح ہے، اس میں کوئی شک نہیں ہے، کوئی شخص اس وقت تک وصیت پر گواہی نہ دے حتیٰ کہ جان لے کہ اس وصیت میں کیا لکھا ہوا ہے۔

علامہ ابن التین نے علامہ داؤدی پر تعاقب کیا ہے، پس کہا: میں نہیں جانتا علامہ داؤدی نے اس کو کیوں صحیح قرار دیا ہے، کیونکہ اگر وصیت میں کوئی ظلم کی بات لکھی ہو تو اس وصیت پر عمل نہ کیا جائے، اور اگر اس میں کسی حکم کو واجب قرار دیا ہو تو اس کو نافذ کیا جائے، اور امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ وصیت پر گواہی دینا جائز ہے خواہ گواہ کو معلوم نہ ہو کہ اس وصیت میں کیا لکھا ہوا ہے۔

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

وَقَدْ كَتَبَ النَّبِيُّ ﷺ إِلَى أَهْلِ خَيْبَرَ إِمَّا أَنْ تَدُوا صَاحِبَكُمْ وَإِمَّا أَنْ تُؤْذِنُوا بِحَرْبٍ

بے شک نبی ﷺ نے اہلِ خیبر کی طرف لکھا: یا تو تم اپنے صاحب کی دیت ادا کرو، اور یا تم اعلانِ جنگ کو قبول کرلو۔

علامہ عینی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حضرت سہل بن حثمہ رضی اللہ عنہ کی مکمل حدیث کا ایک ٹکڑا ہے جو حضرت حویصہ اور حضرت محیصہ رضی اللہ عنہما کے قصہ پر مشتمل ہے، حضرت عبداللہ بن سہل خیبر میں قتل کر دیئے گئے تھے، اور چند ابواب کے بعد "باب کتاب الحاکم الی عمالہ" میں اس کا ذکر آئے گا۔

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

وَقَالَ الزُّهْرِيُّ فِي الشَّهَادَةِ عَلَى الْمَرْأَةِ مِنْ وَرَاءِ السِّتْرِ إِنْ عَرَفْتَهَا فَاشْهَدْ وَإِلَّا فَلَا تَشْهَدْ۔

عورت پردہ کے پیچھے سے گواہی دے، اس کے متعلق الزہری نے کہا: اگر تم اس عورت کو پہچانتے ہو تو تم اس کی گواہی دو ورنہ گواہی نہ دو۔

علامہ عینی اس آخری تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس تعلیق میں مذکور ہے "زہری نے کہا" یعنی محمد بن مسلم بن شہاب الزہری نے کہا کہ عورت پر گواہی دینے کا حکم یہ ہے کہ اگر گواہ اس عورت کو پہچانتا ہے تو اس کے حق میں اور اس کے خلاف گواہی دے، اور اگر اس کو نہیں پہچانتا تو بالکل گواہی نہ دے۔

امام بخاری نے کہا "من وراء الستر" خواہ عورت کے اوپر نقاب ہو یا اس کے علاوہ کسی صورت سے وہ پردہ میں ہو، خلاصہ یہ ہے کہ جب گواہ کسی بھی طریقہ سے پہچان لے تو اس کی اس پر گواہی جائز ہے اور یہ شرط نہیں ہے کہ گواہی دیتے وقت وہ اس عورت کو دیکھے۔

زہری کے اس اثر کی امام ابن ابی شیبہ نے سندِ موصول کے ساتھ از جعفر بن برقان روایت کی ہے۔

چہرہ دیکھے بغیر صرف آواز سننے کی بناء پر شہادت دینے کے متعلق فقہاء اسلام کے مذاہب

امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ نابینا کا کسی اقرار کے متعلق گواہی دینا جائز ہے، اور ہر اس معاملہ میں جس کو صرف آواز سن کر جانا ہو اس کی گواہی کوئی نابینا بھی دے سکتا ہے یا پہلے دیکھنے والا تھا اور بعد میں نابینا ہو گیا تو پھر بھی گواہی دے سکتا ہے۔

اور امام ابوحنیفہ اور امام شافعی نے کہا: جب نابینا گواہی دے گا تو اس کی گواہی قبول نہیں ہوگی۔

اور امام مالک کی دلیل یہ ہے کہ صحابہ کرام اور تابعینِ عظام نے امہات المومنین سے پردہ کے پیچھے احادیث کی روایت کی اور انہوں نے ان کے اشخاص کو ان کی آواز سن کر متمیز کیا، اسی طرح حضرت ابن ام مکتوم کی اذان ہے، اور فقہاء نے حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی اذان میں اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان میں صرف آواز سے متمیز کیا، نیز فروج پر اقدام کرنا حقوق کی شہادت سے بڑھ کر ہے، اور نابینا کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی بیوی سے وطی کرے حالانکہ وہ اپنی بیوی کو صرف آواز سے پہچانتا ہے، اور اس کا فقہاء میں سے کسی نے انکار نہیں کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۳۵۲۔۳۵۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۱۶۲۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ سَمِعْتُ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ لَمَّا أَرَادَ النَّبِيُّ ﷺ أَنْ يَكْتُبَ إِلَى الرُّومِ قَالُوا إِنَّهُمْ لَا يَقْرَءُونَ كِتَابًا إِلَّا مَخْتُومًا فَاتَّخَذَ النَّبِيُّ ﷺ خَاتَمًا مِنْ فِضَّةٍ كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى وَبِيصِهِ وَنَقْشُهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں غندر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے قتادہ سے سنا از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی ﷺ نے اہلِ روم کی طرف خط لکھنے کا ارادہ کیا تو صحابہ کرام نے بتایا کہ وہ لوگ صرف اسی خط کو پڑھتے ہیں جس پر مہر لگی ہو، پس نبی ﷺ نے چاندی کی ایک انگوٹھی بنوالی، گویا کہ میں اب بھی اس کی چمک کی طرف دیکھ رہا ہوں اور اس کا نقش تھا "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ"۔

(صحیح البخاری: ۶۵، ۲۹۳۸، ۵۸۷۰، ۵۸۷۲، ۵۸۷۴، ۵۸۷۵، ۵۸۷۷، ۷۱۶۲، صحیح مسلم: ۲۰۹۲، سنن ترمذی: ۲۷۱۸، سنن نسائی: ۵۲۰۱، سنن ابوداؤد: ۴۲۱۴، مسند احمد: ۱۲۳۰۹)

صحیح البخاری: ۷۱۶۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

خط میں درج مضمون کے حجت ہونے کا بیان

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس خط پر مہر لگی ہوئی ہو اس کے متعلق گواہی دینا جائز ہے، کیونکہ اس حدیث میں خط کا بھی ذکر ہے اور مہر کا بھی ذکر ہے، اور امام الطحاوی نے کہا: حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب خط پر مہر نہ لگی ہوئی ہو تب بھی اس کے مضمون پر حجت قائم ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی طرف خط لکھنے کا ارادہ کیا تھا، پھر صحابہ نے کہا کہ اہلِ روم

صرف مہر شدہ خط کو پڑھتے ہیں، اس وجہ سے آپ نے چاندی کی مہر بنوائی۔
اس حدیث کے باقی مسائل اور فوائد اس سے پہلے "بدء الوحی" کے باب میں اس حدیث کی شرح میں گزر چکے ہیں۔
(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۳۵۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

بابِ مذکور کی تعلیقات کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس باب کی تعلیقات کی شرح میں لکھتے ہیں:
امام بخاری کے اس باب کا عنوان مع تعلیقات کے تین احکام پر مشتمل ہے: (۱) خط پر گواہی دینا (۲) ایک قاضی کا دوسرے قاضی کی طرف خط لکھنا (۳) خط میں جو کچھ مذکور ہے اس کے اقرار پر گواہی دینا۔
امام بخاری کے طریقہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تینوں احکام جائز ہیں:
رہا پہلے حکم کا جواز، تو علامہ ابن بطال نے اس کے متعلق کہا ہے: علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ جب کوئی گواہ کسی خط کو دیکھے تو اس کے لیے اس وقت تک اس پر گواہی دینا جائز نہیں ہے جب تک کہ اس کو یاد نہ ہو کہ اس خط میں کیا لکھا ہے، اگر اس کو یاد نہ ہو کہ اس خط میں کیا لکھا ہے تو وہ اس پر گواہی نہ دے، کیونکہ جو شخص چاہے وہ مہر بنا سکتا ہے، اور جو چاہے خط میں لکھ سکتا ہے، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ایامِ خلافت میں ایسا کیا گیا تھا جو ان کے قتل کیے جانے کا سبب بن گیا۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۳۳۱، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

جعلی مہر شدہ خط کی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت

امام محمد بن سعد المتوفی ۲۳۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:
حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: جب مصری، مصر سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ارادہ کرتے ہوئے آئے اور مقامِ ذی خشب پر ٹھہرے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو بلایا، پس فرمایا: ان کے پاس جاؤ اور ان کو میرے پاس سے لوٹا دو، اور ان کو یہ خبر دو کہ جو یہ مطالبہ کر رہے ہیں میں اس کو پورا کروں گا، پس حضرت محمد بن مسلمہ مقامِ ذی خشب کی طرف روانہ ہوئے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ پچاس انصار سواری پر بھیجے اور مصریوں کے رئیس چار تھے: عبد الرحمٰن بن عدیس البلوی، سودان بن حمران المرادی، ابن البیاع اور عمرو بن الحمق الخزاعی، اور اس کا نام ان پر غالب آ گیا حتیٰ کہ کہا جاتا تھا کہ یہ عمرو بن الحمق کا لشکر ہے، پس ان چاروں کے پاس حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ آئے، پس کہا: بے شک امیر المومنین اس طرح اور اس طرح فرماتے ہیں، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو کہا تھا وہ ان کو بتایا حتیٰ کہ مصری واپس چلے گئے، جب وہ لوگ مقامِ البویب پر پہنچے تو انہوں نے ایک اونٹ کو دیکھا جس پر صدقہ کی علامت تھی، انہوں نے اس اونٹ کو پکڑ لیا تو اس کے پاس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا غلام تھا، انہوں نے اس کا سامان چھین لیا اور اس کی تلاشی لی تو اس میں ایک سیسہ کی نلکی کے پیٹ میں حضرت عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح (والی مصر) کے نام مکتوب تھا کہ تم فلاں کے ساتھ یہ کرنا اور فلاں کے ساتھ یہ کرنا، اور یہ ان لوگوں کے متعلق قتل کرنے کا حکم تھا جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تھے، پھر مصری دوبارہ لوٹ آئے حتیٰ کہ مقامِ ذی خشب پر ٹھہرے، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو ان کے پاس بات کرنے کے لیے بھیجا اور کہا: جاؤ ان کو میرے پاس لوٹاؤ، انہوں نے کہا: میں ایسا نہیں کروں گا، حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بتایا: پھر مصریوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کر لیا۔

نیز سفیان بن ابی العوجاء بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کا انکار کیا کہ انہوں نے کوئی مکتوب لکھا تھا یا انہوں نے کوئی قاصد بھیجا تھا، انہوں نے کہا: یہ کام میری بے خبری میں کیا گیا ہے۔

(الطبقات الکبریٰ ج ۳ ص ۴۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

مہر شدہ خط کے اوپر شہادت دینے کے متعلق فقہاء کے اقوال

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

امام مالک نے خط پر شہادت دینے کو جائز کہا ہے اور ابنِ وہب نے کہا: میں اس مسئلہ میں امام مالک کے قول پر عمل نہیں کرتا۔
اور امام طحاوی نے کہا: تمام فقہاء نے اس مسئلہ میں امام مالک کی مخالفت کی اور ان کے اس قول کو شاذ قرار دیا ہے، کیونکہ ایک خط دوسرے خط کے مشابہ ہوتا ہے اور اس میں نہ کسی بات کو سن کر شہادت ہے اور نہ کسی واقعہ کو دیکھ کر شہادت ہے۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۳۳۱، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۷۱۶۲، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
جمہور علماء اس پر متفق ہیں کہ خط پر شہادت دینا جائز نہیں ہے جب کہ شہادت کا ذکر نہ کیا جائے اور نہ اس کی حفاظت کی جائے، الشعبی نے کہا: پس کبھی مہر شدہ مکتوب پر شہادت نہ دو، کیونکہ جو چاہے مہر بنالے اور جو چاہے لکھ دے۔
فقہاء احناف، امام شافعی، امام احمد اور اکثر اہلِ علم کے نزدیک خط کے اوپر شہادت دینا جائز نہیں ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ایام میں اسی کی مثل پر عمل کیا گیا، لوگوں نے ان کی مہر کی مثل بنالی اور ان کے خط کی مثل لکھ دیا، اور یہ قصہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے واقعہ میں مذکور ہے، اور اس باب میں قوی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

اِرْجِعُوْۤا اِلٰۤى اَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يٰۤاَبَانَاۤ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَمَا شَهِدْنَاۤ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ۝ (یوسف: ۸۱)

اپنے باپ کی طرف واپس جاؤ اور کہو: اے ہمارے باپ! بے شک آپ کے بیٹے (بنیامین) نے چوری کی ہے اور ہم صرف اسی بات کی گواہی دے سکتے ہیں جو ہمارے علم میں ہو اور ہم غیب کے نگہبان نہ تھے O

اس آیت سے معلوم ہوا کہ بغیر یقینی دلیل کے شہادت دینا جائز نہیں ہے، اور خط کے متعلق یہ یقین نہیں ہوتا کہ یہ فلاں شخص کا خط ہے، لہٰذا کسی خط کے متعلق بھی یہ شہادت دینا جائز نہیں ہے کہ یہ فلاں شخص کا خط ہے۔

وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ (الزخرف: ۸۶)

اور جن کی یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں وہ شفاعت کرنے کا اختیار نہیں رکھتے، ہاں وہ لوگ شفاعت کا اختیار رکھتے ہیں جو حق کی شہادت دیں اور انہیں اس کا یقین ہو O

اور محمد بن عبد الحکم نے کہا: ہم اپنے زمانہ میں خط کی شہادت پر فیصلہ نہیں کرتے، کیونکہ لوگوں نے طرح طرح کے برے کاموں کو ایجاد کر لیا ہے اور بے شک امام مالک نے کہا ہے کہ پہلے لوگ قاضی کی مہر پر شہادت کو جائز قرار دیتے تھے، پھر امام مالک نے کہا

کہ یہ جائز نہیں ہے۔

ایک قاضی کے دوسرے قاضی کی طرف مکتوب لکھنے کا بیان

علامہ ابن بطال لکھتے ہیں:

جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ جب ایک قاضی دوسرے قاضی کی طرف کوئی حکم لکھ کر بھیجے تو وہ حدود میں اور باقی حقوق میں نافذ ہوگا، اور فقہاء احناف کا مذہب یہ ہے کہ یہ ہر چیز میں جائز ہے سوائے حدود کے اور یہی امام شافعی کا ایک قول ہے۔ اور اسی طرح جمہور کا قول ہے، اور امام بخاری نے فقہاء احناف کے خلاف یہ دلیل قائم کی ہے کہ فقہاء احناف قتلِ خطاء میں قاضی کے حکم نامہ پر عمل کو جائز قرار دیتے ہیں حالانکہ وہ بھی مال ہے، اور فقہاء احناف نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ وہ مال قتل کے ثبوت کے بعد ہوتا ہے اور یہ اچھی حجت ہے۔

خط میں مذکور مضمون کے اقرار پر شہادت دینے کے متعلق فقہاء کے اقوال

علامہ ابن بطال لکھتے ہیں:

امام ابوحنیفہ اور امام شافعی اور ابوثور نے کہا: جب قاضی گواہوں کے سامنے خط کو نہ پڑھے تو ان کا اس خط پر گواہی دینا جائز نہیں ہے، اور جس کی طرف قاضی نے خط لکھا ہے اس کا بھی اس پر عمل کرنا جائز نہیں ہے، امام مالک سے بھی اس قول کی مثل منقول ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ جب تک کسی شخص کو یقینی علم نہ ہو اس کے متعلق شہادت دینا جائز نہیں ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے "وَمَا شَهِدْنَآ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا۔۔۔ (یوسف:۸۱)"۔

اور جن فقہاء نے اس کی اجازت دی ہے کہ حاکم جب یہ اقرار کرلے کہ یہ اس کا خط ہے، تو اس نے اس میں لکھے ہوئے مضمون پر بھی اقرار کرلیا، اور گواہوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اس پر گواہی دیں جو حاکم کے نزدیک ثابت ہو چکا ہے، اور اس سے غرض صرف یہ ہے کہ جس قاضی کی طرف خط لکھا گیا ہے وہ یہ جان لے کہ یہ فلاں قاضی کا خط اس کی طرف ہے۔

امام مالک کے نزدیک یہ جائز ہے کہ لوگ مہر شدہ وصیت پر گواہی دیں اور حاکم سے کہیں کہ اس خط میں جو لکھا ہوا ہے ہم اس کے اقرار پر گواہی دیتے ہیں، اور رسول اللہ ﷺ اپنے عمال کی طرف خط لکھتے تھے اور آپ کے عمال اس پر واقف نہیں ہوتے تھے کہ خط میں کیا احکام لکھے ہوئے ہیں۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۸ ص ۱۸۲۔ ۱۸۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۱۶۔ بَابُ: مَتَى يَسْتَوْجِبُ الرَّجُلُ الْقَضَاءَ

مرد قضاء کا کب مستحق ہوتا ہے؟

بابِ مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

عہدۂ قضاء کی شرائط

یعنی مرد کب اس بات کا مستحق ہوتا ہے کہ اس کو قاضی بنادیا جائے؟

ابوعلی الکرابیسی صاحب الشافعی نے "کتاب آداب القضاء" میں لکھا ہے: میرے علم میں متقدمین میں سے کسی کا اس میں

اختلاف نہیں ہے کہ مسلمانوں کے درمیان فیصلہ کرنے کا اور قاضی بننے کا مستحق وہ شخص ہوتا ہے جس کی فضیلت اور اس کا صدق اور اس کا علم اور اس کا تقویٰ اور اس کا کتاب اللہ کا قاری ہونا اور اس کا اکثر احکام کا عالم ہونا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنن کا عالم ہونا اور اکثر کا حافظ ہونا ظاہر ہو۔ اسی طرح یہ بھی ظاہر ہو کہ وہ صحابہ کرام کے اقوال کا حافظ ہے اور اس کو مسائل میں ان کے اتفاق اور اختلاف کا علم ہو، اور فقہاء تابعین کے اقوال کا علم ہو اور وہ صحیح قول کو ضعیف قول سے ممتاز کر سکتا ہو اور پیش آمدہ مسائل کا اللہ کی کتاب سے استنباط کر سکتا ہو، اگر کتاب اللہ میں نہ ملے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں سے اس کا استنباط کر سکتا ہو، اور اگر آپ کی سنتوں میں بھی اس کو مطلوبہ حکم نہ ملے تو صحابہ کا جس پر اتفاق ہو، وہ اس سے مستنبط کر سکتا ہو، پس اگر صحابہ کا اختلاف ہو تو جو قول قرآن مجید کے زیادہ مشابہ ہو، پھر جو قول سنت کے زیادہ مشابہ ہو، پھر جو قول اکابر صحابہ کے فتویٰ کے موافق ہو، اس پر عمل کرے، اور وہ اہلِ علم سے بہ کثرت مذاکرہ کرتا ہو اور مشاورت کرتا ہو جن کی فضیلت اور تقویٰ معلوم ہو اور وہ اپنی زبان کی اور اپنے پیٹ کی اور اپنی شرمگاہ کی گناہوں سے حفاظت کرتا ہو، اور فریقِ مخالف کے کلام کی سمجھ رکھتا ہو، پھر ضروری ہے کہ وہ صاحبِ عقل ہو، خواہشِ نفس سے اجتناب کرتا ہو، پھر انہوں نے کہا: اگرچہ ہمیں معلوم ہے کہ روئے زمین پر ایسے شخص کا ملنا مشکل ہے جو ان تمام صفات کا جامع ہو، لیکن ضروری ہے کہ ہر زمانہ میں جو اکمل اور افضل ہو اس کو تلاش کیا جائے۔

اور علامہ المہلب المالکی نے کہا: کسی شخص کے استحقاقِ قضاء کے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ وہ خود اپنے آپ کو قضاء کا اہل سمجھتا ہو، بلکہ لوگ اس کو قضاء کا اہل سمجھتے ہوں۔

اور ابنِ حبیب نے امام مالک سے نقل کیا کہ قاضی کے لیے عالم اور عاقل ہونا ضروری ہے۔

اور ابن العربی نے کہا: اس پر اتفاق ہے کہ قاضی کا غنی اور مالدار ہونا شرط نہیں ہے، کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

قَالُوٓا اَنّٰى يَكُوۡنُ لَهُ الۡمُلۡكُ عَلَيۡنَا وَنَحۡنُ اَحَقُّ بِالۡمُلۡكِ مِنۡهُ وَلَمۡ يُؤۡتَ سَعَةً مِّنَ الۡمَالِ ؕ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصۡطَفٰىهُ عَلَيۡكُمۡ وَزَادَهٗ بَسۡطَةً فِى الۡعِلۡمِ وَالۡجِسۡمِ ؕ (البقرہ: ۲۴۷)

انہوں نے کہا: اس کی بادشاہی ہم پر کیسے ہوگی، حالانکہ ہم اس سے زیادہ بادشاہی کے مستحق ہیں اور اس کو مالی وسعت بھی نہیں دی گئی، (ان کے) نبی نے کہا: بے شک اللہ نے اس کو تمہارے لیے منتخب فرمالیا ہے اور اس کو علم اور جسم میں زیادہ کشادگی عطا فرمائی ہے۔

اسی طرح قاضی کے لیے مرد ہونے کی شرط پر بھی اتفاق ہے، اور اس میں فقہاءِ احناف کا اختلاف ہے، اور انہوں نے بھی حدود کا استثناء کیا ہے کہ حدود میں عورت قضاء نہیں کر سکتی۔ اور جمہور کی دلیل یہ حدیث ہے کہ ''وہ قوم فلاح نہیں پائے گی جو اپنے معاملات کو عورت کے سپرد کر دے''، نیز قاضی کو فیصلہ کے لیے کامل رائے کی ضرورت ہوتی ہے اور عورت کی رائے ناقص ہوتی ہے خصوصاً مردوں کے ہوتے ہوئے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۳۳۲، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

عہدۂ قضاء کے متعلق فقہاءِ احناف کی شرائط

علامہ علاؤ الدین ابی بکر بن مسعود الکاسانی الحنفی المتوفی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں:

عہدۂ قضاء کی صلاحیت کے لیے قاضی کا عاقل اور بالغ ہونا شرط ہے، اور ان شرائط میں سے اسلام ہے، اور قاضی کا آزاد ہونا ہے اور قاضی کا بینا ہونا ہے، اور قاضی کا بولنے پر قادر ہونا ہے، اور ان شرائط میں سے یہ ہے کہ قاضی پر حدِ قذف نہ لگی ہو، پس مجنون

کو اور نابالغ بچہ کو اور کافر کو اور غلام کو اور نابینا کو اور گونگے کو اور جس پر حدِ قذف لگی ہو، قاضی بنانا جائز نہیں ہے، کیونکہ قضاء باب ولایت سے ہے بلکہ عظیم ولایت ہے اور ان لوگوں کے لیے ادنیٰ ولایت بھی نہیں ہے، پس ان کے لیے اعلیٰ ولایت بہ طریقِ اولیٰ نہیں ہوگی۔

منصبِ قضاء کو سونپنے کے لیے مرد ہونا شرط نہیں ہے، کیونکہ عورت اہلِ شہادت میں سے ہے اور اہلیتِ قضاء، اہلیتِ شہادت پر موقوف ہے، مگر عورت حدود اور قصاص میں شرعی فیصلہ نہیں کرے گی کیونکہ حدود اور قصاص میں عورت کی شہادت جائز نہیں ہے، لہٰذا حدود اور قصاص میں عورت کی قضاء بھی جائز نہیں ہے۔

رہا حلال اور حرام اور باقی احکام کا علم، آیا وہ منصبِ قضاء پر فائز کرنے کے لیے شرط ہے یا نہیں؟ ہمارے نزدیک یہ منصب قضاء کے جواز کے لیے شرط نہیں ہے، بلکہ ندب اور استحباب کے لیے شرط ہے۔

(بدائع الصنائع ج ۹ ص ۸۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

بابِ مذکور کی تعلیقات

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

وَقَالَ الْحَسَنُ أَخَذَ اللهُ عَلَى الْحُكَّامِ أَنْ لَا يَتَّبِعُوا الْهَوَى وَلَا يَخْشَوُا النَّاسَ وَلَا يَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا ثُمَّ قَرَأَ ﴿يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَ لَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ﴿٢٦﴾﴾ وَقَرَأَ ﴿اِنَّاۤ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّ نُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَ كَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَ اخْشَوْنِ وَ لَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿٤٤﴾﴾ بِمَا اسْتُحْفِظُوا اسْتُوْدِعُوا مِنْ كِتَابِ اللهِ وَقَرَأَ ﴿وَ دَاوٗدَ وَ سُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَ كُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ﴿٧٨﴾ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَ كُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّ عِلْمًا﴾ فَحَمِدَ سُلَيْمَانَ وَلَمْ يَلُمْ دَاوُدَ وَلَوْلَا مَا ذَكَرَ اللهُ مِنْ

اور حسن بصری نے کہا: اللہ تعالیٰ نے حکام سے یہ عہد لیا ہے کہ وہ خواہش کی پیروی نہ کریں اور نہ لوگوں سے ڈریں اور نہ میری آیات کے بدلہ میں تھوڑی قیمت لیں، پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی: ''اے داؤد! بے شک ہم نے آپ کو زمین میں خلیفہ بنا دیا ہے، سو آپ لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیجئے اور خواہش کی پیروی نہ کیجئے، ورنہ وہ (پیروی) آپ کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے بہکا دے گی، بے شک جو لوگ اللہ کی راہ سے بہک جاتے ہیں ان کے لیے سخت عذاب ہے کیونکہ وہ روزِ حساب کو بھول جاتے ہیں O'' (ص: ۲۶)

نیز انہوں (حسن بصری) نے یہ آیت پڑھی:

''بے شک ہم نے تورات کو نازل کیا جس میں ہدایت اور نور ہے، اللہ کے نبی جو ہمارے مطیع تھے اس کے مطابق یہود کا فیصلہ کرتے رہے، اور اللہ والے اور علماء (فیصلہ کرتے رہے) کیوں کہ ان سے کتاب اللہ کی حفاظت کرائی گئی تھی، اور وہ اس پر گواہ تھے، سو تم لوگوں سے نہ ڈرو مجھ سے ڈرو، اور میری آیتوں کے بدلہ میں تھوڑی قیمت نہ لو، اور جو اللہ کے نازل کیے ہوئے (احکام) کے

أَمْرِ هٰذَيْنِ لَرَأَيْتُ أَنَّ الْقُضَاةَ هَلَكُوا فَإِنَّهُ أَثْنَى عَلَى هٰذَا بِعِلْمِهِ وَعَذَرَ هٰذَا بِاجْتِهَادِهِ وَقَالَ مُزَاحِمُ بْنُ زُفَرَ قَالَ لَنَا عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ خَمْسٌ إِذَا أَخْطَأَ الْقَاضِي مِنْهُنَّ خَصْلَةً كَانَتْ فِيهِ وَصْمَةٌ أَنْ يَكُونَ فَهِمًا حَلِيمًا عَفِيفًا صَلِيبًا عَالِمًا سَئُولًا عَنِ الْعِلْمِ۔

موافق فیصلہ نہ کریں سو وہی لوگ کافر ہیں O ''(المائدہ:۴۴)

''بما استحفظوا'' کا معنی ہے:''جو احکام ان کے پاس امانت رکھے گئے تھے''۔نیز انہوں (حسن بصری) نے یہ آیت پڑھی:

''اور داؤد اور سلیمان کو یاد کیجئے جب وہ ایک کھیت کا فیصلہ کر رہے تھے، جب کچھ لوگوں کی بکریوں نے رات میں اس کھیت کو چر لیا تھا اور ہم ان کے فیصلہ کو دیکھ رہے تھے O سو ہم نے اس کا صحیح فیصلہ سلیمان کو سمجھا دیا اور ہم نے دونوں کو قوت فیصلہ اور علم عطا کیا تھا''۔(الانبیاء:۷۸۔۷۹)

پس اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی تحسین کی، اور حضرت داؤد علیہ السلام کو ملامت نہیں کی، اور اگر اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کا یہ معاملہ ذکر نہ کیا ہوتا تو میں سمجھتا ہوں کہ قاضی ہلاک ہو جاتے، کیونکہ ایک کی اللہ تعالیٰ نے اس کے علم کی وجہ سے تعریف کی اور دوسرے کو اس کے اجتہاد کی وجہ سے معذور قرار دیا۔اور مزاحم بن زُفر نے کہا: ہم سے حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا کہ پانچ خصلتیں ایسی ہیں کہ جب قاضی ان میں سے کسی ایک خصلت سے بھی خطاء کرے گا تو یہ اس کا عیب ہوگا، اسے چاہیے کہ وہ سمجھدار ہو، بردبار ہو، پاک باز ہو، اپنے موقف پر سختی سے قائم رہنے والا ہو، عالم ہو اور علم کے مطابق بہت زیادہ سوال کرنے والا ہو۔

حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے فیصلوں کا بیان

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ دو آدمی حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس آئے، ان میں سے ایک کھیت کا مالک تھا اور دوسرا بکریوں کا مالک تھا، کھیت کے مالک نے کہا: اس آدمی نے اپنی بکریاں میرے کھیت میں ہانک دیں اور میرے کھیت میں کوئی چیز باقی نہیں رہی، حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا: جاؤ یہ ساری بکریاں تمہاری ہیں، یہ حضرت داؤد علیہ السلام کا فیصلہ تھا، پھر بکریوں والا حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس گیا اور ان کو حضرت داؤد علیہ السلام کا کیا ہوا فیصلہ بتایا، پھر حضرت سلیمان حضرت داؤد علیہما السلام کے پاس گئے اور کہا: اے اللہ کے نبی! آپ نے جو فیصلہ کیا ہے اس کے سوا ایک اور فیصلہ ہے، حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا وہ کیا ہے؟ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: کھیت والے کو معلوم ہے کہ ہر سال اس کی کتنی فصل ہوتی ہے، وہ اس فصل کی قیمت بکریوں والے سے لے لے اور بکریوں والا بکریوں کے بال، ان کی اون اور ان کے بچوں کو بیچ کر وہ قیمت ادا کر دے، اور بکریوں کی نسل تو ہر سال چلتی رہتی

ہے، حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا: تم نے صحیح فیصلہ کیا اور فیصلہ یہی ہے، یہ محمد بن سعد کی روایت ہے، اور خلیفہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس طرح روایت کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: بکریاں کھیت والے کو دے دیں، وہ ان کے دودھ، ان کے بچوں اور ان کے دیگر منافع سے فائدہ اٹھائے اور اس اثناء میں بکریوں والا کھیت میں دوبارہ فصل اگائے حتیٰ کہ جب پہلے جتنی فصل ہو جائے تو کھیت، کھیت والے کو حوالہ کر کے اپنی بکریاں لے لے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۸۶۵۶، مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۲۷۹۶۹، زاد المسیر ج ۵ ص ۲۷۱-۲۷۲)

تعلیق مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

انبیاء علیہم السلام کے اجتہاد کے متعلق فقہاء کے اقوال

اس قصہ سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ نبی علیہ السلام کے لیے احکام میں اجتہاد کرنا جائز ہے، اور وہ نزولِ وحی کا انتظار نہیں کریں گے، اس لیے کہ حضرتِ داؤد علیہ السلام نے اس مسئلہ میں قطعی طور پر اجتہاد کیا تھا، کیونکہ اگر وہ وحی کے مطابق فیصلہ فرماتے تو اللہ تعالیٰ حضرت سلیمان علیہ السلام کے کیے ہوئے فیصلے کی تعریف نہ فرماتا۔

اور اس میں اختلاف ہے کہ جو فقہاء نبی علیہ السلام کے لیے اجتہاد کو جائز قرار دیتے ہیں، کیا ان کے نزدیک نبی علیہ السلام کی اپنے اجتہاد میں خطاء بھی جائز ہے؟

پس جو نبی علیہ السلام کی اجتہاد میں خطاء کو جائز قرار دیتے ہیں، وہ اس قصہ سے استدلال کرتے ہیں، اور دونوں فریق اس بات پر متفق ہیں کہ اگر نبی علیہ السلام سے اجتہاد میں خطاء ہو جائے تو ان کو خطاء پر برقرار نہیں رکھا جاتا۔

اور جو نبی علیہ السلام کے اجتہاد کو منع کرتے ہیں، وہ یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں یہ دلیل نہیں ہے کہ داؤد علیہ السلام نے اجتہاد کیا، اور نہ یہ دلیل ہے کہ انہوں نے خطاء کی، اور ظاہر یہ ہے کہ یہ واقعہ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام دونوں کے سامنے پیش کیا گیا، پس حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس میں ایک فیصلہ کیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس مقدمہ کا حکم سمجھا دیا تھا، اور داؤد علیہ السلام نے اس کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا۔

حسن بصری نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی مذمت نہیں کی، اس میں حضرت داؤد علیہ السلام کی تنقیص ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّ عِلْمًا (الانبیاء: ۷۹) اور ہم نے دونوں کو قوتِ فیصلہ اور علم عطا کیا تھا۔

پس اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام دونوں کو حکم اور علم عطا فرمایا ہے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو فہم کے ساتھ ممتاز رکھا، اور یہ علمِ خاص ہے جو علمِ عام پر زائد ہے، اور یہ علم مقدمہ کا فیصلہ کرنے سے متعلق ہے، انہوں نے کہا: زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس معاملہ میں داؤد علیہ السلام نے صحیح فیصلہ کیا تھا، اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے صلح کی طرف رہنمائی کی۔ نیز اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے: "وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّ عِلْمًا ــــ (الانبیاء: ۷۹)" یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ بر سبیلِ عموم ہو، یعنی ہر معاملہ میں ان دونوں کو قوتِ فیصلہ اور علم عطا فرمایا ہے، یا صرف اس کھیت کے معاملہ میں، اور ہر تقدیر پر اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کے حکم اور علم کی تعریف فرمائی، پس یہ ایسا

نہیں ہے کہ جب مجتہد سے خطاء ہوتو اس کی خطاء پر عذر پیش کیا جائے، کیونکہ خطاء حکم اور علم نہیں ہے، خطاء اس کے لیے ہوتی ہے جو صحیح نتیجہ تک نہ پہنچے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں: جو اس قصہ میں غور کرے گا اس پر یہ منکشف ہوگا کہ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے حکموں میں جو اختلاف تھا، یہ صحیح اور غلط کا اختلاف نہیں تھا بلکہ اولویت کا اختلاف تھا۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۳۳۴، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۱۷۔ بَابُ: رِزْقِ الْحُكَّامِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا حکام اور عاملین کو معاوضہ دینے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

حکام اور عاملین کے وظیفہ لینے کے متعلق فقہاء کے اقوال

علماء کا اس پر اجماع ہے کہ اموالِ فئے میں سے اور جو اس کے قائم مقام ہو جس کو مسلمانوں کی مصلحتوں میں خرچ کیا جاتا ہے، اس میں سے حکام اور عاملین کو وظیفہ یا معاوضہ دینا جائز ہے۔

امام ابوجعفر الطبری متوفی ۳۱۰ھ نے کہا ہے: اس باب کی حدیث میں یہ واضح دلیل ہے کہ جو شخص مسلمانوں کے لیے عمل کرنے میں مشغول ہو اس کو اس عمل کے اوپر وظیفہ یا معاوضہ دیا جائے، جیسا کہ کسی صوبے کا گورنر ہو یا کسی شہر کا قاضی ہو، یا جن لوگوں کو صدقہ کے اموال جمع کرنے پر مامور کیا جاتا ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کے عمل کے اوپر معاوضہ دیا، پس ہر وہ شخص جو مسلمانوں کے لیے عمل کرنے میں مشغول ہو اس کو وظیفہ دینا جائز ہے۔

اور دوسرے علماء نے یہ کہا کہ بعض متقدمین نے حکام اور عاملین کے وظیفہ کو مکروہ قرار دیا ہے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، حسن بصری اور قاسم وغیرہم نے کہا ہے کہ قضاء پر وظیفہ لینا مکروہ ہے۔

اور بعض دوسرے علماء نے اس کی اجازت دی ہے۔ علامہ ابن المنذر نے ذکر کیا ہے کہ زید بن ثابت قضاء پر اجرت لیتے تھے، اور اس کی ابن سیرین اور شریح نے روایت کی ہے اور یہی اللیث اور اسحاق اور ابوعبید کا قول ہے اور جن لوگوں نے اس کو مکروہ کہا ہے، ان کے نزدیک بھی یہ وظیفہ لینا حرام نہیں ہے۔

اور امام شافعی نے کہا: جب قاضی اپنی قضاء کے اوپر اجرت لے تو میرے نزدیک یہ حرام نہیں ہے، اور امام ابوعبید نے وظیفہ لینے کے جواز پر اس سے استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صدقہ کے عاملین کے لیے زکوٰۃ میں سے دینے کو فرض فرمایا ہے، اور وہ جو صدقہ لینے کے لیے کوشش کرتے ہیں اس وجہ سے اس کو ان کا حق قرار دیا ہے۔

علامہ المہلب المالکی نے کہا ہے: جن فقہاء نے حکام اور عاملین کے وظیفہ کو مکروہ قرار دیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اصل میں قضاء کا معاملہ ثواب کی نیت پر محمول ہے، اسی وجہ سے قاضیوں کا آخرت میں درجہ عظیم ہوگا اور ان کے مراتب بلند ہوں گے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اور باقی تمام انبیاء کو یہ حکم دیا کہ وہ کہیں:

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى۔ (الشوریٰ: ۲۳) آپ کہیے کہ میں اس (تبلیغِ رسالت) پر تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا سوا قرابت کی محبت کے۔

اور انبیاء علیہم السلام کا تبلیغِ رسالت پر اجرت نہ لینا اس پر دلیل ہے کہ وہ تہمت سے بری ہیں۔

اسی وجہ سے امام مالک نے کہا ہے کہ میں قاضی کی اجرت کو مکروہ قرار دیتا ہوں، کیونکہ متقدمین اموالِ غنیمت کو تقسیم کرتے تھے اور قضاء کا کام کرتے تھے اور ثواب کی نیت سے کرتے تھے اور اجرت نہیں لیتے تھے، پس امام مالک نے ارادہ کیا کہ قضاء کے معاملہ کو ثواب کی نیت پر محمول کیا جائے اور یہ وہ اصل ہے جو اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے لیے مقرر کی ہے، تا کہ قضاء کے منصب میں وہ شخص داخل نہ ہو جو غیر مستحق ہو، یا کوئی شخص مسلمانوں کے اموال کو حیلہ سے حاصل کرے، لیکن جو قاضی حق کے مطابق فیصلہ کرے اور مالِ غنیمت کو صحیح طریقہ سے مسلمانوں کی مصلحتوں میں تقسیم کرے تو اس کے لیے اس کام کی اجرت لینا حرام نہیں ہے، اور روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو بیت المال کے اوپر عامل بنایا اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو نماز کے اوپر عامل بنایا، اور حضرت ابن حنیف رضی اللہ عنہ کو لشکر پر عامل بنایا اور ان سب کو ہر روز ایک بکری معاوضہ میں دیتے تھے، نصف بکری حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو دیتے تھے اور چوتھائی بکری حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کو دیتے تھے اور دوسری چوتھائی بکری حضرت ابن حنیف رضی اللہ عنہ کو دیتے تھے۔

رہے صدقہ وصول کرنے کے عاملین، تو امام ان کے اعمال کی مشقت کے اعتبار سے ان کو وظیفہ عطا کرے۔

(شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۸ ص ۱۸۷۔۱۸۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

بابِ مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام ابوجعفر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے کہا ہے: جمہور کا مذہب یہ ہے کہ قاضی کا فیصلہ کرنے پر اجرت لینا جائز ہے، کیونکہ قضاء کی مشغولیت کی وجہ سے وہ اپنے کسبِ معاش کا انتظام نہیں کر سکتا، البتہ متقدمین کی ایک جماعت نے اس کو مکروہ کہا ہے اور حرام نہیں کہا۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۳۳۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

بابِ مذکور کی تعلیق

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

وَكَانَ شُرَيْحٌ الْقَاضِي يَأْخُذُ عَلَى الْقَضَاءِ أَجْرًا وَقَالَتْ عَائِشَةُ يَأْكُلُ الْوَصِيُّ بِقَدْرِ عُمَالَتِهِ وَأَكَلَ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ۔

اور شریح قاضی، قضاء پر اجرت لیتے تھے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: جس کو وصیت کی گئی ہے وہ اپنے عمل کی مشقت کے اعتبار سے کھا سکتا ہے اور حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما نے کھایا۔

تعلیقِ مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

شریح قاضی اور حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے بیت المال سے اجرت لینے کے متعلق آثار

اس تعلیق میں شریح قاضی کا ذکر ہے، ان کا نام شریح بن الحارث ہے، یہ کوفہ کے قاضی تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو بہت طویل عرصہ تک کوفہ کا قاضی مقرر رکھا، یہ ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے زمانہ جاہلیت اور اسلام دونوں کو پایا اور ایک قول یہ ہے کہ یہ صحابی ہیں، ۸۰ ہجری سے پہلے فوت ہو گئے تھے اور ان کی عمر ایک سو سال سے زیادہ تھی۔

اور امام عبدالرزاق اور سعید بن منصور نے از شعبی روایت کی ہے کہ مسروق قضاء پر اجرت نہیں لیتے تھے اور شریح قضاء پر اجرت لیتے تھے۔

اس تعلیق میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کا ذکر ہے، امام ابن ابی شیبہ نے اس قول کو درجِ ذیل آیت کی تفسیر میں ذکر کیا ہے:

وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۖ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ (النساء:٦) اور جو (یتیم کا ولی) مال دار ہو وہ (ان کا مال کھانے سے) بچتا رہے، اور جو حاجت مند ہو وہ دستور کے موافق کھا لے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے یہ آیت یتیم کے مال کے والی کے متعلق نازل فرمائی ہے جو یتیم کے مال کی حفاظت کرتا ہے اور یتیم کی کفالت کرتا ہے کہ اگر وہ ضرورت مند ہو تو وہ یتیم کے مال سے کھا سکتا ہے۔

نیز اس تعلیق میں مذکور ہے "حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے کھایا"۔

امام ابن ابی شیبہ نے از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کی ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا گیا تو انہوں نے کہا: میری قوم کو معلوم ہے کہ میرا پیشہ مجھے اپنے اہل وعیال کی کفالت سے عاجز نہیں کرتا اور اب مجھے مسلمانوں کی خدمات کے ساتھ مشغول کر دیا گیا ہے، اور صحیح البخاری میں مذکور ہے: "پس عنقریب آلِ ابو بکر اس مال سے کھائے گی اور مسلمانوں کی خدمات کو انجام دے گی"۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب خلیفہ بن گئے تو وہ اور ان کے گھر والے بیت المال سے لے کر کھاتے تھے، اور اس کو امام ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے اپنے آپ کو یتیم کے مال کے منزلہ میں نازل کیا ہے، اگر میں اس مال سے مستغنی ہوں گا تو اس کو چھوڑ دوں گا، اور اگر مجھے اس مال سے کھانے کی ضرورت ہوگی تو میں دستور کے مطابق اس مال سے کھاؤں گا، اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۳۳۶، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۱۶۳۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَخْبَرَنِي السَّائِبُ بْنُ يَزِيدَ ابْنُ أُخْتِ نَمِرٍ أَنَّ حُوَيْطِبَ بْنَ عَبْدِ الْعُزَّى أَخْبَرَهُ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ السَّعْدِيِّ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ قَدِمَ عَلَى عُمَرَ فِي خِلَافَتِهِ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ أَلَمْ أُحَدَّثْ أَنَّكَ تَلِي مِنْ أَعْمَالِ النَّاسِ أَعْمَالًا فَإِذَا أُعْطِيتَ الْعُمَالَةَ كَرِهْتَهَا فَقُلْتُ بَلَى فَقَالَ عُمَرُ فَمَا تُرِيدُ إِلَى ذَلِكَ قُلْتُ إِنَّ لِي أَفْرَاسًا وَأَعْبُدًا وَأَنَا بِخَيْرٍ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے سائب بن یزید بن اُختِ نمر نے خبر دی، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک حویطب بن عبدالعزیٰ نے ان کو خبر دی، وہ بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن سعدی نے ان کو خبر دی کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ان کی خلافت کے دوران آئے، پس ان سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا مجھے یہ خبر نہیں دی

وَأُرِيدُ أَنْ تَكُونَ عُمَالَتِي صَدَقَةً عَلَى الْمُسْلِمِينَ قَالَ عُمَرُ لَا تَفْعَلْ فَإِنِّي كُنْتُ أَرَدْتُ الَّذِي أَرَدْتَ فَكَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُعْطِينِي الْعَطَاءَ فَأَقُولُ أَعْطِهِ أَفْقَرَ إِلَيْهِ مِنِّي حَتَّى أَعْطَانِي مَرَّةً مَالًا فَقُلْتُ أَعْطِهِ أَفْقَرَ إِلَيْهِ مِنِّي فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ خُذْهُ فَتَمَوَّلْهُ وَتَصَدَّقْ بِهِ فَمَا جَاءَكَ مِنْ هَذَا الْمَالِ وَأَنْتَ غَيْرُ مُشْرِفٍ وَلَا سَائِلٍ فَخُذْهُ وَإِلَّا فَلَا تُتْبِعْهُ نَفْسَكَ۔

گئی کہ تم لوگوں کے اعمال کے والی ہوتے ہو، پس جب تمہیں تمہارے کام کی اجرت دی جاتی ہے تو تم اس کو ناپسند کرتے ہو؟ میں نے کہا: بے شک حضرت عمر نے فرمایا: اس سے تمہارا کیا مقصد ہے؟ میں نے کہا: میرے گھوڑے ہیں اور غلام ہیں اور میں بہت اچھے حال میں ہوں، اور میں ارادہ کرتا ہوں کہ میرے عمل کی اجرت مسلمانوں پر صدقہ ہو جائے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایسا نہ کرو، کیونکہ میں بھی یہی ارادہ کرتا تھا جو تم نے ارادہ کیا ہے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے کچھ مال عطا فرماتے تو میں کہتا: یہ مال اس کو عطا کر دیجئے جو مجھ سے زیادہ محتاج ہو، حتیٰ کہ ایک مرتبہ آپ نے مجھے مال دیا تو میں نے کہا: آپ یہ مال اس کو دیجئے جو مجھ سے زیادہ محتاج ہو، پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم اس مال کو اپنی ملکیت میں لو اور اس کا صدقہ کر دو، پس تمہارے پاس اس مال میں سے جو کچھ آئے اور تم اس کی طمع کرنے والے نہ ہو اور نہ اس کا سوال کرنے والے ہو تو تم اس کو لے لیا کرو، ورنہ تم اس مال کے پیچھے اپنے آپ کو نہ لگاؤ۔

(صحیح البخاری: ۱۴۷۳، ۷۱۶۳، ۷۱۶۴، صحیح مسلم: ۱۰۴۵، سنن نسائی: ۲۶۰۸، مسند احمد: ۱۳۷، سنن دارمی: ۱۶۴۷)

۷۱۶۴۔ وَعَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ حَدَّثَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَقُولُ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُعْطِينِي الْعَطَاءَ فَأَقُولُ أَعْطِهِ أَفْقَرَ إِلَيْهِ مِنِّي حَتَّى أَعْطَانِي مَرَّةً مَالًا فَقُلْتُ أَعْطِهِ مَنْ هُوَ أَفْقَرُ إِلَيْهِ مِنِّي فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ خُذْهُ فَتَمَوَّلْهُ وَتَصَدَّقْ بِهِ فَمَا جَاءَكَ مِنْ هَذَا الْمَالِ وَأَنْتَ غَيْرُ مُشْرِفٍ وَلَا سَائِلٍ فَخُذْهُ وَمَالَا فَلَا تُتْبِعْهُ نَفْسَكَ۔

اور زہری سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ مجھے سالم بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے بیان کیا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ میں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے مال عطا فرماتے تھے، پس میں کہتا: یہ اس شخص کو دیجئے جو مجھ سے زیادہ محتاج ہو، حتیٰ کہ ایک مرتبہ آپ نے مجھے مال دیا تو میں نے کہا: یہ مال اس کو دیجئے جو مجھ سے زیادہ محتاج ہو، پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس مال کو لے لو اور اس کے مالک بن جاؤ اور اس کا صدقہ کر دو، پس تمہارے پاس جو مال آئے اور تم اس کی طمع کرنے والے نہ ہو اور نہ سوال کرنے والے ہو، سو اس مال کو تم لے لو، اور جو اس طرح نہ ہو تو اس کے پیچھے اپنے آپ کو نہ لگاؤ۔

(صحیح البخاری: ۷۱۶۴، ۷۱۶۳، ۱۴۷۳، صحیح مسلم: ۱۰۴۵، سنن نسائی: ۲۶۰۸، مسند احمد: ۱۳۷، سنن داری: ۱۶۴۷)

صحیح البخاری: ۷۱۶۳، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن اُختِ نَمِر، یہ مشہور صحابی ہیں، ان کا کئی مرتبہ تذکرہ ہو چکا ہے، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے چھ سال پائے اور آپ سے احادیث کو یاد رکھا، اور ان کی وفات تمام صحابہ کے اخیر میں ہوئی تھی، اور یہ صحابہ میں سے آخر میں مدینہ میں فوت ہوئے، اور ایک قول ہے کہ حضرت محمود بن الربیع اخیر میں فوت ہوئے، دوسرا قول ہے کہ حضرت محمود بن لبید آخر میں فوت ہوئے۔ نیز اس حدیث کی سند میں مذکور ہے حویطب بن عبد العزیٰ، یہ قریش کے معین لوگوں میں سے تھے، فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے اور چون (۵۴) ہجری میں مدینہ میں فوت ہوئے، اس وقت ان کی عمر ایک سو بیس (۱۲۰) سال تھی، ان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ساٹھ (۶۰) سال زمانہ جاہلیت میں گزارے اور ساٹھ سال زمانہ اسلام میں گزارے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبد اللہ بن السعدی، اور عبد اللہ مدینہ میں ستاون (۵۷) ھ میں فوت ہوئے تھے۔ امام بخاری کی ان سے صرف یہی حدیث مروی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں لفظ "العمالۃ" مذکور ہے، اس کا معنی ہے: عمل کی اجرت۔

اس حدیث میں مذکور ہے "یعطینی العطاء" العطاء سے مراد وہ مال ہے جس کو امام مختلف مصالح میں تقسیم کرتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "پس مجھ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس مال کو اپنی ملکیت میں لے لو اور اس کا صدقہ کر دو"۔ علامہ ابن بطال نے کہا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو افضلِ عمل پر اشارہ کیا، کیونکہ اگرچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے حصہ کے مال کی اجرت کا دوسروں کے لیے ایثار کر دیں تو اس میں بھی فضیلت ہے، لیکن مال کو اپنی ملکیت میں لے کر پھر اس کو ضرورت مندوں پر خرچ کرنا اس میں زیادہ فضیلت ہے۔

اور علامہ نووی نے کہا: اس حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت ہے، اور ان کے زہد اور ان کے ایثار کا بیان ہے، اور اسی طرح ابن السعدی کے بھی زہد اور ان کے ایثار کا بیان ہے۔

حکام کے وظائف لینے اور ہدیے اور تحفے لینے کی تحقیق

امام ابو جعفر الطبری نے کہا ہے: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں اس پر واضح دلیل ہے کہ جو شخص مسلمانوں کے کسی عمل کے ساتھ مشغول ہو، وہ اپنے اس عمل کے اوپر وظیفہ کو لے سکتا ہے جیسا کہ سربراہانِ مملکت اور قضاۃ اور مالِ فیئ کو جمع کرنے والے اور صدقہ کے عاملین وغیرہ اپنے عمل پر وظائف لیتے تھے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کے عمل پر اجرت عطا کی۔

علامہ ابن المنذر نے لکھا ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ قضاء پر اجرت لیتے تھے، اور امام ابو عبید نے اس کے جواز پر اس

سے استدلال کیا کہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ وصول کرنے والے عاملین کے لیے زکوٰۃ میں سے حصہ فرض کیا ہے اور اس کو ان کی محنت اور کوشش کا حق قرار دیا ہے۔

اگر سلطان اور سربراہِ ملک عطیہ دے تو یہ حرام ہے یا مکروہ ہے یا مباح ہے، اور اگر اس کا غیر عطیہ دے تو وہ مستحب ہے۔

علامہ النووی نے کہا ہے: صحیح یہ ہے کہ اگر اس عطیہ پر حرام غالب ہو تو وہ حرام ہے، اسی طرح اگر بغیر استحقاق کے عطیہ دیا جائے خواہ اس پر حرام غالب نہ ہو، پھر بھی اس کو لینا حرام ہے، اور اگر اس کی کسی اجرت کے عوض میں دیا جائے تو پھر مباح ہے اور علامہ ابن التین نے کہا ہے: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب قاضی اجرت سے مستغنی ہو تو پھر اس کا قضاء پر اجرت لینا مکروہ ہے خواہ وہ مال طیب ہو۔

علامہ القرطبی نے کہا ہے کہ لوگوں کے پاس جو مال ہو اس پر نظر رکھنا مذموم ہے، کیونکہ اس سے یہ پتا چلتا ہے کہ یہ شخص دنیا میں رغبت رکھتا ہے اور مالِ دنیا کی وسعت کی طرف مائل ہے تو شارع علیہ السلام نے ایسی صورت میں مال لینے سے منع فرمایا ہے۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۳۳۶۔۳۳۹، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۱۸۔ بَابُ: مَنْ قَضَى وَلَاعَنَ فِي الْمَسْجِدِ — جس نے مسجد میں فیصلہ کیا اور لعان کیا

بابِ مذکور کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

مسجد میں فیصلہ کرنے کے متعلق فقہاء کے اقوال

قاضی شریح اور حسن بصری اور شعبی اور ابن ابی لیلیٰ نے مسجد میں فیصلہ کرنے کو مستحب قرار دیا ہے۔

(شرح ابن بطال ج ۸ ص ۲۴۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

اور امام مالک نے کہا: زمانہ قدیم سے مسجد میں قضاء کرنا مسلمانوں کا معمول ہے، کیونکہ مسجد میں ہر شخص آسانی سے پہنچ سکتا ہے، عورت بھی جا سکتی ہے، کمزور آدمی بھی جا سکتا ہے، اور جب فیصلہ کرنے کی کوئی اور جگہ بنائی جائے گی تو سب لوگ وہاں آسانی سے نہیں پہنچ سکیں گے۔ (المدونۃ الکبریٰ ج ۴ ص ۷۶)

امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق کا بھی یہی قول ہے۔ (الشرح الکبیر ج ۲۸ ص ۳۳۸)

اور فقہاء کی ایک جماعت نے مسجد میں فیصلہ کرنے کو مکروہ قرار دیا ہے، انہوں نے کہا: قاضی کے پاس تو فیصلہ کے لیے حائض عورت بھی آتی ہے، ذمی بھی آتا ہے اور مختلف قسم کے لوگ آتے ہیں، اور مساجد کو ان سے دور رکھا جاتا ہے۔

اور روایت ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے القاسم بن عبد الرحمٰن کی طرف لکھا کہ مسجد میں فیصلہ نہ کرنا، کیونکہ تمہارے پاس حائض عورت بھی آئے گی اور ذمی مرد بھی آئے گا۔ (مصنف عبد الرزاق ج ۱۰ ص ۲۳، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۴۳۶)

امام شافعی نے کہا: میرے نزدیک مستحب یہ ہے کہ مسجد کے علاوہ کسی اور جگہ فیصلے کیے جائیں، کیونکہ فیصلوں کی وجہ سے اکثر وہ لوگ مسجد میں آئیں گے جن کا مسجد میں آنا جائز نہیں ہے۔

اس باب میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مساجد میں فیصلہ کرنے کے استحباب کی دلیل ہے، اور یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ فیصلہ کی مجلس میں تو کافر بھی آتا ہے اور حائض عورت بھی آتی ہے اور ان کا مساجد میں دخول ممنوع ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ کفار کا مطلقاً مسجد میں دخول ممنوع نہیں ہے، یہ صرف مسجد حرام میں ممنوع ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ثقیف کا ایک وفد آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مسجد میں ٹھہرایا۔ (سنن ابوداؤد: ۳۰۲۶، مسند احمد ج ۴ ص ۲۱۸)

اور ثمامہ بن اثال جو بنو حنیفہ میں سے تھے، انہیں گرفتار کیا گیا اور مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا گیا اور وہ اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے۔ (صحیح البخاری: ۴۶۲)

رہا حائض عورت کی مسجد میں دخول سے ممانعت، تو یہ کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے۔

علامہ ابن ملقن کی تحقیق پر مصنف کا مواخذہ

(میں کہتا ہوں: علامہ ابن ملقن کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ حائض کی مسجد میں دخول سے ممانعت کے متعلق کوئی حدیث ثابت نہیں ہے، کیونکہ امام ابوداؤد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی طرف گئے اور آپ نے فرمایا: "اپنے گھروں کے چہروں کو مسجد کی طرف سے ہٹا دو، کیونکہ میں حائض اور جنبی کے لیے مسجد کو حلال نہیں قرار دیتا"۔ (سنن ابوداؤد: ۲۳۲)، سعیدی غفرلہٗ)

اور حضرت داؤد علیہ السلام نے دو لڑنے والوں کے درمیان غور و فکر کیا اور ان دونوں کو محراب میں نصیحت کی اور محراب مسجد میں ہے۔

اور رہی وہ احادیث جن میں مسجد میں حدود کو قائم کرنے سے منع کیا گیا ہے، سو وہ ضعیف ہیں۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۲ ص ۵۰۲۔ ۵۰۳، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں کہ علامہ ابن الملقن کا یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ مسجد میں حدود قائم کرنے کی ممانعت کے متعلق احادیث ضعیف ہیں۔

امام ابوداؤد اپنی سند کے ساتھ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں قصاص لینے سے منع فرمایا اور مسجد میں اشعار پڑھنے سے منع فرمایا، اور مسجد میں حدود قائم کرنے سے منع فرمایا۔ (سنن ابوداؤد: ۴۴۹۰)

امام ابوداؤد نے اس حدیث پر سکوت کیا ہے اور امام ابوداؤد نے کہا ہے کہ میں جس حدیث پر سکوت کروں یعنی اس پر جرح نہ کروں وہ حدیث سنداً صحیح ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں یہ حدیث دیگر کتب حدیث میں بھی مذکور ہے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۴۳۴، یہ حدیث حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے، امام دارقطنی نے اس حدیث کی مرفوعاً روایت کی ہے ج ۳ ص ۸۵)

حدیث مذکور کی تعلیق

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

وَلَاعَنَ عُمَرُ عِنْدَ مِنْبَرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَضَى شُرَيْحٌ وَالشَّعْبِيُّ وَيَحْيَى بْنُ يَعْمَرَ فِي الْمَسْجِدِ وَقَضَى مَرْوَانُ عَلَى زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ بِالْيَمِينِ عِنْدَ الْمِنْبَرِ وَكَانَ الْحَسَنُ وَزُرَارَةُ بْنُ أَوْفَى يَقْضِيَانِ فِي الرَّحَبَةِ خَارِجًا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کے پاس لعان کیا، اور شریح نے، الشعبی نے اور یحییٰ بن یعمر نے مسجد میں فیصلہ کیا، اور مروان نے زید بن ثابت کے خلاف منبر کے پاس قسم پر فیصلہ کیا، اور حسن اور زرارۃ بن اوفیٰ صحن میں مسجد سے باہر فیصلہ کرتے تھے۔

مِنَ الْمَسْجِدِ۔

حافظ ابن حجر عسقلانی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کی پہلی تعلیق میں مذکور ہے کہ ''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کے پاس لعان کیا''، یہ حدیث مسجد میں لعان کرنے کے ثبوت میں بہت قوی دلیل ہے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منبر کی تخصیص اس لیے کی ہے کیونکہ ان کے نزدیک منبر کے پاس کسی کو قسم دینا تغلیظ میں بہت سخت ہے۔

اس باب کی دوسری تعلیق میں مذکور ہے ''شریح اور شعبی اور یحییٰ بن یعمر نے مسجد میں فیصلہ کیا''، شریح کے اثر کی امام ابن ابی شیبہ اور امام محمد بن سعد نے روایت کی ہے، اور امام عبدالرزاق نے الحکم بن عتیبہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے دیکھا کہ شریح مسجد میں فیصلہ کررہے تھے۔

رہا شعبی کا اثر تو اس کی روایت سعید بن عبدالرحمٰن المخزومی نے ''جامع سفیان'' میں کی ہے۔ اور عبداللہ بن شبرمہ سے روایت ہے کہ میں نے دیکھا کہ شعبی نے ایک یہودی کو جائیداد کے معاملہ میں مسجد میں کوڑے مارے، اسی طرح امام عبدالرزاق نے اس حدیث کی سفیان سے روایت کی ہے۔

اور رہا یحییٰ بن یعمر کا اثر، تو اس کی امام ابن ابی شیبہ نے از عبدالرحمٰن بن قیس سندِ موصول کے ساتھ روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا یحییٰ بن یعمر مسجد میں قضاء کررہے تھے۔

اس باب کی تیسری تعلیق میں مذکور ہے ''مروان نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے خلاف منبر کے پاس قسم سے فیصلہ کیا''۔ یہ تعلیق کتاب الشہادات میں گزر چکی ہے اور موطا امام مالک میں بھی مذکور ہے۔

اس باب کی چوتھی تعلیق میں مذکور ہے کہ ''حسن اور زرارۃ بن اوفیٰ مسجد کے صحن میں فیصلے کرتے تھے جو مسجد سے خارج ہے''۔ مسجد کے صحن کے متعلق اختلاف ہے کہ وہ مسجد کے حکم میں ہے یا نہیں؟ راجح یہ ہے کہ مسجد کا صحن بھی مسجد کے حکم میں ہے، اسی وجہ سے مسجد کے صحن میں اعتکاف کرنا صحیح ہے، ہاں اگر وہ صحن مسجد سے منفصل (یعنی اس کے اور مسجد کے درمیان میں کوئی اور چیز ہو) ہو تو پھر وہ مسجد کے حکم میں نہیں ہے۔

رحبۂ مسجد (صحنِ مسجد) اور حریمِ مسجد کے احکام

علامہ ابن المنیر نے کہا ہے: رحبۂ مسجد (صحنِ مسجد) مسجد کے حکم میں ہے سوا اس کے کہ رحبۂ مسجد، مسجد سے منفصل ہو، اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ وہ رحبۂ مسجد، مسجد سے منفصل تھا، اور یہ ممکن ہے کہ قاضی رحبۂ متصلہ میں بیٹھتا ہو اور خصوم اس سے خارج ہوتے ہوں، یا رحبۂ متصلہ میں ہوتے ہوں، اور جس تابعی کا ذکر کیا گیا ہے اس کی رائے یہ تھی کہ رحبۂ مسجد، مسجد کے حکم میں نہیں ہے خواہ مسجد کے ساتھ متصل ہو، اور اس میں فقہاء کا اختلاف مشہور ہے۔

امام شافعی نے کہا: حریمِ مسجد اور رحبۂ مسجد میں فرق یہ ہے کہ ہر مسجد کا حریم (چار دیواری) ہوتا ہے اور ہر مسجد کا رحبہ نہیں ہوتا، پس وہ مسجد جس کے سامنے صحن کا ایک ٹکڑا ہو تو وہ مسجد کے حکم میں ہوتا ہے اور حریم وہ ہے جس نے مسجد کے صحن اور مسجد کا احاطہ کیا ہوا ہوتا ہے، اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک مسجد کے حکم میں ہے، پس حریمِ مسجد میں نماز پڑھنا صحیح ہے اور رحبۂ مسجد میں

اعتکاف کرنا صحیح ہے، اور کبھی رحبۂ مسجد میں یہ فرق کیا جاتا ہے کہ مسجد کے صحن میں شور وشغب کرنا جائز ہے اور مسجد میں شور وشغب کرنا جائز نہیں ہے۔ امام مالک نے موطا میں از حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد کی ایک جانب میں صحن بنایا اور اس کا نام البطحاء رکھا، اور وہ یہ کہتے تھے کہ جو شور کرنا چاہتا ہو یا شعر پڑھنا چاہتا ہو یا آواز بلند کرنا چاہتا ہو تو وہ اس رحبہ کی طرف آ ئے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۳۴۰، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۱۶۵۔ حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ الزُّهْرِيُّ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ شَهِدْتُ الْمُتَلَاعِنَيْنِ وَأَنَا ابْنُ خَمْسَ عَشْرَةَ سَنَةً وَفُرِّقَ بَيْنَهُمَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: زہری نے بیان کیا از حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ، انہوں نے بیان کیا کہ میں دو لعان کرنے والوں کے سامنے حاضر تھا اور اس وقت میری عمر پندرہ سال تھی، ان دونوں کے درمیان تفریق کر دی گئی۔

(صحیح البخاری: ۴۲۳، ۴۷۴۵، ۴۷۴۶، ۵۲۵۹، ۵۳۰۸، ۵۳۰۹، ۶۸۵۴، ۷۱۶۵، ۷۱۶۶، ۷۳۰۴، صحیح مسلم: ۱۴۹۲، سنن نسائی: ۳۴۰۲، سنن ابوداؤد: ۲۲۴۵، سنن ابن ماجہ: ۲۰۶۶، موطا امام مالک: ۱۲۰۱، سنن دارمی: ۲۲۲۹)

۷۱۶۶۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ أَخْبَرَنِي ابْنُ شِهَابٍ عَنْ سَهْلٍ أَخِي بَنِي سَاعِدَةَ أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ أَرَأَيْتَ رَجُلًا وَجَدَ مَعَ امْرَأَتِهِ رَجُلًا أَيَقْتُلُهُ فَتَلَاعَنَا فِي الْمَسْجِدِ وَأَنَا شَاهِدٌ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرزاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن جریج نے خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے ابن شہاب نے خبر دی از حضرت سہل رضی اللہ عنہ جو بنو ساعدہ کے بھائی ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ انصار میں سے ایک مرد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، پس اس نے کہا: یہ بتایئے ایک مرد اپنی بیوی کے پاس ایک دوسرے مرد کو پائے، کیا وہ اس کو قتل کر دے؟ پس ان دونوں نے مسجد میں لعان کیا اور میں موجود تھا۔

(صحیح البخاری: ۴۲۳، ۴۷۴۵، ۴۷۴۶، ۵۲۵۹، ۵۳۰۸، ۵۳۰۹، ۶۸۵۴، ۷۱۶۵، ۷۱۶۶، ۷۳۰۴، صحیح مسلم: ۱۴۹۲، سنن نسائی: ۳۴۰۲، سنن ابوداؤد: ۲۲۴۵، سنن ابن ماجہ: ۲۰۶۶، موطا امام مالک: ۱۲۰۱، سنن دارمی: ۲۲۲۹)

صحیح البخاری: ۷۱۶۵۔ ۷۱۶۶، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، ان حدیثوں کی شرح میں لکھتے ہیں:

مؤخر الذکر دونوں حدیثیں حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں، ان کی کنیت ابو العباس ہے، یہ انصاری مدنی ہیں اور ۸۸ ہجری میں ان کی وفات ہو گئی تھی۔ (معجم الصحابہ للبغوی ج ۳ ص ۸۷، الاستیعاب ج ۲ ص ۲۲۴، اسد الغابہ ج ۲ ص ۴۷۲)

ان حدیثوں میں ذکر ہے کہ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ اس وقت حاضر تھے جب مسجد میں لعان کیا گیا تھا۔

لعان کا وقت

علامہ ابن الملقن شافعی لکھتے ہیں: ہمارے نزدیک لعان کا وقت عصر کے بعد ہے۔ (البیان ج ۱۰ ص ۴۵۵)
اور فقہاء مالکیہ کے نزدیک نماز کے بعد ہے اور ان میں سے بعض کا قول ہمارے مذہب کی مثل ہے۔

(المدونہ ج ۲ ص ۳۰۷، بدایۃ المجتہد ج ۴ ص ۱۷۸۱)

عصر کے وقت کی خصوصیت اس وجہ سے ہے کہ اس وقت رات اور دن کے فرشتے جمع ہو جاتے ہیں، ابن حبیب نے از المطرِّف و ابن الماجیشون روایت کی ہے کہ نمازوں کے بعد صرف قصاص اور لعان میں قسم لی جائے، باقی رہے دوسرے حقوق تو جس وقت بھی چاہے اس میں قسم لی جاسکتی ہے، یہ ابن القاسم کا قول ہے، اور ابن کنانہ نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ چوتھائی دینار کے معاملہ میں اور قسامت میں قسم لی جائے، اور لعان منبر پر لیا جائے، پس وہ کہے: اللہ کی قسم! جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے جو عالم الغیب والشہادۃ ہے، الرحمٰن الرحیم ہے، تو یہ ایک قسم ہوگی، یا کئی قسمیں متکرر لی جائیں، اور ابن ابی حبیب نے از مطرِّف و ابن الماجیشون روایت کی ہے کہ ان تمام میں قسم کے الفاظ یہ ہیں "باللہ الذی لا الہ الا ھو"۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۲ ص ۵۰۵، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۱۹۔ بَابُ: مَنْ حَكَمَ فِي الْمَسْجِدِ حَتَّى إِذَا أَتَى عَلَى حَدٍّ أَمَرَ أَنْ يُخْرَجَ مِنَ الْمَسْجِدِ فَيُقَامَ

جس نے مسجد میں فیصلہ کیا حتیٰ کہ جب حد جاری کرنے کا فیصلہ کیا تو یہ حکم دیا کہ اس کو مسجد سے باہر نکالا جائے، پھر اس پر حد قائم کی جائے

بابِ مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

مسجد سے باہر حد جاری کرنے کی حکمت

امام بخاری نے اس عنوان سے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ جس نے مسجد میں فیصلہ کرنے کو جائز کہا ہے، یہ اس صورت میں ہے کہ جب اس فیصلہ کی وجہ سے مسجد میں کسی کو ایذاء نہ دی جائے یا مسجد میں کوئی نقص اور خرابی نہ ہو مثلاً خون بہے۔

بابِ مذکور کی تعلیق

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

وَقَالَ عُمَرُ أَخْرِجَاهُ مِنَ الْمَسْجِدِ وَيُذْكَرُ عَنْ عَلِيٍّ نَحْوُهُ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اس مجرم کو مسجد سے نکال دو۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی اسی کی مثل مروی ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اثر کو امام ابن ابی شیبہ اور امام عبدالرزاق نے سندِ موصول کے ساتھ روایت کیا ہے از طارق بن شہاب، وہ

بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس ایک مرد کو لایا گیا جس پر حد تھی، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس مجرم کو مسجد سے نکال دو، پھر اس پر کوڑے مارو۔ اور اس حدیث کی سند امام بخاری اور مسلم کی شرط کے مطابق ہے۔

رہا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اثر تو اس کی امام ابن ابی شیبہ نے از ابن معقل روایت کی ہے کہ ایک مرد کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا، پس انہوں نے چپکے سے کہا: اے قنبر! اس کو مسجد سے باہر لے جاؤ اور اس پر حد قائم کرو۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: حد قائم کرنے کے لیے صرف مسجد سے باہر لے جانا کافی نہیں ہے، کیونکہ رجم کرنے کے لیے اس سے زائد چیزوں کی ضرورت ہے مثلاً گڑھا کھودا جائے جو کہ مسجد میں مناسب نہیں ہے، پس رجم کی حد کو مسجد میں ترک کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ دیگر حدود کو مسجد میں قائم نہ کیا جائے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۱۴۱ ۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۱۶۷۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ وَسَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ أَتَى رَجُلٌ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ فَنَادَاهُ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي زَنَيْتُ فَأَعْرَضَ عَنْهُ فَلَمَّا شَهِدَ عَلَى نَفْسِهِ أَرْبَعًا قَالَ أَبِكَ جُنُونٌ قَالَ لَا قَالَ اذْهَبُوا بِهِ فَارْجُمُوهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے اللیث نے حدیث بیان کی از عقیل از ابن شہاب از ابوسلمہ اور سعید بن المسیب از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اس وقت آپ مسجد میں تھے، اس مرد نے آپ کو آواز دی، پس کہا: یا رسول اللہ! بے شک میں نے زنا کیا ہے، پس آپ نے اس سے اعراض کیا، پس جب اس نے اپنے نفس کے خلاف چار مرتبہ گواہی دے دی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم کو جنون ہے؟ اس نے کہا: نہیں! آپ نے فرمایا: اس کو لے جاؤ اور اس کو رجم کر دو۔

(صحیح البخاری: ۵۲۷۰، ۵۲۷۲، ۶۸۱۴، ۶۸۱۶، ۶۸۲۰، ۶۸۲۶، ۷۱۶۸، صحیح مسلم: ۱۶۹۱، سنن ترمذی: ۱۴۲۹، سنن نسائی: ۱۹۵۶، سنن ابوداؤد: ۴۴۳۰، مسند احمد: ۱۴۰۵۳، سنن دارمی: ۲۳۱۵)

۷۱۶۸۔ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ فَأَخْبَرَنِي مَنْ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ قَالَ كُنْتُ فِيمَنْ رَجَمَهُ بِالْمُصَلَّى رَوَاهُ يُونُسُ وَمَعْمَرٌ وَابْنُ جُرَيْجٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فِي الرَّجْمِ۔

ابن شہاب نے کہا: پس مجھے اس شخص نے خبر دی جس نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کو یہ کہتے ہوئے سنا: میں ان لوگوں میں تھا جنہوں نے اس کو عید گاہ میں رجم کیا تھا۔

اس تعلیق کی یونس، معمر اور ابن جریج نے از الزہری روایت کی ہے از ابی سلمہ از حضرت جابر رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم رجم کے متعلق۔

(صحیح البخاری: ۵۲۷۰، ۵۲۷۲، ۶۸۱۴، ۶۸۱۶، ۶۸۲۰، ۶۸۲۶، ۷۱۶۸، صحیح مسلم: ۱۶۹۱، سنن ترمذی: ۱۴۲۹، سنن نسائی: ۱۹۵۶، سنن ابوداؤد: ۴۴۳۰، مسند احمد: ۱۴۰۵۳، سنن دارمی: ۲۳۱۵)

صحیح البخاری: ۷۱۶۷، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مسجد میں حد قائم کرنے کے متعلق فقہاء کے اقوال

مسروق نے مسجد میں حد قائم کرنے کو مکروہ کہا ہے، انہوں نے بتایا کہ مسجد کا احترام ہے اور یہی شعبی اور عکرمہ کا قول ہے اور فقہاء احناف، امام شافعی اور امام احمد کا بھی یہی مذہب ہے۔

اور شعبی کا دوسرا قول یہ ہے کہ انہوں نے ایک ذمی کے اوپر مسجد میں حد قائم کی اور یہی ابن ابی لیلیٰ کا قول ہے۔

اس مبحث میں تیسرا قول یہ ہے کہ مسجد میں تھوڑی مقدار میں کوڑے لگا کر حد قائم کرنا جائز ہے، اور جب زیادہ کوڑے لگانے ہوں تو مسجد میں حد قائم نہ کی جائے، یہ امام مالک اور ابوثور کا قول ہے۔

اور جن فقہاء نے مسجد کو اقامتِ حدود سے منزّہ قرار دیا ہے، ان کا قول زیادہ اولیٰ ہے، ان کی تائید حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے ہوتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک زانی کو عیدگاہ میں رجم کرنے کا حکم دیا جو مسجد سے باہر تھی۔

علامہ ابن المنذر نے کہا ہے کہ جو شخص مسجد میں حد قائم کرے میں اس پر کسی گناہ کو لازم نہیں قرار دیتا، کیونکہ میں اس پر دلیل پاتا ہوں، اور اس باب میں دو حدیثیں منقطع ہیں جن سے مسجد میں حدود قائم کرنے کی ممانعت پر دلیل ثابت نہیں ہوتی۔

(شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۸ ص ۱۹۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۷۱۶۷، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مسجد میں حد قائم نہ کرنے کے متعلق احادیث

اس مسئلہ میں مکحول کی از ابوالدرداء حدیث مشہور ہے، اور واثلہ کی اور ابوامامہ کی، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بچوں کو اپنی مسجدوں سے دور رکھو''، اور اس حدیث میں مذکور ہے ''اور مسجد میں حدود قائم کرنے سے اجتناب کرو''۔

اور امام ابن ماجہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''چند خصال مسجد میں نہیں چاہئیں، مسجد کو راستہ نہ بنایا جائے'' اور اس حدیث میں ہے ''اور مسجد میں حد نہ جاری کی جائے'' اور اس کی سند ضعیف ہے۔

اور علامہ ابن المنیّر نے کہا ہے: جس نے مسجد میں نمازِ جنازہ کے لیے میت کے داخل کرنے کو مکروہ کہا ہے، اس خدشہ سے کہ میت کے جسم سے کوئی چیز نکلے جس سے مسجد نجس ہو تو اس کے لیے زیادہ لائق یہ ہے کہ وہ کہے کہ مسجد میں حد قائم نہ کی جائے، کیونکہ جب مسجد میں حد قائم کی جائے گی تو اس سے اطمینان نہیں ہے کہ جس کو کوڑے لگائے جائیں گے اس کے جسم سے خون نکلے گا، اور مسجد میں کسی کو از روئے قصاص کے قتل کرنا بہ طریقِ اولیٰ ممنوع ہے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۱۴۱ ۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۲۰۔ بَابٌ: مَوْعِظَةِ الْإِمَامِ لِلْخُصُومِ

مقدمہ کے فریقین کو امام کا نصیحت کرنا

۷۱۶۹۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ

هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رضی الله عنها أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ وَإِنَّكُمْ تَخْتَصِمُونَ إِلَيَّ وَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ أَنْ يَكُونَ أَلْحَنَ بِحُجَّتِهِ مِنْ بَعْضٍ فَأَقْضِي عَلَى نَحْوِ مَا أَسْمَعُ فَمَنْ قَضَيْتُ لَهُ مِنْ حَقِّ أَخِيهِ شَيْئًا فَلَا يَأْخُذْهُ فَإِنَّمَا أَقْطَعُ لَهُ قِطْعَةً مِنَ النَّارِ۔

بن مسلمہ نے حدیث بیان کی از مالک از ہشام از والد خود از حضرت زینب بنت ابی سلمہ از حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں صرف ایک بشر ہوں، اور تم میرے پاس مقدمات لاتے ہو، اور ہوسکتا ہے کہ تم میں سے کوئی چرب زبان ہو اور وہ اپنے موقف کو زیادہ دلیل کے ساتھ پیش کرے، پس (بالفرض) میں جس طرح سنوں اس کے مطابق فیصلہ کردوں، پس میں جس شخص کے متعلق اس کے بھائی کے حق کا فیصلہ کردوں تو میں اس کے لیے صرف آگ کا ایک ٹکڑا دے رہا ہوں۔

(صحیح البخاری: ۲۴۵۸، ۲۶۸۰، ۶۹۶۷، ۷۱۶۹، ۷۱۸۱، ۷۱۸۵، صحیح مسلم: ۱۷۱۳، سنن نسائی: ۵۴۰۱، سنن ابوداؤد: ۳۵۸۳، سنن ابن ماجہ: ۲۳۱۷، مسند احمد: ۲۶۰۸۶، موطا امام مالک: ۱۴۲۴)

صحیح البخاری: ۷۱۶۹، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

فیصلہ کرنے سے پہلے حاکم کا فریقین کو نصیحت کرنا

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حاکم کے لیے مناسب یہ ہے کہ وہ فریقین کے درمیان فیصلہ کرنے سے پہلے ان دونوں کو نصیحت کرے اور ظلم کرنے سے ڈرائے اور جھوٹ اور باطل کے مطالبہ کرنے سے بھی ڈرائے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کو اس کی نصیحت کی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بشر ہونا

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "میں صرف بشر ہوں"۔ اس کا معنی یہ ہے کہ میں صرف بشر ہوں اور خدا نہیں ہوں، اور میں عالم الغیب نہیں ہوں، میں غیب کی صرف انہی چیزوں کو جانتا ہوں جن پر اللہ تعالیٰ مجھے مطلع فرماتا ہے، اس لیے تم میں سے کوئی شخص جب کسی کے خلاف کوئی مقدمہ کرے تو مجھے از خود یہ معلوم نہیں ہوگا کہ اس کا مدعیٰ حق ہے یا باطل، اگر تم میں سے کوئی شخص چرب زبان ہو اور وہ اپنے مدعیٰ کو بہترین طریقہ سے پیش کرے اور بالفرض میں اس کے دلائل سے متاثر ہو کر اس کے حق میں فیصلہ کردوں تو وہ جو کچھ لے گا وہ دوزخ کی آگ کا ایک ٹکڑا ہے، سو اس کو چاہیے کہ آخرت کے عذاب سے ڈرے اور کسی کا حق نہ مارے۔

حاکم اس کا مکلف ہے کہ وہ صرف ظاہری حجت کی بناء پر فیصلہ کرے

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "(بالفرض) میں کسی کے حق میں اور دوسرے کے خلاف فیصلہ کردوں"، اس سے معلوم ہوا کہ حاکم پر یہ لازم ہے کہ وہ ظاہری دلائل کی بناء پر فیصلہ کرے، اگر فریقِ مخالف کا مدعیٰ صحیح ہے اور اس کے حق میں فیصلہ ہوگیا تو فبہا اور اگر

فریقِ مخالف کا مدعیٰ باطل ہے اور میں نے ظاہری حجت کی بناء پر اس کے حق میں فیصلہ کر دیا تو وہ آخرت کے عذاب کا مستحق ہوگا، کیونکہ مجھے از خود یہ معلوم نہیں ہے کہ اس کا موقف حق ہے یا باطل، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بتلائے بغیر مجھے غیب کا علم نہیں ہوتا۔

نیز اس سے یہ معلوم ہوا کہ قاضی اپنے علم کے مطابق فیصلہ نہ کرے بلکہ دلائل اور حجت کے مطابق فیصلہ کرے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۲ ص ۵۱۲۔ ۵۱۳، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۲۱۔ بَابُ: الشَّهَادَةِ تَكُونُ عِنْدَ الْحَاكِمِ فِي وِلَايَتِهِ الْقَضَاءَ أَوْ قَبْلَ ذٰلِكَ لِلْخَصْمِ

عہدۂ قضاء پر فائز ہونے کے وقت یا اس کے بعد قاضی کا اپنے علم کے مطابق کسی کے متعلق گواہی دینا

بابِ مذکور کی تعلیق

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

وَقَالَ شُرَيْحٌ الْقَاضِي وَسَأَلَهُ إِنْسَانٌ الشَّهَادَةَ فَقَالَ ائْتِ الْأَمِيرَ حَتَّى أَشْهَدَ لَكَ وَقَالَ عِكْرِمَةُ قَالَ عُمَرُ لِعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ لَوْ رَأَيْتَ رَجُلًا عَلَى حَدٍّ زِنًا أَوْ سَرِقَةٍ وَأَنْتَ أَمِيرٌ فَقَالَ شَهَادَتُكَ شَهَادَةُ رَجُلٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ قَالَ صَدَقْتَ قَالَ عُمَرُ لَوْلَا أَنْ يَقُولَ النَّاسُ زَادَ عُمَرُ فِي كِتَابِ اللهِ لَكَتَبْتُ آيَةَ الرَّجْمِ بِيَدِي وَأَقَرَّ مَاعِزٌ عِنْدَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم بِالزِّنَا أَرْبَعًا فَأَمَرَ بِرَجْمِهِ وَلَمْ يُذْكَرْ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم أَشْهَدَ مَنْ حَضَرَهُ وَقَالَ حَمَّادٌ إِذَا أَقَرَّ مَرَّةً عِنْدَ الْحَاكِمِ رُجِمَ وَقَالَ الْحَكَمُ أَرْبَعًا۔

شریح القاضی نے بیان کیا کہ کسی شخص نے ان سے گواہی دینے کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا: تم سربراہِ ملک کے پاس جاؤ حتیٰ کہ میں تمہارے متعلق شہادت دوں، اور عکرمہ نے بیان کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے پوچھا: اگر تم کسی شخص کو حدِ زنا یا حدِ سرقہ کا ارتکاب کرتے ہوئے دیکھو اور تم حاکم ہو (تو کیا تم اپنے مشاہدہ کی وجہ سے اس پر حد جاری کرو گے؟)، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: تمہاری گواہی مسلمانوں میں سے ایک مرد کی گواہی کے برابر ہے، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ نے سچ فرمایا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر یہ بات نہ ہوتی کہ لوگ کہتے کہ عمر نے اللہ کی کتاب میں اضافہ کر دیا تو میں اپنے ہاتھ سے رجم کی آیت لکھ دیتا، اور حضرت ماعز رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے چار مرتبہ زنا کرنے کا اقرار کیا تو آپ نے اس کو رجم کرنے کا حکم دیا، اور یہ مذکور نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حاضرین میں سے کسی کو حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے اقرار پر گواہ کر لیا، اور حماد نے کہا: جب کوئی شخص حاکم کے سامنے ایک مرتبہ زنا کا اقرار کر لے تو اس کو رجم کیا جائے گا، اور حکم نے کہا کہ چار مرتبہ اقرار کرنا ضروری ہے۔

تعلیقِ مذکور کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ ھ، اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:
علامہ المہلب المالکی نے کہا ہے: اس باب کے عنوان کا معنی یہ ہے کہ قاضی کو عہدۂ قضاء پر فائز ہونے سے پہلے یا بعد کسی چیز کا علم ہو تو اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ صرف اپنے علم کی بناء پر اس کا فیصلہ کر دے اور اس کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ دوسرے قاضی یا حاکم کے پاس جا کر شہادت دے جیسا کہ امام مالک نے کہا ہے، اور اسی وجہ سے امام بخاری نے شریح کے قول کا ذکر کیا ہے، اور وہ حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ عہدۂ قضاء پر فائز ہونے سے پہلے قاضی کی شہادت مسلمانوں میں سے ایک مرد کی شہادت کی مثل ہے اور اس پر انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول سے استدلال کیا ہے کہ ان کے نزدیک یہ شہادت ثابت تھی کہ رجم کی آیت قرآن میں ہے، پھر ان کے نزدیک یہ جائز نہیں ہوا کہ وہ رجم کی آیت کو مصحف میں لکھ دیں جس کی کلام اللہ اور کتاب اللہ ہونے کی شہادت قطعی ہے، سوانہوں نے صرف اپنی شہادت کی وجہ سے اس کو نہیں لکھا، اور اس کی علت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بیان کی کہ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ یہ کہا جائے گا کہ عمر نے کتاب اللہ میں اضافہ کر دیا تو میں اس آیت کو لکھ دیتا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ اس لیے کیا تا کہ کوئی قاضی اپنے علم کے مطابق فیصلہ نہ کرے، اور اس کا سدِ باب ہو کہ ظالم حکام جس کے حق میں چاہیں فیصلہ کر دیں اور کہیں کہ ہم کو معلوم تھا کہ یہ معاملہ اسی طرح ہے۔
امام بخاری نے یہ ذکر کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ نے زنا کا اقرار کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو رجم کرنے کا حکم دے دیا اور حاضرین میں سے کسی کو حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے اقرار پر گواہ نہیں کیا۔

(شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۸ ص ۱۹۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ ھ)

تعلیقاتِ مذکورہ کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ ھ، ان تعلیقات کی شرح میں لکھتے ہیں:

قاضی کا اپنے علم کے مطابق کسی کا فیصلہ نہ کرنا

امام بخاری کے اس عنوان کا معنی یہ ہے کہ کیا قاضی کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے علم کے مطابق فریقِ مخالف کے متعلق فیصلہ کرے، یا وہ اس مقدمہ کو کسی دوسرے قاضی کے سامنے پیش کرے۔ امام بخاری نے یہ عنوان بطورِ سوال قائم کیا ہے کیونکہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے اگرچہ امام بخاری کی آخری عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مختار یہ ہے کہ قاضی اپنے علم کے مطابق کسی کے متعلق فیصلہ نہ کرے۔

قاضی کا صرف اپنے مشاہدہ کی بناء پر فیصلہ نہ کرنے کی دلیل

امام ابن ابی شیبہ نے اپنی سند کے ساتھ عبدالکریم سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا: یہ بتائیے کہ اگر آپ قاضی یا حاکم ہوں اور آپ کسی انسان کو ایسا جرم کرتے ہوئے دیکھیں جو حد کا موجب ہو تو کیا آپ اس پر حد قائم کریں گے؟ انہوں نے کہا: نہیں حتیٰ کہ کوئی اور شخص بھی میرے ساتھ اس کی شہادت دے، عبدالکریم نے کہا: آپ نے صحیح جواب دیا اور اگر آپ اس کے سوا کوئی اور

جواب دیتے تو وہ عمدہ نہ ہوتا۔

کیا حاکم کے سامنے صرف ایک مرتبہ زنا کا اقرار کرنا کافی ہے یا چار مرتبہ اقرار کرنا ضروری ہے؟

امام ابن ابی شیبہ نے از شعبہ روایت کی ہے، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے حماد سے یہ سوال کیا کہ جو شخص اپنے متعلق زنا کا اقرار کرلے اسے کتنی مرتبہ لوٹایا جائے گا؟ انہوں نے کہا: ایک مرتبہ، انہوں نے کہا: اور میں نے الحکم سے سوال کیا تو انہوں نے کہا: چار مرتبہ۔

اس مسئلہ پر مفصل بحث ابواب رجم میں حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے رجم کے قصہ میں گزر چکی ہے۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۴۴۳-۴۴۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

میں کہتا ہوں کہ فقہاء احناف کے نزدیک چار مرتبہ زنا کا اقرار کرنا ضروری ہے اور دوسرے ائمہ کے نزدیک ایک مرتبہ اقرار کرلینا بھی اس پر حد جاری کرنے کے لیے کافی ہے، اس مسئلہ پر ابواب رجم میں بحث گزر چکی ہے اور وہاں فقہاء احناف کے دلائل بیان کیے جا چکے ہیں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اجراءِ حد کے لیے چار مرتبہ اقرارِ زنا کرنے پر دلیل

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از عقیل از ابن شہاب از ابی سلمہ اور سعید بن المسیب از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مرد آیا اور اس وقت آپ مسجد میں تھے، اس مرد نے آپ کو نداء کی پس کہا: یا رسول اللہ! بے شک میں نے زنا کیا، آپ نے اس سے اعراض کیا، حتیٰ کہ چار مرتبہ اس کو رد کر دیا، پس جب اس نے اپنے خلاف چار مرتبہ گواہی دی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بلا کر فرمایا: کیا تم کو جنون ہے؟ اس نے کہا: نہیں، آپ نے پوچھا: کیا تم شادی شدہ ہو؟ اس نے کہا: جی ہاں، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو لے جاؤ، پس اس کو رجم کردو۔

(صحیح البخاری: ۵۲۷۰، ۵۲۷۲، ۶۸۱۴، ۶۸۱۶، ۶۸۲۰، ۶۸۲۶، ۷۱۶۸، صحیح مسلم: ۱۶۹۱، سنن ترمذی: ۱۴۲۹، سنن نسائی: ۱۹۵۶، سنن ابوداؤد: ۴۴۳۰، مسند احمد: ۱۴۰۵۳، سنن دارمی: ۲۳۱۵)

۷۱۷۰۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ يَحْيَى عَنْ عُمَرَ بْنِ كَثِيرٍ عَنْ أَبِي مُحَمَّدٍ مَوْلَى أَبِي قَتَادَةَ أَنَّ أَبَا قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَوْمَ حُنَيْنٍ مَنْ لَهُ بَيِّنَةٌ عَلَى قَتِيلٍ قَتَلَهُ فَلَهُ سَلَبُهُ فَقُمْتُ لِأَلْتَمِسَ بَيِّنَةً عَلَى قَتِيلِي فَلَمْ أَرَ أَحَدًا يَشْهَدُ لِي فَجَلَسْتُ ثُمَّ بَدَا لِي فَذَكَرْتُ أَمْرَهُ إِلَى رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ جُلَسَائِهِ سِلَاحُ هَذَا الْقَتِيلِ الَّذِي يَذْكُرُ عِنْدِي قَالَ فَأَرْضِهِ مِنْهُ فَقَالَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث بن سعد نے حدیث بیان کی از یحییٰ از عمر بن کثیر از ابی محمد مولیٰ ابوقتادہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ حنین کے دن فرمایا: ''جس شخص کے پاس اس پر گواہ ہو کہ اس نے کسی مقتول کو قتل کیا ہے تو اس مقتول کا سامان اس کو ملے گا''، حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: پس میں کھڑا ہوا تا کہ میں اپنے مقتول کے اوپر گواہ کو تلاش کروں، پس مجھے کوئی شخص نہیں ملا جو

أَبُو بَكْرٍ كَلَّا لَا يُعْطِهِ أُصَيْبِغَ مِنْ قُرَيْشٍ وَيَدَعَ أَسَدًا مِنْ أُسْدِ اللهِ يُقَاتِلُ عَنِ اللهِ وَرَسُولِهِ قَالَ فَأَمَرَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَأَدَّاهُ إِلَيَّ فَاشْتَرَيْتُ مِنْهُ خِرَافًا فَكَانَ أَوَّلَ مَالٍ تَأَثَّلْتُهُ قَالَ لِي عَبْدُ اللهِ عَنِ اللَّيْثِ فَقَامَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فَأَدَّاهُ إِلَيَّ وَقَالَ أَهْلُ الْحِجَازِ الْحَاكِمُ لَا يَقْضِي بِعِلْمِهِ شَهِدَ بِذَلِكَ فِي وِلَايَتِهِ أَوْ قَبْلَهَا وَلَوْ أَقَرَّ خَصْمٌ عِنْدَهُ لِآخَرَ بِحَقٍّ فِي مَجْلِسِ الْقَضَاءِ فَإِنَّهُ لَا يَقْضِي عَلَيْهِ فِي قَوْلِ بَعْضِهِمْ حَتَّى يَدْعُوَ بِشَاهِدَيْنِ فَيُحْضِرَهُمَا إِقْرَارَهُ وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِرَاقِ مَا سَمِعَ أَوْ رَآهُ فِي مَجْلِسِ الْقَضَاءِ قَضَى بِهِ وَمَا كَانَ فِي غَيْرِهِ لَمْ يَقْضِ إِلَّا بِشَاهِدَيْنِ وَقَالَ آخَرُونَ مِنْهُمْ بَلْ يَقْضِي بِهِ لِأَنَّهُ مُؤْتَمَنٌ وَإِنَّمَا يُرَادُ مِنَ الشَّهَادَةِ مَعْرِفَةُ الْحَقِّ فَعِلْمُهُ أَكْثَرُ مِنَ الشَّهَادَةِ وَقَالَ بَعْضُهُمْ يَقْضِي بِعِلْمِهِ فِي الْأَمْوَالِ وَلَا يَقْضِي فِي غَيْرِهَا وَقَالَ الْقَاسِمُ لَا يَنْبَغِي لِلْحَاكِمِ أَنْ يُمْضِيَ قَضَاءً بِعِلْمِهِ دُونَ عِلْمِ غَيْرِهِ مَعَ أَنَّ عِلْمَهُ أَكْثَرُ مِنْ شَهَادَةِ غَيْرِهِ وَلَكِنَّ فِيهِ تَعَرُّضًا لِتُهَمَةِ نَفْسِهِ عِنْدَ الْمُسْلِمِينَ وَإِيقَاعًا لَهُمْ فِي الظُّنُونِ وَقَدْ كَرِهَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم الظَّنَّ فَقَالَ إِنَّمَا هَذِهِ صَفِيَّةُ۔

میرے لیے گواہی دیتا، پس میں بیٹھ گیا، پھر مجھے خیال آیا کہ میں اس بات کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کروں، تو آپ کے گرد جو لوگ بیٹھے ہوئے تھے ان میں سے ایک نے کہا: جس کا ذکر کیا جا رہا ہے، اس مقتول کے ہتھیار میرے پاس ہیں، اس نے کہا: آپ ابوقتادہ کو (میرے لیے) ان ہتھیاروں سے راضی کر دیں، تب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہرگز نہیں! وہ ہتھیار اس کو نہ دینا، کیا قریش کے ایک بجو کو دیا جائے گا اور اللہ کے شیر کو چھوڑ دیا جائے گا جو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے لڑتا ہے، حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے بتایا: پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تو اس شخص نے وہ ہتھیار مجھے دے دیے، پس میں نے ان ہتھیاروں سے ایک باغ خرید لیا اور یہ پہلا مال تھا جس کو میں نے اسلام میں حاصل کیا۔

امام بخاری نے کہا: مجھ سے عبداللہ نے کہا از اللیث: پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور آپ نے وہ ہتھیار میری طرف عطا کر دیئے۔

اور اہل حجاز نے کہا کہ حاکم اپنے علم کے مطابق فیصلہ نہ کرے جس کا اس نے اپنے عہدۂ قضاء کے درمیان یا اس سے پہلے مشاہدہ کیا، اور اگر قاضی کے پاس کوئی فریق دوسرے کے حق میں مجلسِ قضاء میں اقرار کرے تو بعض فقہاء کے قول کے مطابق وہ اس پر فیصلہ نہیں کرے گا حتیٰ کہ وہ دو گواہوں کو بلائے، پس ان کو اس کے اقرار پر گواہ کرے۔

اور بعض اہلِ عراق نے کہا: قاضی نے مجلسِ قضاء میں جو بات سنی یا جس کام کو دیکھا تو اس کے مطابق فیصلہ کر دے، اور جو اس نے مجلسِ قضاء کے بعد دیکھا یا سنا تو اس کے مطابق فیصلہ نہ کرے جب تک اس پر دو گواہ گواہی نہ دیں، اور ان میں سے دوسرے فقہاء نے کہا: بلکہ وہ اس کے مطابق فیصلہ کرے کیونکہ وہ امانت دار ہے، اور شہادت سے حق کی معرفت کا ارادہ کیا جاتا ہے، پس

قاضی کا علم شہادت کی بہ نسبت زیادہ ہے اور بعض فقہاء نے کہا: وہ اموال میں اپنے علم کے مطابق فیصلہ کرے اور غیر اموال میں اپنے علم کے مطابق فیصلہ نہ کرے۔
اور قاسم نے کہا: حاکم کو یہ نہیں چاہیے کہ وہ اپنے علم کے مطابق فیصلہ کرے نہ کہ دوسرے کے علم کے مطابق حالانکہ اس کا علم دوسرے کی شہادت سے زیادہ ہے لیکن اس فیصلہ میں مسلمانوں کے نزدیک قاضی پر تہمت ہوگی اور مسلمانوں کو بدگمانیوں میں واقع کیا جائے گا، اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بدگمانی کو ناپسند فرمایا، پس آپ نے فرمایا: یہ صفیہ ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۱۰۰، ۳۱۴۲، ۴۳۲۱، ۴۳۲۲، ۷۱۷۰، صحیح مسلم: ۱۷۵۱، سنن ابوداؤد: ۲۷۱۷، مسند احمد: ۲۲۱۰۱، موطا امام مالک: ۹۹۰)

صحیح البخاری: ۷۱۷۰، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قاضی کا اپنے علم کے مطابق فیصلہ کرنے کی دلیل

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے ایک کافر کو قتل کیا تھا اور ان کے پاس اس پر کوئی گواہ نہیں تھا کہ انہوں نے اس کو قتل کیا ہے حتیٰ کہ اس مقتول کا سامان ان کو مل جائے، جب انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس بات کا ذکر کیا تو ایک شخص نے گواہی دی کہ میں اس پر گواہ ہوں کہ تم نے اس کو قتل کیا ہے، تو اس شخص کی گواہی کی بنیاد پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے حق میں فیصلہ کر دیا اور ان کو اس مقتول کا سامان دلوا دیا۔

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے علم کے مطابق حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے حق میں فیصلہ کر دیا، اور یہی اہلِ عراق (فقہاءِ احناف) کا موقف ہے کہ قاضی اپنے علم کے مطابق فیصلہ کر سکتا ہے۔

اور یہ حدیث اس کے خلاف ہے جو امام بخاری نے اس باب کے شروع میں شریح اور حضرت عمر اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے کہ قاضی اپنے علم کے مطابق فیصلہ نہیں کر سکتا، سو امام بخاری نے اس تعلیق کو اور اس حدیث کو روایت کیا تا کہ معلوم ہو جائے کہ اس مسئلہ میں اہلِ علم کا اختلاف ہے۔

اور حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث اہلِ عراق کی حجت ہے کہ قاضی اپنے علم اور اپنی شہادت کے مطابق فیصلہ کر سکتا ہے۔

(شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۸ ص ۱۹۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۷۱۷۰، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قاضی کا اپنے علم کے مطابق فیصلہ نہ کرنے کی دلیل

امام مالک نے یہ کہا ہے کہ قاضی اپنے علم کے مطابق فیصلہ نہ کرے، کیونکہ اس سے قاضی کے متعلق بدگمانی ہوگی اور اس پر تہمت لگے گی، اور ان کی دلیل یہ ہے کہ ابن شہاب نے از زبید بن صلت روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر میں کسی مرد کو پاؤں جس نے ایسے جرم کا ارتکاب کیا ہو جس پر حد واجب ہوتی ہے، تو میں اس پر حد نہیں قائم کروں گا حتیٰ کہ میرے ساتھ کوئی اور بھی اس پر گواہی دے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: امام مالک نے اس اثر سے استدلال کیا ہے جو حضرت عمر اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے منقول ہے جس کا تقاضا ہے کہ قاضی اپنے علم کے مطابق فیصلہ نہ کرے۔

اور جس نے یہ اجازت دی ہے کہ قاضی اپنے علم کے مطابق مطلقاً فیصلہ کرے، اس پر یہ لازم آئے گا اگر قاضی ایسے شخص کے متعلق فیصلہ کرے جس کا حال پوشیدہ ہو اور اس کا کوئی فسق و فجور معلوم نہ ہو اور اس کے مطابق قاضی کا یہ دعویٰ ہو کہ اس نے اس کو زنا کرتے ہوئے دیکھا ہے تو قاضی کے لیے اس کو رجم کرنا جائز ہوگا، اور اگر قاضی نے یہ سنا ہو کہ کسی شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی ہے تو اس شخص اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق کردے، یا قاضی نے یہ سنا ہو کہ کسی شخص نے اپنی باندی کو آزاد کیا ہے تو وہ اپنے علم کے مطابق اس باندی کو آزاد قرار دے، کیونکہ اگر اس کا دروازہ کھول دیا جائے تو پھر ہر قاضی کے لیے جائز ہوگا کہ وہ اپنے دشمن کو قتل کردے یا اس کو فاسق قرار دے۔

اسی وجہ سے امام شافعی نے کہا ہے: "اگر برے قاضیوں کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں یہ کہتا کہ حاکم کے لیے اپنے علم کے مطابق فیصلہ کرنا جائز ہے"۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: یہ معاملہ تو پہلے زمانہ میں تھا، اب اس آخری زمانہ کے متعلق تمہارا کیا گمان ہے؟، پس اس برائی کو جڑ سے اکھاڑنے کے لیے ضروری ہے کہ یہ کہا جائے کہ اس زمانہ میں قاضی کا اپنے علم کے مطابق فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ بہ کثرت ایسے قاضیوں کا تقرر کیا جاتا ہے جو نیک اور متقی نہیں ہوتے۔

قاضی کا اپنے علم کے مطابق فیصلہ کرنے کے متعلق امام مالک کے مذہب کی تفصیل

امام بخاری نے کہا: "اور اگر قاضی کے پاس کوئی فریق دوسرے کے حق میں مجلسِ قضاء میں اقرار کرے تو بعض فقہاء کے قول کے مطابق وہ اس پر فیصلہ نہیں کرے گا حتیٰ کہ وہ دو گواہوں کو بلائے، پس ان کو اس کے اقرار پر گواہ کرے"۔

علامہ ابن التین نے کہا ہے: امام بخاری کی تعلیق میں حضرت عمر اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما کے جو اقوال ذکر کیے گئے ہیں وہ امام مالک اور ان کے اکثر اصحاب کا قول ہے، اور امام مالک کے بعض اصحاب نے یہ کہا ہے کہ قاضی کے پاس دو فریقوں میں سے کسی ایک نے قاضی کے سامنے جو اقرار کیا ہے تو قاضی اپنے علم کے مطابق اس کا فیصلہ کرے جب کہ یہ اقرار مجلسِ حکم میں ہو۔

اور علامہ ابن القاسم مالکی اور اشہب مالکی نے کہا ہے: مجلسِ حکم میں قاضی اپنے علم کے مطابق فیصلہ نہ کرے جب تک کہ قاضی کے سامنے کوئی اور گواہ، گواہی نہ دے۔

اور علامہ ابن المنیر نے کہا: امام مالک کا مذہب مشہور یہ ہے کہ قاضی اپنے علم کے مطابق فیصلہ کرے، سوا اس صورت کے کہ اس کا علم مقدمہ کا فیصلہ شروع کرنے کے بعد حاصل ہوا ہو تو اس میں دو قول ہیں، رہا یہ کہ مجلسِ حکم میں قاضی کے سامنے جو اقرار کیا گیا ہے وہ اس کے مطابق فیصلہ کرے جب تک کہ فریقِ مخالف اقرار کے بعد اس کا انکار نہ کرے اور اس کے خلاف فیصلہ ہونے سے پہلے، پس ابن القاسم نے کہا: اس صورت میں قاضی فیصلہ نہ کرے اور اس صورت میں قاضی گواہ ہوگا۔ اور علامہ ابن الماجیشون نے کہا: قاضی اپنے علم کے مطابق فیصلہ کرے اور امام مالک کے مذہب میں بہت لمبی تفریعات ہیں۔

امام بخاری نے کہا: ''اور بعض اہلِ عراق نے کہا: قاضی نے مجلسِ قضاء میں جو بات سنی یا جس کام کو دیکھا تو اس کے مطابق فیصلہ کر دے، اور جو اس نے مجلسِ قضاء کے بعد دیکھا یا سنا تو اس کے مطابق فیصلہ نہ کرے جب تک اس پر دو گواہ گواہی نہ دیں''۔

قاضی کا اپنے علم کے مطابق فیصلہ کرنے کے متعلق امام ابوحنیفہ کا مذہب

حافظ ابنِ حجر عسقلانی لکھتے ہیں: یہ امام ابوحنیفہ اور ان کے متبعین کا قول ہے، اور مطرِّف، ابن الماجیشون، اصبغ اور سحنون نے فقہاءِ مالکیہ میں سے اس کی موافقت کی ہے۔

علامہ ابن التین نے کہا: اسی کے مطابق عمل جاری ہے اور اس کے موافق وہ حدیث ہے جس کی امام عبد الرزاق نے سندِ صحیح کے ساتھ از ابنِ سیرین روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد نے قاضی شریح کے سامنے کسی چیز کا اعتراف کیا، پھر بعد میں اس کا انکار کیا تو قاضی شریح نے اس کے اعتراف کی وجہ سے اس کے خلاف فیصلہ کر دیا، اس مرد نے کہا: کیا آپ بغیر گواہ کے میرے خلاف فیصلہ کر رہے ہیں؟ تو قاضی شریح نے کہا: تمہارے نفس نے خود تمہارے خلاف گواہی دی ہے (یعنی پہلے تم نے خود اعتراف کیا تھا)۔

قاضی کے اپنے علم کے مطابق فیصلہ کرنے کے متعلق امام ابو یوسف اور امام شافعی کا مذہب

امام بخاری نے کہا: ''اور ان میں سے دوسرے فقہاء نے کہا: بلکہ وہ اس کے مطابق فیصلہ کرے کیونکہ وہ امانت دار ہے''۔

یہ امام ابو یوسف اور ان کے متبعین کا قول ہے اور امام شافعی نے بھی ان کی موافقت کی ہے، امام شافعی نے کہا: اگر قاضی عادل ہے تو وہ اپنے علم کے مطابق حد میں اور قصاص میں فیصلہ نہیں کرے گا، سوا اس صورت کے کہ کسی نے اس کے سامنے خود اقرار کیا ہو تو وہ اپنے علم کے مطابق تمام حقوق میں فیصلہ کرے گا خواہ منصبِ قضاء سے پہلے اسے علم ہو یا اس کے بعد۔

قاضی کے اپنے علم کے مطابق فیصلہ کرنے کے متعلق امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام احمد کا مذہب

امام بخاری نے کہا: ''اور بعض فقہاء نے کہا: وہ اموال میں اپنے علم کے مطابق فیصلہ کرے اور غیرِ اموال میں اپنے علم کے مطابق فیصلہ نہ کرے''۔

یہ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کا قول ہے جیسا کہ علامہ الکرابیسی نے ان سے نقل کیا ہے کہ جب مثلاً حاکم کسی مرد کو زنا کرتے ہوئے دیکھے تو وہ اپنے علم کے مطابق فیصلہ نہ کرے حتیٰ کہ اس کے پاس اس پر کوئی گواہ ہو، اور امام احمد سے بھی ایک روایت اسی طرح ہے، امام ابوحنیفہ نے کہا: قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ ان تمام صورتوں میں قاضی اپنے علم کے مطابق فیصلہ کرے، لیکن حدود کے معاملہ میں، میں قیاس کو ترک کرتا ہوں۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۳۴۳۔ ۳۴۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۱۷۱۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْأُوَيْسِيُّ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم أَتَتْهُ صَفِيَّةُ بِنْتُ حُيَيٍّ فَلَمَّا رَجَعَتْ انْطَلَقَ مَعَهَا فَمَرَّ بِهِ رَجُلَانِ مِنَ الْأَنْصَارِ فَدَعَاهُمَا فَقَالَ إِنَّمَا هِيَ صَفِيَّةُ قَالَا سُبْحَانَ اللهِ قَالَ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِي مِنِ ابْنِ آدَمَ مَجْرَى الدَّمِ رَوَاهُ شُعَيْبٌ وَابْنُ مُسَافِرٍ وَابْنُ أَبِي عَتِيقٍ وَإِسْحَاقُ بْنُ يَحْيَى عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَلِيٍّ يَعْنِي ابْنَ حُسَيْنٍ عَنْ صَفِيَّةَ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدالعزیز بن عبداللہ الاویسی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم بن سعد نے حدیث بیان کی از ابن شہاب از حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حضرت صفیہ بنت حُیی رضی اللہ عنہا (مسجد میں ملاقات کے لیے) آئیں، جب وہ واپس گئیں تو آپ بھی ان کے ساتھ گئے، پس اس وقت آپ کے پاس سے انصار کے دو مرد گزرے، آپ نے ان دونوں کو بلایا، آپ نے فرمایا: ''یہ صرف صفیہ ہے'' ان دونوں نے کہا: سبحان اللہ! آپ نے فرمایا: ''شیطان انسان کے خون جاری ہونے کی جگہوں میں خون کی طرح دوڑتا ہے''۔
اس حدیث کی روایت شعیب نے اور ابن مسافر نے اور ابن ابی عتیق نے اور اسحاق بن یحییٰ نے از الزہری از علی یعنی ابن حسین از صفیہ رضی اللہ عنہم از نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۰۳۵، ۲۰۳۸، ۲۰۳۹، ۳۱۰۱، ۳۲۸۱، ۶۲۱۹، ۷۱۷۱، صحیح مسلم: ۲۱۷۵، سنن ابوداؤد: ۲۴۷۰، سنن ابن ماجہ: ۱۷۷۹، مسند احمد: ۲۶۳۲۲، سنن دارمی: ۱۷۸۰)

صحیح البخاری: ۷۱۷۱، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قاضی کا اپنے علم کے مطابق فیصلہ نہ کرنے کے متعلق ایک اور دلیل

یہ حدیث صورتاً مرسل ہے، اسی لیے امام بخاری نے اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد اس کی ایک اور سند ذکر کی ہے۔
اس حدیث سے وجہ استدلال یہ ہے کہ قاضی کو اپنے علم کے مطابق فیصلہ نہیں کرنا چاہیے، تاکہ اس کے خلاف بدگمانی نہ ہو، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کو ناپسند کیا کہ ان دو انصاری مردوں کے دل میں شیطان کوئی وسوسہ ڈالے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تنہائی میں کسی عورت سے بات کر رہے ہیں، تو آپ نے ان کی بدگمانی زائل کرنے کے لیے فرمایا کہ یہ تو صرف صفیہ (بنت حُیی) ہے یعنی میری زوجہ ہے، پس جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معصوم ہیں، اس کے باوجود آپ کے متعلق بدگمانی کی جاسکتی ہے تو جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت کم مرتبہ کے لوگ ہیں ان میں قاضی اپنے علم کے مطابق فیصلہ کرے تو ہوسکتا ہے کہ اس کے متعلق یہ بدگمانی کی جائے کہ قاضی نے بغیر گواہوں کے اپنی مطلب براری کے لیے فیصلہ کیا ہے، اس لیے قاضی کو از خود اپنے علم کے مطابق فیصلہ نہیں کرنا چاہیے۔
(فتح الباری ج ۸ ص ۴۴۵، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۲۲۔ بَابُ: أَمْرِ الْوَالِي إِذَا وَجَّهَ أَمِيرَيْنِ إِلَى مَوْضِعٍ أَنْ يَتَطَاوَعَا وَلَا يَتَعَاصَيَا

جب سربراہِ ملک کسی ایک جگہ کے لیے دو امیر بنا کر بھیجے تو انہیں یہ حکم دے کہ وہ آپس میں اتفاق کریں اور اختلاف نہ کریں

بابِ مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

دو امیروں کے باہم اختلاف نہ کرنے کی حکمت

دو امیروں کو متفق رہنے اور ایک دوسرے سے اختلاف نہ کرنے کی ہدایت اس لیے دی ہے کہ اگر امیر آپس میں اختلاف کریں گے تو ان کے ماتحت جو مسلمان ہیں اور عوام ہیں وہ بھی ایک دوسرے سے اختلاف کریں گے، اور اس سے عداوت اور جنگ ہوگی۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۳۴۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۱۷۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا الْعَقَدِيُّ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ قَالَ سَمِعْتُ أَبِي قَالَ بَعَثَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم أَبِي وَمُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ إِلَى الْيَمَنِ فَقَالَ يَسِّرَا وَلَا تُعَسِّرَا وَبَشِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا وَتَطَاوَعَا فَقَالَ لَهُ أَبُو مُوسَى إِنَّهُ يُصْنَعُ بِأَرْضِنَا الْبِتْعُ فَقَالَ كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ وَقَالَ النَّضْرُ وَأَبُو دَاوُدَ وَيَزِيدُ بْنُ هَارُونَ وَوَكِيعٌ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں العقدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از سعید بن ابی بردہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے والد اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما کو یمن کی طرف بھیجا، پس آپ نے فرمایا: تم لوگوں کو آسان احکام بیان کرنا اور مشکل احکام نہ بیان کرنا، اور خوشخبری دینا اور متنفر نہ کرنا اور ایک دوسرے کی موافقت کرنا، پس حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے آپ سے پوچھا کہ ہماری سرزمین میں البتع (شہد کا نبیذ) بنایا جاتا ہے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔

اور نضر نے اور ابوداؤد نے اور یزید بن ہارون نے اور وکیع نے از شعبہ از سعید بن ابی بردہ از والد خود از جد خود از نبی صلی اللہ علیہ وسلم روایت کی ہے۔

(صحیح البخاری: ۳۰۳۸، صحیح مسلم: ۱۷۳۳، مسند احمد: ۱۹۲۰۰، سنن داری: ۲۲۲)

صحیح البخاری: ۷۱۷۲، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

دو امیروں کے باہم اتفاق کرنے کے فوائد

علامہ ابن بطال اور دیگر شارحین نے کہا ہے: اس حدیث میں دو امیروں کو باہم متفق رہنے پر برانگیختہ فرمایا ہے، کیونکہ اس میں ان کے درمیان محبت، الفت اور حق پر تعاون کو ثابت کرنا ہے۔

اور اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ دو امیروں یا دو قاضیوں کو ایک شہر میں مقرر کر کے بھیجنا جائز ہے اور ان میں سے ہر ایک کسی ایک جانب بیٹھ کر قضاء کرے۔

اور علامہ ابن العربی نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو امارت اور قضاء میں شریک کیا اور یہ حدیث دو قاضیوں کو ایک شہر میں مقرر کرنے کی اصل ہے۔

علامہ ابن المنیّر نے کہا: ہوسکتا ہے کہ آپ نے ان دونوں کو اس لیے ایک جگہ قاضی مقرر کیا ہو تا کہ وہ دونوں ہر فیصلہ کے اندر مشترک ہوں، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک اپنے فیصلہ میں مستقل ہو، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کا کوئی مخصوص عمل ہو اور اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ دونوں کس طرح فیصلہ کرتے تھے۔

اور اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ لوگوں کے ساتھ نرمی اور آسانی کرنی چاہیے اور سختی نہیں کرنی چاہیے تا کہ لوگوں کے دل متنفر نہ ہوں، خصوصاً جو لوگ نئے نئے اسلام لائے ہوں یا جو بچے نئے نئے بالغ ہوئے ہوں تا کہ ان کے دل اسلام سے مالوف ہوں۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۳۴۵۔۳۴۶، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۲۳۔ بَابُ إِجَابَةِ الْحَاكِمِ الدَّعْوَةَ — حاکم کا دعوت کو قبول کرنا

بابِ مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

علماء نے کہا ہے: حاکم پر یہ واجب نہیں ہے کہ وہ کسی معین شخص کی دعوت کو قبول کرے نہ کہ دوسرے کی، کیونکہ اس سے اس شخص کی دل آزاری ہوگی جس کی دعوت کو وہ قبول نہیں کرے گا، سوا اس صورت کے کہ حاکم کا دعوت قبول نہ کرنے میں کوئی عذر ہو مثلاً وہ اس دعوت میں کوئی ایسا برا کام دیکھے جس کو زائل کرنے پر وہ قادر نہ ہو، نیز اگر وہ بہ کثرت دعوتوں کو قبول کرے گا تو اس سے اس کے قضاء کے کام میں رخنہ پڑے گا۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۳۴۶، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

بابِ مذکور کی تعلیق

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

وَقَدْ أَجَابَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ عَبْدًا لِلْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے غلام کی دعوت کو قبول کیا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

میں اس غلام کے نام پر واقف نہیں ہوسکا اور نہ اس پر مطلع ہوسکا کہ اس تعلیق کی کس نے سندِ موصول کے ساتھ روایت کی ہے،

البتہ امام ابن المبارک نے ''زوائد البر والصلۃ'' میں سندِ صحیح کے ساتھ عثمان النہدی سے روایت کی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے غلام کی دعوت قبول کی اور اس وقت آپ روزہ دار تھے، پس آپ نے فرمایا کہ میں نے ارادہ کیا کہ میں دعوت دینے والے کی دعوت قبول کروں اور برکت کی دعا کروں، پھر انہوں نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کا ذکر کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قیدیوں کو قید سے چھڑاؤ اور دعوت دینے والے کی دعوت قبول کرو''۔ یہ حدیث باب الولیمہ میں گزر چکی ہے۔

علامہ ابن بطال نے امام مالک سے نقل کیا ہے کہ قاضی کے لیے کسی دعوت کو قبول نہیں کرنا چاہیے سوائے ولیمہ کے، پھر اس کی مرضی ہے خواہ وہاں پر کچھ کھائے یا ترک کر دے، اور ہمارے نزدیک اس دعوت میں کھانے پینے کو ترک کرنا زیادہ پسندیدہ ہے، سوا اس کے کہ جس نے دعوت کی ہے وہ اس کا اللہ بھائی ہو، یا اس کا خاص قرابت دار ہو اور امام مالک نے اہلِ فضل کے لیے ہر ایک کی دعوت کے قبول کرنے کو مکروہ قرار دیا ہے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۳۴۶، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۱۷۳- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ سُفْيَانَ حَدَّثَنِي مَنْصُورٌ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ أَبِي مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ فُكُّوا الْعَانِيَ وَأَجِيبُوا الدَّاعِيَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ بن سعید نے حدیث بیان کی از سفیان، انہوں نے کہا: مجھے منصور نے حدیث بیان کی از ابی وائل از حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: قیدیوں کو قید سے چھڑاؤ اور دعوت دینے والے کی دعوت کو قبول کرو۔

(صحیح البخاری: ۳۰۴۶، ۵۱۷۴، ۵۳۷۳، ۵۶۴۹، ۷۱۷۳، سنن ابوداؤد: ۳۱۰۵، مسند احمد: ۱۹۱۴۴، سنن دارمی: ۲۴۶۵)

اس حدیث کی شرح تعلیق کی شرح کے ضمن میں کی جا چکی ہے۔

۲۴- بَابُ: هَدَايَا الْعُمَّالِ

حکام کے ہدیوں کا بیان

۷۱۷۴- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَنَّهُ سَمِعَ عُرْوَةَ أَخْبَرَنَا أَبُو حُمَيْدٍ السَّاعِدِيُّ قَالَ اسْتَعْمَلَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم رَجُلًا مِنْ بَنِي أَسْدٍ يُقَالُ لَهُ ابْنُ الْأُتْبِيَّةِ عَلَى صَدَقَةٍ فَلَمَّا قَدِمَ قَالَ هَذَا لَكُمْ وَهَذَا أُهْدِيَ لِي فَقَامَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عَلَى الْمِنْبَرِ قَالَ سُفْيَانُ أَيْضًا فَصَعِدَ الْمِنْبَرَ فَحَمِدَ اللهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ مَا بَالُ الْعَامِلِ نَبْعَثُهُ فَيَأْتِي يَقُولُ هَذَا لَكَ وَهَذَا لِي فَهَلَّا جَلَسَ فِي بَيْتِ أَبِيهِ وَأُمِّهِ فَيَنْظُرُ أَيُهْدَى لَهُ أَمْ لَا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يَأْتِي بِشَيْءٍ إِلَّا جَاءَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَحْمِلُهُ عَلَى

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از الزہری، وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے سنا، انہوں نے بیان کیا کہ ہمیں ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ نے خبر دی، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو اسد کے ایک شخص کو صدقات وصول کرنے پر عامل بنایا جس کو ابن الاتبیۃ کہا جاتا تھا، پس جب وہ آیا تو اس نے کہا: یہ اموال تمہارے لیے ہیں اور یہ اموال مجھے ہدیہ میں دیئے گئے ہیں، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے ہوئے، سفیان نے کہا کہ آپ منبر پر چڑھے، پس آپ نے اللہ عزوجل کی حمد و ثناء کی، پھر آپ نے

رَقَبَتِهِ إِنْ كَانَ بَعِيرًا لَهُ رُغَاءٌ أَوْ بَقَرَةً لَهَا خُوَارٌ أَوْ شَاةً تَيْعَرُ ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى رَأَيْنَا عُفْرَتَيْ إِبْطَيْهِ أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ ثَلَاثًا قَالَ سُفْيَانُ قَصَّهُ عَلَيْنَا الزُّهْرِيُّ وَزَادَ هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي حُمَيْدٍ قَالَ سَمِعَ أُذُنَايَ وَأَبْصَرَتْهُ عَيْنِي وَسَلُوا زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ فَإِنَّهُ سَمِعَهُ مَعِي وَلَمْ يَقُلِ الزُّهْرِيُّ سَمِعَ أُذُنِي خُوَارٌ صَوْتٌ وَالْجُؤَارُ مِنْ تَجْأَرُونَ كَصَوْتِ الْبَقَرَةِ۔

فرمایا: اس عامل کا کیا حال ہے جس کو ہم بھیجتے ہیں، پس وہ آ کر یہ کہتا ہے کہ یہ تمہارے لیے ہے اور یہ میرے لیے ہے، پس کیوں نہ وہ اپنے باپ اور ماں کے گھر میں بیٹھ گیا پھر دیکھتا کہ اس کو کوئی ہدیہ دیا جاتا ہے کہ نہیں؟، اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! وہ جس چیز کو بھی لے کر آئے گا وہ اس چیز کو قیامت کے دن اپنی گردن پر اٹھائے ہوئے ہوگا، اگر وہ اونٹ ہے تو وہ بڑبڑا رہا ہوگا، یا گائے ہے تو وہ ڈکرا رہی ہوگی، یا بکری ہے تو وہ ممیا رہی ہوگی، پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھ بلند کیے حتیٰ کہ ہم نے آپ کی بغلوں کی سفیدی دیکھی اور آپ نے تین مرتبہ فرمایا: سنو! میں نے تبلیغ کر دی ہے۔

سفیان نے کہا: زہری نے ہمیں اس کا قصہ بیان کیا، اور ہشام نے از والد خود از ابی حمید یہ اضافہ کیا، انہوں نے کہا کہ میرے دونوں کانوں نے سنا اور میری آنکھوں نے دیکھا اور تم حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے بھی سوال کرو کیونکہ انہوں نے بھی میرے ساتھ سنا تھا، اور زہری نے یہ نہیں کہا کہ میرے کانوں نے سنا۔

خُوَارٌ (الاعراف: ۱۴۸)، اس کا معنی آواز ہے، اور "الجؤار" کا لفظ "تَجْــَٔرُوْنَ (النحل: ۵۳)" سے ماخوذ ہے، یہ گائے کی آواز کی مثل ہے۔

(صحیح البخاری: ۹۲۵، ۱۵۰۰، ۲۵۹۷، ۶۶۳۶، ۶۹۷۹، ۷۱۷۴، ۷۱۹۷، صحیح مسلم: ۱۸۳۲، سنن ابوداؤد: ۲۹۴۶، مسند احمد: ۲۳۰۸۷، سنن دارمی: ۱۶۶۹)

صحیح البخاری: ۷۱۷۴، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بعض الفاظ کی تحقیق

اس حدیث میں اس عامل کا نام "الاتبیۃ" مذکور ہے اور صحیح مسلم میں اس کا نام ہے "ابن اللتبیۃ"۔

اس حدیث میں مذکور ہے "خُوار" یہ آواز ہے اور "الجُوار" "تجئرون" سے ماخوذ ہے، یہ گائے کی آواز ہے۔

ابوحمید کی روایت میں "بقرۃ لہا خوار" کے الفاظ ہیں، اور اس میں سورۂ طٰہٰ کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے: "عجلا جسدا لہ خوار" یہ بچھڑے کی آواز ہے، اور اس کا گائے کے علاوہ دوسرے حیوانوں میں بھی استعمال ہوتا ہے، اور "الجوار" کا بھی لفظ ہے، اس سے سورۃ المومنین کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے:

حَتّٰۤی اِذَاۤ اَخَذْنَا مُتْرَفِیْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ یَجْــٴَـرُوْنَ (المومنون:٦٤) حتیٰ کہ جب ہم ان کے آسودہ حال لوگوں کو عذاب میں گرفتار کریں گے تو وہ بلبلانے لگیں گے O

حدیث مذکور کے فوائد

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اہم امور کے متعلق امام کو خطبہ دینا چاہیے اور خطبہ میں "اما بعد" کے الفاظ کو استعمال کرنا چاہیے۔

نیز اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس کو امین بنایا جائے اس سے حساب لینا چاہیے۔

اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عمال کو ہدیہ قبول کرنے سے منع کرنا چاہیے۔

علامہ المہلب نے کہا ہے کہ اگر عمال اور حکام ہدیہ لیں تو اس ہدیہ کو بیت المال میں داخل کر دینا چاہیے۔ اور اسی طریقہ سے جو بھی باطل مال بطور ہدیہ لیا جائے اس سے منع کرنا چاہیے۔

علامہ ابن المنیر نے کہا ہے: اگر عامل کو منصب عمل سے پہلے کوئی ہدیہ دیا جاتا ہو اور اتنا ہی ہدیہ بعد میں دیا جائے تو اس کا لینا جائز ہے۔

اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص کسی غلط تاویل کی وجہ سے کوئی کام کرے تو اس کو لوگوں کے سامنے تنبیہ کرنی چاہیے۔

اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص غلطی سے کوئی کام کرے اس کو بھی زجر و توبیخ کرنی چاہیے۔

اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی شخص سے افضل موجود ہو، پھر بھی مفضول کو کسی منصب پر مقرر کرنا جائز ہے۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۳۴۷۔ ۳۴۹ ملخصاً وملتقطاً، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۲۵۔ بَابُ: اِسْتِقْضَاءِ الْمَوَالِي وَاسْتِعْمَالِهِمْ آزاد شدہ غلاموں کو قاضی اور حاکم بنانے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی کتاب میں اس باب کی اصل یہ آیت ہے:

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ (الحجرات:۱۳) بے شک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔

پس متقی کے ہوتے ہوئے اگر اتقٰی (بہت زیادہ متقی) بھی ہو تو اس سے متقی کی کرامت زائل نہیں ہوتی، اور شارع علیہ السلام نے منصب پر فائز کرنے میں اور نماز کا امام بنانے میں فاضل کے ہوتے ہوئے مفضول کو مقرر کیا تا کہ لوگوں پر وسعت ہو اور نرمی ہو۔

امامت کے حقدار ہونے میں فقہاء کے اقوال

امام مالک اور امام شافعی نے کہا: "الافقه" (زیادہ فقیہ) الاقرأ (زیادہ اچھا قاری) پر مقدم ہے۔

(عیون المجالس ج ۱ ص ۳۸۷، المجموع ج ۴ ص ۱۷۷)

اور امام ابوحنیفہ وغیرہ نے کہا "الاقرأ" مقدم ہے۔ (عیون المجالس ج ۱ ص ۳۸۷)

ان کے اختلاف کا سبب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے: "قوم کی امامت وہ کرے جو قوم میں سب سے زیادہ اللہ کی کتاب کا قاری ہو"۔ (صحیح مسلم: ۲۹۰، ۶۷۳)

پس بعض علماء نے اس حدیث کو اپنے ظاہر پر محمول کیا اور یہ کہا کہ جس کو قرآن زیادہ یاد ہو وہ امام بنائے جانے کا مستحق ہے، اور بعض علماء نے "الاقرأ" کو "الافقہ" پر محمول کر دیا، کیونکہ نماز کے مسائل کی فقہ نماز کی قراءت پر مقدم ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۲ ص ۵۳۲، وزارة الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۷۱۷۵۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ صَالِحٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي ابْنُ جُرَيْجٍ أَنَّ نَافِعًا أَخْبَرَهُ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ رضی الله عنهما أَخْبَرَهُ قَالَ كَانَ سَالِمٌ مَوْلَى أَبِي حُذَيْفَةَ يَؤُمُّ الْمُهَاجِرِينَ الْأَوَّلِينَ وَأَصْحَابَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فِي مَسْجِدِ قُبَاءٍ فِيهِمْ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ وَأَبُو سَلَمَةَ وَزَيْدٌ وَعَامِرُ بْنُ رَبِيعَةَ۔

(صحیح البخاری: ۶۹۲، ۷۱۷۵، سنن ابوداؤد: ۵۸۸)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عثمان بن صالح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ بن وہب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابن جریج نے خبر دی، وہ بیان کرتے ہیں کہ نافع نے ان کو خبر دی، انہوں نے بیان کیا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ان کو خبر دی کہ حضرت سالم جو کہ حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے، وہ مہاجرینِ اولین کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی مسجد قباء میں نماز میں امامت کرتے تھے، اور ان صحابہ میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت ابوسلمہ، حضرت زید اور عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہم تھے۔

صحیح البخاری: ۷۱۷۵، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نافع حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ جب مہاجرینِ اولین کی ایک جماعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے سے پہلے قباء کی جگہ آئی تو وہاں ان کو سالم مولیٰ ابی حذیفہ نماز پڑھاتے تھے اور ان کو ان سب سے زیادہ قرآن مجید یاد تھا، اور اسی وجہ سے ان کو نماز پڑھانے کے لیے مقدم کیا تھا۔

اس اشکال کا جواب کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہوتے ہوئے حضرت سالم کیسے نماز کی امامت کراتے تھے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابوبکر نے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی تھی اور یہ واقعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے پہلے کا ہے۔

امام بیہقی نے اس کے جواب میں یہ کہا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ حضرت سالم رضی اللہ عنہ ان کو اس وقت تک نماز کی امامت کراتے رہے ہوں حتیٰ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ پہنچ گئے اور مسجد بنانے سے پہلے حضرت ابوایوب انصاری کے گھر میں آکر ٹھہرے ہوں، پس ہو سکتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی حضرت سالم رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھتے ہوں جب وہ قباء میں آئے۔

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ سب سے پہلے جو ہمارے پاس آئے وہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ تھے اور حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ تھے، اور یہ دونوں لوگوں کو قرآن مجید پڑھاتے تھے، پھر ہمارے پاس حضرت بلال رضی اللہ عنہ آئے اور

حضرت سعد رضی اللہ عنہ آئے اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ آئے اور پھر حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیس صحابہ کے ساتھ آئے، ابن عساکر نے ان میں سے تیرہ کے نام کا ذکر کیا اور میں نے وہاں پر یہ ذکر کیا ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ مہاجرین میں سے مسلمان ہو کر پہلے کون آئے تھے، اور راجح یہ ہے کہ وہ ابوسلمہ بن عبد الاسد تھے، اس بناء پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس میں داخل نہیں ہوتے اور نہ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ ان بیس میں داخل ہوتے ہیں۔

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مناسبت

اس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ حضرت سالم رضی اللہ عنہ کو آزاد لوگوں پر مقدم کیا حالانکہ وہ آزاد شدہ غلام تھے، اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کو قرآن مجید زیادہ یاد تھا، اور جس شخص کے دین پر مسلمان راضی ہوں تو دنیاوی منصب کے لیے اس پر راضی ہونا زیادہ لائق ہے، پس جائز ہے کہ آزاد شدہ غلام کو منصبِ قضاء پر فائز کیا جائے اور جنگ کا امیر بنایا جائے اور خراج کی وصولی پر مقرر کیا جائے، رہی امامتِ عظمیٰ اور ملک کا سربراہ ہونا تو اس کی صحت کی شرائط میں سے یہ ہے کہ سربراہِ ملک کو قرشی ہونا چاہیے۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۳۴۹۔۳۵۰، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۲۶۔ بَابُ: الْعُرَفَاءِ لِلنَّاسِ — لوگوں کے کارمختار (سیکرٹری) کا بیان

بابِ مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

''عریف'' کا معنی اور اس کی وجہ تسمیہ

اس باب کے عنوان میں ''العُرَفاء'' کا ذکر ہے، یہ عریف کی جمع ہے جو عظیم کے وزن پر ہے، عریف اس شخص کو کہتے ہیں جو لوگوں کی ایک جماعت کے معاملات کا انتظام اور انصرام کرتا ہو، اس کو عریف اس لیے کہتے ہیں کہ وہ ان کے مسائل کو اور ان کی ضروریات کو دوسروں کی بہ نسبت زیادہ بہتر طریقہ سے جانتا ہے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۳۵۰، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۱۷۶، ۷۱۷۷۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي أُوَيْسٍ حَدَّثَنِي إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَمِّهِ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ حَدَّثَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّ مَرْوَانَ بْنَ الْحَكَمِ وَالْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ أَخْبَرَاهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ حِينَ أَذِنَ لَهُمُ الْمُسْلِمُونَ فِي عِتْقِ سَبْيِ هَوَازِنَ إِنِّي لَا أَدْرِي مَنْ أَذِنَ مِنْكُمْ مِمَّنْ لَمْ يَأْذَنْ فَارْجِعُوا حَتَّى يَرْفَعَ إِلَيْنَا عُرَفَاؤُكُمْ أَمْرَكُمْ فَرَجَعَ النَّاسُ فَكَلَّمَهُمْ عُرَفَاؤُهُمْ فَرَجَعُوا إِلَى رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَأَخْبَرُوهُ أَنَّ النَّاسَ قَدْ طَيَّبُوا وَأَذِنُوا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل بن ابی اویس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے اسماعیل بن ابراہیم نے حدیث بیان کی از عم خود موسیٰ بن عقبہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ابن شہاب نے کہا: مجھے حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے حدیث بیان کی کہ بے شک مروان بن الحکم اور حضرت المسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ ان دونوں نے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت فرمایا جب مسلمانوں نے ہوازن کے قیدیوں کے آزاد کرنے کی اجازت دی تو آپ نے فرمایا: ''بے شک میں نہیں جانتا کہ تم میں سے کس نے اجازت دی ہے اور کس نے اجازت

نہیں دی، پس تم واپس جاؤ حتیٰ کہ تم ہمارے پاس اپنے عُرَفاء (معاملات کے ذمہ داروں) کو بھیجو، پس سب لوگ گئے اور ان سے ان کے عُرَفاء نے بات کی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس آئے اور آپ کو خبر دی کہ لوگ خوش ہیں اور انہوں نے اجازت دی ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۳۰۷، ۲۵۳۹، ۲۶۰۷، ۳۱۳۱، ۴۳۱۸، ۲۳۰۸، ۲۵۴۰، ۲۵۸۳، ۲۶۰۸، ۳۱۳۲، ۴۳۱۹، ۷۱۷۷، سنن ابوداؤد: ۲۶۹۳، مسند احمد: ۱۸۴۳۵)

صحیح البخاری: ۷۱۷۷، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

سربراہِ ملک کا معاملات کے منتظم کو مقرر کرنے کا بیان

سربراہِ ملک کے لیے ملک کے معاملات کے منتظم اور محافظ (سیکرٹری) کو مقرر کرنا سنت ہے، کیونکہ سربراہِ ملک کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ تمام معاملات کی خود دیکھ بھال کرے اور ان کا انتظام اور انصرام کرے، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو متعدد گروہوں اور قبائل میں تقسیم کر دیا ہے تا کہ وہ ایک دوسرے کی معرفت حاصل کریں، پس اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ کیا کہ تمام لوگ ایک جماعت نہ ہوں جس کی وجہ سے سربراہِ ملک کے احکام کا نافذ ہونا مشکل ہو جائے، کیونکہ سربراہِ ملک کا حکم یا اس کی ممانعت اگر صرف ایک جماعت کی طرف مفوّض ہو تو ہر شخص ذمہ داری دوسرے پر ڈال دے گا اور پھر سربراہِ ملک کے احکام ضائع ہو جائیں گے، اور جب کوئی منتظم اور محافظ مقرر ہو گا تو سربراہِ ملک کے احکام پر عمل کرانا آسان ہو جائے گا۔

(شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۸ ص ۱۹۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۷۱۷۷، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

عُرَفاء پر وعید کا محمل

امام ابوداؤد نے از معدیکرب روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "العرافة برحق ہے اور لوگوں کے لیے عریف کا ہونا ضروری ہے، اور کئی عرفاء دوزخ میں ہوں گے"۔

اور امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "امراء کے لیے ہلاکت ہو اور عرفاء کے لیے ہلاکت ہو"۔

یہ حدیث ان عُرفاء پر محمول ہے جو کسی مقدمہ کو بلاوجہ طول دیتے ہیں اور حد سے تجاوز کرتے ہیں اور انصاف کو ترک کرتے ہیں جس کی وجہ سے لوگ معصیت میں واقع ہوتے ہیں، اس لیے لوگوں کو چاہیے کہ وہ عریف کا منصب حاصل کرنے سے احتیاط کریں

تاکہ ایسا نہ ہو کہ وہ منصب حاصل کرنے کے بعد حد سے تجاوز کریں اور دوزخ میں دخول کے مستحق ہو جائیں۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۳۵۱، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۲۷۔ بَابٌ: مَا يُكْرَهُ مِنْ ثَنَاءِ السُّلْطَانِ وَإِذَا خَرَجَ قَالَ غَيْرَ ذٰلِكَ

سربراہ ملک کے منہ پر اس کی تعریف اور اس کی پیٹھ پیچھے اس کی برائی کرنے کا ناپسندیدہ ہونا

۷۱۷۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا عَاصِمُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ أُنَاسٌ لِابْنِ عُمَرَ إِنَّا نَدْخُلُ عَلَى سُلْطَانِنَا فَنَقُولُ لَهُمْ خِلَافَ مَا نَتَكَلَّمُ إِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِهِمْ قَالَ كُنَّا نَعُدُّهَا نِفَاقًا۔ (سنن ابن ماجہ: ۳۹۷۵، مسند احمد ۵۷۹۵)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عاصم بن محمد بن زید بن عبداللہ بن عمر نے حدیث بیان کی از والد خود، وہ بیان کرتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا کہ بے شک جب ہم اپنے سلطان کے پاس جاتے ہیں تو ان سے ایسی باتیں کہتے ہیں جو اس کے خلاف ہوتی ہیں جب ہم سلطان کے پاس سے نکلنے کے بعد کہتے ہیں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: ہم اس چیز کو نفاق شمار کرتے تھے۔

۷۱۷۹۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ عَنْ عِرَاكٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ إِنَّ شَرَّ النَّاسِ ذُو الْوَجْهَيْنِ الَّذِي يَأْتِي هٰؤُلَاءِ بِوَجْهٍ وَهٰؤُلَاءِ بِوَجْهٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از یزید بن ابی حبیب از عراک از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ لوگوں میں سے سب سے بدترین شخص دو چہروں والا ہے جو ان لوگوں کے پاس ایک چہرے کے ساتھ آئے اور دوسرے لوگوں کے پاس دوسرے چہرے کے ساتھ آئے۔

(صحیح البخاری: ۳۴۹۴، ۶۰۵۸، ۷۱۷۹، صحیح مسلم: ۲۵۲۶، سنن ترمذی: ۲۰۲۵، سنن ابوداؤد: ۴۸۷۲، مسند احمد: ۷۲۹۶، موطا امام مالک: ۱۸۶۴)

صحیح البخاری: ۷۱۷۸، ۷۱۷۹، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، ان دونوں حدیثوں کی شرح میں لکھتے ہیں:

مداہنت کا حرام ہونا

مومن کو یہ نہیں چاہیے کہ وہ سلطان یا کسی اور کے منہ پر اس کی تعریف کرے حالانکہ اس کے نزدیک وہ شخص مذمت کا مستحق ہو، اور اس کے سامنے ایسی بات نہ کہے جس کے خلاف وہ اس کے پیٹھ پیچھے کہتا ہے، کیونکہ یہ نفاق ہے جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق فرمایا کہ "لوگوں میں سے سب سے بدترین شخص وہ ہے جو دو چہروں والا ہو"۔ اور

آپ نے فرمایا: ایسا شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک وجیہ نہیں ہوگا، کیونکہ وہ اہلِ باطل کے سامنے یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ ان سے راضی ہے اور اہلِ حق کے سامنے یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ ان سے راضی ہے، تا کہ وہ ہر فریق کو خوش رکھے اور یہ ظاہر کرے کہ وہ ان ہی میں سے ہے، اور یہ وہ مداہنت ہے جو مومنین پر حرام کردی گئی ہے۔

مداہنت کی ممانعت پر ایک اعتراض کا جواب

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: بابِ مذکور کی یہ دونوں حدیثیں اس حدیث کے خلاف ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے ملنے کی اجازت طلب کی تو آپ نے اس کے متعلق فرمایا "بئس ابن العشیرۃ" (یہ اپنے قبیلہ کا برا آدمی ہے)، اور پھر جب اس نے آپ سے ملاقات کی تو آپ نہایت خوش دلی کے ساتھ اس سے ملے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس شخص کے متعلق فرمایا تھا "یہ اپنے قبیلہ کا برا آدمی ہے" یہ سننے والوں کے نزدیک اس پر جرح اور اس کی حقیقت کے اظہار کے لیے تھا، اور بعد میں جب آپ اس سے خوش دلی سے ملے تو یہ اس لیے تھا کہ لوگوں کو اس سے کوئی ضرر نہ پہنچے، پس آپ نے دونوں صورتوں میں مسلمانوں کے نفع کا قصد کیا، اس کے برے حال کو بتانے کے لیے فرمایا "یہ اپنے قبیلہ کا برا آدمی ہے" اور بعد میں اس سے اچھی طرح سے ملے تا کہ لوگ اس کی ایذاء اور شر سے محفوظ رہیں۔

مداہنت کی ممانعت اور مدارات کا جواز

اور ذوالوجہین (دو چہرے والا) اس کے خلاف ہوتا ہے کیونکہ وہ کسی کے سامنے ایک بات کہتا ہے اور اس کے پسِ پشت اس کے خلاف دوسری بات کہتا ہے اور یہ تناقض ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کیا اس میں تناقض نہیں تھا، کیونکہ آپ نے جو فرمایا ہے کہ "یہ اپنے قبیلہ کا برا آدمی ہے" تو یہ اس کا حال ظاہر کرنے کے لیے تھا، اور اس سے ملاقات کے وقت یہ نہیں فرمایا کہ وہ فاضل ہے یا نیک ہے، اور اسی وجہ سے فقہاء نے مداہنت کرنے سے منع کیا ہے اور مدارات کو جائز قرار دیا ہے۔ مداہنت یہ ہے کہ اپنے ذاتی مفاد کے لیے کسی برے آدمی کی برائی کو ظاہر نہ کرے اور مدارات یہ ہے کہ مسلمانوں کے عمومی مفاد کی وجہ سے کسی برے آدمی کی برائی کو اس کے سامنے ظاہر نہ کرے۔ (شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۸ ص ۱۹۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۷۱۷۸، ۷۱۷۹، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بابِ مذکور کی تائید میں دیگر آثار

امام ابن ابی شیبہ نے از ابوالشعثاء روایت کی ہے، انہوں نے بیان کیا کہ کچھ لوگ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس گئے اور وہ یزید بن معاویہ کی برائی کر رہے تھے، تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: کیا تم یہ باتیں ان کے سامنے بھی کہتے ہو؟ ان لوگوں نے کہا: نہیں! بلکہ ہم ان کی تعریف کرتے ہیں اور ان کی تحسین کرتے ہیں۔ اور دوسری روایت امام بیہقی سے ہے، وہ الحارث بن ابی اسامہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ میں حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا تو میں نے کہا: ہم ان ائمہ کے پاس بیٹھتے ہیں، وہ کسی چیز کے معاملہ میں باتیں کرتے ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ حق اس کے خلاف ہے، تو ہم ان کی تصدیق کرتے ہیں،

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہم اس چیز کو نفاق شمار کرتے ہیں۔
اور امام بیہقی نے حارث سے روایت کی ہے: اے ابو عبدالرحمٰن! ہم امام کے پاس جاتے ہیں جو کسی مقدمہ کا فیصلہ کرتا ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ یہ ظلم ہے، پھر ہم کہتے ہیں: اللہ تمہارے اس عمل کو قبول فرمائے، تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: ہم اس کو نفاق سمجھتے ہیں۔
(فتح الباری ج ۸ ص ۳۵۱، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۲۸۔ باب: الْقَضَاءِ عَلَى الْغَائِبِ

غائب کے متعلق فیصلہ کرنا

۷۱۸۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها أَنَّ هِنْدًا قَالَتْ لِلنَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم إِنَّ أَبَا سُفْيَانَ رَجُلٌ شَحِيحٌ فَأَحْتَاجُ أَنْ آخُذَ مِنْ مَالِهِ قَالَ خُذِي مَا يَكْفِيكِ وَوَلَدَكِ بِالْمَعْرُوفِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن کثیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے خبر دی از ہشام از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ بے شک حضرت ہند رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ بے شک حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ بخیل شخص ہیں، پس مجھے ضرورت ہوتی ہے کہ میں اس کے مال سے لے لیا کروں، آپ نے فرمایا: تم اتنی مقدار لے لیا کرو جو تمہارے لیے اور تمہاری اولاد کے لیے دستور کے مطابق کافی ہو۔

(صحیح البخاری: ۲۲۱۱، ۲۴۶۰، ۳۸۲۵، ۵۳۵۹، ۵۳۶۴، ۵۳۷۰، ۶۶۴۱، ۷۱۶۱، ۷۱۸۰، صحیح مسلم: ۱۷۱۴، سنن نسائی: ۵۴۲۰، سنن ابوداؤد: ۳۵۳۲، سنن ابن ماجہ: ۲۲۹۳، مسند احمد: ۲۵۱۸۵، سنن دارمی: ۲۲۵۹)

صحیح البخاری: ۷۱۸۰، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

غائب کا فیصلہ کرنے کے متعلق فقہاء کا اختلاف

فقہاء کی ایک جماعت نے غائب کا فیصلہ کرنے کی اجازت دی ہے، ان میں امام مالک، اللیث، امام شافعی، ابوثور اور ابوعبید شامل ہیں۔ (مختصر اختلاف العلماء ج ۳ ص ۳۸۷۔۳۸۶، عیون المجالس ج ۴ ص ۱۵۳۲، المغنی ج ۱۴ ص ۹۳)
امام شافعی نے کہا: ہر معاملہ میں غائب کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے، اور علامہ ابن القاسم نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ قرض میں غائب کا فیصلہ کرنا جائز ہے، زمین اور مکانات میں فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے۔
امام مالک نے کہا: اسی طرح جب کوئی شخص قاضی کی عدالت میں مقدمہ پیش ہونے کے بعد غائب ہو جائے تو اس کا فیصلہ کرنا جائز ہے۔
اور فقہاء کی دوسری جماعت نے کہا ہے: غائب کے خلاف فیصلہ نہ کیا جائے، یہ قاضی شریح، ابراہیم نخعی، قاسم، عمر بن عبدالعزیز اور ابن ابی لیلیٰ کا قول ہے۔

اور امام ابوحنیفہ نے کہا: غائب کے خلاف فیصلہ نہ کیا جائے اور نہ اس کے خلاف جو گواہ قائم ہونے کے بعد فیصلہ سے بھاگ گیا ہو، اور نہ اس کے خلاف جو شہر میں چھپ گیا ہو، لیکن قاضی کے پاس سے کوئی شخص آئے اور اس کے دروازہ پر تین دن تک نداء کرے، اگر وہ حاضر نہ ہو تو اس کے خلاف فیصلہ نافذ کر دیا جائے۔ (مختصر اختلاف العلماء ج ۳ ص ۳۸۶، المبسوط ج ۱۷ ص ۳۹)

غائب کے خلاف فیصلہ نہ کرنے کے متعلق فقہاء احناف کے دلائل

فقہاء احناف یہ کہتے ہیں کہ اس پر اجماع ہے کہ اگر مدعیٰ علیہ حاضر ہو اور وہ مدعی کے گواہوں کو نہ سنے تو یہ جائز ہے، پس جب مدعیٰ علیہ غائب ہو تو بہ طریقِ اولیٰ جائز ہوگا کہ وہ مدعی کے گواہوں کا بیان نہ سنے، نیز انہوں نے کہا: اگر اس کے غائب ہونے کی صورت میں اس کے متعلق فیصلہ کرنا جائز ہو تو حاکم کے سامنے اس کے حاضر ہونے کی صورت میں اس پر کسی چیز کا استحقاق ثابت نہیں ہوگا، حالانکہ یہ ثابت ہے کہ اس پر واجب ہے کہ وہ حاکم کے سامنے حاضر ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ لِیَحْكُمَ بَیْنَهُمْ اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ (النور: ۴۸)

اور جب انہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف دعوت دی جاتی ہے تا کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ فرمادیں تو اس وقت ان میں سے ایک فریق اعراض کرنے والا ہوتا ہے ○

اللہ تعالیٰ نے اس پر ان کی مذمت فرمائی ہے کہ وہ حکم اور فیصلہ سے اعراض کرتے ہیں اور حاکم کے سامنے حاضر ہونے کو ترک کرتے ہیں، تو اگر حاکم کے سامنے ان کا حاضر ہونا واجب نہ ہوتا تو ان کی مذمت نہ کی جاتی، اس سے معلوم ہوا کہ حاکم کے سامنے حاضر ہونا واجب ہے، لہٰذا غائب کے خلاف فیصلہ معتبر نہیں ہوگا۔

نیز فقہاء احناف نے درج ذیل حدیث سے بھی استدلال کیا ہے:

امام ابوداؤد اپنی سند کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی طرف قاضی بنا کر بھیجا، پس میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ مجھے قاضی بنا کر بھیج رہے ہیں اور میں کم عمر ہوں اور مجھے قضاء کا کوئی علم نہیں ہے تو آپ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے دل کو ہدایت دے گا اور تمہاری زبان کو ثابت رکھے گا، پس جب تمہارے سامنے دو فریق بیٹھ جائیں تو تم کوئی فیصلہ نہ کرو حتیٰ کہ دوسرے فریق کی بات سن لو جس طرح تم نے فریقِ اول کی بات سنی ہے، تو اس سے تمہارے لیے فیصلہ ظاہر ہو جائے گا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: پس میں ہمیشہ قاضی رہا یا کہا: پھر میں نے اس کے بعد کبھی فیصلہ کرنے میں شک نہیں کیا۔ (سنن ابوداؤد: ۳۵۸۲، سنن ترمذی: ۱۳۳۱، مسند احمد ج ۱ ص ۹۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو فریقوں کے درمیان مساوات کا حکم دیا ہے اور ان کے درمیان مساوی طریقہ سے دیکھنے کا حکم دیا اور جب غائب کے متعلق فیصلہ کیا جائے گا تو اس میں سے کسی چیز پر عمل نہیں ہوگا۔

غائب کا فیصلہ کرنے کے متعلق جمہور فقہاء کے دلائل

جمہور فقہاء نے اس باب کی حدیث سے استدلال کیا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ہند رضی اللہ عنہا کے حق میں ان کے خاوند کے خلاف فیصلہ کیا کہ وہ خاوند کا مال لے سکتی ہیں اور ان کے خاوند غائب تھے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمایا اور اس پر گواہ قائم نہیں ہوئے تھے کہ حضرت ہند حضرت ابوسفیان

رضی اللہ عنہا کی بیوی ہیں؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم تھا کہ حضرت ہند، حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہما کی بیوی ہیں، اس لیے اس پر گواہ قائم کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔

نیز ان کی دلیل یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ یہ کہتے ہیں کہ اگر غائب کی بیوی خاوند کے مال سے اپنا خرچ طلب کرے تو اس بیوی کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا کہ وہ اپنے غائب خاوند کے مال سے اپنا حق وصول کرسکتی ہے، اور یہ فقہاء احناف کے قول میں تناقض ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۲ ص ۵۳۷۔۵۳۹، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر، ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں کہ فقہاء احناف کی طرف سے جواب یہ ہے کہ وہ جو کہتے ہیں کہ غائب کے خلاف فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے، وہ اس صورت کے ماسوا ہے، کیونکہ یہ صورت حدیث کے مطابق ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۲۹۔ بَابُ: مَنْ قُضِيَ لَهُ بِحَقِّ أَخِيهِ فَلَا يَأْخُذْهُ فَإِنَّ قَضَاءَ الْحَاكِمِ لَا يُحِلُّ حَرَامًا وَلَا يُحَرِّمُ حَلَالًا

جس شخص کے بھائی کے حق میں کسی چیز کا فیصلہ کیا گیا تو وہ اس چیز کو نہ لے، کیونکہ حاکم کا فیصلہ کسی حرام کو حلال نہیں کرتا اور نہ کسی حلال کو حرام کرتا ہے

بابِ مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کے عنوان میں بھائی کا لفظ مذکور ہے اور یہ بھائی کا لفظ عام معنی میں مستعمل ہے اور وہ جنس ہے، کیونکہ مسلمان اور ذمی اور معاہد اور مرتد سب کا یہی حکم ہے، اور بھائی کا لفظ نسبی بھائی اور رضائی بھائی اور دینی بھائی وغیرہ کو شامل ہے، اور عنوان میں بھائی کا لفظ اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ حدیث میں بھی بھائی کا لفظ ہے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۳۵۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۱۸۱۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّ زَيْنَبَ بِنْتَ أَبِي سَلَمَةَ أَخْبَرَتْهُ أَنَّ أُمَّ سَلَمَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ أَخْبَرَتْهَا عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ أَنَّهُ سَمِعَ خُصُومَةً بِبَابِ حُجْرَتِهِ فَخَرَجَ إِلَيْهِمْ فَقَالَ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ وَإِنَّهُ يَأْتِينِي الْخَصْمُ فَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ أَنْ يَكُونَ أَبْلَغَ مِنْ بَعْضٍ فَأَحْسِبُ أَنَّهُ صَادِقٌ فَأَقْضِي لَهُ بِذَلِكَ فَمَنْ قَضَيْتُ لَهُ بِحَقِّ مُسْلِمٍ فَإِنَّمَا هِيَ قِطْعَةٌ مِنَ النَّارِ فَلْيَأْخُذْهَا أَوْ لِيَتْرُكْهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدالعزیز بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم بن سعد نے حدیث بیان کی از صالح از ابن شہاب، وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے عروہ بن زبیر نے خبر دی، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان کو خبر دی کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ نے ان کو خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حجرہ کے دروازہ پر جھگڑنے کی آواز سنی، پس آپ باہر ان کی طرف آئے، سو آپ نے فرمایا: میں محض ایک بشر ہوں اور بے شک میرے پاس ایک جھگڑا آتا ہے، پس ہوسکتا ہے تم میں سے کوئی شخص دوسرے کی بہ نسبت زیادہ چرب زبان ہو، پس میں یہ گمان کروں کہ

وہ سچا ہے، پس اس کے حق میں فیصلہ کردوں، پس (بالفرض) میں جس کے حق میں کسی مسلمان کا فیصلہ کردوں تو وہ آگ کا ٹکڑا ہے، وہ چاہے اس کو لے اور چاہے تو اس کو ترک کردے۔

(صحیح البخاری:۲۴۵۸، ۲۶۸۰، ۶۹۶۷، ۷۱۶۹، ۷۱۸۱، ۷۱۸۵، صحیح مسلم:۱۷۱۳، سنن نسائی:۵۴۰۱، سنن ابوداؤد: ۳۵۸۳، سنن ابن ماجہ: ۲۳۱۷، مسند احمد:۲۶۰۸۶، موطا امام مالک:۱۴۲۴)

۷۱۸۲۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهَا قَالَتْ كَانَ عُتْبَةُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ عَهِدَ إِلَى أَخِيهِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ أَنَّ ابْنَ وَلِيدَةِ زَمْعَةَ مِنِّي فَاقْبِضْهُ إِلَيْكَ فَلَمَّا كَانَ عَامُ الْفَتْحِ أَخَذَهُ سَعْدٌ فَقَالَ ابْنُ أَخِي قَدْ كَانَ عَهِدَ إِلَيَّ فِيهِ فَقَامَ إِلَيْهِ عَبْدُ بْنُ زَمْعَةَ فَقَالَ أَخِي وَابْنُ وَلِيدَةِ أَبِي وُلِدَ عَلَى فِرَاشِهِ فَتَسَاوَقَا إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ سَعْدٌ يَا رَسُولَ اللهِ ابْنُ أَخِي كَانَ عَهِدَ إِلَيَّ فِيهِ وَقَالَ عَبْدُ بْنُ زَمْعَةَ أَخِي وَابْنُ وَلِيدَةِ أَبِي وُلِدَ عَلَى فِرَاشِهِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ هُوَ لَكَ يَا عَبْدُ بْنَ زَمْعَةَ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ الْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ ثُمَّ قَالَ لِسَوْدَةَ بِنْتِ زَمْعَةَ احْتَجِبِي مِنْهُ لِمَا رَأَى مِنْ شَبَهِهِ بِعُتْبَةَ فَمَا رَآهَا حَتَّى لَقِيَ اللهَ تَعَالَى۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از ابن شہاب از حضرت عروہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ نبی ﷺ، وہ بیان کرتی ہیں کہ عتبہ بن ابی وقاص نے اپنے بھائی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو وصیت کی تھی کہ زمعہ کی باندی کا بیٹا ان (کے نطفہ) سے ہے، پس تم اس پر قبضہ کر لینا، پس جب فتح مکہ کا سال آیا تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اس لڑکے پر قبضہ کر لیا، پس کہا: یہ میرے بھائی کا بیٹا ہے اور اس نے اس کے متعلق مجھے وصیت کی تھی، پھر اس کی طرف عبد بن زمعہ کھڑے ہوئے، سو انہوں نے کہا: یہ میرا بھائی ہے اور میرے باپ کی باندی کا بیٹا ہے اور میرے باپ کے بستر پر پیدا ہوا ہے، پس ان دونوں نے یہ معاملہ رسول اللہ ﷺ کے پاس پیش کیا، پس سعد نے کہا: یا رسول اللہ! یہ میرے بھائی کا بیٹا ہے، میرے بھائی نے اس کے متعلق مجھے وصیت کی تھی اور عبد بن زمعہ نے کہا: یہ میرا بھائی ہے، میرے باپ کی باندی کا بیٹا ہے، اس کے بستر پر پیدا ہوا ہے، تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عبد بن زمعہ! یہ تمہارا ہے، پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہو اور زانی کے لیے پتھر ہیں، پھر آپ نے حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: تم اس لڑکے سے پردہ کیا کرو کیونکہ آپ نے اس لڑکے کی مشابہت عتبہ بن ابی وقاص میں دیکھی، پھر حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے اس لڑکے کو نہیں دیکھا حتیٰ کہ وہ اللہ تعالیٰ سے جا ملا۔

(صحیح البخاری:۲۰۵۳، ۲۰۵۷، ۶۷۴۹، ۶۸۱۷، سنن نسائی:۳۴۸۴، سنن ابوداؤد:۲۲۷۳، سنن ابن ماجہ:۲۰۰۴، موطا امام مالک:۱۴۵۰، سنن دارمی:۲۲۶۱)

صحیح البخاری: ۷۱۸۲، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے بعض الفاظ کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''بباب حجرته'' یہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ تھا جیسا کہ صحیح مسلم میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''انما انا بشر'' بشر کا معنی ہے: جسم کی ظاہری بناوٹ، اس کا اطلاق واحد پر بھی ہوتا ہے اور جمع پر بھی، یہاں اس کا معنی یہ ہے کہ آپ بھی بشر میں سے ایک بشر ہیں اور اس سے مراد یہ ہے کہ آپ اصلِ خلقت میں بشر کے شریک ہیں، اگرچہ آپ کی ذات اور صفات میں جو اللہ تعالیٰ نے خصوصیات رکھی ہیں ان کی وجہ سے آپ دوسرے بشر سے ممتاز ہیں اور ''انما'' کا کلمہ حصر کے لیے آتا ہے اور یہاں حصر مجازی ہے اور اس کو قصرِ قلب کہتے ہیں، کیونکہ یہاں پر آپ نے ان لوگوں کا رد کیا ہے جو یہ زعم کرتے ہیں کہ جو رسول ہو وہ ہر غیب کو جانتا ہے حتیٰ کہ اس کے اوپر مظلوم بھی مخفی نہیں ہوتا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فمن قضیت له بحق مسلم'' امام ابوداؤد کی روایت میں ہے: ''پس بالفرض میں جس مسلمان کے لیے اس کے بھائی کی کسی چیز کا فیصلہ کردوں تو وہ اس کو نہ لے'' اور امام طحاوی اور امام دارقطنی کی روایت میں ہے: ''پس جس کے حق میں میں کسی مقدمہ کا فیصلہ کردوں اور وہ اس کا مستحق نہ ہو تو وہ ایک آگ کا ٹکڑا ہے جو قیامت کے دن اس کی گردن میں ہوگا۔

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص کسی مسلمان سے کسی جھوٹے مقدمہ میں جھگڑا کرے حتیٰ کہ بہ ظاہر وہ کسی چیز کا مستحق ہو جائے اور باطن میں وہ چیز اس پر حرام ہو تو وہ شخص گنا ہگار ہوگا۔

(۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص کسی مال پر دعویٰ کرے اور اس کے پاس گواہ نہ ہوں، پس مدعیٰ علیہ کو حلف دیا گیا اور حاکم نے فیصلہ کیا کہ حلف اٹھانے والا بری ہے تو حلف اٹھانے والا باطن میں بری نہیں ہوگا۔

(۳) جس شخص نے کسی بھی وجہ سے کسی باطل چیز کا حیلہ کیا حتیٰ کہ بہ ظاہر وہ اس کا حق ہو جائے اور اس کے حق میں فیصلہ بھی کردیا جائے تب بھی اس کے لیے اس چیز کو لینا باطن میں جائز نہیں ہے، اور اس سے گناہ کا حکم نہیں اٹھے گا۔

(۴) اس سے معلوم ہوا کہ مجتہد سے کبھی خطاء ہو جاتی ہے اور اس میں ان لوگوں کا رد ہے جن کا یہ زعم ہے کہ ہر مجتہد مصیب ہوتا ہے۔

(۵) اور اس سے معلوم ہوا کہ مجتہد کو جب خطاء واقع ہو تو وہ گنا ہگار نہیں ہوگا بلکہ اس کو اجر دیا جائے گا جیسا کہ عنقریب حدیث میں آئے گا۔

(۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان مقدمات میں اجتہاد سے فیصلہ کرتے تھے جن کے متعلق آپ پر وحی نہیں آتی تھی۔ بعض علماء نے اس کے خلاف کہا ہے اور اس حدیث میں ان کا صراحۃً رد ہے۔

(۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بعض اوقات آپ اپنے اجتہاد سے کسی چیز کا حکم دیتے اور باطن میں اس کا خلاف ہوتا لیکن آپ کو اس پر برقرار نہیں رکھا جاتا تھا کیونکہ آپ معصوم ہیں۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۳۵۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

٣٠۔ بَابٌ: اَلْحُكْمِ فِي الْبِئْرِ وَنَحْوِهَا — کنوئیں اور اس جیسی چیزوں کے متعلق فیصلہ کرنا

بابِ مذکور کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

کتاب الایمان والنذور میں مذکور ہے کہ یہ کنواں حضرت اشعث رضی اللہ عنہ کا تھا، ان کے چچازاد بھائی کی زمین میں، پس انہوں نے اس کنویں کے متعلق دعویٰ کر دیا، اور اس باب کی حدیث اس سلسلہ میں حجت ہے کہ حاکم کا حکم ظاہر میں کسی حرام کو حلال نہیں کرتا اور نہ کسی ممنوع چیز کو مباح کرتا ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اس شخص کے عذاب سے ڈرایا ہے جو جھوٹی قسم کھا کر اپنے بھائی کے حق پر قبضہ کر لے، اس کی سزا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر غضب ناک ہوگا اور اللہ تعالیٰ نے کئی قسم کی سزاؤں سے ڈرایا ہے، پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ (آل عمران: ۷۷)

بے شک جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے عوض تھوڑی قیمت خریدتے ہیں ان لوگوں کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے اور نہ آخرت میں اللہ ان سے کلام کرے گا اور نہ قیامت کے دن ان کی طرف نظر (رحمت) فرمائے گا اور نہ ان کو پاکیزہ کرے گا، اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے O

قرآن مجید میں جو وعید آئی ہیں، یہ ان میں سب سے سخت وعید ہے، پس معلوم ہوا کہ جو شخص اپنے بھائی کا مال ناجائز طریقہ سے لینے کا حیلہ کرے گا تو اس کو اللہ تعالیٰ سخت عذاب دے گا۔

(شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۸ ص ۲۰۱۔ ۲۰۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۷۱۸۳۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُورٍ وَالْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي وَائِلٍ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم لَا يَحْلِفُ عَلَى يَمِينِ صَبْرٍ يَقْتَطِعُ مَالًا وَهُوَ فِيهَا فَاجِرٌ إِلَّا لَقِيَ اللّٰهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝﴾ الْآيَةَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق بن نصر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرزاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے خبر دی از منصور اور الاعمش از ابی وائل، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص بھی کوئی پختہ قسم کھا کر (کسی کا) مال حاصل کرے گا اور وہ اس قسم میں جھوٹا ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ وہ اس پر غضب ناک ہوگا، پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

''بے شک جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے عوض تھوڑی قیمت خریدتے ہیں ان لوگوں کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں

ہے اور نہ آخرت میں اللہ ان سے کلام کرے گا اور نہ قیامت کے دن ان کی طرف نظر (رحمت) فرمائے گا اور نہ ان کو پاکیزہ کرے گا، اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے O" (آل عمران:۷۷)

(صحیح البخاری:۲۳۵۶، ۲۴۱۶، ۲۵۱۴، ۲۶۶۶، ۲۶۶۹، ۲۶۷۳، ۲۶۷۶، ۴۵۴۹، ۶۶۵۹، ۶۶۷۶، ۷۱۸۳، ۷۴۴۵، صحیح مسلم:۱۳۸، سنن ترمذی:۱۲۶۹، سنن ابوداؤد:۳۲۴۳، سنن ابن ماجہ:۲۳۲۳، مسند احمد:۳۵۷۶، ۴۲۰۰)

۷۱۸۴۔ فَجَاءَ الْأَشْعَثُ وَعَبْدُ اللهِ يُحَدِّثُهُمْ فَقَالَ فِيَّ نَزَلَتْ وَفِي رَجُلٍ خَاصَمْتُهُ فِي بِئْرٍ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَلَكَ بَيِّنَةٌ قُلْتُ لَا قَالَ فَلْيَحْلِفْ قُلْتُ إِذًا يَحْلِفُ فَنَزَلَتْ ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ الْآيَةَ

۷۱۸۴۔ پس حضرت اشعث اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہما آئے (حضرت اشعث) ان کو حدیث بیان کرتے تھے، پس انہوں نے کہا: یہ آیت میرے متعلق اور ایک مرد کے متعلق نازل ہوئی ہے، میرا اس سے ایک کنویں کے متعلق جھگڑا ہوا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تمہارے پاس گواہ ہے؟ میں نے کہا: نہیں! آپ نے فرمایا: پھر یہ قسم کھائے گا، میں نے کہا: یہ تو قسم کھالے گا، تو یہ آیت نازل ہوئی:

"بے شک جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے عوض تھوڑی قیمت خریدتے ہیں ان لوگوں کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے اور نہ (آخرت میں) اللہ ان سے کلام کرے گا اور نہ قیامت کے دن ان کی طرف نظر (رحمت) فرمائے گا اور نہ ان کو پاکیزہ کرے گا، اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے O" (آل عمران:۷۷)

(صحیح البخاری:۲۳۵۶، ۲۴۱۶، ۲۵۱۴، ۲۶۶۶، ۲۶۶۹، ۲۶۷۳، ۲۶۷۶، ۴۵۴۹، ۶۶۵۹، ۶۶۷۶، ۷۱۸۳، ۷۴۴۵، صحیح مسلم:۱۳۸، سنن ترمذی:۱۲۶۹، سنن ابوداؤد:۳۲۴۳، سنن ابن ماجہ:۲۳۲۳، مسند احمد:۳۵۷۶، ۴۲۰۰)

صحیح البخاری: ۷۱۸۳، ۷۱۸۴، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، ان دونوں حدیثوں کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں عبداللہ کا ذکر ہے، یہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔

امام بخاری پر علامہ ابن المنیّر کے اعتراض کا جواب

علامہ ابن المنیّر نے کہا ہے: اس عنوان میں کنویں کا ذکر ہے حالانکہ اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ کوئی شخص کسی کے کنویں پر جھوٹی قسم کھا کر قبضہ کرے یا کسی کے گھر پر جھوٹی قسم کھا کر قبضہ کرے یا کسی کے غلام پر جھوٹی قسم کھا کر قبضہ کرے، سو امام بخاری نے جو صرف کنویں کا ذکر کیا ہے، اس سے انہوں نے ان لوگوں کے رد کا ارادہ کیا ہے جن کا یہ زعم ہے کہ پانی کا کوئی مالک نہیں ہوتا، تو انہوں نے اس باب کے عنوان سے یہ ثابت کیا کہ پانی پر بھی ملکیت ہوتی ہے، کیونکہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ان دونوں کا جھگڑا

پانی کے متعلق ہوا تھا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ علامہ ابن المنیّر کا یہ اعتراض درست نہیں ہے، کیونکہ امام بخاری نے باب کے عنوان میں صرف کنویں پر اقتصار نہیں کیا بلکہ ''ونحوھا'' بھی کہا ہے یعنی کنویں اور اس جیسی چیزوں میں۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۳۵۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۳۱۔ بَابٌ: اَلْقَضَاءُ فِي كَثِيرِ الْمَالِ وَقَلِيلِهِ

زیادہ اور کم مال میں فیصلہ کرنے کا بیان

وَقَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ ابْنِ شُبْرُمَةَ: اَلْقَضَاءُ فِي قَلِيلِ الْمَالِ وَكَثِيرِهِ سَوَاءٌ۔

اور ابن عیینہ نے از ابن شبرمہ کہا کہ کم مال میں اور زیادہ مال میں فیصلہ کرنا برابر ہے۔

۷۱۸۵۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّ زَيْنَبَ بِنْتَ أَبِي سَلَمَةَ أَخْبَرَتْهُ عَنْ أُمِّهَا أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ سَمِعَ النَّبِيُّ ﷺ جَلَبَةَ خِصَامٍ عِنْدَ بَابِهِ فَخَرَجَ عَلَيْهِمْ فَقَالَ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ وَإِنَّهُ يَأْتِينِي الْخَصْمُ فَلَعَلَّ بَعْضًا أَنْ يَكُونَ أَبْلَغَ مِنْ بَعْضٍ أَقْضِي لَهُ بِذَلِكَ وَأَحْسِبُ أَنَّهُ صَادِقٌ فَمَنْ قَضَيْتُ لَهُ بِحَقِّ مُسْلِمٍ فَإِنَّمَا هِيَ قِطْعَةٌ مِنَ النَّارِ فَلْيَأْخُذْهَا أَوْ لِيَدَعْهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے حضرت عروہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما نے خبر دی کہ حضرت زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہما نے ان کو خبر دی از ان کی والدہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے اپنے گھر کے دروازہ کے پاس لوگوں کے جھگڑنے کی آواز سنی، آپ ان کے پاس باہر نکل کر آئے تو آپ نے فرمایا: میں محض بشر ہوں اور بے شک میرے پاس (مقدمہ کا) ایک فریق آتا ہے، پس ہوسکتا ہے کہ بعض فریق دوسروں کی بہ نسبت زیادہ چرب زبان ہو، (بالفرض) میں اس کے حق میں فیصلہ کردوں اور یہ گمان کروں کہ وہ سچا ہے، پس جس شخص کے لیے میں کسی مسلمان کے حق کا فیصلہ کردوں تو وہ آگ کا ایک ٹکڑا ہے خواہ وہ اس کو لے یا نہ لے۔

(صحیح البخاری: ۲۴۵۸، ۲۶۸۰، ۶۹۶۷، ۷۱۶۹، ۷۱۸۱، ۷۱۸۵، صحیح مسلم: ۱۷۱۳، سنن نسائی: ۵۴۰۱، سنن ابوداؤد: ۳۵۸۳، سنن ابن ماجہ: ۲۳۱۷، مسند احمد: ۲۶۰۸۶، موطا امام مالک: ۱۴۲۴)

صحیح البخاری: ۷۱۸۵، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ ابن المنیّر نے کہا ہے: امام بخاری نے اس عنوان سے بعض مالکیہ کے اس قول کے رد کی طرف اشارہ کیا ہے، جنہوں نے یہ کہا کہ قسم کھانا صرف اسی صورت میں واجب ہے جب کہ مال کی ایک مقدار معین کا جھگڑا ہو، اور کسی معمولی چیز میں اگر جھگڑا ہو تو اس میں فریقِ مخالف کو قسم دینا واجب نہیں ہے، تو امام بخاری نے اس کا رد کیا کہ مال زیادہ ہو یا کم ہو اس میں فیصلہ کرنے کا حکم برابر ہے۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۳۵۸، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

٣٢۔ بَابُ: بَيْعِ الْإِمَامِ عَلَى النَّاسِ أَمْوَالَهُمْ وَضِيَاعَهُمْ وَقَدْ بَاعَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم مُدَبَّرًا مِنْ نُعَيْمِ بْنِ النَّحَّامِ

امام کا لوگوں کے اموال اور ان کی جائیداد کو فروخت کرنا، اور بے شک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت نعیم بن نحام رضی اللہ عنہ کے مدبر غلام کو فروخت کیا

٧١٨٦۔ حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنَا سَلَمَةُ بْنُ كُهَيْلٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ بَلَغَ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم أَنَّ رَجُلًا مِنْ أَصْحَابِهِ أَعْتَقَ غُلَامًا لَهُ عَنْ دُبُرٍ لَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ غَيْرُهُ فَبَاعَهُ بِثَمَانِ مِائَةِ دِرْهَمٍ ثُمَّ أَرْسَلَ بِثَمَنِهِ إِلَيْهِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابن نمیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن بشر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سلمہ بن کہیل نے حدیث بیان کی از عطاء از حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ خبر پہنچی کہ آپ کے اصحاب میں سے ایک مرد نے اپنے مدبر غلام کو آزاد کر دیا اور اس کا اس مدبر غلام کے سوا اور کوئی مال نہیں تھا، پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس غلام کو آٹھ سو درہم کے عوض فروخت کر دیا، پھر وہ قیمت اس صحابی کی طرف بھیج دی۔

(صحیح البخاری: ٢١٤١، ٢٢٣٠، ٢٣٢١، ٢٤٠٣، ٢٤١٥، ٢٥٣٤، ٦٧١٦، ٦٩٤٧، ٧١٨٦، صحیح مسلم: ٩٩٧، سنن ترمذی: ١٢١٩، سنن نسائی: ٤٦٥٣، سنن ابوداؤد: ٣٩٥٧، مسند احمد: ١٤١٣٧، سنن دارمی: ٢٥٧٣)

صحیح البخاری: ٧١٨٦، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ٨٠٤ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مدبر غلام کو فروخت کرنے کا محمل

علامہ المہلب المالکی نے کہا ہے: امام اس وقت لوگوں کے اموال کو فروخت کر دے جب وہ یہ دیکھے کہ ان لوگوں میں سے کسی شخص کی عقل میں کمی ہے، رہا وہ شخص جس کی عقل میں کمی نہ ہو اس کے مال میں سے کسی چیز کو فروخت نہیں کیا جائے گا سوا اس کے کہ اس کے اوپر کسی کا حق ثابت ہوتا ہو، اور یہ بیع جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مدبر کو فروخت کر دیا تھا، کیونکہ جس شخص کا وہ غلام مدبر تھا اس کا اس غلام کے سوا اور کوئی مال نہیں تھا، پس آپ کو خطرہ ہوا کہ یہ بغیر کسی روزی کے فوت ہو جائے گا، پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ اس نے اپنے تمام مال کو خرچ کر دیا اور اب وہ ہلاک ہونے کے قریب ہے تو آپ نے اس مدبر غلام کو فروخت کر دیا، جب کہ عام حالات میں مدبر کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔

مدبر کی بیع کے متعلق فقہاء کے اقوال

فقہاء شافعیہ کے نزدیک مدبر کی بیع جائز ہے (مدبر وہ غلام ہے جس کے متعلق اس کا مالک یہ کہے کہ میرے مرنے کے بعد تم آزاد ہو)۔ (روضۃ الطالبین ص ١٩٤)

اور امام مالک کا اس میں اختلاف ہے، ان کے نزدیک مدبر کی بیع جائز نہیں ہے۔ (المدونہ ج ۳ ص ۳۰۷)

علامہ ابن التین نے کہا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ایک صحابی کے مدبر غلام کو فروخت کر دیا تھا، اس کی وجہ یہ تھی کہ اس صحابی کا اس مدبر غلام کے سوا اور کوئی مال نہیں تھا، تو آپ نے اس غلام کو فروخت کر کے وہ مال اس صحابی کو دے دیا، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مدبر غلام کو اس لیے فروخت کیا ہو کہ اس کے مالک کے اوپر اس غلام کو مدبر کرنے سے پہلے قرض تھا۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۲ ص ۵۴۸۔۵۴۹ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۳۳۔ بَابُ: مَنْ لَمْ يَكْتَرِثْ بِطَعْنِ مَنْ لَا يَعْلَمُ فِي الْأُمَرَاءِ حَدِيثًا

جس سربراہ نے امراء پر اس شخص کے طعن کی پرواہ نہیں کی جس کو امراء کے متعلق کسی عیب کا علم نہیں

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

"لم یکترث" کا معنی ہے "لم یلتفت" اور یہ اصل میں الکرث سے ماخوذ ہے، کہا جاتا ہے "ما اکترثت" یعنی میں نے اس کی پرواہ نہیں کی، اور اس کا استعمال نفی میں کیا جاتا ہے اور اثبات میں اس کا استعمال شاذ ہے۔

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: اس باب کے عنوان کا معنی یہ ہے کہ جب طعنہ دینے والا مطعون کے حال سے واقف نہ ہو اور اس پر اس عیب کی تہمت لگائے جو عیب اس میں نہیں ہے، تو اس کی تہمت کی پرواہ نہیں کی جائے گی اور نہ اس کی تہمت کے تقاضا پر عمل کیا جائے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۳۸۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۱۸۷۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ دِينَارٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ رضی الله عنهما يَقُولُ بَعَثَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم بَعْثًا وَأَمَّرَ عَلَيْهِمْ أُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ فَطُعِنَ فِي إِمَارَتِهِ وَقَالَ إِنْ تَطْعَنُوا فِي إِمَارَتِهِ فَقَدْ كُنْتُمْ تَطْعَنُونَ فِي إِمَارَةِ أَبِيهِ مِنْ قَبْلِهِ وَايْمُ اللهِ إِنْ كَانَ لَخَلِيقًا لِلْإِمْرَةِ وَإِنْ كَانَ لَمِنْ أَحَبِّ النَّاسِ إِلَيَّ وَإِنَّ هٰذَا لَمِنْ أَحَبِّ النَّاسِ إِلَيَّ بَعْدَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالعزیز بن مسلم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ بن دینار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر بھیجا اور ان پر حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو امیر مقرر کر دیا، پس حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی امارت پر طعن کیا گیا اور آپ نے فرمایا: اگر تم اس کی امارت میں طعن کرتے ہو تو اس سے پہلے تم اس کے باپ کی امارت میں طعن کرتے تھے، اور اللہ کی قسم! بے شک وہ ضرور امارت کے لائق تھے، اور بے شک وہ تمام لوگوں سے زیادہ مجھے محبوب تھے، اور بے شک یہ ان کے بعد مجھے تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہیں۔

(صحیح البخاری: ۳۷۳۰، ۴۲۵۰، ۴۴۶۸، ۴۴۶۹، ۶۶۲۷، ۷۱۸۷، صحیح مسلم: ۲۴۲۶، سنن ترمذی: ۳۸۱۶، مسند احمد: ۴۶۸۷)

صحیح البخاری: ۷۱۸۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ پر طعن کا بیان

اس حدیث میں مذکور ہے "اگر تم اسامہ کی امارت میں طعن کر رہے ہو تو بے شک تم اس سے پہلے اس کے باپ کی امارت میں طعن کرتے تھے"۔

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے والد حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ تھے، اور ان پر طعن کرنے کا بیان یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو غزوہ موتہ میں امیر بنا کر بھیجا تھا اور وہ وہاں پر شہید ہو گئے تھے، اور آپ نے فرمایا کہ "زید بن حارثہ امارت کے لائق اور مستحق تھے اور وہ لوگوں میں سب سے زیادہ مجھے محبوب تھے"، اور پھر فرمایا کہ "بے شک یہ یعنی حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ، حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے بعد مجھے سب سے زیادہ عزیز ہیں"۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی امارت پر لوگ اس وجہ سے طعن کرتے تھے کہ وہ غلام تھے اور کہتے تھے کہ غلام کو ہم پر امیر بنا دیا گیا ہے۔ اور جن لوگوں نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی امارت پر طعن کیا تھا ان میں حضرت عیاش بن ابی ربیعہ مخزومی تھے اور وہ فضلاء صحابہ میں سے تھے۔

امیر پر طعن کرنے کی وجہ سے اس کو معزول نہ کرنے کی توجیہ

اہلِ کوفہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی امامت پر اعتراض کیا کہ یہ صحیح طریقہ سے نماز نہیں پڑھاتے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو امامت سے معزول کر دیا اور ان کے خلاف تحقیق کی اور تحقیق سے ثابت ہو گیا کہ اہلِ کوفہ کی شکایت غلط تھی اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ صحیح طریقہ سے نماز پڑھاتے تھے۔

اب یہاں پر یہ اعتراض ہے کہ جب حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی امارت پر طعن کیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو معزول نہیں کیا، سو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو کیوں معزول کر دیا تھا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے متعلق اتنا وسیع علم نہیں تھا جتنا وسیع علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے متعلق تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۳۸۸۔۳۸۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۳۴۔ بَابٌ: الْأَلَدِّ الْخَصِمِ وَهُوَ الدَّائِمُ فِي الْخُصُومَةِ

اس شخص کا بیان جو ہمیشہ لڑتا جھگڑتا رہے

لُدًّا (مریم: ۹۷) عُوجًا۔ "لُدًّا" اس کا معنی ہے جو ٹیڑھا ہو یا حق سے منحرف ہو۔

اَلَدُّ: اعوج اور "الدّ" اس کا معنی ہے: جو زیادہ ٹیڑھا ہو اور حق سے زیادہ منحرف ہو۔

بابِ مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

''اَلَدّ'' کا لفظ ''لدد'' سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے: ٹیڑھا پن اور حق سے منحرف ہونا، اور اس کی اصل ''اللدید'' ہے، اور یہ وادی کی ایک جانب کو کہتے ہیں، اور منہ کی جانب پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ اور اسی سے ''اللدود'' ماخوذ ہے یعنی منہ کی ایک جانب میں دوائی کو ٹپکانا۔ امام بخاری کا ارادہ یہ ہے کہ یہ بیان کریں کہ ''عوج'' یعنی ٹیڑھا ہونا، اس کا استعمال جس طرح معانی میں ہوتا ہے اسی طرح اس کا استعمال اعیان میں بھی ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ۝ (مریم:۹۷)

ہم نے اس قرآن کو آپ کی زبان میں آسان کر دیا ہے تا کہ آپ اس سے متقین کو بشارت دیں اور جھگڑالو قوم کو اس سے ڈرائیں O

محمد بن کعب سے روایت ہے کہ ''الد'' کا معنی ہے ''الکذاب'' گویا کہ ان کا ارادہ یہ ہے کہ جو بہت زیادہ جھگڑا کرتا ہے تو وہ جھوٹ بولنے میں مبتلاء ہو جاتا ہے۔ اور امام ابو عبید نے ''قوما لدا'' کی تفسیر میں کہا ہے: اس کا واحد ''اَلَدّ'' ہے اور یہ وہ شخص ہے جس کا دعویٰ باطل ہے اور وہ حق کو قبول نہیں کرتا۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۳۵۹۔۳۶۰، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۱۸۸۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ ابْنِ جُرَيْجٍ سَمِعْتُ ابْنَ أَبِي مُلَيْكَةَ يُحَدِّثُ عَنْ عَائِشَةَ رضى الله عنها قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم أَبْغَضُ الرِّجَالِ إِلَى اللهِ الْأَلَدُّ الْخَصِمُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ بن سعید نے حدیث بیان کی از ابن جریج، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن ابی ملیکہ سے سنا وہ حدیث بیان کرتے ہیں از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے مبغوض مرد وہ ہے جو ''الد الخصم'' ہو یعنی سخت جھگڑالو ہو۔

(صحیح البخاری: ۲۴۵۷، ۴۵۲۳، ۷۱۸۸، صحیح مسلم: ۲۶۶۸، سنن ترمذی: ۲۹۷۶، سنن نسائی: ۵۴۲۳، منداحمد: ۲۳۸۲۲)

۳۵۔ بَابٌ إِذَا قَضَى الْحَاكِمُ بِجَوْرٍ أَوْ خِلَافِ أَهْلِ الْعِلْمِ فَهُوَ رَدٌّ

جب حاکم ظالمانہ فیصلہ کرے یا اہلِ علم کی مخالفت کرے تو اس کا فیصلہ مردود ہے

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب حاکم ظالمانہ فیصلہ کرے یا ایسا فیصلہ کرے جس میں اہلِ علم کی مخالفت ہو تو اس کا وہ فیصلہ مردود ہے، اگر اس نے وہ فیصلہ اجتہاد اور تاویل سے کیا جیسا کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کیا تھا جس طرح کہ اس باب کی حدیث میں آئے گا تو اس سے گناہ ساقط ہو جائے گا اور عام اہلِ علم کے نزدیک اس پر ضمانت لازم ہوگی، مگر اس میں ان کا اختلاف

ہے، پس ایک جماعت نے کہا: جب حاکم نے کسی کو قتل کرنے کے فیصلہ کا حکم دیا اور اس میں خطاء کی یا کسی کو زخمی کرنے کا فیصلہ کیا تو اس کی دیت بیت المال سے ادا کی جائے گی، اسی طرح ثوری اور امام ابوحنیفہ اور امام احمد اور اسحاق کے نزدیک ہے، اور اوزاعی، امام ابو یوسف، امام محمد اور امام شافعی کے نزدیک اس کی دیت امام کے عاقلہ پر ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۳۹۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۱۸۹۔ حَدَّثَنَا مَحْمُودٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ بَعَثَ النَّبِيُّ ﷺ خَالِدًا ح و حَدَّثَنِي أَبُو عَبْدِ اللهِ نُعَيْمُ بْنُ حَمَّادٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ بَعَثَ النَّبِيُّ ﷺ خَالِدَ بْنَ الْوَلِيدِ إِلَى بَنِي جَذِيمَةَ فَلَمْ يُحْسِنُوا أَنْ يَقُولُوا أَسْلَمْنَا فَقَالُوا صَبَأْنَا صَبَأْنَا فَجَعَلَ خَالِدٌ يَقْتُلُ وَيَأْسِرُ وَدَفَعَ إِلَى كُلِّ رَجُلٍ مِنَّا أَسِيرَهُ فَأَمَرَ كُلَّ رَجُلٍ مِنَّا أَنْ يَقْتُلَ أَسِيرَهُ فَقُلْتُ وَاللهِ لَا أَقْتُلُ أَسِيرِي وَلَا يَقْتُلُ رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِي أَسِيرَهُ فَذَكَرْنَا ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ اللَّهُمَّ إِنِّي أَبْرَأُ إِلَيْكَ مِمَّا صَنَعَ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ مَرَّتَيْنِ۔

(صحیح البخاری: ۴۳۳۹، ۷۱۸۹، سنن نسائی: ۵۴۰۵، مسند احمد: ۶۳۴۶)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمود نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الرزاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از الزہری از سالم از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بھیجا ح اور مجھے ابو عبد اللہ نعیم بن حماد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از الزہری از سالم از والد خود، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بنو جذیمہ کی طرف بھیجا، پس وہ لوگ اچھی طرح یہ نہ کہہ سکے کہ ہم اسلام لائے، انہوں نے کہا: ہم نے دین بدل لیا، ہم نے دین بدل لیا، پس حضرت خالد رضی اللہ عنہ ان کو قتل کرنے لگے اور ان کو قید کرنے لگے، اور ہم میں سے ہر شخص کے حوالے اس کا قیدی کر دیا، پھر ہم میں سے ہر شخص کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنے قیدی کو قتل کر دے، تو میں نے کہا: اللہ کی قسم! میں اپنے قیدی کو قتل نہیں کروں گا، اور نہ میرے اصحاب میں سے کوئی شخص اپنے قیدی کو قتل کرے گا، پھر ہم نے نبی ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے دو مرتبہ فرمایا: اے اللہ! میں تیری طرف اس کام سے بری ہوتا ہوں جو خالد بن ولید نے کیا ہے۔

صحیح البخاری: ۷۱۸۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے فعل سے نبی ﷺ کے اظہارِ براءت کی توجیہ

بنو جذیمہ کے لوگوں نے کہا تھا: ہم نے دین بدل لیا، تو چاہیے تھا کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ان سے پوچھتے کہ تمہاری اس سے

کیا مراد ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے بنوجذیمہ کے قتل کرنے سے براءت کا اظہار فرمایا، اس میں یہ اشارہ ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اپنے فیصلہ میں خطاء کی، اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور ان کے متبعین کا فعل صحیح تھا جنہوں نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی متابعت میں ان کو قتل کرنے سے احتراز کیا۔

علامہ خطابی نے کہا ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے فعل سے اظہارِ براءت کرنے اور ان کو عتاب نہ کرنے میں حکمت یہ ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ مجتہد تھے اور آپ نے اظہارِ براءت اس لیے کیا تا کہ کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے یہ فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے کیا ہے اور تا کہ دوسرے لوگ اس فعل کو کرنے سے باز رہیں۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ اگر چہ گناہ مجتہد سے ساقط ہو گیا لیکن اہلِ علم کی جماعت کے نزدیک ان کے اوپر ضمانت لازم تھی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۳۹۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۳۶۔ بَابُ: الْإِمَامِ يَأْتِي قَوْمًا فَيُصْلِحُ بَيْنَهُمْ

سربراہِ ملک کا لوگوں کے درمیان صلح کرانے کے لیے ان کے پاس جانا

۷۱۹۰۔ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ حَدَّثَنَا أَبُو حَازِمٍ الْمَدَنِيُّ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ قَالَ كَانَ قِتَالٌ بَيْنَ بَنِي عَمْرٍو فَبَلَغَ ذَلِكَ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم فَصَلَّى الظُّهْرَ ثُمَّ أَتَاهُمْ يُصْلِحُ بَيْنَهُمْ فَلَمَّا حَضَرَتْ صَلَاةُ الْعَصْرِ فَأَذَّنَ بِلَالٌ وَأَقَامَ وَأَمَرَ أَبَا بَكْرٍ فَتَقَدَّمَ وَجَاءَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم وَأَبُو بَكْرٍ فِي الصَّلَاةِ فَشَقَّ النَّاسَ حَتَّى قَامَ خَلْفَ أَبِي بَكْرٍ فَتَقَدَّمَ فِي الصَّفِّ الَّذِي يَلِيهِ قَالَ وَصَفَّحَ الْقَوْمُ وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ إِذَا دَخَلَ فِي الصَّلَاةِ لَمْ يَلْتَفِتْ حَتَّى يَفْرُغَ فَلَمَّا رَأَى التَّصْفِيحَ لَا يُمْسَكُ عَلَيْهِ الْتَفَتَ فَرَأَى النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم خَلْفَهُ فَأَوْمَأَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بِيَدِهِ أَنِ امْضِهْ وَأَوْمَأَ بِيَدِهِ هَكَذَا وَلَبِثَ أَبُو بَكْرٍ هُنَيَّةً يَحْمَدُ اللهَ عَلَى قَوْلِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم ثُمَّ مَشَى الْقَهْقَرَى فَلَمَّا رَأَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم ذَلِكَ تَقَدَّمَ فَصَلَّى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بِالنَّاسِ فَلَمَّا قَضَى صَلَاتَهُ قَالَ يَا أَبَا بَكْرٍ مَا مَنَعَكَ إِذْ أَوْمَأْتُ إِلَيْكَ أَنْ لَا تَكُونَ مَضَيْتَ قَالَ لَمْ يَكُنْ لِابْنِ أَبِي قُحَافَةَ أَنْ يَؤُمَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم وَقَالَ لِلْقَوْمِ إِذَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو النعمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو حازم المدنی نے حدیث بیان کی از حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ بنو عمرو کے درمیان لڑائی ہو گئی، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ خبر پہنچی، آپ نے ظہر کی نماز پڑھائی، پھر آپ ان کے درمیان صلح کرانے کے لیے گئے، جب عصر کی نماز کا وقت آ گیا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی اور اقامت کہی اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ نماز پڑھائیں، پس حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھانے کے لیے آگے بڑھ گئے، (اس اثناء میں) نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے، اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے تھے، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو چیرتے ہوئے گئے حتیٰ کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے کھڑے ہو گئے، پس آپ اس صف میں کھڑے ہو گئے جو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے قریب تھی اور لوگوں نے تالیاں بجانی شروع کیں اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ جب نماز میں داخل ہو جاتے تو ادھر ادھر التفات نہیں کرتے تھے حتیٰ کہ نماز سے فارغ ہو جائیں، پس جب انہوں نے دیکھا، کہ تالیاں بجانے کا سلسلہ موقوف نہیں ہوا تو

رَابَكُمْ أَمْرٌ فَلْيُسَبِّحِ الرِّجَالُ وَلْيُصَفِّحِ النِّسَاءُ

انہوں نے مڑ کر دیکھا پس انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پیچھے کھڑا ہوا دیکھا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کیا کہ وہ نماز پڑھاتے رہیں اور اپنے ہاتھ سے اس طرح اشارہ کیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھوڑی دیر ٹھہرے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر اللہ تعالیٰ کی حمد کی، پھر الٹے پاؤں چلے، پس جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھا تو آپ آگے بڑھ گئے اور آپ نے لوگوں کو نماز پڑھائی، جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا: اے ابوبکر! جب میں نے تمہاری طرف اشارہ کیا تھا (کہ تم نماز پڑھاتے رہو) تو تمہیں کس چیز نے روکا کہ تم نماز پڑھاتے رہتے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ابوقحافہ کے بیٹے کے لیے یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو امامت کراتا، اور آپ نے قوم سے فرمایا: جب تمہیں (نماز میں) کوئی چیز اچانک پیش آجائے تو مرد سبحان اللہ کہیں اور عورتیں تالی بجائیں۔

(صحیح البخاری: ۶۸۴، ۱۲۰۱، ۱۲۰۴، ۱۲۱۸، ۱۲۳۴، ۲۶۹۰، ۲۶۹۳، ۷۱۹۰، صحیح مسلم: ۴۲۱، سنن نسائی: ۷۹۳، سنن ابوداؤد: ۹۴۰، مسند احمد: ۲۲۳۴۴، موطا امام مالک: ۳۹۲)

صحیح البخاری: ۷۱۹۰، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خلیفہ ہونے کی دلیل اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تواضع کا بیان

اس حدیث کو امام ابوداؤد نے از عمرو بن عوف از حماد روایت کیا ہے اور اس میں یہ مذکور ہے کہ "پھر آپ بنو عمرو بن عوف کے درمیان صلح کرانے کے لیے گئے تو آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے کہا: اگر عصر کی نماز کا وقت آجائے اور میں تمہارے پاس نہ آؤں تو تم ابوبکر سے کہنا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں"۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب کوئی امام کسی جگہ نماز پڑھانے کے لیے مقرر ہو اور وہ عارضی طور پر کہیں جائے اور دوسری نماز تک اس کا آنا متوقع نہ ہو تو وہ کسی دوسرے شخص کو امام مقرر کر کے جائے، اور چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ تم ابوبکر سے کہنا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، تو اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ جانتے تھے کہ آپ کے بعد امامت کے مستحق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور اس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی بھی دلیل ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ کہا کہ "ابوقحافہ کے بیٹے کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امام ہو جاتا"۔ یہ نہیں کہا کہ میرے لیے یہ ممکن نہیں تھا، یہ ان کی تواضع ہے اور عرب ایسے موقع پر اپنا ذکر نہیں کرتے، اپنی کنیت کا ذکر کرتے ہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب مملکت میں کچھ لوگ آپس میں لڑیں تو سربراہِ ملک کو ان کے درمیان صلح کرانے کے لیے

جانا چاہیے۔

نیز اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کی آواز بھی عورت ہے، اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امام کو متنبہ کرنے کے لیے عورتوں سے فرمایا کہ وہ تالی بجائیں اور سبحان اللہ نہ کہیں۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۳۶۱، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۳۷۔ بَابٌ: يُسْتَحَبُّ لِلْكَاتِبِ أَنْ يَكُونَ أَمِينًا عَاقِلًا

کاتب کے امین اور عقل مند ہونے کا استحباب

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس شخص کو کسی فیصلہ کے لکھنے کا حکم دیا جائے اس کا امین ہونا مستحب ہے تا کہ وہ اپنے لکھنے میں اپنی ذاتی خواہش سے بعید ہو، اور وہ لکھنے کی اتنی اجرت لے جتنی اجرت دستور کے مطابق دی جاتی ہے۔ اور اس کو عقل مند ہونا چاہیے، وہ غافل نہ ہو اور کم عقل نہ ہو، کیونکہ غافل اور کم عقل لوگوں کے حقوق کو ضائع کر دے گا۔ امام شافعی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ قاضی کے کاتب کو عقل مند ہونا چاہیے، تا کہ اس کو دھوکا نہ دیا جائے اور اس کو فقیہ ہونا چاہیے تا کہ وہ جہالت سے کوئی غلط چیز نہ لکھ دے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۳۹۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۱۹۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدِ اللهِ أَبُو ثَابِتٍ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ بْنِ السَّبَّاقِ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ بَعَثَ إِلَيَّ أَبُو بَكْرٍ لِمَقْتَلِ أَهْلِ الْيَمَامَةِ وَعِنْدَهُ عُمَرُ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ إِنَّ عُمَرَ أَتَانِي فَقَالَ إِنَّ الْقَتْلَ قَدِ اسْتَحَرَّ يَوْمَ الْيَمَامَةِ بِقُرَّاءِ الْقُرْآنِ وَإِنِّي أَخْشَى أَنْ يَسْتَحِرَّ الْقَتْلُ بِقُرَّاءِ الْقُرْآنِ فِي الْمَوَاطِنِ كُلِّهَا فَيَذْهَبَ قُرْآنٌ كَثِيرٌ وَإِنِّي أَرَى أَنْ تَأْمُرَ بِجَمْعِ الْقُرْآنِ قُلْتُ كَيْفَ أَفْعَلُ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ عُمَرُ هُوَ وَاللهِ خَيْرٌ فَلَمْ يَزَلْ عُمَرُ يُرَاجِعُنِي فِي ذَلِكَ حَتَّى شَرَحَ اللهُ صَدْرِي لِلَّذِي شَرَحَ لَهُ صَدْرَ عُمَرَ وَرَأَيْتُ فِي ذَلِكَ الَّذِي رَأَى عُمَرُ قَالَ زَيْدٌ قَالَ أَبُو بَكْرٍ وَإِنَّكَ رَجُلٌ شَابٌّ عَاقِلٌ لَا نَتَّهِمُكَ قَدْ كُنْتَ تَكْتُبُ الْوَحْيَ لِرَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَتَتَبَّعِ الْقُرْآنَ فَاجْمَعْهُ قَالَ زَيْدٌ فَوَاللهِ لَوْ كَلَّفَنِي

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن عبید اللہ ابو ثابت نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم بن سعد نے حدیث بیان کی از ابن شہاب از عبید بن السباق از حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ جب اہلِ یمامہ سے جنگ میں مسلمان شہید ہو گئے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مجھے بلوایا اور ان کے پاس حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے، پس حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: بے شک حضرت عمر رضی اللہ عنہ میرے پاس آئے ہیں، پس انہوں نے کہا کہ جنگ یمامہ کے دن بہت زیادہ مسلمان قرآن کے قاری شہید ہو گئے، اور مجھے یہ خطرہ ہے کہ دوسری جنگوں میں بھی اسی طرح قرآن کے پڑھنے والے شہید کیے جائیں گے اور قرآن کا اکثر حصہ ہمارے پاس سے نکل جائے گا، اور میری رائے یہ ہے کہ آپ قرآن مجید کو جمع کرنے کا حکم دیں، میں نے کہا: میں کیسے وہ کام کروں جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! وہ کام خیر ہے،

نَقْلَ جَبَلٍ مِنَ الْجِبَالِ مَا كَانَ بِأَثْقَلَ عَلَيَّ مِمَّا كَلَّفَنِي مِنْ جَمْعِ الْقُرْآنِ قُلْتُ كَيْفَ تَفْعَلَانِ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ أَبُو بَكْرٍ هُوَ وَاللهِ خَيْرٌ فَلَمْ يَزَلْ يَحُثُّ مُرَاجَعَتِي حَتَّى شَرَحَ اللهُ صَدْرِي لِلَّذِي شَرَحَ اللهُ لَهُ صَدْرَ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ وَرَأَيْتُ فِي ذَلِكَ الَّذِي رَأَيَا فَتَتَبَّعْتُ الْقُرْآنَ أَجْمَعُهُ مِنَ الْعُسُبِ وَالرِّقَاعِ وَاللِّخَافِ وَصُدُورِ الرِّجَالِ فَوَجَدْتُ فِي آخِرِ سُورَةِ التَّوْبَةِ ﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ﴾ إِلَى آخِرِهَا مَعَ خُزَيْمَةَ أَوْ أَبِي خُزَيْمَةَ فَأَلْحَقْتُهَا فِي سُورَتِهَا وَكَانَتِ الصُّحُفُ عِنْدَ أَبِي بَكْرٍ حَيَاتَهُ حَتَّى تَوَفَّاهُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ ثُمَّ عِنْدَ عُمَرَ حَيَاتَهُ حَتَّى تَوَفَّاهُ اللهُ ثُمَّ عِنْدَ حَفْصَةَ بِنْتِ عُمَرَ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدِ اللهِ اللِّخَافُ يَعْنِي الْخَزَفَ۔

(صحیح البخاری:٧١٩١،٤٦٧٩، سنن ترمذی:٣١٠٣، مسند احمد:٧٧)

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلسل مجھ سے یہ بات کہتے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے میرا بھی سینہ اس کام کے لیے کھول دیا جس کام کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا سینہ کھولا تھا، اور میری بھی رائے اس میں وہی ہوگئی جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے تھی، حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کہا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم جوان آدمی ہو، عقل مند ہو، ہم تم پر کوئی تہمت نہیں لگاتے اور تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وحی کو لکھتے تھے، پس تم قرآن مجید کو تلاش کرو اور اس کو جمع کرو، حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کہا: پس اللہ کی قسم! اگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مجھے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ کو منتقل کرنے کا حکم دیتے تو وہ مجھ پر اتنا دشوار اور بھاری نہ ہوتا جتنا مجھ پر یہ دشوار تھا کہ انہوں نے مجھے قرآن مجید کو جمع کرنے کا مکلف کیا، میں نے کہا: آپ دونوں وہ کام کیسے کر رہے ہیں جس کام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! اس کام میں خیر ہے، پھر وہ مسلسل مجھ سے یہی کہتے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ بھی اس کام کے لیے کھول دیا جس کام کے لیے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا سینہ کھولا تھا، اور میری بھی اس میں وہی رائے ہوگئی، پس میں نے قرآن مجید کو تلاش کیا اور اس کو درخت کی چھالوں سے اور چمڑے کے ٹکڑوں سے اور سنگِ مرمر کے پتھروں سے اور لوگوں کے سینوں سے تلاش کیا، پس میں نے سورۂ توبہ کی آخری آیت:

''بے شک تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک عظیم رسول آگئے ہیں تمہارا مشقت میں پڑنا ان پر بہت شاق ہے، تمہاری فلاح پر وہ بہت حریص ہیں، مومنوں پر بہت شفیق اور نہایت مہربان ہیں O''

(التوبہ:١٢٨)

حضرت خزیمہ یا ابوخزیمہ کے پاس پائی، تو میں نے اس آیت کو اس سورت کے ساتھ ملا دیا، اور یہ صحیفے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس ان کی حیات تک رہے حتیٰ کہ اللہ عزوجل نے ان کو وفات دے

دی، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ان کی حیات تک رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو وفات دے دی، پھر یہ صحیفے حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما کے پاس رہے۔

محمد بن عبید اللہ نے کہا: "لخاف" کا معنی ہے ٹھیکرے۔

صحیح البخاری: ۷۱۹۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی بابِ مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت حدیث کے اس جملہ میں ہے "بے شک تم جوان مرد ہو، عقل مند ہو، ہم تم کو تہمت نہیں لگاتے"۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "الیمامۃ" یہ نیلی آنکھوں والی لڑکی تھی جو تین دن کی مسافت سے سوار کو دیکھ لیتی تھی، اور یمن کے شہر اس کی طرف منسوب تھے اور اسی شہر میں مسیلمہ کذاب کا قتل ہوا، اور اس جنگ میں سات سو (۷۰۰) قرآن کے قاری شہید ہو گئے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ کام خیر ہے"۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ ان کا یہ کام اس سے کیسے خیر ہو گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہیں تھا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ان کے زمانہ کے اعتبار سے یہ خیر ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس کام کو ترک کرنا اس لیے خیر تھا کہ اس وقت تک قرآن مجید کا پورا نزول نہیں ہوا تھا، اور یہ احتمال تھا کہ بعض احکام منسوخ ہوتے رہتے ہیں، پس اگر قرآن مجید کو دو گتوں کے درمیان جمع کر دیا جاتا اور سوار اس کو ایک شہر سے دوسرے شہر تک لے جاتے، پھر کچھ احکام منسوخ ہوتے تو اس سے اختلافِ عظیم ہوتا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "العسب" یہ کھجور کے درخت کی چھال ہے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "الرقاع" اس کا معنی ہے: چمڑے کے ٹکڑے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "اللخاف" یہ لخفۃ کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے سنگِ مرمر، اور ایک قول ہے کہ ٹھیکرے۔

ایک تعارض کا جواب

جمع القرآن کے باب میں یہ حدیث گزری ہے کہ جو آیت حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کے پاس سے ملی تھی، وہ یہ تھی: "مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ۔۔۔۔ (الاحزاب: ۲۳)" اور یہاں مذکور ہے کہ حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کے پاس سے جو آیت ملی وہ یہ تھی "لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ۔۔۔۔ (التوبہ: ۱۲۸)"۔

اس کا یہ جواب ہے کہ توبہ کی آیت اس وقت ملی جب وہ قرآن مجید کو کھجور کے درخت کی چھال سے صحیفوں کی طرف نقل کر رہے

تھے، اور الاحزاب کی آیت اس وقت ملی جب وہ قرآن مجید کی آیت کو صحیفہ سے مصحف کی طرف نقل کر رہے تھے۔

جمع قرآن پر متعدد سوالات کے جوابات

یہاں پر دوسرا سوال یہ ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اس آیت کو قرآن کے ساتھ کیسے ملا دیا حالانکہ قرآن مجید کی شرط تواتر ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت تو ان کو پہلے سے معلوم تھی کہ یہ قرآن ہے، لیکن حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ اور کسی کے پاس یہ آیت لکھی ہوئی نہیں تھی۔

پھر ایک سوال یہ ہے کہ جب قرآن مجید ان کو تواتر سے معلوم تھا تو پھر قرآن مجید کی آیات کو کیوں تلاش کر رہے تھے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ وہ مزید تقویت کے لیے ایسا کر رہے تھے، خاص طور پر اس لیے کہ قرآن مجید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لکھا گیا تھا اور اس لیے تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس میں کوئی اور قراءت تو نہیں ہے۔

ایک اور سوال یہ ہے کہ جب قرآن مجید حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے حکم سے ان کے زمانہ میں جمع کیا گیا تو پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جامع القرآن کیوں کہا جاتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ وہ صحیفہ ان تمام لغات پر مشتمل تھا جن لغات پر قرآن مجید نازل ہوا تھا، پھر کوئی شخص ایک آیت کو ایک لغت کے مطابق پڑھتا اور دوسرے شخص کو وہ آیت دوسری لغت کے مطابق یاد ہوتی، تو وہ اس کی تغلیط کرتا، اس وقت حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ اس سے پہلے کہ یہ امت اپنی کتاب میں ایک دوسرے کی مخالفت کریں، آپ اس کا تدارک کرلیں، تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لغتِ قریش کو خاص کرلیا، اور اسی مصحف کو تمام لوگوں کی طرف بھیج دیا، اور حقیقت میں قرآن مجید کو ان کی سورتوں اور آیات کے حوالہ سے جمع کرنے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، آپ نے قرآن مجید کو اللہ کی وحی کے مطابق جمع کیا تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۳۹۳۔ ۳۹۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۳۸۔ بَابُ: كِتَابِ الْحَاكِمِ إِلَى عُمَّالِهِ وَالْقَاضِي إِلَى أُمَنَائِهِ

حاکم کا اپنے عُمّال کی طرف اور قاضی کا اپنے نائبین کی طرف مکتوب لکھنا

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حاکم کا اپنے عُمّال کی طرف مکتوب لکھنا جائز ہے، عُمّال، عامل کی جمع ہے اور یہ وہ شخص ہے جس کو حاکم شہر کے اوپر شہر کا خراج یا زکوۃ جمع کرنے کے لیے منصب پر فائز کرتا ہے، یا نماز پڑھانے کے لیے، یا دشمن کے خلاف جہاد کرنے کے لیے اس کو مقرر کرتا ہے۔

اور امام بخاری نے اس عنوان میں کہا: قاضی کا اپنے ''اُمَنَاء'' کی طرف مکتوب لکھنا، اُمَنَاء، امین کی جمع ہے اور یہ وہ شخص ہے جس کو قاضی لوگوں کے اموال ضبط کرنے کے لیے مقرر کرتا ہے مثلاً ٹیکس وغیرہ، اور گواہوں کے حصول کے لیے مقرر کرتا

ہے۔(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۳۹۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۱۹۲۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِي لَيْلَى ح حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ أَبِي لَيْلَى بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَهْلٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ هُوَ وَرِجَالٌ مِنْ كُبَرَاءِ قَوْمِهِ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ سَهْلٍ وَمُحَيِّصَةَ خَرَجَا إِلَى خَيْبَرَ مِنْ جَهْدٍ أَصَابَهُمْ فَأُخْبِرَ مُحَيِّصَةُ أَنَّ عَبْدَ اللهِ قُتِلَ وَطُرِحَ فِي فَقِيرٍ أَوْ عَيْنٍ فَأَتَى يَهُودَ فَقَالَ أَنْتُمْ وَاللهِ قَتَلْتُمُوهُ قَالُوا مَا قَتَلْنَاهُ وَاللهِ ثُمَّ أَقْبَلَ حَتَّى قَدِمَ عَلَى قَوْمِهِ فَذَكَرَ لَهُمْ وَأَقْبَلَ هُوَ وَأَخُوهُ حُوَيِّصَةُ وَهُوَ أَكْبَرُ مِنْهُ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ سَهْلٍ فَذَهَبَ لِيَتَكَلَّمَ وَهُوَ الَّذِي كَانَ بِخَيْبَرَ فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم لِمُحَيِّصَةَ كَبِّرْ كَبِّرْ يُرِيدُ السِّنَّ فَتَكَلَّمَ حُوَيِّصَةُ ثُمَّ تَكَلَّمَ مُحَيِّصَةُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِمَّا أَنْ يَدُوا صَاحِبَكُمْ وَإِمَّا أَنْ يُؤْذِنُوا بِحَرْبٍ فَكَتَبَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِلَيْهِمْ بِهِ فَكُتِبَ مَا قَتَلْنَاهُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم لِحُوَيِّصَةَ وَمُحَيِّصَةَ وَعَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَتَحْلِفُونَ وَتَسْتَحِقُّونَ دَمَ صَاحِبِكُمْ قَالُوا لَا قَالَ أَفَتَحْلِفُ لَكُمْ يَهُودُ قَالُوا لَيْسُوا بِمُسْلِمِينَ فَوَدَاهُ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم مِنْ عِنْدِهِ مِائَةَ نَاقَةٍ حَتَّى أُدْخِلَتِ الدَّارَ قَالَ سَهْلٌ فَرَكَضَتْنِي مِنْهَا نَاقَةٌ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مالک نے خبر دی از ابی لیلیٰ ح اور ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے مالک نے حدیث بیان کی از ابی لیلیٰ بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن سہل از سہل بن حثمہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ان کو عبدالرحمٰن بن سہل نے اور ان کی قوم کے بڑے بڑے لوگوں نے خبر دی کہ حضرت عبداللہ بن سہل اور حضرت محیصہ رضی اللہ عنہما دونوں خیبر کی طرف اپنی اس مشقت میں نکلے جو ان کو پہنچی تھی، پس حضرت محیصہ رضی اللہ عنہ کو یہ خبر دی گئی کہ بے شک حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا گیا، اور ان کی لاش کو ایک کنویں یا ایک چشمہ میں پھینک دیا گیا، پھر وہ یہود کے پاس گئے، پس ان سے کہا: اللہ کی قسم! بے شک تم لوگوں نے اس کو قتل کیا ہے، انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! ہم نے اس کو قتل نہیں کیا، پھر وہ اپنی قوم کے پاس آئے اور ان کے سامنے یہ بیان کیا، اور وہ اور ان کے بھائی حویصہ جو ان سے بڑے تھے، وہ آئے اور حضرت عبدالرحمٰن بن سہل، پس وہ بات کرنے لگے جو کچھ خیبر میں ہوا تھا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت محیصہ رضی اللہ عنہ سے کہا: بڑے کو بولنے دو، بڑے کو بولنے دو، آپ کی مراد تھی جو عمر میں بڑا ہو، پس حویصہ نے بات کی، پھر محیصہ نے بات کی، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یا تو تم اپنے صاحب کی دیت ادا کرو، اور یا اعلانِ جنگ قبول کرلو، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ان کی طرف لکھا، پس ان کی طرف سے لکھا گیا کہ ہم نے اس کو قتل نہیں کیا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حویصہ اور محیصہ اور حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہم سے کہا: کیا تم قسم کھاؤ گے اور اپنے صاحب کے خون کے مستحق ہو جاؤ گے؟ انہوں نے کہا: نہیں! آپ نے فرمایا: کیا پھر یہود تمہارے لیے قسم کھائیں گے؟ انہوں نے کہا: وہ مسلمان نہیں ہیں، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاس

سے سو (۱۰۰) اونٹ دیت ادا کر دی، حتیٰ کہ وہ اونٹنیاں گھر میں داخل کر دی گئیں، حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے کہا: ان میں سے ایک اونٹنی نے مجھے لات ماری تھی۔

(صحیح البخاری: ۳۱۷۳، صحیح مسلم: ۱۶۶۹، سنن نسائی: ۴۷۱۴، سنن ترمذی: ۱۴۲۲، سنن ابوداؤد: ۴۵۲۱، سنن ابن ماجہ: ۲۶۷۷، مسند احمد: ۱۶۸۲۵، موطا امام مالک: ۱۶۳۱)

صحیح البخاری: ۷۱۹۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھا''، یعنی اہلِ خیبر کی طرف لکھا۔

علامہ کرمانی نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تینوں پر قسم کو پیش کیا، حالانکہ قسم خصوصاً وارث کے لیے ہوتی ہے اور وہ عبداللہ تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ معلوم تھا کہ قسم انہی کے ساتھ خاص ہے، آپ نے یہ خطاب ان سب کے لیے عام رکھا، کیونکہ آپ ان کے مشورہ کے بغیر کوئی کام نہیں کرتے تھے، کیونکہ آپ بہ منزلہ والد تھے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاس سے ان کی دیت ادا کر دی''۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جھگڑے کو ختم کرنے کے لیے اپنے پاس سے دیت ادا کی تھی، ورنہ ان کا استحقاق ثابت نہیں ہوا تھا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۳۹۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۳۹۔ بَابٌ: هَلْ يَجُوزُ لِلْحَاكِمِ أَنْ يَبْعَثَ رَجُلًا وَحْدَهُ لِلنَّظَرِ فِي الْأُمُورِ؟

کیا حاکم کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ کسی ایک شخص کو معاملہ کی چھان بین کے لیے بھیجے؟

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ کیا حاکم کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ کسی ایک مرد کو مسلمانوں کے معاملات کی تحقیق اور چھان بین کے لیے بھیجے؟ امام بخاری نے اس عنوان کا جواب ذکر نہیں کیا، کیونکہ حدیث مذکور سے اس کا جواب ظاہر ہو جاتا ہے۔

حاکم کے کسی ایک شخص کو تفتیش کے لیے بھیجنے کے متعلق اقوالِ فقہاء

امام محمد بن الحسن الشیبانی کے نزدیک قاضی کے لیے یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ فلاں شخص نے میرے سامنے فلاں چیز کا اقرار کیا ہے، اور محض قاضی کے اس قول کی وجہ سے کسی شخص کے خلاف قتل کا، یا مال کا، یا غلام آزاد کرنے کا، یا طلاق کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا حتیٰ کہ کوئی اور شخص بھی قاضی کے علاوہ اس کی شہادت دے۔ اور اس باب کی حدیث میں جو اس کے خلاف مذکور ہے، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے۔

نیز امام محمد بن حسن نے کہا: قاضی کی مجلس میں ہمیشہ دو عادل اور نیک شخص ہونے چاہئیں جو اس کو سنیں کہ کون اقرار کر رہا ہے اور کون اس پر شہادت دے رہا ہے، پھر دو گواہوں کی شہادت سے حکم نافذ کر دیا جائے گا۔

اور امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف نے کہا: جب قاضی کے سامنے کوئی شخص کسی بھی چیز کا اقرار کر لے تو قاضی کے لیے جائز ہے کہ اس کے مطابق حکم دے۔

اور علامہ ابن القاسم مالکی نے امام مالک کے مذہب کے مطابق کہا: اگر قاضی عادل اور نیک ہو تو اس کا حکم نافذ کر دیا جائے گا، اور امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔ اور علامہ ابن القاسم نے کہا: اگر قاضی عادل اور نیک نہ ہو تو اس کا قول قبول نہیں کیا جائے گا۔

اور علامہ المہلب مالکی نے کہا: اس باب کی حدیث میں امام مالک کی حجت ہے کہ قاضی کسی ایک مرد کو بھیج سکتا ہے جس پر اس کو اعتماد ہو، اور وہ اس کے لیے گواہوں کی چھان بین کرے۔ اور انہوں نے کہا: اس حدیث سے ایک قوم نے اس پر استدلال کیا ہے کہ قاضی کا حکم نافذ کر دیا جائے گا، جب کہ محکوم علیہ کی طرف کوئی عذر نہ ہو، انہوں نے کہا کہ یہ شرط کچھ نہیں ہے، کیونکہ اعذار کی شرط اس وقت ہوتی ہے جب کہ حکم گواہی سے ثابت ہو نہ کہ اقرار کے ساتھ جیسا کہ اس حدیث میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر وہ عورت زنا کا اعتراف کرلے تو اس کو رجم کر دینا''۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۳۹۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۱۹۳، ۷۱۹۴۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَزَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ قَالَا جَاءَ أَعْرَابِيٌّ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ اقْضِ بَيْنَنَا بِكِتَابِ اللهِ فَقَامَ خَصْمُهُ فَقَالَ صَدَقَ فَاقْضِ بَيْنَنَا بِكِتَابِ اللهِ فَقَالَ الْأَعْرَابِيُّ إِنَّ ابْنِي كَانَ عَسِيفًا عَلَى هَذَا فَزَنَى بِامْرَأَتِهِ فَقَالُوا لِي عَلَى ابْنِكَ الرَّجْمُ فَفَدَيْتُ ابْنِي مِنْهُ بِمِائَةٍ مِنَ الْغَنَمِ وَوَلِيدَةٍ ثُمَّ سَأَلْتُ أَهْلَ الْعِلْمِ فَقَالُوا إِنَّمَا عَلَى ابْنِكَ جَلْدُ مِائَةٍ وَتَغْرِيبُ عَامٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم لَأَقْضِيَنَّ بَيْنَكُمَا بِكِتَابِ اللهِ أَمَّا الْوَلِيدَةُ وَالْغَنَمُ فَرَدٌّ عَلَيْكَ وَعَلَى ابْنِكَ جَلْدُ مِائَةٍ وَتَغْرِيبُ عَامٍ وَأَمَّا أَنْتَ يَا أُنَيْسُ لِرَجُلٍ فَاغْدُ عَلَى امْرَأَةِ هَذَا فَارْجُمْهَا فَغَدَا عَلَيْهَا أُنَيْسٌ فَرَجَمَهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن ابی ذئب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الزہری نے حدیث بیان کی از عبید اللہ بن عبداللہ از حضرت ابوہریرہ اور زید بن خالد الجہنی رضی اللہ عنہما، وہ دونوں بیان کرتے ہیں کہ ایک اعرابی آیا، پس اس نے کہا: یا رسول اللہ! ہمارے درمیان اللہ کی کتاب سے فیصلہ کیجئے، پس اس کا مخالف کھڑا ہوا، اس نے کہا: اس نے سچ کہا، ہمارے درمیان اللہ کی کتاب سے فیصلہ کیجئے، پس اعرابی نے کہا: بے شک میرا بیٹا اس شخص کے ہاں مزدور تھا، اس نے اس کی بیوی سے زنا کیا تو لوگوں نے مجھ سے کہا: تمہارے بیٹے کو رجم کیا جائے گا، پس میں نے اپنے بیٹے کی طرف سے ایک سو بکریاں اور ایک باندی کفارہ میں دے دی، پھر میں نے اہلِ علم سے سوال کیا تو انہوں نے کہا: تمہارے بیٹے پر سو کوڑے مارے جائیں گے اور ایک سال کے لیے شہر بدر کیا جائے گا، تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ضرور تم دونوں کے درمیان کتاب اللہ سے فیصلہ کروں گا، رہی باندی اور بکریاں تو وہ تم کو واپس دی جائیں گی، اور تمہارے بیٹے کو

سوکوڑے مارے جائیں گے اور ایک سال کے لیے شہر بدر کیا جائے گا، اور آپ نے ایک مرد سے فرمایا: اے اُنیس! تم صبح اس آدمی کی عورت کے پاس جاؤ اور اس کو رجم کردو، پھر صبح کو حضرت اُنیس رضی اللہ عنہ اس عورت کے پاس گئے اور اس کو رجم کر دیا۔

(صحیح البخاری: ۲۳۱۴، ۲۶۴۹، ۲۶۹۶، ۲۷۲۵، ۶۶۳۴، ۶۸۲۸، ۶۸۳۱، ۶۸۳۶، ۶۸۴۳، ۶۸۶۰، ۷۱۹۴، ۷۲۵۹، ۷۲۷۹، ۲۳۱۵، صحیح مسلم: ۱۶۹۸، سنن ترمذی: ۱۴۳۳، سنن نسائی: ۵۴۱۱، سنن ابوداؤد: ۴۴۴۵، سنن ابن ماجہ: ۲۵۴۹، مسند احمد: ۱۶۵۹۴)

صحیح البخاری: ۷۱۹۳، ۷۱۹۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت حدیث کے اس جملہ میں ہے "اے اُنیس! اس عورت کے پاس صبح جاؤ"۔

اس حدیث میں اُنیس کا ذکر ہے، یہ حضرت انس بن الضحاک الاسلمی رضی اللہ عنہ کی تصغیر ہے، اور وہ عورت اسلمیہ تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس کو رجم کر دینا" یعنی اگر وہ زنا کا اعتراف کرے تو اس کو رجم کر دینا، دیگر تمام روایات میں اس کی تصریح کی گئی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۳۹۶۔۳۹۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۰۔ بَابُ: تَرْجَمَةِ الْحُكَّامِ وَهَلْ يَجُوزُ تَرْجُمَانٌ وَاحِدٌ؟

حکام کا ترجمان کو رکھنا، اور کیا ایک ترجمان کافی ہے؟

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حاکم کے لیے ترجمان کو رکھنا جائز ہے۔ ترجمان سے مراد وہ ہے جو کسی اور کی لغت کی اپنی لغت کے ساتھ تفسیر کرے۔

امام بخاری نے عنوان میں کہا "کیا ایک ترجمان کافی ہے؟" اس کو بطور استفہام اس لیے ذکر کیا ہے کہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔

پس امام ابوحنیفہ اور امام احمد کے نزدیک ایک ترجمان بھی کافی ہے، اور یہ امام بخاری اور علامہ ابن المنذر اور دوسرے فقہاء کا مختار ہے، اور امام شافعی اور امام احمد کا صحیح قول یہ ہے کہ جب حاکم مخالف کی زبان اور لغت کو نہ پہچانتا ہو تو اس میں دو عادل لوگوں کا قول قبول کیا جائے گا جیسا کہ شہادت میں ہوتا ہے۔

اور اشہب اور ابن نافع نے امام مالک سے روایت کی ہے، اور ابن حبیب نے مطرف اور ابن الماجیشون سے روایت کی ہے کہ جب قاضی کے پاس کوئی ایسا شخص مقدمہ پیش کرے جو عربی زبان میں کلام نہ کرتا ہو اور نہ عربی زبان کو سمجھتا ہو تو اس کے لیے کوئی معتمد مسلمان ترجمانی کرے، اور میرے نزدیک دو کا ہونا مستحب ہے، اور عورت بھی کافی ہے، اور کافر کی ترجمانی قبول نہیں کی جائے

گی۔اور عورت کی شرط اس کے نزدیک ہے جو یہ کہتا ہے کہ ترجمان عادل ہونا چاہیے،اور اس کی ترجمانی جائز نہیں ہے جس کی شہادت جائز نہ ہو۔(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۳۹۷،دارالکتب العلمیہ،بیروت،۱۴۲۱ھ)

۷۱۹۵۔ وَقَالَ خَارِجَةُ بْنُ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَمَرَهُ أَنْ يَتَعَلَّمَ كِتَابَ الْيَهُودِ حَتَّى كَتَبْتُ لِلنَّبِيِّ ﷺ كُتُبَهُ وَأَقْرَأْتُهُ كُتُبَهُمْ إِذَا كَتَبُوا إِلَيْهِ۔

اور خارجہ بن زید بن ثابت نے بیان کی از حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ وہ یہود سے کتابت سیکھیں،حتیٰ کہ میں نے (یہودیوں کے لیے) نبی ﷺ کے خطوط کو لکھا اور ان کے مکتوبات نبی ﷺ کو پڑھ کر سنائے جب انہوں نے نبی ﷺ کی طرف وہ لکھے۔

صحیح البخاری: ۷۱۹۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ،اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ تعلیق ان احادیث میں سے ہے جن کو امام بخاری نے صرف بطورِ تعلیق ذکر کیا ہے،اور امام بخاری نے اس تعلیق کو سندِ موصول کے ساتھ کتاب التاریخ میں روایت کیا ہے از اسماعیل بن ابی اویس، وہ بیان کرتے ہیں مجھے عبدالرحمٰن بن ابی الزناد نے حدیث بیان کی از والدِ خود از خارجہ بن زید بن ثابت۔۔۔الحدیث۔

اس تعلیق میں مذکور ہے ''کتاب الیہود'' یعنی یہود کی کتابت اور ان کا طرزِ تحریر۔

بابِ مذکور کی دوسری تعلیق

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

وَقَالَ عُمَرُ وَعِنْدَهُ عَلِيٌّ وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ وَعُثْمَانُ مَاذَا تَقُولُ هَذِهِ قَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ حَاطِبٍ فَقُلْتُ تُخْبِرُكَ بِصَاحِبِهَا الَّذِي صَنَعَ بِهَا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا اور اس وقت ان کے پاس حضرت علی، حضرت عبدالرحمٰن اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم بھی تھے کہ یہ باندی کیا کہتی ہے؟ تو عبدالرحمٰن بن حاطب نے بیان کیا، پس میں نے کہا: یہ آپ کو اس آدمی کی خبر دیتی ہے جس نے اس کے ساتھ زنا کیا ہے۔

تعلیقِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ عینی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا، اور اس وقت ان کے پاس حضرت علی بن ابی طالب، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہم بھی موجود تھے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ یہ عورت جو ان کے سامنے حاضر تھی، یہ کیا کہتی ہے؟ تو عبدالرحمٰن بن حاطب بن ابی بلتعہ نے اس عورت کی طرف سے ترجمانی کرتے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: یہ عورت اس آدمی کی خبر دیتی ہے جس نے اس کے ساتھ زنا کیا ہے، اس عورت کا نام ''نُوبِيَّة'' تھا، اور یہ حضرت حاطب کی آزاد کردہ باندیوں میں سے تھی، اس نے زنا کیا اور یہ حاملہ ہوگئی تو اس نے اقرار کیا کہ یہ حمل ایک یرغوس نامی غلام سے ہے جس نے دو درہم کے عوض اس سے

زنا کیا۔اس تعلیق کو امام عبدالرزاق نے سندِ موصول کے ساتھ روایت کیا ہے۔

بابِ مذکور کی تیسری تعلیق

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

وَقَالَ أَبُو جَمْرَةَ كُنْتُ أُتَرْجِمُ بَيْنَ ابْنِ عَبَّاسٍ وَبَيْنَ النَّاسِ۔ اور ابو جمرہ نے کہا: میں حضرت ابن عباس اور لوگوں کے درمیان ترجمانی کرتا تھا۔

علامہ عینی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

ابو جمرہ کا نام نصر بن عمران ضبعی البصری ہے۔امام نسائی نے اس میں یہ اضافہ کیا ہے کہ ابو جمرہ کے پاس ایک عورت آئی اور ان سے مٹکے میں بنے ہوئے نبیذ کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے اس سے منع کیا۔۔۔۔الحدیث۔

بابِ مذکور کی چوتھی تعلیق

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ لَا بُدَّ لِلْحَاكِمِ مِنْ مُتَرْجِمَيْنِ۔ اور بعض لوگوں نے کہا: حاکم کے لیے دو ترجمان ضروری ہیں۔

علامہ عینی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ کرمانی نے بیان کیا کہ علامہ مغلطائی المصری نے کہا کہ بعض لوگوں (بعض الناس) سے مراد امام شافعی ہیں، اور اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو یہ کہتے ہیں کہ جب امام بخاری بعض الناس کہتے ہیں تو اس سے ان کی مراد ابو حنیفہ ہوتی ہے، پھر علامہ کرمانی نے کہا: میں کہتا ہوں: ان کی غرض یہ ہے کہ زیادہ تر امام بخاری جب بعض الناس کہتے ہیں تو اس سے مراد امام ابو حنیفہ ہوتے ہیں، یا جس مقام پر وہ امام ابو حنیفہ پر طعن و تشنیع کرنا چاہیں یا ان کی مذمت کرنا چاہیں تو پھر وہ بعض الناس کہتے ہیں۔اور یہاں پر امام بخاری کی مراد بعض حنفیہ ہیں، کیونکہ محمد بن حسن شیبانی نے بھی کہا ہے کہ حاکم کے لیے دو ترجمان ضروری ہیں، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جائے گا کہ امام شافعی بھی اس کے قائل ہیں، لیکن امام بخاری کی مقصود بالذات امام محمد بن حسن شیبانی ہیں۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: سبحان اللہ! یہ کیسا باطل تعصب ہے جس نے ان کو اس خرابی میں مبتلاء کیا، کرمانی نے تو حیاء کی چادر اتار دی اور یہ کہا کہ جس جگہ پر امام بخاری طعن و تشنیع کرنا چاہیں یا برا حال بیان کرنا چاہیں تو اس وقت وہ بعض الناس سے مراد امام ابو حنیفہ لیتے ہیں۔اور طعن و تشنیع اور برا حال تو اس شخص کا ہے جو ائمہ کبار کے متعلق زبان درازی کرتا ہے، جو اسلام میں سابق ہیں، اور ان کا دین قوی ہے اور علم بہت زیادہ ہے، اور بہت متقی ہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے قریب ہیں، اس کے باوجود کرمانی نے اس کو وثوق سے نہیں کہا کہ بخاری کی مراد بعض الناس سے امام ابو حنیفہ ہیں اور محمد بن حسن ہیں، جب کہ امام شافعی نے بھی اسی طرح کہا ہے، اور اگر امام شافعی اس طرح کہیں تو اس سے ان کی ذات میں کوئی کمی نہیں ہے، نہ ان کے بلند مرتبہ میں کوئی کمی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۳۹۸۔۳۹۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۷۱۹۵، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ترجمان کے تقرر کے متعلق فقہاء کے اقوال

جب عجمی لوگ سربراہِ ملک کی طرف کوئی مقدمہ پیش کریں تو ان کی ترجمانی کے لیے کسی ترجمان کا تقرر جائز ہے، پس علامہ اشہب نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ ایک ثقہ مرد کا بطورِ ترجمان تقرر کرنا جائز ہے، اور کہا: دو ترجمان کا مقرر کرنا میرے نزدیک مستحب ہے، اور کسی ایک عورت کو بھی بطورِ ترجمان مقرر کرنا جائز ہے اور دو کو مقرر کرنا مستحب ہے، اور غلام کی ترجمانی کو قبول نہیں کیا جائے گا۔

اور امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف نے ایک مرد اور ایک عورت کو بطورِ ترجمان مقرر کرنا جائز قرار دیا ہے اور غلام کی ترجمانی ان کے نزدیک بھی جائز نہیں ہے۔

اور امام محمد بن حسن نے کہا کہ ترجمانی کے لیے دو مردوں کا ہونا ضروری ہے یا ایک مرد کا اور دو عورتوں کا، اور امام شافعی نے کہا: دو مردوں کا ترجمان ہونا ضروری ہے۔

جن فقہاء نے کہا کہ ایک مرد کا ترجمان ہونا جائز ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ترجمان تھے اور وہ واحد تھے، اور ابو جمرہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ترجمان تھے اور وہ بھی واحد تھے، اور حضرت عبد اللہ بن سلام نے آیتِ رجم کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تورات کی ترجمانی کی تو آپ نے اس کو جائز قرار دیا، اور نیز ہرقل کا ترجمان جو قریش کے لیے تھا وہ بھی واحد تھا۔

اور فقہاءِ احناف کی دلیل یہ ہے کہ ترجمانی بطورِ شہادت ہوتی ہے اور شہادت میں دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ضروری ہیں تو اسی طرح ترجمانی میں بھی ضروری ہیں۔ (شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۸ ص ۲۱۱۔ ۲۱۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۷۱۹۶۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ أَبَا سُفْيَانَ بْنَ حَرْبٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ هِرَقْلَ أَرْسَلَ إِلَيْهِ فِي رَكْبٍ مِنْ قُرَيْشٍ ثُمَّ قَالَ لِتَرْجُمَانِهِ قُلْ لَهُمْ إِنِّي سَائِلٌ هَذَا فَإِنْ كَذَبَنِي فَكَذِّبُوهُ فَذَكَرَ الْحَدِيثَ فَقَالَ لِلتُّرْجُمَانِ قُلْ لَهُ إِنْ كَانَ مَا تَقُولُ حَقًّا فَسَيَمْلِكُ مَوْضِعَ قَدَمَيَّ هَاتَيْنِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے عبید اللہ بن عبد اللہ نے خبر دی کہ بے شک حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کو خبر دی کہ حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ نے ان کو خبر دی کہ بے شک ہرقل نے ان کو قریش کی ایک جماعت کے ساتھ بلایا، پھر ہرقل نے اپنے ترجمان سے کہا: ان سے کہو کہ میں اس شخص کے متعلق سوال کروں گا، پس اگر یہ مجھ سے جھوٹ بولے تو تم اس کو جھوٹا کہنا، پھر پوری حدیث ذکر کی، پھر ترجمان سے کہا: اس سے کہو کہ اگر جو کچھ تم نے

کہا ہے وہ حق ہے تو وہ عنقریب میرے ان دو قدموں کی جگہ کے مالک ہو جائیں گے۔

(صحیح البخاری: ۷، ۵۱، ۲۶۸۱، ۲۸۰۴، ۲۹۴۱، ۲۹۷۸، ۳۱۷۴، ۴۵۵۳، ۵۹۸۰، ۶۲۶۰، ۷۱۹۶، ۷۵۴۱، صحیح مسلم: ۱۷۷۳، سنن ترمذی: ۲۷۱۷، سنن ابوداؤد: ۵۱۳۶، مسند احمد: ۲۳۶۶)

صحیح البخاری: ۷۱۹۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ کرمانی نے امام بخاری پر اعتراض کیا ہے کہ امام بخاری نے حاکم کا عنوان میں ذکر کیا ہے اور اس حدیث میں کسی حکم کا بیان نہیں ہے، اور جو دلائل قائم کیے ہیں وہ عنوان کے خلاف ہیں۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ امام بخاری کی غرض صرف یہ ہے کہ حاکم کے لیے ایک ترجمان ہوتا ہے، اور اس حدیث سے یہ ثابت ہے کہ ہرقل کا ایک ترجمان تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۳۹۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۱۔ باب: مُحَاسَبَةِ الْإِمَامِ عُمَّالَهُ

سربراہِ ملک کا اپنے عاملین سے حساب لینا

۷۱۹۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ أَخْبَرَنَا عَبْدَةُ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اسْتَعْمَلَ ابْنَ الْأُتْبِيَّةِ عَلَى صَدَقَاتِ بَنِي سُلَيْمٍ فَلَمَّا جَاءَ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ وَحَاسَبَهُ قَالَ هَذَا الَّذِي لَكُمْ وَهَذِهِ هَدِيَّةٌ أُهْدِيَتْ لِي فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَهَلَّا جَلَسْتَ فِي بَيْتِ أَبِيكَ وَبَيْتِ أُمِّكَ حَتَّى تَأْتِيَكَ هَدِيَّتُكَ إِنْ كُنْتَ صَادِقًا ثُمَّ قَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَخَطَبَ النَّاسَ وَحَمِدَ اللهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ أَمَّا بَعْدُ فَإِنِّي أَسْتَعْمِلُ رِجَالًا مِنْكُمْ عَلَى أُمُورٍ مِمَّا وَلَّانِي اللهُ فَيَأْتِي أَحَدُكُمْ فَيَقُولُ هَذَا لَكُمْ وَهَذِهِ هَدِيَّةٌ أُهْدِيَتْ لِي فَهَلَّا جَلَسَ فِي بَيْتِ أَبِيهِ وَبَيْتِ أُمِّهِ حَتَّى تَأْتِيَهُ هَدِيَّتُهُ إِنْ كَانَ صَادِقًا فَوَاللهِ لَا يَأْخُذُ أَحَدُكُمْ مِنْهَا شَيْئًا قَالَ هِشَامٌ بِغَيْرِ حَقِّهِ إِلَّا جَاءَ اللهَ يَحْمِلُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَلَا فَلَأَعْرِفَنَّ مَا جَاءَ اللهَ رَجُلٌ بِبَعِيرٍ لَهُ رُغَاءٌ أَوْ بِبَقَرَةٍ لَهَا خُوَارٌ أَوْ شَاةٍ تَيْعَرُ ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى رَأَيْتُ بَيَاضَ إِبْطَيْهِ أَلَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام بن عروہ نے حدیث بیان کی از والد خود از حضرت ابوحمید الساعدی، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک نبی ﷺ نے ابن الاُتبیہ کو بنو سلیم کے صدقات وصول کرنے پر عامل مقرر کیا، پس جب وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور آپ نے ان سے حساب لیا تو انہوں نے کہا: یہ وہ مال ہے جو آپ کے لیے ہے اور یہ وہ مال ہے جو مجھے بطورِ ہدیہ دیا گیا ہے، پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "پس کیوں نہ تم اپنے باپ کے گھر میں بیٹھ گئے اور اپنی ماں کے گھر میں بیٹھ جاتے حتیٰ کہ تمہارے پاس تمہارے ہدیہ آتے اگر تم سچے ہو؟" پھر رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے، پس آپ نے لوگوں کو خطبہ دیا اور اللہ عزوجل کی حمد و ثناء کی، پھر آپ نے فرمایا: حمد و صلوٰۃ کے بعد، میں تم میں سے چند مردوں کو چند مناصب پر عامل بناتا ہوں جن کا اللہ تعالیٰ نے مجھے والی بنایا ہے، پھر تم میں سے ایک شخص آکر یہ کہتا ہے کہ یہ مال تمہارے لیے ہے اور یہ مال مجھے ہدیہ دیا گیا ہے، پس کیوں نہ وہ

هَلْ بَلَّغْتُ۔

اپنے باپ کے گھر میں اور اپنی ماں کے گھر میں بیٹھا حتیٰ کہ اس کے پاس ہدایا آتے اگر وہ سچا ہے تو؟ پس اللہ کی قسم! تم میں سے کوئی شخص بھی اس میں سے کوئی چیز بھی نہیں لے گا، ہشام نے کہا: ناحق نہیں لے گا مگر وہ اللہ تعالیٰ کے پاس قیامت کے دن اس چیز کو اٹھائے ہوئے آئے گا، سنو! پس میں ہرگز نہ پہچانوں کہ اللہ کے پاس کوئی مرد بڑبڑاتے ہوئے اونٹ کو اٹھائے ہوئے آیا ہو، یا ڈکراتی ہوئی گائے کو اٹھائے ہوئے لایا ہو، یا ممیاتی بکری کو اٹھا کر لایا ہو، پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو بلند کیا حتیٰ کہ میں نے آپ کی بغلوں کی سفیدی کو دیکھا، پھر آپ نے فرمایا: سنو! کیا میں نے تبلیغ کر دی ہے؟

(صحیح البخاری: ۹۲۵، ۱۵۰۰، ۲۵۹۷، ۶۶۳۶، ۶۹۷۹، ۷۱۷۴، ۷۱۹۷، صحیح مسلم: ۱۸۳۲، سنن ابوداؤد: ۲۹۴۶، مسند احمد: ۲۳۰۸۷، سنن دارمی: ۱۶۶۹)

صحیح البخاری: ۷۱۹۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں ابن الاتبیۃ مذکور ہے اور ان کو ابن اللتبیۃ کہا جاتا ہے، ہمزہ کے بجائے لام ہے، اور ان کا نام عبداللہ ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۴۰۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۲۔ بَابُ: بِطَانَةِ الْإِمَامِ وَأَهْلِ مَشُوْرَتِهِ

سربراہِ مُلک کے مشیر اور اہلِ مشورہ

الْبِطَانَةُ: الدُّخَلَاءُ

''البِطانة'' کا معنی ہے: کسی رئیس کے پاس اس کی خلوت میں داخل ہونے والے، یعنی رازدار۔

بابِ مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

''بطانة'' کے معنی کا بیان

''بِطانة'' کا معنی ہے: جس شخص کے ساتھ اپنے معاملات میں مشورہ کیا جائے۔ امام بخاری نے کہا ہے: ''البطانة'' کا معنی ہے: الدخلاء، یعنی کسی شخص کے رازدار۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَأْلُوْنَكُمْ خَبَالًا۔

غیروں کو اپنا رازدار نہ بناؤ، وہ تمہاری بربادی میں کوئی کسر نہیں چھوڑیں گے۔ (آل عمران: ۱۱۸)

امام ابوعبیدہ نے کہا ہے: ''البِطانة'' کا معنی ہے ''الدخلاء'' یعنی رازدار، اور ''خبال'' کا معنی ہے: شر۔

دُخلاء، دخیل کی جمع ہے اور یہ وہ شخص ہے جو رئیس کے پاس اس کی خلوت کی جگہ میں آئے، جس کو رئیس اپنے راز کی باتیں بتائے، رئیس کے اوپر اپنے عوام کے جو امور مخفی ہوں تو وہ شخص رئیس کو وہ مخفی امور بتائے، اور رئیس سے ان کے تقاضے پر عمل کرائے۔ اور رئیس اس کی خبروں کی تصدیق کرے۔

امام ابوداؤد نے المراسیل میں عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی حسین سے روایت کی ہے کہ ایک مرد نے عرض کیا: یارسول اللہ! احتیاط کیسے ہوگی؟ آپ نے فرمایا: تم کسی عقل والے سے مشورہ کرو، پھر اس کے حکم پر عمل کرو۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۳۶۶۔۳۶۷، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

۷۱۹۸۔ حَدَّثَنَا أَصْبَغُ أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَا بَعَثَ اللهُ مِنْ نَبِيٍّ وَلَا اسْتَخْلَفَ مِنْ خَلِيفَةٍ إِلَّا كَانَتْ لَهُ بِطَانَتَانِ بِطَانَةٌ تَأْمُرُهُ بِالْمَعْرُوفِ وَتَحُضُّهُ عَلَيْهِ وَبِطَانَةٌ تَأْمُرُهُ بِالشَّرِّ وَتَحُضُّهُ عَلَيْهِ فَالْمَعْصُومُ مَنْ عَصَمَ اللهُ تَعَالَى وَقَالَ سُلَيْمَانُ عَنْ يَحْيَى أَخْبَرَنِي ابْنُ شِهَابٍ بِهَذَا وَعَنِ ابْنِ أَبِي عَتِيقٍ وَمُوسَى عَنِ ابْنِ شِهَابٍ مِثْلَهُ وَقَالَ شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ حَدَّثَنِي أَبُو سَلَمَةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَوْلَهُ وَقَالَ الْأَوْزَاعِيُّ وَمُعَاوِيَةُ بْنُ سَلَّامٍ حَدَّثَنِي الزُّهْرِيُّ حَدَّثَنِي أَبُو سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ وَقَالَ ابْنُ أَبِي حُسَيْنٍ وَسَعِيدُ بْنُ زِيَادٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَوْلَهُ وَقَالَ عُبَيْدُ اللهِ بْنُ أَبِي جَعْفَرٍ حَدَّثَنِي صَفْوَانُ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي أَيُّوبَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ۔

(صحیح البخاری: ۶۶۱۱، ۷۱۹۸، سنن نسائی: ۴۲۰۲، مسند احمد: ۱۰۹۴۹)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اصبغ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن وہب نے خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے یونس نے خبر دی از ابن شہاب از ابوسلمہ از حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جو نبی بھیجا اور جس کو خلیفہ بنایا، اس کے لیے دو مشیر ہوتے ہیں، ایک وہ مشیر ہے جو اس کو نیکی کا حکم دیتا ہے اور نیکی پر برانگیختہ کرتا ہے، دوسرا وہ مشیر ہے جو اس کو برائی کا حکم دیتا ہے اور برائی پر برانگیختہ کرتا ہے، پس معصوم وہ ہے جس کی اللہ تعالیٰ حفاظت کرے۔

اور سلیمان نے کہا از یحییٰ: مجھے ابن شہاب نے اس کی خبر دی، اور از ابن ابی عتیق اور موسیٰ از ابن شہاب اسی کی مثل روایت ہے، اور شعیب نے کہا از الزہری: مجھے ابوسلمہ نے حدیث بیان کی از ابوسعید اس قول کی، اور الاوزاعی اور معاویہ بن سلام نے کہا: مجھے زہری نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابوسلمہ نے حدیث بیان کی از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ، اور ابن ابی حسین نے اور سعید بن زیاد نے کہا از ابی سلمہ از ابی سعید اس قول کی۔ اور عبیداللہ بن ابی جعفر نے کہا: مجھے صفوان نے حدیث بیان کی از ابی سلمہ از ابی ایوب، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے نبی ﷺ سے سنا۔

صحیح البخاری: ۷۱۹۸، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

''بطانة'' کے متعدد معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ہر نبی کے دو مشیر ہوتے ہیں، ایک خیر کا مشورہ دینے والا اور ایک شر کا مشورہ دینے والا، لیکن یہ لازم نہیں آتا کہ نبی شر کے مشورہ دینے والے کی بات کو قبول کریں، دوسرا قول یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں دو مشیروں سے مراد فرشتہ اور شیطان ہیں، اور اسی کی طرف صحیح مسلم کی اس حدیث کا اشارہ ہے کہ ''میرا جو بطانۃ شر ہے، اللہ تعالیٰ نے میری اس پر مدد فرمائی، پس وہ مسلمان ہو گیا اور وہ مجھے خیر کے سوا کوئی بات نہیں کہتا''۔

علامہ ابن التین نے از اشہب روایت کی ہے کہ حاکم کے لیے چاہیے کہ وہ ایسا مشیر مقرر کرے جو تنہائی میں لوگوں کی خبریں اس تک پہنچائے لیکن وہ مشیر ثقہ، مامون اور عقل مند ہونا چاہیے، کیونکہ حاکم پر اس وقت مصیبت آتی ہے جب وہ ان لوگوں کا قول قبول کر لیتا ہے جو غیر معتمد ہوتے ہیں اور جب وہ مشیر معتمد ہو تو پھر اس پر لازم ہے کہ وہ اس کے مشورہ کو قبول کرے۔

اور اس باب کی حدیث کے معنی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے جو شخص کسی منصب پر فائز ہو، پس اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ خیر کا ارادہ کرے تو اس کے لیے ایسا وزیر مہیا کرتا ہے جو صالح ہو، نیک ہو، اگر وہ بھول جائے تو وزیر اس کو یاد دلاتا ہے، اور اگر اس کو یاد ہو تو اس کی مدد کرتا ہے۔

علامہ ابن التین نے کہا: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دو بطانۃ سے مراد دو وزیر ہوں، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد فرشتہ اور شیطان ہو۔ علامہ الکرمانی نے کہا: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دو بطانۃ سے مراد نفسِ امارہ بالسوء ہو، اور نفسِ لوّامہ ہو جو خیر کی ترغیب دیتا ہو، کیونکہ ان میں سے ہر ایک کے لیے ایک قوتِ ملکیہ ہوتی ہے اور ایک قوتِ حیوانیہ ہوتی ہے۔ اور ان تمام معانی پر محمول کرنا زیادہ بہتر ہے اور المحب الطبری نے کہا: ''البطانۃ'' اولیاء اور اصفیاء ہیں۔

اس حدیث میں ارشاد ہے ''معصوم وہ ہے جس کی اللہ حفاظت کرے'' یعنی نہ کہ وہ جس کی انسان خود حفاظت کرے۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۳۶۶-۳۶۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۴۳- بَابٌ: كَيْفَ يُبَايِعُ الْإِمَامُ النَّاسَ
امام کے لوگوں کو بیعت کرنے کی کیفیت

بابِ مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

بیعت کی کیفیت سے مراد قول ہے نہ کہ فعل، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ جو احادیث ذکر کی گئی ہیں ان میں احکام سننے اور اطاعت کرنے پر بیعت کا ذکر ہے، اور ہجرت پر بیعت کرنے کا ذکر ہے، اور جہاد پر بیعت کرنے کا ذکر ہے، اور صبر پر بیعت کرنے کا ذکر ہے، اور میدانِ جہاد سے نہ بھاگنے پر بیعت کرنے کا ذکر ہے، اور عورتوں کی بیعت کا ذکر ہے اور اسلام پر بیعت کا ذکر ہے۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۳۷۰، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۱۹۹- حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عُبَادَةُ بْنُ الْوَلِيدِ أَخْبَرَنِي أَبِي

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ بَايَعْنَا رَسُولَ اللهِ ﷺ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي الْمَنْشَطِ وَالْمَكْرَهِ۔
(صحیح البخاری: ۷۰۵۶، ۷۲۰۰، صحیح مسلم: ۱۷۰۹)

بیان کی از یحییٰ بن سعید، وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے عبادہ بن الولید نے خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے خبر دی از حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے خوشی اور ناخوشی میں احکام سننے اور اطاعت کرنے پر بیعت کی۔

صحیح البخاری: ۷۱۹۹، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی شرح کتاب الفتن کے اوائل میں گزر چکی ہے۔

۷۲۰۰۔ وَأَنْ لَا نُنَازِعَ الْأَمْرَ أَهْلَهُ وَأَنْ نَقُومَ أَوْ نَقُولَ بِالْحَقِّ حَيْثُمَا كُنَّا لَا نَخَافُ فِي اللهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ۔
(صحیح البخاری: ۷۰۵۶، ۷۲۰۰، صحیح مسلم: ۱۷۰۹)

اور اس پر بیعت کی کہ ہم حاکم سے اس کی حکومت میں جھگڑا نہیں کریں گے اور حق جہاں بھی ہو ہم اس کے لیے کھڑے ہوں گے یا اس کے لیے بات کریں گے، اور ہم اللہ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔

۷۲۰۱۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ عَنْ أَنَسٍ رضی الله عنه خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ فِي غَدَاةٍ بَارِدَةٍ وَالْمُهَاجِرُونَ وَالْأَنْصَارُ يَحْفِرُونَ الْخَنْدَقَ فَقَالَ

اللّٰهُمَّ إِنَّ الْخَيْرَ خَيْرُ الْآخِرَةْ
فَاغْفِرْ لِلْأَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرَةْ

فَأَجَابُوا

نَحْنُ الَّذِينَ بَايَعُوا مُحَمَّدَا
عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِينَا أَبَدَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمرو بن علی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں خالد بن الحارث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حمید نے حدیث بیان کی از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ایک سرد صبح میں باہر نکلے اور مہاجرین اور انصار خندق کھود رہے تھے تو آپ نے کہا:

اے اللہ! بے شک خیر آخرت کی خیر ہے
پس تو انصار اور مہاجرین کی مغفرت فرما

تو انہوں نے جواب میں کہا:

ہم وہ ہیں جنہوں نے (سیدنا) محمد (ﷺ) سے بیعت کی
جہاد پر جب تک ہم باقی رہیں گے

(صحیح البخاری: ۲۸۳۴، ۲۸۳۵، ۲۹۶۱، ۳۷۹۵، ۳۷۹۶، ۴۰۹۹، ۴۱۰۰، ۶۴۱۳، ۷۲۰۱، صحیح مسلم: ۱۸۰۵، سنن ترمذی: ۳۸۵۷، مسند احمد: ۱۲۵۳۹)

اس حدیث کی شرح کتاب المغازی میں غزوۂ خندق کے باب میں گزر چکی ہے۔

۷۲۰۲۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما قَالَ كُنَّا إِذَا بَايَعْنَا رَسُولَ اللهِ ﷺ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ يَقُولُ لَنَا فِيمَا اسْتَطَعْتُمْ۔

بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از عبداللہ بن دینار از حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ جب ہم رسول اللہ ﷺ سے احکام کے سننے اور اطاعت کرنے پر بیعت کرتے تو آپ ہم سے فرماتے جن کاموں میں تم طاقت رکھو۔

(صحیح مسلم: ۱۸۶۷، سنن ترمذی: ۱۵۹۳، سنن نسائی: ۴۱۸۸، سنن ابوداؤد: ۲۹۴۰، مسند احمد: ۶۲۰۷، موطا امام مالک: ۱۸۴۱)

اس سے پہلے احکام کو مطلقاً سننے اور اطاعت کرنے کا ذکر تھا، اور اس حدیث میں یہ قید ہے کہ طاقت کے مطابق احکام سنیں گے اور اطاعت کریں گے، اور جہاں مطلقاً احکام سننے اور اطاعت کرنے کا ذکر کیا گیا ہے، وہاں پر بھی یہ قید معتبر ہوگی۔

۷۲۰۳۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ سُفْيَانَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ دِينَارٍ قَالَ شَهِدْتُ ابْنَ عُمَرَ حَيْثُ اجْتَمَعَ النَّاسُ عَلَى عَبْدِ الْمَلِكِ قَالَ كَتَبَ إِنِّي أُقِرُّ بِالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ لِعَبْدِ اللهِ عَبْدِ الْمَلِكِ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى سُنَّةِ اللهِ وَسُنَّةِ رَسُولِهِ مَا اسْتَطَعْتُ وَإِنَّ بَنِيَّ قَدْ أَقَرُّوا بِمِثْلِ ذَلِكَ۔

(صحیح البخاری: ۷۲۰۵، ۷۲۷۲، موطا امام مالک: ۱۸۴۳)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از سفیان، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ بن دینار نے حدیث بیان کی، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس اس وقت حاضر ہوا جب لوگ عبدالملک کی بیعت پر جمع تھے، تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: (انہوں نے) لکھا کہ میں عبداللہ عبدالملک امیر المومنین کے احکام سننے اور اطاعت کرنے کا اقرار کرتا ہوں، اللہ کی سنت پر اور اس کے رسول کی سنت پر جتنی بھی طاقت رکھوں اور بے شک میرے بیٹے بھی اسی کی مثل کا اقرار کرتے ہیں۔

۷۲۰۴۔ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ أَخْبَرَنَا سَيَّارٌ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ بَايَعْتُ النَّبِيَّ ﷺ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فَلَقَّنَنِي فِيمَا اسْتَطَعْتُ وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ۔

(صحیح مسلم: ۵۶، سنن نسائی: ۴۱۵۷، مسند احمد: ۱۸۷۴۳)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یعقوب بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہُشیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سیار نے خبر دی از الشعبی از حضرت جریر بن عبداللہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے احکام سننے اور اطاعت کرنے پر بیعت کی تو آپ نے مجھے تلقین فرمائی: جتنی میں طاقت رکھوں، اور ہر مسلمان کی خیر خواہی کرنے پر بیعت کی۔

۷۲۰۵۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ سُفْيَانَ قَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ دِينَارٍ قَالَ لَمَّا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمرو بن علی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان

يَا أَيُّهَا النَّاسُ عَبْدَ الْمَلِكِ كَتَبَ إِلَيْهِ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ إِلَى عَبْدِ اللهِ عَبْدِ الْمَلِكِ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ إِنِّي أُقِرُّ بِالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ لِعَبْدِ اللهِ عَبْدِ الْمَلِكِ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى سُنَّةِ اللهِ وَسُنَّةِ رَسُولِهِ فِيمَا اسْتَطَعْتُ وَإِنَّ بَنِيَّ قَدْ أَقَرُّوا بِذَلِكَ۔

(صحیح البخاری: ۷۲۰۵، ۷۲۷۲، موطاامام مالک: ۱۸۴۳)

کی از سفیان، وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے عبداللہ بن دینار نے حدیث بیان کی، انہوں نے بیان کیا کہ جب لوگوں نے عبدالملک کی بیعت کی تو اس کی طرف حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے لکھا کہ یہ مکتوب عبداللہ عبدالملک امیر المومنین کی طرف ہے، بے شک میں عبداللہ عبدالملک امیر المومنین کے احکام کے سننے اور اطاعت کرنے کا اقرار کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کی سنت پر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت پر جتنی میں طاقت رکھوں، اور بے شک میرے بیٹے بھی اس کا اقرار کرتے ہیں۔

صحیح البخاری: ۷۲۰۳، ۷۲۰۴، ۷۲۰۵، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی عبدالملک بن مروان سے بتدریج بیعت کے مراحل

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''جب لوگ عبدالملک بن مروان کی بیعت پر مجتمع ہو گئے'' کیونکہ اس سے پہلے اختلاف تھا اور اس وقت دو حکمران تھے اور ان میں سے ہر ایک خلیفہ ہونے کا دعویٰ کرتا تھا، اور وہ عبدالملک بن مروان اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما تھے۔

پس رہے حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما، وہ مکہ میں جا کر مقیم ہو گئے تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد بیت اللہ کی پناہ میں تھے، اور انہوں نے یزید بن معاویہ کی بیعت سے انکار کیا تھا، پھر یزید نے متعدد مرتبہ ان کی طرف لشکر روانہ کیے، پھر یزید مر گیا اور اس وقت اس کا لشکر حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کا محاصرہ کیے ہوئے تھا، اور حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما نے خلافت کا دعویٰ اس وقت کیا جب یزید ربیع الاول ۶۴ ھ میں مر گیا، پھر حجاز کے لوگوں نے حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کر لی اور دیگر شہر والوں نے معاویہ بن یزید بن معاویہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی، وہ چالیس (۴۰) دن کے بعد مر گیا، پھر زیادہ شہر کے لوگوں نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور حجاز، یمن، مصر، عراق اور پورا مشرق اور شام کے تمام شہر حتیٰ کہ دمشق، سب حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے زیرِ انتظام آ گئے، اور ان کی بیعت سے تمام بنوامیہ اور ان کے موافقین الگ رہے، یہ لوگ فلسطین میں تھے، پس یہ لوگ مروان بن حکم کے پاس جمع ہوئے اور انہوں نے اس سے خلافت کی بیعت کر لی، پھر اس کے اطاعت گزاروں نے دمشق پر حملہ کیا، یہاں پر حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کی طرف سے ضحاک بن قیس امیر تھا، پھر ان میں جنگ ہوئی اور ضحاک بن قیس قتل کر دیئے گئے، اور یہ ذوالحجہ کا واقعہ ہے، اور مروان بن حکم شام پر غالب آ گیا، پھر جب پورا ملکِ شام اس کے زیرِ انتظام آ گیا تو وہ مصر کی طرف متوجہ ہوا، اور وہاں حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کے گورنر عبدالرحمٰن بن جحدر کا محاصرہ کیا حتیٰ کہ ربیع الآخر ۶۵ ھ میں اس نے مصر پر قبضہ کر لیا۔ پھر مروان بن الحکم اسی سال مر گیا اور اس کی حکومت کی مدت چھ ماہ تھی، پھر اس نے اپنے بیٹے عبدالملک بن مروان کو اپنا جانشین مقرر کیا اور شام اور مصر اور مغرب عبدالملک بن مروان کے زیرِ انتظام ہو گیا اور حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کے زیر

انتظام حجاز، عراق اور مشرق تھا، مگر مختار بن ابو عبید کوفہ پر غالب آ گیا اور وہ دو سال تک وہاں قابض رہا، پھر مصعب بن زبیر جو اپنے بھائی حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی طرف سے بصرہ کے امیر تھے، انہوں نے اس کا محاصرہ کیا حتیٰ کہ وہ رمضان ۶۷ھ میں قتل کر دیا گیا اور پورا عراق حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کے زیر انتظام آ گیا اور ۷۱ھ تک یہ ان کے قبضہ میں رہا، پھر عبدالملک بن مروان مصعب بن زبیر کی طرف روانہ ہوا اور ان سے جنگ کی حتیٰ کہ جمادی الآخرہ میں ان کو شہید کر دیا اور وہ پورے عراق پر قابض ہو گیا، اور حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کے پاس صرف حجاز اور یمن کا علاقہ رہا، پھر عبدالملک بن مروان نے حجاز پر حملہ کیا اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا ۷۲ھ میں محاصرہ کیا یہاں تک کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما جمادی الاولیٰ ۷۳ھ میں شہید کر دیئے گئے۔

اور اس اثناء میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کسی کی بیعت کرنے سے رکے رہے، نہ انہوں نے حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کی بیعت کی، نہ عبدالملک بن مروان کی بیعت کی، جیسا کہ اس سے پہلے انہوں نے نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کی تھی نہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کی تھی۔ پھر انہوں نے اس وقت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی جب ان کی حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے صلح ہو گئی تھی اور سب لوگ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت پر متفق ہو گئے تھے، اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے یزید کی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد بیعت کر لی کیونکہ تمام لوگ اس کی بیعت پر متفق ہو گئے تھے، پھر وہ کسی کی بھی بیعت کرنے سے رکے رہے جب لوگوں میں اختلاف ہو گیا تھا، یہاں تک کہ حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما شہید کر دیئے گئے اور پورا ملک عبدالملک بن مروان کے قبضہ میں آ گیا، پس اس وقت انہوں نے عبدالملک بن مروان کی بیعت کر لی۔ اور حدیث میں جو مذکور ہے کہ جب لوگ عبدالملک بن مروان پر مجتمع ہو گئے، اس کا یہی مطلب ہے۔ پھر زیادہ عرصہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نہیں ٹھہرے تھے کہ اسی سال مکہ مکرمہ میں ان کی وفات ہو گئی اور عبدالملک بن مروان نے حجاج کو وصیت کی تھی کہ مناسکِ حج میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے احکام کی اطاعت کی جائے، پھر حجاج نے سازش کر کے ایک زہریلے نیزہ سے ان کے پیر پر حملہ کرایا جس کا بیان کتاب العیدین میں گزر چکا ہے اور یہ ان کی وفات کا سبب ہوا۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۳۰۷۔۱۷ ۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۷۲۰۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بیٹوں کے اسماء

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور ان کے بیٹوں نے عبدالملک بن مروان کی بیعت کر لی"، ان کے بیٹے یہ ہیں:

عبداللہ، ابوبکر، ابوعبیدہ، بلال، اور عمر۔ ان سب کی ماں صفیہ بنتِ ابی عبید بن مسعود الثقفی ہیں اور ان کے بیٹے عبدالرحمٰن ہیں، ان کی ماں امِ علقمہ بنت نافس بن وہب ہیں، اور ان کے بیٹے سالم، عبیداللہ اور حمزہ ہیں، اور ان کی ماں ام ولد تھیں اور ان کے بیٹے زید ہیں اور ان کی ماں بھی امِ ولد تھیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۴۰۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۲۰۶۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ حَدَّثَنَا حَاتِمٌ امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن

عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ قَالَ قُلْتُ لِسَلَمَةَ عَلَى أَيِّ شَيْءٍ بَايَعْتُمُ النَّبِيَّ ﷺ يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ قَالَ عَلَى الْمَوْتِ۔

مُسلمہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حاتم نے حدیث بیان کی از یزید بن ابی عبید، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: آپ لوگوں نے حدیبیہ کے دن نبی ﷺ سے کس چیز پر بیعت کی تھی؟ انہوں نے کہا: موت پر۔

(صحیح البخاری: ۲۹۶۰، ۴۱۶۹، ۷۲۰۶، ۷۲۰۸، صحیح مسلم: ۱۸۶۰، سنن ترمذی: ۱۵۹۲، سنن نسائی: ۴۱۵۹، مسند احمد: ۱۶۱۱۴)

یہاں پر یہ حدیث اختصار سے امام بخاری نے روایت کی ہے اور یہ مفصل حدیث کتاب الجہاد، باب البیعۃ علی الحرب میں گزر چکی ہے۔

۷۲۰۷۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ أَسْمَاءَ حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ عَنْ مَالِكٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَنَّ حُمَيْدَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَخْبَرَهُ أَنَّ الْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ أَخْبَرَهُ أَنَّ الرَّهْطَ الَّذِينَ وَلَّاهُمْ عُمَرُ اجْتَمَعُوا فَتَشَاوَرُوا فَقَالَ لَهُمْ عَبْدُ الرَّحْمَنِ لَسْتُ بِالَّذِي أُنَافِسُكُمْ عَلَى هَذَا الْأَمْرِ وَلَكِنَّكُمْ إِنْ شِئْتُمُ اخْتَرْتُ لَكُمْ مِنْكُمْ فَجَعَلُوا ذَلِكَ إِلَى عَبْدِ الرَّحْمَنِ فَلَمَّا وَلَّوْا عَبْدَ الرَّحْمَنِ أَمْرَهُمْ فَمَالَ النَّاسُ عَلَى عَبْدِ الرَّحْمَنِ حَتَّى مَا أَرَى أَحَدًا مِنَ النَّاسِ يَتْبَعُ أُولَئِكَ الرَّهْطَ وَلَا يَطَأُ عَقِبَهُ وَمَالَ النَّاسُ عَلَى عَبْدِ الرَّحْمَنِ يُشَاوِرُونَهُ تِلْكَ اللَّيَالِي حَتَّى إِذَا كَانَتِ اللَّيْلَةُ الَّتِي أَصْبَحْنَا مِنْهَا فَبَايَعْنَا عُثْمَانَ قَالَ الْمِسْوَرُ طَرَقَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بَعْدَ هَجْعٍ مِنَ اللَّيْلِ فَضَرَبَ الْبَابَ حَتَّى اسْتَيْقَظْتُ فَقَالَ أَرَاكَ نَائِمًا فَوَاللهِ مَا اكْتَحَلْتُ هَذِهِ اللَّيْلَةَ بِكَبِيرِ نَوْمٍ انْطَلِقْ فَادْعُ الزُّبَيْرَ وَسَعْدًا فَدَعَوْتُهُمَا لَهُ فَشَاوَرَهُمَا ثُمَّ دَعَانِي فَقَالَ ادْعُ لِي عَلِيًّا فَدَعَوْتُهُ فَنَاجَاهُ حَتَّى ابْهَارَّ اللَّيْلُ ثُمَّ قَامَ عَلِيٌّ مِنْ عِنْدِهِ وَهُوَ عَلَى طَمَعٍ وَقَدْ كَانَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ يَخْشَى مِنْ عَلِيٍّ شَيْئًا ثُمَّ قَالَ ادْعُ لِي عُثْمَانَ فَدَعَوْتُهُ فَنَاجَاهُ حَتَّى فَرَّقَ بَيْنَهُمَا الْمُؤَذِّنُ بِالصُّبْحِ فَلَمَّا صَلَّى لِلنَّاسِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن محمد بن اسماء نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جویریہ نے حدیث بیان کی از مالک از الزہری، وہ بیان کرتے ہیں کہ حمید بن عبدالرحمٰن نے ان کو خبر دی کہ بے شک حضرت المسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ نے ان کو خبر دی کہ وہ جماعت جس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (خلیفہ منتخب کرنے کے لیے) مقرر کیا تھا، جمع ہوئی اور انہوں نے آپس میں مشورہ کیا تو ان سے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا: میں وہ نہیں ہوں جو اس خلافت پر رغبت رکھتا ہو، لیکن اگر تم چاہو تو میں تمہارے لیے تم میں سے کوئی ایک خلیفہ منتخب کرلوں، پس اس جماعت نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو یہ اختیار دیا، پس جب انہوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو یہ معاملہ سونپ دیا تو تمام لوگ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی طرف مائل ہوگئے، اور میں نے لوگوں میں سے کسی کو نہیں دیکھا جو اس جماعت کی پیروی کرتا ہو اور نہ اس جماعت کے پیچھے چلتا ہو، اور لوگ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے پاس آتے اور کئی کئی راتیں ان سے مشورہ کرتے حتیٰ کہ جب وہ رات آئی جس کی صبح کو ہم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بیعت کی تھی، حضرت مسور رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: رات کو میرے پاس حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ آئے جب کہ میں رات کو سو رہا تھا، پس انہوں نے دروازہ کھٹکھٹایا حتیٰ کہ میں بیدار ہوگیا، پس انہوں نے مجھ سے کہا: میں

الصُّبْحَ وَاجْتَمَعَ أُولَئِكَ الرَّهْطُ عِنْدَ الْمِنْبَرِ فَأَرْسَلَ إِلَى مَنْ كَانَ حَاضِرًا مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَأَرْسَلَ إِلَى أُمَرَاءِ الْأَجْنَادِ وَكَانُوا وَافَوْا تِلْكَ الْحَجَّةَ مَعَ عُمَرَ فَلَمَّا اجْتَمَعُوا تَشَهَّدَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ ثُمَّ قَالَ أَمَّا بَعْدُ يَا عَلِيُّ إِنِّي قَدْ نَظَرْتُ فِي أَمْرِ النَّاسِ فَلَمْ أَرَهُمْ يَعْدِلُونَ بِعُثْمَانَ فَلَا تَجْعَلَنَّ عَلَى نَفْسِكَ سَبِيلًا فَقَالَ أُبَايِعُكَ عَلَى سُنَّةِ اللهِ وَرَسُولِهِ وَالْخَلِيفَتَيْنِ مِنْ بَعْدِهِ فَبَايَعَهُ عَبْدُ الرَّحْمَنِ وَبَايَعَهُ النَّاسُ الْمُهَاجِرُونَ وَالْأَنْصَارُ وَأُمَرَاءُ الْأَجْنَادِ وَالْمُسْلِمُونَ۔

(صحیح البخاری: ۱۳۹۲، ۳۰۵۲، ۳۱۶۲، ۳۷۰۰، ۴۸۸۸، ۷۲۰۷)

تمہیں سویا ہوا دیکھ رہا ہوں، پس اللہ کی قسم! میں نے تو اس رات سے کوئی بڑی نیند نہیں لی، چلو اور میرے پاس حضرت زبیر اور حضرت سعد رضی اللہ عنہما کو بلاؤ، پس میں نے ان دونوں کو بلایا، پس حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے ان دونوں سے مشورہ کیا، پھر مجھے بلایا، پس مجھ سے کہا کہ میری خاطر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلاؤ، پس میں نے ان کو بلایا اور انہوں نے ان سے سرگوشی میں بات کی حتیٰ کہ آدھی رات ہوگئی، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے پاس لوگوں کے پاس کھڑے ہوئے اور ان کو خلافت کی طمع تھی، اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کچھ ڈرتے تھے، پھر کہا: میرے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بلاؤ، سو میں نے ان کو بلایا، پھر انہوں نے ان سے سرگوشی میں بات کی حتیٰ کہ موذن نے صبح کی اذان دے کر ان کے درمیان تفرقہ کر دیا، پس جب انہوں نے لوگوں کو صبح کی نماز پڑھائی تو وہ جماعت منبر کے پاس بیٹھ گئی، پھر مہاجرین اور انصار میں سے جو حاضر تھے ان کو بلایا، اور لشکروں کے امراء کو بلایا، یہ سب وہ لوگ تھے جو حج میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، پس جب وہ لوگ جمع ہو گئے تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کلمہ شہادت پڑھا، پھر کہا: حمد وصلوٰۃ کے بعد، اے علی! میں نے لوگوں کے معاملات میں غور کیا ہے، پس میں نے دیکھا کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے تجاوز نہیں کرتے تو تم اپنے دل میں کوئی غم نہ کرنا، پھر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ) سے کہا: میں آپ سے اللہ تعالیٰ کی سنت پر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر اور آپ کے بعد جو دو خلیفہ ہیں ان کی سنت پر بیعت کرتا ہوں، پس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے بیعت کی اور پھر ان سے مہاجرین اور انصار نے اور لشکروں کے امراء نے اور سب مسلمانوں نے بیعت کی۔

صحیح البخاری: ۷۲۰۷، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت خلافت منعقد ہونے کا بیان

جب حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے مجوسی غلام ابولولوء نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو زخمی کر دیا تو ان سے خلافت کے متعلق کہا گیا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس خلافت کا حق دار اس جماعت سے زیادہ اور کوئی نہیں ہے، پھر انہوں نے نام لیے: حضرت علی، حضرت عثمان، حضرت زبیر، حضرت طلحہ، حضرت سعد اور حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم۔

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تدفین سے صحابہ فارغ ہو گئے تو صحابہ کی یہ جماعت جمع ہوئی، حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا کہ لوگ ہرگز آپ سے تجاوز نہیں کریں گے، پس اے عثمان! اگر آپ لوگوں کے والی مقرر ہو جائیں تو آپ اللہ سے ڈرتے رہیں اور بنو امیہ اور بنو ابو معیط کو لوگوں کی گردنوں پر مسلط نہ کریں، اور اے علی! اگر آپ والی مقرر ہو جائیں تو آپ اللہ سے ڈرتے رہیں اور بنو ہاشم کو لوگوں کی گردنوں پر مسلط نہ کریں، اور اے عبد الرحمٰن بن عوف! اگر آپ والی ہو جائیں تو آپ اللہ سے ڈریں اور اپنے رشتہ داروں کو لوگوں کی گردنوں پر مسلط نہ کریں، اور انہوں نے کہا: کم لوگ زیادہ لوگوں کی پیروی کریں اور جو شخص بغیر والی بنائے از خود والی بن جائے اس کو قتل کر دو۔

اور عمرو بن میمون کی روایت میں یہ تصریح گزر چکی ہے کہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ابتداء کی، پس ان کا ہاتھ پکڑا اور کہا: آپ کی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ داری ہے اور اسلام میں آپ کا قدیم ہونا ہے اس کا مجھے علم ہے، اور اللہ کی قسم! آپ پر لازم ہے کہ اگر میں آپ کو امیر بنا دوں تو آپ ضرور عدل کریں گے اور اگر میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو امیر بنا دوں تو آپ ضرور ان کے احکام سنیں گے اور ان کی اطاعت کریں گے، پھر انہوں نے ایک دوسرے سے اسی طرح کہا، پھر جب انہوں نے عہد و میثاق لے لیے تو انہوں نے کہا: اے عثمان! اپنا ہاتھ بڑھایئے اور پھر انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی ان کی بیعت کر لی۔

ابو وائل بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ لوگوں نے کس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دیا؟ تو انہوں نے کہا: اس میں میرا قصور نہیں ہے، میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ابتداء کی، میں نے ان سے کہا: میں آپ سے بیعت کرتا ہوں کتاب اللہ پر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی سیرت پر، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: جتنی میری طاقت ہو گی اتنی میں ان کی پیروی کروں گا، اور میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر اس کو پیش کیا تو انہوں نے اس کو قبول کر لیا۔

از زہری از عبد الرحمٰن بن المسور بن مخرمہ از والد خود روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا: میں تمام لوگوں سے زیادہ شوریٰ کے معاملہ کو جاننے والا ہوں، کیونکہ میں حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا نمائندہ تھا، پھر انہوں نے پورا قصہ ذکر کیا اور اس کے آخر میں ہے، حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا: اے علی! اگر میں نے آپ کو اس امر کا والی بنا دیا تو آپ اللہ کی

سنت اور رسول اللہ ﷺ کی سنت اور پہلے خلفاء کی سنت پر عمل کریں گے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں لیکن اپنی طاقت کے مطابق، پس اس بات کو تین مرتبہ دہرایا، پس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اے ابو محمد! اس پر بیعت کرتا ہوں، انہوں نے یہ تین مرتبہ کہا، پھر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور انہوں نے تلوار میان میں ڈال لی، پھر مسجد میں داخل ہوئے، پھر منبر پر چڑھے، پھر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کیا، پس ان سے بیعت کر لی۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۱۷ ۳، ۳۷ ۳، ملخصاً و ملتقطاً، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۷۲۰۷، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نامزد کردہ جماعت خلیفہ مقرر کرنے کے مشورہ کے لیے جمع ہوئی تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا: میں وہ نہیں ہوں جو اس خلافت میں رغبت رکھتا ہو، لیکن اگر تم لوگ چاہو تو میں تم لوگوں کے لیے تم ہی میں سے کوئی خلیفہ مقرر کر دوں گا، تو سب لوگوں نے یہ معاملہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی طرف مفوض کر دیا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا ارادہ یہ تھا کہ چونکہ تم نے یہ معاملہ میری طرف مفوض کر دیا ہے تو میں تمہارے لیے ایک خلیفہ کو منتخب کروں گا، اور چونکہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو معزول کر دیا تھا تو اس سے معلوم ہوا کہ وہ اسی شخص کو خلیفہ منتخب کریں گے جو مسلمانوں کے لیے زیادہ بہتر ہو گا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کلام کیا نہ کہ دوسروں سے، کیونکہ ان میں سے کوئی بھی حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے ہوتے ہوئے خلافت کی طمع نہیں کرتا تھا اور تمام حاضرین کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اوپر سکوت کرنا ان کی رضامندی کی دلیل تھا، پس اس وقت حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بیعت کی، اور اب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے بھی اس کے سوا ممکن نہیں تھا کہ تمام لوگوں نے جس کی بیعت کر لی ہے وہ بھی اس کی بیعت کریں۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۲ ص ۵۸۷۔۵۸۸، ملخصاً و ملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۴۴۔ بَابُ: مَنْ بَايَعَ مَرَّتَيْنِ

جس نے دو مرتبہ بیعت کی

۷۲۰۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ عَنْ سَلَمَةَ قَالَ بَايَعْنَا النَّبِيَّ ﷺ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَقَالَ لِي يَا سَلَمَةُ أَلَا تُبَايِعُ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ قَدْ بَايَعْتُ فِي الْأَوَّلِ قَالَ وَفِي الثَّانِي۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو عاصم نے حدیث بیان کی از یزید بن ابی عبید از سلمہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے نبی ﷺ کی درخت کے نیچے بیعت کی، پس آپ نے مجھ سے فرمایا: اے سلمہ! کیا تم بیعت نہیں کرتے؟ میں نے کہا یا رسول اللہ! میں آپ سے پہلے بیعت کر چکا ہوں، آپ نے فرمایا: اور دوسری مرتبہ۔

(صحیح البخاری: ۲۹۶۰، ۴۱۶۹، ۷۲۰۶، ۷۲۰۸، صحیح مسلم: ۱۸۶۰، سنن ترمذی: ۱۵۹۲، سنن نسائی: ۴۱۵۹، مسند احمد: ۱۶۱۱۴)

صحیح البخاری: ۷۲۰۸، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

دومرتبہ بیعت کرنے کی توجیہ

علامہ المہلب المالکی نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے دومرتبہ بیعت لی، کیونکہ وہ بہت بہادر تھے اور اسلام میں غنی تھے اور دین میں ثابت قدمی پر ان کی شہرت تھی تو آپ نے ارادہ فرمایا کہ ان کو تکرار بیعت کی وجہ سے مزید فضیلت حاصل ہو۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۸ ص ۲۱۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۴۵۔ بَابُ: بَيْعَةِ الْأَعْرَابِ

دیہاتیوں کا بیعت کرنا

۷۲۰۹۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رضی الله عنهما أَنَّ أَعْرَابِيًّا بَايَعَ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم عَلَى الْإِسْلَامِ فَأَصَابَهُ وَعْكٌ فَقَالَ أَقِلْنِي بَيْعَتِي فَأَبَى ثُمَّ جَاءَهُ فَقَالَ أَقِلْنِي بَيْعَتِي فَأَبَى فَخَرَجَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم الْمَدِينَةُ كَالْكِيرِ تَنْفِي خَبَثَهَا وَيَنْصَعُ طِيبُهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن مسلمہ نے حدیث بیان کی از مالک از محمد بن المنکدر از حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام کے اوپر بیعت کی، پھر اس کو بخار چڑھ گیا تو اس نے کہا: میں نے جو بیعت کی تھی اس کو توڑ دیجئے تو آپ نے اس کا انکار کیا، وہ پھر آپ کے پاس آیا، پس کہا: میری بیعت توڑ دیجئے، پس آپ نے پھر انکار کیا، پھر وہ خود ہی چلا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مدینہ بھٹی کی مثل ہے جو لوہے کے زنگ کو دور کر دیتی ہے اور صاف مال کو رکھ لیتی ہے۔

(صحیح البخاری: ۱۸۸۳، ۷۲۰۹، ۷۲۱۱، ۷۲۱۶، ۷۳۲۲، صحیح مسلم: ۱۳۸۳، سنن ترمذی: ۳۹۲۰، سنن نسائی: ۴۱۸۵، مسند احمد: ۱۴۷۹۵، موطا امام مالک: ۱۶۳۹)

صحیح البخاری: ۷۲۰۹، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اعرابی کی بیعت نہ توڑنے کی توجیہ

علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اعرابی کی بیعت کو توڑنے سے اس لیے انکار کیا کہ آپ معصیت کے اوپر مدد نہیں کرتے تھے کیونکہ اس نے ابتداءً جو بیعت کی تھی وہ اس پر تھی کہ وہ مدینہ سے آپ کی اجازت کے بغیر نہیں نکلے گا، پس اس کا آپ کی اجازت کے بغیر نکلنا معصیت اور نافرمانی تھی۔ نیز علامہ ابن التین نے کہا کہ فتح مکہ سے پہلے ہر مسلمان کے اوپر مدینہ کی طرف ہجرت کرنا فرض تھا، اور جو ہجرت نہ کرے اس کے اور مسلمانوں کے درمیان کوئی موالات اور نصرت نہیں ہوتی تھی، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَایَتِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ حَتّٰی یُهَاجِرُوْا۔ (الانفال:۷۲)

اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت نہیں کی، وہ اس وقت تک تمہاری ولایت میں بالکل نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ ہجرت نہ کرلیں۔

پھر جب مکہ فتح ہوگیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ اس اعرابی مذکور کی بیعت فتح مکہ سے پہلے تھی۔

مدینہ منورہ چھوڑ کر دوسرے شہروں میں رہائش اختیار کرنے کا بیان

اور علامہ ابن المنیر نے کہا: اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ جو شخص مدینہ سے نکل جائے گا اس کی مذمت کی جائے گی اور اس پر یہ اشکال ہے کہ صحابہ کرام کی کثیر جماعت مدینہ سے چلی گئی اور انہوں نے دوسرے شہروں میں سکونت اختیار کر لی اور اسی طرح ان کے بعد بھی کئی فضلاء مدینہ سے باہر چلے گئے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ مذمت اس کی ہے جو مدینہ کو ناپسند کرتے ہوئے اور مدینہ سے اعراض کرتے ہوئے مدینہ سے نکلے جیسا کہ اس اعرابی نے کیا تھا، لیکن جو صحیح مقاصد کے لیے مدینہ سے نکل کر دوسرے شہروں میں جائیں مثلاً علم کی نشر و اشاعت کے لیے اور مشرکین کے شہروں کو فتح کرنے کے لیے اور سرحدوں کی حفاظت کے لیے اور دشمنانِ اسلام سے جہاد کرنے کے لیے اور وہ اس کے باوجود مدینہ کی فضیلت کا اعتقاد رکھتے ہوں، اور اس میں رہائش کو افضل قرار دیتے ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۵۷۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۴۶۔ بَابُ: بَيْعَةِ الصَّغِيرِ

کم عمر کا بیعت کرنا

۷۲۱۰۔ حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يَزِيدَ حَدَّثَنَا سَعِيدٌ هُوَ ابْنُ أَبِي أَيُّوبَ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو عَقِيلٍ زُهْرَةُ بْنُ مَعْبَدٍ عَنْ جَدِّهِ عَبْدِ اللهِ بْنِ هِشَامٍ وَكَانَ قَدْ أَدْرَكَ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم وَذَهَبَتْ بِهِ أُمُّهُ زَيْنَبُ بِنْتُ حُمَيْدٍ إِلَى رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ بَايِعْهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم هُوَ صَغِيرٌ فَمَسَحَ رَأْسَهُ وَدَعَا لَهُ وَكَانَ يُضَحِّي بِالشَّاةِ الْوَاحِدَةِ عَنْ جَمِيعِ أَهْلِهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ بن یزید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سعید نے حدیث بیان کی اور وہ ابن ابی ایوب ہیں، وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے ابو عقیل زہرہ بن معبد نے حدیث بیان کی از جدِ خود عبداللہ بن ہشام اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا تھا، ان کی ماں زینب بنت حمید ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئیں، پس عرض کیا: یا رسول اللہ! اس کو بیعت کر لیجئے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ کم عمر ہے، پس آپ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اس کے حق میں دعا کی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بکری کی اپنے تمام گھر والوں کی طرف سے قربانی کرتے تھے۔

(صحیح البخاری: ۲۵۰۱، ۶۳۵۳، سنن ابو داؤد: ۲۹۴۲، مسند احمد: ۱۷۵۸۵)

صحیح البخاری: ۷۲۱۰، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

کم عمر کی بیعت نہ کرنے کا بیان

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ آیا کم عمر کی بیعت کرنا مشروع ہے یا نہیں؟ علامہ ابن المنیر نے کہا ہے: اس عنوان میں ابہام ہے اور حدیث اس ابہام کو زائل کرتی ہے اور وہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ کم عمر کی بیعت منعقد نہیں ہوتی۔

اس حدیث کے آخر میں ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بکری کو تمام گھر والوں کی طرف سے ذبح کر دیتے تھے، امام بخاری نے اس حدیث کی روایت کر کے یہ اشارہ کیا ہے کہ عبداللہ بن ہشام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کی دعا کی برکت کی وجہ سے ایک عرصہ تک زندہ رہے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۵۷۵ ۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۴۷۔ بَابُ: مَنْ بَايَعَ ثُمَّ اسْتَقَالَ الْبَيْعَةَ

جس نے بیعت کی، پھر بیعت کو توڑا

۷۲۱۱۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ أَنَّ أَعْرَابِيًّا بَايَعَ رَسُولَ اللهِ ﷺ عَلَى الْإِسْلَامِ فَأَصَابَ الْأَعْرَابِيَّ وَعْكٌ بِالْمَدِينَةِ فَأَتَى الْأَعْرَابِيُّ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ أَقِلْنِي بَيْعَتِي فَأَبَى رَسُولُ اللهِ ﷺ ثُمَّ جَاءَهُ فَقَالَ أَقِلْنِي بَيْعَتِي فَأَبَى ثُمَّ جَاءَهُ فَقَالَ أَقِلْنِي بَيْعَتِي فَأَبَى فَخَرَجَ الْأَعْرَابِيُّ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِنَّمَا الْمَدِينَةُ كَالْكِيرِ تَنْفِي خَبَثَهَا وَيَنْصَعُ طِيبُهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے از محمد بن المنکدر حدیث بیان کی، از حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام کے اوپر بیعت کی، پھر اس اعرابی کو مدینہ میں بخار آ گیا تو وہ اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، پس کہا: یارسول اللہ! میری بیعت توڑ دیجئے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کیا، وہ پھر آپ کے پاس آیا، پس کہا: میری بیعت توڑ دیجئے، پس آپ نے انکار کیا، پھر وہ آپ کے پاس آیا، پس کہا: میری بیعت توڑ دیجئے، آپ نے پھر انکار کیا تو وہ اعرابی خود (مدینہ سے) چلا گیا، تو رسول اللہ سے نے فرمایا کہ مدینہ بھٹی کی مثل ہے، یہ لوہے کے زنگ کو دور کر دیتی ہے اور اس کی خالص عمدگی کو باقی رکھتی ہے۔

(صحیح البخاری: ۱۸۸۳، ۷۲۰۹، ۷۲۱۱، ۷۲۱۶، ۷۳۲۲، صحیح مسلم: ۱۳۸۳، سنن ترمذی: ۳۹۲۰، سنن نسائی: ۴۱۸۵، مسند احمد: ۱۴۷۹۵، موطا امام مالک: ۱۶۳۹)

ایک باب قبل اس حدیث کی شرح گزر چکی ہے۔

۴۸۔ بَابُ: مَنْ بَايَعَ رَجُلًا لَا يُبَايِعُهُ إِلَّا لِلدُّنْيَا

اس شخص کی مذمت کا بیان جس نے کسی مرد سے صرف دنیا کے حصول کے لیے بیعت کی

۷۲۱۲۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ عَنْ أَبِي حَمْزَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ رَجُلٌ عَلَى فَضْلِ مَاءٍ بِالطَّرِيقِ يَمْنَعُ مِنْهُ ابْنَ السَّبِيلِ وَرَجُلٌ بَايَعَ إِمَامًا لَا يُبَايِعُهُ إِلَّا لِدُنْيَاهُ إِنْ أَعْطَاهُ مَا يُرِيدُ وَفَى لَهُ وَإِلَّا لَمْ يَفِ لَهُ وَرَجُلٌ يُبَايِعُ رَجُلًا بِسِلْعَةٍ بَعْدَ الْعَصْرِ فَحَلَفَ بِاللهِ لَقَدْ أُعْطِيَ بِهَا كَذَا وَكَذَا فَصَدَّقَهُ فَأَخَذَهَا وَلَمْ يُعْطَ بِهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی از آبی حمزہ از الاعمش از ابوصالح از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تین شخصوں سے کلام نہیں کرے گا اور نہ ان کو پاکیزہ کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے، ایک وہ مرد جس کے پاس راستہ میں ضرورت سے زائد پانی ہو اور وہ کسی مسافر کو اس پانی سے منع کرے، دوسرا وہ مرد جو کسی سربراہ سے صرف دنیا کے لیے بیعت کرے، اگر اس کو مراد کے مطابق وہ سربراہ عطا کرے تو وہ اس سے بیعت کو پورا کرے ورنہ اس کی بیعت کو پورا نہ کرے، اور وہ شخص جو کسی مرد کے ہاتھ عصر کے بعد سودا فروخت کرے، پس اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ اس کو یہ چیز اتنے اور اتنے میں ملی ہے، وہ خریدار اس کی تصدیق کر دے، پس وہ اس کو لے لے اور اس نے اتنے پیسے نہ دیے ہوں۔

(صحیح البخاری: ۲۳۵۸، ۲۳۶۹، ۲۶۷۲، ۷۲۱۲، ۷۴۴۶، صحیح مسلم: ۱۰۸، سنن ترمذی: ۱۵۹۵، سنن نسائی: ۴۴۶۲، سنن ابوداؤد: ۳۴۷۴، سنن ابن ماجہ: ۲۲۰۷، مسند احمد: ۷۴۹۳)

صحیح البخاری: ۷۲۱۲، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مسافر کو فاضل پانی نہ دینے اور سربراہِ ملک سے دنیاوی غرض سے بیعت کرنے اور عصر کے بعد جھوٹی قسم کھانے پر وعیدات کی تفصیل

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "جو شخص کسی مسافر کو فاضل پانی نہیں دے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس سے بات نہیں کرے گا"، یعنی اللہ تعالیٰ اس سے اپنی رضا کو ظاہر کرتے ہوئے کلام نہیں کرے گا بلکہ ناراضگی کے ساتھ کلام کرے گا، یا اس سے اعراض فرمائے گا، یا اس سے ایسا کلام نہیں کرے گا جس سے وہ خوش ہو، اور اس کی طرف نظرِ رحمت نہیں کرے گا اور اس کو گناہوں سے پاک نہیں کرے گا۔

اس حدیث میں مسافر کا ذکر کیا ہے کہ "جو مسافر کو فاضل پانی نہیں دے گا" مسافر کا اس لیے ذکر فرمایا ہے کہ مسافر کو پانی کی

زیادہ ضرورت ہوتی ہے لیکن کافر حربی اور مرتد جو اپنے کفر پر اصرار کرے وہ اس سے مستثنیٰ ہے، لہٰذا ان کے لیے پانی خرچ کرنا واجب نہیں ہے۔

اور اس حدیث میں جھوٹے حلف کے لیے عصر کے وقت کا خصوصیت سے ذکر فرمایا، کیونکہ عصر کے وقت کو باقی اوقات پر فضیلت حاصل ہے، کیونکہ اس وقت میں رات اور دن کے فرشتے جمع ہوتے ہیں۔

رہا وہ شخص جو امام یا سربراہ کی بیعت کرے اور جب اس کا مدعیٰ پورا نہ ہو تو وہ اس بیعت پر قائم نہ رہے، اس پر یہ وعید اس لیے ہے کہ اس نے مسلمانوں کے سربراہ کو دھوکا دیا اور جس نے مسلمانوں کے سربراہ کو دھوکا دیا تو اس نے عام مسلمانوں کو دھوکا دیا، کیونکہ اس سے فتنہ کی آگ بھڑکتی ہے۔

علامہ خطابی نے کہا ہے: عصر کے وقت کو مخصوص کیا گیا ہے، کیونکہ اس وقت میں گناہ بہت سنگین ہے، اگرچہ جھوٹی قسم ہر وقت میں کھانا حرام ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس وقت کی فضیلت بڑھائی ہے کہ دن اور رات کے فرشتے اس وقت میں جمع ہوتے ہیں، اور یہ نیک اعمال کے ختم ہونے کا وقت ہے، اور تمام امور کا اعتبار ان کے اختتام سے ہوتا ہے، لہٰذا اس وقت میں گناہ کرنا زیادہ عذاب کا مستحق ہے۔

اس حدیث میں بیعت توڑنے پر وعیدِ شدید ہے اور امام اور سربراہ کے خلاف خروج کرنے پر شدید وعید ہے، کیونکہ اس سے امت کی اجتماعیت ختم ہوتی ہے، اور اس لیے کہ سربراہ کی بیعت پوری کرنے سے مسلمانوں کی عصمت کی حفاظت ہوتی ہے اور ان کے اموال محفوظ ہوتے ہیں اور ان کی جانیں محفوظ ہوتی ہیں، اور اصل یہ ہے کہ کوئی شخص امام اور سربراہ سے اس پر بیعت کرے کہ وہ حق کے کام کرے گا اور حدود قائم کرے گا اور نیکی کا حکم دے گا اور برائی سے روکے گا، سو جس نے مال کے عوض بیعت کی تو اس نے بہت زیادہ کھلا نقصان اٹھایا۔

اور اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ ہر وہ عمل جس سے اللہ عزوجل کی رضا کو مقصود نہ بنایا جائے اور اس سے دنیا کے مال کا ارادہ کیا جائے وہ عمل فاسد ہے اور وہ عمل کرنے والا گناہگار ہے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۷۷۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۴۹۔ بَابُ: بَيْعَةِ النِّسَاءِ

عورتوں کی بیعت کا بیان

رَوَاهُ ابْنُ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم

اس حدیث کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔

۷۲۱۳۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ ح وَقَالَ اللَّيْثُ حَدَّثَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي أَبُو إِدْرِيسَ الْخَوْلَانِيُّ أَنَّهُ سَمِعَ عُبَادَةَ بْنَ الصَّامِتِ يَقُولُ قَالَ لَنَا رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَنَحْنُ فِي مَجْلِسٍ تُبَايِعُونِي عَلَى أَنْ لَا تُشْرِكُوا بِاللهِ شَيْئًا وَلَا تَسْرِقُوا وَلَا تَزْنُوا وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ وَلَا تَأْتُوا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری ح اور اللیث نے کہا: مجھے یونس نے حدیث بیان کی از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے ابوادریس الخولانی نے خبر دی، وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے

بِبُهْتَانٍ تَفْتَرُونَهُ بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَأَرْجُلِكُمْ وَلَا تَعْصُوا فِي مَعْرُوفٍ فَمَنْ وَفَى مِنْكُمْ فَأَجْرُهُ عَلَى اللهِ وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا فَعُوقِبَ فِي الدُّنْيَا فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا فَسَتَرَهُ اللهُ فَأَمْرُهُ إِلَى اللهِ إِنْ شَاءَ عَاقَبَهُ وَإِنْ شَاءَ عَفَا عَنْهُ فَبَايَعْنَاهُ عَلَى ذَلِكَ۔

فرمایا اور اس وقت ہم ایک مجلس میں تھے، آپ نے فرمایا: تم مجھ سے اس پر بیعت کرو کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرو گے اور نہ تم چوری کرو گے اور نہ تم زنا کرو گے اور نہ تم اپنی اولاد کو قتل کرو گے، اور نہ تم کسی پر بہتان لگاؤ گے جس کو تم اپنے ہاتھوں اور پیروں کے سامنے گھڑو، اور نہ تم کسی نیک کام میں نافرمانی کرو گے، پس تم میں سے جس نے ان احکام کو پورا کرلیا تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے، اور جس نے ان میں سے کوئی کام کرلیا، پس اس کو دنیا میں سزا دے دی گئی تو وہ اس کے لیے کفارہ ہے، اور جس نے ان میں سے کسی کام کو کیا، پھر اللہ تعالیٰ نے اس پر پردہ رکھا تو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی طرف مفوض ہے، اگر وہ چاہے تو اس کو عذاب دے اور اگر وہ چاہے تو اس کو معاف فرمادے، تو ہم نے آپ سے اس کے اوپر بیعت کرلی۔

(صحیح البخاری: ۱۸، ۳۸۹۲، ۳۸۹۳، ۳۹۹۹، ۴۸۹۴، ۶۷۸۴، ۶۸۰۱، ۶۸۷۳، ۷۰۵۵، ۷۱۹۹، ۷۲۱۳، ۷۴۶۸، صحیح مسلم: ۱۷۰۹، سنن ترمذی: ۱۴۳۹، سنن نسائی: ۴۱۶۱، سنن دارمی: ۲۴۵۳)

صحیح البخاری: ۷۲۱۳، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مردوں کے احکام میں عورتوں کے دخول کا بیان

اللہ تعالیٰ نے شعائرِ اسلام میں سے مردوں کو جن کاموں کا مکلف کیا ہے، سو عورتیں بھی اس میں داخل ہیں اور عورتوں پر بھی وہ احکام لازم ہیں، سوا ان احکام کے جو مردوں کے ساتھ مخصوص ہیں، جن کاموں پر عورتوں کو قدرت نہیں ہے، مثلاً مردوں پر کفار سے جنگ کرنے کو فرض کر دیا ہے اور عورتوں سے اس حکم کو ساقط کر دیا ہے، اور ان احادیث میں جس بیعت کا ذکر کیا گیا ہے، یہ عقبہ اولیٰ کی بیعت ہے جو مکہ میں ہوئی تھی اور اس وقت مسلمانوں پر جنگ اور جہاد فرض نہیں تھا۔ امام ابنِ اسحاق اور اہل السیر نے ذکر کیا ہے کہ عقبہ اولیٰ کے وقت مکہ کی ایک گھاٹی پر بارہ (۱۲) صحابہ حاضر ہوئے تھے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۲ ص ۵۹۷۔۵۹۸، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۷۲۱۴۔ حَدَّثَنَا مَحْمُودٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رضي الله عنها قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُبَايِعُ النِّسَاءَ بِالْكَلَامِ بِهَذِهِ الْآيَةِ ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمود نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرزاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از الزہری از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ عورتوں کو

الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰۤى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّ لَا يَسْرِقْنَ وَ لَا يَزْنِيْنَ وَ لَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَ لَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَ اَرْجُلِهِنَّ وَ لَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴿۱۲﴾ قَالَتْ وَمَا مَسَّتْ يَدُ رَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَدَ امْرَأَةٍ إِلَّا امْرَأَةً يَمْلِكُهَا۔

(صحیح مسلم:۱۸۱۱، سنن ابن ماجہ:۲۸۷۵، مسند احمد:۲۴۶۷۲)

زبانی اور کلام کے ساتھ بیعت کرتے تھے اس آیت کے مطابق: ''اے نبی (مکرم!) جب آپ کے پاس ایمان والی عورتیں حاضر ہوں کہ وہ آپ سے اس پر بیعت کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گی، اور نہ چوری کریں گی اور نہ زنا کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی، اور نہ اپنے ہاتھوں اور پیروں کے سامنے کوئی بہتان تراشیں گی، اور نہ دستور کے مطابق کسی کام میں آپ کی نافرمانی کریں گی تو آپ ان کو بیعت کرلیا کریں، اور آپ ان کے لیے اللہ سے مغفرت طلب کریں، بے شک اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے O'' (الممتحنۃ:۱۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ نے کسی عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا سوا اس عورت کے جس کے آپ مالک تھے۔

صحیح البخاری: ۷۲۱۴، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

عورتوں کو بیعت کرنے کی کیفیت

امام بخاری نے اس حدیث کو اختصار سے روایت کیا ہے، اور امام بزار نے امام عبد الرزاق کی سند سے اس باب کی حدیث کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضرت فاطمہ بنت عتبہ یعنی ابنِ ربیعہ بن عبد شمس جو ہند بنتِ عتبہ کی بہن تھیں، وہ آئیں، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کر رہی تھیں، آپ نے ان سے یہ عہد لیا کہ وہ زنا نہیں کریں گی، تو انہوں نے شرم سے اپنا ہاتھ سر پر رکھ لیا، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان سے کہا: اے عورت! تم بیعت کرو، پس اللہ کی قسم! ہم نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس پر بیعت کی ہے، تب اس عورت نے کہا: پھر ٹھیک ہے۔

اور اسحاق بن راہویہ نے سندِ حسن کے ساتھ حضرت اسماء بنتِ یزید سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بے شک میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا'' اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اجنبی عورت سے بات کرنا اور اس کی بات سننا مباح ہے، اور اجنبی عورت کو بغیر ضرورت کے چھونا جائز نہیں ہے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۷۸۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۲۱۵۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ حَفْصَةَ عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ بَايَعْنَا النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَرَأَ عَلَيْنَا ﴿يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الوارث نے حدیث بیان کی از ایوب از حفصہ از حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ

الْمُؤْمِنٰتُ یُبَایِعْنَكَ عَلٰۤی اَنْ لَّا یُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَیْـًٔا وَّ لَا یَسْرِقْنَ وَ لَا یَزْنِیْنَ وَ لَا یَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَ لَا یَاْتِیْنَ بِبُهْتَانٍ یَّفْتَرِیْنَهٗ بَیْنَ اَیْدِیْهِنَّ وَ اَرْجُلِهِنَّ وَ لَا یَعْصِیْنَكَ فِیْ مَعْرُوْفٍ فَبَایِعْهُنَّ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۝﴾ وَنَهَانَا عَنْ النِّيَاحَةِ فَقَبَضَتْ امْرَأَةٌ مِنَّا يَدَهَا فَقَالَتْ فُلَانَةُ أَسْعَدَتْنِي وَأَنَا أُرِيدُ أَنْ أَجْزِيَهَا فَلَمْ يَقُلْ شَيْئًا فَذَهَبَتْ ثُمَّ رَجَعَتْ فَمَا وَفَتْ امْرَأَةٌ إِلَّا أُمُّ سُلَيْمٍ وَأُمُّ الْعَلَاءِ وَابْنَةُ أَبِي سَبْرَةَ امْرَأَةُ مُعَاذٍ أَوْ ابْنَةُ أَبِي سَبْرَةَ وَامْرَأَةُ مُعَاذٍ

ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تو آپ نے ہم پر یہ آیت پڑھی: ''اے نبی (مکرم!) جب آپ کے پاس ایمان والی عورتیں حاضر ہوں کہ وہ آپ سے اس پر بیعت کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گی، اور نہ چوری کریں گی اور نہ زنا کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی، اور نہ اپنے ہاتھوں اور پیروں کے سامنے کوئی بہتان تراشیں گی، اور نہ دستور کے مطابق کسی کام میں آپ کی نافرمانی کریں گی تو آپ ان کو بیعت کرلیا کریں، اور آپ ان کے لیے اللہ سے مغفرت طلب کریں، بے شک اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے O'' (الممتحنہ:۱۲)
اور آپ نے ہم کو نوحہ کرنے سے منع کیا تو ہم میں سے ایک عورت نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا، پس اس نے کہا: فلاں عورت نے نوحہ کرنے میں میری موافقت کی تھی اور میرا ارادہ ہے کہ میں اس عورت کو اس کی جزاء دوں تو آپ نے کچھ نہیں فرمایا، پس وہ چلی گئی، پھر لوٹ کر آئی، پس ہم میں سے ام سلیم کے سوا کسی عورت نے اس بیعت کو پورا نہیں کیا، اور ام العلاء اور ابنۃ ابی سبرہ جو معاذ کی بیوی ہیں یا ابنۃ ابی سبرہ اور معاذ کی بیوی کے سوا۔

(صحیح البخاری:۱۳۰۶، ۴۸۹۲، ۷۲۱۵، صحیح مسلم:۹۳۶، سنن نسائی:۴۱۸۰، مسند احمد:۲۶۷۶۰)

صحیح البخاری:۷۲۱۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نوحہ کرنے کا معنی

نوحہ کا معنی ہے: میت پر رویا جائے اور اس کے محاسن کو اور اچھے کاموں کو بیان کیا جائے، دوسری تعریف یہ ہے کہ آواز کے ساتھ رونے کو نوحہ کہتے ہیں۔
اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''پس ایک عورت نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا'' اس عورت سے مراد خود حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا ہیں، اس پر دلیل یہ ہے کہ امام نسائی کی روایت میں مذکور ہے کہ حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے کہا: یارسول اللہ! ایک عورت نے نوحہ کرنے میں میری موافقت کی تھی، سو میرے لیے ضروری ہے کہ میں بھی اس کے ساتھ نوحہ کرنے میں موافقت کروں، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کوئی جواب نہیں دیا، اور امام نسائی کی روایت میں ہے، آپ نے فرمایا'' جاؤ اس کے ساتھ نوحہ میں موافقت کرو' پس وہ گئیں اور اس

عورت کے ساتھ نوحہ میں موافقت کی اور پھر واپس آ کر آپ سے بیعت کی، اور یہی حدیث کے ان الفاظ کا معنی ہے: پس وہ عورت چلی گئی اور واپس آئی اور آپ نے اس کو بیعت کر لیا، اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کو اس عورت کے ساتھ نوحہ کرنے کی اجازت دی تھی۔ علامہ نووی نے کہا: یہ اجازت صرف حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کے لیے مخصوص تھی، اور شارع علیہ السلام کے لیے جائز ہے کہ وہ جس کو چاہیں عام حکم سے خاص اور اس کو مستثنیٰ کر لیں۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۴۴۔ ۳۴۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۰۔ بَابُ: مَنْ نَكَثَ بَيْعَةً

جس نے بیعت توڑ دی

وَقَوْلِهِ تَعَالَى: إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ ۚ فَمَنْ نَكَثَ فَإِنَّمَا يَنْكُثُ عَلَى نَفْسِهِ ۖ وَمَنْ أَوْفَى بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللَّهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ۝ (الفتح: ۱۰)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جو لوگ آپ کی بیعت کرتے ہیں وہ درحقیقت اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں، اللہ کا ہاتھ ہے ان کے ہاتھوں پر، سو جس نے یہ بیعت توڑ دی تو اس کا وبال صرف اسی پر ہو گا، اور جس نے اللہ سے کیا ہوا عہد پورا کیا تو عنقریب اللہ اسے بہت بڑا اجر دے گا ۝

۷۲۱۶۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ سَمِعْتُ جَابِرًا قَالَ جَاءَ أَعْرَابِيٌّ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ بَايِعْنِي عَلَى الْإِسْلَامِ فَبَايَعَهُ عَلَى الْإِسْلَامِ ثُمَّ جَاءَ الْغَدَ مَحْمُومًا فَقَالَ أَقِلْنِي فَأَبَى فَلَمَّا وَلَّى قَالَ الْمَدِينَةُ كَالْكِيرِ تَنْفِي خَبَثَهَا وَيَنْصَعُ طِيبُهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از محمد بن المنکدر، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، پس اس نے کہا: مجھے اسلام پر بیعت کیجئے، پس آپ نے اس کو اسلام پر بیعت کر لیا، پھر دوسرے دن وہ بخار میں مبتلا ہو کر آیا، پس اس نے کہا: میری بیعت توڑ دیجئے، آپ نے انکار کیا، جب وہ پیٹھ پھیر کر چلا گیا تو آپ نے فرمایا: مدینہ بھٹی کی مثل ہے، وہ اپنے میل کچیل کو نکال لیتا ہے اور خالص اور عمدہ جز کو باقی رکھتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۱۸۸۳، ۷۲۰۹، ۷۲۱۱، ۷۲۱۶، ۷۳۲۲، صحیح مسلم: ۱۳۸۳، سنن ترمذی: ۳۹۲۰، سنن نسائی: ۴۱۸۵، مسند احمد: ۱۴۷۹۵، موطا امام مالک: ۱۶۳۹)

صحیح البخاری: ۷۲۱۶، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بیعت توڑنے کی مذمت کے متعلق احادیث

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد بن

زید نے حدیث بیان کی از ایوب از نافع، وہ بیان کرتے ہیں کہ جب اہل مدینہ نے یزید بن معاویہ کی بیعت کو توڑ دیا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے خدام اور اپنے بیٹوں کو جمع کیا، پس فرمایا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "ہر عہد شکن کے لیے قیامت کے دن ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا" اور بے شک ہم نے اس مرد سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے نام پر بیعت کی ہے اور بے شک میں اس سے بڑا غدر اور عہد شکنی نہیں جانتا کہ کسی شخص سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر بیعت کی جائے، پھر اس کے خلاف جنگ نصب کی جائے، اور بے شک مجھے تم میں سے جس کے بارے میں بھی علم ہوا کہ اس نے یزید کی بیعت توڑ دی ہے یا اس نے کسی اور خلیفہ سے بیعت کر لی ہے تو میرے اور اس کے درمیان تعلق منقطع ہو جائے گا۔

(صحیح البخاری: ۳۱۸۸، ۶۱۷۷، ۶۱۷۸، ۶۹۶۶، ۷۱۱۱، صحیح مسلم: ۱۷۳۵، سنن ترمذی: ۱۵۸۱، سنن ابوداؤد: ۲۷۵۶، مسند احمد: ۵۷۷۰)

نیز امام طبرانی سندِ جید کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس شخص نے بیعت کی پھر اس بیعت کو توڑ دیا تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس کے ساتھ اس کا سیدھا ہاتھ نہیں ہوگا"۔

نیز امام احمد اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نماز کفارہ ہے سوا تین شخصوں کے: جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا اور جس نے سودے کو توڑ دیا، کسی مرد کے ہاتھ پر بیعت کی پھر اس سے جنگ کی"۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۳۷۹، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۵۱۔ بَابُ: اِلاسْتِخْلَافِ — کسی کو اپنا خلیفہ اور جانشین بنانا

بابِ مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی خلیفہ اپنی موت کے وقت کسی دوسرے کو اپنا خلیفہ مقرر کرے، یا ایک جماعت مقرر کرے جو مسلمانوں میں سے کسی ایک کو خلیفہ منتخب کرے، اس سلسلہ میں پانچ احادیث ہیں۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۳۸۰، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۲۱۷۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ سَمِعْتُ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ قَالَ قَالَتْ عَائِشَةُ رضی الله عنها وَارَأْسَاهْ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم ذَاكِ لَوْ كَانَ وَأَنَا حَيٌّ فَأَسْتَغْفِرُ لَكِ وَأَدْعُو لَكِ فَقَالَتْ عَائِشَةُ وَا ثُكْلِيَاهْ وَاللهِ إِنِّي لَأَظُنُّكَ تُحِبُّ مَوْتِي وَلَوْ كَانَ ذَاكَ لَظَلَلْتَ آخِرَ يَوْمِكَ مُعَرِّسًا بِبَعْضِ أَزْوَاجِكَ فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم بَلْ أَنَا وَارَأْسَاهْ لَقَدْ هَمَمْتُ أَوْ أَرَدْتُ أَنْ أُرْسِلَ إِلَى أَبِي بَكْرٍ وَابْنِهِ فَأَعْهَدَ أَنْ يَقُولَ الْقَائِلُونَ أَوْ يَتَمَنَّى الْمُتَمَنُّونَ ثُمَّ قُلْتُ يَأْبَى اللهُ وَيَدْفَعُ الْمُؤْمِنُونَ أَوْ يَدْفَعُ اللهُ وَيَأْبَى

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سلیمان بن بلال نے خبر دی از یحییٰ بن سعید، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے قاسم بن محمد سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے (سر کے درد کی شدت سے) کہا: ہائے میرا سر! تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر ایسا ہو گیا (یعنی تم فوت ہو گئیں) اور میں زندہ ہوا تو میں تمہارے لیے استغفار کروں گا اور تمہارے لیے دعا کروں گا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ہائے مصیبت، اللہ کی قسم! بے شک میں آپ کے متعلق یہ گمان کرتی ہوں کہ آپ میری موت چاہتے ہیں اور اگر ایسا ہو گیا تو آپ اسی دن کے آخری حصہ میں کسی

الْمُؤْمِنُونَ۔
(صحیح البخاری:۵۶۶۶،۷۲۱۷،صحیح مسلم:۲۳۸۷)

دوسری بیوی کے ساتھ دولہا بنے ہوئے ہوں گے، پس نبی ﷺ نے فرمایا: بلکہ ہائے میرا سر! بے شک میں نے ارادہ کیا ہے کہ میں ابوبکر کو اور ان کے بیٹے کو بلاؤں، پس ان کی طرف وصیت کروں کہ کہنے والے کہیں گے یا تمنا کرنے والے تمنا کریں گے، پھر میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ انکار کرے گا اور مومنین دفع کریں گے، یا فرمایا: اللہ تعالیٰ دفع کرے گا اور مومنین انکار کردیں گے۔

صحیح البخاری:۷۲۱۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کلام سے اعراض کرتے ہوئے فرمایا کہ ''میں خود سر کے درد میں مبتلا ہوں، کیونکہ تم پر کوئی خطرہ نہیں ہے اور تم میرے بعد زندہ رہو گی''، آپ نے اس چیز کو وحی سے جان لیا، پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی دلجوئی کے لیے فرمایا کہ ''تم اپنے والد اور اپنے بھائی کو بلا لو تا کہ میں ان کے لیے خلافت کی وصیت کردوں کہ کہیں کچھ لوگ خلافت کی تمنا نہ کریں اور اللہ تعالیٰ ابوبکر کے غیر پر خلافت کا انکار کردے گا اور مومنین بھی اس کو دفع کردیں گے''۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۴۱۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری:۷۲۱۷، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی پیشگوئی

امام مسلم نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''میرے لیے ابوبکر کو بلاؤ، میں ان کے لیے ایک مکتوب لکھ دوں، کیونکہ مجھے یہ خطرہ ہے کہ کوئی تمنا کرنے والا تمنا کرے گا اور اللہ تعالیٰ اور مومنین ابوبکر کے غیر کا انکار کردیں گے''۔

اور علامہ المہلب نے کہا ہے: اس حدیث میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر قطعی دلیل ہے اور اس پر تعجب ہے کہ علامہ المہلب نے اس کے بعد اسے مقرر رکھا ہے کہ یہ ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۳۸۰، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری:۷۲۱۷، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی پیش گوئی پر اعتراض کا جواب

پس اگر تم یہ سوال کرو کہ جب یہ ثابت ہے کہ شارع علیہ السلام نے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا تو اس حدیث کا کیا معنی ہے جس کو اسماعیل بن

ابی خالد قیس بن ابی حازم نے روایت کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا اور ان کے ہاتھ میں ایک لاٹھی تھی اور وہ لوگوں کو بٹھا رہے تھے اور کہہ رہے تھے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفہ کی بات سنو، اور یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کے خلاف ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں ہے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو کہا کہ اگر میں خلیفہ بنانے کو ترک کروں تو بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی خلیفہ بنانے کو ترک کیا ہے، یعنی اپنے بعد کسی کے خلیفہ ہونے کی تصریح کو ترک کیا ہے اور اس کے اعلان کو ترک کیا ہے، تو کسی ایک شخص کو آپ خلافت کے لیے معین فرما دیں۔

اور رہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفہ کے احکام سنو، اس کا معنی یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ان دلائل سے خلیفہ مقرر کیا جن دلائل کو آپ نے امت کے لیے مقرر کیا تھا کہ وہ آپ کے بعد خلیفہ ہوں گے، پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفہ تھے، کیونکہ ان کی خلافت پر دلیل قائم تھی اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ خبر دے دی تھی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی اور خلیفہ نہیں ہوگا، اس لیے آپ نے فرمایا کہ اللہ بھی انکار کر دے گا اور مومنین بھی دفع کر دیں گے، اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خلیفہ ہونے پر زیادہ صریح دلیل یہ ہے کہ جب ایک عورت نے آپ سے کوئی مسئلہ پوچھا اور پھر کہا: اگر میں آپ کو نہ پاؤں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تم ابوبکر کے پاس جانا''۔

اور کسی بشر کو اتنا علم غیب نہیں ہے جتنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علمِ غیب دیا گیا، پس آپ نے یہ دیکھا کہ مسلمانوں کے امر کو منضبط کرنے کے لیے خلیفہ کا ہونا ضروری ہے، اگرچہ کسی ایک معین شخص کی خلافت پر لوگوں کو مطلع نہ کیا جائے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۲ ص ۶۰۳۔ ۶۰۴ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۷۲۱۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ قِيلَ لِعُمَرَ أَلَا تَسْتَخْلِفُ قَالَ إِنْ أَسْتَخْلِفْ فَقَدِ اسْتَخْلَفَ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِنِّي أَبُو بَكْرٍ وَإِنْ أَتْرُكْ فَقَدْ تَرَكَ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِنِّي رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَأَثْنَوْا عَلَيْهِ فَقَالَ رَاغِبٌ رَاهِبٌ وَدِدْتُ أَنِّي نَجَوْتُ مِنْهَا كَفَافًا لَا لِي وَلَا عَلَيَّ لَا أَتَحَمَّلُهَا حَيًّا وَلَا مَيِّتًا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے خبر دی از ہشام بن عروہ از والد خود از حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا گیا: کیا آپ کسی کو خلیفہ نہیں بناتے؟ تو انہوں نے کہا: اگر میں خلیفہ بناؤں تو انہوں نے خلیفہ بنایا ہے جو مجھ سے بہتر تھے، اور وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں، اور اگر میں نہ بناؤں تو انہوں نے خلیفہ بنانے کو ترک کیا جو مجھ سے بہتر تھے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، پس لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تعریف کی، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: (میں اللہ کے پاس اجر میں) رغبت کرنے والا ہوں، اور (اللہ کے عذاب سے) ڈرنے والا ہوں، اور میں پسند کرتا ہوں کہ میرا خلافت سے معاملہ برابر سرابر ہو جائے، نہ مجھے ثواب ملے اور نہ مجھ پر گرفت ہو اور

میں زندگی اور موت دونوں حالتوں میں خلافت کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔

(صحیح مسلم: ۱۸۲۳، سنن ترمذی: ۲۲۲۵، سنن ابوداؤد: ۲۹۳۹، مسند احمد: ۳۳۴)

صحیح البخاری: ۷۲۱۸، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک اپنا خلیفہ نہ بنانے کا راجح ہونا

اس حدیث میں مذکور ہے "کیا آپ کسی کو خلیفہ نہیں بناتے؟"

صحیح مسلم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: جب میرے والد زخمی کیے گئے اور ان پر موت کا وقت آیا تو لوگوں نے کہا کہ آپ کسی کو خلیفہ بنائیں۔

اور دوسری روایت میں ہے کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے والد کسی کو خلیفہ نہیں بنا رہے؟ تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا، اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: اگر آپ بکریوں کے چرواہے ہوں اور آپ پھر بکریوں کو یونہی چھوڑ دیں تو آپ دیکھیں گے کہ وہ بکریاں ضائع ہو گئیں، تو لوگوں کی حفاظت کرنا بکریوں کی حفاظت سے زیادہ شدید ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنے دین کی حفاظت کرے گا۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "اگر میں نے خلیفہ بنایا تو جو مجھ سے بہتر تھے انہوں نے بھی خلیفہ بنایا تھا"۔

اور سالم کی روایت میں مذکور ہے "اگر میں کسی کو خلیفہ نہ بناؤں تو بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا، اور اگر میں کسی کو خلیفہ بناؤں تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خلیفہ بنایا تھا"۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: پس اللہ کی قسم! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا، تو میں نے جان لیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے تجاوز نہیں کریں گے اور وہ کسی کو خلیفہ نہیں بنائیں گے۔

علامہ ابن المنیر نے کہا ہے: جو چیز ظاہر ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک اپنا خلیفہ مقرر نہ کرنا راجح تھا، کیونکہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "صحابہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تعریف کی تو انہوں نے کہا: میں رغبت کرنے والا ہوں اور ڈرنے والا ہوں"۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول "راغب (رغبت کرنے والا)" اور "راهب (ڈرنے والا)" کے متعدد معانی

علامہ ابن بطال نے کہا ہے: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو کہا: میں رغبت کرنے والا اور ڈرنے والا ہوں، ہوسکتا ہے اس کا یہ معنی ہو کہ جن لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تعریف کی تھی، یا تو وہ میری رائے کے حسن اور عمدگی میں رغبت کرنے والے تھے، یا ان کے دل

میں جو میری کارکردگی کی کراہت تھی اس کے اظہار سے ڈرنے والے تھے، یا اس کا معنی یہ ہے کہ جو کچھ میرے پاس ہے، وہ اس میں رغبت کرنے والے تھے اور مجھ سے ڈرنے والے تھے، یا اس سے مراد یہ ہے کہ لوگ خلافت میں رغبت کرنے والے ہیں اور خلافت سے ڈرنے والے ہیں، پس اگر میں نے اس کو خلیفہ بنا دیا جو اس میں رغبت کرنے والا ہے تو مجھے خطرہ ہے کہ اس کی مدد نہیں کی جائے گی، اور اگر میں نے اس کو خلیفہ بنا دیا جو خلافت سے ڈرنے والا ہے تو مجھے خطرہ ہے کہ وہ بارِ خلافت کو نہیں اٹھا سکے گا، اور قاضی عیاض نے اس میں ایک اور توجیہ کا ذکر کیا ہے، وہ یہ ہے کہ یہ دونوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صفت ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کے پاس جو ان کا اجر ہے، اس میں وہ رغبت کرنے والے ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کے پاس ان کی گرفت ہے، اس سے وہ ڈرنے والے ہیں، پس تم لوگوں نے جو میری تعریف کی ہے، میں اس پر اعتماد نہیں کرتا۔

سربراہِ ملک کا اپنی موت کے وقت کسی کو اپنا خلیفہ مقرر کرنے یا مقرر نہ کرنے، دونوں امروں کا جواز

اس حدیث میں مذکور ہے "اور میں نے خلافت کا بوجھ اپنی زندگی میں اٹھایا اب موت کے وقت میں اس کا بوجھ نہیں اٹھاؤں گا"۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا منشاء یہ تھا کہ میں اپنی زندگی میں کارِ خلافت کو انجام دیتا رہا اور اس کا بوجھ میرے ذمہ ہے، اب اگر میں نے کسی خاص شخص کو خلیفہ مقرر کر دیا اور وہ اس کا اہل نہ ہوا تو اس کا بوجھ بھی میری گردن پر ہوگا، سو میں یہ بوجھ نہیں اٹھانا چاہتا۔

علامہ ابنِ بطال مالکی نے کہا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس معاملہ میں فتنہ کے خوف سے متوسط مسلک کو اختیار کیا، پس انہوں نے دیکھا کہ خلیفہ بنانا مسلمانوں کے معاملات کو منضبط کرنے کے لیے ہوتا ہے، پس انہوں نے خلیفہ کے انعقاد کو چھ صحابہ کی کمیٹی کے اوپر موقوف کر دیا، تاکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اقتداء کو ترک نہ کیا جائے، پس انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے ایک طرف پر عمل کیا اور وہ یہ کہ کسی کو معین خلیفہ نامزد نہیں کیا، اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فعل سے بھی ایک طرف کو اختیار کیا اور وہ یہ ہے کہ چھ صحابہ کی کمیٹی بنا دی کہ وہ ان میں سے کسی کو خلیفہ منتخب کر لیں اور اس کی تصریح نہیں کی، نیز علامہ ابن بطال نے کہا: اس قصہ میں یہ دلیل ہے کہ امام اور سربراہِ ملک اپنے بعد کسی اور کو خلیفہ مقرر کر سکتا ہے، اور اس کا یہ فعل علامۃ المسلمین کے لیے جائز ہے، کیونکہ تمام صحابہ کا اس پر اتفاق تھا، اسی طرح ان کا اس میں بھی اختلاف نہیں تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو چھ اربابِ حل وعقد کی خلیفہ منتخب کرنے کے لیے کمیٹی بنا دی تھی۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۳۸۰۔۳۸۱، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۲۱۹۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا هِشَامٌ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَخْبَرَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رضي الله عنه أَنَّهُ سَمِعَ خُطْبَةَ عُمَرَ الْآخِرَةَ حِينَ جَلَسَ عَلَى الْمِنْبَرِ وَذٰلِكَ الْغَدَ مِنْ يَوْمٍ تُوُفِّيَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فَتَشَهَّدَ وَأَبُو بَكْرٍ صَامِتٌ لَا يَتَكَلَّمُ قَالَ كُنْتُ أَرْجُو أَنْ يَعِيشَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم حَتَّى يَدْبُرَنَا يُرِيدُ بِذٰلِكَ أَنْ يَكُونَ آخِرَهُمْ فَإِنْ يَكُ مُحَمَّدٌ صلى الله عليه وسلم قَدْ مَاتَ فَإِنَّ اللّٰهَ تَعَالَى قَدْ جَعَلَ بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ نُورًا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابراہیم بن موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے خبر دی از معمر از الزہری، وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے خبر دی، وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وہ دوسرا خطبہ سنا جب وہ منبر پر بیٹھے، اور یہ واقعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دوسرے دن کا ہے، پس انہوں نے کلمۂ شہادت پڑھا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خاموش تھے بات نہیں کر رہے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے توقع تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ

تَهْتَدُونَ بِهِ هَدَى اللهُ مُحَمَّدًا ﷺ وَإِنَّ أَبَا بَكْرٍ صَاحِبُ رَسُولِ اللهِ ﷺ ثَانِيَ اثْنَيْنِ فَإِنَّهُ أَوْلَى الْمُسْلِمِينَ بِأُمُورِكُمْ فَقُومُوا فَبَايِعُوهُ وَكَانَتْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ قَدْ بَايَعُوهُ قَبْلَ ذَلِكَ فِي سَقِيفَةِ بَنِي سَاعِدَةَ وَكَانَتْ بَيْعَةُ الْعَامَّةِ عَلَى الْمِنْبَرِ قَالَ الزُّهْرِيُّ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ سَمِعْتُ عُمَرَ يَقُولُ لِأَبِي بَكْرٍ يَوْمَئِذٍ اصْعَدِ الْمِنْبَرَ فَلَمْ يَزَلْ بِهِ حَتَّى صَعِدَ الْمِنْبَرَ فَبَايَعَهُ النَّاسُ عَامَّةً۔

(صحیح البخاری: ۷۲۶۹)

رہیں گے حتیٰ کہ ہمارے معاملات کی تدبیر کریں گے، ان کی مراد یہ تھی کہ آپ ان سب میں اخیر تک زندہ رہیں گے، پس اگر (سیدنا) محمد (ﷺ) فوت ہوگئے تو بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے سامنے ایک نور (قرآن) رکھا ہے، تم اس سے ہدایت حاصل کرو گے جس سے اللہ تعالیٰ نے (سیدنا) محمد (ﷺ) کو ہدایت دی تھی، اور بے شک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، رسول اللہ ﷺ کے صاحب ہیں ثانی اثنین (غار میں دو میں کے دوسرے) ہیں، پس بے شک وہ تمام مسلمانوں میں سب سے زیادہ تمہارے معاملات کا انتظام کرنے کے اہل ہیں، پس اٹھو اور ان سے بیعت کرلو، اور صحابہ کی ایک جماعت پہلے ہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بنو ساعدہ کی بیٹھک میں بیعت کر چکی تھی، اور یہ منبر کے اوپر عام بیعت تھی، زہری نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اس دن کہہ رہے تھے: آپ منبر پر چڑھیے، پھر مسلسل کہتے رہے حتیٰ کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ منبر پر چڑھے، پھر تمام لوگوں نے عمومی طور پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بیعت کی۔

صحیح البخاری: ۷۲۱۹، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی دو بار بیعت کی توجیہ

اس حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اپنا مشاہدہ بیان کیا ہے جو انہوں نے ثقیفہ بنو ساعدہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کے بعد سنا تھا حتیٰ کہ پہلے اس بیٹھک میں صحابہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کرلی تھی، لیکن کئی صحابہ اپنے اپنے کاموں میں مشغول تھے تو جو اس بیٹھک میں بیعت کے لیے نہیں آئے تھے وہ یہاں مسجد میں بیعتِ عامہ کے موقع پر آئے اور جن لوگوں نے ثقیفہ بنو ساعدہ میں بیعت نہیں کی تھی انہوں نے آکر بیعت کرلی، اور یہ دونوں بیعتیں ایک دن میں ہوئیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے وصفِ صحابی ذکر کرنے کے بعد "ثانی اثنین" کے وصف کے ذکر کی توجیہ

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہیں اور "ثانی اثنین" ہیں۔

علامہ ابن التین نے کہا ہے: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے صحابی ہونے کے وصف کو مقدم بیان کیا، کیونکہ صحابی ہونا

بہت بڑا شرف ہے، اور جب کہ دوسرے صحابہ بھی اس وصف میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے شریک تھے تو انہوں نے بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا خاص وصف بیان کیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وہ ہیں جن کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی کہ وہ "ثانی اثنین" ہیں، اور یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بہت عظیم فضائل میں سے ہے جس کی وجہ سے وہ اس کے مستحق ہوئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفہ ہوئے، اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تمام لوگوں میں تمہارے معاملات کی تدبیر کرنے کے سب سے زیادہ لائق ہیں۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۳۸۲، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۲۲۰۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ أَتَتِ النَّبِيَّ ﷺ امْرَأَةٌ فَكَلَّمَتْهُ فِي شَيْءٍ فَأَمَرَهَا أَنْ تَرْجِعَ إِلَيْهِ قَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ أَرَأَيْتَ إِنْ جِئْتُ وَلَمْ أَجِدْكَ كَأَنَّهَا تُرِيدُ الْمَوْتَ قَالَ إِنْ لَمْ تَجِدِينِي فَأْتِي أَبَا بَكْرٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدالعزیز بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم بن سعد نے حدیث بیان کی از والد خود از محمد بن جبیر بن مطعم از والد خود، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور آپ سے کسی چیز کے متعلق بات کی، آپ نے اسے حکم دیا کہ وہ دوبارہ آپ کے پاس آئے، اس عورت نے کہا: یارسول اللہ! یہ بتایئے اگر میں آؤں اور آپ کو نہ پاؤں؟ گویا کہ اس کا ارادہ یہ تھا کہ آپ فوت ہو جائیں، آپ نے فرمایا: اگر تم مجھ کو نہ پاؤ تو ابوبکر کے پاس آنا۔

(صحیح البخاری: ۳۶۵۹، ۷۲۲۰، ۷۳۶۰، صحیح مسلم: ۲۳۸۶، سنن ترمذی: ۳۶۷۶، مسند احمد: ۱۶۳۱۴)

صحیح البخاری: ۷۲۲۰، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خلیفہ ہونے پر دلائل

اس حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفہ ہوں گے، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نماز میں مقدم کیا، اس میں بھی آپ کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ جس شخص کو آپ نے ہمارے دین میں امامت کے لیے پسند کر لیا، تو اس کو ہماری دنیا میں امامت کے لیے پسند کرنا زیادہ لائق ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وجہ سے اسلام کو عزت دی اور انہوں نے آپ کے بعد مرتدین کا قلع قمع کیا اور بیشتر فتوحات حاصل ہوئیں۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۲ ص ۶۰۹، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۷۲۲۱۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ سُفْيَانَ حَدَّثَنِي قَيْسُ بْنُ مُسْلِمٍ عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي بَكْرٍ رضی الله عنه قَالَ لِوَفْدِ بُزَاخَةَ تَتْبَعُونَ أَذْنَابَ الْإِبِلِ حَتَّى يُرِيَ اللهُ خَلِيفَةَ نَبِيِّهِ ﷺ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از سفیان، وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے قیس بن مسلم نے حدیث بیان کی از طارق بن شہاب از حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں

وَالْمُهَاجِرِينَ أَمْرًا يَعْذِرُونَكُمْ بِهِ۔

(تحفۃ الاشراف: ۶۵۹۸)

کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بزاخہ کے وفد سے فرمایا: تم اونٹوں کی دموں کے پیچھے پھرتے رہو حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ کو اور مہاجرین کو ایسا امر دکھا دے جس سے وہ تمہاری معذرت قبول کر لیں۔

صحیح البخاری: ۷۲۲۱، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بزاخہ کے وفد کا قصہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اصابتِ رائے

بزاخہ کے وفد کا قصہ یہ ہے کہ یہ مرتد ہو گئے، پھر انہوں نے توبہ کی، پھر انہوں نے اپنے نمائندے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجے اور وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے معافی طلب کرتے تھے، پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ پسند کیا کہ ان کے متعلق کوئی فیصلہ صحابہ سے مشورہ کیے بغیر نہ کریں، پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بزاخہ کے وفد سے کہا: تم واپس جاؤ اور جنگلوں میں اونٹوں کی دُموں کے پیچھے چلتے رہو حتیٰ کہ مہاجرین اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خلیفہ یہ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو مشورہ کے بعد کون سے فیصلہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے جس سے وہ تمہاری معذرت کو قبول کریں۔

اس کے بعد علامہ ابن بطال نے از قیس بن مُسلم از طارق بن شہاب روایت کی ہے کہ اہلِ بزاخہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور وہ صلح کا سوال کرتے تھے اور ان کا تعلق قبیلہ بنو طے سے تھا، پس ان سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پس یا تو تم کھلم کھلا جنگ کو اختیار کرو یا ایسی صلح کو اختیار کرو جس میں تمہاری رسوائی ہو، تو انہوں نے کہا: ہم نے کھلم کھلا جنگ کو تو جان لیا تو وہ صلح کون سی ہے جس میں رسوائی ہو؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: تم سے تمہارے گھوڑے اور سامانِ جنگ چھین لیا جائے گا اور تم ہمارے مقتولوں کی دیت ادا کرو گے، اور تمہارے مقتول دوزخ میں ہیں، اور ہم نے جو سامان تم سے چھینا ہے وہ مالِ غنیمت ہوگا، اور تم نے جو ہمارا سامان چھینا ہے وہ ہم کو واپس کرو گے اور تم کچھ لوگوں کو چھوڑ دو جو اونٹوں کی دموں کے پیچھے چلتے رہے ہیں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کے خلیفہ کو اور مہاجرین کو ایسا امر دکھلا دے جس سے وہ تمہاری معذرت کو قبول کر لیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ خطبہ دیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میری ایک رائے ہے اور میں عنقریب آپ کو اس کی طرف اشارہ کروں گا، آپ نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ ان سے ان کے گھوڑے چھین لیے جائیں اور سامانِ حرب چھین لیا جائے تو یہ آپ نے بہت اچھا فیصلہ کیا، اور یہ جو آپ نے کہا کہ وہ ہمارے مقتولین کی دیت ادا کریں اور ان کے مقتولین دوزخ میں ہوں گے، پس بے شک ہمارے جو مقتولین قتل کیے گئے وہ اللہ تعالیٰ کے دین کے راستہ میں قتل کیے گئے اور اس میں دیات نہیں ہوتی، پس تمام لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کی تائید کی۔

(شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۸ ص ۲۲۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۵۱۔ بَابٌ:

باب

۷۲۲۲، ۷۲۲۳۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن المثنیٰ

غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ سَمُرَةَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ يَكُونُ اثْنَا عَشَرَ أَمِيرًا فَقَالَ كَلِمَةً لَمْ أَسْمَعْهَا فَقَالَ أَبِي إِنَّهُ قَالَ كُلُّهُمْ مِنْ قُرَيْشٍ۔

نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں غندر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از عبدالملک، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بارہ (۱۲) امیر ہوں گے، پھر آپ نے کوئی بات کہی جس کو میں نے نہیں سنا، پس میرے والد نے بتایا کہ آپ نے فرمایا تھا: وہ سب قریش سے ہوں گے۔

(صحیح مسلم: ۱۸۲۱، سنن ترمذی: ۲۲۲۳، سنن ابوداؤد: ۴۲۸۰، مسند احمد: ۲۰۳۲۵)

صحیح البخاری: ۷۲۲۲، ۷۲۲۳، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا: میری کسی ایک سے بھی ملاقات نہیں ہوئی جس نے اس حدیث کا کوئی قطعی معنی بیان کیا ہو، ایک قوم نے یہ کہا کہ اس حدیث کا معنی ہے کہ پسندیدہ اور بلند خلافت کے بعد بارہ (۱۲) امیر ہوں گے، دوسری قوم نے کہا: اس کا معنی ہے کہ بارہ (۱۲) امیر پے در پے ہوں گے، اور ایک تیسری قوم نے کہا: ایک زمانہ میں بارہ (۱۲) امیر ہوں گے اور وہ سب قریش سے ہوں گے اور امارت کا دعویٰ کریں گے، پس جس چیز پر میرا اغلبِ ظن ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے یہ ارادہ فرمایا کہ آپ اپنے بعد تعجب انگیز فتنوں کی خبر دیں حتیٰ کہ لوگ ایک وقت میں بارہ (۱۲) امیروں میں مختلف ہو جائیں گے اور جو بارہ سے زیادہ ہوں تو وہ زیادہ تعجب خیز ہے، اور اگر اس کے سوا کوئی اور معنی آپ کی مراد ہوتا تو آپ فرماتے کہ بارہ امیر ہوں گے وہ اس طرح کریں گے اور اس طرح کریں گے، پس جب آپ نے اس طرح نہیں بیان فرمایا تو ہم نے جان لیا کہ آپ کی مراد یہ تھی کہ بارہ (۱۲) امیر ایک زمانہ میں ہوں گے، واللہ اعلم۔ (شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۸ ص ۲۲۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۷۲۲۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بارہ (۱۲) خلفاء کے متعلق متعدد احادیث

امام مسلم نے اپنی سند کے ساتھ سفیان بن عیینہ سے روایت کی ہے کہ لوگوں کے معاملات جاری رہیں گے جب تک کہ ان کے والی بارہ مرد ہوں گے۔

اور امام ابوداؤد نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے: یہ دین اس وقت تک غالب رہے گا حتیٰ کہ بارہ خلیفہ ہوں۔

اور امام ابوداؤد نے از حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ یہ دین ہمیشہ قائم رہے گا حتیٰ کہ تمہارے اوپر بارہ خلیفہ ہوں اور یہ سب وہ ہوں گے جن پر امت مجتمع ہوگی۔

اور امام طبرانی نے اس حدیث کو ایک اور سند کے ساتھ روایت کیا ہے، اس کے الفاظ ہیں: اگر کوئی شخص ان سے عداوت رکھے گا تو اس کی عداوت سے ان کو ضرر نہیں ہوگا۔

بارہ خلفاء کے عدد پر دو سوال

ایک سوال یہ ہے کہ اس کے معارض وہ حدیث ہے جس کو سنن اربعہ نے روایت کیا ہے اور امام ابن حبان نے اس کو صحیح قرار دیا ہے، وہ یہ ہے کہ میرے بعد خلافت تیس سال تک رہے گی، پھر اس کے بعد ملوکیت ہو جائے گی، کیونکہ ان تیس سالوں میں صرف خلفاء اربعہ تھے اور حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے ایام خلافت تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت سفینہ کی حدیث میں جو ارشاد ہے کہ خلافت تیس سال رہے گی، اس سے مراد خلافتِ نبوت ہے اور حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں خلافت کو نبوت کے ساتھ مقید نہیں کیا۔

اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ خلافتِ نبوت صرف تیس سال رہے گی، اور ان تیس سالوں میں خلفاء راشدین کے بعد حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی خلافت تھی۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ خلافت تو بارہ مردوں سے زیادہ میں بھی رہی ہے۔

اس سوال کے جواب میں یہ کہا گیا ہے کہ ان بارہ مردوں سے مراد بنو امیہ کے خلفاء ہیں، پھر جب بنی امیہ سے خلافت نکل گئی تو عظیم فتنے اور جنگیں ہوئیں حتیٰ کہ بنو عباس کی حکومت قائم ہوگئی اور لوگوں کے احوال بہت زیادہ متغیر ہو گئے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ بارہ خلفاء امام مہدی کے بعد ہوں گے جن کا ظہور آخر زمانہ میں ہوگا۔ اور ''کتابِ دانیال'' میں مذکور ہے کہ جب مہدی فوت ہو جائیں گے تو اس کے بعد پانچ مرد والی ہوں گے جو بڑے نواسہ کی اولاد سے ہوں گے، پھر پانچ ہوں گے جو چھوٹے نواسہ کی اولاد سے ہوں گے۔

اور کعب احبار سے روایت ہے کہ بارہ مہدی ہوں گے، پھر اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نازل فرمائے گا جو دجال کو قتل کریں گے۔
اور اس کے جواب میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ تمام مدتِ اسلام میں قیامت تک بارہ خلیفہ ہوں گے جو حق کے ساتھ عمل کریں گے۔
ایک قول یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد سے لے کر عمر بن عبد العزیز تک چودہ حکمران تھے، ان میں سے دو حکمران صحیح نہیں تھے اور ان کی مدت طویل نہیں ہوئی اور وہ معاویہ بن یزید اور مروان بن الحکم تھے اور باقی بارہ نفس پے در پے حکمران ہوئے اور عمر بن عبد العزیز کی وفات ایک سو ایک (۱۰۱) ہجری میں ہوئی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۴۱۹۔ ۴۲۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۷۲۲۳، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جن بارہ خلفاء کی بیعت پر تمام لوگ متفق ہوئے

اس حدیث میں مذکور ہے ''اسلام اس وقت تک غالب رہے گا جب تک کہ بارہ خلیفہ ہوں گے'' ان بارہ خلفاء سے مراد وہ ہیں جن کی بیعت کر لی گئی اور ان کی اطاعت کر لی گئی، اور واقع میں لوگ پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر مجتمع ہوئے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر، پھر

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ پر، یہاں تک کہ جنگِ صفین میں حاکمین کا مقرر کرنے کا واقعہ ہوا، اس دن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو خلیفہ قرار دیا، اور لوگ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے صلح کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر مجتمع ہو گئے، پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے یزید پر مجتمع ہوئے اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لیے خلافت کا انعقاد نہیں ہو سکا بلکہ وہ شہید کر دیئے گئے، پھر جب یزید مر گیا تو اختلاف واقع ہوا یہاں تک کہ پھر سب لوگ حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کی شہادت کے بعد عبدالملک بن مروان پر مجتمع ہو گئے، پھر اس کے چار بیٹوں پر مجتمع ہوئے، ولید، پھر سلیمان، پھر یزید، پھر ہشام، اور سلیمان اور یزید کے درمیان عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے، پس یہ خلفاء راشدین کے بعد سات ہیں اور بارہواں ولید بن یزید بن عبدالملک ہے جس پر لوگ اس کے چچا ہشام کے مرنے کے بعد مجتمع ہوئے۔ اس طرح یہ بارہ خلفاء وہ ہیں جن کی بیعت پر تمام لوگ جمع ہوئے۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۳۸۶، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۵۲۔ بَابُ إِخْرَاجِ الْخُصُومِ وَأَهْلِ الرِّيَبِ مِنَ الْبُيُوتِ بَعْدَ الْمَعْرِفَةِ

جھگڑالو مردوں اور فساق کو ان کی معرفت کے بعد گھروں سے نکالنے کا بیان

وَقَدْ أَخْرَجَ عُمَرُ أُخْتَ أَبِي بَكْرٍ حِينَ نَاحَتْ

اور بے شک حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بہن کو گھر سے نکال دیا جب انہوں نے نوحہ کیا۔

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب جھگڑا کرنے والے اور فساق و فجار اپنے کاموں میں مشہور ہو جائیں تو ان کی شہرت کے بعد ان کو گھروں سے نکالنا جائز ہے، یعنی ان کے متعلق تجسس نہ کیا جائے۔ اور یہ اخراج اس لیے ہے تا کہ ان کے شر کی وجہ سے اور ان کے گناہوں کی وجہ سے ان کے پڑوسیوں کو ایذا نہ پہنچے۔

علامہ المہلب مالکی نے کہا ہے کہ جو لوگ فاسق و فاجر ہوں اور جھگڑالو ہوں تو امام پر واجب ہے کہ ان کی شناخت کے بعد ان کو گھروں سے نکال دے، کیونکہ وہ اپنے پڑوسیوں کو ایذاء پہنچائیں گے۔ اور جب معین طور پر ان کا علم نہ ہو تو ان کے متعلق چھان بین کرنے اور تجسس کرنے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ یہ وہ تجسس ہے جس سے منع کیا گیا ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ فساق و فجار کو گھروں سے نکالنا واجب نہیں ہے، اگر ان سے کوئی ایسا جرم ثابت ہو جائے جس سے حد واجب ہے تو ان پر حد لگائی جائے گی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۴۲۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۲۲۴۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ آمُرَ بِحَطَبٍ يُحْتَطَبُ ثُمَّ آمُرَ بِالصَّلَاةِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از ابوالزناد از الاعرج از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات

فَيُؤَذَّنَ لَهَا ثُمَّ آمُرَ رَجُلًا فَيَؤُمَّ النَّاسَ ثُمَّ أُخَالِفَ إِلَى رِجَالٍ فَأُحَرِّقَ عَلَيْهِمْ بُيُوتَهُمْ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ يَعْلَمُ أَحَدُكُمْ أَنَّهُ يَجِدُ عَرْقًا سَمِينًا أَوْ مِرْمَاتَيْنِ حَسَنَتَيْنِ لَشَهِدَ الْعِشَاءَ۔

کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! بے شک میں نے ارادہ کیا کہ میں لکڑیوں کے اکٹھا کرنے کا حکم دوں، پھر میں نماز قائم کرنے کا حکم دوں، پس نماز کے لیے اذان دی جائے، پھر میں کسی شخص کو حکم دوں جو لوگوں کی امامت کرائے، پھر میں پیچھے ان لوگوں کی طرف دیکھوں (جو جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے لیے نہیں آئے) تو ان کے گھروں پر آگ لگا دوں، اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! اگر تم میں سے کسی ایک کو معلوم ہو کہ اسے گوشت سے بھری ہوئی ہڈی ملے گی یا دو اچھی ہڈیاں ملیں گی تو وہ ضرور عشاء کی نماز میں حاضر ہوگا۔

(صحیح البخاری: ۶۴۴، ۶۵۷، ۲۴۲۰، ۷۲۲۴، صحیح مسلم: ۶۵۱، سنن ترمذی: ۲۱۷، سنن نسائی: ۸۴۸، سنن ابوداؤد: ۵۴۸، سنن ابن ماجہ: ۷۹۱، مسند احمد: ۸۶۷۳، موطا امام مالک: ۲۹۲)

وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ يُوسَفَ قَالَ يُونُسُ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ مِرْمَاةٌ مَا بَيْنَ ظِلْفِ الشَّاةِ مِنَ اللَّحْمِ مِثْلَ مِنْسَاةٍ وَمِيضَاةٍ الْمِيمِ مَخْفُوضَةٌ۔

اور محمد بن یوسف نے کہا کہ یونس نے بیان کیا، انہوں نے بیان کیا کہ محمد بن سلیمان نے کہا، انہوں نے بیان کیا کہ امام ابوعبداللہ نے کہا: یہ لفظ ''مرماۃ'' ہے، اس کا معنی ہے: بکری کے کھر کے درمیان جو گوشت ہوتا ہے، یہ لفظ ''مِنساۃ'' اور ''مِیضاۃ'' کی طرح ہے اور میم کے نیچے زیر ہے۔

اس حدیث کی شرح ''کتاب الصلوٰۃ'' میں گزر چکی ہے۔

۵۳۔ بَابٌ: هَلْ لِلْإِمَامِ أَنْ يَمْنَعَ الْمُجْرِمِينَ وَأَهْلَ الْمَعْصِيَةِ مِنَ الْكَلَامِ مَعَهُ وَالزِّيَارَةِ وَنَحْوِهِ

کیا سربراہِ ملک کے لیے جائز ہے کہ وہ مجرمین اور فساق سے بات کرنے اور ان سے ملاقات وغیرہ کرنے سے روک دے؟

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ سربراہِ ملک کے لیے آیا یہ جائز ہے کہ وہ مجرمین سے ملاقات کرنے اور بات چیت کرنے پر پابندی لگا دے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۴۲۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۲۲۵۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ اللهِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث

بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ وَكَانَ قَائِدَ كَعْبٍ مِنْ بَنِيهِ حِينَ عَمِيَ قَالَ سَمِعْتُ كَعْبَ بْنَ مَالِكٍ قَالَ لَمَّا تَخَلَّفَ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ فَذَكَرَ حَدِيثَهُ وَنَهَى رَسُولُ اللهِ ﷺ الْمُسْلِمِينَ عَنْ كَلَامِنَا فَلَبِثْنَا عَلَى ذَلِكَ خَمْسِينَ لَيْلَةً وَآذَنَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِتَوْبَةِ اللهِ عَلَيْنَا۔

بیان کی از عقیل از ابن شہاب از حضرت عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن کعب بن مالک، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن کعب بن مالک جو کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے بیٹوں میں سے ان کے اس وقت قائد تھے جب وہ نابینا ہو گئے تھے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا جب وہ غزوہ تبوک میں پیچھے رہ گئے تھے، پھر انہوں نے اس حدیث کا ذکر کیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو ہم سے کلام کرنے سے منع فرما دیا تھا، ہم اسی حال میں پچاس راتوں تک رہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کی طرف سے ہماری توبہ قبول ہونے کا اعلان فرما دیا۔

(صحیح البخاری:۴۴۱۸، صحیح مسلم:۲۷۶۹، سنن ترمذی:۳۱۰۲، سنن نسائی:۳۴۲۲، سنن ابوداؤد:۲۲۰۲، مسند احمد:۱۵۳۶۲)

اس حدیث کی شرح کتاب المغازی میں گزر چکی ہے۔

''کتاب الاحکام'' کا اختتام

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین، وعلیٰ آلہ واصحابہ وازواجہ وذریتہ اجمعین!

آج ۳، ربیع الاول ۱۴۳۵ھ/ 5 رجنوری 2014ء بروز اتوار بعد نمازِ ظہر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توجہ اور فیضان سے ''کتاب الاحکام'' کی احادیث کی شرح مکمل ہوگئی، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ کرم فرمائے اور صحیح البخاری کے باقی ماندہ ابواب کی احادیث کی شرح کرنے کی بھی توفیق عطا فرمائے، اور کتاب الاحکام میں جو شرح لکھی گئی ہے اس میں جو فروگزاشت ہوگئی ہے اس سے درگزر فرمائے اور وہی لکھنے کی توفیق دے جو حق اور صواب ہو اور سب مسلمانوں کو اس کے تقاضوں پر عمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ اب اس کتاب کے بعد ان شاء اللہ ''کتاب التمنی'' کی شرح کی جائے گی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہٗ ونصلی ونسلم علٰی رسولہ الکریم

۹۴۔ کِتَابُ التَّمَنِّی

نیک آرزوؤں کا بیان

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس کتاب کی شرح میں لکھتے ہیں:

تمنّی کا مادہ ''اُمنیّۃ'' ہے جس کا معنی آرزو ہے اور اس کی جمع ''امانی'' ہے، اور یہ بابِ تفعّل کا صیغہ ہے، تمنّی میں مستقبل میں فعل کے وقوع کا ارادہ ہوتا ہے، پس اگر وہ فعل خیر ہو تو اس کی تمنا مطلوب ہے اور اگر وہ شر ہو تو اس کی تمنا مذموم ہے۔

تمنّی اور ترجّی میں عموم اور خصوص کی نسبت ہے، ترجّی یعنی امید ان افعال میں کی جاتی ہے جو ممکن ہوں، اور تمنّی یعنی آرزو ان افعال میں کی جاتی ہے جو عام ہوں، دوسرا قول یہ ہے کہ تمنّی اس چیز کی جاتی ہے جو فوت ہو چکی ہو اور بعض علماء نے اس کو اس سے تعبیر کیا کہ جس چیز کا حصول ممکن نہ ہو اس کی تمنا کی جاتی ہے۔

علامہ راغب اصفہانی نے کہا ہے: تمنّی کا لفظ وُد اور محبت کو متضمن ہے، کیونکہ انسان اس کے حصول کی تمنا کرتا ہے جس سے وہ محبت رکھتا ہے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۳۸۹، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۱۔ بَابُ: مَا جَاءَ فِي التَّمَنِّي وَمَنْ تَمَنَّى الشَّهَادَةَ

تمنا کے بیان میں احادیث اور جس نے شہادت کی تمنا کی

۷۲۲۶۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ خَالِدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ وَسَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْلَا أَنَّ رِجَالًا يَكْرَهُونَ أَنْ يَتَخَلَّفُوا بَعْدِي وَلَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُهُمْ مَا تَخَلَّفْتُ لَوَدِدْتُ أَنِّي أُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللهِ ثُمَّ أُحْيَا ثُمَّ أُقْتَلُ ثُمَّ أُحْيَا ثُمَّ أُقْتَلُ ثُمَّ أُحْيَا ثُمَّ أُقْتَلُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن عُفیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے اللیث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عبد الرحمٰن بن خالد نے حدیث بیان کی از ابن شہاب از حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ وسعید بن المسیّب، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! اگر یہ بات نہ ہوتی کہ لوگ میرے بعد پیچھے رہنے کو ناپسند کرتے اور میں ان کو سوار کرنے کے لیے سواری نہ پاتا تو میں کسی غزوہ سے پیچھے نہ رہتا، میں ضرور اس سے محبت کرتا ہوں کہ میں اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں،

پھر قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں۔

(صحیح البخاری: ۳۶، ۲۷۸۷، ۲۷۹۷، ۲۹۷۲، ۳۱۲۳، ۷۲۲۶، ۷۲۲۷، ۷۴۵۷، ۷۴۶۳، صحیح مسلم: ۱۸۷۶، سنن نسائی: ۳۱۲۳، سنن ابن ماجہ: ۲۷۵۳، مسند احمد: ۷۱۱۷، موطا امام مالک: ۹۷۴)

۷۲۲۷۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ وَدِدْتُ أَنِّي أُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَأُقْتَلُ ثُمَّ أُحْيَا ثُمَّ أُقْتَلُ ثُمَّ أُحْيَا ثُمَّ أُقْتَلُ فَكَانَ أَبُو هُرَيْرَةَ يَقُولُهُنَّ ثَلَاثًا أَشْهَدُ بِاللّٰهِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی کی از ابوالزناد از الاعرج از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! میں یہ پسند کرتا ہوں کہ بے شک میں ضرور اللہ کی راہ میں قتال کروں، پس قتل کر دیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کر دیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پس حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ تین بار کہتے تھے: میں اللہ کی شہادت دیتا ہوں۔

(صحیح البخاری: ۳۶، ۲۷۸۷، ۲۷۹۷، ۲۹۷۲، ۳۱۲۳، ۷۲۲۶، ۷۲۲۷، ۷۴۵۷، ۷۴۶۳، صحیح مسلم: ۱۸۷۶، سنن نسائی: ۳۱۲۳، سنن ابن ماجہ: ۲۷۵۳، مسند احمد: ۷۱۱۷، موطا امام مالک: ۹۷۴)

صحیح البخاری: ۷۲۲۷، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مودّت کا معنی

''وددت'' کا لفظ ودادۃ سے ماخوذ ہے، اور یہ کسی چیز کا مخصوص طریقہ پر ارادہ کرنا ہے، علامہ راغب اصفہانی نے کہا ہے: ''وُد'' کا معنی ہے: کسی چیز سے محبت کرنا اور اس کے حصول کی تمنا کرنا، جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى۔ (الشوریٰ: ۲۳)

آپ کہیے کہ میں اس (تبلیغ رسالت) پر تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا سوا قرابت کی محبت کے۔

اور اسی طرح یہ آیت ہے:

وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ۔ (آل عمران: ۶۹)

اہل کتاب کا ایک گروہ چاہتا ہے کہ کاش وہ تمہیں گمراہ کر سکیں۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۳۸۹، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

شہادت کی تمنا پر ایک اشکال کا جواب

اس حدیث پر یہ اشکال ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے موت کی تمنا کرنے سے منع فرمایا ہے اور جب کوئی شخص شہادت کی تمنا

کرے گا تو وہ بہر حال اپنی موت کی تمنا کرے گا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ دنیاوی مصائب اور بیماریوں سے تنگ آ کر موت کی تمنا کرنا ممنوع ہے، اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان دینے کے لیے موت کی تمنا کرنا مستحسن ہے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے "وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۔۔۔۔" (المائدہ:٦٧)" (اور اللہ آپ کو لوگوں (کے شر) سے محفوظ رکھے گا)، تو جب آپ کو معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو دشمنوں سے محفوظ رکھے گا تو یہ اس کو مستلزم ہے کہ کوئی شخص آپ کو شہید نہیں کر سکے گا، تو پھر آپ نے اللہ کی راہ میں موت کی تمنا کیسے کی جب کہ معلوم ہے کہ کوئی آپ کو شہید نہیں کر سکے گا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ فضیلت اور خیر کی تمنا کرنا اس کے وقوع کو مستلزم نہیں ہے، اور گویا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کی فضیلت بیان کرنے میں مبالغہ کا ارادہ فرمایا اور مسلمانوں کو اس پر برانگیختہ کرنے کا ارادہ فرمایا۔

حدیث مذکور کے فوائد

علامہ نووی نے کہا ہے: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حسنِ نیت کے ساتھ خیر پر برانگیختہ کرنا چاہیے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جوامت پر شفقت ہے اس کا علم ہوا، اور یہ معلوم ہوا کہ اللہ کی راہ میں قتل ہونے کو طلب کرنا مستحب ہے، اور یہ معلوم ہوا کہ کسی خیر سے محبت کرنا اس کے خلاف نہیں ہے کہ اس کو یہ معلوم ہو کہ یہ حاصل نہیں ہو سکتی، اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو چیز عادتاً ممتنع ہو اس کی تمنا کرنا جائز ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کا قتل کرنا محال تھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرما چکا ہے "اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا" پھر بھی آپ نے اللہ کی راہ میں موت کی تمنا کی، اور اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جہاد کرنا فرضِ کفایہ ہے، کیونکہ اگر جہاد کرنا فرضِ عین ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی غزوہ سے پیچھے نہ رہتے۔ (فتح الباری ج ۴ ص ۲۳۹، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

٢۔ بَابُ: تَمَنِّي الْخَيْرِ

اچھائی اور نیکی کی تمنا کرنا

وَقَوْلِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم: لَوْ كَانَ لِي أُحُدٌ ذَهَبًا

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: "اگر میرے لیے احد پہاڑ جتنا سونا ہوتا"۔

اس تعلیق میں جو حدیث ذکر کی گئی ہے، وہ مکمل حدیث اس باب کی حدیث میں مذکور ہے۔

٧٢٢٨۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ هَمَّامٍ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَوْ كَانَ عِنْدِي أُحُدٌ ذَهَبًا لَأَحْبَبْتُ أَنْ لَا يَأْتِيَ عَلَيَّ ثَلَاثٌ وَعِنْدِي مِنْهُ دِينَارٌ لَيْسَ شَيْءٌ أَرْصُدُهُ فِي دَيْنٍ عَلَيَّ أَجِدُ مَنْ يَقْبَلُهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق بن نصر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الرزاق نے حدیث بیان کی از معمر از ہمام، وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: اگر میرے پاس اُحد پہاڑ جتنا سونا ہوتا تو میں یہ ضرور پسند کرتا کہ مجھ پر تین دن گزرنے سے پہلے ہی میرے پاس اس میں سے کوئی ایک دینار نہ بچے، سوائے اس کے جو میں قرض کی ادائیگی کے لیے رکھ لوں، جب تک کہ اسے قبول کرنے والا کوئی پا تا رہوں۔

(صحیح البخاری: ۲۳۸۹، ۶۴۴۵، ۷۲۲۸، صحیح مسلم: ۹۹۱، سنن ابن ماجہ: ۴۱۳۲، مسند احمد: ۹۶۹۴)

صحیح البخاری: ۷۲۲۸، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی تمنا کرنا

اس باب میں بھی خیر کی تمنا اور نیک کاموں کے کرنے کا بیان ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تمنا فرمائی کہ اگر آپ کے پاس اُحد پہاڑ جتنا سونا ہوتا تو آپ ضرور یہ پسند کرتے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں خرچ کریں اس سے پہلے کہ آپ کے اوپر تین دن گزریں۔

اور صالحین اور نیک لوگوں نے یہ تمنا کی کہ ان کے پاس مال ہوتا اور وہ اس کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے، پس بنوالزبیر نے دنیا کے سامان کی تمنا کی تا کہ وہ اپنے اقوال کو نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے میں خرچ کریں۔

روایت ہے کہ حضرت عبداللہ اور عروہ اور مصعب بن الزبیر بن العوام کعبہ کے پاس جمع ہوئے، پس حضرت عبداللہ بن زبیر نے کہا: مجھے یہ پسند ہے کہ مجھے اس وقت تک موت نہ آئے حتیٰ کہ میں حجاز کا خلیفہ ہو جاؤں، اور مصعب بن زبیر نے کہا: مجھے یہ پسند ہے کہ میں کوفہ اور بصرہ کا والی بن جاؤں اور سکینہ بنت الحسین اور عائشہ بنت طلحہ سے نکاح کرلوں، اور عُروہ بن زبیر نے کہا: لیکن میں اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کرتا ہوں، پس حضرت عبداللہ بن الزبیر اور مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہم کو ان کی تمنا کے مطابق حکومتیں مل گئیں اور وفات کے بعد عروہ کو خواب میں دیکھا گیا کہ وہ جنت میں ہیں ان شاء اللہ۔

دوسری روایت ہے کہ حضرت ابن عمر اور عبدالملک بن مروان کی ملاقات ہوئی تو عبدالملک بن مروان نے تمنا کی وہ اس وقت تک نہ فوت ہو حتیٰ کہ وہ زمین کے مشرق اور مغرب کا والی ہو جائے، اور جو شخص بھی اس سے اس میں جھگڑا کرے اس کا سر کاٹ دیا جائے۔

(حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۱۷۶، سیر اعلام النبلاء ج ۴ ص ۱۴۱)

بعض صالحین کا اپنے آپ کو بہت حقیر قرار دینا

اور بعض صالحین نے اپنے آپ کو بہت حقیر قرار دیا اور انہوں نے یہ تمنا کی کہ کاش ان کو پیدا نہ کیا جاتا اور کاش وہ موجودات میں سب سے کم تر ہوتے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تمنا کی کہ کاش وہ سبز رنگ کے پتے ہوتے جن کو جانور کھا جاتے۔

(الطبقات الکبریٰ ج ۳ ص ۱۹۸)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمنا کی کہ وہ ایک تنکا ہوتے، انہوں نے کہا: کاش کہ میں یہ تنکا ہوتا، کاش میں کچھ بھی نہ ہوتا، کاش میری ماں مجھ کو پیدا نہ کرتی، کاش کہ میں بھولا بسرا ہو جاتا۔

(کتاب الزہد لابن المبارک: ۲۳۴، ابن السعد فی الطبقات ج ۳ ص ۳۶۱، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۱۱۷)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے کہا: میری تمنا ہے کہ میں راکھ ہوتا اور مجھے کسی گرم دن ہوا اڑا کر لے جاتی۔

(کتاب الزہد لابن المبارک: ۲۴۱، شعب الایمان للبیہقی: ۷۹۰)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا: میری تمنا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ایک درخت بنا کر پیدا کرتا جس کو کاٹ دیا جاتا۔

(سنن ترمذی: ۲۳۱۲، سنن ابن ماجہ: ۴۱۹۰)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک درخت کے پاس سے گزریں، پس کہا: کاش کہ میں اس درخت کا ایک پتا ہوتی۔
حضرت ابوعبیدہ بن الجراح نے کہا: کاش کہ میں ایک مینڈھا ہوتا، پس مجھے گھر والے ذبح کر دیتے اور میرا گوشت کھاتے اور میرا شوربہ پیتے۔ (کتاب الزہد لابن المبارک: ۲۴۱، شعب الایمان للبیہقی: ۷۹۰)
ان صالحین کو اس قسم کی تمنا پر ان کے خوف الٰہی کی شدت نے برانگیختہ کیا۔
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۲ ص ۶۲۱۔ ۶۲۳ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۳۔ بَابُ: قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ لَوِ اسْتَقْبَلْتُ مِنْ أَمْرِي مَا اسْتَدْبَرْتُ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ”کاش میں نے اپنے جس معاملہ کو بعد میں جانا، اس کو پہلے جان لیتا“

۷۲۲۹۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ حَدَّثَنِي عُرْوَةُ أَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَوِ اسْتَقْبَلْتُ مِنْ أَمْرِي مَا اسْتَدْبَرْتُ مَا سُقْتُ الْهَدْيَ وَلَحَلَلْتُ مَعَ النَّاسِ حِينَ حَلُّوا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از عقیل از ابن شہاب، وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے عروہ نے حدیث بیان کی، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک حضرت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اپنے جس معاملہ کو بعد میں جانا، اگر میں اس کو پہلے جان لیتا تو میں ہدی (تمتع کی قربانی) روانہ نہ کرتا، اور لوگوں کے ساتھ اس وقت احرام کھول دیتا جب انہوں نے احرام کھولا۔

(صحیح مسلم: ۱۲۱۱، سنن نسائی: ۲۷۱۲، سنن ابوداؤد: ۱۷۸۴، مسند احمد: ۲۵۵۶۳، سنن داری: ۱۸۵۰)

۷۲۳۰۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا يَزِيدُ عَنْ حَبِيبٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَلَبَّيْنَا بِالْحَجِّ وَقَدِمْنَا مَكَّةَ لِأَرْبَعٍ خَلَوْنَ مِنْ ذِي الْحِجَّةِ فَأَمَرَنَا النَّبِيُّ ﷺ أَنْ نَطُوفَ بِالْبَيْتِ وَبِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَأَنْ نَجْعَلَهَا عُمْرَةً وَنَحِلَّ إِلَّا مَنْ كَانَ مَعَهُ هَدْيٌ قَالَ وَلَمْ يَكُنْ مَعَ أَحَدٍ مِنَّا هَدْيٌ غَيْرَ النَّبِيِّ ﷺ وَطَلْحَةَ وَجَاءَ عَلِيٌّ مِنَ الْيَمَنِ مَعَهُ الْهَدْيُ فَقَالَ أَهْلَلْتُ بِمَا أَهَلَّ بِهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقَالُوا نَنْطَلِقُ إِلَى مِنًى وَذَكَرُ أَحَدِنَا يَقْطُرُ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِنِّي لَوِ اسْتَقْبَلْتُ مِنْ أَمْرِي مَا اسْتَدْبَرْتُ مَا أَهْدَيْتُ وَلَوْلَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں الحسن بن عمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یزید نے حدیث بیان کی از حبیب از عطاء از حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، پھر ہم نے حج کے لیے تلبیہ پڑھا، اور ہم ۲۶ ذوالحجہ کو مکہ پہنچ گئے، پس ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہم بیت اللہ کا طواف کریں اور صفا و مروہ میں سعی کریں اور اس کو عمرہ قرار دیں، اور ہم احرام کھول دیں سوا اس شخص کے جس کے ساتھ ہدی (یعنی قربانی کا جانور) ہو، حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بتایا: اور ہم میں سے کسی کے پاس بھی قربانی کا جانور نہیں تھا سوا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن سے آئے ان کے ساتھ قربانی کا جانور تھا، پس انہوں

أَنَّ مَعِي الْهَدْيَ لَحَلَلْتُ قَالَ وَلَقِيَهُ سُرَاقَةُ وَهُوَ يَرْمِي جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ أَلَنَا هٰذِهِ خَاصَّةً قَالَ لَا بَلْ لِأَبَدٍ قَالَ وَكَانَتْ عَائِشَةُ قَدِمَتْ مَعَهُ مَكَّةَ وَهِيَ حَائِضٌ فَأَمَرَهَا النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم أَنْ تَنْسُكَ الْمَنَاسِكَ كُلَّهَا غَيْرَ أَنَّهَا لَا تَطُوفُ وَلَا تُصَلِّي حَتّٰى تَطْهُرَ فَلَمَّا نَزَلُوا الْبَطْحَاءَ قَالَتْ عَائِشَةُ يَا رَسُولَ اللهِ أَتَنْطَلِقُونَ بِحَجَّةٍ وَعُمْرَةٍ وَأَنْطَلِقُ بِحَجَّةٍ قَالَ ثُمَّ أَمَرَ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ أَنْ يَنْطَلِقَ مَعَهَا إِلَى التَّنْعِيمِ فَاعْتَمَرَتْ عُمْرَةً فِي ذِي الْحَجَّةِ بَعْدَ أَيَّامِ الْحَجِّ

نے کہا: میں نے اس کا احرام باندھا ہے جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام باندھا ہے، پس صحابہ نے کہا: ہم منیٰ کی طرف اس حال میں جائیں گے کہ ہم میں سے کسی ایک کے ذکر سے منی کے قطرے ٹپک رہے ہوں گے!(کیونکہ ہم نے احرام کھولا ہوا ہوگا اور ہمارے لیے اپنے بیویوں سے مباشرت جائز ہوگی، انہوں نے اس پر اظہارِ افسوس کیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت سے محروم ہوں گے)، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میں اپنے اس معاملہ کو پہلے جان لیتا جس کو میں نے بعد میں جانا تو میں ہدی کا جانور نہ روانہ کرتا، اور اگر میرے پاس ہدی کا جانور نہ ہوتا تو میں بھی احرام کھول دیتا، حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ ان سے حضرت سراقہ ملے اور وہ جمرۃ العقبہ میں رمی کر رہے تھے، پس انہوں نے کہا: یارسول اللہ! کیا یہ حکم (یعنی جمرۃ العقبہ کو رمی کرنا) صرف ہمارے لیے خاص ہے؟ فرمایا: نہیں بلکہ ہمیشہ کے لیے ہے؟ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بتایا: اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مکہ پہنچ گئیں اور وہ حائضہ تھیں، پس ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ وہ حج کے تمام مناسک ادا کریں سوا اس کے کہ وہ بیت اللہ کا طواف نہیں کریں گی اور نہ نماز پڑھیں گی حتیٰ کہ حیض سے پاک ہو جائیں، پس جب صحابہ البطحاء میں پہنچے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: یارسول اللہ! کیا لوگ حج اور عمرہ کر کے جائیں گے اور میں صرف حج کر کے لوٹوں گی، حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بتایا: پھر آپ نے حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما کو حکم دیا کہ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ مقامِ تنعیم تک جائیں، پس انہوں نے ایام حج کے بعد ذی الحجہ میں عمرہ ادا کیا۔

(صحیح البخاری: ۱۶۵۱، صحیح مسلم: ۱۲۱۱، مسند احمد: ۱۳۸۶۷، سنن نسائی: ۲۸۰۵)

اس حدیث کی مفصل شرح کتاب الحج میں گزر چکی ہے، تاہم اس حدیث میں جو مذکور ہے ''اگر میں اپنے اس معاملہ کو پہلے جان لیتا جس کو میں نے بعد میں جانا''، یعنی اگر میں پہلے اس طرف متوجہ ہو جاتا کہ میرے احرام پر برقرار رہنے اور تمہارے احرام کھول دینے کی وجہ سے تم کو اتنا زیادہ قلق اور رنج ہوگا تو میں بھی ہدی کو روانہ نہ کرتا اور میں بھی تمہارے ساتھ احرام کو کھول دیتا تا کہ تم کو

میری اتباع سے محرومی کا اتنا زیادہ قلق نہ ہوتا۔
بعض علماء دیو بند نے کہا ہے: اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علمِ غیب کی نفی ہے کہ مجھے پہلے اس چیز کا علم نہیں تھا جس کا بعد میں علم ہوا۔ ہم کہتے ہیں کہ یہاں علم کا معاملہ نہیں ہے توجہ کا معاملہ ہے، یعنی پہلے آپ اس طرف متوجہ نہیں تھے کہ صحابہ کو آپ کی اتباع سے محروم ہونے کا اتنا زیادہ قلق ہوگا، اور دوسرا جواب یہ ہے کہ بعض علماء نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو علم غیب دیا گیا تھا وہ تدریجاً تھا اور آپ کی وفات اس وقت تک نہیں ہوئی جب تک آپ کو تمام ممکنات کا علم عطا نہیں فرمایا گیا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۴۔ بَابُ: قَوْلِهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَيْتَ كَذَا وَكَذَا

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ''کاش اس طرح ہوتا، کاش اس طرح ہوتا''

۷۲۳۱۔ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ قَالَ قَالَتْ عَائِشَةُ أَرِقَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم ذَاتَ لَيْلَةٍ فَقَالَ لَيْتَ رَجُلًا صَالِحًا مِنْ أَصْحَابِي يَحْرُسُنِي اللَّيْلَةَ إِذْ سَمِعْنَا صَوْتَ السِّلَاحِ قَالَ مَنْ هٰذَا قَالَ سَعْدٌ يَا رَسُولَ اللهِ جِئْتُ أَحْرُسُكَ فَنَامَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم حَتّٰى سَمِعْنَا غَطِيطَهُ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ وَقَالَتْ عَائِشَةُ قَالَ بِلَالٌ

أَلَا لَيْتَ شِعْرِي هَلْ أَبِيتَنَّ لَيْلَةً
بِوَادٍ وَحَوْلِي إِذْخِرٌ وَجَلِيلُ

فَأَخْبَرْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں خالد بن مخلد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سلیمان بن بلال نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے یحییٰ بن سعید نے حدیث بیان کی، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عامر بن ربیعہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ ایک رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیدار رہے، آپ نے فرمایا: کاش کوئی نیک مرد میرے اصحاب سے ہوتا اور اس رات میری حفاظت کرتا، اس وقت ہم نے ہتھیار کی آواز سنی، آپ نے فرمایا: یہ کون ہے؟ عرض کیا: سعد ہوں یا رسول اللہ! میں آپ کی حفاظت کے لیے آیا ہوں، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے حتیٰ کہ ہم نے آپ کے خراٹوں کی آواز سنی۔
امام ابو عبد اللہ (بخاری) نے کہا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کہا:
کاش! میں جانتا کہ میں ایک رات مکہ کی وادی میں گزار سکوں گا اور میرے ارد گرد اذخر اور جلیل گھاس ہوگی۔
پس میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی۔

(صحیح البخاری: ۲۸۸۵، ۷۲۳۱، صحیح مسلم: ۲۴۱۰، سنن ترمذی: ۳۷۵۶، مسند احمد: ۲۴۵۶۹)

صحیح البخاری: ۷۲۳۱، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرنے کا بیان

امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی جاتی تھی حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی ''وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ......(المائدہ:۶۷)'' (اور اللہ آپ کو لوگوں (کے شر) سے محفوظ رکھے گا)۔

اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت نہیں کی گئی، لیکن متعدد احادیث میں مذکور ہے کہ غزوۂ بدر میں آپ کی حفاظت کی گئی اور غزوۂ احد میں اور غزوۂ خندق میں، اور جب آپ خیبر سے واپس ہو رہے تھے، اور وادی القریٰ میں، اور عمرۃ القضاء میں اور حنین میں۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ آیت غزوۂ حنین کے بعد نازل ہوئی ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ امام طبرانی نے المعجم الصغیر میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے کہ'' حضرت عباس رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سے تھے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرتے تھے، پھر جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ کی حفاظت کو ترک کر دیا گیا''۔

اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے بعد آپ کے ساتھ لازم رہے ہیں، پس یہ اس پر محمول ہے کہ یہ آیت حنین کے بعد نازل ہوئی ہو۔

اور امام ابوداؤد، امام نسائی اور حاکم نے از سہل ابن الحنظلیہ روایت کی ہے کہ حضرت انس بن مرثد نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس رات حفاظت کی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرنے والوں کے اسماء

جن صحابہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی، ان میں حضرت سعد بن معاذ، حضرت محمد بن مسلمہ، حضرت الزبیر، حضرت ابوایوب، حضرت ذکوان بن عبدالقیس، حضرت الادرع السلمی اور ابن الادرع ہیں اور ان کا نام محجن ہے، اور کہا جاتا ہے کہ حضرت سلمہ اور حضرت عباد بن بشر، حضرت عباس اور حضرت ابوریحانہ رضی اللہ عنہم، یہ سب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی نہ کسی موقع پر حفاظت کرتے رہے ہیں۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۳۹۱، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۵- بَابُ: تَمَنِّي الْقُرْآنِ وَالْعِلْمِ

قرآن مجید اور علم کے حصول کی تمنا کرنے کا بیان

۷۲۳۲- حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم لَا تَحَاسُدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ رَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ الْقُرْآنَ فَهُوَ يَتْلُوهُ آنَاءَ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ يَقُولُ لَوْ أُوتِيتُ مِثْلَ مَا أُوتِيَ هٰذَا لَفَعَلْتُ كَمَا يَفْعَلُ وَرَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ مَالًا يُنْفِقُهُ فِي حَقِّهِ فَيَقُولُ لَوْ أُوتِيتُ مِثْلَ مَا أُوتِيَ لَفَعَلْتُ كَمَا يَفْعَلُ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عثمان بن ابی شیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از الاعمش از ابوصالح از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حسد صرف دو شخصوں میں ہے، ایک وہ مرد جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کا علم عطا فرمایا، پس وہ رات اور دن کی ساعات میں قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے (پس اس کے پڑوسی نے اس کو قرآن پڑھتے ہوئے سنا

حَدَّثَنَا جَرِيرٌ بِهٰذَا۔

(صحیح البخاری: ۵۰۲۶، ۷۲۳۲، ۷۵۲۸، مسند احمد: ۹۸۵۷)

تو کہا:) کاش! مجھے بھی اس کی مثل دی جاتی تو میں بھی ضرور اس طرح کرتا جس طرح یہ کر رہا ہے، اور ایک وہ مرد جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا، جس کو وہ حق کے راستہ میں خرچ کرتا ہے تو (اس کے پڑوسی نے) کہا: اگر مجھے بھی اس کی مثل دیا جاتا تو میں بھی ضرور اس طرح کرتا جس طرح یہ کر رہا ہے۔

ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے اسی طرح حدیث بیان کی۔

صحیح البخاری: ۷۲۳۲، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حسد اور رشک کے معانی

رشک کا معنی یہ ہے کہ انسان کسی دوسرے شخص میں کوئی نعمت دیکھ کر یہ تمنا کرے کہ اس شخص کے پاس بھی یہ نعمت رہے اور اس کی مثل نعمت مجھے بھی اللہ تعالیٰ عطا فرما دے، اور حسد کا معنی یہ ہے کہ کسی شخص میں کوئی نعمت دیکھ کر کوئی انسان یہ تمنا کرے کہ اس شخص سے یہ نعمت زائل ہو جائے خواہ مجھے یہ نعمت ملے یا نہ ملے۔

متقدمین علماء نے کہا ہے: اس حدیث میں حسد، رشک کے معنی میں ہے، کیونکہ اس حدیث میں ارشاد ہے کہ ''دو چیزوں میں حسد کرنا جائز ہے یعنی علمِ قرآن میں اور مال و دولت میں'' جب کہ حسد تو کسی صورت میں بھی جائز نہیں ہے، سو اس حدیث کا یہ معنی ہے کہ جب آدمی کسی شخص کو دن رات قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہوئے دیکھے تو یہ تمنا کرے کہ یہ بھی اسی طرح تلاوت کرتا رہے اور مجھے بھی اللہ تعالیٰ یہ نعمت عطا فرما دے، یا کسی شخص کو راہِ حق میں مال خرچ کرتے ہوئے دیکھ کر یہ تمنا کرے کہ یہ بھی اسی طرح راہِ حق میں مال خرچ کرتا رہے اور مجھے بھی اللہ تعالیٰ یہ نعمت عطا فرما دے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۲ ص ۶۲۸، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۶۔ بَابُ: مَا يُكْرَهُ مِنَ التَّمَنِّي

مکروہ تمنا کا بیان

بابِ مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

حسد کرنے کی ممانعت

علامہ ابن عطیہ نے بیان کیا ہے: کسی مباح چیز کی تمنا کرنا جائز ہے اور ایسی تمنا کرنا ممنوع ہے جو حسد اور بغض کا باعث ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ اور تم اس چیز کی تمنا نہ کرو جس کے ساتھ اللہ نے تمہارے بعض کو

نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۳۲﴾ (النساء:۳۲)

بعض پر فضیلت دی ہے، مردوں کے لیے ان کی کمائی سے حصہ ہے اور عورتوں کے لیے ان کی کمائی سے حصہ ہے، اور اللہ سے اس کے فضل کا سوال کرو بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے O

امام بخاری نے اس باب میں تین احادیث روایت کی ہیں اور ان تینوں حدیثوں میں موت کی تمنا کرنے پر زجر و توبیخ فرمائی ہے، اور اس آیت کی مناسبت بہت غامض (یعنی بہت باریک) ہے، اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ حسد کرنے پر زجر و توبیخ کی جائے اور اس باب کی احادیث کا حاصل یہ ہے کہ صبر کرنے پر برانگیختہ کیا جائے، کیونکہ موت کی تمنا عموماً اس وقت ہوتی ہے کہ جب آدمی مصائب سے گھبرا کر موت کو حیات پر ترجیح دیتا ہے، پس جب موت کی تمنا کرنے سے منع کیا گیا تو گویا مصائب پر صبر کرنے کا حکم دیا گیا، اور ان احادیث اور آیت دونوں کا مآل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر بندہ راضی رہے اور اللہ تعالیٰ کی قضاء کو تسلیم کر لے، اور ''کتاب المرضیٰ'' میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے:

موت کی تمنا کی ممانعت کے فوائد

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص اس تکلیف کی وجہ سے موت کی تمنا نہ کرے جو تکلیف اسے پہنچی ہے، پس اگر وہ ضرور (تمنا) کرنے والا ہو تو اسے چاہیے کہ یہ کہے: اے اللہ! مجھے اس وقت تک زندہ رکھ جب تک زندگی میرے لیے بہتر ہے، اور مجھے اس وقت وفات دینا جب وفات میرے لیے بہتر ہو''۔

(صحیح البخاری:۵۶۷۱، صحیح مسلم:۲۶۸۰، سنن ترمذی:۹۷۱، سنن نسائی:۱۸۲۰، سنن ابوداؤد:۳۱۰۸، سنن ابن ماجہ:۴۲۶۵، مسند احمد:۱۱۵۶۸)

اس پر یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ صحت اور عافیت کے حصول کی دعا کرنا جائز ہے، کیونکہ صحت اور عافیت کے حصول کی دعا کرنا ایمان بالغیب کو متضمن ہے، اور اس میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کی طرف افتقار ہے اور تذلل ہے، اور اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی مسکینی کا اظہار ہے، اور یہ موت کی دعا کرنے کے خلاف ہے، کیونکہ موت کی دعا کرنے میں کوئی مصلحت ظاہر نہیں ہے بلکہ اس میں خرابی ہے اور وہ خرابی نعمتِ حیات کے ازالہ کو طلب کرنا ہے اور جب بندہ صحت اور عافیت کی دعا کرتا ہے تو اس میں یہ فوائد ہیں، خاص طور پر اس میں ایمان پر دوام کی طلب ہے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۳۹۲، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۲۳۳۔ حَدَّثَنَا حَسَنُ بْنُ الرَّبِيْعِ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنْ عَاصِمٍ عَنِ النَّضْرِ بْنِ أَنَسٍ قَالَ قَالَ أَنَسٌ رضی اللہ عنہ لَوْلَا أَنِّي سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ لَا تَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ لَتَمَنَّيْتُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں حسن بن الربیع نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو الاحوص نے حدیث بیان کی از عاصم از النضر بن انس، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ اگر میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے نہ سنا ہوتا کہ آپ نے فرمایا ''موت کی تمنا نہ کرو'' تو میں موت کی تمنا کرتا۔

(صحیح البخاری:۵۶۷۲، ۶۳۴۹، ۶۳۵۰، ۶۴۳۰، ۶۴۳۱، ۷۲۳۴، صحیح مسلم:۲۶۸۱، سنن ترمذی:۲۴۸۳، سنن نسائی:۱۸۲۳، مسند احمد:۲۰۵۶۷)

۷۲۳۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ عَنِ ابْنِ أَبِي خَالِدٍ عَنْ قَيْسٍ قَالَ أَتَيْنَا خَبَّابَ بْنَ الْأَرَتِّ نَعُودُهُ وَقَدِ اكْتَوَى سَبْعًا فَقَالَ لَوْلَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نَهَانَا أَنْ نَدْعُوَ بِالْمَوْتِ لَدَعَوْتُ بِهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدہ نے حدیث بیان کی از ابن ابی خالد از قیس، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ کے پاس ان کی عیادت کرنے کے لیے آئے اور انہوں نے اپنے جسم پر گرم لوہے سے سات داغ لگوائے ہوئے تھے، تو حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں موت کی دعا کرنے سے منع نہ کیا ہوتا تو میں موت کی دعا کرتا۔

(صحیح البخاری: ۵۶۷۲، ۶۳۴۹، ۶۳۵۰، ۶۴۳۰، ۶۴۳۱، ۷۲۳۴، صحیح مسلم: ۲۶۸۱، سنن ترمذی: ۲۴۸۳، سنن نسائی: ۱۸۲۳، مسند احمد: ۲۰۵۶۷)

۷۲۳۵۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي عُبَيْدٍ اسْمُهُ سَعْدُ بْنُ عُبَيْدٍ مَوْلَى عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَزْهَرَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ لَا يَتَمَنَّى أَحَدُكُمُ الْمَوْتَ إِمَّا مُحْسِنًا فَلَعَلَّهُ يَزْدَادُ وَإِمَّا مُسِيئًا فَلَعَلَّهُ يَسْتَعْتِبُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از الزہری از ابی عبید، ان کا نام سعد بن عبید مولیٰ عبدالرحمٰن بن ازہر ہے، از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص ہرگز موت کی تمنا نہ کرے، یا تو وہ شخص نیک ہوگا تو ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی نیکی کو زیادہ کرے، یا وہ شخص بدکار ہوگا تو ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو توبہ کی توفیق عطا فرمائے۔

(صحیح مسلم: ۲۶۸۲، سنن نسائی: ۱۸۱۸، مسند احمد: ۷۵۲۴، سنن دارمی: ۲۷۵۸)

احادیثِ مذکورہ کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

موت کی تمنا کی ممانعت کی حکمت

جب انسان موت آنے سے پہلے موت کی تمنا کرے گا تو وہ گویا اللہ تعالیٰ پر اعتراض کر رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو ناپسند کر رہا ہے، اگرچہ زندگی کی مدت میں نہ اضافہ ہوسکتا ہے اور نہ کمی ہوسکتی ہے، پس بے شک موت کی تمنا کرنا نہ موت کے اضافہ میں مؤثر ہے اور نہ موت کی کمی میں مؤثر ہے، کیونکہ یہ امر غیب ہے۔

علامہ نووی نے کہا ہے: ان احادیث میں موت کی تمنا کے مکروہ ہونے کی تصریح ہے، جب انسان کسی مصیبت کے نازل ہونے کی وجہ سے یا کسی آزمائش کی وجہ سے یا دنیا کی کسی مشقت سے گھبرا کر موت کی تمنا کرے، لیکن جب انسان کو اپنے دین میں کسی

فتنہ کا خوف ہو تو پھر موت کی تمنا کرنا مکروہ نہیں ہے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۳۹۲۔ ۳۹۳، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

احادیثِ مذکورہ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

موت کی دعا کرنے کی تصریحات

حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے موت کی دعا کی:

تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۰۱﴾ مجھے (دنیا سے) مسلمان اٹھانا، اور مجھے نیک بندوں کے ساتھ ملا دیناO (یوسف:۱۰۱)

اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے موت کی دعا کی:

وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۹﴾ (النمل:۱۹) اور اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک بندوں میں شامل کر لےO

اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اس طرح دعا کی:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میری طرف ٹیک لگائے ہوئے تھے اور آپ یہ دعا کر رہے تھے: ''اے اللہ! میری مغفرت فرما، اور مجھ پر رحم فرما، اور مجھے رفیقِ اعلیٰ کے ساتھ ملا دے''۔ (صحیح البخاری: ۴۴۴۰، صحیح مسلم: ۲۴۴۴)

اور علماء نے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے موت کی دعا کی، اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے موت کی دعا کی، ان دعاؤں سے مراد یہ ہے کہ ہمیں ان صالحین کے درجات کے ساتھ ملا دے، پس یہ دعا ہے موت کی تمنا نہیں ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو فرمایا ''مجھے رفیقِ اعلیٰ سے ملا دے'' تو اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے یہ خبر دی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو موت کا اختیار دیا جاتا ہے، تو آپ نے اختیار کے وقت یہ دعا کی۔ اور اسی دن آپ کی وفات متحقق ہو گئی، کیونکہ فرشتے آئے اور انہوں نے آپ کی آپ کے رب کے ساتھ ملاقات کی بشارت دی۔

سعید بن ابی العاص بیان کرتے ہیں کہ میں ایک رات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی گھات میں تھا، وہ بقیع کی طرف نکلے اور یہ سحر کا وقت تھا، انہوں نے وہاں نماز پڑھی، پھر ہاتھ بلند کر کے یہ دعا کی: اے اللہ! میری عمر بڑی ہو گئی، میری قوت کمزور ہو گئی اور مجھے اپنی رعیت کے انتشار کا خطرہ ہے، پس تو مجھے اپنی طرف اٹھا لے اس حال میں کہ میں نہ عاجز ہوں اور نہ ملامت زدہ ہوں۔

زہری نے کہا: از ابن المسیب، پس وہ مہینہ ختم نہ ہوا حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۱۱ ص ۳۱۵)

اور حدیث میں جو موت کی تمنا کرنے کی ممانعت ہے وہ اس صورت میں ہے جب آدمی دنیاوی مصائب سے گھبرا کر یا بیماریوں تکلیفوں سے گھبرا کر موت کی تمنا کرے، اور دین میں فتنہ کی وجہ سے موت کی تمنا کرنا جائز ہے، یعنی جب اے اللہ تو لوگوں کو فتنہ میں مبتلا کرے تو مجھے اپنے پاس اس حال میں اٹھا لینا کہ میں فتنہ میں مبتلا نہ ہوں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی معنیٰ کے اعتبار سے دعا کی جب انہیں اپنے بڑھاپے اور قوت میں کمی کی وجہ سے یہ خطرہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو امت کی حفاظت کے متعلق جو احکام دیے ہیں

اور فرض کیے ہیں، وہ ان کو بجا نہ لاسکیں گے تو پھر مجھے موت عطا فرما دینا، سوان کی دعا قبول ہوگئی۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۷ ص ۳۱۹۔ ۳۲۰، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں: خلاصہ یہ ہے کہ اگر دنیاوی مصائب اور امراض سے گھبرا کر موت کی تمنا کی جائے تو یہ ممنوع ہے، اور اگر دین کے فتنہ میں مبتلا ہونے کے خطرہ سے موت کی تمنا کی جائے تو یہ جائز ہے، اور متقدمین سے جو موت کی تمنا منقول ہوئی وہ اسی صورت پر محمول ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

٧۔ بَابُ: قَوْلِ الرَّجُلِ لَوْلَا اللّٰهُ مَا اهْتَدَيْنَا

کسی مرد کا یہ کہنا کہ اگر اللہ ہدایت نہ دیتا تو ہم ہدایت نہ پاتے

٧٢٣٦۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ شُعْبَةَ حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَنْقُلُ مَعَنَا التُّرَابَ يَوْمَ الْأَحْزَابِ وَلَقَدْ رَأَيْتُهُ وَارَى التُّرَابُ بَيَاضَ بَطْنِهِ يَقُولُ

لَوْلَا أَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا

نَحْنُ وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا

فَأَنْزِلَنْ سَكِينَةً عَلَيْنَا

إِنَّ الْأُلٰى وَرُبَّمَا قَالَ الْمَلَأَ قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا

إِذَا أَرَادُوا فِتْنَةً أَبَيْنَا

أَبَيْنَا

يَرْفَعُ بِهَا صَوْتَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے خبر دی از شعبہ، انہوں نے کہا: ہمیں حدیث بیان کی ابواسحاق نے از حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ غزوۂ خندق کے دن ہمارے ساتھ مٹی کو منتقل کر رہے تھے اور میں نے آپ کو دیکھا کہ مٹی نے آپ کے پیٹ کی سفیدی کو چھپالیا تھا، اور آپ یہ رجزیہ کلام پڑھ رہے تھے:

"اگر تو نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پاتے، اور نہ ہم صدقہ کرتے اور نہ ہم نماز پڑھتے، پس تو ہم پر سکون نازل فرما،

بے شک ان لوگوں نے اور بسا اوقات فرمایا: اس جماعت نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے،

جب یہ فتنہ کا ارادہ کریں گے تو ہم انکار کریں گے، انکار کریں گے"۔

اور آپ ان کلمات کے ساتھ آواز کو بلند کرتے تھے۔

(صحیح البخاری: ۲۸۳۶، ۲۸۳۷، ۳۰۳۴، ۴۱۰۴، ۴۱۰۶، ۶۶۲۰، ۷۲۳۶، صحیح مسلم: ۱۸۰۳، مسند احمد: ۱۸۰۹۸، سنن دارمی: ۲۴۵۵)

صحیح البخاری: ۷۲۳۶، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

"لولا" کا کلمہ عرب کے نزدیک اس لیے ہے کہ ایک چیز دوسرے کے وجود کی وجہ سے ممتنع ہے، وہ کہتے ہیں "اگر زید نہ ہوتا تو میں تمہاری طرف نہ آتا" یعنی میرا تمہاری طرف آنا زید کے ہونے کی وجہ سے ہے، اسی طرح یہ ارشاد ہے کہ "اگر اللہ نہ ہوتا تو ہم

ہدایت نہ پاتے'' یعنی ہمارا ہدایت یافتہ ہونا اللہ تعالیٰ کے ہدایت دینے کی وجہ سے ہے، پس ہدایت کا وجود گمراہی کے وقوع سے مانع ہے، اور یہ سب اللہ تعالیٰ کے بندوں پر فضل کی وجہ سے ہے، پس بندہ جو بھی اطاعت کرتا ہے اور جو بھی گناہ سے بچتا ہے تو وہ صرف اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے اور بندہ کے لیے جو اس نے قضاء کی ہے اس کی وجہ سے ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۲۸۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۸۔ بَابٌ: كَرَاهِيَةِ تَمَنِّي لِقَاءِ الْعَدُوِّ

دشمن سے مقابلہ کی تمنا کا مکروہ ہونا

وَرَوَاهُ الْأَعْرَجُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ

اس حدیث کی الاعرج نے از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ روایت کی ہے۔

امام بخاری نے جس حدیث کا حوالہ دیا ہے وہ درج ذیل ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: دشمن سے مقابلہ کی تمنا نہ کرو، پس جب تمہارا اس سے مقابلہ ہو تو صبر کرو۔ (صحیح البخاری: ۳۰۲۶، صحیح مسلم: ۱۷۴۱، مسند احمد: ۱۰۳۹۵)

۷۲۳۷۔ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ عَمْرٍو حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ عَنْ سَالِمٍ أَبِي النَّضْرِ مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ وَكَانَ كَاتِبًا لَهُ قَالَ كَتَبَ إِلَيْهِ عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي أَوْفَى فَقَرَأْتُهُ فَإِذَا فِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ لَا تَتَمَنَّوْا لِقَاءَ الْعَدُوِّ وَسَلُوا اللهَ الْعَافِيَةَ۔

(صحیح مسلم: ۱۷۴۲، سنن ابو داؤد: ۲۶۳۱)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے عبد اللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معاویہ بن عمرو نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو اسحاق نے حدیث بیان کی از موسیٰ بن عقبہ از سالم ابی النضر مولیٰ عمر بن عبید اللہ اور وہ ان کے کاتب تھے، وہ بیان کرتے ہیں کہ ان کی طرف حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما نے لکھا، پس میں نے اس کو پڑھا تو اس میں لکھا ہوا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: دشمن سے مقابلہ کی تمنا نہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے عافیت کو طلب کرو۔

صحیح البخاری: ۷۲۳۷، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس سوال کا جواب کہ شہادت کا حصول تو پسندیدہ ہے، پھر دشمن سے مقابلہ کی تمنا سے کیوں منع فرمایا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ شہادت کا حصول دشمن سے مقابلہ کی بہ نسبت خاص ہے، کیونکہ شہادت کا حصول اسلام کی نصرت اور کفار کی شوکت توڑنے کے ساتھ مقرون ہے، اور دشمن کے ساتھ مقابلہ کبھی اس کے برعکس ہوتا ہے، اس لیے آپ نے اس کی تمنا سے منع فرمایا، اور یہ شہادت کی تمنا کے منافی نہیں ہے، یا کراہیت اس کے ساتھ خاص ہے جس کو اپنی قوت کے اوپر اعتماد ہو، اور اس کو اپنی طاقت پر گھمنڈ ہو۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۳۹۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۹۔ بَابُ: مَا يَجُوزُ مِنَ اللَّوْ

''لو'' یعنی کاش کہنے کا جواز

وَقَوْلِهِ تَعَالَى: لَوْ أَنَّ لِي بِكُمْ قُوَّةً (ہود: ۸۰)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''(لوط نے کہا:) کاش مجھ میں تم سے مقابلہ کی قوت ہوتی۔

حضرت لوط علیہ السلام نے یہ اس وقت فرمایا جب ان کی قوم کے بدمعاشوں نے ان کے مہمانوں یعنی جو فرشتے حسین لڑکوں کی صورت میں ان کے گھر آئے تھے ان کو بے عزت کرنے کی کوشش کی تو اس وقت لوط علیہ السلام نے کہا: کاش! میرے ساتھ لشکر یا میرے رشتہ دار اور قبیلہ ہوتا تو میں اپنے مہمانوں کی عزت بچانے کے لیے ان سے مدد حاصل کرتا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

یہ آیت مومن کے اس حال کو متضمن ہے کہ جب وہ کوئی ایسی خرابی دیکھے جس کو زائل کرنے کی اس میں طاقت نہ ہو تو اس کو کسی مددگار کے میسر نہ ہونے پر حسرت ہو اور وہ تمنا کرے اور حرص کرے کہ کاش! کوئی اس کا مددگار ہوتا جو اس کے رب کی اطاعت پر اس کی مدد کرتا اور معصیت سے اس کو دور رکھتا، اسی وجہ سے یہ واجب ہے کہ جب انسان کسی برائی کو اپنی قوت سے بدلنے پر قادر نہ ہو تو زبان سے اس کو برا کہے اور یہ بھی ممکن نہ ہو تو دل سے اس برائی کو برا جانے۔

امام نسائی اور امام ابن ماجہ اور امام طحاوی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''طاقت ور مومن اللہ تعالیٰ کے نزدیک کمزور مومن سے زیادہ بہتر اور زیادہ پسندیدہ ہے اور ہر ایک میں خیر ہے، اس چیز کی حرص کرو جس سے تم کو نفع ہو اور عاجز نہ ہو، اگر تم پر کوئی مصیبت غالب ہو تو تم کہو: اللہ تعالیٰ نے جو چاہا وہ مقدر کیا، اور تم کاش کہنے سے بچو کیونکہ کاش کا لفظ شیطان کے عمل کو کھولتا ہے''۔

نیز امام ابن ماجہ اور امام طبری کی روایت میں ہے ''اگر تم کو کوئی مصیبت پہنچے تو تم یہ نہ کہو: اگر میں اس طرح اور اس طرح کرتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے جو چاہا وہ مقدر کر دیا، کیونکہ یہ کاش! کا لفظ شیطان کی چابی ہے''۔ اس حدیث کی امام نسائی اور امام طبری نے روایت کی ہے۔

امام نسائی کی ایک اور روایت میں مذکور ہے ''اس چیز کی حرص کرو جس سے تم کو نفع ہو اور اللہ تعالیٰ سے مدد حاصل کرو اور عاجز نہ ہو، جب تم پر کوئی مصیبت آئے تو یہ نہ کہو کہ اگر میں اس طرح اور اس طرح کر لیتا، لیکن یہ کہو کہ اللہ تعالیٰ نے جو چاہا مقدر کیا اور جو چاہا کیا''۔

امام طبری نے کہا ہے: بعض احادیث میں ''اگر'' یا ''کاش'' کہنے کی ممانعت ہے اور بعض احادیث اس کے جواز پر دلالت کرتی ہیں، ان میں تطبیق اس طرح ہے کہ ممانعت اس صورت میں مخصوص ہے جب آدمی وثوق کے ساتھ اگر یا کاش کے لفظ کو استعمال کرے، اور اگر بغیر وثوق کے کہے اور اس کو یہ یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کے ارادہ کے بغیر کچھ نہیں ہوتا تو کوئی حرج نہیں ہے جیسے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے غار میں کہا: اگر ان میں سے کوئی ایک اپنا قدم اٹھائے تو ہم کو دیکھ لے گا، پس انہوں نے وثوق کے ساتھ یہ کہا حالانکہ ان کو یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ ان کی نظروں کو ان سے پھیر دے۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۳۹۷۔۳۹۸، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۲۳۸۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ قَالَ ذَكَرَ ابْنُ عَبَّاسٍ الْمُتَلَاعِنَيْنِ فَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ شَدَّادٍ أَهِيَ الَّتِي قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَوْ كُنْتُ رَاجِمًا امْرَأَةً مِنْ غَيْرِ بَيِّنَةٍ قَالَ لَا تِلْكَ امْرَأَةٌ أَعْلَنَتْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوالزناد نے حدیث بیان کی از القاسم بن محمد، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے لعان کرنے والوں کا ذکر کیا، پس حضرت عبداللہ بن شداد رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا یہ وہی عورت ہے جس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: ''اگر میں کسی عورت کو بغیر گواہ کے رجم کرتا (تو اس کو کرتا)'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: نہیں، وہ ایک اور عورت تھی جو کھلے عام فحش کام کرتی تھی۔

(صحیح البخاری: ۵۳۱۰، ۵۳۱۶، ۶۸۵۵، ۶۸۵۶، ۷۲۳۸، صحیح مسلم: ۱۴۹۷، سنن نسائی: ۳۴۷۰، سنن ابن ماجہ: ۲۵۶۰، مسند احمد: ۳۰۹۶)

اس حدیث کی مفصل شرح کتاب اللعان میں گزر چکی ہے اور یہاں اس حدیث سے مقصود لفظِ اگر کا استعمال ہے۔

۷۲۳۹۔ حَدَّثَنَا عَلِيٌّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ عَمْرٌو حَدَّثَنَا عَطَاءٌ قَالَ أَعْتَمَ النَّبِيُّ ﷺ بِالْعِشَاءِ فَخَرَجَ عُمَرُ فَقَالَ الصَّلَاةَ يَا رَسُولَ اللهِ رَقَدَ النِّسَاءُ وَالصِّبْيَانُ فَخَرَجَ وَرَأْسُهُ يَقْطُرُ يَقُولُ لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي أَوْ عَلَى النَّاسِ وَقَالَ سُفْيَانُ أَيْضًا عَلَى أُمَّتِي لَأَمَرْتُهُمْ بِالصَّلَاةِ هَذِهِ السَّاعَةَ قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَخَّرَ النَّبِيُّ ﷺ هَذِهِ الصَّلَاةَ فَجَاءَ عُمَرُ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ رَقَدَ النِّسَاءُ وَالْوِلْدَانُ فَخَرَجَ وَهُوَ يَمْسَحُ الْمَاءَ عَنْ شِقِّهِ يَقُولُ إِنَّهُ لَلْوَقْتُ لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي وَقَالَ عَمْرٌو حَدَّثَنَا عَطَاءٌ لَيْسَ فِيهِ ابْنُ عَبَّاسٍ أَمَّا عَمْرٌو فَقَالَ رَأْسُهُ يَقْطُرُ وَقَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ يَمْسَحُ الْمَاءَ عَنْ شِقِّهِ وَقَالَ عَمْرٌو لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي وَقَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ إِنَّهُ لَلْوَقْتُ لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ حَدَّثَنَا مَعْنٌ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ مُسْلِمٍ عَنْ عَمْرٍو عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: عمرو نے بیان کیا کہ ہمیں عطاء نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا کہ ایک دن نبی ﷺ نے عشاء کی نماز پڑھانے میں بہت دیر کر دی، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نکلے اور انہوں نے کہا: یارسول اللہ! الصلوٰۃ، عورتیں اور بچے سو گئے، پھر رسول اللہ ﷺ باہر نکلے اور آپ کے سر سے پانی کے قطرے گر رہے تھے، آپ فرما رہے تھے: اگر مجھے اپنی امت پر دشوار نہ ہوتا یا فرمایا: اگر لوگوں پر دشوار نہ ہوتا، اور سفیان نے بھی کہا: اگر مجھے امت پر دشوار نہ ہوتا تو میں ان کو اس وقت میں نماز پڑھنے کا حکم دیتا۔

ابن جریج نے کہا از عطاء از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما: نبی ﷺ نے اس نماز کو موخر کر دیا، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے، پس انہوں نے کہا: یارسول اللہ! عورتیں سو گئیں اور بچے سو گئے، پس رسول اللہ ﷺ نکلے اور آپ اپنے سر کی ایک جانب سے پانی پونچھ رہے تھے اور فرما رہے تھے: ''یہی وقت ہے، اگر مجھے اپنی امت پر دشوار نہ ہوتا''۔

اور عمرو نے کہا: ہمیں عطاء نے حدیث بیان کی اس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ذکر نہیں ہے، اور رہے عمرو، تو انہوں نے کہا کہ آپ کے سر سے پانی کے قطرے گر رہے تھے، اور ابن جریج نے کہا: آپ سر کی ایک جانب سے پانی کو پونچھ رہے تھے، اور عمرو نے کہا: "اگر مجھے اپنی امت پر دشوار نہ ہوتا" اور ابن جریج نے کہا: "یہی وقت ہے، اگر مجھے اپنی امت پر دشوار نہ ہوتا"۔

اور ابراہیم بن منذر نے کہا: ہمیں معن نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن مسلم نے حدیث بیان کی از عمرو از عطاء از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما از نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

(صحیح البخاری: ۵۷۱، ۷۲۳۹، صحیح مسلم: ۶۴۲، سنن نسائی: ۵۳۱، سنن دارمی: ۱۲۱۵)

اس حدیث کی مفصل شرح کتاب الصلوٰۃ میں گزر چکی ہے۔

۷۲۴۰۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ رَبِيعَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ رضی الله عنه أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي لَأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ تَابَعَهُ سُلَيْمَانُ بْنُ مُغِيرَةَ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از جعفر بن ربیعہ از عبدالرحمٰن، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر مجھے اپنی امت پر دشوار نہ ہوتا تو میں ان کو مسواک کرنے کا حکم دیتا۔ ان کی متابعت کی ہے سلیمان بن مغیرہ نے از ثابت از حضرت انس رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

(صحیح البخاری: ۸۸۷، ۷۲۴۰، صحیح مسلم: ۲۵۲، سنن ترمذی: ۲۲، سنن نسائی: ۷، سنن ابوداؤد: ۴۶، سنن ابن ماجہ: ۲۸۷، مسند احمد: ۹۲۶۴، موطا امام مالک: ۱۴۷، سنن دارمی: ۶۸۳)

اس حدیث کی مفصل شرح بھی کتاب الصلوٰۃ میں گزر چکی ہے۔

۷۲۴۱۔ حَدَّثَنَا عَيَّاشُ بْنُ الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ رضی الله عنه قَالَ وَاصَلَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم آخِرَ الشَّهْرِ وَوَاصَلَ أُنَاسٌ مِنَ النَّاسِ فَبَلَغَ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ لَوْ مُدَّ بِيَ الشَّهْرُ لَوَاصَلْتُ وِصَالًا يَدَعُ الْمُتَعَمِّقُونَ تَعَمُّقَهُمْ إِنِّي لَسْتُ مِثْلَكُمْ إِنِّي أَظَلُّ يُطْعِمُنِي رَبِّي وَيَسْقِينِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عیاش بن الولید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالاعلیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حمید نے حدیث بیان کی از ثابت از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہینہ کے آخر میں وصال کے روزے رکھے اور کچھ لوگوں نے بھی وصال کے روزے رکھ لیے، پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک یہ خبر پہنچی تو آپ

تَابَعَهُ سُلَيْمَانُ بْنُ مُغِيرَةَ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا: ”اگر یہ مہینہ لمبا ہوتا تو میں مسلسل وصال کے روزے رکھتا حتیٰ کہ دین میں غلو کرنے والے اپنا غلو چھوڑ دیتے، میں تم لوگوں کی مثل نہیں ہوں، میں اس طرح دن گزارتا ہوں کہ میرا رب مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے“۔
حمید کی متابعت کی ہے سلیمان بن مغیرہ نے از ثابت از حضرت انس رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

(صحیح البخاری: ۱۹۶۱، ۷۲۴۱، صحیح مسلم: ۱۱۰۴، سنن ترمذی: ۷۷۸، مسند احمد: ۱۲۳۶۵، سنن دارمی: ۱۷۰۴)

وصال کے روزوں کا معنی یہ ہے کہ بغیر افطار کے روزوں کو روزوں کے ساتھ ملا کر رکھا جائے، ان روزوں میں نہ سحری ہو اور نہ افطار ہو۔ یہ وصال کے روزے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت تھی، اس حدیث کی مفصل شرح بھی کتاب الصیام میں گزر چکی ہے۔

۷۲۴۲۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ وَقَالَ اللَّيْثُ حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ خَالِدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَنَّ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ أَخْبَرَهُ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَنِ الْوِصَالِ قَالُوا فَإِنَّكَ تُوَاصِلُ قَالَ أَيُّكُمْ مِثْلِي إِنِّي أَبِيتُ يُطْعِمُنِي رَبِّي وَيَسْقِينِ فَلَمَّا أَبَوْا أَنْ يَنْتَهُوا وَاصَلَ بِهِمْ يَوْمًا ثُمَّ يَوْمًا ثُمَّ رَأَوُا الْهِلَالَ فَقَالَ لَوْ تَأَخَّرَ لَزِدْتُكُمْ كَالْمُنَكِّلِ لَهُمْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری ح اور اللیث نے کہا: مجھے عبدالرحمٰن بن خالد نے حدیث بیان کی از ابن شہاب، وہ بیان کرتے ہیں کہ سعید بن المسیب نے ان کو خبر دی کہ بے شک حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وصال کے روزے رکھنے سے منع فرمایا، صحابہ نے کہا: بے شک آپ تو وصال کے روزے رکھتے ہیں، آپ نے فرمایا: تم میں میری مثل کون ہے، میں رات (اپنے رب کے پاس) گزارتا ہوں، وہ مجھے کھلاتا ہے اور مجھے پلاتا ہے، پھر جب صحابہ نے وصال کے روزے ترک کرنے سے انکار کیا تو آپ نے ان کے ساتھ ایک دن وصال کا روزہ رکھا، پھر ایک دن رکھا، پھر صحابہ نے چاند دیکھ لیا تو آپ نے فرمایا: اگر چاند تاخیر سے نکلتا تو میں وصال کے روزے اور زیادہ کر دیتا، گویا آپ نے ان کو زجر کرتے ہوئے فرمایا۔

(صحیح البخاری: ۱۹۶۵، ۱۹۶۶، ۶۸۵۱، ۷۲۴۲، ۷۲۹۹، صحیح مسلم: ۱۱۰۳، مسند احمد: ۷۲۲۸، سنن دارمی: ۱۷۰۶)

۷۲۴۳۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ حَدَّثَنَا أَشْعَثُ عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ يَزِيدَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَأَلْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم عَنِ الْجَدْرِ أَمِنَ الْبَيْتِ هُوَ قَالَ نَعَمْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوالاحوص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اشعث نے حدیث بیان کی از

قُلْتُ فَمَا لَهُمْ لَمْ يُدْخِلُوهُ فِي الْبَيْتِ قَالَ إِنَّ قَوْمَكِ قَصَّرَتْ بِهِمُ النَّفَقَةُ قُلْتُ فَمَا شَأْنُ بَابِهِ مُرْتَفِعًا قَالَ فَعَلَ ذَاكِ قَوْمُكِ لِيُدْخِلُوا مَنْ شَاءُوا وَيَمْنَعُوا مَنْ شَاءُوا وَلَوْلَا أَنَّ قَوْمَكِ حَدِيثٌ عَهْدُهُمْ بِالْجَاهِلِيَّةِ فَأَخَافُ أَنْ تُنْكِرَ قُلُوبُهُمْ أَنْ أُدْخِلَ الْجَدْرَ فِي الْبَيْتِ وَأَنْ أُلْصِقَ بَابَهُ فِي الْأَرْضِ۔

الاسود بن یزید از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: کیا حطیم بیت اللہ کا جزو ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! میں نے پوچھا: پھر کیا وجہ ہے کہ لوگوں نے حطیم کو بیت اللہ میں داخل نہیں کیا، آپ نے فرمایا: بے شک تمہاری قوم کے اخراجات کم تھے، میں نے پوچھا: پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ ایک دروازہ بلند ہے؟ آپ نے فرمایا: تمہاری قوم نے یہ اس لیے کیا تھا تا کہ جس کو وہ چاہیں بیت اللہ میں داخل کریں اور جس کو چاہیں بیت اللہ میں داخل ہونے سے روک دیں، اور اگر تمہاری قوم جاہلیت سے نئی نئی نکلی ہوئی نہ ہوتی، پس اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ ان کے دلوں کو نا گوار ہوگا تو میں حطیم کو بیت اللہ میں داخل کر دیتا اور اس کے دروازہ کو زمین سے ملا دیتا۔

(صحیح البخاری:۱۲۶، ۱۵۸۳، ۱۵۸۴، ۱۵۸۵، ۱۵۸۶، ۳۳۶۸، ۴۴۸۴، ۷۲۴۳، سنن ترمذی:۸۷۵، سنن نسائی:۲۹۰۲، مسند احمد:۲۴۱۸۸)

اس حدیث کی مفصل شرح کتاب الحج میں گزر چکی ہے۔

۷۲۴۴۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَوْلَا الْهِجْرَةُ لَكُنْتُ امْرَأً مِنَ الْأَنْصَارِ وَلَوْ سَلَكَ النَّاسُ وَادِيًا وَسَلَكَتِ الْأَنْصَارُ وَادِيًا أَوْ شِعْبًا لَسَلَكْتُ وَادِيَ الْأَنْصَارِ أَوْ شِعْبَ الْأَنْصَارِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوالزناد نے حدیث بیان کی از الاعرج از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار میں سے ایک مرد ہوتا، اور اگر لوگ ایک وادی میں چلیں اور انصار دوسری وادی میں چلیں یا گھاٹی میں چلیں تو میں انصار کی وادی یا انصار کی گھاٹی میں چلوں گا۔

(صحیح البخاری:۳۷۷۹، ۷۲۴۴، صحیح مسلم:۱۰۶۱، سنن ترمذی:۳۸۹۹، سنن ابن ماجہ:۱۶۴، مسند احمد:۹۱۰۰، سنن داری:۲۵۱۴)

اس حدیث کی شرح غزوۂ حنین میں گزر چکی ہے۔

۷۲۴۵۔ حَدَّثَنَا مُوسَى حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ زَيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَوْلَا الْهِجْرَةُ لَكُنْتُ امْرَأً مِنَ الْأَنْصَارِ وَلَوْ سَلَكَ النَّاسُ وَادِيًا أَوْ شِعْبًا لَسَلَكْتُ وَادِيَ الْأَنْصَارِ وَشِعْبَهَا تَابَعَهُ أَبُو التَّيَّاحِ عَنْ أَنَسٍ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وہیب نے حدیث بیان کی از عمرو بن یحییٰ از عباد بن تمیم از عبداللہ بن زید از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار میں سے ایک مرد ہوتا، اور اگر لوگ ایک وادی میں چلتے یا ایک گھاٹی میں چلتے تو میں انصار

عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِي الشِّعْبِ۔

کی وادی یا ان کی گھاٹی میں چلتا۔

اس حدیث کی متابعت ابوالتیاح نے کی ہے از حضرت انس رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ گھاٹی کے لفظ میں۔

(صحیح البخاری:٤٤٧٧، ٣٢٤٤، صحیح مسلم:١٠٦١، سنن ترمذی:٣٨٩٩، سنن ابن ماجہ:١٦٤، مسند احمد:٩١٠٠، سنن دارمی:٢٥١٤)

صحیح البخاری:٧٢٤٥، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ٨٥٢ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

"لَو" (اگر) کے استعمال کے مواضع، بعض مذموم اور بعض صحیح

علامہ السبکی الکبیر نے کہا ہے: امام بخاری کا اس عنوان اور اس عنوان میں درج شدہ احادیث سے مقصود یہ ہے کہ "لَو" (اگر) کا کہنا مطلقاً مکروہ نہیں ہے، کیونکہ قرآن مجید میں بھی لَو کے لفظ کا اطلاق کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ۔ (الاعراف:١٨٨)

اور (آپ کہیے:) اگر میں (از خود) غیب کو جانتا تو میں (از خود) خیر کثیر جمع کر لیتا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے منافقین کا قول نقل کیا ہے اور اس میں لفظِ لَو ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا اس میں بھی لفظِ لَو ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَقُولُونَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَا قُتِلْنَا هٰهُنَا ۗ قُلْ لَوْ كُنْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَىٰ مَضَاجِعِهِمْ (آل عمران:١٥٤)

وہ کہتے تھے: کاش! ہمارا کچھ اختیار ہوتا تو ہم یہاں قتل نہ کیے جاتے، آپ کہیے: اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو جن لوگوں کا قتل کیا جانا مقدر ہو چکا تھا وہ ضرور اپنی قتل گاہوں کی طرف نکل آتے۔

لفظِ لَو کا دو جگہ ذکر کرنا مذموم ہے، ان میں سے ایک جگہ یہ ہے کہ جب تک کسی نیک کام کا کرنا ممکن ہو تو اس نیک کام کو اس وجہ سے ترک نہ کیا جائے کہ دوسری چیز نہیں پائی گئی، مثلاً تم کہو "اگر اس طرح اور اس طرح موجود ہوتا تو میں اس طرح کرتا" جب کہ تم کو اس کام کے کرنے پر قدرت ہو، اور وہ چیز نہ پائی جائے تو بلکہ تمہیں نیک کام کرنا چاہیے۔

اور لَو کو ذکر کرنے کی دوسری مذموم جگہ یہ ہے کہ تم سے کسی کی کوئی دنیاوی چیز فوت ہو جائے تو اس کے فوت ہونے پر تم اپنے آپ کو حسرت میں مشغول نہ کرو، کیونکہ اس میں تقدیر پر اعتراض ہے اور حسرت کو جلدی کرنا کسی چیز سے بے پرواہ نہیں کرتا، اور نہ اس سے کسی مطلوب چیز کی تلافی ہوتی ہے خاص طور پر جب اس میں جھوٹ کی آمیزش ہو، جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور ہے:

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَسَفَرًا قَاصِدًا لَاتَّبَعُوكَ وَلٰكِنْ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ۚ وَسَيَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُونَ أَنْفُسَهُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ إِنَّهُمْ

(اے رسول مکرم! آپ نے جس طرح نکلنے کے لیے کہا تھا) اگر وہ سہل الحصول مال ہوتا اور متوسط سفر ہوتا تو (یہ منافقین) ضرور آپ کے پیچھے چل پڑتے لیکن دور دراز کا سفر ان کو بھاری لگا، اور

لَكٰذِبُوْنَ۝ (التوبہ:۴۲)

عنقریب یہ اللہ کی قسمیں کھائیں گے کہ اگر ہم میں طاقت ہوتی تو ہم ضرور آپ کے ساتھ روانہ ہوتے، وہ اپنی جانوں کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ بے شک وہ ضرور جھوٹے ہیں O

اور قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے جو لفظ لَو کا اطلاق کیا ہے وہ صحیح ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کے مواضع استعمال کا عالم ہے، اور جو لَو ربطِ کلام کے لیے آتا ہے اس میں ہماری بحث نہیں ہے۔ اور اگر لَو کا متعلق مذموم ہو تو پھر لَو کا استعمال مذموم ہوتا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ۔ (البقرہ:۱۰۹)

بہت سے اہل کتاب نے ان پر حق واضح ہو جانے کے باوجود اپنے حسد کی وجہ سے یہ چاہا کہ کاش وہ ایمان کے بعد تم کو پھر کفر کی طرف لوٹا دیں۔

یہاں پر لَو کا استعمال اس لیے مذموم ہے کیونکہ اس کا متعلق مذموم ہے، کیونکہ اس کا متعلق مذموم ہے ان کا یہ چاہنا کہ وہ مسلمانوں کو کفر کی طرف لوٹا دیں، اور مسلمانوں کا کفر کی طرف لوٹنا واقع کے خلاف ہے۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۲۹۹۔۳۰۰، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

''کتاب التمنی'' کا اختتام

الحمد للہ رب العالمین! والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین!

آج ۶ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ/8 جنوری 2014ء بروز بدھ ''کتاب التمنی'' کی احادیث کی شرح مکمل ہو گئی۔ الٰہ العالمین! جس طرح آپ نے اپنے فضل و کرم سے ''کتاب التمنی'' میں مذکور احادیث کی شرح مکمل کرا دی ہے، اسی طرح صحیح البخاری کی بقیہ کتب اور ابواب کی احادیث کی شرح بھی مکمل کرا دیں اور اس شرح کی تصنیف میں مجھے صراطِ مستقیم پر قائم رکھیں اور جو کچھ میں نے لکھا ہے اس کو موافقین کے لیے دین اور مسلک پر استقامت کا سبب بنا دیں اور مخالفین کے لیے ہدایت کا سبب بنا دیں۔ وما ذالك علی اللہ بعزیز۔

اب اس کے بعد ان شاء اللہ ''کتاب اخبار الآحاد'' کی شرح کی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نحمدهٗ ونصلي ونسلم على رسوله الكريم

۹۵۔ كِتَاب أَخْبَارِ الْآحَادِ

ان احادیث کا بیان جو خبرِ واحد ہیں

خبرِ واحد، خبرِ متواتر کے مقابل ہے، خبرِ متواتر وہ ہے جس کے بیان کرنے والے ہر زمانہ میں اتنی کثیر تعداد میں ہوں کہ عقل کے نزدیک ان کا جھوٹ پر متفق ہونا محال ہو، مثلاً مکہ ایک شہر ہے اور مدینہ ایک شہر ہے، ہم میں سے اکثر لوگوں نے یہ شہر نہیں دیکھے لیکن ان شہروں کے وجود کو بیان کرنے والے ہر زمانہ میں اتنے کثیر لوگ رہے ہیں کہ عقل کے نزدیک ان کا جھوٹ پر متفق ہونا محال ہو۔

اور خبرِ واحد وہ ہے جس کے بیان کرنے والے ابتداء میں اتنے زیادہ نہ ہوں کہ ان کا جھوٹ پر متفق ہونا محال ہو، اگر چہ بعد میں خبرِ واحد کے بیان کرنے والے بھی اتنے زیادہ ہو جاتے ہیں کہ ان کا جھوٹ پر متفق ہونا محال ہوتا ہے۔

١ - بَابُ: مَا جَاءَ فِي إِجَازَةِ خَبَرِ الْوَاحِدِ الصَّدُوقِ فِي الْأَذَانِ وَالصَّلَاةِ وَالصَّوْمِ وَالْفَرَائِضِ وَالْأَحْكَامِ

واحد سچے مسلمان کی جو اذان، نماز، روزے، فرائض اور احکام کے متعلق خبر ہو، اس کی اجازت

وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ (التوبہ: ۱۲۲)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اور ایسا کیوں نہ ہوا کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت روانہ ہوتی تا کہ وہ لوگ دین کی سمجھ حاصل کرتے اور جب وہ اپنی قوم کی طرف لوٹتے تو ان کو (اللہ کے عذاب سے) ڈراتے تا کہ وہ گناہوں سے بچتے O

التوبہ: ۱۲۲، کی تفسیر از مصنف

تبلیغِ اسلام کے لیے جہاد کا فرضِ کفایہ ہونا

اس آیت کے شانِ نزول کے متعلق دو روایتیں ہیں، پہلی روایت یہ ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی غزوہ کی طرف جاتے تھے تو آپ کے ساتھ نہ جانے والوں میں منافق ہوتے تھے یا معذور لوگ، اور جب اللہ سبحانہٗ نے غزوۂ تبوک میں آپ کے ساتھ نہ جانے والے منافقین کی سخت مذمت فرمائی تو مسلمانوں نے کہا: اللہ کی قسم! آئندہ ہم کسی غزوہ سے پیچھے رہیں گے نہ کسی سریہ سے، پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ آئے اور آپ نے کفار کی طرف لشکر بھیجے تو تمام مسلمان لڑنے کے لیے روانہ ہو گئے، اور مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تنہا رہ گئے، اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی، اور اس کا معنی یہ ہے کہ مسلمانوں کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ سب کے سب جہاد کے لیے روانہ ہو جائیں بلکہ

ان پر واجب ہے کہ ان کی دو جماعتیں ہو جائیں، ایک جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہے اور جو احکام نازل ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو ارشادات فرمائیں ان کو محفوظ اور منضبط کرتے رہیں، اور جب پہلی جماعت جہاد سے واپس آئے تو ان کو احکام سکھائیں، اور دوسری جماعت جہاد کے لیے روانہ ہو جائے، احکامِ شرعیہ تدریجاً نازل ہو رہے تھے اس لیے ان احکام کو حاصل کرنے کے لیے مدینہ میں آپ کے پاس رہنا بھی ضروری تھا اور اسلام کی نشر و اشاعت اور تبلیغِ دین کے لیے جہاد کرنا بھی ضروری تھا۔ (تفسیر کبیر ج ۶ ص ۱۷۰، بیروت، ۱۴۱۵ھ، جامع البیان جز ۱۱ ص ۹۰، دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اس حدیث سے بھی خبرِ واحد کا حجت ہونا ثابت ہوتا ہے، کیونکہ جو جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہے گی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے احکام سنے گی اور جب دوسری جماعت واپس آئے گی تو وہ پہلی جماعت ان کو وہ احکام بیان کرے گی اور ان کا وہ احکام بیان کرنا بھی از قبیلِ خبرِ واحد ہے، کیونکہ جو جماعت جہاد سے واپس آئے گی وہ صرف ان سے وہ احکام سنے گی، اگر خبرِ واحد حجت نہ ہوتی تو جو جماعت جہاد سے واپس آتی اس کے لیے ان احکام کو سن کر ان پر عمل کرنا ضروری نہ ہوتا، لیکن ان پر ضروری ہے کہ وہ ان احکام کو سن کر ان پر عمل کریں اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب خبرِ واحد حجت ہو۔

حصولِ علمِ دین کا فرضِ کفایہ ہونا

اس آیت کے شانِ نزول کے متعلق دوسری روایت یہ ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ عرب کے قبائل میں سے ہر قبیلہ سے مسلمانوں کی ایک جماعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مسائلِ دین اور احکامِ شرعیہ سیکھتی تھی اور ان کو اپنے پیش آمدہ مسائل میں جس شرعی رہنمائی کی ضرورت ہوتی تھی آپ سے وہ رہنمائی حاصل کرتی تھی، پھر جب وہ قوم اپنے قبیلہ میں واپس جاتی تو وہ ان کو نماز، زکوٰۃ اور اسلام کے دیگر احکام کی تعلیم دیتی اور اسلام کی تبلیغ کرتی اور اللہ کے عذاب سے ڈراتی اور یہ کہتی کہ جو اسلام لے آیا وہ ہم میں سے ہے حتیٰ کہ ایک شخص اپنے ماں باپ سے جدا ہو جاتا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۶ ص ۱۹۱۱، رقم الحدیث: ۱۰۱۲۲، مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ)

یہ آیت طلبِ علم کے وجوب میں اصل ہے اور اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ ایک قوم آپ سے مسائلِ دین اور احکامِ شرعیہ سیکھتی تھی، پھر جب وہ اپنے قبیلہ میں واپس جاتی تو وہ ان کو نماز، زکوٰۃ اور اسلام کے دیگر احکام کی تعلیم دیتی، اور اس سے ثابت ہوا کہ خبرِ واحد حجت ہے، کیونکہ وہ لوگ جو نماز، زکوٰۃ اور اسلام کے احکام کی تعلیم دیتے تو ان کی قوم اس کے مطابق عمل کرتی۔

ان آیات کو ذکر کرنے کے بعد امام بخاری لکھتے ہیں:

وَيُسَمَّى الرَّجُلُ طَائِفَةً لِقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا﴾ فَلَوِ اقْتَتَلَ رَجُلَانِ دَخَلَ فِي مَعْنَى الْاٰيَةِ وَقَوْلُهُ تَعَالَى ﴿اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا﴾ وَكَيْفَ بَعَثَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم أُمَرَاءَهُ وَاحِدًا بَعْدَ وَاحِدٍ فَإِنْ سَهَا أَحَدٌ مِنْهُمْ رُدَّ إِلَى السُّنَّةِ۔

ایک مرد کو بھی طائفہ کہا جاتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اور اگر مومنوں کے دو گروہ باہم جنگ کریں"۔ (الحجرات: ۹) پس اگر دو مرد آپس میں لڑیں تو وہ اس آیت کے معنی میں داخل ہیں۔ نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اگر تمہارے پاس فاسق کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیق کیا کرو"۔ (الحجرات: ۶) اور کس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حکام کو یکے بعد دیگرے بھیجا،

تا کہ اگر ان میں سے کوئی ایک سہو کرے تو اس کو سنت کی طرف لوٹا دیا جائے۔

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

خبرِ واحد کی اجازت سے مراد اس کا نفوذ ہے

امام بخاری نے اس عنوان میں کہا ہے کہ یہ باب خبرِ واحد کی اجازت میں ہے، اجازت سے مراد ہے نافذ کرنا اور اس کے تقاضا پر عمل کرنا، اور خبرِ واحد کے حجت ہونے کا اقرار کرنا۔ نیز اس باب کے عنوان میں امام بخاری نے ذکر کیا ہے "الصدوق" یعنی اس واحد کی خبر جو صدوق ہو، اور "صدوق" مبالغہ کا صیغہ ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ اس کو سچ بولنے کا ملکہ ہو اور وہ نیک ہو، اس میں لازم کا اطلاق کیا ہے اور اس سے ملزوم کا ارادہ کیا ہے۔

خبرِ واحد کا اعتبار صرف عملیات میں ہے نہ کہ معتقدات میں

نیز امام بخاری نے اس عنوان میں ذکر کیا ہے "اذان میں، نماز میں اور روزہ میں" امام بخاری نے ان چیزوں کا ذکر کیا تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ خبر واحد کو نافذ کرنا صرف عملیات میں ہوتا ہے نہ کہ معتقدات میں، اور اذان میں واحد کی خبر قبول کرنے سے مراد یہ ہے کہ جب وہ امانت دار ہوگا تو اذان وقت داخل ہونے کے بعد دے گا تو اس وقت میں نماز پڑھنا صحیح ہوگا، اور نماز میں قبلہ کی جہت کی خبر دینا ہے، اور روزہ میں طلوعِ فجر کی خبر دینا ہے یا غروبِ آفتاب کی خبر دینا ہے۔

حکم کی تعریف

نیز امام بخاری نے اس کے بعد "الفرائض" کا ذکر کیا، یہ عام کا خاص پر عطف ہے، پھر احکام کا ذکر کیا، الاحکام، الحکم کی جمع ہے اور حکم کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کا وہ خطاب جو مکلفین کے افعال کے ساتھ متعلق ہو خواہ طلب کے ساتھ یا اختیار کے ساتھ، یہ بھی عام کا عطف خاص پر ہے کیونکہ فرائض بھی احکام کا ایک فرد ہیں۔

واحد کی خبر میں اس واحد کے صادق ہونے پر دلیل

امام بخاری نے الحجرات: ۶ کو ذکر کیا "اگر تمہارے پاس فاسق کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیق کیا کرو"۔

علامہ الکرمانی نے کہا: اس آیت سے وجہِ استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فاسق کی خبر میں احتیاط کو واجب قرار دیا ہے اور یہ حکم دیا ہے کہ جب فاسق کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو کہ وہ فاسق ہے یا نہیں؟ اگر وہ فاسق نہیں ہوگا تو پھر اس کی خبر پر عمل کرنا واجب ہوگا، اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ امام بخاری نے اس آیت کا ذکر عنوان میں اس لیے کیا ہے تا کہ معلوم ہو جائے جو واحد صدوق ہے اس کی خبر حجت ہوگی اور اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ جو واحد فاسق ہوگا اس کی خبر نہیں قبول کی جائے گی۔

نیز امام بخاری نے کہا: کس طرح نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یکے بعد دیگرے حکام کو بھیجا کہ اگر ان میں سے کسی ایک کو سہو ہو تو اس کو سنت کی طرف لوٹا یا جائے۔

اس عبارت سے بھی امام بخاری نے اس پر استدلال کیا ہے کہ جو واحد صادق ہوگا اس کی خبر کو نافذ کیا جائے گا، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حکام کو جہاد کا امیر بنا کر یکے بعد دیگرے بھیجتے، تو اگر خبرِ واحد مقبول نہ ہوتی تو ان حکام کو یکے بعد دیگرے بھیجنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔

ایک حاکم کے بعد دوسرے حاکم کو بھیجنے کا فائدہ

علامہ کرمانی نے کہا: جب واحد کی خبر مقبول ہوتی ہے تو پھر پہلے کو بھیجنے کے بعد دوسرے کو بھیجنے کا کیا فائدہ؟

علامہ عینی فرماتے ہیں: اس کا فائدہ یہ ہے کہ اگر پہلا حاکم بھول جائے تو دوسرا حاکم اس کو حق کی طرف لوٹائے اور یہی امام بخاری کے اس قول کا معنی ہے کہ اگر ان میں سے کوئی ایک سہو کرے تو دوسرے امراء جو بھیجے گئے ہیں وہ اس کو سنت کی طرف لوٹا دیں، اور سنت سے مراد ہے: وہ طریقہ جو برحق ہو، اور وہ راستہ جو صحیح ہو۔ اور علامہ کرمانی نے کہا: سنت سے مراد ہے طریقہ محمدیہ، یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت خواہ وہ واجب ہو یا مستحب ہو یا اس کے علاوہ۔ (عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۱۸۔۱۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

بابِ مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

خبرِ واحد کا اصطلاحی معنی

امام بخاری نے جو اس عنوان میں کہا ہے: ''خبرِ واحد صدوق کی اجازت'' اس عبارت میں اجازت سے مراد خبرِ واحد پر عمل کا جواز ہے اور یہ اقرار کرنا کہ خبرِ واحد حجت ہے، اور واحد سے مراد یہاں پر وحدت کی حقیقت ہے یعنی ایک آدمی کی خبر، اور اصولیین کی اصطلاح میں خبرِ واحد سے مراد وہ ہے جو خبر متواتر نہ ہو، اور امام بخاری نے اس عنوان سے ان لوگوں کے رد کا ارادہ کیا ہے جو کہتے ہیں کہ خبر اس وقت حجت ہوتی ہے جب اس کی روایت کرنے والے ایک شخص سے زیادہ ہوں حتیٰ کہ وہ خبر شہادت کی مثل ہو جائے، اور اس سے یہ لازم آتا ہے کہ ان لوگوں پر بھی رد ہو جنھوں نے خبرِ واحد میں چار یا زیادہ کی شرط لگائی ہے، پس استاذ ابو منصور البغدادی نے نقل کیا ہے کہ بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ خبرِ واحد کے قبول ہونے کی شرط یہ ہے کہ تین شخص تین سے روایت کریں، پھر تین تین سے روایت کریں اخیر تک۔ اور بعض نے کہا ہے کہ خبرِ واحد کے قبول ہونے کی شرط یہ ہے کہ چار آدمی چار سے روایت کریں، اور بعض نے کہا ہے کہ پانچ آدمی پانچ سے روایت کریں اور بعض نے کہا ہے کہ سات آدمی سات سے روایت کریں، اور گویا کہ ان میں سے ہر قائل کا ارادہ یہ ہے کہ عددِ مذکور تواتر کا فائدہ دیتا ہے، یا اس کا ارادہ یہ ہے کہ خبر متواتر اور احاد کی طرف منقسم ہے اور ان کے درمیان متوسط ہے۔ اور استاذ ابو منصور بغدادی نے یہ ذکر نہیں کیا جب دو شخص دو سے روایت کریں جیسا کہ شہادت علی الشہادۃ ہوتی ہے اور یہ بعض معتزلہ سے منقول ہے، اس کو علامہ المازری اور دوسروں نے ابو علی الجبائی سے نقل کیا ہے اور حاکم ابو عبداللہ کی طرف منسوب کیا ہے اور یہ دعویٰ کیا ہے کہ امام بخاری اور مسلم کی یہی شرط ہے، لیکن یہ حاکم کی طرف غلط منسوب کیا ہے جیسا کہ میں نے ''علومِ حدیث'' میں اس کی وضاحت کی ہے۔

''الصدوق'' کی قید کا فائدہ

اور امام بخاری نے کہا: ''وہ واحد الصدوق ہو'' اس قید کا ہونا ضروری ہے، ورنہ اس کا مقابلہ الکذوب ہے، جس سے اتفاقاً استدلال نہیں کیا جاتا، رہا وہ کہ جس کا حال معلوم نہ ہو تو اگر دیگر قرائن سے اس کی خبر کی تائید ہو تو وہ قبول ہوگی ورنہ نہیں۔

خبرِ واحد کا اعتبار عملیات میں ہے نہ کہ اعتقادیات میں

امام بخاری نے اس کے بعد لکھا ''فرائض'' اور پھر اذان، نماز اور روزے کا ذکر کیا، یہ عام کا عطف خاص پر ہے، اور ان تین کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا، کیونکہ اذان، نماز اور روزہ اہم عبادات ہیں۔ علامہ کرمانی نے کہا: ان کا اس لیے ذکر کیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ خبرِ واحد کا اعتبار عملیات میں ہوتا ہے نہ کہ اعتقادیات میں۔

اور یہ جو کہا ہے کہ اذان میں خبرِ واحد مقبول ہوتی ہے، یہ اس وقت ہے کہ جب اذان دینے والا امانت دار ہو اور وہ وقت داخل ہونے کے بعد اذان دے، سو اس وقت میں نماز جائز ہوگی اور نماز میں اس کی خبر سے قبلہ کی جہت معلوم ہوگی اور روزہ میں اس کی خبر سے طلوعِ فجر یا غروبِ شمس کا علم ہوگا۔

امام بخاری نے اس آیت کا ذکر کیا:

فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآىِٕفَةٌ لِّیَتَفَقَّهُوْا فِی الدِّیْنِ وَ لِیُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْۤا اِلَیْهِمْ لَعَلَّهُمْ یَحْذَرُوْنَ (التوبہ: ۱۲۲)

''اور ایسا کیوں نہ ہوا کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت روانہ ہوتی تاکہ وہ لوگ دین کی سمجھ حاصل کرتے اور جب وہ اپنی قوم کی طرف لوٹتے تو ان کو (اللہ کے عذاب سے) ڈراتے تاکہ وہ گناہوں سے بچتے۔

''طائفة'' کے مصداق میں متعدد اقوال

اس آیت میں ''طائفة'' کا لفظ ہے، اور یہ لفظ واحد کو بھی شامل ہے اور اس کے زائد کو بھی اور کسی عددِ معین کے ساتھ مخصوص نہیں ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، اور ابراہیم نخعی اور مجاہد وغیرہ سے اسی طرح منقول ہے، اس کو امام الثعلبی نے نقل کیا۔ اور عطاء، عکرمہ، ابن زید اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی منقول ہے کہ طائفة کا لفظ چار سے لے کر چالیس تک کو شامل ہے۔ اور الزہری سے منقول ہے: اس سے مراد تین کا عدد ہے، اور حسن بصری سے منقول ہے کہ اس سے مراد دس کا عدد ہے۔ اور امام مالک سے منقول ہے کہ کم سے کم ''طائفة'' کا عدد چار ہے، اسی طرح علامہ ابن التین نے اور امام مالک نے اطلاق کیا ہے، انہوں نے کہا: جو زانی کے رجم کے وقت حاضر ہوں وہ چار مرد ہونے چاہئیں، اور ربیعہ نے کہا: پانچ ہونے چاہئیں۔

علامہ الراغب اصفہانی نے کہا: لفظِ ''طائفة'' سے مراد جمع ہے اور اس کا واحد ''طائف'' ہے، اور اس سے مراد واحد ہے، پس یہ اس طرح صحیح ہے جیسے روایت اور علامت کا لفظ ہے، اور یہ بھی صحیح ہے کہ ''طائفة'' سے مراد جمع ہو اور اس کا واحد پر اطلاق کیا جائے۔

عطاء نے کہا: ''طائفة'' دو یا اس سے زائد ہیں، اور ابو اسحاق الزجاج نے کہا کہ لفظِ ''طائفة'' جماعت کی خبر دیتا ہے اور اس کے کم سے کم افراد دو ہیں، اور اس پر رد کیا گیا ہے کہ لغت میں ''طائفة'' کا معنی ہے: کسی چیز کا ٹکڑا، لہٰذا اس میں عدد کا تعین صحیح نہیں

ہے۔اور بعض علماء نے کہا کہ اس آیت میں جو فرمایا ہے''فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ '' تو فرقہ کی کم سے کم مقدار تین شخص ہیں۔

''طائفة'' سے ایک مرد مراد ہونے پر دلیل

امام بخاری نے اپنی تعلیق میں کہا''ایک مرد کو بھی طائفة کہا جاتا ہے'' جیسا کہ اس آیت میں مذکور ہے:

ایک مرد کو بھی طائفة کہا جاتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:''اور اگر مومنوں کے دو گروہ باہم جنگ کریں''۔

وَاِنْ طَآىِٕفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا (الحجرات:۹)

پس اگر دو مرد آپس میں لڑیں تو وہ اس آیت کے معنی میں داخل ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری سے پہلے یہ دلیل امام شافعی نے پیش کی کہ ایک مرد پر بھی''طائفة'' کا اطلاق ہوتا ہے، اور ان سے پہلے مجاہد نے پیش کی۔

''طائفة'' سے ایک مرد ہونے پر اعتراض کا جواب

اس دلیل پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآىِٕفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (النور:۲)

اور ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت حاضر ہونی چاہیے۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہاں''طائفة'' کا اطلاق ایک سے زائد پر ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا سیاق اس پر دلیل ہے کہ یہاں پر ایک سے زائد مراد ہیں، علاوہ ازیں ہم نے یہ نہیں کہا کہ ''طائفة'' کا معنی صرف ایک ہی ہوگا۔

واحد صدوق کی خبر کو قبول کرنے پر متعدد دلائل

امام بخاری نے اس پر یہ دلیل قائم کی ہے کہ نبی ﷺ یکے بعد دیگرے شہروں میں امراء کو بھیجتے تاکہ اگر کسی ایک کو سہو ہو جائے تو دوسرا اسے سنت کی طرف لوٹا دے۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: یہ اپنے ظاہر پر محمول ہے، کیونکہ اگر واحد صدوق کی خبر مقبول نہ ہوتی تو ایک کے بعد دوسرے حاکم کو بھیجنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا، اور یہ واحد کی خبر کے ثبوت میں قوی استدلال ہے، کیونکہ نبی ﷺ نے ایک کے بعد دوسرے کو حاکم بنا کر بھیجا۔

اسی طرح صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں یہ حدیث ہے کہ''حاضر کو چاہیے کہ وہ غائب تک حدیث کو پہنچا دے''، اس سے معلوم ہوا کہ خبرِ واحد حجت ہوتی ہے۔

اور سننِ ابوداؤد اور سننِ ترمذی وغیرہ میں یہ حدیث ہے''اللہ تعالیٰ اس مرد کو تر و تازہ رکھے جس نے مجھ سے حدیث کو سنا اور پھر اس کو اسی طرح ادا کر دیا''۔اس سے بھی معلوم ہوا کہ واحد کی خبر حجت ہوتی ہے۔

اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر بنایا اور ان سے ارشاد فرمایا ''تم اہل کتاب کی ایک قوم کے پاس جا رہے ہو، پس پہلے ان کو یہ خبر دینا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اوپر پانچ نمازیں فرض کی ہیں'' تو اس سے معلوم ہوا کہ واحد کی خبر حجت ہوتی ہے کیونکہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ان کو یہ خبر دیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔

اور بعض ائمہ نے قرآن مجید کی اس آیت سے خبرِ واحد کے حجت ہونے پر استدلال کیا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ۔ اے رسول! جو آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس کو پہنچا دیجئے۔ (المائدہ:۶۷)

جب کہ آپ تمام لوگوں کی طرف رسول تھے اور آپ پر واجب تھا کہ تمام لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچائیں، اگر واحد کی خبر غیر مقبول ہوتی تو شریعت کو سب کی طرف پہنچانا مشکل ہو جاتا، کیونکہ تمام لوگوں سے یکبارگی خطاب کرنا مشکل تھا، اسی طرح تمام لوگوں کی طرف حدِ تواتر کے برابر پیغام پہنچانا مشکل تھا، اس لیے کتنی مرتبہ آپ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچائیں گے اور جن کو احکام پہنچائیں گے وہ حدِ تواتر کو پہنچے ہوئے نہیں ہوں گے، تو اس سے معلوم ہوا کہ خبرِ واحد حجت ہے۔

خبرِ واحد کے حجت ہونے پر یہ اعتراض ہے کہ جب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ حدیث بیان کی کہ زندہ کے رونے سے میت کو عذاب ہوتا ہے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کو قبول نہیں کیا، تو اس سے معلوم ہوا کہ خبرِ واحد حجت نہیں ہوتی ورنہ حضرت عائشہ، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم کی اس حدیث کو قبول کر لیتیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کو اس لیے قبول نہیں فرمایا کہ یہ حدیث دلیلِ قطعی کے معارض تھی کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى (فاطر:۱۸) اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

خبرِ واحد کو قبول کرنے کی متعدد نظائر

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس خبر کو قبول کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیر کے دن وفات ہوئی۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عمرو بن حزم کی اس حدیث کو قبول کیا کہ تمام انگلیوں کی دیت برابر ہے، اور الضحاک بن سفیان کی اس حدیث کو قبول کیا کہ عورت اپنے خاوند کی دیت کی وارث ہوتی ہے، اور حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی طاعون کے متعلق خبر کو قبول کیا، اور مجوس سے جزیہ لینے کی حدیث کو قبول کیا، اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی اس خبر کو قبول کیا کہ موزوں پر مسح ہوتا ہے۔

اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے الفریعہ بنت سنان جو ابوسعید کی بہن تھیں، ان کی اس خبر کو قبول کیا کہ معتدہ، عدتِ وفات اپنے گھر میں گزارے گی، اسی طرح اور بہت احادیث ہیں، اور ان میں سے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ احکام کے لیے صحابہ کو بھیجتے تھے اور واحد کی خبر کو قبول کرنا ممکن تھا پس اس کے اوپر احتیاطاً عمل کرنا واجب تھا، کیونکہ عموماً ان کی خبر صادق ہوتی تھی، اور اس میں خطاء کا واقع ہونا بہت نادر تھا، پس ایک امرِ نادر کی وجہ سے مصلحتِ غالبہ کو ترک نہیں کیا جائے گا۔ اور احکام کا مبنیٰ شہادت پر عمل کرنے پر ہے، حالانکہ صرف شہادت سے قطعیت ثابت نہیں ہوتی۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ جو خبرِ واحد قرآن پر زائد ہو اس کو قبول نہیں کیا جائے گا لیکن ان پر یہ اعتراض ہے کہ علماء نے وضو میں

کہنیوں کے دھونے کے وجوب کو قبول کیا ہے اور یہ قرآن پر زائد ہے کیونکہ قرآن میں صرف ہاتھ دھونے کا ذکر ہے، اسی طرح سرقہ کا نصاب بھی قرآن مجید پر زائد ہے۔(فتح الباری ج ۸ ص ۴۰۳۔ ۴۰۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۲۴۶۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ الْحُوَيْرِثِ قَالَ أَتَيْنَا النَّبِيَّ ﷺ وَنَحْنُ شَبَبَةٌ مُتَقَارِبُونَ فَأَقَمْنَا عِنْدَهُ عِشْرِينَ لَيْلَةً وَكَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ رَفِيقًا فَلَمَّا ظَنَّ أَنَّا قَدِ اشْتَهَيْنَا أَهْلَنَا أَوْ قَدِ اشْتَقْنَا سَأَلَنَا عَمَّنْ تَرَكْنَا بَعْدَنَا فَأَخْبَرْنَاهُ قَالَ ارْجِعُوا إِلَى أَهْلِيكُمْ فَأَقِيمُوا فِيهِمْ وَعَلِّمُوهُمْ وَمُرُوهُمْ وَذَكَرَ أَشْيَاءَ أَحْفَظُهَا أَوْ لَا أَحْفَظُهَا وَصَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَلْيُؤَذِّنْ لَكُمْ أَحَدُكُمْ وَلْيَؤُمَّكُمْ أَكْبَرُكُمْ۔

(صحیح البخاری: ۶۲۸، ۶۳۱، ۶۸۵، ۷۲۴۶)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن المثنیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالوہاب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ایوب نے حدیث بیان کی از ابوقلابہ، انہوں نے کہا: ہمیں حضرت مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کے پاس آئے، ہم نوجوان تھے، ہم عمر تھے۔ ہم آپ کے پاس بیس (۲۰) راتیں ٹھہرے اور رسول اللہ ﷺ نرم مزاج تھے، پس جب آپ نے یہ گمان کیا کہ ہم اپنے گھر والوں کے پاس جانے کی خواہش کر رہے ہیں، یا گھر والوں کی طرف مشتاق ہیں، تو آپ نے ہم سے سوال کیا کہ ہم اپنے بعد گھر میں کس کو چھوڑ کر آئے ہیں، سو ہم نے آپ کو اس کی خبر دی، آپ نے فرمایا: تم اپنے گھر والوں کی طرف لوٹو، پس ان میں رہو اور ان کو تعلیم دو اور ان کو حکم دو، اور کئی چیزوں کا ذکر کیا جو مجھے یاد ہیں یا یاد نہیں ہیں، اور اس طرح نماز پڑھو جس طرح تم مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو، پس جب نماز کا وقت آ جائے تو تم میں سے ایک آدمی اذان دے اور جو تم میں سے بڑا ہو وہ نماز کی امامت کرائے۔

صحیح البخاری: ۷۲۴۶، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے رجال اور مشکل الفاظ کے معانی

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالوہاب، یہ ابن عبدالمجید ثقفی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ایوب، یہ السختیانی ہیں، اور پوری سند بصری راویوں پر مشتمل ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ہم نبی ﷺ کے پاس آئے"، یعنی ہم ایک وفد میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، امام محمد بن سعد نے ذکر کیا ہے کہ حضرت مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ مذکور کا وفد غزوۂ تبوک سے پہلے آیا تھا، اور غزوۂ تبوک رجب ۹ ہجری میں ہوا تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ونحن شببة" "شببة"، شاب کی جمع ہے اور یہ کہولت سے کم عمر کا زمانہ ہے، یعنی یہ ادھیڑ عمر کے لوگ تھے جو چالیس سال سے کم عمر کے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "متقاربون" یعنی عمر میں یہ سب ایک دوسرے کے قریب تھے، اور امام ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ ہم علم میں متقارب تھے اور مسلم کی روایت میں ہے کہ ہم قراءت قرآن میں متقارب تھے۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: یہ صحابہ قراءت میں برابر تھے، کیونکہ یہ سب اکٹھے اسلام لائے اور اکٹھے ہجرت کی اور بیس راتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت میں رہے تو یہ آپ سے علم حاصل کرنے میں برابر تھے، لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ ان کا ایک ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہنا اس کو مستلزم نہیں ہے کہ ان کی فہم بھی ایک درجہ کی ہو، کیونکہ ان کے علم میں مساوی ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ارجعوا الی اهليكم" یعنی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اندازہ ہو گیا کہ ہمیں اپنے گھر والوں کی یاد آرہی ہے تو آپ نے فرمایا: تم اپنے گھر والوں کی طرف چلے جاؤ، اور آپ نے ان کو اس لیے اجازت دی کہ مکہ فتح ہونے کے بعد ہجرت کی فرضیت منقطع ہو چکی تھی، پس مدینہ میں ٹھہرنا ان کے اختیار پر موقوف تھا، پس بعض ان میں سے مدینہ میں رہتے تھے اور بعض ضروری علم حاصل کرنے کے بعد اپنے گھروں کی طرف چلے گئے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وعلموهم ومروهم" یعنی ان کو تعلیم دو اور ان کو عبادت کرنے کا حکم دو، اور حماد بن زید کی روایت میں ہے جیسا کہ ابواب الامامۃ میں گزر چکا ہے کہ ان کو حکم دو، پس وہ فلاں وقت میں نماز پڑھیں اور فلاں وقت میں نماز پڑھیں۔

اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ واحد صدوق کی خبر حجت ہوتی ہے، کیونکہ یہ صحابہ رضی اللہ عنہم جب اپنے گھروں کو واپس جائیں گے تو گھر والوں کو دین کے احکام کی تعلیم دیں گے اور ان کو عبادت کرنے کا حکم دیں گے، اگر واحد صدوق کی خبر حجت نہ ہوتی تو ان کے گھر والوں کے اوپر یہ لازم نہ آتا کہ وہ ان کے دیے ہوئے احکام کے مطابق عمل کریں، اور اسی طرح جب بھی کوئی مبلغ حدیث کے مطابق کوئی حکم دیتا ہے تو اس کے حکم پر عمل کرنا اسی لیے لازم ہوتا ہے کہ واحد صدوق کی خبر حجت ہوتی ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "وصلوا كما رايتمونى اصلى" ابن دقیق العید نے کہا ہے کہ بہت سے فقہاء نے اس حدیث سے اس پر استدلال کیا ہے کہ فعل سے وجوب ثابت ہو جاتا ہے کیونکہ آپ نے فرمایا ہے "تم اس طرح نماز پڑھو جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو" کہ لوگ اس طرح نماز پڑھیں جس طرح آپ نماز پڑھتے ہیں، پس جس کے متعلق ثابت ہو گیا کہ یہ آپ کا نماز میں فعل ہے تو اس پر عمل کرنا واجب ہے، لیکن یہ خطاب حضرت مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب کو ہے کہ وہ نماز اس طرح واقع کریں جس طرح انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے، ہاں اس حکم میں تمام امت شریک ہے۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۴۰۵۔۴۰۶، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۷۲۴۶، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علماء کی جماعت کے نزدیک خبرِ واحد پر عمل کرنا واجب ہے اور اس میں کسی عدد معین کی ضرورت نہیں ہے۔ (احکام القرآن

للجصاص ج ۳ ص ۲۳۴۔۲۳۵، المستصفی ص ۱۱۷۔۱۱۸)

ایک قول یہ ہے کہ خبر واحد میں دو آدمیوں کی خبر ہونا ضروری ہے، ایک قول یہ ہے کہ تین آدمیوں کی خبر، ایک قول یہ ہے کہ چار آدمیوں کی خبر، ایک قول ہے کہ بیس آدمیوں کی خبر، ایک قول ہے کہ بارہ کی خبر، ایک قول ہے کہ اسی آدمیوں کی خبر، اور یہ تمام اقوال ضعیف ہیں۔

پھر امام بخاری نے اس باب میں ان احادیث سے استدلال کیا ہے جو پہلے گزر چکی ہیں، ان میں سے ایک حدیث حضرت مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ کی ہے جو اذان وغیرہ کی بحث میں گزر چکی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے''نحن شببة متقاربون'' اور شبب، شاب کی جمع ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۲، ص ۶۴۸، وزارۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۷۲۴۷۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ عَنْ يَحْيَى عَنِ التَّيْمِيِّ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَا يَمْنَعَنَّ أَحَدَكُمْ أَذَانُ بِلَالٍ مِنْ سَحُورِهِ فَإِنَّهُ يُؤَذِّنُ أَوْ قَالَ يُنَادِي لِيَرْجِعَ قَائِمَكُمْ وَيُنَبِّهَ نَائِمَكُمْ وَلَيْسَ الْفَجْرُ أَنْ يَقُولَ هٰكَذَا وَجَمَعَ يَحْيَى كَفَّيْهِ حَتَّى يَقُولَ هٰكَذَا وَمَدَّ يَحْيَى إِصْبَعَيْهِ السَّبَّابَتَيْنِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی از یحییٰ از التیمی از ابی عثمان، از حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کسی کو سحری کھانے سے بلال کی اذان نہ روکے، کیونکہ وہ اذان دیتے ہیں یا فرمایا: وہ نداء کرتے ہیں تاکہ جو تم میں تہجد پڑھ رہا ہے وہ لوٹ آئے اور جو سویا ہوا ہے وہ بیدار ہو جائے، (آپ نے اپنی انگلیاں اوپر سے نیچے کر کے فرمایا:) فجر اس طرح نہیں ہے، یحییٰ نے دونوں ہتھیلیوں کو جمع کیا حتیٰ کہ آپ نے فرمایا: وہ اس طرح ہے، اور یحییٰ نے اپنی دو انگشتِ سبابہ کو کھینچا۔

(صحیح البخاری: ۶۲۱، ۵۲۹۸، ۷۲۴۷، صحیح مسلم: ۱۰۹۳، سنن نسائی: ۲۱۷۰، سنن ابوداؤد: ۲۳۴۷، سنن ابن ماجہ: ۱۶۹۶، مسند احمد: ۳۷۰۹)

صحیح البخاری: ۷۲۴۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان سن کر سحری کو نہ روکو، کیونکہ وہ یہ خبر دیتے ہیں کہ یہ وہ وقت ہے جس میں تہجد کی اذان دی جاتی ہے حتیٰ کہ اس وقت میں سحری کھانا جائز ہے، اور یہ واحد صدوق کی خبر ہے، اس سے معلوم ہوا کہ واحد صدوق کی خبر حجت ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۲۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

فجر سے پہلے اذان دینے کے متعلق مختلف اقوال

اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ طلوع الفجر سے پہلے اذان دیتے تاکہ سویا ہوا شخص بیدار ہو جائے اور جو

تہجد کی نماز پڑھ رہا ہو وہ لوٹ جائے، اور یہ لوگ سحری کھانے کی تیاری کریں، اور یہی امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے، اور وہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد ایک اور اذان کی ضرورت ہے جو طلوع فجر کے بعد ہو جیسا کہ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ اذان دیتے تھے، اور جو اذان طلوع فجر سے پہلے دی جاتی ہے اس کے وقت میں اختلاف ہے، بعض شافعیہ نے کہا کہ اس کا وقت فجرِ کاذب اور فجرِ صادق کے درمیان ہے، بعض نے کہا: آدھی رات کے وقت ہے، بعض نے کہا: تہائی رات کے وقت ہے، بعض نے کہا: رات کے آخری چھٹے حصہ میں ہے۔

اس حدیث میں فجرِ کاذب اور فجرِ صادق کا بیان ہے، فجرِ کاذب میں روشنی اوپر سے نیچے کی طرف پھیلتی ہے اور فجرِ صادق میں روشنی دائیں سے بائیں طرف پھیلتی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۱۹۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۲۴۸۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ دِينَارٍ سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رضی الله عنهما عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ إِنَّ بِلَالًا يُنَادِي بِلَيْلٍ فَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يُنَادِيَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد العزیز بن مسلم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ بن دینار نے حدیث بیان کی، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: بے شک بلال رات کو اذان دیتے ہیں، پس تم کھاتے پیتے رہو حتیٰ کہ ابنِ ام مکتوم اذان دیں۔

(صحیح البخاری: ۶۱۷، ۶۲۰، ۶۲۳، ۱۹۱۸، ۲۶۵۶، ۷۲۴۸، صحیح مسلم: ۱۰۹۲، سنن ترمذی: ۲۰۳، سنن نسائی: ۶۳۷، مسند احمد: ۵۲۶۳، موطا امام مالک: ۱۶۴، سنن دارمی: ۱۱۹۰)

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ رمضان کے مہینہ میں اس وقت تک سحری کھاتے رہنا جائز ہے جب تک حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ اذان نہ دیں، اور حضرت ابنِ ام مکتوم رضی اللہ عنہ واحد صدوق ہیں، اور ان کا اذان دینا اس خبر کو متضمن ہے کہ اب فجر کا وقت داخل ہو گیا اور سحری کا وقت ختم ہو گیا، پس اگر خبرِ واحد حجت نہ ہوتی تو ان کی اذان کے اوپر سحری کو ختم کرنا اور نمازِ فجر کو شروع کرنا واجب نہ ہوتا۔

حضرت عبد اللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کا تذکرہ

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کا نام عبد اللہ ہے اور ان کو عمرو بھی کہا جاتا ہے اور یہی اکثر ہے، ان کی والدہ ام مکتوم کا نام عاتکہ بنت عبد اللہ بن عنکثہ بن عامر بن مخزوم ہے، اور یہ حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا کے ماموں کے بیٹے ہیں، حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے پہلے مدینہ کی طرف ہجرت کی تھی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مدینہ میں تیرہ (۱۳) مرتبہ اپنا خلیفہ بنایا، یہ جنگِ القادسیہ میں شریک ہوئے تھے اور اسی میں شہید ہو گئے تھے، اس دن ان کے ہاتھ میں جھنڈا تھا، صحیح مسلم میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو مؤذن تھے حضرت بلال اور حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہما، یعنی وقتِ واحد میں، ورنہ ان کے علاوہ بھی آپ کے مؤذن

تھے، حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ نے مکہ میں آپ کے لیے اذان دی ہے اور حضرت سعد القرظ نے آپ کے لیے قبا میں تین مرتبہ اذان دی ہے۔ (نخب الافکار فی تنقیح مبانی الاخبار فی شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۷۴، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

صحیح البخاری: ۷۲۴۸، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نابینا کے اذان دینے میں مذاہب

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نابینا کا اذان دینا جائز ہے جب کہ کوئی اس کو وقت کی خبر دینے والا ہو۔

امام طحاوی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تمہیں بلال کی اذان دھوکے میں نہ ڈالے، کیونکہ ان کی بینائی میں کچھ کمی ہے“۔

(شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۱۴۰، مسند احمد ج ۳ ص ۱۴۰، مسند البزار کشف الاستار: ۹۸۲، مسند ابو یعلیٰ ج ۵ ص ۱۹۷)

امام طحاوی نے کہا: کہ وہ طلوعِ فجر کو دیکھ کر اذان دیتے ہیں اور وہ حقیقت میں فجر نہیں ہوتی، کیونکہ یہ ثابت ہے کہ ان کی مقدار میں اتنا فرق ہے جتنا کسی کے چڑھنے میں اور اترنے میں فرق ہوتا ہے، اس سے یہ ثابت ہوا کہ یہ دونوں ایک وقت میں ہوتے ہیں اور وہ طلوعِ فجر ہے، پس حضرت بلال رضی اللہ عنہ اس کو دیکھنے میں خطاء کرتے اور حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ صواب کو پہنچتے کیونکہ وہ اس وقت تک اذان نہ دیتے جب تک کہ جماعت ان سے نہ کہتی کہ صبح ہو گئی صبح ہو گئی، اور ان کی اذان ہمارے نزدیک صحیح ہے اور امام مالک کے نزدیک اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک۔

علامہ نووی نے امام ابوحنیفہ سے نقل کیا ہے اور داؤد سے کہ نابینا کی اذان صحیح نہیں ہے، اور یہ امام ابوحنیفہ کی طرف سے غریب نقل ہے، ہاں المحیط میں مذکور ہے کہ ہمارے نزدیک نابینا کی اذان مکروہ ہے، ہمارے اصحاب نے کہا کہ نابینا کی اذان میں کوئی کراہت نہیں ہے جب اس کے ساتھ کوئی دیکھنے والا ہو، جیسے حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت بلال رضی اللہ عنہ تھے، پس اگر اس کے ساتھ کوئی دیکھنے والا نہ ہو تو پھر اس کی اذان مکروہ ہے کیونکہ یہ خطرہ ہے کہ اس کو مغالطہ ہو گیا۔ (البنایہ ج ۲ ص ۱۰۸)

اور جنہوں نے نابینا کی اذان کو مکروہ قرار دیا وہ حضرت ابن مسعود، حضرت ابن الزبیر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم ہیں، انہوں نے اس کی اقامت کو بھی مکروہ قرار دیا ہے، اور یہ بھی روایت ہے کہ ابراہیم نخعی کا مؤذن نابینا تھا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۱۹۷، سنن بیہقی ج ۱ ص ۴۲۷)

امام بیہقی نے کہا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جو نابینا کی اذان کو مکروہ فرمایا ہے، یہ اس وقت ہے جب نابینا اکیلا ہو۔

(السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۴۲۷)

امام بخاری اور المہلب مالکی نے نابینا کی اذان کے جواز سے نابینا کی آواز پر شہادت کو بھی جائز قرار دیا۔

حدیث مذکور کے دیگر فوائد

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس شخص میں کوئی قدرتی عیب ہو یا نقص ہو تو ضرورت کے وقت اس عیب یا نقص کا ذکر کرنا جائز ہے۔

(۲) کسی شخص کا اس کی ماں کی طرف نسبت کر کے ذکر کرنا جائز ہے جب کہ وہ اس نسبت کے ساتھ معروف ہو، اور حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کا نام عمرو یا عبداللہ تھا۔

(الطبقات الکبریٰ ج ۴ ص ۲۰۵، الاستیعاب ج ۳ ص ۱۰۳، اسد الغابہ ج ۴ ص ۲۴۳، تہذیب الکمال ج ۲۲ ص ۲۶، سیر اعلام النبلاء ج ۱ ص ۳۶۰، الاصابہ ج ۲ ص ۵۲۳)

(۳) عورت کے ساتھ کنیت رکھنا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ابنِ ام مکتوم فرمایا اور ان کی والدہ کا نام عاتکہ بنت عبداللہ بن عنکثہ بن عامر بن مخزوم ہے۔

(۴) تاکید کے لیے کسی لفظ کا دوبارہ ذکر کرنا، کیونکہ حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو کہا جاتا "اصبحت، اصبحت" یعنی تم نے صبح کر دی ہے، صبح کر دی ہے۔

(۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فجر کے وقت سے پہلے فجر کی اذان دینا جائز ہے، اور "المحلی" میں ایک جماعت سے منقول ہے کہ فجر سے پہلے اذان دینا مکروہ ہے، ان فقہاء میں حسن بصری، ابراہیم نخعی، نافع، اسود اور الشعبی ہیں، علقمہ نے ایک شخص کو رات کے وقت اذان دیتے ہوئے سنا تو انہوں نے کہا: اس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی مخالفت کی ہے، اگر یہ اپنے بستر پر سویا ہوا ہوتا تو یہ اس کے لیے زیادہ بہتر تھا۔

شیخ ابن حزم نے کہا ہے: جو اذان رات کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دی جاتی تھی، وہ اذانِ سحور تھی اذانِ صلوٰۃ نہیں تھی۔ (المحلی ج ۳ ص ۱۱۷۔ ۱۲۰)

اور علامہ قرطبی کا یہ غریب قول ہے، انہوں نے جمہور سے نقل کیا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان، اذانِ فجر تھی اور امام ابوحنیفہ اور الثوری نے کہا ہے: اس اذان کا فائدہ لوگوں کو سحری کھانے کے لیے تیار کرنا تھا اور اذانِ فجر ضروری تھی۔ (المفہم ج ۳ ص ۱۵۰)

حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی اذان کی تاویل میں علماء کا اختلاف ہے، ابنِ حبیب مالکی نے کہا کہ ان سے جو کہا جاتا تھا "اصبحت، اصبحت" اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ صبح ہو گئی اور ظاہر ہو گئی، لیکن اس کا معنی یہ ہے کہ ان کو صبح کے طلوع ہونے سے ڈراتے تھے اور "اصبحت" کا معنی ہے کہ تم نے صبح کو قریب کر دیا۔

اور امام بخاری کا مذہب یہ ہے کہ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ طلوع فجر کے بعد اذان دیتے تھے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ حدیث میں ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ رات کو اذان دیتے ہیں، پس اگر حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی اذان فجر سے پہلے ہوتی تو پھر اس قول کا کوئی معنی نہیں تھا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ رات کو اذان دیتے، کیونکہ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی اذان بھی اس صورت میں رات میں ہوتی، اور یہ کلام اس وقت درست ہوگا جب ان کی اذان رات میں نہ ہو، اس وقت میں ہو جس وقت میں روزہ رکھنے والے پر کھانا پینا حرام ہو جاتا ہے جو کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان کے وقت مباح تھا۔

اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ امام بخاری نے کتاب الصیام میں روایت کی ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ رات کو اذان دیتے ہیں، پس تم کھاتے اور پیتے رہو حتیٰ کہ عمرو اذان دیں، کیونکہ وہ اسی وقت اذان دیتے ہیں جب فجر طلوع ہو جاتی ہے۔ (صحیح البخاری: ۱۹۱۸) (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۶ ص ۵۳ ۳۔ ۳۵۷، ملخصاً و ملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۷۲۴۹۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ الْحَكَمِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ صَلَّى بِنَا النَّبِيُّ ﷺ الظُّهْرَ خَمْسًا فَقِيلَ أَزِيدَ فِي الصَّلَاةِ قَالَ وَمَا ذَاكَ قَالُوا صَلَّيْتَ خَمْسًا فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ بَعْدَ مَا سَلَّمَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں حفص بن عمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از الحکم از ابراہیم از علقمہ از حضرت عبداللہ (ابن مسعود) رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ہمیں ظہر کی نماز پانچ رکعت پڑھائی، پس پوچھا گیا: کیا نماز میں اضافہ ہو گیا ہے؟ آپ نے فرمایا: کیا ہوا؟ صحابہ نے کہا: آپ نے پانچ رکعت نماز پڑھی ہے، پس آپ نے سلام پھیرنے کے بعد دو سجدے کیے۔

(صحیح مسلم: ۵۷۲، سنن ترمذی: ۳۹۲، سنن نسائی: ۱۲۵۴، سنن ابوداؤد: ۱۰۱۹، سنن ابن ماجہ: ۱۲۰۵، مسند احمد: ۳۵۵۶، سنن دارمی: ۱۴۹۸)

صحیح البخاری: ۷۲۴۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیثِ مذکور پر اس اعتراض کا جواب کہ یہ حدیث عنوان کے مطابق نہیں ہے

علامہ ابن التین نے کہا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق نہیں ہے، کیونکہ اس حدیث میں خبر دینے والا ایک نہیں ہے بلکہ خبر دینے والی ایک جماعت ہے، لہٰذا یہ واحد کی خبر نہیں ہے۔

علامہ کرمانی نے اس کے جواب میں کہا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جماعت کے خبر دینے کی وجہ سے یہ خبر اخبار احاد سے نہیں نکلی، ہاں یہ ان خبروں سے ہے جو یقین کا فائدہ دیتی ہیں اس وجہ سے کہ یہ قرائن سے مقترن ہے۔

علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں: یہ جواب اطمینان بخش نہیں ہے بلکہ جو جواب کافی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کو امام بخاری نے دو مشائخ سے روایت کیا ہے، ایک تو یہ ہے جس کی روایت حفص بن عمر بن غیاث نے از شعبہ کی ہے، اور دوسری وہ ہے جس کو کتاب الصلوٰۃ میں باب "ما اذا صلی خمسا" کے تحت درج کیا ہے، اس کی امام بخاری نے روایت از ابوالولید از شعبہ کی ہے، اور اس میں یہ مذکور ہے کہ نبی ﷺ نے دریافت فرمایا: کیا ہوا؟ تو کہنے والے نے کہا: آپ نے پانچ رکعت نماز پڑھی ہے، پس دونوں حدیثوں میں کہنے والا ایک ہی ہے، اور نبی ﷺ نے اس کی تصدیق اس لیے فرمائی کہ وہ آپ کے نزدیک صدوق تھا، پس یہ حدیث عنوان کے مطابق ہے اور اس حدیث کی روایت میں اس سے ضرر نہیں ہوگا جس میں مذکور ہے کہ کہنے والی ایک جماعت تھی جیسا کہ اس عنوان کے تحت ہے، کیونکہ دونوں حدیثیں ایک حدیث ہیں ایک صحابی سے مروی ہیں اور ایک واقعہ کے متعلق ہیں، لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۲۱۔۲۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حدیثِ مذکور کی ایک اور روایت

علقمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ نبی ﷺ نے نماز پڑھائی، ابراہیم نے کہا: مجھے پتا نہیں

اس نماز میں آپ نے کچھ زیادتی کی یا کچھ کمی کی، پس جب آپ نے سلام پھیرا تو آپ سے کہا گیا: یارسول اللہ! کیا نماز میں کوئی نیا حکم نازل ہوا ہے؟ آپ نے پوچھا: اس کا کیا سبب ہے؟ صحابہ نے کہا: آپ نے اس طرح اور اس طرح نماز پڑھی ہے، آپ نے اپنے پیر موڑے اور قبلہ کی طرف منہ کیا اور دو سجدے کیے، پھر سلام پھیرا، پھر ہماری طرف منہ کر کے فرمایا: اگر نماز میں کوئی نیا حکم نازل ہوتا تو میں تمہیں اس کی خبر دیتا، لیکن میں صرف تمہاری مثل بشر ہوں، میں اس طرح بھولتا ہوں جس طرح تم بھولتے ہو، پس جب میں بھول جاؤں تو تم مجھے یاد دلایا کرو، اور تم میں سے جب کسی کو نماز میں شک ہو جائے تو اس کو غور کر کے صحیح بات معلوم کرنی چاہیے پھر اپنی نماز پوری کرنی چاہیے، پھر سلام پھیر کر دو سجدے کرنے چاہئیں۔ (صحیح البخاری: ۴۰۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا محمل کہ "میں تمہاری مثل بشر ہوں"

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "میں تمہاری مثل بشر ہوں"، اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت عظیم خصوصیات عطا فرمائی ہیں پھر آپ کس چیز میں ہماری مثل ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ آپ خدا نہ ہونے میں ہماری مثل ہیں، جس طرح ہم خدا نہیں ہیں آپ بھی خدا نہیں ہیں، کسی وجودی صفت میں آپ ہماری مثل نہیں ہیں بلکہ عدمی صفت میں آپ ہماری مثل ہیں، یعنی عدمِ الوہیت میں آپ ہماری مثل ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سہو اور نسیان کی تحقیق

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ آپ کے بعض افعال میں سہو اور نسیان واقع ہو جاتا تھا لیکن آپ اس پر برقرار نہیں رہتے تھے، لیکن امورِ تبلیغیہ میں اور کسی چیز کی خبر دینے میں آپ سے سہو اور نسیان نہیں ہوتا تھا اور یہ ممکن نہیں ہے کہ انبیاء علیہم السلام کسی چیز کی واقع کے خلاف خبر دیں عمداً نہ سہواً، صحت میں نہ مرض میں، حالت رضا میں نہ حالتِ غضب میں۔

(اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۲ ص ۵۱۴ ملخصاً، دارالوفاء ۱۴۱۹ھ)

۷۲۵۰۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ انْصَرَفَ مِنَ اثْنَتَيْنِ فَقَالَ لَهُ ذُو الْيَدَيْنِ أَقَصُرَتِ الصَّلَاةُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَمْ نَسِيتَ فَقَالَ أَصَدَقَ ذُو الْيَدَيْنِ فَقَالَ النَّاسُ نَعَمْ فَقَامَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ أُخْرَيَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ ثُمَّ كَبَّرَ ثُمَّ سَجَدَ مِثْلَ سُجُودِهِ أَوْ أَطْوَلَ ثُمَّ رَفَعَ ثُمَّ كَبَّرَ فَسَجَدَ مِثْلَ سُجُودِهِ ثُمَّ رَفَعَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از ایوب از محمد از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعت نماز پڑھ کر مڑ کر کھڑے ہو گئے، تو حضرت ذوالیدین نے کہا: یارسول اللہ! کیا نماز کی مقدار کم ہو گئی ہے یا آپ بھول گئے ہیں؟ آپ نے پوچھا: کیا ذوالیدین نے سچ کہا ہے؟ تو صحابہ نے کہا: جی ہاں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے آپ نے دو اور رکعتیں پڑھیں، پھر سلام پھیر دیا، پھر اللہ اکبر کہا، پھر پہلے سجدہ کی مثل سجدہ کیا یا اس سے لمبا سجدہ کیا، پھر سجدہ سے سر اٹھایا پھر اللہ اکبر کہا، پھر اس کی

مثل سجدہ کیا، پھر سجدہ سے سر اٹھایا۔

(صحیح البخاری: ۴۸۲، ۷۱۴، ۷۱۵، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۶۰۵۱، ۷۲۵۰، صحیح مسلم: ۵۷۳، سنن ترمذی: ۳۹۹، سنن نسائی: ۱۲۲۴، سنن ابوداؤد: ۱۰۰۸، سنن ابن ماجہ: ۱۲۱۴، مسند احمد: ۷۱۶۰، موطا امام مالک: ۲۱۰، سنن دارمی: ۱۴۹۶)

صحیح البخاری: ۷۲۵۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ذوالیدین کا تذکرہ

حضرت ذوالیدین کا نام خرباق بن عبد عمرو اسلمی تھا، ان کو ذوالشمالین بھی کہا جاتا تھا، یہ ان کا لقب تھا، ان کے ہاتھ لمبے تھے اور یہ دونوں ہاتھوں سے کام کرتے تھے، ابن الاثیر نے کہا ہے کہ ذوالشمالین ایک اور صحابی تھے وہ خزاعی تھے اور بنوزہرہ کے حلیف تھے، ان کو جنگِ بدر میں شہید کر دیا گیا تھا، قاضی عیاض نے لکھا ہے: ان کا نام عمیر بن عبد عمرو تھا اور یہ خزاعی تھے، علامہ عینی نے کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ ذوالیدین اور ذوالشمالین حضرت خرباق کے دو لقب تھے، کیونکہ امام نسائی نے اس قصہ میں ذوالیدین اور ذوالشمالین دونوں کا ذکر کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۴ ص ۳۸۷۔۳۸۹، ملخصاً وملتقطاً، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سجدہ ہائے سہو کرنے کی توجیہات

احادیث میں تین سجدہ ہائے سہو کے واقعات ہیں، صحیح البخاری: ۴۰۴ میں مذکور ہے کہ آپ نے ظہر کی پانچ رکعات پڑھا دیں، صحیح البخاری: ۶۰۵۱ میں مذکور ہے کہ آپ نے ظہر کی دو رکعت پڑھا دیں، اور صحیح مسلم: ۵۷۴ میں مذکور ہے کہ آپ نے عصر کی نماز تین رکعت پڑھا دیں، سہو کے یہ کل تین واقعات ہیں۔

آپ کے سہو کی وجہ یہ ہے کہ ہر شرعی عمل کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں بہترین عملی نمونہ ہے، اس لیے ضروری تھا کہ نماز میں سہو ہونے کی وجہ سے نماز کی اصلاح کے لیے بھی آپ کی زندگی میں عملی نمونہ ہوتا، دوسری وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب نمازوں میں سہو ہوا تو یہ معلوم ہو گیا کہ اتنے عظیم کمالات کے باوجود آپ بندہ اور بشر ہیں خدا نہیں ہیں تا کہ آپ کے عظیم کمالات اور معجزات کو دیکھ کر آپ کے متعلق کوئی شخص الوہیت کا عقیدہ نہ رکھے، تیسری وجہ یہ ہے کہ سہو کی حقیقت یہ ہے کہ ایک چیز سے توجہ ہٹ کر دوسری چیز کی طرف مبذول ہو جائے جیسا کہ نمازوں میں ہماری توجہ نماز کے افعال سے ہٹ کر دنیاوی کاموں کی طرف لگ جاتی ہے اور ہم کو پتا نہیں چلتا کہ ہم نے کتنی رکعت پڑھی ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ نماز کے افعال کی طرف متوجہ رہتے تھے لیکن کبھی آپ کی توجہ نماز کے افعال سے ہٹ کر حسنِ الوہیت کی تجلیات کی طرف منعطف ہو جاتی تھی اور آپ تجلیات ذات اور مطالعہ صفات میں اس طرح منہمک اور مستغرق ہو جاتے کہ نماز کی رکعات کی طرف آپ کی توجہ نہ رہتی اور آپ کو سہو ہو جاتا، اس سے معلوم ہوا کہ نماز میں ہمارا سہو دنیا میں ڈوب جانا ہے اور آپ کا سہو اپنے مولیٰ میں کھو جانا ہے، سو ہمارا سہو نقص ہے اور آپ کا سہو عینِ کمال ہے۔

نیز ان احادیث میں یہ تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلام پھیرنے کے بعد سہو کے دو سجدے کیے اور اس کے بعد نماز کا سلام

پھیرا اور یہی احناف کا مذہب ہے۔

صحیح البخاری: ۷۲۵۰، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

واحد کی خبر کی تصدیق کے لیے دیگر قرائن

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ذوالیدین نے کہا: کیا نماز کی مقدار کم ہو گئی ہے؟ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیگر صحابہ سے دریافت فرمایا: ''کیا ذوالیدین نے سچ کہا ہے؟'' تو صحابہ نے کہا: جی ہاں! اور اس حدیث کو اور اس سے پہلی حدیث کو اس عنوان کے تحت وارد کرنے کا سبب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر تنبیہ فرمائی کہ آپ نے واحد کی خبر پر قناعت نہیں کی بلکہ دوسروں سے اس کے متعلق پوچھا، اور جب دوسروں نے بھی حضرت ذوالیدین رضی اللہ عنہ کی تائید کر دی اور جم غفیر نے ذوالیدین کے صدق کی خبر دی تو آپ نے ان کی طرف رجوع کر لیا۔ اور اس سے معلوم ہوا کہ جب امام کو سہو ہو جائے تو وہ دوسروں سے اس کے متعلق معلوم کرے، اس لیے امام بخاری نے یہ دونوں حدیثیں ذکر کیں، اور دوسرے شارحین نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ذوالیدین رضی اللہ عنہ کی خبر کے متعلق دوسروں سے استفسار فرمایا، کیونکہ وہ تنہا یہ بیان کرنے والے تھے کہ آپ نے دو رکعت نماز پڑھی ہے، حالانکہ نماز میں اور بھی لوگ شریک تھے تو آپ نے ان کی خبر میں خطاء کو جائز قرار دیا لیکن اس سے مطلقاً خبرِ واحد کو رد کرنا لازم نہیں آتا۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۴۰۶، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۲۵۱۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ بَيْنَا النَّاسُ بِقُبَاءٍ فِي صَلَاةِ الصُّبْحِ إِذْ جَاءَهُمْ آتٍ فَقَالَ إِنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَدْ أُنْزِلَ عَلَيْهِ اللَّيْلَةَ قُرْآنٌ وَقَدْ أُمِرَ أَنْ يَسْتَقْبِلَ الْكَعْبَةَ فَاسْتَقْبِلُوهَا وَكَانَتْ وُجُوهُهُمْ إِلَى الشَّأْمِ فَاسْتَدَارُوا إِلَى الْكَعْبَةِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از عبداللہ بن دینار از حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ جس وقت لوگ قباء میں صبح کی نماز پڑھ رہے تھے، ان کے پاس ایک آنے والا آیا، پس اس نے کہا: بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آج رات قرآن نازل ہوا ہے اور آپ کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ آپ کعبہ کی طرف منہ کریں، پس تم بھی کعبہ کی طرف منہ کر لو، اور پہلے ان کے چہرے شام کی طرف تھے، پس وہ کعبہ کی طرف مڑ گئے۔

(صحیح البخاری: ۴۰۳، ۴۴۸۸، ۴۴۹۰، ۴۴۹۱، ۴۴۹۳، ۴۴۹۴، ۷۲۵۱، صحیح مسلم: ۵۲۶، سنن نسائی: ۷۴۵، مسند احمد: ۵۸۹۸، موطا امام مالک: ۴۵۸، سنن دارمی: ۱۲۳۴)

امام بخاری کا اس حدیث سے مقصود یہ ہے کہ ایک مسلمان نے آ کر خبر دی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں کعبہ کی طرف منہ کر لیا تو تمام نمازیوں نے کعبہ کی طرف منہ کر لیا، اور اس سے پہلے ان کا منہ بیت المقدس کی طرف تھا، اس سے واضح ہوا کہ واحد صدوق کی خبر حجت ہوتی ہے اور اس پر عمل کرنا واجب ہے اور یہی امام بخاری کا اس باب کے عنوان سے مقصود ہے۔

صحیح البخاری: ۷۲۵۱، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی التوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے میں اگر خطاء ہو تو اس صورت میں فقہاء کے اقوال

فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ جس نے اپنے اجتہاد سے قبلہ کی طرف منہ کیا، پس اس نے قبلہ کی طرف پیٹھ کر لی یا مشرق کی طرف منہ کیا یا مغرب کی طرف منہ کیا تو امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب اور ثوری نے کہا ہے: وہ نماز کو نہیں دہرائے گا، اور یہی عطاء کا اور الشعبی کا اور سعید بن المسیب کا اور نخعی کا قول ہے، اور ابراہیم النخعی نے کہا: اگر اس نے نماز کا کچھ حصہ غیر قبلہ کی طرف کیا پھر نماز میں اس کو معلوم ہو گیا اور اس نے قبلہ کی طرف منہ کر کے بقیہ نماز پڑھی تو جو اس نے نماز پڑھی ہے اس میں ثواب کی نیت کرے گا جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے قباء میں کیا، اور یہی ثوری کا قول ہے، اور امام مالک نے کہا: جس نے اجتہاد سے قبلہ کی طرف منہ کیا پھر اس کو خطاء لاحق ہوئی تو اگر نماز کا وقت ابھی ہو تو اس کے لیے نماز کو دہرانا مستحب ہے، اور یہی حسن بصری اور زہری کا قول ہے، اور امام شافعی نے کہا: اگر وہ اپنی نماز سے فارغ ہو گیا، پھر اس پر یہ ظاہر ہوا کہ اس نے مغرب کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی ہے (اور قبلہ مشرق کی جانب تھا) تو وہ نماز کو دہرائے گا، اور اگر اس نے صرف اپنے اجتہاد سے مغرب کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی ہے تو اس پر نماز کا اعادہ نہیں ہے، اور امام بخاری اس باب میں ان لوگوں کے قول کی طرف گئے ہیں جنہوں نے کہا ہے کہ کسی شخص نے اپنے اجتہاد سے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی اور اس کو خطاء ہوئی تو وہ نماز کو نہیں دہرائے گا۔

اور امام شافعی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کہیں کہ قبلہ کی طرف پیٹھ کرنے والا اپنے اجتہاد سے یقین کی طرف لوٹ آیا، کیونکہ جب وہ اس جہت میں قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے گا تو اس کو اس جہت کے قبلہ ہونے کا یقین نہیں ہے یہ صرف اس کا غلبہ ظن ہے، اور اس کا بیان اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ تمام شہر والوں کا نماز پڑھنا جائز ہے اور یہ معلوم ہے کہ ان میں سے ہر ایک کا منہ قبلہ کی طرف نہیں ہوتا، یہ کم لوگوں کو حاصل ہوتا ہے اور ان کی نماز اس لیے جائز ہے کہ وہ اپنے اجتہاد سے منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں، اور اس پر دلیل یہ ہے کہ اہل قباء نے غیر قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی، پھر ان کو نماز کے دہرانے کا حکم نہیں دیا گیا، کیونکہ ان کے لیے قبلہ کی جہت کے علم کا حصول ممکن نہیں تھا، انہوں نے اپنے اجتہاد سے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی۔

اور علامہ المہلب المالکی نے کہا ہے: امام بخاری نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے اس باب میں استدلال کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اہل قباء نے اس قبلہ سے منحرف ہو کر نماز پڑھی جس کی طرف منہ کرنا ان پر فرض تھا، اور انہوں نے غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھی اور ان کو نماز دہرانے کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ انہوں نے اسی نماز پر بناء کی جو انہوں نے قبلہ کی طرف منہ کرنے سے پہلے پڑھی تھی، اسی طرح جو اجتہاد کر کے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے اس پر اعادہ لازم نہیں ہے۔

امام طحاوی نے کہا کہ اہل قباء نے کعبہ کی طرف منہ کر لیا اور وہ اس نماز کی تکبیر تحریمہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے کر چکے تھے، اس میں یہ دلیل ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ فرض کا علم نہ ہو اور نہ اس تک اس کی دعوت پہنچی ہو اور نہ دوسرے سے اس کا علم حاصل کرنا اس کے لیے ممکن ہو تو اس کے اوپر اس فرض کو ادا کرنا لازم نہیں ہے، اور اس کے اوپر حجت قائم نہیں ہے، اس پر

فرض اس وقت ہوگا جب اس کو اس کی فرضیت کا علم ہوگا اور اس پر حجت قائم ہوگی، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین سے قتال کرنے سے پہلے ان کو اسلام کی دعوت دی اور ان کو اسلام کے احکام بیان کیے، پھر بعد میں اس کو ترک کر دیا جو ان کے ماسوا بنو المصطلق وغیرہم تھے، پس آپ نے ان سے صبح کے وقت قتال کیا، کیونکہ دعوتِ اسلام ان تک پہنچ چکی تھی۔

اگر اس پر یہ اعتراض کیا جائے کہ نماز میں کعبہ کی طرف منہ کرنا اس نماز کو شروع کرنے سے پہلے ان پر واجب تھا، کیونکہ جس آیت میں کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے وہ رات میں نازل ہوئی تھی، اور اہلِ قباء کعبہ کی طرف اس نماز میں متوجہ ہوئے جب انہیں اس آیت کے نزول کا علم ہو چکا تھا اور اس نماز کے شروع ہونے سے پہلے کعبہ کی طرف منہ کرنا ان پر فرض ہو چکا تھا، اور غیرِ قبلہ کی طرف نماز پڑھنا ان کے لیے عذر ہے جو اس حکم سے ناواقف ہوں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جس شخص کو کسی حکم کے فرض ہونے کا علم نہ ہو اس پر وہ حکم فرض کیسے ہو سکتا ہے ورنہ مجانین اور دیوانوں کو جنہیں احکامِ شرعیہ کا علم نہیں ہوتا ان پر بھی احکامِ شرعیہ فرض ہو جائیں گے، اسی طرح جس کو کسی حکم کی فرضیت کا علم نہ ہو اس پر وہ حکم فرض نہیں ہوگا۔

دار الحرب میں رہنے والے جن لوگوں کو فرائض کا علم نہیں ہوتا، آیا ان پر احکامِ شرعیہ فرض ہیں یا نہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ فقہاء کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں کہ جو شخص دار الحرب میں ہو اور اس کو کوئی ایسا شخص نہ ملے جس سے وہ فرائض کا علم حاصل کر سکے تو اس کے اوپر ان فرائض کی قضاء لازم نہیں ہے جو گزر چکے ہیں، اور اگر کوئی شخص دار الاسلام میں ہو یا دار الحرب میں ہو اور وہاں پر اس کے لیے ممکن ہو کہ ان مسلمانوں سے اللہ تعالیٰ کے مقرر کیے ہوئے فرائض کا علم حاصل کر سکے تو اس پر واجب ہے کہ جو نمازیں اور روزے گزر گئے ہیں ان کی قضاء کرے، کیونکہ اس پر یہ لازم تھا کہ جو مسلمان وہاں پر حاضر ہیں، ان مسلمانوں سے یہ معلوم کرے کہ اس پر نمازیں اور روزے فرض ہیں اور یہ امام ابوحنیفہ کا قول ہے۔

اور امام ابو یوسف کا قول یہ ہے کہ خواہ وہ شخص دار الحرب میں ہو یا دار الاسلام میں ہو تو جو نمازیں اور روزے گزر چکے ہیں اس پر ان کی قضاء کرنا لازم ہے، اور یہی امام مالک اور امام شافعی کا قول ہے۔

اور امام طحاوی نے کہا ہے کہ امام ابوحنیفہ کا قول راجح ہے، اور اہلِ قباء پر ان میں سے کوئی چیز لازم نہیں تھی، کیونکہ ان کے اوپر قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا فرض تھا اور ان پر یہ لازم نہیں تھا کہ وہ قبلہ کی جہت کے متعلق سوال کریں۔

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال پر عمل کرنا بھی اسی طرح لازم ہے جس طرح آپ کے اقوال پر عمل کرنا لازم ہے حتیٰ کہ خصوصیت کی کوئی دلیل قائم ہو۔

(۲) اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جو شخص نماز میں شامل نہ ہو وہ اس شخص کو لقمہ دے سکتا ہے جو نماز میں شامل ہے، جب کہ نمازی کو یقین حاصل نہ ہو، کیونکہ جس شخص نے اہلِ قباء کو یہ خبر دی کہ قبلہ کی تحویل ہو گئی ہے اور اب قبلہ کعبہ ہو گیا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی ہے، تو وہ اس نماز میں شامل نہیں تھا لیکن اس کے اس قول پر عمل کیا گیا۔

(۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ واحد صدوق کی خبر کو قبول کرنا جائز ہے اور اس پر عمل کرنا واجب ہے، کیونکہ اہلِ قباء نے اس پر عمل کیا اور اس خبرِ واحد کی وجہ سے جس طرف پہلے منہ کر کے نماز پڑھ رہے تھے اس کو ترک کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر انکار نہیں فرمایا۔ (شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۲ ص ۷۸۔ ۸۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۷۲۵۱، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

خبرِ واحد کا حجت ہونا خواہ اس پر قرینہ ہو یا نہ ہو

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کی اس حدیث میں یہ دلیل ظاہر ہے کہ خبرِ واحد پر عمل کیا جاتا ہے، کیونکہ جو صحابہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ رہے تھے ان تک جب یہ خبر پہنچی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اب کعبہ کی طرف منہ کر لیا ہے تو وہ نماز ہی میں انہوں نے اپنا منہ بیت المقدس سے کعبہ کی طرف کر لیا، جب اس شخص نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ کعبہ کی طرف نماز میں منہ کیا جائے تو انہوں نے اس کی خبر کی تصدیق کی اور اس پر عمل کیا اور اپنا منہ بیت المقدس سے کعبہ کی طرف پھیر لیا۔

اس پر یہ اعتراض ہے کہ اس خبر کی تصدیق اس وجہ سے تھی کہ صحابہ کرام کے لیے یہ ممکن تھا کہ اس واقعہ کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تصدیق کر لیتے اور بحث اس خبرِ واحد میں ہے جو قرینہ سے خالی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جب یہ تسلیم کر لیا گیا کہ صحابہ نے خبرِ واحد پر اعتماد کیا تو یہ خبرِ واحد کی حجت ہونے میں کافی ہے اور اصل یہ ہے کہ قرینہ نہ ہو۔ نیز اس پر اتفاق نہیں ہے کہ وہی خبرِ واحد قبول ہو گی جس کے ساتھ قرائن نہ ہوں۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۴۰۶، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۲۵۲۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ إِسْرَائِيلَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ لَمَّا قَدِمَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم الْمَدِينَةَ صَلَّى نَحْوَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ سِتَّةَ عَشَرَ أَوْ سَبْعَةَ عَشَرَ شَهْرًا وَكَانَ يُحِبُّ أَنْ يُوَجَّهَ إِلَى الْكَعْبَةِ فَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى ﴿قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا﴾ فَوُجِّهَ نَحْوَ الْكَعْبَةِ وَصَلَّى مَعَهُ رَجُلٌ الْعَصْرَ ثُمَّ خَرَجَ فَمَرَّ عَلَى قَوْمٍ مِنَ الْأَنْصَارِ فَقَالَ هُوَ يَشْهَدُ أَنَّهُ صَلَّى مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَأَنَّهُ قَدْ وُجِّهَ إِلَى الْكَعْبَةِ فَانْحَرَفُوا وَهُمْ رُكُوعٌ فِي صَلَاةِ الْعَصْرِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وکیع نے حدیث بیان کی از اسرائیل از ابی اسحاق از حضرت البراء رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو آپ نے سولہ یا سترہ مہینے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی، اور آپ یہ پسند کرتے تھے کہ آپ کو کعبہ کی طرف نماز میں متوجہ کر دیا جائے، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

''بے شک ہم آپ کے چہرے کا آسمان کی طرف اٹھنا دیکھ رہے ہیں، سو ہم آپ کو اس قبلہ کی طرف ضرور پھیر دیں گے جس پر آپ راضی ہیں''۔ (البقرہ: ۱۴۴)

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کعبہ کی طرف متوجہ کر دیا گیا، اور ایک مرد نے آپ کے ساتھ عصر کی نماز پڑھی، پھر وہ نکل گیا، پھر وہ انصار کی ایک قوم

کے پاس سے گزرا تو اس نے شہادت دیتے ہوئے کہا کہ اس نے
نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی ہے اور آپ کو (نماز میں) کعبہ کی
طرف متوجہ کر دیا گیا ہے، پس وہ لوگ نماز میں قبلہ کی طرف منحرف
ہو گئے اور اس وقت وہ عصر کی نماز کے رکوع میں تھے۔

(صحیح البخاری: ۴۰، ۳۹۹، ۴۴۸۶، ۴۴۹۲، ۷۲۵۲، صحیح مسلم: ۵۲۵، سنن ترمذی: ۳۴۰، سنن نسائی: ۴۸۹، سنن ابن ماجہ: ۱۰۱۰، مسند احمد: ۱۸۰۲۶)

امام بخاری کا اس حدیث سے مقصود یہ ہے کہ ایک شخص کے خبر دینے سے انصار کی ایک جماعت نے اپنی عصر کی نماز میں بیت المقدس سے منحرف ہو کر کعبہ کی طرف منہ کر لیا، اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کے نزدیک خبرِ واحد حجت ہے اور اس کے تقاضا پر عمل کرنا واجب ہے۔

صحیح البخاری: ۷۲۵۲، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی التوفی ۴۴۹ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جہمیہ اور مرجئہ وغیرہ کا رد

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ۔ (البقرہ: ۱۴۳) اور اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ تمہارے ایمان کو ضائع کرے۔

مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ آیت بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کے متعلق نازل ہوئی ہے، کیونکہ جب تحویلِ قبلہ ہوگئی اور کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا تو بعض صحابہ نے کہا: جن مسلمانوں نے پہلے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی تھی اور وہ اسی حال میں فوت ہو گئے اور انہیں کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا موقع نہیں ملا تو ان کا انجام کیا ہوگا، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ''اور اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ تمہارے ایمان کو ضائع کرے'' اور اس آیت میں بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھی ہوئی نمازوں پر ایمان کا اطلاق فرمایا ہے، اور اس آیت سے جہمیہ اور مرجئہ کے اس قول کا رد ہے کہ فرائض اور اعمال کو ایمان نہیں کہا جاتا۔ (شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۱ ص ۹۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۷۲۵۲، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

تحویلِ قبلہ سے پہلے جو صحابہ کرام فوت ہو گئے ان کے اسماء

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''بیت المقدس کے قبلہ مقرر ہونے سے پہلے کئی مرد فوت ہو گئے تھے اور شہید ہو گئے تھے''، میں نے صرف زہیر کی روایت میں یہ دیکھا ہے کہ کچھ مرد شہید ہوئے ورنہ احادیث میں تحویلِ قبلہ سے پہلے صرف چند صحابہ کے فوت ہونے کا ذکر ہے۔

امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام ابن حبان اور امام حاکم نے سندِ صحیح کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جو صحابہ نماز کی فرضیت کے بعد اور تحویلِ قبلہ سے پہلے فوت ہو گئے وہ دس (۱۰) افراد تھے، پس مکہ میں قریش میں سے (۱) حضرت عبداللہ بن شہاب (۲) حضرت المطلب بن ازہر (۳) حضرت السکران بن عمرو العامری اور حبشہ میں ان میں سے (۴) حضرت خطاب بن الحارث الجمحی (۵) حضرت عمرو بن امیہ الاسدی (۶) حضرت عبداللہ بن الحارث السہمی (۷) حضرت عروہ بن عبدالعزیٰ (۸) حضرت عدی بن نضرۃ اور انصار میں سے مدینہ میں (۹) حضرت البراء بن معرور اور (۱۰) حضرت اسعد بن زرارۃ رضی اللہ عنہم، یہ دس وہ صحابہ ہیں جن کے تحویلِ قبلہ سے پہلے فوت ہونے پر اتفاق ہے، اور اس مدت میں ایاس بن معاذ الاشہلی بھی فوت ہوئے لیکن ان کے اسلام لانے میں اختلاف ہے، اور مجھے احادیث میں سے کوئی ایسی حدیث نہیں ملی کہ مسلمانوں میں سے کوئی ایک تحویلِ قبلہ سے پہلے شہید ہو گیا ہو، لیکن کسی حدیث میں ان کا ذکر نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ واقع میں کوئی شہید نہ ہوا ہو۔

پس اگر یہ لفظ محفوظ ہو کہ کچھ صحابہ تحویلِ قبلہ سے پہلے شہید ہو گئے تھے تو اس کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ بعض مسلمان اس مدت میں غیرِ جہاد میں شہید ہوئے لیکن ان کا شہید ہونا مشہور نہیں ہوا، پھر میں نے المغازی میں پڑھا کہ ایک مرد کے اسلام میں اختلاف تھا اور وہ سوید بن الصامت تھے، پس امام ابنِ اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے العقبہ میں انصار کی ملاقات سے پہلے ملے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر اسلام پیش کیا تو انہوں نے کہا: یہ عمدہ قول ہے اور مدینہ کی طرف واپس چلے گئے اور وہاں پر جنگِ بُعاث سے پہلے قتل کر دیئے گئے، اور یہ ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے، پھر ان کی قوم کے لوگ کہتے تھے کہ وہ قتل کر دیئے گئے اور وہ مسلمان ہو چکے تھے، پس ہو سکتا ہے کہ تحویلِ قبلہ سے پہلے جو صحابہ شہید ہوئے ہیں ان سے مراد یہی ہوں، اور مجھ سے بعض فاضلین نے یہ ذکر کیا کہ ہو سکتا ہے اس سے مراد وہ کمزور مسلمان ہوں جو مکہ میں شہید کر دیئے گئے جیسے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے والدین۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں: میں کہتا ہوں: اس کے لیے ثبوت کی ضرورت ہے کہ ان دونوں کی شہادت معراج کے بعد ہوئی ہے۔

حدیثِ مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث میں مُرجئہ کے رد کا ثبوت ہے، کیونکہ وہ اعمالِ دینیہ کو ایمان قرار دینے کا انکار کرتے ہیں۔

(۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بعض احکام کے تغیر کی تمنا کرنا جائز ہے جب کہ اس میں کوئی مصلحت ہو، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ تمنا کی تھی کہ مسلمانوں کا قبلہ بیت المقدس کے بجائے کعبہ ہو جائے۔

(۳) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ فی ذاتہٖ نہ بیت المقدس مقصود ہے نہ فی ذاتہٖ کعبہ مقصود ہے، بلکہ مقصود تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توجہ ہے، جب آپ کی توجہ بیت المقدس کی طرف تھی تو وہ قبلہ ہو گیا، اور جب آپ کی توجہ کعبہ کی طرف ہو گئی تو وہ قبلہ ہو گیا۔

(۴) اس میں اختلاف ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے اس کی کیا کیفیت تھی؟

امام ابن ماجہ نے اپنی سند کے ساتھ از ابوبکر بن عیاش روایت کی ہے کہ ''ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بیت المقدس کی طرف اٹھارہ (۱۸) مہینے نماز پڑھی، اور مدینہ میں داخل ہونے کے دو ماہ کے بعد کعبہ کو قبلہ بنا دیا گیا''۔ اس سے یہ ظاہر ہوا کہ آپ مکہ میں بھی بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے، اور الزہری نے روایت کی ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ کیا رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کو اپنی پیٹھ کے پیچھے رکھتے تھے یا کعبہ کو اپنے اور بیت المقدس کے درمیان رکھتے تھے؟

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں: پہلے قول کے مطابق آپ میزابِ رحمت کو اپنی پیٹھ کے پیچھے رکھتے تھے، اور دوسرے قول کے مطابق آپ رکنینِ یمانیین کے درمیان نماز پڑھتے تھے۔

اور بعض لوگوں نے گمان کیا کہ آپ مکہ میں ہمیشہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے ہیں، پس جب آپ مدینہ میں آئے تو بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی پھر اس حکم کو منسوخ کر دیا گیا۔

(۵) اس حدیث سے مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف اور آپ کی اپنے رب کے نزدیک کرامت کا ظہور ہوا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ چیز عطا کر دی جس کو آپ پسند کرتے تھے حالانکہ آپ نے اس کا صراحۃً سوال نہیں کیا تھا۔

(۶) اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کو اپنے دینی بھائیوں کے متعلق کتنی حرص اور کتنی شفقت تھی، کیونکہ انہوں نے یہ سوال کیا کہ ہمارے دینی بھائی جو تحویلِ قبلہ سے پہلے فوت ہو گئے شہید ہو گئے ان کی نمازوں کا کیا حکم ہے؟ اور اس کی نظیر یہ ہے کہ جب خمر کی تحریم نازل ہو گئی تو صحابہ کرام کو تشویش ہوئی کہ جو صحابہ تحریمِ خمر کے نازل ہونے سے پہلے فوت ہو گئے ان کا کیا انجام ہوگا؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (المائدہ: ۹۳)

ایمان والے اور نیک عمل کرنے والے جو کچھ (پہلے) کھا پی چکے ہیں اس سے ان پر کوئی باز پرس نہیں ہوگی بہ شرطیکہ وہ اللہ سے ڈرتے رہے اور ایمان پر برقرار رہے اور نیک عمل کرتے رہے، پھر اللہ سے ڈرتے رہے اور بدستور ایمان پر قائم رہے پھر اللہ سے ڈرتے رہے اور اچھے کام کرتے رہے، اور اللہ اچھے کام کرنے والوں کو پسند کرتا ہے O

(فتح الباری ج ا ص ۵۶۶-۵۶۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۲۵۳- حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ قَزَعَةَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی الله عنه قَالَ كُنْتُ أَسْقِي أَبَا طَلْحَةَ الْأَنْصَارِيَّ وَأَبَا عُبَيْدَةَ بْنَ الْجَرَّاحِ وَأُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ شَرَابًا مِنْ فَضِيخٍ وَهُوَ تَمْرٌ فَجَاءَهُمْ آتٍ فَقَالَ إِنَّ الْخَمْرَ قَدْ حُرِّمَتْ فَقَالَ أَبُو طَلْحَةَ يَا أَنَسُ قُمْ إِلَى هَذِهِ الْجِرَارِ فَاكْسِرْهَا قَالَ أَنَسٌ فَقُمْتُ إِلَى مِهْرَاسٍ لَنَا فَضَرَبْتُهَا بِأَسْفَلِهِ حَتَّى انْكَسَرَتْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے یحییٰ بن قزعہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از اسحاق بن عبد اللہ بن ابی طلحہ از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابوطلحہ انصاری کو اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کو اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہم کو کھجور کی شراب پلا رہا تھا، پس اس وقت ایک آنے والا آیا اور اس نے بتایا کہ خمر حرام کر دی گئی ہے، پس حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے انس! اٹھو اور ان مٹکوں کو توڑ دو، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ میں اپنے ہاون دستہ کو لے کر کھڑا ہوا اور مٹکوں کے نیچے ضرب لگائی حتیٰ

کہ سب مٹکے ٹوٹ گئے۔

(صحیح البخاری: ۲۴۶۴، ۴۶۱۷، ۴۶۲۰، ۵۵۸۰، ۵۵۸۲، ۵۵۸۳، ۵۵۸۴، ۵۶۰۰، ۵۶۲۲، ۷۲۵۳، صحیح مسلم: ۱۹۸۰، سنن نسائی: ۵۵۴۲، سنن ابوداؤد: ۳۶۷۳، مسند احمد: ۱۲۹۶۳، موطا امام مالک: ۱۵۹۹)

امام بخاری کا اس حدیث کو وارد کرنے سے مقصود یہ ہے کہ خبرِ واحد حجت ہے، کیونکہ ایک شخص نے آ کر بتایا کہ خمر کو حرام کر دیا گیا، حالانکہ پہلے خمر کا پینا مباح تھا، تو ان صحابہ نے اس کی تحقیق نہیں کی کہ دیگر ذرائع سے یہ معلوم ہو کہ واقعی خمر کو حرام کر دیا گیا ہے، بس اس ایک آدمی کے خبر دینے سے انہوں نے یقین کر لیا کہ اب خمر حرام ہو گئی ہے، لہٰذا انہوں نے شراب کے مٹکوں کو توڑ دیا اور مدینہ کی گلیوں میں شراب بہتی رہی، اور یہ اس پر قوی حجت ہے کہ خبرِ واحد کو قبول کرنا واجب ہے اور اس کے تقاضا پر عمل کرنا ضروری ہے۔

۷۲۵۴۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ صِلَةَ عَنْ حُذَيْفَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لِأَهْلِ نَجْرَانَ لَأَبْعَثَنَّ إِلَيْكُمْ رَجُلًا أَمِينًا حَقَّ أَمِينٍ فَاسْتَشْرَفَ لَهَا أَصْحَابُ النَّبِيِّ ﷺ فَبَعَثَ أَبَا عُبَيْدَةَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از ابی اسحاق از صلۃ از حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک نبی ﷺ نے اہل نجران سے فرمایا: عنقریب میں تمہاری طرف ایک مرد کو بھیجوں گا جس کا امانت دار ہونا برحق ہوگا، تو نبی ﷺ کے اصحاب اس بات کے منتظر تھے کہ آپ کس کو بھیجتے ہیں تو آپ نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو بھیج دیا۔

(صحیح البخاری: ۳۷۴۵، ۴۳۸۰، ۴۳۸۱، ۷۲۵۴، صحیح مسلم: ۲۴۲۰، سنن ترمذی: ۳۷۹۶، سنن ابن ماجہ: ۱۳۵، مسند احمد: ۲۲۸۸۸)

صحیح البخاری: ۷۲۵۴، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کا تذکرہ

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا نام عامر بن عبد اللہ بن الجراح بن ہلال بن اہیب بن ضبہ بن الحارث بن فہر ہے، یہ نبی ﷺ کے نسب میں فہر بن مالک کے ساتھ جمع ہو جاتے ہیں، اور ان کے آباء کی تعداد کے درمیان پانچ آباء کا فرق ہے، پس حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ عدد کے اعتبار سے عبدِ مناف کے درجہ میں ہیں۔

اور ابوعبیدہ کی والدہ، یہ ان کے باپ کے چچا کی بیٹیوں میں سے ہیں، امام حاکم نے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے اسلام قبول کیا اور ان کے باپ غزوہ بدر میں کفر کی حالت میں قتل کیے گئے تھے۔ اور جس وقت حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے شام کے امیر تھے اور اٹھارہ (۱۸) ہجری کے طاعون میں ان کی وفات ہوئی۔

امام ترمذی اور امام ابن حبان نے از خالد الحذاء ایک طویل حدیث ذکر کی ہے جس کے شروع میں مذکور ہے "میری امت میں سب سے زیادہ رحم دل ابوبکر ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو نافذ کرنے میں سب سے زیادہ سخت عمر ہیں اور سب سے زیادہ حیاء دار اور سچے عثمان ہیں اور سب سے اچھے کتاب اللہ کو پڑھنے والے ابی بن کعب ہیں اور وراثت کے احکام کو سب سے زیادہ جاننے والے

زید ہیں، اور حلال اور حرام کے احکام کو سب سے زیادہ جاننے والے معاذ ہیں، اور سنو! ہر امت میں ایک امین ہوتا ہے اور میری امت کے امین ابوعبیدہ بن الجراح ہیں، رضی اللہ عنہم''۔

اس حدیث میں اہلِ نجران کا ذکر ہے، یہ لوگ یمن کے قریب رہنے والے تھے اور ان لوگوں میں عاقب تھے جن کا نام عبدالمسیح ہے۔ امام ابن سعد نے ذکر کیا ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس نو (۹) ہجری میں آئے، اور صحیح مسلم میں مذکور ہے کہ اہلِ یمن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے تو کہا: آپ ہماری طرف کوئی ایسا مرد بھیج دیں جو ہم کو سنت اور اسلام کی تعلیم دے، تو آپ نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: یہ اس امت کا امین ہے، اور مسلم کی روایت میں ہے ''میں عنقریب تمہارے پاس ایک مرد کو بھیجوں گا جو امانت کا حق دار ہے''۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب اس کے منتظر تھے اور اس پر حریص تھے کہ آپ کس کو بھیجتے ہیں تو آپ نے فرمایا: اے ابوعبیدہ اٹھو اور ان کو بھیج دیا''۔

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سنا کہ میں نے کبھی امارت کی تمنا نہیں کی سوائے ایک مرتبہ، پھر یہ قصہ ذکر کیا۔ (فتح الباری ج ۴ ص ۸۱۳، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

میں کہتا ہوں: اس حدیث سے بھی امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ خبرِ واحد حجت ہوتی ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہلِ نجران کے پاس حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور انہوں نے ان کو دین کے احکام سکھائے، اور اہلِ نجران کے لیے ان کی خبر کو قبول کرنا اور اس کے تقاضا پر عمل کرنا واجب تھا اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کی یہ خبر، خبرِ واحد تھی کیونکہ وہ واحد صدوق تھے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۷۲۵۵۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ خَالِدٍ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَنَسٍ رضی الله عنه قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم لِكُلِّ أُمَّةٍ أَمِينٌ وَأَمِينُ هَذِهِ الْأُمَّةِ أَبُو عُبَيْدَةَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از خالد از ابوقلابہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے اور اس امت کے امین ابوعبیدہ ہیں۔

(صحیح البخاری: ۳۷۴۵، ۴۳۸۰، ۴۳۸۱، ۷۲۵۴، صحیح مسلم: ۲۴۲۰، سنن ترمذی: ۳۷۹۶، سنن ابن ماجہ: ۱۳۵، مسند احمد: ۲۲۸۸۸)

اس حدیث کی شرح ابھی گزر چکی ہے۔

۷۲۵۶۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ عُبَيْدِ بْنِ حُنَيْنٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ عُمَرَ رضی الله عنهم قَالَ وَكَانَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ إِذَا غَابَ عَنْ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَشَهِدْتُهُ أَتَيْتُهُ بِمَا يَكُونُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد بن زید نے حدیث بیان کی از یحییٰ بن سعید از عبید بن حنین از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما از حضرت عمر رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ انصار کا ایک مرد تھا جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس سے غائب ہوتا اور

وَإِذَا غِبْتُ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَشَهِدَهُ أَتَانِي بِمَا يَكُونُ مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ۔

میں حاضر ہوتا تو میں اس کے پاس ان احکام کو لے کر آتا جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنے ہوتے اور جب میں رسول اللہ ﷺ کی مجلس سے غائب ہوتا اور وہ حاضر ہوتا تو وہ میرے پاس ان احکام کو لے کر آتا جو اس نے رسول اللہ ﷺ سے سنے ہوتے۔

(صحیح البخاری: ۸۹، ۲۴۶۸، ۴۹۱۳، ۴۹۱۴، ۴۹۱۵، ۵۱۹۱، ۵۲۱۸، ۵۸۴۳، ۷۲۵۶، ۷۲۶۳، صحیح مسلم: ۱۴۷۹، سنن ترمذی: ۳۳۱۸)

یہ حدیث بھی خبرِ واحد کے حجت ہونے پر دلیل ہے، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ دین کے احکام میں اس انصاری مرد کی خبر کو قبول کرتے تھے اور اس کی خبر، خبرِ واحد ہے، اور وہ انصاری مرد دین کے احکام میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دی ہوئی خبر کو قبول کرتا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دی ہوئی خبر بھی خبرِ واحد تھی، پس واضح ہو گیا کہ خبرِ واحد حجت ہے۔

۷۲۵۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ زُبَيْدٍ عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَيْدَةَ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ عَلِيٍّ رضی الله عنه أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ بَعَثَ جَيْشًا وَأَمَّرَ عَلَيْهِمْ رَجُلًا فَأَوْقَدَ نَارًا وَقَالَ ادْخُلُوهَا فَأَرَادُوا أَنْ يَدْخُلُوهَا وَقَالَ آخَرُونَ إِنَّمَا فَرَرْنَا مِنْهَا فَذَكَرُوا لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ لِلَّذِينَ أَرَادُوا أَنْ يَدْخُلُوهَا لَوْ دَخَلُوهَا لَمْ يَزَالُوا فِيهَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَقَالَ لِلْآخَرِينَ لَا طَاعَةَ فِي مَعْصِيَةٍ إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں غندر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از زُبید از سعد بن عبیدہ از ابوعبدالرحمٰن از حضرت علی رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک نبی ﷺ نے ایک لشکر بھیجا اور ان پر ایک مرد کو امیر بنا دیا، اس امیر نے آگ جلائی اور لشکر والوں سے کہا: اس آگ میں داخل ہو جاؤ، پس انہوں نے اس آگ میں داخل ہونے کا ارادہ کیا اور دوسروں نے کہا: ہم آگ سے ہی تو اسلام کی طرف بھاگے ہیں، پھر انہوں نے نبی ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے ان لوگوں سے کہا جنہوں نے اس آگ میں داخل ہونے کا ارادہ کیا تھا: اگر تم اس آگ میں داخل ہو جاتے تو قیامت تک اسی آگ میں رہتے، اور دوسروں سے آپ نے فرمایا کہ معصیت میں کسی کی اطاعت نہیں ہے، اطاعت صرف نیک بات میں ہوتی ہے۔

(صحیح البخاری: ۴۳۴۰، ۷۱۴۵، ۷۲۵۷، صحیح مسلم: ۱۸۴۰، سنن نسائی: ۴۲۰۵، سنن ابوداؤد: ۲۶۲۵، مسند احمد: ۱۰۲۱)

صحیح البخاری: ۷۲۵۷، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ ابن التین نے اس حدیث پر یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق نہیں ہے، کیونکہ اس حدیث میں

یہ مذکور نہیں ہے کہ اہلِ لشکر نے آگ میں داخل ہونے کے لیے اس مرد کی اطاعت کر لی تھی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی اس کے جواب میں لکھتے ہیں: لیکن امیر لشکر کے اس حکم کے علاوہ اس کے دیگر احکام کی اہلِ لشکر اطاعت کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ خبرِ واحد حجت ہوتی ہے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۴۰۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۲۵۸، ۷۲۵۹۔ حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَنَّ عُبَيْدَ اللهِ بْنَ عَبْدِ اللهِ أَخْبَرَهُ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ وَزَيْدَ بْنَ خَالِدٍ أَخْبَرَاهُ أَنَّ رَجُلَيْنِ اخْتَصَمَا إِلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں زہیر بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یعقوب بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی از صالح از ابن شہاب، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ نے ان کو خبر دی کہ حضرت ابو ہریرہ اور حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہما ان دونوں نے خبر دی کہ انصار کے دو مردوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنا جھگڑا پیش کیا۔

(صحیح البخاری: ۲۳۱۴، ۲۳۱۵، ۲۶۴۹، ۲۶۹۶، ۲۷۲۵، ۶۶۳۴، ۶۸۲۸، ۶۸۳۱، ۶۸۳۶، ۶۸۴۳، ۶۸۶۰، ۷۱۹۴، ۷۲۵۹، ۷۲۷۹، صحیح مسلم: ۱۶۹۸، سنن ترمذی: ۱۴۳۳، سنن نسائی: ۵۴۱۱، سنن ابوداؤد: ۴۴۴۵، سنن ابن ماجہ: ۲۵۴۹، مسند احمد: ۱۶۵۹۴)

۷۲۶۰۔ و حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِذْ قَامَ رَجُلٌ مِنَ الْأَعْرَابِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ اقْضِ لِي بِكِتَابِ اللهِ فَقَامَ خَصْمُهُ فَقَالَ صَدَقَ يَا رَسُولَ اللهِ اقْضِ لَهُ بِكِتَابِ اللهِ وَأْذَنْ لِي فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم قُلْ فَقَالَ إِنَّ ابْنِي كَانَ عَسِيفًا عَلَى هَذَا وَالْعَسِيفُ الْأَجِيرُ فَزَنَى بِامْرَأَتِهِ فَأَخْبَرُونِي أَنَّ عَلَى ابْنِي الرَّجْمَ فَافْتَدَيْتُ مِنْهُ بِمِائَةٍ مِنَ الْغَنَمِ وَوَلِيدَةٍ ثُمَّ سَأَلْتُ أَهْلَ الْعِلْمِ فَأَخْبَرُونِي أَنَّ عَلَى امْرَأَتِهِ الرَّجْمَ وَأَنَّمَا عَلَى ابْنِي جَلْدُ مِائَةٍ وَتَغْرِيبُ عَامٍ فَقَالَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَأَقْضِيَنَّ بَيْنَكُمَا بِكِتَابِ اللهِ أَمَّا الْوَلِيدَةُ وَالْغَنَمُ فَرُدُّوهَا وَأَمَّا ابْنُكَ فَعَلَيْهِ جَلْدُ مِائَةٍ وَتَغْرِيبُ عَامٍ وَأَمَّا أَنْتَ يَا أُنَيْسُ لِرَجُلٍ مِنْ أَسْلَمَ فَاغْدُ عَلَى امْرَأَةِ هَذَا فَإِنِ اعْتَرَفَتْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود نے خبر دی کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جس وقت کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے، دیہاتیوں میں سے ایک مرد کھڑا ہوا، اس نے کہا: یا رسول اللہ! میرے لیے کتاب اللہ سے فیصلہ کیجئے، پھر اس کا مخالف بھی کھڑا ہوا، اس نے کہا: یہ سچ کہتا ہے یا رسول اللہ! اس کے لیے کتاب اللہ سے فیصلہ کیجئے اور میرے لیے اس میں بات کرنے کی اجازت دیجئے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم بات کرو، اس نے کہا کہ میرا بیٹا اس شخص کے ہاں عسیف تھا، اور عسیف کا معنی ہے: مزدور، پس اس نے اس شخص کی بیوی سے زنا کیا، پس لوگوں نے مجھے خبر دی کہ بے شک میرے بیٹے کو رجم کرنا ہے، تو میں نے اس کی طرف سے ایک سو بکریاں صدقہ میں دیں اور ایک باندی دی، پھر میں نے اہلِ علم سے سوال کیا تو انہوں نے مجھے خبر دی کہ اس کی بیوی کو رجم کرنا ہے اور میرے

فَارْجُمْهَا فَغَدَا عَلَيْهَا أُنَيْسٌ فَاعْتَرَفَتْ فَرَجَمَهَا۔

بیٹے کے اوپر سو کوڑے مارے جائیں گے اور ایک سال کے لیے شہر بدر کیا جائے گا، پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! میں ضرور تم دونوں کے درمیان کتاب اللہ سے فیصلہ کروں گا، رہی باندی اور بکریاں تو وہ اس کو واپس کر دو، اور رہا تمہارا بیٹا! تو اس کے اوپر سو کوڑے مارے جائیں گے اور ایک سال کے لیے شہر بدر کیا جائے گا۔ اور تم اے انیس! آپ نے بنو اسلم کے ایک مرد سے فرمایا: صبح اس عورت کے پاس جاؤ، اگر وہ عورت زنا کا اعتراف کر لے تو اس کو رجم کر دینا، پھر حضرت اُنیس رضی اللہ عنہ اس عورت کے پاس صبح گئے، اس عورت نے زنا کا اعتراف کر لیا، پس انہوں نے اس عورت کو رجم کر دیا۔

(صحیح البخاری: ۲۳۱۴، ۲۶۴۹، ۲۶۹۶، ۲۷۲۵، ۲، ۶۶۳۴، ۶۸۲۸، ۶۸۳۱، ۶۸۳۶، ۶۸۴۳، ۶۸۶۰، ۷۱۹۴، ۷۲۵۹، ۷۲۷۹، ۲۳۱۵، صحیح مسلم: ۱۶۹۸، سنن ترمذی: ۱۴۳۳، سنن نسائی: ۵۴۱۱، سنن ابوداؤد: ۴۴۴۵، سنن ابن ماجہ: ۲۵۴۹، مسند احمد: ۱۶۵۹۴)

صحیح البخاری: ۷۲۶۰، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رجم کے ثبوت پر دلائل

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ خبرِ واحد جب قرآن پر زائد ہو تو وہ مردود ہوتی ہے، علامہ ابن القیم نے ان کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جب خبرِ واحد قرآن پر زائد ہو تو وہ قرآنِ مجید کے مجمل حکم کا بیان ہوتی ہے، دوسرا جواب یہ دیا کہ وہ خبرِ واحد اس حکم پر دلیل ہوتی ہے جس سے قرآن ساقط ہے، اور یہ حکم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ابتداءً حاصل ہوتا ہے، پس اس حکم کی اطاعت واجب ہے، کیونکہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کی اطاعت صرف ان ہی احکام میں ہوتی جو قرآن کے موافق ہیں تو پھر آپ کی مخصوص اطاعت نہ ہوتی، حالانکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (النساء: ۸۰)

جس نے رسول کی اطاعت کی تو بے شک اس نے اللہ کی اطاعت کر لی۔

خبرِ واحد سے اس حکم کے ثبوت پر دلائل جو قرآن مجید پر زائد ہو

اسی طرح بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ جو حکم قرآن پر زائد ہو، وہ اس وقت قبول کیا جائے گا جب کہ وہ خبرِ متواتر سے ثابت ہو یا خبرِ مشہور سے ثابت ہو۔ اور ان کا یہ قول خود ان کے اپنے مذہب کے خلاف ہے، کیونکہ انہوں نے متعدد احکام کو تسلیم کیا ہے حالانکہ

وہ احکام خبرِ واحد سے ثابت ہیں اور قرآن مجید پر زائد ہیں، ان احکام کی تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) یہ لوگ اس کے قائل ہیں کہ جب کسی شخص کے نکاح میں پھوپھی یا خالہ ہو تو اس کے اوپر بھتیجی یا بھانجی سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔

(۲) اور یہ لوگ اس کے قائل ہیں کہ جو رشتہ نسب سے حرام ہے وہ رضاعت سے بھی حرام ہو جاتا ہے۔

(۳) اور یہ لوگ خیارِ شرط اور شفعہ اور حضر (غیر سفر) میں رہن رکھنے کے قائل ہیں۔

(۴) اور یہ لوگ جدہ کی میراث کے قائل ہیں۔

(۵) جب کسی باندی کو آزاد کر دیا جائے تو اس کے خیارِ عتق کے قائل ہیں۔

(۶) اور حائضہ عورت کو نماز اور روزہ سے منع کرنے کے قائل ہیں۔

(۷) اور جو روزہ دار رمضان میں اپنی بیوی سے جماع کرلے، اس پر کفارہ کے قائل ہیں۔

(۸) اور عدتِ وفات میں عدت گزارنے والی پر سوگ کے قائل ہیں۔

(۹) اور نبیذ تمر سے وضو کے جواز کے قائل ہیں۔

(۱۰) اور وتر کے وجوب کے قائل ہیں۔

(۱۱) اور اس کے قائل ہیں کہ کم سے کم مہر کی مقدار دس درہم ہے۔

(۱۲) اور بیٹی کے ساتھ پوتی کو چھٹا حصہ دینے کے قائل ہیں۔

(۱۳) اور قیدی عورت کے ایک حیض گزرنے سے اس کے استبراء کے قائل ہیں۔

(۱۴) اور اخیافی بہن بھائیوں کی وراثت کے قائل ہیں۔

(۱۵) اور اس کے قائل ہیں کہ بیٹے کو قتل کرنے کی وجہ سے باپ سے قصاص نہیں لیا جاتا۔

(۱۶) اور مجوس سے جزیہ لینے کے قائل ہیں۔

(۱۷) اور دوسری بار چوری کرنے پر چور کا پیر کاٹنے کے قائل ہیں۔

ان کے علاوہ اور بہت احکام ہیں جن کا قرآن مجید میں ذکر نہیں ہے اور وہ صرف خبرِ واحد سے ثابت ہیں اور ان کے یہ لوگ قائل ہیں، لہٰذا ان کے اس قول کا اعتبار نہیں کیا جائے گا کہ جو حکم قرآن پر زائد ہو اس پر عمل صرف اسی وقت کیا جائے گا جب کہ وہ خبرِ متواتر سے ثابت ہو یا خبرِ مشہور سے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۴۰۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۲۔ بَابُ: بَعْثِ النَّبِيِّ ﷺ الزُّبَيْرَ طَلِيعَةً وَحْدَهُ

نبی ﷺ کا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو تنہا دشمن کی خبر لانے کے لیے بھیجنا

۷۲۶۱۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْمَدِينِيِّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُنْكَدِرِ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ قَالَ نَدَبَ النَّبِيُّ ﷺ النَّاسَ يَوْمَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ بن المدینی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن المنکدر نے

الْخَنْدَقِ فَانْتَدَبَ الزُّبَيْرُ ثُمَّ نَدَبَهُمْ فَانْتَدَبَ الزُّبَيْرُ ثُمَّ نَدَبَهُمْ فَانْتَدَبَ الزُّبَيْرُ ثَلَاثًا فَقَالَ لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوَارِيٌّ وَحَوَارِيَّ الزُّبَيْرُ قَالَ سُفْيَانُ حَفِظْتُهُ مِنِ ابْنِ الْمُنْكَدِرِ وَقَالَ لَهُ أَيُّوبُ يَا أَبَا بَكْرٍ حَدِّثْهُمْ عَنْ جَابِرٍ فَإِنَّ الْقَوْمَ يُعْجِبُهُمْ أَنْ تُحَدِّثَهُمْ عَنْ جَابِرٍ فَقَالَ فِي ذَلِكَ الْمَجْلِسِ سَمِعْتُ جَابِرًا فَتَابَعَ بَيْنَ أَحَادِيثَ سَمِعْتُ جَابِرًا قُلْتُ لِسُفْيَانَ فَإِنَّ الثَّوْرِيَّ يَقُولُ يَوْمَ قُرَيْظَةَ فَقَالَ كَذَا حَفِظْتُهُ مِنْهُ كَمَا أَنَّكَ جَالِسٌ يَوْمَ الْخَنْدَقِ قَالَ سُفْيَانُ هُوَ يَوْمٌ وَاحِدٌ وَتَبَسَّمَ سُفْيَانُ۔

حدیث بیان کی، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کے دن لوگوں کو طلب کیا، پس حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے آپ کی طلب پر لبیک کہا، پھر آپ نے لوگوں کو طلب کیا تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے آپ کی طلب پر لبیک کہا، پھر آپ نے لوگوں کو طلب کیا تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے آپ کی طلب پر لبیک کہا تین بار، آپ نے فرمایا: ''ہر نبی کے حواری (محافظ اور مددگار) ہوتے ہیں اور میرے حواری زبیر ہیں''۔

سفیان نے کہا: میں نے یہ حدیث ابن المنکدر سے یاد رکھی ہے، اور ان سے ایوب نے کہا: اے ابوبکر! ان کو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے حدیث کی روایت کریں، کیونکہ قوم کو یہ پسند ہے جب آپ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، تو انہوں نے اس مجلس میں کہا: میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سنا ہے اور چار احادیث پے در پے روایت کیں کہ میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سنا، میں نے سفیان سے کہا کہ ثوری تو (بجائے غزوہ خندق کے) یوم قریظہ کہتے ہیں، تو انہوں نے کہا: میں نے ان سے یوم الخندق سنا ہے اتنے یقین کے ساتھ جتنا تمہارے بیٹھنے پر یقین ہے، سفیان نے کہا: وہ ایک ہی دن ہے اور سفیان مسکرانے لگے۔

(صحیح البخاری: ۲۸۴۶، ۲۸۴۷، ۲۹۹۷، ۳۷۱۹، ۴۱۱۳، ۷۲۶۱، صحیح مسلم: ۲۴۱۵، سنن ترمذی: ۳۷۴۵، سنن ابن ماجہ: ۱۲۲، مسند احمد: ۱۴۵۱۹)

صحیح البخاری: ۷۲۶۱، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

خبرِ واحد کی حجیت کا بیان اور اس حدیث کی سند کے معانی

اس باب میں امام بخاری نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان کی ہے جس میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو دشمن کی خبر معلوم کرنے کے لیے بھیجا، اس سے معلوم ہوا کہ خبرِ واحد حجت ہے، کیونکہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ واحد صدوق تھے اور وہ دشمن کی جو خبر لے کر آتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تصدیق فرماتے، اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب خبرِ واحد حجت ہو۔

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے کہ ''ان سے ایوب نے کہا'' یعنی ایوب السختیانی نے کہا: ''اے ابوبکر!'' اور یہ محمد بن المنکدر کی کنیت ہے اور ان کی کنیت ابوعبداللہ بھی ہے، اور ان کا ایک اور بھائی تھا جس کو ابوبکر بن المنکدر کہا جاتا تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے''ندب''یعنی رسول اللہ ﷺ نے طلب کیا، اور اس حدیث میں مذکور ہے''انتدب''یعنی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی طلب پر جلدی سے لبیک کہا۔

اور اس حدیث کی سند میں ہے''فتتابع''یعنی محمد بن منکدر نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے چار حدیثیں پے در پے بیان کر دیں۔

رسول اللہ ﷺ کا دشمن کی خبر معلوم کرنے کے لیے طلب کرنا

امام بخاری نے از ابن المنکدر از حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے خندق کے دن فرمایا: میرے پاس بنو قریظہ کی خبر کون لے کر آئے گا؟ اسماعیلی نے متنبہ کیا ہے، انہوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے غزوۂ خندق کے دن بنو قریظہ کی خبر کو طلب کیا، اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خندق کے دن فرمایا:''میرے پاس بنو قریظہ کی خبر کون لے کر آئے گا''، اور جس روایت میں یوم قریظہ کا ذکر ہے اس سے مراد وہ دن ہے جس دن آپ نے ان کی خبر لانے کے لیے فرمایا تھا نہ کہ وہ دن جس دن بنو قریظہ کے خلاف جنگ ہوئی، اور سفیان نے جو کہا ہے یہ ایک ہی دن ہے، ان کی مراد بھی یہی ہے۔

سفیان بن عیینہ نے کہا: وہ ایک ہی دن ہے یعنی یومِ خندق اور یومِ قریظہ، اور یہ اس وجہ سے صحیح ہے کہ یوم کا اطلاق اس زمانہ پر ہوتا ہے جس زمانہ میں کوئی بڑا واقعہ پیش آیا ہو خواہ اس کے دن کم ہوں یا زیادہ ہوں، جیسے کہا جاتا ہے''یوم الفتح''اور اس سے وہ ایام مراد ہوتے ہیں جن ایام میں نبی ﷺ نے مکہ کو فتح کرنے کے لیے قیام کیا، اسی طرح غزوۂ خندق کا اطلاق ان تمام دنوں پر ہوتا ہے جن دنوں اس میں کاروائی ہوتی رہی، اور اس کا آخر وہ تھا جب کفار کی جماعتیں واپس چلی گئیں اور نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے، تو ظہر اور عصر کے درمیان حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور آپ کو اللہ کا یہ حکم پہنچایا کہ آپ بنو قریظہ کی طرف نکلیں، پھر آپ بنو قریظہ کی طرف نکلے اور آپ نے صحابہ سے فرمایا: کوئی شخص ہرگز عصر کی نماز نہ پڑھے مگر بنو قریظہ میں، پھر آپ نے کئی ایام تک بنو قریظہ کا محاصرہ کیا حتیٰ کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے حکم پر بنو قریظہ قلعہ سے نیچے اتر آئے، اور ان تمام مباحث کا کتاب المغازی میں بیان ہو چکا ہے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۴۰۸، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۳۔ بَابُ: قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ (الاحزاب: ۵۳)

فَإِذَا أُذِنَ لَهُ وَاحِدٌ جَازَ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:''نبی کے گھروں میں داخل نہ ہو، سوا اس کے کہ تمہیں بلایا جائے''

پھر جب اس کے لیے ایک آدمی اجازت دے تو اس کا آنا جائز ہے

۷۲۶۲۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ عَنْ أَبِي مُوسَى أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ دَخَلَ حَائِطًا وَأَمَرَنِي بِحِفْظِ الْبَابِ فَجَاءَ رَجُلٌ يَسْتَأْذِنُ فَقَالَ ائْذَنْ لَهُ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ فَإِذَا أَبُو بَكْرٍ ثُمَّ جَاءَ عُمَرُ فَقَالَ ائْذَنْ لَهُ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ ثُمَّ جَاءَ عُثْمَانُ فَقَالَ ائْذَنْ لَهُ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد بن زید نے حدیث بیان کی از ایوب از ابی عثمان از حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک نبی ﷺ ایک باغ میں داخل ہوئے اور مجھے اس دروازہ کی حفاظت کرنے کا حکم دیا، پھر ایک مرد نے آنے کی اجازت طلب کی تو آپ نے فرمایا: اس کو اجازت دو

اور اس کو جنت کی بشارت دو، پس وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے تو آپ نے فرمایا: ان کو اجازت دو اور ان کو جنت کی بشارت دو، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آئے، تو آپ نے فرمایا: ان کو اجازت دو اور جنت کی بشارت دو۔

(صحیح البخاری: ۳۶۷۴، ۳۶۹۳، ۳۶۹۵، ۶۲۱۶، ۷۰۹۷، ۷۲۶۲، صحیح مسلم: ۲۴۰۳، سنن ترمذی: ۳۷۱۰، مسند احمد: ۱۴۹۴۹)

بابِ مذکور کی حدیث کی مفصل روایت

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے گھر میں وضو کیا، پھر باہر نکلے، پس میں نے (دل میں) کہا کہ آج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لازم رہوں گا اور آج کا پورا دن آپ کے ساتھ گزاروں گا انہوں نے بتایا کہ پھر وہ مسجد میں آئے، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سوال کیا تو لوگوں نے بتایا کہ آپ باہر تشریف لے گئے اور آپ اس طرف تشریف لے گئے ہیں، تو میں بھی آپ کے متعلق پوچھتا ہوا آپ کے پیچھے پیچھے نکلا حتیٰ کہ آپ ''اَرِیس'' نام کے کنویں پر گئے، پس میں دروازہ پر بیٹھ گیا اور اس کا دروازہ شاخوں کا بنا ہوا تھا حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت سے فارغ ہو گئے، پس آپ نے وضو کیا، میں آپ کے پاس کھڑا ہو گیا، آپ اس وقت اَریس کے کنویں کی منڈیر پر بیٹھ گئے، آپ نے اپنی پنڈلیاں کھولی ہوئی تھیں اور کنویں میں لٹکائی ہوئی تھیں، میں نے آپ کو سلام کیا اور واپس جا کر دروازہ پر بیٹھ گیا، میں نے دل میں کہا: میں آج ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دربان رہوں گا، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے اور انہوں نے دروازہ کو دھکا دیا، میں نے پوچھا: یہ کون ہے؟ انہوں نے بتایا: ابوبکر ہیں، میں نے کہا: آپ ٹھہریں، پھر میں آپ کے پاس گیا، پس میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ ابوبکر ہیں جو اجازت طلب کر رہے ہیں، آپ نے فرمایا: ان کو اجازت دے دو اور جنت کی بشارت دو، پھر میں آیا حتیٰ کہ میں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ داخل ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو جنت کی بشارت دے رہے ہیں، پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ داخل ہوئے اور کنویں کی منڈیر پر آپ کی دائیں جانب بیٹھ گئے اور انہوں نے (بھی) اپنی ٹانگیں کنویں میں لٹکالیں جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا اور اپنی پنڈلیوں سے کپڑا ہٹالیا، پھر میں واپس جا کر (دروازہ پر) بیٹھ گیا اور میں اپنے بھائی کو وضو کرتا ہوا چھوڑ کر آیا تھا کہ وہ آ کر مجھ سے ملیں گے، پس میں نے دل میں کہا: اگر اللہ نے فلاں کے ساتھ خیر کا ارادہ کیا، اس سے ان کی مراد اپنا بھائی تھا، تو اللہ اس کو لے آئے گا، پھر کسی انسان نے دروازہ ہلایا، میں نے پوچھا: یہ کون ہے؟ انہوں نے کہا: یہ عمر بن الخطاب ہے، میں نے کہا: آپ ٹھہریے، پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، پس میں نے آپ کو سلام کیا، پھر عرض کیا کہ یہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہیں جو اجازت طلب کر رہے ہیں، آپ نے فرمایا: ان کو اجازت دے دو اور جنت کی بشارت دو، پس میں آیا اور میں نے ان سے کہا: آپ (باغ کے اندر) آئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو جنت کی بشارت دی ہے، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ داخل ہوئے اور کنویں کی منڈیر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں جانب بیٹھ گئے اور اپنی ٹانگیں کنویں میں لٹکالیں، میں لوٹا اور (دروازہ پر) بیٹھ گیا، پھر میں نے دل میں کہا: اگر اللہ تعالیٰ نے فلاں کے ساتھ خیر کا ارادہ کیا ہے تو اس کو لے آئے گا، پھر کوئی انسان آیا اور اس نے دروازہ کو ہلایا، میں نے پوچھا: یہ کون ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ یہ عثمان بن عفان ہے، میں نے کہا: آپ ٹھہریے! پھر میں نے آ کر رسول اللہ

ﷺ کو ان کی خبر دی تو آپ نے فرمایا: ان کو اجازت دے دو اور ان کو جنت کی بشارت دے دو، اور (کہو کہ) آپ کو مصائب پہنچیں گے، پس میں آیا اور میں نے ان سے کہا: آپ آیئے! اور رسول اللہ ﷺ نے آپ کو جنت کی بشارت دی ہے اور بتایا ہے کہ آپ کو مصائب پہنچیں گے (یا آپ کی آزمائش ہوگی) پس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ داخل ہوئے اور انہوں نے دیکھا کہ منڈیر بھر چکی تھی، پھر وہ منڈیر کی دوسری جانب آپ کے سامنے بیٹھ گئے، شریک نے بیان کیا کہ سعید بن المسیب نے کہا: میں اس کی تاویل ان کی قبروں سے کرتا ہوں۔ (صحیح البخاری: ۳۶۷۴، صحیح مسلم: ۲۴۰۳، سنن ترمذی: ۳۷۱۰، مصنف عبدالرزاق: ۲۰۴۰۲، صحیح ابن حبان: ۶۹۱۱)

صحیح البخاری: ۷۲۶۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے فوائد

اس حدیث میں اَرِیس کا ذکر ہے، یہ قباء کے قریب مدینہ منورہ کا باغ ہے، اس باغ کے کنویں میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی انگلی سے نبی ﷺ کی انگوٹھی گر گئی تھی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس انگوٹھی کو کنویں سے نکالنے کی بہت کوشش کی اور وہ انگوٹھی نہیں نکل سکی اور اس کے بعد سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف شورش اور بہت ہنگامے ہوئے۔

اس حدیث پر یہ اعتراض ہے کہ کتاب الجنائز میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا کوئی دربان نہیں تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مراد یہ ہے کہ آپ کے دائمی دربان نہیں تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "سعید بن المسیب نے کہا: میں اس واقعہ کی تاویل ان کی قبروں کے ساتھ کرتا ہوں"۔

سعید بن المسیب کی تاویل کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما تو اس باغ کے کنویں کی منڈیر پر نبی ﷺ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، اسی طرح ان دونوں کی قبریں بھی آپ کی قبر مبارک کے ساتھ ہیں، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ منڈیر پر نہیں بیٹھے تھے بلکہ آپ کی منڈیر کے بالمقابل جو منڈیر تھی اس پر بیٹھے تھے، اسی طرح ان کی قبر بھی آپ کی قبر مبارک کے ساتھ نہیں ہے بلکہ البقیع میں آپ کی قبر بنائی گئی تھی۔ (عمدۃ القاری ج ۱۶ ص ۲۶۲۔ ۲۶۴، ملخصاً، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۷۲۶۲، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ کی اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی قبروں کی کیفیت

امام ابوداؤد اور حاکم نے از قاسم بن محمد روایت کی ہے کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا: اے میری اماجان! مجھے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے دونوں صاحبوں کی قبر کھول کر دکھائیں تو انہوں نے میرے لیے قبروں کو کھولا، اور اس حدیث میں ہے "پس میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا اور اس وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا سر آپ کے کندھوں کے درمیان تھا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا سر نبی ﷺ کے پیروں کے نزدیک تھا"۔ (فتح الباری ج ۴ ص ۶۶۷، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

امام بخاری کا اس حدیث کی روایت سے مقصود یہ ہے کہ خبرِ واحد حجت ہوتی ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو دربان مقرر کیا اور انہوں نے صحابہ کو حضور ﷺ کی طرف سے جو پیغام پہنچائے، ان سب نے اس کی تصدیق کی، اس سے معلوم ہوا کہ خبرِ واحد حجت ہوتی ہے۔

۷۲۶۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ عَنْ يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ بْنِ حُنَيْنٍ سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ عَنْ عُمَرَ رضی الله عنهم قَالَ جِئْتُ فَإِذَا رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي مَشْرُبَةٍ لَهُ وَغُلَامٌ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ أَسْوَدُ عَلَى رَأْسِ الدَّرَجَةِ فَقُلْتُ قُلْ هَذَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَأَذِنَ لِي۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدالعزیز بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سلیمان بن بلال نے حدیث بیان کی از یحییٰ از عبید بن حنین، وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا از حضرت عمر رضی اللہ عنہ، انہوں نے بیان کیا کہ میں آیا تو رسول اللہ ﷺ اپنے بالا خانہ میں تھے اور رسول اللہ ﷺ کا ایک سیاہ فام غلام سیڑھی کے ڈنڈے پر بیٹھا ہوا تھا، میں نے کہا: تم بتاؤ کہ یہ عمر بن الخطاب ہیں، تو آپ نے میرے لیے اجازت دی۔

(صحیح البخاری: ۸۹، ۴۹۱۳، ۵۸۴۳، صحیح مسلم: ۱۴۷۹، سنن ابن ماجہ: ۴۱۵۳، مسند احمد: ۲۴۱)

امام بخاری نے اس حدیث کو متعدد متون کے ساتھ متعدد مقامات پر روایت کیا ہے، صحیح البخاری: ۴۹۱۳ بہت طویل ہے اور صحیح البخاری: ۵۸۴۳ قدرے کم ہے لیکن اس میں بھی طوالت ہے، ہم اس حدیث کا مختصر متن پیش کر رہے ہیں جس سے اس حدیث کا مالہٗ وما علیہ سمجھ آ جائے۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ میں اور میرا ایک انصاری پڑوسی بنوامیہ بن زید کے قبیلہ اور ان کے مواضع میں رہتے تھے، اور یہ جگہ مدینہ کے بالائی حصہ پر تھی، ہم باری باری رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، ایک دن وہ جاتا اور ایک دن میں جاتا، پس جب میں جاتا تو اس دن نزولِ وحی کی خبر لے کر آتا اور جس دن وہ جاتا تو وہ بھی اسی طرح کرتا، پس ایک دن میرا انصاری ساتھی اپنی باری کے دن آیا اور اس نے بہت زور سے میرا دروازہ کھٹکھٹایا اور کہا: کیا وہ ہے؟ میں گھبرا کر اس کی طرف نکلا تو اس نے کہا: بہت سنگین حادثہ ہو گیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بتایا: پھر میں حفصہ کے پاس گیا تو وہ رو رہی تھیں، میں نے پوچھا: کیا تم کو رسول اللہ ﷺ نے طلاق دے دی ہے؟ انہوں نے کہا: پتا نہیں، پھر میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے کھڑے ہو کر کہا: کیا آپ نے اپنی ازواج کو طلاق دے دی ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں، میں نے کہا: اللہ اکبر۔ (صحیح البخاری: ۸۹، صحیح مسلم: ۱۴۷۹، سنن ترمذی: ۳۳۶۱، سنن نسائی: ۲۱۳۱، سنن ابن ماجہ: ۴۱۵۳)

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث میں مذکور ہے کہ "ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اس دن جو احکام نازل ہوتے ان کی خبر وہ اپنے پڑوسی کو دیتے، اور ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا پڑوسی جاتا اور وہ اس دن کے احکام کی آ کر خبر دیتا"، اس سے معلوم ہوا کہ خبرِ واحد حجت ہوتی ہے اور یہی امام بخاری کا یہاں اس حدیث کو ذکر کرنے سے مقصود ہے۔

(۲) اس حدیث سے طلبِ علم کی حرص کا جواز معلوم ہوتا ہے، اسی لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور وہ انصاری باری باری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔

(۳) طلبِ علم کے ساتھ طلبِ معاش کا بھی انتظام کرنا چاہیے، اسی لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک دن حصولِ علم کے لیے جاتے تھے اور ایک دن اہل وعیال کی کفالت کے انتظام میں مشغول رہتے تھے۔

(۴) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک دوسرے کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احوال اور آپ کی احادیث سے مطلع کرتے رہتے تھے جیسے اس انصاری نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مطلع کیا کہ آپ اپنی ازواج سے الگ ہو گئے ہیں اور اس میں خبرِ واحد کے قبول کرنے کا بھی ثبوت ہے۔

۴۔ بَابُ: مَا كَانَ يَبْعَثُ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مِنَ الْأُمَرَاءِ وَالرُّسُلِ وَاحِدًا بَعْدَ وَاحِدٍ

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکام اور قاصدوں کو یکے بعد دیگرے بھیجنا

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حکام کی طرف اپنے مکاتیب کو بھیجتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقرر کردہ حکام کے اسماء

اس باب کے عنوان میں اُمراء کا ذکر ہے، (۱) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ پر حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر کر دیا تھا، (۲) طائف پر حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر کر دیا تھا (۳) بحرین پر حضرت ابن العلاء الحضرمی کو امیر مقرر کر دیا تھا (۴) عمان پر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر کر دیا تھا (۵) نجران پر حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر کر دیا تھا (۶) صنعاء پر اور یمن کے تمام شہروں پر حضرت باذان رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر کر دیا تھا (۷) اس کے بیٹے حضرت شہر رضی اللہ عنہ کو (۸) حضرت فیروز المہاجر بن امیہ رضی اللہ عنہ کو اور (۹) ابان بن سعید بن العاص کو مقرر کر دیا تھا۔ اور ساحلی علاقوں پر (۱۰) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو مقرر کر دیا تھا، اور لشکر پر جو ان کے ساتھ تھے (۱۱) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو مقرر کر دیا تھا، اور ان امراء میں سے ہر ایک اپنی عمل داری میں فیصلے کرتا تھا اور اس میں سفر کرتا تھا اور بسا اوقات یہ ایک دوسرے سے ملاقات کرتے تھے، اور آپ نے (۱۲) حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو تیماء پر مقرر کر دیا تھا، اور (۱۳) حضرت ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ کو الیمامہ پر مقرر کر دیا تھا، اور ہم عنقریب باذان کا قصہ ذکر کریں گے، اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قاصدین تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۶ ہجری میں قاصدین کو بھیجا اور وہ یہ ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قاصدین کے اسماء اور احوال

(۱) حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ:

ان کو آپ نے المقوقس صاحب الاسکندریہ کی طرف بھیجا، اور اس کا نام جریج بن مینا تھا، پس وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مکتوب لے کر گئے تو اس نے اس مکتوب کو قبول کیا اور حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کی تکریم کی اور ان کو اچھی جگہ ٹھہرایا، اور ان کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہدیہ دے کر روانہ کیا جو ایک چادر تھی اور ایک خچر تھا اس کی زین سمیت، اور دو باندیاں بھیجیں، ان میں سے ایک حضرت ماریہ قبطیہ

رضی اللہ عنہا تھیں جو حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں، اور دوسری باندی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محمد بن قیس العبدری کو ہبہ کر دیا تھا۔

(۲) حضرت شجاع بن وہب رضی اللہ عنہ:

ان کو آپ نے الحارث بن ابی شمر الغسانی کی طرف بھیجا، جو شام کے علاقہ البلقاء کے سردار تھے، دوسرا قول یہ ہے کہ وہ جبلہ کی طرف متوجہ ہوئے، اور تیسرا قول یہ ہے کہ ان دونوں کی طرف گئے تھے، امام ابن اسحاق نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت شجاع بن وہب رضی اللہ عنہ کو المنذر بن حارث بن ابی شمر الغسانی صاحبِ دمشق کی طرف بھیجا، حضرت شجاع رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں اس کے پاس دمشق کی پست زمین میں گیا، اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب پڑھا اور اٹھا کر پھینک دیا اور کہا: میں ان کی طرف روانہ ہوں گا، اور اس نے جانے کا قصد کیا تو اس کو قیصر نے منع کر دیا، اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا: اس کا ملک ہلاک اور برباد ہو گیا۔

(۳) حضرت دحیہ بن خلیفہ رضی اللہ عنہ:

ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روم کے بادشاہ قیصر کی طرف بھیجا، اس نے ان کی تعظیم و تکریم کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوب کو اپنی ران پر رکھا، اور حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق معلومات کیں، اور اس کے نزدیک آپ کی نبوت کی صحت ثابت ہو گئی، اس نے اسلام کو سمجھ لیا لیکن رومی سرداروں نے اس کی موافقت نہیں کی، تو وہ ڈرا کہ اس نے اسلام قبول کیا تو ملک اس کے ہاتھ سے جاتا رہے گا، پس وہ اسلام لانے سے رُک گیا اور حضرت دحیہ بن خلیفہ رضی اللہ عنہ کو عزت کے ساتھ واپس کر دیا۔

(۴) حضرت سلیط بن عمرو العامری رضی اللہ عنہ:

ان کو آپ نے ہوذہ بن علی کی طرف بھیجا جو یمامہ کے سردار تھے، انہوں نے ان کی تعظیم و تکریم کی اور ان کو اچھی طرح ٹھہرایا اور آپ کے مکتوب کا یہ جواب دیا کہ اگر آپ اپنی سلطنت میں سے بعض حصہ میرے لیے کر دیں تو میں آپ کے پاس آؤں گا اور اسلام قبول کروں گا اور آپ کی مدد کروں گا، ورنہ آپ سے جنگ کا قصد کروں گا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نہیں! کوئی کرامت نہیں، اے اللہ! مجھے اس کے مقابلہ میں کافی کر دے" پس وہ مر گیا۔

(۵) حضرت عمرو بن عمیہ الضمری رضی اللہ عنہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حضرت نجاشی جو حبشہ کے بادشاہ تھے، ان کی طرف بھیجا، ان کا نام اصحمۃ تھا، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوب کو پکڑا اور اس کو اپنی آنکھوں پر رکھا اور تخت سے اتر کر زمین پر بیٹھ گئے، اور انہوں نے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا، اور جب ان کی وفات ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھی۔

(۶) حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کسریٰ پرویز بن ہرمز کی طرف بھیجا، اس نے آپ کا مکتوب پھاڑ دیا اور کہا: یہ مجھ سے خط و کتابت کرتا ہے حالانکہ یہ میرا غلام ہے، اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ جواب پہنچا تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس کے ملک کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا، پھر کسریٰ نے اپنے نائب کی طرف مکتوب لکھا جو یمن کا بادشاہ تھا، اس میں یہ لکھا کہ اس مرد کی طرف حجاز میں تم اپنے پاس سے دو قوی مردوں کو بھیجو، وہ اس مرد کو میرے پاس پکڑ کر لائیں، پس باذان نے اپنے قھرمان (وکیل، کارمختار، سیکریٹری) کو

بھیجا جو فارس کے لوگوں کے ساتھ خط و کتابت کرتا تھا، اور اس کے ساتھ فارس کا ایک مرد بھیجا جس کو خرخرة کہا جاتا تھا، اور ان کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام ایک مکتوب لکھا جس میں اس نے یہ حکم دیا کہ وہ ان دونوں کے ساتھ کسریٰ کے پاس حاضر ہوں، پس وہ دونوں نکلے حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس داخل ہوئے اور ان دونوں کی ڈاڑھیاں مونڈی ہوئی تھیں اور ان کی مونچھیں بڑھی ہوئی تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف کراہت کے ساتھ دیکھا اور ان دونوں سے فرمایا: تم دونوں واپس جاؤ حتیٰ کہ کل تم دونوں میرے پاس آنا، اور آپ کے پاس آسمان سے خبر آئی کہ اللہ عزوجل نے کسریٰ پر اس کے بیٹے شیرویہ کو مسلط کر دیا اور اس نے اس کو فلاں مہینہ میں فلاں رات کی فلاں ساعت میں قتل کر دیا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو بلایا، پس ان کو یہ خبر سنائی اور خرخرة کو سونے اور چاندی کا منطقہ عطا کیا جو آپ کو بعض بادشاہوں نے ہدیہ میں دیا تھا، پس وہ دونوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے چلے گئے حتیٰ کہ باذان کے پاس پہنچے، اور ان دونوں نے اس کو یہ خبر سنائی، تب باذان نے کہا: اللہ کی قسم! یہ کسی بادشاہ کا کلام نہیں ہے، اور میری رائے یہ ہے کہ یہ مرد نبی ہے جیسا کہ یہ کہتا ہے، اور جو اس نبی نے کہا ہے وہ ضرور ہوگا، ابھی زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ باذان کے پاس شیرویہ کا مکتوب آیا کہ اس نے کسریٰ کو فلاں فلاں تاریخ میں قتل کر دیا، جب باذان اس پر واقف ہوا تو اس نے کہا: بے شک یہ مرد اللہ کا رسول ہے، وہ اسلام لے آیا، اور فارس میں جو اس کے بیٹے تھے انہوں نے بھی اسلام قبول کر لیا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنی جگہ پر مقرر رکھا، اور یہ آپ کے نائبین میں سے پہلا نائب تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر قاصدین

اور کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت العلاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ کو المنذر بن ساوی العبدی کی طرف بھیجا جو فارس کی طرف سے بحرین کا بادشاہ تھا، سو وہ مسلمان ہو گیا اور بحرین کے تمام عرب مسلمان ہو گئے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت الحارث بن عمیر رضی اللہ عنہ کو بُصریٰ کے بادشاہ کی طرف بھیجا، پس جب وہ سرزمینِ مؤتہ میں اترے تو ان پر عمرو بن شرحبیل الغسانی نے حملہ کیا، پس ان کو قتل کر دیا، اور ان کے سوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کسی قاصد کو قتل نہیں کیا گیا۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جریر بن عبد اللہ البجلی رضی اللہ عنہ کو ذی الکلاع اور ذی عمرو کی طرف بھیجا اور ان دونوں نے اسلام قبول کر لیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جب وفات ہوئی تو حضرت جریر رضی اللہ عنہ ان دونوں کے پاس تھے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت السائب بن العوام رضی اللہ عنہ جو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے، کو فروہ عمرو الجذامی کی طرف بھیجا اور وہ عمان میں قیصر کے عامل تھے، پس انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مکتوب لکھا اور حضرت مسعود بن سعد رضی اللہ عنہ کے ساتھ آپ کی طرف ایک ہدیہ بھیجا، اور یہ سُرخ رنگ کا خچر تھا جس کو فضة کہا جاتا تھا اور گھوڑے بھیجے جن کو الظرب کہا جاتا تھا، اور ایک ریشم کی قباء بھیجی جس پر سونے کا کام کیا گیا تھا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہدیہ کو قبول کر لیا، اور حضرت مسعود رضی اللہ عنہ کو بارہ اوقیہ عطا کیے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیاش بن ابی ربیعہ المخزومی رضی اللہ عنہ کو الحارث کی طرف بھیجا، اور فروخ اور نعیم بن عبد کلاب جو قبیلہ حُمیر سے تھے، ان کی طرف بھیجا۔ واللہ اعلم

بابِ مذکور کی تعلیق

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: بَعَثَ النَّبِيُّ ﷺ دِحْيَةَ الْكَلْبِيَّ بِكِتَابِهِ إِلَى عَظِيمِ بُصْرَى أَنْ يَدْفَعَهُ إِلَى قَيْصَرَ۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو اپنا مکتوب دے کر بصریٰ کے حاکم کی طرف بھیجا تا کہ وہ اس مکتوب کو قیصر کی طرف پہنچا دے۔

علامہ عینی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے جو بدء الوحی میں مذکور ہے، اور یہ تعلیق صرف الکشمیھنی کی روایت میں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۲۹۔۳۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۲۶۴۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ عَنْ يُونُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَنَّهُ قَالَ أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ بَعَثَ بِكِتَابِهِ إِلَى كِسْرَى فَأَمَرَهُ أَنْ يَدْفَعَهُ إِلَى عَظِيمِ الْبَحْرَيْنِ يَدْفَعُهُ عَظِيمُ الْبَحْرَيْنِ إِلَى كِسْرَى فَلَمَّا قَرَأَهُ كِسْرَى مَزَّقَهُ فَحَسِبْتُ أَنَّ ابْنَ الْمُسَيَّبِ قَالَ فَدَعَا عَلَيْهِمْ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنْ يُمَزَّقُوا كُلَّ مُمَزَّقٍ۔

(صحیح البخاری: ۶۴، ۲۹۳۹، ۴۴۲۴، ۷۲۶۴، مسند احمد: ۲۱۸۵)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے اللیث نے حدیث بیان کی از یونس از ابن شہاب، وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ نے خبر دی کہ بے شک حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کو خبر دی، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے اپنا مکتوب کسریٰ کی طرف روانہ کیا، پس آپ نے اس کو حکم دیا کہ یہ مکتوب بحرین کے امیر کو دے دیں، تا کہ عظیم البحرین وہ مکتوب کسریٰ کو دے دے، جب کسریٰ نے اس مکتوب کو پڑھا تو اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے، پس میرا گمان ہے کہ ابن المسیّب نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے خلاف دعائے ضرر کی اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے پورے پورے ٹکڑے۔

صحیح البخاری: ۷۲۶۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ کی دعائے ضرر کے نتیجہ میں ایران کے تمام اکاسرہ کو قتل کیا جانا

ابھی کسریٰ کا قصہ گزر چکا ہے اور ہم نے ذکر کیا تھا کہ کسریٰ کے قصہ میں رسول اللہ ﷺ کے قاصد حضرت عبد اللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ تھے، اور اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عبد اللہ بن حذافہ کو کسریٰ کی طرف بھیجا تھا، رسول اللہ ﷺ نے جو فرمایا "اللہ تعالیٰ ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے" تو ایران کے تمام کسریٰ قتل کر دیئے گئے اور ان کا آخری کسریٰ یزدجرد تھا، جس کو

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایام میں قتل کیا گیا، دوسرا قول ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ایام میں اس کو قتل کیا گیا تھا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۱۳۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعائے ضرر پر ایک اشکال کا جواب

جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکتوبِ مبارک کو پڑھ کر کسریٰ نے پھاڑ دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے خلاف دعائے ضرر کی اور فرمایا: ''ان لوگوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں'' پس کسریٰ کا بیٹا شیرویہ اپنے باپ کسریٰ پرویز پر مسلط ہوا جس نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکتوبِ گرامی کے ٹکڑے ٹکڑے کیے تھے، سو اس نے اس کو قتل کر دیا، پھر چند دن وہ ملک پر قابض رہا پھر مر گیا، اس قصہ پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو رحمت للعالمین ہیں، اور آپ کے رحمت للعالمین ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کسی کے خلاف دعائے ضرر نہ کریں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کفار اور ملحدین کو بالفعل عذاب دے گا اور اللہ تعالیٰ کا ان کو یہ عذاب دینا اس کے رحمٰن اور رحیم ہونے کے خلاف نہیں ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ان کے لیے یا ان کے اوپر عذاب کی دعا کرنا آپ کے رحمت ہونے کے خلاف کیسے ہوگا، نیز آپ کے رحمت للعالمین ہونے کا معنی یہ ہے کہ آپ تمام جہان والوں کو دائمی رحمت اور جنت کی دعوت دیتے ہیں، اور آپ نے سب کو جنت کی دعوت دی حتیٰ کہ کسریٰ پرویز کو بھی اسلام لانے اور دخولِ جنت کی دعوت دی اور اس نے آپ کے مکتوب کو پھاڑ کر خود اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت دی ہوئی جنت سے نکال لیا تو آپ کی رحمت تو اس کو شامل تھی اس نے خود اپنے آپ کو آپ کی رحمت کے عموم سے نکال لیا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۷۲۶۵۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ حَدَّثَنَا سَلَمَةُ بْنُ الْأَكْوَعِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ لِرَجُلٍ مِنْ أَسْلَمَ أَذِّنْ فِي قَوْمِكَ أَوْ فِي النَّاسِ يَوْمَ عَاشُورَاءَ أَنَّ مَنْ أَكَلَ فَلْيُتِمَّ بَقِيَّةَ يَوْمِهِ وَمَنْ لَمْ يَكُنْ أَكَلَ فَلْيَصُمْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از یزید بن ابی عبید، انہوں نے کہا: ہمیں حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبیلہ اسلم کے ایک مرد سے فرمایا: تم اپنی قوم میں یا فرمایا: لوگوں میں عاشورہ کے دن اعلان کر دو کہ جس نے کچھ کھا لیا تو وہ باقی دن کو پورا کرے اور جس نے نہیں کھایا تو وہ روزہ رکھ لے۔

(صحیح البخاری: ۱۹۲۴، ۲۰۰۷، ۷۲۶۵، صحیح مسلم: ۱۱۳۵، سنن نسائی: ۲۳۲۱، مسند احمد: ۱۶۰۷۲، سنن دارمی: ۱۷۶۱)

صحیح البخاری: ۷۲۶۵، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث میں اسلم کے جس مرد کا ذکر کیا گیا ہے، اس کا نام ہند بن اسماء بن حارثہ الاسلمی ہے، اور ہند بن حارثہ رضی اللہ عنہما اور ان کے والد دونوں صحابی ہیں۔

روزہ رکھنے کے لیے رات کو اس روزہ کی نیت کرنا ضروری ہے یا نہیں، اس مسئلہ میں اقوالِ فقہاء

امام احمد نے از حبیب بن ہند بن اسماء الاسلمی از والد خود یہ حدیث روایت کی ہے، انہوں نے بیان کیا کہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میری قوم اسلم کی طرف بھیجا پس فرمایا: ''تم اپنی قوم کو یہ حکم دو کہ اس دن کا (یعنی یومِ عاشورہ کا) روزہ رکھیں، پس جس شخص نے اس دن کے اول حصہ میں کچھ کھالیا ہے تو وہ دن کے آخری حصہ میں روزہ پر برقرار رہے''۔

حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے اس پر استدلال کیا گیا ہے کہ جس نے رات کو روزہ کی نیت نہیں کی، اس کا روزہ رکھنا صحیح ہے خواہ وہ روزہ رمضان کا ہو یا غیرِ رمضان کا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دن کے درمیان روزہ رکھنے کا حکم دیا ہے، اس میں یہ دلیل ہے کہ روزہ رکھنے کے لیے رات کو روزہ کی نیت کرنا شرط نہیں ہے۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ استدلال اس پر موقوف ہے کہ عاشورہ کا روزہ واجب تھا، اور جو چیز اقوالِ علماء سے راجح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ عاشورہ کا روزہ فرض نہیں تھا، اور ہر تقدیر پر یہ پہلے فرض تھا، پھر اس کی فرضیت منسوخ کردی گئی، پھر اس کا حکم منسوخ ہوگیا اور اس کی شرائط بھی منسوخ ہوگئیں، کیونکہ آپ نے فرمایا: ''جس نے کچھ کھالیا تو وہ اپنے روزہ کو پورا کرے'' اس سے معلوم ہوا کہ روزہ کے لیے رات کو روزہ کی نیت کرنا شرط نہیں ہے۔

اور ابنِ حبیب مالکی نے تصریح کی ہے کہ عاشورہ کے روزہ کے لیے رات کو نیت نہ کرنا یہ عاشورہ کے خصائص میں سے ہے۔

اور جمہور نے کہا ہے کہ روزہ کے لیے رات سے روزہ کی نیت کرنا شرط ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ اصحاب السنن نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی بہن سیدتنا حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے رات کو روزہ کی نیت نہیں کی تو اس کا روزہ نہیں ہے''۔ یہ سنن نسائی کی روایت ہے۔

اور امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے روایت کی ہے کہ جس نے فجر سے پہلے روزہ کی نیت نہیں کی تو اس کا روزہ نہیں ہے۔

اور امام طحاوی نے یہ کہا ہے کہ نفلی روزہ کے لیے رات کو نیت کرنا ضروری ہے، اور جو روزہ فرض ہو یا نذرِ معین ہو اس کے لیے رات کو روزہ کی نیت کرنا ضروری نہیں ہے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۴۱۴۔۴۱۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۵۔ بَابُ: وَصَاةِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وُفُودَ الْعَرَبِ أَنْ يُبَلِّغُوا مَنْ وَرَائَهُمْ

عرب کے وفود کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ وصیت فرمانا کہ جو لوگ موجود نہیں ہیں ان کو دین کی باتیں پہنچادیں

قَالَهُ مَالِكُ بْنُ الْحُوَيْرِثِ

اس حدیث کو حضرت مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے۔

۷۲۶۶۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ ح وَ حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا النَّضْرُ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي جَمْرَةَ قَالَ كَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يُقْعِدُنِي عَلَى سَرِيرِهِ فَقَالَ لِي إِنَّ وَفْدَ عَبْدِ الْقَيْسِ لَمَّا أَتَوْا رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ مَنِ الْوَفْدُ قَالُوا رَبِيعَةُ قَالَ مَرْحَبًا بِالْوَفْدِ أَوْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن الجعد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے خبر دی ح اور مجھے اسحاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں النضر نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے خبر دی از ابی جمرہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما مجھے اپنے تخت پر

الْقَوْمِ غَيْرَ خَزَايَا وَلَا نَدَامَى قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ كُفَّارَ مُضَرَ فَمُرْنَا بِأَمْرٍ نَدْخُلُ بِهِ الْجَنَّةَ وَنُخْبِرُ بِهِ مَنْ وَرَائَنَا فَسَأَلُوا عَنِ الْأَشْرِبَةِ فَنَهَاهُمْ عَنْ أَرْبَعٍ وَأَمَرَهُمْ بِأَرْبَعٍ أَمَرَهُمْ بِالْإِيمَانِ بِاللهِ قَالَ هَلْ تَدْرُونَ مَا الْإِيمَانُ بِاللهِ قَالُوا اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ وَإِقَامُ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءُ الزَّكَاةِ وَأَظُنُّ فِيهِ صِيَامُ رَمَضَانَ وَتُؤْتُوا مِنَ الْمَغَانِمِ الْخُمُسَ وَنَهَاهُمْ عَنِ الدُّبَّاءِ وَالْحَنْتَمِ وَالْمُزَفَّتِ وَالنَّقِيرِ وَرُبَّمَا قَالَ الْمُقَيَّرِ قَالَ احْفَظُوهُنَّ وَأَبْلِغُوهُنَّ مَنْ وَرَائَكُمْ۔

بٹھاتے تھے، پس انہوں نے مجھ سے بیان کیا کہ جب عبد القیس کا وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپ نے پوچھا: یہ وفد کون ہے؟ انہوں نے کہا: ربیعہ، آپ نے فرمایا: "وفد کو اور قوم کو خوش آمدید ہو، نہ وہ شرمندہ ہوں گے اور نہ وہ نادم ہوں گے"، انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! ہمارے اور آپ کے درمیان کفار مضر ہیں، آپ ہمیں کوئی فیصلہ کن بات بتادیں جس پر عمل کر کے ہم جنت میں داخل ہو جائیں، اور جو لوگ ہمارے پیچھے ہیں ان کو اس کی خبر دیں، پس انہوں نے آپ سے مشروبات کے برتنوں کے متعلق سوال کیا، سو آپ نے ان کو چار چیزوں سے منع کیا اور چار چیزوں کا حکم دیا، ان کو اللہ پر ایمان لانے کا حکم دیا، پھر آپ نے فرمایا: "کیا تم جانتے ہو کہ اللہ پر ایمان لانے کا کیا معنی ہے؟" انہوں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جاننے والا ہے، آپ نے فرمایا: "اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور یہ کہ محمد اللہ کے رسول ہیں، اور نماز پڑھنا اور زکوٰۃ ادا کرنا اور میرا گمان ہے کہ اس میں فرمایا کہ رمضان کے روزے رکھنا اور مالِ غنیمت میں سے خمس کو ادا کرنا" اور ان کو کھوکھلے برتنوں میں پینے سے منع فرمایا اور سبز مرتبان سے، اور جس برتن پر تارکول ملا ہوا ہو اور کھوکھلی لکڑی کے بنے ہوئے برتن سے، اور بسا اوقات فرمایا: المقیّر (یعنی روغنِ قار ملے ہوئے برتن سے)، آپ نے فرمایا: "ان کو یاد رکھو اور تمہارے پیچھے جو لوگ ہیں ان کو یہ حکم پہنچا دو"۔

(صحیح البخاری: ۵۳، ۸۷، ۵۲۳، ۱۳۹۸، ۳۰۹۵، ۳۵۱۰، ۴۳۶۸، ۴۳۶۹، ۶۱۷۶، ۷۲۶۶، ۷۵۵۶، صحیح مسلم: ۱۷، سنن ترمذی: ۲۶۱۱، سنن نسائی: ۵۶۹۲، سنن ابوداؤد: ۳۶۹۲، مسند احمد: ۳۴۹۶)

صحیح البخاری: ۷۲۶۶، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے الفاظ اور معانی اور ان کے فوائد

(۱) ابو جمرہ کا تذکرہ اور ترجمہ کا معنی

اس حدیث میں ابو جمرہ کا ذکر ہے، ان کا نام نصر بن عمران بن نوح بن مخلد الضبعی ہے۔

امام طبرانی نے نوح بن مخلد جو ابو جمرہ کے دادا ہیں، ان کی سوانح میں ذکر کیا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ نے پوچھا: تم کن لوگوں میں سے ہو؟ انہوں نے کہا: ضبیعہ ربیعہ سے، تو آپ نے فرمایا: ضبیعہ کے بہترین لوگ عبد القیس ہیں، پھر وہ قبیلہ جس میں تم ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ساتھ بیٹھتا تھا"۔ یعنی جس زمانہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے بصرہ کے حاکم تھے، اور امام بخاری نے کتاب العلم میں ان سے یہ روایت کی ہے کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور لوگوں کے درمیان ترجمانی کے فرائض ادا کرتا تھا۔ (صحیح البخاری: ۸۷)

اور صحیح مسلم میں روایت ہے کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے سامنے اور لوگوں کے سامنے ترجمہ کرتا تھا۔ (صحیح مسلم: ۱۷)

ترجمہ کا معنی ہے "لفظ کو ایک لغت سے دوسری لغت کی طرف منتقل کرنا"۔ علامہ نووی نے کہا ہے: ظاہر یہ ہے کہ لوگ جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کرتے تھے، وہ ان کے سوال کو عربی میں منتقل کر کے بیان کرتے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما جو جواب دیتے تھے، وہ اس جواب کو ان لوگوں کی زبانوں میں منتقل کر کے بیان کرتے۔ ان کے پاس ایک عورت آئی اور اس نے مٹکے میں بنے ہوئے نبیذ کے متعلق سوال کیا تو پھر انہوں نے جواب میں یہ حدیث سنائی۔

(۲) ترجمہ کرنے کا حکم

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک زبان کو دوسری زبان میں منتقل کرنا جائز ہے اور اس کے تقاضا پر عمل کرنا بھی جائز ہے، اور ایک مترجم کو رکھنا جائز ہے، کیونکہ یہ خبر کے باب سے ہے نہ کہ شہادت کے باب سے، اور امام بخاری نے بعض سندوں کے ساتھ یہ باب قائم کیا ہے کہ حاکم کے سامنے ترجمہ کرنا۔ (صحیح البخاری: ۷۱۹۶)

(۳) سریر کا معنی

اس حدیث میں سریر کا لفظ ہے، اس کا معنی معلوم ہے تخت، اور اس کی جمع "سُرر" آتی ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

عَلٰی سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ﴿﴾ (الواقعہ: ۱۵) وہ (زر و جواہر سے) مرصع تختوں پر ہوں گے O

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ابو جمرہ کو اپنے ساتھ تخت پر بٹھایا، اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص صاحب قدر و منزلت ہو، اس کی تعظیم اور توقیر کرنی چاہیے اور اس کو اپنی مجلس میں بٹھانا چاہیے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تخت کے درمیان بیٹھتے تھے اور ابو جمرہ تخت کے ایک کنارے پر بیٹھتے تھے جو لوگوں کے سامنے ہوتا تھا، ایک قول یہ ہے کہ ابو جمرہ فارسی زبان جانتے تھے، پس جب کوئی شخص فارسی زبان میں سوال کرتا تو اس کا ترجمہ عربی میں کر کے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو بتاتے۔

(۴) دینی خدمات پر اجرت لینے کا جواز

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ابو جمرہ سے کہا: تم میرے پاس چند دن ٹھہرو حتیٰ کہ میں تمہارے لیے اپنے مال میں سے کچھ حصہ دوں تو میں ان کے پاس دو مہینے ٹھہرا۔

علامہ ابن التین نے اس حدیث سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ دین کی تعلیم پر اجرت لینا جائز ہے۔امام مسلم نے اپنی سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ ابو جمرہ کے پاس ایک عورت آئی جو مٹکے کے نبیذ کے متعلق سوال کرتی تھی تو انہوں نے اس سے منع کیا، پس میں نے کہا: اے ابن عباس! میں سبز مٹکے میں نبیذ بناتا ہوں جو میٹھا ہوتا ہے، میں اس کو پیتا ہوں تو وہ میرے پیٹ میں گڑ گڑ کرتا ہے، تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے نہ پیا کرو، اگر چہ وہ شہد سے زیادہ میٹھا ہو۔

اس میں یہ دلیل ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تک یہ حدیث نہیں پہنچی تھی کہ مٹکوں میں بنے ہوئے نبیذ کی تحریم منسوخ ہو چکی ہے، اور یہ صحیح مسلم وغیرہ میں ثابت ہے۔

(۵) وفد کا معنی

اس حدیث میں وفد کا ذکر ہے، وفد کسی قوم کی اس پسندیدہ جماعت کو کہتے ہیں جس کو علماء سے ملاقات کرنے کے لیے بھیجا جائے اور اہم مسائل میں جس کو بھیجا جائے، اس کا واحد وافد ہے، اور کہا گیا ہے کہ وفود، وافد کی جمع ہے۔(المحکم ج ۱۰ ص ۱۴۰)

المغیث اور مجمع الغرائب میں مذکور ہے کہ وفد اس قوم کو کہتے ہیں جو جمع ہو اور شہروں میں جائے۔(المجموع المغیث ج ۳ ص ۴۳۸)

اور قاضی نے کہا ہے: وفد اس قوم کو کہتے ہیں جو بادشاہ کے پاس سوار ہو کر جائے۔(مشارق الانوار ج ۲ ص ۲۹۲)

اور اس کی تائید قرآن مجید کی اس آیت سے ہوتی ہے:

يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ﴿۸۵﴾ (مریم:۸۵) جس دن ہم متقین کو رحمٰن کی طرف سواریوں پر بھیجیں گے O

اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے وفد کا یہی معنی بیان کیا ہے۔

(۶) وفدِ عبد القیس کا تذکرہ

عبد القیس کے متعدد قبائل تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہجرت کر کے آئے اور یہ چودہ سوار تھے، ان کے رئیس الاشج العصری تھے، ان کا نام المنذر بن عائذ تھا، اور الکلبی نے کہا ہے کہ المنذر بن الحارث بن زیاد تھا، اور ایک قول ہے کہ المنذر بن عامر تھا۔اور ایک قول ہے کہ عبد اللہ بن عوف تھا، یہ اقوال امام محمد بن سعد نے ذکر کیے ہیں۔(الطبقات الکبریٰ ج ۵ ص ۵۵۸۔۵۵۹)

اس کو اشج اس لیے کہتے تھے کہ اس کے چہرے پر چوٹ کا نشان تھا۔اور منذر یہی الاشج تھے، اور منقذ نماز پڑھتے تھے اور قرآن مجید پڑھتے تھے، پھر ان کے دل میں اسلام نے جگہ پکڑی اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے کے لیے تیار ہوئے، جب وہ قریب پہنچے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے پاس عبد القیس کا وفد آیا ہے جو اہلِ مشرق میں سب سے بہتر ہے، اور ان میں الاشج العصری ہے۔۔الحدیث۔

(۷) مرحبا کا معنی

اس حدیث میں مذکور ہے "جب عبدالقیس کا وفد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپ نے پوچھا: یہ کون سی قوم ہے یا کون سا وفد ہے؟ انہوں نے کہا: ربیعہ، آپ نے فرمایا: اس قوم کو مرحبا ہو، یا وفد کو مرحبا ہو"۔

مرحبا کا لفظ "رُحب" سے ماخوذ ہے، اس کے معنی وسعت ہیں، اور "الرَحب" (زبر کے ساتھ) اس کا معنی ہے وسیع جگہ، اور "مرحباً" فعلِ مقدر کی وجہ سے منصوب ہے یعنی اس پر زبر ہے، اس کا معنی ہے تم کشادگی میں پہنچے ہو، اور وسیع جگہ میں آئے ہو، سو تم مانوس ہو جاؤ۔ الفرّاء نے کہا، اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ تم کو وسعت میں رکھے۔ اور عرب یہ بھی کہتے ہیں "یرحبك الله" یعنی اللہ تعالیٰ تم کو سہولت میں رکھے، اور اس سے مراد آنے والوں کی تکریم اور ان سے حسنِ ملاقات ہے۔

(۸) "غیر الخزایا ولا ندامی" کا معنی

ایک حدیث میں ہے "جو قوم آئی ہے اس کو مرحبا ہو، نہ وہ رسوا ہو گی اور نہ وہ نادم ہو گی"۔ (صحیح البخاری: ۶۱۷۶)

"خزایا" کا لفظ خزیان کی جمع ہے، جیسے حیاری کا لفظ حیران کی جمع ہے، اور الخزیان کا معنی ہے جو شرم آلود ہو۔ اور دوسرا قول ہے کہ خزیان کا معنی ہے: جو ذلیل ہو اور اس کی توہین کی گئی ہو۔ اور علامہ ابن التین نے مغازی میں وثوق سے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے: جو نہ ذلیل ہوں گے اور نہ ان کی توہین ہو گی، جب کوئی شخص ہلاک ہو جائے تو کہا جاتا ہے "خزالرجل" اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ تم ہرگز کسی مصیبت میں مبتلاء نہیں ہو گے۔

اور رہا "الندامیٰ" تو ایک قول یہ ہے کہ یہ ندمان کی جمع ہے جو نادم کے معنی میں ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ نادم کی جمع ہے خزایا کی اتباع میں، اور اصل میں نادمین تھا، پھر اس کو خزایا کی اتباع میں ندامیٰ پڑھا گیا اور اس طرح کی اتباع کلامِ عرب میں بہت ہوتی ہے اور یہ فصیح ہے۔

اور غیر ندامیٰ کا معنی یہ ہے کہ یہ وفد اسلام کو قبول کرنے میں تاخیر کا مرتکب نہیں ہوا اور نہ عناد کا، اور نہ ان کو قید کیا گیا اور نہ کوئی اور ایسا سبب ہوا جس کی وجہ سے ان کو شرمندگی ہو یا یہ ذلیل ہوں یا ان کی توہین ہو یا یہ نادم ہوں، پس یہ ان کے شرف کے اظہار کے لیے ہے، کیونکہ وہ اسلام میں خوشی کے ساتھ داخل ہوئے، نہ رسوا ہوئے اور نہ شرمندہ ہوئے۔

(۹) شہر حرام کا مصداق

اس حدیث میں مذکور ہے "اس وفد نے کہا: ہم آپ کے پاس صرف شہرِ حرام میں آسکتے ہیں"۔ اس سے مراد حرمت والے مہینہ کی جنس ہے اور وہ چار ہیں: ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب، یہ وفد صرف حرمت والے مہینوں میں آسکتا تھا نہ کہ دوسرے مہینوں میں، کیونکہ عرب ان مہینوں میں قتال نہیں کرتے تھے، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم میں اس لیے قتال نہیں کرتے تھے کہ ان مہینوں میں لوگ حج کے لیے سفر کرتے تھے اور حج کر کے واپس جاتے تھے، اور رجب میں اس لیے قتال نہیں کرتے تھے کہ اس مہینہ میں لوگ عمرہ کرنے کے لیے سفر کرتے تھے، ابتداء اسلام میں ان مہینوں میں جہاد نہیں کیا جاتا تھا، لیکن بعد میں ان مہینوں کی یہ حرمت منسوخ ہو گئی۔

(۱۰) اسلام کے احکام کا بیان

اس حدیث میں مذکور ہے" جب عبدالقیس کے وفد نے کہا کہ ہمیں کوئی فیصلہ کن حکم دیجئے جس پر ہم عمل کریں اور جنت میں داخل ہونے کی امید رکھیں تو آپ نے ان کو چار چیزوں کا حکم دیا اور چار چیزوں سے منع کیا"، آپ نے ان کو صرف اللہ پر ایمان لانے کا حکم دیا" اور اس میں پانچ چیزوں کا ذکر ہے، آپ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ صرف اللہ پر ایمان لانے کا کیا معنی ہے؟ انہوں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جاننے والا ہے، آپ نے فرمایا: اس بات کی شہادت دو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں، اور نماز قائم کرو، اور زکوٰۃ ادا کرو، اور رمضان کے روزے رکھو، اور مالِ غنیمت میں سے پانچواں حصہ ادا کرو۔

اس حدیث میں مالِ غنیمت میں سے پانچواں حصہ ادا کرنے کا حکم اس لیے دیا کہ یہ لوگ کفارِ مضر کے قریب رہتے تھے تو یہ اہلِ جہاد تھے، اور اللہ اور اس کے رسول کی شہادت ان کو ایک قرار دیا گیا ہے، اس لیے چار احکام ہو گئے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ ان چار میں سے پہلا حکم نماز کو قائم کرنا ہے اور کلمۂ توحید کا اس لیے ذکر کیا کہ توحید پر تمام احکام کا مدار ہے، اور کتاب الادب میں امام بخاری نے اس حدیث کی روایت کی ہے اور اس میں ہے کہ نماز کو قائم کرو، اور اس میں شہادت کا ذکر نہیں ہے، اور بعض سندوں کے ساتھ اس حدیث میں روزوں کا ذکر نہیں ہے۔

یہ حدیث اس حدیث کے موافق ہے جس میں مذکور ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے، کہا گیا ہے کہ اس حدیث میں حج کا ذکر نہیں ہے، کیونکہ حج اس وقت تک فرض نہیں ہوا تھا، لیکن یہ جواب درست نہیں ہے کہ یہ فتحِ مکہ کا واقعہ ہے اور حج اس سے پہلے فرض ہو گیا تھا۔

اور قاضی نے کہا ہے: جہاد بھی اس وقت تک فرض نہیں ہوا تھا، کیونکہ جہاد اس سال فرض ہوا جب سورۂ توبہ فتحِ مکہ کے بعد ۸ ھ میں نازل ہوئی۔

(۱۱) مذکورہ برتنوں میں نبیذ بنانے کی ممانعت کا بیان

ان برتنوں کے پانی میں چند کھجوریں یا انگور ڈال دیے جاتے جس سے وہ پانی میٹھا ہو جاتا، اور ان برتنوں میں کھجوروں وغیرہ کے ڈالنے سے وہ پانی بہت جلد نشہ آور ہو جاتا، اس وجہ سے ان برتنوں میں نبیذ بنانے سے منع کیا گیا ہے، لیکن یہ ممانعت ابتداءِ اسلام میں تھی بعد میں اس ممانعت کو منسوخ فرما دیا، کیونکہ صحیح مسلم میں یہ حدیث ہے کہ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تم کو منع کیا تھا کہ مشکوں کے سوا اور کسی چیز میں نبیذ نہ بناؤ، سو اب تم ہر برتن میں نبیذ بناؤ لیکن نشہ آور مشروب کو نہ پیئو۔ (صحیح مسلم: ۹۷۷)

(۱۲) مذکورہ برتنوں میں نبیذ بنانے کے متعلق مذاہب

امام شافعی اور جمہور فقہاء کا مذہب یہی ہے کہ اب ان برتنوں میں نبیذ بنانا ممنوع نہیں ہے، اور ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ یہ ممانعت اب بھی باقی ہے، ان فقہاء میں امام مالک ہیں، امام احمد اور اسحاق ہیں۔ اور حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی اسی طرح مروی ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ اب ان مذکورہ برتنوں میں نبیذ بنانا مباح ہے، کیونکہ صحیح مسلم میں اس ممانعت کے

منسوخ ہونے پر صریح حدیث آ چکی ہے۔

(۱۳) خبرِ واحد کے حجت ہونے پر دلیل

اس حدیث میں مذکور ہے "تم ان احکام کی خبر ان لوگوں کو دو جن کو تم پیچھے چھوڑ آئے ہو"، اس میں خبرِ واحد کے قبول ہونے کی دلیل ہے۔

(۱۴) حدیث مذکور کے بقیہ فوائد

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سوال کرنے سے پہلے اپنا عذر پیش کرنا چاہیے، کیونکہ عبد القیس کے وفد نے یہ سوال کیا کہ ہمیں اسلام کے جامع احکام بیان کیے جائیں اور اس سے پہلے یہ عذر پیش کیا کہ ہمارے درمیان کفارِ مضر حائل ہیں اس لیے ہم آپ کے پاس صرف حرمت والے مہینوں میں آ سکتے ہیں۔

اس حدیث میں حج کے سوا اسلام کے تمام اہم ارکان اور فرائض کا بیان ہے۔

اس حدیث میں اعمال پر ایمان کا اطلاق کیا گیا ہے اور یہی امام بخاری کی یہاں پر مراد ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عالم کو چاہیے کہ جب اس کے پاس فاضل لوگ آئیں تو ان کی تکریم کرے۔

عالم کو چاہیے کہ حاضرین کو سمجھانے کے لیے کسی عالم سے مدد حاصل کرے جیسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ابو جمرہ سے مدد حاصل کی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص کسی سے ملاقات کے لیے آئے تو اس کو مرحبا کہنا مستحب ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عالم کو چاہیے کہ وہ لوگوں کو علم کی تبلیغ اور اشاعت اور احکامِ اسلام کے پہنچانے پر برانگیختہ کرے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وفدِ عبد القیس کی تعریف کی اور فرمایا: "مرحبا بالقوم یا بالوفد" اس سے معلوم ہوا کہ انسان کے منہ پر اس کی تعریف کرنا اس وقت جائز ہے جب اسے یہ خطرہ نہ ہو کہ یہ فتنہ میں مبتلا ہو گا یا تکبر کرے گا، نیز صحیح مسلم میں اس حدیث میں مذکور ہے کہ "آپ نے عبد القیس کے اشج کے لیے فرمایا: تم میں ایسی دو خصلتیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے: ایک تو تحمل اور بردباری ہے، اور دوسرا کسی کام کو تاخیر سے کرنا ہے یعنی اس میں جلدی نہ کی جائے"۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳ ص ۲۰۷۔۲۲۱ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۶- بَابُ: خَبَرِ الْمَرْأَةِ الْوَاحِدَةِ

ایک عورت کی خبر کا بیان

۷۲۶۷- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ تَوْبَةَ الْعَنْبَرِيِّ قَالَ قَالَ لِي الشَّعْبِيُّ أَرَأَيْتَ حَدِيثَ الْحَسَنِ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَقَاعَدْتُ ابْنَ عُمَرَ قَرِيبًا مِنْ سَنَتَيْنِ أَوْ سَنَةٍ وَنِصْفٍ فَلَمْ أَسْمَعْهُ يُحَدِّثُ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن الولید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن جعفر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از توبۃ العنبری، وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے شعبی نے کہا: مجھے بتایئے کہ حسن (بصری) نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کتنی احادیث روایت

غَيْرَ هٰذَا قَالَ كَانَ نَاسٌ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فِيهِمْ سَعْدٌ فَذَهَبُوا يَأْكُلُونَ مِنْ لَحْمٍ فَنَادَتْهُمُ امْرَأَةٌ مِنْ بَعْضِ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم إِنَّهُ لَحْمُ ضَبٍّ فَأَمْسَكُوا فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم كُلُوا أَوْ اطْعَمُوا فَإِنَّهُ حَلَالٌ أَوْ قَالَ لَا بَأْسَ بِهٖ شَكَّ فِيهِ وَلٰكِنَّهُ لَيْسَ مِنْ طَعَامِي۔ (صحیح مسلم: ۱۹۴۴، مسند احمد: ۵۵۴۰)

کی ہیں اور میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس تقریباً دو سال یا ڈھائی سال رہا، پس میں نے ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حدیث کے سوا اور کوئی حدیث بیان کرتے ہوئے نہیں سنا، انہوں نے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب تھے اور ان میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ تھے، وہ گوشت کھا رہے تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سے ایک زوجہ (حضرت ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا) نے بتایا کہ یہ گوہ کا گوشت ہے، پس وہ صحابہ اس کو کھانے سے رُک گئے، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کھاؤ، یا فرمایا: اس طعام کو کھاؤ کیونکہ یہ حلال ہے، یا فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اس میں راوی کو شک ہے لیکن یہ میرا طعام نہیں ہے۔

صحیح البخاری: ۷۲۶۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''جب ایک خاتون نے ان کو یہ خبر دی کہ یہ گوہ کا گوشت ہے تو وہ اس کو کھانے سے رک گئے'' اس میں یہ دلیل ہے کہ ایک عورت جو نیک ہو اس کی خبر پر عمل کیا جاتا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا کہ ''تم کھاؤ'' تو اس سے اس خاتون کے کلام کی نفی مراد نہیں ہے، بلکہ یہ خبر دینا مقصود ہے کہ گوہ کا گوشت کھایا جاتا ہے، اور اس خاتون نے جو ان کو منع کیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کو معلوم تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم گوہ کا گوشت نہیں کھاتے، اس وجہ سے انہوں نے اس پر تنبیہ کی یہ گوہ کا گوشت ہے اور ان کو منع کیا، اور ان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا گوہ کے گوشت کو نہ کھانا اس وجہ سے تھا کہ آپ اس کو ناپسند کرتے تھے، نہ کہ اس وجہ سے کہ وہ حرام ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''توبۃ العنبری نے کہا: مجھ سے شعبی نے کہا: مجھے بتاؤ کہ حسن بصری نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کتنی احادیث روایت کرتے ہیں؟'' اس کی وجہ یہ ہے کہ شعبی ان پر انکار کرتے تھے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مرسل احادیث کو روایت کرتے ہیں، اس میں یہ اشارہ ہے کہ حسن بصری کا مُرسل احادیث کو روایت کرنا اس وجہ سے تھا کہ وہ چاہتے تھے کہ ان سے زیادہ احادیث روایت کی جائیں، ورنہ ان کے لیے یہ کافی تھا کہ وہ صرف انہی احادیث کی روایت کرتے جن کی سند موصول ہوتی۔

علامہ کرمانی نے کہا: اس کی غرض یہ ہے کہ حسن بصری باوجود اس کے کہ وہ تابعی تھے، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ احادیث روایت کرتے تھے، حالانکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما صحابی ہیں، وہ اتنی زیادہ احادیث روایت نہیں کرتے تھے، وہ احادیث کی

روایت کرنے میں محتاط تھے اور جہاں تک ممکن ہوتا، زیادہ احادیث روایت کرنے سے احتراز کرتے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''ان لوگوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب تھے'' ان میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تھے، پس ایک خاتون نے نداء کی اور وہ حضرت سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''لیکن گوہ میرے طعام میں سے نہیں ہے'' یعنی میں عادتاً گوہ کا گوشت نہیں کھاتا اور اس کو ناپسند کرتا ہوں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۳۳۔ ۳۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

گوہ کے متعلق فقہاء اسلام کے نظریات

امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک گوہ کو کھانا مباح ہے۔ (المدونہ ج ۱ ص ۴۲۶، المنتقی ج ۳ ص ۱۳۲، کتاب الام، ج ۲ ص ۲۲۲)

اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک گوہ کا کھانا مکروہ ہے۔ (المبسوط للسرخسی ج ۱۱ ص ۲۳۲۔ ۲۳۱)

گوہ کے متعلق احادیث اور آثار

امام مسلم روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گوہ کو کھاؤ، کیونکہ یہ حلال ہے، یا فرمایا: اس کو کھلاؤ، کیونکہ یہ حلال ہے، یا فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں ہے (ان الفاظ میں راوی کو شک ہے)، لیکن یہ میرا طعام نہیں ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۶۷ ۷، صحیح مسلم: ۱۹۴۴، مسند احمد: ۵۵۴۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہ میں گوہ کو کھاتا ہوں اور نہ میں اس سے منع کرتا ہوں۔ (صحیح مسلم: ۱۹۴۸، مسند احمد ج ۲ ص ۱۳)

امام ابوداؤد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ گھاس پر رکھ کر دو بھنی ہوئی گوہ لائی گئیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوک دیا، تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے آپ سے پوچھا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! کیا آپ کو گوہ سے گھن آتی ہے؟، آپ نے فرمایا: ہاں!

(سنن ابوداؤد: ۳۷۳۰)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کے ایک قبیلہ پر ناراض ہوا، تو ان کو مسخ کر کے زمین پر چلنے والا جانور بنا دیا، پس میں از خود نہیں جانتا کہ یہ گوہ ان میں سے ہو، سو نہ میں اس کو کھاتا ہوں اور نہ اس کو حرام قرار دیتا ہوں، حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے کہا: پھر اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تعالیٰ گوہ کے ساتھ متعدد لوگوں کو نفع پہنچاتا ہے اور یہ عام چرواہوں کا طعام ہے اور اگر گوہ میرے پاس ہوتی تو میں اس کو کھاتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف اس سے گھن آتی تھی۔ (صحیح مسلم: ۱۹۹۱، کتاب الصید والذبائح، باب اباحۃ الضب)

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں از خود نہیں جانتا، یا فرمایا: شاید یہ ان میں سے ہو جن کو مسخ کر دیا گیا ہے۔ (صحیح مسلم: ۱۹۴۹)

ثابت بن ودیعۃ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک لشکر میں تھے، ہم کو گوہ ملیں، ان کو بھونا گیا اور ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھا گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لکڑی لے کر اپنے اصحاب کو گنا، پھر آپ نے فرمایا: بنی اسرائیل کی ایک امت کو زمین پر چلنے والے جانوروں کی شکل میں مسخ کر دیا گیا، اور بے شک میں از خود نہیں جانتا کہ شاید یہ گوہ انہی جانوروں

میں سے ہے، تو آپ نے گوہ کو نہ کھایا اور نہ اس سے منع فرمایا۔ (سنن ابوداؤد: ۳۷۹۵)

عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گوہ سے ایک بدبو محسوس کی، پس آپ نے لوگوں کو اس سے کھانے کی اجازت دی اور سعید بن المسیب سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: گوہ میرے نزدیک مرغی سے زیادہ پسندیدہ ہے اور الشعبی سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے گوہ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: یہ حلال ہے، اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن مجھ کو اس سے گھن آتی ہے۔

(یہ تمام آثار مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۲۵ میں درج ہیں)۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے پسند ہے کہ میرے پاس سفید گندم کی سفید روٹی ہوتی جس کے اوپر گھی اور دودھ ہوتا، تو قوم میں سے ایک مرد کھڑا ہوا اور وہ گھی لے کر آیا، تو آپ نے پوچھا: گھی کس چیز میں تھا؟ اس نے کہا: وہ گوہ کے چمڑے کی تھیلی میں تھا، تو آپ نے فرمایا: اس کو اٹھا لو۔ (سنن ابوداؤد: ۳۸۱۸، امام ابوداؤد نے کہا کہ یہ حدیث منکر ہے)

عبدالرحمٰن بن شبل بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گوہ کے کھانے سے منع فرمایا ہے۔

(سنن ابوداؤد: ۳۷۹۶، علامہ منذری نے مختصر سنن ابوداؤد (ج ۵ ص ۳۱۱) میں کہا ہے: اس حدیث کی سند میں ایک راوی اسماعیل بن عیاش ہے اور دوسرا راوی ضمضم بن زرعہ ہے، اور ان دونوں راویوں پر جرح کی گئی ہے، اور الخطابی نے کہا ہے: اس حدیث کی سند معتبر نہیں ہے اور امام بیہقی نے کہا ہے: اس حدیث کی سند ثابت نہیں ہے، اس کی روایت میں اسماعیل بن عیاش منفرد ہے اور وہ حجت نہیں ہے، سنن بیہقی ج ۹ ص ۳۲۶، معالم السنن للخطابی، ج ۴ ص ۲۳۹)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عرض کیا گیا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! بندر اور خنزیر ان جانوروں میں سے ہیں جن کو مسخ کر دیا گیا؟ آپ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے کسی قوم کو ہلاک نہیں کیا یا کسی قوم کو عذاب نہیں دیا اور پھر اس کی نسل آگے چلائی ہو اور بندر اور خنزیر تو اس سے پہلے بھی ہوتے تھے۔ (صحیح مسلم: ۲۶۶۳، کتاب القدر باب بیان ان الآجال والارزاق)

علامہ ابن ملقن لکھتے ہیں: اس حدیث سے یقینی طور پر معلوم ہوا کہ گوہ کے متعلق یہ خوف تھا کہ یہ ان جانوروں میں سے ہے جو مسخ ہو چکے ہیں، اب یہ خوف اٹھ چکا ہے اور گوہ ان جانوروں میں سے نہیں ہے جن کو اس کی صورت میں مسخ کیا گیا ہے، لہٰذا وہ حلال ہے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گوہ کو کھایا گیا اور یہ گوہ کے حلال ہونے پر نص صریح ہے اور یہ آخر الناسخ ہے، کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فتح مکہ کے بعد اور فتح حنین اور طائف کے بعد جمع نہیں ہوئے اور انہوں نے اس کے بعد غزوۂ تبوک میں جہاد نہیں کیا تھا اور ان کو غزوۂ تبوک میں بھوک بالکل نہیں لگی، پس یقین کے ساتھ معلوم ہو گیا کہ ابن حسنہ کی خبر صحیح ہے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اس کو مباح قرار دینا صحیح ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج ۲۶ ص ۵۳۸۔ ۵۴۲، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

گوہ کھانے کے متعلق مذاہب فقہاء

اس حدیث سے عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ اور سعید بن جُبیر متوفی ۹۵ھ اور ابراہیم بن یزید بن قیس بن الاسود النخعی متوفی ۹۶ھ اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ، امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ، امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اور امام اسحاق بن راہویہ

متوفی ۲۲۳ھ، نے یہ استدلال کیا ہے کہ گوہ کا کھانا جائز ہے، اور یہی ظاہریہ (غیر مقلدین) کا مذہب بھی ہے۔ اور ابن حزم ظاہری متوفی ۴۵۶ھ نے کہا ہے کہ گوہ کھانے کی اباحت حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ سے منقول ہے اور دیگر صحابہ سے بھی۔

صاحب ہدایہ علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر المرغینانی التوفی ۵۹۳ھ نے کہا ہے کہ گوہ کا کھانا مکروہ ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس کے کھانے سے منع فرمایا تھا جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کے کھانے کے متعلق سوال کیا۔ لیکن امام ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی الحنفی التوفی ۳۲۱ھ نے شرح معانی الآثار میں ذکر کیا ہے کہ انہوں نے گوہ کھانے کی اباحت کی طرف رجوع کرلیا اور کہا کہ گوہ کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے اور ہمارے نزدیک یہی قول معتبر ہے اور امام طحاوی نے کہا: اور ایک قوم نے گوہ کھانے کو مکروہ قرار دیا ہے، ان میں سے امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ، اور امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم متوفی ۱۸۳ھ، اور امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ ہیں۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: امام طحاوی کی قوم سے مراد الحارث بن مالک اور یزید بن ابی زیاد اور وکیع ہیں، کیونکہ انہوں نے کہا ہے کہ گوہ کا کھانا مکروہ ہے، اور یہ مذہب حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ، اور حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما متوفی ۷۸ھ کا ہے۔ پھر ہمارے اصحاب کے نزدیک زیادہ صحیح یہ ہے کہ گوہ کھانے کی کراہت، کراہتِ تنزیہی ہے کراہتِ تحریمی نہیں ہے، کیونکہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ گوہ کھانا حرام نہیں ہے۔

گوہ کھانے کی کراہت پر دلیل اور جن احادیث میں گوہ کھانے کا جواز ہے ان کا منسوخ ہونا

اور ہمارے بعض اصحاب نے کہا کہ بعض احادیث گوہ کھانے کی اباحت پر دلالت کرتی ہیں اور بعض احادیث گوہ کھانے کی تحریم پر دلالت کرتی ہیں اور تاریخ معلوم نہیں ہے۔ پس محرم (حرام کرنے والی) کو مبیح (مباح کرنے والی) سے مؤخر قرار دیا جائے گا تو یہ نسخ کی دلیل ہے اور ان تمام احادیث میں سے جو گوہ کھانے کی تحریم پر دلالت کرتی ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ حدیث ہے جس کو صاحب ہدایہ علامہ مرغینانی نے ذکر کیا ہے، لیکن اس میں بحث ہے کیونکہ صاحب تخریج احادیث الہدایہ (حافظ ابن حجر عسقلانی) نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث غریب ہے۔

گوہ کھانے کی کراہت پر مزید احادیث اور فقہاءِ شافعیہ کے اعتراضات کے جوابات

علامہ عینی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں: کہ محمد بن الحسن نے از الاسود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا متوفاۃ ۵۷ھ، سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گوہ پیش کی گئی تو آپ نے اس کو نہیں کھایا، پھر میں نے آپ سے گوہ کھانے کے متعلق پوچھا تو آپ نے مجھے اس سے منع فرمایا: پھر ایک سائل آیا، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس سائل کو گوہ دینے کا ارادہ کیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اس کو وہ چیز دے رہی ہو جو تم خود نہیں کھاتیں، سو یہ نہی (ممانعت) تحریم پر دلالت کرتی ہے۔

نیز امام ابوداؤد نے کتاب الاطعمہ میں از اسماعیل بن عیاش از ضمضم بن زرعہ از شریح بن عبید از ابی راشد الحبرانی از عبد الرحمٰن بن شبل روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گوہ کھانے سے منع فرمایا۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ امام بیہقی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی روایت میں ابن عیاش منفرد ہیں اور یہ حدیث حجت نہیں ہے اور حافظ

المنذری نے کہا ہے: اسماعیل بن عیاش اور ضمضم دونوں میں مقال ہے، اور علامہ خطابی نے کہا ہے: اس حدیث کی سند اس پائے کی نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اس کا جواب یہ ہے کہ ضمضم حمصی اور ابن عیاش جب شامیین سے روایت کریں تو ان کی حدیث صحیح ہوتی ہے، اسی طرح اس کو امام بخاری اور یحییٰ بن معین نے کہا ہے اور امام بیہقی پر تعجب ہے کہ انہوں نے "باب ترك الوضوء من الدم" میں بھی امام بخاری اور یحییٰ بن معین کی مثل کہا ہے اور یہاں پر کہا ہے کہ وہ حجت نہیں ہے، اور امام ابوداؤد نے اس حدیث کی روایت کی اور اس پر سکوت کیا۔ اور امام ابوداؤد کا قاعدہ یہ ہے کہ جس حدیث پر وہ سکوت کریں تو وہ ان کے نزدیک حسن ہوتی ہے، جیسا کہ اصولِ حدیث میں معروف ہے۔

نیز امام ترمذی نے سندِ صحیح کے ساتھ ابن عیاش از شرحبیل بن مسلم از ابی امامہ اور شرحبیل شامی روایت کی ہے اور امام طحاوی نے معانی الآثار میں روایت کی ہے عبدالرحمٰن بن حسنہ کی طرف اسناد کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ ہم ایک ایسی سرزمین میں داخل ہوئے جس میں گوہ بہت زیادہ تھیں، ہم کو بھوک لگی ہوئی تھی، ہم نے چند گوہ لے کر پکالیں اور پتیلیوں میں گوہ کا گوشت اُبل رہا تھا، اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، آپ نے فرمایا: یہ کیا ہے؟ ہم نے بتایا کہ گوہ ہیں جن کو ہم نے پایا ہے، آپ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کی ایک امت کو مسخ کر کے زمین کا ایک جانور بنا دیا گیا تھا اور مجھے خطرہ ہے کہ وہ جانور یہی گوہ ہے، سو تم ان پتیلیوں کو الٹ دو۔

یہ احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گوہ کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے اور یہ فقہاء احناف کی قوی دلیل ہے کہ گوہ کھانا مکروہ ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۵۸-۵۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حضرت ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کا تذکرہ

حافظ ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر القرطبی المتوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

حضرت میمونہ بنت الحارث الہلالیہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ ہیں، ان کی والدہ کا نام ہند بنت عوف بن زہیر بن الحارث حماطۃ ہے، حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی سگی بہنوں میں سے حضرت ام الفضل لبابۃ الکبریٰ بنت الحارث بن حزم ہیں جو حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی زوجہ تھیں، اور لبابہ الصغریٰ بنت الحارث ہیں جو الولید بن المغیرہ المخزومی کی زوجہ تھیں، اور یہی حضرت خالد بن ولید کی والدہ ہیں، اور عصماء بنت الحارث ہیں جو ابی بن خلف الجمحی کے نکاح میں تھیں، ان سے ابان وغیرہ پیدا ہوئے۔ اور عزّہ بنت الحارث ہیں جو زیاد بن عبداللہ بن مالک الہلالی کے نکاح میں تھیں، پس یہ سب حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی سگی بہنیں ہیں اور ان کی والدہ ہند بنت عوف ہیں۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی ماں شریک بہن حضرت اسماء بنت عمیس ہیں جو حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کے نکاح میں تھیں، ان سے عبداللہ، عون اور محمد پیدا ہوئے، پھر ان کے بعد ان سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نکاح کیا تو ان سے محمد بن ابوبکر پیدا ہوئے، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ان سے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے نکاح کیا تو ان سے یحییٰ پیدا ہوئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا پہلے نام برّہ تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام میمونہ رکھ

دیا، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رہی حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا، تو اس پر اتفاق ہے کہ ان کا نام برہ تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام جویریہ رکھ دیا۔

اور ابو عبیدہ نے بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ خیبر سے فارغ ہوئے تو ۷ ہجری میں عمرہ کرنے کے لیے مکہ کی طرف گئے اور آپ کے پاس سرزمین حبشہ سے حضرت جعفر بن ابی طالب آئے تو آپ نے ان کو حضرت میمونہ بنت الحارث الہلالیہ سے نکاح کا پیغام دیا جس کو انہوں نے قبول کرلیا، اور ان کی ماں شریک بہن حضرت اسماء بنت عمیس حضرت جعفر کے نکاح میں تھیں، اور سلمہ بنت عمیس حضرت حمزہ کے پاس تھیں، اور حضرت ام الفضل حضرت عباس کے پاس تھیں، پھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کا نکاح نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کردیا، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم احرام کھول کر مقامِ سرف پر آئے تو وہاں آپ نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے شب باشی کی۔ حافظ ابو عمر نے کہا ہے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا سرف میں اسی جگہ انتقال ہوگیا جس جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے شب باشی کی تھی اور یہ اکیاون (۵۱) ہجری کا واقعہ ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کی نماز جنازہ پڑھی اور ان کی قبر میں وہ اور یزید بن الاصم داخل ہوئے۔ (الاستیعاب ج ۴ ص ۴۶۷۔ ۴۷۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالقعدہ ۷ ہجری میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا جب آپ نے عمرۃ القضاء ادا کیا، پس کہا جاتا ہے کہ آپ نے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھ نکاح کا پیغام دے کر بھیجا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اجازت دے دی تو آپ نے ان سے نکاح کرلیا، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ اس سے پہلے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا ابورھم کے نکاح میں تھیں اور بیوہ ہو چکی تھیں، تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے نکاح کا پیغام دیا۔

اور ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے بعد حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا اور وہ اس سے پہلے ابورھم کے نکاح میں تھیں۔

یزید بن الاصم بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا، اس وقت آپ احرام کھول چکے تھے اور ان سے ایک خیمہ میں شب باشی کی اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا اسی مقام پر فوت ہوئی تھیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مرسل روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا اور اس وقت آپ محرم تھے۔

اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے، اور بعض نے اس میں تطبیق دی ہے کہ آپ نے عقدِ نکاح اس وقت کیا جب آپ محرم تھے، اور شب باشی اس وقت کی جب آپ عمرہ کا احرام مقامِ تنعیم میں کھول چکے تھے۔

اور زہری اور قتادہ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا وہی خاتون ہیں جنہوں نے اپنا نفس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کیا تھا تو ان کے متعلق ایک آیت نازل ہوئی، دوسرا قول یہ ہے کہ اپنا نفس ہبہ کرنے والی ان کے علاوہ کوئی اور خاتون تھیں، اور ایک قول یہ ہے کہ یہ متعدد خواتین ہیں اور یہ زیادہ قریب ہے۔ (الاصابہ ج ۸ ص ۳۲۲۔ ۳۲۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

الامام الحافظ صفی الدین احمد بن عبداللہ الخزرجی المتوفی ۹۲۳ھ لکھتے ہیں:

حضرت میمونہ بنت الحارث الہلالیہ ام المومنین رضی اللہ عنہا سے چھیالیس (۴۶) احادیث مروی ہیں، جن میں سے سات (۷) احادیث کی روایت پر امام بخاری اور امام مسلم متفق ہیں، ایک حدیث کی روایت کے ساتھ امام بخاری منفرد ہیں اور پانچ احادیث کی روایت کے ساتھ امام مسلم منفرد ہیں، ان کی وفات اکیاون (۵۱) ہجری میں مقامِ سرف میں ہوئی۔

(خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال فی اسماء الرجال ج ۳ ص ۵۰۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۲ھ)

''کتاب اخبار الاحاد'' کا اختتام

''کتاب الاحکام'' اور اس کے بعد ''کتاب التمنی'' اور اس کے بعد ''کتاب اجازۃ خبر الواحد'' میں ایک سو تریسٹھ (۱۶۳) احادیثِ مرفوعہ ہیں، ان میں سے سینتیس (۳۷) تعلیقات ہیں اور باقی احادیث موصولہ ہیں، اور ان میں ایک سو انچاس (۱۴۹) احادیث مکرر ہیں اور خالص احادیث چودہ (۱۴) ہیں۔

''کتاب اخبار الاحاد'' کی تکمیل

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین!

اللہ عزوجل کا بے حد احسان اور بے پناہ کرم ہے کہ اس نے محض اپنے فضل سے اس ناکارہ کو ''کتاب اخبار الاحاد'' کی احادیث کی شرح لکھنے کی توفیق مرحمت فرمائی۔ الٰہ العٰلمین! مجھ سے جو اس شرح میں فروگذاشت ہوگئی ہیں ان کو معاف فرما اور ان احادیث میں جو پیغام مضمر ہے اس پر سب مسلمانوں کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرما، اور مجھے یہ ہمت اور استطاعت عطا فرما کہ میں صحیح البخاری کی باقی ماندہ کتب اور ابواب اور احادیث کی شرح بھی لکھ کر مکمل کرلوں اور اس شرح میں مجھے خطا اور زلل سے محفوظ رکھنا، مجھے تمام بیماریوں میں شفاء عطا فرمانا، بڑھاپے کے عوارض، سکرات الموت، قبر کے عذاب، حشر کی سختیوں اور قیامت کی ہولناکیوں سے محفوظ اور مامون رکھنا اور اپنے حبیبِ کریم سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے جنت الفردوس عطا فرمانا۔ اس کتاب کے بعد ''کتاب الاعتصام بالکتٰب والسنۃ'' کے ابواب کی احادیث کی شرح ان شاء اللہ شروع کی جائے گی۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نحمدہٗ ونصلی ونسلم علیٰ رسولہ الکریم

۹۳۔ کِتَابُ الِاعْتِصَامِ بِالْکِتَابِ وَالسُّنَّۃِ

کتاب وسنت کو مضبوطی سے پکڑنے کا بیان

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس کتاب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اعتصام کا معنی اور کتاب اور سنت کی تعریفات

الاعتصام کا لفظ ''العصمۃ'' سے ماخوذ ہے، اوراس سے مراد اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر عمل کرنا ہے:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا (آل عمران: ۱۰۳) اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑلو۔

علامہ محمد بن یوسف الکرمانی المتوفی ۷۸۶ھ نے کہا ہے: امام بخاری کا یہ عنوان قرآنِ مجید کی مذکور الصدر آیت سے مستنبط ہے، کیونکہ رسی سے مراد بطورِ استعارہ کتاب اور سنت ہے، اور ان میں وجہِ تشبیہ یہ ہے کہ یہ دونوں مقصود تک پہنچنے کا سبب ہیں، اور مقصود ثواب کا حصول اور عذاب سے نجات ہے جیسا کہ رسی سے مقصود ہوتا ہے کہ آدمی پانی تک پہنچ جائے، اور کتاب سے مراد قرآنِ مجید ہے جس کی تلاوت عبادت ہے، اور سنت سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال اور آپ کے افعال اور آپ کی تقریرات ہیں، اور جس فعل کا آپ نے ارادہ کیا۔ اور لغت میں سنت راستہ کو کہتے ہیں، اور اصولیین اور محدثین کی اصطلاح میں سنت اس راستہ کو کہتے ہیں جس کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمارے عمل کے لیے متعین فرما دیا، اور بعض فقہاء کی اصطلاح میں سنت وہ حکم ہے جو مستحب کے مترادف ہو۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۴۱۲، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس کتاب کی شرح میں لکھتے ہیں:

سنت کی اقسام

عصمت صرف اللہ کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت یا علماء کے اجماع کے لیے ثابت ہے۔

اور سنت کی دو قسمیں ہیں: سنت کی ایک قسم سنتِ واجبہ ہے اور دوسری قسم سنتِ غیر واجبہ ہے۔

سنتِ واجبہ وہ ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے کیے ہوئے فرض کی تفسیر کی ہو، اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس کام کا حکم دیں یا جس کام سے روکیں یا جس کام کو کریں تو وہ سنت ہے، جب تک کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت نہ ہو۔

اور سنتِ غیر واجبہ وہ ہے کہ جس فعل کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بطورِ نفل کیا اور کسی شخص کے لیے اس سنت کے ترک کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے جیسے حدیث مذکور میں ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تم زمینوں کو حاصل نہ کرو ورنہ تم دنیا میں رغبت کرو گے''۔

(سنن ترمذی: ۲۳۲۸، مسند احمد ج ا ص ۷۷ ۳، مسند ابوداؤد الطیالسی ج ا ص ۲۹۷، مسند ابویعلیٰ ج ۹ ص ۱۲۶۔ ۱۲۷، صحیح ابن حبان ج ۲ ص ۴۸۷، المستدرک للحاکم ج ۴ ص ۳۲۲)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر اصحاب نے زمینیں رکھی ہوئی تھیں، پس اس سے معلوم ہوا کہ آپ نے جو زمینیں نہ رکھنے کا حکم دیا ہے تو یہ بطورِ ادب اور استحباب ہے، تاکہ ہم لوگ اس کے سبب سے دنیا میں رغبت نہ کریں، اور اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے متعلق اور بھی افعال ہیں جن کو آپ نے مسلمان پر واجب نہیں کیا، اور وہ خصوصیت کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دنیا کے لیے اختیار فرمائے، جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بغیر بالوں کے چمڑے کی جوتی پہنتے تھے، اپنے تہبند کو ایک سرخ بوٹی کے ساتھ رنگتے تھے، اور آپ کدو کھانے کو پسند فرماتے تھے اور خوشبو کو پسند فرماتے تھے، اور بکری کی دستی کو پسند فرماتے تھے، اور دائیں کروٹ پر لیٹنے کو پسند فرماتے تھے، اور تیز تیز چلتے تھے اور جمعرات کے دن سفر کے لیے نکلتے تھے، اور ان کاموں کو آپ نے امت کے لیے سنت نہیں قرار دیا، نہ ان کاموں کی طرف امت کو دعوت دی، اور جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی وجہ سے ان کاموں سے محبت رکھے تو وہ اپنے رب کا زیادہ قرب حاصل کرے گا جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ان میں سے بعض سنتوں پر عمل کرتے تھے۔

(شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۳۳۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس کتاب کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل کرنے کے متعلق فقہاء کے اقوال

امام مالک اور اکثر اہلِ عراق نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل کرنا واجب ہے، سوا ان سنتوں کے جن کے وجوب کی ممانعت پر کوئی دلیل قائم ہو۔

اور بعض اصحابِ شافعی نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل کرنا مستحب ہے اور ان کی اتباع کرنا مطلوب ہے، سوا ان سنتوں کے جن کے وجوب پر کوئی دلیل قائم ہو۔ اور اکثر اہلِ حجاز اور عراق اور اصحابِ شافعی نے کہا کہ ان سنتوں کا حکم توقف ہے، سوا ان کے جن کے مستحب یا مباح یا ممنوع ہونے پر کوئی دلیل قائم ہو۔

علامہ ابوبکر رازی نے کہا ہے: میرا بھی یہی قول ہے۔ (احکام القرآن للجصاص ج ۳ ص ۲۵۳)

شیخ ابن حزم اندلسی نے اپنی کتاب ''احکام'' میں لکھا ہے: تمام انسانوں اور جنات کا ہر زمانہ اور ہر جگہ اس پر اجماع رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع کرنا واجب ہے، اور جس فعل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسنون قرار دیا اور مستند راویوں سے اس کی صحت ثابت ہو تو اس پر عمل کرنا واجب ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت نے اس پر لزوم کیا ہے اور تابعین نے بھی اور بعد کے ائمہ نے بھی، اور جس نے سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور کی اتباع کی تو اس نے نہ سنت کی اتباع کی اور نہ جماعت کی۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۳ ص ۱۳، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۱۔ بَابٌ:

باب

۷۲۶۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الزُّبَيْرِ الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مِسْعَرٍ وَغَيْرِهِ عَنْ قَيْسِ بْنِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن زبیر حمیدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان

مُسْلِمٍ عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ قَالَ قَالَ رَجُلٌ مِنَ الْيَهُودِ لِعُمَرَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ لَوْ أَنَّ عَلَيْنَا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ لَاتَّخَذْنَا ذٰلِكَ الْيَوْمَ عِيدًا فَقَالَ عُمَرُ إِنِّي لَأَعْلَمُ أَيَّ يَوْمٍ نَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ نَزَلَتْ يَوْمَ عَرَفَةَ فِي يَوْمِ جُمُعَةٍ سَمِعَ سُفْيَانُ مِنْ مِسْعَرٍ وَمِسْعَرٌ قَيْسًا وَقَيْسٌ طَارِقًا۔

نے حدیث بیان کی از مسعر وغیرہ از قیس بن مسلم از طارق بن شہاب، وہ بیان کرتے ہیں کہ یہود میں سے ایک مرد نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: اے امیر المومنین! اگر ہم پر یہ آیت نازل ہوتی: ''آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا اور تمہارے لیے اسلام کو (بہ طور) دین پسند کر لیا''۔ (المائدہ: ۳)

تو ہم اس دن کو عید قرار دیتے، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: بے شک میں ضرور جانتا ہوں کہ یہ آیت کس دن نازل ہوئی، یہ آیت عرفہ کے دن، جمعہ کے دن نازل ہوئی، سفیان نے مسعر سے سنا اور مسعر نے قیس سے سنا اور قیس نے طارق سے سنا۔

(صحیح البخاری: ۴۵، ۴۴۰۷، ۴۶۰۶، ۷۲۶۸، صحیح مسلم: ۳۰۱۷، سنن ترمذی: ۳۰۴۳، سنن نسائی: ۵۰۱۲، مسند احمد: ۱۸۹)

صحیح البخاری: ۷۲۶۸، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

عید کا معنی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ایک یہودی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اگر یہ آیت ہم میں نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید بنا لیتے، یعنی ہم ہر سال اس دن کو عید قرار دیتے، کیونکہ اس دن میں ہمارے لیے دین مکمل ہوا، اور عید کا لفظ ''عود'' سے ماخوذ ہے، اور عید کو عید اس لیے کہتے ہیں کہ وہ ہر سال لوٹ کر آتی ہے۔

ایک سوال کا جواب

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس یہودی کے جواب میں کہا: مجھے معلوم ہے کہ کس جگہ اور کس وقت میں یہ آیت نازل ہوئی، اور یہ نہیں کہا کہ ہم اس دن کو عید منائیں گے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول اس یہودی کے سوال کا جواب کیسے ہوا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ امام اسحاق نے از قبیصہ روایت کی ہے کہ یہ آیت جمعہ کے دن نازل ہوئی اور عرفہ کے دن نازل ہوئی، اور یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہمارے لیے عید ہیں، اور طبرانی کی روایت میں ہے کہ یہ دونوں دن ہمارے لیے عید کے دن ہیں، اسی طرح سنن ترمذی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک یہودی نے اس کے متعلق ان سے سوال کیا تو انہوں نے کہا: یہ آیت دو عیدوں کے دن نازل ہوئی ہے: جمعہ کے دن اور عرفہ کے دن، پس اس سے واضح ہو گیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جواب اس بات کو متضمن ہے کہ انہوں نے اس دن کو عید قرار دیا، کیونکہ جمعہ کا دن بھی عید ہے اور عرفہ کا دن بھی عید ہے، اور عرفہ کے دن کو عید اس لیے قرار دیا کہ وہ عید کی رات ہے، اسی طرح حدیث میں ہے: ''عید کے دو مہینے کم نہیں ہوتے: رمضان اور

ذوالحجہ''، پس رمضان کو عید قرار دیا کیونکہ اس دن کے بعد عید آتی ہے۔(فتح الباری ج ۱ ص ۵۷۲، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

نیز حافظ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

دین کی تکمیل کا بعد میں قیاس سے ثابت شدہ مسائل کے منافی نہ ہونا

اس حدیث میں المائدہ: ۳ کا ذکر ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا اور تمہارے لیے اسلام کو (بہ طور) دین پسند کر لیا۔'' (المائدہ: ۳)

اس آیت کا ظاہر اس پر دلالت کرتا ہے کہ دین کے تمام امور اس آیت کے نزول کے وقت مکمل ہو گئے تھے اور یہ آیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے اسی (۸۰) دن پہلے نازل ہوئی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت کے نزول کے بعد کوئی حکم نازل نہیں ہوا، لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ ایک جماعت کا یہ مذہب ہے کہ دین کے مکمل ہونے سے مراد یہ ہے کہ اصولِ ارکان اور جو ان پر احکام متفرع ہوتے ہیں وہ کامل ہو گئے ہیں، اس وجہ سے قیاس کے منکرین کے لیے اس آیت سے قیاس کے انکار پر کوئی گنجائش نہیں ہے، اور ان کی دلیل کا یہ جواب بھی ہو سکتا ہے کہ نئے نئے پیش آمدہ مسائل میں جو قیاس کیا جاتا ہے وہ بھی کتاب کے حکم سے مستنبط ہوتا ہے، نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ (الحشر: ۷) اور رسول جو تم کو دیں اس کو لے لو اور جس سے تم کو روکیں اس سے رک جاؤ۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیاس کرنے کا حکم دیا ہے اور قیاس کرنے کو مقرر رکھا ہے، لہٰذا دین کے کامل ہونے میں قیاس بھی داخل ہے۔

اور علامہ ابن التین نے علامہ داؤدی متوفی ۴۰۲ھ سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ (النحل: ۴۴) اور ہم نے آپ کی طرف ذکر (قرآنِ عظیم) اس لیے نازل کیا ہے کہ آپ لوگوں کو وضاحت کے ساتھ بتائیں کہ ان کی طرف کیا نازل کیا گیا۔

پس بے شک اللہ سبحانہٗ نے بہ کثرت امور مجمل نازل فرمائے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وقت میں ان مجمل امور کی تفصیل بیان فرمائی، اور جو امور آپ کے وقت میں پیش نہیں ہوئے تو آپ نے ان کی تفصیل کو علماء کی طرف مفوض فرما دیا، جیسا کہ اس آیت میں مذکور ہے:

وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ (النساء: ۸۳) اور اگر یہ اس خبر کو رسول یا صاحبانِ علم کی طرف پہنچا دیتے تو ان میں سے خبر کا تجزیہ کرنے والے ضرور اس کے (صحیح) نتیجہ تک پہنچ جاتے۔

اس تفصیل سے واضح ہو گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت دین کا مکمل ہونا اس کے خلاف نہیں ہے کہ آپ کے بعد قیامت تک قیاس سے پیش آمدہ مسائل کا حل معلوم کیا جا سکے۔(فتح الباری ج ۸ ص ۴۱۳، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انعقاد پر دلائل

عید کا معنی

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

عید اس دن کو کہتے ہیں جو بار بار لوٹ کر آئے، اور شریعت میں عید کا دن یوم الفطر اور یوم النحر کے ساتھ مخصوص ہے، اور جب کہ شریعت میں یہ دن خوشی کے لیے منایا گیا ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں متنبہ فرمایا ہے: ''یہ کھانے پینے اور ازدواجی عمل کے دن ہیں'' اور عید کا لفظ ہر اس دن کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جس پر کوئی خوشی حاصل ہو، اور اس پر قرآن مجید کی یہ آیت دلیل ہے:

قَالَ عِیۡسَی ابۡنُ مَرۡیَمَ اللّٰھُمَّ رَبَّنَاۤ اَنۡزِلۡ عَلَیۡنَا مَآئِدَۃً مِّنَ السَّمَآءِ تَکُوۡنُ لَنَا عِیۡدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰیَۃً مِّنۡکَ ۚ (المائدہ: ۱۱۴)

عیسیٰ بن مریم نے دعا کی: اے ہمارے رب! ہم پر آسمان سے کھانے کا خوان نازل فرما تا کہ (وہ دن) ہمارے اگلوں اور پچھلوں کے لیے عید ہو جائے اور تیری طرف سے نشان (ہو جائے)۔

(المفردات: ۵۲ ۳، المکتبۃ المرتضویہ، ایران، ۱۳۴۲ھ)

یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ شرعی اور اصطلاحی عید تو صرف عید الفطر اور عید الاضحیٰ ہیں، اور یوم عرفہ اور یوم جمعہ عرفاً عیدیں ہیں اور جس دن کوئی نعمت اور خوشی حاصل ہو، وہ بھی عرفاً عید کا دن ہے، اور تمام نعمتوں کی اصل سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہے، سو جس دن یہ عظیم نعمت حاصل ہوئی، وہ دن تمام عیدوں سے بڑھ کر عید ہے، اور یہ بھی عرفاً عید ہے شرعاً عید نہیں ہے، اس لیے مسلمان ہمیشہ سے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت اور میلاد کے دن بارہ ربیع الاول کو عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مناتے ہیں۔

لفظِ میلاد کا شرعی ثبوت

ایک سوال یہ کیا جاتا ہے کہ میلاد النبی کا لفظ غیر شرعی ہے، اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ امام ترمذی نے سننِ ترمذی میں اس باب کا عنوان قائم کیا ہے:

''باب ماجاء فی میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' (نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے میلاد کے متعلق احادیث کا بیان)۔

المطلب بن عبد اللہ بن قیس بن مخرمہ از والد خود از جد خود روایت کرتے ہیں کہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عام الفیل (جس سال ابرہہ نے ہاتھیوں کے لشکر کے ساتھ کعبہ پر حملہ کیا تھا) میں پیدا ہوئے، اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے قباث بن اشیم سے پوچھا جو بنو یعمر بن لیث کے بھائی ہیں: کیا آپ بڑے ہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑے تھے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (مرتبہ اور مقام میں) مجھ سے بڑے ہیں اور میں میلاد (پیدائش) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مقدم ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت ہاتھیوں والے سال میں ہوئی۔۔۔الحدیث

(سنن ترمذی: ۳۶۱۹، مسند احمد ج ۴ ص ۲۱۵، التاریخ الکبیر للامام البخاری ج ۷ ص ۱۴۵، المعرفہ والتاریخ ج ۱ ص ۲۹۶، الاحاد والمثانی ج ۱ ص ۴۰۷، شرح مشکل الآثار: ۵۹۶۸، ۵۹۶۹، معجم الصحابہ ج ۲ ص ۳۴۹، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۸ ص ۸۷۲، ۸۷۳، المستدرک للحاکم ج ۲ ص ۶۰۳)

دلائل النبوۃ لابی نعیم: ۸۵، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۱ ص ۷۶، ۷۷، الطبقات الکبریٰ لابن سعد ج ۱ ص ۱۰۱)

مسند احمد بن حنبل کے محقق الشیخ شعیب الارنؤط نے لکھا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے اور اس کی سند میں المطلب بن عبد مناف کا ذکر ہے، اس کا امام ابن حبان نے کتاب الثقات میں ذکر کیا اور اس حدیث کی متابعت کی گئی ہے اور یہ حدیث سیرتِ ابن ہشام ج ۱ ص ۱۶۷ میں بھی مذکور ہے۔ (حاشیہ مسند احمد بن حنبل ج ۲۹ ص ۴۲۲، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

مشہور غیر مقلد عالم شیخ ابن عبد الرحیم السبارک پوری المتوفی ۱۳۵۳ھ نے اس حدیث کی شرح میں میلاد کا معنی لکھا ہے: "وقت الولادت" اور لکھا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ (تحفۃ الاحوذی ج ۱۰ ص ۸۹، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

محافلِ میلاد منعقد کرنے کا شرعی حکم

ملا علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ تحریر فرماتے ہیں:

محافلِ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انعقاد جائز ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت اور آپ کی نعت سننے کے لیے اس محفل میں شریک ہونا جائز ہے اور لوگوں کی دعوت کرنا اور خوشی منانا بھی جائز ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ کسی خاص اور معین رات میں محفلِ میلاد منعقد کرنا سنت ہے اور جو شخص کسی معین شب میں محفلِ میلاد کی سنیت کا معتقد ہو وہ بدعتی ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر اور آپ کے ساتھ تعلق ہر وقت مطلوب ہے ہاں جس ماہ میں آپ کی ولادت ہوئی، اس مہینہ کی قوی ترجیح ہے۔ نیز محفلِ میلاد کا اجتماع تبلیغِ دین کا بہت بڑا ذریعہ ہے اور علماء کو چاہیے کہ وہ ان محافل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق، آداب، آپ کی سیرت، آپ کے معاملات اور آپ کی عبادات کا بیان کریں، اور لوگوں کو آپ کی سیرت پر عمل کرنے کی نصیحت کریں، اور جو لوگ ان اجتماعات سے تبلیغِ دین کا فائدہ نہیں اٹھاتے، وہ محفلِ میلاد کی خیرات اور برکات سے محروم ہیں۔ (المولد الروی فی المولد النبوی ص ۷۔۸، المدینۃ المنورہ، ۱۴۰۰ھ)

میں کہتا ہوں کہ آج کل جو محافلِ میلاد منعقد کی جاتی ہیں، ان میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کا بیان کیا جاتا ہے، آپ کے فضائل اور خصائص کا ذکر کیا جاتا ہے اور آپ کی مدح میں نعتیں پڑھی جاتی ہیں اور خوشی کا اظہار کیا جاتا ہے اور کھانے پینے کی چیزوں کو بہ طورِ تبرک تقسیم کیا جاتا ہے اور ان میں سے ہر چیز کا قرآن و سنت میں ثبوت موجود ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل اور خصائص پر مشتمل قرآن مجید کی آیات

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝ آپ کہیے: (یہ) اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کے سبب سے ہے، سو اس کی وجہ سے مسلمان خوشی منائیں، یہ اس (مال) سے کہیں بہتر ہے جس کو وہ (کفار) جمع کرتے ہیں ○ (یونس: ۵۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود اور آپ کی ولادت مسلمانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل اور اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی رحمت ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنے فضل اور اپنی رحمت پر خوشی منانے کا حکم دیا اور محافلِ میلاد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادتِ مبارکہ پر خوشی کا اظہار کیا جاتا ہے، اس دن مساجد کو سجایا جاتا ہے، چراغاں کیا جاتا ہے، اور کھانے پینے کی چیزیں بہ طورِ تبرک تقسیم کی

جاتی ہیں۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ﴿۴۵﴾ وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴿۴۶﴾ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ﴿۴۷﴾ (الاحزاب:۴۵۔۴۷)

اے نبی! ہم نے آپ کو گواہی دینے والا اور ثواب کی بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے ○ اور اللہ کے حکم سے اس کی طرف دعوت دینے والا اور روشن کرنے والا آفتاب بنا کر (بھیجا) ○ اور مومنوں کو بشارت دیجئے کہ ان کے لیے اللہ کا بہت بڑا فضل ہوگا ○

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَ يَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۶﴾ (المائدہ:۱۵۔۱۶)

بے شک آ گیا تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور روشن کتاب ○ اللہ اس کے ذریعہ سلامتی کے راستوں پر ان لوگوں کو چلاتا ہے جو اس کی رضا کی پیروی کرتے ہیں اور اپنے اذن سے ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے اور ان کو سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتا ہے ○

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَ هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۲۹﴾ (التوبہ:۱۲۸۔۱۲۹)

بے شک تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک عظیم رسول آ گئے ہیں، تمہارا مشقت میں پڑنا ان پر بہت شاق ہے، تمہاری فلاح پر وہ بہت حریص ہیں، مومنوں پر بہت شفیق اور نہایت مہربان ہیں ○ اب اگر یہ لوگ آپ سے منہ پھیرتے ہیں تو آپ کہہ دیں: مجھے اللہ کافی ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، میں نے اسی پر توکل کیا ہے اور وہ عرشِ عظیم کا مالک ہے ○

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَ لَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۪ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَ شَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿۱۵۹﴾ (آل عمران:۱۵۹)

سو اللہ کی عظیم رحمت سے آپ مسلمانوں کے لیے نرم ہو گئے اور اگر آپ تند خو اور سخت دل ہوتے تو وہ ضرور آپ کے پاس سے بھاگ جاتے، تو آپ ان کو معاف کر دیں اور ان کے لیے استغفار کریں اور (اہم) کاموں میں ان سے مشورہ لیں، اور جب آپ (کسی کام کا) عزم کر لیں تو اللہ پر توکل کریں، بے شک اللہ توکل کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے ○

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ (الانبیاء:۱۰۷)

اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے O

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ (آل عمران:۱۶۴)

بے شک اللہ نے مومنوں پر احسان فرمایا جب ان میں ان ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیجا جو ان پر اللہ کی آیات کی تلاوت کرتا ہے اور ان کے باطن کو صاف کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے، بے شک وہ اس سے پہلے ضرور کھلی گمراہی میں تھے O

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝ (بنی اسرائیل:۷۹)

عنقریب آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود پر فائز کرے گا O

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝ (الانشراح:۴)

اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کا ذکر بلند کر دیا O

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور آپ کی خصوصیت کے بیان میں قرآن مجید کی اور بھی بہت آیاتِ مقدسہ ہیں اور محافلِ میلاد میں ان آیات کی تلاوت کی جاتی ہے اور ان کی تشریح اور تفسیر کی جاتی ہے اور دراصل یہ تمام آیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محافلِ میلاد منانے کی اصل ہیں اور اس پر دلیل ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل اور خصائص پر مشتمل احادیث

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں بنو آدم کی بہترین صدیوں سے صدی بہ صدی مبعوث کیا گیا ہوں، حتیٰ کہ میں اس صدی میں آیا جس میں، میں ہوں''۔ (صحیح البخاری:۳۵۵۷، مسند احمد ج ۲ ص ۳۷۳)

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ حضرت آدم سے لے کر جن آباء کی پشتوں میں اور جن امہات کے ارحام میں آپ منتقل ہوتے رہے وہ سب خیر تھے، یعنی مومن اور صالح تھے۔ (الکوثر الجاری ج ۶ ص ۳۷۷، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب میں تمام آباء کرام مومن تھے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک خیر وہی ہوتا ہے جو مومن ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ (البقرہ:۲۲۱)

اور مسلمان غلام (آزاد) مشرک مرد سے بہتر ہے خواہ وہ تم کو اچھا لگتا ہو۔

(۲) حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے کنانہ کو پسند فرمالیا، اور کنانہ میں سے قریش کو پسند فرمالیا، اور قریش میں سے بنو ہاشم کو پسند فرمالیا، اور بنو ہاشم میں سے مجھے

پسند فرمالیا"۔ (صحیح مسلم: ۲۲۷۶، سنن ترمذی: ۳۶۰۵، مسند احمد ج ۴ ص ۱۰۷)

(۳) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں قیامت کے دن تمام اولادِ آدم کا سردار ہوں گا، اور سب سے پہلے میری قبر شق ہوگی اور میں سب سے پہلا شفاعت کرنے والا ہوں اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول ہوگی"۔
(صحیح مسلم: ۲۲۷۸، سنن ابوداؤد: ۴۶۷۳، سنن ترمذی: ۳۶۱۵، سنن دارمی: ۵۲، مسند احمد ج ۳ ص ۲)

(۴) حضرت عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ نے ان سے چند کلمات سنے، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے ہوئے، آپ نے پوچھا: میں کون ہوں؟ پس صحابہ نے کہا: آپ اللہ کے رسول ہیں، تو آپ نے فرمایا: میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں، بے شک اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا تو مجھ کو بہترین مخلوق میں رکھا، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے دو فرقے کر دیئے تو مجھ کو بہترین فرقہ میں رکھا، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے متعدد قبائل کیے تو مجھے بہترین قبیلہ میں رکھا، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو بہترین گھرانوں میں رکھا، پس مجھے بہترین گھر میں رکھا، پس میں سب سے بہترین شخص ہوں اور میرا گھرانہ سب سے بہترین ہے۔
(سنن ترمذی: ۳۶۰۷)

(۵) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ! آپ کے لیے نبوت کب واجب ہوئی؟ آپ نے فرمایا: جس وقت حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔ (سنن ترمذی: ۳۶۰۹)

(۶) حضرت العرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک خاتم النبیین لکھا ہوا تھا، اور اس وقت حضرت آدم علیہ السلام اپنی مٹی اور گارے میں تھے، اور میں عنقریب تمہیں اپنی ابتداء کے بارے میں بیان کروں گا، میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں، اور میں اپنی والدہ کا وہ خواب ہوں جو انہوں نے اس وقت دیکھا جس وقت میں پیدا ہوا، اور بے شک ان سے ایک نور نکلا جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے۔
(شرح السنۃ: ۳۶۲۶)

(۷) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے نکلے حتیٰ کہ ان کے قریب پہنچے اور آپ نے سنا کہ وہ آپس میں ذکر کر رہے تھے، بعض نے کہا: بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا، اور دوسرے نے کہا: اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کلیم بنایا، اور بعض نے کہا: پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے کلمہ اور اس کی روح ہیں، ایک اور نے کہا: حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے پسندیدہ بنایا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سامنے آگئے اور فرمایا: میں نے تمہاری باتیں اور تمہارے تعجب کو سنا، بے شک حضرت ابراہیم اللہ تعالیٰ کے خلیل ہیں اور وہ اسی طرح ہیں، اور بے شک حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے والے ہیں اور وہ اسی طرح ہیں، اور بے شک حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ روح ہیں اور اس کا کلمہ ہیں اور وہ اسی طرح ہیں، اور حضرت آدم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ ہیں اور وہ اسی طرح ہیں، سنو! میں اللہ تعالیٰ کا محبوب ہوں اور مجھے فخر نہیں ہے، اور میں قیامت کے دن حمد کا جھنڈا اٹھائے ہوئے ہوں گا، اس جھنڈے کے نیچے حضرت آدم اور ان کے ماسوا لوگ ہوں گے اور اس پر فخر نہیں ہے، اور میں قیامت کے دن سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں اور وہ ہوں جس کی شفاعت سب سے پہلے قبول کی جائے گی اور فخر نہیں ہے، اور میں وہ ہوں جو سب

سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹائے گا، پس اللہ تعالیٰ میرے لیے اس کو کھول دے گا، پس مجھے اس میں داخل فرمائے گا اور میرے ساتھ فقراء مومنین ہوں گے اور فخر نہیں ہے، اور میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک اکرم الاولین اور آخرین ہوں اور فخر نہیں ہے۔
(سنن ترمذی:۳۶۱۶، سنن دارمی:۴۷)

(۸) حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں تمام رسولوں کا قائد ہوں اور فخر نہیں ہے، اور میں تمام انبیاء علیہم السلام کا خاتم ہوں اور فخر نہیں ہے، اور میں سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں اور وہ ہوں جس کی شفاعت سب سے پہلے قبول کی جائے گی اور فخر نہیں ہے۔ (سنن دارمی:۴۹)

میں کہتا ہوں: اس حدیث کا یہ معنی بھی ہوسکتا ہے کہ یہ میرے فخر کرنے کی بات نہیں ہے کہ میں رسولوں کا قائد ہوں، فخر تو ان رسولوں کو کرنا چاہیے جنہیں مجھ ایسا قائد مل گیا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

(۹) حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے مکارم اخلاق کو پورا کرنے اور محاسنِ افعال کو مکمل کرنے کے لیے مبعوث فرمایا ہے۔ (شرح السنہ:۳۶۲۲)

(۱۰) حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مکہ میں جا رہا تھا، ہم اس کے بعض راستوں سے گزرے تو آپ کے سامنے جو بھی پہاڑ آتا یا درخت آتا تو وہ کہتا تھا السلام علیک یا رسول اللہ!۔ (سنن ترمذی:۳۶۲۶)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے میلاد کی خوشی منانے پر اللہ تعالیٰ کا انعام فرمانا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ عروہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا:

ثویبہ ابولہب کی باندی تھی اور ابولہب نے اس کو آزاد کر دیا تھا، پھر اس نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دودھ پلایا، پس جب ابولہب مر گیا تو اس کے بعض رشتہ داروں کو اس کی بری حالت دکھائی گئی، انہوں نے اس سے پوچھا: تمہارے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ ابولہب نے کہا: مجھے تمہارے بعد کوئی خیر نہیں ملی، البتہ میں نے اپنی اس انگلی سے اشارہ کر کے ثویبہ کو آزاد کیا تھا تو مجھے اس انگلی سے پلایا جاتا ہے۔
(صحیح البخاری:۵۱۰۱، ۵۱۰۶، ۵۱۰۷، ۲۶۵۳، صحیح مسلم:۱۴۴۹، سنن ابوداؤد:۲۰۵۶، سنن نسائی:۳۲۸۴، سنن ابن ماجہ:۱۹۳۹، مسند الحمیدی:۳۰۷، مصنف ابن ابی شیبہ:۲۸۸-۲۸۹، المعجم الکبیر للطبرانی:۹۰۴، مسند احمد ج۶ ص۲۹۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت کی وجہ سے ابولہب کافر کے عذاب میں تخفیف

علامہ محمد بن یوسف کرمانی شافعی متوفی ۷۸۶ھ، اس بحث میں لکھتے ہیں:

اگر تم یہ سوال کرو کہ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ کافر کو اس کے نیک عمل سے ثواب ہوتا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ قَدِمْنَاۤ اِلٰی مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾ (الفرقان:۲۳)
انہوں نے (اپنے زعم میں) جس قدر (نیک) کام کیے تھے ہم ان کی طرف قصد کریں گے اور ان کو فضا میں بکھرے ہوئے (غبار کے) باریک ذرے بنا دیں گے O

میں کہتا ہوں کہ کافر کو اس کا نیک عمل فائدہ نہیں پہنچاتا اور اس حدیث میں خواب کا ذکر ہے اور خواب دلیل نہیں ہے، اور برتقدیرِ تسلیم ہوسکتا ہے کہ جب نیک عمل کا تعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہو تو آپ کی خصوصیت کی وجہ سے اس کے عذاب میں

تخفیف ہو جاتی ہے جیسا کہ ابو طالب کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حسن عمل کی وجہ سے اس کے عذاب میں تخفیف ہوئی۔

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس بحث میں لکھتے ہیں:

ہو سکتا ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت ہو جیسا کہ ابو طالب کے عذاب میں بھی تخفیف کی گئی تھی۔

علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ یہ تخفیف ابولہب کے ساتھ خاص ہے اور جن کافروں کے متعلق حدیث میں تخفیف کا ثبوت ہے۔ بعض کفار کو ان کے نیک اعمال پر اجر عطا فرمانا محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور یہ عقل کے نزدیک محال نہیں ہے۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۲۶۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے میلاد کی خوشی میں ابولہب کا ثویبہ کو آزاد کرنا

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

سہیلی نے ذکر کیا کہ عباس نے بتایا: جب ابولہب مر گیا تو میں نے اس کو ایک سال بعد خواب میں برے حال میں دیکھا، اس نے کہا: تمہارے بعد مجھے کوئی راحت نہیں ملی مگر بے شک ہر پیر کے دن میرے عذاب میں تخفیف کر دی جاتی ہے، علامہ سہیلی نے کہا: اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیر کے دن پیدا ہوئے اور ثویبہ نے ابولہب کو آپ کی ولادت کی بشارت دی تو اس نے ثویبہ کو آزاد کر دیا۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۲۶۶، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

نواب صدیق حسن بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ لکھتے ہیں:

علامہ سہیلی نے کہا ہے: کہا گیا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیر کے دن پیدا ہوئے اور ثویبہ نے ابولہب کو آپ کی ولادت کی بشارت دی تو اس نے ثویبہ کو آزاد کر دیا۔ واللہ اعلم۔ (عون الباری لحل ادلۃ البخاری ج ۵ ص ۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ اس بحث میں لکھتے ہیں:

ابولہب کو اپنے انگوٹھے کے سوراخ سے دوزخ میں پانی پلایا گیا اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت ہے، ورنہ ابولہب کافر اس کا مستحق تھا کہ اس کو دوزخ میں انگوٹھے سے پانی پلایا جاتا اور اس کے عذاب میں تخفیف نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت ہے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۴ ص ۵۶، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی اس بحث میں لکھتے ہیں:

اور اس کو خصوصیت بھی قرار دیا جا سکتا ہے، کیونکہ اس واقعہ کا تعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھا جس کی وجہ سے ابولہب کے ساتھ یہ خصوصی رعایت کی گئی۔ (کشف الباری، کتاب فضائل القرآن ص ۱۹۴، مکتبہ فاروقیہ، کراچی، ۱۴۲۹ھ)

علامہ احمد بن محمد قسطلانی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

ابولہب کو اس کی موت کے بعد خواب میں دیکھا گیا تو اس سے پوچھا گیا: تمہارا کیا حال ہے؟ اس نے کہا: جہنم میں ہوں، لیکن ہر پیر کی رات میرے عذاب میں تخفیف کی جاتی ہے اور میں اپنی اس انگلی کو چوستا ہوں (چھنگلی کی طرف اشارہ کیا) اور یہ اس وجہ سے ہے کہ جب ثویبہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کی مجھے بشارت دی اور اس نے آپ کو دودھ پلایا تو میں نے اسے آزاد کر دیا تھا۔

علامہ ابن جزری فرماتے ہیں کہ وہ ابولہب جس کی مذمت میں قرآن مجید نازل ہوا اور اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کی

شب خوشی کی، اور اسے اس کے صلہ میں جہنم میں جزاء دی گئی تو وہ شخص جو مسلمان ہو، موحد ہو اور آپ کا امتی ہو، اگر وہ آپ کی ولادت کی خوشی منائے اور اپنی وسعت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں صدقہ وخیرات کرے تو اس کی جزاء کا کیا عالم ہوگا!

(المواہب اللدنیہ ج ا ص ۲۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

محفلِ میلاد کے جواز اور استحباب پر دلائل

ملا علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ نے محفلِ میلاد کے انعقاد کے جواز پر حسبِ ذیل دلائل پیش کیے ہیں:

(۱) ابولہب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پر خوشی کی اور ثویبہ کو آزاد کر دیا تو اس کی جزاء میں ہر پیر کے دن اس کے عذاب میں تخفیف کی جاتی ہے جیسا کہ صحیح البخاری میں ہے۔

(۲) نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے یومِ میلاد کی خود تعظیم فرماتے تھے اور اس عظیم نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا فرماتے تھے اور اس دن کی تعظیم کے لیے ہر پیر کے دن کا روزہ رکھتے تھے جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انعقادِ محفلِ نبوی میں اگرچہ تعظیم کی صورت مختلف ہے لیکن تعظیم کا معنی موجود ہے۔

(۳) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے میلاد پر خوشی کرنا قرآن مجید کا مطلوب ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝ (یونس:۵۸)

آپ کہیے: (یہ) اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کے سبب سے ہے، سو اس کی وجہ سے مسلمان خوشی منائیں، یہ اس (مال) سے کہیں بہتر ہے جس کو وہ (کفار) جمع کرتے ہیں O

اللہ تعالیٰ نے رحمت پر خوشی منانے کا حکم دیا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بڑی رحمت ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ (الانبیاء:۱۰۷)

اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے O

(۴) جس زمانہ میں کوئی عظیم دینی کام ہوا ہو، جب وہ زمانہ لوٹ کر آئے تو اس کی تعظیم کرنی چاہیے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس قاعدہ کو مقرر فرمایا، جب آپ نے یہود کو عاشورہ کا روزہ رکھتے دیکھا تو اس کا سبب معلوم کیا، اور جب بتایا گیا کہ وہ اس دن اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے روزہ رکھتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس دن ان کو قومِ فرعون سے نجات دی تھی، اس پر آپ نے فرمایا: ''تمہاری بہ نسبت موسیٰ علیہ السلام پر اللہ کی نعمت کا شکر ادا کرنے کے ہم مستحق ہیں''، آپ نے خود بھی روزہ رکھا اور روزہ رکھنے کا حکم دیا۔

(۵) محفلِ میلاد کی ہیئتِ اجتماعیہ ہر چند کہ بدعت ہے لیکن اس کی اصل عہدِ رسالت میں موجود تھی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے میلاد کا بیان فرمایا اور ارشاد فرمایا: ''میں اپنے والد ابراہیم (علیہ السلام) کی دعا ہوں، حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی بشارت ہوں، دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں (ایک حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ایک آپ کے والد حضرت عبداللہ)۔

(۶) محفلِ میلاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنے کا محرک، باعث اور سبب ہے اور جو چیز مطلوبِ شرعی کا سبب ہو وہ بھی شرعاً مطلوب ہوتی ہے۔

(۷) محفلِ میلاد میں آپ کے معجزات، کمالات اور آپ کی سیرت کا بیان ہوتا ہے اور ہمیں آپ کی سیرت پر عمل کرنے کا حکم ہے۔

(۸) جو شعراء صحابہ آپ کی مدح کرتے تھے اور نعتیہ اشعار پڑھتے تھے، آپ ان سے خوش ہوتے تھے اور ان کو انعامات سے

نوازتے تھے، سو جب محفلِ میلاد میں آپ کے شمائل اور فضائل کا بیان ہوگا اور نعت خوانی ہوگی تو آپ اس سے خوش ہوں گے اور آپ کی خوشی شرعاً مطلوب ہے۔

(۹) آپ کے معجزات اور سیرت کا بیان، آپ کے ساتھ ایمان کے کمال اور آپ کی محبت میں اضافہ کا موجب ہے، اور آپ کی محبت میں اضافہ شرعاً مطلوب ہے۔

(۱۰) محفلِ میلاد میں اظہارِ سرور، مسلمانوں کو کھانا کھلانا اور آپ کی تعریف کرنا ہے، یہ سب چیزیں آپ کی تعظیم کو ظاہر کرتی ہیں اور آپ کی تعظیم شرعاً مطلوب ہے۔

(۱۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن کی فضیلت یہ بیان فرمائی ہے کہ اس دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے تو جس دن آپ کا میلاد ہوا اس کی فضیلت کا کیا عالم ہوگا! جس جگہ کوئی نبی پیدا ہوا اس جگہ کی بھی شرعاً تعظیم ہے، کیونکہ بیت لحم کے پاس حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ سے کہا: دو رکعت نماز پڑھیں اور بتایا کہ یہ وہ جگہ ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔

(۱۲) تمام علماء اور تمام شہروں کے مسلمانوں نے محفلِ میلاد کو مستحسن قرار دیا ہے، اور حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: جس کام کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک اچھا ہے، اور جس کام کو مسلمان برا سمجھیں، وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک برا ہے، اس حدیث کی امام احمد نے روایت کی ہے۔

(۱۳) محفلِ میلاد میں ذکر کے لیے جمع ہونا، نعت خوانی کرنا، صدقہ و خیرات کرنا ان تمام کاموں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ہے اور یہ تمام کام سنت اور شرعاً مطلوب اور محمود ہیں۔

(۱۴) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ كُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ (ہود: ۱۲۰)

اور ہم آپ کو رسولوں کی تمام خبریں بیان فرماتے ہیں جن سے ہم آپ کے دل کو تسکین دیتے ہیں۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے واقعات سے ہم اپنے دل کی تسکین کے محتاج ہیں۔

(۱۵) ہر وہ چیز جو عہدِ رسالت میں نہ ہو، مطلقاً مذموم اور حرام نہیں ہے، بلکہ دلائلِ شرعیہ سے دیکھا جائے گا اگر اس میں کوئی مصلحتِ واجبہ ہوگی تو وہ کام واجب ہوگا، اسی طرح مستحب، مباح، مکروہ یا حرام ہوگا، اور یہ سب بدعت کی اقسام ہیں۔

(۱۶) جو کام صدرِ اول میں ہیئتِ اجتماعیہ کے ساتھ نہ ہو لیکن افراد کے ساتھ ہو تو وہ بھی مطلوبِ شرعی ہے کیونکہ جس کے افراد شرعاً مطلوب ہیں اس کی ہیئتِ اجتماعیہ بھی شرعاً مطلوب ہوگی۔

(۱۷) اگر ہر بدعت حرام ہو تو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا قرآن مجید جمع کرنا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تراویح کی جماعت کا اہتمام کرنا اور تمام علومِ نافعہ کی تصنیف حرام ہو جائے گی، اور ہم پر واجب ہوگا کہ ہم تیر کمان اور تلواروں کے ساتھ کفار سے جنگ کریں اور بندوقوں اور توپوں سے جنگ کرنا حرام ہو، اور میناروں پر اذان دینا، سرائے اور مدارس بنانا، ہسپتال اور یتیم خانے تعمیر کرنا سب حرام ہو جائیں۔ اس وجہ سے وہ نیا کام حرام ہوگا جس میں برائی ہو کیونکہ ایسے بہت سے کام ہیں کہ جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سلف صالحین میں سے کسی نے نہیں کیا مثلاً تراویح میں ختمِ قرآن، ختمِ قرآن کی دعا، ستائیسویں شب کو امام الحرمین کا خطبہ دینا وغیرہ۔

(۱۸) امام شافعی نے فرمایا کہ جو چیز کتاب یا سنت یا اجماع یا اقوال صحابہ کے خلاف ہو، وہ بدعت ہے اور جو نیک کام ان کے مخالف نہ ہو وہ محمود ہے۔

(۱۹) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اسلام میں اچھا کام کیا اور بعد والوں نے اس پر عمل کیا تو اس کو ان کاموں کا اجر ملے گا اور ان کے اجور میں کمی نہیں ہوگی۔

(۲۰) جس طرح حج کے افعال مثلاً صفا ومروہ کی دوڑ صالحین کی یاد تازہ کرنے کے لیے مشروع ہیں، اسی طرح محفلِ میلاد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد تازہ کرنے کے لیے مشروع ہے۔ (المولد الروی فی المولد النبوی ص ۱۷۔۹، مطبوعہ المدینۃ المنورہ، ۱۴۰۰ھ)

علامہ ابن الجوزی حنبلی کے رسالہ میلاد کی تلخیص

علماء یہود یعنی احبار نے آپ کی تشریف آوری کی خبریں دیں اور اہل کتاب کے عابدوں اور راہبوں نے آپ کے ظہور وسراپا سرور کی بشارتیں دیں اور ہاتف غیبی نے آپ کے ذکر مبارک، ولادت باسعادت کی منادی کی اور جنات آپ کی نبوت ورسالت پر ایمان لائے اور رب تعالیٰ کی نشانیاں آپ کے اسم گرامی کے ساتھ ناطق ہوئیں اور بادشاہوں کے محلات میں زلزلہ پڑا اور دریائے سماوہ جو آپ کی ولادت کے وقت خشک ہوگیا اور دریائے ساوہ جو پہلے سے خشک تھا بوقت ولادت جاری ہوگیا، بہ کثرت چشمے جاری ہوئے اور جوش مارنے لگے، شاہِ فارس کا محل پھٹ گیا اور اس کے کنکرے گر پڑے، ساتوں آسمانوں کے فرشتوں نے خوشیاں منائیں اور آپ کے نور سے فضاءِ آسمانی بھر گئی اور شہابِ ثاقب نے چھپ کر سننے والے (سرکش شیاطین وجنات) کو سنگسار کیا اور خود ابلیس نے اپنے اوپر یاویلا یاثبورا (اے میری تباہی، میری خرابی) کا شور مچایا۔

(رسالہ مولود العروس الشہیر بالجوزی، المکتبۃ الثقافیہ، بیروت، لبنان)

میلاد کے متعلق مشہور غیر مقلد نواب صدیق حسن بھوپالی کے رسالہ (الشمامۃ العنبریہ من مولد خیر البریۃ) کی تلخیص

اس رسالہ کی حسبِ ذیل عبارات قابلِ توجہ اور لائقِ استدلال ہیں:

(۱) عباراتِ سابقہ سے اظہارِ فرح میلاد نبوی پر پایا جاتا ہے سو جس کو حضرت کے میلاد کا حال سن کر فرحت حاصل نہ ہو اور شکر خدا کا حصول پر اس نعمت کے نہ کرے وہ مسلمان نہیں۔

(۲) ''سرور المحزون'' میں کہا ہے کہ بحیرا نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ یہ رسول رب العالمین ہے، اللہ اس کو رحمت عالمین قرار دے کر بھیجے گا، جب تم مسلمان آئے تو کوئی پتھر اور درخت باقی نہ رہا مگر اس نے سجدہ کیا، حالانکہ عموماً پتھر اور درخت کسی کو سجدہ نہیں کرتے مگر پیغمبر کی صفت کا ذکر ہم اپنی کتاب میں پاتے ہیں۔

(۳) ان کو علمِ اول وآخر دیا گیا، ان پر خزائن ہر شئے کے کھول دیے گئے یہاں تک کہ خزینۂ علم بھی۔

(۴) آپ کی قضائے حاجت کا اثر دیکھا نہ گیا بلکہ زمین اس کو نگل جاتی تھی وکذالک الانبیاء، رات کو بھوکے سوتے اور صبح کو طاعم اٹھتے، اللہ آپ کو جنت سے کھلاتا پلاتا، قبر میں آپ کو ضغطہ نہ ہوا وکذالک الانبیاء، حالانکہ اس ضغطۃ سے کوئی صالح وغیرہ سالم

نہیں رہتا، اور نہ سباع (درندے) آپ کا جسد کھا سکتے ہیں و کذالک الانبیاء، آپ زندہ ہیں اپنی قبر میں اور نماز پڑھتے ہیں اندر اس کے اذان اور اقامت کے ساتھ و کذالک الانبیاء، لہٰذا یہ بات کہی گئی کہ آپ کی ازواج پر عدت نہیں ہے، اور آپ کی قبر پر ایک فرشتہ مقرر ہے جو صلوٰۃ مصلین آپ کو پہنچاتا ہے اللھم صل علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ آلہ وبارک وسلم، اعمال امت کے آپ پر عرض کیے جاتے ہیں، آپ امت کے لیے استغفار کرتے ہیں۔

(۵) شب بعثت میں سنگ و درخت نے آپ کو سلام کیا اور کہا: السلام علیک یا رسول اللہ۔

(۶) سنگریزے آپ کے ہاتھ میں تسبیح کرتے، گوشت زہر آلود نے خبر دی کہ مجھ میں زہر ملا ہوا ہے، ایک شتر (اونٹ) نے شکایت کی کہ میرے مالک مجھ کو چارہ کم دیتے ہیں اور کام بہت لیتے ہیں، ایک مادہ آہو (ہرنی) نے کہا: مجھے چھوڑ دو کہ میں اپنے بچے کو جا کر دودھ پلا آؤں، حضرت نے اس کو رہا کرا دیا اور وہ دودھ پلا کر آ گئی۔

(۷) شیخ محمد طاہر نے مجمع البحار میں حالات آنحضرت اجمالاً تا یومِ وفات اپنی سیرت میں علیحدہ ذکر کیے ہیں لیکن جو کچھ اس رسالہ میں لکھا گیا ہے وہ بہ نسبت اس کے زیادہ ہے، اسی طرح امام یافعی نے ''مراۃ الجنان'' میں اور مغلطائی نے اپنی سیرت میں بہت اچھی طرح سیر نبوی کا ذکر کیا ہے اور کتبِ مستقلہ مطولہ اس بیان میں علیحدہ تالیف ہوئے ہیں، مشتاقان کمال و جمال نبوی کو لازم ہے کہ بعد دریافت فضائل میلاد شریف اس عمل میں کوشش کریں کہ صورت و سیرت و سمت میں جناب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی موافقت حاصل ہو۔

(۸) اللہ تعالیٰ ہم کو اور جملہ اہلِ اسلام کو ایسی توفیق خیر رفیق حال کرے کہ ہم ہر روز کسی قدر ذکرِ میلاد شریف کتب معتبرہ سے خود پڑھیں یا کسی محب صادق متبع واثق سے سن لیا کریں، فقط کسی یوم و ماہ و کسی تاریخ معین پر قصر نہ کریں۔ (الشمامۃ العنبریہ من مولد خیر البریہ)

محفلِ میلاد کے متعلق حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی تصریحات

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی فرماتے ہیں:

(۱) اور مشرب فقیر کا یہ ہے کہ محفلِ مولد میں شریک ہوتا ہوں بلکہ ذریعہ برکات سمجھ کر ہر سال منعقد کرتا ہوں اور قیام میں لطف و لذت پاتا ہوں۔ (فیصلہ ہفت مسئلہ ص ۵، مدنی کتب خانہ، گنپت روڈ لاہور)

(۲) حاجی امداد اللہ مہاجر مکی لکھتے ہیں:

ہمارے علماء مولد شریف میں بہت تنازعہ کرتے ہیں تاہم علماء جواز کی طرف بھی گئے ہیں، جب صورت جواز کی موجود ہے پھر کیوں ایسا تشدد کرتے ہیں، اور ہمارے واسطے اتباع حرمین کافی ہے، البتہ وقت قیام کے اعتقاد تولد کا نہ کرنا چاہیے، اگر احتمال تشریف آوری کیا جائے مضائقہ نہیں، کیونکہ عالم خلق مقید بہ زمان و مکان ہے لیکن عالم امر دونوں سے پاک ہے، پس قدم رنجہ فرمانا ذات بابرکات کا بعید نہیں۔ (شمائم امدادیہ ص ۵۰، مدنی کتب خانہ، ملتان، ۱۴۰۵ھ)

عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جواز اور محفلِ میلاد کے انعقاد کے ثبوت میں ہم نے قرآن و حدیث سے دلائل پیش کیے ہیں اور مسلم اکابر اسلام کی تصریحات بیان کی ہیں اور مخالفین کے پیشواؤں کی عبارات بھی ذکر کی ہیں، اور حسنِ اتفاق یہ ہے کہ جس وقت میں یہ سطور لکھ رہا ہوں یہ ماہِ ربیع الاول کے ایام ہیں اور آج پندرہ (۱۵) ربیع الاول ہے، میں نے جو کچھ بھی تحریر کیا ہے وہ اپنے آقا سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں تحریر کیا ہے، اللہ تعالیٰ میری اس محبت، کاوش اور اس تحریر کو قبول فرمائے اور تمام اہلِ اسلام کو اس

پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

۷۲۶۹۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ أَنَّهُ سَمِعَ عُمَرَ الْغَدَ حِينَ بَايَعَ الْمُسْلِمُونَ أَبَا بَكْرٍ وَاسْتَوَى عَلَى مِنْبَرِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ تَشَهَّدَ قَبْلَ أَبِي بَكْرٍ فَقَالَ أَمَّا بَعْدُ فَاخْتَارَ اللَّهُ لِرَسُولِهِ ﷺ الَّذِي عِنْدَهُ عَلَى الَّذِي عِنْدَكُمْ وَهَذَا الْكِتَابُ الَّذِي هَدَى اللَّهُ بِهِ رَسُولَكُمْ فَخُذُوا بِهِ تَهْتَدُوا وَإِنَّمَا هَدَى اللَّهُ بِهِ رَسُولَهُ۔

(صحیح البخاری: ۷۲۱۹، ۷۲۶۹)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از عقیل از ابن شہاب، وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سنا اس کے اگلے دن جس دن مسلمانوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بیعت کی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے منبر پر سیدھے بیٹھ گئے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پہلے انہوں نے کلمہ شہادت پڑھا، پھر کہا: حمد و صلوٰۃ کے بعد! اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے لیے تمہاری دنیا کے اوپر اس اجر و ثواب کو پسند فرمالیا جو اس کے پاس ہے اور اس کتاب کو پسند فرمالیا جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے تمہارے رسول ﷺ کو ہدایت دی ہے، سو تم اس کتاب کو مضبوطی سے پکڑ لو، سو تم ہدایت پر رہو گے، اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو اسی کتاب کے ساتھ ہدایت دی تھی۔

صحیح البخاری: ۷۲۱۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "الغد" یعنی جس دن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بعض صحابہ نے بیعت کی تھی، اس کے اگلے روز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بیان کیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۳۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۲۷۰۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ عَنْ خَالِدٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ ضَمَّنِي إِلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ وَقَالَ اللَّهُمَّ عَلِّمْهُ الْكِتَابَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وہیب نے حدیث بیان کی از خالد از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے مجھے اپنے جسم مبارک کے ساتھ لپٹایا اور یہ دعا کی: "اے اللہ! اس کو کتاب کا علم عطا فرما"۔

(صحیح البخاری: ۷۵، ۱۴۳، ۳۷۵۶، ۷۲۷۰، صحیح مسلم: ۲۴۷۷، سنن ترمذی: ۳۸۲۴، سنن ابن ماجہ: ۱۶۶)

صحیح البخاری: ۷۲۰۷، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے لیے دعاءِ مذکور کا سبب

اس کا سبب یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت الخلاء گئے تو میں نے آپ کے لیے پانی رکھ دیا، آپ نے پوچھا: یہ پانی کس نے رکھا؟ آپ کو خبر دی گئی تو آپ نے دعا کی: اے اللہ! اس کو دین میں سمجھ عطا فرما۔ (صحیح البخاری: ۱۴۳)

اور صحیح مسلم میں یہ اضافہ ہے کہ جب آپ بیت الخلاء سے باہر آئے تو آپ نے پوچھا: یہ پانی کس نے رکھا؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: میں نے! تو آپ نے دعا کی: اے اللہ! اس کو سمجھ عطا فرما۔ (صحیح مسلم: ۲۴۷۷)

اس دعا کا دوسرا سبب یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنی خالہ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رات کے معمولات دیکھنے کے لیے ایک رات گزاری، اس میں امام احمد نے یہ روایت کی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے کھڑے ہو گئے اور اس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ آپ نے مجھ سے فرمایا: کیا سبب ہے کہ میں تمہیں اپنے آگے کرتا تھا اور تم میرے پیچھے ہو جاتے تھے؟ تو میں نے کہا: کیا کسی امتی کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ نماز میں آپ کے آگے ہو جائے حالانکہ آپ اللہ کے رسول ہیں، تب آپ نے میرے لیے یہ دعا کی: اے اللہ! اس کے علم اور فہم میں اضافہ فرما۔

(فتح الباری ج ۱ ص ۲۶۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

میں کہتا ہوں کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے مسند احمد کی جس حدیث کا حوالہ دیا ہے، وہ مسند احمد ج ۱ ص ۳۳۰، طبع قدیم میں مذکور ہے۔

نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم و تکریم کا ثبوت

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکریم و تعظیم کرنا جائز اور صحیح ہے، اس عمل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوش ہوئے اور آپ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے لیے دعا فرمائی۔

اسی طرح ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنو عمرو بن عوف کے محلہ میں ان کے درمیان صلح کرانے کے لیے تشریف لے گئے، اس دوران نماز کا وقت آ گیا تو مؤذن کی درخواست پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھانا شروع کر دی، اثناء نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آ گئے اور آپ صفوں سے گزر کر پہلی صف میں کھڑے ہو گئے، پھر لوگوں نے ہاتھ پر ہاتھ مارے، اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز میں ادھر ادھر توجہ نہیں کرتے تھے، جب لوگوں نے بہت زیادہ ہاتھ پر ہاتھ مارے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ لیا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی طرف اشارہ کیا کہ تم کھڑے رہو، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے دونوں ہاتھ بلند کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس حکم پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پیچھے ہٹ کر صف میں کھڑے ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آگے بڑھ کر نماز پڑھا دی، نماز سے فارغ ہو کر آپ نے فرمایا: اے ابوبکر! جب میں نے تم کو نماز پڑھانے کا حکم دیا تھا، پھر تم کو کس چیز نے منع کیا تھا؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ابو قحافہ کے بیٹے کے لیے تو یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے نماز

پڑھانے کے لیے کھڑا ہو جائے۔ (صحیح البخاری: ۶۸۴، صحیح مسلم: ۴۲۱، سنن ابوداؤد: ۹۴۰، سنن نسائی: ۷۸۴)

اور تمام دنیا کے مسلمان جب نماز کے تشہد میں "السلام علیك ایها النبی و رحمة الله و برکاته" پڑھتے ہیں تو نماز میں آپ کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں، فقہاء نے لکھا ہے کہ آپ کو سلام کرنے کے قصد سے آپ کو نماز میں سلام کیا جائے نہ کہ حکایت معراج کے قصد سے، اور سلام تعظیم کے لیے کیا جاتا ہے۔

اس سے بھی معلوم ہوا کہ نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اور تکریم کی جاتی ہے۔

۷۲۷۱۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ صَبَّاحٍ حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ قَالَ سَمِعْتُ عَوْفًا أَنَّ أَبَا الْمِنْهَالِ حَدَّثَهُ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا بَرْزَةَ قَالَ إِنَّ اللهَ يُغْنِيكُمْ أَوْ نَعَشَكُمْ بِالْإِسْلَامِ وَبِمُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ وَقَعَ هَاهُنَا يُغْنِيكُمْ وَإِنَّمَا هُوَ نَعَشَكُمْ يُنْظَرُ فِي أَصْلِ كِتَابِ الِاعْتِصَامِ۔

(صحیح البخاری: ۷۱۱۲، ۷۲۷۱، مسند احمد: ۱۹۳۰۴)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن صباح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معتمر نے حدیث بیان کی، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عوف سے سنا کہ بے شک ابوالمنہال نے ان سے حدیث بیان کی، وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سبب سے تم کو غنی کر دیا یا تم کو سربلند کر دیا۔ ابوعبداللہ (امام بخاری) نے فرمایا: یہاں یغنیکم واقع ہوا ہے اور کتاب الاعتصام کی اصل میں نعشکم دیکھا جاتا ہے۔

۷۲۷۲۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ كَتَبَ إِلَى عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ مَرْوَانَ يُبَايِعُهُ وَأُقِرُّ لَكَ بِذَلِكَ بِالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ عَلَى سُنَّةِ اللهِ وَسُنَّةِ رَسُولِهِ فِيمَا اسْتَطَعْتُ۔

(صحیح البخاری: ۷۲۰۳، ۷۲۰۵، ۷۲۷۲، موطا امام مالک: ۱۸۴۳)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از عبد اللہ بن دینار، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے عبد الملک بن مروان کو خط لکھا کہ وہ اس کی بیعت کو قبول کرتے ہیں اور یہ لکھا کہ میں تمہارے احکام سنوں گا اور ان کی اطاعت کروں گا بشرطیکہ تمہارے احکام اللہ تعالیٰ کی سنت اور اس کے رسول کی سنت کے مطابق ہوں جہاں تک میں اس کی طاقت رکھوں۔

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کی سنت اور اس کے رسول کی سنت سے مراد اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی شریعت ہے یعنی میں تمہاری اطاعت صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے احکام کے مطابق کروں گا۔

۲۔ بَابُ: قَوْلِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم بُعِثْتُ بِجَوَامِعِ الْكَلِمِ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ "میں جوامع الکلم" کے ساتھ بھیجا گیا ہوں

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

جوامع الکلم کا معنی

اس حدیث میں جوامع الکلم کا لفظ ہے، یعنی ایسے کلمات جامعہ جن میں الفاظ کم ہوں اور ان کے معانی بہت زیادہ ہوں، اور اس کا حاصل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مختصر بات فرماتے تھے اور آپ کی بات کثیر معانی پر مشتمل ہوتی تھی، دوسرا قول یہ ہے کہ جوامع الکلم سے مراد قرآن مجید ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ اس حدیث میں فرمایا کہ ''میں جوامع الکلم کے ساتھ بھیجا گیا ہوں'' اور آپ قرآن مجید کے ساتھ بھیجے گئے تھے، اور قرآنِ مجید میں بھی الفاظ کم ہیں اور معانی بہت زیادہ ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۷۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۲۷۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ بُعِثْتُ بِجَوَامِعِ الْكَلِمِ وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَبَيْنَا أَنَا نَائِمٌ رَأَيْتُنِي أُتِيتُ بِمَفَاتِيحِ خَزَائِنِ الْأَرْضِ فَوُضِعَتْ فِي يَدِي قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ فَقَدْ ذَهَبَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَأَنْتُمْ تَلْغَثُونَهَا أَوْ تَرْغَثُونَهَا أَوْ كَلِمَةً تُشْبِهُهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدالعزیز بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم بن سعد نے حدیث بیان کی از ابن شہاب از سعید بن المسیب از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے جوامع الکلم کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے اور رعب کے ساتھ میری مدد کی گئی ہے، اور جس وقت میں سویا ہوا تھا تو میں نے خواب میں دیکھا کہ تمام روئے زمین کے خزانوں کی چابیاں لائی گئیں، پس ان کو میرے ہاتھ میں رکھ دیا گیا''۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چلے گئے اور تم ان خزانوں کو کھا رہے ہو، اور تم ان خزانوں کو حاصل کر رہے ہو اور ان کو پھیلا رہے ہو، یا اور کوئی کلمہ اس کے مشابہ فرمایا۔

(صحیح البخاری: ۲۹۷۷، ۶۹۹۸، ۷۰۱۳، ۷۲۷۳، صحیح مسلم: ۵۲۳، سنن نسائی: ۳۰۸۹، مسند احمد: ۷۵۵۷)

صحیح البخاری: ۷۲۷۳، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

''جوامع الکلم'' کا بیان

اس حدیث میں جوامع الکلم کا ذکر ہے، اس سے مراد قرآنِ مجید ہے، کیونکہ قرآن مجید کی ایک آیت کی متعدد تاویلات کے ساتھ مختلف معانی ہوتے ہیں، اور ہر معنی نیکی کی طرف ہدایت دیتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ (الانعام: ۳۸) ہم نے کتاب (لوحِ محفوظ) میں کسی چیز کو نہیں چھوڑا۔

کتاب کی تفسیر میں دو قول ہیں، ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد لوحِ محفوظ ہے یعنی ہم نے ہر چیز کو ام الکتاب میں لکھ دیا ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد قرآن مجید ہے، یعنی ہم نے تمہاری حاجت کی ہر چیز قرآن مجید میں بیان کر دی ہے، صراحتاً یا اجمالاً یا

دلالۃ، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (النحل:۸۹) اور ہم نے آپ پر ایسی کتاب نازل کی ہے جس میں ہر چیز کا روشن بیان ہے۔

قرآن مجید ہدایت کی کتاب ہے اور ہدایت کے لیے جن چیزوں کی ضرورت ہے، وہ سب قرآن مجید میں مذکور ہیں اور تمام اصول وفروع کا ذکر قرآن کریم میں ہے، پچھلی امتوں کے جن قصص اور واقعات کا قرآن عظیم میں ذکر ہے، وہ بھی ہدایت اور موعظت کے لیے ہے، اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ پھر سنت، اجماع اور قیاس کی بھی ضرورت نہیں ہونی چاہیے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جن چیزوں کا قرآن مجید میں صراحتاً ذکر نہیں ہے، ان کے حل کے لیے قرآن مجید نے سنت، اجماع اور قیاس کی طرف رجوع کرنے کی ہدایت دی ہے اور ان کا حجت ہونا قرآن مجید میں مذکور ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۱۹۹﴾ (الاعراف:۱۹۹) آپ عفو و درگزر کا طریقہ اختیار کیجیے اور نیکی کا حکم دیجیے اور جاہلوں سے اعراض کیجیے O

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے ساتھ سلوک کرنے کا صحیح اور معتدل طریقہ بیان فرمایا ہے، کیونکہ صالح اور نیک ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کے ساتھ ساتھ مخلوق کے ساتھ بھی نیک سلوک کیا جائے اور حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کی رعایت کی جائے۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی تو آپ نے فرمایا: اے عقبہ بن عامر! جو تم سے تعلق توڑے، تم اس سے تعلق جوڑو، اور جو تم کو محروم کرے، اس کو عطا کرو اور جو تم پر ظلم کرے، اس کو معاف کرو، میں دوبارہ ملاقات کے لیے گیا تو آپ نے فرمایا: اے عقبہ بن عامر! اپنی زبان پر قابو رکھو، اپنے گناہوں پر روؤ اور تمہارے گھر میں گنجائش رہنی چاہیے۔ (مسند احمد: ۱۷۴۵۸)

دنیا اور آخرت کی تدبیر اور معاش اور معاد کے انتظام کے لیے اگر صرف یہی آیت نازل ہوتی تو کافی تھی۔

علامہ ابن التین نے کہا ہے: جوامع الکلم سے مراد قرآن ہے، اللہ تعالیٰ نے اس میں کم الفاظ میں زیادہ معانی جمع کر دیئے ہیں، اسی طرح متکلم کی صفت میں کہا جاتا ہے کہ یہ جوامع الکلم کے ساتھ کلام کرتا ہے، یعنی اس کے کلام میں الفاظ کم ہیں اور معانی زیادہ ہیں۔

علامہ ابن شہاب نے لکھا ہے کہ الاسماعیلی نے ذکر کیا: مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ جوامع الکلم وہ ہیں جن میں اللہ تعالیٰ ان امور کثیرہ کو جمع فرما دیتا ہے جو پہلی کتابوں میں لکھے جاتے تھے، علامہ خطابی نے کہا ہے: جوامع الکلم کا معنی ہے کہ کلام مختصر ہو اور معانی زیادہ ہوں۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ کلام کی باریکیوں اور کلام کے دقائق کو کلام سے مستنبط کرنا اور نکالنا مستحسن ہے۔

روئے زمین کے خزانوں کی چابیوں کا بیان

اس حدیث میں مذکور ہے "مجھے روئے زمین کے خزانوں کی چابیاں دی گئی ہیں"۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ عرب کے پاس تمام امتوں کی بہ نسبت مال کم تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خوشخبری دی کہ عنقریب ان کے پاس کسریٰ اور قیصر کے اموال حاصل ہوں گے اور یہ لوگ، زمین کے خزانوں کے مالک ہو جائیں گے۔

علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ آپ کی مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے بعد آپ کی امت کو جو فتوحات عطا فرمائیں، اور جن بادشاہوں پر فتح حاصل ہوئی ان کے جمع شدہ خزانوں کو مسلمانوں نے حاصل کر لیا۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ بعد کے حکمران زمینوں سے خزانوں کو حاصل کریں گے اور اپنے عوام کو اس میں سے حصہ دیں گے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۱۸ ص ۱۰۷۔۱۰۸، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

ہاتھ میں چابیوں کا بیان

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

تعبیر بیان کرنے والوں نے کہا ہے کہ چابی کو خواب میں دیکھنے کی تعبیر مال، عزت، سلطنت، نیکی، علم اور حکمت ہے۔ پس جس شخص نے دیکھا کہ وہ چابی سے دروازہ کھول رہا ہے تو اس کی ضرورت اس سے پوری ہو گی جس کے ہاتھ سے اس کی ضرورت پوری ہو سکتی ہے۔ اور اگر اس نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں چابی ہے تو وہ عظیم سلطنت کو پائے گا، اور اگر وہ جنت کی چابی دیکھے تو وہ دین میں عظیم سلطنت کو پائے گا یا نیکی کے بہت اعمال کو پائے گا، یا حلال مال اور وراثت سے خزانہ کو پائے گا، اور اگر کعبہ کی چابی کو دیکھے تو اس کو سلطنت یا امامت حاصل ہو گی اور باقی چابیوں کو بھی اسی پر قیاس کرے۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ خواب میں کسی دروازہ کو کھولے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کی دعا قبول ہو گی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۲۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۲۷۴۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ سَعِيدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَا مِنَ الْأَنْبِيَاءِ نَبِيٌّ إِلَّا أُعْطِيَ مِنَ الْآيَاتِ مَا مِثْلُهُ أُومِنَ أَوْ آمَنَ عَلَيْهِ الْبَشَرُ وَإِنَّمَا كَانَ الَّذِي أُوتِيتُ وَحْيًا أَوْحَاهُ اللهُ إِلَيَّ فَأَرْجُو أَنِّي أَكْثَرُهُمْ تَابِعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

(صحیح البخاری: ۴۹۸۱، ۷۲۷۴، صحیح مسلم: ۱۵۲، مسند احمد: ۹۵۱۸)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدالعزیز بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از سعید از والد خود از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: انبیاء علیہم السلام میں سے ہر نبی کو اتنی آیات عطا کی گئیں جن کی مثل سے ایمان لایا جاتا یا جن کی مثل سے کوئی بشر ایمان لے آتا، اور مجھے جو چیز دی گئی ہے وہ وحی ہے جو اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی کی ہے، پس مجھے امید ہے کہ بے شک میرے پیروکار قیامت کے دن تمام انبیاء سے زیادہ ہوں گے۔

صحیح البخاری: ۷۲۷۴، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قرآن مجید کے عظیم معجزہ ہونے کا بیان

اس حدیث میں مذکور ہے "ہر نبی کو اتنی آیات دی گئیں جن کی مثل پر ایک بشر ایمان لا سکتا ہے"۔

اس حدیث میں آیات سے مراد معجزات ہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرا معجزہ اللہ تعالیٰ کی وحی ہے جو مجھ پر نازل کی گئی اور وہ قرآن مجید ہے، کیونکہ وہ واضح معجزہ پر مشتمل ہے، اور اس حدیث سے یہ مراد نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات قرآن مجید میں منحصر ہیں، اور نہ اس سے یہ مراد ہے کہ آپ کو وہ معجزات نہیں دیئے گئے جو آپ سے پہلے انبیاء علیہم السلام کو دیئے گئے تھے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ وحی الٰہی اور قرآن مجید عظیم معجزہ ہے جس کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مخصوص ہیں، کیونکہ ہر نبی کو خصوصیت سے وہ معجزہ دیا گیا جس کے ساتھ اس نے اپنی قوم کو للکارا، اور ہر نبی کا معجزہ اس کی قوم کے حال کے مناسب تھا، اور جب کہ فرعون کے زمانہ میں جادو کا بہت چرچا تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لاٹھی کا معجزہ دیا گیا اور ان کی لاٹھی نے جادوگروں کی تمام لاٹھیوں کو کھالیا، اور کسی اور کے لیے بعینہٖ یہ معجزہ واقع نہیں ہوا، اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کرتے تھے، مادرزاد اندھوں کو بینا کر دیتے تھے اور جس کو برص کی بیماری ہوتی اس کو شفا دیتے تھے، کیونکہ اس زمانہ میں اطباء اور حکماء کا انتہائی ظہور تھا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے عمل کی جنس سے ایسا معجزہ لے کر آئے جو ان کی قدرت میں نہ تھا، اسی طرح ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس زمانہ میں مبعوث ہوئے، اس زمانہ میں فصاحت و بلاغت انتہائی ظہور کے اوپر تھی، اس زمانہ میں آپ قرآن مجید کو لے کر آئے اور آپ نے اس زمانہ کے فصحاء و بلغاء کو للکارا کہ وہ اس قرآن کی کسی ایک سورت کی مثل بنا کر لائیں تو وہ اس پر قادر نہ ہوئے۔

دیگر انبیاء علیہم السلام کے معجزات ان کے زمانہ کے بعد ختم ہو گئے، اور قرآنِ مجید کا معجزہ قیامت تک باقی رہے گا، اور قرآن مجید اپنے اسلوب اور بلاغت میں اور غیب کی خبریں بیان کرنے میں معجزہ ہے، اور جو زمانہ بھی گزرا اس زمانہ کے متعلق قرآن مجید نے خبر دی۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ پچھلے انبیاء علیہم السلام کے معجزات حسی تھے، ان کو آنکھوں سے دیکھا جا سکتا تھا جیسے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی، اور قرآن مجید ایسا معجزہ ہے جس کا بصیرت سے مشاہدہ کیا جاتا ہے، کیونکہ جس چیز کو سر کی آنکھوں سے دیکھا جاتا ہے وہ ختم ہو جاتی ہے اور جس کا عقل سے مشاہدہ کیا جاتا ہے وہ باقی رہتی ہے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ قرآن مجید کا معجزہ چار قسم پر ہے:

(۱) قرآن مجید کی حسنِ تالیف اور اختصار کے ساتھ اس کے کلمات کا مرکب ہونا اور انتہائی بلیغ ہونا۔

(۲) اس کی بلاغت اس پائے کی ہے کہ عقول اس میں حیران ہیں، اور باوجود اس کے کہ ان کے پاس اس کا مقابلہ کرنے کے بہت وسائل میسر تھے پھر بھی وہ اس کا مقابلہ کرنے سے عاجز رہے۔

(۳) اس میں گزشتہ امتوں کے احوال اور گزشتہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شریعتوں کا بیان کیا گیا ہے جنہیں کوئی شخص از خود نہیں جان سکتا تھا۔

(۴) اس میں عہدِ رسالت سے لے کر قیامت تک ہونے والے واقعات کی خبریں بیان کی گئی ہیں۔ قرآن مجید نے پیشگوئی کی کہ یہود موت کی تمنا نہیں کریں گے اور ایسا ہی ہوا۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۵۶، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

قرآن وسنت میں جوامع الکلم کی مثالیں

نیز حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس حدیث کو اس حدیث کے بعد ذکر کیا ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جوامع الکلم کے ساتھ مبعوث کیے گئے ہیں، اس سے واضح ہوا کہ قرآن مجید بھی جوامع الکلم پر مشتمل ہے، علماء نے قرآنِ مجید میں جوامع الکلم کی مثال میں ان آیات کو ذکر کیا ہے:

(۱) وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (البقرہ:۱۷۹)

اور اے عقل مند لوگو! تمہارے لیے خون کا بدلہ (مشروع کرنے) میں زندگی ہے، تاکہ تم (ناحق قتل کرنے سے) بچو O

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(۲) وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَخْشَ اللّٰهَ وَ يَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ (النور:۵۲)

اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں اور اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں اور اس کی نافرمانی سے بچتے رہتے ہیں تو وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں O

اسی طرح درج ذیل احادیث بھی جوامع الکلم پر مشتمل ہیں:

(۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو عمل ہمارے عمل کے مطابق نہ ہو وہ مردود ہے۔ (صحیح البخاری ومسلم)

(۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہر وہ شرط جو کتاب اللہ میں نہ ہو، وہ باطل ہے۔ (صحیح البخاری ومسلم)

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب میں تمہیں کسی کام کا حکم دوں تو تم اس کام پر اپنی طاقت کے مطابق عمل کرو۔ (صحیح البخاری)

(۴) حضرت مقدام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کسی ابنِ آدم کا بھرا ہوا برتن اس کے پیٹ سے زیادہ برا نہیں ہے۔ اس حدیث کو سنن اربعہ نے روایت کیا ہے اور امام ابن حبان اور امام حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۴۱۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۲۔ بَابُ: اَلْاِقْتِدَاءِ بِسُنَنِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں کی اقتداء کرنے کا بیان

بابِ مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس سے مراد ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں کی اقتداء کرنا، یعنی ان کو قبول کرنا اور ان کے تقاضوں پر عمل کرنا۔ رہے رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، تو وہ امر اور نہی اور خبروں پر مشتمل ہیں، اور امر اور نہی کا حکم مستقل باب میں آئے گا اور رہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال، تو ان کا ذکر بھی مستقل باب میں آئے گا۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۴۱۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا۞ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اور ہمیں متقین کا امام بنادے O''

(الفرقان: ۷۴)

مجاہد نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ ہمیں ایسا امام بنادے کہ ہم اپنے سے پہلے متقی مسلمانوں کی اتباع کریں اور ہم اپنے بعد والوں کے امام ہو جائیں۔

امام ابن جریر نے کہا: اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جو متقی مسلمان تیری نافرمانی سے اجتناب کرتے ہیں اور تیرے عذاب سے ڈرتے ہیں، ہمیں ان کا امام بنادے، یہ سوال نہیں کیا کہ متقی لوگوں کو ان کا امام بنادے۔ (جامع البیان جز ۱۹ ص ۶۸)

اور امام ابن ابی حاتم نے روایت کی ہے: اور ہمیں ہدایت یافتہ امام بنادے تاکہ لوگ ہم سے ہدایت حاصل کریں اور ہم کو گمراہوں کا امام نہ بنا۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اہل سعادت کے متعلق فرمایا ہے:

وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا (الانبیاء: ۷۳) اور ہم نے ان کو امام بنادیا جو ہمارے حکم سے ہدایت دیتے تھے۔

اور اہل شقاوت کے متعلق فرمایا:

وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ (القصص: ۴۱) اور ہم نے ان کو (کافروں کا) امام بنادیا جو لوگوں کو دوزخ کی طرف بلاتے ہیں۔

اور ابن ابی حاتم میں روایت کی ہے کہ یہ مراد نہیں ہے کہ ہم تمام لوگوں کی امامت کریں، بلکہ مراد یہ ہے کہ ہم حلال اور حرام میں ان کے امام ہو جائیں اور لوگ حلال اور حرام کاموں میں ہماری اتباع کریں۔

امام بخاری نے بیان کیا:

قَالَ اَىِٕمَّةً نَقْتَدِىْ بِمَنْ قَبْلَنَا وَيَقْتَدِىْ بِنَا مَنْ بَعْدَنَا وَقَالَ ابْنُ عَوْنٍ ثَلَاثٌ اُحِبُّهُنَّ لِنَفْسِىْ وَلِاِخْوَانِىْ هٰذِهِ السُّنَّةُ اَنْ يَّتَعَلَّمُوْهَا وَيَسْاَلُوْا عَنْهَا وَالْقُرْاٰنُ اَنْ يَّتَفَهَّمُوْهُ وَيَسْاَلُوْا عَنْهُ وَيَدَعُوا النَّاسَ اِلَّا مِنْ خَيْرٍ۔

ہم کو ایسا امام بنادے کہ ہم اپنے پہلوں کی اقتداء کریں اور ہمارے بعد کے لوگ ہماری اقتداء کریں، اور ابن عون نے کہا: میں تین چیزوں کو اپنے لیے اور اپنے بھائیوں کے لیے پسند کرتا ہوں: یہ سنت جس کا لوگ علم حاصل کریں اور اس کے متعلق لوگ سوال کریں، اور قرآن جس کو لوگ سمجھیں اور اس کے متعلق سوال کریں، اور خیر کے سوا لوگوں کو چھوڑ دیں۔

امام بخاری کی تعلیق مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

امام بخاری نے کہا اور ابن عون نے بیان کیا:

ابن عون کا نام عبداللہ البصری ہے، یہ کم عمر تابعین میں سے ہیں، ان کی جو حدیث امام بخاری نے ذکر کی ہے اس کی ابن

القاسم اللالکائی نے سندِ موصول کے ساتھ کتاب السنۃ میں از القعنبی روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حماد بن زید سے سنا، وہ بیان کرتے تھے کہ ابنِ عون نے کہا: ''میں تین چیزوں کو اپنے لیے اور اپنے بھائیوں کے لیے پسند کرتا ہوں: یہ سنت جس کا لوگ علم حاصل کریں اور اس کے متعلق لوگ سوال کریں، اور قرآن جس کو لوگ سمجھیں اور اس کے متعلق سوال کریں، اور خیر کے سوا لوگوں کو چھوڑ دیں''۔

ابن عون نے جو کہا: یہ سنت، اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کی طرف اشارہ ہے اور یہ اشارہ نوعیہ ہے شخصیہ نہیں ہے۔

اور اس حدیث میں کہا کہ ''وہ اس سنت کا علم حاصل کریں اور اس کے متعلق سوال کریں''۔ اور یحییٰ بن یحییٰ نے اس اثر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ وہ اس سنت کی اتباع کریں اور اس کے تقاضا پر عمل کریں۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''اور قرآن جس کی وہ فہم حاصل کریں اور لوگوں سے اس کے متعلق سوال کریں''۔ اور یحییٰ کی روایت میں ہے کہ وہ اس میں غور وفکر کریں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''اور خیر کے سوا لوگوں کو چھوڑ دیں'' کیونکہ شر کو ترک کرنے میں بھی خیر کثیر ہے۔

علامہ کرمانی نے کہا: قرآن کے متعلق انہوں نے کہا کہ اس کی فہم حاصل کریں اور سنت کے متعلق کہا کہ اس کا علم حاصل کریں، کیونکہ غالب یہ ہے کہ مسلمان اپنی ابتدائی عمر میں قرآن کا علم حاصل کرتا ہے، لہٰذا اس کو قرآن مجید کی تعلیم کی وصیت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور صرف یہ وصیت کی کہ اس کے معنی کی فہم حاصل کرے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں: یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کا سبب یہ ہو کہ قرآنِ مجید وہ ہے جو دو گتوں کے درمیان جمع کیا گیا ہے، اور سنت اس وقت تک اس طرح جمع نہیں ہوئی تھی، پس سنت کے علم سے ابنِ عون نے ارادہ یہ کیا کہ وہ احادیث کو جمع کریں تا کہ ان کو سمجھنے پر قادر ہوں، اس کے برخلاف قرآنِ مجید پہلے سے ہی مجموع ہے، لہٰذا اس کی فہم کی طرف جلدی کریں۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۲۱۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۲۷۵۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَبَّاسٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ وَاصِلٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ قَالَ جَلَسْتُ إِلَى شَيْبَةَ فِي هٰذَا الْمَسْجِدِ قَالَ جَلَسَ إِلَيَّ عُمَرُ فِي مَجْلِسِكَ هٰذَا فَقَالَ لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ لَا أَدَعَ فِيهَا صَفْرَاءَ وَلَا بَيْضَاءَ إِلَّا قَسَمْتُهَا بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ قُلْتُ مَا أَنْتَ بِفَاعِلٍ قَالَ لِمَ قُلْتُ لَمْ يَفْعَلْهُ صَاحِبَاكَ قَالَ هُمَا الْمَرْءَانِ يُقْتَدَى بِهِمَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمرو بن عباس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرحمٰن نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از واصل از ابووائل، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں اس مسجد میں شیبہ کی طرف بیٹھا، انہوں نے بتایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ میرے پاس تمہاری اس بیٹھنے کی جگہ بیٹھے تھے، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے ارادہ کیا کہ میں کوئی دینار اور درہم نہ چھوڑوں مگر اس کو مسلمانوں کے درمیان تقسیم کردوں، میں نے کہا: آپ ایسا نہ کریں تو انہوں نے پوچھا کیوں؟ میں نے کہا: یہ کام آپ کے دو صاحبوں (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ) نے نہیں کیا،

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ دونوں ایسے مرد تھے جن کی اقتداء کی جاتی ہے۔

(صحیح البخاری: ۱۵۹۴، ۷۲۷۵، سنن ابوداؤد: ۲۰۳۱، سنن ابن ماجہ: ۳۱۱۶، مسند احمد: [illegible])

صحیح البخاری: ۷۲۷۵، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

کعبہ میں آئے ہوئے نذرانوں کو مسلمانوں کی ضروریات میں خرچ کرنے کا بیان

امام ابن ماجہ نے اپنی سند کے ساتھ ابووائل سے روایت کی ہے، انہوں نے بتایا کہ ایک مرد نے میرے ساتھ چند دراہم بیت اللہ کی طرف بہ طور ہدیہ بھیجے، پس میں بیت اللہ میں داخل ہوا اور شیبہ ایک کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے، میں نے ان کو وہ دراہم دیے، انہوں نے مجھ سے پوچھا: کیا یہ دراہم تمہاری ملکیت ہیں؟ میں نے کہا: نہیں! اور اگر یہ دراہم میری ملکیت ہوتے تو میں آپ کے پاس لے کر نہ آتا، انہوں نے کہا: اگر تم نے یہ کہا ہے تو بے شک حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسی جگہ کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے جہاں تم بیٹھے ہوئے ہو، اور انہوں نے کہا کہ میں یہاں سے نہیں نکلوں گا حتیٰ کہ کعبہ کے مال کو فقراء مسلمین کے درمیان تقسیم نہ کردوں، میں نے کہا: آپ یہ کام کرنے والے نہیں ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں ضرور یہ کام کروں گا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: تم کیوں منع کر رہے ہو؟ شیبہ نے کہا: اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ کو دیکھا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے، اور وہ اس مال کو فقراء میں خرچ کرنے کے لیے آپ سے زیادہ ضرورت مند تھے، پس انہوں نے اس کو خرچ نہیں کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسی طرح اٹھ کر چلے گئے۔ (سنن ابن ماجہ: ۳۱۱۶)

علامہ ابن ملقن لکھتے ہیں: اس کا جواب یہ ہے جیسا کہ علامہ ابن بطال نے بتایا کہ یہ بات معلوم ہے کہ ہر سال بادشاہ اموال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے پر فخر کرتے ہیں، تو امام بخاری نے یہ ارادہ کیا کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سونے اور چاندی کے خرچ کرنے کو درست سمجھا جن کو ضرورت مندوں پر وقف کیا جاتا تھا تو اسی طریقہ سے کعبہ کے پردوں کو بھی ضرورت مندوں پر تقسیم کرنا درست ہے۔

اور ظاہر یہ ہے کہ کعبہ کے پرانے پردوں کو تقسیم کرنا جائز ہے کیونکہ ان کو باقی رکھنے سے ان کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے بخلاف سونا چاندی وہ اگر باقی رہیں تو سونے اور چاندی اور دینار اور دراہم کے ضائع ہونے کا خطرہ نہیں ہے، اس لیے بہتر ہے کہ اس کو ضرورت مند فقراء کے درمیان تقسیم کردیا جائے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۱۱ ص ۳۴۴۔ ۳۴۵، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

کرسی پر بیٹھنے کا جواز

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''حضرت عمر رضی اللہ عنہ کعبہ میں کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے''، اس سے معلوم ہوا کہ کرسی پر بیٹھنا جائز ہے۔

(سعیدی غفرلہٗ)

صحیح البخاری: ۷۲۷۵، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حدیث کے مقابلہ میں اجتہاد کو ترک کرنا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نظریہ یہ تھا کہ کعبہ کے نذرانے میں جو دراہم اور دینار دیے جاتے ہیں ان کو کعبہ کے لیے نہ رکھا جائے، بلکہ ضرورت مند مسلمانوں کی ضروریات میں خرچ کر دیا جائے، لیکن جب ان کو یہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایسا نہیں کیا تو انہوں نے اپنے اجتہاد پر عمل نہیں کیا۔

اسی قسم کا قصہ حضرت عمر اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہما کے درمیان بھی واقع ہوا، امام عبد الرزاق اور عمر بن شبہ نے از حسن بصری روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارادہ کیا کہ وہ کعبہ کے خزانوں کو نکالیں اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ کر دیں، تو ان سے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ سے پہلے آپ کے دو صاحب (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ) گزر چکے ہیں، اگر اس کام میں کوئی فضیلت ہوتی تو وہ بھی یہ کام کرتے، اور امام عبد الرزاق کی ایک روایت میں مذکور ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! آپ کے لیے یہ کرنا جائز نہیں ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیوں؟ تو انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان اموال کو برقرار رکھا تھا۔

حق کی بات میں اکابر کا اصاغر کی طرف رجوع کرنا

میں کہتا ہوں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ کعبہ کے لیے جو سونے چاندی اور دراہم اور دینار کے نذرانے دیے جاتے ہیں، ان کو کعبہ کے لیے نہ رکھا جائے بلکہ عامۃ المسلمین کی ضروریات اور ان کے مفاد میں ان کو خرچ کر دیا جائے، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور اور عمر بن شبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کم مرتبہ کے تھے، لیکن جب انہوں نے یہ بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کعبہ کے لیے دیے ہوئے نذرانوں کو کعبہ ہی میں رکھا ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے قول کی طرف رجوع کر لیا، اور اس میں یہ دلیل ہے کہ انسان کو حق بات کی طرف رجوع کرنا چاہیے خواہ وہ اس سے کم درجہ کے لوگوں نے بتائی ہو۔ (سعیدی غفرلہٗ)

سونے چاندی کے ساتھ کعبہ کی تزیین اور غلافِ کعبہ کا بیان

علامہ ابن بطال نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارادہ یہ تھا کہ یہ مال بہت زیادہ ہے تو اس کو مسلمانوں کی ضروریات اور ان کے منافع میں تقسیم کر دیا جائے، پھر جب یہ ذکر کیا گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان اموال کو اسی طرح برقرار رکھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ رک گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس مال کو مسلمانوں کی ضروریات پر خرچ نہیں کیا، اس کی وجہ یہ تھی کہ جس مال کو کعبہ کے لیے پیش کیا گیا ہے، وہ وقف کے قائم مقام ہے، لہٰذا اس کو اس کی اصل سے تبدیل کرنا جائز نہیں ہے۔ اور صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے آپ نے فرمایا: اگر تمہاری قوم نئی نئی کفر سے نکلی ہوئی نہ ہوتی تو میں کعبہ کے خزانہ کو اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتا۔

کعبہ پر غلاف ڈالنے اور اس کو سونے چاندی سے مزین کرنے کے ثبوت میں یہ استدلال کیا گیا ہے کہ الولید بن عبد الملک کے ایام میں مسجدِ نبوی کی چھت کو سونے سے مزین کیا گیا اور اس پر عمر بن عبد العزیز نے انکار نہیں کیا اور نہ اپنے ایامِ خلافت میں اس کو

زائل کیا، پھر اس کے جواز پر اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ سونے اور چاندی کے استعمال کی تحریم کھانے پینے کے برتنوں کے لیے ہے اور مساجد کو آراستہ کرنا اس باب سے نہیں ہے۔

اور نیز کہا گیا ہے کہ کعبہ کو ریشم کے پردوں کے ساتھ مزین کرنا جائز ہے اور کعبہ کو سونے اور چاندی کے ساتھ مزین کرنا ان سے منقول نہیں ہے جن کی اقتداء کی جاتی ہے اور ولید بن عبدالملک کے فعل میں کوئی دلیل نہیں ہے۔ اور عمر بن عبدالعزیز نے جو اس پر انکار نہیں کیا تو ہوسکتا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہو کہ وہ انکار کرنے پر قادر نہ ہوں یا ولید کے دبدبہ کی وجہ سے وہ مرعوب ہوں۔

(فتح الباری ج ۳ ص ۱۶۳۔ ۱۶۴، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ ابن بطال نے کہا ہے: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارادہ یہ تھا کہ تمام مال کو مسلمانوں کی مصلحتوں میں خرچ کیا جائے، پھر جب ان سے شیبہ نے یہ ذکر کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کعبہ میں آئے ہوئے مال کو اس طرح خرچ نہیں کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی ایسا ہی کیا، کیونکہ انہوں نے یہ سمجھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اقتداء کرنا واجب ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: اس دلیل کا تتمہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کے لیے آئے ہوئے نذرانوں کو جو اپنی جگہ مقرر رکھا تھا، تو اس کا معنی یہ ہے کہ اس میں تغییر کرنا جائز نہیں ہے، پس آپ کی اقتداء کرنا واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بالعموم فرمایا ہے ''وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗ ۔۔۔ (الاعراف: ۱۵۷)'' (اور اس نور کی پیروی کی جو اس کے ساتھ نازل کیا گیا ہے)۔

اور رہے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، انہوں نے کعبہ کے لیے آئے ہوئے نذرانوں سے تعرض نہیں کیا کیونکہ ان کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی قول یا فعل ظاہر نہیں ہوا جو اس کے معارض ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان نذرانوں کو اپنے حال پر برقرار رکھا، اور اگر ان کے لیے کوئی ایسی دلیل ظاہر ہوتی تو وہ ضرور کعبہ کے لیے آئے ہوئے نذرانوں کو مسلمانوں کی ضرورتوں میں خرچ کرتے، خصوصاً اس لیے کہ اس وقت مال کی قلت تھی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں مال کی کثرت تھی، تو وہ اس بات کے زیادہ لائق تھے کہ ان نذرانوں میں تعرض نہ کریں اور ان کو کعبہ ہی کے لیے برقرار رہنے دیں۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۴۱۸، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۲۷۶۔ حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ سَأَلْتُ الْأَعْمَشَ فَقَالَ عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهْبٍ سَمِعْتُ حُذَيْفَةَ يَقُولُ حَدَّثَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَنَّ الْأَمَانَةَ نَزَلَتْ مِنَ السَّمَاءِ فِي جَذْرِ قُلُوبِ الرِّجَالِ وَنَزَلَ الْقُرْآنُ فَقَرَءُوا الْقُرْآنَ وَعَلِمُوا مِنَ السُّنَّةِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے الاعمش سے پوچھا: پس انہوں نے بیان کیا از زید بن وہب، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث بیان فرمائی کہ بے شک امانت آسمان سے لوگوں کے دلوں کی جڑ میں نازل ہوئی ہے، اور قرآن مجید نازل ہوا، پس انہوں نے قرآن مجید کو پڑھا اور سنت کا علم حاصل کیا۔

(صحیح البخاری: ۶۴۹۷، ۷۰۸۶، ۷۲۷۶، صحیح مسلم: ۱۴۳، سنن ترمذی: ۲۱۷۹، سنن ابن ماجہ: ۴۰۵۳، مسند احمد: ۲۲۷۴۴)

امانت کا مصداق

اس حدیث میں مذکور ہے: "ثم علموا من القرآن" یعنی جب ان کے دلوں کی جڑوں میں امانت نازل ہوگئی تو پھر ان کو قرآن مجید سے یہ علم ہوا، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ ۭ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا ۝ (الاحزاب: ۷۲)

بے شک ہم نے آسمانوں پر اور زمینوں پر اور پہاڑوں پر (اپنے احکام کی) امانت پیش کی تو انہوں نے اس امانت میں خیانت کرنے سے انکار کر دیا اور اس میں خیانت کرنے سے ڈرے اور انسان نے اس امانت میں خیانت کی بے شک وہ بہت ظلم کرنے والا بڑا جاہل ہے ۝

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس امانت سے مراد اللہ تعالیٰ کے مقرر کیے ہوئے فرائض ہیں۔ دوسرا قول ہے کہ اس امانت سے مراد اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے احکام ہیں اور جن کاموں سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ اور الواحدی نے اکثر مفسرین سے نقل کیا ہے کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی اطاعات اور عبادات ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "پھر انہوں نے سنت سے جانا" سنت سے مراد ہے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت اور حاصل معنی یہ ہے کہ امانت کا علم ان کو فطرت سے معلوم ہوا یا شریعت کا علم حاصل کرنے سے معلوم ہوا۔

۷۲۷۷۔ حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ أَخْبَرَنَا عَمْرُو بْنُ مُرَّةَ سَمِعْتُ مُرَّةَ الْهَمْدَانِيَّ يَقُولُ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ إِنَّ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَأَحْسَنَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم وَشَرَّ الْأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا ﴿إِنَّ مَا تُوعَدُونَ لَآتٍ ۙ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ ۝﴾

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم بن ابی ایاس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عمرو بن مرہ نے خبر دی، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے مرۃ الہمدانی سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بہترین کلام کتاب اللہ ہے، اور بہترین سیرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت ہے، اور سب سے برے کام دین میں نکالے ہوئے نئے نئے کام ہیں، (اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:)

"بے شک جس (روزِ قیامت) کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ ضرور آنے والا ہے اور تم (اللہ کو) عاجز کرنے والے نہیں ہو ۝" (الانعام: ۱۳۴)

(صحیح البخاری: ۶۰۹۸، ۷۲۷۷، مسند احمد: ۴۰۲۲، ۱۴، سنن نسائی: ۱۳۱۱، سنن ابن ماجہ: ۴۶، سنن دارمی: ۲۰۷)

بدعت کی اقسام

اس حدیث میں مذکور ہے "اور سب سے برے کام دین میں نکالے ہوئے نئے نئے کام ہیں"۔

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

بدعت کی پانچ اقسام ہیں: (۱) واجبہ (۲) مستحبہ (۳) محرمہ (۴) مکروہہ (۵) مباحہ۔

بدعتِ واجبہ کی مثال ہے: متکلمین کے وہ دلائل جو انہوں نے ملحدوں اور بدعتیوں کے رد پر قائم کیے ہیں۔

بدعتِ مستحبہ کی مثال ہے: علم کی کتابوں کی تصنیف کرنا، دینی مدارس اور سرائے وغیرہ بنانا۔

بدعتِ مباحہ کی مثال ہے: لباس اور طعام میں وسعت کو اختیار کرنا۔

بدعتِ مکروہہ کی مثال ہے: کسی مستحب کام کو دوام اور التزام کے ساتھ کرنا۔

اور بدعتِ حرام کی مثال ہے: جس کام کی اصل دین میں ثابت نہ ہو اس کام کو دین میں داخل کرلیا جائے اور اپنی طرف سے اس کا کوئی معین ثواب بیان کیا جائے جیسے ماتم کرنا، تعزیہ داری اور پیر دھونے کے بجائے پیروں پر مسح کرنا۔

(تہذیب الاسماء واللغات ج ۱ ص ۲۲۔ ۲۳، موسسۃ مطبوعات، ایران، ۱۳۶۴ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی بدعت کی یہی پانچ اقسام ذکر کی ہیں۔

(فتح الباری ج ۴ ص ۲۵۳، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، ۱۴۰۱ھ)

علماء دیوبند کے مشہور عالم شیخ شبیر احمد عثمانی نے بھی علامہ نووی کے حوالہ سے بدعت کی یہی پانچ اقسام لکھی ہیں۔

(فتح الملہم ج ۲ ص ۴۰۶، مطبوعہ مکتبۃ الحجاز، کراچی)

مشہور غیر مقلد عالم شیخ محمد بن علی شوکانی نے فتح الباری سے نقل کر کے بدعت کی یہی پانچ اقسام لکھی ہیں۔

(نیل الاوطار ج ۳ ص ۳۲۵، مکتبۃ الکلیات الازہریہ، ۱۳۹۸ھ)

صحیح البخاری: ۷۲۷۷، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں ''محدثات'' کا لفظ ہے، یہ محدثۃ کی جمع ہے، اس سے مراد وہ نیا کام ہے جس کی شریعت میں اصل نہ ہو اور شریعت کے عرف میں اس کو بدعت کہا جاتا ہے، اور جس چیز کی شریعت میں کوئی اصل ہو، وہ بدعت نہیں ہے، پس شریعت کے عرف میں بدعت مذمومہ ہے، اور بدعت کا لغوی معنی اس کے برخلاف ہے، کیونکہ ہر وہ چیز جس کو بغیر سابقہ مثال کے بنایا جائے وہ بدعت ہے خواہ وہ محمود ہو یا مذموم ہو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے ہمارے دین میں کوئی نئی چیز نکالی جس کی اصل ہمارے دین میں نہ ہو، تو وہ مردود ہے''۔ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے ''ہر بدعت گمراہی ہے''۔ اور حضرت العرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے ''تم نئے نئے کام نکالنے سے بچو، کیونکہ ہر بدعت گمراہی ہے''۔

اور اس حدیث کے شروع میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو بہت بلیغ وعظ فرمایا اور اس میں یہ جملہ ہے۔ اور اس حدیث کی امام احمد، امام ابوداؤد، امام ترمذی نے روایت کی ہے اور امام ابن ماجہ اور امام ابن حبان نے اور حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

امام شافعی نے کہا: بدعت کی دو قسمیں ہیں: بدعتِ محمودہ اور بدعتِ مذمومہ، پس جو بدعت سنت کے موافق ہو وہ محمود ہے، اور

جو بدعت سنت کے مخالف ہو وہ مذموم ہے۔

امام بیہقی نے امام شافعی سے روایت کی ہے کہ امام شافعی نے کہا: محدثات کی دو قسمیں ہیں، یعنی جو دین میں نیا کام نکالا گیا اس کی دو قسمیں ہیں۔ دین میں جو ایسا نیا کام نکالا گیا جو کتاب یا سنت یا آثارِ صحابہ یا اجماع کے خلاف ہو تو وہ بدعت ضلال ہے، اور جو دین میں ایسا نیا کام نکالا گیا جو ان میں سے کسی چیز کے مخالف نہ ہو تو وہ بدعتِ غیر مذمومہ ہے۔ انتہٰی۔

علامہ ابن عبدالسلام نے ''القواعد'' کے اخیر میں کہا ہے: بدعت کی پانچ قسمیں ہیں: ایک بدعتِ واجبہ ہے جیسا کہ علم نحو کے ساتھ مشغول ہونا جس سے اللہ تعالیٰ کے کلام اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو سمجھا جا سکے، کیونکہ شریعت کی حفاظت کرنا واجب ہے اور واجب کا مقدمہ واجب ہوتا ہے، اسی طرح مشکل الفاظ کے معانی بیان کرنا اور اصولِ فقہ کی تدوین، یہ بدعتِ واجبہ ہے، اور بدعتِ محرمہ وہ ہے جو سنت کے خلاف ہو جیسے القدریہ اور المرجۂ اور مشبہہ کے مذاہب۔ اور بدعتِ مستحبہ وہ ہے، ہر وہ نیک کام جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں معروف نہیں تھا جیسے تراویح کے لیے اجتماع اور دینی مدارس کا بنانا اور تصوف میں کلام کرنا اور مجالسِ مناظرہ منعقد کرنا، اور بدعتِ مباحہ جیسے صبح اور عصر کے بعد مصافحہ کرنا، اور کھانے پینے کی چیزوں میں توسّع اختیار کرنا، اسی طرح پہننے کی چیزوں میں، اور ان میں سے بعض کام مکروہ ہوتے ہیں یا خلافِ اولیٰ ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم

(فتح الباری ج ۸ ص ۴۱۸-۴۱۹، ملخصاً و ملتقطاً، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۲۷۸، ۷۲۷۹۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَزَيْدِ بْنِ خَالِدٍ قَالَ كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ لَأَقْضِيَنَّ بَيْنَكُمَا بِكِتَابِ اللهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الزہری نے حدیث بیان کی از عبید اللہ از حضرت ابو ہریرہ و زید بن خالد رضی اللہ عنہما، وہ دونوں بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے، پس آپ نے فرمایا: میں تم دونوں کے درمیان ضرور کتاب اللہ سے فیصلہ کروں گا۔

(صحیح البخاری: ۲۶۹۵، ۲۷۲۴، ۶۶۳۳، ۶۶۲۷، ۶۸۲۷، ۶۸۳۳، ۶۸۳۵، ۶۸۴۲، ۶۸۵۹، ۷۱۹۳، ۷۲۵۸، ۷۲۶۰، ۷۲۷۸، ۲۶۴۹، ۲۶۹۶، ۲۷۲۵، ۶۶۳۴، ۶۸۲۸، ۶۸۳۱، ۶۸۳۶، ۶۸۴۳، ۶۸۶۰، ۷۱۹۴، ۷۲۵۹، ۷۲۷۹، صحیح مسلم: ۱۶۹۸، سنن ترمذی: ۱۴۳۳، سنن نسائی: ۵۴۱۱، سنن ابوداؤد: ۴۴۴۵، سنن ابن ماجہ: ۲۵۴۹، مسند احمد: ۱۶۵۹۴)

جن حدیثوں کو امام بخاری نے اختصار سے روایت کیا ہے، ان کی مفصل روایت

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن عیینہ نے حدیث بیان کی از الزہری از عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ از حضرت ابو ہریرہ اور زید بن خالد الجہنی رضی اللہ عنہما، وہ دونوں بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، پس اس نے کہا: میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کہ آپ ہمارے درمیان اللہ کی کتاب کے ساتھ فیصلہ کریں، تو اس کا فریقِ مخالف کھڑا ہوا اور وہ پہلے سے زیادہ سمجھدار تھا، اس نے کہا: اس نے سچ کہا، آپ ہمارے درمیان اللہ کی کتاب سے فیصلہ فرمائیں، اور یا رسول اللہ! آپ مجھے اجازت دیں (کہ میں بات کروں)، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بات کرو، تو اس نے کہا: میرا بیٹا اس شخص کے ہاں مزدور تھا، اس نے اس شخص کی بیوی سے زنا کیا تو میں نے اس کی طرف سے ایک سو بکریاں اور ایک خادم فدیہ میں دے دیے، اور میں نے اہلِ علم میں سے مردوں سے سوال کیا تو انہوں نے مجھے خبر دی کہ میرے بیٹے پر ایک سو کوڑے مارے جائیں گے اور ایک سال کے لیے شہر بدر کیا جائے گا، اور بے شک اس شخص کی بیوی کو رجم کیا جائے گا، تو آپ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! میں ضرور تم دونوں کے درمیان اللہ کی کتاب سے فیصلہ کروں گا، سو بکریاں اور خادم تم کو واپس دیے جائیں گے، اور تمہارے بیٹے پر سو کوڑے مارے جائیں گے اور ایک سال کے لیے شہر بدر کیا جائے گا، اور اے اُنیس! تم صبح کو اس شخص کی بیوی کے پاس جاؤ اور اس سے سوال کرو، پس اگر وہ اعتراف کر لے تو اس کو رجم کر دینا، پس اس عورت نے اعتراف کر لیا تو انہوں نے اس کو رجم کر دیا۔

(صحیح البخاری: ۲۳۱۴، ۲۳۱۵، صحیح مسلم: ۱۶۹۸، سنن ترمذی: ۱۴۳۳، سنن نسائی: ۵۴۱۱، سنن ابوداؤد: ۴۴۴۵، سنن ابن ماجہ: ۲۵۴۹، مسند احمد: ۱۶۵۹۴، موطا امام مالک: ۱۵۵۶، سنن دارمی: ۲۳۱۷)

حدیث مذکور کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اگر کوئی شخص زنا کا اقرار کرلے تو پھر اس کو اقرار سے رجوع کی پیش کش کرنی چاہیے یا نہیں؟

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''اگر وہ عورت زنا کرنے کا اعتراف کرلے تو تم اس کو رجم کر دینا'' اس میں یہ دلیل ہے کہ جو شخص زنا کا اعتراف کرلے اس کو رجم کر دینا چاہیے۔ بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ جو شخص اپنے اقرار سے رجوع کرلے اس سے حد ساقط ہو جاتی ہے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ عالم نہیں ہیں۔

اور اس مسئلہ میں اختلاف ہے، اور جو شخص حقیقت میں سنت کی اتباع کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے لیے اس بات کی ضرورت نہیں ہے کہ کسی اقرار کرنے والے پر حد اس وقت قائم کی جائے گی جب کہ وہ اپنے اقرار سے رجوع نہ کرے، کیونکہ اگر ہم اس کو جائز قرار دیں تو آج ایک شخص اقرار کرے گا اور کل انکار کر دے گا۔

اور شیخ ابن تیمیہ نے کہا ہے: اگر اقرار کرنے والے کے رجوع کا اعتبار کیا جائے تو دنیا میں کبھی بھی حد قائم نہیں کی جائے گی، کیونکہ ہر انسان جب یہ دیکھے گا کہ اس کو سنگسار کیا جا رہا ہے اور اس کو پتھر لگ رہے ہیں تو وہ اپنے طبعی تقاضا سے بھاگے گا یا دیکھے گا کہ اس کو کوڑے مارے جا رہے ہیں تو تب بھی وہ اپنے طبعی تقاضا سے بھاگے گا، اور ہر انسان اس بات پر قادر ہے کہ وہ کہے گا کہ میں اپنے اقرار سے رجوع کرتا ہوں حتیٰ کہ اس سے حد اٹھالی جائے، اور اس سے فساد لازم آئے گا ایسا فساد جس کو رب العباد کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کو اقرار سے رجوع کرنے کی پیش کش کی تھی تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ آپ نے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ پر حد جاری کرنے کے فیصلہ سے پہلے پیش کش کی تھی، اور جب یہ فیصلہ فرما دیا تو پھر ان کو یہ پیشکش نہیں کی۔ (شرح صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۳۹، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۷۲۸۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ حَدَّثَنَا فُلَيْحٌ حَدَّثَنَا هِلَالُ بْنُ عَلِيٍّ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ كُلُّ أُمَّتِي يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ أَبَى قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ وَمَنْ يَأْبَى قَالَ مَنْ أَطَاعَنِي دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ أَبَى۔ (مسند احمد: ۸۵۱۱)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن سنان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں فلیح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہلال بن علی نے حدیث بیان کی از عطاء بن یسار از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرا ہر امتی جنت میں داخل ہوگا سوا اس کے جس نے انکار کیا، صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! اور کون انکار کرے گا؟ آپ نے فرمایا: جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی، پس بے شک اس نے انکار کیا۔

صحیح البخاری: ۷۲۸۰، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

انکار کرنے والوں کا بیان

بہ ظاہر اس حدیث میں عموم مراد ہے، کیونکہ آپ کے ہر امتی کو جنت میں داخل ہونے سے مانع صرف یہ چیز ہے کہ وہ انکار کرے، اور انکار کرنے سے مراد یہ ہے کہ وہ آپ کی سنت پر عمل کرنے سے انکار کرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرے، اور اس سے پہلے کتاب الاحکام میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ حدیث گزر چکی ہے:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ نے خبر دی از یونس از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے ابوسلمہ بن عبد الرحمٰن نے خبر دی، وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کرلی، اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کرلی، اور جس نے میرے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی، اور جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔

(صحیح البخاری: ۲۹۵۷، ۷۱۳۷، صحیح مسلم: ۱۸۳۵، سنن نسائی: ۴۱۹۳، سنن ابن ماجہ: ۲۸۵۹، مسند احمد: ۱۰۲۵۹)

نیز حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

انکار کرنے والا اگر کافر ہے تو وہ اصلاً جنت میں داخل نہیں ہوگا اور اگر مسلمان ہے تو وہ ابتداءً مسلمانوں کے ساتھ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۴۱۹، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۲۸۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبَادَةَ أَخْبَرَنَا يَزِيدُ حَدَّثَنَا سَلِيمُ بْنُ حَيَّانَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مِينَاءَ حَدَّثَنَا أَوْ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ يَقُولُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن عبادہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یزید نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں سلیمان بن حیان نے حدیث بیان کی اور

جَاءَتْ مَلَائِكَةٌ إِلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم وَهُوَ نَائِمٌ فَقَالَ بَعْضُهُمْ إِنَّهُ نَائِمٌ وَقَالَ بَعْضُهُمْ إِنَّ الْعَيْنَ نَائِمَةٌ وَالْقَلْبَ يَقْظَانُ فَقَالُوا إِنَّ لِصَاحِبِكُمْ هَذَا مَثَلًا فَاضْرِبُوا لَهُ مَثَلًا فَقَالَ بَعْضُهُمْ إِنَّهُ نَائِمٌ وَقَالَ بَعْضُهُمْ إِنَّ الْعَيْنَ نَائِمَةٌ وَالْقَلْبَ يَقْظَانُ فَقَالُوا مَثَلُهُ كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنَى دَارًا وَجَعَلَ فِيهَا مَأْدُبَةً وَبَعَثَ دَاعِيًا فَمَنْ أَجَابَ الدَّاعِيَ دَخَلَ الدَّارَ وَأَكَلَ مِنَ الْمَأْدُبَةِ وَمَنْ لَمْ يُجِبِ الدَّاعِيَ لَمْ يَدْخُلِ الدَّارَ وَلَمْ يَأْكُلْ مِنَ الْمَأْدُبَةِ فَقَالُوا أَوِّلُوهَا لَهُ يَفْقَهْهَا فَقَالَ بَعْضُهُمْ إِنَّهُ نَائِمٌ وَقَالَ بَعْضُهُمْ إِنَّ الْعَيْنَ نَائِمَةٌ وَالْقَلْبَ يَقْظَانُ فَقَالُوا فَالدَّارُ الْجَنَّةُ وَالدَّاعِي مُحَمَّدٌ صلی اللہ علیہ وسلم فَمَنْ أَطَاعَ مُحَمَّدًا صلی اللہ علیہ وسلم فَقَدْ أَطَاعَ اللهَ وَمَنْ عَصَى مُحَمَّدًا صلی اللہ علیہ وسلم فَقَدْ عَصَى اللهَ وَمُحَمَّدٌ صلی اللہ علیہ وسلم فَرْقٌ بَيْنَ النَّاسِ تَابَعَهُ قُتَيْبَةُ عَنْ لَيْثٍ عَنْ خَالِدٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي هِلَالٍ عَنْ جَابِرٍ خَرَجَ عَلَيْنَا النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (سنن ترمذی: ۲۸۶۰)

انہوں نے اس کی تعریف کی، انہوں نے کہا: ہمیں سعید بن میناء نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حدیث بیان کی یا کہا: میں نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا کہ فرشتے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ اس وقت سوئے ہوئے تھے، پس بعض فرشتوں نے کہا کہ یہ سوئے ہوئے ہیں، اور دوسرے بعض فرشتوں نے کہا کہ آنکھ سوئی ہوئی ہے اور دل بیدار ہے، پس انہوں نے کہا: تمہارے اس صاحب کی ایک مثال ہے، پس اس کی وہ مثال بیان کرو، پس بعض فرشتوں نے کہا: وہ سوئے ہوئے ہیں اور دوسرے بعض فرشتوں نے کہا کہ آنکھ سوئی ہوئی ہے اور دل بیدار ہے، پس انہوں نے کہا: ان کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے ایک گھر بنایا اور اس میں ایک دستر خوان رکھا اور کسی دعوت دینے والے کو بھیجا گیا، پس جس نے دعوت دینے والے کی دعوت کو قبول کیا وہ گھر میں داخل ہو گیا اور اس نے دستر خوان سے کھانا کھایا، اور جس نے دعوت دینے والے کی دعوت کو قبول نہیں کیا تو وہ گھر میں داخل نہیں ہوا اور نہ اس نے دستر خوان سے کھایا، پھر فرشتوں نے کہا: اس مثال کی تاویل بیان کرو تا کہ یہ اس کو سمجھیں، پس بعض فرشتوں نے کہا کہ یہ سوئے ہوئے ہیں، اور بعض دوسرے فرشتوں نے کہا کہ آنکھیں سوئی ہوئی ہیں اور دل بیدار ہے، پھر انہوں نے کہا: گھر سے مراد جنت ہے اور دعوت دینے والے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، پس جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی، اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر لی، اور جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی، اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے درمیان فرق کرنے والے ہیں، اس حدیث کی قتیبہ نے متابعت کی ہے از لیث از خالد از سعید بن ابی ہلال از حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس آئے۔

صحیح البخاری: ۷۲۸۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خواب کا بیان

اس حدیث میں مذکور ہے "فرشتے آئے" ان فرشتوں کے نام کا پتا نہیں چلا اور سنن ترمذی میں اس روایت کا ذکر ہے اور اس میں مذکور ہے کہ وہ فرشتے حضرت جبریل اور حضرت میکائیل علیہما السلام تھے، اس کی عبارت اس طرح سے ہے کہ ایک دن ہمارے پاس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آئے، آپ نے فرمایا: میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت جبریل علیہ السلام میرے سرہانے ہیں اور حضرت میکائیل علیہ السلام میرے پاؤں کی جانب ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "تمہارے صاحب کی ایک مثال ہے" یعنی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک مثال ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۴۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۷۲۸۱، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت اور خصائص پر کچھ مزید احادیث

کتاب المناقب میں ایک اور سند سے از سلیم بن حیان یہ حدیث گزری ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "میری اور انبیاء سابقین کی مثال اس مرد کی طرح ہے جس نے ایک مکان بنایا، پس اس کو مکمل کیا اور اچھا بنایا، مگر اس میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی"۔

یہ ایک اور حدیث ہے اور اس میں ایک اور مثال کا بیان ہے، پس مناقب میں جو حدیث گزری ہے، اس کا تعلق نبوت اور آپ کے خاتم النبیین ہونے کے ساتھ ہے، اور اس حدیث کا تعلق اسلام کی طرف دعوت دینے کے ساتھ ہے اور ان لوگوں کے احوال کا بیان ہے جنہوں نے آپ کی دعوت کو قبول کیا یا جنہوں نے انکار کیا۔

اسی سند کے ساتھ یزید بن ہارون نے یہ حدیث روایت کی ہے کہ "میری مثال اور تمہاری مثال اس شخص کی طرح ہے کہ جس نے آگ جلائی، پھر جب اس آگ نے اس کے اردگرد کو روشن کر دیا تو اس آگ میں پروانے اور کیڑے مکوڑے گرنے لگے، اور وہ شخص ان کو روکتا ہے اور اس پر غالب آ کر آگ میں گر جاتا ہے، پس میں تمہیں مقعد ازار سے پکڑ کر آگ میں گرنے سے روک رہا ہوں اور تم آگ میں داخل ہو رہے ہو"۔ (صحیح البخاری: ۶۴۸۳)

لیکن یہ حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نہ کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے۔

(صحیح البخاری ج ۸ ص ۴۲۱، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۲۸۲۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ هَمَّامٍ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ يَا مَعْشَرَ الْقُرَّاءِ اسْتَقِيمُوا فَقَدْ سَبَقْتُمْ سَبْقًا بَعِيدًا فَإِنْ أَخَذْتُمْ يَمِينًا وَشِمَالًا لَقَدْ ضَلَلْتُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از الاعمش از ابراہیم از ہمام از حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ، انہوں نے کہا: اے قرّاء کی جماعت! صراطِ مستقیم پر قائم رہو، کیونکہ تم سے پہلے بہت لوگ سبقت کر چکے ہیں، اگر تم دائیں بائیں کا راستہ اختیار کرو گے تو بہت بڑی گمراہی میں مبتلا ہو جاؤ گے۔

صحیح البخاری: ۷۲۸۲، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مہاجرین اور انصار میں سے مقدمین کی فضیلت

اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں سے خطاب کیا جنہوں نے ابتداءِ اسلام کا زمانہ پایا تھا، پس اگر انہوں نے کتاب اور سنت کے ساتھ اپنے آپ کو لازم رکھا تو وہ ہر خیر کی طرف سبقت حاصل کر لیں گے، اور جو ان کے بعد آیا اور اس نے ان ہی کی طرح عمل کیا تو وہ بھی ان کے مرتبہ اور مقام کو پالے گا، اور اگر اس نے ایسا عمل نہیں کیا تو وہ اسلام سے بہت بعید ہو جائے گا۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "اگر تم نے دائیں راستہ یا بائیں راستہ کو اختیار کیا" یعنی تم نے مسلمانوں کے کئے ہوئے عمل کے خلاف عمل کیا، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا یہ کلام درج ذیل آیت سے مستنبط ہے:

وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ (الانعام: ۱۵۳)

بے شک یہ میرا سیدھا راستہ ہے، سو تم اسی راستہ پر چلو، اور دوسرے راستوں پر نہ چلو وہ راستے تمہیں اللہ کے راستے سے الگ کر دیں گے۔

اس آیت اور حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ مہاجرین اور انصار میں سے جو مقدم تھے اور صراطِ مستقیم پر قائم رہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ان کی شہادت ہو گئی یا آپ کے بعد وہ آپ کے طریقہ پر قائم رہتے ہوئے طبعی عمر پوری کر کے فوت ہو گئے یا شہید ہو گئے تو ان کی فضیلت ہے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۴۲۲، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۲۸۳۔ حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدٍ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ إِنَّمَا مَثَلِي وَمَثَلُ مَا بَعَثَنِي اللهُ بِهِ كَمَثَلِ رَجُلٍ أَتَى قَوْمًا فَقَالَ يَا قَوْمِ إِنِّي رَأَيْتُ الْجَيْشَ بِعَيْنَيَّ وَإِنِّي أَنَا النَّذِيرُ الْعُرْيَانُ فَالنَّجَاءَ فَأَطَاعَهُ طَائِفَةٌ مِنْ قَوْمِهِ فَأَدْلَجُوا فَانْطَلَقُوا عَلَى مَهَلِهِمْ فَنَجَوْا وَكَذَّبَتْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ فَأَصْبَحُوا مَكَانَهُمْ فَصَبَّحَهُمُ الْجَيْشُ فَأَهْلَكَهُمْ وَاجْتَاحَهُمْ فَذَلِكَ مَثَلُ مَنْ أَطَاعَنِي فَاتَّبَعَ مَا جِئْتُ بِهِ وَمَثَلُ مَنْ عَصَانِي وَكَذَّبَ بِمَا جِئْتُ بِهِ مِنَ الْحَقِّ۔

(صحیح البخاری: ۷۲۸۳، صحیح مسلم: ۲۲۸۳)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو کریب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو اسامہ نے حدیث بیان کی از بُرید از ابو بردہ از حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: میری مثال اور اس پیغام کی مثال جسے دے کر اللہ تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے اس مرد کی مثل ہے جو کسی قوم کے پاس گیا، پس کہا: اے میری قوم! میں نے ایک لشکر اپنی دونوں آنکھوں سے دیکھا ہے، اور بے شک میں برہنہ ڈرانے والا ہوں، پس نجات حاصل کرو، تو اس کی قوم میں سے ایک گروہ نے اس کی اطاعت کی اور وہ رات کی ابتداء میں ہی نکل گئے اور محفوظ جگہ چلے گئے اس لیے نجات پا گئے، لیکن دوسری جماعت نے اس کی تکذیب کی اور وہ اپنی جگہ پر ہی موجود رہے، پھر صبح سویرے ہی دشمن کے لشکر نے آ کر ان کو پکڑ لیا سو ان کو ہلاک کر دیا اور تباہ

وبرباد کردیا، سو یہ ان لوگوں کی مثال ہے جو میری اطاعت کریں
اور جس پیغام کو میں لے کر آیا ہوں اس کی پیروی کریں اور یہ
مثال ہے جو میری نافرمانی کریں اور جو پیغام حق میں لے کر آیا
ہوں اس کی تکذیب کریں۔

صحیح البخاری: ۷۲۸۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث میں مذکور مثال کے متعلق متعدد اقوال

اس حدیث میں مذکور ہے "وانا النذیر العریان" یعنی میں ایسا ڈرانے والا ہوں جس کے کپڑے اتار لیے گئے اور وہ اپنے سر کے گرد کپڑے لپیٹے ہوئے کسی قوم کے پاس آیا ہو کسی لشکر کے حملہ سے ڈرانے کے لیے۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے: "النذیر العریان" سے مراد وہ مرد ہے جو قبیلہ خثعم سے تھا، ایک دن اس کے اوپر ذی الخلصہ نے حملہ کیا، اس کا ہاتھ بھی کاٹ ڈالا اور اس کی بیوی کا ہاتھ بھی کاٹ ڈالا، سو وہ اپنی قوم کی طرف گیا اور ان کو ڈرایا تو پھر یہ کسی خبر کے تحقق کے لیے ضرب المثل بن گئی۔

اور ابن السکیت نے کہا ہے: یہ اس مرد کا نام ہے جس کے اوپر عوف بن عامر الیشکری نے حملہ کیا اور اس کی بیوی بنو کنانہ سے تھی اور اس قصہ کو حدیث کے الفاظ پر منطبق کرنا بعید ہے، کیونکہ اس قصہ میں یہ مذکور نہیں ہے کہ وہ برہنہ تھا۔

اور عبدالملک نے کہا: یہ قدیم مثال ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک مرد کا مقابلہ ایک لشکر سے ہوا، انہوں نے اس کے کپڑے اتار کر اس کو برہنہ کردیا، پھر وہ مدینہ کی طرف آیا، اس نے کہا کہ میں نے اپنی آنکھوں سے ایک لشکر کو دیکھا ہے اور میں تمہیں اس لشکر سے ڈرانے والا ہوں اور تم مجھے برہنہ دیکھ رہے ہو، اس لشکر نے میرے کپڑے اتار لیے، سو تم بھی اس سے نجات حاصل کرو، نجات حاصل کرو۔

اور ابن السکیت نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مثال اپنی امت کے لیے بیان فرمائی ہے کیونکہ اس میں ایک شخص ڈرانے کے لیے برہنگی کی حالت میں آیا تھا۔

اور علامہ الخطابی نے کہا ہے: یہ لفظ "العریان" نہیں ہے بلکہ "العربان" ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ جو فصیح اللسان ہو اور صریح الفاظ کے ساتھ ڈراتا ہو اور کنایہ اور توریہ سے کام نہ لیتا ہو، اور یہ بھی کہا جاتا ہے "رجل عربان" یعنی "فصیح اللسان"۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فالنجاء النجاء"۔ یہ اکسانے اور برانگیختہ کرنے کے لیے مفعول مطلق ہے، یعنی تم نجات کو حاصل کرو بایں طور کہ تم فرار اور بھاگنے میں جلدی کرو، کیونکہ تم اس لشکر سے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتے اور دوسرا "النجاء" جو مذکور ہے، یہ پہلے کی تاکید ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "فادلجوا" یہ باب افعال سے ہے، اس کا معنی ہے: رات کے ابتدائی حصہ میں روانہ ہونا یا پوری

رات چلتے رہنا۔ اور علامہ ابن الملقن نے اپنی توضیح میں لکھا ہے کہ یہ لفظ "فالدلجوا" ہے اور دال پر تشدید ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہاں درست نہیں ہے کیونکہ "الادلاج" کا معنی ہے: رات کے آخری حصہ میں روانہ ہونا، اور یہ اس مقام کے مناسب نہیں ہے، صحیح وہ ہے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "مھلھم" اس کا معنی ہے: کہ وہ سکون اور وقار کے ساتھ روانہ ہو گئے۔

اس کے بعد اس حدیث میں مذکور ہے "فنجوا" یعنی چونکہ انہوں نے ڈرانے والے کی اطاعت کی اور رات کے اول حصہ میں چل پڑے تو وہ نجات پا گئے۔ اور جس فریق نے ڈرانے والے کی تکذیب کی تھی تو دشمن نے اچانک آ کر ان پر حملہ کر دیا اور ان کو بالکلیہ ختم کر دیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۱۵۔۱۱۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۷۲۸۳، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث میں مذکور مثال کے متعلق حافظ ابن حجر کی تحقیق

ابن الکلبی کا زعم یہ ہے کہ "النذیر العریان" (برہنہ ڈرانے والا) یہ بنو عامر بن کعب کی ایک عورت ہے، جب منذر ابن ماء السماء نے ابوداؤد کی اولاد کو قتل کر دیا اور وہ منذر کا پڑوسی تھا تو اسے اپنی قوم پر خطرہ ہوا تو وہ عورت ایک اونٹ پر سوار ہوئی اور ان سے جا کر ملی اور کہنے لگی کہ میں "النذیر العریان" ہوں۔

اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے یہ کلمہ ابرہہ حبشی نے کہا، جب تہامہ میں اس پر تیروں کی بوچھاڑ آئی تو وہ یمن کی طرف واپس چلا گیا اور اس کا گوشت گر گیا تھا، اور ابو بشر آمدی نے ذکر کیا ہے کہ زنبر بن عمرو اخثعمی آل زبید میں نکاح کرنے والا تھا، پس انہوں نے ارادہ کیا کہ اس کی قوم سے لڑیں اور ان کو یہ ڈر تھا کہ ان کو مار ڈالا جائے گا، پس چار مردوں نے ان کی حفاظت کی تو اس نے اپنی قوم کو ڈرایا۔

اور دوسروں نے کہا کہ اس کی اصل یہ ہے کہ ایک مرد کا ایک لشکر سے مقابلہ ہوا، انہوں نے اس سے اس کا مال چھین لیا اور اس کو قید کر لیا تو وہ اپنی قوم کی طرف بھاگ کر گیا، پس اس نے کہا: میں نے ایک لشکر کو دیکھا ہے، انہوں نے میرا مال چھین لیا، انہوں نے دیکھا کہ وہ برہنہ تھا تو انہوں نے اس کو صادق قرار دیا، کیونکہ وہ اس کو پہچانتے تھے اور نصیحت کرنے میں اس پر کوئی تہمت نہیں لگاتے تھے اور نہ اس کی عادت برہنہ ہونے کی تھی، ان قرائن کی وجہ سے انہوں نے اس کے صدق کو راجح قرار دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے اور جس پیغام کو آپ لے کر آئے ہیں اس کی مثال بیان کی، کیونکہ آپ نے بھی ابتداء میں ایسے خوارق اور معجزات پیش کیے جو آپ کے صادق ہونے پر قطعی دلالت کرتے ہیں، تاکہ مخاطبین آپ کی بات کو سمجھ لیں۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۵۴۰، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۲۸۴، ۷۲۸۵۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا لَيْثٌ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ لَمَّا تُوُفِّيَ رَسُولُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں لیث نے حدیث بیان کی از عقیل از الزہری، وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے عبید اللہ بن

اللهِ ﷺ وَاسْتُخْلِفَ أَبُو بَكْرٍ بَعْدَهُ وَكَفَرَ مَنْ كَفَرَ مِنَ الْعَرَبِ قَالَ عُمَرُ لِأَبِي بَكْرٍ كَيْفَ تُقَاتِلُ النَّاسَ وَقَدْ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ فَمَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ عَصَمَ مِنِّي مَالَهُ وَنَفْسَهُ إِلَّا بِحَقِّهِ وَحِسَابُهُ عَلَى اللهِ فَقَالَ وَاللهِ لَأُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ فَإِنَّ الزَّكَاةَ حَقُّ الْمَالِ وَاللهِ لَوْ مَنَعُونِي عِقَالًا كَانُوا يُؤَدُّونَهُ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ لَقَاتَلْتُهُمْ عَلَى مَنْعِهِ فَقَالَ عُمَرُ فَوَاللهِ مَا هُوَ إِلَّا أَنْ رَأَيْتُ اللهَ قَدْ شَرَحَ صَدْرَ أَبِي بَكْرٍ لِلْقِتَالِ فَعَرَفْتُ أَنَّهُ الْحَقُّ قَالَ ابْنُ بُكَيْرٍ وَعَبْدُ اللهِ عَنِ اللَّيْثِ عَنَاقًا وَهُوَ أَصَحُّ۔

عبد اللہ بن عتبہ نے خبر دی از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو آپ کے بعد خلیفہ بنا دیا گیا اور عرب کے قبائل میں سے جنہوں نے کفر کرنا تھا انہوں نے کفر کر لیا، تو حضرت عمر نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما سے کہا: آپ کیسے لوگوں سے قتال کریں گے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے قتال کروں حتیٰ کہ وہ کہیں: اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، پس جس نے یہ کہا کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے تو اس نے مجھ سے اپنے مال کو اور اپنی جان کو محفوظ کر لیا سوا اس کے حق کے اور اس کا حساب اللہ پر ہے''، پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں ضرور ان لوگوں سے قتال کروں گا جو نماز میں اور زکوٰۃ میں فرق کرتے ہیں، کیونکہ زکوٰۃ مال کا حق ہے اور اللہ کی قسم! اگر یہ لوگ مجھے اس رسی کے دینے سے بھی منع کریں جس کو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا کرتے تھے تو میں ان سے ضرور اس کے منع کرنے پر قتال کروں گا، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: پس اللہ کی قسم! یہ وہی چیز ہے کہ میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا سینہ قتال کے لیے کھول دیا ہے، پس میں نے جان لیا کہ یہی حق ہے، اور ابن بکیر اور عبد اللہ نے کہا از لیث (رسی کے بجائے) بکری کا بچہ، اور یہ زیادہ صحیح ہے۔

(صحیح البخاری: ۱۴۰۰، ۱۴۵۶، ۶۹۲۵، ۷۲۸۵، صحیح مسلم: ۲۰، سنن ترمذی: ۲۶۰۷، سنن نسائی: ۳۰۹۴، سنن ابوداؤد: ۱۵۵۶، مسند احمد: ۱۸۸)

صحیح البخاری: ۷۲۸۴، ۷۲۸۵، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

زکوٰۃ کی فرضیت کا بیان

کتاب اور سنت کی تصریحات سے زکوٰۃ فرض ہے اور اس پر امت کا اجماع ہے اور یہ ارکانِ اسلام میں سے تیسرا رکن ہے، کیونکہ حدیث صحیح میں مذکور ہے:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام کی بناء

پانچ چیزوں پر ہے: (۱) اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور اس بات کی گواہی دینا کہ سیدنا محمد اللہ کے رسول ہیں (۲) نماز کو قائم کرنا (۳) زکوٰۃ ادا کرنا (۴) حج کرنا (۵) رمضان کے روزے رکھنا۔

(صحیح البخاری: ۸، صحیح مسلم: ۱۶، سنن ترمذی: ۲۶۰۹، سنن نسائی: ۵۰۰۱، مسند احمد: ۴۷۸۳)

اور زکوٰۃ دینِ اسلام کے ستونوں اور اس کے قواعد میں سے ہے، اور جو ان پانچ چیزوں میں سے کسی ایک کا بھی انکار کرے اس کا اسلام مکمل نہیں ہے، کیا تم نے نہیں دیکھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہی معنی سمجھا اور انہوں نے کہا کہ ''اللہ کی قسم! میں اس شخص سے ضرور قتال کروں گا جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرتا ہے، کیونکہ زکوٰۃ مال کا حق ہے'' اور اس پر اجماع قائم ہے کہ زکوٰۃ کا انکار کرنے والا کافر ہے، اور اگر اس نے بخل کی وجہ سے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تو اس سے جبراً اور قہراً زکوٰۃ وصول کی جائے گی اور اس کو تعزیراً سزا دی جائے گی، اور اگر منکرینِ زکوٰۃ نے جنگ کرنا شروع کی تو ان سے جنگ کی جائے گی جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرتدین سے جنگ کی تھی۔

مرتدین کی اقسام

مرتدین کی کئی قسمیں ہیں: ایک قوم وہ تھی جو اسلام سے مرتد ہو کر بت پرستی کی طرف لوٹ گئی جیسے وہ پہلے بت پرستی کرتی تھی، اور دوسری قوم وہ تھی جو مسیلمہ کذاب کی جھوٹی نبوت پر ایمان لے آئی اور یہ لوگ اہلِ یمامہ تھے، اور تیسری قوم وہ تھی جنہوں نے زکوٰۃ کو ادا کرنے سے انکار کیا اور انہوں نے کہا: ہم نے اپنے دین سے رجوع نہیں کیا لیکن ہم اپنے اموال پر بخل کرتے ہیں، پس حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سب سے قتال کرنے کو جائز قرار دیا اور تمام صحابہ نے ان کی موافقت کی، شروع میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی مخالفت کی، پھر ان پر ظاہر ہو گیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا قول صحیح ہے تو انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع کر لیا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کی عورتوں کو قید کر لیا اور اپنے اجتہاد سے ان کے اموال کو ضبط کر لیا۔

پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو ان کا اجتہاد یہ ہوا کہ ان کے بچوں کو اور ان کی عورتوں کو ان کے قبیلوں کی طرف واپس کر دیں، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کا راستہ چھوڑ دیا اور یہ کام بھی صحابہ کرام علیہم الرضوان کے سامنے بغیر کسی انکار کے ہوا، اور جن لوگوں کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوٹایا ان میں سے کسی ایک نے بھی اسلام کے احکام کا انکار نہیں کیا اور حضرت عمر نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما کو ان کے اجتہاد میں معذور قرار دیا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اجتہاد قرآن مجید کی اس آیت سے ماخوذ ہے:

فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (التوبہ: ۵)

پس جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو تم مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کر دو، ان کو گرفتار کرو اور ان کا محاصرہ کرو اور ان کی تاک میں ہر گھات کی جگہ بیٹھو، پس اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو، بے شک اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے ۝

علم اور نصرتِ اسلام میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا تقدم

شارح بخاری علامہ داؤدی متوفی ۴۰۲ھ نے لکھا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، اگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ کی عبادت نہ کی جاتی، ان سے کہا گیا: اے ابو ہریرہ! اللہ سے ڈرو، تو انہوں نے دوبارہ قسم کھائی اور کہا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوگئی تو عرب کے لوگ مرتد ہو گئے اور اکثر لوگوں کی خواہش تھی کہ مدینہ پر قبضہ کریں، اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے ارادہ کیا کہ لشکرِ اسامہ کو شام کی طرف جانے سے روک لیں، اور زکوٰۃ دینے سے انکار کرنے والوں سے جنگ نہ کریں، تب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! اگر ایک شخص نے بھی میری پیروی نہ کی تو میں اکیلا جہاد کروں گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کو سربلند کردے گا یا میں شہید ہو جاؤں گا، پس صحابہ کا عزم پختہ ہوگیا اور اللہ تعالیٰ نے باطل کو مٹایا اور یہ تمام امور اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ علم میں راسخ تھے اور علم میں اور اسلام کی نصرت میں جو ان کا مقام تھا اسے کوئی نہیں پہنچتا۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ صحابہ کی جماعت نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے کی طرف رجوع کرلیا اور مرتدین کے خلاف قتال کرنے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے کی موافقت کی اور صحابہ کے حق میں یہ جائز نہیں ہے کہ وہ حق واضح ہونے کے بغیر محض تقلید سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اتباع کریں، کیونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ استدلال کیا تھا کہ زکوٰۃ بھی نماز کی مثل فرض ہے اور وہ مال کا حق ہے اور جس نے اسلام کے کسی ایک فریضہ کا انکار کیا وہ کافر ہوگیا، اور اس کی جان اور اس کے مال کی حفاظت نہیں کی جائے گی اور جان اور مال کی حفاظت سوائے اسلام کے احکام پر عمل کرنے کی وجہ سے ہوتی ہے، اسی لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: پس اللہ کی قسم! یہ وہ ہے کہ میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا سینہ مانعین زکوٰۃ کے خلاف لڑائی کے لیے کھول دیا، سو میں نے جان لیا کہ یہی حق ہے، اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دلیل کی بناء پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے کی موافقت کی۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۱۰ ص ۲۱۷۔۲۱۹، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۷۲۸۶۔ حَدَّثَنِي إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ عَنْ يُونُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ قَدِمَ عُيَيْنَةُ بْنُ حِصْنِ بْنِ حُذَيْفَةَ بْنِ بَدْرٍ فَنَزَلَ عَلَى ابْنِ أَخِيهِ الْحُرِّ بْنِ قَيْسِ بْنِ حِصْنٍ وَكَانَ مِنَ النَّفَرِ الَّذِينَ يُدْنِيهِمْ عُمَرُ وَكَانَ الْقُرَّاءُ أَصْحَابَ مَجْلِسِ عُمَرَ وَمُشَاوَرَتِهِ كُهُولًا كَانُوا أَوْ شُبَّانًا فَقَالَ عُيَيْنَةُ لِابْنِ أَخِيهِ يَا ابْنَ أَخِي هَلْ لَكَ وَجْهٌ عِنْدَ هَذَا الْأَمِيرِ فَتَسْتَأْذِنَ لِي عَلَيْهِ قَالَ سَأَسْتَأْذِنُ لَكَ عَلَيْهِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَاسْتَأْذَنَ لِعُيَيْنَةَ فَلَمَّا دَخَلَ قَالَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابن وہب نے حدیث بیان کی از یونس از ابن شہاب، وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ نے حدیث بیان کی، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ عیینہ بن حصن بن حذیفہ بن بدر آئے اور وہ اپنے بھتیجے الحر بن قیس بن حصن کے پاس ٹھہرے، اور حضرت الحر بن قیس ان لوگوں میں سے تھے جن کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے قریب رکھتے تھے، قرآن مجید کے عالم، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے شریکِ مجلس اور شریک مشورہ تھے خواہ وہ بوڑھے ہوں یا جوان ہوں، پس عیینہ نے اپنے بھتیجے سے کہا: اے

يَا ابْنَ الْخَطَّابِ وَاللهِ مَا تُعْطِينَا الْجَزْلَ وَمَا تَحْكُمُ بَيْنَنَا بِالْعَدْلِ فَغَضِبَ عُمَرُ حَتّٰى هَمَّ بِأَنْ يَقَعَ بِهِ فَقَالَ الْحُرُّ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ إِنَّ اللهَ تَعَالٰى قَالَ لِنَبِيِّهِ ﷺ ﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ﴾ وَإِنَّ هٰذَا مِنَ الْجَاهِلِينَ فَوَاللهِ مَا جَاوَزَهَا عُمَرُ حِينَ تَلَاهَا عَلَيْهِ وَكَانَ وَقَّافًا عِنْدَ كِتَابِ اللهِ۔ (صحیح البخاری: ۴۶۴۲)

میرے بھتیجے! کیا تمہیں اس امیر کے دربار میں کچھ رسائی ہے کہ تم ان کے پاس میرے حاضر ہونے کی اجازت طلب کرو، تو حُر بن قیس نے کہا: میں عنقریب آپ کے لیے اجازت طلب کروں گا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: پس حُر بن قیس نے عیینہ بن حصن کے لیے اجازت طلب کی، پس جب عیینہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو کہا: اے خطاب کے بیٹے! اللہ کی قسم! آپ ہمیں زیادہ مال نہیں دیتے اور نہ ہمارے درمیان عدل سے فیصلہ کرتے ہیں، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ غصہ میں آ گئے حتیٰ کہ آپ نے اس کو سزا دینے کا ارادہ کیا، تب حُر بن قیس نے کہا: اے امیر المومنین! اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا ہے:
''آپ عفو و درگزر کا طریقہ اختیار کیجئے اور نیکی کا حکم دیجئے اور جاہلوں سے اعراض کیجئے O'' (الاعراف: ۱۹۹)
اور بے شک یہ شخص جاہلوں میں سے ہے، پس اللہ کی قسم! جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ آیت تلاوت کی گئی تو انہوں نے اس آیت کے حکم سے تجاوز نہیں کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کتاب اللہ پر فوراً عمل کرتے تھے۔

صحیح البخاری: ۷۲۸۶، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

عیینہ بن حصن کا تذکرہ

عیینہ بن حصن مؤلفة القلوب میں سے تھے لیکن ان میں جفا کی خصلت تھی، ایک قول یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت وہ مرتد ہو گئے پھر اسلام قبول کیا، دوسرا قول یہ ہے کہ انہیں قید کر کے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا، پس اہلِ مدینہ کے بچے ان کو چھیڑتے تھے اور ان کی کوکھ میں کچھ چبھو کر کہتے تھے کہ تم مرتد ہو گئے تھے؟ تو وہ کہتے: میں مرتد نہیں ہوا لیکن میں نے اسلام قبول کر لیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ عیینہ بن حصن کے بھتیجے الحر بن قیس کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ تعظیم و توقیر کرتے تھے اور ان کو دربارِ خلافت میں مرتبہ اور مقام عطا کیا تھا، اور عیینہ نے اپنے بھتیجے حُر بن قیس سے کہا: میرے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہونے کی اجازت طلب کریں، اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ قرآن مجید کے علماء اور اہلِ فضل کو اپنے ہاں جگہ دیتے تھے، پھر جب عیینہ

بن حصن نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ ہم کو زیادہ مال نہیں دیتے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عیینہ بن حصن کو سزا دینے کا ارادہ کیا، تب حُر بن قیس نے کہا: اے امیر المؤمنین! اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے اور یہ آیت پڑھی:

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ۝ "آپ عفو و درگزر کا طریقہ اختیار کیجئے اور نیکی کا حکم دیجئے اور جاہلوں سے اعراض کیجئے ۝" (الاعراف:۱۹۹)

الاعراف:۱۹۹ کی تفسیر

یہ آیت مشرکین کو قتل کرنے کا حکم دینے سے پہلے نازل ہوئی، دوسرا قول یہ ہے کہ جاہلین سے مراد مؤلفۃ القلوب ہیں، اور یہ اس لئے ظاہر ہے کہ حُر بن قیس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے اس آیت سے استدلال کیا، پس یہ آیت، آیتِ قتال سے منسوخ ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ منسوخ نہیں ہوئی بلکہ اس میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جو شخص ظلم کرے اس کو برداشت کرو۔

امام طبری نے ذکر کیا ہے کہ مجاہد نے بیان کیا کہ لوگوں کے اعمال اور اخلاق میں جو ناروا چیزیں ہیں ان کو معاف کر دیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دوسری تفسیر مروی ہے کہ "عفو" سے مراد ہے زائد چیز، یعنی مسلمانوں کے مالوں میں سے زائد چیز آپ لے لیجئے، علامہ ابن جریر نے بیان کیا کہ ان کو یہ حکم زکوٰۃ کی فرضیت کے نزول سے پہلے دیا گیا تھا، یعنی زکوٰۃ سے پہلے صدقہ لیا جاتا تھا اس کو بعد میں منسوخ کر دیا گیا۔

اور "عُرف" سے مراد ہے: معروف کام، ان میں سے رشتہ داروں کے ساتھ مل جل کر رہنا ہے، اور محروم کو عطا کرنا ہے اور جو ظلم کرے اس کو معاف کرنا ہے۔

علامہ ابن الجوزی نے کہا: عُرف سے مراد وہ کام ہیں جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے معروف ہیں، اور علامہ ثعلبی نے کہا: عُرف سے مراد ہر خصلتِ محمودہ ہے۔

عطاء نے کہا: "وامر بالعُرف" کا معنی ہے: آپ اللہ تعالیٰ کی توحید کا حکم دیجئے، اور "اَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ" سے مراد ہے کہ آپ ابوجہل اور اس کے اصحاب کو چھوڑ دیں۔

ابن زید نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: "اے میرے رب! میں حالتِ غضب میں کس طرح کروں؟" تو یہ آیت نازل ہوئی:

وَإِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۚ إِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ (الاعراف:۲۰۰) اور (اے مخاطب!) اگر شیطان تمہیں کوئی وسوسہ ڈالے تو اللہ کی پناہ طلب کرو، بے شک وہ بہت سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے ۝

حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا ہے کہ لوگوں کے اخلاق میں سے عفو اور درگزر کو حاصل کر لیجئے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۲ ص ۷۷۳-۷۸، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۷۲۸۶، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

الاعراف:۱۹۹ کے منسوخ ہونے کی بحث

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے اس سلسلہ میں متقدمین کے اقوال نقل کرنے کے بعد کہا ہے: بے شک بعض مفسرین کا یہ مذہب ہے کہ یہ آیت ''فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ..... (التوبہ:۵)'' سے منسوخ ہے، اور صحیح قول یہ ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین کے ساتھ بحث کرنے کی تعلیم دی ہے، اور اس میں اس آیت کے منسوخ ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے، پس گویا کہ یہ آیت اس لیے نازل ہوئی کہ جن مشرکین کے خلاف قتال کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے ان کے ساتھ زندگی کیسے گزاری جائے، یا اس آیت سے مسلمانوں کو تعلیم دینے کا ارادہ کیا گیا ہے اور ان کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ عفو و درگزر سے کام لیں۔

علامہ راغب اصفہانی نے کہا ہے: ''خذ العفو'' کا معنی یہ ہے کہ وہ کام کیجئے جس کا کرنا آسان ہو، دوسرا قول یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ عفو و درگزر سے کام لیں، اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ لوگوں کو آسان احکام کا حکم دیں اور ان سے پُر مشقت کام کو طلب نہ کریں جن کا کرنا ان پر دشوار ہو اور وہ آپ کے پاس سے متنفر ہو جائیں جیسا کہ حدیث میں ہے: ''آسان احکام بیان کرو اور لوگوں کو مشکل میں نہ ڈالو''۔

امام ابن مردویہ نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت جبریل علیہ السلام نے سوال کیا: اے محمد! آپ کا رب آپ کو حکم دیتا ہے کہ جو آپ سے تعلق توڑیں، آپ ان سے تعلق جوڑیں اور جو آپ کو محروم کرے آپ اس کو عطا کریں، اور جو آپ پر ظلم اور زیادتی کرے اس کو معاف کریں، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے کہا: کیا میں تم کو دنیا اور آخرت کے بہترین اخلاق کی طرف رہنمائی نہ کروں؟ صحابہ کرام نے پوچھا: وہ کیا ہیں؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث کا ذکر کیا۔

علامہ طیبی نے کہا ہے: اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس آیت میں مکارم اخلاق کا حکم دیا ہے، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اسی طرح حکم دیا جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا تھا، اور خلاصہ یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ حسنِ معاشرت کے ساتھ رہا جائے اور لوگوں کے ساتھ نیکی کرنے کی پوری کوشش کی جائے اور ان کے غلط کاموں سے چشم پوشی کی جائے۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۴۲۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۲۸۷۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ الْمُنْذِرِ عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ رضی الله عنهما أَنَّهَا قَالَتْ أَتَيْتُ عَائِشَةَ حِينَ خَسَفَتِ الشَّمْسُ وَالنَّاسُ قِيَامٌ وَهِيَ قَائِمَةٌ تُصَلِّي فَقُلْتُ مَا لِلنَّاسِ فَأَشَارَتْ بِيَدِهَا نَحْوَ السَّمَاءِ فَقَالَتْ سُبْحَانَ اللهِ فَقُلْتُ آيَةٌ قَالَتْ بِرَأْسِهَا أَنْ نَعَمْ فَلَمَّا انْصَرَفَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم حَمِدَ اللهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ مَا مِنْ شَيْءٍ لَمْ أَرَهُ إِلَّا وَقَدْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن مسلمہ نے حدیث بیان کی از مالک از ہشام بن عروہ از فاطمہ بنت المنذر از حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتی ہیں کہ جب سورج کو گہن لگ گیا تو میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی، اس وقت لوگ نماز کی حالتِ قیام میں تھے اور وہ بھی کھڑی ہوئی نماز پڑھ رہی تھیں، پس میں نے کہا: لوگوں کو کیا ہوا ہے؟ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے ہاتھ سے آسمان کی طرف اشارہ کیا، پس فرمایا: سبحان اللہ! میں نے پوچھا: یہ کوئی علامت ہے؟ تو

رَأَيْتُهُ فِي مَقَامِي هَذَا حَتَّى الْجَنَّةَ وَالنَّارَ وَأُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّكُمْ تُفْتَنُونَ فِي الْقُبُورِ قَرِيبًا مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ فَأَمَّا الْمُؤْمِنُ أَوِ الْمُسْلِمُ لَا أَدْرِي أَيَّ ذَلِكَ قَالَتْ أَسْمَاءُ فَيَقُولُ مُحَمَّدٌ جَاءَنَا بِالْبَيِّنَاتِ فَأَجَبْنَاهُ وَآمَنَّا فَيُقَالُ نَمْ صَالِحًا عَلِمْنَا أَنَّكَ مُوقِنٌ وَأَمَّا الْمُنَافِقُ أَوِ الْمُرْتَابُ لَا أَدْرِي أَيَّ ذَلِكَ قَالَتْ أَسْمَاءُ فَيَقُولُ لَا أَدْرِي سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُولُونَ شَيْئًا فَقُلْتُهُ۔

انہوں نے سر کے اشارہ سے کہا: ہاں!، پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو گئے تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی اور اس کی ثنا کی، پھر فرمایا: جس چیز کو بھی میں نے پہلے نہیں دیکھا تھا اس کو میں نے اپنے اس مقام میں دیکھ لیا ہے حتیٰ کہ جنت اور دوزخ کو اور میری طرف یہ وحی کی گئی ہے کہ قبروں میں تمہیں فتنہ میں مبتلا کیا جائے گا جو فتنہ دجال کے فتنہ کے قریب ہوگا، رہا مومن یا مسلم، راوی نے کہا: پتا نہیں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے کیا کہا تھا، پس وہ کہے گا: سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس بینات اور معجزات لے کر آئے، ہم نے ان کے پیغام کو قبول کیا اور ایمان لائے، تو اس سے کہا جائے گا (تم اپنے اعمال سے) نفع اٹھاتے ہوئے سو جاؤ، ہمیں معلوم تھا کہ تم یقین کرنے والے ہو، رہا منافق یا شک کرنے والا، راوی نے کہا: میں نہیں جانتا کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے کیا کہا تھا، تو وہ کہے گا: میں نہیں جانتا، میں نے لوگوں کو کچھ کہتے ہوئے سنا سو میں نے بھی کہہ دیا۔

(صحیح البخاری: ۸۶، ۱۸۴، ۹۲۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۶۱، ۱۲۳۵، ۷۳ ۱۳، ۲۵۱۹، ۲۵۲۰، ۷۲۸۷، صحیح مسلم: ۹۰۵، سنن نسائی: ۲۰۶۲، مسند احمد: ۲۶۳۸۵، موطا امام مالک: ۴۴۷)

صحیح البخاری: ۷۲۸۷، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کا تذکرہ

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما، حضرت الزبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں، اور وہ بہت پہلے مکہ میں اسلام لا چکی تھیں اور انہوں نے مدینہ کی طرف اس حال میں ہجرت کی کہ وہ حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ سے حاملہ تھیں اور قباء میں ان کا وضع حمل ہوا۔

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما مکہ میں جمادی الاولیٰ ۷۳ھ میں فوت ہوئیں اور حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما کے شہید ہونے کے تھوڑے عرصہ کے بعد ان کی وفات ہوگئی۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو سولی سے اتارنے اور ان کے دفن ہونے کے چند راتوں بعد وہ فوت ہو گئی تھیں اور ان کی بینائی چلی گئی تھی اور ان کو "ذات النطاقین" (دو کمر بند والی) کہا جاتا تھا، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کھانا تیار کیا جب آپ نے مدینہ کی طرف ہجرت کا ارادہ کیا تھا اور اس کھانے کو باندھنا ان پر دشوار ہوا تو انہوں نے اپنا دوپٹا پھاڑا اور آدھے دوپٹے کے ساتھ ناشتہ کو باندھ لیا اور آدھے کے ساتھ اپنا تہبند باندھ لیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو "ذات النطاقین" فرمایا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے تمہارے اس کمر بند کی وجہ سے

جنت میں تمہیں کمر بند عطا کر دیا ہے" تو اس وجہ سے ان کو "ذات النطاقین" کہا گیا ہے۔

امام ابن اسحاق نے کہا ہے کہ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سترہ (۱۷) انسانوں کے اسلام قبول کرنے کے بعد مسلمان ہوئی تھیں۔ (الاستیعاب ج ۴ ص ۳۴۵۔ ۳۴۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۵ھ)

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے ۵۶ احادیث مروی ہیں، ان میں سے چودہ (۱۴) احادیث پر امام بخاری اور امام مسلم متفق ہیں، اور چار حدیثوں کے ساتھ امام بخاری اور امام مسلم منفرد ہیں۔

(الطبقات الکبریٰ ج ۸ ص ۲۵۵۔ ۲۴۹، اسد الغابہ ج ۷ ص ۹۔ ۱۰، الاصابہ ج ۴ ص ۲۲۹۔ ۲۳۰)

حدیثِ مذکور کے مسائل فقہیہ اور معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "حضرت اسماء رضی اللہ عنہا پر نماز میں غشی طاری ہو گئی تھی" اس سے معلوم ہوا کہ اگر غشی کم ہو زیادہ نہ ہو تو اس سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "میں نے اپنے اس مقام میں ہر چیز کو دیکھ لیا حتیٰ کہ جنت اور دوزخ کو" یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس حدیث میں دیکھنے سے مراد آنکھ سے دیکھنا ہو اور اس سے کوئی مانع نہیں ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد علم اور وحی ہو جیسا کہ حدیث میں ہے: "میں نے جنت اور دوزخ کو دیکھا، ان کی صورتیں اس دیوار کے قبلہ کی جانب تھیں"۔ (صحیح البخاری: ۷۴۹)

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جنت اور دوزخ دونوں پیدا کی جا چکی ہیں، اور یہی اہلِ سنت کا مذہب ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "جس چیز کو بھی میں نے پہلے نہیں دیکھا تھا، اس کو میں نے اس مقام میں دیکھ لیا" حدیث کے ان الفاظ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علمِ کلی ثابت ہوتا ہے۔

نیز اس حدیث میں عذابِ قبر کا ثبوت ہے اور یہ اہلِ سنت کا مذہب ہے اور اس حدیث میں قبر میں منکر نکیر کے سوالوں کا بھی ثبوت ہے۔

اس حدیث میں دجال کا ذکر ہے اور وہ کذاب ہے، اس کو دجال اس لیے فرمایا ہے کہ وہ جادو کر کے لوگوں کو دھوکے میں ڈالے گا، اور "دجل" کا معنی ہے: ڈھانپ لینا، کہا جاتا ہے کہ "فلاں شخص نے حق کو باطل کے ساتھ ڈھانپ لیا"۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اس شخص کے متعلق تمہارا کیا علم ہے" یہ قول فرشتوں کا ہے اور فرشتے کہیں گے: اس شخص کے متعلق تمہارا کیا علم ہے، اور یہ نہیں کہیں گے کہ رسول اللہ کے متعلق تمہارا کیا علم ہے، تاکہ لوگوں کا امتحان ہو اور تاکہ فرشتوں کی طرف سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اکرام کی تلقین نہ ہو، اسی وجہ سے مومن کہے گا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور منافق کہے گا کہ میں نہیں جانتا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "نم صالحا" یعنی تم اس طرح سو جاؤ کہ تمہیں ان چیزوں سے نہیں ڈرایا جائے گا جن چیزوں سے کفار کو ڈرایا گیا ہے کہ ان کو دوزخ پر پیش کیا جائے گا یا انہیں اور کسی قسم کا عذاب دیا جائے گا۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۳ ص ۴۳۱۔ ۴۳۵، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۷۲۸۸۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث

قَالَ دَعُونِي مَا تَرَكْتُكُمْ إِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِسُؤَالِهِمْ وَاخْتِلَافِهِمْ عَلَى أَنْبِيَائِهِمْ فَإِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَاجْتَنِبُوهُ وَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِأَمْرٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ۔

بیان کی از ابوالزناد از الاعرج از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: جن کاموں کو میں نے تم پر ترک کر دیا ہے ان کاموں کے متعلق تم مجھے چھوڑ دو، کیونکہ تم سے پہلی امتیں اس لیے ہلاک ہوگئیں کہ وہ اپنے انبیاء علیہم السلام پر بہت سوالات کرتی تھیں اور ان سے اختلاف کرتی تھیں، پس جب میں تم کو کسی کام سے منع کروں تو تم اس سے اجتناب کرو، اور جب میں تمہیں کسی کام کا حکم دوں تو اس کام کو اپنی قوت اور طاقت کے مطابق بجالاؤ۔

(صحیح مسلم: ۱۳۳۷، سنن ترمذی: ۲۶۷۹، سنن نسائی: ۲۶۱۹، سنن ابن ماجہ: ۲، مسند احمد: ۷۳۲۰)

صحیح البخاری: ۷۲۸۸، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

کثرتِ سوالات سے ممانعت کا سبب

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا، پس فرمایا: اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کر دیا ہے سو حج کرو، پھر ایک مرد کھڑا ہوا، اس نے کہا: یا رسول اللہ! کیا ہر سال حج فرض ہے؟ تو آپ خاموش رہے حتیٰ کہ اس مرد نے تین مرتبہ یہ سوال کیا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میں ہاں کہہ دیتا تو تم پر ہر سال حج فرض ہو جاتا اور تم اس کی طاقت نہ رکھتے، پھر آپ نے فرمایا: جن کاموں کے متعلق میں نے تمہیں چھوڑ دیا ہے تم بھی مجھے چھوڑ دو، کیونکہ تم سے پہلی امتیں اس لیے ہلاک ہوگئیں کہ وہ اپنے انبیاء علیہم السلام پر بہ کثرت سوال کرتی تھیں اور ان سے اختلاف کرتی تھیں، پس جب میں تمہیں کسی کام کا حکم دوں تو اس کو اپنی طاقت کے مطابق ادا کرو، اور جب میں تمہیں کسی کام سے روکوں تو پھر تم اپنی طاقت کے مطابق اس سے رک جاؤ۔ (صحیح مسلم: ۱۳۳۷، سنن نسائی: ۲۶۱۵، مسند احمد: ۷۸۷ ۹)

اور اس حدیث کے موافق قرآن مجید کی درج ذیل آیت ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَإِنْ تَسْأَلُوا عَنْهَا حِينَ يُنَزَّلُ الْقُرْآنُ تُبْدَ لَكُمْ ۖ عَفَا اللَّهُ عَنْهَا ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ (المائدہ: ۱۰۱)

اے ایمان والو! ایسی باتیں نہ پوچھا کرو جو اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تم کو ناگوار ہوں، اور اگر تم ایسے وقت سوال کرو گے جب قرآن نازل کیا جا رہا ہو تو وہ تم پر ظاہر کر دی جائیں گی، اللہ نے ان سے درگزر کیا اور اللہ بہت بخشنے والا نہایت حلم والا ہے O

مسلمانوں کو کثرتِ سوالات سے اس لیے منع فرمایا کہ کہیں ان کے ساتھ بھی ایسا معاملہ نہ ہو جیسا کہ بنی اسرائیل کے ساتھ ہوا تھا، کیونکہ انہیں حکم دیا گیا تھا کہ وہ گائے کو ذبح کر دیں، پس اگر وہ کسی بھی گائے کو پکڑ کر ذبح کر دیتے تو اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کر لیتے لیکن انہوں نے سختی کی تو ان پر سختی کی گئی۔

امام بزار اور ابن ابی حاتم نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا کہ اگر بنو اسرائیل کسی ادنیٰ گائے کو بھی ذبح کر دیتے تو وہ ان کے لیے کافی ہو جاتی، لیکن انہوں نے سختی کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر سختی کی۔

اس آیت سے اور اس حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ احکامِ شرعیہ کے وارد ہونے سے پہلے کوئی حکم نہیں ہے اور اصل اشیاء میں عدمِ وجوب اور اباحت ہے۔

حرام چیزوں سے علاج کرنے کے متعلق فقہاء کی آراء

پھر یہ ممانعت تمام ممنوعہ کاموں میں عام ہے اور اس سے یہ صورت مستثنیٰ ہے کہ کسی شخص کو شراب پینے پر مجبور کیا جائے، اور انہوں نے کہا کہ معصیت پر کسی کو مجبور کرنا اس معصیت کو مباح نہیں قرار دیتا اور صحیح یہ ہے کہ اگر واقعی اس کو معصیت پر مجبور کیا جائے تو اس سے مواخذہ نہیں ہوگا، بعض علماء شافعیہ نے اس سے زنا کو مستثنیٰ قرار دیا ہے، انہوں نے کہا: زنا میں جبر متصور نہیں ہے۔

اور اس سے ان لوگوں نے بھی استدلال کیا ہے جنہوں نے کہا ہے کہ حرام چیز کے ساتھ علاج کرنا جائز نہیں ہے اور نہ پیاس کو دور کرنے کے لیے کسی حرام مشروب کو پینا جائز ہے اور نہ کسی لقمہ کو نگلنے کے لیے کسی حرام مشروب کو پینا جائز ہے، اور صحیح یہ ہے کہ علماء شافعیہ کے نزدیک یہ جائز ہے تا کہ جان کو بچایا جا سکے جیسا کہ جو شخص بھوک سے مجبور ہو تو اس کے لیے مردار کو کھانا جائز ہے، اس کے برخلاف حرام چیز سے علاج کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ امام مسلم نے روایت کی ہے کہ حضرت وائل رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''حرام دوا نہیں ہے لیکن وہ بیماری ہے'' اور امام ابوداؤد نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''حرام سے دوا نہ کرو'' اور امام ابوداؤد نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''بے شک اللہ تعالیٰ نے حرام چیزوں میں میری امت کی شفاء نہیں رکھی''۔

رہا پیاس کو دور کرنا تو حرام مشروب کو پینے سے پیاس منقطع نہیں ہوتی۔

اور تحقیق یہ ہے کہ ممنوعہ کاموں سے اجتناب کرنے کا حکم اپنے عموم پر ہے سوا اس کے کہ جو آدمی بھوک سے مجبور ہو کر مر رہا ہو اس کے لیے مردار کو کھانا جائز ہے۔

بہ کثرت سوال کرنے کی دو قسمیں

امام بغوی نے شرح السنہ میں لکھا ہے کہ سوال کی دو قسمیں ہیں: پہلی قسم یہ ہے کہ دین کا کوئی مسئلہ کسی شخص کو سمجھ نہ آئے تو وہ اس کے متعلق سوال کرے، یہ سوال کرنا نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ اس کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (الانبیاء:۷) اگر تم کو علم نہیں ہے تو علم والوں سے سوال کرو O

اور صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انفال اور کلالہ وغیرہما کے متعلق جو سوال کیا تھا وہ اسی پر محمول ہے۔

دوسری قسم یہ ہے کہ کوئی شخص ہٹ دھرمی سے اور کج بحثی سے سوال کرے، اس کو مسئلہ کا علم ہو لیکن وہ دوسروں کو زچ اور عاجز کرنے کے لیے سوال کرے، اور حدیث میں جو زیادہ سوال کرنے سے منع کیا گیا ہے اس سے مراد یہی قسم ہے۔

امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مغالطہ ڈالنے سے منع فرمایا ہے، یا بجھارت ڈالنے سے منع فرمایا ہے۔

امام اوزاعی نے کہا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ جب اپنے بندہ کو علم کی برکت سے محروم کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کی زبان پر بجھارتیں ڈال دیتا ہے، پس میں نے ان لوگوں کو دیکھا ان کا علم لوگوں میں سب سے کم ہوتا ہے۔

علامہ ابن وہب مالکی نے کہا: میں نے امام مالک سے سنا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ علم میں جھگڑا اور بحث کرنا علم کے نور کو بندہ کے دل سے نکال دیتا ہے۔

اور علامہ ابن العربی نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں سوال کرنے سے منع کیا جاتا تھا اس خطرہ سے کہ لوگوں کے سوال کی وجہ سے ان پر کوئی ایسا حکم نازل نہ ہو جائے جس پر عمل کرنا ان کے لیے مشکل اور دشوار ہو، لیکن جب اس سے امن اور اطمینان ہو گیا پھر بھی سلف صالحین نے ان مسائل میں بحث کرنے کو مکروہ قرار دیا ہے جو ابھی واقع نہیں ہوئے، علامہ ابن العربی نے کہا: یہ مکروہ ہے اگرچہ حرام نہیں ہے مگر علماء کے لیے، کیونکہ وہ قرآن وحدیث کے دلائل سے مسائل کا استنباط کرتے ہیں اور ان پر دیگر مسائل کی تفریع کرتے ہیں، اور مکروہ اس وقت ہے کہ جب عالم کو اس قسم کی ابحاث اس سے زیادہ اہم کاموں میں مشغول ہونے سے روک دیں۔

اور اس حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ اس کام کی طرف مشغول ہونا چاہیے جو زیادہ اہم ہو اور اس کی دنیا میں ضرورت ہو، اور اس سے اجتناب کرنا چاہیے جس کی ضرورت نہ ہو، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم احکام پر عمل کرو اور ممنوعات سے اجتناب کرو''۔ پس مسلمان کو چاہیے کہ اس کے پاس اللہ تعالیٰ کے جو احکام آئے ہیں اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جو احادیث پہنچی ہیں ان میں اجتہاد کرے اور سمجھنے کی کوشش کرے اور پھر ان کے تقاضوں پر عمل کرے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۳۲۶، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۳۔ بَابُ: مَا يُكْرَهُ مِنْ كَثْرَةِ السُّؤَالِ وَتَكَلُّفِ مَا لَا يَعْنِيهِ

زیادہ سوال کرنے کی کراہت اور بے مقصد باتوں کے متعلق سوال کرنے کی کراہت

وَقَوْلِهِ تَعَالَىٰ: لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ (المائدہ: ۱۰۱)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد: ایسی باتیں نہ پوچھا کرو جو اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تم کو ناگوار ہوں۔

المائدہ: ۱۰۱ کی تفسیر از مصنف

لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ سوالات کرتے تھے، ان میں مسلمان بھی تھے اور منافق بھی، مسلمان تو شرعی حکم کو معلوم کرنے کے لیے سوال کرتے تھے اور منافق امتحاناً، استہزاءً اور عناداً سوال کرتے تھے، کوئی پوچھتا کہ میرا باپ آخرت میں کہاں ہے، کوئی پوچھتا میری اونٹنی کہاں ہے؟ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا خطبہ دیا کہ میں نے ایسا خطبہ کبھی نہیں سنا تھا، آپ نے فرمایا: ''اگر تم ان چیزوں کو جان لو جن کو میں جانتا ہوں تو تم کم ہنسو اور روؤ زیادہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے اپنے چہرے ڈھانپ لیے اور بلند آواز سے رونے لگے، ایک مرد نے پوچھا: یا رسول اللہ! میرا باپ کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا: تمہارا باپ فلاں ہے، تب یہ آیت نازل ہوئی ''ایسی باتیں نہ پوچھا کرو جو اگر تم پر ظاہر کر دی

جائیں تو تم پر ناگوار ہوں''۔(صحیح البخاری:۴۶۲۱،صحیح مسلم:۲۳۵۹،سنن ترمذی:۳۰۶۷،سنن کبریٰ للنسائی:۱۱۱۵۴)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استہزاءً سوال کرتے تھے،کوئی پوچھتا کہ میرا باپ کون ہے؟ کوئی کہتا:میری اونٹنی گم ہوگئی وہ اونٹنی کہاں ہے؟تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔(صحیح البخاری:۴۶۲۲)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات کیے حتیٰ کہ بہت زیادہ سوالات کیے تو ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر رونق افروز ہوئے اور فرمایا:''تم مجھ سے جس چیز کے متعلق سوال کرو گے میں تمہیں اس چیز کے متعلق بیان کروں گا''،حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ میں دائیں اور بائیں دیکھ رہا تھا،تو اس وقت ہر شخص اپنے کپڑوں میں سر ڈالے رو رہا تھا،ایک مرد کا جب کسی سے جھگڑا ہوتا تھا تو لوگ اس کو اس کے باپ کے غیر کی طرف منسوب کرتے تھے،تو وہ کہنے لگا:اے اللہ کے نبی!میرا باپ کون ہے؟آپ نے فرمایا:تمہارا باپ حذافہ ہے،پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:ہم اللہ کو رب مان کر راضی ہیں اور اسلام کو دین مان کر اور (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو رسول مان کر،ہم برے فتنوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتے ہیں،نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:میں نے آج کی مثل خیر اور شر کو نہیں دیکھا،میرے سامنے جنت اور دوزخ کی تصویر کو پیش کیا گیا حتیٰ کہ میں نے ان کو اس دیوار کے پاس دیکھا،قتادہ اس حدیث کا اس آیت کو پڑھتے وقت ذکر کرتے تھے''اے ایمان والو!ایسی باتیں نہ پوچھا کرو۔۔۔۔(المائدہ:۱۰۱)''۔(صحیح البخاری:۷۰۸۹،صحیح مسلم:۲۳۵۹،مسند احمد:۱۲۷۵۶)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرنے کی ممانعت کی وجوہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جن چیزوں کے متعلق سوال کیے جاتے تھے ان میں سے بعض مخفی ہوتی تھیں جن کے ظاہر ہونے سے کسی کا پردہ فاش ہوسکتا تھا اور اس کی رسوائی کا خطرہ تھا،مثلاً حضرت عبداللہ بن حذافہ السہمی نے پوچھا تھا کہ میرے باپ کون ہیں؟فرض کیجئے کہ ان کے باپ حذافہ نہ ہوتے کوئی اور ہوتے،تو وہ لوگوں میں رسوا ہوجاتے اور ان کی ماں کی عزت پر دھبہ لگ جاتا،اسی طرح جس شخص نے یہ سوال کیا تھا کہ کیا ہر سال حج فرض ہے؟اگر آپ ہاں فرما دیتے تو ہر سال حج فرض ہوجاتا اور مسلمان محض اس کے سوال کی وجہ سے مشکل میں پڑ جاتے۔

امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گھی،پنیر اور جنگلی گدھے کے متعلق سوال کیا گیا،آپ نے فرمایا:''حلال وہ ہے جو اللہ کی کتاب میں حلال ہے اور حرام وہ ہے جو اللہ کی کتاب میں حرام ہے اور جس سے اللہ تعالیٰ نے سکوت کیا وہ معاف ہے''۔(سنن ترمذی:۱۷۲۶،سنن ابن ماجہ:۳۳۶۷)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مسلمانوں میں سب سے بڑا مجرم وہ ہے جس نے کسی ایسی چیز کے متعلق سوال کیا جو مسلمانوں پر حرام نہیں تھی اور اس کے سوال کرنے کی وجہ سے وہ ان پر حرام کردی گئی''۔(صحیح البخاری:۷۲۸۹،صحیح مسلم:۲۳۵۸،سنن ابوداؤد:۴۶۱۰،مسند احمد:۱۵۴۸)

۷۲۸۹۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يَزِيدَ الْمُقْرِءُ حَدَّثَنَا سَعِيدٌ حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:ہمیں عبداللہ بن یزید المقری نے حدیث بیان کی،انہوں نے کہا:ہمیں سعید نے حدیث بیان کی،انہوں نے کہا:مجھے عقیل نے حدیث بیان کی

إِنَّ أَعْظَمَ الْمُسْلِمِينَ جُرْمًا مَنْ سَأَلَ عَنْ شَيْءٍ لَمْ يُحَرَّمْ فَحُرِّمَ مِنْ أَجْلِ مَسْأَلَتِهِ۔

از ابن شہاب از عامر بن سعد بن ابی وقاص از والد خود، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''مسلمانوں میں سب سے بڑا مجرم وہ ہے جس نے کسی ایسی چیز کے متعلق سوال کیا جو مسلمانوں پر حرام نہیں تھی اور اس کے سوال کرنے کی وجہ سے وہ ان پر حرام کر دی گئی''۔

(صحیح البخاری:۷۲۸۹، صحیح مسلم:۲۳۵۸، سنن ابوداؤد:۴۶۱۰، مسند احمد:۱۵۴۸)

صحیح البخاری:۷۲۸۹، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے باب کے عنوان کے بعد یہ آیت ذکر کی:

لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ (المائدہ:۱۰۱) ایسی باتیں نہ پوچھا کرو جو اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تم کو ناگوار ہوں۔

اور امام بخاری نے اس سے اس پر استدلال کیا ہے کہ بہ کثرت سوال کرنا مکروہ ہے اور ہم نے سورۃ المائدہ کی تفسیر میں اس آیت کے سبب نزول میں اختلاف کا ذکر کیا ہے اور یہ ذکر کیا ہے کہ ابن المنیّر نے یہ کہا ہے کہ یہ ممانعت اس وجہ سے ہے کہ لوگ بہ کثرت ان چیزوں کے متعلق سوال کرتے تھے جو ہو چکی تھیں اور جو ابھی نہیں ہوئی تھیں، اور امام بخاری نے جس طریقہ سے اس حدیث کی روایت کی ہے اس سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے، اور جو اس باب میں احادیث انہوں نے روایت کی ہیں اس سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔

فقہاء کی ایک جماعت نے اس پر شدید انکار کیا ہے، ان میں سے قاضی ابوبکر بن العربی ہیں، وہ کہتے ہیں: غافلوں کی ایک قوم نے یہ اعتقاد کیا ہے کہ پیش آمدہ مسائل میں سوال کرنے سے منع کیا گیا ہے حالانکہ اس طرح نہیں ہے، کیونکہ ممانعت کی وجہ میں یہ تصریح کر دی گئی ہے کہ ایسا سوال نہ ہو کہ جس کے جواب میں کسی ایسی چیز کو حرام کر دیا گیا ہو جو پہلے حرام نہ ہو، اور پیش آمدہ مسائل اس طرح نہیں ہوتے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: قاضی ابوبکر بن العربی کا قول صحیح ہے لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ ممانعت اس وقت تھی جب وحی نازل ہو رہی تھی اور اس کی تائید حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے ہوتی ہے جس سے امام بخاری نے اس باب کی ابتداء کی ہے: ''مسلمانوں میں سب سے بڑا مجرم وہ ہے جس نے کسی ایسی چیز کے متعلق سوال کیا جو مسلمانوں پر حرام نہیں تھی اور اس کے سوال کرنے کی وجہ سے وہ ان پر حرام کر دی گئی''۔

لیکن اب جب وحی منقطع ہو چکی ہے، اب یہ خطرہ نہیں رہا اور اس کی مزید تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حلال وہ ہے جس کو اللہ نے اپنی کتاب میں حلال کر دیا اور حرام وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حرام کر دیا اور جس سے اللہ تعالیٰ نے سکوت کیا وہ معاف ہے، پس اللہ تعالیٰ

سے عافیت کو قبول کرو، بے شک اللہ تعالیٰ کسی چیز کو بھولنے والا نہیں ہے پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی: "وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا۞" (مریم: ۶۴) "(اور آپ کا رب بھولنے والا نہیں ہے)۔ اس حدیث کی امام حاکم نے عمدہ سند کے ساتھ روایت کی ہے۔

امام دار قطنی حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے چند فرائض فرض کیے تم ان کو ضائع نہ کرو، اور چند حدود مقرر فرمائیں سو تم ان سے تجاوز نہ کرو، اور چند اشیاء سے سکوت فرمایا تم پر رحمت کرنے کے لیے بغیر نسیان کے، تم ان پر بحث نہ کرو۔

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ میں ایک سال ٹھہرا، مجھے ہجرت کرنے سے صرف یہ چیز مانع تھی کہ میں سوال کرنا چاہتا تھا، اور ہم میں سے کوئی ایک جب ہجرت کرتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال نہیں کرتا تھا۔

حضرت نواس رضی اللہ عنہ کی مراد یہ ہے کہ وہ مدینہ میں ایک وفد کی صورت میں آئے، پھر اسی طرح وہاں ٹھہرے رہے تا کہ ان کو کچھ مسائل معلوم ہوں۔

اس حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ سوال کرنے کی ممانعت کے مخاطب دیہاتیوں کے غیر ہیں اور وفود کے غیر ہیں۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۳۲۸، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۲۹۰۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا عَفَّانُ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ سَمِعْتُ أَبَا النَّضْرِ يُحَدِّثُ عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم اتَّخَذَ حُجْرَةً فِي الْمَسْجِدِ مِنْ حَصِيرٍ فَصَلَّى رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم فِيهَا لَيَالِيَ حَتَّى اجْتَمَعَ إِلَيْهِ نَاسٌ ثُمَّ فَقَدُوا صَوْتَهُ لَيْلَةً فَظَنُّوا أَنَّهُ قَدْ نَامَ فَجَعَلَ بَعْضُهُمْ يَتَنَحْنَحُ لِيَخْرُجَ إِلَيْهِمْ فَقَالَ مَا زَالَ بِكُمُ الَّذِي رَأَيْتُ مِنْ صَنِيعِكُمْ حَتَّى خَشِيتُ أَنْ يُكْتَبَ عَلَيْكُمْ وَلَوْ كُتِبَ عَلَيْكُمْ مَا قُمْتُمْ بِهِ فَصَلُّوا أَيُّهَا النَّاسُ فِي بُيُوتِكُمْ فَإِنَّ أَفْضَلَ صَلَاةِ الْمَرْءِ فِي بَيْتِهِ إِلَّا الصَّلَاةَ الْمَكْتُوبَةَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عفان نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں وہیب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں موسیٰ بن عقبہ نے حدیث بیان کی، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابوالنضر سے سنا، وہ حدیث بیان کرتے ہیں از بُسر بن سعید از حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں چٹائیوں سے ایک حجرہ بنایا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند راتیں اس میں نمازیں پڑھیں حتیٰ کہ آپ کے پاس لوگ جمع ہو گئے، پھر ایک رات انہوں نے آپ کی آواز نہیں سنی تو صحابہ نے گمان کیا کہ آپ سو گئے ہیں، پس بعض ان میں سے کھنکھارنے لگے تا کہ آپ باہر تشریف لائیں، آپ نے فرمایا: میں تمہاری کارروائی کو مسلسل دیکھتا رہا حتیٰ کہ مجھے یہ خطرہ ہوا کہ تم پر یہ نماز فرض کر دی جائے گی، اور اگر تم پر یہ نماز فرض کی جاتی تو تم اس کو قائم نہ کر سکتے، پس اے لوگو! اپنے گھروں میں نماز پڑھو، کیونکہ مرد کی بہترین نماز وہ ہوتی ہے جو گھر میں پڑھی جائے

سوائے فرض نماز کے۔

(صحیح البخاری: ۷۳۱، صحیح مسلم: ۷۸۱، سنن ترمذی: ۴۵۰، سنن نسائی: ۱۵۹۹، سنن ابوداؤد: ۱۴۴۷، مسند احمد: ۲۱۰۷۲، موطا امام مالک: ۲۹۳)

نوافل کو گھر میں پڑھنے کے متعلق احادیث

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں (فرض) نماز پڑھ لے تو اپنی نماز کا ایک حصہ اپنے گھر کے لیے رکھ لے، اللہ تعالیٰ اس کی نماز کے سبب سے اس کے گھر میں خیر رکھنے والا ہے۔
(صحیح مسلم: ۷۷۸، الرقم المسلسل: ۱۷۹۱)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی نمازوں میں سے کچھ اپنے گھروں میں رکھو اور اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ۔ (صحیح البخاری: ۱۱۸۷، صحیح مسلم: ۷۷۷، الرقم المسلسل: ۱۷۸۹، سنن ابوداؤد: ۱۴۴۸، سنن ابن ماجہ: ۱۳۷۷)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس گھر میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہو اور جس گھر میں اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کیا جاتا ہو، ان کی مثال زندہ اور مردہ کی طرح ہے۔ (صحیح البخاری: ۶۴۰۷، صحیح مسلم: ۱۷۹۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے گھر میں نماز پڑھنے کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: کسی شخص کا اپنے گھر میں نماز پڑھنا نور ہے، پس تم اپنے گھروں کو منور کرو۔ (سنن ابن ماجہ: ۱۳۷۵)

حضرت عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: میرا اپنے گھر میں نماز پڑھنا یا مسجد میں نماز پڑھنا ان میں سے کون سی نماز پڑھنا افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: کیا تم میرا گھر نہیں دیکھتے وہ مسجد سے کس قدر قریب ہے؟ اور میں اپنے گھر میں نماز پڑھوں، یہ مجھے مسجد میں نماز پڑھنے سے زیادہ محبوب ہے، سوا اس کے کہ وہ فرض نماز ہو۔ (سنن ابن ماجہ: ۱۳۷۸)

حضرت صہیب بن النعمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کوئی شخص اپنے گھر میں نماز پڑھے اس کی اس نماز پر فضیلت جس کو لوگ دیکھ رہے ہوں، اس طرح ہے جیسے فرض کی فضیلت نفل پر''۔ (المعجم الکبیر: ۷۳۲۲، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۴۷)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی شخص کا اپنے گھر میں نماز پڑھنا میری اس مسجد میں بھی نماز پڑھنے سے افضل ہے ماسوا فرض نماز کے۔ (سنن ابوداؤد: ۱۰۴۴، سنن ترمذی: ۴۵۰، مسند احمد ج ۵ ص ۱۸۲)

صحیح البخاری: ۷۲۹۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عبادت پر حرص

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عبادت کرنے پر بہت حریص تھے، جب ان کو معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چٹائیوں کا ایک حجرا بنایا اور اس میں رات کو آپ نماز پڑھتے ہیں اور چونکہ آپ بلند آواز کے ساتھ نماز میں قراءت کرتے تھے، اسی لیے صحابہ پیچھے کھڑے ہو کر آپ کی اقتداء میں نماز پڑھنا شروع کر دیتے اور یہ رمضان میں تراویح کی نماز تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین راتیں آتے رہے، بعد میں آپ نہیں آئے اور آپ نے فرمایا کہ نماز میں تمہارے اس قدر شوق اور حرص کو دیکھ کر مجھے یہ خطرہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نماز

تراویح کو فرض نہ قرار دے۔

میں یہ کہتا ہوں کہ اگر نمازِ تراویح فرض ہو جاتی تو صحابہ کرام کا منشاء تو بہ طریقِ اولیٰ پورا ہوتا، کیونکہ پہلے تراویح پڑھنے سے ان کو نفل کا ثواب ہوتا تھا اب تراویح پڑھیں گے تو فرض کا ثواب ہوگا اور فرض کا ثواب نفل سے بہت زیادہ ہوتا ہے، لیکن بعد کے لوگوں کو یعنی ہم لوگوں کو مشکل ہوتا، کیونکہ تراویح ہم پر فرض ہو جاتی اور اگر ہم کسی عذر کی وجہ سے تراویح نہ پڑھ سکتے تو ہم پر فرض کے ترک کا گناہ ہوتا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی رعایت نہیں کی ہماری رعایت کی اور آپ اس کے بعد تراویح پڑھنے کے لیے تشریف نہیں لائے، اب دیکھنا یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری اتنی رعایت کرتے تھے، ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رعایت کا کتنا احترام کرتے ہیں! (سعیدی غفرلہٗ)

مسجد میں نوافل کی جماعت کا ثبوت

اس حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن تراویح کی مسجد میں جماعت کرائی، تراویح نفل ہے اور یہ نفل کی مسجد میں جماعت کا ثبوت ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: اگر تم یہ اعتراض کرو کہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نمازوں میں مسجد میں بھی جماعت مشروع ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ عید کی نماز فرض نماز کے حکم میں ہے، کیونکہ یہ شریعت کا شعار ہے۔

پس اگر تم کہو کہ تحیۃ المسجد اور طواف کی دو رکعتیں، ان کو گھر میں پڑھنا افضل نہیں ہے بلکہ مسجد ہی میں ان کو پڑھا جاتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ کبھی دلائلِ خارجیہ سے عام کی تخصیص کی جاتی ہے، اور تحیۃ المسجد کی نماز چونکہ مسجد کی تعظیم کے لیے ہوتی ہے لہٰذا وہ مسجد کے سوا نہیں ہوتی، نیز قاعدہ یہ ہے کہ ہر عام میں تخصیص کی جاتی ہے سوائے اس آیت کے:

وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ (البقرہ: ۲۸۲) اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے O

اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے اور کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے علم سے باہر نہیں ہے، سو یہ ایسا عام ہے جس میں کوئی تخصیص نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۵۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: اسی کی مثل درجِ ذیل آیت ہے:

لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ (البقرہ: ۲۸۴) اللہ ہی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمینوں میں ہے۔

اس عام میں بھی کوئی تخصیص نہیں ہے کیونکہ آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے اور کوئی چیز اللہ تعالیٰ کی ملکیت سے باہر نہیں ہے۔

۷۲۹۱۔ حَدَّثَنَا یُوْسُفُ بْنُ مُوْسٰی حَدَّثَنَا اَبُوْ اُسَامَةَ عَنْ بُرَیْدِ بْنِ اَبِیْ بُرْدَةَ عَنْ اَبِیْ بُرْدَةَ عَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَنْ اَشْیَاءَ كَرِهَهَا فَلَمَّا اَكْثَرُوْا عَلَیْهِ الْمَسْاَلَةَ غَضِبَ وَقَالَ سَلُوْنِیْ فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَنْ اَبِیْ قَالَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یوسف بن موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابواسامہ نے حدیث بیان کی از برید بن ابی بردہ از حضرت ابوبردہ از حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چند چیزوں کے متعلق سوال کیا گیا جن سوالوں کو آپ نے ناپسند

أَبُوكَ حُذَافَةُ ثُمَّ قَامَ آخَرُ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ مَنْ أَبِي فَقَالَ أَبُوكَ سَالِمٌ مَوْلَى شَيْبَةَ فَلَمَّا رَأَى عُمَرُ مَا بِوَجْهِ رَسُولِ اللهِ ﷺ مِنَ الْغَضَبِ قَالَ إِنَّا نَتُوبُ إِلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ۔

(صحیح البخاری: ۹۲، ۷۲۹۱، صحیح مسلم: ۲۳۶۰)

کیا، پس جب لوگوں نے بہت زیادہ سوال کیے تو رسول اللہ ﷺ ناراض ہوئے اور آپ نے فرمایا: مجھ سے سوال کرو، پس ایک مرد کھڑا ہوا، اس نے کہا: یارسول اللہ! میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا: تمہارا باپ حذافہ ہے، پھر دوسرا شخص کھڑا ہوا، اس نے کہا: یارسول اللہ! میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا: تمہارا باپ سالم ہے جو شیبہ کا آزاد شدہ غلام ہے، پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کے چہرہ مبارک پر غضب کے آثار ہیں تو انہوں نے کہا: ہم اللہ عزوجل کی طرف توبہ کرتے ہیں۔

صحیح البخاری: ۷۲۹۱، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ سے کثرتِ سوالات کا بیان

سورۂ مائدہ: ۱۰۱ میں "لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ" کی تفسیر میں یہ بیان کیا ہے کہ کسی سائل نے سوال کیا کہ میری اونٹنی کہاں ہے، اور کسی سائل نے "البحیرۃ" (جس اونٹنی کا کان چیرا ہوا ہو) اور "السائبہ" (جس جانور کو بتوں کے تقرب کے لیے ذبح کرنے کی خاطر نامزد کیا گیا ہو) کے متعلق سوال کیا، اور کسی نے یہ سوال کیا کہ قیامت کس وقت قائم ہوگی، اور کسی نے یہ سوال کیا کہ آیا حج ہر سال کرنا فرض ہے یا اسی سال، اور کسی نے یہ سوال کیا کہ صفا پہاڑ کو سونے کا بنا دیا جائے، اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ سے بہت زیادہ سوالات کیے گئے۔

سوال کرنے والوں کا بیان

حافظ ابن عبد البر نے تمہید میں زہری کی سند سے دو حدیثیں ذکر کی ہیں، ایک حدیث میں مذکور ہے کہ ایک مرد نے آپ کی طرف کھڑے ہو کر کہا: یارسول اللہ! میرے داخل ہونے کی جگہ کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا: دوزخ میں۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: میں اس مرد کے نام پر واقف نہیں ہو سکا اور کسی سند میں بھی اس مرد کا ذکر نہیں ہے گویا کہ محدثین نے عمداً اس کے نام کو مبہم رکھا ہے تا کہ اس پر پردہ پڑا رہے۔

اور امام طبرانی نے ابوفراس الاسلمی سے اسی کی مثل روایت کی ہے اور اس میں یہ اضافہ ہے کہ ایک مرد نے آپ سے سوال کیا کہ میں جنت میں ہوں گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں جنت میں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: میں اس مرد کے نام پر بھی واقف نہیں ہو سکا۔

اور حافظ ابن عبد البر نے مسلم کی روایت میں نبی ﷺ سے یہ روایت کی ہے کہ آپ نے اپنے خطبہ میں فرمایا: مجھ سے کوئی شخص کسی چیز کے متعلق سوال نہیں کرے گا مگر میں اس کو اس کی خبر دوں گا، ہاں مجھ سے وہ اپنے باپ کے متعلق سوال کرے تو حضرت

عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے اپنے باپ کے متعلق سوال کیا۔

اور ایک اور حدیث میں ہے کہ بنو اسد کا ایک مرد کھڑا ہوا، اس نے پوچھا: میں کہاں ہوگا؟ آپ نے فرمایا: دوزخ میں، اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ (المائدہ:۱۰۱)

اے ایمان والو! ایسی باتیں نہ پوچھا کرو جو اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تم کو ناگوار ہوں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر کہا: ہم اللہ عزوجل کی طرف توبہ کرتے ہیں اور زہری کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے، پس کہا: ہم اللہ کو رب مان کر راضی ہیں اور اسلام کو دین مان کر اور (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو رسول مان کر، اور قتادہ کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ ہم فتنوں کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتے ہیں، اور امام طبری کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیر مبارک کو بوسہ دیا اور کہا: ہم اللہ کو رب مان کر راضی ہیں اور قرآن کو امام مان کر راضی ہیں، سو آپ ہم کو معاف کر دیں اللہ آپ کو معاف فرمائے اور وہ بار بار اسی طرح کہتے رہے حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہو گئے۔

حدیث مذکور کے فوائد

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال کو بغور دیکھتے تھے، اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوتے تو وہ بہت زیادہ خوف زدہ ہوتے تھے، انہیں خوف ہوتا کہ کہیں کوئی ایسا عذاب نازل ہو جو ان پر بھی محیط ہو، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر دلالت کی اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک مرد دوسرے مرد کے پیر کو بوسہ دے سکتا ہے، اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی عذاب کے وقوع کا قرینہ ہو تو اس سے ڈرنا چاہیے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ دعا میں ایک جیسے لفظوں کو استعمال کرنا جائز ہے جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ''اعف عفا الله عنك'' یعنی آپ ہمیں معاف کر دیں اللہ آپ کو معاف فرمائے، ورنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر وقت معافی حاصل ہے۔

حافظ ابن عبدالبر نے کہا: امام مالک سے سوال کیا گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ سوال کرنے سے منع کرنے کا کیا معنی ہے؟ تو انہوں نے کہا: یا تو اس لیے کثرتِ سوال سے منع کیا کہ پیش آمدہ مسائل میں زیادہ سوال نہ کرو، یا لوگ جو آپ سے مال کا سوال کرتے تھے اس سے منع کیا۔

اور اکثر علماء کا موقف یہ ہے کہ کثرتِ سوال کی ممانعت سے مراد ہے پیش آمدہ مسائل میں اور بجھارتوں میں زیادہ سوال کرنا منع ہے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۴۳۱۔ ۴۳۲، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۲۹۲۔ حَدَّثَنَا مُوسَى حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ عَنْ وَرَّادٍ كَاتِبِ الْمُغِيرَةِ قَالَ كَتَبَ مُعَاوِيَةُ إِلَى الْمُغِيرَةِ اكْتُبْ إِلَيَّ مَا سَمِعْتَ مِنْ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَكَتَبَ إِلَيْهِ إِنَّ نَبِيَّ اللهِ صلى الله عليه وسلم كَانَ يَقُولُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوعوانہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالملک نے حدیث بیان کی از وراد کاتب المغیرہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے

فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ اللَّهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ وَكَتَبَ إِلَيْهِ إِنَّهُ كَانَ يَنْهَى عَنْ قِيلَ وَقَالَ وَكَثْرَةِ السُّؤَالِ وَإِضَاعَةِ الْمَالِ وَكَانَ يَنْهَى عَنْ عُقُوقِ الْأُمَّهَاتِ وَوَأْدِ الْبَنَاتِ وَمَنْعٍ وَهَاتِ۔

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی طرف لکھا کہ مجھے لکھ کر بھیجو جو تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہو، تو انہوں نے ان کی طرف یہ لکھا کہ بے شک اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد یہ پڑھتے تھے:

''اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، وہ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کا ملک ہے اور اسی کے لیے حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، اے اللہ جو تو عطا کرے اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جس چیز سے تو منع کر دے اسے کوئی دینے والا نہیں ہے اور کسی کوشش کرنے والے کی کوشش تیرے مقابلہ میں نفع نہیں پہنچا سکتی''۔

اور حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف لکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قیل و قال (فضول بحث) اور کثرت سوال اور مال کو ضائع کرنے سے منع فرماتے، اور آپ ماؤں کی نافرمانی سے منع فرماتے تھے اور بیٹیوں کو زندہ درگور کرنے سے منع فرماتے تھے اور دوسروں کا حق نہ دینے اور بے ضرورت مانگنے سے منع فرماتے تھے۔

(صحیح البخاری: ۸۴۴، ۱۴۷۷، ۲۴۰۸، ۵۹۷۵، ۶۳۳۰، ۶۴۷۳، ۶۶۱۵، ۷۲۹۲، صحیح مسلم: ۵۹۳، سنن نسائی: ۱۳۴۱، سنن ابوداؤد: ۱۵۰۵، مسند احمد: ۱۸۱۷۷، سنن دارمی: ۱۳۴۹)

صحیح البخاری: ۷۲۹۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''فی دبر کل صلوٰۃ'' اس کا معنی ہے ''فی عقب کل صلوٰۃ'' یعنی ہر نماز کے بعد۔

ذکر بالجہر کا ثبوت

اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد یہ ذکر فرماتے تھے: ''لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ الخ ـــــ'' اور یہ اس پر محمول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بلند آواز سے یہ ذکر فرماتے تھے، تبھی تو حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے یہ ذکر سنا اور اس کی آگے تبلیغ کی، اس سے معلوم ہوا کہ ہر نماز کے بعد بلند آواز سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور ذکر بالجہر سے روکنا اور منع کرنا بیجا، ناجائز اور ظلم ہے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اور اس سے بڑا ظالم اور کون ہے جو اللہ کی مساجد میں اس کے نام

اسْمُهٗ۔ (البقرہ:۱۱۴) کے ذکر سے منع کرے۔

تاہم یہ ذکر بالجہر اس وقت مستحب ہے جب اس سے کسی کی نماز میں خلل نہ ہو یا کسی سوئے ہوئے کی نیند میں حرج نہ ہو یا کسی بیمار کو اس سے پریشانی نہ ہو، اس لیے متوسط آواز کے ساتھ ذکر بالجہر کرنا چاہیے، گلا پھاڑ کر، چلا چلا کر ذکر نہیں کرنا چاہیے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِيْفَةً وَّ دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ۝ (الاعراف:۲۰۵)

اور اپنے رب کو اپنے دل میں خوف اور عاجزی کے ساتھ یاد کرو اور زبان سے آواز بلند کیے بغیر صبح اور شام کو یاد کرو اور غفلت کرنے والوں میں سے نہ ہو جاؤ O

حدیث مذکور کے دیگر الفاظ کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے: "ولا ینفع ذاالجد منك الجد" جد کا معنی بخت اور نصیب ہے اور باپ کا باپ یعنی دادا ہے، اور اگر یہ لفظ جِد (جیم کے زیر کے ساتھ) پڑھا جائے تو اس کا معنی ہے اجتہاد اور کوشش، اور اس کا معنی یہ ہے کہ کسی مال دار کو یا کسی نصیب والے کو یا کسی کوشش کرنے والے کو اس کا مال یا نصیب یا کوشش نفع نہیں دے سکتا، انسان کو صرف اس کے ایمان اور اللہ عزوجل کی اطاعت سے نفع پہنچتا ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "عن قیل وقال" اس کا معنی ہے: لوگوں کو بحث کرنے اور جھگڑا کرنے اور ایک دوسرے کی مخالفت کرنے سے منع فرمایا ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "وکثرۃ السوال" یعنی ان مسائل کے متعلق زیادہ دریافت نہ کیا جائے جن کی ضرورت پیش نہیں آتی، یا لوگوں کی خبروں کے متعلق سوال نہ کیا جائے، یا اپنے صاحب کے معاش کی تفاصیل کے متعلق سوال نہ کیا جائے، یا دنیاوی منافع میں زیادتی کے حصول کے لیے سوال نہ کیا جائے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "واضاعة المال" یعنی مال کو ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے، مال کو ضائع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ کسی حرام کام میں مال کو خرچ کیا جائے، یا کسی مکروہ کام میں مال کو خرچ کیا جائے، یا کسی جائز کام میں ضرورت سے زیادہ مال خرچ کیا جائے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ومنع" یعنی کسی مرد پر جو لوگوں کے حقوق ہوں، وہ ان کو ادا کرنے سے منع کرے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "وھات" یعنی جس چیز کی ضرورت نہ ہو اس کو انسان طلب کرے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۵۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

نماز کے بعد ذکر کے متعلق احادیث

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نماز کے بعد پڑھے جانے والے کچھ اذکار ہیں، ان کو پڑھنے والا ناکام اور نامراد نہیں ہوتا، ہر نماز کے بعد تینتیس مرتبہ سبحان اللہ کہے، اور تینتیس مرتبہ الحمد للہ کہے اور چونتیس مرتبہ اللہ اکبر کہے۔ (صحیح مسلم:۵۹۶، سنن ترمذی:۳۴۱۲، سنن نسائی:۱۳۴۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے صبح کی نماز کے بعد سو مرتبہ سبحان اللہ کہا اور سو مرتبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہا، اس کے گناہوں کو بخش دیا جائے گا خواہ اس کے گناہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔ (سنن نسائی: ۱۳۵۰)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ہر فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی کو پڑھا، اس کو موت کے سوا کوئی چیز جنت میں داخل ہونے سے مانع نہیں ہے۔

(عمل الیوم واللیلۃ للنسائی: ۱۰۰، موسسۃ الکتب الثقافیہ، بیروت، ۱۴۰۸ھ)

۷۲۹۳۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ كُنَّا عِنْدَ عُمَرَ فَقَالَ نُهِينَا عَنِ التَّكَلُّفِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد بن زید نے حدیث بیان کی از ثابت از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس تھے، پس انہوں نے بیان کیا کہ ہم کو تکلف کرنے سے منع کیا گیا۔

صحیح البخاری: ۷۲۹۳، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

''الاَبّ'' کے معنی میں متعدد اقوال

امام بخاری نے اس حدیث کو یہاں اختصار سے روایت کیا ہے اور امام الحمیدی نے ذکر کیا ہے کہ اس سلسلہ میں دیگر روایات بھی ہیں، از ثابت از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی: ''وَّ فَاكِهَةً وَّ اَبًّا۔۔۔ (عبس: ۳۱)'' (اور میوے اور (مویشیوں) کا چارا)۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ''الاب'' کیا چیز ہے؟ پھر کہا: ہم کو اس کا معنی جاننے کا مکلف نہیں کیا گیا، یا کہا: ہمیں اس کا حکم نہیں دیا گیا۔

اور اسماعیلی نے ثابت سے یوں روایت کی ہے کہ ایک مرد نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے ''وَّ فَاكِهَةً وَّ اَبًّا۔۔۔ (عبس: ۳۱)'' کے متعلق پوچھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہمیں گہرائی میں جانے اور تکلف کرنے سے منع کیا گیا ہے، اور یہ زیادہ اولیٰ ہے کہ اس روایت کے ساتھ امام بخاری کی حدیث کو مکمل کیا جائے، اور یہ ابو نعیم کی اس روایت سے بھی اولیٰ ہے جس میں مذکور ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ہم بیٹھے ہوئے تھے اور ان کی قمیص کے پچھلے حصہ میں چار پیوند تھے تو انہوں نے اس آیت کی تلاوت کی: ''وَّ فَاكِهَةً وَّ اَبًّا۔۔۔ (عبس: ۳۱)''۔

پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یہ ''فَاكِهَةً'' (پھل اور میوے) اس کا معنی تو ہم جانتے ہیں، پس یہ الابّ کیا چیز ہے؟ پھر کہا: چھوڑو، ہم کو تکلف سے کسی معنی کو جاننے سے منع کیا گیا ہے۔

اور سلیمان بن حرب نے اپنی سند کے ساتھ یہ روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ''الابّ'' کیا چیز ہے؟

پھر کہا: اے ابن عمر! بے شک یہ تکلف ہے اور تم پر کوئی ملامت نہیں ہوگی اگر تم یہ نہ جانو کہ الاب کیا چیز ہے۔

امام عبد بن حمید نے اپنی سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے سنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس آیت کی تلاوت کر رہے تھے:

فَاَنۡۢبَتۡنَا فِيۡهَا حَبًّا ۙ﴿۲۷﴾ وَّعِنَبًا وَّقَضۡبًا ۙ﴿۲۸﴾ وَّزَيۡتُوۡنًا وَّنَخۡلًا ۙ﴿۲۹﴾ وَّحَدَآئِقَ غُلۡبًا ۙ﴿۳۰﴾ وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ۙ﴿۳۱﴾ (عبس: ۲۷-۳۱) سو اس میں ہم نے غلہ اگایا O اور انگور اور سبزی O اور زیتون اور کھجور O اور گھنے باغات O اور میوے اور (مویشیوں) کا چارا O

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ان میں سے ہر لفظ کے معنی کو ہم جانتے ہیں، پس "الاب" کیا چیز ہے؟ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں جو لاٹھی تھی اس کو انہوں نے پھینک دیا، پھر کہا: یہ اللہ کی قسم! تکلف ہے، اس کی پیروی کرو جس کا معنی تمہارے لیے اس کتاب میں بیان کر دیا گیا ہے۔

اور امام طبری نے دو مختلف سندوں کے ساتھ از الزہری روایت کی ہے جس کے آخر میں ہے: "اس کی پیروی کرو جس کو تمہارے لیے کتاب میں بیان کر دیا گیا ہے"۔ اور ایک اور عبارت ہے کہ "جس کا تمہارے لیے بیان کر دیا گیا ہے اس پر عمل کو لازم کر لو اور جس کا بیان نہیں کیا گیا، اس کو چھوڑ دو"۔

اور امام عبد بن حمید نے بھی از ابراہیم النخعی از عبد الرحمن بن زید روایت کی ہے کہ ایک مرد نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ "وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ﴿۳۱﴾ ... (عبس: ۳۱)" کا کیا معنی ہے؟ پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو دیکھا وہ کہہ رہے تھے کہ ان کو درے مارو۔

اور ایک اور سند کے ساتھ ابراہیم النخعی سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی "وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ﴿۳۱﴾ ... (عبس: ۳۱)" تو ان سے پوچھا گیا کہ "الاب" کیا چیز ہے؟ پس کہا گیا: اس طرح اور اس طرح ہے، تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: بے شک یہ تکلف ہے، اور جب میں اللہ کی کتاب میں بغیر علم کے کوئی معنی بیان کروں تو کون سی زمین میرا بوجھ اٹھائے گی اور کون سا آسمان مجھ پر سایا کرے گا۔

امام حاکم نے المستدرک کی تفسیر میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تلاوت کی: "وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ﴿۳۱﴾ ... (عبس: ۳۱)" تو بعض لوگوں نے کہا: اس کا یہ معنی ہے اور بعض نے کہا: اس کا یہ معنی ہے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: چھوڑو اس بات کو، جو بھی ہمارے اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہم اس پر ایمان لائے۔

امام عبد بن حمید نے روایت کی ہے جس کے اخیر میں ہے: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اَنَّا صَبَبۡنَا الۡمَآءَ صَبًّا ۙ﴿۲۵﴾ ثُمَّ شَقَقۡنَا الۡاَرۡضَ شَقًّا ۙ﴿۲۶﴾ فَاَنۡۢبَتۡنَا فِيۡهَا حَبًّا ۙ﴿۲۷﴾ وَّعِنَبًا وَّقَضۡبًا ۙ﴿۲۸﴾ وَّزَيۡتُوۡنًا وَّنَخۡلًا ۙ﴿۲۹﴾ وَّحَدَآئِقَ غُلۡبًا ۙ﴿۳۰﴾ وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ۙ﴿۳۱﴾ (عبس: ۲۵-۳۱) ہم نے خوب پانی بہایا O پھر ہم نے زمین کو شق کیا O سو اس میں ہم نے غلہ اگایا O اور انگور اور سبزی O اور زیتون اور کھجور O اور گھنے باغات O اور میوے اور (مویشیوں) کا چارا O

پس حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: پس مذکورہ سات چیزیں بنو آدم کا رزق ہیں، اور "الاب" وہ چیز ہے جس کو جانور کھاتے ہیں، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر انکار نہیں کیا۔

امام طبری نے سند صحیح کے ساتھ از عاصم بن کلیب از والد خود از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ "الاب" وہ چیز ہے

''جس کو زمین اگاتی ہے اور اس کو مویشی کھاتے ہیں اور انسان نہیں کھاتے''۔

علی بن طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سندِ صحیح کے ساتھ روایت کی ہے کہ ''الابّ'': ''تر و تازہ پھل'' ہیں۔

اور اسی طرح امام ابن ابی حاتم نے ''وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا۝'' ۔۔۔ (عبس: ۳۱) '' کی تفسیر میں کہا: ''یہ تر و تازہ پھل'' ہیں۔

عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سندِ حسن کے ساتھ روایت کی ہے کہ ''الابّ'' جانوروں کے کھانے کی گھاس ہے۔

عطاء نے کہا ہے: ہر وہ چیز جس کو زمین اگاتی ہے، وہ ''الابّ'' ہے۔

اور الضحاک سے روایت ہے کہ ''الابّ'' ہر وہ چیز ہے جس کو پھلوں کے سوا زمین اگاتی ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ ''الابّ'' خشک پھل ہیں، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ لفظ عربی نہیں ہے، اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اس کا معنی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما ایسے عظیم صحابہ سے مخفی رہا۔

ایک قول یہ ہے کہ امام بخاری نے اس حدیث کی اس باب میں روایت کی ہے اور اس سے یہ اشارہ کیا ہے کہ جب صحابی کہے کہ ہمیں حکم دیا گیا یا ہمیں منع کیا گیا تو یہ حدیثِ مرفوع کے حکم میں ہے خواہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اضافت نہ کی گئی ہو، اسی وجہ سے امام بخاری نے یہاں اس پر اختصار کیا ہے کہ ہمیں تکلف کرنے سے منع کیا گیا ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشقت اٹھا کر تکلف کر کے قرآن مجید کے کسی معنی کو بیان کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۳۳۲۔ ۳۳۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۲۹۴۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ ح و حَدَّثَنِي مَحْمُودٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَخْبَرَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رضي الله عنه أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم خَرَجَ حِينَ زَاغَتِ الشَّمْسُ فَصَلَّى الظُّهْرَ فَلَمَّا سَلَّمَ قَامَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَذَكَرَ السَّاعَةَ وَذَكَرَ أَنَّ بَيْنَ يَدَيْهَا أُمُورًا عِظَامًا ثُمَّ قَالَ مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَسْأَلَ عَنْ شَيْءٍ فَلْيَسْأَلْ عَنْهُ فَوَاللهِ لَا تَسْأَلُونِي عَنْ شَيْءٍ إِلَّا أَخْبَرْتُكُمْ بِهِ مَا دُمْتُ فِي مَقَامِي هَذَا قَالَ أَنَسٌ فَأَكْثَرَ النَّاسُ الْبُكَاءَ وَأَكْثَرَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم أَنْ يَقُولَ سَلُونِي فَقَالَ أَنَسٌ فَقَامَ إِلَيْهِ رَجُلٌ فَقَالَ أَيْنَ مَدْخَلِي يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ النَّارُ فَقَامَ عَبْدُ اللهِ بْنُ حُذَافَةَ فَقَالَ مَنْ أَبِي يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ أَبُوكَ حُذَافَةُ قَالَ ثُمَّ أَكْثَرَ أَنْ يَقُولَ سَلُونِي سَلُونِي فَبَرَكَ عُمَرُ عَلَى رُكْبَتَيْهِ فَقَالَ رَضِينَا بِاللهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم رَسُولًا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری ح اور مجھے محمود نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرزاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم سورج کے مغرب کی طرف زائل ہونے کے بعد گھر سے باہر نکلے، پس آپ نے ظہر کی نماز پڑھائی، پھر جب آپ نے سلام پھیرا تو آپ منبر پر کھڑے ہوئے، سو آپ نے قیامت کا ذکر کیا اور آپ نے ذکر فرمایا کہ قیامت سے پہلے بہت عظیم امور کا ظہور ہوگا، پھر آپ نے فرمایا: پس جو چاہتا ہو کہ مجھ سے کسی چیز کے متعلق سوال کرے تو وہ اس چیز کے متعلق مجھ سے سوال کرے، پس اللہ کی قسم! تم مجھ سے کسی چیز کے متعلق سوال نہیں کرو گے مگر میں تمہیں اس چیز کے متعلق خبر دوں گا جب تک کہ میں اس مقام میں ہوں، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: پس انصار بہت زیادہ رونے لگے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

قَالَ فَسَكَتَ رَسُولُ اللهِ ﷺ حِينَ قَالَ عُمَرُ ذٰلِكَ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَقَدْ عُرِضَتْ عَلَيَّ الْجَنَّةُ وَالنَّارُ آنِفًا فِي عُرْضِ هٰذَا الْحَائِطِ وَأَنَا أُصَلِّي فَلَمْ أَرَ كَالْيَوْمِ فِي الْخَيْرِ وَالشَّرِّ۔

بار بار فرما رہے تھے کہ مجھ سے سوال کرو، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: پس آپ کی طرف ایک مرد کھڑا ہوا، اس نے کہا: میں قیامت کے بعد کہاں داخل ہوں گا یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: دوزخ میں، پھر حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے، پس انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا: تمہارا باپ حذافہ ہے، پھر آپ بار بار فرماتے رہے: مجھ سے سوال کرو، مجھ سے سوال کرو، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے، پھر کہا: ہم اللہ کو رب مان کر راضی ہیں اور اسلام کو دین مان کر راضی ہیں اور (سیدنا) محمد (ﷺ) کو رسول مان کر راضی ہیں، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ کہا تو رسول اللہ ﷺ خاموش ہو گئے، پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! بے شک ابھی ابھی اس دیوار کی چوڑائی میں مجھ پر جنت اور دوزخ کو پیش کیا گیا اور میں اس وقت نماز پڑھ رہا تھا اور میں نے آج کی مثل خیر اور شر نہیں دیکھی۔

(صحیح البخاری: ۹۳، ۵۴۰، ۷۴۹، ۴۶۲۱، ۶۳۶۲، ۶۴۶۸، ۷۰۸۹، ۷۰۹۰، ۷۰۹۱، ۷۲۹۴، ۷۲۹۵، صحیح مسلم: ۲۳۵۹، مسند احمد: ۱۱۶۳۳)

صحیح البخاری: ۷۲۹۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

انصار کے رونے اور رسول اللہ ﷺ کے بار بار یہ فرمانے کی توجیہ کہ "مجھ سے سوال کرو"

انصار اس لیے رو رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے قیامت سے پہلے واقع ہونے والے حولناک امور کا ذکر فرمایا جن میں دابۃ الارض کا بیان ہے، یاجوج اور ماجوج کا قصہ ہے، اور دجال کا فتنہ ہے، اور سورج کا مغرب سے طلوع ہونا ہے۔۔۔۔۔۔ وغیرہ

اور چونکہ لوگ رسول اللہ ﷺ سے بار بار سوال کر رہے تھے حتیٰ کہ ایک منافق نے یہ بھی سوال کیا کہ میں مرنے کے بعد کہاں ہوں گا؟ تو آپ نے فرمایا: دوزخ میں، اور بعض صحابہ نے پوچھا کہ میرا باپ کون ہے تو آپ نے اس کے متعلق بتایا، اس لیے آپ نے غضب میں آ کر فرمایا: "مجھ سے سوال کرو"۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ "میں نماز پڑھ رہا تھا اور اس دیوار کے عرض میں مجھے جنت اور دوزخ دکھائی گئی"۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اس دیوار کو شفاف بنا دیا گیا اور رسول اللہ ﷺ نے اس دیوار کے عرض سے جنت اور دوزخ کو دیکھ لیا، اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ اس دیوار کا عرض جنت اور دوزخ کا محل بن گیا تھا، کیونکہ جنت تو اتنی وسیع ہے کہ اس کے عرض میں تمام زمین اور آسمان سما سکتے

ہیں۔ اور اس میں یہ بتلانا ہے کہ جنت اور دوزخ غیب ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ان کو منکشف فرما دیا، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے سائلین کے ہر سوال کے جواب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر منکشف فرما دیا۔
(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۵۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۷۲۹۴، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ سوال کرنے کی ممانعت کی توجیہ

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کثرتِ سوالات سے منع فرمایا ہے۔ (صحیح البخاری: ۲۴۰۸)
اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کثرتِ سوالات سے منع فرمایا ہے۔ (صحیح البخاری: ۶۶۲۲)
اور ان تمام ممانعت کی احادیث کا محمل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کج بحثی اور ہٹ دھرمی سے سوال نہ کیے جائیں، یا بلا ضرورت سوال نہ کیے جائیں جیسا کہ یہود سوال کرتے تھے، لیکن جس نے کسی پیش آمدہ مسئلہ کے شرعی حکم کو معلوم کرنے کے لیے سوال کیا تو اس کی مذمت نہیں ہے بلکہ یہ سوال کرنا واجب ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (النحل: ۴۳) سو اگر تم کو علم نہیں ہے تو علم والوں سے پوچھ لو۔

نیز قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ (المائدہ: ۱۰۱) اے ایمان والو! ایسی باتیں نہ پوچھا کرو جو اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تم کو ناگوار ہوں۔

اس آیت کا محمل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بلا ضرورت اور بلا فائدہ سوال کرنے سے منع فرمایا ہے۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استہزاء سوال کرتے تھے، پس کوئی مرد کہتا: میرا باپ کون ہے؟ اور کوئی مرد کہتا: میری اونٹنی گم ہو گئی ہے بتائیں میری اونٹنی کہاں ہے؟ تب یہ آیت نازل ہوئی۔ (صحیح البخاری: ۴۶۲۲)
اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ سوال کرنے کی ممانعت اس وجہ سے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جس حکم کو نہیں بیان کیا اور اس کو معاف فرما دیا ہے، اس کے متعلق کوئی شخص سوال کرے اور اس کے سوال کی وجہ سے اس کام کو حرام کر دیا جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ناراض ہونے کی توجیہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس لیے غضب ناک ہوئے کہ لوگ بہت زیادہ سوالات کر رہے تھے اور اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچا رہے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچانا حرام ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا (الاحزاب: ۵۷) بے شک جو لوگ اللہ کو ایذاء پہنچاتے ہیں اور اس کے رسول کو، اللہ ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت فرماتا ہے، اور اس نے ان کے لیے رسوا کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اور جب لوگوں نے آپ سے بہت زیادہ سوالات کیے تو آپ نے فرمایا: تم جو چاہو مجھ سے سوال کرو، اور جو انہوں نے سوالات کیے تھے ان کے آپ نے جوابات دیے، اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''یا رسول اللہ! ہم اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کرتے ہیں'' تو آپ کا اس پر سکوت فرمانا اس کی دلیل ہے کہ آپ نے جو یہ فرمایا تھا کہ ''مجھ سے سوال کرو جو چاہو'' یہ آپ نے بطور ناراضگی اور غضب فرمایا تھا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ جان لیا کہ لوگوں نے کج بحثی اور ہٹ دھرمی سے اور سرکشی سے سوالات کیے ہیں، اس لیے انہوں نے کہا کہ ہم اللہ عزوجل سے توبہ کرتے ہیں، ایک شخص نے سوال کیا تھا کہ میرا باپ کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ دوزخ میں ہے، اس لیے کہ وہ شخص منافق تھا اور دوزخ کا مستحق تھا یا نافرمان تھا، اور یہ جواب بہت بعید ہے کہ چونکہ اس نے سرکشی سے سوال کیا تھا تو اس لیے وہ اس وعید کا مستحق ہو گیا۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۳ ص ۲۶۳۔ ۲۶۴، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

''تم جو چاہو مجھ سے سوال کرو'' اس کی شرح میں شارحین سابقین کی تقاریر

قاضی عیاض مالکی متوفی ۵۴۴ھ نے لکھا ہے: ہر سوال کا از خود جواب دینا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ممکن نہ تھا، آپ صرف وحی سے مطلع ہو کر بتاتے تھے، کیونکہ آپ کو امورِ مغیبات میں سے صرف انہی چیزوں کا علم تھا جن کی اللہ تعالیٰ نے آپ کو خبر دے دی تھی۔

(اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۷ ص ۳۳۱۔ ۳۳۲، دار الوفاء، ۱۴۲۹ھ)

علامہ ابو العباس احمد بن عمر القرطبی المتوفی ۶۵۶ھ نے لکھا ہے: بعض روایات میں مذکور ہے کہ آپ کے اصحاب میں بعض ایسے اصحاب داخل ہو گئے تھے جن کا ایمان متحقق نہیں ہوا تھا، انہوں نے سوالات کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آزمانے کا قصد کیا اور آپ کو عاجز کرنے کے لیے آپ سے بہت زیادہ سوالات کیے، اور یہ منافقین اور آپ کے اعداء اور دینِ اسلام کے دشمنوں کا طریقہ تھا اور وہ اس آیت کے مصداق تھے:

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّاۤ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ (التوبہ: ۳۲)

وہ اپنی پھونکوں سے اللہ کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں اور اللہ اس کے سوا انکار کرتا ہے کہ وہ اپنے نور کو مکمل فرمائے گا، خواہ کافروں کو برا لگے ○

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے منشاء کو سمجھ لیا تو آپ نے اسی مجلس میں ان سے فرمایا: ''مجھ سے سوال کرو، مجھ سے سوال کرو، پس اللہ کی قسم! تم مجھ سے کسی چیز کے متعلق سوال نہیں کرو گے مگر میں تم کو اس کی خبر دوں گا''۔ (المفہم ج ۶ ص ۱۶۵، دار ابن کثیر، دمشق، ۱۴۲۰ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بار بار فرمایا: ''مجھ سے سوال کرو''، علماء نے بیان کیا کہ یہ اس پر محمول ہے کہ آپ پر یہ وحی کی گئی تھی، ورنہ آپ اللہ تعالیٰ کی وحی اور اس کے خبر دینے کے بغیر غیب کی ہر اس چیز کو از خود نہیں جانتے تھے جس کے متعلق آپ سے سوال کیا جائے۔ قاضی عیاض نے کہا ہے: ظاہر حدیث کا معنی یہ ہے کہ آپ نے جوشِ غضب میں فرمایا: ''مجھ سے سوال کرو'' اور آپ چاہتے یہ تھے کہ وہ یہ سوال نہ کرتے، لیکن آپ نے جواب میں ان کی موافقت کی، کیونکہ آپ کے لیے ان کے سوال کو رد کرنا ممکن نہ تھا۔

(صحیح مسلم بشرح النووی ج ۱۰ ص ۶۲۰۵، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

۷۲۹۵۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ أَخْبَرَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ أَخْبَرَنِي مُوسَى بْنُ أَنَسٍ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَا نَبِيَّ اللهِ مَنْ أَبِي قَالَ أَبُوكَ فُلَانٌ وَنَزَلَتْ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ﴾ الْآيَةَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن عبدالرحیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں روح بن عبادہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں موسیٰ بن انس نے خبر دی، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد نے کہا: یا نبی اللہ! میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا: تیرا باپ فلاں ہے، اور یہ آیت نازل ہوئی:

''اے ایمان والو! ایسی باتیں نہ پوچھا کرو جو اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تم کو نا گوار ہوں''۔ (المائدہ:۱۰۱)

(صحیح البخاری: ۹۳، ۵۴۰، ۷۴۹، ۴۶۲۱، ۶۳۶۲، ۶۴۶۸، ۷۰۸۹، ۷۰۹۰، ۷۰۹۱، ۷۲۹۴، ۷۲۹۵، صحیح مسلم: ۲۳۵۹، مسند احمد: ۱۱۶۳۳)

صحیح البخاری: ۷۲۹۵، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس مرد کے اس سوال کی توجیہ کہ میرا باپ کون ہے؟

اس شخص نے یہ سوال اس لیے کیا تھا کہ جب اس کا کسی سے جھگڑا ہوتا تو جھگڑا کرنے والا اسے اس کے باپ کے غیر کی طرف منسوب کرتا، تو اس مرد نے چاہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے نسب کا فیصلہ کرالے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اس کے اصل باپ کی طرف منسوب کر دیا۔

اس حدیث سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فہم اور ان کی فضیلت معلوم ہوئی، کیونکہ ان کو یہ خطرہ ہوا کہ جب لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کج بحثی کے طور پر اور آپ کی نبوت میں شک کی وجہ سے سوال کریں گے تو سب پر عذاب آئے گا، اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم اللہ کو رب مان کر راضی ہیں اور اسلام کو دین مان کر اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی مان کر راضی ہیں۔

نیز اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عالم کو چاہیے کہ صرف اسی سوال کا جواب دے جس سوال کی ضرورت ہو، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دوزانو بیٹھنا ان کی تواضع ہے۔ (شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۱ ص ۱۶۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

میں کہتا ہوں کہ ان کا بیٹھنا ان کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کمال محبت اور عقیدت بھی ہے اور یہ تعلیم بھی کہ امتی کو نبی کے سامنے کیسے عاجزی کا معاملہ کرنا چاہیے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۷۲۹۶۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ صَبَّاحٍ حَدَّثَنَا شَبَابَةُ حَدَّثَنَا وَرْقَاءُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَنْ يَبْرَحَ النَّاسُ يَتَسَاءَلُونَ حَتّٰى يَقُولُوا هٰذَا اللهُ خَالِقُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں الحسن بن صباح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شبابہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ورقاء نے حدیث بیان کی از عبداللہ بن عبدالرحمٰن، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن

كُلِّ شَيْئٍ فَمَنْ خَلَقَ اللّٰهَ۔
(صحیح مسلم:۱۳۶، مسند احمد:۱۱۵۸۴)

مالک رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگ مسلسل سوالات کرتے رہیں گے حتیٰ کہ سوال کریں گے اور کہیں گے: یہ اللہ ہے جو ہر چیز کا خالق ہے تو اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے؟

صحیح البخاری:۷۲۹۶، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی دیگر روایات

امام بخاری نے کتاب ''بدء الخلق'' میں عروہ سے روایت کی ہے کہ شیطان بندہ کے پاس آتا ہے یا فرمایا: تم میں سے کسی ایک کے پاس آتا ہے، پس کہتا ہے: فلاں چیز کو کس نے پیدا کیا، فلاں چیز کو کس نے پیدا کیا؟ حتیٰ کہ کہتا ہے کہ تمہارے رب کو کس نے پیدا کیا ہے؟

اور امام مسلم کی روایت میں مذکور ہے کہ آسمان کو کس نے پیدا کیا اور زمین کو کس نے پیدا کیا، بندہ کہے گا: اللہ نے پیدا کیا۔۔الحدیث

اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: یہ اللہ ہے، جس نے ہم کو پیدا کیا ہے۔۔الحدیث

اور امام بزار نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ لوگ ہمیشہ کہتے رہیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے پہلے تھا تو اس سے پہلے کیا تھا؟۔۔الحدیث۔

اور امام مسلم روایت کرتے ہیں کہ جس شخص کے ساتھ ایسا واقعہ ہو تو اسے چاہیے کہ وہ کہے: میں اللہ پر ایمان لایا، اور دوسری روایت میں یہ اضافہ ہے کہ وہ کہے: میں اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لایا۔ اور امام ابوداؤد اور امام نسائی کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ تم کہو ''اللّٰهُ اَحَدٌ ۞ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۞ (الاخلاص:۱۔۲)'' پھر اپنی بائیں جانب تھوک دے اور اللہ سے پناہ طلب کرے۔

امام ابوداؤد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آپ کے اصحاب میں سے کچھ لوگ آئے، پس انہوں نے کہا: یارسول اللہ! ہم اپنے دلوں میں ایسی چیز پاتے ہیں کہ اس کو زبان سے بیان کرنا ہمارے نزدیک بہت بھاری ہے، ہمیں اگر دنیا بھی مل جائے تو ہم اس کے ساتھ کلام کرنا پسند نہیں کرتے، آپ نے فرمایا: کیا تم ایسا پاتے ہو؟ یہ صریح ایمان ہے۔

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ صریح ایمان سے مراد یہ ہے کہ وہ اس قسم کے وسوسوں کو بیان کرنا بہت سنگین امر سمجھتے تھے، اور شیطان ان کے دلوں میں جو القاء کرتا تھا اس کا انکار کرتے تھے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۴۳۴، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری:۷۲۹۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ کرمانی نے کہا: اللہ تعالیٰ کی دلیل کے ساتھ معرفت فرضِ عین ہے یا فرضِ کفایہ ہے، اور جب کوئی شخص یہ کہے کہ اور چیزوں کوتو اللہ نے پیدا کیا ہے تو اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ غیر مخلوق ہے اور اس کا علم بدیہی ہے یا ایسا کسبی ہے جو بدیہی کے قریب ہے، پس اس کے متعلق سوال کرنا لوگوں کو مشکل میں ڈالنا ہے، اور جب کسی شخص کے ساتھ یہ معاملہ پیش آئے تو اسے چاہیے کہ وہ کہے: میں اللہ پر ایمان لایا اور بائیں طرف تھوک دے، پھر اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۵۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۲۹۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدِ بْنِ مَيْمُونٍ حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہ قَالَ كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي حَرْثٍ بِالْمَدِينَةِ وَهُوَ يَتَوَكَّأُ عَلَى عَسِيبٍ فَمَرَّ بِنَفَرٍ مِنَ الْيَهُودِ فَقَالَ بَعْضُهُمْ سَلُوهُ عَنِ الرُّوحِ وَقَالَ بَعْضُهُمْ لَا تَسْأَلُوهُ لَا يُسْمِعُكُمْ مَا تَكْرَهُونَ فَقَامُوا إِلَيْهِ فَقَالُوا يَا أَبَا الْقَاسِمِ حَدِّثْنَا عَنِ الرُّوحِ فَقَامَ سَاعَةً يَنْظُرُ فَعَرَفْتُ أَنَّهُ يُوحَى إِلَيْهِ فَتَأَخَّرْتُ عَنْهُ حَتَّى صَعِدَ الْوَحْيُ ثُمَّ قَالَ ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي﴾

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن عبید بن میمون نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عیسیٰ بن یونس نے حدیث بیان کی از الاعمش از ابراہیم از علقمہ از حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کے ساتھ مدینہ کے کھیتوں میں جارہا تھا اور آپ نے ایک لاٹھی پر ٹیک لگائی ہوئی تھی، پس آپ یہود کی ایک جماعت کے پاس سے گزرے، ان میں سے بعض لوگوں نے کہا: ان سے روح کے متعلق سوال کرو، اور بعض دوسروں نے کہا: ان سے روح کے متعلق نہ سوال کرو، یہ تم کو ایسی بات نہ سنائیں جس کو تم ناپسند کرتے ہو، پس وہ آپ کے پاس آ کر کھڑے ہوئے، سو انہوں نے کہا: یا ابا القاسم! ہمیں روح کے متعلق بتایئے، رسول اللہ ﷺ ایک ساعت تک کھڑے ہو کر دیکھتے رہے، میں نے جان لیا کہ آپ پر وحی نازل کی جارہی ہے، میں آپ سے پیچھے ہٹ گیا حتیٰ کہ وحی مکمل ہوگئی، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی:

''اور یہ لوگ آپ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں، آپ کہیے کہ روح میرے رب کے امر سے ہے''۔ (الاسراء: ۸۵)

(صحیح البخاری: ۱۲۵، ۴۷۲۱، ۷۲۹۷، ۷۴۵۶، ۷۴۶۲، صحیح مسلم: ۲۷۹۴، سنن ترمذی: ۳۱۴۱، مسند احمد: ۳۶۸۰)

صحیح البخاری: ۷۲۹۷، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''فی حرث المدینۃ'' اور بعض نسخوں میں مذکور ہے ''فی خرب المدینۃ'' خرب کا معنی ہے: کھنڈرات، اور حرث کا معنی ہے: کھیت وغیرہ۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "آپ العسیب پر ٹیک لگائے ہوئے تھے"۔ العسیب کا معنی ہے: کھجور کے درخت کی ٹہنی، اور یہ کھجور کے درخت کی وہ لکڑی ہے جس کی لاٹھی بنالی جاتی ہے، اور اس کا معنی ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھجور کے درخت کی ٹہنی پر ٹیک لگائے ہوئے تھے۔

اس حدیث میں روح کا ذکر ہے، روح کا لفظ مذکر بھی استعمال ہوتا ہے اور مونث بھی، اور اس میں اختلاف ہے کہ آیا روح اور نفس دونوں ایک ہیں یا نہیں؟ اور قرآن مجید میں روح متعدد معانی میں وارد ہے۔

قرآن مجید میں روح کے متعلق آیات

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

نَزَلَ بِهِ الرُّوۡحُ الۡاَمِیۡنُ ﴿۱۹۳﴾ (الشعراء: ۱۹۳) جس کو الروح الامین (جبریل) لے کر نازل ہوئے ہیں O

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

تَنَزَّلُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ وَ الرُّوۡحُ فِیۡهَا بِاِذۡنِ رَبِّهِمۡ ۚ مِنۡ کُلِّ اَمۡرٍ ۛ﴿۴﴾ (القدر: ۴) اس رات میں فرشتے اور جبریل اپنے رب کے حکم سے ہر کام کے لیے نازل ہوتے ہیں O

نیز اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَ کَذٰلِکَ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ رُوۡحًا مِّنۡ اَمۡرِنَا (الشوریٰ: ۵۲) اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے آپ کی طرف روح (قرآن) کی وحی کی ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یَوۡمَ یَقُوۡمُ الرُّوۡحُ وَ الۡمَلٰٓئِکَۃُ صَفًّا (النبا: ۳۸) جس دن جبریل اور تمام فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے۔

ان آیات میں روح کا اطلاق حضرت جبریل علیہ السلام اور قرآن مجید پر کیا گیا ہے۔

یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جس روح کے متعلق دریافت کیا اس کا مصداق

ایک قول یہ ہے کہ یہودیوں نے بنو آدم کی روح کے متعلق سوال کیا تھا، کیونکہ تورات میں مذکور ہے کہ بنو آدم کی روح کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، پس یہودیوں نے کہا: اگر انہوں نے روح کی تفسیر کی تو یہ نبی نہیں ہیں، اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سوال کا جواب نہیں دیا۔

اور قاضی عیاض وغیرہ نے کہا: مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ انہوں نے جس روح کے متعلق سوال کیا تھا، اس سے کیا مراد ہے؟ ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق سوال کیا تھا تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ روح اللہ تعالیٰ کے امر سے ہے، یعنی اس طرح نہیں ہے جیسے عیسائی کہتے ہیں، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کی تفسیر کو مخفی رکھتے تھے۔

(اکمال المعلم ج ۸ ص ۳۲۷)

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ روح فرشتوں میں سے ایک فرشتہ ہے جو قیامت کے دن صف باندھے کھڑا ہوگا اور ملائکہ بھی صف باندھے کھڑے ہوں گے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

يَوۡمَ يَقُوۡمُ الرُّوۡحُ وَالۡمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا (النبا:۳۸) جس دن جبریل اور تمام فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ روح سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں۔ (تفسیر طبری ج ۱۲ ص ۴۱۵)

اور تیسرا قول ہے کہ روح سے مراد قرآن ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ كَذٰلِكَ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ رُوۡحًا مِّنۡ اَمۡرِنَا (الشوریٰ:۵۲) اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے آپ کی طرف روح (قرآن) کی وحی کی ہے۔

اور ابوصالح نے کہا: روح ایک مخلوق ہے جیسے بنو آدم مخلوق ہیں اور وہ بنو آدم میں سے نہیں ہے، اس کے لیے ہاتھ بھی ہیں اور پیر بھی ہیں۔ (تفسیر طبری ج ۱۲ ص ۴۱۶)

اور چوتھا قول یہ ہے کہ روح مخلوق میں سے ایک طائفہ ہے، زمین پر کوئی فرشتہ نازل نہیں ہوتا مگر روح کے ساتھ ایک فرشتہ نازل ہوتا ہے۔ (تفسیر بغوی ج ۸ ص ۳۱۷)

پانچواں قول یہ ہے کہ روح سے مراد وہ فرشتہ ہے جس کے گیارہ ہزار پَر ہیں اور ایک ہزار چہرے ہیں، وہ قیامت تک اللہ تعالیٰ کی تسبیح کہتا رہتا ہے۔ (یہ قول بہت غریب ہے)۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۴۶۶)

اور ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ ان کے لیے زیادہ بہتر یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو روح کی خبر نہ دیں، کیونکہ یہود نے یہ کہا تھا کہ اگر انہوں نے روح کی تفسیر کی تو یہ نبی نہیں ہیں، اور یہ حدیث کے ان الفاظ کا معنی ہے "ان سے روح کے متعلق سوال نہ کرو، یہ کوئی ایسی بات نہ بیان کریں جو تم کو ناگوار ہو" کیونکہ ان کے نزدیک تورات میں یہ مقرر تھا کہ روح اللہ تعالیٰ کا امر ہے اور اس پر کوئی مطلع نہیں ہے۔

امام ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ یہود کی ایک جماعت نے کہا: اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم)! ہمیں چار چیزوں کے متعلق بتایئے جن کا ہم آپ سے سوال کریں گے، اور اس میں اس حدیث کا ذکر کیا اور کہا: اے محمد! ہمیں روح کے متعلق خبر دیجئے، تو آپ نے فرمایا: میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں، کیا تم جانتے ہو کہ جبریل ہی وہ ہیں جو میرے پاس آتے ہیں؟ انہوں نے کہا: اے اللہ! ہاں، لیکن اے محمد! جبریل ہمارے دشمن ہیں، وہ ایسے فرشتہ ہیں جو ہمارے پاس سخت احکام لائے اور انہوں نے خون بہائے، اور اگر یہ بات نہ ہوتی تو ہم آپ کی پیروی کرتے، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

قُلۡ مَنۡ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبۡرِيۡلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلۡبِكَ بِاِذۡنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَيۡهِ وَ هُدًى وَّبُشۡرٰى لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ (البقرہ:۹۷) آپ کہیے کہ جو شخص جبریل کا دشمن ہے (تو ہوا کرے)، پس بے شک اسی جبریل نے اللہ کے حکم سے آپ کے دل پر (قرآن) نازل کیا، جو ان (آسمانی کتابوں) کی تصدیق کرنے والا ہے جو اس (کے نزول) سے پہلے موجود ہیں، اور وہ مومنین کے لیے ہدایت اور بشارت ہے O

اس روایت سے یہ معلوم ہوا کہ یہود نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جس روح کے متعلق دریافت کیا تھا، اس روح سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام تھے۔

اکثر علماء نے یہ کہا ہے کہ اس آیت میں یہ دلیل نہیں ہے کہ روح کا علم کسی کو نہیں ہوسکتا، اور نہ اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو روح کا علم نہیں تھا۔

بنو آدم کی روح کے متعلق فقہاء کے اقوال

(۱) امام اشعری نے کہا ہے: یہ سانس جو جسم میں داخل ہو رہا ہے اور جسم سے باہر نکل رہا ہے، یہی روح ہے۔
(۲) روح ایک جسم ہے جو اجسامِ ظاہرہ اور اعضاءِ ظاہرہ کا شریک ہے۔
(۳) روح ایک جسمِ لطیف ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور یہ عادت جاری فرمائی کہ روح کے بغیر حیات نہیں ہوتی، پس جب اللہ تعالیٰ بندوں کی موت کا ارادہ فرمائے گا تو اس جسم کو معدوم کر دے گا اور اس کے معدوم ہونے سے حیات معدوم ہو جائے گی۔
(۴) روح خون کا نام ہے۔

اور بعض علماء نے روح کے متعلق ستر (۷۰) اقوال ذکر کیے ہیں۔

بعض چیزوں کا کسی کو علم نہ ہونا

قرآن مجید میں مذکور ہے:

مَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ (بنی اسرائیل: ۸۵) اور تم کو محض تھوڑا سا علم دیا گیا ہے ۝

علامہ المہلب المالکی نے کہا ہے کہ بعض چیزیں ایسی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا علم کسی کو نہیں دیا حتیٰ کہ انبیاء علیہم السلام کو بھی ان کا علم نہیں دیا، اور اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ وہ اپنی مخلوق کو آزمائے تاکہ وہ اعتراف کریں کہ وہ بعض چیزوں کے علم سے عاجز ہیں، اور ان چیزوں کے علم کو اللہ تعالیٰ کے حوالہ کر دیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ۔ اور اس کے علم میں سے وہ (لوگ) کسی چیز کو حاصل نہیں کر سکتے مگر جتنا وہ چاہے۔ (البقرہ: ۲۵۵)

پس روح کا علم اس قبیل سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو اس کے علم پر مطلع کرنا نہیں چاہا۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۳ ص ۶۳-۶۴۵ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں: اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو روح کا علم دیا گیا ہے یا نہیں، پس بعض علماء کا مختار تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روح کا علم کسی کو نہیں عطا فرمایا حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس کا علم نہیں دیا، اور بعض دوسرے علماء کا مختار یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے روح کا علم عطا فرمایا ہے۔ امام رازی، حافظ جلال الدین سیوطی اور علامہ آلوسی وغیرہ کا مختار یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو روح کا علم عطا فرمایا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۵- بَابُ: اَلْاِقْتِدَاءِ بِأَفْعَالِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم — نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال کی پیروی کرنے کا بیان

بابِ مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے افعال کی اتباع کے وجوب میں فقہاء کا اختلاف

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے افعال کی اتباع کی اصل درج ذیل آیت ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب:۲۱) بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تمہارے لیے نہایت عمدہ نمونہ ہے۔

فقہاء کی ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے افعال کی اتباع واجب ہے، اور ان کی دلیل درج ذیل آیات ہیں:

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (الحشر:۷) اور رسول جو تم کو دیں اس کو لے لو اور جس سے تم کو روکیں اس سے رک جاؤ۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے افعال بھی اس آیت کے حکم کے عموم میں داخل ہیں۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (آل عمران:۳۱) آپ کہیے: اگر تم اللہ سے محبت کے دعوے دار ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تمہیں اپنا محبوب بنالے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا، اور اللہ بہت بخشنے والا نہایت رحم فرمانے والا ہے O

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا ِۨالَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ (الاعراف:۱۵۸) (اے رسول مکرم!) آپ کہیے: اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں جس کی ملک میں تمام آسمان اور زمینیں ہیں، اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے، سو تم اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول پر جو نبی امی لقب ہیں، جو اللہ پر اور اس کے کلمات پر ایمان رکھتے ہیں اور تم سب ان کی پیروی کرو تا کہ تم ہدایت پاؤ O

لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فعل کی پیروی کرنا بھی اسی طرح واجب ہے جس طرح آپ کے قول اور آپ کے ارشاد کی پیروی کرنا واجب ہے، حتیٰ کہ کوئی دلیل اس پر قائم ہو کہ آپ کا یہ فعل بطورِ استحباب ہے (جیسے ہر نماز کے لیے الگ وضو کرنا، یا ہر نیک کام سے پہلے بسم اللہ پڑھنا)، یا یہ فعل آپ کی خصوصیت ہے (جیسے بیک وقت چار سے زائد ازواج کو اپنے نکاح میں رکھنا یا وصال کے روزے رکھنا)۔

دوسرے علماء نے یہ کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے افعال میں وجوب اور استحباب اور اباحت کا احتمال ہوتا ہے، پس ان افعال کو وجوب پر محمول کرنے کے لیے کسی قرینہ کی ضرورت ہوگی اور جمہور کا مختار یہ ہے کہ آپ کے افعال کی اتباع مستحب ہے جب کہ آپ کے افعال بطور عبادت ہوں۔

اور دیگر فقہاء نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو فعل کسی مجمل حکم کے بیان کے لیے کیا تو اس کا حکم وہ ہے جو اس مجمل کا حکم ہے خواہ وہ

واجب ہو، مستحب ہو یا مباح ہو، پس اگر یہ ظاہر ہو جائے کہ آپ کا وہ فعل بطور عبادت ہے تو اس کی اتباع کرنا مستحب ہے، اور جب تک اس میں عبادت کا قرینہ ظاہر نہ ہو تو پھر اس میں آپ کی اتباع کرنا مباح ہے، اور یہ مسئلہ تفصیل کے ساتھ اصول فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے۔

ہمارے شیخ الشیوخ حافظ صلاح الدین العلائی نے اس موضوع پر ایک عظیم کتاب لکھی ہے اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال کی اتباع کے متعلق تین اقوال ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول اور فعل میں تعارض ہو تو آپ کے قول کو مقدم کیا جائے گا، کیونکہ آپ کا قول ایسا صیغہ ہے جو متعدد معانی کو متضمن ہے بخلاف فعل کے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ آپ کے فعل کو مقدم کیا جائے گا، کیونکہ آپ کے فعل میں کسی احتمال کی گنجائش نہیں ہے۔

اور تیسرا قول یہ ہے کہ اس میں ترجیح کو تلاش کیا جائے گا اور جب تک کوئی خصوصیت پر قرینہ نہ ہو تو آپ کے فعل کی اتباع کی جائے گی۔

جمہور فقہاء نے پہلے قول کو اختیار کیا ہے، یعنی جب قول اور فعل میں تعارض ہو تو قول کو ترجیح دی جائے گی، کیونکہ قول پر اتفاق ہے کہ وہ دلیل ہے اور فعل پر اتفاق نہیں ہے، اور اس لیے کہ قول بنفسہٖ وجوب پر دلالت کرتا ہے اور فعل ایک واسطہ کے ساتھ دلالت کرتا ہے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۴۳۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۲۹۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ اتَّخَذَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم خَاتَمًا مِنْ ذَهَبٍ فَاتَّخَذَ النَّاسُ خَوَاتِيمَ مِنْ ذَهَبٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم إِنِّي اتَّخَذْتُ خَاتَمًا مِنْ ذَهَبٍ فَنَبَذَهُ وَقَالَ إِنِّي لَنْ أَلْبَسَهُ أَبَدًا فَنَبَذَ النَّاسُ خَوَاتِيمَهُمْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از عبداللہ بن دینار از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی بنائی تو لوگوں نے بھی سونے کی انگوٹھیاں بنالیں، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے سونے کی انگوٹھی بنائی تھی، پس آپ نے اس کو پھینک دیا اور فرمایا: میں اس کو ہرگز نہیں پہنوں گا تو لوگوں نے بھی اپنی اپنی سونے کی انگوٹھیاں پھینک دیں۔

(صحیح البخاری: ۵۸۶۶، ۵۸۶۷، ۵۸۷۳، ۵۸۷۶، ۶۶۵۱، ۷۲۹۸، صحیح مسلم: ۲۰۹۱، سنن ترمذی: ۱۷۴۱، سنن نسائی: ۵۲۹۳، مسند احمد: ۴۶۶۳، موطا امام مالک: ۱۷۴۳)

صحیح البخاری: ۷۲۹۸، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سونے کی انگوٹھی پھینکی تو صحابہ نے بھی اپنی اپنی انگوٹھیاں پھینک دیں"۔ امام بخاری نے اس مثال پر اقتصار کیا ہے، کیونکہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فعل میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہے

اور ترک میں بھی اتباع ہے، جب آپ نے سونے کی انگوٹھی بنائی تو صحابہ نے بھی سونے کی انگوٹھی بنالی، اور جب آپ نے اتار کر پھینکی تو صحابہ نے بھی اتار کر پھینک دیں۔

علامہ ابن بطال مالکی نے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال کی اتباع میں اختلاف کا ذکر کیا، پھر اس قول کو اختیار کیا جو کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال کی اتباع واجب ہے، کیونکہ اس باب کی حدیث میں تصریح ہے کہ جب آپ نے سونے کی انگوٹھی اتاری تو صحابہ نے بھی اپنی اپنی سونے کی انگوٹھی اتاردی، اسی طرح حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے دوران اپنی جوتی اتاری تو صحابہ نے بھی نماز کے دوران اپنی اپنی جوتیاں اتاردیں۔

نیز جب حدیبیہ کے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو عمرہ کا احرام کھولنے کا حکم دیا اور انہوں نے اس پر عمل کرنے میں تاخیر کردی کیونکہ ان کو یہ امید تھی کہ آپ ان کو قتال کرنے کی اجازت دیں گے اور وہ آپ کی مدد کریں گے، پس ان کا عمرہ مکمل ہوجائے گا تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: آپ ان کی طرف نکلیں اور اپنا سر منڈوالیں اور اپنی قربانی کو ذبح کردیں، سو آپ نے ایسا کیا تو صحابہ نے بھی جلد از جلد آپ کی پیروی کی، پس اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فعل قول سے زیادہ بلیغ ہے، کیونکہ جب آپ نے انہیں عمرہ کا احرام کھولنے کا حکم دیا تو ان پر اس کا اثر نہیں ہوا لیکن جب آپ نے خود عمرہ کا احرام کھولا اور سر منڈوایا اور ذبح کیا تو انہوں نے جلد از جلد اس کی اتباع کی۔

اور اسی طرح جب آپ نے صحابہ کو وصال کے روزے (بغیر سحر و افطار کے روزہ پر روزہ رکھنا) رکھنے سے منع فرمایا تو صحابہ نے کہا: آپ بھی تو وصال کے روزے رکھ رہے ہیں، تو آپ نے فرمایا: مجھے کھلایا جاتا ہے اور پلایا جاتا ہے، پس اگر آپ کے فعل کے ساتھ اتباع واجب نہ ہوتی تو آپ فرماتے: میرے وصال کے روزے رکھنے سے تمہارے لیے وصال کے روزوں کو کس چیز نے مباح کیا لیکن آپ نے یہ فرمانے سے عدول کیا اور آپ کے لیے جو وصال کے روزے رکھنے کی خصوصیت تھی اس کو بیان فرمایا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: علامہ ابن بطال نے جو یہ تمام امور ذکر کیے ہیں، یہ آپ کے فعل کی اتباع کے وجوب پر دلالت نہیں کرتے بلکہ مطلقاً آپ کی اتباع پر دلالت کرتے ہیں اور پورا علم تو اللہ کے پاس ہے۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۴۳۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

٦۔ بَابُ: مَا يُكْرَهُ مِنَ التَّعَمُّقِ وَالتَّنَازُعِ فِي الْعِلْمِ وَالْغُلُوِّ فِي الدِّينِ وَالْبِدَعِ

کسی معاملہ میں گہرائی اور گیرائی میں جانے اور علم میں بحث کرنے اور دین میں غلو کرنے اور بدعات کے مکروہ ہونے کا بیان

باب مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ ابن بطال مالکی نے لکھا ہے: اس باب کی احادیث سے یہ ثابت ہے کہ کسی کام کی گہرائی میں جانا اور اس میں غلو کرنا مکروہ ہے جیسا کہ جب آپ نے وصال کے روزوں سے منع کیا تو جن لوگوں نے پھر بھی وصال کے روزے رکھے تو آپ نے ان کی مذمت

فرمائی، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اشارہ کیا کہ دین میں غلو کرنا جائز نہیں ہے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۴۳۶، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

بابِ مذکور کے مفردات کے معانی

اس باب کے عنوان میں ذکر کیا ہے کہ ''تعمق'' مکروہ ہے، تعمق کا معنی ہے: کسی کام میں شدت کو اختیار کرنا حتیٰ کہ حد سے تجاوز ہو۔

نیز اس باب کے عنوان میں ذکر کیا ہے ''التنازع فی العلم'' یعنی علمی مسائل میں بحث و تمحیص کرنا اور حکم کے اختلاف میں جدال کرنا جب کہ دلیل واضح نہ ہو۔

اور اس باب کے عنوان میں ''غلو'' کا ذکر ہے، غلو کا معنی ہے: حد سے تجاوز کرنا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں، میں کہتا ہوں: غلو ''تعمق'' سے زیادہ ہے، کہا جاتا ہے ''غلا فی السعر'' یعنی کسی چیز کے نرخ میں بہت زیادہ اضافہ کرنا۔

اور امام نسائی، امام ابن ماجہ اور حاکم نے از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اور اس حدیث میں مذکور ہے ''تم دین میں غلو کرنے سے بچو'' کیونکہ تم میں سے پہلے لوگ دین میں غلو کرنے کی وجہ سے ہلاک ہو گئے ہیں، اور یہ ایسا ہے کہ لوگ ربوبیت میں بحث کرنے لگے، پھر شیطان نے ان کو بہکایا اور وہ حق سے نکل آئے اور انہوں نے اپنی فکر میں غلو کیا یہاں تک کہ انہوں نے تین خدا بنا لیے، اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند ہے۔

اور اس عنوان میں ذکر ہے ''البِدَعَ'' یہ بدعت کی جمع ہے، بدعت اس کام کو کہتے ہیں جس کی اصل کتاب و سنت میں نہ ہو۔ دوسری تعریف یہ ہے کہ ایسے کام کا اظہار کرنا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے عہد میں نہ ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۵۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

امام بخاری فرماتے ہیں:

لِقَوْلِهِ تَعَالَى: يَآهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَ لَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ط (النساء: ۱۷۱)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے اہلِ کتاب! تم اپنے دین میں حد سے تجاوز نہ کرو اور اللہ کے متعلق حق کے سوا اور کچھ نہ کہو۔

امام بخاری نے اس آیت سے اس پر استدلال کیا ہے کہ دین میں غلو کرنا حرام ہے، اور اہلِ کتاب سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔

۷۲۹۹۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا هِشَامٌ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم لَا تُوَاصِلُوا قَالُوا إِنَّكَ تُوَاصِلُ قَالَ إِنِّي لَسْتُ مِثْلَكُمْ إِنِّي أَبِيتُ يُطْعِمُنِي رَبِّي

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از الزہری از ابوسلمہ از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

وَيَسْقِيْنِي فَلَمْ يَنْتَهُوا عَنِ الْوِصَالِ قَالَ فَوَاصَلَ بِهِمُ النَّبِيُّ ﷺ يَوْمَيْنِ أَوْ لَيْلَتَيْنِ ثُمَّ رَأَوُا الْهِلَالَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَوْ تَأَخَّرَ الْهِلَالُ لَزِدْتُكُمْ كَالْمُنَكِّلِ لَهُمْ

نے فرمایا: وصال کے روزے نہ رکھو، صحابہ نے عرض کیا: بے شک آپ تو وصال کے روزے رکھتے ہیں، آپ نے فرمایا: بے شک میں تمہاری مثل نہیں ہوں، بے شک میں اپنے رب کے پاس رات گزارتا ہوں، وہ مجھے کھلاتا ہے اور مجھے پلاتا ہے، پھر بھی صحابہ وصال کے روزوں سے نہیں رکے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ساتھ دو دن یا تین راتوں کے وصال کے روزے رکھے، پھر صحابہ نے چاند دیکھ لیا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر چاند مؤخر ہوتا تو میں وصال کے روزے زیادہ رکھتا گویا کہ آپ ان کو زجر و توبیخ فرما رہے تھے۔

(صحیح البخاری: ۱۹۶۵، ۱۹۶۶، ۶۸۵۱، ۷۲۴۲، ۷۲۹۹، صحیح مسلم: ۱۱۰۳، مسند احمد: ۷۷۲۸، سنن دارمی: ۱۷۰۶)

صحیح البخاری: ۷۲۹۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس اعتراض کا جواب کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو کھلایا اور پلایا تو پھر وصال کے روزے تو نہ ہوئے؟

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کھلانے اور پلانے سے مراد اس کا لازمی معنی ہے یعنی طاقت اور قوت کا حصول، یا مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو جنت کا کھانا کھلاتا تھا اور پلاتا تھا اور اس سے دنیا میں روزہ رکھنے والے کا روزہ نہیں ٹوٹتا، اور وصال کا معنی یہ ہے کہ دنیا میں روزہ رکھا جائے اور اس میں سحری بھی نہ ہو اور افطار بھی نہ ہو۔

اس اعتراض کا جواب کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وصال کے روزوں سے منع فرمادیا تو پھر صحابہ نے وصال کے روزے کیوں رکھے؟

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ صحابہ کرام کا گمان یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو بطور تحریم وصال کے روزوں سے منع نہیں فرمایا بلکہ بطور تنزیہہ منع فرمایا، صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں اور آپ کی سنت کی اتباع کے جذبہ سے اپنے نفس پر مشقت برداشت کر کے وصال کے روزے رکھتے تھے تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت پر عمل ہو۔

"تنکیل" کا معنی

اس حدیث میں "تنکیل" کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: ڈانٹ ڈپٹ، یعنی جب صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منع کرنے کے باوجود وصال کے روزے رکھتے رہے تو آپ نے فرمایا کہ اگر ہلال عید نظر نہ آتا تو میں اور زیادہ وصال کے روزے رکھتا، تاکہ جنہوں نے آپ کی مخالفت کی ہے ان کو زیادہ مشقت ہوتی اور وہ وصال کے روزے رکھنے سے عاجز ہو جاتے اور دیگر عبادات کا ادا کرنا ان کے لیے مشکل ہو جاتا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۵۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۳۰۰۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ التَّيْمِيُّ حَدَّثَنِي أَبِي قَالَ خَطَبَنَا عَلِيٌّ رضی الله عنه عَلَى مِنْبَرٍ مِنْ آجُرٍّ وَعَلَيْهِ سَيْفٌ فِيهِ صَحِيفَةٌ مُعَلَّقَةٌ فَقَالَ وَاللهِ مَا عِنْدَنَا مِنْ كِتَابٍ يُقْرَأُ إِلَّا كِتَابُ اللهِ وَمَا فِي هَذِهِ الصَّحِيفَةِ فَنَشَرَهَا فَإِذَا فِيهَا أَسْنَانُ الْإِبِلِ وَإِذَا فِيهَا الْمَدِينَةُ حَرَمٌ مِنْ عَيْرٍ إِلَى كَذَا فَمَنْ أَحْدَثَ فِيهَا حَدَثًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ لَا يَقْبَلُ اللهُ مِنْهُ صَرْفًا وَلَا عَدْلًا وَإِذَا فِيهِ ذِمَّةُ الْمُسْلِمِينَ وَاحِدَةٌ يَسْعَى بِهَا أَدْنَاهُمْ فَمَنْ أَخْفَرَ مُسْلِمًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ لَا يَقْبَلُ اللهُ مِنْهُ صَرْفًا وَلَا عَدْلًا وَإِذَا فِيهَا مَنْ وَالَى قَوْمًا بِغَيْرِ إِذْنِ مَوَالِيهِ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ لَا يَقْبَلُ اللهُ مِنْهُ صَرْفًا وَلَا عَدْلًا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمر بن حفص بن غیاث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابراہیم التیمی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے حدیث بیان کی، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے منبر پر خطبہ دیا جو اینٹوں سے بنا ہوا تھا، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک تلوار تھی جس میں ایک صحیفہ لٹکا ہوا تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! ہمارے پاس اللہ کی کتاب کے سوا اور کوئی کتاب نہیں ہے جس کی قراءت کی جاتی ہو اور جو اس صحیفہ میں ہے، پھر انہوں نے صحیفہ کو کھولا تو اس میں دیات میں دیے جانے والے اونٹوں کی عمروں کا بیان تھا اور اس میں مذکور تھا کہ مدینہ عیر (مدینہ کا ایک پہاڑ) سے لے کر فلاں جگہ تک حرم ہے، پس جس نے مدینہ میں کوئی دین میں نیا کام نکالا یا کوئی جرم کیا تو اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی، اللہ تعالیٰ اس کا نہ کوئی فرض قبول فرمائے گا اور نہ نفل، اور اس صحیفہ میں مذکور تھا کہ تمام مسلمانوں کا ذمہ واحد ہے اور ایک ادنیٰ مسلمان بھی اس کی کوشش کر سکتا ہے، پس جس نے کسی مسلمان سے عہد شکنی کی اس پر اللہ کی لعنت ہو اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی، اللہ تعالیٰ نہ اس کا فرض قبول فرمائے گا اور نہ نفل، اور اس صحیفہ میں مذکور تھا: جس نے اپنے آپ کو کسی قوم کی اجازت کے بغیر اپنے آپ کو اس قوم کی طرف منسوب کیا تو اس پر اللہ کی لعنت ہو اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی اور اللہ تعالیٰ اس کا نہ فرض قبول فرمائے گا اور نہ نفل۔

(صحیح البخاری: ۱۸۷۰، صحیح مسلم: ۱۳۷۰، سنن ترمذی: ۲۱۲۷، سنن ابوداؤد: ۲۰۳۴، مسند احمد: ۱۳۰۰)

صحیح البخاری: ۷۳۰۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیثِ مذکور کے مشکل الفاظ کے معانی

اس حدیث میں "آجُر" کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: وہ اینٹیں جن کو آگ پر پکایا گیا ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اسنان الابل" یعنی قتلِ عمد میں اور قتلِ خطاء میں اور قتلِ شبہ عمد میں سو اونٹوں کو بطورِ دیت ادا کیا جاتا ہے، پھر ان اونٹوں کی عمریں مختلف ہیں قتلِ عمد میں، قتلِ خطاء میں اور قتلِ شبہ عمد میں، تو اس صحیفہ میں ان اونٹوں کی عمروں کا بیان ہے۔

کفار پر لعنت اور گناہِ کبیرہ کے مرتکبین پر لعنت کا فرق

اس حدیث میں مذکور ہے "اس پر اللہ کی لعنت ہو"۔

اب یہ سوال ہے کہ کفار پر بھی اللہ کی لعنت ہوتی ہے اور جو مدینہ میں کوئی جرم کرے یا ظلم کرے یا کسی بدعتِ سیئہ کا ارتکاب کرے اس پر بھی اللہ کی لعنت ہوتی ہے، تو کفار کی لعنت میں اور ان پر جو لعنت کی جاتی ہے کیا فرق ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ لعنت کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اور اس کے قرب سے اور جنت سے دور کر دینا، کفار پر جب لعنت ہوتی ہے تو اس کا معنی ہے کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اللہ کی رحمت اور جنت سے دور اور محروم ہوتے ہیں اور مرتکبِ کبیرہ پر جو اللہ کی لعنت ہوتی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ابتداءً جنت میں دخول سے روکا ہوا ہے اور کسی نوع کا عذاب برداشت کرنے کے بعد اس کو جنت میں داخل کر دیا جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ (الزلزال: ۷) سو جو ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اس کا صلہ دیکھے گا ۝

پس جس مومن نے گناہِ کبیرہ کیا تو اس کا ایک عمل نیک ہے اور وہ ایمان لانا ہے، اور دوسرا گناہِ کبیرہ ہے، وہ گناہِ کبیرہ کی سزا بھی پائے گا اور ایمان لانے کی جزا بھی پائے گا، اور یہ تو ہو نہیں سکتا کہ پہلے اس کو جنت میں داخل کیا جائے پھر سزا دی جائے، اس لیے پہلے اس کو اس کے گناہ کی سزا دی جائے گی اور پھر اس کو اس کے ایمان لانے کی جزاء میں جنت میں داخل کر دیا جائے گا، اور اس کے گناہ کی سزا اس وقت ہوگی جب دنیا میں اس کی توبہ نہ قبول فرمائی ہو، یا وہ اللہ تعالیٰ کے فضلِ محض سے اور رسول اللہ ﷺ کی شفاعت سے محروم رہا ہو، تو اللہ تعالیٰ اپنی وعید کو پورا کرنے کے لیے اس کو کچھ عرصہ سزا دے گا، پھر اس کو گناہوں سے پاک کرنے کے بعد جنت میں داخل فرما دے گا۔

اس صحیفہ میں مذکور ہے کہ "تمام مسلمانوں کا ذمہ واحد ہے" یعنی جس مسلمان نے کسی کافر کو امان دی تو وہ صحیح ہے اور کوئی ادنیٰ مسلمان بھی اگر کسی کافر کو امان دے تو اس کی امان معتبر ہوگی، یا غلام امان دے یا عورت امان دے تو ان کی امان صحیح ہوگی، اور تمام مسلمان ایک مسلمان کی مثل ہیں تو ان میں سے کسی غلام یا عورت کی امان کا بھی اعتبار کیا جائے گا۔

نیز اس صحیفہ میں مذکور ہے کہ "جس نے اپنے آپ کو کسی اور قوم کی طرف منسوب کیا یا اپنے باپ کے غیر کی طرف منسوب کیا اس پر بھی لعنت فرمائی گئی" کیونکہ جب وہ اپنے آپ کو غیر باپ کی طرف منسوب کرے گا تو اس میں اللہ تعالیٰ کی نعمت کا کفر کرے گا اور وراثت کے حقوق کو ضائع کرے گا اور رحم کے رشتہ کو منقطع کرے گا۔

اور اس صحیفہ میں جو مذکور ہے "بغیر اذن موالیه" یعنی اپنے مالکوں کی اجازت کے بغیر، یہ اس حکم کی قید نہیں ہے، بلکہ یہ کلام کو اکثر صورتوں کے مطابق محمول فرماتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۵۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۷۳۰۰، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جرم اور ظلم پر لعنت کی سزا عام ہے خواہ وہ جرم مدینہ میں ہو یا کسی اور شہر میں

صحیفۂ مذکورہ میں ان کے علاوہ اور چیزیں بھی مذکور تھیں مثلاً قصاص کا ذکر تھا اور قصاص کے معاف کرنے کا ذکر تھا، اور اس حدیث کو وارد کرنے کی غرض یہ ہے کہ جو شخص مدینہ کے اندر کسی بدعت سیئہ کا ارتکاب کرے یا کوئی ظلم کرے یا کوئی جرم کرے تو اللہ تعالیٰ کی اس پر لعنت ہوگی، اور مدینہ کی خصوصیت کا ذکر مدینہ کی اہمیت اور افضلیت کی وجہ سے ہے ورنہ یہ حکم عام ہے، کوئی شخص جس شہر میں بھی کسی جرم کا ارتکاب کرے گا یا کسی بدعتِ سیئہ کا ارتکاب کرے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کی لعنت کا مستحق ہوگا جب کہ اس کا جرم دین کے متعلقات میں سے ہو۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۴۳۸، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۳۰۱۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ قَالَتْ عَائِشَةُ رضی الله عنها صَنَعَ النَّبِيُّ ﷺ شَيْئًا تَرَخَّصَ فِيهِ وَتَنَزَّهَ عَنْهُ قَوْمٌ فَبَلَغَ ذَلِكَ النَّبِيَّ ﷺ فَحَمِدَ اللهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ مَا بَالُ أَقْوَامٍ يَتَنَزَّهُونَ عَنِ الشَّيْءِ أَصْنَعُهُ فَوَاللهِ إِنِّي أَعْلَمُهُمْ بِاللهِ وَأَشَدُّهُمْ لَهُ خَشْيَةً۔

(صحیح مسلم: ۲۳۵٦، مسند احمد: ۲۳٦٦۰)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمر بن حفص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مسلم نے حدیث بیان کی از مسروق، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے ایک ایسا کام کیا جس میں آپ کے لیے رخصت تھی اور لوگوں نے اس کام سے احتراز کیا، پس نبی ﷺ تک اس کی خبر پہنچی تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی، پھر آپ نے فرمایا: ان لوگوں کا کیا حال ہے جو اس کام سے احتراز کرتے ہیں جس کام کو میں کرتا ہوں، پس اللہ کی قسم! میں ان سب سے زیادہ اللہ کا علم رکھنے والا ہوں اور ان سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں۔

صحیح البخاری: ۷۳۰۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جن کاموں میں نبی ﷺ کو رخصت دی گئی تھی ان پر عمل کرنے کی فضیلت

مثلاً رسول اللہ ﷺ کو یہ رخصت دی گئی تھی کہ بعض دنوں میں آپ روزہ نہ رکھیں اور یہ رخصت دی گئی تھی کہ آپ رمضان کے علاوہ بعض دنوں میں روزہ رکھیں، اسی طرح آپ کو یہ رخصت دی گئی تھی کہ آپ سفر میں روزہ چھوڑ دیں، یا غروبِ آفتاب سے

پہلے روزہ افطار کر لیں، یا آپ کو نکاح کرنے کی اجازت دی گئی تھی، یا آپ کو یہ رخصت دی گئی تھی کہ آپ روزہ میں اپنی زوجہ سے بوس و کنار کر سکتے ہیں۔

بعض صحابہ نے ان رخصت دیے ہوئے کاموں سے احتراز کیا بایں طور کہ انہوں نے لگا تار روزے رکھے اور انہوں نے شادی کرنے کے اوپر کنوارا رہنے کو اختیار کیا۔

علامہ ابن بطال نے اشارہ کیا ہے کہ ان بعض صحابہ نے جس سے احتراز کیا وہ روزہ دار کا بوسا دینا تھا، اور علامہ الداؤدی نے کہا ہے: جس کام کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رخصت دی ہو، اس سے احتراز کرنا بہت بڑا گناہ ہے، کیونکہ وہ شخص یہ سمجھتا ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ڈرنے والا ہے اور یہ الحاد ہے، اور اسی طرح علامہ ابن التین نے کہا ہے، اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ الحاد ہے جب کوئی شخص یہ اعتقاد رکھے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ دین کے احکام پر عمل کرنے والا ہے اور زیادہ خوف خدا رکھنے والا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمام لوگوں سے زیادہ اللہ کو جاننے والا ہوں، اس میں آپ کی قوتِ علمیہ کی طرف اشارہ ہے، اور فرمایا: میں تمام لوگوں سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں، اس میں آپ کی قوتِ عملیہ کی طرف اشارہ ہے، یعنی یہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ میں جن کاموں کو رخصت کی وجہ سے کرتا ہوں، ان کا ان کاموں سے اعراض اور احتراز کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک افضل ہے لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے، کیونکہ میں ان سب سے زیادہ علم والا ہوں اور سب سے زیادہ اللہ سے ڈر کر عمل کرنے والا ہوں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۶۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رخصت پر عمل کرنے سے بعض صحابہ کے احتراز کے متعلق حدیث

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ تین مرد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے گھروں میں گئے اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کی کیفیت کے متعلق سوال کیا، جب انہیں بتایا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتنی عبادت کرتے ہیں تو گویا انہوں نے اس کو کم سمجھا، پس انہوں نے کہا: کہاں ہم اور کہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم؟ بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کے تمام اگلے پچھلے بہ ظاہر ذنوب کی مغفرت فرما دی ہے، ان میں سے ایک نے کہا: رہا میں تو میں تو ہمیشہ رات بھر نماز پڑھتا رہوں گا، اور دوسرے نے کہا: میں ہمیشہ مسلسل روزہ رکھتا رہوں گا اور روزہ نہیں چھوڑوں گا، اور تیسرے نے کہا: میں عورتوں سے الگ رہوں گا اور میں کبھی بھی نکاح نہیں کروں گا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے، آپ نے فرمایا: تم وہ لوگ ہو جس نے اس طرح اور اس طرح کہا ہے، سنو! اللہ کی قسم! میں بے شک ضرور تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے خوف رکھنے والا ہوں، لیکن میں روزہ رکھتا بھی ہوں اور روزہ چھوڑتا بھی ہوں، اور میں نماز پڑھتا بھی ہوں اور رات کو سوتا بھی ہوں، اور میں عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں، پس جس نے میری سنت سے اعراض کیا، وہ میرے طریقہ پر نہیں ہے۔

(صحیح البخاری: ۵۰۶۳، صحیح مسلم: ۱۴۰۱، سنن نسائی: ۳۲۱۷، مسند احمد: ۱۳۶۳۱)

صحیح البخاری: ۷۳۰۱، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

خواہ آپ کا عمل عزیمت میں ہو یا رخصت میں، فضیلت اسی میں ہے

اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں خیر ہے خواہ عزیمت میں اتباع کی جائے یا رخصت میں اتباع کی جائے (عزیمت کا معنی ہے: اصل کے مطابق حکمِ شرعی پر عمل کرنا اور رخصت کا معنی ہے کہ مشقت کی وجہ سے اگر کسی حکم میں تخفیف کی گئی ہو تو اس تخفیف پر عمل کرنا) اور جس محل میں رخصت وارد ہو اس محل میں رخصت پر عمل کرنا عزیمت پر عمل کرنے سے افضل ہے، بلکہ بسا اوقات عزیمت پر عمل کرنا اس وقت مرجوح ہوگا جیسا کہ سفر میں چار رکعت کے بجائے دو رکعت پڑھنے کی رخصت دی گئی ہے تو اگر کوئی شخص رخصت کو ترک کر کے عزیمت پر عمل کرے اور سفر میں چار رکعت نماز پڑھے تو یہ مرجوح ہے بلکہ مذموم ہے، اسی طرح اگر سردی سے یا پانی سے ضرر ہو تو موزوں پر مسح کرنے کی رخصت دی گئی ہے، اب اگر کوئی شخص موزوں پر مسح کرنے کو ترک کرے اور اس سے اعراض کرے تو اس کا یہ فعل مذموم ہے۔

حدیث میں ہے کہ بعض صحابہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تو اگلی پچھلی مغفرت کر دی گئی ہے، پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی حکم میں رخصت پر عمل کریں تو آپ کی مثل وہ شخص نہیں ہوگا جس کی مغفرت کا اعلان نہیں کیا گیا، پس جس شخص کی مغفرت کا اعلان نہیں کیا گیا اس کے لیے عزیمت پر عمل کرنا اور شدت کو اختیار کرنا یہ اولیٰ ہے تا کہ اس کی نجات ہو جائے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی مغفرت فرما دی ہے لیکن اس کے باوجود آپ تمام لوگوں سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والے ہیں اور متقی ہیں، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کام کو عزیمت سے کیا ہو یا رخصت سے کیا ہو، وہ انتہائی تقویٰ پر اور انتہائی خشیتِ الٰہی پر محمول ہے، اور آپ کو جو مغفرت کی فضیلت حاصل ہے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ عمل میں زیادہ کوشش کرنے کو ترک کر دیں، اور جب بھی آپ نے رخصت پر عمل کیا تو وہ اس لیے تھا کہ عزیمت کے اوپر تر و تازگی کے ساتھ عمل کریں، اسی لیے آپ نے فرمایا: میں ان سب سے زیادہ علم والا ہوں اور ان سب سے زیادہ ڈرنے والا ہوں، یعنی میں فضیلت کو بھی جاننے والا ہوں اور جو عمل اللہ کے قریب کرنے والا ہے اس کو بھی جاننے والا ہوں۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۴۳۹، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

رخصت کی فضیلت پر ایک اعتراض کا جواب

میں کہتا ہوں کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے جو کہا ہے کہ بعض اوقات عزیمت پر عمل کرنا مرجوح ہوتا ہے اور رخصت پر عمل کرنا راجح ہوتا ہے، اس پر حدیثِ مذکور سے ایک اعتراض ہوتا ہے:

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَ اِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ (النساء:۱۰۱) اور جب تم زمین میں سفر کرو تو (اس میں) کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ تم نماز میں قصر کر لو۔

اور اب لوگ سفر میں کفار کے حملہ سے مامون ہیں! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس چیز سے تم کو تعجب ہوا ہے، مجھے بھی تعجب ہوا تھا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ (قصر) صدقہ ہے جس کا اللہ نے تم پر

صدقہ کیا ہے، سو تم اس کے صدقہ کو قبول کرو۔ (صحیح مسلم: ۶۸۶، سنن ابوداؤد: ۱۱۹۹، سنن ابن ماجہ: ۱۰۶۵)

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امر فرمایا ہے کہ اللہ کے صدقہ کو قبول کرو، اور اصل میں امر وجوب کے لیے آتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ سفر میں نماز کو قصر کرنا واجب ہے، سو اگر کسی نے دانستہ سفر میں پوری نماز پڑھی تو وہ گناہ گار ہوگا۔

امام ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

امیہ بن خالد نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا کہ قرآن مجید میں حضر میں نماز پڑھنے کا ذکر ہے اور نمازِ خوف کا بھی ذکر ہے اور سفر میں نماز پڑھنے کا ذکر نہیں ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث کیا اور ہم اس کے سوا کچھ نہیں جانتے کہ ہم نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو کچھ کرتے ہوئے دیکھا ہے ہم وہی کرتے ہیں۔

(سنن ابن ماجہ: ۱۰۶۶، سنن نسائی: ۱۴۳۳)

اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی رخصتوں پر عمل کرنے کے متعلق احادیث

امام ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتح مکہ کے سال رمضان کے مہینہ میں مکہ کی طرف روانہ ہوئے، پس آپ نے (سفر میں) روزہ رکھا حتیٰ کہ جب آپ ''کراع الغمیم'' میں پہنچ گئے تو لوگوں نے روزہ رکھا، پھر آپ نے پانی کا ایک پیالہ منگایا اور اس کو اوپر اٹھایا حتیٰ کہ لوگوں نے اس کی طرف دیکھا، پھر آپ نے وہ پانی پی لیا، بعد میں آپ کو بتایا گیا کہ بعض صحابہ روزہ پر برقرار رہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''وہ لوگ نافرمان ہیں، وہ لوگ نافرمان ہیں''۔

اسی سند سے روایت ہے کہ آپ کو بتایا گیا کہ لوگوں پر روزہ دشوار ہو رہا ہے اور لوگ منتظر ہیں کہ آپ کیا کرتے ہیں تو آپ نے عصر کی نماز کے بعد پانی کا پیالہ منگایا۔ (صحیح مسلم: ۱۱۱۴، سنن ترمذی: ۷۱۰، سنن نسائی: ۲۲۵۹، مسند احمد: ۱۴۴۰۶)

اور اسی سند کے ساتھ یہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی اس رخصت پر عمل کرو جو رخصت اس نے تم کو عطا فرمائی ہے۔ (صحیح مسلم: ۱۱۱۵، الرقم المسلسل: ۲۵۰۳)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس کو پسند فرماتا ہے کہ اس کی رخصت پر عمل کیا جائے جیسا کہ اس کو ناپسند فرماتا ہے کہ اس کی نافرمانی کی جائے۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۱۰۸، رقم الحدیث: ۵۸۶۶)

امام ابن حبان اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو پسند فرماتا ہے کہ اس کی دی ہوئی رخصتوں پر عمل کیا جائے جس طرح اس کو پسند فرماتا ہے کہ عزیمت پر عمل کیا جائے۔ (صحیح ابن حبان: ۳۵۴)

امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ نافع سے روایت کرتے ہیں: بے شک اللہ عزوجل اس کو پسند فرماتا ہے کہ اس کی دی ہوئی رخصتوں پر عمل کیا جائے جس طرح پسند فرماتا ہے کہ اس کی عزیمتوں پر عمل کیا جائے۔ (سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۱۴۰)

امام ابن ابی شیبہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ اس کو پسند فرماتا ہے کہ اس کے دیے ہوئے آسان احکام پر عمل کیا جائے جیسا کہ اس کو پسند فرماتا ہے کہ اس کی عزیمتوں پر عمل کیا جائے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹ ص ۵۹)

امام احمد بن حنبل اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے پاس ایک مرد آیا، پس اس نے کہا: اے ابوعبدالرحمٰن! میں سفر میں روزے رکھنے کی طاقت رکھتا ہوں، تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جو اللہ تعالیٰ کی رخصت کو قبول نہیں کرتا تو اس کے اوپر عرفات کے پہاڑوں جتنا (بھاری) گناہ ہوگا۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۷۱، رقم الحدیث: ۵۳۹۲، مسند عبد بن حمید: ۸۴۱)

۷۳۰۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَخْبَرَنَا وَكِيعٌ أَخْبَرَنَا نَافِعُ بْنُ عُمَرَ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ قَالَ كَادَ الْخَيِّرَانِ أَنْ يَهْلِكَا أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ لَمَّا قَدِمَ عَلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم وَفْدُ بَنِي تَمِيمٍ أَشَارَ أَحَدُهُمَا بِالْأَقْرَعِ بْنِ حَابِسٍ التَّمِيمِيِّ الْحَنْظَلِيِّ أَخِي بَنِي مُجَاشِعٍ وَأَشَارَ الْآخَرُ بِغَيْرِهِ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ لِعُمَرَ إِنَّمَا أَرَدْتَ خِلَافِي فَقَالَ عُمَرُ مَا أَرَدْتُ خِلَافَكَ فَارْتَفَعَتْ أَصْوَاتُهُمَا عِنْدَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَنَزَلَتْ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ﴾ إِلَى قَوْلِهِ ﴿عَظِيمٌ﴾ قَالَ ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ قَالَ ابْنُ الزُّبَيْرِ فَكَانَ عُمَرُ بَعْدُ وَلَمْ يَذْكُرْ ذَلِكَ عَنْ أَبِيهِ يَعْنِي أَبَا بَكْرٍ إِذَا حَدَّثَ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم بِحَدِيثٍ حَدَّثَهُ كَأَخِي السِّرَارِ لَمْ يُسْمِعْهُ حَتَّى يَسْتَفْهِمَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن مقاتل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وکیع نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں نافع بن عمر نے خبر دی از ابن ابی ملیکہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ قریب تھا کہ دو بہترین صحابی (حضرت ابوبکر وحضرت عمر رضی اللہ عنہما) ہلاک ہو جاتے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بنو تمیم کا وفد آیا (کہ کسی کو ان کا سردار بنایا جائے) تو ان دو صحابہ میں سے ایک (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) نے اشارہ کیا کہ الاقرع بن حابس الحنظلی جو بنو مشاجع کے بھائی ہیں ان کو سردار بنا دیا جائے، اور دوسرے صحابی (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ) نے دوسرے کی طرف اشارہ کیا، پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: تم صرف میری مخالفت کا ارادہ کرتے ہو، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں آپ کی مخالفت کا ارادہ نہیں کرتا، پھر ان دونوں کی آوازیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بلند ہو گئیں تو پھر یہ آیت نازل ہوئی:

''اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو (اپنے) نبی کی آواز پر بلند نہ کرو، اور نہ ان کے سامنے بلند آواز سے بولو، جیسے ایک دوسرے سے بلند آواز سے بات کرتے ہو، ورنہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں گے اور تمہیں پتا بھی نہیں چلے گا O'' (الحجرات: ۲)

ابن ابی ملیکہ نے بیان کیا کہ حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما نے بتایا: پس اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور انہوں نے اپنے نانا سے کچھ ذکر نہیں کیا کہ جب وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بات کرتے تو اتنی آہستہ کرتے کہ آپ اس کو نہیں سنتے تھے حتیٰ کہ ان سے دوبارہ پوچھتے۔

(صحیح البخاری: ۴۳۶۷، ۴۸۴۵، ۴۸۴۷، ۷۳۰۲، سنن ترمذی: ۳۲۶۶، سنن نسائی: ۵۳۸۶، مسند احمد: ۱۵۷۰۰)

صحیح البخاری: ۷۳۰۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی التوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان کا دوسرا جزو ہے ''التنازع فی العلم'' یعنی علمی مسائل میں بحث کرنا، اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے اس مسئلہ میں بحث کی کہ بنو تمیم کا سردار کس کو مقرر کرنا چاہیے اور ان دونوں کی آواز بلند ہوگئی، اور ان میں سے ہر ایک یہ چاہتا تھا کہ اس کو سردار بنایا جائے جس کو دوسرا سردار بنانا نہیں چاہتا تھا، پس انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بحث کی اور ان دونوں کی آواز بلند ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ۝ (الحجرات:۲)

اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو (اپنے) نبی کی آواز پر بلند نہ کرو، اور نہ ان کے سامنے بلند آواز سے بولو، جیسے ایک دوسرے سے بلند آواز سے بات کرتے ہو، ورنہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں گے اور تمہیں پتا بھی نہیں چلے گا۝

اور ہم نے یہ کہا ہے کہ ان کا تنازع اور مباحثہ علم میں تھا، کیونکہ ان میں سے ہر ایک یہ چاہتا تھا کہ اس کے منتخب کردہ شخص کو امارت اور سرداری کے لیے نامزد کر دیا جائے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''الخیّران'' یہ ''خیّر'' کا تثنیہ ہے اور خیر کا لفظ ''جیّد'' کی طرح ہے، اور اس سے مراد حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے کہ وہ دونوں ابوبکر و عمر (رضی اللہ عنہما) ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''اشار احدھما'' ان دو خیّروں میں سے ایک نے اشارہ کیا اور وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے کہ اقرع بن حابس الحنظلی جو بنو مشاجع کا بھائی ہے یعنی ان میں سے ایک ہے، اس کو مقرر کیا جائے۔ اور بنو مشاجع کے عام لوگ بصرہ میں تھے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''واشار الآخر'' اس سے مراد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں، انہوں نے کسی دوسرے کو عامل نامزد کرنے کا ارادہ کیا اور وہ القعقاع بن معبد بن ضرارۃ التمیمی ہیں جو بنو تمیم کے وفد میں سے ایک تھے، اور یہ دونوں شخص امارت کے طلب گار تھے، اور جب حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما میں تنازع ہوا اور ان کی آواز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بلند ہوئی تو یہ آیت نازل ہوئی ''يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ ۔۔۔۔۔۔ الحجرات:۲''۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس کے علاوہ کسی اور معاملہ میں یہ آیت نازل ہوئی جیسا کہ کتب تفسیر میں مذکور ہے۔

ندائے یا محمد کی بحث

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''ولا تجھروا لہ بالقول'' یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتے وقت آپ کو آپ کے نام کے ساتھ نہ پکارو اور یا محمد نہ کہو جیسے ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔

(میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد کرنے کے لیے یا محمد کہنا جائز ہے، یالفظِ محمد سے آپ کی صفت مراد لی جائے اور یا محمد کہا جائے یعنی اے وہ جن کی بہت زیادہ حمد کی گئی ہے، یا آپ کے نام کا نعرہ لگانے کے لیے یا محمد کہا جائے جیسا کہ ''البدایہ والنہایہ'' میں مذکور ہے کہ جب مسلمانوں کی کفار سے جنگ ہو رہی تھی تو وہ کہتے تھے: ''یامحمداہ'' یا جس طرح صحیح مسلم میں مذکور ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آئے تو انصار مدینہ کے سب چھوٹے اور بڑے اپنے مکانوں پر چڑھ گئے اور نعرہ لگاتے تھے ''یامحمد یارسول اللہ، یامحمد یارسول اللہ''، (صحیح مسلم: ۲۰۰۹، سعیدی غفرلہ)۔

اس حدیث کی تعلیق میں مذکور ہے کہ حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے اور یہ ذکر نہیں کیا کہ وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے۔

اس تعلیق میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اوپر باپ کا اطلاق کیا اور اس سے مراد نانا ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۶۰۔۶۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۳۰۳۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ فِي مَرَضِهِ مُرُوا أَبَا بَكْرٍ يُصَلِّي بِالنَّاسِ قَالَتْ عَائِشَةُ قُلْتُ إِنَّ أَبَا بَكْرٍ إِذَا قَامَ فِي مَقَامِكَ لَمْ يُسْمِعِ النَّاسَ مِنَ الْبُكَاءِ فَمُرْ عُمَرَ فَلْيُصَلِّ لِلنَّاسِ فَقَالَ مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ فَقَالَتْ عَائِشَةُ فَقُلْتُ لِحَفْصَةَ قُولِي إِنَّ أَبَا بَكْرٍ إِذَا قَامَ فِي مَقَامِكَ لَمْ يُسْمِعِ النَّاسَ مِنَ الْبُكَاءِ فَمُرْ عُمَرَ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ فَفَعَلَتْ حَفْصَةُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم إِنَّكُنَّ لَأَنْتُنَّ صَوَاحِبُ يُوسُفَ مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ لِلنَّاسِ فَقَالَتْ حَفْصَةُ لِعَائِشَةَ مَا كُنْتُ لِأُصِيبَ مِنْكِ خَيْرًا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از ہشام بن عروہ از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ام المومنین، وہ بیان کرتی ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیماری کے ایام میں فرمایا: ابوبکر سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا: میں نے کہا کہ حضرت ابوبکر جب آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو رونے کی شدت کی وجہ سے لوگوں کو (قرآن) نہیں سنا سکیں گے، پس آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیجئے کہ وہ نماز پڑھائیں، آپ نے فرمایا: ابوبکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، پس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے کہا: آپ کہیے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جب آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو رونے کی شدت کی وجہ سے لوگوں کو (قرآن) نہیں سنا سکیں گے، سو آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہیے کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، پس حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے اسی طرح کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک تم ضرور حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ کی عورتیں ہو، ابوبکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، پس حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا: میں آپ سے کوئی خیر حاصل نہیں کر سکتی۔

(صحیح البخاری:۶۷۹، صحیح مسلم:۴۱۸، سنن ترمذی:۳۶۷۲، سنن ابن ماجہ:۱۲۳۲، مسند احمد:۲۴۱۲۶، موطا امام مالک:۴۱۴، سنن دارمی:۱۲۵۷)

صحیح البخاری: ۷۳۰۳، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امر کے وجوب کے لیے ہونے پر دلیل

علامہ داؤدی نے کہا ہے: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ابوبکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کی طرف مراجعت کی اور کہا: آپ کسی اور کو فرمادیں، کیونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رقیق القلب ہیں وہ آپ کی جگہ کھڑے ہوکر قرآن نہیں سنا سکیں گے، تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قول کو رد کر کے فرمایا کہ ''بے شک تم ضرور یوسف علیہ السلام کے زمانہ کی عورتیں ہو''۔

اس سے معلوم ہوا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ ''حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا جائے کہ وہ نماز پڑھائیں'' تو آپ کے اس حکم پر عمل کرنا واجب تھا، اور آپ کے اس حکم کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا آپ کی طرف دوبارہ رجوع کرنا ناپسندیدہ تھا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امامت کا مؤکد ہونا

باقی رہا یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ کیوں فرمایا کہ ''تم ضرور یوسف علیہ السلام کے زمانہ کی عورتیں ہو''، کیونکہ یوسف علیہ السلام کے زمانہ کی عورتیں بھی زلیخا کو یہ طعنہ دیتی تھیں کہ تم ایک غلام پر فریفتہ ہوگئی ہو لیکن درحقیقت وہ یہ دیکھنا چاہتی تھیں کہ وہ کونسا ایسا خوبصورت نوجوان ہے جس پر عزیز مصر کی بیوی بھی فریفتہ ہوگئی ہے تو ان کی زبان پر کچھ تھا اور دل میں کچھ اور تھا، اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی زبان سے تو کہہ رہی ہیں کہ کسی اور کو آپ نماز پڑھانے کا حکم دے دیں لیکن ان کے دل میں یہ ہے کہ میں منع کروں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوبارہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ہی امام بنانے کا حکم دیں تو اس طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امامت مؤکد ہو جائے گی اور بعد میں کوئی کہنے والا یہ نہیں کہہ سکے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیماری کے کسی حال میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا نام لیا تھا اگر کسی اور کی طرف توجہ دلائی جاتی تو آپ اس کا نام لیتے، یا آپ نے سہواً حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا نام لیا یا مجازاً نام لیا، لیکن جب بار بار کہا گیا کہ کسی اور کو نماز پڑھانے کے لیے حکم دیں تو ہر بار آپ نے یہی کہا کہ ابوبکر ہی سے کہو کہ وہ نماز پڑھائیں، اس سے معلوم ہوا کہ آپ نے پوری بصیرت اور صمیم قلب سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا تھا۔

نماز میں بڑے عالم کو امام بنانا چاہیے نہ کہ بڑے قاری کو

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ صحابہ کرام میں سب سے بڑے عالم تھے اور سب سے بڑے قاری حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ تھے، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے ہوتے ہوئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امام بنایا، اس سے معلوم ہوا کہ نماز میں امام اس کو بنانا چاہیے جو بڑا عالم ہو نہ کہ اس کو جو بڑا قاری ہو۔

خوفِ الٰہی سے نماز میں رونے سے نماز نہیں ٹوٹتی

نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''ابوبکر رونے کی شدت کی وجہ سے قرآن نہیں پڑھ سکیں گے'' اس سے یہ معلوم ہوا کہ اگر کوئی

شخص نماز میں اللہ کے خوف سے روئے تو اس سے نماز نہیں ٹوٹتی۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۳ ص ۶۱، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۷۳۰۴۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي ذِئْبٍ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ قَالَ جَاءَ عُوَيْمِرٌ الْعَجْلَانِيُّ إِلَى عَاصِمِ بْنِ عَدِيٍّ فَقَالَ أَرَأَيْتَ رَجُلًا وَجَدَ مَعَ امْرَأَتِهِ رَجُلًا فَيَقْتُلُهُ أَتَقْتُلُونَهُ بِهِ سَلْ لِي يَا عَاصِمُ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَسَأَلَهُ فَكَرِهَ النَّبِيُّ ﷺ الْمَسَائِلَ وَعَابَهَا فَرَجَعَ عَاصِمٌ فَأَخْبَرَهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَرِهَ الْمَسَائِلَ فَقَالَ عُوَيْمِرٌ وَاللهِ لَآتِيَنَّ النَّبِيَّ ﷺ فَجَاءَ وَقَدْ أَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى الْقُرْآنَ خَلْفَ عَاصِمٍ فَقَالَ لَهُ قَدْ أَنْزَلَ اللهُ فِيكُمْ قُرْآنًا فَدَعَا بِهِمَا فَتَقَدَّمَا فَتَلَاعَنَا ثُمَّ قَالَ عُوَيْمِرٌ كَذَبْتُ عَلَيْهَا يَا رَسُولَ اللهِ إِنْ أَمْسَكْتُهَا فَفَارَقَهَا وَلَمْ يَأْمُرْهُ النَّبِيُّ ﷺ بِفِرَاقِهَا فَجَرَتِ السُّنَّةُ فِي الْمُتَلَاعِنَيْنِ وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ انْظُرُوهَا فَإِنْ جَاءَتْ بِهِ أَحْمَرَ قَصِيرًا مِثْلَ وَحَرَةٍ فَلَا أُرَاهُ إِلَّا قَدْ كَذَبَ وَإِنْ جَاءَتْ بِهِ أَسْحَمَ أَعْيَنَ ذَا أَلْيَتَيْنِ فَلَا أَحْسِبُ إِلَّا قَدْ صَدَقَ عَلَيْهَا فَجَاءَتْ بِهِ عَلَى الْأَمْرِ الْمَكْرُوهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن عبدالرحمٰن ابن ابی ذئب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الزہری نے حدیث بیان کی از حضرت سہل بن سعد الساعدی، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عویمر العجلانی رضی اللہ عنہ حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، پس کہا: یہ بتاؤ کہ ایک مرد اپنی بیوی کے ساتھ کسی دوسرے مرد کو پائے سو وہ اس کو قتل کر دے، تو کیا تم اس کے عوض اس کو قتل کر دو گے؟ انہوں نے کہا: اے عاصم! آپ میرے لیے رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق سوال کیجئے، پس انہوں نے سوال کیا تو نبی ﷺ نے ان سوالات کو ناپسند فرمایا اور مذمت کی، پھر حضرت عاصم رضی اللہ عنہ لوٹ گئے اور انہوں نے حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کو خبر دی کہ نبی ﷺ نے ان سوالات کو ناپسند فرمایا ہے، تو حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اور اللہ کی قسم! میں ضرور نبی ﷺ کے پاس خود جاؤں گا، پس وہ آئے اور اللہ تعالیٰ نے حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کے جانے کے بعد قرآن مجید کی آیات نازل فرمائیں، پس رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے متعلق قرآن مجید کی آیات نازل فرما دی ہیں، پھر آپ نے ان دونوں کو بلایا، پس وہ دونوں آگے بڑھے، پھر ان دونوں نے ایک دوسرے پر لعنت کی، پھر حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! اب اگر میں نے اس عورت کو اپنے نکاح میں برقرار رکھا تو پھر میں نے اس پر جھوٹ باندھا تھا، سو وہ اس عورت سے علیحدہ ہو گئے اور نبی ﷺ نے ان کو اس عورت سے علیحدہ ہونے کا حکم نہیں دیا تھا، پس یہی طریقہ لعان کرنے والوں میں جاری ہو گیا اور نبی ﷺ نے فرمایا: اس عورت کو دیکھتے رہو، اگر یہ سرخ رنگ کا کوتاہ قد چھپکلی کی طرح بدشکل بچہ جنے تو میرا گمان

یہی ہے کہ عویمر نے اس پر جھوٹ باندھا، اور اگر وہ سرمئی رنگ کا بڑی آنکھوں والا اور بڑی سرین والا بچہ جنے تو میرا یہی گمان ہے کہ عویمر سچا ہے، پس اس عورت کے ہاں وہ بچہ اس مکروہ شکل پر پیدا ہوا۔

(صحیح البخاری: ۴۲۳، ۴۷۴۵، ۴۷۴۶، ۵۲۵۹، ۵۳۰۸، ۵۳۰۹، ۶۸۵۴، ۷۱۶۵، ۷۱۶۶، ۷۳۰۴، صحیح مسلم: ۱۴۹۲، سنن نسائی: ۳۴۰۲، سنن ابوداؤد: ۲۲۴۵، سنن ابن ماجہ: ۲۰۶۶، موطا امام مالک: ۱۲۰۱، سنن دارمی: ۲۲۲۹)

اس حدیث سے امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ اس باب کا عنوان ہے ''علمی مسائل میں بحث کرنا'' اور حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی پر تہمت لگائی اور اس میں فحش کلام کیا جس وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سوال کو ناپسند فرمایا۔

صحیح البخاری: ۷۳۰۴، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
امام بخاری نے اس حدیث کی کتاب الطلاق (صحیح البخاری: ۵۲۵۹) میں اور یہاں کتاب الاعتصام (صحیح البخاری: ۷۳۰۴) میں اور سورۂ نور کی تفسیر (صحیح البخاری: ۴۷۴۵، ۴۷۴۶) میں اس آیت کی تفسیر میں روایت کی ہے: ''والذین یرمون ازواجھم''۔

مسجد میں فیصلہ کرنے کے متعلق فقہاء کے اقوال

مسجد میں قضاء اور فیصلہ کرنا عام فقہاء کے نزدیک جائز ہے، امام مالک نے کہا: قاضی کا مسجد میں قضاء کے لیے بیٹھنا ایسا کام ہے جس پر شروع سے عمل ہوتا رہا ہے۔ (المدونہ ج ۴ ص ۷۶)

اور علامہ ابن حبیب نے کہا ہے کہ قضاۃ میں سے جو لوگ فیصلہ کرتے تھے وہ مسجد کے صحن میں مسجد سے باہر بیٹھتے تھے۔

اور اشہب نے کہا کہ اپنے گھر میں قاضی فیصلہ کرے یا جہاں چاہے فیصلہ کرے مستحب ہے۔ (المنتقیٰ ج ۵ ص ۱۸۵)

اور قاضی شریح اور قاضی ابن ابی لیلیٰ دونوں مسجد میں فیصلہ کرتے تھے۔ (المغنی ج ۱۴ ص ۲۰)

سعید بن المسیب نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے، انہوں نے کہا: اگر میرے اختیار میں کچھ ہوتا تو میں دو فریقوں کو مسجد میں قضاء کرنے کے لیے نہ چھوڑتا، اور امام شافعی سے بھی منقول ہے کہ مسجد میں قضاء کرنا مکروہ ہے۔ (اسنی المطالب ج ۴ ص ۲۹۸)

اور حدیث میں ہے کہ ''اپنی مساجد کو آوازوں کے بلند کرنے سے اور فریقین کی آوازوں سے محفوظ رکھو''۔

اور اس پر یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ مساجد میں شوہر اور بیوی ایک دوسرے پر لعنت کرتے ہیں، اور یہ لعان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی ہوا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قسمیں ہیں اور اس سے ڈرانے کا ارادہ کیا جاتا ہے تاکہ جو فریق باطل پر ہو وہ اپنے الزام سے رجوع کرلے یا اپنے جرم کا اعتراف کرلے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لعان مساجد میں ہوتا ہے اور علماء کے سامنے ہوتا ہے یا جو حاکم علماء کا خلیفہ ہو اس کے سامنے ہوتا

ہے، کیونکہ لعان کی قسمیں مجمع عام میں ہوتی ہیں۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۵ ص ۷ ۴۳ ۔ ۸ ۴۳ ۴، ملخصا وملتقطا، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۴۰ ۳ ۷، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اپنے گمان کے مطابق فیصلہ کرنے کا عدم جواز

اس حدیث میں یہ واضح بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو اس سے منع فرمایا ہے کہ وہ اپنے گمان کے مطابق کوئی فیصلہ کریں، اور ان پر یہ لازم کیا ہے کہ وہ دلائلِ ظاہرہ کی بناء پر فیصلہ کریں اور مخفی دلائل کی بناء پر کوئی فیصلہ نہ کریں جو چیز ان کی نگاہوں سے پوشیدہ ہو۔ اس لیے جو امور پوشیدہ ہوں ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی طرف سپرد کر دینا چاہیے اور اگر قاضی یا سلطان یا کسی اور حاکم کے پاس کوئی مقدمہ آئے تو وہ ظاہر دلیل کے بغیر فیصلہ نہ کرے کیونکہ اگر ظاہر دلیل کے بغیر فیصلہ کرنا جائز ہوتا تو اس فیصلہ کرنے کے سب سے زیادہ لائق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ کیونکہ آپ کو لوگوں کے بہ کثرت مخفی امور کا علم تھا، اس کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم بغیر ظاہری دلیل کے کوئی فیصلہ نہیں فرماتے تھے۔ اسی وجہ سے جب منافقین نے غزوہ تبوک میں نہ جانے کے متعلق اپنے ظاہری عذر پیش کیے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اعذار کو قبول فرمالیا، حالانکہ آپ کو علم تھا کہ یہ جھوٹے ہیں، لیکن آپ نے اپنے اس علم کے مطابق فیصلہ نہیں کیا، اور آپ نے یہی فرمایا کہ ہم تو ظاہر دلیل کے مطابق فیصلہ کریں گے اور ظاہر دلیل یہ تھی کہ انہوں نے قسمیں کھالیں اور اپنے جھوٹے عذر پیش کیے کہ وہ غزوہ تبوک میں آپ کے ساتھ نہیں جاسکے۔ اسی طرح سے جو شخص اپنے ایمان اور تصدیق پر قسم کھالے تو اللہ کے حکم کے مطابق اس کے نکاح کو برقرار رکھا جائے گا، اس کی وراثت برقرار رکھی جائے گی اور اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی، اسی طرح اور دوسرے معاملات ہیں۔ لہٰذا ہر حاکم پر واجب ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس نمونہ کے مطابق عمل کرے اور ظاہر دلیل کے مطابق فیصلہ کرے اور اپنے گمان کے مطابق فیصلہ نہ کرے، اگرچہ اس کے نزدیک وہ آدمی اپنی قسم میں جھوٹا ہو اور اپنے فعل میں جھوٹا ہو۔

علامہ المہلب مالکی المتوفی ۴۳۵ ھ نے کہا ہے: اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ حاکم جب صریح گواہوں کی بنیاد پر کوئی فیصلہ کرے پھر اس پر کسی دلیل سے منکشف ہو کہ یہ گواہی صحیح نہیں ہے تو وہ اپنے فیصلہ کو تبدیل نہیں کرے گا، کیونکہ جو چیز نص سے ثابت ہو رہی ہے اس کو منسوخ نہیں کیا جاسکتا، کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب وہ عورت اس بچے کو صفتِ مکروہ پر لے کر آئی تو اس کے اوپر حد نہیں لگائی گئی، اسی طرح زمعہ کی باندی سے جو بچہ پیدا ہوا وہ زمعہ کے بستر پر پیدا ہوا، اور ظاہر دلیل کا تقاضا ہے بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہو، مگر بعد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ وہ بچہ عتبہ بن ابی وقاص کے چہرے کے مشابہ تھا اور عتبہ بن ابی وقاص نے اپنے بھائی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ متوفی ۵۴ ھ کو یہ وصیت کی تھی کہ یہ جو زمعہ کی باندی سے بچہ پیدا ہوا ہے یہ میرے زنا سے پیدا ہوا ہے، لہٰذا یہ میرا بیٹا ہے اور تمہارا بھتیجا ہے، تم بعد میں اس کے اوپر قبضہ کر لینا، تو فتح مکہ کے بعد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ میرا بھتیجا ہے، میرے بھائی نے جو زمعہ کی باندی سے زنا کیا تھا، یہ اس کے نتیجے میں پیدا ہوا ہے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بچہ اس کا ہوتا ہے جس کے بستر پر پیدا ہو، تو چونکہ یہ زمعہ کے بستر پر پیدا ہوا ہے، لہٰذا یہ زمعہ کا بیٹا قرار پائے گا، تو اس ظاہری دلیل سے

ثابت ہو گیا کہ زمعہ کے بیٹے کا نسب عتبہ بن ابی وقاص سے ثابت نہیں ہے، یہ دلیلِ ظاہری کا تقاضا تھا لیکن بعد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ اس لڑکے میں عتبہ بن ابی وقاص کے چہرے کی جھلک تھی اور مشابہت تھی تو یہ شک ہو گیا کہ یہ زمعہ کا بیٹا نہیں ہے، اگر چہ ظاہری دلیل کا تقاضا یہی تھا کہ الولد للفراش کہ بچہ صاحب بستر کا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زوجہ حضرت ام المومنین سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اگر چہ یہ تمہارا بھائی ہے یعنی زمعہ کا بیٹا ہے لیکن اس میں جھلک عتبہ بن ابی وقاص کی پائی جاتی ہے، لہٰذا اشتباہ واقع ہو گیا تو تم اس سے پردہ کیا کرو، تو آپ نے حضرت سودہ کو پردہ کرنے کا حکم دیا لیکن نسب کی نفی نہیں کی، اس سے معلوم ہوا کہ ظاہری دلیل اور نص کے مقابلے میں شک اور شبہ کی رعایت سے فیصلہ نہیں کیا جاتا۔ اور اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ جس شخص نے جھوٹی قسم کھا کر کسی کا مال چھین لیا تو اللہ تعالیٰ اس پر لعنت فرمائے گا اور اس پر ناراض ہوگا جیسا کہ حدیث میں ہے، لیکن اس سے وہ مال واپس نہیں لیا جائے گا کیونکہ وہ قسم کھا چکا ہے خواہ وہ جھوٹی ہے، تو کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب اس پر دلیل قائم ہو گئی کہ وہ عورت جھوٹی ہے اس نے قسم کھائی تھی کہ اس نے زنا نہیں کیا اور اس کے ہاں ایسا بچہ پیدا ہوا جو اس کے دعوے کی نفی کرتا تھا صفتِ مکروہ پر تھا تو اس میں یہ دلیل ہے کہ شک اور شبہ کی بنیاد کے اوپر ظاہری دلیل کے خلاف عمل نہیں کیا جائے گا اور اگر کوئی عورت اپنی جھوٹی قسم پر قائم رہی تو آخرت میں شدید عذاب کا اس کو سامنا کرنا پڑے گا۔

اس حدیث میں ارشاد ہے کہ وہ بچہ گویا کہ 'وحرۃ'' ہے، ''وحرۃ'' اس چھپکلی کی طرح کے جانور کو کہتے ہیں جو دیواروں سے چپک کر چلتا ہے، تو آپ نے فرمایا کہ اگر اس کا بچہ سرخ رنگ کا ہو اور وحرہ ہو یعنی چھپکلی کی طرح دبلا پتلا ہو تو پھر وہ عورت اپنے دعوے میں سچی قرار پائے گی۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۳۸۲-۳۸۴، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۴ھ)

حضرت عویمر رضی اللہ عنہ اور ان کی زوجہ کے درمیان باہم لعان کرنے کی توجیہ

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کی اپنی بیوی پر تہمت صحیح نہیں تھی، کیونکہ بعد میں بچہ اس صفت پر پیدا ہوا جس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر بچہ اس صفت پر پیدا ہوا تو وہ عورت اپنے دعوئ میں سچی ہوگی اور مرد جھوٹا ہوگا، لیکن حضرت عویمر رضی اللہ عنہ معزز صحابی ہیں، اس لیے ان کے متعلق یہ بدگمانی کرنا صحیح نہیں ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی پر جھوٹی تہمت لگائی، ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کو کوئی زبردست غلط فہمی ہوئی ہو جس کی بناء پر انہوں نے مسجد میں قسم کھائی اور لعان کیا، بہر حال جب شوہر اور بیوی ایک دوسرے پر لعان کرتے ہیں تو ضرور ان میں سے کوئی ایک تو جھوٹا ہوتا ہے لیکن جب شوہر اور بیوی دونوں صحابی ہوں تو ان کی طرف سے کوئی تاویل کرنی چاہیے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۷۳۰۵۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي مَالِكُ بْنُ أَوْسٍ النَّصْرِيُّ وَكَانَ مُحَمَّدُ بْنُ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ ذَكَرَ لِي ذِكْرًا مِنْ ذٰلِكَ فَدَخَلْتُ عَلَى مَالِكٍ فَسَأَلْتُهُ فَقَالَ انْطَلَقْتُ حَتَّى أَدْخُلَ عَلَى عُمَرَ أَتَاهُ حَاجِبُهُ يَرْفَا فَقَالَ هَلْ لَكَ فِي عُثْمَانَ وَعَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَالزُّبَيْرِ وَسَعْدٍ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عقیل نے حدیث بیان کی از ابن شہاب، وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے مالک بن اوس النصری نے خبر دی اور محمد بن جبیر بن مطعم نے مجھے اس کے متعلق کچھ ذکر کیا تھا، پھر میں مالک کے پاس گیا اور ان سے اس حدیث کے متعلق

يَسْتَأْذِنُونَ قَالَ نَعَمْ فَدَخَلُوا فَسَلَّمُوا وَجَلَسُوا فَقَالَ هَلْ لَكَ فِي عَلِيٍّ وَعَبَّاسٍ فَأَذِنَ لَهُمَا قَالَ الْعَبَّاسُ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ اقْضِ بَيْنِي وَبَيْنَ الظَّالِمِ اسْتَبَّا فَقَالَ الرَّهْطُ عُثْمَانُ وَأَصْحَابُهُ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ اقْضِ بَيْنَهُمَا وَأَرِحْ أَحَدَهُمَا مِنَ الْآخَرِ فَقَالَ اتَّئِدُوا أَنْشُدُكُمْ بِاللَّهِ الَّذِي بِإِذْنِهِ تَقُومُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ هَلْ تَعْلَمُونَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ لَا نُورَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ يُرِيدُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ نَفْسَهُ قَالَ الرَّهْطُ قَدْ قَالَ ذَلِكَ فَأَقْبَلَ عُمَرُ عَلَى عَلِيٍّ وَعَبَّاسٍ فَقَالَ أَنْشُدُكُمَا بِاللَّهِ هَلْ تَعْلَمَانِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ ذَلِكَ قَالَا نَعَمْ قَالَ عُمَرُ فَإِنِّي مُحَدِّثُكُمْ عَنْ هَذَا الْأَمْرِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ خَصَّ رَسُولَهُ ﷺ فِي هَذَا الْمَالِ بِشَيْءٍ لَمْ يُعْطِهِ أَحَدًا غَيْرَهُ فَإِنَّ اللَّهَ يَقُولُ ﴿وَمَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا أَوْجَفْتُمْ﴾ الْآيَةَ فَكَانَتْ هَذِهِ خَالِصَةً لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ ثُمَّ وَاللَّهِ مَا احْتَازَهَا دُونَكُمْ وَلَا اسْتَأْثَرَ بِهَا عَلَيْكُمْ وَقَدْ أَعْطَاكُمُوهَا وَبَثَّهَا فِيكُمْ حَتَّى بَقِيَ مِنْهَا هَذَا الْمَالُ وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُنْفِقُ عَلَى أَهْلِهِ نَفَقَةَ سَنَتِهِمْ مِنْ هَذَا الْمَالِ ثُمَّ يَأْخُذُ مَا بَقِيَ فَيَجْعَلُهُ مَجْعَلَ مَالِ اللَّهِ فَعَمِلَ النَّبِيُّ ﷺ بِذَلِكَ حَيَاتَهُ أَنْشُدُكُمْ بِاللَّهِ هَلْ تَعْلَمُونَ ذَلِكَ فَقَالُوا نَعَمْ ثُمَّ قَالَ لِعَلِيٍّ وَعَبَّاسٍ أَنْشُدُكُمَا اللَّهَ هَلْ تَعْلَمَانِ ذَلِكَ قَالَا نَعَمْ ثُمَّ تَوَفَّى اللَّهُ نَبِيَّهُ ﷺ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ أَنَا وَلِيُّ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَبَضَهَا أَبُو بَكْرٍ فَعَمِلَ فِيهَا بِمَا عَمِلَ فِيهَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَأَنْتُمَا حِينَئِذٍ وَأَقْبَلَ عَلَى عَلِيٍّ وَعَبَّاسٍ تَزْعُمَانِ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ فِيهَا كَذَا وَاللَّهُ يَعْلَمُ أَنَّهُ فِيهَا صَادِقٌ بَارٌّ

پوچھا، انہوں نے بیان کیا کہ میں روانہ ہو کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ان کا دربان یرفاء آیا اور اس نے کہا کہ حضرت عثمان، حضرت عبدالرحمٰن، حضرت الزبیر اور حضرت سعد رضی اللہ عنہم آپ کے پاس آنے کی اجازت طلب کر رہے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ٹھیک ہے، پس وہ سب اندر آئے اور انہوں نے سلام کیا اور بیٹھ گئے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دربان یرفاء نے آ کر پوچھا کہ حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ وہ بھی اندر آنے کی اجازت چاہتے ہیں، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کو اجازت دے دی، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: اے امیر المومنین! میرے اور اس ظالم کے درمیان فیصلہ کیجئے اور دونوں نے ایک دوسرے کو برا کہا، پس حضرت عثمان اور ان کے دیگر اصحاب اور ایک جماعت نے کہا: اے امیر المومنین! ان دونوں کے درمیان فیصلہ کیجئے اور ان میں سے ہر ایک کو دوسرے سے راحت پہنچایئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ٹھہرو! میں تم کو اللہ کی قسم دیتا ہوں جس کے اذن سے آسمان اور زمین قائم ہیں، کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے نے یہ فرمایا تھا کہ ''ہم کسی کے وارث نہیں بنائے جاتے، ہم نے جو کچھ بھی ترک کیا ہے وہ صدقہ ہے''؟ رسول اللہ ﷺ اپنی ذات کا ارادہ فرماتے تھے تو صحابہ کی جماعت نے کہا: بے شک رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا تھا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کی طرف متوجہ ہوئے، پس فرمایا: میں تم دونوں کو اللہ کی قسم دیتا ہوں، کیا تم دونوں یہ جانتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا تھا؟ ان دونوں نے کہا: جی ہاں! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تم کو اس معاملہ کے متعلق حدیث بیان کرتا ہوں، بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو اس مال (فئے) میں سے کسی چیز کے ساتھ مخصوص کر دیا تھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

رَاشِدٌ تَابِعٌ لِلْحَقِّ ثُمَّ تَوَفَّى اللهُ أَبَا بَكْرٍ فَقُلْتُ أَنَا وَلِيُّ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَأَبِي بَكْرٍ فَقَبَضْتُهَا سَنَتَيْنِ أَعْمَلُ فِيهَا بِمَا عَمِلَ بِهِ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَأَبُو بَكْرٍ ثُمَّ جِئْتُمَانِي وَكَلِمَتُكُمَا عَلَى كَلِمَةٍ وَاحِدَةٍ وَأَمْرُكُمَا جَمِيعٌ جِئْتَنِي تَسْأَلُنِي نَصِيبَكَ مِنِ ابْنِ أَخِيكَ وَأَتَانِي هَذَا يَسْأَلُنِي نَصِيبَ امْرَأَتِهِ مِنْ أَبِيهَا فَقُلْتُ إِنْ شِئْتُمَا دَفَعْتُهَا إِلَيْكُمَا عَلَى أَنَّ عَلَيْكُمَا عَهْدَ اللهِ وَمِيثَاقَهُ لَتَعْمَلَانِ فِيهَا بِمَا عَمِلَ بِهِ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَبِمَا عَمِلَ فِيهَا أَبُو بَكْرٍ وَبِمَا عَمِلْتُ فِيهَا مُنْذُ وَلِيتُهَا وَإِلَّا فَلَا تُكَلِّمَانِي فِيهَا فَقُلْتُمَا ادْفَعْهَا إِلَيْنَا بِذَلِكَ فَدَفَعْتُهَا إِلَيْكُمَا بِذَلِكَ أَنْشُدُكُمْ بِاللهِ هَلْ دَفَعْتُهَا إِلَيْهِمَا بِذَلِكَ قَالَ الرَّهْطُ نَعَمْ فَأَقْبَلَ عَلَى عَلِيٍّ وَعَبَّاسٍ فَقَالَ أَنْشُدُكُمَا بِاللهِ هَلْ دَفَعْتُهَا إِلَيْكُمَا بِذَلِكَ قَالَا نَعَمْ قَالَ أَفَتَلْتَمِسَانِ مِنِّي قَضَاءً غَيْرَ ذَلِكَ فَوَالَّذِي بِإِذْنِهِ تَقُومُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ لَا أَقْضِي فِيهَا قَضَاءً غَيْرَ ذَلِكَ حَتَّى تَقُومَ السَّاعَةُ فَإِنْ عَجَزْتُمَا عَنْهَا فَادْفَعَاهَا إِلَيَّ فَأَنَا أَكْفِيكُمَاهَا۔

''اور اللہ نے جو اموال ان سے نکال کر اپنے رسول پر لوٹا دیئے حالانکہ تم نے ان کے حصول کے لیے نہ اپنے گھوڑے دوڑائے تھے نہ اونٹ، لیکن اللہ اپنے رسولوں کو جن پر چاہے مسلط فرما دیتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے O'' (الحشر:٦)

پس یہ اموال خالص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت تھے، پھر اللہ کی قسم! آپ نے تمہیں چھوڑ کر اپنے لیے وہ مال نہیں رکھے اور نہ ان اموال کے ساتھ اپنے آپ کو تم پر ترجیح دی، بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو بھی یہ اموال عطا کئے اور تم میں یہ اموال پھیلا دیئے حتیٰ کہ ان اموال میں سے اب یہ مال باقی بچا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس مال میں سے اپنے اہل وعیال کے اوپر ایک سال کا خرچ دیا کرتے تھے، پھر جو باقی بچتا اس کو اللہ کے مال کے حکم میں قرار دیتے (اور اس کو عام مسلمانوں پر خرچ کرتے)، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پوری زندگی میں اسی طرح عمل فرماتے رہے، میں تم کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا تم کو اس کا علم ہے؟ تو جماعتِ صحابہ نے کہا: جی ہاں! پھر حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما سے کہا: میں تم دونوں کو اللہ کی قسم دیتا ہوں، کیا تم کو اس کا علم ہے؟ انہوں نے کہا: جی ہاں، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وفات دے دی، پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ولی اور آپ کا خلیفہ ہوں، پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان اموال پر قبضہ کر لیا اور ان اموال میں وہی عمل کرتے رہے جو ان اموال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمل کرتے تھے، اور تم دونوں اس وقت میرے پاس آئے علی اور عباس، تم دونوں یہ زعم کرتے تھے کہ ابوبکر اس میں اس طرح ہیں (خطا کار ہیں) اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ وہ اس معاملہ میں صادق تھے، نیک تھے، ہدایت یافتہ تھے، حق کی پیروی کرنے والے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو وفات دے دی تو میں نے کہا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ولی ہوں اور ابوبکر کا ولی ہوں، پس میں نے دو سال ان اموال پر قبضہ کیا اور

ان اموال میں وہی عمل کرتا رہا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما عمل کرتے تھے، پھر تم دونوں میرے پاس آئے اور آپ دونوں کا مطالبہ ایک ہی تھا اور آپ دونوں کا معاملہ ایک تھا، (حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا:) آپ میرے پاس آئے اور اپنے بھتیجے کی وراثت سے حصہ مانگتے تھے، (اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:) اور یہ میرے پاس آئے، یہ اپنی بیوی کا وہ حصہ طلب کرتے تھے جو ان کو ان کے والد کی طرف سے ملا تھا، پس میں نے کہا: اگر تم دونوں چاہو تو میں یہ اموال تمہیں دے دیتا ہوں اس شرط پر کہ تم اس میں اللہ کے عہد اور میثاق کو قائم رکھنا اور اس میں وہی عمل کرنا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمل کرتے تھے اور جو اس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عمل کیا تھا اور جو میں نے اس میں عمل کیا ہے جب سے میں خلیفہ مقرر ہوا، اور اگر تم ایسا نہ کرو تو پھر ان اموال کے متعلق مجھ سے بات نہ کرنا، پس تم دونوں نے کہا کہ یہ اموال ہمارے حوالہ کر دیجئے، پس میں نے یہ اموال اس شرط پر تم دونوں کے حوالہ کر دیئے، میں تم سب کو قسم دیتا ہوں: کیا میں نے ان دونوں کو اسی شرط کے اوپر یہ اموال دیئے تھے؟ تو جماعتِ صحابہ نے کہا: جی ہاں! پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کی طرف متوجہ ہوئے، پس فرمایا: میں تم دونوں کو اللہ کی قسم دیتا ہوں، کیا میں نے اسی شرط پر تم دونوں کے حوالے یہ مال کئے تھے؟ ان دونوں نے کہا: جی ہاں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا اب تم دونوں مجھ سے اس کے علاوہ کسی اور فیصلہ کو طلب کرتے ہو؟ پس اس ذات کی قسم جس کے اذن سے آسمان اور زمین قائم ہیں! میں اس فیصلہ کے سوا اور کوئی فیصلہ نہیں کروں گا حتیٰ کہ قیامت آجائے، اگر تم دونوں اس سے عاجز ہو تو یہ مجھے واپس کر دو، میں اس کا بھی انتظام کرلوں گا۔

(صحیح البخاری: ۳۰۹۴، صحیح مسلم: ۱۷۵۷، سنن ابوداؤد: ۲۹۶۳، سنن ترمذی: ۱۶۱۰، مسند احمد: ۱۷۸۵)

صحیح البخاری: ۷۳۰۵، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آنے کا سبب

حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تھے اور ان سے فدک کی زمین اور خیبر میں آپ کے حصے اور مدینہ میں آپ کے صدقات کا بطور وراثت سوال کرتے تھے، تب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ہم کسی کو وارث نہیں بناتے، ہم نے جو بھی ترک کیا وہ صدقہ ہے'' تو ان دونوں نے اس کو تسلیم کر لیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اطاعت کی، پھر اس کے بعد وہ دونوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور دونوں نے اس پر اتفاق کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چھوڑے ہوئے ان اموال کا انتظام ان کے حوالہ کر دیں، خاص طور پر بنونضیر کے اموال میں سے جو آپ کو مالِ فئے حاصل ہوا تھا، تاکہ وہ دونوں اس کا انتظام قائم کریں اور اس کی آمدنی کو ان کے اہلِ بیت میں خرچ کریں، اس کے بعد جو بچے اس کو اسلام کی تقویت میں اور مسلمانوں کی ضروریات میں خرچ کریں، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ اموال ان دونوں کے حوالہ کئے اور کہا کہ یہ دونوں ان اموال کے انتظام میں مشترک اور برابر ہیں۔

پھر دوبارہ جب وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو یا تو اس وجہ سے آئے کہ ان میں سے ہر ایک یہ مطالبہ کر رہا تھا کہ وہ بالاستقلال ان اموال کا انتظام کریں، اور وہ دونوں اشتراک کو نہیں چاہتے تھے، کیونکہ اشتراک کی وجہ سے عمال کو اور خدام کو اجرت دینے میں ان کا تنازع ہوتا تھا، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ وہ ان دونوں کو اس کا انتظام حوالہ کریں گے اور کسی ایک کو بالاستقلال اس کا انتظام نہیں سپرد کریں گے۔

اور امام بخاری نے کتاب المغازی میں ذکر کیا ہے کہ حضرت علی، حضرت عباس رضی اللہ عنہما پر غالب ہو گئے تھے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اس میں انتظام کرنے سے منع کر دیا تھا، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد ان کے بیٹوں میں یہ انتظام رہا اور وہ اس کا انتظام کرتے رہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۱۸ ص ۳۷۴۔۳۷۵، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۷۳۰۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''علم میں تنازع اور تعمق'' اور اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کے تنازع کا ذکر ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے بہت طویل ہوا اور بہت شدید ہوا، اور اس میں ایک قسم کا تعمق ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: اے امیر المومنین! ان دونوں کے درمیان فیصلہ کیجئے اور ان میں سے ایک کو دوسرے سے راحت دلایئے۔

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ کے معانی

''یرفأ'' کا تعارف

اس حدیث میں مذکور ہے ''یرفأ'' یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دربان اور ان کے آزاد کردہ غلام تھے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ظالم کہا، اس کی توجیہ

اس حدیث میں مذکور ہے ''حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: اے امیر المومنین! میرے اور اس ظالم کے درمیان فیصلہ کیجئے''۔

اب یہاں پر یہ اعتراض ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ظالم کہنا کس طرح جائز ہوا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے بھتیجے تھے اور ان کے سامنے بمنزلہ اولاد تھے اور والد کو اولاد کے اوپر اتنا حق ہوتا ہے جو دوسروں کو نہیں ہوتا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اس لفظِ ظالم سے انہوں نے اس کا حقیقی معنی مراد نہیں لیا، کیونکہ ظلم کا معنی ہے: کسی چیز کو اس کے غیر محل میں رکھنا، اس اعتبار سے گناہِ صغیرہ کو بھی ظلم کہا جاتا ہے اور اس مباح کام کو بھی ظلم کہا جاتا ہے جو عرف میں اچھا نہ سمجھا جاتا ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس سے بری تھے کہ وہ ظالم ہوں، اس لیے یہاں پر ظالم کے معنی میں تاویل ضروری ہے۔

بعض علماء نے کہا کہ یہاں ظالم کا معنی ہے کہ انہوں نے انصاف نہیں کیا یا وہ ظالم کی مثل ہیں۔

علامہ المازری نے کہا: اس لفظ کو کہنا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی شان کے لائق نہیں ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ظالم کے مصداق سے بہت بری ہیں، سو یہ راوی کا سہو ہے، اور اگر یہ صحیح روایت میں ہو تو اس کی تاویل یہ ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ایسی بات کہی جس کے ظاہر کے وہ معتقد نہیں تھے اور انہوں نے زجر و توبیخ اور ڈانٹ ڈپٹ میں مبالغہ کرنے کی نیت سے ظالم کا لفظ کہا اور ان کے اعتقاد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا جو رویہ غلط تھا، اس سے ان کو اجتناب کرنے کے لیے کہا، اسی وجہ سے صحابہ میں سے کسی نے بھی حضرت عباس رضی اللہ عنہ پر یہ اعتراض نہیں کیا کہ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ظالم کیوں کہا؟ اور نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر انکار کیا حالانکہ یہ صحابہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کسی برائی کا انکار کرنے میں بہت متشدد تھے اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ انہوں نے حالیہ قرینہ سے یہ جان لیا تھا کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ظاہر کا لفظ اس کے حقیقی معنی کے ارادہ سے نہیں کہا۔

''استبا'' کی تاویل

اسی طرح اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''دونوں نے ایک دوسرے کو برا کہا'' اور ''استبا'' کا لفظ ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ وہ دونوں ایک دوسرے سے سخت اور درشت کلام کر رہے تھے جیسا کہ ایک دوسرے سے لڑنے والے ایک دوسرے کو برا کہتے ہیں۔

''اتئدوا'' اور ''لانورث'' کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''اتئدوا'' یہ بابِ افتعال سے ماخوذ ہے، اس کا معنی ہے صبر کرو اور مہلت سے کام لو۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''لانورَث'' اس لفظ میں راء پر زبر ہے، اس کا معنی ہے: ہم وارث نہیں بنائے جاتے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''ماترکنا صدقة'' یعنی ہمارا جو کچھ بھی ترکہ ہے، وہ صدقہ ہے، اس سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی

ذات گرامی ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ آپ نے جمع کا صیغہ اس لیے استعمال فرمایا کہ یہ حکم تمام انبیاء علیہم السلام کا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ترکہ جات

اس حدیث میں مذکور ہے "هذا الامر" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ترکہ کا قصہ، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی حیات میں اس ترکہ میں کس کیفیت سے تصرف فرماتے تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس میں کس طرح تصرف کیا اور حضرت فاطمہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے اس ترکہ میں کس طرح وراثت کا دعویٰ کیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فقال تزعمان ان ابابكر فيها قضاء؟" یعنی حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ گمان کرتے تھے کہ انہوں نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ترکہ کو انہیں بطورِ وراثت نہیں دیا، ان کا یہ فیصلہ صحیح نہیں تھا اور وہ اس میں حق پر عمل کرنے والے نہیں تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اور اللہ خوب جانتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس میں سچے تھے، نیک تھے، ہدایت یافتہ تھے اور حق کی پیروی کرنے والے تھے۔

حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ کیسے گمان کیا کہ ان کا فیصلہ صحیح نہیں تھا؟

اگر یہ سوال کیا جائے کہ حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے لیے یہ کیسے جائز ہوا کہ وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے متعلق ایسا اعتقاد کریں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے یہ بات اپنے اجتہاد سے کہی تھی اور اس وقت تک انہیں یہ حدیث نہیں پہنچی تھی "لا نورث......" اور اس کے بعد جب انہیں یہ حدیث معلوم ہوگئی تو انہوں نے اپنے اس قول سے رجوع کرلیا اور یہ اعتقاد کرلیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حق پر تھے اور ان کا فیصلہ صحیح تھا اور اس کی دلیل یہ ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوگئے تو انہوں نے فَدَک کی زمین اور دیگر متروکات میں کوئی تغیر نہیں کیا اور ان کی آمدنی کو اسی طرح خرچ کرتے رہے جس طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خرچ کرتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ خرچ کرتے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۶۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

انبیاء علیہم السلام کو وارث نہ بنانے کی حکمت

انبیاء علیہم السلام کو وارث نہ بنانے کی حکمت یہ ہے تا کہ ان کے متعلق یہ گمان نہ کیا جائے کہ انہوں نے اپنے وارثوں کے لیے مال جمع کیا تھا، دوسری وجہ یہ ہے کہ ان کے وارث کے متعلق یہ خدشہ نہ ہو کہ وہ ان کی موت کی تمنا کرے پھر وہ سخت ہلاکت میں مبتلاء ہو، تیسری وجہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی امت کے لیے بمنزلہ باپ ہوتے ہیں اور ان کی پوری امت ان کی اولاد کے حکم میں ہوتی ہے، اس لیے ان کا تمام مال امت پر صدقہ ہوتا ہے۔

حضرت سیدہ فاطمہ علیہا السلام کا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ناراض ہونا اور آخیر عمر میں راضی ہونا

صحیح البخاری: ۳۰۹۳ میں مذکور ہے کہ "جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو یہ حدیث سنائی: لا نورث ما ترکنا صدقة" تو حضرت سیدتنا فاطمہ علیہا السلام عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غضبناک ہوگئیں اور انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دیا، اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو چھوڑنا مسلسل برقرار رہا حتیٰ کہ ان کی وفات ہوگئی، اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد چھ

ماہ تک زندہ رہیں۔

علامہ المہلب المالکی نے کہا ہے: حضرت فاطمہ علیہا السلام نے جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دیا تھا، اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ملاقات میں ان کی طبیعت پر بوجھ ہوتا تھا، اس لیے انہوں نے ان سے ملنا ترک کر دیا تھا، اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ انہوں نے اس طرح چھوڑ دیا جس طرح چھوڑنا حرام ہے اور جو چھوڑنا حرام ہے، وہ یہ ہے کہ جب ان کی باہمی ملاقات ہو تو وہ ایک دوسرے کو سلام نہ کریں اور کسی روایت میں یہ مذکور نہیں ہے کہ ان کی باہم ملاقات ہوئی اور انہوں نے ایک دوسرے کو سلام نہیں کیا اور شرعاً مذموم یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے سے عداوت رکھیں، دراصل حضرت سیدتنا فاطمہ علیہا السلام اس واقعہ کے بعد اپنے گھر میں ہی رہی تھیں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ملنے نہیں گئی تھیں، اس سے راوی نے یہ سمجھ لیا کہ حضرت سیدتنا فاطمہ علیہا السلام نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دیا۔

ابوحفص بن شاہین نے کتاب الخمس میں شعبی سے یہ روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ علیہا السلام سے کہا: جب سے آپ مجھ پر ناراض ہوئی ہیں میری زندگی میں کوئی خیر نہیں رہی، سو اگر اس معاملہ میں آپ کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی عہد ہے تو آپ اپنے قول میں صادقہ، مصدقہ اور مامونہ ہیں، شعبی نے کہا: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس مجلس سے اس وقت تک نہیں اٹھے حتیٰ کہ حضرت سیدتنا فاطمہ علیہا السلام ان سے راضی ہو گئیں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان سے راضی ہو گئے۔

(شرح ابن بطال ج ۵ ص ۲۶۲۔ ۲۶۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

امام بیہقی نے شعبی سے یہ روایت کی ہے کہ جب حضرت سیدتنا فاطمہ علیہا السلام بیمار ہو گئیں تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کی عیادت کے لیے آئے اور ان سے ملنے کی اجازت طلب کی، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدہ فاطمہ علیہا السلام سے کہا: اے فاطمہ! یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے ہیں اور آپ سے ملنے کی اجازت طلب کر رہے ہیں، حضرت سیدہ علیہا السلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا آپ یہ پسند کرتے ہیں کہ میں ان کو اجازت دوں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں! تو حضرت سیدہ فاطمہ علیہا السلام نے اجازت دی، پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے اور ان کو راضی کرنے لگے، پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے صرف اللہ کی رضا کے لیے اور اس کے رسول کی رضا کے لیے اور اے اہلِ بیت! آپ لوگوں کی رضا کے لیے گھر، مال، اہل اور خاندان کو چھوڑا ہے، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدہ فاطمہ علیہا السلام کو راضی کیا حتیٰ کہ وہ راضی ہو گئیں۔ (سنن بیہقی ج ۶ ص ۳۰۱، ملتان)

۷۔ بَابُ إِثْمِ مَنْ آوَى مُحْدِثًا جس نے کسی بدعتی کو پناہ دی، اس کے گناہ کا بیان

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں مُحْدِث کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: بدعتی یا ظالم، یا جو کسی نئے گناہ کا کرنے والا ہو یا مجرم ہو۔

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

رَوَاهُ عَلِيٌّ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم اس حدیث کی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔

علامہ عینی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سلسلہ میں روایت کی ہے۔

اس باب کے عنوان کے مطابق وہ حدیث ہے جو باب الجزیہ میں گزر چکی ہے، وہ باب ہے "اثم من عاهد ثم غدر" یعنی جس نے کوئی عہد کیا پھر عہد شکنی کی، اس کے گناہ کا بیان۔ اس باب میں یہ حدیث ہے:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف قرآن مجید کو لکھا ہے اور جو اس صحیفہ میں ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مدینہ عائر پہاڑ سے لے کر فلاں جگہ تک حرم ہے، پس جس نے اس میں کوئی جرم کیا یا کسی مجرم کو پناہ دی تو اس پر اللہ کی لعنت ہو اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی، نہ اس کا کوئی فرض قبول ہوگا اور نہ نفل، اور تمام مسلمانوں کا ذمہ واحد ہے، ادنیٰ مسلمان بھی اس ذمہ کے حصول کی کوشش کرے گا، پس جس نے کسی مسلمان سے عہد شکنی کی اس پر اللہ کی لعنت ہو اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی، نہ اس کا کوئی نفل قبول ہوگا اور نہ فرض، اور جس نے کسی قوم کے مولا کی اجازت کے بغیر ان سے موالات کی تو اس پر اللہ کی لعنت ہو اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی، نہ ان کا کوئی نفل قبول ہوگا اور نہ فرض۔ (صحیح البخاری: ۳۱۷۹)

(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۶۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۳۰۶۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ حَدَّثَنَا عَاصِمٌ قَالَ قُلْتُ لِأَنَسٍ أَحَرَّمَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم الْمَدِينَةَ قَالَ نَعَمْ مَا بَيْنَ كَذَا إِلَى كَذَا لَا يُقْطَعُ شَجَرُهَا مَنْ أَحْدَثَ فِيهَا حَدَثًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ قَالَ عَاصِمٌ فَأَخْبَرَنِي مُوسَى بْنُ أَنَسٍ أَنَّهُ قَالَ أَوْ آوَى مُحْدِثًا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالواحد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عاصم نے حدیث بیان کی، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کو حرم قرار دیا ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں! فلاں جگہ سے لے کر فلاں جگہ تک، نہ اس کے درخت کو کاٹا جائے گا اور جس نے مدینہ میں کسی بدعت یا جرم کا ارتکاب کیا، اس پر اللہ کی لعنت ہو اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی۔ عاصم نے کہا: پس مجھے موسیٰ بن انس نے خبر دی کہ آپ نے فرمایا: یا جس نے کسی بدعت کے مرتکب یا مجرم کو پناہ دی۔

(صحیح البخاری: ۱۸۶۷، ۷۳۰۶، صحیح مسلم: ۱۳۶۶، مسند احمد: ۱۳۰۸۷)

صحیح البخاری: ۷۳۰۶، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مدینہ منورہ کی عظیم فضیلت

اس حدیث میں مدینہ شرفها اللہ تعالیٰ کی عظیم منقبت ہے، کیونکہ جس نے مدینہ منورہ میں کوئی جرم کیا یا کسی بدعت کا ارتکاب کیا یا کسی مجرم کو پناہ دی تو اس کے اوپر بہت سخت وعید ہے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں گزر چکا ہے کہ اس کا نہ کوئی نفل قبول کیا

جائے گا اور نہ فرض۔

اور یہ حدیث بھی اس پر دلالت کرتی ہے کہ جس نے نافرمانی کرنے والے کو مدینہ میں پناہ دی یا مرتکبینِ بدعت کو مدینہ میں پناہ دی تو وہ بھی ان کے گناہ میں شریک ہے۔ اور اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر کسی شخص نے مدینہ کے علاوہ کسی اور شہر میں کسی جرم یا بدعت کا ارتکاب کیا یا مجرم اور بدعتی کو پناہ دی تو اس پر یہ وعید نہیں ہے اور اس کو ملامت نہیں ہوگی، کیونکہ اس سے پہلے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ جو شخص کسی قوم کے فعل پر راضی ہو اور ان کے عمل پر راضی ہو تو اس کا شمار بھی اس قوم سے ہوتا ہے خواہ وہ اس سے بعید ہو، پس اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ جو شخص مدینہ منورہ میں کسی جرم یا بدعت کا ارتکاب کرے، اس کو سخت عذاب سے ڈرایا گیا ہے، اور اس میں یہ دلیل ہے کہ جو مدینہ منورہ کے علاوہ کسی اور شہر میں جرم یا بدعت کا ارتکاب کرے گا تو اس کو بھی عذاب سے ڈرایا گیا ہے اور مدینہ منورہ کا خصوصیت سے ذکر اس لیے فرمایا ہے کہ وہاں بدعت کا ارتکاب کرنے اور جرم کا ارتکاب کرنے والے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت کرنے والے کے لیے سخت سزا ہے، کیونکہ یہ مدینہ منورہ کی عظمت اور شان کے خلاف ہے، کیونکہ مدینہ منورہ وہ جگہ ہے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تھی اور جو اللہ تعالیٰ کے نبی کا وطن ہے اور وہیں سے دین دنیا کے تمام ملکوں میں پھیلا، اس لیے مدینہ منورہ کے لیے وہ شرف اور فضیلت ہے جو دوسرے کسی شہر کو حاصل نہیں ہے۔

ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں کہ مدینہ منورہ کے درخت کے کاٹنے والے اور مدینہ منورہ میں شکار کرنے والے کی طرف بھی یہ وعید ہے اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ مدینہ منورہ میں شکار کرنا حرام ہے، اور کسی نے شکار کیا تو اس کے تاوان میں اختلاف ہے، فقہاءِ شافعیہ کا جدید قول یہ ہے کہ اس پر تاوان نہیں ہے اور فقہاءِ مالکیہ کا بھی المدوّنہ میں یہی قول ہے، اور امام ابن ابی لیلیٰ اور نافع اور ابنِ ابی زید کا بھی یہی قول ہے۔ (المدوّنہ ج ۱ ص ۴۳۵، النوادر والزیادات ج ۲ ص ۴۸۷، البیان ج ۴ ص ۲۶۵)

اور اشہب مالکی نے کہا کہ مدینہ میں کئے ہوئے شکار کے متعلق امام مالک کے کئی قول ہیں، ایک قول یہ ہے کہ مکہ کی طرح وہاں کے کئے ہوئے شکار کو کھانا حرام ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ مکروہ ہے، اور تیسرا قول یہ ہے کہ اس کو کھایا نہیں جائے گا۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۳ ص ۶۴، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

دراصل یہ شرح علامہ ابن بطال مالکی نے کی ہے (شرح ابن بطال ج ۱۰ ص ۳۵۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ) اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی اس شرح کو علامہ ابن بطال کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۱۴۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۸۔ بَابُ: مَا يُذْكَرُ مِنْ ذَمِّ الرَّأْيِ وَتَكَلُّفِ الْقِيَاسِ وَلَا تَقْفُ

رائے کی مذمت اور قیاس کا تکلف کرنے کی مذمت میں احادیث

بابِ مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

قیاس کی مذمت کا محمل

اگر قرآن مجید اور احادیث کی نصوص کے موافق فتویٰ دیا جائے تو وہ درست ہے، اور اس فتویٰ کی مذمت ہے جو قرآن مجید اور

احادیث کی نصوص کے خلاف ہو، اور جب کتاب یا سنت یا اجماع میں کوئی تصریح نہ پائی جائے اور پھر اپنی رائے سے پیش آمدہ مسئلہ میں اجتہاد کر کے فتویٰ دیا جائے تو وہ بھی درست ہے، اور جب کتاب یا سنت یا اجماع میں کوئی تصریح نہ ہو اور قیاس کی ضرورت ہو تو تکلف اور مشقت سے قیاس نہ کیا جائے اور تکلف سے پیش آمدہ مسئلہ اور کتاب وسنت کی تصریح کے درمیان کوئی علت جامعہ تلاش نہ کی جائے بلکہ جب کوئی علتِ جامعہ واضحہ نہ ہو تو پھر براءتِ اصلیہ سے استدلال کیا جائے، اور تکلفِ قیاس میں وہ صورت بھی داخل ہے کہ جب نص کے باوجود قیاس کیا جائے، اور جب نصِ صریح مل جائے اور مجتہد اس کی مخالفت کرے اور اپنی مخالفت کی تاویل کرے تو اس کی بہت شدید مذمت کی جائے گی۔

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

(وَلَا تَقْفُ) لا تقل (مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ) (بنی اسرائیل: ۳۶) اور جس چیز کا تمہیں علم نہیں اس کے در پے نہ ہو، (یعنی اس کا قول نہ کرو)۔

''القفو'' کے معنی کی تحقیق

امام بخاری نے اس تعلیق سے اس پر استدلال کیا ہے کہ قرآن مجید کی کسی آیت سے تکلف سے استدلال کرنا مذموم ہے۔

حضرت موسیٰ اور حضرت الخضر کی حدیث میں گزر چکا ہے کہ ''فانطلق یقف اثرہ'' کا معنی ہے کہ وہ ان کے نشانات کی اتباع کرتے تھے، اور امام ابوعبیدہ نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے: جس چیز کا تمہیں علم نہ ہو اس کے در پے ہو، اور جو چیز تمہاری مقصود نہیں ہے اس کے بھی در پے نہ ہو۔

امام راغب نے کہا ہے: ''الاقتفاء'' کا معنی ہے: پیچھے سے اتباع کرنا، اور بنی اسرائیل: ۳۶ کا معنی ہے کہ قیافہ اور ظن پر حکم نہ لگاؤ۔

امام طبری نے کہا ہے: اس سے مراد جھوٹی گواہی دینا ہے یا بغیر علم کے کوئی بات کہنا ہے، یا کسی باطل چیز پر عمل کرنا ہے، اور یہ معانی متقاربہ ہیں۔

نیز امام ابوعبیدہ نے کہا ہے: ''القفو'' کا اصل معنی ہے: العیب۔

امام شافعی نے ان لوگوں کا رد کیا ہے جو قیاس کو حدیث پر مقدم کرتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿۵۹﴾ (النساء: ۵۹)

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور جو تم میں سے صاحبانِ امر ہیں، ان کی (اطاعت کرو)، پھر اگر کسی چیز میں تمہارا اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو، بشرطیکہ تم اللہ اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتے ہو، یہ بہتر ہے اور اس کا انجام سب سے اچھا ہے O

امام شافعی نے کہا: اس کا معنی ہے: تم اللہ اور اس کے رسول کے ارشادات کی اتباع کرو۔

اور امام بیہقی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے، انہوں نے کہا کہ کوئی سال ایسا نہیں ہوتا کہ اس کے بعد شر ہو، اور میں یہ نہیں کہتا کہ کسی سال میں دوسرے سال سے زیادہ پیداوار ہوتی ہے اور نہ کوئی امیر دوسرے امیر سے بہتر ہوتا ہے، لیکن

جب علماء چلے جائیں گے، پھر لوگ اپنے پیش آمدہ مسائل میں اپنی رائے سے قیاس کریں گے تو وہ اسلام کی بنیاد منہدم کر دیں گے۔
(فتح الباری ج ۸ ص ۴۴۱۔ ۴۴۲، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

قیاس دین کی چوتھی اصل ہے اور اس کا معنی ہے: اعتبار کرنا، اور اعتبار کرنے کا حکم دیا گیا ہے، لہٰذا قیاس کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ۝ (الحشر: ۲) سو، اے آنکھوں والو! عبرت حاصل کرو ۝

پس جب قیاس کرنے کا حکم دیا گیا ہے تو پھر قیاس حجت ہے۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ امام بیہقی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، انہوں نے فرمایا: اصحابِ رائے سے اجتناب کرو، کیونکہ یہ سنتوں کے دشمن ہیں، انہوں نے سنتوں کو یاد نہیں رکھا، پس یہ رائے میں مبتلاء ہوئے، خود بھی گمراہ ہوئے اور لوگوں کو بھی گمراہ کیا۔

علامہ عینی کہتے ہیں: اس حدیث کی صحت پر اعتراض ہے اور اگر ہم اس کی صحت کو مان لیں تو اس سے مراد یہ ہے کہ نص کے ہوتے ہوئے رائے پر عمل کرنا یہ گمراہی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۶۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

مشہور غیر مقلد عالم محمد داؤد راز میواتی لکھتے ہیں:

حنفیہ نے استحسان نکالا ہے یعنی قیاسِ جلی کے خلاف ایک باریک علت کو لینا، ہماری شرع میں ان باتوں کو کسی صحابی نے پسند نہیں کیا بلکہ ہمیشہ کتاب وسنت پر عمل کرتے رہے، جس مسئلہ میں کتاب وسنت کا حکم نہ ملا اس میں اپنی رائے کو دخل دیا اور وہ بھی سیدھے سادھے طور سے اور پیچ دار وجہوں سے ہمیشہ پرہیز کیا۔ (شرح صحیح بخاری ج ۸ ص ۴۴۷۔ ۴۴۸، مکتبہ قدوسیہ، اردو بازار لاہور)

علامہ علاؤالدین عبدالعزیز بن احمد البخاری المتوفی ۷۳۰ھ لکھتے ہیں:

استحسان بھی قیاس کی ایک قسم ہے اور وہ زیادہ قوی قیاس ہے، اور استحسان کی کئی قسمیں ہیں:

(۱) وہ الاستحسان جو اثر سے ثابت ہو (۲) الاستحسان جو اجماع سے ثابت ہو (۳) الاستحسان جو ضرورت سے ثابت ہو۔

بیع سلم بھی استحسان سے ثابت ہے، کیونکہ بیع سلم میں یہ ہوتا ہے کہ مثلاً گندم کی فصل ابھی کاٹی نہیں گئی اور گندم موجود نہیں ہے تو اس کے پیسے پہلے دے دیئے جائیں اور گندم بعد میں دی جائے، قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ بیع جائز نہ ہو کیونکہ یہ بیع بالمعدوم ہے، لیکن ہم نے حدیث کی وجہ سے بیع سلم کو جائز قرار دیا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے جو شخص بیع سلم کرے تو وہ کیلِ معلوم میں کرے، یعنی اس کا پیمانہ معلوم ہو''۔

(صحیح البخاری: ۲۲۳۹، صحیح مسلم: ۱۶۰۴، سنن ترمذی: ۱۳۱۱، سنن ابوداؤد: ۳۴۶۳، سنن ابن ماجہ: ۲۲۸۰، مسند احمد: ۱۸۷۱)

اسی طرح قیاس کے اعتبار سے عقدِ اجارہ یعنی کسی چیز کو کرائے پر لینا جائز نہیں ہے، کیونکہ اس کی منفعت معدوم ہے مثلاً ایک گھنٹہ کے لیے سائیکل کرایہ پر لی تو اب اس کی منفعت معدوم ہے کہ ایک گھنٹے میں کتنی منفعت حاصل ہوگی لیکن ہم نے حدیث کی

بناء پر اس کو جائز قرار دیا ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مزدور کو اس کی مزدوری ادا کرو اس سے پہلے کہ اس کا پسینہ خشک ہو جائے"۔ (سنن ابن ماجہ: ۲۴۴۳)

پس مزدور کو اس کی مزدوری دینا کرایہ کے عقد کی صحت کی دلیل ہے۔ اسی طرح قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ جو آدمی روزہ میں بھول سے کھانا کھالے تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے لیکن ہم نے اس قیاس کو حدیث کی بناء پر ترک کر دیا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد نبی ﷺ کے پاس آیا، پس اس نے کہا: یا رسول اللہ! میں نے بھولے سے کھالیا اور پی لیا اور میں روزہ سے تھا، آپ نے فرمایا: اللہ نے تمہیں کھلایا اور پلایا۔ (سنن ابوداؤد: ۲۳۹۸)

اسی طرح حوض اور کنویں کا پاک کرنا یہ بھی استحسان سے ثابت ہے، کیونکہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ اگر حوض نجس ہو جائے یا کنواں نجس ہو جائے تو وہ پاک نہ ہو کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے کہ حوض پر پانی ڈال کر نکالا جائے یا کنویں پر پانی ڈال کر نکالا جائے، اور جب پانی کا ڈول کنویں یا حوض میں ڈالیں گے تو پہلی ملاقات کے ساتھ ہی وہ پانی نجس ہو جائے گا تو قیاس جلی کا تقاضا یہ ہے کہ پھر حوض یا کنواں پاک نہ ہو سکے، لیکن ہم نے قیاس کے تقاضا پر عمل کو ضرورت کی بناء پر ترک کر دیا، کیونکہ عام لوگوں کو کنویں اور حوضوں سے پانی لینے کی ضرورت ہوتی ہے، اور اس ضرورت کی وجہ سے قیاس جلی کے حکم کو ساقط کر دیا۔

(کشف الاسرار ج ۴ ص ۹۔۱۱، ملخصاً و ملتقطاً، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۱۱ھ)

۷۳۰۷۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ تَلِيدٍ حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ شُرَيْحٍ وَغَيْرُهُ عَنْ أَبِي الْأَسْوَدِ عَنْ عُرْوَةَ قَالَ حَجَّ عَلَيْنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَمْرٍو فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ إِنَّ اللهَ لَا يَنْزِعُ الْعِلْمَ بَعْدَ أَنْ أَعْطَاكُمُوهُ انْتِزَاعًا وَلَكِنْ يَنْتَزِعُهُ مِنْهُمْ مَعَ قَبْضِ الْعُلَمَاءِ بِعِلْمِهِمْ فَيَبْقَى نَاسٌ جُهَّالٌ يُسْتَفْتَوْنَ فَيُفْتُونَ بِرَأْيِهِمْ فَيَضِلُّونَ وَيُضِلُّونَ فَحَدَّثْتُ بِهِ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ ثُمَّ إِنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَمْرٍو حَجَّ بَعْدُ فَقَالَتْ يَا ابْنَ أُخْتِي انْطَلِقْ إِلَى عَبْدِ اللهِ فَاسْتَثْبِتْ لِي مِنْهُ الَّذِي حَدَّثْتَنِي عَنْهُ فَجِئْتُهُ فَسَأَلْتُهُ فَحَدَّثَنِي بِهِ كَنَحْوِ مَا حَدَّثَنِي فَأَتَيْتُ عَائِشَةَ فَأَخْبَرْتُهَا فَعَجِبَتْ فَقَالَتْ وَاللهِ لَقَدْ حَفِظَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَمْرٍو۔

(صحیح البخاری: ۱۰۰، ۷۳۰۷، صحیح مسلم: ۲۶۷۳، سنن نسائی: ۱۸۷۶، مسند احمد: ۱۰۹۰۳)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن تلید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابن وہب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عبدالرحمٰن بن شریح وغیرہ نے حدیث بیان کی از ابوالاسود از عروہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما حج کرتے ہوئے ہمارے پاس سے گزرے تو میں نے سنا وہ کہہ رہے تھے کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ تم کو علم دینے کے بعد اس کو تمہارے سینوں سے نہیں نکالے گا، لیکن علماء کو ان کے علم کے ساتھ فوت کر کے علم کو نکال لے گا، پھر جاہل لوگ باقی بچیں گے، ان سے فتویٰ طلب کیا جائے گا وہ اپنی رائے سے فتویٰ دیں گے، پس خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے، میں نے یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی ﷺ کی زوجہ محترمہ سے بیان کی، پھر اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے حج کیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے (عروہ) سے فرمایا: اے میرے بھانجے! عبداللہ کے پاس جاؤ اور ان سے اس حدیث کو سنو جو تم نے مجھے

پہلے بیان کی تھی، میں ان کے پاس گیا، ان سے سوال کیا تو انہوں نے وہ حدیث مجھے اسی طرح بیان کی جس طرح پہلے بیان کی تھی، میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا، پس انہیں خبر دی تو انہوں نے بہت تعجب کیا، پس فرمایا: اللہ کی قسم! عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے اس حدیث کو یاد رکھا۔

صحیح البخاری: ۷۳۰۷، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علم کے اٹھ جانے کی کیفیت اور قیامت تک علم کے اٹھنے کی ترتیب

امام احمد، امام طبرانی اور امام دارمی نے اپنی سندوں کے ساتھ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حجۃ الوداع کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک گندمی رنگ کے اونٹ کے اوپر کھڑے ہوئے اور فرمایا: اے لوگو! علم کو اٹھائے جانے سے پہلے حاصل کر لو، اور اس سے پہلے کہ زمین سے اٹھا لیا جائے، اور اس حدیث کے آخر میں ہے: سنو! علم کا رخصت ہونا حاملین علم کے رخصت ہونے کے سبب سے ہوگا، یہ آپ نے تین مرتبہ فرمایا۔

پس باب مذکور کی حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ علم کے اٹھائے جانے کی کیفیت یہ ہے کہ حاملینِ علم کو اٹھا لیا جائے گا۔

حافظ ابن عبدالبر نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ علم کا اٹھانا اس طرح نہیں ہوگا کہ لوگوں کے سینوں سے علم کو نکال لیا جائے، لیکن علماء کے فنا ہونے سے علم اٹھا لیا جائے گا، اور امام احمد اور بزار کے نزدیک بھی یہ روایت اسی طرح ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "جب کوئی عالم باقی نہیں بچے گا تو جاہل باقی رہ جائیں گے، وہ اپنی رائے سے فتویٰ دیں گے، پس خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے"۔

امام بزار نے ہشام سے روایت کی ہے کہ بنو اسرائیل کا معاملہ ہمیشہ اعتدال کے ساتھ رہا حتیٰ کہ ان میں قیدی عورتوں کے بیٹے پیدا ہو گئے، وہ رائے سے فتویٰ دیتے تھے، پس وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور لوگوں کو بھی گمراہ کیا۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ فائدہ ظاہر ہے کہ جب علماء کے فوت ہونے کے بعد علم اٹھ جائے تو پھر کتابوں کا موجود ہونا عالم سے کفایت نہیں کرے گا، ایک اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا، پس کہا: اے اللہ کے نبی! ہم میں سے علم کیسے اٹھا لیا جائے گا اور ہمارے پاس مصاحف بھی ہیں یعنی قرآن مجید کے نسخے موجود ہیں اور ہم نے ان مصاحف میں ان احکام کو جان لیا اور ہم نے ان احکام کی اپنے بیٹوں کو تعلیم دی اور اپنی عورتوں کو اور اپنے خادموں کو تعلیم دی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غصہ سے سر اٹھا کر فرمایا: یہ یہود و نصاریٰ ان کے پاس بھی مصاحف موجود ہیں (یعنی تورات اور انجیل کی کتابیں) اور یہ ان میں سے ایک حرف کے ساتھ بھی متعلق نہیں ہوئے جو ان کے پاس ان کے انبیاء لے کر آئے تھے۔

حافظ ابنِ حجر عسقلانی لکھتے ہیں: ممکن ہے ان احادیث کو اس ترتیب پر محمول کیا جائے جو ترتیب واقع میں ہے، پس ابتداء میں علماءِ مجتہدین کے اٹھا لیے جانے سے اجتہادِ مطلق اٹھ گیا، پھر دوبارہ اجتہادِ مقید اٹھ گیا، پھر جب کوئی مجتہد باقی نہیں رہا اور سب لوگ تقلید میں برابر ہو گئے لیکن بعض مقلدین بعض دوسروں کی بہ نسبت درجہ اجتہاد کے زیادہ قریب تھے لیکن جہل کے غلبہ کی وجہ سے ان میں سے جاہلوں کو غلبہ حاصل ہو گیا۔

ابوالسح نے روایت کی ہے کہ لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ ایک آدمی اپنی سواریوں پر سوار ہو کر مختلف شہروں میں جائے گا اور یہ تلاش کرے گا کہ کوئی اس کو سنت کے مطابق فتویٰ دے جس پر وہ عمل کرے، پس اس کو وہی ملیں گے جو اپنی رائے اور اپنے گمان سے فتویٰ دیتے ہیں۔

پھر تدریجاً اسی طرح جہل کا غلبہ ہوتا رہے گا اور جاہل لوگ رئیس بنائے جاتے رہیں گے، پھر وہ زمانہ آجائے گا جو دجال کے نکلنے کا زمانہ ہوگا، اور عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد زمانہ ان لوگوں سے خالی ہوگا جو علم کی طرف منسوب ہوں گے، پھر ایک ہوا چلے گی جو ہر مومن کی روح کو قبض کر لے گی اور اس وقت زمین مسلمانوں سے خالی ہو جائے گی چہ جائیکہ کوئی عالم یا مجتہد ہو اور صرف برے لوگ باقی رہ جائیں گے، پھر ان پر قیامت قائم ہو جائے گی۔

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث میں جاہل کو رئیس بنانے پر زجر و توبیخ کی گئی ہے، کیونکہ اس سے بہت خرابیاں ہوتی ہیں، اور اسی سے ان فقہاء نے استدلال کیا ہے جو کہتے ہیں کہ احکامِ شرعیہ سے جاہل کو قاضی بنانا جائز نہیں ہے خواہ وہ صاحبِ عقل اور متقی ہو، لیکن جب ایک طرف عالم فاسق ہو اور دوسری طرف جاہل متقی ہو، تو جاہل متقی عالم فاسق سے بہتر ہے، کیونکہ اس کا تقویٰ اس کو بغیر علم کے فیصلہ کرنے سے منع کرے گا، پس اس کا تقویٰ اس کو بحث کرنے اور سوال کرنے پر برانگیختہ کرے گا۔

(۲) اس حدیث میں اہلِ علم کو اور طالبِ علم کو اس پر برانگیختہ کیا ہے کہ وہ ایک دوسرے سے علم حاصل کریں۔

(۳) اس حدیث میں ان لوگوں کی فضیلت کی شہادت دی ہے جن کو مسائل محفوظ ہوں۔

(۴) اور اس حدیث میں عالم کو اس پر برانگیختہ کیا ہے کہ وہ دوسرے سے علم حاصل کرے۔

(۵) جب رائے کتاب یا سنت یا اجماع سے ماخوذ ہو تو وہ محمود ہے اور جب محض رائے کی بناء پر کوئی فتویٰ دیا جائے اور اس کی اصل کتاب یا سنت یا اجماع میں نہ ہو تو وہ مذموم ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شریح کی طرف لکھا: اس چیز پر غور کرو جس کو تمہارے لیے کتاب اللہ بیان کرے، پھر کسی سے اس کے متعلق نہ سوال کرو، اور اگر کوئی مسئلہ تمہیں کتاب اللہ سے نہ ملے تو پھر اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع کرو، اور جب تمہیں اس مسئلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا علم نہ ہو تو پھر اپنی رائے سے اجتہاد کرو۔

(۶) اور اس مکتوب کے آخر میں ہے کہ کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کرو، اور اگر کتاب اللہ میں حکم نہ ملے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق فیصلہ کرو، اگر اس میں بھی تم کو مسئلہ نہ ملے تو پھر دیکھو کہ اس قسم کے مسئلہ میں صالحین سابقین نے کیا فیصلہ کیا تھا، اگر اس میں بھی نہ ملے تو پھر تم چاہے متقدمین کے قول پر عمل کر دیا متاخرین کے قول پر عمل کرو۔

(۷) امام ابن ابی شیبہ نے سندِ صحیح کے ساتھ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، اس کے آخر میں ہے: "اگر تمہارے پاس

ایسا مسئلہ آجائے جو کتاب وسنت میں نہ ملے تو پھر اپنی رائے سے اجتہاد کرو کیونکہ حلال بھی ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے، پس جس چیز سے شک ہو اس کو چھوڑ کر اس کو اختیار کرو جس میں شک نہ ہو''۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۴۴۴۔۴۴۶ ملخصاً وملتقطاً، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۳۰۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ أَخْبَرَنَا أَبُو حَمْزَةَ سَمِعْتُ الْأَعْمَشَ قَالَ سَأَلْتُ أَبَا وَائِلٍ هَلْ شَهِدْتَ صِفِّينَ قَالَ نَعَمْ فَسَمِعْتُ سَهْلَ بْنَ حُنَيْفٍ يَقُولُ ح وحَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي وَائِلٍ قَالَ قَالَ سَهْلُ بْنُ حُنَيْفٍ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّهِمُوا رَأْيَكُمْ عَلَى دِينِكُمْ لَقَدْ رَأَيْتُنِي يَوْمَ أَبِي جَنْدَلٍ وَلَوْ أَسْتَطِيعُ أَنْ أَرُدَّ أَمْرَ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم عَلَيْهِ لَرَدَدْتُهُ وَمَا وَضَعْنَا سُيُوفَنَا عَلَى عَوَاتِقِنَا إِلَى أَمْرٍ يُفْظِعُنَا إِلَّا أَسْهَلْنَ بِنَا إِلَى أَمْرٍ نَعْرِفُهُ غَيْرَ هَذَا الْأَمْرِ قَالَ وَقَالَ أَبُو وَائِلٍ شَهِدْتُ صِفِّينَ وَبِئْسَتْ صِفُّونَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوحمزہ نے خبر دی، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے الاعمش سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابووائل سے پوچھا: کیا آپ جنگِ صفین میں حاضر تھے؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! پھر میں نے حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ کہتے تھے ح اور ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوعوانہ نے حدیث بیان کی از الاعمش از ابی وائل، انہوں نے بیان کیا کہ حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ نے کہا: اے لوگو! دین کے احکام کے مقابلہ میں اپنی رائے پر تہمت لگاؤ، میں نے اپنے آپ کو حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ کے دن دیکھا اور اگر مجھ میں یہ طاقت ہوتی کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی حکم کو مسترد کردوں تو میں آپ کے حکم کو اس دن مسترد کر دیتا (کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیبیہ کے دن یہ حکم دیا تھا کہ ابوجندل کو کفار کی طرف لوٹا دو) اور ہم نے جب بھی کسی پیش آمدہ مہم میں تلواریں اپنے کندھوں پر رکھیں تو ہم پر وہ مہم سہل ہو گئی سوائے اس امر کے (جنگِ صفین کے)، ابووائل نے کہا: میں صفین کی جنگ میں موجود تھا اور صفین میں کیسی بری لڑائی تھی، (کیونکہ دونوں طرف سے بہ کثرت مسلمان ایک دوسرے کے خلاف جنگ کر کے جاں بحق ہوئے تھے)۔

(صحیح البخاری: ۳۱۸۱، ۳۱۸۲، ۴۱۸۹، ۴۸۴۴، ۷۳۰۸، صحیح مسلم: ۱۷۸۵، مسند احمد: ۱۵۵۴۴)

صحیح البخاری: ۷۳۰۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث میں حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کا یہ قول مذکور ہے کہ اے لوگو! دین کے صریح احکام کے مقابلہ میں اپنی رائے پر

تہمت لگاؤ یعنی اپنی رائے کو غلط قرار دو۔

علامہ کرمانی نے اس کی شرح میں کہا ہے: اس کی وجہ یہ ہے کہ جن مسلمانوں نے اپنی رائے سے جنگِ صفین میں جنگ کو موقوف کر دیا تھا تو حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ ان کی رائے کو غلط قرار دیتے تھے، پس انہوں نے کہا کہ میں ضرورت کے وقت کوئی کوتاہی نہیں کرتا جیسے حدیبیہ کے دن میں نے دیکھا کہ اگر اس دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت پر قادر ہوتا تو میں اس دن ضرور کفار سے قتال کرتا، لیکن آج میں مسلمانوں کی مصلحت کی وجہ سے توقف کرتا ہوں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا کہ حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کے قول کا معنی یہ ہے کہ دین کے معاملہ میں محض اپنی رائے کے تقاضا پر عمل نہ کرو جس رائے کی دین سے کوئی سند نہ ہو۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: علامہ کرمانی نے جو بیان کیا ہے وہ حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کے قول کی تفہیم میں زیادہ قریب ہے۔

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ کے معانی

غزوۂ حدیبیہ اور صفین کے معرکہ میں مماثلت

اس حدیث میں مذکور ہے "ھل شھدت صفین؟" یعنی کیا آپ صفین کے واقعہ میں حاضر تھے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے درمیان جنگ ہوئی تھی۔

صفین شام اور عراق کے درمیان دریائے فرات کے کنارے ایک جگہ ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "یوم ابی جندل" یہ غزوہ حدیبیہ کے ایام میں سے ایک دن ہے، یہ غزوہ ۶ ہجری میں ہوا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے مہینہ میں حدیبیہ کی طرف روانہ ہوئے تھے اور آپ نے اپنے ساتھ قربانی کے اونٹ لیے ہوئے تھے، اور آپ نے عمرہ کا احرام باندھا ہوا تھا تا کہ لوگ آپ کے ساتھ جنگ سے محفوظ رہیں اور آپ کے ساتھ مہاجرین اور انصار تھے اور ہدی یعنی قربانی کے اونٹ ستر (۷۰) تھے اور لوگوں کی تعداد سات سو (۷۰۰) مرد تھے، پس ہر قربانی کا اونٹ دس مردوں کی طرف سے تھا، جب قریش کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کی خبر پہنچی تو وہ نکلے اور مقامِ ذو طویٰ میں ٹھہرے اور انہوں نے اللہ کی قسم کھائی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مکہ میں کبھی بھی داخل نہیں ہوں گے، پھر بدیل بن ورقاء چند مردوں کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، انہوں نے سوال کیا کہ آپ کیوں آئے ہیں؟ تو آپ نے ان کو خبر دی کہ آپ جنگ کے لیے نہیں آئے بلکہ بیت اللہ کی زیارت کے لیے آئے ہیں، انہوں نے قریش کے پاس واپس جا کر اس کی خبر دی، پھر کافی ایک دوسرے کی طرف پیغامات گئے یہاں تک کہ قریش نے سہیل بن عمرو کو رسول اللہ کی طرف صلح کے لیے بھیجا اور یہ کہ اس سال آپ واپس چلے جائیں اور کافی گفتگو ہوئی حتیٰ کہ اس پر صلح ہو گئی کہ دس سال تک مسلمانوں اور قریش کے درمیان جنگ نہیں ہوگی اور قریش میں سے جو مرد اپنے ولی کی اجازت کے بغیر مدینہ آئے گا اس کو واپس کر دیا جائے گا اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے جو مرد قریش کی طرف جائے گا وہ اس کو واپس نہیں کریں گے، پس جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ صلح نامہ لکھوا رہے تھے اور سہیل بن عمرو بھی آپ کے ساتھ تھا، اس وقت حضرت ابو جندل بن سہیل بن عمرو لوہے کی بیڑیاں باندھے ہوئے آئے، جب سہیل نے ابو جندل کو دیکھا تو ان کی طرف کھڑا ہوا اور ان کے چہرہ پر مارا اور اس نے کہا: اے محمد! اس کے آنے سے پہلے یہ معاملہ مکمل ہونا چاہیے، پھر اس نے حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ کو گھسیٹا تا کہ قریش

کی طرف ان کو واپس کریں اور حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ بلند آواز سے چیخ رہے تھے: اے مسلمانوں کی جماعت! تم دیکھ رہے ہو کہ مشرکین نے مجھے دین کے معاملہ میں کتنی سخت آزمائش میں ڈالا ہوا ہے (حضرت ابو جندل مسلمان ہو گئے تھے اور اب مسلمانوں کے ساتھ واپس مدینہ جانا چاہتے تھے اور ان کا باپ سہیل بن عمرو ان پر تشدد کر کے ان کو روک رہا تھا) تو لوگوں کا غم اور زیادہ ہو گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے ابو جندل! صبر کرو اور ثواب کی نیت کرو، اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اور تمہارے ساتھ مکہ میں اور جو دوسرے مسلمان ہیں ان کے لیے کشادگی اور خوشی کا موقع مہیا کرے گا" پھر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم صلح نامہ کے لکھوانے سے فارغ ہو گئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قربانی کے اونٹ کی طرف گئے اور اس کو نحر کیا اور آپ نے اپنا سر مونڈا اور صحابہ بھی کھڑے ہو گئے اور انہوں نے بھی نحر کیا اور اپنے سروں کو مونڈا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کی طرف واپس تشریف لے گئے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت کی طاقت رکھتا تو اس دن مخالفت کرتا"۔

ہم نے یہ ذکر کیا ہے کہ جب مسلمانوں نے حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ پر تہمت لگائی کہ وہ صفین کے قصہ میں مسلمانوں کے ساتھ مل کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کے خلاف جنگ کرنے میں کوتاہی کر رہے ہیں تو حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ نے کہا: میں ضرورت کے وقت قتال نہیں کرتا اور جب حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ مسلمان ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ نے انہیں مشرکین کی طرف واپس کر دیا، کیونکہ قریش اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان صلح ہو چکی تھی تو یہ امر حضرت سہل رضی اللہ عنہ کے اوپر سخت دشوار ہوا، پس انہوں نے کہا: تم مجھ پر تہمت لگا رہے ہو کہ میں نے صفین کی لڑائی میں تقصیر کی ہے اور اگر میں حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ کو لوٹانے کی طاقت رکھتا تو ضرور لوٹا دیتا، لیکن میں نے تقصیر کی، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم تھا، آپ نے حکم دیا تھا کہ حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ کو قریش کی طرف لوٹا دیا جائے اور میرے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی کرتا۔

اس دن کی حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ کی طرف نسبت کرنے کی توجیہ

علامہ کرمانی نے کہا: اس کی کیا وجہ ہے کہ اس دن کی نسبت حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ کی طرف کی گئی ہے اور حدیبیہ کی طرف نہیں کی گئی؟

علامہ عینی فرماتے ہیں: اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ کو مشرکین قریش کی طرف لوٹانا مسلمانوں پر بہت دشوار ہوا تھا اور اس دن جو واقعات ہوئے ان میں یہ سب سے بڑا واقعہ تھا، مسلمانوں کا ارادہ تھا کہ وہ اس سبب سے قریش کے خلاف جنگ کریں اور حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ کو قریش کی طرف نہ لوٹائیں اور صلح پر راضی نہ ہوں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۶۸۔ ۶۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۷۳۰۸، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کی جنگِ صفین میں تقصیر کرنے کی توجیہ

حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "تم اپنی رائے کو دین کے معاملہ میں غلط قرار دو"، یعنی دین کے معاملہ میں محض اپنی

رائے سے کوئی فیصلہ نہ کرو، جب تک کہ تمہاری رائے کسی اصل پر مبنی نہ ہو۔
امام ابوداؤد نے سندِ حسن کے ساتھ روایت کی ہے: اگر دین کا معاملہ رائے پر موقوف ہوتا تو موزے کے نچلے حصہ پر مسح کرنا اس کے اوپر والے حصہ پر مسح کرنے سے زیادہ بہتر تھا۔
اس کا سبب یہ ہے کہ اہلِ شام نے جب یہ سمجھا کہ وہ مغلوب ہو جائیں گے اور اہلِ عراق میں سے اکثر قرآن پڑھنے والے تھے جو دین پر عمل کرنے میں بہت مبالغہ کرتے تھے، پھر انہی میں سے خوارج ہو گئے جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے موافقین پر یہ طعن کیا کہ انہوں نے فریقین کے درمیان حَکَم بنانے کو منظور کرلیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حدیبیہ کے قصہ سے استدلال کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب قریش سے صلح کو منظور کرلیا اور ان کا غلبہ ظاہر ہو چکا تھا اور پہلے بعض صحابہ نے اس پر توقف کیا حتیٰ کہ بعد میں ان پر منکشف ہو گیا کہ صحیح بات وہی ہے جس کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا۔
علامہ کرمانی نے کہا کہ حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ نے جو کہا: تم اپنی رائے کو غلط قرار دو، کیونکہ میں صفین کی لڑائی میں تقصیر نہیں کر رہا جیسا کہ ضرورت کے وقت میں نے حدیبیہ کے دن تقصیر نہیں کی تھی، پس جب میں نے حدیبیہ کے دن اس وجہ سے توقف کیا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت کی طاقت نہیں رکھتا تھا، اسی طرح آج بھی مسلمانوں کی مصلحت کی وجہ سے میں صفین کی لڑائی میں حصہ نہیں لے رہا۔

رائے کی مذمت میں علماء کے اقوال

علامہ ابن عبدالبر نے اپنی کتاب "بیان العلم" میں یہ لکھا ہے کہ رائے پر عمل کرنے کی مذمت میں جو آثار منقول ہیں ان کے متعلق ایک جماعت نے کہا: یہ قول اس پر مبنی ہے جو سنتوں کی مخالفت میں رائے پر عمل کرے کیونکہ بعض لوگ اپنی آراء پر اور اپنے قیاسوں پر عمل کرتے ہیں اور احادیثِ صحیحہ کو رد کر دیتے ہیں حتیٰ کہ معتزلہ نے مشہور احادیث پر بھی اعتراض کیے جیسے شفاعت کی احادیث اور انہوں نے اس کا انکار کیا کہ دوزخ میں داخل ہونے کے بعد کوئی دوزخ سے نہیں نکلے گا اور انہوں نے حوض کا اور میزان کا اور عذابِ قبر وغیرہ کا انکار کیا۔
اور اکثر اہلِ علم نے کہا: مذموم رائے وہ ہے جو بدعت کی اقسام پر مشتمل ہو۔ اور علامہ ابن عبدالبر نے اس بحث کے آخر میں کہا ہے کہ علماء میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں ہے کہ جس کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث ثابت ہو پھر وہ نسخ کا دعویٰ کر کے اس حدیث کو مسترد کر دے یا یہ کہے کہ یہ حدیث کسی اور حدیث کے خلاف ہے یا اجماع کے خلاف ہے یا اس کی سند میں طعن کرے، اور جو شخص بغیر دلیل کے اس طرح کرے وہ عادل نہیں رہے گا چہ جائیکہ اس کو امام بنایا جائے، پھر انہوں نے اس بحث کے اخیر میں سہل بن عبداللہ التستری مشہور زاہد کا یہ قول نقل کیا: جس شخص نے بھی علم میں کوئی نئی بات نکالی اس سے قیامت کے دن اس کے متعلق سوال کیا جائے گا، اگر اس کی وہ بات سنت کے موافق ہو تو مان لی جائے گی ورنہ نہیں۔
(فتح الباری ج ۸ ص ۴۴۶۔ ۴۴۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

٩۔ بَابُ: مَا كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُسْأَلُ مِمَّا لَمْ يُنْزَلْ عَلَيْهِ الْوَحْيُ فَيَقُولُ لَا أَدْرِي أَوْ لَمْ يُجِبْ حَتَّى يُنْزَلَ عَلَيْهِ الْوَحْيُ وَلَمْ يَقُلْ بِرَأْيٍ وَلَا بِقِيَاسٍ

ان احادیث کا بیان کہ نبی ﷺ سے ان چیزوں کے متعلق سوال کیا جاتا جن کے متعلق وحی نازل نہیں ہوئی تھی تو آپ فرماتے: میں (از خود) نہیں جانتا یا آپ جواب نہ دیتے حتیٰ کہ آپ پر وحی نازل ہو جاتی اور اپنی رائے اور قیاس سے کوئی بات نہیں کہتے تھے۔

باب مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

ان احادیث کا بیان جن میں رسول اللہ ﷺ نے نزولِ وحی کے بغیر اپنی رائے سے کوئی حکم بیان نہیں کیا

سورۂ ص کی تفسیر میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے: جس کو کسی چیز کا علم ہو تو وہ اس کے متعلق کوئی بات کہے اور جس کو علم نہ ہو تو وہ کہے: اللہ ہی خوب جانتا ہے، یہ حدیث موقوف ہے اور اس سے صرف یہ مراد ہے کہ نبی ﷺ نے ''لا اعلم'' (میں نہیں جانتا) یا ''لا ادری'' (میں از خود نہیں جانتا) کے ساتھ جواب دیا۔

اور اس سلسلہ میں متعدد احادیث وارد ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد نبی ﷺ کے پاس آیا، پس اس نے پوچھا: کون سی زمین کا ٹکڑا بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا: میں نہیں جانتا، پھر آپ کے پاس حضرت جبریل علیہ السلام آئے تو آپ نے ان سے سوال کیا، انہوں نے کہا: میں نہیں جانتا، پس آپ نے فرمایا: اپنے رب سے سوال کرو، پس حضرت جبریل علیہ السلام کانپنے لگے۔۔۔ الحدیث، اس کی روایت امام ابن حبان نے کی ہے اور امام حاکم نے بھی اس کی مثل حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں از خود نہیں جانتا کہ حدود مرتکبینِ حدود کے لیے کفارہ ہیں یا نہیں، یہ حدیث سنن دار قطنی میں اور حاکم میں ہے اور یہ حدیث صحیح البخاری کی کتاب العلم میں حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور وہاں اس کی شرح ہو چکی ہے۔

رائے اور قیاس کا معنی

اس باب میں مذکور ہے ''آپ نے اپنی رائے اور قیاس سے کوئی بات نہیں فرمائی''۔

علامہ الکرمانی نے کہا ہے کہ رائے اور قیاس دونوں مترادف ہیں، دوسرا قول یہ ہے کہ رائے کا معنی ہے تفکر، اور قیاس کا معنی ہے فرع کو اصل کے ساتھ ملا دینا، اور ایک قول یہ ہے کہ رائے کا معنی عام ہے تا کہ اس میں الاستحسان وغیرہ بھی داخل ہو جائے۔

امام الاوزاعی نے کہا ہے: علم وہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کے اصحاب سے منقول ہو، اور جو ان سے منقول نہیں ہے وہ علم نہیں ہے۔

امام ابو عبید نے حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے: لوگ ہمیشہ خیر پر مشتمل رہیں گے جب تک ان کے پاس سیدنا محمد

صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اوران کے اکابرین سے علم آتا رہے گا، پھر جب ان کے پاس اصاغر سے علم آئے گا تو ان کی خواہشات متفرق ہو جائیں گی اور وہ ہلاک ہو جائیں گے۔

اور امام ابو عبیدہ نے کہا ہے: اس کا معنی یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو صحابہ اور کبار تابعین سے منقول ہو وہی علم ہے، اور جو بعد کے لوگوں نے نئی چیزیں نکالی ہیں وہ مذموم ہیں، اور اسی طرح سلف صالحین علم اور رائے میں تفریق کرتے تھے، پس وہ سنت کو علم کہتے تھے اور اس کے ماسوا کو رائے کہتے تھے۔

امام احمد نے کہا: علم کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا جاتا ہے پھر صحابہ سے، پس اگر ان میں نہ ہو تو پھر تابعین میں ان کو اختیار ہے، اور انہوں نے کہا: جو خلفاء راشدین سے منقول ہے وہ سنت ہے اور جو دوسروں سے حاصل ہوا تو جس نے کہا کہ وہ سنت ہے تو وہ ٹھیک ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر رائے کی بنیاد کتاب یا سنت سے نقل پر مشتمل ہو تو وہ محمود ہے اور اگر اس سے خالی ہو تو وہ مذموم ہے۔

قیاس کا بیان

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَقِّ لِتَحۡكُمَ بَیۡنَ النَّاسِ بِمَاۤ اَرٰىكَ اللّٰهُ (النساء:١٠٥)

بے شک ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ کتاب نازل کی ہے تا کہ آپ لوگوں کے درمیان اس چیز کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے آپ کو دکھائی ہے۔

علامہ ابن بطال نے المہلب مالکی سے نقل کیا ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم چند مشکل اشیاء کے جواب میں خاموش رہے جن کے لیے شریعت میں اصول نہیں تھا، پس ان میں وحی کی اطلاع ضروری تھی ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے لیے قیاس کو مشروع کیا اور آپ نے اپنی امت کو ان امور میں استنباط کے طریقہ کی تعلیم دی ہے جن میں کوئی نص نہ ہو، جب ایک عورت نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کیا وہ اپنی ماں کی طرف سے حج کر سکتی ہے؟ تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اس کا قرض ادا کیا جائے اور یہی لغتِ عرب میں قیاس ہے، اور علماء کے نزدیک قیاس کا معنی یہ ہے کہ جس کا کوئی حکم معلوم نہ ہو اس کو اس کے ساتھ مشابہ کرنا جس کا حکم معلوم ہے، اور بے شک آپ نے گدھوں کو گھوڑوں کے مشابہ قرار دیا، جس شخص نے آپ سے گدھوں میں زکوٰۃ کے متعلق سوال کیا تو آپ نے یہ آیت پڑھی:

فَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ خَیۡرًا یَّرَهٗ ؕ (الزلزال:٧)

سو جو ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اس کا صلہ دیکھے گا○

پھر علامہ ابن بطال نے اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف بیان کیا ہے کہ کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ان امور میں اجتہاد کرنا جائز ہے جن میں آپ پر وحی نازل نہیں ہوئی، اور زیادہ حق کے مشابہ یہ ہے کہ ان امور میں آپ کا اجتہاد کرنا جائز ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَاَنۡزَلَ اللّٰهُ عَلَیۡكَ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمۡ تَكُنۡ تَعۡلَمُ ؕ وَكَانَ فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَیۡكَ عَظِیۡمًا ۝

اور اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل کی ہے اور آپ کو ان تمام چیزوں کا علم عطا فرما دیا ہے جن کو آپ (پہلے) نہیں جانتے

تھے اور اللہ کا آپ پر فضل عظیم ہے O (النساء:۱۱۳)

پس کتاب وہ ہے جس کی تلاوت کی جاتی ہے اور حکمت سے مراد سنت ہے، اور یہ وہ احادیث ہیں جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر تلاوت کے بیان فرمایا ہے، اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ آپ نے "العسیف" (مزدور) کے قصہ میں فرمایا: "میں ضرور تمہارے درمیان کتاب اللہ سے فیصلہ کروں گا" یعنی اللہ تعالیٰ کی وحی سے فیصلہ کروں گا۔ اور اسی کی مثل حضرت یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، اس شخص کے قصہ میں جس نے جبہ پہنا ہوا تھا اور اس نے آپ سے عمرہ کے متعلق سوال کیا، پس آپ خاموش رہے حتیٰ کہ آپ کے پاس وحی آئی، پس جب آپ سے نزولِ وحی کی کیفیت دور ہوگئی تو آپ نے اس کا جواب دیا۔

اور امام بیہقی نے سندِ صحیح کے ساتھ حسان بن عطیہ سے روایت کی ہے جو تابعین میں سے ایک ہیں اور ثقاتِ شامیین میں سے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ حضرت جبریل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سنت کو نازل کرتے تھے جس طرح آپ پر قرآن کو نازل کرتے تھے اور یہ تمام مضامین اس آیت میں جمع ہیں:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى (النجم:۳) وہ اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتے O

پھر امام شافعی نے ذکر کیا ہے کہ وحی کی اقسام میں سے وہ احادیث ہیں جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم خواب میں دیکھتے تھے اور وہ احادیث ہیں جن کو حضرت جبریل علیہ السلام آپ کے دل میں القاء کرتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کرنے پر دلائل

اور جن علماء کا یہ مذہب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجتہاد کرتے تھے، ان کی دلیل یہ آیت ہے:

فَاعْتَبِرُوْا يٰۤاُولِى الْاَبْصَارِ (الحشر:۲) سوائے آنکھوں والو! عبرت حاصل کرو O

اور انبیاء علیہم السلام "اولوالابصار" میں سے سب سے افضل ہیں، اور جب کہ یہ ثابت ہے کہ مجتہد کو دوگنا چوگنا اجر ملتا ہے تو انبیاء علیہم السلام اس کے زیادہ حق دار ہیں کہ ان کو عظیم ثواب ملے۔

پھر علامہ ابن بطال نے ان کی مثالیں بیان کی ہیں جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رائے کے مطابق عمل کیا، آپ نے لشکروں کو روانہ کیا اور مؤلفۃ القلوب کو عطا کیا، اور غزوۂ بدر کے قیدیوں سے فدیہ لیا۔

نیز علامہ ابن بطال نے اس آیت سے بھی استدلال کیا:

وَشَاوِرْهُمْ فِى الْاَمْرِ (آل عمران:۱۵۹) اور (اہم) کاموں میں ان سے مشورہ لیں۔

اور مشورہ انہی کاموں میں کیا جاتا ہے جن کے متعلق قرآن مجید میں کوئی نص وارد نہ ہوئی ہو۔

اور علامہ داؤدی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے صواب پر مبنی ہوتی تھی اور ہماری رائے میں ظن اور تکلف ہوتا ہے، اور اس سے بھی اس پر استدلال کرنا ممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجتہاد کرتے تھے، لیکن آپ کے اجتہاد میں خطاء بالکل نہیں ہوتی تھی، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہے اور آپ کے بعد بہ کثرت معاملات اور مسائل پیش ہوئے اور صالحین نئی نئی باتوں سے احتراز کرتے تھے، پھر ان کے تین فرقے ہوگئے:

(۱) ایک فرقہ وہ ہے جنہوں نے توقف کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر عمل کیا: "تم میری سنت کو لازم پکڑ لو اور خلفاء

راشدین کی سنت کو' لہٰذا انہوں نے اپنے فتاویٰ میں اس کے سوا اور کسی کا ذکر نہیں کیا اور جب ان سے کسی ایسی چیز کا سوال کیا جاتا جس کے متعلق ان کے پاس کوئی نقل نہ ہوتی تو وہ اس کا جواب دینے سے رک جاتے اور توقف کرتے۔

(۲) دوسرے وہ علماء تھے جنہوں نے جو احکام پیش نہیں آئے ان کو ان احکام پر قیاس کیا جو پیش آ چکے ہیں۔

(۳) تیسرا فرقہ متوسط ہے جن کو اگر کسی پیش آمدہ مسئلہ میں کوئی حدیث یا قولِ صحابی مل جاتا تو اس سے استدلال کرتے اور اگر نہیں ملتا تو پھر قیاس کرتے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۴۴۸۔ ۴۴۹، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

بابِ مذکور کی تعلیق کی شرح

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

وَقَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ سُئِلَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم عَنِ الرُّوْحِ فَسَكَتَ حَتّٰى نَزَلَتِ الْاٰيَةُ

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روح کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے سکوت کیا حتیٰ کہ آیت نازل ہوئی۔

امام بخاری نے جس آیت کا ذکر کیا ہے، وہ آیت یہ ہے:

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَاۤ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ (بنی اسرائیل: ۸۵)

اور یہ لوگ آپ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں، آپ کہیے کہ روح میرے رب کے امر سے ہے، اور تم کو محض تھوڑا سا علم دیا گیا ہے ۝

روح کی ماہیت کے متعلق علماء کا بیان

علامہ عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی الحنبلی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

روح کے علم کے ساتھ اللہ تعالیٰ منفرد ہے، اس نے اس علم کی کسی کو خبر نہیں دی، علماء نے روح کی ماہیت کے متعلق بہت زیادہ کلام کیا ہے، حالانکہ قرآن مجید نے اس کی خبر نہیں دی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا گیا لیکن آپ نے روح کی حقیقت کو بیان نہیں فرمایا، اور مجھے فلاسفہ پر اتنا تعجب نہیں ہے جتنا علماءِ اسلام پر تعجب ہے، جب ان کو علم ہے کہ قرآن مجید نے روح کی حقیقت نہیں بتائی اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روح کے متعلق سوال کے جواب میں روح کی حقیقت بتائی، اس کے باوجود بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ روح جسم ہے اور بعض کہتے ہیں کہ روح ایک چیز ہے اور نفس دوسری چیز ہے، علماءِ اسلام نے ان اقوال کو فلاسفہ اور اطباء کے کلام سے اخذ کیا ہے اور روح تو اللہ عزوجل کے امر میں سے ایک امر ہے (بعض چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے مادہ کے ساتھ پیدا کیا اور بعض چیزوں کو بغیر مادہ کے صرف امر "کُن" سے پیدا فرمایا، جن چیزوں کو مادہ کے ساتھ پیدا فرمایا وہ عالمِ اجسام سے ہیں، اور جن چیزوں کو بغیر مادہ کے صرف "کُن" سے پیدا فرمایا، وہ عالمِ امر سے ہیں، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روح اللہ عزوجل کے امر میں سے ایک امر ہے) روح کا علم صرف اس کے تصرفات سے ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے وجود پر صرف اس کے افعال سے استدلال کیا جاتا ہے، کیا تم نے نہیں دیکھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: "رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى۔۔۔ (البقرہ: ۲۶۰)" (اے میرے رب تو مجھے دکھا کہ مردوں کو کیسے زندہ فرمائے گا؟)، پس جب زندہ کرنے کا ادراک حضرت ابراہیم

علیہ السلام کی قوت میں نہیں تھا تو اللہ سبحانہٗ نے ان کو چند مردہ پرندے دکھائے جن کو زندہ کر دیا گیا۔ (کشف المشکل ج ۱ ص ۱۲۴۔۱۲۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

علامہ شہاب الدین احمد القسطلانی المتوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روح کی ماہیت نہیں بتائی، کیونکہ اس کی ماہیت کے علم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ خاص فرما لیا ہے اور اس لیے کہ اس کے بیان نہ کرنے میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق ہے اور اصل متقدمین اور متاخرین علماء اور حکماء کا روح کی تعریف میں اختلاف ہے، اور جس تعریف پر عام متکلمین کا اعتماد ہے وہ یہ ہے کہ:

''روح ایک جسم لطیف ہے جس کا بدن میں اس طرح حلول ہوتا ہے جس طرح پانی کا گلاب کے پھول میں حلول ہوتا ہے اور اشعری سے یہ منقول ہے کہ انسان کے جسم میں جو سانس داخل اور خارج ہو رہا ہے وہ روح ہے''۔ (ارشاد الساری ج ۱ ص ۳۸۶)

۷۳۰۹۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ الْمُنْكَدِرِ يَقُولُ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ يَقُولُ مَرِضْتُ فَجَاءَنِي رَسُولُ اللهِ ﷺ يَعُودُنِي وَأَبُو بَكْرٍ وَهُمَا مَاشِيَانِ فَأَتَانِي وَقَدْ أُغْمِيَ عَلَيَّ فَتَوَضَّأَ رَسُولُ اللهِ ﷺ ثُمَّ صَبَّ وَضُوءَهُ عَلَيَّ فَأَفَقْتُ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ وَرُبَّمَا قَالَ سُفْيَانُ فَقُلْتُ أَيْ رَسُولَ اللهِ كَيْفَ أَقْضِي فِي مَالِي كَيْفَ أَصْنَعُ فِي مَالِي قَالَ فَمَا أَجَابَنِي بِشَيْءٍ حَتَّى نَزَلَتْ آيَةُ الْمِيرَاثِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابن المنکدر سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں بیمار ہو گیا، پس میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کرنے کے لیے آئے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، اور وہ دونوں چل کر آئے تھے، پس وہ دونوں میرے پاس آئے اور اس وقت مجھ پر بے ہوشی تھی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کا بچا ہوا پانی مجھ پر چھڑکا تو مجھے ہوش آ گیا، میں نے کہا: یا رسول اللہ! اور بسا اوقات سفیان نے بیان کیا: پس میں نے عرض کیا: اے رسول اللہ! میں اپنے مال میں کس طرح فیصلہ کروں؟ میں اپنے مال میں کس طرح کروں؟ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کچھ جواب نہیں دیا حتیٰ کہ میراث کی آیت نازل ہو گئی۔

(صحیح البخاری: ۱۹۴، ۴۵۷۷، ۵۶۵۱، ۵۶۶۴، ۵۶۷۶، ۶۷۲۳، ۶۷۴۳، ۷۳۰۹، صحیح مسلم: ۱۶۱۶، سنن ترمذی: ۲۰۹۶، سنن نسائی: ۱۳۸، سنن ابوداؤد: ۲۸۸۶، سنن ابن ماجہ: ۲۷۲۸، مسند احمد: ۳۷۷۴، سنن دارمی: ۷۳۳)

حدیث مذکور کے فوائد

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھوں کی برکت ہر بیماری کو زائل کر دیتی ہے۔

علامہ ابو الحسن ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں صالحین کے پانی کو دم کرنے اور پانی کو ہاتھ لگانے اور ان سے ان کی برکت کے حصول کی توقع کا ثبوت ہے۔

(شرح ابن بطال ج ۱ ص ۳۰۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۱۰۔ بَابُ: تَعْلِيمِ النَّبِيِّ ﷺ أُمَّتَهُ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ مِمَّا عَلَّمَهُ اللهُ لَيْسَ بِرَأْيٍ وَلَا تَمْثِيلٍ

نبی ﷺ کا اپنی امت کے مردوں اور عورتوں کو ان باتوں کی تعلیم دینا جن کی اللہ تعالیٰ نے آپ کو تعلیم دی تھی، جن کا تعلق رائے اور تمثیل (قیاس یعنی جس میں ایک چیز کو دوسری چیز کی مثل قرار دے کر ایک کا حکم دوسرے پر لگایا جاتا ہے) سے نہیں تھا

بابِ مذکور کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: امام بخاری کی مراد یہ ہے کہ جب عالم کے لیے یہ ممکن ہو کہ وہ قرآن اور سنت کی نصوص سے استدلال کرے تو پھر وہ اپنی نظر سے اور قیاس سے استدلال نہ کرے، اور اس عنوان کا یہی مطلب ہے، کیونکہ نبی ﷺ نے ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک حدیث بیان کی جس حدیث تک نہ قیاس پہنچتا تھا اور نہ نظر پہنچتی تھی، اور وہ مسئلہ بیان فرمایا جس کو قیاس اور نظر سے نہیں معلوم کیا جاسکتا تھا، وہ صرف اللہ تعالیٰ کے واقف کرنے اور اس کی وحی سے معلوم ہوتا ہے، اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے جو اپنی سنتوں کو بیان فرمایا ہے، ان کا علم بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ؕ (النجم: ۳) اور وہ اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتے O

اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھے کتاب دی گئی ہے اور اس کی مثل اس کے ساتھ ہے، اور اہلِ علم نے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس مثل سے اس سنت کا ارادہ فرمایا ہے جو آپ کو دی گئی ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۳۶۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۷۳۱۰۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْأَصْبَهَانِيِّ عَنْ أَبِي صَالِحٍ ذَكْوَانَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ جَاءَتِ امْرَأَةٌ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ ذَهَبَ الرِّجَالُ بِحَدِيثِكَ فَاجْعَلْ لَنَا مِنْ نَفْسِكَ يَوْمًا نَأْتِيكَ فِيهِ تُعَلِّمُنَا مِمَّا عَلَّمَكَ اللهُ فَقَالَ اجْتَمِعْنَ فِي يَوْمِ كَذَا وَكَذَا فِي مَكَانِ كَذَا وَكَذَا فَاجْتَمَعْنَ فَأَتَاهُنَّ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَعَلَّمَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَهُ اللهُ ثُمَّ قَالَ مَا مِنْكُنَّ امْرَأَةٌ تُقَدِّمُ بَيْنَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوعوانہ نے حدیث بیان کی از عبد الرحمٰن بن الاصبہانی از ابی صالح ذکوان از حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی، پس اس نے کہا: یارسول اللہ! آپ کی حدیثوں کو لے کر مرد چلے گئے تو آپ اپنی طرف سے ہمارے لیے ایک دن مقرر فرما دیں، ہم اس دن آپ کے پاس آئیں تو آپ ہمیں ان چیزوں کی تعلیم دیں جن کی آپ کو اللہ تعالیٰ نے تعلیم دی ہے تو آپ نے

يَدَيْهَا مِنْ وَلَدِهَا ثَلَاثَةً إِلَّا كَانَ لَهَا حِجَابًا مِنَ النَّارِ فَقَالَتِ امْرَأَةٌ مِنْهُنَّ يَا رَسُولَ اللهِ أَوِ اثْنَيْنِ قَالَ فَأَعَادَتْهَا مَرَّتَيْنِ ثُمَّ قَالَ وَاثْنَيْنِ وَاثْنَيْنِ وَاثْنَيْنِ۔

فرمایا: تم فلاں دن فلاں جگہ جمع ہو جانا، پس وہ عورتیں جمع ہو گئیں، پس ان کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، پس آپ نے ان عورتوں کو ان چیزوں کی تعلیم دی جن چیزوں کی اللہ تعالیٰ نے آپ کو تعلیم دی تھی، پھر آپ نے فرمایا: تم میں سے جو عورت بھی اپنے تین بچوں کو پہلے بھیجے گی وہ اس کے لیے دوزخ کی آگ سے حجاب ہو جائیں گے، ان میں سے ایک عورت نے کہا: یا رسول اللہ! دو بچوں کو؟ راوی نے کہا: اس نے دو مرتبہ دہرایا، آپ نے فرمایا: اور دو کو، اور دو کو، اور دو کو۔

(صحیح البخاری: ۱۰۱، ۱۲۴۹، ۷۳۱۰، صحیح مسلم: ۲۶۳۳، سنن نسائی: ۲۱۲۵، ۲۱۲۶، ۲۱۲۷، ۳۰۴۷، ۳۱۷۲، ۶۷۵۵، ۶۹۰۳، ۶۹۱۵، ۷۳۳۰، صحیح مسلم: ۱۳۷۰، سنن ترمذی: ۲۱۲۷، سنن نسائی: ۴۷۴۴، سنن ابوداؤد: ۴۰۳۴، سنن ابن ماجہ: ۲۶۵۸، مسند احمد: ۶۰۰، سنن دارمی: ۲۳۵۶)

صحیح البخاری: ۷۳۱۰، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

دن کا تعین کرنے کا جواز

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ علم کے طلباء کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ عالم سے یہ سوال کریں کہ وہ ان کے لیے ایک دن مقرر کردے جس دن میں وہ عالم سے علم کی باتیں سنے اور عالم کو چاہیے کہ وہ ان کی درخواست کو منظور کرے اور اس کا اعلان کردے کہ فلاں دن فلاں مجلس کے اندر علم کی مجلس کا اجتماع کیا جائے گا۔

میں کہتا ہوں: اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل اور آپ کی سیرت اور آپ کے میلاد کے بیان کرنے کے لیے بھی دن کا معین کرنا جائز ہے، اسی طرح سوئم، چالیسواں اور برسی کے ایصال ثواب کے لیے بھی دن کا تعین کرنا جائز ہے، اور علماءِ دیوبند جو کہتے ہیں کہ دن کو معین کرنا بدعت ہے، اس کی کوئی اصل نہیں ہے بلکہ وہ اس حدیث کے خلاف ہے، ہم کہتے ہیں کہ علماءِ دیوبند بھی اپنے دینی اور تبلیغی سالانہ جلسوں کے لیے دن کو معین کرتے ہیں اور شادی بیاہ کی تقاریب کے لیے بھی دن کا تعین کرتے ہیں، اگر دن کا تعین نہ کریں تو کوئی تقریب منعقد نہیں ہوسکتی، علماءِ دیوبند اس پر یہ کہہ دیتے ہیں کہ شادی بیاہ کی تقاریب دنیاوی معاملات ہیں اور دنیاوی معاملات میں دن کا تعین کرنا جائز ہے اور محفلِ میلاد اور ایصالِ ثواب کی محافل کو ثواب کی نیت سے منعقد کیا جاتا ہے، لہٰذا دنیاوی امور میں تو دن کا تعین کرنا جائز ہے اور دینی امور میں دن کا تعین کرنا جائز نہیں ہے، یہ محض تحکم ہے ورنہ جو یہ تبلیغی جلسے کرتے ہیں اس کو بھی کارِ ثواب سمجھ کر کرتے ہیں اور مسلمان حسنِ عمل سے جو بھی نیت کرے اس میں اس کو ثواب ملتا ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

جو شخص صرف ایک بچہ کے فوت ہونے پر صبر کرے اس کی جزاء بھی جنت ہے

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "جو عورت بھی اپنے آگے تین بچے بھیجتی ہے" یعنی جس کے تین بچے فوت ہو جاتے ہیں وہ اس کے

لیے آگ سے حجاب بن جاتے ہیں۔
اس حدیث میں مذکور ہے "وہ بچے گناہ کی عمر کو نہ پہنچے ہوں" یعنی نابالغ ہوں۔
ایک اور حدیث میں ہے کہ وہ دوزخ میں صرف قسم پوری کرنے کے لیے داخل ہوں گے۔ (صحیح البخاری: ۱۲۵۱)
وہ عورت اہلِ زبان میں سے نہیں تھی، اس لیے اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جس عورت کے تین سے کم بچے فوت ہوئے ہوں وہ بچے اس کے لیے دوزخ کی آگ سے حجاب نہیں بنیں گے، کیونکہ حدیث میں ہے:
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: میرے مومن بندے کی جزاء اس کے سوا کیا ہوگی جب میں اس کے پسندیدہ بندے کی روح دنیا سے قبض کر لیتا ہوں، پھر وہ اس پر صبر کرتا ہے (تو اس کی جزاء) صرف جنت ہوگی۔ (صحیح البخاری: ۶۴۲۴)
بعض علماء نے کہا ہے: اس حدیث کے عموم میں وہ شخص بھی داخل ہے جس نے صرف ایک بچے کے فوت ہونے پر صبر کیا ہو، اور ایک روایت میں ایک بچے کا بھی ذکر ہے۔
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۳ ص ۸۰، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۱۱۔ بَابٌ: قَوْلِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي ظَاهِرِينَ عَلَى الْحَقِّ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: میری امت میں سے ایک جماعت ہمیشہ حق پر غالب رہے گی

بابِ مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس باب کا عنوان وہ ہے جس کو امام مسلم نے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اس کے بعد یہ مذکور ہے کہ جو شخص انہیں رسوا کرنے کی کوشش کرے گا وہ ان کو ضرر نہیں پہنچا سکے گا حتیٰ کہ امر اللہ یعنی قیامت آجائے گی اور وہ اسی طرح حق پر غالب ہوں گے، اسی طرح اس کی مثل حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ لوگ حق پر غالب رہیں گے اور قیامت تک حق کے لیے قتال کرتے رہیں گے۔
امام بخاری بیان کرتے ہیں:
يُقَاتِلُونَ وَهُمْ أَهْلُ الْعِلْمِ
وہ جہاد کرتے رہیں گے اور وہ لوگ اہل علم ہوں گے۔
یہ امام بخاری کی عبارت ہے اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے اس کی تفسیر میں یہ آیت ذکر کی ہے:
وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (البقرہ: ۱۴۳)
اور اسی طرح ہم نے تمہیں بہترین امت بنایا تا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور یہ رسول تمہارے حق میں گواہ ہو جائیں۔
امام حاکم نے "علوم الحدیث" میں امام احمد سے سندِ صحیح کے ساتھ روایت کی ہے کہ اگر یہ لوگ اہلِ حدیث (محدثین) نہیں ہیں تو پھر میں یہ نہیں جانتا کہ کون لوگ ہیں۔

اور بعض شارحین نے کہا ہے کہ امام بخاری نے اس کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے حاصل کیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ کر دیتا ہے تو اس کو دین کی سمجھ عطا فرما دیتا ہے''، اور آپ نے ارشاد فرمایا: ''میں صرف تقسیم کرنے والا ہوں اور دینے والا اللہ عزوجل ہے''۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۴۵۰، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۳۱۱۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى عَنْ إِسْمَاعِيلَ عَنْ قَيْسٍ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي ظَاهِرِينَ حَتَّى يَأْتِيَهُمْ أَمْرُ اللهِ وَهُمْ ظَاهِرُونَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبید اللہ بن موسیٰ نے حدیث بیان کی از اسماعیل از قیس از حضرت المغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: میری امت میں سے ایک جماعت ہمیشہ غالب رہے گی حتیٰ کہ ان پر اللہ کا امر (قیامت) آ جائے گی اور وہ غالب ہوں گے۔

(صحیح البخاری: ۳۶۴۰، ۷۳۱۱، ۷۴۵۹، صحیح مسلم: ۱۹۲۱، مسند احمد: ۱۸۷۳۸، سنن دارمی: ۲۴۳۲)

صحیح البخاری: ۷۳۱۱، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی متعدد روایات اور ان میں تعارض کا جواب

اس حدیث میں مذکور ہے ''میری امت کی وہ جماعت اپنے مخالفین پر ظاہر ہوگی''۔ اس کا معنی ہے یعنی ان پر غالب ہوگی، یا اس سے مراد یہ ہے کہ وہ ظاہر ہوں گے اور مستور نہیں ہوں گے بلکہ مشہور ہوں گے اور پہلا معنی زیادہ اولیٰ ہے۔

امام مسلم نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ یہ دین ہمیشہ قائم رہے گا اور مسلمانوں کی جماعت اس دین کی حفاظت کے لیے لڑتی رہے گی حتیٰ کہ قیامت آ جائے گی۔

نیز امام مسلم نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میری امت میں سے ایک جماعت ہمیشہ اللہ کے احکام پر قتال کرتی رہے گی اور اپنے دشمنوں پر غالب رہے گی اور جو ان کی مخالفت کرے گا وہ انہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گا حتیٰ کہ قیامت آ جائے گی۔

اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ درج ذیل حدیث اس کے خلاف ہے اور وہ یہ ہے:

امام مسلم نے حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ قیامت صرف بدترین مخلوق پر قائم ہوگی اور وہ اہلِ جاہلیت سے بدتر ہوں گے، وہ اللہ تعالیٰ سے جس چیز کی بھی دعا کریں گے اللہ تعالیٰ وہ ان پر رد کر دے گا۔

جب حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ پر اس حدیث سے معارضہ کیا گیا تو حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں! اللہ تعالیٰ ایک ایسی ہوا بھیجے گا جو مشک کی طرح خوشبودار ہوگی، اور جس شخص کے دل میں ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہوگا اس کے ایمان کو سلب کر لے گی، پھر بدترین لوگ باقی رہ جائیں گے اور انہی پر قیامت قائم ہوگی۔ اس طریقہ سے ان دونوں حدیثوں میں تطبیق ہو جاتی ہے۔

علامہ ابن بطال مالکی نے امام طبری سے نقل کر کے اس سوال کے جواب میں لکھا ہے کہ وہ بدترین لوگ جن پر قیامت قائم ہوگی وہ کسی مخصوص جگہ میں ہوں گے اور بے شک دوسری جگہ کے اندر ایک دوسری جماعت ہوگی جو حق کے لیے لڑتی رہے گی اور ان کے

مخالف ان کو ضرر نہیں پہنچا سکیں گے، پھر انہوں نے حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: یارسول اللہ! وہ لوگ کہاں ہیں؟ آپ نے فرمایا: بیت المقدس میں، اور میں نے بیان کیا ہے کہ جو لوگ بیت المقدس میں ہوں گے یہ وہ ہوں گے جن کو دجال گھیر لے گا، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے اور دجال کو قتل کر دیں گے، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں دین کو غلبہ ہوگا اور پھر ان کی وفات کے بعد وہ ہوا چلے گی، ان احادیث کی تطبیق میں یہی تقریر متحد ہے۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۴۵۰۔۴۵۱، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۷۳۱۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیثِ مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میری امت میں سے ایک جماعت ہمیشہ حق پر ظاہر رہے گی" اس کا معنی یہ ہے کہ وہ حق کی معاونت اور مدد کرتی رہے گی، دوسرا قول یہ ہے کہ وہ حق پر غالب رہے گی، اور تیسرا قول یہ ہے کہ وہ حق پر بلند رہے گی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "امر اللہ" یعنی وہ جماعت حق پر عمل کرتی رہے گی حتیٰ کہ قیامت آجائے گی، اور وہ اپنے مخالفین پر غالب رہیں گے، ایک قول یہ ہے کہ اس حدیث میں اجماع کی حجیت کا ثبوت ہے اور یہ ثبوت ہے کہ کوئی زمانہ مجتہدین سے خالی نہیں ہوگا۔

حدیث مذکور کا ایک حدیث سے تعارض کا جواب

اگر تم یہ سوال کرو کہ یہ حدیث حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کے خلاف ہے جس میں مذکور ہے کہ قیامت صرف برے لوگوں پر قائم ہوگی جو زمانہ جاہلیت کے لوگوں سے بدتر ہوں گے، وہ اللہ تعالیٰ سے جس چیز کی بھی دعا کریں گے اللہ تعالیٰ اس چیز کو ان پر لوٹا دے گا، اس حدیث کی امام مسلم نے روایت کی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جن برے لوگوں پر قیامت قائم ہوگی، اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو کسی مخصوص جگہ میں کسی اور جگہ ہوں گے، اور دوسری جماعت حق کے لیے قتال کرتی رہے گی اور ان کو ان کے مخالفین ضرر نہیں پہنچا سکیں گے، اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں سے ایک جماعت ہمیشہ حق پر قائم رہے گی اور اپنے دشمنوں پر غالب رہے گی حتیٰ کہ قیامت آجائے گی اور وہ اسی طرح ہوں گے، پوچھا گیا یارسول اللہ! وہ لوگ کون ہیں اور کہاں ہیں؟ آپ نے فرمایا: وہ لوگ بیت المقدس میں ہیں یا فرمایا: بیت المقدس کے اطراف میں ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۷۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۳۱۲۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ عَنْ يُونُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي حُمَيْدٌ قَالَ سَمِعْتُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن وہب نے حدیث

مُعَاوِيَةَ بْنَ أَبِي سُفْيَانَ يَخْطُبُ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ مَنْ يُرِدِ اللهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ وَإِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ وَيُعْطِي اللهُ وَلَنْ يَزَالَ أَمْرُ هَذِهِ الْأُمَّةِ مُسْتَقِيمًا حَتَّى تَقُومَ السَّاعَةُ أَوْ حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ اللهِ۔

بیان کی از یونس از ابن شہاب، وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے حمید نے خبر دی، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما سے سنا، انہوں نے دورانِ خطبہ بیان کیا کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ''جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ کرتا ہے اس کو دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے، اور میں صرف تقسیم کرنے والا ہوں اور دیتا اللہ تعالیٰ ہے، اور اس امت کا یہ معاملہ ہمیشہ سیدھا رہے گا حتیٰ کہ قیامت قائم ہو جائے گی، یا فرمایا: حتیٰ کہ اللہ کا حکم آجائے گا۔

(صحیح البخاری: ۷۱، ۳۱۱۶، ۳۶۴۱، ۷۳۱۲، ۷۴۶۰، صحیح مسلم: ۱۰۳۷، سنن ابن ماجہ: ۲۲۱، مسند احمد: ۱۶۴۰۷، موطا امام مالک: ۱۶۶۷، سنن دارمی: ۲۲۴)

صحیح البخاری: ۷۳۱۲، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

فقہ کا معنی

فقہ کا معنی فہم ہے، اور فقہ کی یہ بھی تعریف ہے: احکامِ شرعیہ علیہ کا وہ علم جو دلائلِ تفصیلیہ سے حاصل ہوا ہو خواہ اس میں افعال کی طلب ہو یا افعال کا اختیار دیا ہو (افعال کی طلب میں اوامر اور نواہی داخل ہیں اور جن میں اختیار دیا گیا ہو اس سے مراد مباح احکام ہیں)۔

اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے فقہ کی یہ تعریف منقول ہے کہ: نفس ان چیزوں کو جان لے جن چیزوں میں اس کا نفع ہے اور جن چیزوں میں اس کا ضرر ہے، اس کی معرفت کو فقہ کہتے ہیں، اور ایک قول یہ ہے کہ اس حدیث میں فقہ سے مراد اسلام ہے۔

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ ''جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ کرتا ہے اس کو دین کی فہم عطا فرماتا ہے''۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے دین کی فہم عطا فرمائی اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے خیر کا ارادہ کر لیا۔

رسول اللہ ﷺ کے قاسم ہونے کا معنی

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں صرف قاسم ہوں''۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے مال میں سے کسی مال کو اپنے ساتھ خاص کر کے نہیں رکھا اور خمس کے سوا اللہ تعالیٰ نے مجھے جو مالِ فئے عطا فرمایا ہے، وہ سب تم ہی میں لوٹا دیا جائے گا۔

رسول اللہ ﷺ نے یہ اس لیے فرمایا تا کہ مسلمانوں کی دلجوئی کریں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت مال عطا فرمایا ہے، سو یہ مال اللہ کا ہے اور اللہ کے بندوں کا ہے اور میں اس مال کو اللہ کے اذن سے اس کے بندوں کے درمیان تقسیم کرتا ہوں۔

نیز فرمایا: ''اور اللہ عطا فرماتا ہے'' یعنی میں جس کو مال کم دوں یا زیادہ دوں، تو وہ اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر کے مطابق ہوتا ہے۔

علامہ داؤدی نے کہا: اس میں یہ اشارہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ جس کو جو مال عطا فرماتے ہیں، وہ وحی کے مطابق عطا فرماتے ہیں، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ اپنے اجتہاد سے عطا فرماتے ہیں اور آپ کے اجتہاد میں خطاء نہیں ہوتی۔

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) علمِ فقہ اور فقہاء کے فضائل

اس حدیث میں علماء اور فقہاء کی باقی تمام لوگوں پر فضیلت ہے، اور علمِ فقہ کی باقی تمام علوم پر فضیلت ہے، کیونکہ فقہاء اللہ تعالیٰ کے وہ بندے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے اجتناب کرتے ہیں اور اس کی اطاعت پر دوام کرتے ہیں، کیونکہ فقہاء کو اللہ تعالیٰ کے وعد اور وعید کی معرفت ہوتی ہے اور اس کی عظیم نعمت کا وہ اعتراف کرتے ہیں، ایک شخص نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو فقیہ کہا تو انہوں نے فرمایا: فقیہ وہ ہے جو دنیا سے بے رغبتی کرے اور آخرت میں رغبت کرے۔

(میں کہتا ہوں: یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول نہیں ہے بلکہ یہ حسن بصری کا قول ہے۔ مسند دارمی ص: ۳۰۲، کتاب الزہد لابن المبارک، کتاب الزہد لاحمد بن حنبل ص ۳۲۷، حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۱۴۷)

(۲) غلبۂ اسلام کا بیان

اسلام کبھی مغلوب نہیں ہوگا، اگرچہ مخالفین اکثر یہ چاہتے ہیں، کیونکہ اسلام کا یہ دعویٰ ہے کہ قرآن مجید کی کسی ایک سورت کی بھی مثال کوئی نہیں لاسکتا، اور اب چودہ سو سال سے زیادہ گزر چکے ہیں اور اسلام کے مخالفین بھی بہت ہیں لیکن آج تک کوئی یہ ثابت نہیں کرسکا کہ قرآن مجید کی فلاں سورت کی مثال فلاں شخص نے بنائی۔

(۳) اجماع کی حجیت کا بیان

اس حدیث میں مذکور ہے ''اس امت میں سے ایک جماعت ہمیشہ اللہ کے دین پر قائم رہے گی اور مخالفین کی مخالفت سے ان کو ضرر نہیں ہوگا حتیٰ کہ قیامت آجائے گی''۔

اس حدیث سے اجماع کا حجت ہونا ثابت ہوا، اور نیز یہ بھی حدیث ہے کہ ''میری امت کبھی گمراہی پر متفق نہیں ہوگی''۔

(سنن ترمذی: ۲۱۶۶، المعجم للطبرانی ج ۱۲ ص ۴۴۷، المستدرک ج ۱ ص ۱۱۵۔ ۱۱۶، حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۳۷، الاسماء والصفات للبیہقی: ۷۰۱، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۱۸)

(۴) علمِ غیب کا ثبوت

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے غیب کی خبروں کو دینے کا ثبوت ہے، آپ نے فرمایا کہ ''میری امت میں سے ایک جماعت ہمیشہ حق پر قائم رہے گی اور حق کے لیے لڑتی رہے گی اور مخالفین کی مخالفت ان کو ضرر نہیں دے گی'' اور جس طرح آپ نے خبر دی تھی اسی طرح واقع ہوا، کیونکہ فقہاء اور مجتہدین کی جماعت آپ کے زمانہ سے لے کر مسلسل دینِ حق پر قائم ہے اور دینِ حق کی تبلیغ کر رہی ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۳ ص ۳۴۱۔ ۵۳۲، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۷۳۱۲، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث تین احکام پر مشتمل ہے:

ان میں سے ایک یہ ہے: دین میں تفقہ کی فضیلت، اور دوسرا یہ ہے کہ حقیقت میں دینے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے، اور تیسرا یہ ہے کہ اس امت میں سے بعض لوگ ہمیشہ حق پر قائم رہیں گے۔

حدیثِ مذکور میں علمِ دین کے مصداق کے متعلق فقہاء کے اقوال

امام بخاری نے وثوق سے کہا ہے کہ ان علماء سے مراد وہ ہیں جن کو آثار اور سنن کا علم ہو، اور امام احمد بن حنبل نے کہا: اگر یہ علماء محدثین نہیں ہیں تو پھر میں نہیں جانتا کہ وہ علماء کون ہیں، اور قاضی عیاض نے کہا: امام احمد کی مراد اس سے اہلِ سنت ہیں اور جو اہلِ سنت کے عقائد کے معتقد ہیں۔

علامہ نووی نے کہا: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کی امت میں سے جو جماعت ہمیشہ حق پر قائم رہے گی اس سے مراد ان مومنین کی اقسام ہوں جو اللہ کے دین کو قائم کریں گے اور جو اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور جو فقہی مسائل کو مستنبط کریں گے اور جو احادیث کو جمع کریں گے اور وہ زاہدین جو دنیا سے بے رغبتی کریں گے اور وہ مبلغین جو نیکی کا حکم دینے والے ہیں، اور یہ ضروری نہیں ہے کہ یہ تمام اقسام کے علماء ایک زمانہ میں ہوں بلکہ جائز ہے کہ وہ متفرق ادوار میں ہوں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں:

میں کہتا ہوں: اس کی تفصیل میں ''کتاب الاعتصام'' میں ان شاء اللہ بیان کروں گا۔

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جو قواعدِ اسلام کا علم حاصل نہیں کرے گا اور قواعدِ اسلام سے جو فروع نکلتی ہیں ان کا علم حاصل نہیں کرے گا، وہ فقیہ نہیں ہے۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۶۲۰۔۶۲۱، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی ''کتاب الاعتصام بالکتب والسنة'' میں اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اجماع کے حجت ہونے کا بیان

شارحین کا اس پر اتفاق ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اس امت کا ایک گروہ ہمیشہ اللہ کے دین پر قائم رہے گا اور وہ ظاہرین ہوں گے اور ظاہرین سے مراد ہے کہ وہ حق پر غالب ہوں گے اور حق ان کے سامنے ایسے ہوگا جیسا کہ نماز پڑھانے والے کے سامنے میت ہوتی ہے۔

علامہ نووی نے کہا ہے: اس حدیث میں یہ ثبوت ہے کہ اجماع حجت ہے، پھر انہوں نے کہا کہ اس حدیث میں جو ایک طائفہ کا ذکر ہے، اس سے مراد مومنین کی مختلف اقسام کی متعدد جماعتیں ہوں، بعض وہ ہوں جو بہادر ہوں اور انہیں جنگ کے معاملات میں مہارت ہو، بعض فقیہ اور محدث ہوں اور مفسر ہوں، بعض نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے ہوں اور بعض زاہد اور عابد ہوں، اور یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ سب ایک شہر میں ہوں، بلکہ ہو سکتا ہے کہ وہ ایک ملک میں ہوں، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مختلف علاقوں

میں پھیلے ہوئے ہوں، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ ایک ملک میں ہوں اور بعض، بعض سے کم ہوں، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تمام روئے زمین ابتداءً ان سب سے خالی ہو، اور پھر صرف ایک ہی جماعت ایک شہر میں ہو، اور جب قیامت آئے تو پھر وہ سب ختم ہو جائیں۔

مجددین کا بیان

اس حدیث کی نظیر وہ ہے جیسا کہ بعض ائمہ حدیث نے کہا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ اس امت کے لیے ہر سو سال کی ابتداء میں اس شخص کو مبعوث کرے گا جو اس امت کے لیے دین میں تجدید کرے گا۔

اور یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر سال کی ابتداء میں ایک ہی شخص ہو مگر یہ کہ دعویٰ کیا جائے کہ یہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ تھے، کیونکہ وہ ایک صدی کے بعد قائم ہوئے اور تمام صفات خیر کے ساتھ وہ متصف تھے، اسی وجہ سے امام احمد نے کہا کہ وہ حدیث کو ان پر محمول کرتے تھے، اور ان کے بعد امام شافعی بھی ان صفات جمیلہ کے ساتھ متصف تھے، مگر یہ کہ وہ جہاد کو قائم کرنے والے اور عدل کے ساتھ فیصلہ کرنے والے نہیں تھے، اس بناء پر یہ کہا جائے گا کہ جو ان صفات میں سے چند صفات کے ساتھ بھی متصف ہو سو سال کی ابتداء میں تو وہ مراد ہے خواہ وہ ایک ہو یا متعدد ہوں۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۴۵۲، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۱۲۔ بَابُ: قَوْلِ اللهِ تَعَالٰى: اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا (الانعام:۶۵)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''یا تمہیں مختلف گروہوں میں تقسیم کر دے''۔

۷۳۱۳۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ عَمْرٌو سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رضی اللہ عنہما يَقُولُ لَمَّا نَزَلَ عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ ﴿قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ﴾ قَالَ اَعُوذُ بِوَجْهِكَ ﴿اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ﴾ قَالَ اَعُوذُ بِوَجْهِكَ فَلَمَّا نَزَلَتْ ﴿اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ﴾ قَالَ هَاتَانِ اَهْوَنُ اَوْ اَيْسَرُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے بیان کیا کہ عمرو نے کہا: میں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی:

''آپ کہیے کہ وہی اس پر قادر ہے کہ تم پر تمہارے اوپر سے عذاب بھیجے'' (الانعام:۶۵)، تو آپ نے دعا کی: میں تیری ذات کی پناہ میں آتا ہوں، اور جب یہ نازل ہوئی:

''یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے'' (الانعام:۶۵) تو آپ نے دعا کی: میں تیری ذات کی پناہ میں آتا ہوں، پھر جب یہ آیت نازل ہوئی:

''یا تمہیں مختلف گروہوں میں تقسیم کر دے اور تمہارے بعضوں کو بعض کی لڑائی کا مزہ چکھا دے'' (الانعام:۶۵)، تو آپ نے فرمایا: یہ دو آسان ہیں یا فرمایا: یہ دو سہل ہیں۔

(صحیح البخاری: ۴۶۲۸، ۷۴۰۶، ۷۳۱۳، سنن ترمذی: ۳۰۶۵، مسند احمد: ۱۴۹۰۴)

صحیح البخاری: ۷۳۱۳، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث میں مذکور آیت مبارکہ کی تفسیر

مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ ''قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ یَّبْعَثَ عَلَیْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ۔۔۔ (الانعام: ۶۵)'' اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تمہارے اوپر پتھر برسائے، یا تم کو طوفان سے غرق کردے جس طرح حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کو غرق کیا ہے۔

''اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ'' اس سے مراد زمین کے نیچے دھنسانا ہے جس طرح قارون کو اور اس کے ہمراہیوں کو زمین میں دھنسا دیا تھا، دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد آندھی ہے۔

''اَوْ یَلْبِسَكُمْ شِیَعًا'' اس سے مراد یہ ہے کہ تمہارے معاملات کو مخلوط کردے، پس تم کو مختلف خواہشوں والا بنادے، اور ''شِیَعًا'' کا معنی ہے: ''فرقا'' یعنی سب لوگ ایک فرقہ میں نہ ہوں، مختلف فرقوں میں بٹ جائیں۔

''وَّیُذِیْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ۔ (الانعام: ۶۵)'' یعنی جنگ اور قتل کے ذریعہ سے تمہیں ایک دوسرے کا عذاب چکھائے۔

روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل سے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی امت پر ایسا عذاب نازل نہ فرمائے جس سے ان کو مکمل طور پر تباہ کردے، اور یہ دعا کی کہ امت کے بعض افراد کی لڑائی سے بعض کو ضرر نہ پہنچائے تو اللہ عزوجل نے اس دعا کو قبول فرمایا کہ وہ ان پر ایسا عذاب نازل نہیں فرمائے گا جس سے تمام امت تباہ ہوجائے، اور یہ دعا قبول نہیں فرمائی کہ بعض افراد لڑکر دوسرے بعض افراد کو ضرر نہ پہنچائیں، اور یہ کہ ان میں اختلاف نہ ہو، پس اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ دونوں چیزیں آسان اور سہل ہیں'' یعنی امت کا باہم اختلاف اور امت کا ایک دوسرے کو فتنہ میں مبتلاء کرنا یہ اس سے آسان ہے کہ پوری امت کو مکمل عذاب سے تباہ کردیا جائے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے انتقام لیا جائے، اگرچہ فتنہ بھی اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے لیکن یہ کم ہے، کیونکہ مومنین کے لیے یہ کفارہ ہوجاتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم کو اس عذاب سے محفوظ رکھے اور اللہ تعالیٰ اپنے انتقام سے محفوظ رکھے۔

(شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۳۶۴-۳۶۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۷۳۱۳، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

آیت مذکورہ کی تفسیر میں دیگر اقوال

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''مِنْ فَوْقِكُمْ'' سے مراد ہیں برے حکمران، اور ''مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ'' سے مراد ہیں: برے خدام اور برے پیروکار۔

اور الضحاک نے کہا: ''مِنْ فَوْقِكُمْ'' سے مراد ہے: تم میں سے بڑے، اور ''مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ'' سے مراد ہے: تمہارے کم درجہ کے لوگ۔

اور ابوالعباس نے کہا: ''مِنْ فَوْقِكُمْ'' سے مراد ہے: رجم کرنا اور ''مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ'' سے مراد ہے: زمین میں دھنسانا۔

اس کے بعد علامہ ابن ملقن نے علامہ ابن بطال کی شرح بعینہ نقل کر دی ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۳ص ۸۴، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۷۳۱۳، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث روایت کی ہے جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کی تفسیر کرتی ہے اور اس کی عبارت اس طرح ہے:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ میری امت سے چار چیزوں کو اٹھا لے، پس اللہ تعالیٰ نے ان سے دو چیزوں کو اٹھا لیا اور دو چیزوں کے اٹھانے سے انکار فرمایا، میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ میری امت سے آسمان سے پتھر برسانے کو اٹھا لے، اور زمین میں دھنسانے کو اٹھا لے، اور یہ کہ ان کو مختلف فرقوں میں نہ بنائے، اور ان کو ایک دوسرے کی لڑائی کا ضرر نہ پہنچائے، پس اللہ تعالیٰ نے ان سے زمین میں دھنسانے کو اور آسمان سے پتھر برسانے کو تو اٹھا لیا اور اس سے انکار کیا کہ وہ دوسری دو چیزیں ان سے اٹھائے۔

ابن مردویہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے اس سے زیادہ صریح روایت اس آیت کی تفسیر میں ذکر کی ہے، انہوں نے کہا: ''عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ'' سے مراد ہے: اوپر سے پتھر برسانا، اور ''مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ'' سے مراد ہے: زمین میں دھنسانا۔

اور امام ابن ابی حاتم نے ازسدی روایت کی ہے کہ ''مِنْ فَوْقِكُمْ'' سے مراد ہے: پتھر برسانے کا عذاب اور ''مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ'' سے مراد ہے زمین میں دھنسانا۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے: ''فوق'' سے مراد ہے برے حکمران، اور ''تحت'' سے مراد ہے برے خدام، اور ایک قول یہ ہے کہ ''فوق'' سے مراد ہے: بارش کو روک لینا، اور ''تحت'' سے مراد ہے: پھلوں کی پیداوار کو روک لینا، اور پہلی تفسیر معتمد ہے۔

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ زمین کے نیچے دھنسانا اور آسمان سے پتھروں کا برسانا اس امت میں واقع نہیں ہوگا، لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ امام احمد اور امام طبری نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ذکر کی ہے کہ اس آیت میں چار عذابوں کا ذکر ہے اور چاروں لامحالہ واقع ہوں گے۔

امام ترمذی نے اس آیت کی تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ یہ تمام امور ہونے والے ہیں اور ابھی تک ان کی تاویل نہیں آئی، اور امام احمد نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت اس وقت تک واقع نہیں ہوگی حتیٰ کہ چند قبائل کو دھنسا نہ دیا جائے۔

اور امام ترمذی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس امت کے آخر میں زمین میں دھنسانا بھی ہوگا اور صورتوں کو مسخ کرنا بھی ہوگا اور پتھروں کا برسانا بھی ہوگا۔

امام مسلم نے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے میرے لیے زمین کے مشرقوں کو اور مغربوں کو سمیٹ دیا اور میری امت وہاں تک پہنچے گی جہاں تک زمین میرے لیے سمیٹ دی گئی

ہے۔۔۔الحدیث، اور اس حدیث میں یہ ہے کہ میں نے اپنے رب سے سوال کیا کہ میری امت کو عام قحط کے ساتھ ہلاک نہ کیا جائے، اور یہ سوال کیا کہ میری امت کے اوپر ان کے غیر سے کوئی دشمن ان پر مسلط نہ کیا جائے، اور میں نے یہ سوال کیا کہ ان کے مختلف فرقے نہ کیے جائیں اور میں نے یہ سوال کیا کہ یہ ایک دوسرے سے لڑائی کا مزا نہ چکھیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محمد! جب میں کوئی کام مقدر کر دوں تو وہ واپس نہیں کیا جاتا اور میں نے آپ کی امت کو یہ عطا کیا ہے کہ میں ان کو عام قحط سے ہلاک نہیں کروں گا اور یہ کہ ان کے غیر سے کوئی دشمن ان پر مسلط نہیں کیا جائے گا جو ان کے اتحاد کو توڑ ڈالے حتیٰ کہ ان میں سے بعض بعض کو ہلاک کر دیں گے۔

اور امام طبری نے حضرت شداد رضی اللہ عنہ سے سندِ صحیح کے ساتھ روایت کی ہے کہ کافر دشمن کبھی بعض مومنوں پر مسلط ہوگا لیکن یہ عموماً نہیں ہوگا، اسی طرح زمین میں دھنسانا اور آسمان سے پتھر برسانا بھی عموماً نہیں ہوگا۔

اور امام طبرانی نے حسن بصری سے الانعام: ۶۵ کی تفسیر میں روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب سے سوال کیا تو حضرت جبریل علیہ السلام نیچے اترے، پس کہا: اے محمد! آپ نے چار چیزوں کا سوال کیا، پس میں نے دو چیزیں آپ کو عطا کر دیں اور دو چیزیں آپ سے روک لیں، آپ کو یہ عطا کیا کہ ان کے اوپر سے عذاب نہیں آئے گا یا ان کے نیچے سے عذاب نہیں آئے گا جو ان کو جڑ سے اکھاڑ دے جیسا کہ اس سے پہلے انبیاء علیہم السلام کی امتوں کو جڑ سے اکھاڑ دیا گیا ہے لیکن آپ کی امت میں تفرقہ ہوگا اور بعض، بعض سے لڑائی کا مزا چکھیں گے، اور یہ دو عذاب ان کے لیے ہیں جو کتاب اللہ کا اقرار کرتے ہیں اور اس کے انبیاء کی تصدیق کرتے ہیں۔

(فتح الباری ج ۵ ص ۵۸۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

نیز حافظ ابن حجر عسقلانی کتاب الاعتصام میں اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی اس سے پہلی حدیث کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ اس حدیث میں یہ ذکر کیا تھا کہ اس امت کی ایک جماعت ہمیشہ غالب رہے گی، اگر اس سے مراد یہ ہو کہ وہ دشمنانِ اسلام پر غالب رہے گی اور کفار پر غالب رہے گی تو مدعیٰ ثابت ہے، اور اگر اس سے مراد یہ ہو کہ وہ اس امت کے ہی بعض لوگوں پر غالب رہے گی تو اس میں یہ ثبوت ہے کہ اس امت کے درمیان اختلاف ہوگا، سو اس حدیث میں یہ بتایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی تھی کہ اللہ تعالیٰ آپ کی امت کے درمیان اختلاف کو واقع نہ کرے تو اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس چیز کو مقدر کر دیا ہے اور جس چیز کو اللہ تعالیٰ مقدر کر دے اس کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۴۵۲، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۱۲۔ بَابُ: مَنْ شَبَّهَ أَصْلًا مَعْلُومًا بِأَصْلٍ مُبَيَّنٍ قَدْ بَيَّنَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم حُكْمَهُمَا لِيُفْهِمَ السَّائِلَ

ایک معلوم حکم کو دوسرے واضح حکم کے ساتھ تشبیہ دینا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کا حکم بیان فرمایا تاکہ سائل کو مسئلہ سمجھ آ جائے

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک حکمِ معلوم کو واضح حکم کے ساتھ تشبیہ دی جائے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کا حکم بیان فرما دیا ہے۔

صحتِ قیاس پر دلائل

اس باب میں قیاس کی صحت کو دلائل سے بیان فرمایا ہے اور یہ کہ قیاس کرنا مذموم نہیں ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس سے پہلے باب سے قیاس کرنے کی مذمت اور کراہت کا پتا چلتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ قیاس کی دو قسمیں ہیں، ایک قیاس وہ ہے جو صحیح ہے اور ان تمام شرائط پر مشتمل ہوتا ہے جو فنِ اصول کے اندر ذکر کی گئی ہیں، اور دوسرا قیاس فاسد ہے جو اس کے خلاف ہے، پس مذموم وہ قیاس ہے جو فاسد ہے اور رہا وہ قیاس جو صحیح ہے، اس کی کوئی مذمت نہیں ہے بلکہ اس قیاس کو کرنے کا حکم دیا گیا ہے جیسا کہ ہم نے بتایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ۝ (الحشر: ۲) سو، اے آنکھوں والو! عبرت حاصل کرو ۝

(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۷۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۳۱۴۔ حَدَّثَنَا أَصْبَغُ بْنُ الْفَرَجِ حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ عَنْ يُونُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ أَعْرَابِيًّا أَتَى رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ إِنَّ امْرَأَتِي وَلَدَتْ غُلَامًا أَسْوَدَ وَإِنِّي أَنْكَرْتُهُ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم هَلْ لَكَ مِنْ إِبِلٍ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَمَا أَلْوَانُهَا قَالَ حُمْرٌ قَالَ هَلْ فِيهَا مِنْ أَوْرَقَ قَالَ إِنَّ فِيهَا لَوُرْقًا قَالَ فَأَنّٰى تُرَى ذٰلِكَ جَاءَهَا قَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ عِرْقٌ نَزَعَهَا قَالَ وَلَعَلَّ هٰذَا عِرْقٌ نَزَعَهُ وَلَمْ يُرَخِّصْ لَهُ فِي الْاِنْتِفَاءِ مِنْهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اصبغ بن الفرج نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابن وہب نے حدیث بیان کی از یونس از ابن شہاب از ابی سلمہ بن عبد الرحمٰن از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، پس اس نے کہا کہ میری بیوی نے ایک سیاہ رنگ کے لڑکے کو جنا ہے اور میں اس کا انکار کرتا ہوں، پس اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تمہارے پاس اونٹ ہیں؟ اس نے کہا: جی ہاں، آپ نے فرمایا: ان کا کیا رنگ ہے؟ اس نے کہا: وہ سرخ رنگ کے ہیں، آپ نے فرمایا: کیا ان میں کوئی چتکبرا بھی ہے؟ تو اس نے کہا جی ہاں اس میں چتکبرا بھی ہے، آپ نے پوچھا: تو تمہارا کیا گمان ہے وہ کہاں سے آیا؟ اس نے کہا یا رسول اللہ! اس نے ایک رگ کو کھینچ لیا، آپ نے فرمایا: اور شاید کہ اس بچہ نے بھی کسی رگ کو کھینچ لیا ہو، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اعرابی کو اس بچہ کے نسب سے نفی کرنے کی اجازت نہیں دی۔

(صحیح البخاری: ۵۳۰۵، ۶۸۴۷، ۷۳۱۴، صحیح مسلم: ۱۵۰۰، سنن نسائی: ۳۴۷۹، سنن ابوداؤد: ۲۲۶۰، سنن ابن ماجہ: ۲۰۰۲، مسند احمد: ۷۱۴۹)

صحیح البخاری: ۷۳۱۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اعرابی کے لیے تشبیہ دی جس نے اپنے لڑکے کے رنگ کا انکار کیا تھا، آپ نے اس کے ساتھ تشبیہ دی جو اونٹوں کی پیدائش میں معروف تھا، آپ نے ان سے فرمایا: کیا تمہارے پاس اونٹ ہیں؟ اس نے کہا: جی ہاں! پھر اس نے بتایا وہ سرخ رنگ کے اونٹ ہیں، آپ نے فرمایا: کیا ان میں کوئی چتکبرا بھی ہے؟ اس نے کہا: جی ہے، آپ نے فرمایا: وہ کیسے آیا؟ اس نے کہا: اس نے شاید کسی اونٹ کی رگ کھینچ لی، اس سے آپ نے یہ سمجھایا کہ جس طرح سرخ اونٹوں کے ہاں چتکبرا اونٹ پیدا ہو سکتا ہے، تو اسی طرح سفید عورت کے ہاں سیاہ بچہ بھی پیدا ہو سکتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۷۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۳۱۵۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ أَبِي بِشْرٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ امْرَأَةً جَاءَتْ إِلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَتْ إِنَّ أُمِّي نَذَرَتْ أَنْ تَحُجَّ فَمَاتَتْ قَبْلَ أَنْ تَحُجَّ أَفَأَحُجَّ عَنْهَا قَالَ نَعَمْ حُجِّي عَنْهَا أَرَأَيْتِ لَوْ كَانَ عَلَى أُمِّكِ دَيْنٌ أَكُنْتِ قَاضِيَتَهُ قَالَتْ نَعَمْ فَقَالَ اقْضُوا اللَّهَ الَّذِي لَهُ فَإِنَّ اللَّهَ أَحَقُّ بِالْوَفَاءِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو عوانہ نے حدیث بیان کی از ابی بشر از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی، پس اس نے کہا کہ میری ماں نے حج کرنے کی نذر مانی تھی، پس وہ حج کرنے سے پہلے فوت ہو گئی، کیا میں اس کی طرف سے حج کر لوں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! تم اس کی طرف سے حج کرو! یہ بتاؤ کہ اگر تمہاری ماں پر قرضہ ہوتا تو کیا تم اس کو ادا کرنے والی تھیں؟ تو اس نے کہا: جی ہاں، آپ نے فرمایا: پس اے مسلمانو! تم بھی جس کا قرض ہے اس کا قرض ادا کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ قرض کو ادا کیے جانے کا زیادہ مستحق ہے۔

(صحیح البخاری: ۱۸۵۲، ۶۶۹۹، ۷۳۱۵، سنن نسائی: ۲۶۳۳، مسند احمد: ۲۱۴۱، سنن دارمی: ۲۲۲۷)

صحیح البخاری: ۷۳۱۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ جس عورت نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حج کا مسئلہ دریافت کیا تھا کہ وہ اپنی ماں کی طرف سے حج کر سکتی ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے قرض کو بندوں کے قرض پر قیاس کیا اور فرمایا کہ اللہ کا قرض ادا کیے جانے کا زیادہ حق دار ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "فاقضوا" یعنی اے مسلمانو! اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرو، اصول فقہ میں یہ معلوم ہے کہ عورتیں بھی مردوں کے خطاب میں داخل ہیں خاص طور پر جب دخول کا کوئی قرینہ موجود ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۷۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۷۳۱۴، ۷۳۱۵ کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، ان دونوں حدیثوں کی شرح میں لکھتے ہیں:

قیاس میں مذاہب اور قیاس کی حجیت پر دلائل

امام بخاری نے اس باب کا عنوان قائم کیا ہے کہ جس نے کسی معلوم حکم کو واضح حکم کے ساتھ تشبیہ دی تا کہ سائل کو مسئلہ سمجھائے۔ یہی بعینہٖ قیاس ہے، اور لغتِ عرب میں قیاس کا معنی ہے "التشبیه والتمثیل" یعنی ایک چیز کو کسی دوسری چیز کے ساتھ تشبیہ دینا یا ایک چیز کی مثال کسی دوسری چیز کے ساتھ دینا، کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اعرابی کے لیے جس نے لڑکے کے رنگ کا انکار کیا تھا کہ وہ تو سفید رنگ کا ہے تو اس کا بیٹا کالے رنگ کا کیسے ہے؟ تو آپ نے اس کو تشبیہ دی کہ جو اونٹ سرخ رنگ کے ہوں تو ان سے چتکبرے رنگ کا اونٹ پیدا ہو جاتا ہے، اسی طرح سے سفید عورت کالے لڑکے کو جنم دے سکتی ہے، اور اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اس عورت کے لیے جس نے اپنی ماں کے حج کے متعلق سوال کیا تھا، آپ نے فرمایا: یہ بتاؤ کہ اگر تمہاری ماں پر قرض ہوتا تو کیا تم اس کو ادا کرنے والی تھیں؟ اس نے کہا: جی ہاں! تو آپ نے فرمایا: اللہ کا قرض ادا کیے جانے کا زیادہ حق دار ہے، پس آپ نے اللہ کے قرض کو تشبیہ دی بندوں کے قرض سے، سوا اس کے کہ آپ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا قرض زیادہ حق دار ہے۔

اور یہ کل بعینہٖ قیاس ہے اور ان دونوں حدیثوں سے علامہ مزنی نے منکرین قیاس کے خلاف استدلال کیا ہے۔

ابوتمام المالکی نے کہا: صحابہ کا قیاس پر اتفاق ہے، اسی وجہ سے انہوں نے سونے کو چاندی پر قیاس کیا ہے، اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میری بیعت توڑ دو، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! ہم آپ کی بیعت کو نہیں توڑیں گے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ پر ہمارے دین کے لیے راضی ہو گئے تو ہم اپنی دنیا میں آپ پر کیوں راضی نہیں ہوں گے، پس انہوں نے امامت کو نماز پر قیاس کیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے زکوٰۃ کو نماز پر قیاس کیا اور فرمایا: اللہ کی قسم! میں اس میں فرق نہیں کروں گا جو اللہ کا مال جمع کرتا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شراب پینے والے کو صحابہ کی جماعت میں قیاس کیا اور فرمایا کہ جب شراب پینے والا نشہ میں ہوتا ہے تو ہذیان بکتا ہے اور جب ہذیان بکتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے، پس اس کی وہی حد ہو گی جو تہمت لگانے والے کی حد ہوتی ہے۔ اسی طرح جب خوارج نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ نے حکم کیوں بنایا تو انہوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے شوہر اور بیوی کے درمیان دو حکموں کو بنانے کا حکم دیا ہے، تو مسلمانوں کا معاملہ تو اس سے زیادہ عظیم ہے۔

علامہ مزنی نے کہا: ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ائمہ دین کو پایا جو اللہ تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے قرآن کی فہم رکھتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی فہم رکھتے تھے، پھر فقہاء اسی طریقہ سے فہم رکھنے والے تھے، اور ان سب نے قیاس کیا اور دین کے معاملہ میں ایک نظیر کو دوسری نظیر پر قیاس کیا۔

نظام معتزلی اور معتزلہ کی ایک جماعت نے قیاس کا انکار کیا اور انہی کی داؤد بن علی ظاہری نے اقتداء کی، اور جماعت کا قول ہی حجت ہے اور جو شاذ قول ہو اس کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۳۶۵۔۳۶۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۷۳۱۴، ۷۳۱۵، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، ان دونوں حدیثوں کی شرح میں لکھتے ہیں:

حافظ ابن حجر عسقلانی کا علامہ ابن بطال سے مناقشہ

علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ تمام صحابہ اور فقہاء تابعین قیاس کو تسلیم کرتے تھے اور جس نے سب سے پہلے قیاس کا انکار کیا، وہ ابراہیم النظام اور اس کی اتباع کرنے والے بعض معتزلہ ہیں، اور داؤد بن علی ظاہری ہیں۔

علامہ ابن بطال کے اس قول پر اعتراض کیا گیا ہے کہ صحابہ میں سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے قیاس کا انکار کیا، اور تابعین میں سے فقہاء کوفہ کے عامل شعبی نے قیاس کا انکار کیا، اور فقہاء بصرہ میں سے محمد بن سیرین نے قیاس کا انکار کیا۔

قیاس کرنے کی شرائط

امام شافعی نے یہ کہا ہے کہ قیاس کرنے کی شرط یہ ہے کہ قیاس کرنے والا اللہ تعالیٰ کی کتاب کے احکام کا عالم ہو اور اس کو قرآن کے ناسخ اور منسوخ کا علم ہو اور قرآن کے عام اور خاص کا علم ہو، اور جس چیز میں تاویل کا احتمال ہو اس میں سنت اور اجماع سے استدلال کرے، پس اولاً وہ کتاب اللہ پر قیاس کرے ورنہ پھر سنت پر قیاس کرے، اور اگر اس کو یہ میسر نہ ہو تو جس مسئلہ پر سلف صالحین متفق ہوں اور مسلمانوں کا اجماع ہو اور کوئی اس کا مخالف نہ ہو، اس سے استدلال کرے، اور اس کے بغیر علم میں کسی چیز کا قول کرنا جائز نہیں ہے، اور کسی شخص کے لیے اس وقت تک قیاس کرنا جائز نہیں ہے حتیٰ کہ وہ اس سے پہلے کی سنتوں کا عالم ہو اور سلف صالحین کے اقوال کا اور مسلمانوں کے اجماع کا اور اختلافِ علماء کا اور زبانِ عرب کا بھی واقف ہو، اور وہ صحیح العقل ہو تا کہ وہ مشتبہات اور محکمات میں فرق کر سکے۔

علامہ ابن عبد البر نے کہا ہے: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں کافی ضروری امور بیان کر دیئے ہیں۔

اور علامہ ابن العربی وغیرہ نے کہا ہے: اصل قرآن ہے، اگر قرآن کی دلالت خفی ہو تو پھر وہ سنت پر غور کرے، اگر سنت نے بیان کر دیا ہے تو فبہا اور اگر سنت کی دلالت بھی مخفی ہے تو پھر وہ دیکھے کہ صحابہ نے کس چیز پر اتفاق کیا ہے، پس اگر صحابہ کا اختلاف ہو تو اس کو ترجیح دے جو کتاب کی تصریح اور پھر سنت کی تصریح کے مشابہ ہے، اور مذہب معتدل وہ ہے جو امام شافعی نے بیان کیا ہے اور قیاس ضرورت کے وقت مشروع ہے کیونکہ قیاس خود ایک اصل ہے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۶۵۳۔۶۵۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۱۴۔ بَابُ: مَا جَاءَ فِي اجْتِهَادِ الْقُضَاةِ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالَى

قاضیوں کے اجتہاد کرنے کے متعلق احادیث کا بیان اور جو اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے

امام بخاری بیان کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○ (المائدہ: ۴۵)

اور جو اللہ کے نازل کئے ہوئے (احکام) کے موافق فیصلہ نہ کریں سو وہی لوگ ظالم ہیں ○

وَمَدَحَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم صَاحِبَ الْحِكْمَةِ حِيْنَ يَقْضِيْ بِهَا وَيُعَلِّمُهَا لَا يَتَكَلَّفُ مِنْ قِبَلِهِ وَمُشَاوَرَةِ الْخُلَفَاءِ وَسُؤَالِهِمْ أَهْلَ الْعِلْمِ۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صاحب حکمت کی مدح فرمائی جب وہ حکمت سے فیصلہ کرے اور حکمت کی تعلیم دے اور اپنی طرف سے تکلف نہ کرے اور خلفاء نے مشورہ کیا اور انہوں نے اہل علم سے سوال کیا۔

باب مذکور کی تعلیق کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

اجتہاد کا لغوی اور اصطلاحی معنی

اجتہاد کا لغوی معنی ہے: کسی چیز کی طلب میں انتہائی کوشش کو صرف کرنا، اور اس کا اصطلاحی معنی ہے: حکم شرعی کی معرفت کے لیے انتہائی کوشش کو بروئے کار لانا۔

علامہ ابن بطال مالکی لکھتے ہیں:

علماء کے سامنے جب کوئی نیا مسئلہ پیش آئے تو ان پر اس مسئلہ کا حکم معلوم کرنے کے لیے اجتہاد کرنا فرض واجب ہے، اور یہ حاکم پر واجب ہے یا عالم پر واجب ہے جب کہ وہ اہل اجتہاد سے ہو کہ وہ اس نئے مسئلہ کا حکم کتاب یا سنت میں تلاش کرے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو عورت کے اسقاطِ حمل کا حکم جاننے کی ضرورت پیش آئی تو انہوں نے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے اس کے بارے میں معلوم کیا کہ کس کے پاس اس مسئلہ کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا علم ہے؟ تو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اور حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اس مسئلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم بتایا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے مطابق حکم کیا، اور ان کے لیے یہ گنجائش نہیں تھی کہ اس مسئلہ میں از خود اجتہاد کرتے مگر سنت کی تصریحات کو طلب کرنے کے بعد، پس جب سنت کی تصریحات نہ ہوں تو پھر اجماع کی طرف رجوع کیا جائے گا، اور اگر اجماع سے بھی یہ مسئلہ نہ ملے تو پھر دیکھے کہ کوئی اور مسئلہ جو اس مسئلہ کے مشابہ ہو اور دونوں کے درمیان علتِ مشترکہ ہو تو پھر ایک مسئلہ کو دوسرے پر قیاس کر لے۔

دوسرے علماء نے کہا ہے: یہ وہ استنباط ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے علماء کو اس کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا ہے جیسا کہ اس آیت میں مذکور ہے:

وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ (النساء: ۸۳)

اور اگر یہ اس خبر کو رسول یا صاحبانِ علم کی طرف پہنچا دیتے تو ان میں سے خبر کا تجزیہ کرنے والے ضرور اس کے (صحیح) نتیجہ تک پہنچ جاتے۔

اور استنباط کا معنی ہے: استخراج، اور یہ صرف قیاس میں ہوتا ہے، کیونکہ نص ظاہر جلی ہے اور یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ جب کسی نئے حادثہ میں کتاب اللہ سے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے کوئی تصریح نہ ملے تو وہ اس کو واجب کرتی ہے کہ اس میں اجتہاد کا حکم کیا جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ (الانعام:۳۸) ہم نے کتاب (لوحِ محفوظ) میں کسی چیز کو نہیں چھوڑا۔

کیونکہ اگر یہ کہا جائے کہ بعض نئے مسائل کا قرآن مجید میں ذکر نہیں ہے، تو پھر اس آیت کی خبر باطل ہو جائے گی، اور ہم کو معلوم ہے کہ نصوص تمام نئے مسائل کو محیط نہیں ہیں، اور اس میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے بغیر نص کے بھی حکم کو ظاہر کر دیا اور وہ نص کی علت پر قیاس کرنا ہے۔

پس اجتہاد اور استنباط کے وجوب کی حکمت یہ ہے کہ چیزوں کو ان کے نظائر پر قیاس کیا جائے اور یہی وہ قیاس ہے کہ جس کی جاہلوں نے نفی کی ہے۔ اور اجتہاد کرنا اور قیاس کرنا علماء پر فرض ہے جب ان کو نصوص نہ ملیں، پس ان پر لازم ہے کہ وہ امت کے اجماع پر عمل کریں۔ (شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۳۶۷۔ ۳۶۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

امام بخاری نے عنوان میں اس آیت کا ذکر کیا ہے:

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (المائدہ:۴۵) اور جو اللہ کے نازل کئے ہوئے (احکام) کے موافق فیصلہ نہ کریں سو وہی لوگ ظالم ہیں O

اور دوسری آیت میں فرمایا ہے:

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (المائدہ:۴۷) اور جو لوگ اللہ کے نازل کیے ہوئے کے مطابق فیصلہ نہ کریں سو وہی لوگ فاسق ہیں O

بعض علماء نے کہا کہ ان میں سے ایک آیت نصاریٰ کے متعلق ہے اور دوسری آیت مسلمانوں کے متعلق ہے، اور اولیٰ یہ ہے کہ یہ یہود کے متعلق ہے، اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ اس کو عموم پر برقرار رکھا جائے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۴۵۴، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۳۱۶۔ حَدَّثَنَا شِهَابُ بْنُ عَبَّادٍ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ حُمَيْدٍ عَنْ إِسْمَاعِيلَ عَنْ قَيْسٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ رَجُلٌ آتَاهُ اللهُ مَالًا فَسُلِّطَ عَلَى هَلَكَتِهِ فِي الْحَقِّ وَآخَرُ آتَاهُ اللهُ حِكْمَةً فَهُوَ يَقْضِي بِهَا وَيُعَلِّمُهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں شہاب بن عباد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم بن حمید نے حدیث بیان کی از اسماعیل از قیس از حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حسد کرنا صرف دو شخصوں میں جائز ہے، ایک وہ مرد جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو پس وہ حق کے راستہ میں اس مال کو ختم کر دے، اور دوسرا وہ مرد جس کو اللہ تعالیٰ نے حکمت عطا کی ہو، پس وہ اس حکمت کے مطابق فیصلہ کرے اور اس کی تعلیم دے۔

(صحیح البخاری: ۷۳، ۱۴۰۹، ۷۱۴۱، ۷۳۱۶، صحیح مسلم: ۸۱۶، سنن ابن ماجہ: ۴۲۰۸، مسند احمد: ۳۶۴۳)

صحیح البخاری: ۷۳۱۶، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حسد کا معنی

حسد کا معنی ہے: جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے نعمت دی ہو اس شخص سے اس نعمت کے زوال کی تمنا کرنا، اور بعض علماء نے تخصیص کی ہے کہ وہ یہ تمنا کرے کہ یہ نعمت اس کو مل جائے، اور حق یہ ہے کہ یہ عام ہے، یعنی وہ منعم علیہ سے نعمت کے زوال کی تمنا کرے خواہ اس کو وہ نعمت ملے یا نہ ملے، اور اس کا سبب یہ ہے کہ انسان کی طبیعت میں یہ چیز پیدا کی گئی ہے کہ وہ اپنی جنس پر سربلندی چاہتا ہے، پس جب وہ کسی دوسرے شخص میں وہ نعمت دیکھے جو اس کو حاصل نہیں ہے، تو وہ یہ پسند کرتا ہے کہ اس سے یہ نعمت زائل ہو جائے تاکہ وہ اس کے اوپر سربلند ہو یا کم از کم اس کے برابر ہو، اور یہ تمنا کرنے والا مذموم ہے، جب کہ وہ اس کے تقاضا پر اپنے قول یا فعل سے عمل کرے، اور جس کے دل میں اس تمنا کا خطرہ پیدا ہو تو اس کو چاہیے کہ وہ اس کو ناپسند کرے جیسا کہ انسان کے دل میں اور اس کی طبیعت میں ممنوعہ کاموں کی محبت پیدا کی گئی ہے، لیکن اس پر لازم ہے کہ جب اس کے دل میں کسی ممنوعہ کام کی خواہش پیدا ہو تو وہ اس کو ناپسند کرے، اور علماء نے حسد کی تعریف میں یہ استثناء کیا ہے کہ اگر کافر کو کوئی نعمت حاصل ہو یا بدکار کو اور وہ اس نعمت سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر مدد حاصل کرتا ہو، تو اس سے اس نعمت کے زوال کی تمنا کرنا جائز ہے، یہ حسد کا حکم ہے اس کی حقیقت کے اعتبار سے۔

رشک کا معنی

حدیث میں جس حسد کا ذکر ہے، وہ در حقیقت ''الغبطة'' ہے یعنی رشک، اور اس پر حسد کا اطلاق مجازاً ہے، اور رشک کی تعریف یہ ہے کہ آدمی کسی شخص میں کوئی نعمت دیکھ کر یہ تمنا کرے کہ اس کے پاس بھی یہ نعمت رہے اور مجھے بھی یہ نعمت مل جائے، اور اس پر حرص کو منافسة کہا جاتا ہے، اگر یہ حرص اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت میں ہو تو محمود ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ ۝ عَلَى الْاَرَآئِكِ یَنْظُرُوْنَ ۝ تَعْرِفُ فِیْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِیْمِ ۝ یُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِیْقٍ مَّخْتُوْمٍ ۝ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ؕ وَ فِیْ ذٰلِكَ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنٰفِسُوْنَ ۝ (المطففین: ۲۲۔۲۶)

بے شک نیکوکار ضرور (جنت کی) نعمت میں ہیں O عزت والی مسندوں پر بیٹھے دیکھ رہے ہیں O آپ ان کے چہروں میں نعمت کی تازگی پہچان لیں گے O ان کو مہر لگی ہوئی شفاف شراب پلائی جائے گی O اس کی مہر مشک ہے، اور اسی میں رغبت کرنے والوں کو رغبت کرنی چاہیے O

اور اگر اللہ تعالیٰ نافرمانی میں کوئی شخص حرص کرتا ہے تو یہ مذموم ہے، اسی کے متعلق حدیث ہے: ''لا تنافسوا'' یعنی کسی معصیت میں حرص نہ کرو۔ (مسند احمد: ج ۲ ص ۲۸۷)

اور اگر امورِ جائزہ میں حرص کی جائے تو یہ مباح ہے، اور اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ ان دو خصلتوں سے افضل کسی چیز میں رشک کرنا نہیں ہے، اور ان دو چیزوں میں مال اور حکمت کا ذکر ہے اور ان میں حسد کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت یا بدن سے ہوگی یا مال سے ہوگی یا دونوں سے ہوگی، تو اطاعتِ بدنی کی طرف اشارہ کیا کہ آدمی حکمت کو حاصل کرے اور حکمت کے متعلق فیصلہ کرے اور حکمت کی تعلیم دے، اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ اس پر رشک کیا جائے جس مرد کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کا علم دیا ہو اور وہ رات اور دن قرآن مجید کے ساتھ قیام کرتا ہو اور قیام سے مراد ہے قرآن مجید کے احکام اور اس کے تقاضوں پر عمل کرنا اور

اس کی تلاوت کرنا خواہ نماز کے اندر یا نماز سے باہر، اور اس کی تعلیم دینے سے مراد ہے قرآن مجید کے مطابق حکم اور فتویٰ دینا۔

نیز امام ترمذی نے حضرت ابو کبشہ الانماری رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا، پھر ایک طویل حدیث ذکر کی جس میں یہ ذکر ہے کہ جو حق کے راستہ میں عالم مال خرچ کرتا ہو اور اس کی تمنا کرنے والا اجر میں برابر ہیں، اور اس کی عبارت اس طرح سے ہے کہ ایک وہ بندہ جس کو اللہ تعالیٰ نے علم دیا ہو اور مال نہ دیا ہو اور اس کی نیت اس میں صادق ہو وہ کہے کہ اگر میرا مال ہوتا تو میں فلاں شخص کی طرح اس مال میں عمل کرتا، تو دونوں کا اجر برابر ہے اور اس کی ضد میں ذکر کیا کہ دونوں کا گناہ برابر ہے، اور لکھا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۶۲۲۔ ۶۲۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

اس تعلیق میں خلفاء سے مشورہ لینے کا ذکر ہے اور اہلِ علم سے یہ سوال کرنے کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو آیات احکام کے متعلق بیان فرمائی ہیں ان کا کیا محمل ہے، اور خلفاء کا ذکر قید نہیں ہے، کیونکہ تمام حکام اس میں برابر ہیں۔

منصبِ قضاء کی فضیلت اور اس کی شرائط

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ منصبِ قضاء کے حصول کے لیے اس شخص کو رغبت کرنی چاہیے جو قضاء کی شرائط کا جامع ہو اور حق پر عمل کرانے کی طاقت رکھتا ہو، اور وہ مظلوم کی دادرسی کی طاقت رکھتا ہو، اور ظالم سے مظلوم کا حق لے کر مظلوم کو دینے کی طاقت رکھتا ہو، اور ظالم کا ہاتھ پکڑنے کی طاقت رکھتا ہو، اور لوگوں کے درمیان اصلاح کرنے کی طاقت رکھتا ہو، اور یہ تمام امور عبادات سے ہیں، اسی لیے انبیاء علیہم السلام ان امور کے مطابق عمل کرتے تھے اور انبیاء علیہم السلام کے بعد خلفاء راشدین ان کے مطابق عمل کرتے تھے، اسی وجہ سے اس پر اتفاق ہے کہ منصبِ قضاء فرضِ کفایہ ہے، کیونکہ اس کے بغیر لوگوں کو استقامت پر نہیں رکھا جا سکتا۔

امام بیہقی نے سندِ قوی سے روایت کی ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ جب خلیفہ ہو گئے تو انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو قضاء کے منصب پر مقرر کیا اور ایک اور سندِ قوی سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو منصبِ قضاء پر مقرر کیا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عمال کی طرف لکھا کہ تم نیک لوگوں کو قضاء پر مقرر کرو، اور یہ سب اکابر صحابہ ہیں، اور بعض متقدمین نے منصبِ قضاء کو قبول نہیں کیا، کیونکہ ان کو یہ خوف تھا کہ وہ اس کے حقوق ادا نہیں کر سکیں گے اور ان حقوق کی ادائیگی پر کوئی مددگار انہیں میسر نہیں تھا۔

منصبِ قضاء کا شرعی حکم، آیا یہ فرضِ عین ہے یا فرضِ کفایہ؟

جب کوئی شخص قضاء کی شرائط کا جامع ہو اور قضاء کے حقوق ادا کرنے پر قادر ہو تو آیا اب اس کا منصبِ قضاء کے قبول کرنے سے انکار کرنا جائز ہے یا نہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر شہر میں اس کے علاوہ کوئی اور ایسا شخص نہ ہو جو قضاء کی شرائط کا جامع ہو تو اس پر متعین ہے کہ وہ منصبِ قضاء کو قبول کرے کیونکہ یہ فرضِ کفایہ میں سے ہے، اور دوسرا شخص اس کے قیام پر قادر نہیں ہے، پس اس کے اوپر متعین ہے کہ وہ منصبِ قضاء کو قبول کرے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۳۱۲، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۳۱۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ أَخْبَرَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ سَأَلَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ عَنْ إِمْلَاصِ الْمَرْأَةِ هِيَ الَّتِي يُضْرَبُ بَطْنُهَا فَتُلْقِي جَنِينًا فَقَالَ أَيُّكُمْ سَمِعَ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ فِيهِ شَيْئًا فَقُلْتُ أَنَا فَقَالَ مَا هُوَ قُلْتُ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ فِيهِ غُرَّةٌ عَبْدٌ أَوْ أَمَةٌ فَقَالَ لَا تَبْرَحُ حَتَّى تَجِيئَنِي بِالْمَخْرَجِ فِيمَا قُلْتَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابومعاویہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی از والد خود از حضرت المغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے عورت کے املاص یعنی اسقاطِ حمل کے متعلق سوال کیا اور یہ وہ عورت ہے کہ جس کے پیٹ پر ضرب لگائی جائے تو وہ پیٹ کے بچہ کو گرادے، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: تم میں سے کس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق کچھ سنا ہے؟ تو میں نے کہا: میں نے سنا ہے، پس انہوں نے فرمایا: وہ کیا ہے؟ تو میں نے کہا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے: اس کی دیت میں ایک غلام ہے یا ایک باندی ہے، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم یہاں سے نہ جانا حتیٰ کہ تم میرے پاس اپنی بیان کی ہوئی حدیث کے مخرج کو لے آؤ۔

(صحیح البخاری: ۶۹۰۵، ۶۹۰۷، ۶۹۰۸، ۷۳۱۷، صحیح مسلم: ۱۶۸۳، سنن ابوداؤد: ۴۵۷۰، سنن ابن ماجہ: ۲۶۴۰، مسند احمد: ۱۷۶۷۰)

۷۳۱۸۔ فَخَرَجْتُ فَوَجَدْتُ مُحَمَّدَ بْنَ مَسْلَمَةَ فَجِئْتُ بِهِ فَشَهِدَ مَعِي أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ فِيهِ غُرَّةٌ عَبْدٌ أَوْ أَمَةٌ تَابَعَهُ ابْنُ أَبِي الزِّنَادِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عُرْوَةَ عَنِ الْمُغِيرَةِ۔

پس میں نکلا تو میں نے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو پایا، سو میں ان کو لے کر آیا، سو انہوں نے شہادت دی کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اس کی دیت میں ایک غلام ہے یا ایک باندی ہے۔
ابن ابی الزناد نے اس کی متابعت اپنے والد سے کی ہے از عروہ از مغیرہ۔

(صحیح البخاری: ۶۹۰۵، ۶۹۰۷، ۶۹۰۸، ۷۳۱۷، صحیح مسلم: ۱۶۸۳، سنن ابوداؤد: ۴۵۷۰، سنن ابن ماجہ: ۲۶۴۰، مسند احمد: ۱۷۶۷۰)

صحیح البخاری: ۷۳۱۷، ۷۳۱۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں "املاص المرأة" کا ذکر ہے، اس کا معنی ہے: عورت کا پیٹ کے بچہ کو مردہ گرانا، اور یہ وہ عورت ہے جس کے پیٹ پر ضرب لگائی جائے۔

ایک سوال کا جواب

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: تم میں سے اس حدیث کو کس نے سنا ہے؟ اس پر یہ اعتراض ہے کہ خبرِ واحد حجت ہوتی ہے اور اس کے تقاضا پر عمل کرنا واجب ہوتا ہے، تو پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیوں حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ پر یہ لازم کیا کہ وہ گواہ لائیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تاکید کے لیے ہے تا کہ ان کا دل مطمئن ہو جائے۔ علاوہ ازیں ایک اور گواہ کے ساتھ مل جانے سے وہ حدیث خبرِ واحد سے نہیں نکلی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۷۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۱۴۔ بَابُ: قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ لَتَتْبَعُنَّ سَنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ

نبی ﷺ کے اس ارشاد کا بیان کہ تم اپنے سے پہلے لوگوں کے طریقوں کی ضرور پیروی کرو گے

۷۳۱۹۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنْ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضى الله عنهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَأْخُذَ أُمَّتِي بِأَخْذِ الْقُرُونِ قَبْلَهَا شِبْرًا بِشِبْرٍ وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ فَقِيلَ يَا رَسُولَ اللهِ كَفَارِسَ وَالرُّومِ فَقَالَ وَمَنْ النَّاسُ إِلَّا أُولَئِكَ۔

(مسند احمد: ۸۱۰۹)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن یونس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن ابی ذئب نے حدیث بیان کی از المقبری از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہو گی حتیٰ کہ میری امت پچھلے لوگوں کے طریقہ پر عمل کرے، ایک بالشت، بالشت کے برابر، اور ایک ہاتھ، ہاتھ کے برابر، پس عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! کیا مثل فارس اور روم کے؟ آپ نے فرمایا: لوگوں میں سے ان کے سوا اور کون ہیں؟

۷۳۲۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ حَدَّثَنَا أَبُو عُمَرَ الصَّنْعَانِيُّ مِنَ الْيَمَنِ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَتَتْبَعُنَّ سَنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ شِبْرًا شِبْرًا وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ حَتَّى لَوْ دَخَلُوا جُحْرَ ضَبٍّ تَبِعْتُمُوهُمْ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللهِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى قَالَ فَمَنْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن عبدالعزیز نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو عمر الصنعانی نے حدیث بیان کی از یمن از زید بن اسلم از عطاء بن یسار از حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: تم ضرور اپنے سے پہلے لوگوں کے طریقوں پر عمل کرو گے، ایک بالشت کو ایک بالشت کے برابر کرو گے اور ایک ہاتھ کو ایک ہاتھ کے برابر کرو گے حتیٰ کہ اگر وہ کسی گوہ کے سوراخ میں داخل ہوئے ہوں تو تم بھی ان کی پیروی کرو گے، ہم نے پوچھا: یا رسول اللہ! کیا وہ یہود و نصاریٰ ہیں؟ آپ نے فرمایا: پھر اور کون؟

(صحیح البخاری: ۳۴۵۶، ۷۳۲۰، صحیح مسلم: ۲۶۶۹، سنن ابن ماجہ: ۳۹۹۴، مسند احمد: ۱۱۳۹۱)

صحیح البخاری: ۷۳۱۹، ۷۳۲۰، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس باب کی احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ اس حدیث میں مذکور ہے ''لتتبعن سنن من کان قبلکم'' اس میں سین پر زبر ہے اور یہ سین پر پیش پڑھنے سے اولیٰ ہے کیونکہ بالشت اور ذراع صرف سَنَن میں استعمال ہوتے ہیں جس کا معنی ہے راستہ، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ خبر دی ہے کہ آپ کی امت قیامت کے وقوع سے پہلے نئے نئے نکالے ہوئے مسائل کی پیروی کرے گی اور بدعتوں کی اور گمراہ کرنے والی خواہشوں کی جیسا کہ فارس اور روم کی امتوں نے پچھلی امتوں کی پیروی کی حتیٰ کہ اکثر لوگوں کا دین متغیر ہو گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بہ کثرت احادیث میں اس پر متنبہ فرمایا ہے کہ آخر زمانہ شر ہے اور قیامت صرف بدترین مخلوق پر قائم ہوگی، اور بے شک دین خاص مسلمانوں کی وجہ سے قائم رہے گا جو دشمنوں سے نہیں ڈریں گے اور حق بات کہنے میں صرف اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھیں گے، اور دین کے صحیح راستہ پر چلتے رہیں گے۔

(شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۳۶۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۷۳۱۹، ۷۳۲۰، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، ان دونوں حدیثوں کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''شبرا بشبر و ذراعا بذراع'' اور دوسری روایت میں ہے ''شبراً شبراً و ذراعاً ذراعاً'' یعنی تم ایک ایک بالشت میں ان کی پیروی کرو گے اور ایک ایک ہاتھ میں ان کی پیروی کرو گے۔
اس حدیث میں مذکور ہے ''کفارس والروم'' ان دو امتوں کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت میں یہی دو امتیں مشہور تھیں، فارس کے ملک میں کسریٰ بادشاہ تھا اور روم کے ملک میں قیصر بادشاہ تھا۔ الاسماعیلی کی روایت میں مذکور ہے جیسا کہ فارس اور روم نے کیا تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''ومن الناس الا اولئك'' یعنی فارس اور روم کیونکہ وہ اس وقت روئے زمین پر سب سے بڑے بادشاہ تھے اور ان کی رعیت سب سے زیادہ تھی اور ان کے ملک سب سے وسیع تھے۔

حدیث مذکور کی تائید میں دیگر روایات اور اسلامی فرقوں کا بیان

امام طبرانی نے المستورد بن شداد سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ امت پہلوں کے طریقوں میں سے کسی چیز کو ترک نہیں کرے گی حتیٰ کہ اس طریقہ پر عمل کرے گی۔
اور امام شافعی نے سندِ صحیح کے ساتھ روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: تم ضرور اپنے سے پہلے لوگوں کے طریقوں پر سوار ہو گے خواہ وہ میٹھے ہوں یا کڑوے ہوں۔
حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

جن چیزوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈرایا ہے، ان میں سے بڑی چیزیں واقع ہو چکی ہیں اور باقی عنقریب واقع ہوں گی۔

دین میں اپنی عقل اور اپنی رائے سے کوئی بات کہنے کی مذمت

علامہ ابن عبدالبر نے کہا ہے: اس باب سے استدلال کیا گیا ہے کہ اپنی رائے سے کوئی بات کہنا مذموم ہے جب کہ اس کی کوئی اصل نہ ہو، اور ہشام بن عروہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے والد سے سنا کہ بنو اسرائیل کا معاملہ ہمیشہ درست رہا حتیٰ کہ ان میں ایسے بچے پیدا ہو گئے جو قیدیوں کے بیٹے تھے، پس انہوں نے اپنی رائے سے باتیں کہیں اور بنو اسرائیل کو گمراہ کر دیا، اور میرے والد یہ کہتے تھے "السنن السنن" کیونکہ سنن ہی دین کا قوام ہیں، اور اس سے مراد یہ ہے کہ لوگ رائے پر عمل کرتے تھے اور سنتوں پر عمل کرنے کو ترک کر دیتے تھے، انہوں نے کہا کہ یہود اور نصاریٰ نے اس علم کو چھوڑ دیا جو ان کے ہاتھوں میں تھا حتیٰ کہ رائے پر مستقل عمل کیا۔

اور ابن ابی خیثمہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ عرض کیا گیا: یارسول اللہ! نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا کب متروک ہو گا؟ آپ نے فرمایا: جب تم میں وہ چیزیں ظاہر ہو جائیں جو بنی اسرائیل میں ظاہر ہوئی تھیں، جب تمہارے اچھے لوگ مداہنت کریں اور برے لوگ فحش کلام کریں اور حکومت کمینوں کے ہاتھ میں ہو اور فقہ رذیلوں کے ہاتھ میں ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: دین کا فساد اس وقت ہو گا جب علم چھوٹوں کی طرف سے آئے اور بڑوں کا اس پر عمل کرنا مشکل ہو اور لوگوں کی فلاح اس وقت ہو گی جب علم بڑوں کی طرف سے آئے اور چھوٹے اس کی متابعت کریں۔ ابو عبید نے ذکر کیا کہ چھوٹوں سے مراد یہاں قدر اور مرتبت میں چھوٹے ہیں نہ کہ عمر میں چھوٹے۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۴۵۶۔۴۵۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حدیث مذکور کی تائید میں دیگر احادیث

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہود کے اکہتر فرقے ہوئے یا بہتر فرقے ہوئے، اور نصاریٰ کے فرقے بھی اس کی مثل ہیں، اور میری امت کے تہتر فرقے ہوں گے۔

(سنن ترمذی: ۲۶۴۰، مسند احمد ج ۲ ص ۳۳۲، کنز العمال: ۱۰۶۰)

نیز امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت پر ضرور وہ چیزیں آئیں گی جو بنی اسرائیل پر آئی تھیں برابر برابر، حتیٰ کہ اگر بنی اسرائیل میں سے کسی نے اپنی ماں کے ساتھ سرِ عام بدکاری کی ہو تو میری امت میں بھی ایسے لوگ ہوں گے جو ایسا کریں گے، اور بے شک بنی اسرائیل کی بہتر ملتیں تھیں اور میری امت کی تہتر ملتیں ہوں گی اور وہ سب دوزخ میں ہوں گی سوا ایک ملت کے، صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ! وہ کون سی ملت ہے؟ آپ نے فرمایا: جس پر میں اور میرے اصحاب ہیں۔ (امام ابو عیسیٰ نے کہا: یہ حدیث مفسر غریب ہے، ہم اس حدیث کو صرف اسی سند کے ساتھ پہچانتے ہیں)۔ (سنن ترمذی: ۲۶۴۱، اس حدیث کی روایت میں امام ترمذی منفرد ہیں)

حدیث میں مذکور بہتر فرقوں کا بیان

حافظ ابوبکر محمد بن عبداللہ بن محمد بن عبداللہ المعروف ابن العربی المالکی متوفی ۵۴۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام ترمذی نے لکھا ہے کہ پہلی حدیث صحیح حسن ہے اور دوسری حدیث مفسر غریب ہے۔

ہمارے علماء رحمہم اللہ نے فرقوں کی تعداد میں بیان کیا ہے کہ روافض کے بیس فرقے ہیں، خوارج کے بیس فرقے ہیں، قدریہ، معتزلہ کے بیس فرقے ہیں، اور مرجئہ کے سات فرقے ہیں، اور ایک فرقہ ضراریہ ہے، اور جہمیہ ہے، اور کرامیہ ہے، اور نجاریہ ہے اور ایک جہمیہ کا فرقہ دونوں بدعتوں کا جامع ہے، تو یہ بہتر فرقے ہیں، یہ تمام فرقے بدعتی ہیں جن کی وضاحت اور تعداد اور ان کے مقالات کا بیان الشیخ امام ابوالمظفر شاہبور الاصفہانی نے کیا ہے، تا کہ اہلِ سنت، اہلِ بدعت سے ممیز ہو جائیں۔

ان میں سے ایک فرقہ وہ ہے جو وہی کہتا ہے جو اللہ اور اس کے رسول نے کہا ہے اور قیاس کا بالکل انکار کرتا ہے۔

اور ان میں سے ایک فرقہ وہ ہے جو قیاس کو حدیث پر مقدم کرتا ہے اور یہ قدریہ کی ایک قسم ہے جیسا کہ پہلی جماعت خوارج کی ایک قسم ہے، پھر ان کی کئی فروع ہیں اور ابن حزم نے بھی قیاس کا انکار کیا ہے اور اس نے اپنے آپ کو ظاہر کی طرف منسوب کیا ہے اور داؤد بن علی کی اقتداء کی۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث سے مراد کو واضح فرمایا اور بندوں کے لیے فرقہ ناجیہ کا بیان کیا، اور یہ وہ فرقہ ہے جو ان عقائد پر ہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے عقائد تھے۔ (عارضۃ الاحوذی ج ۵ ص ۷۸۔۸۱ ملخصاً وملتقطاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اہلِ بدعت کے سات اصولی فرقے

شیخ محمد عبدالرحمن بن عبدالرحیم المبارک پوری متوفی ۱۳۵۳ھ لکھتے ہیں:

حدیث: ۲۶۴۱ کی سند میں عبدالرحمن بن زیاد الافریقی ہیں اور یہ ضعیف راوی ہیں اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی حدیث کو حاکم نے روایت کیا ہے۔

''المواقف'' میں بیان کیا گیا ہے کہ بدعت کے اصولی فرقے سات ہیں:

(۱) المعتزلہ: جو اس کے قائل ہیں کہ بندے اپنے اعمال کے خالق ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی رؤیت کا انکار کرتے ہیں اور ثواب اور عقاب کو واجب قرار دیتے ہیں اور ان کے بیس فرقے ہیں۔

(۲) الشیعہ: یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی محبت میں مبالغہ کرتے ہیں اور ان کے بائیس فرقے ہیں۔

(۳) الخوارج: جو متعدد صحابہ کو کافر قرار دیتے ہیں اور جو گناہ کبیرہ کرے اس کو بھی کافر قرار دیتے ہیں اور ان کے بیس فرقے ہیں۔

(۴) المرجئہ: یہ کہتے ہیں کہ ایمان لانے کے بعد گناہ کرنے سے کوئی ضرر نہیں ہوتا جیسے کفر کے ساتھ عبادت کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا، اور ان کے پانچ فرقے ہیں۔

(۵) النجاریہ: یہ اہلِ سنت کی اس بات میں موافقت کرتے ہیں کہ افعال اللہ تعالیٰ نے پیدا کیے ہیں، اور معتزلہ کی موافقت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی صفات کی نفی کرتے ہیں اور ان کے تین فرقے ہیں۔

(٦) الجبریہ: یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں: بندوں کا فعل کے اوپر کوئی اختیار نہیں ہوتا، ان کا ایک ہی فرقہ ہے۔
(٧) المشبّہہ: یہ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کو جسمیت میں مخلوق کے مشابہ قرار دیتے ہیں، ان کا بھی ایک فرقہ ہے۔
پس یہ بہتر فرقے ہیں اور یہ سب دوزخی ہیں اور نجات پانے والا فرقہ وہ اہل السنۃ البیضاء ہے۔
(تحفۃ الاحوذی ج ۷ ص ۴۳۶۔ ۴۳۷، ملخصاً وملتقطاً، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

ملت کی تعریف میں اقوال

ملا علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر طریقہ کو بطور وسعت کے ملت فرمایا، اور ملت کی تعریف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی زبانوں سے جو شریعت مقرر فرمائی تا کہ اس شریعت پر عمل کر کے لوگ اللہ عز وجل کا قرب حاصل کریں، اس شریعت کو ملت کہتے ہیں، کہا جاتا ہے ''ملت محمد صلی اللہ علیہ وسلم'' اسی طرح دوسرے انبیاء کی طرف ملت کی اضافت کی جاتی ہے، پھر اس کا مجازاً استعمال باطل ملتوں میں بھی کیا گیا، کیونکہ جب ان کے فرقے بہت عظیم ہو گئے اور ہر فرقہ نے دوسرے فرقہ کے خلاف طریقہ اختیار کیا تو گویا یہ بھی دین میں ایک فرقہ بن گیا۔
دوسرا قول یہ ہے کہ ہر اس فعل اور قول کو ملت کہتے ہیں جس پر جماعت کا اجتماع ہو گیا ہو، اور کبھی یہ حق ہوتی ہے اور کبھی باطل۔
اور اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ ہر فرقہ دین میں ایسے طریقہ کو اختیار کرے گا جو دوسرے طریقہ کے مخالف ہوگا،، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اپنے اپنے طریقوں میں بدعتوں کو داخل کر لیں گے، پھر یہ کہا گیا ہے کہ آپ نے جو فرمایا ''میری امت کے تہتر فرقے ہوں گے'' اس سے مراد امتِ دعوت ہے، پس اس میں وہ تمام ملتیں داخل ہو جائیں گی جو ہمارے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز نہیں پڑھتیں، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد امتِ اجابت ہو، اور یہ تہتر ملتیں ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرنے والی ہوں، اور یہ دوسرا قول زیادہ ظاہر ہے۔ اور الابہری نے نقل کیا ہے کہ اکثر کے نزدیک اس حدیث میں امت سے مراد امتِ اجابت ہے۔

بہتّر فرقوں کے دوزخی ہونے کی تفصیل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ سب دوزخ میں ہیں، پس ان میں سے جو کفار کے عقائد پر ہوں تو وہ دائماً دوزخ میں رہیں گے، اور جو ان میں سے بدعتی ہوں وہ دوزخ کے مستحق تو ہوں گے مگر اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرما دے گا۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نجات پانے والا فرقہ وہ ہے جو میری سنت پر عمل کرے گا اور میرے بعد خلفاء راشدین کی سنت پر عمل کرے گا اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہی لوگ اہل السنۃ والجماعۃ ہیں، یہ چیز اجماع سے معلوم ہوئی ہے، پس جس پر اہلِ اسلام کا اجماع ہو وہ حق ہے اور اس کا ماسوا باطل ہے۔

شریعت، طریقت اور حقیقت کے معانی

اور نجات یافتہ فرقہ وہ ''اهل السنة البيضاء المحمديه والطريقة النقية الاحمديه'' ہیں، ان کا ایک ظاہر ہے جس کو شریعت کہا جاتا ہے اور یہ عام لوگوں کے لیے ہے، اور ایک باطن ہے جس کو طریقت کہا جاتا ہے، یہ خاص لوگوں کے لیے ہے، اور

اس کا خلاصہ الحقیقۃ کہا جاتا ہے، یہ اخص الخواص کے لیے ہے، پس پہلا جسم کا حصہ ہے اور دوسرا دلوں کا حصہ ہے یعنی علم اور معرفت، اور تیسرا روحوں کا حصہ ہے جو مشاہدہ کرتے ہیں۔

علامہ القشیری نے کہا ہے: شریعت اس چیز کو کہتے ہیں جس میں عبودیت کا التزام کیا جائے اور حقیقت اس کو کہتے ہیں جس میں ربوبیت کا مشاہدہ کیا جائے، پس ہر وہ شریعت جو حقیقت سے مؤید نہ ہو وہ غیر مقبول ہے، اور ہر وہ حقیقت جو شریعت سے مقید نہ ہو وہ غیر محصول ہے۔ (المرقاۃ ج ۱ ص ۴۱۸۔۴۱۹، المکتبۃ الحقانیہ، پشاور)

حدیث مذکور میں امت سے مراد امتِ دعوت ہے یا امت اجابت؟

علامہ شرف الدین حسین بن محمد بن عبداللہ طیبی متوفی ۷۴۳ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں امت سے مراد وہ ہے جس کو اہلِ قبلہ میں سے دعوت کا دائرہ شامل ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کی اضافت اپنی طرف کی ہے، تو اس سے مراد اہلِ قبلہ ہیں۔ اور اگر اس سے مراد امتِ دعوت ہو تو یہ بھی ہو سکتا ہے۔

کفر ملتِ واحدہ ہے، اور اس حدیث میں ان کے بہتّر فرقے ذکر کیے ہیں یعنی ہر ایک کا دین دوسرے کے دین کے خلاف ہوگا تو ان کو مجازاً ملت فرمایا ہے، اور جب ملت کو اہلِ قبلہ پر محمول کیا جائے تو حدیث میں جو ہے کہ ''وہ سب دوزخ میں ہیں'' اس کا معنی یہ ہے کہ وہ ایسے برے کام کریں گے جن کی وجہ سے ان کو دوزخ میں ڈالا جائے گا، یا معنی یہ ہے کہ وہ اپنے گناہوں کے سبب سے دوزخ میں داخل ہوں گے، پھر جن کی بدعت کفر تک نہیں پہنچی ہے، ان کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے دوزخ سے نکال دے گا۔

(شرح الطیبی ج ۱ ص ۳۳۵۔۳۳۶، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، ۱۴۱۳ھ، کراچی)

اسلامی فرقوں اور صحیح عقائد و نظریات کے متعلق مصنف کی تحقیق

ہماری تحقیق یہ ہے کہ خوارج، معتزلہ اور مرجئہ مُردہ مذاہب ہیں، اب ان ناموں کا کوئی مذہب نہیں ہے، البتہ ہمارے دور میں غیر مقلدین، دیوبندی اور شیعہ ہیں، جن مسائلِ اعتقادیہ میں ان فرقوں کو شبہات واقع ہوئے اور انہوں نے دلائل سے اپنی رائے کو حق سمجھا اور ان شبہات کو دور کرنے کے لیے علماءِ اہلِ سنت نے جو دلائل پیش کیے ہیں وہ ان تک نہیں پہنچ سکے، وہ کفر کے حکم میں داخل نہیں ہیں، یا جن لوگوں تک وہ دلائل پہنچ گئے لیکن ان دلائل سے ان کا شرحِ صدر نہیں ہو سکا اور ہنوز ان کے شبہات باقی رہے وہ بھی معذور ہیں، لیکن جن لوگوں پر حجت تمام ہوگئی اور وہ محض کج بحثی اور ہٹ دھرمی سے اپنے باطل موقف پر ڈٹے رہے، تو اگر ان کا موقف کسی کفر کو مستلزم ہے تو وہ دائماً دوزخ میں رہیں گے، اور اگر ان کا موقف کسی گمراہی کو مستلزم ہے تو وہ دوزخ میں دخول کے مستحق ہیں الا یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرما دے، مثلاً جو شیعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی الوہیت کے معتقد ہیں، یا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو انبیاء علیہم السلام سے افضل قرار دیتے ہیں، یا جو وحی لانے میں حضرت جبریل علیہ السلام کی خطاء کے قائل ہیں، یا جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بدکاری کی تہمت لگاتے ہیں، یا جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صحابیت کا انکار کرتے ہیں، یا جو یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد چھ صحابہ کے علاوہ سب صحابہ مرتد ہو گئے تھے، سو یہ سب کافر ہیں، اور جو خلفاءِ ثلاثہ کو مفضول کہتے ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان سے افضل قرار دیتے ہیں ان کا یہ حکم نہیں ہے، اور جو صحابہ پر سب و شتم کرتے ہیں وہ کافر نہیں ہیں لیکن بدترین فسق اور گمراہی میں مبتلا ہیں۔

اسی طرح اس زمانہ میں غیر مقلدین ہیں، یہ لوگ تقلید کا انکار کرتے ہیں اور یا رسول اللہ کہنے کو شرک قرار دیتے ہیں، ان میں سے

بعض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی (قبرِ انور میں) حیات کے منکر ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مطلقاً علمِ غیب کے قائل نہیں ہیں، اور غیر اللہ سے استمداد اور استغاثہ کو شرک قرار دیتے ہیں، اور محافلِ میلاد اور ایصالِ ثواب کی مجالس کو بدعت سیئہ قرار دیتے ہیں، ان کے علاوہ دیوبندی ہیں، یہ فقہی مسائل میں امام ابوحنیفہ کی تقلید کرتے ہیں، لیکن ان کے دیگر عقائد وہی ہیں جو غیر مقلدین کے عقائد ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور آپ کی حیات شہداء کی حیات سے افضل ہے، اسی طرح تمام انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے ان کو قبروں سے باہر لے آتا ہے جیسے واقعہ معراج میں انبیاء علیہم السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز پڑھی، اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم فضیلت ہے اور اس کا انکار گمراہی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطلقاً علمِ غیب کا انکار کرنا قرآن مجید کا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار ہے، لیکن یہ لوگ تاویل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم غیب وہی ہے جو آپ کو وحی سے دیا گیا، البتہ وسعتِ علم اور علمِ کلی میں ان کا اہلِ حق سے اختلاف ہے، سو اس وجہ سے ان کو کافر نہیں قرار دیا جائے گا، اسی طرح غیر اللہ سے استمداد اور استغاثہ کرنا مطلقاً شرک نہیں ہے، البتہ جو اللہ کے غیر کو مستقل سمجھ کر اس سے مدد طلب کرے تو یہ چیز ضرور شرک ہے لیکن عام مسلمان ایسا نہیں سمجھتے، سو اس وجہ سے بھی ان کو کافر نہیں قرار دیا جائے گا، اور غیر مقلدین اور علماءِ دیوبند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے میلاد منانے کو اور سوئم اور چالیسویں میں ایصالِ ثواب کی مجالس کو بدعتِ محرمہ قرار دیتے ہیں، سو یہ ان کی فکری غلطی ہے لیکن اس وجہ سے بھی ان کو کافر نہیں قرار دیا جائے گا۔

اولیاءِ کرام اور مقبولانِ بارگاہِ الوہیت کے وسیلہ سے دعا کرنا مستحب ہے، لیکن اپنی دینی اور دنیاوی ضروریات میں ان کو پکارنا اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان سے مدد طلب کرنا صحیح نہیں ہے۔

امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سواری پر بیٹھا ہوا تھا تو آپ نے فرمایا: اے لڑکے! میں تمہیں چند کلمات کی تعلیم دیتا ہوں، تم اللہ کو یاد رکھو اللہ تمہیں یاد رکھے گا، تم اللہ کو یاد رکھو تم اسے اپنے سامنے پاؤ گے، جب تم سوال کرو تو اللہ سے سوال کرو، اور جب تم مدد طلب کرو تو اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرو۔

(سنن ترمذی: ۲۵۱۶، مسند احمد ج ۱ ص ۲۹۳)

اولیاء اللہ کے مزارات کی زیارت کرنا مستحب ہے، وہاں قرآن مجید کی تلاوت کر کے ان کو ایصالِ ثواب کیا جائے اور ان کے وسیلہ سے اپنے لیے دعا کی جائے لیکن سوال صرف اللہ تعالیٰ سے کیا جائے، بعض ان پڑھ لوگ مزارات پر سجدہ کرتے ہیں اور صاحبِ قبر کو پکارتے ہیں اور اپنی حاجات اور مشکلات میں ان سے مدد طلب کرتے ہیں، یہ صحیح نہیں ہے۔

اس لیے ہر مشکل میں اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنی چاہیے اور ہر مصیبت میں اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرنی چاہیے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت طلب کرنی چاہیے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل بیان کرنے میں حد سے تجاوز نہ کیا جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم اور آپ کی قدرت کو اللہ تعالیٰ کے علم اور قدرت کے مساوی نہ بیان کیا جائے، چہ جائیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم اور قدرت کو اللہ تعالیٰ کے علم اور قدرت سے زیادہ بیان کیا جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنا واجب ہے لیکن سب سے زیادہ محبت اللہ تعالیٰ سے کی جائے، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (البقرہ:۱۶۵) اور جو لوگ ایمان لا چکے ہیں، وہ سب سے زیادہ اللہ سے محبت کرنے والے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو احکام بیان کیے ہیں ان کی اطاعت کی جائے اور آپ کی سنتوں پر عمل کیا جائے اور آپ پر محبت سے زیادہ سے زیادہ درود شریف پڑھا جائے اور درود شریف میں اور صلوٰۃ وسلام میں آپ کے مبارک نام کے ساتھ آپ کے بہترین القاب ذکر کیے جائیں مثلاً رحمۃ للعالمین، خاتم النبیین، اکرم الاولین والآخرین، شفیع المذنبین، ایسے اوصاف ذکر کر کے آپ پر صلوٰۃ وسلام پڑھا جائے اور خصوصاً جمعہ کے دن زیادہ سے زیادہ آپ پر صلوٰۃ وسلام پڑھا جائے۔

بعض غیر مقلد اور دیوبندی علماء نے اپنی تصنیفات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شدید توہین کی ہے جس کی تفصیل اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی نے ''حسام الحرمین'' میں بیان کی ہے، سو جو لوگ ان توہین آمیز عبارات پر مطلع ہو کر اور وجہِ کفر کو جان کر ان عبارات کو صحیح قرار دیتے ہیں اور ان کے مؤلفین کی تعظیم کرتے ہیں، ان پر بھی کفر کا حکم لاگو ہوگا اور جو لوگ ان عبارات پر مطلع نہیں ہیں، نہ ان عبارات کے معانی اور مطالب سے واقف ہیں اور جن کتابوں میں یہ عبارات ہیں مثلاً تحذیر الناس، براہینِ قاطعہ اور حفظ الایمان، اب یہ کتابیں عام طور پر دستیاب نہیں ہیں، اگرچہ یہ اردو زبان میں لکھی ہوئی ہیں لیکن ان کی زبان بہت مشکل ہے عام لوگ اس کو سمجھ نہیں سکتے، اس لیے جو دیوبندی ان عبارات کے معتقد نہیں ہیں تو ان پر کفر کا حکم نہیں ہے اور رہے اس زمانہ میں مرزائیہ خواہ وہ لاہوری گروپ ہو یا قادیانی، اسی طرح ذکری اور بہائی لوگ تو ہم ان کو اسلامی فرقوں میں شمار نہیں کرتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت کو ماننا ہمارے ایمان کا جزو ہے، اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام مخلوقات سے زیادہ علم عطا فرمایا ہے، اس کے باوجود آپ عالم الغیب نہیں ہیں، آپ کا علم سمندر ہے اور تمام مخلوقات کا علم اس کے مقابلہ میں ایک قطرہ ہے اور آپ کا علم اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں ایسا بھی نہیں ہے جیسے قطرہ سمندر کے مقابلہ میں ہوتا ہے، کیونکہ قطرہ کی سمندر کی طرف نسبت متناہی کی متناہی کی طرف نسبت ہے اور آپ کے علم کی اللہ تعالیٰ کے علم کی طرف نسبت متناہی کی غیر متناہی کی طرف نسبت ہے، اللہ تعالیٰ کا علم واجب اور قدیم ہے اور ممتنع الزوال ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم ممکن اور حادث ہے اور اس کا زوال ممکن ہے، اللہ تعالیٰ کو ایک ذرہ کا علم بھی غیر متناہی وجوہ سے ہوتا ہے، سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم ایک ذرہ میں بھی اللہ تعالیٰ کے علم کے مساوی نہیں ہے، اور ہر چیز کا ہر وقت علم ہونا یہ اللہ تعالیٰ ہی کی شان ہے اور بعض اوقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم کے باوجود کسی چیز کی طرف توجہ نہیں رہتی اور اللہ تعالیٰ کبھی کسی چیز سے غافل نہیں ہوتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انگلی کے اشارہ سے چاند کو شق کرنا اور سورج کو پلٹانا آپ کے عظیم معجزات میں سے ہیں، لیکن چاند کو شق کرنے والا اور سورج کو پلٹانے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے، اور آپ کے تمام معجزات درحقیقت اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے ہیں، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایسی فضیلت بیان کرنے سے احتراز کرنا چاہیے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم اور آپ کی قدرت کی اللہ تعالیٰ کے علم اور قدرت پر برتری یا مساوات کا شبہ پیدا ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کی مخلوق ہیں، اور اس کے محتاج ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام مخلوق میں سب سے زیادہ فضیلت عطا فرمائی ہے، آپ کو اپنا محبوب بنایا ہے اور تمام رسولوں کا سردار بنایا ہے، اور آپ کے سر پر شفاعتِ کبریٰ اور دیگر شفاعتوں کا تاج رکھا ہے، سو آپ کی شفاعت کا عقیدہ بھی برحق ہے اور رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کلی طور پر اللہ تعالیٰ کے اذن سے شفاعت فرمائیں گے اور بعض جزوی صورتوں میں آپ محبت اور وجاہت سے بھی شفاعت فرمائیں گے، اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے آپ کی شفاعت کو قبول فرمائے گا، اللہ تعالیٰ ہمیں آپ کی شفاعت سے عظیم حصہ عطا فرمائے اور ہمیں مسلکِ اعتدال پر قائم رکھے۔

میں نے اپنی زندگی میں جو قرآنِ مجید، احادیث اور تفاسیر کا مطالعہ کیا ہے اس سے یہی سمجھا ہے جس کو میں نے اوپر بیان کردیا ہے، اس میں جو کچھ صحیح ہے وہ اللہ تعالیٰ کی عطاء اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان سے ہے اور اگر اس میں کوئی غلطی ہے تو یہ میرے مطالعہ کی کمی اور فہم نارسا کی وجہ سے ہے، اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بری ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں اسلام پر قائم رکھے اور ایمان پر ہمارا خاتمہ فرمائے اور قیامت کے دن ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے حظ وافر عطا فرمائے اور اپنے فضل وکرم سے ہمیں دنیا اور قبر کے عذاب سے اور آخرت میں قیامت کی ہولنا کیوں سے اور حشر کی سختیوں سے محفوظ اور مامون رکھے۔ آمین یا رب العالمین بجاہ حبیبك سید المرسلین، خاتم النبیین رحمۃ للعالمین، شفیعنا یوم الدین علیه وعلیٰ آله واصحابه وازواجه وذریته الف الف صلوات وتسلیمات۔

۱۵۔ بَابُ إِثْمِ مَنْ دَعَا إِلَى ضَلَالَةٍ أَوْ سَنَّ سُنَّةً سَيِّئَةً

جس نے گمراہی کی طرف بلایا یا جس نے کسی برے طریقہ کو ایجاد کیا، اس کے گناہ کا بیان

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو شخص لوگوں کو کسی گمراہی کی طرف بلائے، اس کا کتنا گناہ ہوگا؟ اور امام بخاری کی مراد یہ ہے کہ اس کے بلانے سے جو لوگ گمراہی کا ارتکاب کریں گے ان سب کا گناہ گمراہی کی طرف بلانے والے کو بھی ہوگا، اس سلسلہ میں درج ذیل حدیث ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کسی ہدایت کی طرف بلایا تو اس کے بلانے پر جو لوگ اس ہدایت پر عمل کریں گے ان کے اجر کی مثل بھی اس شخص کو ملے گی، اور ان لوگوں کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ اور جس نے کسی گمراہی کی طرف بلایا تو اس گمراہی کے راستہ پر جو چلیں گے تو ان کے گناہوں کی مثل اس شخص کو ملے گی جس نے بلایا تھا اور ان کے گناہوں میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ اس حدیث کی امام مسلم نے اور امام ابوداؤد نے اور امام ترمذی نے روایت کی ہے۔

اسی طرح دوسری حدیث ہے:

امام مسلم روایت کرتے ہیں: جس نے اسلام میں کسی نیک طریقہ کی بنیاد رکھی اس کو اس کا اجر ملے گا، اور جو اس پر عمل کریں گے ان کا اجر بھی اس کو ملے گا، اور ان کے اجور میں بالکل کوئی کمی نہیں ہوگی، اور جس نے اسلام میں کسی برے طریقہ کی بنیاد رکھی تو اس کو اس کا گناہ ہوگا اور جو اس طریقہ پر عمل کریں گے ان کا گناہ بھی اس کو ہوگا اور ان لوگوں کے گناہوں سے کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۸۰۔۸۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

امام بخاری نے اس عنوان کے ثبوت میں درج ذیل تعلیق لکھی ہے:

لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى: لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ۔ (النحل:۲۵)

تا کہ یہ قیامت کے دن اپنے (گناہوں کے) مکمل بوجھ اٹھائیں، اور ان لوگوں کے بوجھ بھی جن کو یہ بغیر علم کے گمراہ کر رہے ہیں۔

النحل:۲۵ کی تفسیر از مصنف

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نبوت پر قرآن مجید کو بطورِ معجزہ پیش فرمایا، مشرکین نے اس پر یہ شبہ پیش کیا کہ یہ تو پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں، امام ابن جریر نے لکھا ہے کہ کفار مکہ کے راستوں پر بیٹھ جاتے تھے اور باہر سے آنے والے قرآنِ عظیم کے متعلق سوال کرتے تو وہ کہتے کہ اس میں تو پہلے لوگوں کے قصے ہیں۔ (جامع البیان:۱۶۲۷۷)

اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ جب مشرکین لوگوں کو قرآنِ عظیم کے متعلق گمراہ کرتے ہیں اور ان کو اسلام لانے سے روکتے ہیں تو ان پر ان کے اپنے کفر پر قائم رہنے کے گناہ کا بوجھ بھی ہوگا اور جو لوگ ان کے گمراہ کرنے کی وجہ سے اسلام نہیں لائیں گے، ان کے کفر کے گناہ کا بوجھ بھی ان پر ہوگا، چونکہ جو شخص کسی کے گناہ کا سبب ہوتا ہے تو اس کے گناہ کا بوجھ بھی اس شخص پر ہوتا ہے اور اس سے دوسرے شخص کے گناہ میں کوئی کمی نہیں ہوتی، کیونکہ پہلے شخص کے دو جرم ہیں، ایک تو اس نے خود گناہ کا کام کیا ہے اور دوسرا جرم یہ ہے کہ اس نے دوسرے لوگوں کو اس گناہ کی طرف رہنمائی کی، سو اس کو گناہ کے کام کا عذاب بھی ہوگا اور گناہ کا راستہ دکھانے کا عذاب بھی ہوگا، اور جتنے لوگوں کو وہ گناہ کا راستہ دکھائے گا، ان سب کے گناہ کا سبب بنے گا، اور ان سب کے گناہوں کے سبب بننے کی وجہ سے اس کو ان سب کے عذاب کی مثل عذاب ہوگا، اور اس کی رہنمائی سے جو گناہ کریں گے ان کو صرف اپنے گناہ کا عذاب ہوگا، اس لیے اب یہ اعتراض نہیں ہوگا کہ دوسروں کے فعل کا اس کو عذاب کیوں ہوگا، کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى (الزمر:۷) اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

جو شخص کسی کام کا سبب ہو تو اس سبب سے جو لوگ بعد میں اس کام کو کریں گے، ان کے عمل میں اس شخص کا بھی حصہ ہوگا جو اس کام کا سبب تھا خواہ وہ کام اچھا ہو یا برا ہو۔

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

نیک کاموں کی ابتداء کرنا مستحب ہے اور برے کاموں کی ابتداء کرنا حرام ہے، اور جو شخص ابتداءً کوئی نیک کام کرے یا کسی نیک کام کے طریقہ کو ایجاد کرے خواہ وہ علم کی تعلیم ہو یا عبادت یا ادب کا کام ہو یا اس کے سوا کوئی چیز ہو تو اس کو اپنے متبعین کی نیکیوں کا اجر بھی ملے گا، اور جو شخص کسی برے کام یا طریقہ کی ابتداء کرے تو اس کو اپنے پیروکاروں کے برے کاموں کا عذاب بھی ہوگا۔

(صحیح مسلم بشرح النووی ج ۱۰ ص ۶۷۵۰، نزار مصطفی الباز، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

عبادت میں کسی نیک کام کو ایجاد کرنے کی مثال یہ حدیث ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز کے وقت حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے بلال! یہ بتاؤ کہ تم نے اسلام میں ایسا کون سا عمل کیا ہے جس کے اجر کی تم کو سب سے زیادہ توقع ہے؟ کیونکہ میں نے جنت میں اپنے آگے

تمہاری جوتیوں کی آواز سنی ہے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کہا: میرے نزدیک میرے جس عمل کے اجر کی زیادہ توقع ہے وہ یہ ہے کہ میں دن اور رات میں جب بھی وضو کرتا ہوں تو اس وضو سے جتنی نماز میرے لیے مقدر کی گئی ہے میں وہ نماز پڑھتا ہوں۔

(صحیح البخاری: ۱۱۴۹، صحیح مسلم: ۲۴۵۸، السنن الکبریٰ للنسائی: ۸۲۳۶)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ اپنے اجتہاد سے نفلی عبادت کا وقت معین کرنا جائز ہے، کیونکہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اپنے اجتہاد سے ہر وضو کے بعد نماز پڑھنے کا وقت معین فرمایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تصویب فرمائی اور تصحیح فرمائی۔

علامہ ابن جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ، نے فرمایا: اس حدیث میں اس پر ترغیب دی ہے کہ ہر وضو کے بعد نماز پڑھی جائے تاکہ وضو اپنے مقصود سے خالی نہ رہے۔

اور علامہ المہلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ نے کہا: اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ بندہ اپنے جس عمل کو مخفی رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس عمل پر بہت عظیم جزاء عطا فرماتا ہے، اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ صالحین کو اللہ تعالیٰ جن اعمالِ صالحہ کی ہدایت دیتا ہے، ان سے ان اعمال کے متعلق سوال کرنا چاہیے تاکہ دوسرے لوگ اس عمل میں ان کی اقتداء کر سکیں۔

(فتح الباری ج ۳ ص ۳۴، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور ۱۴۰۱ھ)

ہر وضو کے بعد نماز پڑھنے کو سنت بلال کہتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تحسین فرمائی اور قیامت تک جتنے مسلمان ہر وضو کے بعد نماز پڑھنے کو معمول بنائیں گے ان کے اجر و ثواب سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حصہ ملتا رہے گا، اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جماعت کے ساتھ تراویح پڑھنے کے طریقہ کی ابتداء کی اور قیامت تک جتنے مسلمان جماعت کے ساتھ تراویح پڑھتے رہیں گے ان کے ان اعمال سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حصہ ملتا رہے گا۔

اسی طرح جس نے ریس کورس میں جوئے کی ابتداء کی تو جتنے لوگ بھی ریس کورس میں جوا کھیل کر گھوڑے دوڑاتے رہیں گے ان کے اس جوئے کا گناہ اس کے ایجاد کرنے والے کے نامۂ اعمال میں لکھا جاتا رہے گا، اسی طرح جس نے سینما کو ایجاد کیا اور فلم بینی کی بنیاد رکھی اور اس کی فروعات میں سے VCR ہے اور کیبل ہے اور انٹرنیٹ سے فلموں کو دیکھنا ہے اور ڈش انٹینا ہے اور موبائل پر فلموں کو ڈاؤن لوڈ کر کے ان کو دیکھنا ہے، اسی طرح عریاں فلموں کو دیکھا جاتا ہے جن کو بلو فلمیں کہتے ہیں، ان تمام قسم کی فلموں کو دیکھنے والوں کا گناہ اس شخص کو بھی ہوگا جس نے فلم بنانے کی ایجاد کی اور ان دیکھنے والوں کے گناہ میں کوئی کمی نہیں ہوگی، اسی طرح آلاتِ موسیقی کو جس نے ایجاد کیا تو بعد میں جو لوگ ان آلاتِ موسیقی سے موسیقی کو سنیں گے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کو ترک کر کے اس میں مشغول رہیں گے ان کے گناہوں میں سے اس کے موجد کو بھی حصہ ملے گا، اسی طرح نشہ کی مختلف اقسام ہیں اور جدید قسم کے حصولِ نشہ کے طریقے ہیں، ہیروئن ہے اور اس کی مثل دوسری مضرِ صحت چیزیں ہیں تو جتنے لوگ ان طریقوں سے نشہ حاصل کریں گے ان کے گناہوں میں ان کے موجد کا بھی حصہ ہوگا اور ان کے گناہوں کے عذاب میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔

۷۳۲۱۔ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُرَّةَ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَبْدِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں الحمیدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث

اللہِ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَيْسَ مِنْ نَفْسٍ تُقْتَلُ ظُلْمًا إِلَّا كَانَ عَلَى ابْنِ آدَمَ الْأَوَّلِ كِفْلٌ مِنْهَا وَرُبَّمَا قَالَ سُفْيَانُ مِنْ دَمِهَا لِأَنَّهُ أَوَّلُ مَنْ سَنَّ الْقَتْلَ أَوَّلًا۔

بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی از عبداللہ بن مرۃ از مسروق از حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس شخص کو بھی ظلماً قتل کیا جائے گا اس کے گناہ میں سے ایک حصہ پہلے ابن آدم کا ہوگا، اور بسا اوقات سفیان نے کہا: اس کے خون میں سے ایک حصہ ہوگا، کیونکہ وہ پہلا شخص تھا جس نے قتل کے طریقہ کو ایجاد کیا۔

(صحیح البخاری: ۳۳۳۵، ۶۸۶۷، ۷۳۲۱، صحیح مسلم: ۱۶۷۷، سنن ترمذی: ۲۶۷۳، سنن نسائی: ۳۹۸۵، سنن ابن ماجہ: ۲۶۱۶)

صحیح البخاری: ۷۳۲۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں برے طریقہ کی ایجاد کرنے والے کے گناہ کو بیان کیا گیا ہے اور وہ طریقہ کسی کو قتل کرنا ہے۔

پہلے ابنِ آدم سے مراد ہے قابیل، جس نے ہابیل کو قتل کر کے قتل کے طریقہ کی ابتداء کی، اور یہ اس دنیا میں پہلا قتل تھا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۸۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

اور السدی سے منقول ہے کہ قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کے سر پر ایک پتھر مارا جس سے وہ فوت ہو گیا، اور ابن جریج سے روایت ہے کہ ابلیس ان کے سامنے کسی مثال میں آیا اور اس نے ایک پتھر کو پکڑ کر کسی پرندے کے سر پر مارا تو قابیل نے بھی اسی طرح وہ پتھر ہابیل کے سر پر مارا، اور یہ واقعہ جبلِ ثور پر ہوا تھا، دوسرا قول یہ ہے کہ حراء کے پیچھے ہوا تھا، تیسرا قول یہ ہے کہ ہند میں ہوا تھا، چوتھا قول یہ ہے کہ بصرہ کی ایک بڑی مسجد کی جگہ ہوا تھا، اور ان کے دفن کا وہ قصہ ہے جو قرآن میں بیان کیا گیا ہے۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۱۰۔۱۱، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ المہلب مالکی نے بیان کیا ہے: اس حدیث میں اور اس سے پہلی حدیث میں گناہوں کے ارتکاب سے ڈرایا ہے اور بدعات کے ارتکاب اور دین میں نئے نئے طریقے ایجاد کرنے سے اجتناب کا حکم دیا ہے اور مومنین کے طریقہ کی مخالفت سے منع کیا ہے اور ڈرانے کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص کسی بدعت کی بنیاد رکھتا ہے تو وہ شروع میں اس کو آسان سمجھتا ہے اور اس کو پتا نہیں ہوتا کہ اس کے اوپر کیا مفاسد مرتب ہوں گے، اور وہ یہ ہے کہ جو بھی اس بری بدعت پر عمل کرے گا اس کا گناہ اس بدعت کے ایجاد کرنے والے کو ہوگا۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۴۵۷، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۱۶۔ بَابُ: مَا ذَكَرَ النَّبِيُّ ﷺ وَحَضَّ عَلَى اتِّفَاقِ أَهْلِ الْعِلْمِ وَمَا أَجْمَعَ عَلَيْهِ الْحَرَمَانِ مَكَّةُ وَالْمَدِينَةُ وَمَا كَانَ بِهَا مِنْ مَشَاهِدِ النَّبِيِّ ﷺ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَمُصَلَّى النَّبِيِّ ﷺ وَالْمِنْبَرِ وَالْقَبْرِ

نبی ﷺ نے جو ذکر کیا اور اہلِ علم کے اتفاق پر برانگیختہ کیا اور جس پر اہلِ حرمین یعنی اہلِ مکہ اور اہلِ مدینہ متفق ہوں، اور مکہ اور مدینہ کے درمیان نبی ﷺ کے جو مشاہد ہیں اور مہاجرین اور انصار ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی نماز پڑھنے کی جگہ اور منبر اور قبر کا بیان

بابِ مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اجماع کی تحقیق

علامہ کرمانی نے کہا ہے: اربابِ حل وعقد کے اتفاق کو اجماع کہتے ہیں، اربابِ حل وعقد سے مراد ہیں سیدنا محمد ﷺ کی امت کے مجتہدین جو امورِ دینیہ میں سے کسی امر پر متفق ہو گئے ہوں، اور صرف حرمین طیبین کے یعنی اہلِ مکہ اور اہلِ مدینہ کے مجتہدین کا اتفاق جمہور کے نزدیک اجماع نہیں ہے، امام مالک نے کہا: اہلِ مدینہ کا اجماع حجت ہے، انہوں نے کہا کہ امام بخاری کی یہ عبارت اس کی خبر دیتی ہے کہ اہلِ حرمین دونوں کا اتفاق اجماع ہے۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں: میں کہتا ہوں: امام بخاری نے اہلِ حرمین کے اتفاق کی ترجیح کا ارادہ کیا ہے، ان کے اجماع کا دعویٰ نہیں کیا، اور جب صرف اہلِ مدینہ کا کسی مسئلہ پر اتفاق ہو تو امام مالک اور ان کے متبعین نے اس کو بھی اجماع قرار دیا ہے اور جب اہلِ مکہ بھی ان کی موافقت کرلیں تو یہ بطریقِ اولیٰ اجماع ہے۔

اور علامہ ابن التین نے از سحنون نقل کیا ہے کہ اہلِ مکہ اور اہلِ مدینہ دونوں کا اتفاق ہو تو اجماع ہے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کی مخالفت کی ہے اور کہا ہے کہ اس کو اجماع نہیں کہا جائے گا، اور یہ اس پر مبنی ہے کہ نادر مخالفت بھی اجماع کے ثبوت میں مؤثر ہوتی ہے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۳۶۰، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اجماع کا بیان

جب کسی زمانہ کے اہلِ علم کا کسی قول پر اتفاق ہو جائے حتیٰ کہ وہ سب اہلِ علم رخصت ہو جائیں اور ان میں سے کسی نے اس قول میں اختلاف نہ کیا ہو تو وہ اجماع ہے، اور اس میں اختلاف ہے کہ جب صحابہ کا کسی مسئلہ میں اختلاف ہو، پھر صحابہ کے بعد ان کے اقوال میں سے کسی ایک قول پر بعد کے لوگوں کا اتفاق ہو جائے تو آیا یہ اجماع ہوگا یا نہیں؟ اور صحیح یہ ہے کہ یہ اجماع نہیں ہے اور

اس میں بھی اختلاف ہے کہ جب ایک مجتہد جماعت کے مخالف ہو تو کیا اس کی مخالفت اجماع میں مؤثر ہوگی، اسی طرح دو کی اور تین کی عددِ کثیر میں سے؟ سو اس میں اختلاف ہے۔

امام بخاری نے اس عنوان میں ذکر کیا ہے: جس پر حرمان متفق ہوں، پھر مکہ اور مدینہ کا ذکر کیا یعنی احد الحرمین مکہ ہے اور دوسرا مدینہ ہے۔ امام بخاری کی مراد یہ ہے کہ جب اہلِ حرمین میں سے صحابہ کسی مسئلہ پر متفق ہوں اور کوئی صحابی اس کی مخالفت نہ کرے تو وہ اجماع ہے، اسی طرح علامہ ابن التین نے قید لگائی ہے، پھر علامہ سحنون سے یہ نقل کیا ہے کہ جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اہلِ مدینہ سے اختلاف کریں تو یہ اجماع نہیں ہوگا۔

اور علامہ ابن بطال مالکی نے کہا ہے کہ اہلِ علم کا اختلاف ہے کہ جس مسئلہ میں اہلِ مدینہ متفق ہوں تو ان کا اجماع دوسرے شہر والوں پر حجت ہوگا یا نہیں؟ پس علامہ ابہری یہ کہتے تھے کہ اہلِ مدینہ دوسروں پر حجت ہیں بطریقِ استنباط، پھر انہوں نے رجوع کیا اور کہا کہ اہلِ مدینہ جس قول کو نقل کریں وہ دوسروں کی نقل سے زیادہ بہتر ہے اور اہلِ مدینہ اور دوسرے اجتہاد میں برابر ہیں، اور یہی امام شافعی کا قول ہے۔

اور علامہ ابوبکر بن الطیب کا مذہب یہ ہے کہ اہلِ مدینہ کا قول بطریقِ اجتہاد اور بطریقِ نقل دونوں طریقوں سے اولیٰ ہے۔

اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے اصحاب کا مذہب یہ ہے کہ اہلِ مدینہ کا اتفاق دوسروں پر حجت نہیں ہے خواہ بطریقِ نقل ہو یا بطریقِ اجتہاد ہو۔

علامہ المہلب المالکی نے کہا ہے کہ امام بخاری کی غرض اس باب میں یہ ہے کہ مدینہ دوسرے شہروں سے افضل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مدینہ کو دین کے شعائر کے ساتھ مخصوص کیا ہے اور وہ دارالوحی ہے اور مہبطِ ملائکہ ہے، ملائکہ اس میں ہدایت اور رحمت لے کر نازل ہوتے تھے اور اس کے اندر ایک وہ جگہ ہے جس کو اللہ عزوجل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مسکن ہونے کا شرف بخشا ہے اور اسی جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک قبر ہے اور آپ کا منبر ہے اور ان دونوں کے درمیان جو جگہ ہے وہ جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے۔

امام بخاری نے کہا: ''وما کان بھا من مشاھد النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ الخ'' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مشاہد سے مدینہ کی طرف اشارہ ہے، اور مہاجرین کے مشہد اور انصار کے مشہد کی طرف اشارہ ہے، اور مشہد کا اصل معنی یہ ہے کہ جو کسی جگہ حاضر ہو تو وہ جگہ اس کا مشہد ہے، امام بخاری نے کہا: اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز پڑھنے کی جگہ، یہ مشاہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عطفِ بیان ہے اور منبر اور قبر دونوں کا اس پر عطف ہے، اور اس میں بھی کئی وجوہ سے مدینہ کی فضیلت کی طرف اشارہ ہے: (۱) کہ مدینہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مصلّٰی ہے اور یہ وہ جگہ ہے جہاں آپ نماز پڑھتے تھے، (۲) مدینہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا منبر ہے جس کے متعلق آپ نے فرمایا: میرا منبر میرے حوض پر ہے، (۳) مدینہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ انور ہے اور اس کے درمیان اور منبر کے درمیان جو جگہ ہے وہ ''روضۃ من ریاض الجنۃ'' ہے جیسا کہ ہم نے ابھی ذکر کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۸۱۔ ۸۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

فقہاءِ احناف کے نزدیک اجماع کی تعریف

علامہ علاؤ الدین عبد العزیز احمد البخاری الحنفی المتوفی ۷۳۰ھ لکھتے ہیں:

لغت میں اجماع کا معنی ہے عزم، جب کوئی شخص کسی کام کا عزم کرلے تو کہا جاتا ہے ''اجمع فلان علی کذا'' یعنی فلاں شخص

نے فلاں چیز کا عزم کرلیا، اور اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ (یونس:۷۱) تم اپنے (خود ساختہ) معبودوں کے ساتھ مل کر اپنی سازش کو پختہ کرلو۔

اور اسی معنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے:

''لا صیام لمن لم یجمع الصیام من اللیل'' (یعنی جو شخص رات سے روزہ کا عزم نہ کرے اس کا روزہ نہیں ہوتا)۔

اور اجماع کا شرعی معنی ہے: سیدنا محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت کا امورِ دینیہ میں سے کسی امر پر اتفاق کرنا۔

اور اس تعریف پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس سے لازم آئے گا کہ قیامت تک اجماع نہ پایا جائے، کیونکہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری امت تو قیامت تک ہوگی اور بعض زمانوں میں جو لوگ پائے گئے وہ پوری امت نہیں ہیں بلکہ امت کے بعض افراد ہیں، اور یہ کسی کا بھی مذہب نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ کسی زمانہ میں جو مجتہد موجود ہوں وہ کسی مسئلہ پر متفق ہو جائیں۔

دوسری تعریف یہ ہے کہ اس امت کے مجتہدین کسی زمانہ میں کسی حکمِ شرعی پر اتفاق کرلیں۔

بعض روافض اور نظام معتزلی نے اجماع کا انکار کیا ہے، انہوں نے کہا کہ زمین کے تمام مشارق اور مغارب کے علماء سے اتفاق کو نقل ہونا بہت مشکل ہے۔ (کشف الاسرار ج ۳ ص ۴۲۳۔ ۴۲۴، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۱۱ھ)

۷۳۲۲۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ السَّلَمِيِّ أَنَّ أَعْرَابِيًّا بَايَعَ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم عَلَى الْإِسْلَامِ فَأَصَابَ الْأَعْرَابِيَّ وَعْكٌ بِالْمَدِينَةِ فَجَاءَ الْأَعْرَابِيُّ إِلَى رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ أَقِلْنِي بَيْعَتِي فَأَبَى رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم ثُمَّ جَاءَهُ فَقَالَ أَقِلْنِي بَيْعَتِي فَأَبَى ثُمَّ جَاءَهُ فَقَالَ أَقِلْنِي بَيْعَتِي فَأَبَى فَخَرَجَ الْأَعْرَابِيُّ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم إِنَّمَا الْمَدِينَةُ كَالْكِيرِ تَنْفِي خَبَثَهَا وَيَنْصَعُ طِيبُهَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از محمد بن المنکدر از حضرت جابر بن عبد اللہ السلمی رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک اعرابی (دیہاتی) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام پر بیعت کی، پس اس اعرابی کو مدینہ کا بخار چڑھ گیا، پس وہ اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، پس کہا: یا رسول اللہ! میری بیعت فسخ کر دیجئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کیا، وہ پھر آیا اور کہنے لگا: میری بیعت فسخ کر دیجئے، پس آپ نے انکار کیا، وہ پھر آپ کے پاس آیا اور کہا کہ میری بیعت فسخ کر دیجئے، پس آپ نے انکار کیا تو وہ اعرابی وہاں سے چلا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مدینہ بھٹی کی مثل ہے، وہ اس کے خبث اور زنگ کو مٹا دیتی ہے اور صاف اور پاکیزہ چیزوں کو رکھ لیتی ہے۔

(صحیح البخاری: ۱۸۸۳، ۷۲۰۹، ۷۲۱۱، ۷۲۱۶، ۷۳۲۲، صحیح مسلم: ۱۳۸۳، سنن ترمذی: ۳۹۲۰، سنن نسائی: ۴۱۸۵، مسند احمد: ۱۴۷۹۵، موطا امام مالک: ۱۶۳۹)

صحیح البخاری: ۷۳۲۲، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جس اعرابی نے بیعت توڑنے کے لیے کہا تھا اس کے نام کی تحقیق

میں اس اعرابی کے نام پر واقف نہیں ہو سکا، مگر علامہ الزمخشری نے ''ربیع الابرار'' میں ذکر کیا ہے کہ اس کا نام قیس بن ابی حازم ہے، اور اس میں اشکال ہے، کیونکہ قیس بن ابی حازم بہت بڑے تابعی اور بہت مشہور تابعی تھے اور علماء نے تصریح کی ہے کہ انہوں نے ہجرت کی تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وفات پا چکے تھے، اگر واقعی ایسا ہے تو ہو سکتا ہے یہ کوئی اور شخص ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''اس شخص نے کہا کہ میری بیعت فسخ کر لیجئے'' ظاہر یہ ہے کہ اسلام پر جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو بیعت کیا تھا تو وہ اس کے فسخ کا ارادہ کرتا تھا، قاضی عیاض نے اسی کو وثوق سے کہا ہے اور دوسرے شارحین نے کہا کہ وہ ہجرت کو فسخ کرنا چاہتا تھا، اور اگر اسلام کو فسخ کرنا اس کی مراد ہوتی تو وہ مرتد قرار دیا جاتا اور اس کو ارتداد کی بناء پر قتل کر دیا جاتا۔

جن صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد مدینہ کی سکونت ترک کر دی، ان کا تذکرہ

نیز حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

علامہ ابن بطال نے علامہ المہلب مالکی سے نقل کر کے کہا ہے: اس حدیث میں مدینہ منورہ کی دوسرے شہروں پر فضیلت کا بیان ہے، کیونکہ مدینہ منورہ کو اللہ تعالیٰ نے یہ خصوصیت عطا فرمائی کہ مدینہ منورہ میل کچیل کو دور کر دیتا ہے، اور امام بخاری نے اسی کے اوپر اہلِ مدینہ کے اجماع کے حجت ہونے کا قول کیا ہے، اور علامہ ابن عبد البر نے کہا ہے کہ یہ حدیث مدینہ کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے لیکن مدینہ کی یہ فضیلت تمام زمانوں میں عام نہیں ہے، یعنی ہر زمانہ میں یہ خصوصیت نہیں ہے کہ اس زمانہ میں مدینہ میل کچیل کو دور کر دے گا، بلکہ یہ فضیلت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ کے ساتھ خاص ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں کوئی شخص مدینہ میں ٹھہرنے سے اعراض نہیں کرے گا سوا اس کے کہ جس میں کوئی خیر نہ ہو، قاضی عیاض نے بھی اسی کی مثل کہا ہے اور اس کی تقویت اس سے کی ہے کہ امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے: اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک کہ مدینہ برے لوگوں کو نکال نہیں دیتا جس طرح بھٹی چاندی کے میل کچیل کو نکال دیتی ہے اور میل کچیل اور زنگ کو نکال دیتی ہے، حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد خیار صحابہ کی ایک جماعت مدینہ سے چلی گئی اور دوسری جگہ کو انہوں نے وطن بنالیا اور مدینہ سے باہر فوت ہوئے جیسے حضرت ابن مسعود، حضرت ابو موسیٰ، حضرت علی، حضرت ابو ذر، حضرت عمار، حضرت حذیفہ، حضرت عبادہ بن الصامت حضرت ابو عبیدہ، حضرت معاذ اور حضرت ابو الدرداء وغیرہم رضی اللہ عنہم، پس اس سے واضح ہوا کہ مدینہ جو میل کچیل کو دور کرتا ہے، یہ فضیلت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ کے ساتھ خاص تھی۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۴۶۰، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

مدینہ کے بھٹی ہونے پر ایک اعتراض کا جواب

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''مدینہ بھٹی کی مثل ہے جو زنگ کو دور کر دیتی ہے اور خالص چیز رکھ لیتی ہے'' تو چاہیے کہ مدینہ میں کوئی بدعقیدہ، گمراہ اور فاسق نہ ہو، حالانکہ اب بھی مدینہ منورہ میں بدعقیدہ لوگ بھی ہیں، فساق بھی ہیں،

گمراہ بھی ہیں، شیعہ اور رافضی بھی ہیں، دیو بندی اور وہابی بھی ہیں دنیا دار فساق سنی بھی ہیں، تو مدینہ نے تو ان سب کو نہیں نکالا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ مدینہ منورہ کی یہ خصوصیت صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھی اور اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ قیامت تک مدینہ میں کوئی بدعقیدہ اور بدمذہب نہیں ہوگا۔

کیونکہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے: مدینہ سے تمام بدعقیدہ لوگوں کو قیامت کے قریب محاصرۂ دجال کے زمانہ میں نکالا جائے گا۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۴۶۰، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۳۲۳۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما قَالَ كُنْتُ أُقْرِئُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ عَوْفٍ فَلَمَّا كَانَ آخِرُ حَجَّةٍ حَجَّهَا عُمَرُ فَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بِمِنًى لَوْ شَهِدْتَ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ أَتَاهُ رَجُلٌ قَالَ إِنَّ فُلَانًا يَقُولُ لَوْ مَاتَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ لَبَايَعْنَا فُلَانًا فَقَالَ عُمَرُ لَأَقُومَنَّ الْعَشِيَّةَ فَلَأُحَذِّرَ هٰؤُلَاءِ الرَّهْطَ الَّذِينَ يُرِيدُونَ أَنْ يَغْصِبُوهُمْ قُلْتُ لَا تَفْعَلْ فَإِنَّ الْمَوْسِمَ يَجْمَعُ رَعَاعَ النَّاسِ يَغْلِبُونَ عَلَى مَجْلِسِكَ فَأَخَافُ أَنْ لَا يُنْزِلُوهَا عَلَى وَجْهِهَا فَيُطِيرُ بِهَا كُلُّ مُطِيرٍ فَأَمْهِلْ حَتّٰى تَقْدَمَ الْمَدِينَةَ دَارَ الْهِجْرَةِ وَدَارَ السُّنَّةِ فَتَخْلُصَ بِأَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ فَيَحْفَظُوا مَقَالَتَكَ وَيُنْزِلُوهَا عَلَى وَجْهِهَا فَقَالَ وَاللهِ لَأَقُومَنَّ بِهِ فِي أَوَّلِ مَقَامٍ أَقُومُهُ بِالْمَدِينَةِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَقَدِمْنَا الْمَدِينَةَ فَقَالَ إِنَّ اللهَ بَعَثَ مُحَمَّدًا صلى الله عليه وسلم بِالْحَقِّ وَأَنْزَلَ عَلَيْهِ الْكِتَابَ فَكَانَ فِيمَا أُنْزِلَ آيَةُ الرَّجْمِ۔

(صحیح البخاری: ۳۹۲۸، مسند احمد: ۳۹۳)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الواحد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے حدیث بیان کی از الزہری از عبید اللہ بن عبد اللہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حدیث بیان کی، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو قرآن مجید پڑھایا کرتا تھا، جب وہ حج آیا جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا آخری حج تھا تو حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے مجھ سے منیٰ میں کہا: کاش! تم آج امیر المومنین کے پاس ہوتے، ان کے پاس ایک مرد آیا اور اس نے کہا کہ فلاں آدمی کہتا ہے کہ اگر امیر المومنین فوت ہو جائیں تو ہم فلاں شخص کی بیعت کر لیں گے، تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں آج سہ پہر کو کھڑے ہو کر لوگوں کو خطبہ دوں گا اور اس جماعت کو ڈراؤں گا جو اپنی رائے سے خلافت کو غصب کرنے کا ارادہ کرتے ہیں، میں نے عرض کیا: آپ ایسا نہ کریں، کیونکہ حج کے ایام میں تمام قسم کے لوگ جمع ہوتے ہیں، یہ سب لوگ آپ کی مجلس میں حاضر ہوں گے، مجھے خطرہ ہے کہ یہ لوگ آپ کی بات کو اس کے صحیح محمل پر محمول نہیں کریں گے، پھر ہر ایک اپنے منہ سے اس بات کو نکالتا رہے گا، اس لیے آپ ٹھہریں، حتیٰ کہ جب آپ مدینہ منورہ پہنچیں جو دار الہجرۃ ہے اور دار السنۃ ہے اور وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخلص اصحاب میں سے مہاجرین اور انصار ہوں گے وہ آپ کی بات کو یاد رکھیں گے اور اس کو صحیح محمل پر محمول کریں گے، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں مدینہ پہنچ کر جو پہلا خطبہ

دوں گا اس میں یہ بیان کروں گا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا:
پس ہم مدینہ پہنچ گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بے شک اللہ
تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا اور آپ پر کتاب
نازل کی اور اس کتاب میں رجم کی آیت بھی نازل کی۔

حدیث مذکور کا خلاصہ

اس حدیث کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حج کے ایام میں کہا: کاش آپ فلاں شخص کی بات سنتے جو کہہ رہا تھا کہ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے تو میں فلاں شخص سے بیعت کروں گا، کیونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت اچانک بغیر غور وفکر کے ہو گئی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں ان شاء اللہ شام کو لوگوں سے خطاب کروں گا اور میں مسلمانوں سے کہوں گا کہ وہ ان لوگوں سے محتاط رہیں جو ان کے حقوق غصب کر لینا چاہتے ہیں، اس پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا: اے امیر المومنین! اپنے خطاب کو ملتوی کر دیں حتیٰ کہ آپ مدینہ منورہ پہنچ جائیں، کیونکہ مدینہ منورہ میں دانش مند اور اصحاب الرائے رہتے ہیں جو احکام کی فقہ رکھتے ہیں اور حج کے اجتماع میں ہر قسم کے لوگ رہتے ہیں عقل مند بھی اور کم عقل بھی، یہاں خطاب کرنے سے شور وشغب ہوگا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم ٹھیک کہتے ہو، میں مدینہ پہنچتے ہی خطاب کروں گا۔

صحیح البخاری: ۷۳۲۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''الذین یریدون ان یغصبوھم'' اس سے مراد یہ ہے کہ جو لوگ ان کاموں کا قصد کرتے ہیں جن کاموں کو انجام دینا ان کا منصب نہیں ہے اور نہ وہ اس مرتبہ کے لوگ ہیں، پس وہ یہ چاہتے ہیں کہ ظلم اور غصب سے وہ کام کریں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''رَعاع الناس'' اس سے مراد ہے کم عمر لوگ اور رذیل لوگ۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فیطیربھا کل مطیر'' یعنی وہ آپ کی بات کی صحیح تاویل نہیں کریں گے اور اس کو بہت جلدی سے ادھر ادھر نقل کر کے پھیلا دیں گے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''آیۃ الرجم'' اور وہ یہ ہے:

الشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھما۔ یعنی شادی شدہ مرد اور شادی شدہ عورت جب زنا کریں تو ان دونوں کو رجم کر دیں۔

اس آیت کی تلاوت منسوخ ہو گئی ہے اور اس کا حکم باقی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۸۳۔ ۸۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کا ابتدائی حصہ جو صحیح البخاری: ۶۸۳۰ میں مذکور ہے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ منبر پر بیٹھ گئے، جب موذنین خاموش ہوئے تو وہ کھڑے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی ایسی حمد وثنا کی جو اس کی شان

کے لائق ہے، پھر کہا: بہر حال حمد وصلوٰۃ کے بعد! میں تم سے ایسی بات کہنے والا ہوں جس کو کہنا میرے لیے مقدر کر دیا گیا ہے، مجھے پتا نہیں شاید کہ اب میرے سامنے میری موت ہے، پس جو شخص عقل والا ہو اور وہ اس بات کو یاد رکھ سکے تو وہ اس بات کو بیان کرے جہاں تک اس کی سواری اسے پہنچائے، اور جس کو یہ خطرہ ہو کہ اس کو اتنی سمجھ نہیں ہے تو میں کسی شخص کو اس کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ مجھ پر جھوٹ باندھے، بے شک اللہ تعالیٰ نے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو حق کے ساتھ بھیجا اور ان پر کتاب نازل فرمائی، اور اللہ تعالیٰ نے جو آیات نازل فرمائیں ان میں رجم کی آیت بھی تھی، ہم نے اس کو پڑھا اور اس کو سمجھا اور اس کو یاد رکھا، اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا اور آپ کے بعد ہم نے رجم کیا، پس مجھے خطرہ ہے کہ لوگوں پر زیادہ زمانہ گزرے گا تو کوئی کہنے والا کہے گا: اللہ کی قسم! ہم اللہ کی کتاب میں رجم کی آیت نہیں پاتے، پس وہ اللہ تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے فریضہ کا انکار کر کے گمراہ ہو جائیں گے، اور جس شخص نے زنا کیا اس پر کتاب اللہ میں رجم کرنے کا حکم برحق ہے، جب کہ وہ مردوں اور عورتوں میں سے شادی شدہ ہو، جب گواہ قائم ہو جائیں یا عورت حاملہ ہو یا ان میں سے کوئی اقرار کر لے، پھر ہم جو اللہ کی کتاب سے قرآن مجید کی آیات پڑھتے تھے، ان میں یہ حکم تھا کہ تم اپنے باپ دادا سے اعراض نہ کرو، یہ تمہارا کفر ہے کہ تم اپنے باپ دادا سے اعراض کرو، یا یہ تمہارا کفرانِ نعمت ہے کہ تم اپنے باپ دادا سے اعراض کرو، سنو! بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری تعریف میں ایسا مبالغہ نہ کرنا جیسا کہ حضرت عیسیٰ بن مریم (علیہما السلام) کی تعریف میں مبالغہ کیا گیا اور تم کہو: کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، پھر مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تم میں سے کوئی کہنے والا یہ کہتا ہے کہ اللہ کی قسم! اگر عمر فوت ہو گئے تو میں فلاں شخص سے بیعت کر لوں گا، سو کوئی شخص یہ بات سن کر دھوکا نہ کھائے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعت اچانک ہوئی تھی اور مکمل ہو گئی تھی، سنو! وہ بیعت اسی طرح تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اس بیعت کو شر سے محفوظ رکھا، اور تم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے کہ اس کی طرف اونٹوں کی گردنوں کو قطع کر کے سفر کیا جائے جیسا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے لیے سفر کیا جاتا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اس خطبہ دینے سے مقصود یہ تھا کہ ہر کسی عام شخص میں یہ صلاحیت نہیں ہوتی کہ وہ امیر المومنین اور خلیفہ کو نامزد کر سکے، یہ صلاحیت صرف اہلِ مدینہ میں تھی جنہوں نے اپنی رائے کی عمدگی اور قابلیت اور ذہانت سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کیا، اور اس سے معلوم ہوا کہ اہلِ مدینہ کی فکر اور ان کی نظر باقی شہروں کے مسلمانوں کی فکر ونظر سے بہت قوی ہوتی ہے۔

صحیح البخاری: ۷۳۲۳، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اہلِ مدینہ کے اجماع کا راجح ہونا

اس حدیث سے غرض یہ ہے کہ اس حدیث میں مدینہ منورہ کو دار الہجرۃ، دار السنۃ اور مہاجرین اور انصار کا ماویٰ فرمایا ہے، اور اس حدیث سے مقصود یہ ہے کہ اہلِ مدینہ کا اجماع حجت ہے، کیونکہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعت پر اہلِ مدینہ نے اجماع کیا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ اہلِ مدینہ کا اجماع حجت ہے، کیونکہ اہلِ مدینہ کے سامنے قرآن مجید نازل ہوا اور وہ نزولِ وحی کے مواقع پر حاضر تھے، اور اس میں اختلاف ہے کہ اہلِ مدینہ کا اجماع حجت ہے کہ نہیں لیکن راجح یہ ہے کہ اہلِ مدینہ صحابہ کے بعد جس حکم پر متفق ہو جائیں تو وہ حکم زیادہ قوی ہوگا سوا اس کے کہ وہ حکم کسی قرآن مجید کی صریح آیت یا کسی حدیثِ رسول کے خلاف ہو جیسا کہ اہلِ مدینہ کی روایات ان کی

شہرت اور نقل میں ان کی ثقاہت کی وجہ سے راجح ہیں۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۴۶۰۔۴۶۱، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۳۲۴۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ مُحَمَّدٍ قَالَ كُنَّا عِنْدَ أَبِي هُرَيْرَةَ وَعَلَيْهِ ثَوْبَانِ مُمَشَّقَانِ مِنْ كَتَّانٍ فَتَمَخَّطَ فَقَالَ بَخْ بَخْ أَبُو هُرَيْرَةَ يَتَمَخَّطُ فِي الْكَتَّانِ لَقَدْ رَأَيْتُنِي وَإِنِّي لَأَخِرُّ فِيمَا بَيْنَ مِنْبَرِ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِلَى حُجْرَةِ عَائِشَةَ مَغْشِيًّا عَلَيَّ فَيَجِيءُ الْجَائِي فَيَضَعُ رِجْلَهُ عَلَى عُنُقِي وَيُرَى أَنِّي مَجْنُونٌ وَمَا بِي مِنْ جُنُونٍ مَا بِي إِلَّا الْجُوعُ۔

(سنن ترمذی: ۲۳۶۷)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد نے حدیث بیان کی از ایوب از محمد، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھے اور ان پر دو سوتی سرخ رنگ میں رنگے ہوئے کپڑے تھے، پس انہوں نے ناک صاف کی، پھر کہا: چھوڑو چھوڑو، ابوہریرہ سوت کے کپڑے میں ناک صاف کر رہا ہے! حالانکہ میں نے اپنے آپ کو دیکھا ہے اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کے سامنے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کی طرف بے ہوش ہو کر گر رہا تھا، مجھ پر بے ہوشی طاری تھی، پس کوئی آنے والا آتا اور اپنا پیر میری گردن پر رکھتا اور وہ یہ سمجھتا کہ میں دیوانہ ہوں، حالانکہ مجھ میں دیوانگی یا جنون نہیں تھا، مجھ میں صرف بھوک تھی۔

بھوک کی شدت کی وجہ سے بعض صحابہ کا اپنے پیٹ پر پتھر باندھنا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے دوسری روایت ہے: ہم میں سے کسی ایک پر ضرور ایسے ایام آتے تھے کہ اسے ایسی کوئی چیز میسر نہیں ہوتی تھی جس سے وہ اپنی پشت کو سیدھا رکھ سکے حتیٰ کہ ہم میں سے کوئی ایک پتھر لیتا اور اس کو اپنے پیٹ کے گڑھے میں رکھتا پھر اس کے اوپر کپڑا باندھ دیتا تا کہ پشت سیدھی رہے۔ اور پیٹ پر پتھر باندھنے کا فائدہ یہ ہے کہ کھڑے ہونے میں کمر سیدھی رہے، یا اس لیے کہ پیٹ میں جو غذاء موجود ہے وہ جلدی جسم میں حلول نہ کرے۔ اور کبھی انتڑیوں کی ایک طرف مستور ہو جاتی اور ضعف کم ہو جاتا، یا پتھر کی ٹھنڈک سے بھوک کی گرمی کم ہو جاتی۔ یا اس میں کسرِ نفس کی طرف اشارہ ہے اور اس طرف اشارہ ہے کہ ابن آدم کا پیٹ صرف مٹی بھر سکتی ہے۔

علامہ خطابی نے کہا ہے: پیٹ پر پتھر باندھنے کو بعض لوگوں نے سبب اشکال قرار دیا، انہوں نے یہ وہم کیا کہ حجر کا لفظ غلط لکھا گیا ہے، اصل میں یہ حجز تھا زاء کے ساتھ، راء کے ساتھ نہیں تھا۔ اور حجز اس پٹی کو کہتے ہیں جس سے انسان اپنی کمر کو باندھ لیتا ہے، لیکن حجاز کے لوگوں کی یہ عادت تھی کہ جب انہیں بھوک بہت زیادہ لگتی اور ان کا پیٹ دوہرا ہو جاتا یا اس میں گڑھا پڑ جاتا اور ان کا سیدھا کھڑا ہونا مشکل ہو جاتا تو اس وقت وہ پتلے پتلے پتھروں کے پرت اپنے پیٹ پر باندھ لیتے تا کہ وہ سیدھے کھڑے ہو سکیں۔

صحیح البخاری: ۷۳۲۴، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علم کی طلب میں مصائب اور مشقتوں پر صبر کرنا

اس حدیث سے امام بخاری کی غرض یہ ہے کہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ "میں منبر اور حجرہ کے درمیان بے ہوش ہو کر گر پڑتا تھا" اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کی جگہ ہے۔

علامہ ابن بطال نے علامہ المہلب سے نقل کیا ہے کہ اس حدیث کی اس عنوان کے تحت ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے علم کی طلب میں اپنے آپ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے در پر لازم رکھا اور اس سلسلہ میں شدت اور بھوک پیاس کو اختیار کیا، اور اس کی جزاء ان کو یہ ملی کہ ان کو سب سے زیادہ احادیث محفوظ تھیں جن سے بہت سارے احکام شرعیہ ماخوذ ہوئے، اور یہ اس وجہ سے تھا کہ انہوں نے اپنے آپ کو مدینہ کی مشقتوں پر صابر رکھا۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۴۶۱، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۳۲۵۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَابِسٍ قَالَ سُئِلَ ابْنُ عَبَّاسٍ أَشَهِدْتَ الْعِيدَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ نَعَمْ وَلَوْلَا مَنْزِلَتِي مِنْهُ مَا شَهِدْتُهُ مِنَ الصِّغَرِ فَأَتَى الْعَلَمَ الَّذِي عِنْدَ دَارِ كَثِيرِ بْنِ الصَّلْتِ فَصَلَّى ثُمَّ خَطَبَ وَلَمْ يَذْكُرْ أَذَانًا وَلَا إِقَامَةً ثُمَّ أَمَرَ بِالصَّدَقَةِ فَجَعَلَ النِّسَاءُ يُشِرْنَ إِلَى آذَانِهِنَّ وَحُلُوقِهِنَّ فَأَمَرَ بِلَالًا فَأَتَاهُنَّ ثُمَّ رَجَعَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن کثیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے خبر دی از عبدالرحمٰن بن عابس، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا: کیا آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عید کی نماز کے موقع پر حاضر تھے؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! اور اگر مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب نصیب نہ ہوتا تو کم عمری کی وجہ سے میں آپ کے پاس حاضر نہ ہوتا، پس وہ اس جھنڈے کے پاس آئے جو کثیر بن صلت کے دروازہ کے پاس ہے، پس وہاں نماز پڑھی، پھر خطبہ دیا اور انہوں نے اذان اور اقامت کا ذکر نہیں کیا، پھر آپ نے صدقہ دینے کا حکم دیا تو عورتیں اپنے کانوں اور حلقوم کی طرف اشارہ کرتیں، پھر آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا، وہ عورتوں کے پاس گئے، پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس آئے۔

(صحیح البخاری: ۹۸، ۸۶۳، ۹۶۲، ۹۶۴، ۹۷۵، ۹۷۷، ۹۷۹، ۹۸۹، ۱۴۳۱، ۱۴۴۹، ۴۸۹۵، ۵۲۴۹، ۵۸۸۰، ۵۸۸۱، ۵۸۸۳، ۷۳۲۵، صحیح مسلم: ۸۸۴، سنن ابوداؤد: ۱۱۴۲، سنن ابن ماجہ: ۱۲۷۳، مسند احمد: ۱۹۰۵، سنن دارمی: ۱۶۰۳)

صحیح البخاری: ۷۳۲۵، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

خصوصیت سے عورتوں کو صدقہ کرنے کا حکم دینے کی توجیہ

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ عورتیں اپنی بالیاں اور انگوٹھیاں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی جھولی میں ڈالتی تھیں اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے عورتو! صدقہ کیا کرو، کیونکہ تم میں سے اکثر جہنم کا ایندھن

ہیں" اور اس حدیث میں مذکور ہے: "پس ایک عورت نے کہا: یارسول اللہ! اس کی کیا وجہ ہے؟ تو آپ نے فرمایا: کیونکہ تم اکثر شکایت کرتی ہو اور خاوند کی نافرمانی کرتی ہو"، حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ پھر عورتیں اپنے کانوں کی بالیاں اور اپنے ہاتھوں کی انگوٹھیاں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی جھولی میں ڈالنے لگیں۔ (صحیح مسلم: ۸۸۵)

حدیث مذکور کے دیگر فوائد

(۱) امام پر لازم ہے کہ وہ عوام کے احوال معلوم کرے اور ان کی ضروریات کو پورا کرنے کا تدارک کرے

امام کو چاہیے کہ وہ رعایا اور عوام کے حالات معلوم کرے اور ان کو تعلیم دے اور ان کو وعظ و نصیحت کرے خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں ہوں۔

(۲) نفلی صدقہ میں ایجاب اور قبول ضروری نہیں ہیں

نفلی صدقہ میں ایجاب اور قبول ضروری نہیں ہے بلکہ اس میں یہ کافی ہے کہ صدقہ کی چیز ڈال دی جائے، کیونکہ عورتیں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی جھولی میں صدقہ ڈال دیتی تھیں اور کوئی بات نہیں کرتی تھیں، نہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے اور نہ کسی اور سے۔

(۳) عورت کا اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر اپنے مال سے صدقہ کرنے کا جواز اور اس میں مذاہب ائمہ

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شوہر کی اجازت کے بغیر عورت کا اپنے مال سے صدقہ کرنا جائز ہے، اور یہ تہائی مال پر موقوف نہیں ہے، اور یہی امام شافعی اور جمہور کا مذہب ہے۔ اور امام مالک نے کہا: عورت اپنے مال سے تہائی مال سے زیادہ صدقہ نہیں کر سکتی سوا اس صورت کے جب اس کا خاوند راضی ہو۔ اور جمہور کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین کو صدقہ کرنے کا حکم دیا اور ان سے یہ سوال نہیں کیا کہ کیا انہوں نے اپنے خاوندوں سے اس کی اجازت لی ہے یا نہیں لی، اور نہ یہ سوال کیا کہ جو صدقہ وہ کر رہی ہیں وہ تہائی مال سے خارج ہے یا نہیں۔

بعض احادیث سے شوہر کی اجازت کے بغیر صدقہ کرنے کی ممانعت کا ثبوت

اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ عمرو بن شعیب نے از والد خود از جد خود روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی عورت کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ اپنے مال میں کوئی حکم دے جب کہ اس کا خاوند اس کی عصمت کا مالک ہو۔

(سنن ابوداؤد: ۳۵۴۶، المستدرک للحاکم ج ۲ ص ۴۷)

نیز امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے از عمرو بن شعیب از والد خود روایت کی ہے، انہوں نے بیان کیا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی عورت کے لیے اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر کوئی عطیہ دینا جائز نہیں ہے۔

(سنن ابوداؤد: ۳۵۴۷، سنن نسائی ج ۵ ص ۶۵۔۶۶، سنن ابن ماجہ: ۲۳۸۸)

خاوند کی اجازت کے بغیر صدقہ کی ممانعت کی احادیث کے متعدد جوابات

(۱) یہ حدیث ان احادیثِ صحیحہ کے معارض ہے جو مطلقاً عورتوں کے صدقہ دینے کے جواز پر دلالت کرتی ہیں اور وہ احادیث سنن ابوداؤد اور سنن نسائی کی احادیث سے زیادہ قوی ہیں کیونکہ وہ صحیح البخاری اور صحیح مسلم کی احادیث ہیں۔

(۲) اگر ان احادیث کو تسلیم کر لیا جائے تو یہ اس پر محمول ہیں کہ اولیٰ اور ادب اور مختار یہ ہے کہ اگرچہ عورت اپنے مال سے صدقہ کرنے کی مجاز ہے لیکن افضل اور اولیٰ یہ ہے کہ خاوند سے اجازت لے کر صدقہ کرے، اور امام شافعی نے اس کی دلیل میں ذکر کیا ہے کہ حضرت ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا نے کسی کو آزاد کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مذمت نہیں کی۔

(۳) امام شافعی نے کہا: اس حدیث کو ہم نے سنا لیکن یہ ثابت نہیں ہے، کیونکہ قرآن مجید اس کے خلاف پر دلالت کرتا ہے۔

قرآن مجید کی آیات سے عورت کے از خود اپنے مال میں تصرف کرنے کا ثبوت

قرآن مجید میں ہے:

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ؕ (البقرہ: ۲۳۷)

اور اگر تم نے عورتوں کو ہاتھ لگانے سے پہلے انہیں طلاق دے دی درآں حالیکہ تم ان کا مہر مقرر کر چکے تھے تو تمہارے مقرر کیے ہوئے مہر کا نصف (ادا کرنا واجب) ہے، البتہ عورتیں کچھ چھوڑ دیں، یا جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے۔

اس آیت میں یہ ارشاد ہے کہ عورتیں اپنی مرضی سے مہر کا کچھ حصہ چھوڑ دیں تو جائز ہے اور اس میں ولی کی اجازت کا ذکر نہیں ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا ○ (النساء: ۴)

اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے ادا کرو، تو پھر اگر وہ خوشی سے اس (مہر) میں سے تم کو کچھ دیں تو اس کو مزے مزے سے کھاؤ ○

اس آیت سے بھی واضح ہوا کہ عورتیں اپنی مرضی اور خوشی سے شوہر کو اپنے مہر کا کچھ حصہ عطا کر سکتی ہیں، اور اس کو کسی کی اجازت پر موقوف نہیں فرمایا۔ نیز اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ (البقرہ: ۲۲۹)

سو (اے مسلمانو!) اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ یہ دونوں اللہ کی حدود قائم نہ رکھ سکیں گے تو عورت نے جو بدل خلع دیا ہے اس میں ان دونوں پر کوئی حرج نہیں ہے۔

اس آیت میں بھی واضح فرما دیا کہ عورت اپنے مال سے بدلِ خلع دے تو یہ جائز ہے اور اس کو شوہر کی اجازت پر موقوف نہیں کیا۔

سو یہ آیات اس پر دلالت کرتی ہیں کہ عورت کا اپنے مال میں تصرف کرنا شوہر کی اجازت کے بغیر جائز ہے۔

عورت کے از خود اپنے مال میں تصرف کا حدیث سے ثبوت

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں تو آپ نے فرمایا: تم اپنی تھیلی میں جمع کر کے نہ رکھو ورنہ اللہ تعالیٰ بھی تمہارے سامنے جمع کرے گا، جتنا ہو سکے خرچ کرو۔

(صحیح البخاری: ۱۴۳۴، صحیح مسلم: ۱۰۲۹)

ایک اور حدیث سے اعتراض کا جواب

نیز شیخ ابن حزم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا: شوہر کا بیوی پر کیا حق ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ اس کی اجازت کے بغیر صدقہ نہ کرے، اگر وہ کرے گی تو شوہر کو اجر ملے گا اور اس کو گناہ ہوگا، پھر ابن حزم نے کہا: یہ حدیث صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس کی سند میں موسیٰ بن اعین ہے اور وہ مجہول راوی ہے اور لیث بن ابی سلیم ہے اور وہ ضعیف راوی ہے۔

(۴) صدقہ کا دوزخ کے عذاب سے نجات دینے کا ثبوت

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صدقہ دوزخ سے نجات دیتا ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو صدقہ دینے کا اس وقت حکم دیا جب آپ نے دیکھا کہ ان میں سے اکثر دوزخی ہیں، دوسرا قول یہ ہے کہ آپ نے ان کو صدقہ دینے کا اس وقت حکم دیا جو مسلمانوں کو مال کی ضرورت کا وقت تھا، کیونکہ اس میں مسلمانوں کی ہمدردی ہے اور ضرورت کے وقت ان کے کام آنا ہے اور اس وقت صدقہ کرنا بہت افضل نیکی تھی۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳ ص ۴۸۱۔۴۸۵، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۷۳۲۶۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم كَانَ يَأْتِي قُبَاءً مَاشِيًا وَرَاكِبًا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از عبداللہ بن دینار از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم قباء میں پیدل چلتے ہوئے اور سوار ہوتے ہوئے آتے تھے۔

(صحیح البخاری: ۱۱۹۱، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۷۳۲۶، صحیح مسلم: ۱۳۹۹، سنن نسائی: ۶۹۸، سنن ابوداؤد: ۲۰۴۰، مسند احمد: ۶۳۹۶، موطا امام مالک: ۴۰۲)

صحیح البخاری: ۷۳۲۶، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مسجد قباء کا محلِ وقوع اور اس مسجد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانے کی تاریخ

ابن شبہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سترہ رمضان کو قباء میں آتے تھے۔

(اخبار المدینۃ المنورہ ج ۱ ص ۴۴)

شریک بن عبداللہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیر کے دن قباء میں آتے تھے، قباء کا لفظ مذکر بھی ہے اور مؤنث بھی، اور الف ممدودہ کے ساتھ بھی پڑھا جاتا ہے اور الف مقصورہ کے ساتھ بھی، اور منصرف بھی ہوتا ہے اور غیر منصرف بھی، اور اس میں چھ لغات ہیں۔

علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ یہ لفظ ہر حال میں اسم ممدود ہے یعنی ہمزہ کے ساتھ ہے، اور یہ عوالی المدینۃ کے قریب ہے، اور المطالع میں مذکور ہے کہ یہ عوالی المدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے۔

البکری نے کہا ہے: قباء ایک اور جگہ ہے جو مکہ اور بصرہ کے راستہ میں ہے۔ (معجم البلدان ج ۴ ص ۳۰۳۔۳۰۲)

مقاماتِ مبارکہ کی زیارت کا ثبوت

اور یہاں بنوعمرو بن عوف کی مسجد ہے اور یہ وہ پہلی مسجد ہے جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی، اور (یہ ایک قول ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ وہ مسجدِ مدینہ ہے)، اس مسجد کو بناتے وقت پہلا پتھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھا، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے، اور اس باب کی حدیث قباء کی فضیلت پر اور مسجدِ قباء کی فضیلت پر اور مسجدِ قباء میں نماز پڑھنے کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے، اور پیدل اور سوار ہو کر مسجدِ قباء کی زیارت پر دلالت کرتی ہے۔ اور اسی طرح تمام فضیلت والی جگہوں کی زیارت کی جائے گی۔

بعض نفلی عبادات کی بعض ایام میں تخصیص کا جواز

اور ہفتہ کے دن قباء کی طرف جانا اس پر دلیل ہے کہ بعض ایام کو بعض اعمالِ صالحہ کے ساتھ خاص کرنا جائز ہے اور اس پر دوام کرنا بھی جائز ہے۔

علامہ ابوالعباس احمد بن عمر ابراہیم القرطبی المالکی المتوفی ۶۵۶ھ نے لکھا ہے کہ امام مالک کا اصل مذہب یہ ہے کہ عبادت کے لیے کسی وقت کو خاص کرنا مکروہ ہے سوا اس کے جس کا ثبوت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو۔ (المفہم ج ۳ ص ۵۱۰، دار ابن کثیر ۱۴۱۷ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ نے کہا ہے: صحیح یہ ہے کہ بعض ایام کی زیارت کے ساتھ تخصیص کرنا جائز ہے اور ابن مسلمہ المالکی نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے اور شاید ان تک یہ احادیث نہیں پہنچیں۔ (صحیح مسلم بشرح النووی ج ۹ ص ۱۷۱)

علامہ داؤدی متوفی ۴۰۲ھ نے کہا ہے: پھر مسجدِ قباء میں جانا اس پر دلیل ہے کہ شہر میں جو فضیلت والی مسجدیں ہوں وہاں پر پیدل یا سوار ہو کر جانے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ہے کہ تین مسجدوں کے سوا اونٹوں کے کجاوہ پر سامانِ سفر نہ باندھا جائے وہ اس میں داخل نہیں ہے۔

نوافل کو گھر میں پڑھنے کی فضیلت

نیز علامہ داؤدی نے کہا: اس میں یہ ذکر نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب چاشت کے وقت آتے تو مسجدِ قباء میں نماز پڑھتے اور آپ اس میں نماز پڑھتے تھے تاکہ نماز پڑھے بغیر اس مسجد سے نہ نکلیں، اور بعض علماء نے کہا ہے کہ آپ مسجدِ قباء میں جاتے تھے اس کے باوجود کہ آپ کی مسجد، مسجدِ قباء سے افضل ہے تاکہ جن جگہوں میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جاتی ہے اور اس کا قرب حاصل کیا جاتا ہے ان کی تعداد زیادہ ہو۔

علامہ ابن التین نے کہا ہے: اسی طرح امام مالک نے کہا ہے کہ گھروں میں نوافل پڑھنا اس سے زیادہ مستحب ہے کہ وہ نوافل مسجدِ نبوی میں پڑھے جائیں سوا مسافروں کے، کیونکہ مسافروں کا مسجدِ نبوی میں نوافل پڑھنا ان کے نزدیک مستحب ہے۔

علامہ ابن رُشد مالکی نے کہا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجدِ قباء میں تشریف لاتے تھے تاکہ انصار کے ساتھ نیکی ہو اور ان کے ساتھ آپ جمع ہوں، اور آپ کوئی فرض نماز پڑھنے کے لیے یا نفل نماز پڑھنے کے لیے مسجدِ قباء میں نہیں آتے تھے، کیونکہ فرض نماز کو پڑھنا آپ کی مسجد میں اور نفل نماز کو پڑھنا آپ کے گھر میں افضل ہے۔

علامہ ابوجعفر طحاوی نے کہا ہے کہ بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجدِ قباء میں نماز پڑھنے کے لیے آتے تھے، یہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث اور آپ کا ارشاد نہیں ہے، ہوسکتا ہے کہ راوی نے اپنی طرف سے اس کو ذکر کر دیا ہو کیونکہ اس کو معلوم تھا کہ آپ کسی مسجد میں اس وقت تک نہیں بیٹھتے تھے جب تک کہ اس میں نماز نہ پڑھ لیں، اور یہ راوی اکیلا ہے اور ہوسکتا ہے کہ یہ اس کا وہم ہو۔

رہا آپ کا گھر میں نفل پڑھنا تو وہ آپ کی مسجد میں نماز پڑھنے سے افضل ہے اور آپ کی مسجد، مسجدِ قباء سے زیادہ فضیلت رکھتی ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مسجدِ قباء میں نماز پڑھنا مسجد کی تعظیم کی وجہ سے ہے جس کو تحیۃ المسجد کہا جاتا ہے۔

مسجدِ قباء میں نماز پڑھنے کی فضیلت

مسجدِ قباء میں نماز پڑھنے کے متعلق درجِ ذیل حدیث ہے:

امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ حضرت اُسید بن ظہیر الانصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب میں سے تھے، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مسجدِ قباء میں نماز پڑھنا عمرہ کی مثل ہے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے کہا کہ حضرت اُسید رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث حسن غریب ہے۔ (سنن ترمذی: ۳۲۴، سنن ابن ماجہ: ۱۴۱۱)

امام ابنِ ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ نے از ابوامامہ بن سہل از والدخود روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرح فرمایا، اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، وہ دونوں بھی یہی کہتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۵۱، رقم: ۷۵۳۲، ۷۵۳۱)

جس مسجد کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے، اس کے متعلق فقہاء کے اقوال

جس مسجد کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے، اس کا مصداق مسجدِ نبوی ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور سعید بن المسیب نے کہا کہ وہ مسجدِ مدینہ ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۵۰-۱۵۱)

اور امام مالک بن انس نے بھی یہی کہا۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۸ ص ۲۵۹)

ان اقوال کی دلیل درجِ ذیل حدیث ہے:

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: بنوخدرہ کے ایک مرد اور بنوعمرو بن عوف کے ایک مرد کے درمیان اس میں بحث ہوئی کہ وہ کونسی مسجد ہے جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے؟ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا: وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسجد ہے، اور دوسرے نے کہا: وہ مسجدِ قباء ہے، پھر وہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے تو آپ نے فرمایا: وہ آپ کی مسجد ہے، اور اس میں خیرِ کثیر ہے۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن ترمذی: ۳۲۳، کتاب الصلوٰۃ، باب ماجاء فی المسجد الذی اسس علی التقوی)

از اُسامہ بن زید از عبدالرحمٰن بن سعید الخذری از والدخود از نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی کی مثل روایت ہے۔

(مصنف ابنِ ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۵۰، تفسیر الطبری ج ۶ ص ۴۷۴، المستدرک للحاکم ج ۲ ص ۳۳۴، حافظ ذہبی نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے)

اس پر دلیل کہ جس مسجد کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے وہ مسجد قباء ہے

دوسرا قول یہ ہے کہ جس مسجد کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے، وہ مسجدِ قباء ہے۔ یہ مجاہد اور عروہ اور قتادہ کا قول ہے اور علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ امام بخاری کا بھی یہی مختار ہے۔ اور حضرت ابن عباس اور ضحاک اور حسن بصری کا بھی یہی قول ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ۭ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ (التوبہ:۱۰۸)

البتہ جس مسجد کی بنیاد پہلے روز سے ہی تقویٰ پر رکھی گئی ہے، وہ اس بات کی زیادہ حق دار ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں، اس میں ایسے مرد ہیں جو خوب پاکیزہ ہونے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ زیادہ پاکیزگی حاصل کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے O

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جس مسجد کی بنیاد اولِ یوم سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے وہ پہلی مسجد ہے اور پہلی مسجد، مسجدِ قباء ہے کیونکہ مسجدِ نبوی یا مسجدِ مدینہ تو اس کے بعد بنائی گئی۔

امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، قرآنِ مجید کی آیت مبارکہ "فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا، وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ" اہلِ قباء کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ یہ لوگ (ڈھیلا استعمال کرنے کے بعد) پانی سے استنجاء کرنے کو مستحب قرار دیتے تھے تو ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔

(سنن ترمذی: ۳۱۰۰، سنن ابوداؤد: ۴۴، سنن ابن ماجہ: ۳۵۷)

دوسری دلیل یہ ہے کہ علامہ ابن العربی نے بیان کیا کہ یہ ثابت ہے کہ منافقین نے ایک مسجد بنائی اور وہ بنو عمرو بن عوف کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتے تھے اور انہوں نے کہا: یارسول اللہ! ہم نے اس مسجد کو کسی علت اور ضرورت اور بارش والی راتوں کی وجہ سے بنایا ہے، ان کا مقصد یہ تھا کہ وہ مسجدِ قباء میں نماز پڑھنے سے بھاگیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سفر کا عذر پیش کیا اور اس معاملہ کو واپس آنے تک موخر کر دیا، پھر جب آپ واپس آئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ۭ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ۭ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ (التوبہ:۱۰۸)

آپ اس مسجد میں کبھی کھڑے نہ ہوں، البتہ جس مسجد کی بنیاد پہلے روز سے ہی تقویٰ پر رکھی گئی ہے، وہ اس بات کی زیادہ حق دار ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں، اس میں ایسے مرد ہیں جو خوب پاکیزہ ہونے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ زیادہ پاکیزگی حاصل کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے O

علامہ ابن العربی نے کہا: اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ یہ لوگ اہلِ قباء تھے، اور یہ حدیث بہت مشہور ہے اور بہت بڑی جماعتوں سے منقول ہے تو حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث کی بہ نسبت اس پر عمل کرنا اولیٰ ہے۔

امام بخاری نے باب "هجرة النبي صلى الله عليه وسلم" میں یہ عنوان قائم کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو عمرو بن عوف میں اس مسجد کی بنیاد رکھی جس کی بنیاد تقویٰ پر تھی۔ (صحیح البخاری: ۳۹۰۶)

امام طحاوی نے کہا ہے: اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ مرد رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں تھے، کیونکہ آپ کی مسجد مہاجرین اور انصار سے اور دیگر صحابہ سے بھری ہوئی تھی۔

نیز امام طحاوی نے کہا: جس حدیث کا ذکر علامہ ابن العربی نے کیا ہے، یہ سعید بن جبیر سے مروی ہے اور اس کی سند منقطع ہے اور یہ احادیثِ متصلہ کے معارض نہیں ہو سکتی، پس ثابت ہوا کہ جس مسجد کی بنیاد تقویٰ پر ہے وہ مسجدِ مدینہ ہے نہ کہ مسجدِ قباء۔

(شرح مشکل الآثار للطحاوی ج ۱ ص ۲۲۳)

علامہ سہیلی اور دیگر محققین نے کہا ہے کہ یہ ہو سکتا ہے کہ ان دونوں مسجدوں میں سے ہر ایک کی بنیاد تقویٰ پر ہو، لیکن قرآن مجید میں "مِن اولِ یومٍ" کے الفاظ مسجدِ قباء کو ترجیح دیتے ہیں، کیونکہ مسجدِ قباء کی بنیاد مسجد نبوی سے پہلے رکھی گئی تھی، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ "یوم" سے مراد مدت اور وقت ہو اور ان دونوں مسجدوں کی بنیاد اول وقت میں رکھی گئی تھی یعنی ہجرت کے پہلے سال میں۔

مسجدِ قباء میں نماز پڑھنے کی نذر ماننے کے متعلق فقہاء کے اقوال

علامہ ابن التین نے کہا ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جس نے مدینہ میں مسجدِ قباء میں نماز پڑھنے کی نذر مانی تو اس پر واجب ہے کہ وہ مسجدِ قباء میں نماز پڑھے، کیونکہ مسجدِ قباء میں نماز پڑھنا بھی قربت اور عبادت ہے اور یہ اس کے خلاف نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تین مساجد (مسجدِ حرام، مسجد نبوی اور مسجدِ بیت المقدس) کے سوا سامانِ سفر باندھنے سے منع فرمایا ہے، کیونکہ یہ ممانعت دور دراز کے سفروں پر محمول ہے اور طویل مسافت کو طے کرنے پر محمول ہے اور مسجدِ قباء اس میں داخل نہیں ہے کیونکہ وہ مدینہ کے قریب ہے، اور مسجدِ قباء میں جمعہ وغیرہ کے لیے نماز پڑھنا اجماعاً جائز ہے۔ اور اگر کوئی آنے والا دور دراز سے قباء میں آئے اور سفر کی تکلیف اٹھائے تو یہ اس حدیث کی ممانعت میں داخل ہوگا جس میں آپ نے تین مساجد کے سوا سامانِ سفر باندھنے سے منع فرمایا ہے۔

اور محمد بن مسلمہ نے المبسوط میں لکھا ہے کہ جس نے مسجدِ قباء میں نماز پڑھنے کی نذر مانی تو اس پر اس نذر کو پورا کرنا لازم ہے اور پہلا قول زیادہ ظاہر ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۹ ص ۲۴۰-۲۴۶ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۷۳۲۷۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لِعَبْدِ اللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ ادْفِنِّي مَعَ صَوَاحِبِي وَلَا تَدْفِنِّي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي الْبَيْتِ فَإِنِّي أَكْرَهُ أَنْ أُزَكَّى۔

(صحیح البخاری: ۱۳۹۱، ۷۳۲۷)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبید بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو اسامہ نے حدیث بیان کی از ہشام از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے کہا: مجھے میری سوکنوں کے ساتھ دفن کر دینا اور نبی ﷺ کے ساتھ حجرہ میں مجھ کو دفن نہ کرنا، میں اس کو ناپسند کرتی ہوں کہ میری تعریف کی جائے۔

صحیح البخاری: ۷۳۲۷، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تواضع اور انکسار

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے فرمایا: مجھے میری سوکنوں کے ساتھ دفن کر دینا، میں یہ نہیں چاہتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدفون ہونے کی وجہ سے میری خصوصی ستائش اور تعریف کی جائے اور اس وجہ سے میرے لیے زیادہ فضیلت بیان کی جائے، اور میں نفس الامر میں اس طرح نہیں ہوں، اور یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تواضع تھی اور ان کا انکسار تھا، اس کے برخلاف جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ اجازت طلب کی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کے حجرہ میں دفن کر دیا جائے تو انہوں نے کہا: میں نے اس جگہ کو اپنے لیے چاہا تھا تو یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اجتہاد تھا، یا جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ کہا تھا تو اس وقت تک جنگِ جمل کا واقعہ نہیں ہوا تھا، تو اس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس سے حیاء فرمائی کہ وہ اس جگہ دفن کی جائیں، اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما جوان صحابہ میں سے ایک تھے جنہوں نے اس دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جنگ کی تھی، انہوں نے کہا تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دنیا و آخرت میں تمہارے نبی کی زوجہ ہیں۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۸۱۷۔ ۸۱۸، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۳۲۸۔ وَعَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ عُمَرَ أَرْسَلَ إِلَى عَائِشَةَ ائْذَنِي لِي أَنْ أُدْفَنَ مَعَ صَاحِبَيَّ فَقَالَتْ إِي وَاللّٰهِ قَالَ وَكَانَ الرَّجُلُ إِذَا أَرْسَلَ إِلَيْهَا مِنَ الصَّحَابَةِ قَالَتْ لَا وَاللّٰهِ لَا أُوثِرُهُمْ بِأَحَدٍ أَبَدًا۔

(صحیح البخاری: ۱۳۹۱، ۷۳۲۷)

اور از ہشام از والد خود، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف پیغام بھیجا: مجھے اجازت دیجئے کہ مجھے اپنے دو صاحبوں کے ساتھ دفن کر دیا جائے، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ہاں اللہ کی قسم! اور ہشام بیان کرتے ہیں کہ جب کوئی مرد صحابہ میں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف پیغام بھیجتا تو وہ فرماتیں: نہیں اللہ کی قسم! میں کبھی بھی کسی کو وہاں ترجیح نہیں دوں گی۔

صحیح البخاری: ۷۳۲۸، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا کسی اور کو حجرہ میں مدفون ہونے کی اجازت نہ دینا

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ اس سے پہلے جب صحابہ میں سے کوئی ایک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ سوال کرتا کہ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ دفن کر دیا جائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی: نہیں اللہ کی قسم!

ہمارے شیخ علامہ ابن الملقن نے کہا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو فرمایا: میں ان میں سے کسی کو کبھی بھی ترجیح نہیں دوں گی، اس کی صحت کی وجہ ظاہر نہیں ہوئی، گویا کہ یہ عبارت مقلوب ہے، یعنی الٹی ہے اور صاحب المطالع اور پھر علامہ کرمانی نے بھی اسی کی تصریح کی ہے، انہوں نے کہا: ہو سکتا ہے کہ مراد یہ ہو کہ میں کسی ایک کو بھی وہاں دفن ہونے کی اجازت نہیں دوں گی۔

علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قصہ میں مذکور ہے: میں نے ضرور اس جگہ کو اپنے لیے پسند کیا تھا تا کہ میں

اپنے والد اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب کے ساتھ دفن کی جاؤں، اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حجرہ میں کوئی اور جگہ نہ ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک میں کسی اور کے مدفون ہونے کی بھی گنجائش کا ہونا

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: اور امام محمد بن سعد نے از حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ انہوں نے اپنے بھائی یعنی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو یہ وصیت کی تھی کہ وہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھ (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ) دفن کر دیں اگر اس سے کوئی فتنہ پیدا نہ ہو، پس حضرت حسین، حضرت حسن رضی اللہ عنہما کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دفن کرنا چاہتے تھے تو بنو امیہ نے ان کو اس سے روکا، پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو البقیع میں دفن کر دیا گیا۔

اور امام ترمذی نے از حضرت عبد اللہ بن سلام روایت کی ہے کہ تورات میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت میں اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کی صفت میں یہ لکھا ہوا ہے کہ ''حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دفن کیا جائے گا''۔

اور امام ابوداؤد نے جو اس حدیث کے ایک راوی ہیں، یہ کہا ہے کہ اس حجرہ میں ایک قبر کی جگہ باقی ہے۔

اور امام طبرانی کی روایت میں ہے کہ ''حضرت عیسیٰ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ دفن کیا جائے گا''، پس یہ چوتھی قبر ہوگی۔

حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی فضیلت

علامہ ابن بطال نے علامہ المہلب سے نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدفون ہونے کو ناپسند کیا، کیونکہ ان کو یہ خطرہ تھا کہ ان کے متعلق یہ گمان کیا جائے گا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد تمام صحابہ سے افضل ہیں، بے شک ہارون رشید نے امام مالک سے سوال کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا مقام تھا؟ تو امام مالک نے کہا: ان کا مقام ایسا ہی تھا جیسا کہ وفات کے بعد ان کا مقام ہے، پس امام مالک نے ان دونوں کی خصوصی تعریف کی کہ وہ ایک مبارک جگہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدفون ہیں، اور اس مٹی میں جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تخلیق ہوئی ہے، پس امام مالک نے اس سے یہ استدلال کیا کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما افضل الصحابہ ہیں، کیونکہ ان کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدفون ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حجرہ مبارکہ کی مٹی سے مخلوق ہونا

اور علامہ ابوبکر الابہری المالکی نے استدلال کیا ہے کہ مدینہ مکہ سے افضل ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ کی مٹی سے تخلیق کی گئی اور آپ افضل البشر ہیں، تو آپ کی مٹی تمام مٹیوں سے افضل ہے۔۔ انتہیٰ۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مٹی کے تمام مٹیوں سے افضل ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اختلاف اس میں ہے کہ کیا اس سے یہ لازم آتا ہے کہ مدینہ مکہ سے افضل ہے۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۴۶۲، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

میں کہتا ہوں: اس عبارت میں ان لوگوں کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مادہ تخلیق نور ہے، کیونکہ اس عبارت میں یہ تصریح ہے کہ آپ کو روضۂ مبارکہ کی مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۷۳۲۹۔ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ بْنُ سُلَيْمَانَ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي أُوَيْسٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بِلَالٍ عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ يُصَلِّي الْعَصْرَ فَيَأْتِي الْعَوَالِيَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ وَزَادَ اللَّيْثُ عَنْ يُونُسَ وَبُعْدُ الْعَوَالِي أَرْبَعَةُ أَمْيَالٍ أَوْ ثَلَاثَةٌ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ایوب بن سلیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوبکر بن ابی اویس نے حدیث بیان کی از سلیمان بن بلال از صالح بن کیسان، وہ بیان کرتے ہیں کہ ابن شہاب نے کہا: مجھے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز پڑھتے، پھر العوالی میں جاتے اور سورج بلند ہوتا تھا، اور لیث نے از یونس اضافہ کیا کہ عوالی کا (مسجدِ مدینہ سے فاصلہ) چار میل یا تین میل تھا۔

(صحیح البخاری: ۵۴۸، ۵۵۰، ۵۵۱، ۷۳۲۹، صحیح مسلم: ۶۲۱، سنن نسائی: ۵۰۶، سنن ابوداؤد: ۴۰۴، سنن ابن ماجہ: ۶۸۲، مسند احمد: ۱۲۸۲۳، سنن دارمی: ۱۲۰۸، موطا امام مالک: ۱۰)

صحیح البخاری: ۷۳۲۹، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ نووی نے کہا ہے: علماء نے بیان کیا کہ بنو عمرو بن عوف کے گھر مدینہ سے دو میل کے فاصلہ پر تھے اور وہ عصر کی نماز متوسط وقت میں پڑھتے تھے، کیونکہ وہ اپنے کام کاج میں اور کھیتی باڑی میں مشغول ہوتے تھے، پس یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز اول وقت میں جلدی پڑھتے تھے۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۱۶۰، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۳۳۰۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ زُرَارَةَ حَدَّثَنَا الْقَاسِمُ بْنُ مَالِكٍ عَنِ الْجُعَيْدِ سَمِعْتُ السَّائِبَ بْنَ يَزِيدَ يَقُولُ كَانَ الصَّاعُ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم مُدًّا وَثُلُثًا بِمُدِّكُمُ الْيَوْمَ وَقَدْ زِيدَ فِيهِ سَمِعَ الْقَاسِمُ بْنُ مَالِكٍ الْجُعَيْدَ۔

(صحیح البخاری: ۶۷۱۲، سنن نسائی: ۲۵۱۹)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمرو بن زُرارہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں القاسم بن مالک نے حدیث بیان کی از الجُعید، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے السائب بن یزید سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں صاع تمہارے آج کل کے مُد کے مقابلہ میں ایک مُد اور ایک تہائی تھا اور اس میں اضافہ کیا گیا ہے، قاسم بن مالک نے الجعید سے سنا۔

صحیح البخاری: ۷۳۳۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

شارحین میں سے کسی نے بھی اس حدیث اور باب کے عنوان کے درمیان مطابقت کا ذکر نہیں کیا، اور ہو سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا

صاع عنوان کے اس جز و میں داخل ہو کہ جس پر حرمین متفق ہو گئے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا صاع اس قبیل سے تھا کہ جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایام میں اہلِ حرمین مجتمع ہو گئے تھے اور وہ اس وقت ایک مد اور تہائی مد تھا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس میں اضافہ کیا گیا ہے اور حضرت عمر بن عبد العزیز کے زمانہ میں اضافہ کیا گیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۸۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۷۳۳۰، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت السائب بن یزید رضی اللہ عنہ کی حدیث صاع کے ذکر میں کتاب کفارۃ الایمان میں گزر چکی ہے، اور یہاں اس روایت میں مذکور ہے کہ وہ تمہارے مد کے مقابلہ میں ایک مد اور تہائی مد تھا۔

اور اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ اہلِ حرمین کا صاع کی مقدار پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کے بعد اتفاق تھا اور وہ برقرار رہا، پس جب بنو امیہ نے صاع کی مقدار میں اضافہ کیا اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صاع کی مقدار کا اعتبار نہیں کیا جو زکوٰۃ فطر کی مقدار میں مروی تھی اور انہوں نے صاع کی مقدار میں اضافہ کر دیا جیسا کہ اس پر امام مالک نے تنبیہ کی ہے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۴۶۲، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۳۳۱۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِي مِكْيَالِهِمْ وَبَارِكْ لَهُمْ فِي صَاعِهِمْ وَمُدِّهِمْ يَعْنِي أَهْلَ الْمَدِينَةِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن مسلمہ نے حدیث بیان کی از امام مالک از اسحاق بن عبد اللہ بن ابی طلحہ از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ! ان کے کیل کے آلہ میں برکت دے اور ان کے صاع میں برکت دے اور ان کے مد میں برکت دے یعنی اہل مدینہ کے۔

(صحیح البخاری: ۲۱۳۰، ۶۷۱۴، ۷۳۳۱، صحیح مسلم: ۱۳۶۸، موطا امام مالک: ۱۶۴۳، سنن دارمی: ۲۵۷۵)

صحیح البخاری: ۷۳۳۱، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا برکت کی دعا کرنا

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برکت کی دعا کرنے کا ذکر ہے، اور اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی غیب کی خبروں کا بیان ہے، پس آپ کی برکت سے اہلِ مدینہ کے صاع کی مقدار زیادہ ہوگئی اور اس میں سے کتنا کھایا جائے گا اور کتنا ذخیرہ کیا جائے گا اور کتنا دوسرے شہروں میں منتقل کیا جائے گا، اور مد اور صاع میں برکت سے مراد یہ ہے کہ ان کے پیمانوں میں جن چیزوں کی پیمائش کی جائے ان چیزوں میں اللہ تعالیٰ برکت فرمائے، اور اہلِ مدینہ کا مد چھوٹا تھا کیونکہ ان کے پاس غلہ کم ہوتا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے غلہ میں برکت کی دعا کی اور ان کے پیمانہ سے پیمائش کرنا مستحب ہے تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت کو حاصل کیا جائے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۱۴ ص ۳۰۹، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۷۳۳۲۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ حَدَّثَنَا أَبُو ضَمْرَةَ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ الْيَهُودَ جَاؤُوا إِلَى النَّبِيِّ ﷺ بِرَجُلٍ وَامْرَأَةٍ زَنَيَا فَأَمَرَ بِهِمَا فَرُجِمَا قَرِيبًا مِنْ حَيْثُ تُوضَعُ الْجَنَائِزُ عِنْدَ الْمَسْجِدِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابراہیم بن المنذر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوضمرہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں موسیٰ بن عقبہ نے حدیث بیان کی از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ یہود نبی ﷺ کے پاس ایک ایسے مرد اور عورت کو لے کر آئے جنہوں نے زنا کیا تھا، پس آپ نے ان کو رجم کرنے کا حکم دیا، سو ان کو مسجد کے قریب اس جگہ رجم کیا گیا جہاں جنازے رکھے جاتے ہیں۔

(صحیح البخاری: ۱۳۲۹، ۳۶۳۵، ۴۵۴۶، ۶۸۱۹، ۶۸۴۱، ۷۳۳۲، ۷۵۴۳، صحیح مسلم: ۱۶۹۹، سنن ابوداؤد: ۴۴۴۶، مسند احمد: ۴۴۸۴، موطا امام مالک: ۱۵۵۱، سنن دارمی: ۲۳۲۱)

صحیح البخاری: ۷۳۳۲، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مسجد کے قریب جنائز رکھنے کی جگہ کا بیان

علامہ ابن بطال نے ابنِ حبیب مالکی سے نقل کیا ہے کہ جنازوں کے نماز پڑھنے کی جگہ مدینہ میں نبی ﷺ کی مسجد سے مشرق کی جانب میں ملی ہوئی تھی۔

اگر علامہ ابن بطال کی بات ثابت ہے تو یہ ہوسکتا ہے کہ مسجد سے مراد یہاں پر وہ جگہ ہو جو عیدین کی نماز پڑھنے کے لیے بنائی گئی تھی اور نمازِ استسقاء کے لیے بنائی گئی تھی، کیونکہ اس وقت مسجد نبوی میں کوئی ایسی جگہ نہیں تھی جہاں پر کسی کو رجم کرنا مہیا ہو سکے، اور عنقریب حضرت ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ کے قصہ میں آئے گا کہ ہم نے ان کو عیدگاہ کے قریب رجم کیا تھا۔ اور یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ نمازِ جنازہ پڑھنے کے لیے ایک جگہ عیدگاہ کے قریب بنائی ہوئی تھی، اور اس سے یہ معلوم ہوا کہ بعض جنازوں کو مسجد میں رکھ کر نماز پڑھنے کی جو احادیث ہیں وہ کسی عارضی امر کی وجہ سے تھیں یا بیانِ جواز کے لیے، واللہ اعلم۔

مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھنے کی تحقیق

اور اس حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھنا جائز ہے، اور اس کی تائید امام مسلم کی اس حدیث سے ہوتی ہے جس کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت کی ہے، انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے سہیل بن بیضاء کی نمازِ جنازہ صرف مسجد میں پڑھی تھی، اور جمہور اس کے قائل ہیں کہ مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھنا جائز ہے، امام مالک یہ کہتے ہیں کہ مجھے مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھنا پسند نہیں ہے، ابنِ ابی ذئب اور امام ابوحنیفہ نے بھی مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھنے کو مکروہ قرار دیا ہے، اور ہر وہ علماء جنہوں نے میت کی نجاست کا قول کیا ہے وہ مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھنے کو مکروہ قرار دیتے ہیں، اور جو یہ کہتے ہیں کہ میت پاک ہے تو وہ اس لیے منع کرتے ہیں کہ یہ خطرہ ہے کہ میت کے جسم سے کوئی نجاست نکل کر مسجد میں گر جائے، اور وہ جو حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سہیل بن بیضاء کی مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھی تھی وہ کہتے ہیں کہ وہ اس پر محمول ہے کہ جنازہ مسجد سے باہر رکھا ہوا تھا اور

نمازی مسجد کے اندر تھے اور یہ اتفاقاً جائز ہے (میں کہتا ہوں: آج کل پاکستان میں محراب سے باہر ایک چبوترہ بنایا جاتا ہے اور اس پر جنازہ کو رکھ دیا جاتا ہے اور امام اور نمازی مسجد کے اندر ہوتے ہیں اور اس طرح مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھی جاتی ہے)۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں کہ اس پر یہ اعتراض ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس حدیث سے اس وقت استدلال کیا تھا جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ حکم دیا تھا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے جنازہ کو ان کے حجرہ میں رکھا جائے تا کہ وہ بھی اس پر نماز پڑھیں تو صحابہ کرام نے اس پر اعتراض کیا، اور بعض علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ مسلمانوں کا عمل اس کے ترک پر مقرر ہو گیا، کیونکہ جن لوگوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر انکار کیا تھا وہ صحابہ تھے۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ جن صحابہ نے انکار کیا تھا، انہوں نے بعد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بات مان لی تھی، اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو وہ بات یاد تھی جسے صحابہ بھول چکے تھے، اور امام ابنِ ابی شیبہ اور دوسروں نے یہ روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ مسجد میں پڑھی، اور بے شک حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ مسجد میں پڑھی۔ اور ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ جنازہ کو مسجد میں منبر کے سامنے رکھ دیا گیا تھا، اور اس کا یہ تقاضا ہے کہ مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھنے پر اجماع ہو چکا ہے۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۷۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۷۳۳۲، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھنے کے متعلق مذاہبِ ائمہ

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ”یہودی مرد اور عورت کو مسجد کے ساتھ جنائز کی جگہ میں رجم کیا گیا“۔

یہاں مسجد کا اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ جس جگہ انہیں رجم کیا گیا وہ جنازوں پر نماز پڑھنے کی جگہ کے متصل تھی۔

علامہ ابنِ حبیب مالکی نے کہا ہے: جب کہ جنازوں پر نماز پڑھنے کی جگہ مسجد کے قریب تھی یا مسجد سے ملی ہوئی تھی جیسے مدینہ میں جنازوں پر نماز پڑھنے کی جگہ بازار کی جانب مسجد سے ملی ہوئی تھی، پس کوئی حرج نہیں ہے کہ جنازوں کو عید گاہ میں مسجد سے باہر رکھا جائے اور لوگوں کی صفیں مسجد میں بنائی جائیں، اسی طرح امام مالک نے کہا ہے، پس مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ کسی شخص کی نمازِ جنازہ مسجد میں پڑھی جائے۔ (الاستذکار ج ۸ ص ۲۷۴) اور یہی علامہ ابن ابی ذئب اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب کا مذہب ہے۔ (البنایہ شرح الہدایہ ج ۳ ص ۲۶۰)

ابنِ حبیب نے کہا ہے: اگر کسی نے مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھی تو اس پر کوئی تنگی نہیں ہے اور نہ یہ فعل مکروہ ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیل بن بیضاء کی مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھی۔

(صحیح مسلم: ۹۷۳، موطا امام مالک ص ۱۵۹، المستدرک للحاکم ج ۳ ص ۹۲، سنن بیہقی ج ۴ ص ۵۲)

علامہ ابن المنذر شافعی نے لکھا ہے: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ مسجد میں پڑھی گئی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بھی نمازِ جنازہ مسجد میں پڑھی گئی۔ (الاوسط ج ۵ ص ۴۱۵۔۴۱۶)

اور انہوں نے امام ابن ابی شیبہ کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ جنازہ منبر کے سامنے رکھا گیا۔
(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۴۷)

امام شافعی نے بغیر کراہت کے مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھنے کو جائز قرار دیا ہے بلکہ اس کو مستحب لکھا ہے جیسا کہ علامہ الماوردی وغیرہ نے اس کی تصریح کی ہے۔ (الحاوی ج ۳ ص ۵۰، روضۃ الطالبین ج ۲ ص ۱۳۱)

اور علامہ ابن المنذر شافعی نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور تمام امہات المومنین سے اس کی روایت کی ہے اور امام احمد اور اسحاق اور بعض اصحابِ مالک نے بھی اس کو مقرر رکھا ہے۔ (الاوسط ج ۵ ص ۴۱۵۔۴۱۶)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سہیل بن بیضاء کی نمازِ جنازہ مسجد میں پڑھی تھی یہ فقہاءِ شافعیہ کے لیے حجت ہے۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں از ابی سلمہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، جب حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کو طلب کیا کہ ان کا جنازہ مسجد میں رکھا جائے، پس صحابہ نے اس پر انکار کیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اللہ کی قسم! بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سہل بن بیضاء کی نمازِ جنازہ مسجد میں پڑھی تھی۔ (صحیح مسلم: ۹۷۳)

علامہ ابن ملقن لکھتے ہیں: حدیث مذکور میں ایک علت ہے، وہ یہ ہے کہ علامہ واقدی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت سہل رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد فوت ہوئے، اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں فوت ہوئے تھے وہ حضرت سہیل رضی اللہ عنہ تھے جو کہ ۹ ہجری میں فوت ہوئے تھے۔ اور ابن الجوزی نے کہا ہے کہ سہیل اور صفوان کی نمازِ جنازہ پڑھی اور یہ ان کا وہم ہے، کیونکہ حضرت صفوان رضی اللہ عنہ بدر میں شہید کیے گئے تھے اور مدینہ میں فوت نہیں ہوئے تھے اور بیضاء کے تین بیٹے تھے اور چوتھا کوئی بیٹا نہیں تھا۔

اور ابن سحنون نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ حضرت النجاشی رضی اللہ عنہ کی حدیث حضرت سہیل رضی اللہ عنہ کی حدیث کے لیے ناسخ ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ کا جنازہ مسجد میں رکھ کر ان کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی تھی۔

مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھنے کی دو صورتیں

علامہ ابن العربی مالکی نے کہا ہے کہ یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میت پر مسجد میں نماز پڑھی ہے، اور اس کی دو صورتیں ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ میت کو مسجد میں داخل کیا جائے، اس کو ہمارے علماء نے مکروہ کہا ہے ایسا نہ ہو کہ میت سے کوئی نجس چیز نکلے اور مسجد کو نجاسات کا محل بنانے کا کوئی معنی نہیں ہے، اور حدیث میں یہ گنجائش ہے (حدیث میں ہے: "من صلی علی جنازۃ فی المسجد فلا اجر له") کہ حرفِ جر فعل "صلی" کے متعلق ہو، یعنی جس نے مسجد میں نماز پڑھی کسی جنازہ پر خواہ وہ جنازہ مسجد میں رکھا ہوا ہو یا مسجد سے باہر ہو، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے اور جنازہ مسجد سے باہر رکھا ہوا تھا اور یہ ضروری ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے میت کے گزرنے کی اجازت دی، کیونکہ ان کو یہ اطمینان تھا کہ اس سے کوئی چیز نہیں نکلے گی۔

اور لوگوں کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ پڑھنا اسی طرح تھا جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سہیل رضی اللہ عنہ پر نمازِ جنازہ پڑھی تھی، لیکن امام ابن ابی شیبہ نے اپنی روایت میں جو کہا ہے کہ جنازہ منبر کے سامنے رکھا ہوا تھا، وہ اس احتمال کو رد کرتا ہے۔ اور صاحبِ مبسوط کا یہ زعم ہے کہ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معتکف تھے تو آپ کے لیے باہر نکلنا ممکن نہیں تھا تو جنازہ کو مسجد سے باہر رکھا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر نماز پڑھی۔ (المبسوط ج ۲ ص ۶۸) اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس کا علم تھا کیونکہ وہ باہر تھے اور حضرت

عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ چیز مخفی رہی۔(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۱۰ ص ۱۰۔ ۱۲، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

مسجد میں نمازِ جنازہ کے متعلق فقہاءِ احناف کا نظریہ

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

مسجد میں نمازِ جنازہ بلا عذر مکروہ ہے اور اگر عذر ہو تو پھر مکروہ نہیں ہے، بعض عذر یہ ہیں: بارش، ولی یا جس کا حق نماز پڑھنا ہو اس کا معتکف ہونا اور بالتبع دیگر نمازیوں کا معتکف ہونا (الیٰ قولہ)، ہاں بعض جگہ مسجد سے باہر سڑک پر نماز پڑھی جاتی ہے اور اس سے اکثر نمازیوں کی نماز کا فاسد ہونا لازم آتا ہے کیونکہ عموماً سڑکیں نجس ہوتی ہیں اور نمازی اپنی نجس جوتیاں نہیں اتارتے، اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ سڑک پر نماز پڑھنا مکروہ ہے، اور جب کسی معاملہ میں تنگی ہو تو اس میں وسعت کی جاتی ہے، اس لیے علامہ ابن ہمام کی تحقیق کے مطابق مسجد میں نمازِ جنازہ کے مکروہ تنزیہی یعنی خلاف اولیٰ کا فتویٰ دینا چاہیے، اور یہ مکروہ تنزیہی اس وقت ہے جب عذر ہو ورنہ اصلاً کراہت نہیں ہے۔(ردالمحتار ج ۱ ص ۸۲۹، مطبع عثمانیہ، استنبول، ۱۳۲۷ھ)

ہمارے ہاں جو لوگ مسجد میں نمازِ جنازہ نہیں پڑھتے، وہ سڑک پر نمازِ جنازہ پڑھتے ہیں، حالانکہ اس صورت میں علامہ شامی کے نزدیک مسجد میں جنازہ رکھ کر بھی نمازِ جنازہ پڑھنا جائز ہے، تو جنازہ کو مسجد سے باہر رکھ کر نمازِ جنازہ پڑھنا بطریقِ اولیٰ بلا کراہت جائز ہوگا۔

ہماری تحقیق یہ ہے کہ نمازِ جنازہ کا اصل اور مسنون طریقہ یہ ہے کہ جنازہ گاہ میں نمازِ جنازہ پڑھی جائے، لیکن اگر تمام رشتہ داروں، محلہ داروں اور مسجد کے تمام نمازیوں کا جنازہ گاہ میں جانا لوگوں کی اپنی اپنی مصروفیات کی وجہ سے مشکل ہو جیسا کہ اکثر ہوتا ہے تو ایسی صورت میں جنازہ کو مسجد سے باہر رکھ کر نماز پڑھ لی جائے تو اس میں کوئی کراہت نہیں ہے، لوگوں کو مسئلہ بتاتے وقت لوگوں کی آسانی اور سہولت کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے، اور اگر کسی مسئلہ میں دو قول ہوں تو اس قول کو اختیار کرنا چاہیے جس کی وجہ سے لوگ حرج میں مبتلاء نہ ہوں۔(سعیدی غفرلہٗ)

۷۳۳۳۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ عَمْرٍو مَوْلَى الْمُطَّلِبِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ طَلَعَ لَهُ أُحُدٌ فَقَالَ هَذَا جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهُ اللَّهُمَّ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ حَرَّمَ مَكَّةَ وَإِنِّي أُحَرِّمُ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا تَابَعَهُ سَهْلٌ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِي أُحُدٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از عمرو مولی المطلب از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ ﷺ کے سامنے احد پہاڑ ظاہر ہوا تو آپ نے فرمایا: یہ پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے، ہم اس سے محبت کرتے ہیں، اے اللہ! بے شک ابراہیم نے مکہ کو حرم بنایا اور بے شک میں مدینہ کی دو سیاہ پتھریلی زمینوں کے درمیان جو جگہ ہے اس کو حرم بناتا ہوں، اس حدیث کی سہل نے نبی ﷺ سے لفظِ احد میں متابعت کی ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۸۸۹، صحیح مسلم: ۱۳۶۵، سنن ترمذی: ۳۹۲۲، مسند احمد: ۱۳۱۳۶، موطا امام مالک: ۱۶۴۵)

احد پہاڑ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنا حقیقت پر محمول ہے

بہ ظاہر پہاڑ کا محبت کرنا مستبعد ہے، اس لیے علماء نے اس کی یہ تاویل کی ہے کہ اس پہاڑ کے رہنے والے ہم سے محبت کرتے ہیں اور وہ انصار ہیں، اور یہ اطلاق مجازی ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: اس حدیث میں حقیقی معنی مراد لینا بعید نہیں ہے، کیونکہ حدیث میں ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم احد پہاڑ پر چڑھنے لگے تو وہ ہلنے لگا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے احد! ثابت اور برقرار رہ، تجھ پر نبی ہے، صدیق ہے اور دو شہید ہیں۔

(صحیح البخاری: ۳۶۷۵، سنن ترمذی: ۳۶۹۷، مسند احمد ج ۵ ص ۳۳۱)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھجور کے ایک سوکھے ہوئے تنے کے ساتھ ٹیک لگا کر خطبہ دیتے تھے، جب آپ کے لیے منبر بنا دیا گیا اور آپ نے منبر پر بیٹھ کر خطبہ دیا تو ہم نے سنا اس درخت کے تنے سے آپ کے فراق کی وجہ سے اس طرح رونے کی آواز آرہی تھی جس طرح دس ماہ کی حاملہ اونٹنی چلاتی ہے حتیٰ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ اس تنے پر رکھا تو وہ چپ ہو گیا۔

(صحیح البخاری: ۳۰۸۵، مسند احمد ج ۵ ص ۱۰۲)

ایک یہودی عورت نے خیبر میں آپ کو بکری کا زہر آلودہ گوشت کھلایا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ نے اصحاب نے اس کو کھایا، پھر آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا: رُک جاؤ، پھر آپ نے اس عورت سے فرمایا: تم نے اس میں زہر ملایا تھا؟ اس نے آپ سے پوچھا: آپ کو کس نے خبر دی؟ آپ نے فرمایا: بکری کے پاؤں کی ہڈی نے جو آپ کے ہاتھ میں تھی، اس نے کہا: ہاں!

(دلائل النبوۃ ج ۴ ص ۲۱۰)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں مکہ کے ایک پتھر کو پہچانتا ہوں جو میری بعثت سے پہلے مجھ پر سلام کرتا تھا، میں اس کو اب بھی پہچانتا ہوں۔ (صحیح مسلم: ۲۲۷۷، سنن ترمذی: ۳۶۱۴، مسند احمد ج ۵ ص ۸۹)

حضرت عبداللہ بن قرط یمانی بیان کرتے ہیں کہ حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چھ اونٹنیاں لائی گئیں، ان میں سے ہر ایک آپ کی طرف گردن بڑھا رہی تھی کہ آپ اس سے ذبح کی ابتداء کریں۔

(سنن ابوداؤد: ۱۷۶۵، صحیح ابن خزیمہ: ۲۸۶۶، مسند احمد ج ۴ ص ۳۵۰، البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۵۳۴)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اونٹ نے آپ سے کلام کیا اور آپ کو سجدہ کیا۔

(البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۵۳۶، ۵۳۱، ۵۳۰)

حضرت یعلیٰ بن مرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فاسق جن اور انس کے علاوہ ہر چیز کو علم ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ (البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۵۳۴)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ کے بعض راستوں میں جا رہا تھا، آپ کے سامنے جو پہاڑ یا درخت آتا وہ کہتا تھا: السلام علیک یا رسول اللہ! (سنن ترمذی: ۳۶۲۶)

جب بہ کثرت احادیثِ صحیحہ سے یہ ثابت ہے کہ شجر و حجر اور حیوانات آپ کو پہچانتے تھے، آپ کی رسالت کی تصدیق کرتے

تھے اور آپ سے محبت کرتے تھے تو احد پہاڑ کا آپ سے محبت کرنا کیسے بعید ہو سکتا ہے!!!

۷۳۳۴۔ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ حَدَّثَنَا أَبُو غَسَّانَ حَدَّثَنِي أَبُو حَازِمٍ عَنْ سَهْلٍ أَنَّهُ كَانَ بَيْنَ جِدَارِ الْمَسْجِدِ مِمَّا يَلِي الْقِبْلَةَ وَبَيْنَ الْمِنْبَرِ مَمَرُّ الشَّاةِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابن ابی مریم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوغسان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابوحازم نے حدیث بیان کی از حضرت سہل رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ مسجد کی جو دیوار قبلہ کے قریب تھی اس کے اور منبر کے درمیان ایک بکری کے گزرنے کی جگہ تھی۔

(صحیح البخاری: ۴۹۶، ۷۳۳۴، صحیح مسلم: ۵۰۸، سنن ابوداؤد: ۶۹۶)

صحیح البخاری: ۷۳۳۴، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نمازی اور سُترہ کے درمیان کی مقدار میں مذاہب

نمازی اور اس کے سُترہ کے درمیان یہ کم سے کم فاصلہ ہے۔ عطاء، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل نے کہا ہے کہ اس کی کم از کم مقدار تین ذراع ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ میں نماز پڑھی اور آپ کے اور قبلہ کے درمیان تین ذراع کا فاصلہ تھا، اور امام مالک نے اس کی کوئی حد مقرر نہیں کی۔ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نماز پڑھتے تھے اور اپنے اور قبلہ کے درمیان تین ذراع کا فاصلہ رکھتے تھے اور سہل بن ابی حثمہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو سُترہ کے قریب ہوتا کہ اس کی نماز کو شیطان قطع نہ کرے۔

(شرح ابن بطال ج ۲ ص ۱۷۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۷۳۳۵۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ خُبَيْبِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم مَا بَيْنَ بَيْتِي وَمِنْبَرِي رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ وَمِنْبَرِي عَلَى حَوْضِي۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمرو بن علی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرحمٰن بن مہدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے حدیث بیان کی از خبیب بن عبدالرحمٰن از حفص بن عاصم از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے حجرہ اور میرے منبر کے درمیان جو جگہ ہے، وہ جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے اور میرا منبر میرے حوض پر ہے۔

(صحیح البخاری: ۱۱۹۶، ۱۸۸۸، ۶۵۸۸، ۷۳۳۵، صحیح مسلم: ۱۳۹۱، مسند احمد: ۷۱۸۲، موطا امام مالک: ۴۶۲)

صحیح البخاری: ۷۳۳۵، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے مناسب دیگر احادیث

امام ابوجعفر طحاوی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ میرا منبر جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ پر رکھا گیا اور میرے حجرہ اور منبر کے درمیان جو جگہ ہے وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ (تحفۃ الاخیار ج ۳ ص ۷۰ ۳، الضعفاء الکبیر للعقیلی ج ۴ ص ۷۲، حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۲۶۴، ۳۴۱)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری قبر اور میرے منبر کے درمیان جو جگہ ہے وہ جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے۔ (تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۱۶۰، تحفۃ الاخیار ج ۳ ص ۷۰ ۳)

جب یہ احادیث معلوم ہو گئیں تو صحیح روایت وہ ہے جس میں قبری کی جگہ "بیتی" کا لفظ ہے، اور ظاہر یہ ہے کہ بیت سے مراد وہ بیت ہے جس میں آپ رہائش رکھتے تھے، اور دوسری حدیث کی تاویل بھی جائز ہے کیونکہ آپ اپنے رہائشی گھر میں ہی مدفون کیے گئے۔ اور یہ بھی روایت ہے کہ جو میرے حجرہ اور منبر کے درمیان جگہ ہے وہ جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۵۳۴) اور یہ دونوں قول متفق ہیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک آپ کے حجرہ میں ہے اور وہی آپ کا بیت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ مبارک کی فضیلت

اس پر اجماع ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ مبارک زمین کے حصوں میں سے سب سے افضل حصہ ہے اور عرب کی زبان میں روضۃ اس جگہ کو کہتے ہیں جس میں سرسبز گھاس ہو۔ (لسان العرب ج ۳ ص ۱۷۷۵)

اکثر علماء نے یہ کہا ہے کہ یہ حدیث اپنے ظاہر پر محمول ہے، انہوں نے کہا: بعینہٖ یہی جگہ جنت میں منتقل کی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَ اَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَیْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ ۝ (الزمر: ۷۴)

اور وہ کہیں گے: تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے ہم سے کیا ہوا وعدہ سچا کر دیا اور ہم کو اس زمین کا وارث بنا دیا، ہم جہاں چاہیں جنت میں رہتے ہیں، پس (نیک) عمل کرنے والوں کا کیا ہی اچھا اجر ہے ○

علامہ ابن الملقن کہتے ہیں: یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ قیامت کے دن جنت زمین میں ہوگی۔ (مفسرین نے یہ کہا ہے کہ اس آیت میں زمین سے مراد جنت کی زمین ہے، ابتداءً اس جنت میں حضرت آدم علیہ السلام کو رکھا گیا تھا اور آخرت میں ان کی اولاد میں سے متقین ان کے وارث ہو کر جنت میں جائیں گے)۔

نیز علامہ ابن ملقن کہتے ہیں: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد اس جگہ نیک عمل ہو جو عمل کرنے والے کو جنت میں لے جائے گا، جیسے حدیث میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت کے باغات میں چرو۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۱۵۰، مسند ابو یعلیٰ ج ۶ ص ۱۵۵، کتاب الدعاء للطبرانی ج ۳ ص ۱۶۴۳، شعب الایمان للبیہقی ج ۱ ص ۳۹۸)

اس حدیث میں جنت کے باغات سے مراد حقیقتاً باغات ہیں یا اس میں کوئی تاویل ہے؟

اس حدیث میں جنت کے باغات سے مراد ہیں ذکر اور علم کے حلقے جو کہ جنت تک پہنچاتے ہیں، پس اس باب کی حدیث کا معنی یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کرنے کی طرف ترغیب دی ہے اور آپ کی مسجد میں نماز پڑھنے کی ترغیب دی ہے، اسی طرح درج ذیل حدیث ہے:

حضرت عبد اللہ ابن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جان لو کہ جنت تلواروں کے سائے کے نیچے ہے۔ (صحیح البخاری: ۲۸۱۸، صحیح مسلم: ۱۷۴۲، سنن ابوداؤد: ۲۶۳۱، مسند احمد: ۱۸۶۳۵)

علامہ ابن التین نے اس تاویل کو بعید قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک اب بھی جنت کے باغات میں ہے، اور جن لوگوں نے اس حدیث میں عمل کی تاویل کی ہے اس کے دو محمل ہیں:

(۱) قرآن اور سنت میں جن احکام کی تلاوت کی جاتی ہے، ان کی پیروی کرنا جنت کے باغات کی طرف پہنچاتا ہے، پس اس جگہ کی کوئی فضیلت نہیں ہے۔

(۲) اس جگہ پر اطاعت کرنا جنت کی طرف پہنچاتا ہے، کیونکہ اس جگہ نماز پڑھنے کی وہ فضیلت ہے جو دوسری جگہ نہیں ہے، انہوں نے کہا: یہ زیادہ واضح ہے، اس لیے کہ کلام اس جگہ کی فضیلت کے متعلق ہے، اسی وجہ سے امام مالک نے اپنی موطا میں اس حدیث کو اس باب میں داخل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں نماز پڑھنا تمام مساجد میں نماز پڑھنے سے افضل ہے۔ (الموطاج ۱ص ۲۰۱)

علامہ خطابی نے کہا ہے: اس حدیث کا معنی ہے مدینہ کو فضیلت دینا، خصوصاً اس جگہ کو جو آپ کے بیت اور منبر کے درمیان میں ہے۔ اور جس شخص نے اس جگہ اطاعت اور عبادت کرنے کا التزام کیا، وہ اس کو جنت کے باغات میں سے ایک باغ کی طرف لے جائے گی، اور جس نے منبر کے پاس عبادت کرنے کا التزام کیا، اس کو جنت میں حوض سے پلایا جائے گا۔ (اعلام الحدیث ج ۱ ص ۶۴۹)

(میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ انعام فرمایا کہ میں نے منبر کے پاس نمازیں پڑھی ہیں، جب میں نے 1994ء میں حج کیا تھا۔ سعیدی غفرلہٗ)

حافظ ابو عمرو بن عبد البر مالکی نے کہا ہے: گویا کہ علماء کا قصد یہ ہے کہ جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس جگہ بیٹھتے تھے اور لوگ بھی آپ کے پاس بیٹھتے تھے اور قرآن کو اور دین کو اور ایمان کو سیکھتے تھے، اس وجہ سے اس جگہ کو کریم کے باغ سے تشبیہ دی گئی ہے، اور اس کی جنت کی طرف اضافت اس لیے ہے کہ یہاں پر قرآن اور علوم دینیہ کو سیکھنا جنت کی طرف لے جاتا ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جنت تلواروں کے سائے کے نیچے ہے“ یعنی یہ ایسا عمل ہے جو جنت تک پہنچائے گا جیسے کہا جاتا ہے کہ ماں جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ ماں کے ساتھ نیکی کرنا مسلمان کو جنت کی طرف لے جائے گا۔ (الاستذکار ج ۷ ص ۲۳۴)

حافظ ابن عبد البر کی مراد یہ ہے کہ جو مسلمان فرائض کو ادا کرنے کے ساتھ ساتھ ماں کے ساتھ بھی نیکی کرے تو یہ نیکی اس کو جنت میں لے جائے گی اور اس قسم کی عبارت عرب کی زبان میں معروف ہے۔

نیز حافظ ابو عمرو نے کہا: ہمارے علماء نے اس باب کی حدیث سے اس پر استدلال کیا ہے کہ مدینہ مکہ سے افضل ہے اور اسی پر اس

حدیث کو مرتبط کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جنت میں چابک جتنی جگہ بھی دنیا اور مافیہا سے بہتر ہے''۔ (صحیح البخاری: ۳۲۵۰)

آیا یہی منبر قیامت کے دن حوض پر ہوگا یا کوئی اور منبر؟

اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ''میرا منبر میرے حوض پر ہے''۔ علامہ داؤدی نے کہا: یعنی حوض کی جانب میں ہے۔
علامہ ابن التین نے کہا: اس میں اعتراض ہے اور دوسری روایت گزر چکی ہے کہ ''میرا منبر جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ پر رکھا گیا ہے''۔
قاضی عیاض نے کہا ہے: زیادہ ظاہر یہ ہے کہ اس منبر سے مراد وہ منبر ہے جس پر آپ دنیا میں کھڑے ہوتے تھے، اللہ تعالیٰ بعینہٖ اس منبر کو لوٹا دے گا اور اس کو بلند کرے گا اور یہ حوض میں ہوگا۔ قاضی عیاض نے اس قول کو اکثر علماء سے نقل کیا۔
(اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۴ ص ۵۰۹)
دوسرا قول یہ ہے کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ آپ کے منبر کا قصد کرنا اور نیک اعمال کرنے کے لیے وہاں حاضر ہونا اس شخص کو نبی ﷺ کے حوض پر وارد کرے گا اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اس حوض سے پیئے گا۔
علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ صحیح حدیث میں ہے کہ محشر کی زمین میں کئی لوگ منبروں پر ہوں گے اور یہ ان کی عزت افزائی اور ان کی تعظیم کے لیے ہوگا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عدل کے ساتھ حکم کرنے والے حکام قیامت کے دن نور کے منبروں پر ہوں گے''۔ (صحیح مسلم: ۱۸۲۷) اور جب کہ نیک حکمرانوں کی یہ شان ہوگی تو انبیاء علیہم السلام کی شان تو اس سے بلند ہے، اور جب عام انبیاء علیہم السلام کا یہ مرتبہ ہوگا تو سید الانبیاء علیہ السلام کا مرتبہ تو اس سے کہیں زیادہ ہے، پس آپ کا یہی منبر بعینہٖ ہوگا اور اس کی تعظیم میں اضافہ کیا جائے گا، اسے بلند کیا جائے گا اور رسول اللہ ﷺ کے مرتبہ کے اعتبار سے اس کو بلند اور منور کیا جائے گا حتیٰ کہ کسی کا منبر آپ کی سیادت اور قیادت کی وجہ سے اس دن آپ کے منبر سے بلند نہیں ہوگا۔ (المفہم ج ۳ ص ۵۰۴۔ ۵۰۳)

حوض پر ایمان لانے کے متعلق علمائے اسلام کے نظریات

علماء مسلمین کی جماعت کے نزدیک حوض پر ایمان لانا واجب ہے، اہل بدعت اور خوارج اور معتزلہ نے اس کا انکار کیا ہے، کیونکہ نہ وہ شفاعت کی تصدیق کرتے ہیں اور نہ حوض کی اور نہ دجال کی۔
اور حوض سے مراد الکوثر ہے جس کے کناروں پر موتیوں کے گنبد ہیں، اس کی مٹی مشک ہے اور اس کے برتنوں کی تعداد کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور جس نے اس حوض سے پی لیا وہ اس کے بعد کبھی پیاسا نہیں ہوگا، (یعنی اس کے بعد جنت کا پانی لذت کے لیے پیا جائے گا نہ کہ پیاس کی وجہ سے۔ سعیدی غفرلہٗ)
اور اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کی قبر اور آپ کے منبر کے درمیان کی جگہ کی فضیلت پر واضح دلالت ہے۔
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۹ ص ۲۴۸۔ ۲۵۲، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۷۳۳۶۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ سَابَقَ النَّبِيُّ ﷺ بَيْنَ الْخَيْلِ فَأُرْسِلَتِ الَّتِي ضُمِّرَتْ مِنْهَا وَأَمَدُهَا إِلَى

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے بیان کیا کہ ہمیں جویریہ نے حدیث بیان کی از نافع از حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے

الْحَفْيَاءِ إِلَى ثَنِيَّةِ الْوَدَاعِ وَالَّتِي لَمْ تُضَمَّرْ أَمَدُهَا ثَنِيَّةُ الْوَدَاعِ إِلَى مَسْجِدِ بَنِي زُرَيْقٍ وَأَنَّ عَبْدَ اللهِ كَانَ فِيمَنْ سَابَقَ۔

ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑوں کے درمیان دوڑ کا مقابلہ کرایا، پس گھوڑوں کو اضمار کیا گیا تھا، اور ان کی انتہا الحفیاء سے لے کر ثنیۃ الوداع تک تھی، اور جن گھوڑوں کو اضمار نہیں کیا گیا تھا، ان کی انتہا ثنیۃ الوداع سے لے کر مسجد بنو زُریق تک تھی، اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے اس دوڑ کے مقابلہ میں حصہ لیا تھا۔

(صحیح البخاری: ۴۲۰، ۲۸۶۸، ۲۸۶۹، ۲۸۷۰، ۷۳۳۶، صحیح مسلم: ۱۸۷۰، سنن ترمذی: ۱۶۹۹، سنن نسائی: ۳۵۸۴، سنن ابوداؤد: ۲۵۷۵، مسند احمد: ۴۴۸۷، موطا امام مالک: ۱۰۱۷، سنن دارمی: ۲۴۲۹)

صحیح البخاری: ۷۳۳۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اضمار شدہ گھوڑے اور غیر اضمار شدہ گھوڑے کا معنی

اس حدیث میں اضمار شدہ گھوڑوں اور غیر اضمار شدہ گھوڑوں کا ذکر ہے، اضمار اور تضمیر کا یہ معنی ہے کہ چالیس دن تک گھوڑے کو بتدریج زیادہ کھلایا اور پلایا جائے حتیٰ کہ وہ بہت فربہ ہو جائے، پھر بتدریج اس کی خوراک کم کی جائے تا کہ گھوڑے کا وزن کم ہو جائے، اور غیر اضمار شدہ گھوڑے کا یہ معنی ہے کہ اس گھوڑے کے ساتھ اضمار کا عمل نہ کیا جائے۔

"الحفیاء" اور "ثنیۃ الوداع" کا معنی

"الحفیاء"، "ثنیۃ الوداع" سے پانچ سے سات میل کے فاصلہ پر ایک جگہ ہے، اور "ثنیۃ" کا معنی گھاٹی ہے، اور "الوداع" کا معنی ہے: رخصت کرنا، یہ وہ گھاٹی ہے جہاں مدینہ سے مکہ جانے والے لوگوں کو رخصت کرتے ہیں، یہ گھاٹی مدینہ سے مکہ کی جانب ہے، یا یہ وہ گھاٹی ہے جہاں مدینہ سے تبوک جانے والوں کو رخصت کرتے ہیں، مؤرخین اور شارحین نے "ثنیۃ الوداع" کی تفسیر میں ان دونوں گھاٹیوں کا ذکر کیا ہے۔

امام بیہقی نے اس بحث میں اس شعر کا ذکر کیا ہے:

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا ما دعا للہ داع

ثنیۃ الوداع سے ہم پر چودھویں شب کا چاند طلوع ہوا
جب تک کوئی اللہ کے لیے دعوت دیتا ہے، ہم پر شکر ادا کرنا واجب ہے

گھوڑوں کی دوڑ میں مقابلہ کرنے کا جواز

تیر اندازی، گھوڑوں کو دوڑانے، اسی طرح خچر، گدھے، اونٹ کو دوڑانے اور پیدل چلنے کے مقابلہ میں کوئی حرج نہیں ہے، حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اونٹوں، گھوڑوں کو دوڑانے اور نیزہ بازی کے سوا اور کسی چیز میں مقابلہ کرنا جائز نہیں

ہے۔(سنن ابوداؤد: ۲۵۷۴، سنن ترمذی: ۱۷۰۰، سنن نسائی: ۳۵۸۸۔ ۳۵۸۷)

کیونکہ یہ امور اسباب جہاد میں سے ہیں، اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک پیدل چلنے میں مقابلہ کرنا جائز نہیں ہے بشرطیکہ اس پر انعام رکھا گیا ہو، اور انعام کے بغیر جائز ہے، اسی طرح ہر وہ کھیل مباح ہے جو جہاد میں مفید ہو، احادیث میں ہے کہ کشتی کے مقابلہ کی اجازت ہے کیونکہ وہ جہاد میں مفید ہے، اور صرف کھیل اور مشغلہ کے طور پر کشتی کرنا مکروہ ہے، اسی طرح اس پر "جعل" (انعام دینا) بھی جائز ہے۔(ردالمحتار ج ۹ ص ۴۹۱۔ ۴۹۳، ملخصاً وموضحاً ومخرجاً، داراحیاء التراث العربی، ۱۴۱۹ھ)

صحیح البخاری: ۷۳۳۶، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

کسی کے نام پر مسجد کا نام رکھنے کا جواز

اس حدیث میں مسجد بنوزُریق کا ذکر ہے، اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ مسجد کی اضافت اس کے بانی کی طرف کرنا جائز ہے یا اس میں نماز پڑھنے والے کی طرف کرنا جائز ہے، اور اسی کے ساتھ یہ لاحق ہوگا کہ نیک اعمال کو ان اعمال میں کرنے والوں کی طرف منسوب کرنا جائز ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسجد بنوزریق کا نام رکھا گیا، اس سے معلوم ہوا کہ مسجد کا نام رکھنا جائز ہے، ابراہیم نخعی نے اس کی مخالفت کی ہے، کیونکہ مصنف ابن ابی شیبہ میں یہ روایت ہے کہ مسجد بنی فلاں نام رکھنا مکروہ ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴿۱۸﴾

اور بے شک مساجد اللہ کی (عبادت کے لیے) ہیں تو اس کے ساتھ کسی کی عبادت نہ کرو○ (الجن: ۱۸)

اس آیت کا جواب یہ ہے کہ بطور ملکیت کسی کی طرف مسجد کی اضافت کرنا جائز نہیں ہے اور مسجد بنوزُریق میں جو اضافت ہے، یہ بطور ملکیت نہیں ہے بلکہ بطور تمییز ہے۔(فتح الباری ج ۲ ص ۷۴، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۳۳۷۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ عَنْ لَيْثٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ ح وحَدَّثَنِي إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا عِيسَى وَابْنُ إِدْرِيسَ وَابْنُ أَبِي غَنِيَّةَ عَنْ أَبِي حَيَّانَ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما قَالَ سَمِعْتُ عُمَرَ عَلَى مِنْبَرِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی از لیث از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ح اور مجھے اسحاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عیسیٰ اور ابن ادریس اور ابن ابی غنیۃ نے حدیث بیان کی از ابی حیان از الشعبی از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر سنا۔

(صحیح البخاری: ۴۶۱۹، ۵۵۸۱، ۵۵۸۸، ۵۵۸۹، ۷۳۳۷، صحیح مسلم: ۳۰۳۲، سنن نسائی: ۵۵۷۸، سنن ابوداؤد: ۳۶۶۹)

صحیح البخاری: ۷۳۳۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی تکمیل

امام بخاری نے یہاں اس حدیث کی اختصار سے روایت کی ہے، اور یہ پوری روایت اس طرح سے ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منبر پر خطبہ دیا، پس کہا: بے شک خمر کی تحریم نازل ہوگئی، اور خمر پانچ چیزوں سے بنتی ہے، انگور، کھجور، گندم، جو اور شہد۔۔۔ الحدیث (عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۹۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۳۳۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَخْبَرَنِي السَّائِبُ بْنُ يَزِيدَ سَمِعَ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ خَطَبَنَا عَلَى مِنْبَرِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے السائب بن یزید نے خبر دی کہ انہوں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے سنا دراں حالیکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منبر پر خطبہ دے رہے تھے۔

صحیح البخاری: ۷۳۳۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

امام بخاری نے اس حدیث کی صرف اتنی مقدار پر اکتفاء کی ہے، کیونکہ اس حدیث میں منبر کا لفظ موجود ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خلفاء کا منبرِ رسول پر خطبہ دینا

اس حدیث کی امام ابوعبید نے کتاب الاموال میں ایک اور سند کے ساتھ زہری سے روایت کی ہے، اس میں یہ اضافہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ یہ تمہاری زکوٰۃ ادا کرنے کا مہینہ ہے، پس جس شخص پر کوئی قرض ہو، وہ اس قرض کو ادا کردے۔۔۔ الحدیث

اور ابراہیم بن سعد سے روایت ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مراد یہ تھی کہ یہ رمضان کا مہینہ ہے، اور امام ابوعبید نے کہا: ایک اور سند سے یہ روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مہینہ محرم ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۹۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۷۳۳۸، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

شعبان کے مہینہ میں تلاوتِ قرآن کرنا

اس کے قریب ہی سندِ ضعیف کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، اس میں مذکور ہے کہ جب شعبان کا مہینہ آتا تو مسلمان قرآن مجید اور مصاحف پر جھک جاتے اور زکوٰۃ نکالتے، اور حکمران قید سے قیدیوں کو نکالتے۔۔۔ الحدیث

علامہ ابن بطال نے المہلب سے نقل کیا ہے کہ ان دونوں حدیثوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ کا منبر پر بیٹھ کر خطبہ دینا اور اہم امور کو بیان کرنا یہ ایسی سنت ہے جس کی ہر دور میں پیروی کی گئی ہے تاکہ لوگ وعظ اور نصیحت کو سنیں جب ان کو خطبہ دیا جائے، اور اس میں اشارہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منبر اس وقت تک باقی رہا اور اس میں نہ کوئی اضافہ ہوا اور نہ کوئی کمی ہوئی، اور دوسری احادیث

سے معلوم ہوا کہ اس کے بعد بھی کافی عرصہ تک وہ منبر اسی طرح باقی رہا۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۴۶۴، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۳۳۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ حَسَّانَ أَنَّ هِشَامَ بْنَ عُرْوَةَ حَدَّثَهُ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ قَدْ كَانَ يُوضَعُ لِي وَلِرَسُولِ اللهِ ﷺ هَذَا الْمِرْكَنُ فَنَشْرَعُ فِيهِ جَمِيعًا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالاعلیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام بن حسان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا کہ ہشام بن عروہ نے ان کو حدیث بیان کی از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ میرے لیے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس ٹب کو رکھا جاتا تھا، پس ہم اس میں شروع ہوتے تھے۔

(صحیح البخاری: ۲۵۰، ۲۶۱، ۲۶۳، ۲۷۳، ۲۹۹، ۵۹۵۶، ۷۳۳۹، صحیح مسلم: ۳۱۹، سنن نسائی: ۲۳۱، سنن ابوداؤد: ۷۷، سنن ابن ماجہ: ۳۷۶، مسند احمد: ۲۵۴۱۰)

صحیح البخاری: ۷۳۳۹، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

عورت اور مرد کا ایک برتن سے پانی لے کر غسل کرنے کا جواز

اس سے پہلے یہ باب گزر چکا ہے جس میں مرد اور اس کی بیوی کا ایک ساتھ وضو کرنے کا ذکر ہے۔ (صحیح البخاری: ۱۹۳)

اور اجماع اس پر قائم ہے کہ مرد اور اس کی بیوی کا ایک برتن سے پانی لے کر وضو کرنا جائز ہے، اور اس پر بھی اجماع ہے کہ مرد کے بچے ہوئے پانی سے عورت کا وضو کرنا جائز ہے۔ اور عورت کے بچے ہوئے پانی سے مرد کے وضو کرنے کے متعلق اختلاف ہے۔

امام ابن ابی شیبہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے منع فرماتے تھے کہ مرد اور عورت ایک برتن سے پانی لے کر غسل کریں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۴۱)

اور امام ابن ابی شیبہ اس حدیث پر مطلع نہیں ہوئے اور سنت ان کے قول پر راجح ہے، نیز اس میں یہ دلیل بھی ہے کہ جنبی مرد اور حائضہ عورت کے غسل کا بچا ہوا پانی پاک ہوتا ہے۔

علامہ داؤدی نے کہا ہے: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرد اور عورت دونوں غسل کے وقت ایک دوسرے کی طرف برہنہ دیکھ سکتے ہیں۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۳ ص ۵۵۱۔ ۵۵۲، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں: علامہ داؤدی کا یہ مسئلہ مستنبط کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زوجہ محترمہ کے ساتھ جو غسل کرتے تھے تو کپڑے پہن کر کرتے تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ساتھ غسل کیا، نہ میں نے آپ کی شرمگاہ دیکھی اور نہ آپ نے میری شرمگاہ دیکھی۔ (سعیدی غفرلہٗ)

صحیح البخاری: ۷۳۳۹، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ داؤدی نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ مرد کا عورت کی شرمگاہ کی طرف دیکھنا یا عورت کا مرد کی شرمگاہ کو دیکھنا جائز ہے، اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ امام ابن حبان نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ سلیمان بن موسیٰ سے سوال کیا گیا کہ مرد اپنی بیوی کی شرمگاہ کی طرف دیکھے تو انہوں نے بیان کیا: میں نے عطاء سے پوچھا: عطاء نے کہا: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا تو انہوں نے اس حدیث کو بیان کیا، اور اس مسئلہ میں تصریح ہے۔ واللہ اعلم (فتح الباری ج ۱۱ ص ۷۸۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

مرد اور اس کی بیوی کا ایک دوسرے کی شرمگاہ کو دیکھنا

میں کہتا ہوں: اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ مرد اور اس کی بیوی کا ایک دوسرے کی شرمگاہ کو دیکھنا جائز ہے، لیکن اس حدیث سے یہ استدلال صحیح نہیں ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا غسل کے وقت ایک دوسرے کی شرمگاہ کو نہیں دیکھتے تھے، بلکہ دیگر احوال میں بھی نہیں دیکھتے تھے، حدیث میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شرمگاہ کی طرف ہرگز نہیں دیکھا۔

(شمائل ترمذی: ۳۶۰، سنن ابن ماجہ: ۱۹۲۲، ۶۶۲، مسند احمد ج ۶ ص ۱۹۰، ۶۳، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۱۰۶، سنن بیہقی ج ۷ ص ۹۴، حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۲۴۷، الکامل لابن عدی ج ۲ ص ۷۹۴، تاریخ بغداد ج ۴ ص ۲۲۵)

امام ابوالشیخ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی ازواج سے جماع کرتے تھے تو اپنے سر پر کپڑا ڈال لیتے تھے اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شرمگاہ نہیں دیکھی اور نہ آپ نے میری شرمگاہ دیکھی۔ (ص ۲۳۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال حیاء کے یہی احادیث مناسب ہیں!

علامہ شہاب الدین احمد بن حجر الہیتمی المکی المتوفی ۹۷۴ھ لکھتے ہیں:

یہ رسول اللہ کی کمال حیاء ہے کہ آپ نے ایسا فعل نہیں کیا جس کی وجہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کی شرمگاہ کی طرف دیکھتیں، بلکہ ایسا فعل کیا جس کا تقاضا اس کو دیکھنے سے ممانعت تھی اور یہ آپ کی عظیم حیاء ہے، کیونکہ عورت اپنے خاوند کی شرمگاہ کو از خود دیکھنے کی جرأت نہیں کرتی جب تک کہ اس کو اپنے خاوند کی رضا کا علم نہ ہو، اور اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے: "میں نے آپ کی شرمگاہ نہیں دیکھی اور آپ نے میری شرمگاہ نہیں دیکھی"۔ (اشرف الوسائل الی فہم الشمائل ص ۵۲۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ اور علامہ عبد الرؤف مناوی متوفی ۱۰۰۳ھ نے بھی اپنی شرحوں میں اس روایت کا ذکر کیا ہے۔

(جمع الوسائل فی شرح الشمائل ج ۲ ص ۲۱۷، شرح المناوی علی حاشیۃ جمع الوسائل ج ۲ ص ۲۱۷، اصح المطابع، کراچی)

۷۳۴۰۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا عَبَّادُ بْنُ عَبَّادٍ حَدَّثَنَا عَاصِمٌ الْأَحْوَلُ عَنْ أَنَسٍ قَالَ حَالَفَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم بَيْنَ الْأَنْصَارِ وَقُرَيْشٍ فِي دَارِي الَّتِي

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عباد بن عباد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عاصم الاحول نے حدیث

بِالْمَدِينَةِ۔

بیان کی از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار اور قریش کے درمیان میرے اس گھر میں حلف لیا جو مدینہ میں ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۲۹۴، ۶۰۸۳، ۷۳۴۰، صحیح مسلم: ۲۵۲۹، سنن ابوداؤد: ۲۹۲۶، مسند احمد: ۱۳۵۷۴)

صحیح البخاری: ۷۳۴۰، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

عاصم بیان کرتے ہیں: میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا تمہیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام میں حِلف نہیں ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے گھر میں قریش اور انصار کے درمیان حلف لیا۔

یہ زمانہ جاہلیت کا حِلف ہے، لوگ قسم کھا کر اور عہد کر کے ایک دوسرے کے وارث بنتے تھے، یعنی ایک شخص کہتا کہ تم میرے وارث بن جاؤ میں تمہارا وارث بن جاؤں گا، زمانہ جاہلیت کے اس حِلف کو اسلام نے ذوی الارحام کی آیت سے منسوخ کر دیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا اور وہ ایک دوسرے کے وارث بھی ہوتے تھے، پھر یہ حکم درج ذیل آیت سے منسوخ ہو گیا:

وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ ۚ وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا ﴿٣٣﴾ (النساء: ۳۳)

اور ہم نے ہر شخص کے ترکہ کے لیے وارث مقرر کر دیئے ہیں جو مال والدین اور قرابت داروں نے چھوڑا ہے، اور وہ لوگ جن سے تمہارا عہد ہو چکا ہے، سو تم انہیں ان کا حصہ دے دو، بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر گواہ ہے O

النساء: ۳۳ کی تفسیر از مصنف

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جس انسان کا مال اور ترکہ ہے، ہم نے اس کے لیے وارث بنا دیئے ہیں، پھر ان وارثوں کا بیان فرمایا وہ اس کی اولاد اور اس کے قرابت دار ہیں اور وہ لوگ ہیں جن سے تمہارا عہد ہو چکا ہے، اس حوالہ سے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ جب کسی شخص نے کسی مسلمان کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور انہوں نے یہ عہد کیا کہ وہ اس کی دیت ادا کرے گا اور اس کا وارث ہوگا تو اس کا دیت ادا کرنا صحیح ہے اور اگر اس کا کوئی اور نسبی وارث نہ ہو تو پھر وہ شخص اس کا وارث ہوگا۔

(روح المعانی ج۵ ص ۲۲)

علامہ ابن ملقن فرماتے ہیں: علامہ النحاس نے کہا ہے کہ اس حدیث کو جس محمل پر حمل کرنا واجب ہے وہ یہ ہے کہ النساء: ۳۳ اس طریقہ کے لیے ناسخ ہو گئی جو وہ لوگ کیا کرتے تھے اور کوئی شخص کسی کو حلیف بناتا اور اس کا وارث ہوتا۔

جن فقہاء نے یہ کہا کہ یہ آیت محکمہ ہے، وہ مجاہد اور ابن جبیر ہیں اور یہی امام ابوحنیفہ کا قول ہے، اور انہوں نے کہا کہ ذوی الارحام ان پر راجح ہیں جن کے ساتھ بھائی بنانے کا عقد کیا گیا، اور جب ذوی الارحام نہ ہوں تو جن کے ساتھ عقد کیا گیا ہے، وہ

وارث ہوں گے اور وہ بیت المال سے زیادہ حق دار ہیں۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۱۵ ص ۱۳۹۔۱۴۱، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

علامہ بدرالدین عینی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حِلف کے معنی کا بیان

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار اور قریش کے درمیان مدینہ میں میرے اس گھر کے درمیان حلف اٹھوایا''۔

حلف کا معنی ہے: دو فریق ایک دوسرے سے مدد کرنے کا عقد کریں اور معاہدہ کریں۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ حدیث میں ہے ''لا حِلف فی الاسلام'' یعنی اسلام میں حلف برداری نہیں ہے، تو میں کہوں گا: یہ ممانعت اس حِلف پر ہے جو زمانہ جاہلیت میں ہوتا تھا کہ فریقین قتل وغارت گری پر ایک دوسرے سے معاہدہ کرتے تھے، اس سے منع کر دیا گیا، لیکن اسلام کی مہمات میں ایک دوسرے سے مدد کرنے کا جو حِلف ہو وہ جائز ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۹۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۳۴۱۔ وَقَنَتَ شَهْرًا يَدْعُو عَلَى أَحْيَاءٍ مِنْ بَنِي سُلَيْمٍ۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہینہ قنوت پڑھی اور آپ بنو سُلیم کے قبیلوں کے خلاف دعا کرتے تھے۔

(صحیح البخاری: ۱۰۰۱، صحیح مسلم: ۶۷۷، سنن نسائی: ۱۰۷۷، سنن ابوداؤد: ۱۴۴۳، مسند احمد: ۱۲۲۴۴)

صحیح البخاری: ۷۳۴۱، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صبح کی نماز میں دعائے قنوت پڑھنے کے متعلق فقہاء کے اقوال

حضرت انس بن سیرین سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کے بعد ایک مہینہ قنوت کیا اور کسی مصیبت کے نزول کے بغیر صبح کی نماز میں قنوت کرنا دائمی سنت ہے۔ (الحاوی ج ۱ ص ۱۵۱، الوسیط ج ۱ ص ۲۲۹، حلیۃ العلماء ج ۲ ص ۱۱۱)

کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ فجر کی نماز میں قنوت کرتے تھے حتیٰ کہ آپ دنیا سے رخصت ہو گئے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۱۶۲، سنن الدارقطنی ج ۲ ص ۳۹، کتاب المعرفہ للبیہقی ج ۳ ص ۱۲۲۔۱۲۱)

امام بیہقی نے خلفاء اربعہ سے بھی صبح کی نماز میں قنوت کی روایت کی ہے۔ (سنن بیہقی ج ۲ ص ۲۰۲)

علامہ قرطبی نے کہا ہے: جس چیز پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل قنوت میں مستقر رہا اس کا اس حدیث میں ذکر ہے۔

(المفہم ج ۲ ص ۳۰۴۔۳۰۵)

امام مالک کے نزدیک بھی صبح کی نماز میں دعائے قنوت پڑھنا مستحب ہے۔

(المدونہ ج ۱ ص ۱۰۰، عیون المجالس ج ۱ ص ۳۴۶، المنتقیٰ ج ۱ ص ۲۸۲)

لیکن امام مالک کے نزدیک رکوع سے پہلے قنوت کیا جائے گا تا کہ جو آدمی بعد میں رکعت میں آکر ملے وہ بھی قنوت کو پالے۔اس کو علامہ ابن المنذر نے از عثمان نقل کیا ہے۔

علامہ ابن ملقن فرماتے ہیں: اور ہمارے نزدیک رکوع کے بعد دعائے قنوت پڑھی جائے گی۔حسن بصری اور ابن ابی لیلیٰ کا بھی یہی قول ہے،اور امام ابوحنیفہ اور امام احمد نے اس کی مخالفت کی ہے،ان دونوں نے کہا کہ صبح کی نماز میں قنوت نہیں ہے۔

(الاصل ج ۱ ص ۱۶۴،المبسوط ج ۱ ص ۱۶۵،المغنی ج ۲ ص ۵۸۵)

امام ابن ابی شیبہ نے از قتادہ اور ابراہیم روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے صبح کی نماز میں دعائے قنوت نہیں پڑھی حتیٰ کہ وہ دنیا سے رخصت ہو گئے۔(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۰۳)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: فجر کی نماز میں دعائے قنوت پڑھنا بدعت ہے۔(سنن بیہقی ج ۲ ص ۲۱۳)

اور طاؤس سے بھی اسی کی مثل روایت ہے۔اللیث،یحییٰ الانصاری اور یحییٰ بن یحییٰ الاندلسی کا بھی یہی قول ہے،اس کا امام ابوعمر نے ''الاستذکار'' میں ذکر کیا ہے۔(الاستذکار ج ۶ ص ۲۰۳۔۲۹۸)

اگر تم یہ سوال کرو کہ یہ ثابت ہے کہ آپ نے صبح کی نماز میں قنوت پڑھی اور پھر اس کو ترک کر دیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ نے ان کفار کے خلاف دعا کرنے کو ترک کر دیا اور ان پر لعنت کرنے کو ترک کر دیا،یہ مراد نہیں ہے کہ آپ نے دعائے قنوت کو پڑھنا ترک کر دیا تا کہ احادیث میں تطبیق ہو۔

مصیبت نازل ہونے کے وقت دعائے قنوت پڑھنے کی تحقیق

جب کوئی مصیبت نازل ہو تو اس وقت تمام نمازوں میں قنوت کو پڑھنا مستحب ہے۔ثوری اور امام احمد کا یہی مذہب ہے۔

(الحاوی ج ۲ ص ۱۵۲،المہذب ج ۱ ص ۲۷۴،التہذیب ج ۲ ص ۱۴۸)

ہمارے شیخ قطب الدین کی شرح میں مذکور ہے کہ قنوت کے متعلق علماء کا اختلاف ہے،امام ابوحنیفہ سے ایک روایت یہ ہے کہ یہ واجب ہے۔اور ''المبسوط'' میں مذکور ہے کہ یہ سنت ہے اور یہی امام شافعی اور ایک جماعت کا مذہب ہے۔

(بدائع الصنائع ج ۱ ص ۲۷۳،البحر الرائق ج ۲ ص ۱۷)

علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ قنوت پڑھنا مستحب ہے اور سنت نہیں ہے،اور جو قنوت پڑھنے کو بھول گیا وہ سجدہ سہو نہیں کرے گا۔

اور سحنون مالکی نے کہا ہے کہ قنوت پڑھنا سنت ہے اور اگر پڑھنا بھول گیا تو سہو کا سجدہ کرے گا۔

اور علی بن زیاد نے کہا ہے: جس نے عمداً قنوت کو ترک کیا تو اس کی نماز فاسد ہے،اسی طرح ابن رُشد کی عبارت ہے کہ صبح کی نماز میں قنوت سے متعلق امام مالک نے فرمایا کہ یہ مستحب ہے اور امام شافعی کے نزدیک سنت ہے اور امام ابوحنیفہ نے کہا کہ صبح کی نماز میں قنوت پڑھنا جائز نہیں ہے۔اور قنوت پڑھنے کا محل وتر کی نماز ہے،اور ایک قوم نے کہا کہ قنوت صرف رمضان میں پڑھا جائے گا،اور دوسری قوم نے کہا: رمضان کے آخر میں پڑھا جائے گا،اور تیسری قوم نے کہا: رمضان کے نصف اول میں پڑھا جائے گا۔

(بدایۃ المجتہد ج ۱ ص ۲۵۴،المجموع ج ۳ ص ۵۲۰،المغنی ج ۲ ص ۵۸۵)

اور جن فقہاء سے منقول ہے کہ رکوع سے پہلے قنوت پڑھی جائے وہ حضرت عمر ہیں،حضرت علی ہیں،حضرت ابن مسعود ہیں،

حضرت ابوموسیٰ الاشعری ہیں، حضرت براء بن عازب ہیں، حضرت ابن عمر ہیں، حضرت ابن عباس ہیں اور حضرت انس رضی اللہ عنہم ہیں، اور فقہاءِ تابعین میں سے عمر بن عبدالعزیز، عبیدہ السلمانی، حمید الطویل اور ابن ابی لیلیٰ ہیں۔ (الاوسط ج ۵ ص ۲۰۸)

اور امام طحاوی نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ صبح کی نماز میں سوائے مصیبت کے نزول کے وقت قنوت پڑھنے کا قول امام شافعی سے پہلے کسی نے نہیں کیا اور ان کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین سے جہاد کرتے رہے اور آپ نے نمازوں میں قنوت نہیں پڑھی۔

(مختصر اختلاف العلماء ج ۱ ص ۲۱۵)

دعائے قنوت پڑھنے کا سبب

اس قنوت کا سبب یہ ہے کہ ابو براء الکلاعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، پس اس نے اسلام قبول نہیں کیا اور اسلام سے دور نہیں رہا، اس نے کہا: اے محمد! اگر آپ میرے ساتھ اپنے اصحاب میں سے چند مردوں کو اہلِ نجد کی طرف بھیجیں تو مجھے امید ہے کہ وہ آپ کے پیغام کو قبول کریں گے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے ان پر اہلِ نجد سے خطرہ ہے، ابو براء نے کہا: میں ان کا ضامن ہوں، اور انصار کے چند جوان جن کو القراء کہا جاتا تھا، رات کو نماز پڑھتے تھے حتیٰ کہ جب صبح قریب ہوتی تو وہ لکڑیاں اکٹھی کر کے لاتے، اور میٹھا پانی لاتے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حجروں کے دروازوں پر وہ لکڑیاں اور پانی رکھ دیتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کو تبلیغ کے لیے نجد کی طرف بھیج دیا اور وہ ستّر قاری تھے، دوسرا قول ہے کہ چالیس تھے اور پہلا قول زیادہ صحیح ہے، آپ نے ان ستّر (۷۰) قاریوں کے اوپر المنذر بن عمرو کو امیر بنا دیا، پس یہ لوگ روانہ ہوئے حتیٰ کہ بئر معونہ پر آ کر ٹھہرے، اور یہ صفر کے مہینے کا واقعہ ہے جب آپ کی ہجرت کے بعد چھتیس (۳۶) ماہ گزر رہے تھے، پس جب یہ وہاں ٹھہرے تو حضرت حرام بن ملحان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب اللہ کے دشمن عامر بن طفیل کے پاس بھیجا، جب اس کے پاس وہ مکتوب آیا تو اس نے اس مکتوب کو نہیں پڑھا حتیٰ کہ اس شخص پر حملہ کر کے اس کو شہید کر دیا، پھر ان کے اوپر اور قبائل جمع ہو گئے، سُلیم، عصیہ، الذکوان اور رعل، جب صحابہ نے ان کو دیکھا تو انہوں نے اپنی تلواریں پکڑیں اور ان سے قتال کیا حتیٰ کہ سب شہید ہو گئے، سوائے حضرت کعب بن زید رضی اللہ عنہ کے، ان لوگوں نے ان کو چھوڑ دیا، ان میں تھوڑی سی رمق تھی پس وہ زندہ رہے حتیٰ کہ غزوہ خندق میں وہ شہید ہو گئے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۸ ص ۲۰۲۔۲۱۱ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۷۳۴۲۔ حَدَّثَنِي أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ حَدَّثَنَا بُرَيْدٌ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ قَالَ قَدِمْتُ الْمَدِينَةَ فَلَقِيَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ سَلَامٍ فَقَالَ لِي انْطَلِقْ إِلَى الْمَنْزِلِ فَأَسْقِيَكَ فِي قَدَحٍ شَرِبَ فِيهِ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَتُصَلِّي فِي مَسْجِدٍ صَلَّى فِيهِ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم فَانْطَلَقْتُ مَعَهُ فَسَقَانِي سَوِيقًا وَأَطْعَمَنِي تَمْرًا وَصَلَّيْتُ فِي مَسْجِدِهِ۔

(صحیح البخاری: ۳۸۱۴، ۷۳۴۲)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے ابو کُریب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو اسامہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں بُرید نے حدیث بیان کی از ابی بُردہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں مدینہ آیا تو حضرت عبداللہ بن سلام مجھ سے ملے، انہوں نے مجھ سے کہا: ایک گھر کی طرف چلو میں تمہیں اس پیالے میں پلاؤں گا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیا ہے اور تم اس مسجد میں نماز پڑھنا جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی ہے، پس میں ان کے ساتھ گیا، انہوں نے مجھے ستّو پلایا اور

مجھے کھجور کھلائی اور میں نے ان کی مسجد میں نماز پڑھی۔

صحیح البخاری: ۷۳۴۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو جس گھر میں آنے کی اجازت دی تھی، وہ بہت عظیم گھر تھا، کیونکہ اس گھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہوئے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۶ ص ۷ ۹۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: اس حدیث میں مذکور ہے کہ جس پیالہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیا تھا، اس پیالہ سے انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو ستو پلائے، اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے پینے کے برتن سے کھانے پینے کا ثبوت ہے تا کہ پینے والے کو آپ کی برکت حاصل ہو۔ نیز اس میں یہ بھی ثبوت ہے کہ جس جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی ہو، وہاں نماز پڑھنا باعثِ برکت ہے، کیونکہ اس جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو اللہ تعالیٰ کی تجلیات نازل ہوئی تھیں وہاں نماز پڑھنے والے کو ان تجلیات سے حصہ ملنے کی امید ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۷۳۴۳۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ الرَّبِيعِ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ حَدَّثَنِي عِكْرِمَةُ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ عَبَّاسٍ أَنَّ عُمَرَ رضی الله عنه حَدَّثَهُ قَالَ حَدَّثَنِي النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم قَالَ أَتَانِي اللَّيْلَةَ آتٍ مِنْ رَبِّي وَهُوَ بِالْعَقِيقِ أَنْ صَلِّ فِي هَذَا الْوَادِي الْمُبَارَكِ وَقُلْ عُمْرَةٌ وَحَجَّةٌ وَقَالَ هَارُونُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا عَلِيٌّ عُمْرَةٌ فِي حَجَّةٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن الربیع نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں علی بن المبارک نے حدیث بیان کی از یحییٰ بن ابی کثیر، انہوں نے کہا: مجھے عکرمہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حدیث بیان کی، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو حدیث بیان کی، انہوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حدیث بیان کی، آپ نے فرمایا: آج رات میرے پاس میرے رب کی طرف سے ایک آنے والا آیا اور اس وقت آپ العقیق میں تھے، اس نے کہا: اس مبارک وادی میں نماز پڑھیے اور کہیے کہ عمرہ اور حج ہے۔

اور ہارون بن اسماعیل نے کہا: ہمیں علی نے حدیث بیان کی کہ عمرہ حج میں ہے۔

(صحیح البخاری: ۱۵۳۴، ۲۳۳۷، ۷۳۴۳، سنن ابوداؤد: ۱۸۰۰، سنن ابن ماجہ: ۲۹۷۶، مسند احمد: ۱۶۲)

صحیح البخاری: ۷۳۴۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی اور حج قران کا ثبوت

اس حدیث میں مذکور ہے ''آنے والا آیا'' وہ فرشتہ تھا اور ظاہر یہ ہے کہ وہ حضرت جبریل علیہ السلام تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''العقیق'' یہ مدینہ کے ظاہر میں ایک وادی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''یہاں نماز پڑھیے'' علامہ کرمانی نے کہا ہے: اس نماز سے مراد وہ نماز ہے جس کو احرام باندھتے وقت پڑھنا سنت ہے۔ اور اس میں یہ دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قران کا احرام باندھا تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''عمرة وحجة'' یعنی میں نے عمرہ اور حج کی نیت کی۔ اور یہی قران ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''ہمیں علی نے حدیث بیان کی'' یعنی علی بن المبارک نے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''عمرة فی حجة'' اس کا معنی ہے: عمرہ حج میں داخل ہے، یعنی حج قران میں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۹۲۔ ۹۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۳۴۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَقَّتَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم قَرْنًا لِأَهْلِ نَجْدٍ وَالْجُحْفَةَ لِأَهْلِ الشَّأْمِ وَذَا الْحُلَيْفَةِ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ قَالَ سَمِعْتُ هَذَا مِنَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم وَبَلَغَنِي أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ وَلِأَهْلِ الْيَمَنِ يَلَمْلَمُ وَذُكِرَ الْعِرَاقُ فَقَالَ لَمْ يَكُنْ عِرَاقٌ يَوْمَئِذٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از عبداللہ بن دینار از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہلِ نجد کے لیے قرن کو میقات مقرر کیا اور اہلِ شام کے لیے الجحفہ کو میقات مقرر کیا، اور اہلِ مدینہ کے لیے ذا الحلیفہ کو میقات مقرر کیا، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: میں نے یہ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی اور مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اہلِ یمن کے لیے یلملم ہے، اور عراق کا ذکر کیا گیا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: اس وقت عراق نہیں تھا۔

(صحیح البخاری: ۱۳۳، ۱۵۲۲، ۱۵۲۵، ۱۵۲۷، ۱۵۲۸، ۷۳۴۴، صحیح مسلم: ۱۱۸۱، سنن ترمذی: ۸۳۱، سنن نسائی: ۲۶۵۲، سنن ابوداؤد: ۱۷۳۷، سنن ابن ماجہ: ۲۹۱۴، مسند احمد: ۵۰۵۰، موطا امام مالک: ۷۳۲، سنن دارمی: ۱۷۹۰)

صحیح البخاری: ۷۳۴۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''وَقَّتَ'' اس کا معنی ہے: میقات معین کیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''قَرْنًا'' اس لفظ میں راء پر جزم ہے اور الجوہری نے کہا: اس پر زبر ہے، اور یہ جگہ مکہ سے دو مرحلہ کے فاصلہ پر ہے، اور ایک روایت میں قرن کا لفظ ہے اس اعتبار سے کہ یہ غیر منصرف ہے، یا اللغۃ الربیعہ کے اعتبار سے ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وبلغنی" (اور مجھے خبر پہنچی)، اگر یہ سوال کیا جائے کہ یہ مجہول سے روایت ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما ایک اور صحابی سے روایت کرتے ہیں اور تمام صحابہ روایت میں عادل ہیں۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "فقال" یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "لم یکن عراق یومئذ" یعنی اس وقت اہلِ عراق مسلمان نہیں تھے حتیٰ کہ ان کے لیے میقات مقرر کیا جاتا اور اس وقت عراق کسریٰ اور فارس کے عاملوں اور عرب کے ہاتھوں میں تھا۔

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

حافظ ابنِ حجر عسقلانی نے کہا ہے: اس جواب پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اہلِ شام کا ذکر کیا گیا ہے، پس ہو سکتا ہے کہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کی مراد دونوں عراقوں کی نفی ہو اور یہ دونوں مشہور شہر تھے کوفہ اور بصرہ، اور ان میں سے ہر ایک مسلمانوں کے بلادِ فارس کو فتح کرنے کے بعد جامع شہر بن گیا۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۴۶۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدر الدین عینی نے اس جواب پر درجِ ذیل اعتراض کیا ہے:

میں کہتا ہوں: یہ کلام ضعیف ہے، کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما یہ کہہ رہے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میقات مقرر کیا، پس اس وقت میں کوفہ اور بصرہ کا نام مذکور نہیں تھا اور نہ کسی کے دل میں یہ خیال تھا کہ عراق میں دو شہر ہیں، ایک کوفہ ہے اور دوسرا بصرہ ہے، یہ دونوں جگہیں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں شہر بنے، اور حافظ ابنِ حجر نے جو اس پر اعتراض کیا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ حج ۶ ہجری میں فرض ہوا جیسا کہ امام شافعی نے ثابت کیا ہے، اسی وجہ سے ان کا یہ مذہب ہے کہ حج ادا کرنے میں تاخیر جائز ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۱۰ ہجری میں حج کیا، اور فرضیت حج اور آپ کی ادائیگی کے درمیان چار سال کا عرصہ ہے، اور اس مدت میں بہت سے لوگ اسلام میں داخل ہو گئے جو شام کی جانب سے مدینہ کے پیچھے تھے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے مواقیت حج کے زمانہ میں قائم کیے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۹۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حج کی فرضیت کی تاریخ میں فقہاء کے اقوال

علامہ قرطبی نے ذکر کیا ہے کہ حج ۵ ہجری میں فرض ہوا ہے، ایک قول ہے کہ ۹ ہجری میں فرض ہوا ہے اور یہی صحیح ہے، ایک قول ۶ ہجری کا بھی ہے۔

علامہ ابو العباس احمد بن عمر بن ابراہیم القرطبی المتوفی ۶۵۶ھ لکھتے ہیں:

صحیح یہ ہے کہ حج ۹ ہجری میں فرض ہوا ہے کیونکہ ۱۹ رمضان ۸ ہجری میں مکہ فتح ہوا تھا اور اس سال حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو حج کرایا تھا، اور مشرکین بھی افعالِ جاہلیت کے مطابق حج کرتے رہے، پھر جب ۹ ہجری میں حج فرض ہو گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ مسلمانوں کو اپنی امارت اور قیادت میں حج کرائیں اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو ان کے پیچھے سورہ توبہ کا اعلان کرنے کے لیے بھیجا اور انہوں نے یہ اعلان کیا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا اور کعبہ میں برہنہ طواف نہیں کرے گا اور ۱۰ ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کیا، اور اس حج کا نام حجۃ الوداع رکھا گیا ہے،

مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ حج عمر میں صرف ایک بار فرض ہے اور اس کے وجوب کی یہ شرائط ہیں: عقل، بلوغ اور استطاعت۔ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ حج فوراً واجب ہوتا ہے یا اس میں تاخیر کی گنجائش ہے، اور اس میں سب کا اتفاق ہے کہ اس میں ایک سال یا دو سال کی تاخیر کی بھی گنجائش ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے حج کے فرض ہونے کے بعد ایک سال کی تاخیر فرمائی تھی۔

(المعلم ج ۳ ص ۲۵۵۔۲۵۶، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

۷۳۴۵۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْمُبَارَكِ حَدَّثَنَا الْفُضَيْلُ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ حَدَّثَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ أُرِيَ وَهُوَ فِي مُعَرَّسِهِ بِذِي الْحُلَيْفَةِ فَقِيلَ لَهُ إِنَّكَ بِبَطْحَاءَ مُبَارَكَةٍ۔

(صحیح مسلم: ۱۳۴۶، سنن نسائی: ۲۶۶۰، مسند احمد: ۵۶۰۰)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدالرحمٰن بن المبارک نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الفضیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں موسیٰ بن عقبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے سالم بن عبداللہ نے حدیث بیان کی از والد خود از نبی ﷺ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کو رات کے آخری حصہ میں دکھایا گیا اور اس وقت آپ ذوالحلیفہ میں تھے، آپ سے یہ کہا گیا کہ آپ بطحاء مبارکہ میں ہیں۔

صحیح البخاری: ۷۳۴۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں ذوالحلیفہ کا ذکر ہے، اور اس باب میں رسول اللہ ﷺ کے مشاہد کا ذکر ہے اور ذوالحلیفہ رسول اللہ ﷺ کا سب سے عظیم مشہد ہے، اسی لیے آپ سے کہا گیا کہ آپ بطحاء مبارکہ میں ہیں اور بطحاء کا معنی ہے: وادی، اس میں پانی کے بہنے کے بطن میں نرم کنکریاں ہیں، اور ذوالحلیفہ مدینہ سے ٦ میل کے فاصلہ پر ہے، ایک قول ہے کہ ۷ میل کا فاصلہ ہے، اور یہ بنو جشم کے پانیوں میں سے ایک پانی ہے اور یہ اہلِ مدینہ کا میقات ہے جس کو عام لوگ آبارِ علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔

اس حدیث میں ''معرّس'' کا لفظ ہے، یہ تعریس کا اسمِ مکان ہے اور یہ اس منزل کو کہتے ہیں جو رات کے آخری حصہ میں ہو۔

اس باب کی احادیث یہاں ختم ہو گئیں اور یہ چوبیس احادیث ہیں اور یہ تمام احادیث اس باب کے عنوان کے تحت داخل ہیں، پس اللہ تعالیٰ کی مدد اور اس کے لطف کی وجہ سے ہم نے باب کے عنوان کے ساتھ ان احادیث کی مطابقت بیان کی ہے جو الفتح الالٰہی اور الفیض الربانی ہے، پس اللہ ہی کے لیے حمد ہے اولاً و آخراً ابداً دائماً۔

(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۹۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۷۳۴۵، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اہلِ مدینہ کی دوسرے شہروں میں رہنے والوں پر علم وفضل میں برتری کا زمانہ

علامہ ابن بطال مالکی نے لکھا ہے کہ علامہ المہلب مالکی نے بیان کیا ہے کہ اس باب اور اس میں مذکور احادیث سے امام بخاری کی غرض مدینہ کی فضیلت کو بیان کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ نے مدینہ کو خصوصیت عطا فرمائی ہے کہ اس میں دین کی علامات ہیں اور وہ دارالوحی ہے اور فرشتوں کے نازل ہونے کی جگہ ہے اور ہدایت اور رحمت کے نزول کی جگہ ہے، اللہ تعالیٰ نے مدینہ کی سرزمین کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رہائش کی وجہ سے شرف عطا فرمایا ہے اور اسی سرزمین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ مبارک ہے اور آپ کا منبر ہے اور ان کے درمیان جو جگہ ہے وہ جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے۔ پھر علامہ ابن بطال نے اس باب کی احادیث کی شرح کی اور ان پر بحث کی جس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے، اور مدینہ منورہ کی فضیلت ثابت ہے، اس پر کسی خاص دلیل کے قائم کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور مدینہ منورہ کی فضیلت کے متعلق صحیح البخاری کے آخر حج میں بہت احادیث ذکر کی گئی ہیں، اور یہاں مراد یہ ہے کہ اہلِ مدینہ علم میں دوسرے شہروں کے رہنے والوں پر مقدم ہیں، اگر اس سے مراد یہ ہے کہ بعض زمانوں میں اہلِ مدینہ دوسروں پر مقدم ہیں اور یہ وہ زمانہ ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں مقیم تھے اور وہ زمانہ ہے جس میں آپ کے بعد صحابہ دوسرے شہروں میں منتقل ہونے سے پہلے تھے تو اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ان دونوں زمانوں میں مدینہ کے رہنے والے دوسرے شہروں کے رہنے والوں پر مقدم تھے۔ اور اگر یہ مراد ہو کہ مدینہ کے رہنے والے ہر زمانہ میں دوسرے شہروں کے رہنے والوں پر مقدم تھے تو یہ محلِ نزاع ہے، اور اس قول کو عام کرنے کی گنجائش نہیں ہے، کیونکہ بعد کے زمانوں میں ائمہ مجتہدین تھے اور اس زمانہ میں ایسے لوگ نہیں تھے جو دوسرے شہروں کے رہنے والوں پر علم اور فضل میں فائق اور برتر ہوں چہ جائیکہ سب سے بڑھ کر ہوں، بلکہ بعد کے زمانہ میں وہاں پر خراب بدعتوں کے مرتکبین بھی رہتے تھے اور ان کی بری نیت اور برے اعمال میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۴۶۵، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۷۳۴۵، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بابِ مذکور کی احادیث کا خلاصہ

اس باب کی احادیث میں حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر خطبہ کا بیان کیا گیا ہے اور یہ ایسی سنت ہے جس کی اب تک پیروی کی جاتی ہے اور منبروں پر خطبہ دیا جاتا ہے، تاکہ لوگوں کے کانوں تک آسانی سے وعظ کی آواز پہنچ سکے، اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ٹب کا بیان ہے جس میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غسل کرتی تھیں اور یہ بیان ہے کہ غسل کے لیے کتنا پانی کافی ہوتا ہے، اسی طرح ان احادیث میں یہ بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش اور انصار کے درمیان مدینہ میں ایک دوسرے کے بھائی ہونے کا حلف لیا اور اس سے معلوم ہوا کہ دینی معاملات میں اسلام میں حلف لینا جائز ہے۔

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی طرف وحی کی کہ وادی العقیق مبارک ہے، اور بے شک اللہ عزوجل نے اس وادی میں حج کے مہینہ میں احرام کھولنے کا حکم نازل کیا اور اس جگہ نماز پڑھنے کا حکم دیا تاکہ اس جگہ کی برکت کا حصول ہو۔

اور اسی طرح اہلِ آفاق کے لیے آپ نے حج اور عمرہ کے لیے مواقیت کو مقرر کیا تا کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں پر نرمی اور آسانی ہو اور وہ دور دراز سے احرام باندھنے کے بجائے ان جگہوں پر احرام باندھیں، اور یہ اللہ تعالیٰ کی حجاز میں برکت ہے جو دوسرے شہروں میں نہیں ہے۔

اور اسی طرح اہلِ مدینہ کو فضیلت دی، کیونکہ انہوں نے مدینہ کی سختیوں اور شدت پر صبر کیا اور ان کو یہ حرص تھی کہ جس جگہ اللہ کی وحی نازل ہوتی ہے وہاں ٹھہریں جو جگہ دین کی بنیاد ہے، اس وجہ سے یہ لوگ تمام لوگوں سے افضل ہیں، کیونکہ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم، آپ کے احوال، آپ کے احکام، آپ کے آداب اور آپ کی سیرتوں کے زیادہ قریب ہیں۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۳ ص ۱۱۵۔۱۱۶، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۷۳۴۵، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اہلِ مدینہ کے دوسرے شہروں کے علماء پر فائق ہونے میں فقہاء کے اقوال

جو لوگ اہلِ مدینہ کے مذاہب پر ہیں خواہ کہیں بھی ہوں ان کے لیے مدینہ کی برکت سے وافر حصہ ہے اور وہ اس کے مستحق ہیں کہ وہ اہلِ مدینہ ہوں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو سنتیں ان کے نزدیک ثابت ہیں، وہ ان کی اتباع کرتے ہیں، اور بعد کے لوگ ان کی اتباع بالاحسان کرتے ہیں۔

اور یہ بھی ضروری ہے کہ اہلِ مکہ کے لیے بھی اس میں سے حصہ ہو، کیونکہ ان کے نزدیک فریضہ حج کی تمام علامات ہیں اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز اور آپ کے اقوال کا کئی مرتبہ مشاہدہ کیا ہے اور ان کے لیے اس کی برکت سے وافر حصہ ہے۔

اہلِ علم کا اس میں اختلاف ہے کہ اہلِ مدینہ کو دوسرے شہر والوں پر غلبہ ہے، پس علامہ ابہری یہ کہتے تھے کہ اہلِ مدینہ دوسروں پر استنباط اور اجتہاد میں حجت ہیں، پھر انہوں نے رجوع کیا اور کہا: ان کے جو اقوال بطریقِ نقل ہیں وہ دوسروں کی نقل سے افضل اور اولیٰ ہیں اور اجتہاد میں سب برابر ہیں، یہ امام شافعی کا قول ہے۔

اور ابوبکر بن الطیب کا مذہب یہ ہے کہ اہلِ مدینہ کا اجتہاد اور احادیث کے نقل کرنے دونوں میں مرتبہ زیادہ ہے، اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب کا مذہب یہ ہے کہ اہلِ مدینہ دوسروں پر حجت نہیں ہیں نہ بطریقِ نقلِ روایت اور نہ بطریقِ نقلِ اجتہاد۔

اور جن لوگوں نے یہ کہا کہ اہلِ مدینہ اجتہاد میں دوسروں سے راجح ہیں، انہوں نے اس سے استدلال کیا کہ اہلِ مدینہ نے نزولِ قرآن کا مشاہدہ کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو سنا اور وہ خطاب کے معانی کو جانتے تھے، اس لیے وہ دوسروں سے استنباط اور اجتہاد میں زیادہ لائق ہیں۔

اور اصحابِ شافعی نے استدلال کیا، پس انہوں نے کہا: جنہوں نے یہ بات کہی انہوں نے ان کی تقلید کا قول کیا، اور ہم صحابہ کے اقوال میں غور وفکر کرتے ہیں اور ان کے اختلاف میں ایک کے قول کو دوسرے پر ترجیح دیتے ہیں، پس جب ہمارے پاس دلیل قائم ہو تو ان میں سے فلاں قول راجح ہے تو ہم اس کی طرف رجوع کرتے ہیں، اور جب یہ بات صحیح ہے تو تقلید باطل ہوگئی، رہا یہ کہ اہلِ مدینہ بطریقِ نقل دوسروں پر راجح ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی عدالت صحیح ہے اور انہوں نے نزولِ قرآن کا معائنہ کیا اور اعمال کا مشاہدہ

کیا، رہا مسائل کا استنباط تو اس میں سب لوگ برابر ہیں۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۳۸۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۱۷۔ بَابُ: قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ (آل عمران: ۱۲۸)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد: ''آپ اس میں سے کسی چیز کے مالک نہیں ہیں''

بابِ مذکور کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

کس قسم کی دعا کا اختیار دیا گیا ہے

اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! میری مخلوق کے معاملات میں سے آپ کو کسی چیز کا اختیار نہیں ہے اور ان کے معاملات اور ان میں فیصلہ کرنا میرے ہاتھ میں ہے، میرے غیر کے ہاتھ میں نہیں ہے، میں کفار اور فساق میں سے جس کے لیے چاہتا ہوں اس کی توبہ قبول کر لیتا ہوں، اور جس کے لیے چاہتا ہوں عذاب کا فیصلہ کر دیتا ہوں یا تو دنیا میں اس کو قتل کرنے کا عذاب اور یا آخرت میں جو کفار کے لیے عذاب مقدر کیا گیا ہے۔

پس اس آیت کی فقہ یہ ہے کہ جو امور تقدیر سے متعلق ہیں تو جن کا فیصلہ کر دیا گیا ہے ان میں کوئی تغیر نہیں ہوتا۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۞ (ق: ۲۹)

میرے سامنے میری خبر تبدیل نہیں کی جاتی اور نہ میں بندوں پر ظلم کرنے والا ہوں O

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۚ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ ۞ (الرعد: ۳۹)

اللہ جس چیز کو چاہے مٹا دیتا ہے اور (جس چیز کو چاہے) ثابت رکھتا ہے اور اصل کتاب اسی کے پاس ہے O

اس آیت کا تعلق نسخ کے ساتھ ہے، یعنی اللہ تعالیٰ اپنے امر میں سے جس چیز کو چاہتا ہے منسوخ فرما دیتا ہے، اور اپنے امر میں سے جس چیز کو چاہتا ہے برقرار اور ثابت رکھتا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ نے اسی طرح تفسیر کی ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ ''يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ'' کی تفسیر یہ ہے کہ کراماً کاتبین بندوں کے ہر پیر اور جمعرات کو جو افعال لکھتے ہیں خواہ وہ خیر ہوں یا شر ہوں تو ان میں سے اللہ تعالیٰ جو چیز چاہتا ہے اس کو ثابت رکھتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے، اور اصل کتاب جو لوحِ محفوظ ہے وہ اللہ کے پاس ہے۔

تمام امتوں میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا جائز ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کی تقدیر ختم کر دی ہے اس کی دو قسمیں ہیں: ایک قسم وہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی مصیبت کو مقدر کر دیا ہے لیکن جب بندہ دعا کرے اور گڑگڑائے تو اللہ تعالیٰ اس سے اس مصیبت کو دور کر دیتا ہے، اور دوسری قسم وہ ہے جس کا اس حدیث میں ذکر ہے جس کے پورا کرنے پر مہر لگا دی گئی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ اس میں آپ کو کوئی اختیار نہیں ہے، یعنی ان لوگوں کے متعلق جو آپ دعا کریں ان میں آپ کو کوئی اختیار نہیں ہے، کیونکہ ان میں

سے بعض وہ ہیں جن کے لیے میں نے توبہ کا فیصلہ کرلیا اور بعض وہ ہیں جن کو میں نے عذاب دینے کا فیصلہ کرلیا ہے، پس یہ ہونا ضروری ہے اور دعا کرنا عبودیت کا تقاضا ہے، پس بندے پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا رہے اور عاجزی اور مسکینی کا اظہار کرتا رہے اور اللہ تعالیٰ کی صفت شفقت و رحمت ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص یہ نہ کہے اے اللہ! اگر تو چاہے تو مجھ پر رحم فرما، اور اس کو چاہیے کہ پورے عزم سے دعا کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو کوئی مجبور کرنے والا نہیں ہے''۔ اور یہ باب اگرچہ تقدیر کے باب سے متعلق ہے لیکن اس کا کتاب الاعتصام میں بھی دخل ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو ایمان کی دعوت دی تھی جوان کو قتل سے منع کرتا ہے اور ان کی جانوں کو محفوظ رکھتا ہے۔

(شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۳۸۶۔۳۸۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

بابِ مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کو کتاب الاعتصام میں اس لیے داخل کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کافروں کے خلاف دعا کی تھی وہ اس لیے کی تھی کہ انہوں نے ایمان کا اقرار نہیں کیا تھا تا کہ وہ لعنت سے محفوظ رہتے، اور اس آیت کا یہی معنی ہے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد اس مشہور اختلافی مسئلہ کی طرف اشارہ ہو کہ کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ جائز تھا کہ وہ احکامِ شرعیہ میں اجتہاد کریں یا نہ کریں اور آٹھ باب پہلے اس پر تفصیلی بحث گزر چکی ہے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۴۶۶، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۳۴۶۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ وَرَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ قَالَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ فِي الْآخِرَةِ ثُمَّ قَالَ اللَّهُمَّ الْعَنْ فُلَانًا وَفُلَانًا فَأَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ﴾

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از الزہری از سالم از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صبح کی نماز میں آخری رکعت میں سنا آپ نے رکوع سے سر اٹھایا، پھر دعا کی: اے اللہ! ہمارے رب تیرے لیے ہی حمد ہے، پھر دوسری رکعت میں دعا کی: اے اللہ! فلاں پر لعنت فرما، فلاں پر لعنت فرما تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: ''آپ اس میں سے کسی چیز کے مالک نہیں ہیں، اللہ (چاہے تو) ان (کافروں) کی توبہ قبول فرمائے یا وہ ان کو عذاب دے کیونکہ بے شک وہ ظلم کرنے والے ہیں O'' (آل عمران: ۱۲۸)

(صحیح البخاری: ۴۰۶۹، ۴۰۷۰، ۴۵۵۹، ۷۳۴۶، سنن نسائی: ۱۰۷۸، مسند احمد: ۶۳۱۳)

صحیح البخاری: ۷۳۴۶، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس آیت کی تفسیر میں یہ کہا گیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے فجر کی نماز میں یہ دعا کی: ''اے اللہ! فلاں پر لعنت فرما'' ایک قول یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اجازت طلب کی تھی کہ آپ ان کافروں کو جڑ سے اکھاڑنے کی دعا کریں تو یہ آیت نازل ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ ان میں سے عنقریب اسلام قبول کرلیں گے اور بعد والی آیت سے اس کو مؤکد کیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ احد میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے کے چار دانت شہید ہو گئے تو آپ نے فرمایا: وہ قوم کیسے کامیاب ہوگی جنہوں نے اپنے نبی کا چہرہ خون آلود کر دیا، تب یہ آیت نازل ہوئی۔

(صحیح مسلم: ۱۷۹۱، صحیح البخاری: ۴۰۶۹)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہے تو کافروں کی کسی جماعت کو قتل کر دے یا ان کو شکست کے ساتھ رسوا کرے یا ان کی توبہ قبول فرمالے یا ان کو عذاب دے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کا اس کے سوا کوئی مالک نہیں ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۳ ص ۱۲۰، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

آل عمران: ۱۲۸ کی تفسیر از مصنف

آپ کو کفار پر لعنت کرنے سے منع کرنا آپ کی عصمت کے خلاف نہیں ہے

اس آیت کے جو شانِ نزول بیان کیے گئے ہیں ان پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ ایسے کام کرتے رہے تھے جن سے آپ کو منع کیا گیا، سو اگر یہ کام حسن تھے تو آپ کو ان سے منع کیوں کیا گیا اور اگر یہ کام قبیح تھے تو یہ آپ کے معصوم ہونے کے خلاف تھے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ نبی ﷺ نے جو کفار پر لعنت کی یا دعائے ضرر کی تو یہ ترکِ اولیٰ اور ترکِ افضل کے باب سے ہے، اس کی نظیر قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

وَ اِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ؕ وَ لَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ (النحل: ۱۲۶)

اور اگر تم ان کو سزا دو تو اتنی ہی سزا دو جتنی تم کو اذیت پہنچائی گئی ہے اور تم صبر کرو تو بے شک صبر کرنے والوں کے لیے صبر بہت اچھا ہے ○

اس آیت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ اگر تم کسی کی اذیت پہنچانے سے اس کا بدلہ لو تو بدلہ لینا جائز ہے، لیکن اگر تم بدلہ لینے کے بجائے صبر کرو تو وہ افضل اور اولیٰ ہے، اسی طرح نبی ﷺ کا کفار پر لعنت کرنا اور ان کے خلاف دعائے ضرر کرنا جائز تھا لیکن اس کو ترک کرنا زیادہ افضل اور اولیٰ ہے، سو اللہ تعالیٰ نے آپ کو افضل اور اولیٰ کے ترک کرنے سے منع فرمایا ہے اور ترکِ افضل اور ترکِ اولیٰ عصمت کے خلاف نہیں ہے۔ عصمت کے خلاف گناہِ کبیرہ یا گناہِ صغیرہ ہے، اور آپ نے کبھی بھی کسی گناہ کا ارتکاب نہیں کیا صغیرہ نہ کبیرہ، نبوت سے پہلے نہ نبوت کے بعد، نہ سہواً نہ عمداً نہ صورتاً نہ حقیقتاً۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ایک ماہ تک قنوت (نازلہ) پڑھتے رہے، آپ رعل اور ذکوان کے خلاف دعائے ضرر کرتے تھے۔ (صحیح البخاری: ۱۰۰۳)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے رکوع کے بعد ایک ماہ تک دعائے قنوت پڑھی، مجھے یہ گمان کرایا گیا ہے کہ آپ نے چند قراء کو مشرکین کی قوم کی طرف تبلیغ کے لیے بھیجا تھا جو ستر تھے، ان کے اور رسول اللہ ﷺ کے

درمیان معاہدہ تھا (پھر انہوں نے بدعہدی کی اور ان قراء کو شہید کر دیا) تو رسول اللہ ﷺ ایک ماہ تک ان کے خلاف دعائے ضرر کرتے رہے۔ (صحیح البخاری: ۱۰۰۲)

جن کافروں نے نبی ﷺ کے سر اور چہرہ کو زخمی کیا آپ نے ان کے متعلق صرف اتنا فرمایا: ''وہ قوم کیسے فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کا چہرہ خون آلود کر دیا'' اور جو کافر تبلیغ کا نام لے کر ستر صحابہ کو لے گئے اور ان کو قتل کر دیا، ان کے خلاف نبی ﷺ ایک ماہ تک دعائے ضرر کرتے رہے، ظاہر ہے کہ اگر یہ فعل ناجائز اور نامناسب ہوتا تو اللہ تعالیٰ روزِ اول ہی آپ کو اس سے منع فرمادیتا، آپ کا ہر فعل نیک اور حسن ہے اور ہر فعل میں امت کے لیے نمونہ اور ہدایت ہے۔

سو نبی ﷺ کا ان کافروں کے لیے دعائے ضرر کرنا اور ان پر لعنت کرنا یہ بھی ایمان والوں کے لیے نہایت حسین عمل ہے اور اس میں مسلمانوں کے لیے یہ ہدایت ہے کہ جو کافر بدعہدی کریں ان کے لیے دعائے ضرر کرنا جائز ہے، اور جب مسلمانوں پر کوئی مصیبت نازل ہو تو وہ صبح کی نماز میں قنوتِ نازلہ پڑھیں، اس میں مسلمانوں کے لیے سلامتی اور کفار کے لیے ہلاکت کی دعا کریں۔

باقی رہا یہ کہ جب آپ کا ان کفار پر لعنت کرنا دعائے ضرر کرنا صحیح تھا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے کیوں روک دیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس دعا سے روکنے کی حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ ان میں سے بعض کافر توبہ کر کے اسلام لے آئیں گے اور بعض اگرچہ خود تائب نہیں ہوں گے لیکن ان کی اولاد نیک اور متقی ہوگی، اور جو لوگ اس قسم کے ہوں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کے لائق یہ ہے کہ ان کو دنیا میں مہلت دے اور ان سے آفات کو دور کرے حتیٰ کہ وہ توبہ کرلیں یا ان سے وہ اولاد پیدا ہو جائے۔

۱۸۔ بَابُ: قَوْلِهٖ تَعَالٰی: وَ كَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَیْءٍ جَدَلًا ﴿۵۴﴾ (الکہف: ۵۴)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اور انسان ہر چیز سے زیادہ جھگڑالو ہے O''

وَقَوْلِهٖ تَعَالٰی: وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ (العنکبوت: ۴۶)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اور (اے مسلمانو!) اہل کتاب سے صرف عمدہ طریقہ سے بحث کرو

۷۳۴۷۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ ح حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ أَخْبَرَنَا عَتَّابُ بْنُ بَشِيرٍ عَنْ إِسْحَاقَ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَخْبَرَنِي عَلِيُّ بْنُ حُسَيْنٍ أَنَّ حُسَيْنَ بْنَ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہما أَخْبَرَهُ أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ طَرَقَهُ وَفَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَامُ بِنْتَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ لَهُمْ أَلَا تُصَلُّونَ فَقَالَ عَلِيٌّ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّمَا أَنْفُسُنَا بِيَدِ اللّٰهِ فَإِذَا شَاءَ أَنْ يَبْعَثَنَا بَعَثَنَا فَانْصَرَفَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ حِينَ قَالَ لَهُ ذٰلِكَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری ح مجھے محمد بن سلام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عتاب بن بشیر نے حدیث بیان کی از اسحاق از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے علی بن حسین نے خبر دی کہ بے شک حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما نے ان کو خبر دی، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ ان کے پاس اور حضرت فاطمہ علیہا السلام بنت رسول اللہ ﷺ کے پاس رات کو تشریف لائے، پس ان دونوں سے

وَلَمْ يَرْجِعْ إِلَيْهِ شَيْئًا ثُمَّ سَمِعَهُ وَهُوَ مُدْبِرٌ يَضْرِبُ فَخِذَهُ وَهُوَ يَقُولُ ﴿وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا﴾ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ يُقَالُ مَا أَتَاكَ لَيْلًا فَهُوَ طَارِقٌ وَيُقَالُ الطَّارِقُ النَّجْمُ وَ الثَّاقِبُ الْمُضِيءُ يُقَالُ أَثْقِبْ نَارَكَ لِلْمُوقِدِ۔

فرمایا: کیا تم لوگ نماز نہیں پڑھتے ؟ پس حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہماری جانیں تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں، پس جب اللہ تعالیٰ ہمیں اٹھانا چاہتا ہے تو ہم اٹھ جاتے ہیں، پس جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ کہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس چلے گئے اور ان کو کوئی جواب نہیں دیا، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیٹھ پھیر کر جا رہے تھے اور اپنی ران پر ہاتھ مار رہے تھے اور یہ آیت پڑھ رہے تھے:

اور انسان ہر چیز سے زیادہ جھگڑالو ہے O (الکہف: ۵۴)

امام ابوعبداللہ (بخاری) نے کہا: جو رات میں چل کر تیرے پاس آئے وہ طارق ہے، الطارق ستارے کو بھی کہا جاتا ہے، اور الثاقب کا مطلب ہے: روشنی کرنے والا، اور آگ جلانے والے کو کہا جاتا ہے: أثقب نارك اپنی آگ روشن کر۔

(صحیح البخاری: ۱۱۲۷، ۴۷۲۴، ۷۳۴۷، ۷۴۶۵، صحیح مسلم: ۷۷۵، سنن نسائی: ۱۶۱۱، مسند احمد: ۹۰۲)

صحیح البخاری: ۷۳۴۷، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

''جدال'' کا معنی

علامہ المہلب مالکی نے کہا ہے: لغت میں الجدال کا معنی ہے ''المدافعة'' یعنی کسی چیز کو رد کرنا، پس جس چیز کو رد کیا جائے کبھی وہ رد کرنا مکروہ ہوتا ہے اور کبھی مستحسن ہوتا ہے، پس جس چیز کو رد کرنا حقائق کو ثابت کرنے کے لیے ہو یا سنن اور فرائض کو ثابت کرنے کے لیے ہو تو وہ حسن ہے، اور جس چیز کو رد کرنا عذر کے معنی میں ہو اور حقائق کو دفع کرنے کے معنی میں ہو تو وہ جدال مذموم ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مدافعت کا محمل

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم دونوں تہجد کی نماز کیوں نہیں پڑھتے؟ اور انہوں نے کہا کہ ہماری جانیں تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں، وہ جب چاہتا ہے ہمیں اٹھا دیتا ہے تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی طرف سے مدافعت کی تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت سے استدلال فرمایا:

وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا (الکہف: ۵۴) اور انسان ہر چیز سے زیادہ جھگڑالو ہے O

اور دوسرے علماء نے کہا ہے: اس آیت کو کتاب الاعتصام میں ذکر کرنے سے امام بخاری کی غرض یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کو تہجد کی نماز پڑھنے کی تلقین کی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا: ہماری جانیں تو صرف اللہ

تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس نماز کی ان کو دعوت دی ہے اس کو رد کریں بلکہ ان پر واجب تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کو قبول کرتے اور یہی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے ساتھ اعتصام ہے اور آپ کی سنت کے ساتھ لازم رہنا ہے، تو چونکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے ساتھ اعتصام کو ترک کیا اور تقدیر کا عذر پیش کیا تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت پڑھی، اور کسی شخص کے لیے اس حدیث میں یہ دلیل نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے امر کو اور اس کے رسول کے امر کو تقدیر کے عذر کی وجہ سے ترک کر دے، جس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کیا تھا۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ١٠ ص ٣٨٨، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ١٤٢٤ھ)

صحیح البخاری: ٧٣٤٧، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ٨٠٤ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے فوائد

(١) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تہجد کی نماز کے لیے نہ اٹھنے پر تقدیر سے جو استدلال کیا تھا وہ مکروہ ہے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ ارادہ کیا کہ یہ بیان کریں کہ ان سے کوتاہی ہوئی۔

(٢) اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عذر بیان کرنے پر کوئی جواب نہیں دیا، اس سے معلوم ہوا کہ کسی موقع پر سکوت کرنا بھی جواب ہوتا ہے۔

(٣) کسی کی بات سے تکلیف پہنچے یا افسوس ہو تو ران پر ہاتھ مارنے کا جواز۔

(٤) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جواب کو ناپسند کرنے کے بعد جلدی سے واپس چلے گئے، یعنی جب کوئی بات ناپسند ہو تو بندہ اس جگہ سے جلدی سے واپس چلا جائے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت پڑھی (الکہف: ٥٤)، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو یہ معاملہ دیکھا تو اس کو بیان کیا، اور اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی انتہائی تواضع ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ٩ ص ٣٠٧۔ ٣٠٨، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ١٤٢٩ھ)

صحیح البخاری: ٧٣٤٧، کی شرح از علامہ المہلب مالکی

علامہ المہلب مالکی متوفی ٤٣٥ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مستحب کام کو ترک کرنے پر کوئی حرج نہیں ہے

المہلب نے کہا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جو کام مستحب ہو اور واجب نہ ہو، اس کام کے نہ کرنے میں انسان پر کوئی حرج نہیں ہے اور امام اور عالم کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ نوافل پڑھوانے میں شدت کریں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو کہا کہ ہماری جانیں اللہ کے قبضہ میں ہیں، یہ کلام صحیح ہے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر قناعت کر لی اور نفل نہ پڑھنے میں ان کے عذر کو قبول فرما لیا، اور فرض کو ترک کرنے میں اس عذر کو قبول نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو کہا: ہماری جانیں اللہ کے قبضہ میں ہیں، اس جواب کی مثال اس حدیث میں ہے:

سعید بن المسیب بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر سے واپس آرہے تھے حتیٰ کہ جب رات کا آخری حصہ رہ گیا تو آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم ہماری صبح کی نماز کی حفاظت کرنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب سو گئے، اور جب تک حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے لیے مقدر تھا وہ بھی جاگ کر صبح کی نماز کی حفاظت کرتے رہے، پھر انہوں نے سواری کی طرف ٹیک لگالی، اور اس وقت وہ فجر کے مقابل تھے، پھر ان کی آنکھوں پر نیند غالب آ گئی، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے نہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور نہ سواروں میں سے کوئی اور حتیٰ کہ ان سب پر دھوپ آ گئی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھبرا کر اٹھے، پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! میری جان کو بھی اسی نے پکڑ لیا تھا جس نے آپ کی جان کو پکڑ لیا تھا۔۔۔الحدیث

(موطا امام مالک ص ۲۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کی اس آیت سے بھی اقتباس کیا تھا:

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ (الزمر: ۴۲)

اللہ تعالیٰ ہی روحوں کو ان کی موت کے وقت قبض کرتا ہے اور جن روحوں کو موت نہیں آئی ان کو نیند میں (قبض کرتا ہے)، پھر جن روحوں کی موت کا فیصلہ کر لیتا ہے ان کو روک لیتا ہے۔

یعنی سونے والے کی روح اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں روکی ہوئی ہوتی ہے اور جو بیدار ہے اس کی روح اس کے جسم کی طرف چھوڑی ہوئی ہوتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے خارج نہیں ہوتی، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جواب پر قناعت کر لی اور واپس چلے گئے۔

نوافل کی ادائیگی پر شدت نہ کی جائے

رہا یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زانوں پر ہاتھ مارتے ہوئے گئے اور یہ فرماتے ہوئے گئے:

وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ﴿۵۴﴾ (الکہف: ۵۴) اور انسان ہر چیز سے زیادہ جھگڑالو ہے O

آپ کا یہ قول اس پر دلالت کرتا ہے کہ آپ نے یہ گمان کیا کہ آپ نے ان کو حرج میں ڈالا اور آپ کو انہیں متنبہ کرنے پر افسوس ہوا اور اسی طرح علماء کو چاہیے کہ جب وہ لوگوں کو نوافل کی ترغیب دیں تو ان کو حرج میں اور تنگی میں نہ ڈالیں، ان کو صرف یاد دلائیں۔

(شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۳ ص ۱۲۳۔ ۱۲۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

بعض علماء نے علامہ المہلب کی مذکور الشرح سے اختلاف کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تہجد کی نماز کی فضیلت کا علم نہ ہوتا تو آپ اپنی صاحبزادی کو اور اپنے عم زاد کو اس وقت جگانے کے لیے نہ جاتے جس وقت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے آرام اور سکون کے لیے بنایا، لیکن آپ نے ان کے آرام اور سکون پر تہجد کی نماز کو فضیلت دی اور قرآن مجید کی اس آیت پر عمل کیا:

وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ (طٰہٰ: ۱۳۲) اور آپ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیجئے۔

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث کا مختار یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے بسرعت جواب دینے پر تعجب ہوا اور جو انہوں نے عذر پیش کیا تھا آپ

نے ان کے عذر کو قبول نہیں کیا، اس لیے افسوس سے اپنی رانوں پر ہاتھ مارتے ہوئے گئے۔
(صحیح مسلم بشرح النووی ج ۴ ص ۲۲۸۰، مکتبہ نزار مصطفیٰ، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم زانو پر ہاتھ مارتے ہوئے جو گئے، اس میں یہ دلیل ہے کہ کسی غلط کام پر تنبیہ کے لیے زانو پر ہاتھ مارنا جائز ہے۔
(اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۱ ص ۳۱۴، دار الوفاء، ۱۴۱۹ھ)

ماتم کے متعلق ایک شبہ کا جواب

بعض علماءِ شیعہ نے اس حدیث سے ماتم کے جواز پر استدلال کیا ہے اور کہا ہے: زانو پر ہاتھ مارنا یہی ماتم ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے افسوس سے اپنے زانو پر ہاتھ مارا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ماتم کا جواز ثابت ہو گیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ کسی کی مرگ پر اور کسی کی موت پر رونا پیٹنا اور سینہ کوبی کرنا ماتم ہے۔

نہج البلاغہ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خطبات پر مشتمل ہے، اس میں مذکور ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: صبر بقدرِ مصیبت نازل کیا جاتا ہے، جس شخص نے مصیبت کے وقت اپنا ہاتھ اپنے زانو پر مارا اس کا عمل ضائع کر دیا جاتا ہے۔

(نہج البلاغہ ص ۱۲۳۹، انتشارات زریں، ایران)

سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا زانو پر ہاتھ مارنا کسی کی موت پر اظہارِ افسوس کے لیے نہیں تھا بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جواب کو ناپسند کرنے کی وجہ سے تھا۔

صحیح البخاری: ۷۳۴۷، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جدال کی تعریف اور اس کی اقسام

امام بخاری نے اس باب میں دو حدیثیں ذکر کی ہیں، ایک حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تم نماز نہیں پڑھتے! اور ان کا جواب کہ ہماری جانیں تو اللہ کے ہاتھ میں ہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اس آیت کو تلاوت کرنا ''وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ۝ (الکہف: ۵۴)'' اور دوسری حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے ان کے مدرسہ میں خطاب کیا اور اس کی تفسیر میں عنقریب ذکر کروں گا۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ ''جدال'' کا معنی ہے جھگڑا کرنا، یہ جھگڑا قبیح ہوتا ہے اور حسن ہوتا ہے اور احسن ہوتا ہے، پس فرائض کی ادائیگی کے لیے جو جھگڑا کیا جائے وہ احسن ہے، اور مستحبات کی ادائیگی کے لیے جو جھگڑا کیا جائے وہ حسن ہے، اور اس کے علاوہ جو جھگڑا ہو وہ قبیح ہے۔ اور علامہ کرمانی سے یہ رہ گیا کہ وہ کہیں کہ قبیح کی بھی ایک قسم ہے جو زیادہ قبیح ہو اور یہ وہ ہے جو حرام کے ارتکاب کے لیے جھگڑا کیا جائے۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اولیٰ کام کو ترک کر دیا، اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی

تلاوت فرمائی اور ان پر یہ لازم نہیں کیا کہ وہ تہجد کی نماز کے لیے کھڑے ہوں، اور اگر وہ حضور کی فرمانبرداری کرتے اور تہجد کی نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے تو یہ زیادہ اولیٰ تھا، اور اس میں جدال کے مراتب کی طرف اشارہ ہے، اگر وہ جھگڑا کرنا ضروری ہو جس سے حق کی نصرت ہو تو یہ برحق ہے، پھر جو شخص نیک امر پر عمل کرنے سے انکار کرتا ہے تو اس کو تقصیر کی طرف منسوب کیا جائے گا، اور اگر وہ جھگڑا کسی امرِ مباح میں ہو تو اس میں صرف امر پر اکتفاء کیا جائے گا اور ترکِ اولیٰ کا اشارہ کیا جائے گا۔ اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انسان کی طبیعت میں یہ چیز ہے کہ وہ اپنے نفس کا قول اور فعل سے دفاع کرتا ہے اور اس کو یہ چاہیے کہ وہ اپنے نفس سے جہاد کرے اور نصیحت کو قبول کرے اگرچہ وہ نصیحت کسی غیر واجب کام میں ہو، اور نصیحت کو بغیر افراط اور تفریط سے معتدل طریقہ سے دفع کرے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر عمل نہ کرنے کی صحیح توجیہ

اور علامہ ابن بطال نے المہلب مالکی سے نقل کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ان کو نماز پڑھنے کی دعوت دی تھی اس کو اپنے قول سے دفع کریں یا رد کریں بلکہ ان پر لازم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول پر اور آپ کے حکم پر عمل کریں تو کسی شخص کے لیے اس میں یہ دلیل نہیں ہے کہ اس نیک کام کو ترک کرے جس کا اسے حکم دیا گیا ہو۔

حافظ ابنِ حجر عسقلانی علامہ ابن بطال سے اختلاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو قبول نہیں کیا تھا، اس قصہ میں اس کی تصریح نہیں ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ عذر پیش کیا تھا کہ وہ نیند کے غلبہ کی وجہ سے تہجد کے لیے نہیں اٹھ سکے اور یہ ممتنع نہیں ہے کہ اس گفتگو کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی ہو کیونکہ حدیث میں اس کی نفی نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عذر کو تسلیم کیا تھا یا نہیں؟

علامہ الکرمانی نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور گھر والوں کو ان کی قدرت کا سبب اور کسب کے اعتبار سے تہجد کی نماز پڑھنے پر برانگیختہ فرمایا تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قضا اور قدر کے اعتبار سے اپنے نماز نہ پڑھنے کا عذر پیش کیا، انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جواب کی جلدی پر تعجب سے اپنی ران پر ہاتھ مارا، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ نے ان کی بات کو تسلیم کر لیا ہو۔

جو شخص کسی وجہ سے عبادت سے غافل ہو اس کو متنبہ کرنے کا جواز

اور الشیخ ابو محمد بن ابی جمرہ نے اس حدیث کے فوائد میں لکھا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو آدمی کسی عبادت سے غافل ہو اس کو یاد دلانا جائز ہے خصوصاً اس کے لیے جو اس کا رشتہ دار ہو اور اس کا صاحب ہو، کیونکہ بشر کی طبیعت میں غفلت ہے، پس مرد کو چاہیے کہ اپنے حال پر غور کرے اور جو اس سے محبت کرتا ہو اور اسے خیر کی یاد دلاتا ہو اور اس پر مدد کرتا ہو اس کی اطاعت کرے۔

کسی مستحب کام کے ترک کرنے پر تقدیر کے عذر کو پیش کرنے کا نامناسب ہونا

اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کسی شخص کو حکمت کے ساتھ تلقین کی جائے تو اس شخص کا نیک کام کے ترک پر تقدیر کا

عذر پیش کرنا مناسب نہیں ہے۔

حضرت علی اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا اس رات تہجد نہ پڑھنا کسی اور عذر کی وجہ سے تھا

علامہ ابن ابی جمرہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بالمشافہ نہیں کہا کہ انسان بڑا جھگڑالو ہے، کیونکہ آپ کو معلوم تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس سے جاہل نہیں ہیں کہ تقدیر کا عذر پیش کرنا حکمت میں سے نہیں ہے، بلکہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا کوئی ایسا عذر ہو جو ان کو تہجد کی نماز پڑھنے سے روکتا ہو، پس حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کے ذکر سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے حیاء کی، پس جب انہوں نے اپنے نفس سے اور اپنی اہلیہ کی طرف سے شرمندگی کو دور کرنے کا ارادہ کیا تو تقدیر کے ساتھ استدلال کیا، اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت جلد ان کے پاس سے واپس چلے گئے۔

شرعی حکم پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے بجائے عذر پیش کرنے کے اپنی تقصیر اور کوتاہی کا اعتراف کیا جائے

اور اس قصہ سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ بندگی کی شان یہ ہے کہ شریعت کے حکم کے مقابلہ میں معذرت نہ کی جائے سوا اس کے کہ اپنی تقصیر کا اعتراف کیا جائے اور استغفار کیا جائے، اور اس حدیث میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت ظاہر ہے کہ ان کی عظیم تواضع یہ ہے کہ انہوں نے اس حدیث کی روایت کی جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عتاب فرمایا، اور انہوں نے اس طرف التفات نہیں کیا بلکہ اس حدیث کو بیان کیا کیونکہ اس میں دینی فوائد تھے۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۴۶۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۳۴۸۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ سَعِيدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ بَيْنَا نَحْنُ فِي الْمَسْجِدِ خَرَجَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ انْطَلِقُوا إِلَى يَهُودَ فَخَرَجْنَا مَعَهُ حَتَّى جِئْنَا بَيْتَ الْمِدْرَاسِ فَقَامَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فَنَادَاهُمْ فَقَالَ يَا مَعْشَرَ يَهُودَ أَسْلِمُوا تَسْلَمُوا فَقَالُوا قَدْ بَلَّغْتَ يَا أَبَا الْقَاسِمِ قَالَ فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم ذَلِكَ أُرِيدُ أَسْلِمُوا تَسْلَمُوا فَقَالُوا قَدْ بَلَّغْتَ يَا أَبَا الْقَاسِمِ فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم ذَلِكَ أُرِيدُ ثُمَّ قَالَهَا الثَّالِثَةَ فَقَالَ اعْلَمُوا أَنَّمَا الْأَرْضُ لِلّٰهِ وَرَسُولِهِ وَأَنِّي أُرِيدُ أَنْ أُجْلِيَكُمْ مِنْ هَذِهِ الْأَرْضِ فَمَنْ وَجَدَ مِنْكُمْ بِمَالِهِ شَيْئًا فَلْيَبِعْهُ وَإِلَّا فَاعْلَمُوا أَنَّمَا الْأَرْضُ لِلّٰهِ وَرَسُولِهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از سعید از والد خود از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ جس وقت ہم مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے، آپ نے فرمایا: یہود کی طرف چلو، سو ہم آپ کے ساتھ نکلے حتیٰ کہ ہم بیت المدراس پر آئے، پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوئے اور آپ نے یہودیوں کو نداء کی، آپ نے فرمایا: اے یہود کی جماعت! اسلام قبول کر لو تم سلامتی کے ساتھ رہو گے، یہودیوں نے کہا: اے ابو القاسم! آپ نے تبلیغ کر دی ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں یہی ارادہ کرتا ہوں، تم اسلام قبول کر لو سلامتی کے ساتھ رہو گے، انہوں نے پھر کہا: اے ابو القاسم! آپ نے تبلیغ کر دی ہے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا: میں یہی

ارادہ کرتا ہوں، پھر آپ نے تیسری مرتبہ یہ فرمایا، پس آپ نے فرمایا: جان لو کہ یہ زمین اللہ کی اور اس کے رسول کی ملکیت ہے اور میں یہ ارادہ کرتا ہوں کہ تم کو اس زمین سے جلا وطن کر دوں، پس تم میں سے جس کے پاس اس کے مال میں سے کوئی چیز ہے تو وہ اس کو فروخت کر دے ورنہ تم جان لو کہ زمین صرف اللہ اور اس کے رسول کی ملکیت ہے۔

(صحیح البخاری: ۳۱۶۷، ۶۹۴۴، ۷۳۴۸، صحیح مسلم: ۱۷۶۵، سنن ابوداؤد: ۳۰۰۳، مسند احمد: ۹۵۱۷)

صحیح البخاری: ۷۳۴۸، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہودیوں کے پاس جا کر انہیں تبلیغ فرمانا آیا ان سے جدال تھا یا نہیں؟

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مذکور ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کو تبلیغ کی اور ان پر یہ لازم کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائیں اور ایمان کے تقاضوں پر عمل کریں تو یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو رد کرتے ہوئے یہ کہا کہ اے ابوالقاسم! آپ نے تبلیغ کر دی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار فرمایا: میں یہی چاہتا تھا کہ تم اس کا اعتراف کر لو کہ میں نے تبلیغ کر دی ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا انہیں تین بار اسلام کی دعوت دینا یہ اہلِ کتاب سے عمدہ طریقہ سے جدال کرنے کے معنی میں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ (العنکبوت: ۴۶) اور (اے مسلمانو!) اہلِ کتاب سے صرف عمدہ طریقہ سے بحث کرو۔

علماء کا اس آیت کی تاویل میں اختلاف ہے، علماء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ یہ آیت محکمہ ہے اور اہلِ کتاب کے ساتھ احسن طریقہ سے مجادلہ کرنا جائز ہے اس معنی میں کہ انہیں اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف دعوت دی جائے اور اللہ تعالیٰ کے دین کی حجت پر تنبیہ کی جائے اس امید سے کہ وہ ایمان کی دعوت کو قبول کر لیں۔

جو لوگ اپنے کفر پر ڈٹے رہیں ان سے عمدگی سے جدال کرنا ضروری نہیں

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ (البقرہ: ۱۵۰) تاکہ لوگوں کے لیے تمہارے خلاف کوئی حجت نہ رہے، البتہ ان میں سے جو ظالم ہیں (وہ تم پر ضرور ناحق الزام تراشی کریں گے)۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ان لوگوں سے بحث نہ کرو جنہوں نے مومنین سے جنگ تیار کر رکھی ہے، پس تم ان سے تلوار کے ساتھ جدال کرو حتیٰ کہ وہ اسلام لے آئیں یا جزیہ دیں، یہ مجاہد اور سعید بن جبیر کا قول ہے۔

اور ابن زید نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ اہلِ کتاب سے جدال نہ کرو یعنی جب وہ اسلام لے آئیں اور تم کو اپنی کتابوں میں لکھے ہوئے کی خبر دیں تو ان سے عمدہ طریقہ کے سوا جدال نہ کرو سوا ان لوگوں کے جو ان میں سے ظالم ہیں، کیونکہ وہ کفر پر قائم رہتے ہیں، پس تم بھی ان کے ساتھ سختی کے ساتھ خطاب کرو یعنی اب ان کے ساتھ عمدگی سے کلام نہ کرو، اور انہوں نے کہا کہ یہ آیت محکمہ ہے اور قتادہ نے کہا: یہ آیت، آیت قتال سے منسوخ ہے۔ (شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۳۸۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۷۳۴۸، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جزیرۂ عرب میں غیر مسلموں کی رہائش کا مکروہ ہونا

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ سرزمینِ عرب میں مسلمانوں کے علاوہ کسی اور کا رہنا مکروہ ہے، کیونکہ جب تحویلِ قبلہ ہوئی تو یہودیوں کی آزمائش کی گئی اور انہوں نے کعبہ کو قبلہ بنانے پر اعتراض کیا اور بنو نضیر کی بھی آزمائش کی گئی جب انہوں نے عہد شکنی کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر پتھر گرانے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا کہ ان کو جلا وطن کر دیں، اور بنو نضیر کو مدینہ سے نکال دیں اور باقی یہودیوں کو مدینہ میں چھوڑ دیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی وحی کے بغیر کوئی اقدام نہیں کرتے تھے، اور آپ کو یہ امید تھی کہ اللہ تعالیٰ یہود کو مسلمانوں کے پڑوس سے دور کر دے گا، اس لیے آپ نے یہود سے فرمایا: میں تم کو خیبر میں اس وقت تک برقرار رکھوں گا جب تک کہ اللہ تعالیٰ تم کو برقرار رکھے گا، آپ انتظار کر رہے تھے کہ ان کے متعلق کیا فیصلہ کیا جاتا ہے، پس اس معاملہ میں آپ کی طرف کوئی وحی نہیں کی گئی حتیٰ کہ آپ کی وفات کا وقت آ گیا، اس وقت آپ کی طرف وحی کی گئی تو آپ نے فرمایا: سرزمینِ عرب میں دو دین باقی نہیں رکھے جائیں گے اور آپ نے اپنی وفات کے وقت اس کی وصیت کی، پس جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے اور یہودیوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بیٹے پر حملہ کیا تو پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے وقت یہ وصیت کی تھی کہ یہودیوں کو جزیرۂ عرب سے نکال دیا جائے، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس شخص کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی عہد ہے وہ لے کر آئے ورنہ میں ان کو مدینہ سے شہر بدر کرنے والا ہوں، پس انہوں نے یہودیوں کو مدینہ سے نکال دیا۔

علامہ المہلب مالکی نے کہا ہے: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہودیوں کو مدینہ سے نکالنے کا حکم دیا، کیونکہ یہ خطرہ تھا کہ یہودی حق کو باطل کے ساتھ ملائیں گے اور جب وہ اسلام کا کوئی قوی دشمن دیکھیں گے تو اس کے ساتھ ہو جائیں گے جیسا کہ غزوۂ احزاب میں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا تھا اور کفار کا ساتھ دیا تھا جو مدینہ پر حملہ آور ہوئے تھے۔

امام ابو جعفر طبری نے کہا ہے: اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ شارع علیہ السلام نے اپنی امت کے مومنین کے لیے یہ سنت مقرر کی ہے کہ مسلمانوں کے شہر میں جو شخص دینِ اسلام کے علاوہ کسی اور دین کی پیروی کرے خواہ وہ شہر ایسا ہو کہ وہاں کے رہنے والوں نے اسلام قبول کر لیا ہو یا اس شہر کو مسلمانوں نے جہاد سے فتح کیا ہو جب مسلمانوں کو ان غیر مسلمین کی ضرورت نہ ہو تو ان کو جزیرہ عرب سے نکال دیا جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر وہ شہر جس میں مسلمان، کفار پر غالب ہوں اور اس سے پہلے مسلمانوں کے امیر نے کفار سے کوئی صلح نہ کی ہو تو امام پر لازم ہے کہ ان غیر مسلموں کو اس شہر سے نکال دے اور ان کو وہاں ٹھہرنے سے منع کرے سوا اس کے کہ مسلمانوں کو

ان غیر مسلموں کی ضرورت ہو اور وہ زیادہ سے زیادہ تین دن تک ان کو ٹھہرا سکتا ہے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر مسلمان خلفاء نے اس طرح کیا ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۱۸ ص ۵۹۹۔ ۶۰۰ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۷۳۴۸، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جو یہودی اسلام کی مخالفت کریں ان سے تلوار کے ساتھ جہاد کیا جائے ورنہ عمدہ طریقہ سے جدال کیا جائے

اس حدیث کی توجیہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کو تبلیغ کی اور ان کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے کہا: آپ نے تبلیغ کر دی ہے اور آپ کی اطاعت کا اعلان نہیں کیا، آپ نے دوبارہ ان کو تبلیغ کی اور سہ بارہ کی، اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے ساتھ احسن طریقہ سے مجادلہ کرنا ہے، اور یہ مجاہد کے اس قول کے موافق ہے کہ یہ آیت "وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ــــــ (العنکبوت: ۴۶)" (اور (اے مسلمانو!) اہل کتاب سے صرف عمدہ طریقہ سے بحث کرو) ان کے متعلق نازل ہوئی ہے جو ان میں سے ایمان نہیں لائے اور ان کا کوئی عہد ہو۔

اور امام ابوجعفر طبری نے سندِ صحیح کے ساتھ یہ روایت ذکر کی ہے کہ مجاہد نے کہا: اگر یہ کوئی بری بات کہیں تو تم اچھی بات کہو سوا ان لوگوں کے جنہوں نے ان میں سے ظلم کیا، سو تم ان سے بدلہ لو، اور سندِ ضعیف کے ساتھ یہ اضافہ ہے "سوا ان لوگوں کے جنہوں نے ظلم کیا اور لڑائی کی اور جزیہ نہیں دیا"۔ اور انہوں نے سندِ حسن کے ساتھ سعید بن جبیر سے روایت کی ہے کہ وہ اہلِ حرب ہیں جن کے ساتھ کوئی عہد و پیمان نہیں ہے، ان سے آپ تلوار کے ساتھ جدال کریں۔ اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم سے روایت ہے کہ مراد یہ ہے کہ جو اہلِ کتاب سے ایمان لے آئے ان کے ساتھ ان چیزوں میں مجادلہ کرنے سے منع کیا گیا ہے جن کو وہ اپنی کتاب سے بیان کرتے ہیں کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ حق ہو اور آپ اس کو نہ جانتے ہوں، اور صرف انہی سے جدال کیا جائے جو اپنے دین پر برقرار ہوں، اور سندِ صحیح کے ساتھ قتادہ سے منقول ہے کہ یہ آیت سورہ توبہ کی آیت سے منسوخ ہے، اور یہ کہ ان سے اس وقت تک قتال کیا جائے حتیٰ کہ وہ اس بات کی شہادت دیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور یہ کہ محمد اللہ کے رسول ہیں، یا پھر وہ جزیہ دیں۔ اور ابوجعفر طبری نے اس کو راجح قرار دیا ہے کہ اس سے مراد وہ ہیں جو جزیہ دینے سے انکار کریں، اور جس نے جزیہ کو ادا کیا خواہ وہ اپنی جان پر کفر پر قائم رہنے کی وجہ سے ظلم کرنے والا ہو لیکن اس آیت میں مراد یہ ہے کہ جس نے اہلِ اسلام پر ظلم کیا اور ان سے جنگ کی اور اسلام لانے سے انکار کیا یا جزیہ دینے سے انکار کیا اور انہوں نے ان پر رد کیا جو نسخ کا دعویٰ کرتے ہیں، کیونکہ نسخ بغیر دلیل کے ثابت نہیں ہوتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ امام ابوجعفر طبری نے اس کو راجح قرار دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اہلِ کتاب کے ساتھ بیان اور حجت کے ساتھ بطریقِ انصاف مباحثہ کا کہا گیا ہے، اور اس کا مفہومِ مخالف یہ ہے کہ جو لوگ ایسے نہ ہوں ان کے خلاف تلوار سے مجادلہ کیا جائے۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۴۶۸، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدرالدین عینی نے اس حدیث کی شرح میں حافظ ابنِ حجر عسقلانی کی مذکور شرح کا خلاصہ لکھا ہے کہ ان یہودیوں سے عمدہ طریقہ سے جدال اور بحث کی جائے جن کے اسلام لانے کی توقع ہے، اور جو کفر پر ڈٹے رہیں ان سے تلوار کے ساتھ بات کی

جائے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۹۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۱۹۔ بَابُ: قَوْلِهِ تَعَالَى: وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا (البقرہ: ۱۴۳)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد: ''اور اسی طرح ہم نے تمہیں بہترین امت بنایا''

وَمَا أَمَرَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بِلُزُومِ الْجَمَاعَةِ وَهُمْ أَهْلُ الْعِلْمِ

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جماعت کے ساتھ لازم رہنے کا حکم دیا ہے اور وہ اہلِ علم ہیں

بابِ مذکور کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

حجیتِ اجماع پر دلائل

اس باب کا معنی ہے: جماعت کے ساتھ اعتصام اور التزام کرنا، کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ (البقرہ: ۱۴۳) تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ۔

اور یہ جائز نہیں ہے کہ جن کا قول مقبول نہیں ہوتا ان کو شہداء بنایا جائے، اور جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع واجب ہے تو ان کے قول کی اتباع بھی واجب ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور ان کو ان کے قول کے مقبول ہونے میں جمع کیا اور ان کا تزکیہ کیا۔

اور جماعت کے ساتھ اعتصام اور التزام کرنا اللہ تعالیٰ کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے ساتھ اعتصام اور التزام ہے، کیونکہ دلیل سے ثابت ہے کہ اللہ اور اس کے رسول نے اجماع کی صحت کی توثیق کی ہے اور اجماع سے علیحدگی سے ڈرایا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۱۱۵﴾ (النساء: ۱۱۵)

اور جو شخص ہدایت کے ظاہر ہونے کے بعد رسول کی مخالفت کرے اور (تمام) مسلمانوں کے راستہ کے خلاف چلے تو ہم اسے اسی طرف پھیر دیں گے جس طرف وہ پھرا اور اس کو جہنم میں داخل کر دیں گے، اور کیسا برا ٹھکانا ہے O

نیز اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ (آل عمران: ۱۱۰)

جو امتیں لوگوں کے لیے ظاہر کی گئی ہیں تم ان سب میں بہترین امت ہو، تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو، اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو ان کے حق میں بہتر تھا، ان میں سے بعض مومن ہیں اور اکثر کافر ہیں O

یہ دو آیتیں اس پر قطعی دلالت کرتی ہیں کہ یہ امت گمراہی پر جمع نہیں ہوگی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب اللہ سے استنباط

کرتے ہوئے فرمایا کہ ''میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوگی''۔اور امت سے مراد ہر زمانہ کے ارباب حل وعقد ہیں۔
(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۳۹۰،دارالکتب العلمیہ ،بیروت، ۱۴۲۴ھ)

بابِ مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ،اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اجماع کی حجیت کا بیان

امام بخاری نے اس عنوان میں سورۃ البقرہ کی آیت: ۱۴۳ کا ذکر کیا ہے، اور اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر یہ احسان کیا ہے کہ ان کو ہدایت دی اور ان کو بہترین امت بنایا، اس کے بعد امام بخاری نے لکھا کہ مسلمانوں کو جماعت کے ساتھ لازم رہنے کا حکم دیا اور جماعت سے مراد اہلِ علم ہیں، پس اس تعلیق کی باب کی حدیث کے ساتھ مطابقت مخفی ہے، اور گویا کہ یہ مطابقت اس جہت سے ہے کہ مسلمانوں پر ان کے عادل ہونے کی وجہ سے احسان فرمایا ہے، اور جب کہ یہ آیت تمام مسلمانوں کو عام ہے تو اس میں یہ اشارہ ہے کہ اس عام سے مراد مخصوص مسلمان ہیں یعنی جو اہلِ علم ہوں اور عادل ہوں، کیونکہ جو جاہل ہیں وہ عادل نہیں ہوسکتے، اسی طرح جو بدعات کے مرتکبین ہیں، وہ بھی عادل نہیں ہوسکتے، پس معلوم ہوا کہ اس وصف کا مصداق اہل السنۃ والجماعۃ ہیں اور وہی علمِ شرعی کے حاملین ہیں اور ان کے ماسوا اگر وہ علم کی طرف منسوب ہوں تو وہ صورتاً نسبت ہے حقیقتاً نسبت نہیں ہے، اور متعدد احادیث میں جماعت کے ساتھ لازم رہنے کا حکم دیا گیا ہے:

امام ترمذی نے سندِ صحیح کے ساتھ از الحارث بن الحارث الاشعری ایک طویل حدیث ذکر کی ہے جس میں مذکور ہے: میں تم کو ان پانچ چیزوں کا حکم دیتا ہوں جن کا اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے، حاکم کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو، جہاد کرو، ہجرت کرو، اور جماعت کے ساتھ لازم رہو، کیونکہ جو جماعت سے ایک بالشت بھی الگ ہوا تو اس نے اپنی گردن سے اسلام کے پٹے کو نکال دیا۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے الجابیہ میں مشہور خطبہ دیا کہ تم جماعت کے ساتھ لازم رہو اور تفرقہ سے بچو، کیونکہ شیطان اکیلے کے ساتھ ہوتا ہے اور دو سے دور رہتا ہے، اور اس خطبہ میں فرمایا: جو جنت کے وسط کا ارادہ کرے وہ جماعت کے ساتھ لازم رہے۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے: اس باب سے مراد جماعت کے ساتھ لزوم پر برانگیختہ کرنا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ''۔ اور شہادت کے قبول ہونے کی شرط عدالت ہے اور ان کے لیے اس صفت کا ثبوت ہے ''وسطاً'' سے اور الوسط کا معنی ہے: العدل، اور جماعت سے مراد ہے ہر زمانہ کے ارباب حل وعقد۔

اور علامہ کرمانی نے کہا: اس امر کا تقاضا یہ ہے کہ جماعت کے ساتھ لازم رہا جائے، اور مسلمانوں پر لازم ہے کہ مجتہدین نے جس چیز پر اتفاق کرلیا اس کو مانیں اور وہ مجتہدین ہی اہلِ علم ہیں۔ اور جس آیت کا امام بخاری نے عنوان میں ذکر کیا ہے، اس سے اہل الاصول نے یہ استدلال کیا ہے کہ اجماع حجت ہے، کیونکہ ان کی تعدیل کی گئی ہے اور فرمایا ''جعلنٰکم امۃ وسطا'' یعنی ہم نے تم کو عادل امت بنایا ہے، اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ مجتہدین اپنے قول اور فعل سے جس چیز پر اجماع کرلیں، وہ خطاء سے محفوظ ہے۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۴۶۸۔۴۶۹، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

٧٣٤٩ـ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ حَدَّثَنَا أَبُو صَالِحٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُجَاءُ بِنُوحٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُقَالُ لَهُ هَلْ بَلَّغْتَ فَيَقُولُ نَعَمْ يَا رَبِّ فَتُسْأَلُ أُمَّتُهُ هَلْ بَلَّغَكُمْ فَيَقُولُونَ مَا جَاءَنَا مِنْ نَذِيرٍ فَيَقُولُ مَنْ شُهُودُكَ فَيَقُولُ مُحَمَّدٌ وَأُمَّتُهُ فَيُجَاءُ بِكُمْ فَتَشْهَدُونَ ثُمَّ قَرَأَ رَسُولُ اللهِ ﷺ ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا﴾ قَالَ عَدْلًا ﴿لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾ وَعَنْ جَعْفَرِ بْنِ عَوْنٍ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ بِهٰذَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق بن منصور نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابواسامہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوصالح نے حدیث بیان کی از حضرت ابوسعید الخذری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن حضرت نوح علیہ السلام کو لایا جائے گا، پس ان سے پوچھا جائے گا: کیا آپ نے تبلیغ کی؟ وہ کہیں گے: ہاں اے میرے رب! پھر ان کی امت سے پوچھا جائے گا: کیا حضرت نوح نے تم کو تبلیغ کی، تو وہ کہیں گے: ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا، پس اللہ تعالیٰ حضرت نوح علیہ السلام سے فرمائے گا: تمہارا گواہ کون ہے؟ تو وہ کہیں گے: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کی امت، پھر تم لوگوں کو لایا جائے گا، پھر تم گواہی دو گے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی:

اور اسی طرح ہم نے تم کو بہترین امت بنایا، یعنی عادل تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور یہ رسول تمہارے حق میں گواہ ہو جائیں۔

اور از جعفر بن عون، ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی از ابی صالح از ابوسعید الخذری رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح۔

(صحیح البخاری: ٣٣٣٩، ٤٤٨٧، ٧٣٤٩، سنن ترمذی: ٢٩٦١، سنن ابن ماجہ: ٤٢٨٤، مسند احمد: ١٠٨٩١)

صحیح البخاری: ٧٣٤٩، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ٨٥٢ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بابِ مذکور کی تائید میں دیگر روایات اور اس امت کے وسط ہونے کی توجیہ

حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ مسلمان قیامت کے دن شہادت دیں گے، وہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے خلاف شہادت دیں گے اور حضرت ہود علیہ السلام کی قوم کے خلاف اور حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کے خلاف اور حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے خلاف اور دیگر رسولوں کی قوم کے خلاف شہادت دیں گے کہ ان کے رسولوں نے اپنی قوم کو تبلیغ کی اور انہوں نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی۔

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: امتوں میں سے ہر مرد یہ تمنا کرے گا کہ وہ اس امت میں سے ہوتا، اور ہر جس نبی کی اس کی قوم نے تکذیب کی اور ہم قیامت کے دن اس کے حق میں شہادت دیں گے کہ انہوں نے اللہ کے پیغام

کو پہنچایا اور خیر خواہی کی، اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی "لِّتَكُونُوا شُهَدَآءَ" اس آیت میں اس امت کو وسط فرمایا ہے، کیونکہ یہ دین میں متوسط ہیں، انہوں نے نصاریٰ کی طرح غلو نہیں کیا اور نہ یہود کی طرح کمی کی لیکن یہ متوسط ہیں۔

(فتح الباری ج ۵ ص ۴۸۲، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۷۳۴۹، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور پر ایک اعتراض کا جواب

اس حدیث میں مذکور ہے کہ قیامت کے دن کفار کہیں گے کہ ہمارے پاس کوئی نبی نہیں آیا، حالانکہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَ تُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَ تَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۶۵﴾ (یس:۶۵) ہم آج ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے کلام کریں گے اور ان کے پاؤں ان کاموں کی گواہی دیں گے جو وہ کرتے تھے O

پس جب ان کے مونہوں پر مہر ہوگی اور وہ بات نہیں کر سکیں گے تو پھر وہ کیسے کہیں گے کہ ہمارے پاس کوئی نبی نہیں آیا اور ہم کو کسی نے تبلیغ نہیں کی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ قیامت کے دن مختلف احوال مختلف مقامات پر ہوں گے، کسی مقام پر کسی حال میں وہ بات نہیں کر سکیں گے اور دوسرے مقام پر دوسرے حال میں وہ کہیں گے کہ ہمارے پاس کوئی نبی نہیں آیا، پھر وہ کفار یہ کہیں گے کہ امتِ محمد ہمارے خلاف کیسے شہادت دے رہی ہے حالانکہ یہ لوگ بعد میں مبعوث کیے گئے اور ہم ان سے پہلے تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی کہیں گے: ہم شہادت دیتے ہیں کہ بے شک اللہ نے ہماری طرف رسول بھیجا اور اس پر کتاب نازل کی، پھر اللہ نے جو کتاب نازل کی اس میں تمہارے متعلق خبریں تھیں۔ (شعب الایمان للبیہقی ج ۱ ص ۲۴۸)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۱۹ ص ۳۰۰-۳۰۱، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۲۰- بَابٌ: إِذَا اجْتَهَدَ الْعَامِلُ أَوِ الْحَاكِمُ فَأَخْطَأَ خِلَافَ الرَّسُولِ مِنْ غَيْرِ عِلْمٍ فَحُكْمُهُ مَرْدُودٌ

جب عامل یا حاکم نے اجتہاد کیا، پس اس نے بغیر علم کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف خطاء کی، تو اس کا حکم مردود ہے

لِقَوْلِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم: مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ۔

کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "جس نے کوئی ایسا عمل کیا جو ہمارے دین کے مطابق نہیں ہے، تو وہ مردود ہے"۔

باب مذکور کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

کتاب الاحکام میں اس قسم کا باب گزر چکا ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ جس نے جہالت یا غلطی سے سنت کے بغیر کوئی فیصلہ کیا

پھر اس پر منکشف ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت اس کے دیے ہوئے حکم کے خلاف ہے تو اس پر واجب ہے کہ اپنے حکم سے رجوع کرے اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق فیصلہ کرے اور اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر عمل کرے کہ "اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو" اور یہی نفس الاعتصام بالسنۃ ہے۔

(شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۳۹۰-۳۹۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

تنبیہ: علامہ ابن ملقن نے بھی اس باب کی اسی طرح شرح کی ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۳ ص ۱۳۰-۱۳۱، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس عنوان میں کہا ہے کہ "جب عامل نے اجتہاد کیا"۔ علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ عامل سے مراد ہے زکوٰۃ کا عامل یعنی جو زکوٰۃ وصول کرتا ہو۔

میں کہتا ہوں کہ عامل کا لفظ زکوٰۃ وصول کرنے والے سے عام ہے، اور اس عنوان میں امام بخاری نے کہا "یا حاکم نے اجتہاد کیا" حاکم سے مراد ہے قاضی اور حاکم کا لفظ بھی قاضی کے مفہوم سے عام ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ کتاب الاحکام میں یہ باب گزرا ہے "جب حاکم نے ظلم کے ساتھ کوئی فیصلہ کیا اور اہلِ علم کی مخالفت کی تو اس کا وہ فیصلہ مردود ہے" تو اب یہاں اس عنوان کو ذکر کرنے کا کیا فائدہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس باب کا عنوان اجماع کی مخالفت کی وجہ سے منعقد کیا گیا تھا، اور یہ عنوان رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کی وجہ سے منعقد کیا گیا ہے۔

اور اس عنوان میں کہا ہے "پس اس نے خطاء کی" یعنی جو زکوٰۃ واجب ہے اس کے لینے میں خطاء کی یا اس کے متعلق فیصلہ میں خطاء کی، یہ علامہ کرمانی نے کہا ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: یہ بھی عام ہے اور اس عنوان میں کہا ہے "خلاف الرسول" یعنی اس کا فیصلہ سنت کے خلاف تھا۔

اور اس عنوان میں کہا ہے "من غیر علم" یعنی اس نے جہالت سے فیصلہ کیا، علامہ کرمانی نے کہا ہے: اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر اس نے سنت کے بغیر فیصلہ کیا، پھر اس پر منکشف ہوا کہ سنت اس کے خلاف ہے تو اس کا حکم یہ ہے کہ اس کا اس فیصلہ سے رجوع کرنا واجب ہے اور یہی سنت کے ساتھ اعتصام یعنی التزام ہے۔

پھر علامہ کرمانی نے کہا: اس عنوان میں ایک قسم کا غرور اور اکھڑ پن ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: علامہ کرمانی نے اس سے یہ اشارہ کیا ہے کہ "فاخطأ" لکھنا صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کا ظاہر مقصود کے منافی ہے، کیونکہ جس نے سنت کے خلاف میں خطاء کی، اس کی مذمت نہیں کی جاتی، اس کے برخلاف جس نے فیصلہ میں خطاء کی اس کی مذمت کی جائے گی۔

اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے علامہ کرمانی پر رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ امام بخاری کا کلام اس پر مکمل ہو جاتا ہے کہ جس نے اجتہاد کیا اور اجتہاد میں سنت کے خلاف کیا تو اس میں کیا غرور ہے اور کیا اکھڑ پن ہے؟

علامہ عینی حافظ ابن حجر عسقلانی کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حافظ ابن حجر عسقلانی کا غرور اور اکھڑ پن کرمانی کے غرور اور اکھڑ پن سے زیادہ ہے، کیونکہ اصل عبارت یہ ہے کہ عامل نے رسول کے خلاف کیا اور اس کا عطف خطاء پر ہے، پس یہ مقصود کی نفی تک پہنچائے گا جس کا ہم نے ابھی ذکر کیا ہے اور الحافظ الدمیاطی نے صحیح البخاری کے نسخہ کے حاشیہ میں لکھا ہے: صحیح یہ ہے کہ پس اس نے رسول کی مخالفت کر کے خطاء کی، اور جو امام بخاری نے تعلیق میں حدیث ذکر کی ہے، وہ کتاب الصلح میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک اور عبارت کے ساتھ مروی ہے اور وہاں اس پر بحث ہو چکی ہے۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے: امام بخاری کی مراد یہ ہے کہ جس نے جہالت سے یا غلطی سے سنت کے بغیر کوئی فیصلہ کیا تو اس پر واجب ہے کہ وہ سنت کے حکم کی طرف رجوع کرے اور جو اس کے خلاف فیصلہ کیا ہے اس کو ترک کر دے تاکہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر عمل ہو کہ اس کے رسول کی اطاعت کی جائے، اور یہی نفس الاعتصام بالسنۃ ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۹۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۳۵۰، ۷۳۵۱۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ عَنْ أَخِيهِ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بِلَالٍ عَنْ عَبْدِ الْمَجِيدِ بْنِ سُهَيْلِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ أَنَّهُ سَمِعَ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ يُحَدِّثُ أَنَّ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ وَأَبَا هُرَيْرَةَ حَدَّثَاهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ أَخَا بَنِي عَدِيٍّ الْأَنْصَارِيَّ وَاسْتَعْمَلَهُ عَلَى خَيْبَرَ فَقَدِمَ بِتَمْرٍ جَنِيبٍ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكُلُّ تَمْرِ خَيْبَرَ هٰكَذَا قَالَ لَا وَاللّٰهِ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّا لَنَشْتَرِي الصَّاعَ بِالصَّاعَيْنِ مِنَ الْجَمْعِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَفْعَلُوا وَلٰكِنْ مِثْلًا بِمِثْلٍ أَوْ بِيعُوا هٰذَا وَاشْتَرُوا بِثَمَنِهِ مِنْ هٰذَا وَكَذٰلِكَ الْمِيزَانُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی از برادر خود از سلیمان بن بلال از عبد المجید بن سہیل بن عبد الرحمٰن بن عوف، وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے سعید بن المسیب سے سنا، وہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ بے شک حضرت ابو سعید الخدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما نے ان کو حدیث بیان کی کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو عدی انصاری کے بھائی کو بھیجا اور ان کو خیبر پر عامل بنایا، پس وہ آپ کے پاس بہت عمدہ کھجوریں لے کر آیا، پس اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا خیبر کی تمام کھجوریں اسی طرح ہیں، اس نے کہا: نہیں اللہ کی قسم یا رسول اللہ! ہم دو صاع ردی کھجوریں دے کر ایک صاع یہ کھجوریں لیتے ہیں، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ نہ کرو، لیکن برابر سرابر خریدو، یا اپنی کھجوریں بیچو اور ان کی قیمت سے یہ کھجوریں خریدو، اور اسی طرح میزان ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۲۰۱، ۲۳۰۳، ۴۲۴۵، ۴۲۴۶، ۷۳۵۰، صحیح مسلم: ۱۵۹۳، سنن نسائی: ۴۵۵۳، موطا امام مالک: ۱۳۱۵، سنن دارمی: ۲۵۷۷)

صحیح البخاری: ۷۳۵۰، ۷۳۵۱، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

گھٹیا کھجوروں کو عمدہ کھجوروں کے عوض زیادہ مقدار کے ساتھ فروخت کرنے میں مذاہب فقہاء

اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ تمام کھجوریں ایک جنس ہیں خواہ وہ گھٹیا کھجوریں ہوں یا عمدہ کھجوریں ہوں، اور ان میں سے کسی ایک کو دوسری قسم کے عوض اضافہ کے ساتھ فروخت کرنا جائز نہیں ہے، اور کھجور کے حکم میں طعام کی تمام اقسام ہیں، لہٰذا ایک جنس کے طعام کی بیع میں اضافہ اور ادھار بالاجماع جائز نہیں ہے۔ اگر دو مختلف جنسوں کا طعام ہو تو اس کو اضافہ کے ساتھ فروخت کرنا تو جائز ہے لیکن ادھار فروخت کرنا جائز نہیں ہے، امام مالک کے نزدیک یہ اس طعام کا حکم ہے جو غذا بن سکے اور امام شافعی کے نزدیک یہ ہر قسم کے طعام کا حکم ہے خواہ وہ غذا بن سکے یا نہ بن سکے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ ہر اس طعام کا حکم ہے جس کو ناپ کے ذریعہ یا وزن کے ذریعہ فروخت کیا جائے۔

تحریم سے پہلے کسی کام کو کرنے کا حکم

اس حدیث میں مذکور ہے کہ جن لوگوں نے عمدہ کھجوروں کی گھٹیا کھجوروں کے ساتھ بیع اضافہ کے ساتھ کی، رسول اللہ ﷺ نے ان پر کوئی مواخذہ نہیں فرمایا، اس سے یہ معلوم ہوا کہ جس شخص کو کسی چیز کی تحریم کا علم نہ ہو تو جب تک اس کو اس کی تحریم کا علم نہ ہو اس کے ارتکاب میں اس سے مواخذہ نہیں ہوگا، کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾ اور ہم اس وقت تک عذاب دینے والے نہیں ہیں حتیٰ کہ رسول بھیج دیں ○ (بنی اسرائیل: ۱۵)

میں کہتا ہوں کہ اس آیت اور اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ایک شخص حلال اور حرام کا علم حاصل نہ کرے اور حرام کام کرتا رہے تو اس سے مواخذہ نہیں ہوگا بلکہ اس کے دو گناہ ہیں، ایک گناہ علم حاصل نہ کرنے کا ہے اور دوسرا گناہ حرام کام کرنے کا ہے، سو جب رسول اللہ ﷺ نے یہ بتا دیا کہ عمدہ چیز کی گھٹیا چیز کے عوض اضافہ کے ساتھ بیع نہ کی جائے تو اب جو بھی اس طرح بیع کرے گا وہ گنہگار ہوگا خواہ وہ اس کا علم حاصل کرے یا نہ کرے۔

بعض علماء نے اس حدیث کی توجیہ میں یہ کہا ہے کہ جس شخص نے دو صاع گھٹیا کھجوریں دے کر ایک صاع عمدہ کھجوریں خریدی تھیں، وہ سود کی تحریم نازل ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے اور نبی ﷺ کی اس تحریم کی خبر دینے سے پہلے کا واقعہ ہے، اس لیے نبی ﷺ نے اس بیع کو فسخ کرنے کا حکم نہیں دیا۔

لیکن یہ ان علماء کی غفلت ہے، کیونکہ نبی ﷺ نے فتح خیبر کے موقع پر حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما سے فرمایا تھا: تم دونوں نے سود کی بیع کی ہے سو اس کو مسترد کر دو، اور فتح خیبر کا واقعہ ان کھجوروں کی خریداری سے پہلے کا واقعہ ہے۔

علامہ ابن بطال فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے امام شافعی نے یہ استدلال کیا ہے کہ ایک آدمی کسی شخص کو نقد رقم دے کر طعام خریدے، پھر اسی رقم سے اس سے طعام خرید لے، کیونکہ نبی ﷺ نے اس سے منع نہیں فرمایا۔ امام مالک کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے کیونکہ طعام کی بیع طعام سے ہوگئی اور درمیان میں دراہم لغو ہیں۔

(شرح ابن بطال ج ۶ ص ۴۷۳۔۴۷۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۲۱۔ بَابُ: أَجْرِ الْحَاكِمِ إِذَا اجْتَهَدَ فَأَصَابَ أَوْ أَخْطَأَ

جب حاکم اپنے اجتہاد سے فیصلہ کرے خواہ وہ فیصلہ صحیح ہو یا غلط تو اس کے اجر کا بیان

۷۳۵۲۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يَزِيدَ الْمُقْرِئُ الْمَكِّيُّ حَدَّثَنَا حَيْوَةُ بْنُ شُرَيْحٍ حَدَّثَنِي يَزِيدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْهَادِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ عَنْ أَبِي قَيْسٍ مَوْلَى عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ قَالَ فَحَدَّثْتُ بِهَذَا الْحَدِيثِ أَبَا بَكْرِ بْنَ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ فَقَالَ هَكَذَا حَدَّثَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَقَالَ عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ الْمُطَّلِبِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم مِثْلَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یزید المقری المکی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حیوۃ بن شریح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے یزید بن عبداللہ بن الہاد نے حدیث بیان کی از محمد بن ابراہیم بن الحارث از بسر بن سعید از ابی قیس مولیٰ عمرو بن العاص از حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: "جب حاکم کوئی فیصلہ کرے، پس اجتہاد کرے اور اس کا اجتہاد صحیح ہو تو اس کو دو اجر ملتے ہیں، اور جب وہ کوئی فیصلہ کرے، پس اجتہاد کرے، پھر اس اجتہاد میں خطاء کرے تو اس کے لیے ایک اجر ہوتا ہے"۔

پس یزید بن عمرو نے کہا: میں نے یہ حدیث ابوبکر بن عمرو بن حزم کو بیان کی تو انہوں نے کہا: اسی طرح مجھے یہ حدیث ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کی تھی۔

عبدالعزیز بن المطلب نے از عبداللہ بن ابی بکر از ابوسلمہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کی مثل روایت کی ہے۔

(صحیح مسلم: ۱۷۱۶، سنن ابوداؤد: ۳۵۷۴، سنن ابن ماجہ: ۲۳۱۴، مسند احمد: ۱۷۳۲۰)

صحیح البخاری: ۷۳۵۲، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اجتہاد کی تعریف

اجتہاد کا معنی ہے جو حاکم عالم ہو وہ کسی پیش آمدہ مسئلہ کا شرعی حکم معلوم کرنے کے لیے اپنی پوری قوت علمیہ کو صرف کرے۔

مجتہد کو خطاء پر اجر عطا فرمانے کی توجیہ

یہ اجر اس وقت ملے گا جب کہ وہ مجتہد خود علم میں متبحر ہو اور اپنے آپ کو اجتہاد سے فیصلہ کرنے کا اہل سمجھتا ہو اور لوگ بھی اس کو ایسا سمجھتے ہوں، لیکن جس کا علم قاصر ہو اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ پیش آمدہ مسائل میں اجتہاد کرے، اور اگر اس نے پیش آمدہ مسائل میں از خود اجتہاد کیا تو وہ ہلاک ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ (بنی اسرائیل:٣٦) اور جس چیز کا تمہیں علم نہیں اس کے در پے نہ ہو۔

علامہ ابن المنذر نے کہا ہے: خطاء کرنے والے حاکم کو اجر اس وقت ملے گا کہ جب وہ اجتہاد اور سنن کا عالم ہو، لیکن جس کو سنن کا علم نہ ہو تو وہ اس حدیث کے معنی میں داخل نہیں ہے، کیونکہ حدیث میں ہے:

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قاضی تین قسم کے ہیں، دو قسم کے قاضی دوزخ میں ہوں گے اور ایک قسم کا قاضی جنت میں ہوگا، پس جس قاضی نے دانستہ حق کے خلاف فیصلہ کیا تو وہ دوزخ میں ہوگا اور جس قاضی نے بغیر علم کے فیصلہ کیا اور لوگوں کے حقوق ضائع کیے وہ بھی دوزخ میں ہوگا، اور جس قاضی نے حق کے مطابق فیصلہ کیا تو وہ جنت میں ہوگا۔

(سنن ابوداؤد: ٣٥٧٣، سنن ترمذی: ١٣٢٢، سنن ابن ماجہ: ٢٣١٥)

نیز علامہ ابن المنذر نے کہا ہے: حاکم کو اس کے اجتہاد پر اجر اس وقت ملے گا جب وہ صحیح شرعی حکم کو طلب کرنے کے لیے اجتہاد کرے نہ کہ خطاء فی المسئلہ کے لیے اجتہاد کرے، اس کی تائید درج ذیل آیت سے ہوتی ہے:

وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ۝ (الانبیاء:٧٨) اور داؤد اور سلیمان کو یاد کیجئے جب وہ کھیت کا فیصلہ کر رہے تھے، جب کچھ لوگوں کی بکریوں نے رات میں اس کھیت کو چر لیا تھا اور ہم ان کے فیصلہ کو دیکھ رہے تھے O

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ دو آدمی حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس آئے، ان میں سے ایک کھیت کا مالک تھا اور دوسرا بکریوں کا مالک تھا، کھیت کے مالک نے کہا: اس آدمی نے اپنی بکریاں میرے کھیت میں ہانک دیں اور میرے کھیت میں سے کوئی چیز باقی نہیں بچی، حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا: جاؤ یہ ساری بکریاں تمہاری ہیں، یہ حضرت داؤد علیہ السلام کا فیصلہ تھا، پھر بکریوں والا حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس گیا اور ان کو حضرت داؤد علیہ السلام کا کیا ہوا فیصلہ بتایا، پھر حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس گئے اور کہا: اے اللہ کے نبی! آپ نے جو فیصلہ کیا ہے اس کے سوا ایک اور فیصلہ ہے، حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا: وہ کیا ہے؟ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: کھیت والے کو معلوم ہے کہ ہر سال اس کی کتنی فصل ہوتی ہے، وہ اس فصل کی قیمت بکریوں والے سے لے لے، اور بکریوں والا بکریوں کے بال، ان کی اون اور ان کے بچوں کو بیچ کر وہ قیمت ادا کرے، اور بکریوں کی نسل تو ہر سال چلتی رہتی ہے، حضرت داؤد علیہ السلام نے کہا: تم نے صحیح فیصلہ کیا اور فیصلہ یہی ہے۔ (جامع البیان: ١٨٦٥٦)

حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام دونوں نے یہ فیصلہ اپنے اپنے اجتہاد سے کیا تھا، اگر اس مسئلہ میں کوئی نص ہوتی تو وہ اس کی مخالفت نہ کرتے۔ (زاد المسیر ج ۵ ص ۳۷۲)

حسن بصری نے کہا ہے: اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی تحسین کی اور حضرت داؤد علیہ السلام کی مذمت نہیں کی، اور ابوالتمام المالکی نے کہا ہے کہ امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ مجتہدین کے متعدد اقوال میں سے برحق ایک قول ہوتا ہے اور مجتہدین کے تمام اقوال برحق نہیں ہوتے۔

اور علامہ ابن القاسم نے بیان کیا ہے کہ امام مالک سے صحابہ کرام کے اختلاف کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: ان میں خطاء کرنے والے بھی ہوتے تھے اور صحیح حکم دینے والے بھی ہوتے تھے اور ان کے تمام اقوال برحق نہیں ہوتے تھے۔

اس پر دلیل کے تمام مجتہدین کے اقوال برحق نہیں ہوتے

اس پر دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب حاکم اجتہاد کرے اور صحیح حکم کا فیصلہ کرے تو اس کو دو اجر ملتے ہیں، اور جب وہ اجتہاد کرے اور اس میں خطاء کرے تو اسے ایک اجر ملتا ہے، فقہاء نے کہا: اس حدیث میں یہ نص صریح ہے کہ مجتہدین اور حاکمین میں خطاء کرنے والے بھی ہوتے ہیں اور صواب پر پہنچنے والے بھی ہوتے ہیں، اور انہوں نے کہا: اگر یہ کہا جائے کہ ہر مجتہد کا حکم صحیح ہوتا ہے تو اس سے لازم آئے گا کہ ایک چیز بیک وقت حلال بھی ہو اور حرام بھی ہو، اور واجب بھی ہو اور مستحب بھی ہو، کیونکہ ایک مجتہد ایک چیز کو حلال کہتا ہے اور دوسرا مجتہد اسی چیز کو حرام کہتا ہے (مثلاً امام مالک اور امام شافعی مچھلی کے علاوہ سمندری شکار کو حلال کہتے ہیں اور امام ابوحنیفہ مچھلی کے علاوہ سمندری جانوروں کے شکار کو حرام کہتے ہیں، اگر ہر مجتہد کا اجتہاد صحیح ہو تو لازم آئے گا کہ سمندری جانور حلال بھی ہوں اور حرام بھی ہوں)۔ اسی طرح ایک مجتہد کسی عبادت کو واجب کہتا ہے اور دوسرا مجتہد اس عبادت کو مستحب کہتا ہے (مثلاً امام ابوحنیفہ وتر کی نماز کو واجب کہتے ہیں اور امام شافعی وتر کی نماز کو مستحب کہتے ہیں، اگر ہر مجتہد کا اجتہاد صحیح ہو تو لازم آئے گا کہ وتر کی نماز پڑھنا واجب بھی ہو اور مستحب بھی ہو)۔ اسی طرح امام شافعی کہتے ہیں: جب تک کوئی عورت ملکیت میں نہ آئے اس پر طلاق واقع نہیں ہوتی اور امام ابوحنیفہ کہتے ہیں: اس پر طلاقِ معلق واقع ہو سکتی ہے (مثلاً اگر میں نے تم سے نکاح کیا تو تم کو طلاق، تو اگر ہر مجتہد کا اجتہاد صحیح ہو تو لازم آئے گا کہ وہ عورت مطلقہ بھی ہو اور اس مرد پر حرام ہو اور غیر مطلقہ بھی ہو اور اس مرد پر حلال ہو)۔ تو اگر ہر مجتہد کا اجتہاد صحیح ہو تو اس طرح کے متناقض احکام کا صحیح ہونا لازم آئے گا۔

اور جو علماء کہتے ہیں کہ ہر مجتہد کا اجتہاد صحیح ہوتا ہے وہ صرف فروع اور مسائلِ اجتہادیہ میں کہتے ہیں جن مسائل میں عام آدمی پر تقلید کرنا لازم ہے، لیکن پانچ نمازوں کا وجوب اور روزوں کی فرضیت اور حج کا فرض ہونا یہ وہ احکام ہیں جن پر عمل کرنا تواتر سے ثابت ہے اور وہ ان احکام سے خارج ہیں۔

(شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۳۹۱۔ ۳۹۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ، التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۳ ص ۱۳۴۔ ۱۳۸، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۷۳۵۲، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مجتہد کو صحتِ حکم کی صورت میں اجر ملنے کا بیان

علامہ خطابی نے معالم السنن میں لکھا ہے: مجتہد کو اجر اس وقت دیا جائے گا جب کہ وہ اجتہاد کے آلات کا جامع ہو، اور اسی کو ہم خطاء سے معذور رکھتے ہیں، اس کے برخلاف جو تکلف سے اجتہاد کرے اس پر خوف ہے، اور عالم کو اجر اس لیے دیا جائے گا کہ حق کو طلب کرنے کے لیے اس کا اجتہاد کرنا عبادت ہے جب کہ اس کا حکم صحیح ہو، اور اگر اس کے اجتہاد کا حکم خطاء ہو تو خطاء پر اجر نہیں دیا جاتا بلکہ اس سے صرف گناہ کو اٹھا لیا جاتا ہے گویا کہ خطابی کے نزدیک حدیث میں جو مذکور ہے کہ خطاء کی صورت میں بھی مجتہد کو ایک اجر ملے گا، اس سے مراد یہ ہے کہ اس سے گناہ اٹھا لیا جائے گا۔

علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ جب مجتہد کے سامنے کوئی مسئلہ پیش آئے تو اس کو از سرِ نو اس میں اجتہاد کرنا اور غور کرنا چاہیے اور اپنے پچھلے اجتہاد پر کفایت نہیں کرنی چاہیے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ پہلے اس کو صحیح حکم معلوم نہ ہوا ہو اور اب معلوم ہو جائے۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ دو مرد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، وہ لڑ رہے تھے تو آپ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے عمرو! تم ان دونوں کے درمیان فیصلہ کرو، تو انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! میری بہ نسبت آپ ان دونوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے زیادہ حق دار ہیں، اور انہوں نے کہا: اگر میں نے ان دونوں کے درمیان فیصلہ کیا تو مجھے کیا ملے گا؟ آپ نے فرمایا: اگر تم نے ان کے درمیان صحیح فیصلہ کیا تو تم کو دس نیکیاں ملیں گی، تاہم اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

علامہ ابن العربی نے کہا ہے: میرے نزدیک اس حدیث میں ایک فائدہ زائدہ ہے کہ جو شخص اجتہاد میں کوتاہی کرے اس کو ایک اجر ملے گا اور جو اجتہاد میں زیادہ کوشش کرے اس کو اجر بھی زیادہ ملے گا، اور اگر دو فریقوں میں سے ایک زیادہ چرب زبان ہو اور حاکم اس کے حق میں فیصلہ کر دے اور حق دوسرے کا ہو تو اس صورت میں حاکم کو صرف اجتہاد کرنے کا اجر ملے گا اور اس نے جو دوسرے کا حق کسی اور کو دے دیا اس سے اس پر مواخذہ نہیں ہوگا کیونکہ اس نے عمداً ایسا نہیں کیا۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۷۰۴۔ ۷۰۲، ملخصاً وملتقطاً، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۷۳۵۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

خطاء کی صورت میں مجتہد کو اجر ملنے کی توجیہ

ایک سوال یہ ہے کہ جو مجتہد فیصلہ میں خطاء کرے اس کو اجر کیوں ملے گا؟

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کیونکہ اس نے صحیح حل کی طلب میں اجتہاد کیا تھا اور خطاء کی طلب میں اجتہاد نہیں کیا تھا، اور علامہ ابن المنذر نے کہا ہے: حاکم کو خطاء پر اجر اس وقت دیا جائے گا جب کہ وہ اجتہاد کا عالم ہو پھر اجتہاد کرے، لیکن جو عالم نہ ہو اور اجتہاد کرے تو اسے کوئی اجر نہیں دیا جائے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۱۰۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۲۲۔ بَابُ: الْحُجَّةِ عَلَى مَنْ قَالَ إِنَّ أَحْكَامَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم كَانَتْ ظَاهِرَةً وَمَا كَانَ يَغِيبُ بَعْضُهُمْ مِنْ مَشَاهِدِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَأُمُورِ الْإِسْلَامِ

اس شخص کا رد جو یہ کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام احکام ظاہر تھے اور اس باب میں یہ بھی بیان ہے کہ بعض صحابہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے غائب رہتے تھے اور ان کو اسلام کے کئی احکام کی خبر نہیں ہوتی تھی

بابِ مذکور کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کی احادیث سے روافض اور خوارج کی ایک قوم پر رد کیا جاتا ہے جن کا یہ زعم ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام اور آپ کی

سنتیں آپ سے تواتر کے ساتھ منقول ہیں، اور آپ کے احکام اور آپ کی سنتوں پر اس وقت تک عمل کرنا جائز نہیں ہے جب تک کہ وہ تواتر سے منقول نہ ہوں، اور ان کا یہ قول انتہائی جہالت پر مبنی ہے، کیونکہ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ بعض سنتوں سے ثابت شدہ احکام کو دوسرے صحابہ سے حاصل کرتے تھے اور ان میں سے بعض دوسروں کے اقوال کی طرف رجوع کرتے تھے جو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیے، اور اس پر اجماع منعقد ہے کہ خبرِ واحد پر عمل کرنا جائز ہے اور اہلِ بدعت کا جو قول اس سے خارج ہے وہ باطل ہے۔

یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں جن کا علم میں بہت اونچا مرتبہ ہے، اس کے باوجود ان کو جدہ کے متعلق کوئی نص نہیں ملی حتیٰ کہ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے ان کو اس نص پر مطلع کیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف رجوع کر لیا، اسی طرح حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے وبا کے متعلق حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے حدیث سنی اور ان کی طرف رجوع کر لیا، اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی انگلیوں کی دیت کے متعلق روایت کی طرف رجوع کیا، اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پیٹ کے بچہ کی دیت کے متعلق حضرت مغیرہ بن شعبہ اور حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہما کی حدیث کی طرف رجوع کیا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تین مرتبہ اجازت کی حدیث کے متعلق حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما کی روایت کی طرف رجوع کیا، اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے مخابرہ کی ممانعت کی حدیث سنی، سو اس کی طرف رجوع کر لیا اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کی طرف رجوع کر لیا کہ جب دو شرمگاہیں مل جائیں تو غسل واجب ہو جاتا ہے۔ نیز صحابہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کی طرف رجوع کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صبح کو جماع سے جنبی اٹھتے بغیر احتلام کے، پھر آپ روزہ رکھتے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۳۹۵-۳۹۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے یہ باب اس لیے منعقد کیا ہے کہ یہ واضح کریں کہ اکثر اکابر صحابہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض مجالس سے غائب ہوتے تھے اور ان کو معلوم نہیں ہوتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مجلس میں کیا ارشاد فرمایا ہے یا آپ نے کیا کام کیا ہے، پھر جن احکام پر وہ پہلے مطلع تھے انہی پر برقرار رہتے ہیں، یا تو منسوخ پر برقرار رہتے تھے کیونکہ ان کو ناسخ کا علم نہیں ہوتا تھا، یا اباحتِ اصلیہ پر برقرار رہتے تھے، پھر بعض صحابہ نے ایک دوسرے سے ان احکام کو حاصل کیا جو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے معلوم کیے تھے۔

پس یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، ان کی علم میں اتنی عظیم قدر تھی اس کے باوجود ان کو نہیں معلوم ہوا کہ جدہ کی میراث کیا ہے حتیٰ کہ انہیں حضرت محمد بن مسلمہ اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما نے اس سلسلہ میں جدہ کے متعلق نص سے مطلع فرمایا، اور یہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہیں، انہوں نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی طرف استیئذان میں رجوع کر لیا، یعنی جب کوئی شخص تین دفعہ اجازت طلب کرے اور اس کو اجازت نہ دی جائے تو وہ واپس چلا جائے، اس حدیث کا حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو علم نہیں تھا حتیٰ کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے ان کو یہ حدیث سنائی اور اس کی اور بہت سی مثالیں ہیں۔

اور اس باب سے روافض پر رد کیا جاتا ہے اور خوارج کی قوم پر رد کیا جاتا ہے جن کا یہ زعم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام احکام

اور آپ کی تمام سنتیں تواتر سے منقول ہیں اور اس پر عمل کرنا جائز نہیں ہے جو تواتر سے منقول نہ ہو، اور ان کا یہ مذہب اس لیے مردود ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک دوسرے سے احکام حاصل کرتے تھے اور ایک دوسرے کی طرف رجوع کرتے تھے اور اجماع اس پر قائم ہو چکا ہے کہ خبرِ واحد پر عمل کرنا جائز ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۱۰۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۳۵۳۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ حَدَّثَنِي عَطَاءٌ عَنْ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ قَالَ اسْتَأْذَنَ أَبُو مُوسَى عَلَى عُمَرَ فَكَأَنَّهُ وَجَدَهُ مَشْغُولًا فَرَجَعَ فَقَالَ عُمَرُ أَلَمْ أَسْمَعْ صَوْتَ عَبْدِ اللهِ بْنِ قَيْسٍ ائْذَنُوا لَهُ فَدُعِيَ لَهُ فَقَالَ مَا حَمَلَكَ عَلَى مَا صَنَعْتَ فَقَالَ إِنَّا كُنَّا نُؤْمَرُ بِهَذَا قَالَ فَأْتِنِي عَلَى هَذَا بِبَيِّنَةٍ أَوْ لَأَفْعَلَنَّ بِكَ فَانْطَلَقَ إِلَى مَجْلِسٍ مِنَ الْأَنْصَارِ فَقَالُوا لَا يَشْهَدُ إِلَّا أَصَاغِرُنَا فَقَامَ أَبُو سَعِيدٍ الْخُدْرِيُّ فَقَالَ قَدْ كُنَّا نُؤْمَرُ بِهَذَا فَقَالَ عُمَرُ خَفِيَ عَلَيَّ هَذَا مِنْ أَمْرِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم أَلْهَانِي الصَّفْقُ بِالْأَسْوَاقِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از ابن جریج، انہوں نے کہا: مجھے عطاء نے حدیث بیان کی از عبید بن عمیر، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آنے کی اجازت طلب کی، پس گویا کہ ان کو کسی کام میں مشغول پایا، سو وہ واپس چلے گئے، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا میں نے عبداللہ بن قیس کی آواز نہیں سنی تھی؟ ان کو آنے کی اجازت دو، سو ان کو بلایا گیا، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: تم نے جو کیا اس پر تمہیں کس نے برانگیختہ کیا؟ تو انہوں نے کہا: ہمیں اسی چیز کا حکم دیا جاتا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: تم اس پر میرے پاس گواہ لاؤ ورنہ میں تم کو ضرور سزا دوں گا، پس حضرت ابوموسیٰ انصار کی مجلس کی طرف گئے تو انہوں نے کہا: جو ہم میں سب سے چھوٹا ہے وہ اس پر گواہی دے گا تو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے، انہوں نے کہا: ہمیں اسی بات کا حکم دیا جاتا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھ پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم مخفی رہا مجھے بازاروں میں خرید و فروخت نے اس کے سننے سے مشغول کر دیا۔

(صحیح البخاری: ۲۰۶۲، ۶۲۴۵، ۷۳۵۳، صحیح مسلم: ۲۱۵۴، سنن ابوداؤد: ۵۱۸۱، مسند احمد: ۱۹۰۸۴، موطا امام مالک: ۱۷۹۸)

صحیح البخاری: ۷۳۵۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اور خبرِ واحد کے حجت ہونے کا بیان

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ تم کہیں جاؤ تو تین دفعہ اجازت طلب کرو، اگر تمہیں اجازت مل جائے تو داخل ہو جاؤ ورنہ واپس چلے جاؤ، اسی حدیث پر عمل کرتے ہوئے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے تین مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آنے کی اجازت طلب کی، وہ کسی کام میں مشغول تھے، انہوں نے اجازت نہیں دی تو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ واپس چلے گئے، اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا: ہمیں اسی طرح اجازت طلب کرنے کا

حکم دیا جاتا تھا، پس اس سے معلوم ہوا کہ خبرِ واحد پر عمل کیا جاتا ہے اور بعض صحابہ پر، بعض سنت سے ثابت شدہ احکام مخفی رہتے تھے اور جو ان میں سے حاضر ہوتا وہ غائب تک حدیث پہنچاتا تھا، اور غائب اس حدیث کو قبول کر لیتا اور اس پر اعتماد کرتا اور اس کے تقاضا پر عمل کرتا۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے اس حدیث پر گواہ طلب کیا، اس سے معلوم ہوا کہ وہ خبرِ واحد سے استدلال نہیں کرتے تھے اور اس کو حجت نہیں قرار دیتے تھے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جب حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث مل گئی تو اس سے وہ حدیث متواتر نہیں ہوئی پھر بھی خبرِ واحد رہی، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے مزید ثبوت کا ارادہ کیا تھا، یہ مطلب نہیں تھا کہ وہ خبرِ واحد کو حجت نہیں سمجھتے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ کسی کہنے والے نے کہا، یہ کہنے والے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ تھے، پھر حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے جن کا نام سعد بن مالک ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''الھانی الصفق'' صفق کا معنی ہے: بیع کے وقت ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر مارنا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۱۰۲۔ ۱۰۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۷۳۵۳، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بعض صحابہ سے احکام شرعیہ کا مخفی ہونا

جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے تین دفعہ اجازت لینے کی حدیث مخفی رہی، اسی طرح حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جس شخص نے ایک عورت سے عقدِ نکاح کیا پھر اس کو طلاق دے دی پھر اس کی ماں سے نکاح کرنے کا ارادہ کیا، حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: اس میں کوئی حرج نہیں ہے، نیز اسی طرح حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے چاندی کے ٹکڑوں کی سالم چاندی کی زیادتی کے ساتھ بیع کو جائز قرار دیا، پھر ان دونوں فتووں سے انہوں نے رجوع کر لیا جب انہوں نے دیگر صحابہ سے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں کاموں سے منع فرمایا ہے، اور اس کے علاوہ ایسی اور بھی مثالیں ہیں۔

اور حضرت البراء رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ یہ بات نہیں ہے کہ ہم میں سے ہر صحابی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو حدیث سنتا تو وہ کسی کام میں مشغول ہوتا تھا لیکن لوگ جھوٹ نہیں بولتے تھے، پس حاضر غائب کو حدیث سناتا اور اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ ہم جو حدیث بھی تم کو بیان کرتے ہیں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہم نے سنی ہو ایسا نہیں ہے، لیکن ہمارے بعض صحابی دوسروں سے جھوٹ نہیں بولتے تھے۔

اور اس میں بہت واضح حجت اور بہت ظاہر دلالت ہے کہ خبرِ واحد ثابت ہوتی ہے اور بعض سنت سے ثابت شدہ احکام دوسرے بعض صحابہ سے مخفی رہتے ہیں، اور ان میں سے حاضر غائب کو حدیث پہنچاتا تھا اور غائب اس حدیث کو قبول کرتا تھا، اس پر اعتماد کرتا تھا اور اس پر عمل کرتا تھا۔

خبرِ واحد کی تعریف

حافظ ابنِ حجر عسقلانی کہتے ہیں: اصطلاح میں خبرِ واحد اس کو کہتے ہیں جو متواتر کے خلاف ہو خواہ اس کی روایت ایک شخص نے کی ہو یا زیادہ نے کی ہو، اور خبرِ واحد کے قبول کرنے میں جو اختلاف ہے اس سے یہی مراد ہے۔ اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو تین دفعہ اجازت لینے کی حدیث پر گواہ طلب کیا اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث پر شہادت دی تو اس وجہ سے وہ حدیث خبرِ واحد سے نہیں نکلی، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے جو گواہ طلب کیا تھا وہ احتیاط کی بناء پر طلب کیا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خبرِ واحد کو قبول کرنے کی دیگر نظائر

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجوس سے جزیہ لینے کی حدیث کو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے قبول کیا تھا اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی حدیث کو طاعون کے مسئلہ میں قبول کیا تھا اور حضرت عمرو بن حزم کی اس حدیث کو قبول کیا تھا کہ تمام انگلیوں کی دیت برابر ہے اور حضرت ضحاک بن سفیان کی اس حدیث کو قبول کیا تھا کہ عورت اپنے خاوند کی دیت کی وارث ہوتی ہے۔ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو قبول کیا تھا کہ موزوں پر مسح کیا جاتا ہے۔

اور کتاب العلم میں یہ حدیث گزر چکی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور انصار کا ایک مرد باری باری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں جاتے تھے، ایک دن وہ انصاری جاتا اور ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ جاتے اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کو اس حکمِ شرعی اور حدیث کی خبر دیتا جو اس سے مخفی رہی تھی۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس سے غرض یہ تھی کہ ایک دن وہ اپنے اور اپنے عیال کے لیے نفقہ کا بندوبست کریں تا کہ کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلانا پڑے، اور جہاد کی تیاری کے لیے مال حاصل کریں، اور دوسرے دن جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام سنیں، اور ان تمام احادیث سے ثابت ہوا کہ خبرِ واحد حجت ہوتی ہے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۲۷۴۔ ۲۷۳۴، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۳۵۴۔ حَدَّثَنَا عَلِيٌّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنِي الزُّهْرِيُّ أَنَّهُ سَمِعَهُ مِنَ الْأَعْرَجِ يَقُولُ أَخْبَرَنِي أَبُو هُرَيْرَةَ قَالَ إِنَّكُمْ تَزْعُمُونَ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ يُكْثِرُ الْحَدِيثَ عَلَى رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَاللهُ الْمَوْعِدُ إِنِّي كُنْتُ امْرَأً مِسْكِينًا أَلْزَمُ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَلَى مِلْءِ بَطْنِي وَكَانَ الْمُهَاجِرُونَ يَشْغَلُهُمُ الصَّفْقُ بِالْأَسْوَاقِ وَكَانَتِ الْأَنْصَارُ يَشْغَلُهُمُ الْقِيَامُ عَلَى أَمْوَالِهِمْ فَشَهِدْتُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم ذَاتَ يَوْمٍ وَقَالَ مَنْ يَبْسُطْ رِدَاءَهُ حَتَّى أَقْضِيَ مَقَالَتِي ثُمَّ يَقْبِضْهُ فَلَنْ يَنْسَى شَيْئًا سَمِعَهُ مِنِّي فَبَسَطْتُ بُرْدَةً كَانَتْ عَلَيَّ فَوَالَّذِي

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے الزہری نے حدیث بیان کی کہ بے شک انہوں نے الاعرج سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے خبر دی، وہ بیان کرتے ہیں: تم لوگ یہ زعم کرتے ہو کہ ابوہریرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث بہت زیادہ بیان کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ہی ملاقات کا وعدہ ہے بے شک میں مسکین مرد تھا، پیٹ بھر کھانے پر اکتفاء کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے میں لازم رہتا تھا، اور مہاجرین کو بازاروں میں سودے کی خرید و فروخت مشغول رکھتی تھی اور انصار کو ان کے

بَعَثَهُ بِالْحَقِّ مَا نَسِيتُ شَيْئًا سَمِعْتُهُ مِنْهُ

اموال کی دیکھ بھال مشغول رکھتی تھی، پس ایک دن میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا اور آپ نے فرمایا: جو شخص اپنی چادر کو پھیلائے گا حتیٰ کہ میں اپنی بات کو ختم کرلوں پھر اس چادر کو سمیٹ لے گا تو کسی اس چیز کو نہیں بھولے گا جو اس نے مجھ سے سنی ہو، پس میں نے اپنی چادر کو پھیلایا اور اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! میں اس کے بعد کوئی اس حدیث کو نہیں بھولا جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی تھی۔ ہو، پس میں نے اپنی چادر کو پھیلایا اور اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! میں اس کے بعد کوئی اس حدیث کو نہیں بھولا جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی تھی۔

(صحیح البخاری: ۱۱۸، ۱۱۹، ۲۰۴۷، ۲۳۵۰، ۳۶۴۸، ۷۳۵۴، صحیح مسلم: ۲۴۹۲، سنن ابن ماجہ: ۲۶۲، مسند احمد: ۷۳۸۰)

صحیح البخاری: ۷۳۵۴، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بعض صحابہ سے بعض احادیث کے مخفی رہنے کا سبب

اس حدیث میں یہ بیان کیا ہے کہ بعض بڑے بڑے صحابہ سے جو سنت سے ثابت شدہ احکام مخفی رہ جاتے تھے اس کی کیا وجہ ہے، اس کی وجہ بیان کی ہے کہ مہاجرین کو بازاروں میں سودے کی خرید وفروخت مشغول رکھتی تھی، اور یہ اس کے موافق ہے جو اس سے پہلی حدیث میں گزرا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے بازاروں میں سوداسلف نے اس حدیث کے سننے سے مشغول رکھا، اس میں یہ اشارہ ہے کہ مہاجرین صحابہ تجارت کرتے تھے اور کتاب البیوع کے شروع میں بیان کیا جاچکا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: مجھے بازاروں میں سوداسلف کی خرید وفروخت نے مشغول رکھا ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ "تم لوگ یہ گمان کرتے ہو کہ ابوہریرہ بہت احادیث بیان کرتے ہیں"۔ اس کا بیان یہ ہے کہ امام مالک نے روایت کی ہے کہ لوگ کہتے تھے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی بہت احادیث بیان کرتے ہیں، اور ابن شہاب زہری نے اس حدیث سے پہلے عروہ سے یہ روایت کی، انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث بیان کی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کیا تمہیں تعجب نہیں ہوتا کہ ابوہریرہ آئے اور میرے حجرہ کی جانب بیٹھ کر حدیث بیان کرنے لگے، وہ مجھے احادیث سناتے تھے، اور اگر میں ان کو پاتی تو ان پر رد کرتی، رسول اللہ ﷺ اس طرح ترتیب سے لگاتار احادیث نہیں بیان کرتے تھے جس طرح یہ بیان کرتے ہیں۔ اسی طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بہت احادیث بیان کرتے ہیں، پس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی تصدیق کی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "الزم رسول اللہ ﷺ" یعنی میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت کرتا تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "علی ملء بطنی" یعنی اپنا پیٹ بھرنے کے سبب سے۔اس کا معنی ہے کہ کثرتِ حدیث کا سبب اصل یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اس لیے حاضر رہتے تھے تاکہ انہیں کھانے کے لیے کچھ مل جائے، کیونکہ ان کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں تھی جس کے ساتھ وہ تجارت کریں، نہ کوئی زمین تھی جس سے کاشتکاری کریں، نہ کوئی اور عمل کرتے تھے، پس وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس سے منقطع نہیں ہوتے تھے، اس ڈر سے کہ ان سے روزی فوت ہو جائے گی، پس آپ کی خدمت میں رہنے کی وجہ سے وہ آپ کے اقوال سنتے اور آپ کے افعال کی روایت کرتے، جن اقوال کو دوسرے نہیں سنتے تھے اور دوسرے ان افعال کو نہیں دیکھتے تھے، اور اس کی اعانت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا سے ہوئی۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۳۷۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۷۳۵۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان اقوال اور افعال کی خبر دی جو اکثر صحابہ سے غائب رہے تھے، اور جب ان صحابہ کو وہ اقوال اور افعال نہیں پہنچے تھے جو انہوں نے نہیں سنے تھے، لیکن جب ان تک وہ احادیث بیان کی گئیں تو انہوں نے ان اقوال اور افعال کو قبول کیا اور اس کے تقاضوں پر عمل کیا، پس اس سے معلوم ہوا کہ خبرِ واحد کو قبول کیا جاتا ہے اور اس پر عمل کیا جاتا ہے۔

اور اس حدیث میں ان لوگوں کے خلاف دلیل ہے جو کسی حدیث کے قبول کرنے میں یہ شرط لگاتے ہیں کہ وہ متواتر ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے "واللہ الموعد" یہ جملہ معترضہ ہے، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مراد یہ ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا وعدہ ہے، اس دن تم پر ظاہر ہو جائے گا کہ وہ جو بہ کثرت احادیث بیان کرتے ہیں وہ سب حق ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "علی ملء بطنی" اس سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مراد یہ ہے کہ وہ اپنی بھوک کو دور کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں حاضر رہتے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "علی اموالھم" اس سے مراد ہے: کھیتی باڑی اور کاشت کاری کرنا، کیونکہ انصار کھیتی باڑی اور کاشتکاری کرتے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۱۰۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۲۳۔ بَابُ: مَنْ رَأَى تَرْكَ النَّكِيْرِ مِنَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم حُجَّةً لَا مِنْ غَيْرِ الرَّسُوْلِ

جس نے یہ کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کسی چیز پر انکار کو ترک کرنا حجت ہے اور کسی اور کا ترک کرنا حجت نہیں ہے

۷۳۵۵۔ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ حُمَيْدٍ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُعَاذٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ رَأَيْتُ جَابِرَ بْنَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں حماد بن حمید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبید اللہ بن معاذ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے

عَبْدِ اللهِ يَحْلِفُ بِاللهِ أَنَّ ابْنَ الصَّائِدِ الدَّجَّالُ قُلْتُ تَحْلِفُ بِاللهِ قَالَ إِنِّي سَمِعْتُ عُمَرَ يَحْلِفُ عَلَى ذَلِكَ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَلَمْ يُنْكِرْهُ النَّبِيُّ ﷺ۔

(صحیح مسلم: ۲۹۲۹، سنن ابوداؤد: ۴۳۳۱)

حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از سعد بن ابراہیم از محمد بن المنکدر، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کو دیکھا وہ اللہ کی قسم کھا کر کہتے تھے کہ بے شک ابن الصائد ہی دجال ہے، میں نے کہا: آپ اس پر اللہ کی قسم کھا رہے ہیں؟ تو انہوں نے کہا: میں نے سنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کے سامنے اس پر قسم کھائی تو نبی ﷺ نے ان پر انکار نہیں کیا۔

صحیح البخاری: ۷۳۵۵، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ابنِ صیاد کے دجال ہونے کی تحقیق

نبی ﷺ کا انکار کو ترک کرنا حجت ہے اور سنت ہے، اور امت پر اس کے مطابق عمل کرنا لازم ہے اس میں علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے، کیونکہ نبی ﷺ کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ آپ اپنی امت میں سے کسی شخص کو کوئی بات کہتے ہوئے سنیں یا کوئی کام کرتے ہوئے دیکھیں اور وہ بات اور وہ کام ممنوع ہو تو آپ اس کو اس پر برقرار رکھیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر یہ فرض کیا ہے کہ آپ برے کام اور بری بات سے روکیں، پس جب یہ اس طرح ہے تو معلوم ہوا کہ آپ کسی شخص کو کوئی کام کرتے ہوئے نہیں دیکھیں گے اور اس کو اس کام پر برقرار رکھیں گے مگر یہ وہی کام ہوگا جو مباح ہوگا، اور یہ ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کی اس قسم پر برقرار رکھا کہ ابن صیاد ہی دجال ہے، اس میں اس بات کا اثبات ہے کہ ابن صیاد ہی دجال ہے، اسی طرح حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قسم سے سمجھا تھا۔

اگر اس پر یہ اعتراض کیا جائے کہ امام بخاری کی روایت ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے عرض کیا: مجھے اجازت دیں کہ میں ابنِ صیاد کی گردن ماردوں تو آپ نے فرمایا: اگر یہ وہی (دجال) ہے تو تم اس کو قتل کرنے پر مسلط نہیں ہو (کیونکہ اس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام قتل کریں گے) اور اگر ابن صیاد وہ دجال نہیں ہے تو اس کو قتل کرنے میں تمہارے لیے کوئی خیر نہیں ہے۔ (صحیح البخاری: ۱۳۵۴)

اس اعتراض کے دو جواب ہیں:

پہلا جواب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ شک پہلے کا واقعہ ہو، یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قسم کھانے سے پہلے کا واقعہ ہو، پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو خبر دی کہ ابن صیاد ہی دجال ہے، اسی لیے اس وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قسم پر انکار کرنے کو ترک کیا، کیونکہ اب آپ کو یقین ہوگیا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو قسم کھائی ہے وہ صحیح ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اگرچہ صحیح البخاری: ۱۳۵۴ میں مذکور کلام بطورِ شک ہے لیکن یہ ہوسکتا ہے کہ یہ یقینی امر ہو اور اس کو شک کی صورت میں بیان فرمایا ہو، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ (الزمر:٦٥) اگر (بالفرض) آپ نے شرک کیا تو آپ کے عمل ضرور ضائع ہو جائیں گے۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شرک واقع نہیں ہوگا، لیکن اس کلام کو متعارف طریقہ سے ذکر کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنا کلام شک کی صورت میں ذکر کیا حالانکہ اللہ کو شک نہیں تھا، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شک کی صورت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر لطف کرتے ہوئے فرمایا کہ "اگر یہ وہی ہے تو تم اس کے قتل پر مسلط نہیں ہو۔۔۔ الحدیث"۔ تا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کو قتل کرنے کے عزم کو ترک کر دیں۔

امام عبدالرزاق نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ایک دن میں ابن صیاد سے ملا اور اس کے ساتھ یہود میں سے ایک مرد تھا اور اس کی آنکھ ابھری ہوئی تھی اور وہ نکل گئی جیسے اونٹ کی آنکھ ابھری ہوئی ہوتی ہے، جب میں نے یہ منظر دیکھا تو میں نے کہا: اے ابنِ صیاد! میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں، تمہاری یہ آنکھ کب ابھری تھی؟ اس نے کہا: میں نہیں جانتا، میں نے کہا: تم نے جھوٹ بولا کہ تم نہیں جانتے، حالانکہ یہ آنکھ تو تمہارے سر میں ہے، پس حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: اس نے اپنی آنکھ کو ملا اور زور سے سانس لیا، اس یہودی نے یہ گمان کیا کہ میں نے اپنا ہاتھ اس کے سینے پر مارا ہے اور میں نے اس سے کہا: دفع ہو تو اپنے مرتبہ سے تجاوز نہیں کر سکتا، پس میں نے یہ قصہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا تو انہوں نے کہا: اس مرد سے دور رہو، کیونکہ ہم یہ حدیث بیان کرتے تھے کہ دجال اس وقت نکلے گا جب وہ غضب میں ہوگا۔ (مصنف عبدالرزاق ج١١ص ٣٩٦، ٢٠٨٣٢)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ تمام امور اس پر دلالت کرتے ہیں کہ ابنِ صیاد کے دجال ہونے میں شک تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اس میں شک تھا کہ یہ وہ دجال ہے کہ جس کو حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام قتل کریں گے تو اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ ابنِ صیاد ان دجالوں میں سے ایک ہے جن سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈرایا ہے، کیونکہ صحیح البخاری اور صحیح مسلم میں یہ حدیث ہے کہ "قیامت سے پہلے تیس سے زیادہ دجالوں اور جھوٹوں کا ظہور ہوگا"۔ (صحیح البخاری: ٣٦٠٩، صحیح مسلم: ١٥٧)

اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قسم پر انکار نہیں کیا۔ واللہ اعلم

کیونکہ صحابہ کا کئی مسائل میں اختلاف تھا، بعض صحابہ نے اپنے مخالف کے قول پر انکار کیا اور بعض صحابہ نے جب ان کے اجتہاد اور مذہب کی مخالفت ہو تو اس کے انکار پر سکوت کیا، پس سکوت مخالف کے قول کی رضا کے سکوت پر دلالت نہیں کرتا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ سکوت اس وجہ سے کیا ہو کہ اس مسئلہ میں ان پر صحت کی وجہ منکشف نہ ہوئی ہو، یا اس وجہ سے کہ کسی اور وقت میں وہ اس کو بیان کریں گے، یا اس وجہ سے کہ وہ اس کے خلاف کو کسی اور وقت میں بیان کریں گے۔

(شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج١٠ ص ٣٩٦-٣٩٧، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ١٤٢٤ھ)

صحیح البخاری: ٧٣٥٥، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ٨٥٢ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ابن صیاد کے متعلق دیگر احادیث

امام ابوداؤد سندِ صحیح کے ساتھ از موسیٰ بن عقبہ از نافع روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے تھے: اللہ کی قسم! میں

اس میں شک نہیں کرتا کہ مسیح الدجال ابن صیاد ہے۔

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ابنِ صیاد مکہ کے راستہ میں میرا مصاحب ہوا، پس اس نے مجھ سے کہا: تم ان لوگوں سے ملے ہو جو یہ زعم کرتے ہیں کہ میں دجال ہوں، کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے نہیں سنا، آپ فرماتے تھے کہ دجال کی اولاد نہیں ہوگی، حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے بیان کیا، میں نے کہا: کیوں نہیں! اس نے کہا: میری تو اولاد ہوئی ہے، اس نے کہا: کیا تم نے آپ سے یہ نہیں سنا کہ دجال مدینہ اور مکہ میں داخل نہیں ہوگا؟ میں نے کہا: کیوں نہیں! اس نے کہا: میں مدینہ میں پیدا ہوا ہوں اور اب میں مکہ جانے کا ارادہ کر رہا ہوں۔

امام مسلم ایک اور سند کے ساتھ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے ابنِ صیاد بری ہیئت میں ملا، اس نے کہا: تم لوگ اے اصحابِ محمد! میرا عذر قبول نہیں کرتے، کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ دجال یہودی ہوگا اور میں اسلام لا چکا ہوں، اور دوسری سند کے ساتھ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم حج کرنے کے لیے نکلے اور ہمارے ساتھ ابن صیاد تھا، ہم ایک منزل پر ٹھہرے اور لوگ ادھر ادھر بکھر گئے اور میں اور وہ باقی رہ گئے، سو میں اس سے وحشت زدہ ہوا اور مجھے اس سے سخت وحشت ہوئی کیونکہ اس کے متعلق کہا جاتا تھا کہ یہ دجال ہے، پس میں نے کہا: گرمی شدید ہے، اگر تم اپنے کپڑے اتار کر اس درخت کے نیچے رکھ دو، اس نے ایسا کیا، پھر ایک بکری آئی تو وہ ایک پیالے میں بکری کا دودھ لے کر آیا اور کہا: اے ابوسعید! پی لو، میں نے دل میں کہا: گرمی شدید ہے اور مجھے صرف یہ ناگوار تھا کہ میں اس کے ہاتھ سے دودھ پیئوں، اس نے کہا: میں نے یہ ارادہ کیا ہے کہ میں ایک رسی پکڑ کر درخت کے ساتھ لٹکاؤں اور پھر اپنا گلا گھونٹ لوں، کیونکہ لوگ میرے متعلق ایسی باتیں کرتے ہیں، اے ابوسعید! تم پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مخفی رہیں، پھر حضرت ابوسعید نے کہا: قریب تھا کہ میں اس کا عذر قبول کر لیتا، اور اس کے آخر میں ہے کہ اس نے کہا: میں دجال کو جانتا ہوں، اس کی پیدائش کو جانتا ہوں اور اس وقت دجال کہاں ہے یہ بھی جانتا ہوں، تو حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: تم پر سارا دن ہلاکت ہو۔

پھر امام بیہقی نے ابنِ صیاد کے قصہ سے یہ جواب دیا ہے اور انہوں نے امام ابوداؤد کی حدیث حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دجال کا باپ تیس سال تک ٹھہرا رہے گا اور ان کے ہاں اولاد نہیں ہوگی، پھر ان کے ہاں ایک کانا لڑکا پیدا ہوگا جو بہت نقصان دینے والا ہوگا اور بہت کم نفع دینے والا ہوگا، اور آپ نے دجال کے باپ اور ماں کی صفت بیان کی، پھر حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم نے سنا کہ یہود میں ایک لڑکا پیدا ہوا، پس میں اور حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہما وہاں اس کے ماں باپ کے پاس گئے تو ان کی وہی صفت تھی، ہم نے پوچھا: کیا تمہارے ہاں کوئی لڑکا پیدا ہوا؟ ان دونوں نے کہا: تیس سال سے ہمارے ہاں کوئی لڑکا پیدا نہیں ہوا، پھر ایک لڑکا پیدا ہوا جو نقصان دینے والا زیادہ تھا اور نفع دینے والا کم تھا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں: اس حدیث کی روایت میں علی بن زید بن جدعان متفرد ہیں اور وہ قوی راوی نہیں ہیں، اور اس حدیث کا ضعف اس وجہ سے ہے کہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ اس وقت اسلام لائے تھے جب طائف کا آٹھ ہجری میں محاصرہ کیا گیا تھا، اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث جو صحیح البخاری اور صحیح مسلم میں ہے، اس میں مذکور ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھجور کے درختوں کی طرف گئے جن میں ابن صیاد چھپا ہوا تھا اور ان دنوں وہ بالغ ہونے کے قریب تھا، تو حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ میں اس کی

پیدائش کے زمانہ کو کب پایا؟ اور حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ مدینہ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات سے دو سال پہلے رہے تھے، پس کیسے ہوسکتا ہے کہ دجال نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں بلوغت کے قریب ہو، پس جو حدیث صحیح البخاری اور صحیح مسلم میں ہے وہی معتمد ہے۔

پھر امام بیہقی نے کہا: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں صرف اتنا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس قسم پر سکوت کیا کہ ابن صیاد ہی دجال ہے، پس ہوسکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے دجال کے معاملہ میں توقف کرتے تھے، پھر جب وحی سے آپ کو معلوم ہوگیا کہ ابن صیاد دجال نہیں ہے جیسا کہ تمیم داری کے قصہ کا تقاضا ہے اور اسی سے ان علماء نے استدلال کیا ہے جنہوں نے یہ کہا ہے کہ ابن صیاد دجال کا غیر ہے۔

تمیم داری کا قصہ

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں، سیدتنا فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ تمیم داری نے مجھے یہ خبر سنائی کہ وہ بنولخم اور بنوجذام کے تیس آدمیوں کے ساتھ ایک بحری جہاز میں سوار ہوئے، ایک ماہ تک سمندری موجیں ان کے جہاز کو دھکیلتی رہیں، پھر ایک دن غروب آفتاب کے وقت وہ ایک جزیرہ پر پہنچے، یہ سب لوگ چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں بیٹھ کر جزیرہ کے اندر داخل ہوئے، وہاں انہیں ایک جانور ملا جس کے بال موٹے اور گھنے تھے، بالوں کی زیادتی کی وجہ سے اس کے منہ اور پیٹھ کا پتا نہیں چلتا تھا، ساتھیوں نے اس سے پوچھا: تو کون ہے؟ اس نے کہا: میں جساسہ (جاسوس) ہوں، انہوں نے کہا: کیسے جساسہ ہے؟ اس نے کہا: گرجے میں اس شخص کے پاس چلو جو تمہاری خبر کا بہت شوق رکھتا ہے، جب اس نے ایک آدمی کا نام لیا تو ہم کو یہ ڈر لگا کہ یہ کہیں جن نہ ہو، پھر ہم جلدی جلدی گئے اور گرجے میں داخل ہوئے، وہاں واقعی ایک بہت بڑا آدمی تھا، ہم نے اتنا بڑا آدمی اس سے پہلے نہیں دیکھا تھا، اس کے دونوں ہاتھ گردن سے باندھے ہوئے تھے اور وہ گھٹنوں سے ٹخنوں تک لوہے کی زنجیروں سے جکڑا ہوا تھا، ہم نے پوچھا: تو کون ہے؟ اس نے کہا: تم میرا حال جاننے پر تو قادر ہو ہی گئے ہو، اب یہ بتاؤ کہ تم کون لوگ ہو؟ انہوں نے کہا: ہم عرب لوگ ہیں، ہم ایک سمندری جہاز میں سوار ہوئے تھے، اتفاق سے ان دنوں سمندر بہت جوش میں تھا، ایک ماہ تک سمندری موجیں ہم کو دھکیلتی رہیں، بالآخر ہم تمہارے اس جزیرہ تک پہنچ گئے، پھر ان چھوٹی کشتیوں میں بیٹھ کر جزیرہ کے اندر داخل ہوئے، پھر ہمیں بہت گھنے اور موٹے بالوں والا ایک جانور ملا، بالوں کی کثرت کی وجہ سے اس کے منہ اور پیٹھ کا پتا نہیں چلتا تھا، ہم نے اس سے پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے کہا: میں جساسہ ہوں، ہم نے پوچھا: تو کیسے جساسہ ہے؟ اس نے کہا: گرجے میں جو شخص ہے اس کے پاس جاؤ، اس کو تمہاری خبریں معلوم کرنے کا بہت شوق ہے، ہم جلدی جلدی تمہارے پاس آئے، ہم اس جانور سے خوفزدہ تھے، ہمیں اس کے جن ہونے کا اندیشہ تھا، اس شخص نے ہم سے پوچھا: مجھ کو بیسان کے نخلستان کی خبر دو، ہم نے پوچھا: تم کون سی خبر معلوم کرنا چاہتے ہو؟ اس نے کہا: میں یہ پوچھ رہا ہوں کہ کیا اس کی کھجوروں میں پھل آ گئے ہیں، ہم نے اس سے کہا: ہاں! اس نے کہا: سنو اب عنقریب اس میں پھل نہیں آئیں گے، اس نے پوچھا: مجھے طبرستان کے سمندر کی خبر دو، ہم نے کہا: تم کس بات کی خبر معلوم کرنا چاہتے ہو؟ اس نے پوچھا: کیا اس میں پانی ہے؟ انہوں نے بتایا کہ اس میں بہت پانی ہے، اس نے کہا: عنقریب اس کا پانی خشک ہو جائے گا، پھر اس نے کہا: مجھے امیین کے نبی کے متعلق بتاؤ کہ وہ کیا کر رہے ہیں؟ ہم نے کہا: وہ مکہ سے نکلے ہیں اور ان کا مدینہ منورہ میں مقام ہے، اس نے پوچھا: کیا عربوں نے ان سے جنگ کی ہے؟ ہم نے کہا: ہاں! اس نے

پوچھا: پھر کیا ہوا؟ ہم نے کہا: وہ اپنے قریب کے عربوں پر فتح یاب ہو گئے، اور انہوں نے اس کی اطاعت کر لی، اس نے کہا: کیا یہ ہو گیا ہے؟ ہم نے کہا: ہاں! اس نے کہا: ان کے لیے اس کی اطاعت کرنا بہتر تھا، اور میں تم کو اپنے متعلق یہ خبر دیتا ہوں کہ میں مسیح ہوں! اور عنقریب مجھے خروج کی اجازت دی جائے گی اور میں نکل کر تمام زمین کی سیر کروں گا اور چالیس دنوں میں مکہ اور مدینہ کے سوا ہر بستی میں جاؤں گا کیونکہ ان دونوں جگہ پر داخل ہونا میرے لیے حرام کر دیا گیا ہے، جب بھی میں ان میں سے کسی ایک جگہ جانا چاہوں گا تو فرشتہ تلوار سونت کر مجھے روکے گا، اور ان کی ہر گھاٹی پر فرشتے پہرہ دے رہے ہیں، حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلی منبر پر مار کر فرمایا: یہ طیبہ ہے، یہ طیبہ ہے، یہ طیبہ ہے یعنی مدینہ منورہ، سنو کیا میں نے تم کو پہلے ہی سے یہ چیزیں بیان نہیں کی تھیں، لوگوں نے کہا: ہاں! آپ نے فرمایا: مجھے تمیم کی اس خبر سے خوشی ہوئی کیونکہ یہ اس خبر کے مطابق ہے جو میں تم کو دے چکا ہوں اور مکہ اور مدینہ کی دی ہوئی خبروں کی بھی اس میں تصدیق ہے، سنو! دجال شام یا یمن کے سمندر میں ہے، نہیں بلکہ وہ مشرق کی جانب ہے، وہ مشرق کی جانب ہے، وہ مشرق کی جانب ہے، آپ نے مشرق کی طرف اشارہ کیا، حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کہتی ہیں میں نے اس حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یاد کر رکھا ہے۔ (صحیح مسلم: ۲۹۴۲)

ابن صیاد کے متعلق محدثین اور فقہاء کے اقوال

امام احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ لکھتے ہیں کہ دجالِ اکبر جس کا خروج ہوگا، وہ ابن صیاد کے علاوہ کوئی اور ہے اور ابن صیاد بھی جھوٹے دجالوں میں سے ایک ہے جن کے خروج کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے، اور جن لوگوں نے وثوق سے کہا ہے کہ ابن صیاد ہی دجال ہے انہوں نے حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کا قصہ نہیں سنا، ورنہ ان دونوں کے درمیان تطبیق دینا بہت بعید ہے۔ اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں موجود ہو اور ابنِ صیاد کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ بلوغت کے قریب تھا اور پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مجتمع ہو اور آپ کے متعلق سوال کرے اور یہ کہ آخر میں وہ بوڑھا ہو اور سمندر کے جزائر میں سے کسی جزیرہ میں لوہے کی زنجیروں کے ساتھ مقید ہو، پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سوال کرے کہ کیا آپ کا ظہور ہوا ہے کہ نہیں؟ پس اولیٰ یہ ہے کہ ابنِ صیاد کے معاملہ کو اس پر محمول کیا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے اس پر اطلاع نہیں تھی، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو قسم کھا کر کہا تھا کہ ابنِ صیاد ہی دجال ہے تو ہو سکتا ہے کہ انہوں نے حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کا قصہ سننے سے پہلے یہ قسم کھائی ہو، پھر جب انہوں نے حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کا قصہ سن لیا تو پھر دوبارہ انہوں نے یہ قسم نہیں کھائی۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۴۷۶، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

دجال اور ابن صیاد کے متعلق مزید احادیث

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابنِ صیاد کے پاس سے اپنے اصحاب کی ایک جماعت کے ساتھ گزرے جن میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بھی تھے اور ابنِ صیاد بنو مغالہ کے مکانوں کے پاس لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا، اور وہ لڑکا تھا، اس کو پتا نہیں چلا حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی پیٹھ پر ہاتھ مارا، پھر فرمایا: کیا تم یہ گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ پس ابن صیاد نے آپ کی طرف دیکھا، پس کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ان پڑھ لوگوں کے رسول ہیں، پھر ابنِ صیاد نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: کیا آپ گواہی دیتے ہیں کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: میں اللہ پر اور اس کے تمام رسولوں پر ایمان

لایا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا: تمہارے پاس کیا چیز آتی ہے؟ اس نے کہا: میرے پاس سچی خبر بھی آتی ہے اور جھوٹی خبر بھی آتی ہے، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم پر معاملہ مشتبہ ہو گیا ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے تمہارے لیے ایک چیز چھپائی ہے اور آپ نے یہ آیت چھپائی تھی: ''یَوۡمَ تَاۡتِی السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِیۡنٍ'' ابن صیاد نے کہا: آپ نے الدخ کو چھپایا ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دفع ہو، تو اپنی حیثیت سے تجاوز نہیں کر سکتا، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیں میں اس کی گردن اڑا دوں، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر یہ وہی ہے تو تم اس پر مسلط نہیں ہو یعنی دجال، اور اگر یہ وہ نہیں ہے تو اس کو قتل کرنے میں تمہارے لیے کوئی بھلائی نہیں ہے۔ (صحیح البخاری: ۳۰۵۵، صحیح مسلم: ۲۹۳۰، سنن ابوداؤد: ۴۳۲۹، سنن ترمذی: ۲۲۴۹)

نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے تھے: اللہ کی قسم! مجھے اس میں شک نہیں ہے کہ مسیح الدجال ابن صیاد ہی ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۴۳۳۰)

محمد بن المنکدر بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کو دیکھا، وہ قسم کھا کر کہتے تھے کہ ابن صیاد دجال ہے، میں نے کہا: آپ اللہ کی قسم کھا رہے ہیں؟ تو انہوں نے کہا: میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس پر قسم کھاتے ہوئے دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر انکار نہیں فرمایا۔ (صحیح البخاری: ۷۳۵۵، صحیح مسلم: ۲۹۲۹، سنن ابوداؤد: ۴۳۳۱)

الاعمش بیان کرتے ہیں از سالم از حضرت جابر رضی اللہ عنہ، انہوں نے کہا: ہم نے حرہ کے دن ابن صیاد کو گم کر دیا۔ (سنن ابوداؤد: ۴۳۳۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہو گی حتیٰ کہ تیس دجال نکلیں، ان میں سے ہر ایک کا یہ زعم ہو گا کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۴۳۳۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہو گی حتیٰ کہ تیس کذاب دجال نکلیں، ان میں سے ہر ایک اللہ پر جھوٹ باندھے گا اور اس کے رسول پر۔ (سنن ابوداؤد: ۴۳۳۴)

ابن صیاد کے متعلق متقدمین علماء کے اقوال

امام ابو سلیمان حمد بن محمد الخطابی البستی المتوفی ۳۸۸ھ ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ابن صیاد کے متعلق لوگوں کا شدید اختلاف ہے، اور اس کا معاملہ مشکل ہے حتیٰ کہ اس کے متعلق ہر قول کہا گیا ہے، اور اس کے متعلق یہ سوال کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کو کیسے برقرار رکھا جو نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرتا تھا اور اس کو مدینہ میں چھوڑا، اور وہ آپ کے پڑوس میں مدینہ میں رہتا تھا، اس کا کیا مطلب ہے؟ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ الدخان کی آیت چھپا کر اس کا امتحان لیا، پھر بعد میں فرمایا: دفع ہو! تو اپنی حیثیت سے تجاوز نہیں کر سکتا۔

علامہ خطابی فرماتے ہیں: میرے نزدیک یہ قصہ اس زمانہ کا ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے اور ان کے حلفاء سے صلح کی ہوئی تھی، اور جب آپ مدینہ میں آئے تو یہود کے درمیان آپ نے یہ صلح نامہ لکھا تھا کہ وہ آپ سے جھگڑا نہ کریں اور ان کو ان کے معاملات پر چھوڑ دیا جائے گا اور ابن صیاد انہی یہودیوں میں سے تھا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر پہنچی تھی اور جو وہ کہانت کا دعویٰ کرتا تھا اور جنات اس کے پاس غیب کی خبریں لاتے تھے تو آپ نے اس کا امتحان لیا تا کہ اس کا معاملہ ظاہر ہو جائے، پھر جب

آپ نے اس سے بات کی تو آپ نے جان لیا کہ یہ باطل ہے اور جادوگروں اور کاہنوں میں سے ہے، یا ان لوگوں میں سے ہے جن کے پاس جنات آتے ہیں یا جن کے پاس شیطان آتا ہے اور اس کی زبان پر بعض وہ چیزیں ڈال دیتا ہے جن سے وہ کلام کرتا ہے، پس جب آپ نے اس سے اس کا قول دُخ سنا تو فرمایا: تم دفع ہو جاؤ، آپ کی مراد یہ تھی کہ شیطان نے اس کو لفظِ دُخ پر مطلع کر دیا اور اس کی زبان پر جاری کر دیا اور یہ آسمانی وحی نہیں تھی، کیونکہ وہ انبیاء علیہم السلام میں سے نہیں تھا جن کو علم غیب ہوتا ہے اور نہ اولیاء اللہ کے درجہ میں تھا جن پر علم کا الہام کیا جاتا ہے اور وہ اپنے دلوں کے نور سے صحیح بات جان لیتے ہیں، اور کبھی اس کو سچی خبر ملتی اور کبھی جھوٹی خبر ملتی، یہی اس کے اس قول کا معنی ہے کہ میرے پاس سچی خبر بھی آتی ہے اور جھوٹی خبر بھی آتی ہے، اس لیے اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تجھ پر معاملہ مشتبہ ہو گیا، خلاصہ یہ ہے کہ ابنِ صیاد ایک فتنہ تھا، اللہ تعالیٰ نے اس کے سبب سے اپنے مومن بندوں کا امتحان لیا تا کہ جس نے ہلاک ہونا ہے وہ دلیل سے ہلاک ہو جائے اور جس نے زندہ رہنا ہے وہ دلیل پر زندہ رہے، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو ان کے زمانہ میں بچھڑے کے فتنہ میں مبتلاء کیا گیا، پس ان کی قوم بچھڑے کے فتنہ میں مبتلاء ہو گئی اور ہلاک ہو گئی ، اور جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی، انہوں نے نجات پائی۔

اور ابنِ صیاد کے معاملہ میں روایات مختلف ہیں، اور بڑے ہونے کے بعد بھی اس کے متعلق روایات مختلف ہیں، ایک روایت یہ ہے کہ بڑے ہونے کے بعد اس نے اس قول سے توبہ کر لی، پھر وہ مدینہ میں فوت ہو گیا، اور جب لوگوں نے اس پر نماز پڑھنے کا ارادہ کیا تو اس کے چہرہ کو کھولا حتیٰ کہ لوگوں نے اس کو دیکھا اور ان سے کہا گیا: گواہ ہو جاؤ۔

اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انہوں نے کہا: میں نے ابن صیاد کو برا کہا تو اس نے کہا: کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنا آپ فرماتے تھے کہ دجال مکہ میں داخل نہیں ہوگا اور میں نے تمہارے ساتھ حج کیا ہے، اور آپ نے فرمایا تھا کہ دجال کی اولاد نہیں ہوگی اور میری تو اولاد ہوئی ہے، اور حضرت ابن عمر اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم قسم کھا کر کہتے تھے کہ ابن صیاد ہی دجال ہے، وہ اس میں شک نہیں کرتے تھے، پس حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ وہ مسلمان ہو گیا تھا، تو انہوں نے کہا: خواہ مسلمان ہو گیا ہو، ان سے کہا گیا کہ وہ مکہ میں داخل ہوا ہے اور مدینہ میں بھی، انہوں نے کہا: خواہ وہ داخل ہوا ہو۔

(معالم السنن شرح سنن ابوداؤد جز ۴ ص ۴۲۲۔ ۴۲۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

علماء نے بیان کیا ہے کہ ابنِ صیاد کا قصہ مشکل ہے اور اس کا معاملہ مشتبہ ہے، آیا یہ وہی مسیح الدجال مشہور ہے یا کوئی اور ہے، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ دجالوں میں سے ایک دجال ہے۔

علماء نے کہا ہے: ظاہر احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یہ وحی نہیں کی گئی تھی کہ ابن صیاد مسیح الدجال ہے، نہ یہ وحی کی گئی تھی کہ وہ اس کا غیر ہے، آپ کی طرف دجال کی صفات کی وحی کی گئی تھی اور ابن صیاد میں ایسے قرائن تھے جن میں کئی احتمال تھے، پس اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قطعی طور پر یہ نہیں فرمایا کہ وہ دجال ہے اور نہ یہ فرمایا کہ یہ دجال نہیں ہے، اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اگر یہ وہی ہے یعنی دجال تو تم اس کو قتل کرنے کی طاقت نہیں رکھتے (کیونکہ اس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام قتل کریں گے)، رہا یہ استدلال کرنا کہ ابن صیاد مسلمان تھا اور دجال کافر ہے، اور یہ کہ دجال کی اولاد نہیں ہوگی اور ابن صیاد کی

اولاد ہوئی، اور یہ کہ دجال مکہ اور مدینہ میں داخل نہیں ہوگا اور ابن صیاد مدینہ میں داخل ہوا اور وہ مکہ کی طرف جارہا ہے تو اس میں ابنِ صیاد کے اسلام پر کوئی دلیل نہیں ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ان صفات کی خبر دی ہے جو اس کے فتنہ کے وقت تھیں اور زمین میں اس کے نکلنے کے وقت تھیں، اور اس کا قصہ مشتبہ تھا اور وہ جھوٹے دجالوں میں سے کوئی ایک تھا۔

رہا یہ کہ اس کا اسلام کا دعویٰ کرنا اور اس کا حج کرنا اور جہاد کرنا تو ان میں یہ تصریح نہیں ہے کہ وہ دجال کا غیر نہیں ہے۔

امام بیہقی نے اپنی کتاب ''البعث والنشور'' میں لکھا ہے کہ لوگوں کا ابنِ صیاد کے معاملہ میں اختلاف بہت زیادہ ہے، آیا وہ دجال ہے، امام بیہقی نے کہا: جنہوں نے کہا وہ دجال کا غیر ہے انہوں نے حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے، اور انہوں نے کہا: ابن صیاد کا معاملہ ایک فتنہ تھا جس میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو مبتلاء کیا، پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس کے فتنہ سے بچایا اور اس کے شر سے بچایا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں فقط اتنا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول پر سکوت کیا کہ ابن صیاد دجال ہے، پس ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے اس کے معاملہ میں توقف کرتے ہوں، پھر آپ کے پاس بیان آ گیا جیسا کہ حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کی حدیث سے واضح ہوگیا اور امام بیہقی نے یہ اختیار کیا کہ ابنِ صیاد اس دجال کا غیر ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ ابنِ صیاد نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نبوت کا دعویٰ کیا تو آپ نے اس کو قتل کیوں نہیں کیا؟۔۔۔

اس کا ایک جواب یہ ہے کہ وہ اس وقت بالغ نہیں تھا، قاضی عیاض نے اسی جواب کو اختیار کیا ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ ابن صیاد نے یہ دعویٰ اس وقت کیا تھا جب یہود اور اس کے حلفاء کے ساتھ صلح کا زمانہ تھا، علامہ خطابی نے معالم السنن میں اسی جواب کو پسند کیا ہے۔ (صحیح مسلم بشرح النووی جز ۱۱ ص ۴۱۷۲-۴۱۷۴، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ)

علامہ محمد بن خلیفہ الوشتانی الابی المالکی المتوفی ۸۲۷ھ لکھتے ہیں:

قاضی عیاض نے کہا ہے: اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ابن صیاد جھوٹے دجالوں میں سے کوئی ایک ہے، کیونکہ اس نے دعویٰ کیا تھا کہ وہ اللہ کا رسول ہے اور اس کے پاس جھوٹی خبریں بھی آتی ہیں اور سچی خبریں بھی آتی ہیں، اور اس نے اپنا عرش پانی کے اوپر دیکھا، اور جس چیز پر احادیث دلالت کرتی ہیں وہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ متعین نہیں ہوا تھا کہ وہ (ابن صیاد) دجال ہے اور نہ آپ کی طرف اس کے معاملہ میں وحی کی گئی تھی، آپ کی طرف دجال کی صفات کی وحی کی گئی تھی کہ دجال کانا ہوگا اور ابن صیاد کانا نہیں تھا، اور دجال کی اولاد نہیں ہوگی اور ابن صیاد کی اولاد تھی۔ (اکمال اکمال المعلم ج ۹ ص ۳۷۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ محمد بن محمد بن یوسف السنوسی الحسینی المالکی المتوفی ۸۹۵ھ لکھتے ہیں:

علامہ خطابی نے لکھا ہے: بچپن میں اس کا حال کاہنوں کی طرح تھا، کبھی سچ بولتا اور کبھی جھوٹ بولتا، پھر جب بڑا ہوگیا تو مسلمان ہوا اور اس سے نیکی کی علامات ظاہر ہوئیں، اس نے حج کیا اور مسلمانوں کے ساتھ جہاد کیا، پھر اس سے ایسے احوال ظاہر ہوئے جن سے پتا چلتا تھا کہ یہی دجال ہے اور یہ کافر ہے۔

قاضی عیاض نے لکھا ہے کہ وہ کہانت کا دعویٰ کرتا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کے متعلق وحی نازل نہیں ہوئی تھی۔

(اکمال اکمال المعلم ج ۹ ص ۳۷۳-۳۷۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

ملا علی بن سلطان محمد القاری التوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

علامہ نووی نے کہا ہے کہ ابن صیاد کا قصہ مشکل ہے اور اس کا معاملہ مشتبہ ہے، آیا یہ وہی مسیح الدجال ہے یا اس کا غیر ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ دجالوں میں سے ایک دجال تھا، اور علماء نے کہا: ظاہر احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ وحی نہیں کی گئی تھی کہ وہ المسیح الدجال ہے یا اس کا غیر ہے، آپ پر صرف دجال کی صفات کی وحی کی گئی تھی، اور جب کہ ابن صیاد میں ایسے قرائن تھے جن میں گنجائش تھی، اس وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قطعی طور پر نہیں فرمایا کہ وہ دجال ہے اور نہ یہ فرمایا کہ وہ دجال کا غیر ہے۔ (المرقات شرح مشکوٰۃ ج ۹ ص ۴۲۷، المکتبۃ الحقانیہ، پشاور)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ لکھتے ہیں:

ابن صیاد کے نام میں اختلاف ہے، ایک قول ہے کہ اس کا نام صافِ تھا، دوسرا قول ہے کہ اس کا نام عبداللہ تھا، اور وہ یہودِ مدینہ میں سے تھا اور اس میں کہانت اور جادو تھا، خلاصہ یہ ہے کہ وہ فتنہ تھا اور مسلمان اس کے فتنہ میں مبتلاء ہوئے اور صحابہ کا بھی اس میں اختلاف تھا، پس بعض یہ کہتے تھے کہ وہ دجالِ معروف ہے جو کہ آخر زمانہ میں آئے گا اور لوگوں کو گمراہ کرے گا اور اکثر یہ کہتے تھے کہ وہ دجالِ معروف نہیں ہے لیکن دجالوں میں سے ایک دجال ہے جو فتنہ اور فساد اور گمراہی اور گمراہ کرنے کا باعث ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ میری امت میں دجال ہوں گے جو لوگوں کو گمراہ کریں گے اور ان لوگوں کی دلیل یہ ہے کہ وہ اگرچہ ابتداء میں کاہن اور جادوگر تھا لیکن آخر میں اسلام لایا، اور اس کی اولاد ہوئی اور وہ مکہ اور مدینہ میں رہا اور دجال کافر ہوگا اور اس کی اولاد نہیں ہوگی اور اس کا مکہ اور مدینہ میں داخلہ ممنوع ہے اور بعض صحابہ کا یہ گمان تھا کہ وہ دجالِ معروف تھا، اور دجال کی جو صفات ہیں وہ اس وقت ظاہر ہوں گی جب دجال اپنے زمانہ میں ظاہر ہوگا، اور جس وقت ابن صیاد کا ظہور ہوا اس وقت اس میں وہ صفات نہیں تھیں، خلاصہ یہ ہے کہ اس کا حال مبہم تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کے متعلق وحی نازل نہیں ہوئی اور آپ نے اس کے معاملہ کو مبہم رکھا۔

(اشعۃ اللمعات ج ۴ ص ۳۶۶-۳۶۷، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی التوفی ۸۵۵ھ، لکھتے ہیں:

علماء نے کہا ہے کہ اس باب کی ظاہر احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یہ وحی نہیں کی گئی تھی کہ ابن صیاد مسیح الدجال ہے نہ اس کا غیر ہے، آپ کی طرف صرف دجال کی صفات کی وحی کی گئی تھی، اور ابن صیاد میں قرائنِ محتملہ تھے، اس وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قطعی طور پر یہ نہیں کہا کہ یہ دجال ہے، نہ یہ کہا کہ یہ اس کا غیر ہے، اسی وجہ سے آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اگر یہ وہی ہے تو تم اس کے قتل کی طاقت نہیں رکھتے۔

رہا یہ استدلال کہ ابن صیاد مسلمان تھا اور دجال کافر ہے، اور یہ کہ دجال کی اولاد نہیں ہوگی اور اس کی اولاد ہوئی، اور یہ کہ دجال مکہ اور مدینہ میں داخل نہیں ہوگا اور ابن صیاد مدینہ میں داخل ہوا اور وہ مکہ کی طرف متوجہ ہوا، سو اس میں کوئی دلیل نہیں ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کے فتنہ کے وقت اور اس کے زمین میں نکلنے کے وقت کی خبر دی ہے اور ابن صیاد کا واقعہ اس سے پہلے کا ہے۔

ابنِ صیاد کا اسلام کا اظہار کرنا اور اس کا حج کرنا اور اس کا جہاد کرنا اس میں یہ تصریح نہیں ہے کہ وہ دجال کا غیر ہے۔

امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں سند صحیح کے ساتھ یہ روایت ذکر کی ہے کہ یوم حرہ میں ہم نے ابن صیاد کو گم پایا۔ (سنن ابوداؤد: ۴۳۳۲)

اس سے وہ روایت باطل ہو جاتی ہے کہ ابن صیاد مدینہ میں مرا تھا اور اس کی نماز جنازہ پڑھی گئی تھی۔

(عمدۃ القاری ج ۸ ص ۴۲۶۔ ۴۲۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

ابن صیاد کے متعلق مصنف کا نظریہ

میں کہتا ہوں: ابن صیاد وہ دجالِ اکبر تو نہیں تھا جس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام قرب قیامت میں قتل کریں گے، لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ ان جھوٹے دجالوں میں سے ایک تھا جنہوں نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا، جس طرح علامہ ابن بطال اور دیگر علماء کی تحقیق ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۲۴۔ بَابُ: الْأَحْكَامِ الَّتِي تُعْرَفُ بِالدَّلَائِلِ وَكَيْفَ مَعْنَى الدِّلَالَةِ وَتَفْسِيرُهَا

ان احکام کا بیان جن کی دلائل سے معرفت ہوتی ہے اور دلالت کا معنی اور اس کی تفسیر

امام بخاری اس باب کی تعلیق میں لکھتے ہیں:

وَقَدْ أَخْبَرَ النَّبِيُّ ﷺ أَمْرَ الْخَيْلِ وَغَيْرِهَا ثُمَّ سُئِلَ عَنِ الْحُمُرِ فَدَلَّهُمْ عَلَى قَوْلِهِ: فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۝ (الزلزلۃ: ۷)

اور بے شک نبی ﷺ نے گھوڑوں وغیرہ کے متعلق خبر دی، پھر آپ سے گدھوں کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے اس آیت کی طرف رہنمائی کی: ''سو جو ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اس کا صلہ دیکھے گا''۔

وَسُئِلَ عَنِ الضَّبِّ فَقَالَ: لَا آكُلُهُ وَلَا أُحَرِّمُهُ وَأُكِلَ عَلَى مَائِدَةِ النَّبِيِّ ﷺ الضَّبُّ فَاسْتَدَلَّ ابْنُ عَبَّاسٍ بِأَنَّهُ لَيْسَ بِحَرَامٍ۔

اور نبی ﷺ سے گوہ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: نہ میں اس کو کھاتا ہوں اور نہ میں اس کو حرام قرار دیتا ہوں، اور نبی ﷺ کے دسترخوان پر گوہ کھائی گئی تھی، اس سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ استدلال کیا کہ گوہ کا کھانا حرام نہیں ہے

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

دلائلِ شرعیہ کی تعداد اور ان کی تعریفات

یعنی اس باب میں ان احکام کا بیان کیا گیا ہے جن کی دلائل سے معرفت ہوتی ہے، دلائل سے مراد ہیں ملازماتِ شرعیہ یا عقلیہ، علامہ ابن الحاجب وغیرہ نے کہا ہے کہ جو دلائل متفق علیہ ہیں وہ پانچ ہیں: کتاب، السنۃ، الاجماع، القیاس، اور الاستدلال۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ملزوم کے ثبوت کا شرعاً یا عقلاً علم ہو جائے تو اس کے لازم کا بھی شرعاً یا عقلاً علم ہو جاتا ہے۔

امام بخاری نے عنوان میں دلائل کا لفظ ذکر کیا ہے، اس کا واحد دلیل ہے، دلیل کی تعریف ہے: جو چیز مطلوب کی طرف رہنمائی کرے اور دلیل کے علم سے مدلول کا علم ہو جائے۔ اور دلالت کا معنی یہ ہے کہ جب نبی ﷺ سے گدھوں کا حکم پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: وہ اس عام حکم کے تحت داخل ہیں ''سو جو ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اس کا صلہ دیکھے گا ۝'' (الزلزلۃ: ۷)

گوہ کی حلت کے جواز کے دلائل پر علامہ عینی کا مواخذہ

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے گوہ کے حکم کے متعلق سوال کیا گیا، آپ نے فرمایا: نہ میں خود اس کو کھاتا ہوں اور نہ اس کو حرام قرار دیتا ہوں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دستر خوان پر گوہ کو کھایا گیا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس سے یہ استدلال کیا کہ گوہ حرام نہیں ہے، اور اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر کا بیان ہے، تقریر کا معنی یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کوئی کام کیا جائے اور آپ اس کو رد نہ فرمائیں اور اس کو مقرر رکھیں تو اس میں یہ دلیل ہوتی ہے کہ یہ کام جائز ہے، لہٰذا دستر خوان پر گوہ کا کھایا جانا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس سے منع نہ فرمانا اس کی دلیل ہے کہ گوہ کا کھانا جائز ہے، اسی لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ استدلال کیا کہ گوہ کا کھانا حرام نہیں ہے، کیونکہ جب انہوں نے دیکھا کہ آپ کے دستر خوان پر گوہ کھائی گئی اور آپ نے اس سے منع نہیں فرمایا اور نہ اس پر انکار فرمایا تو معلوم ہوا کہ اس کا کھانا جائز ہے، اگر کوئی شخص یہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اس کو خود نہیں کھاتا، یہ اس کے کھانے کے عدمِ جواز پر قرینہ ہے، علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ'' (الاعراف:۱۵۷)، (اور ناپاک چیزوں کو حرام کرے گا)۔

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ گوہ خبیث جانوروں میں سے ہے، کیونکہ پاکیزہ نفس گوہ کو قبول نہیں کرتا، کیا تم نہیں دیکھتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اس سے کراہیت کرتا ہوں، رہا آپ کا یہ فرمانا کہ میں اس کو حرام نہیں قرار دیتا، ہوسکتا ہے یہ آپ نے الاعراف:۱۵۷ کے نزول سے پہلے فرمایا ہو، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جن لوگوں نے اس وقت گوہ کو کھایا وہ شدید بھوک کی کیفیت میں تھے، اور اس وقت مسلمانوں پر کھانے پینے کی چیزوں کی تنگی تھی، کیونکہ ان کو کوئی ذبیحہ کھانے کے لیے میسر نہیں تھا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۱۰۵۔۱۰۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۳۵۶۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ أَبِي صَالِحٍ السَّمَّانِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ الْخَيْلُ لِثَلَاثَةٍ لِرَجُلٍ أَجْرٌ وَلِرَجُلٍ سِتْرٌ وَعَلَى رَجُلٍ وِزْرٌ فَأَمَّا الَّذِي لَهُ أَجْرٌ فَرَجُلٌ رَبَطَهَا فِي سَبِيلِ اللهِ فَأَطَالَ لَهَا فِي مَرْجٍ أَوْ رَوْضَةٍ فَمَا أَصَابَتْ فِي طِيَلِهَا ذٰلِكَ مِنَ الْمَرْجِ أَوِ الرَّوْضَةِ كَانَ لَهُ حَسَنَاتٍ وَلَوْ أَنَّهَا قَطَعَتْ طِيَلَهَا فَاسْتَنَّتْ شَرَفًا أَوْ شَرَفَيْنِ كَانَتْ آثَارُهَا وَأَرْوَاثُهَا حَسَنَاتٍ لَهُ وَلَوْ أَنَّهَا مَرَّتْ بِنَهَرٍ فَشَرِبَتْ مِنْهُ وَلَمْ يُرِدْ أَنْ يَسْقِيَ بِهِ كَانَ ذٰلِكَ حَسَنَاتٍ لَهُ وَهِيَ لِذٰلِكَ الرَّجُلِ أَجْرٌ وَرَجُلٌ رَبَطَهَا تَغَنِّيًا وَتَعَفُّفًا وَلَمْ يَنْسَ حَقَّ اللهِ فِي رِقَابِهَا وَلَا ظُهُورِهَا فَهِيَ لَهُ سِتْرٌ وَرَجُلٌ رَبَطَهَا فَخْرًا وَرِيَاءً فَهِيَ عَلَى ذٰلِكَ وِزْرٌ وَسُئِلَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے حدیث بیان کی از زید بن اسلم از ابی صالح السمان از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گھوڑوں کی تین قسمیں ہیں: ایک گھوڑا مرد کے لیے باعثِ اجر ہوتا ہے اور دوسرا گھوڑا مرد کے لیے اس کے گناہوں پر پردہ ہوتا ہے، اور تیسرا گھوڑا مرد کے اوپر گناہ کا سبب ہوتا ہے۔ رہا وہ گھوڑا جو اس کے لیے باعثِ اجر ہے، پس یہ وہ گھوڑا ہے جس کو اس نے اللہ کی راہ میں باندھ کے رکھا اور چراگاہ یا باغ میں اس کی رسی دراز کردی، پس اس نے جو اپنی رسی کی درازی کی وجہ سے اس چراگاہ یا باغ میں کھایا تو وہ اس مرد کے لیے نیکیاں ہیں، اور اگر اس کی رسی کو کاٹ دیا جائے، وہ ایک بلندی یا دو بلندیوں پر دوڑے تو اس کے قدموں کے نشانات، اس کا کھانا اور اس کا لید کرنا بھی اس

رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنِ الْحُمُرِ قَالَ مَا أَنْزَلَ اللهُ عَلَيَّ فِيهَا إِلَّا هَذِهِ الْآيَةَ الْفَاذَّةَ الْجَامِعَةَ ﴿فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۝ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۝﴾

مرد کے لیے نیکیاں ہوں گی، اور اگر وہ گھوڑا کسی دریا کے پاس سے گزرے اور اس میں سے پانی پیئے اور اس کے مالک کا ارادہ اسے پانی پلانے کا نہ ہو تب بھی یہ اس کی نیکیاں ہیں، اور اس وجہ سے اس مرد کو اجر ملے گا، اور دوسرے مرد نے گھوڑے کو مال ودولت کے ظہور اور سوال سے بچنے کے لیے باندھا اور اس گھوڑے کی گردن میں اور اس کی پشت میں اللہ تعالیٰ کے حق کی ادائیگی کو نہیں بھولا تو یہ گھوڑا اس کے لیے اس کے گناہوں کی پردہ پوشی کا سبب ہے، اور جس مرد نے گھوڑے کو فخر اور دکھاوے کے لیے باندھا تو وہ گھوڑا اس کے لیے گناہ کا سبب ہے، اور رسول اللہ ﷺ سے گدھوں کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھ پر ان کے متعلق کوئی آیت نازل نہیں کی مگر یہ منفرد آیت جو احکام کی جامع ہے:

سو جو ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اس کا صلہ دیکھے گا O اور جو ذرہ برابر برائی کرے گا وہ اس کا عذاب دیکھے گا O (الزلزلۃ: ۷-۸)

(صحیح البخاری: ۷۳۵۶، ۴۹۶۳، ۴۹۶۲، ۳۶۴۶، ۲۸۶۰، ۲۳۷۱، صحیح مسلم: ۹۸۷، سنن ترمذی: ۱۶۳۶، سنن نسائی: ۳۵۶۳، سنن ابن ماجہ: ۲۷۸۸، مسند احمد: ۷۵۰۹، موطا امام مالک: ۹۷۵)

صحیح البخاری: ۷۳۵۶، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ربطها" اس کا معنی ہے: اس نے اس گھوڑے کو جہاد کی تیاری کے لیے باندھ کر رکھا، اس کی اصل "ربط" ہے اور اسی سے "الرباط" بنا ہے، اس کا معنی ہے: کسی مرد کا اپنے آپ کو اسلام کی سرحدوں کو روک کر رکھنا اور اپنے ہتھیاروں سے اسلام کے دشمنوں کو ڈرانے کے لیے تیار رکھنا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ "ربطها" کا معنی ہے کہ جس شخص نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے روک کر رکھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فی مرج" "المرج" کا معنی ہے: وسیع زمین، علامہ ابو المعالی نے کہا: یہ وہ زمین ہے جو بہت زیادہ گھاس کو اور پانی کو جمع کر کے رکھتی ہے اور اس میں جانور اور چوپائے جہاں چاہتے ہیں چرتے پھرتے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "الروضة" "روضة" اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں پر پانی جمع ہو اور وہاں سبزیاں ہوں، امام ابو عبید نے کہا: "روضة" بلند زمین میں ہوتا ہے۔ علامہ داؤدی نے کہا: جو بلند جگہ ہو اور اس میں گھاس ہو، الجوہری نے کہا: روضۃ وہ ہے

جس میں سبزیاں اور ترکاریاں ہوں اور ہر قسم کی گھاس ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فاستنت شرفا او شرفین" اس کا معنی ہے: گھوڑا آگے پیچھے دوڑ رہا ہو، اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ خوشی کے ساتھ چل رہا ہو، اور البارع میں لکھا ہے: وہ گویا رقص کر رہا ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فشربت منه ولم يرد ان يسقى" یعنی گھوڑے نے دریا سے از خود پانی پیا اور اس کے مالک نے اسے پانی پلانے کا قصد نہیں کیا۔ اس کا معنی یہ ہے کہ جب گھوڑے کا مالک قصداً اپنے گھوڑے کو پانی پلائے گا تو اس کو اور زیادہ اجر و ثواب ہوگا، یا اس لیے فرمایا کہ گھوڑے کے مالک نے کسی کا پانی اس کی اجازت کے بغیر نہیں پلایا گھوڑے نے از خود پیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "تغنيا و تعففا" یعنی اس نے گھوڑے کو لوگوں سے مستغنی ہونے کے لیے رکھا اور اپنے آپ کو سوال سے روکنے کے لیے رکھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ولم ينس حق الله فی رقابها ولا ظهورها" یعنی اس نے ضرورت مند لوگوں کو گھوڑے پر سوار کرنے کے لیے اللہ کے حق کو نہیں بھولا۔ اور امام ابوحنیفہ کے اصحاب نے کہا: اس سے مراد یہ ہے کہ وہ گھوڑے پر جو زکوۃ واجب ہے اس کی ادائیگی کو نہیں بھولا، اور امام ابوحنیفہ کے اصحاب نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ جو گھوڑے قدرتی گھاس کو چرتے ہوں، ان پر زکوۃ ہوتی ہے۔

اس حدیث میں الزلزلہ: ۸ کا ذکر ہے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ قرآن مجید میں سب سے زیادہ عدل کی آیت ہے۔ بعض فقہاء کی یہ رائے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجتہاد نہیں کرتے تھے آپ صرف وحی سے حکم کرتے تھے، انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے گدھوں کے متعلق کوئی حکم ظاہر نہیں ہوا تھا، اور آپ سے لوگوں نے خچر کے متعلق سوال نہیں کیا، کیونکہ ان کے ہاں خچر کم ہوتے تھے یا اس لیے کہ خچر بھی گدھوں کی مثل ہیں، اور اس حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ کسی آیت کے عموم سے استدلال کرنا چاہیے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس چیز کا قرآن مجید میں ذکر نہیں کیا گیا تھا اس کا اس آیت سے حکم معلوم کیا۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۱۵ ص ۳۶۸۔ ۳۶۷، ملخصاً و ملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۷۳۵۷۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ مَنْصُورِ بْنِ صَفِيَّةَ عَنْ أُمِّهِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ امْرَأَةً سَأَلَتِ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم ح و حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ هُوَ ابْنُ عُقْبَةَ حَدَّثَنَا الْفُضَيْلُ بْنُ سُلَيْمَانَ النُّمَيْرِيُّ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا مَنْصُورُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ ابْنُ شَيْبَةَ حَدَّثَتْنِي أُمِّي عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها أَنَّ امْرَأَةً سَأَلَتِ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم عَنِ الْحَيْضِ كَيْفَ تَغْتَسِلُ مِنْهُ قَالَ تَأْخُذِينَ فِرْصَةً مُمَسَّكَةً فَتَوَضَّئِينَ بِهَا قَالَتْ كَيْفَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن عیینہ نے حدیث بیان کی از منصور بن صفیہ از ام خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ ایک عورت نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا ح اور ہمیں محمد نے حدیث بیان کی وہ ابن عقبہ ہیں، انہوں نے کہا: ہمیں الفضیل بن سلیمان النمیری البصری نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں منصور بن عبد الرحمٰن بن شیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے میری والدہ نے حدیث بیان کی از حضرت عائشہ

أَتَوَضَّأُ بِهَا يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ تَوَضَّئِي قَالَتْ كَيْفَ أَتَوَضَّأُ بِهَا يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ تَوَضَّئِينَ بِهَا قَالَتْ عَائِشَةُ فَعَرَفْتُ الَّذِي يُرِيدُ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَجَذَبْتُهَا إِلَيَّ فَعَلَّمْتُهَا۔

رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ ایک عورت نے نبی ﷺ سے پوچھا کہ وہ حیض سے کس طرح غسل کرے؟ آپ نے فرمایا: تم مشک کا ایک ٹکڑا لو اور اس سے صفائی حاصل کرو، اس عورت نے کہا: میں کیسے اس سے صفائی حاصل کروں یا رسول اللہ! نبی ﷺ نے فرمایا: صفائی حاصل کرو، اس عورت نے کہا: کیسے صفائی حاصل کروں یا رسول اللہ؟ نبی ﷺ نے فرمایا: اس سے صفائی حاصل کرو، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا: پس میں نے سمجھ لیا کہ رسول اللہ ﷺ کا کیا ارادہ تھا، پس میں نے اس عورت کو اپنی طرف کھینچا اور اس کو سکھلایا۔

(صحیح البخاری: ۳۱۴، ۳۱۵، ۷۳۵۷، صحیح مسلم: ۳۳۲، سنن نسائی: ۲۵۱، سنن ابوداؤد: ۳۱۴، سنن ابن ماجہ: ۶۴۲، مسند احمد: ۲۴۶۲۱)

صحیح البخاری: ۷۳۵۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے مسائل

(۱) علامہ نووی نے لکھا ہے کہ جمہور علماء نے یہ کہا کہ اس کی فرج کے اوپر جو خون کا نشان ہے اس کو مشک کے ٹکڑے سے صاف کرے تا کہ حیض کے خون کی بدبو زائل ہو جائے، نبی ﷺ نے اپنی طبعی حیاء کی وجہ سے ایک اجنبی عورت کے سامنے اس کو صراحت کے ساتھ نہیں بیان فرمایا، اس لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کو سمجھا دیا، اگر مشک کا ٹکڑا میسر نہ ہو تو کسی کپڑے کے ٹکڑے میں خوشبو لگا کر اس سے حیض کے خون کی بدبو کو زائل کیا جائے۔

(۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دینی مسائل کو معلوم کرنے میں حیاء نہیں کرنی چاہیے اور اگر بات سمجھ میں نہ آئے تو معلم سے بار بار پوچھنا چاہیے۔

(۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کسی خوشبودار چیز کو فرج پر لگا کر حیض کے خون کی بدبو زائل کرنی چاہیے۔

(۴) نیز اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جن چیزوں کا تعلق شرمگاہ سے ہو، ان کا صراحت سے ذکر کرنے کے بجائے کنایہ اور تعریض سے ذکر کرنا چاہیے۔

(۵) اجنبی خواتین کے سامنے شرمگاہ کے ذکر سے احتراز کرنا چاہیے، جس طرح آپ نے اس عورت کے سامنے فرج کا ذکر نہیں فرمایا۔

(۶) ایک عورت دوسری عورت کو شرمگاہ کا ذکر کر کے مسئلہ سمجھا سکتی ہے، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس عورت کو سمجھایا۔

(۷) متعلم کو اگر بات سمجھ میں نہ آئے تو نرمی سے دوبارہ، سہ بارہ سمجھانا چاہیے اور اس سے تنگ نہیں ہونا چاہیے، اور تعجب کے موقع پر سبحان اللہ کہنا چاہیے، اور اس سے رسول اللہ ﷺ کے حسنِ اخلاق کا پتا چلتا ہے۔

(۸) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں یہ فرمایا ہے کہ مشک کے ٹکڑے سے وضو کرو، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا عقلی دلیل سے یہ سمجھ گئیں کہ مشک کے ٹکڑے سے وضو تو ہو نہیں سکتا تو اس سے مراد یہ ہے کہ مشک کے ٹکڑے کی خوشبو سے حیض کے خون کی بدبو کو زائل کرو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۲۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۳۵۸۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ أَبِي بِشْرٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ أُمَّ حُفَيْدٍ بِنْتَ الْحَارِثِ بْنِ حَزْنٍ أَهْدَتْ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمْنًا وَأَقِطًا وَأَضُبًّا فَدَعَا بِهِنَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأُكِلْنَ عَلَى مَائِدَتِهِ فَتَرَكَهُنَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَالْمُتَقَذِّرِ لَهُنَّ وَلَوْ كُنَّ حَرَامًا مَا أُكِلْنَ عَلَى مَائِدَتِهِ وَلَا أَمَرَ بِأَكْلِهِنَّ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوعوانہ نے حدیث بیان کی از ابی بشر از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک ام حفید بنت الحارث بن حزن نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف گھی اور پنیر اور گوہ کو بھیجا، آپ نے ان چیزوں کو منگوایا اور ان کو آپ کے دسترخوان پر کھایا گیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چیزوں کو ترک کر دیا جیسے آپ کو ان سے گھن آتی ہو، اور اگر یہ چیزیں حرام ہوتیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دسترخوان پر نہ کھائی جاتیں اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان چیزوں کے کھانے کا حکم دیتے۔

(صحیح البخاری: ۲۵۷۵، ۵۳۸۹، ۵۴۰۲، ۷۳۵۸، صحیح مسلم: ۱۹۴۷، سنن نسائی: ۴۳۱۹، سنن ابوداؤد: ۳۷۹۳، مسند احمد: ۲۹۵۴)

گوہ کھانے کی ممانعت پر فقہاء احناف کے دلائل

امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی متوفی ۳۲۱ھ لکھتے ہیں: امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف اور امام محمد رحمہم اللہ علیہم نے کہا ہے کہ گوہ کا کھانا مکروہ (تحریمی) ہے، امام محمد بن الحسن نے اس پر حسب ذیل احادیث سے استدلال کیا:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گوہ ہدیہ کی گئی تو آپ نے اس کو نہیں کھایا، پھر ایک سائل آیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کو وہ گوہ دینے کا ارادہ کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: کیا تم اس کو وہ چیز دے رہی ہو جس کو تم خود نہیں کھاتیں؟

(شرح معانی الآثار: ۱۲۲۲، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

حضرت خزیمہ بن جزء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گوہ کے کھانے کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: کیا کوئی گوہ کو کھائے گا؟ اس حدیث کی امام ترمذی نے روایت کی ہے اور اس کو ضعیف کہا ہے۔ اور امام ابن ماجہ نے اس حدیث کی ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے کہ "گوہ کو کون کھائے گا؟"

علامہ ابوالحسن علی بن ابوبکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں:

بجو، گوہ، کچھوا، تتیہ اور تمام حشرات الارض کا کھانا مکروہ تحریمی ہے۔ رہی گوہ تو اس کی کراہت کی یہ وجہ ہے کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے گوہ کے کھانے کے متعلق پوچھا تو آپ نے منع فرمایا، اور یہ حدیث امام شافعی کے خلاف حجت ہے جو گوہ کے کھانے کو مباح کہتے ہیں۔ (ہدایہ اخیرین ص ۴۴۰، مکتبہ رحمانیہ، لاہور)

۷۳۵۹۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي عَطَاءُ بْنُ أَبِي رَبَاحٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ أَكَلَ ثُومًا أَوْ بَصَلًا فَلْيَعْتَزِلْنَا أَوْ لِيَعْتَزِلْ مَسْجِدَنَا وَلْيَقْعُدْ فِي بَيْتِهِ وَإِنَّهُ أُتِيَ بِبَدْرٍ قَالَ ابْنُ وَهْبٍ يَعْنِي طَبَقًا فِيهِ خَضِرَاتٌ مِنْ بُقُولٍ فَوَجَدَ لَهَا رِيحًا فَسَأَلَ عَنْهَا فَأُخْبِرَ بِمَا فِيهَا مِنَ الْبُقُولِ فَقَالَ قَرِّبُوهَا فَقَرَّبُوهَا إِلَى بَعْضِ أَصْحَابِهِ كَانَ مَعَهُ فَلَمَّا رَآهُ كَرِهَ أَكْلَهَا قَالَ كُلْ فَإِنِّي أُنَاجِي مَنْ لَا تُنَاجِي وَقَالَ ابْنُ عُفَيْرٍ عَنِ ابْنِ وَهْبٍ بِقِدْرٍ فِيهِ خَضِرَاتٌ وَلَمْ يَذْكُرِ اللَّيْثُ وَأَبُو صَفْوَانَ عَنْ يُونُسَ قِصَّةَ الْقِدْرِ فَلَا أَدْرِي هُوَ مِنْ قَوْلِ الزُّهْرِيِّ أَوْ فِي الْحَدِيثِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن صالح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن وہب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے یونس نے خبر دی از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے عطاء بن ابی رباح نے خبر دی از حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے (کچی) لہسن یا پیاز کو کھایا وہ ہم سے الگ رہے، یا ہماری مسجد سے الگ رہے اور اپنے گھر میں بیٹھے، اور آپ کے پاس غزوۂ بدر میں لایا گیا، ابن وہب نے کہا: یعنی ایک تھال جس میں مختلف سبزیاں تھیں، آپ نے ان کی کوئی بدبو پائی، آپ نے ان کے متعلق سوال کیا تو آپ کو بتایا گیا کہ اس میں کونسی سبزیاں ہیں، آپ نے فرمایا: ان کو قریب کردو، پس انہوں نے وہ آپ کے ان صحابی کے قریب کردیں جو آپ کے ساتھ تھے، پس جب آپ نے دیکھا کہ آپ کے بعض اصحاب اس کے کھانے کو ناپسند کر رہے ہیں تو آپ نے فرمایا: بے شک میں اس سے مناجات کرتا ہوں جس سے تم مناجات نہیں کرتے۔

ابن عفیر نے از ابن وہب بیان کیا: ایک دیگچی لائی گئی جس میں مختلف سبزیاں تھیں، اور اللیث اور ابوصفوان نے از یونس دیگچی کا قصہ ذکر نہیں کیا، پس میں نہیں جانتا کہ یہ زہری کا قول ہے یا حدیث میں مذکور ہے۔

(صحیح البخاری: ۸۵۴، ۸۵۵، ۵۴۵۲، ۷۳۵۹، صحیح مسلم: ۵۶۴، سنن ترمذی: ۱۸۰۶، سنن نسائی: ۷۰۷، سنن ابوداؤد: ۳۸۲۲، مسند احمد: ۱۴۶۵۱)

صحیح البخاری: ۷۳۵۹، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

کچا لہسن اور کچی پیاز کھا کر مسجد میں جانے کی ممانعت

ان احادیث کی فقہ یہ ہے کہ لہسن کھانا مباح ہے، کیونکہ آپ نے فرمایا: جس نے (کچا) لہسن کھایا وہ ہماری مساجد میں نہ آئے، اور اس میں یہ دلیل ہے کہ جماعت سے نماز پڑھنا فرض نہیں ہے، اس میں غیر مقلدین کا اختلاف ہے، وہ جماعت سے نماز پڑھنے کو فرض کہتے ہیں اور لہسن کھانے کو حرام کہتے ہیں، اور متقدمین کی ایک جماعت نے کچا لہسن کھایا ہے، فقہاء کی اس حدیث کی توجیہ میں اختلاف ہے، بعض نے کہا: آپ نے صرف مسجدِ نبوی میں کچا لہسن کھا کر آنے سے منع فرمایا کیونکہ وہاں پر وحی لانے

والے فرشتے آتے ہیں۔

جمہور علماء نے یہ کہا ہے کہ اس حکم میں مسجدِ نبوی اور باقی مساجد برابر ہیں اور وحی لانے والے فرشتے اور دوسرے فرشتے برابر ہیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ''اس سے بنو آدم کو ایذاء ہوتی ہے'' اور فرمایا: ''کچے لہسن کی بو سے ہمیں ایذاء ہوتی ہے''، اور جو شخص مسلمان کے ساتھ بیٹھا ہو اس کو ایذاء پہنچانا جائز نہیں ہے۔

ابن وہب نے امام مالک سے روایت کی ہے: جس آدمی نے جمعہ کے دن (کچا) لہسن کھایا، میری رائے ہے کہ وہ مسجد میں جمعہ کے لیے حاضر نہ ہو، اور جس شخص پر جمعہ فرض ہے، اس نے (کچا) لہسن کھایا تو اس نے بہت برا کام کیا۔

اس قول میں یہ دلیل ہے کہ جس شخص سے ایذاء پہنچے جیسے جذامی یا جن کی ناک بہت بہتی ہو یا بہت زیادہ چھینکنے والے یا اس جیسے دیگر لوگ وہ مسجد سے دور رہیں۔

اس حدیث میں بدبودار سبزیوں کا ذکر ہے، یہ سبزیاں مدینہ میں ہوتی تھیں اور اس پر اہلِ مدینہ کا اجماع ہے کہ ان سبزیوں میں زکوٰۃ واجب نہیں تھی اور رسول اللہ ﷺ نے ان سبزیوں سے زکوٰۃ وصول نہیں کی، اور اگر آپ نے ان سبزیوں میں زکوٰۃ وصول کی ہوتی تو یہ بات فقہاء سے مخفی نہ رہتی اور یہ بات منقول ہوتی، امام مالک، امام شافعی اور فقہاء کی ایک جماعت کا یہی قول ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم لوگ کچا لہسن کھا سکتے ہو، اور اپنے نہ کھانے کی وجہ بیان فرمائی کہ میں اس سے سرگوشی کرتا ہوں جس سے تم سرگوشی نہیں کرتے۔

جب بنو آدم کو کچا لہسن کھانے سے بدبو کی ایذاء پہنچے گی تو وہ اپنی مجلس میں اس شخص کی مذمت کریں گے اور غیبت میں مبتلاء ہوں گے تو نبی ﷺ نے اس لیے کچا لہسن کھا کر مسجد میں آنے سے منع فرما دیا۔

(شرح ابن بطال ج ۲ ص ۵۳۵-۵۳۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۷۳۶۰- حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا أَبِي وَعَمِّي قَالَا حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ أَبِيهِ أَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ بْنُ جُبَيْرٍ أَنَّ أَبَاهُ جُبَيْرَ بْنَ مُطْعِمٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ امْرَأَةً أَتَتْ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَكَلَّمَتْهُ فِي شَيْءٍ فَأَمَرَهَا بِأَمْرٍ فَقَالَتْ أَرَأَيْتَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنْ لَمْ أَجِدْكَ قَالَ إِنْ لَمْ تَجِدِينِي فَأْتِي أَبَا بَكْرٍ زَادَ لَنَا الْحُمَيْدِيُّ عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ سَعْدٍ كَأَنَّهَا تَعْنِي الْمَوْتَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے عبید اللہ بن سعد بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد اور میرے چچا نے حدیث بیان کی، ان دونوں نے بیان کیا کہ ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی از والد خود، انہوں نے کہا: مجھے محمد بن جبیر نے خبر دی کہ بے شک ان کو ان کے والد حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ انصار کی ایک عورت رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی، اس نے کسی چیز کے متعلق آپ سے گفتگو کی تو آپ نے اسے کوئی حکم دیا، اس نے کہا: یہ بتائیں یا رسول اللہ! اگر میں آپ کو نہ پاؤں؟ آپ نے فرمایا: اگر تم مجھے نہ پاؤ تو ابو بکر کے پاس آنا۔

حمیدی نے ہمارے لیے زیادہ بیان کیا از ابراہیم بن سعد، گویا کہ

وہ عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا ارادہ کرتی تھی۔

(صحیح البخاری: ۳۶۵۹، ۷۲۲۰، ۷۳۶۰، صحیح مسلم: ۲۳۸۶، سنن ترمذی: ۳۶۷۶، مسند احمد: ۱۶۳۱۴)

صحیح البخاری: ۷۳۶۰، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانے کا ثبوت

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا جائے، اور اس حدیث میں شیعہ اور رافضیہ کے اس قول کا رد ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تصریح کی تھی، اسی طرح ان لوگوں کا بھی رد ہے جنہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانے کی تصریح کی تھی۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۰ ص ۲۵۹، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۷۳۶۰، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی شرح میں بعض علماء کا یہ کہنا درست ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفہ ہیں، لیکن یہ بطورِ اشارہ ہے اور اس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خلیفہ ہونے کی تصریح نہیں ہے، اور یہ حدیث اس کے خلاف نہیں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وثوق سے کہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا، کیونکہ ان کی مراد یہ تھی کہ آپ نے کسی خاص شخص کو معین کر کے خلیفہ نہیں بنایا۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۴۸۱، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو آپ کے بعد خلیفہ بنانے کی تصریح کے متعلق احادیث

نیز حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

امام طبرانی نے عصمۃ بن مالک سے روایت کی ہے، ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کے بعد ہم اپنے اموال کے صدقات کس کے پاس لائیں؟ آپ نے فرمایا: ابوبکر صدیق کے پاس۔

یہ حدیث اگر ثابت ہو تو اس میں سب سے زیادہ اس پر تصریح ہے کہ آپ کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا جائے لیکن اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

اور الاسماعیلی نے اپنی معجم میں حضرت سہل بن ابی خیثمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی کو بیعت کیا، اس اعرابی نے سوال کیا: اگر آپ پر وفات آ گئی تو پھر کون فیصلہ کرے گا؟ آپ نے فرمایا: ابوبکر، اس نے سوال کیا: پھر ان کے بعد کون فیصلہ کرے گا؟ آپ نے فرمایا: عمر۔۔۔ الحدیث، اس حدیث کی امام طبرانی نے المعجم الاوسط میں بھی اس سند کے ساتھ اختصار سے روایت کی ہے۔

اور اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اعلان ہے کہ آپ کے بعد کون خلیفہ ہو گا۔ اور اس حدیث میں شیعہ کے اس زعم کا رد ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کی خلافت کی تصریح کی تھی۔

(فتح الباری ج ۴ ص ۵۵۷، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۲۵۔ بَابُ: قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ لَا تَسْأَلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ عَنْ شَيْءٍ
نبی ﷺ کا یہ ارشاد کہ اہلِ کتاب سے کسی چیز کے متعلق سوال نہ کرو

بابِ مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اہلِ کتاب سے سوال کرنے کی ممانعت کے متعلق دیگر روایات

امام بخاری نے اس باب کے عنوان کو امام احمد، امام ابن ابی شیبہ اور امام بزار کی درج ذیل روایت سے مستنبط کیا ہے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے پاس اس کتاب کو لے کر آئے جو ان کو بعض اہلِ کتاب سے ملی تھی اور نبی ﷺ کے سامنے اس کتاب سے پڑھا تو نبی ﷺ ناراض ہوئے اور آپ نے فرمایا: ''میں تمہارے پاس واضح اور صاف ملت کو لے کر آیا ہوں، تم ان سے کسی چیز کے متعلق سوال نہ کرو، پس یہ تمہیں حق کی خبر دیں گے تو تم اس کو جھٹلاؤ گے یا باطل کی خبر دیں گے تو تم اس کی تصدیق کرو گے، اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو میری پیروی کرنے کے سوا ان کے لیے اور کوئی چارہ کار نہیں تھا''۔

اس حدیث کے رجال کی توثیق کی گئی ہے مگر اس حدیث کی سند میں ایک راوی مجالد ہے جو ضعیف ہے۔

امام بزار نے از حضرت عبداللہ بن ثابت الانصاری رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تورات سے ایک صحیفہ لکھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اہلِ کتاب سے کسی چیز کے متعلق سوال نہ کرو''۔

اس حدیث کی سند میں جابر الجعفی ہے اور وہ ضعیف راوی ہے، امام بخاری نے اس ضعیف حدیث کو اپنے عنوان میں ذکر کیا ہے کیونکہ صحیح حدیث سے ان احادیث کی تائید ہوتی ہے۔

امام عبدالرزاق نے از حریث بن ظہیر روایت کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: اہلِ کتاب سے سوال نہ کرو کیونکہ وہ تم کو ہرگز ہدایت نہیں دیں گے، انہوں نے اپنے آپ کو گمراہ کر دیا، پس تم یا تو حق کی تکذیب کرو گے یا باطل کی تصدیق کرو گے۔

اور سفیان ثوری نے اسی سند سے روایت کی ہے کہ اہلِ کتاب سے کسی چیز کے متعلق سوال نہ کرو کیونکہ وہ ہرگز تم کو ہدایت نہیں دیں گے اور وہ گمراہ ہو چکے ہیں، تم یا تو حق کی تکذیب کرو گے یا باطل کی تصدیق کرو گے، اس حدیث کی سند حسن ہے۔

علامہ ابن بطال نے المہلب سے نقل کر کے کہا ہے: یہ ممانعت اہلِ کتاب سے ان چیزوں کے سوال کے متعلق تھی جن چیزوں کے متعلق ہمارے دین میں کوئی تصریح نہیں ہے، کیونکہ ہماری شریعت فی نفسہٖ کافی ہے، اگر اس میں کوئی نص یا تصریح نہ ملے تو پھر غور وفکر سے کام لینا اہلِ کتاب سے سوال کرنے سے مستغنی کرتا ہے۔ اور جن خبروں میں ہماری شریعت کی تصدیق ہے ان کے متعلق گزشتہ امتوں سے سوال کرنے کی ممانعت نہیں ہے۔

اہلِ کتاب سے سوال کی ممانعت پر یہ سوال ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ فَسْئَلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝ (یونس:۹۴)

پس (اے مخاطب!) اگر تم اس چیز کے متعلق شک میں ہو جس کو ہم نے تمہاری طرف نازل کیا ہے تو ان لوگوں سے پوچھ لو جو تم سے پہلے کتاب کو پڑھتے ہیں، بے شک تمہارے رب کی طرف سے حق آ گیا ہے، پس تم شک کرنے والوں میں سے ہرگز نہ ہو جانا O

اس آیت میں جن اہلِ کتاب سے سوال کرنے کا حکم دیا ہے اس سے وہ اہلِ کتاب مراد ہیں جو ایمان لا چکے ہیں، اور سوال کی ممانعت ان اہلِ کتاب سے ہے جو ایمان نہیں لائے تھے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سوال کرنے کا جواز ان معاملات میں ہو جن کا تعلق توحید اور رسالتِ محمدیہ کے ساتھ ہے اور جو اس کے مشابہ ہے، اور اس کے ماسوا میں سوال کرنے کی ممانعت ہے۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۴۸۲، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

بابِ مذکور کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اہلِ کتاب سے سوال کی ممانعت کا محمل

المہلب نے کہا ہے کہ اہلِ کتاب سے سوال کرنے کی ممانعت کا محمل یہ ہے کہ ان سے احکامِ شرعیہ کے متعلق سوال نہ کرو، اور ان سے ان کی شریعت کے متعلق سوال نہ کرو جن کا ہمیں اپنی شریعت سے علم نہیں ہے، کیونکہ ہماری شریعت متکفل ہے اور جن احکام میں کوئی نص اور تصریح نہیں ہے اس میں ہمارا غور و فکر کرنا اور قیاس سے کام لینا احکامِ شرعیہ کے قائم مقام ہے۔ رہا یہ کہ اہلِ کتاب سے ان خبروں کے متعلق سوال کیا جائے جن کی ہماری شریعت نے تصدیق کر دی ہے اور جن کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھلی امتوں کے احوال کی خبر دی ہے ان کے متعلق ان سے سوال کرنے سے ہم کو نہیں منع کیا گیا۔

پس اگر یہ سوال کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ فَسْئَلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝ (یونس:۹۴)

پس (اے مخاطب!) اگر تم اس چیز کے متعلق شک میں ہو جس کو ہم نے تمہاری طرف نازل کیا ہے تو ان لوگوں سے پوچھ لو جو تم سے پہلے کتاب کو پڑھتے ہیں، بے شک تمہارے رب کی طرف سے حق آ گیا ہے، پس تم شک کرنے والوں میں سے ہرگز نہ ہو جانا O

یہ آیت اہلِ کتاب سے سوال کرنے کی ممانعت کے خلاف نہیں ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس میں شک کرنے والے نہیں تھے جو چیز آپ پر نازل کی گئی تھی اور مفسرین نے کہا ہے: اس آیت میں خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور مراد آپ کا غیر ہے جو اللہ تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے احکام میں شک کر رہا ہو، جیسے قرآن مجید میں ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ (الطلاق:۱)

اے نبی مکرم! (مومنوں سے کہیے:) جب تم (اپنی) عورتوں کو

طلاق دو۔

اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طلاق دینے کا ذکر ہے اور مراد یہ ہے کہ مسلمان جب اپنی بیویوں کو طلاق دیں۔ اسی طرح یونس: ۹۴ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شک کرنے کا ذکر ہے اور مراد یہ ہے کہ اے سننے والے! اگر تو اس چیز کے متعلق شک میں ہو جس کو ہم نے اپنے نبی پر نازل کیا ہے اور یہ ایسا ہے جیسے عرب کہتے ہیں: اگر تو میرا بیٹا ہے تو میرے ساتھ نیکی کر، حالانکہ اس کو علم ہوتا ہے کہ وہ اس کا بیٹا ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اگر اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر سے خطاب ہے تو پھر ان اہلِ کتاب سے سوال کرنا کیسے جائز ہوگا جو اپنی کتاب پڑھتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کرتے ہیں۔

اس سوال کے دو جواب ہیں:

ایک یہ ہے کہ آپ ان سے سوال کیجئے جو اہلِ کتاب سے ایمان لے آئے ہیں جیسے عبداللہ بن سلام اور کعب احبار وغیرہ، یہ تفسیر حضرت ابن عباس، ضحاک، مجاہد اور ابن زید سے منقول ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اہلِ کتاب سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ان صفات کے متعلق سوال کرو جن کی ان کی کتابوں میں بشارت دی گئی ہے، پھر دیکھو کہ ان کی بیان کی ہوئی صفات واقع میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کے موافق ہیں یا نہیں۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۴۰۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۷۳۶۱- وَقَالَ أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَخْبَرَنِي حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ سَمِعَ مُعَاوِيَةَ يُحَدِّثُ رَهْطًا مِنْ قُرَيْشٍ بِالْمَدِينَةِ وَذَكَرَ كَعْبَ الْأَحْبَارِ فَقَالَ إِنْ كَانَ مِنْ أَصْدَقِ هٰؤُلَاءِ الْمُحَدِّثِينَ الَّذِينَ يُحَدِّثُونَ عَنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَإِنْ كُنَّا مَعَ ذٰلِكَ لَنَبْلُو عَلَيْهِ الْكَذِبَ۔ (تحفۃ الاشراف: ۱۱۴۱۰)

ابوالیمان نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے حمید بن عبدالرحمٰن نے خبر دی کہ انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ مدینہ میں قریش کی ایک جماعت کے سامنے حدیث بیان کر رہے تھے، اور انہوں نے کعب الاحبار کا ذکر کیا، پس کہا: وہ ان محدثین میں صادق ترین ہیں جو اہلِ کتاب سے حدیث بیان کرتے ہیں، اور بے شک اس کے باوجود ہم ان کی باتوں میں جھوٹ کی آزمائش کرتے ہیں۔

صحیح البخاری: ۷۳۶۱، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "یحدثون عن اهل الکتاب" یعنی جو راوی قدیم کتابوں سے حدیث کی روایت کرتے ہیں، کتاب کا لفظ تورات اور دیگر صحائف کو شامل ہے۔

کعب الاحبار کی دی ہوئی خبروں کی آزمائش کی توجیہ

اس حدیث میں مذکور ہے "لنبلوا" یعنی ہم آزماتے ہیں، یعنی بعض خبریں جو ہمیں کعب احبار بیان کرتے ہیں وہ دیگر محدثین کے خلاف ہوتی ہیں۔

علامہ ابن التین نے کہا ہے: یہ شرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے کعب احبار کے حق میں اس قول کے موافق ہے کہ ان کی خبر میں جھوٹ بھی واقع ہوتا ہے، علامہ ابن التین نے کہا: محدثین سے مراد کعب احبار کی مثل لوگ ہیں جو اہل کتاب میں سے تھے اور انہوں نے اسلام قبول کر لیا، پس ان سے حدیث بیان کی جاتی ہے۔ اسی طرح جس نے ان کی کتابوں میں نظر کی اور جو ان کی کتابوں میں لکھا ہوا تھا اس سے حدیث بیان کی۔ علامہ ابن التین نے کہا: اور شاید کہ وہ کعب احبار کی مثل ہیں مگر کعب کو ان سے زیادہ بصیرت تھی اور ان سے زیادہ احادیث کو پہچاننے والے تھے۔

امام ابن حبان نے "کتاب الثقات" میں لکھا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ارادہ یہ تھا کہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ بعض اوقات اپنی بیان کی ہوئی خبر میں خطاء کرتے ہیں، اور ان کا ارادہ یہ نہیں تھا کہ کعب احبار کذاب تھے۔

اور علامہ ابن التین کے علاوہ دیگر شارحین نے کہا ہے کہ "لنبلوا علیه" کی ضمیر کتاب کی طرف راجع ہے نہ کہ کعب کی طرف، کیونکہ محدثین کی کتابوں میں جھوٹ موجود ہے، کیونکہ انہوں نے حدیث کے الفاظ کو بدل دیا اور اس میں تحریف کر دی۔

اور قاضی عیاض نے کہا ہے: اس ضمیر کا کتاب کی طرف لوٹنا بھی صحیح ہے اور کعب کی طرف لوٹنا بھی صحیح ہے اگرچہ کعب قصداً جھوٹ نہیں بولتے اور نہ عمداً جھوٹ بولتے ہیں، کیونکہ جھوٹ کی تعریف میں یہ شرط نہیں ہے کہ عمداً ایسی خبر دی جائے جو واقع کے خلاف ہو اور اس قول میں کعب پر جرح نہیں ہے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔

اور علامہ ابن الجوزی نے کہا کہ کعب اہل کتاب سے جو بعض خبروں کو بیان کرتے ہیں وہ جھوٹ ہوتی ہیں اور وہ عمداً جھوٹ نہیں بولتے ورنہ کعب علماء یہود میں سب سے بہتر تھے۔

کعب الاحبار کا تذکرہ

کعب الاحبار کا پورا نام ہے کعب بن ماتع بن عمرو بن قیس، ان کا تعلق ذی رعین سے ہے، دوسرا قول ہے کہ ذی الکلاع الحمیری سے ہے، اور ان کے دادا اور نسب کے متعلق اور بھی اقوال ہیں اور ان کی کنیت ابو اسحاق ہے، یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں یہودی مرد تھے اور یہودیوں کی کتابوں کے عالم تھے حتیٰ کہ ان کے متعلق کہا جاتا تھا: کعب الحبر اور کعب الاحبار، انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں اسلام قبول کیا، دوسرا قول یہ ہے کہ انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں اسلام قبول کیا، اور تیسرا قول یہ ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اسلام قبول کر چکے تھے اور ان کی آپ کی طرف ہجرت بعد میں ہوئی اور پہلا قول زیادہ مشہور ہے۔

انہوں نے مدینہ میں رہائش اختیار کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں رومیوں کے خلاف جہاد کیا، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دور میں یہ شام کی طرف منتقل ہو گئے اور وہیں رہائش رکھی یہاں تک کہ حمص میں ان کی وفات ہو گئی، ان کی وفات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ۳۲ یا ۳۳ یا ۳۴ ہجری میں ہوئی اور پہلا قول اکثر علماء کا ہے۔

امام محمد بن سعد نے بیان کیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سنو! کعب الاحبار علماء میں سے ایک ہیں اور ان کے پاس جو علم

ہے وہ سمندروں کی مثل ہے اور بے شک ہم ان کے متعلق بہت تفریط کرتے ہیں۔

اور محمد بن عثمان بن ابی شیبہ کی تاریخ میں از ابن ابی ذئب از حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما مذکور ہے، انہوں نے فرمایا: میں نے اپنی سلطنت میں جو بھی درست کام کیا مجھے اس کی خبر کعب نے اس کے وقوع سے پہلے دی تھی۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۴۸۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۷۳۶۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

کعب الاحبار کی روایات کا بیان

کعب الاحبار نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مرسلاً احادیث کی روایت کی ہے اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے۔ اور انہوں نے حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت عبد اللہ بن عباس، حضرت عبد اللہ بن زبیر اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث روایت کی ہیں۔ امام بخاری نے بھی ان کی روایت کو ذکر کیا ہے اور دیگر اصحابِ سنن نے ان کی احادیث کو روایت کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۱۱۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۷۳۶۱ کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

خطاءً خلافِ واقع خبر پر کذب کا اطلاق

یعنی کعب الاحبار ان محدثین سے زیادہ صادق ہیں جو اہلِ کتاب سے حدیث روایت کرتے ہیں اس کے باوجود وہ بعض اوقات ایسی چیزیں بیان کرتے ہیں جو صحیح نہیں ہوتیں، اور لغتِ حجاز میں کذب کا وہ معنی نہیں ہے جو عام اہلِ عرب کے نزدیک کذب کا معنی ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان عمداً واقع کے خلاف خبر کو بیان کرے، بلکہ یہاں کذب سے مراد ہے جو آدمی خطاءً واقع کے خلاف کوئی خبر بیان کرے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سبیعہ الاسلمیہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں فرمایا جب ان سے حضرت ابو السنابل رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! تم اس وقت تک نکاح نہیں کر سکتیں حتیٰ کہ تم پر چار مہینے دس دن عدت گزر جائے، اور حضرت سبیعہ اسلمیہ رضی اللہ عنہا اپنے شوہر کی وفات کی چند راتوں کے بعد بچہ جن چکی تھیں، انہوں نے اپنے کپڑے پہنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئیں اور آپ کو بتایا کہ حضرت ابو السنابل رضی اللہ عنہ نے کیا کہا ہے، تو آپ نے فرمایا: ابو السنابل نے جھوٹ بولا، اور یہاں پر جھوٹ کا معنی خطاء ہے کیونکہ حجازیین کی لغت میں کذب کا وہ معنی نہیں ہے جو باقی عرب کی لغت میں ہے، کیونکہ ان کے نزدیک کذب خطاء کے معنی میں ہے اور جو خطاء کار ہو اس کو عام لغتِ عرب میں کاذب نہیں کہا جاتا۔

سوال: کاذب اور مخطی میں کیا فرق ہے؟

الجواب: یہ فرق قائل کے اعتبار سے ہے مثلاً اگر کسی شخص نے کہا کہ فلاں شخص آ گیا ہے اور اس کو علم ہو کہ وہ نہیں آیا تو وہ شخص ہمارے اعتبار سے کاذب ہے، پس اگر وہ شخص کذب سے معروف ہو تو ہم جان لیں گے کہ وہ کاذب ہے، اور اگر وہ صدق سے معروف ہو

پھر اس کی خبر کے مطابق وہ شخص نہ آیا ہو تو ہم کہیں گے کہ اس کو خطاء ہوئی ہے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۸ ص ۲۵۴، ملخصاً وملتقطاً، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۷۳۶۲۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ أَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ أَهْلُ الْكِتَابِ يَقْرَءُونَ التَّوْرَاةَ بِالْعِبْرَانِيَّةِ وَيُفَسِّرُونَهَا بِالْعَرَبِيَّةِ لِأَهْلِ الْإِسْلَامِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَا تُصَدِّقُوا أَهْلَ الْكِتَابِ وَلَا تُكَذِّبُوهُمْ وَ﴿وَقُولُوٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ﴾ الْآيَةَ

(صحیح البخاری: ۴۴۸۵، ۷۳۶۲، ۷۵۴۲)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عثمان بن عمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں علی بن المبارک نے خبر دی از یحییٰ بن ابی کثیر از ابوسلمہ از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ اہلِ کتاب عبرانی زبان میں تورات پڑھتے تھے اور اہلِ اسلام کے لیے اس کی عربی میں تفسیر کرتے تھے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اہل کتاب کی تصدیق نہ کرو اور نہ ان کی تکذیب کرو اور تم کہو:

''ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہماری طرف نازل کیا گیا''۔ (عنکبوت:46)

صحیح البخاری: ۷۳۶۲، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اہلِ کتاب کی دی ہوئی خبروں پر عمل نہ کرنے کی توجیہ

اہلِ کتاب کی دی ہوئی خبروں پر عمل نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب کی بعض آیات میں تحریف کر دی اور بعض آیات کو چھپا لیا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَ لَا تَكْتُمُوْنَهٗ ۫ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَ اشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ (آل عمران: ۱۸۷)

(اور یاد کیجئے) جب اللہ نے اہلِ کتاب سے یہ عہد لیا کہ تم اس کو ضرور لوگوں سے بیان کرنا اور اس کو نہ چھپانا، تو انہوں نے اس عہد کو اپنے پسِ پشت ڈال دیا، اور اس کے بدلہ میں تھوڑی قیمت لی، سو وہ کیسی بری چیز ہے جس کو یہ خرید رہے ہیں O

اہلِ کتاب نے سیدنا محمد ﷺ کی نبوت اور آپ کی صفات کے متعلق جو آیات نازل فرمائی گئی تھیں ان کو چھپا لیا۔

اور یہ حدیث اس چیز میں اصل ہے کہ جو مشکل امور ہوں اور مشکل معلومات ہوں اور مسائل ہوں ان میں کوئی فیصلہ نہ کیا جائے، نہ جواز کا حکم لگایا جائے نہ بطلان کا، نہ حلال کا اور نہ حرام کا۔ اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر جو کتابیں نازل کی گئی ہیں ان پر ایمان لائیں مگر یہ کہ یہود اور نصاریٰ نے ان کتابوں میں تحریف کر دی اور ان کے احکام بدل دیئے اور ہم کو علم نہیں کہ جو حکم وہ بیان کر رہے ہیں وہ صحیح ہے یا محرف ہے یا تبدیل شدہ ہے، اس لیے ان کی خبر پر توقف کرنا واجب ہے، نہ ان کی تصدیق کی جائے اور نہ ان کی تکذیب کی جائے۔

دلائلِ متعارضہ کے وقت توقف کرنے کا وجوب

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا: اگر کسی شخص کی ملکیت میں دو بہنیں باندیاں ہوں تو وہ ان کو وطی میں جمع کر سکتا ہے یا نہیں؟ تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک آیت نے ان کے جمع کرنے کو جائز قرار دیا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ پس اگر تمہیں یہ خدشہ ہو کہ تم (ان میں) عدل نہ کر سکو گے تو (صرف) ایک سے نکاح کرو یا اپنی مملوکہ کنیزوں سے استمتاع کرو۔ (النساء: ۳)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جب دو بہنیں باندیاں ہوں تو ان کو وطی میں جمع کرنا جائز ہے، اور دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ اور (تم پر حرام کیا گیا ہے) یہ کہ تم دو بہنوں کو (نکاح میں) جمع کرو مگر جو گزر چکا۔ (النساء: ۲۳)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جب دو بہنیں باندیاں ہوں تو ان کو وطی میں بھی جمع کرنا جائز نہیں ہے۔

امام عبد الرزاق اپنی سند کے ساتھ قبیصہ بن ذؤیب الاسلمی سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا ایک عورت اور اس کی بہن کے متعلق جو دونوں باندیاں ہیں تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: ایک آیت نے ان دونوں بہنوں کو حلال کیا ہے اور دوسری آیت نے ان دونوں بہنوں کو حرام کیا ہے اور میں یہ کرنے والا نہیں ہوں۔ (مصنف عبد الرزاق: ۱۲۷۸۴)

امام عبد الرزاق لیث سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ان دو بہنوں کو جو باندیاں ہوں ان کو جمع کرنے کو مکروہ قرار دیتے تھے۔

امام عبد الرزاق اپنی سند کے ساتھ عکرمہ سے روایت کرتے ہیں کہ ان کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے خبر دی کہ انسان دو بہنوں کو جمع کرے تو کوئی حرج نہیں ہے، اور کسی عورت اور اس کی بیٹی کو جمع کرے پھر بھی کوئی حرج نہیں ہے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ فرماتے تھے کہ ان کی آپس کی قرابت کی وجہ سے وہ تم پر حرام نہیں ہیں، وہ تم پر اس وقت حرام ہوں گی جب تمہارے اور ان کے درمیان رشتہ داری ہو، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما "اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ۔۔۔ (النساء: ۲۴)" سے استدلال کرتے تھے۔

(مصنف عبد الرزاق: ۱۲۷۸۸)

امام عبد الرزاق اپنی سند کے ساتھ عمرو بن دینار سے روایت کرتے ہیں کہ ابو الشعثاء کو ان کے جمع کرنے کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی رائے پسند نہیں تھی۔ (مصنف عبد الرزاق: ۱۲۷۹۰)

امام عبد الرزاق اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ ابن جریج نے خبر دی کہ عطاء سے سوال کیا گیا: کیا کوئی مرد دو بہنوں کو جمع کرے یا کسی باندی سے جماع کرے پھر اس کے بعد اس کی ماں یا اس کی بیٹی سے جماع کرے؟ تو انہوں نے کہا: نہیں اور اس کو مکروہ قرار دیا۔ (مصنف عبد الرزاق: ۱۲۷۹۳)

چونکہ اس مسئلہ میں صحابہ کرام کے اقوال متعارض ہیں، اس لیے اس مسئلہ میں قطعی طور پر کوئی حکم نہیں لگایا جائے گا بلکہ توقف کیا جائے گا۔

اسی طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا: ایک آدمی نے نذر مانی کہ وہ پیر کے دن روزہ رکھے گا، پھر اتفاق سے وہ دن

عید کا دن تھا، تو انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ ہمیں نذر پوری کرنے کا حکم دیتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ (الحج:۲۹) اور اپنی نذروں کو پورا کریں۔

اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کے دن روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے، حدیث میں ہے:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن روزہ رکھنے سے منع فرمایا۔ (صحیح البخاری:۱۹۹۱)

سو متقین کا مذہب یہ ہے کہ وہ ایسی صورت میں توقف کرتے ہیں اور دوسرے علماء نے اصول کے معانی پر غور کیا اور دو مذہبوں میں سے کسی ایک مذہب کو ترجیح دی، اور اسی کی طرف اکثر فقہاء نے اشارہ کیا ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۳ ص ۴۶، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں کہ نذر پوری کرنے کا حکم قرآنِ مجید میں مذکور ہے سو یہ حکم قطعی ہے، اور عید کے دن روزہ رکھنے کی ممانعت خبرِ واحد میں ہے، سو یہ ممانعت ظنی ہے اس لیے قرآنِ مجید کے حکم کو ترجیح دی جائے گی اور جس دن روزہ رکھنے کی نذر مانی ہے، اس دن روزہ رکھ کر قرآن مجید کے حکم پر عمل کیا جائے اور اگر اس نے حدیث کی ممانعت پر عمل کر کے عید کے دن روزہ نہیں رکھا تو پھر نذر کی قضاء کرنا واجب ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۷۳۶۳۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ أَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما قَالَ كَيْفَ تَسْأَلُونَ أَهْلَ الْكِتَابِ عَنْ شَيْءٍ وَكِتَابُكُمُ الَّذِي أُنْزِلَ عَلَى رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَحْدَثُ تَقْرَؤُنَهُ مَحْضًا لَمْ يُشَبْ وَقَدْ حَدَّثَكُمْ أَنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ بَدَّلُوا كِتَابَ اللهِ وَغَيَّرُوهُ وَكَتَبُوا بِأَيْدِيهِمُ الْكِتَابَ وَقَالُوا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا أَلَا يَنْهَاكُمْ مَا جَاءَكُمْ مِنَ الْعِلْمِ عَنْ مَسْأَلَتِهِمْ لَا وَاللهِ مَا رَأَيْنَا مِنْهُمْ رَجُلًا يَسْأَلُكُمْ عَنِ الَّذِي أُنْزِلَ عَلَيْكُمْ۔

(صحیح البخاری:۲۶۸۵، ۷۳۶۳، ۷۵۲۲، ۷۵۲۳)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن شہاب نے خبر دی از عبید اللہ بن عبد اللہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ تم کسی چیز کے متعلق اہلِ کتاب سے کیوں سوال کرتے ہو حالانکہ تمہاری کتاب جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی ہے وہ ان کی کتابوں کے بعد ہے، تم اپنی کتاب کو خالص پڑھتے ہو اور اس میں کوئی اور چیز ملائی نہیں گئی، اور تم کو یہ بتایا ہے کہ اہلِ کتاب نے اللہ کی کتاب میں تبدیلی کر دی اور اس میں تغیر کر دیا اور انہوں نے اپنے ہاتھ سے کتاب کو لکھا اور کہا کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ اس کے بدلہ میں تھوڑی قیمت لیں، کیا تمہارے پاس جو علم آچکا ہے وہ تم کو ان سے سوال کرنے سے منع نہیں کرتا؟ نہیں، اللہ کی قسم! ہم نے ان اہلِ کتاب میں سے کوئی مرد نہیں دیکھا جو تم سے اس کے متعلق سوال کرتا ہو جو تم پر نازل کیا گیا ہے۔

صحیح البخاری: ۷۳۶۳، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہود و نصاریٰ کی کتابوں میں تغیر اور تحریف کا سبب

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ (البقرہ:۷۹)

پس عذاب ہے ان لوگوں کے لیے جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے تا کہ اس کے بدلہ میں تھوڑی قیمت لیں، سو ان کے لیے عذاب ہے کہ انہوں نے اپنے ہاتھوں سے لکھا اور جو کچھ انہوں نے کمایا اس کے سبب سے ان کو عذاب ہوگا O

اور جو لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہوں، ان کی باقی باتوں میں جھوٹ کا ہونا زیادہ متوقع ہے، بعض علماء نصاریٰ نے علامہ محمد بن وضاح سے پوچھا کہ اے مسلمانو! یہ کیا وجہ ہے کہ تمہاری کتاب میں نہ کوئی زیادتی ہے اور نہ کوئی کمی ہے اور ہماری کتابوں میں زیادتی بھی ہے اور کمی بھی ہے؟ تو علامہ محمد بن وضاح نے جواب دیا: اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری کتابوں کی حفاظت تمہارے سپرد کر دی، پس فرمایا:

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّ نُوْرٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ (المائدہ:۴۴)

بے شک ہم نے تورات کو نازل کیا جس میں ہدایت اور نور ہے، اللہ کے نبی جو ہمارے مطیع تھے اس کے مطابق یہود کا فیصلہ کرتے رہے، اور اللہ والے اور علماء (فیصلہ کرتے رہے) کیوں کہ ان سے کتاب اللہ کی حفاظت کرائی گئی تھی۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ تورات کی حفاظت علماء یہود سے کرائی گئی تھی اور جس چیز کی حفاظت مخلوق کے ذمہ ہو اس میں کمی اور نقصان ہوتا ہے۔ اور ہماری کتاب کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ذمہ لی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر:۹)

بے شک ہم نے ہی قرآن نازل کیا ہے اور بے شک ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں O

پس اللہ تعالیٰ ہماری کتاب یعنی قرآن مجید کی حفاظت کا ضامن ہے، لہٰذا ہماری کتاب میں کسی قسم کی زیادتی اور کمی کا امکان نہیں ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۱۶ ص ۶۶۹۔ ۶۷۰، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۷۳۶۳، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں قرآنِ مجید کو ''احدث الاخبار'' فرمایا ہے، یعنی قرآنِ مجید کا نزول کتب سابقہ کے نزول کی بہ نسبت زیادہ قریب ہے اوران کے بعد ہے، اور جو چیز بعد میں نازل کی گئی ہو، اس میں زیادہ تحقیق ہوتی ہے۔

نیز اس حدیث میں قرآن مجید کے متعلق فرمایا ''لم یشب'' اس کا معنی ہے کہ اس میں کوئی اختلاط نہیں کیا گیا۔

امام احمد نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہلِ کتاب سے کسی چیز کے متعلق سوال نہ کرو، کیونکہ وہ تمہیں کبھی بھی ہدایت نہیں دیں گے وہ خود گمراہ ہو چکے ہیں۔

امام بخاری کی اس روایت سے غرض یہ ہے کہ ان لوگوں پر رد کیا جائے جو اہلِ کتاب کی شہادت کو قبول کرتے ہیں اور جب ان کی خبروں کو قبول نہیں کیا جاتا تو ان کی شہادتوں کو رد کرنا بطریقِ اولیٰ ہوگا۔ (فتح الباری ج ۴ ص ۱۳۰، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۷۳۶۳ کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اہلِ کتاب پر حجت قائم کرنے کے لیے ان سے سوال کرنے کا جواز

اگر کوئی انسان اہلِ کتاب سے سوال کرنے سے یہ ارادہ کرے کہ ان کے اوپر حجت قائم کرے اور اسلام نے جو حکم دیا ہے اس کی تائید حاصل کرے تو یہ جائز ہے، پس اصل یہ ہے کہ ہم اپنے دین کی تائید حاصل کرنے کے لیے ان سے سوال کریں تو یہ جائز ہے تا کہ ان پر حجت قائم کریں لیکن ہم کو یہ علمِ یقین ہونا چاہیے کہ وہ ہماری ہرگز خیر خواہی نہیں کریں گے اور وہ کیسے خیر خواہی کریں گے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا ہے:

وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّنۢ بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚ حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم مِّنۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ (البقرہ:۱۰۹)

بہت سے اہل کتاب نے ان پر حق واضح ہو جانے کے باوجود اپنے حسد کی وجہ سے یہ چاہا کہ کاش وہ ایمان کے بعد تم کو پھر کفر کی طرف لوٹا دیں۔

نیز اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَقَالَت طَّائِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ آمِنُوا بِالَّذِي أُنزِلَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوا آخِرَهُ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝ (آل عمران:۷۲)

اور اہل کتاب کے ایک گروہ نے کہا: تم صبح کو اس پر ایمان لاؤ جو مسلمانوں پر نازل ہوا ہے اور شام کو اس کا کفر کرو، شاید کہ وہ (مسلمان، دین سے) پھر جائیں ۝

(شرح صحیح البخاری ج ۸ ص ۲۵۶، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

سائنسی ایجادات میں غیر مسلموں کی تحقیقات سے استفادہ کا جواز

دینی معاملات میں اور احکامِ شرعیہ میں اہلِ کتاب سے سوال کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ وہ دینی معاملات میں ہرگز ہماری خیر خواہی نہیں کریں گے لیکن سائنسی ایجادات میں غیر مسلموں سے استفادہ کرنا جائز ہے، کیونکہ سائنسی علوم مثلاً انجینئرنگ اور طب

جدید میں غیر مسلموں نے بہت ترقی کی ہے، جنگی طیارے اور دیگر جنگی ہتھیار، میزائل اور ایٹمی اسلحہ، ان امور میں مسلمانوں نے تحقیقات نہیں کیں، اس لیے ان چیزوں کے حصول میں غیر مسلموں کی ایجادات اور ان کی تحقیقات سے استفادہ کے بغیر اور کوئی چارۂ کار نہیں ہے، اسی طرح مختلف اقسام کی نت نئی بیماریاں وجود میں آ چکی ہیں جن کے علاج کے لیے مسلمانوں کے پاس کوئی علمی ذخائر نہیں ہیں، مثلاً ذیابیطس (شوگر) کو جانچنے کے آلات صرف طبِ مغرب سے ہی دستیاب ہیں اور شوگر کو کنٹرول کرنے کی دوائیں اور انسولین وغیرہ یہ بھی ان ہی سے حاصل ہوئی ہیں، اسی طرح اور بہت بیماریاں ہیں جن کا علاج جدید میڈیکل سائنس سے ہی ہو سکتا ہے، اس لیے ان امور میں غیر مسلموں سے سوال کرنا جائز ہے، البتہ دینی امور میں ان سے سوال کرنا جائز نہیں ہے۔

۲۶۔ بَابُ: كَرَاهِيَةِ الْخِلَافِ — مخالفت کا مکروہ ہونا

بابِ مذکور کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس عنوان سے یہ اشارہ کیا ہے کہ جس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ میری امت کا اختلاف رحمت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کی روایت صحیح نہیں ہے، کیونکہ مخالفت کرنا رحمت نہیں ہے بلکہ مخالفت نہ کرنا رحمت ہے۔ دوسرا محمل یہ ہے کہ اس سے مراد ہے دلوں سے اختلاف کرنا مکروہ ہے، لیکن مجتہدین جو اجتہاد سے کسی حکمِ شرعی کے استنباط میں اختلاف کرتے ہیں، اس کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہے، اور اس قسم کا اختلاف تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں ہوتا رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ ۚ إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ (الانعام: ۱۵۹)

بے شک جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور وہ بہت سے فرقے بن گئے آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں، ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، پھر وہ ان کو خبر دے گا جو کچھ وہ کرتے تھے O

اس آیت میں اصول اور اعتقاد میں اختلاف کرنے کی مذمت فرمائی ہے، جیسا کہ اسلام سے پہلے یہود اور نصاریٰ نے اصول اور اعتقاد میں مختلف فرقے بنا لیے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: اللہ تعالیٰ نے مومنین کو جماعت کے ساتھ وابستہ رہنے کا حکم دیا ہے اور ان کو اختلاف اور فرقہ بندی سے منع فرمایا ہے اور یہ خبر دی ہے کہ اس سے پہلے لوگ اللہ کے دین میں جھگڑنے کی وجہ سے ہلاک ہو گئے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۵ ص ۱۴۳۰) (شرح صحیح البخاری ج ۸ ص ۲۵۶۔ ۲۵۷، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۷۳۶۴۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ عَنْ سَلَّامِ بْنِ أَبِي مُطِيعٍ عَنْ أَبِي عِمْرَانَ الْجَوْنِيِّ عَنْ جُنْدَبِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْبَجَلِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم اقْرَءُوا الْقُرْآنَ مَا ائْتَلَفَتْ قُلُوبُكُمْ فَإِذَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرحمٰن بن مہدی نے خبر دی از سلام بن ابی مطیع از ابی عمران الجونی از حضرت جندب بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

اخْتَلَفْتُمْ فَقُومُوا عَنْهُ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ سَمِعَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ سَلَّامًا۔

فرمایا: جب تک تمہارے دلوں میں اتفاق ہے قرآن مجید پڑھتے رہو، اور جب تم میں اختلاف ہو جائے تو پھر اس سے اٹھ جاؤ۔
امام ابوعبداللہ نے کہا: عبدالرحمٰن نے سلام سے سنا۔

(صحیح البخاری: ۵۰۶۰، ۵۰۶۱، ۷۳۶۴، ۷۳۶۵، صحیح مسلم: ۲۲۶۷، مسند احمد: ۱۸۳۳۷)

صحیح البخاری: ۷۳۶۴، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اختلاف کے وقت قرآن مجید کی قراءت سے اٹھنے کے حکم کی توجیہ

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "جب تک تمہارے دلوں میں اتفاق ہے قرآن مجید کو پڑھتے رہو"۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے الفت اور اتفاق کی ترغیب دی ہے اور دین میں تفرقہ سے ڈرایا ہے اور خبردار کیا ہے، گویا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن مجید پڑھتے رہو اور جس معنی پر تمہارا اتفاق ہو جائے اس کو لازم رکھو، اور جب تمہارا اختلاف ہو جائے تو اس سے اٹھ جاؤ، یعنی جب تم کو کوئی ایسا شبہ پیش آئے جس سے منازعت ہوتی ہو اور جس کے نتیجہ میں تفرقہ ہوتا ہو تو اٹھ جاؤ یعنی اس شبہ کو چھوڑ دو جو تفرقہ کی طرف دعوت دیتا ہے، یہ مطلب نہیں ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت کو چھوڑ دو۔ اور اختلاف کرنے سے اٹھ جاؤ، یہ معنی نہیں ہے کہ آپ نے اختلاف قراءت کی وجہ سے قرآن مجید کے پڑھنے سے منع فرمایا ہے، کیونکہ قراءت کے اختلاف کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے لیے مباح قرار دیا، کیونکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ایک قراءت سے قرآن مجید پڑھ رہے تھے اور دوسرا مرد ان پر انکار کر رہا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم دونوں صحیح پڑھ رہے ہو، اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اختلاف سے منع فرمایا ہے جو ہلاکت اور دین میں تفرقہ کا موجب ہو۔

علامہ ابن جوزی نے کہا ہے کہ صحابہ کرام کا قراءت اور لغات میں اختلاف ہوتا تھا، پس انہیں حکم دیا گیا کہ جب ان میں اختلاف ہو تو وہ اٹھ جائیں تا کہ ان میں سے کوئی ایک دوسرے کی قراءت کا انکار نہ کرے اور اس کے نتیجہ میں وہ اللہ تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے قرآن کا انکار کرنے والا ہو جائے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۴ ص ۱۷۶۔۱۷۷، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۷۳۶۴، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بابِ مذکور کی حدیث کے موافق دوسری حدیث

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے سنا ایک مرد قرآن مجید کی آیت پڑھ رہا تھا اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے خلاف قراءت سنی تھی، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گیا تو آپ نے فرمایا: تم دونوں اچھا پڑھ رہے ہو، اور آپ نے فرمایا: بے شک تم سے پہلے لوگوں نے

اپنی کتاب کے پڑھنے میں اختلاف کیا تو وہ ہلاک ہو گئے۔

قراءت میں اختلاف کا سبب

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جب تم قرآن مجید کی کسی آیت کے معانی کی فہم میں اختلاف کرو تو اس طرح تفرقہ نہ کرو جو تم کو کسی شر کی طرف پہنچائے۔

قاضی عیاض مالکی متوفی ۵۴۴ھ نے کہا: ہوسکتا ہے کہ یہ ممانعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے ساتھ مخصوص ہوتا کہ ان کا یہ اختلاف اس کا سبب نہ ہو کہ ان کی طرف ایسی چیز نازل کی جائے جو ان کو ناگوار ہو، جیسے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝ (المائدہ:۱۰۱)

اے ایمان والو! ایسی باتیں نہ پوچھا کرو جو اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تم کو ناگوار ہوں، اور اگر تم ایسے وقت سوال کرو گے جب قرآن نازل کیا جا رہا ہو تو وہ تم پر ظاہر کر دی جائیں گی، اللہ نے ان سے درگزر کیا، اور اللہ بہت بخشنے والا نہایت حلم والا ہے O

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس حدیث کا معنی یہ ہو کہ تم قرآن مجید کی تلاوت کرتے رہو اور تم میں سے جس ذہین آدمی نے جس معنی کو اختیار کیا ہو اس پر متفق رہو اور جب تم میں اختلاف ہو یا کوئی ایسا شبہ پیدا ہو جس کا تقاضا یہ ہو کہ تم میں افتراق ہو جائے تو پھر قراءت کو چھوڑ دو، اور اس حکم کو لازم کرلو جو اتفاق کا موجب ہو، اور ان متشابہ آیات سے اعراض کرو جو تفرقہ کا سبب ہیں، جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو آیاتِ متشابہات کی پیروی کرتے ہیں تو ان سے دور رہو''۔

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ نے قراءت سے منع فرمایا ہو جب قرآن مجید کے الفاظ کی ادائیگی میں اختلاف ہو جائے اور ہر ایک اپنے اپنے طریقہ سے اس آیت کو پڑھتا ہو، جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور دوسرے مرد کی قراءت الگ الگ تھی مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کی تصویب کی، اسی طرح اور صحابہ کا بھی قرآن مجید کے الفاظ کی ادائیگی میں اختلاف ہوا اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی قراءت کو پیش کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم دونوں ٹھیک پڑھ رہے ہو۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۲۳۱، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حدیث مذکور کی شرح میں دیگر شارحین کے اقوال

علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی الشافعی متوفی ۷۴۳ھ لکھتے ہیں:

یعنی جب تک تم خوش دلی سے قرآن پڑھ سکتے ہو تو پڑھو، اور جب تم اکتا جاؤ تو چھوڑ دو، کیونکہ قرآن مجید اس سے بہت بلند ہے کہ تم اس کو حضور قلب کے بغیر پڑھو۔

اور علامہ محمد بن یوسف کرمانی شافعی متوفی ۷۸۶ھ نے لکھا ہے:

اس وقت تک قرآن پڑھتے رہو جب تک کہ اصحابِ قراءت میں اتفاق رہے، اور جب ان میں اختلاف ہو تو اٹھ جاؤ۔

علامہ ابن الجوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ نے کہا ہے کہ صحابہ کرام کا قراءت اور لغات میں اختلاف ہوتا تھا، پس ان کو یہ حکم دیا گیا کہ جب تمہارا اختلاف ہو تو اٹھ جاؤ تا کہ اس اختلاف کی وجہ سے تم ایک دوسرے کا انکار نہ کرو جس سے قرآن مجید کا انکار لازم آئے۔

صحیح البخاری: ۷۳۶۴ کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

غیرِ قرآن میں بھی اختلاف کے وقت چھوڑنے کا لزوم

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کسی انسان کو لوگوں کے سامنے اس کو نہیں پڑھنا چاہیے جس سے لوگوں میں اختلاف ہو، اور اس وقت تک پڑھنا چاہیے جب تک لوگ متفق رہیں حتیٰ کہ غیرِ قرآن کا بھی یہی حکم ہے، پس جب کسی انسان کے سامنے کوئی کتاب پڑھی جائے یا کوئی نصیحت کی جائے اور اس میں اختلاف ہو تو اس کو چھوڑ دینا چاہیے اور اسی وقت پڑھنا چاہیے کہ جب تم کو یہ معلوم ہو کہ لوگ اس کے پڑھنے میں رغبت کریں گے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہمیں چاہیے کہ ہم قرآن کے معانی میں اتفاق کریں اور اختلاف نہ کریں اور اگر کوئی نزاع یا جدال ہو تو پھر چھوڑ دیں۔ (شرح صحیح البخاری ج ۸ ص ۲۵۷، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۷۳۶۵۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ حَدَّثَنَا أَبُو عِمْرَانَ الْجَوْنِيُّ عَنْ جُنْدَبِ بْنِ عَبْدِ اللهِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اقْرَءُوا الْقُرْآنَ مَا ائْتَلَفَتْ عَلَيْهِ قُلُوبُكُمْ فَإِذَا اخْتَلَفْتُمْ فَقُومُوا عَنْهُ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ وَقَالَ يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ عَنْ هَارُونَ الْأَعْوَرِ حَدَّثَنَا أَبُو عِمْرَانَ عَنْ جُنْدَبٍ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الصمد نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ہمام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو عمران الجونی نے حدیث بیان کی از حضرت جندب بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تک تمہارے دلوں میں اتفاق رہے قرآن مجید پڑھتے رہو، اور جب تم میں اختلاف ہو جائے تو پھر اس سے اٹھ جاؤ۔

امام ابو عبد اللہ نے کہا: اور یزید بن ہارون نے کہا از ہارون الاعور، ہمیں ابو عمران نے حدیث بیان کی از جندب از نبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

(صحیح البخاری: ۵۰۶۰، ۵۰۶۱، ۷۳۶۴، ۷۳۶۵، صحیح مسلم: ۲۶۶۷، مسند احمد: ۱۸۳۳۷)

اس حدیث کی شرح بھی حسبِ سابق ہے۔

۷۳۶۶۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا هِشَامٌ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا حُضِرَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ وَفِي الْبَيْتِ رِجَالٌ فِيهِمْ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ قَالَ هَلُمَّ أَكْتُبْ لَكُمْ كِتَابًا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُ قَالَ عُمَرُ إِنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم غَلَبَهُ الْوَجَعُ وَعِنْدَكُمُ الْقُرْآنُ فَحَسْبُنَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابراہیم بن موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے خبر دی از معمر از الزہری از عبید اللہ بن عبد اللہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا وقت آیا، انہوں نے بتایا کہ اس وقت گھر میں کئی مرد تھے جن میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بھی تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

كِتَابُ اللّٰهِ وَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْبَيْتِ وَاخْتَصَمُوا فَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ قَرِّبُوا يَكْتُبْ لَكُمْ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ كِتَابًا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُ وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ مَا قَالَ عُمَرُ فَلَمَّا أَكْثَرُوا اللَّغَطَ وَالِاخْتِلَافَ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ قُومُوا عَنِّي قَالَ عُبَيْدُ اللّٰهِ فَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَقُولُ إِنَّ الرَّزِيَّةَ كُلَّ الرَّزِيَّةِ مَا حَالَ بَيْنَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَبَيْنَ أَنْ يَكْتُبَ لَهُمْ ذٰلِكَ الْكِتَابَ مِنِ اخْتِلَافِهِمْ وَلَغَطِهِمْ۔

فرمایا: میرے پاس کاغذ لاؤ تا کہ میں تم کو ایسا مکتوب لکھ دوں جس کے بعد تم ہرگز گمراہ نہیں ہو گے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درد کا غلبہ ہے اور تمہارے پاس قرآن مجید موجود ہے، پس ہمیں اللہ کی کتاب کافی ہے، اور گھر والوں میں اختلاف ہو گیا اور انہوں نے ایک دوسرے سے بحث کی، پس ان میں سے بعض یہ کہتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب اس چیز کو لاؤ کہ تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مکتوب لکھ دیں جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہیں ہو گے، اور بعض صحابہ وہی کہتے تھے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، پس جب ان میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے شور اور اختلاف بہت زیادہ ہوا تو آپ نے فرمایا: میرے پاس سے اٹھ جاؤ۔

عبیداللہ نے کہا: پس حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ کہتے تھے کہ مصیبت پوری پوری مصیبت وہ تھی جو صحابہ کے اختلاف اور ان کے شور کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اس کتاب کو لکھنے کے درمیان حائل ہو گئی۔

(صحیح البخاری: ۱۱۴، ۳۰۵۳، ۳۱۶۸، ۴۴۳۱، ۴۴۳۲، ۵۶۶۹، ۷۳۶۶، صحیح مسلم: ۱۶۳۷، مسند احمد: ۲۹۸۳)

صحیح البخاری: ۷۳۶۶، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو لکھوانا چاہتے تھے اس کے متعلق علماء کے اقوال

علامہ حمد بن محمد الخطابی الشافعی المتوفی ۳۸۸ھ نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ارادہ فرمایا کہ آپ اپنے بعد امامت اور خلافت کی نص اور تصریح فرما دیں، جس کی وجہ سے بڑے بڑے عظیم فتنے اٹھ جائیں جیسے جنگِ جمل اور جنگِ صفین میں فتنہ ہوا اور دونوں طرف سے بہ کثرت مسلمان شہید ہو گئے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ارادہ فرمایا کہ ایسا مکتوب لکھوا دیں جس میں اہم احکام کا ذکر ہوتا کہ ان احکام پر اتفاق ہو جائے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ ظاہر ہوا کہ مصلحت اس میں ہے کہ اس کو ترک کر دیا جائے، یا آپ کی طرف اس کی وحی کی گئی۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے معصوم ہیں کہ وہ احکامِ شرعیہ میں کوئی تغیر کر دیں خواہ آپ تندرست ہوں یا بیمار ہوں، اور جسم کو جو امراض عارض ہوتے ہیں ان سے آپ معصوم نہیں ہیں کیونکہ بیماریوں کے عارض ہونے کی وجہ سے آپ میں کوئی نقص پیدا نہیں ہوتا، اور نہ آپ کی شریعت کے اندر کوئی فساد ہوتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو کہا ''آپ پر درد کا غلبہ ہے'' اس کی توجیہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ خطرہ ہوا کہ ہوسکتا ہے کہ آپ ایسے احکام لکھ دیں جن پر عمل کرنے سے صحابہ اور مسلمان عاجز ہوں، اور پھر عمل نہ کرنے کی وجہ سے وہ عذاب کے مستحق ہوں، کیونکہ آپ کے لکھوائے ہوئے احکام منصوص ہوتے اور ان میں اجتہاد کی گنجائش نہیں ہوتی۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے تخفیف کا ارادہ کیا، کیونکہ آپ پر درد اور مرض کا غلبہ تھا، اور اگر جو آپ لکھوانا چاہتے تھے اس کا لکھوانا ضروری ہوتا تو صحابہ کے اختلاف کی وجہ سے آپ اس کو ترک نہ فرماتے۔

اور سفیان بن عیینہ نے اہلِ علم سے یہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کو لکھوانے کا ارادہ فرمایا، پھر آپ نے اس کو اس وجہ سے ترک کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں جو ہونا ہے وہ ہو کر رہے گا۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو ابتداءً مرض لاحق ہوا جب آپ نے فرمایا تھا ''ہائے میرا سر'' تو آپ نے لکھنے کا ارادہ ترک کر دیا، پھر فرمایا: ''اور اللہ اور مومنون ابوبکر کے غیر پر انکار کر دیں گے'' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نماز میں مقدم کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر اقتصار کیا تاکہ مسائل میں اجتہاد اور استنباط کا دروازہ بند نہ ہو جائے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے پہلے یہ ارشاد فرما چکے ہیں۔

جب حاکم اجتہاد کرے اور صحیح حکم نکالے تو اس کے لیے دو اجر ہیں، اور اگر خطاء کرے تو اس کے لیے ایک اجر ہے۔
(صحیح البخاری: ۷۳۵۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول پر رد نہیں فرمایا اور اس میں یہ دلیل ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول صحیح تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لکھنے کے ارادہ کے باوجود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے منع کرنے کی توجیہ

اگر یہ سوال کیا جائے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مقابلہ میں اعتراض کرنے کا کیا جواز ہے؟ علامہ خطابی نے کہا: اس کی یہ وجہ نہیں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ وہم تھا کہ آپ کوئی غلط بات لکھوا دیں گے یا انہوں نے کسی ایسی چیز کا گمان کیا جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان کے لائق نہیں ہے لیکن انہوں نے یہ دیکھا کہ آپ پر درد کا غلبہ ہے اور وفات قریب ہے تو ان کو یہ خطرہ ہوا کہ ایسی حالت میں مریض ایسی بات کہتا ہے جس کا اس کو عزم نہیں ہوتا، پس ایسا نہ ہو کہ منافقین اس وجہ سے دین میں کوئی طعنہ زنی کریں۔

اور بعض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وثوق کے ساتھ وہ حکم نہ دیں تو صحابہ اس میں آپ سے پوچھ گچھ کرتے تھے جیسے حدیبیہ کے دن سر منڈانے کے معاملہ میں ہوا، اور مسلمانوں اور قریش کے درمیان صلح کے معاملہ میں ہوا، لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پورے عزم اور وثوق کے ساتھ کسی چیز کا حکم دیتے تو پھر کوئی آپ سے اس کے متعلق دوبارہ سوال نہیں کرتا تھا۔

علامہ خطابی نے کہا ہے: اکثر علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ جن امور میں وحی نازل نہیں ہوئی تھی ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر خطاء کا ہونا جائز ہے اور اس پر سب کا اجماع ہے کہ آپ خطاء پر برقرار نہیں رہتے تھے۔

نیز علامہ خطابی نے کہا: یہ بات معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا درجہ مخلوق میں سب سے بلند ہے، اس کے باوجود آپ عوارضِ

بشریہ سے خالی نہیں ہیں، کیونکہ نماز میں آپ کو سہو ہو جاتا تھا، تو اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مرض کی حالت میں بعض ایسے امور آپ پر عارض ہوئے ہوں، سو ایسی صورت میں توقف کیا جائے گا حتیٰ کہ آپ کے حکم کی حقیقت ظاہر ہو جائے، پس ان معانی اور ان کے مشابہ امور کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھنے کے حکم کو بجالانے میں توقف کیا۔

اور علامہ المازری نے بھی اسی کی مثل کہا ہے، انہوں نے لکھا کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اوامر کے ساتھ کبھی ایسے قرائن ہوتے ہیں جو اس کو مستحب سے وجوب کی طرف منتقل کرتے ہیں اور کبھی وجوب سے مستحب کی طرف منتقل کرتے ہیں، تو شاید حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر قرائن سے یہ ظاہر ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ لکھوانے کا ارادہ فرمایا ہے اس کو آپ نے واجب نہیں قرار دیا بلکہ اس کو صحابہ کے اختیار کی طرف راجع کر دیا اور شاید کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ اعتقاد کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم قصدِ جازم اور وثوق اور عزم کے ساتھ نہیں دیا۔

''وعندنا کتاب اللہ حسبنا'' کی توجیہ

یعنی ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی کتاب موجود ہے اور اس میں تمام احکامِ شرعیہ کو بیان کر دیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ۝ (الانعام:۳۸)
ہم نے کتاب میں کسی چیز کو نہیں چھوڑا، پھر وہ اپنے رب کی طرف جمع کیے جائیں گے O

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (المائدہ:۳)
آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا اور تمہارے لیے اسلام کو (بہ طور) دین پسند کر لیا۔

علامہ داؤدی متوفی ۴۰۲ھ نے اپنی شرح میں لکھا ہے کہ اس حدیث کی توجیہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ کلام فرمایا تھا جس کا اس حدیث میں ذکر نہیں ہے، اور اس کلام میں مسلمانوں کو کتاب اللہ پر برانگیختہ کیا تھا اور کتاب اللہ کے احکام پر عمل کرنے کی ترغیب دی تھی، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی تصدیق کے لیے کہا کہ ہمارے پاس اللہ کی کتاب موجود ہے اور وہ ہمیں کافی ہے۔

نیز اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میرے پاس ایک کتاب لاؤ میں تمہیں لکھ دوں''، اس میں یہ دلیل ہے کہ امام کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی وفات کے وقت امت کی فلاح اور بہتری کے لیے کچھ وصیت کرے، اور آپ نے جو لکھنے کو ترک کر دیا، اس میں اجتہاد کی اباحت ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو ان کے نفسوں اور ان کے اجتہاد کی طرف سپرد کر دیا۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۳ ص ۵۷۷۔۵۸۰، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۷۳۶۶، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''لما اشتد وجعہ'' یعنی جب آپ کا مرض قوی ہو گیا، اس کا معنی ہے کہ آپ کی وفات کے مرض

میں یہ ہوا۔اور امام بخاری نے ''المغازی'' میں لکھا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وفات آئی اور سعید بن جبیر کی حدیث میں ہے کہ یہ جمعرات کا دن تھا،اور یہ آپ کی وفات سے چار دن پہلے کا واقعہ ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''ایتونی بکتاب'' یعنی میرے پاس لکھنے کے آلات کو لاؤ،اور صحیح مسلم میں مذکور ہے ''میرے پاس کندھے کی ہڈی اور دوات لاؤ'' اور کندھے کی ہڈی سے مراد ہے بڑا کندھا، کیونکہ اس زمانہ میں لوگ اس پر لکھتے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''اکتب'' اس میں مجاز ہے یعنی میں لکھنے کا حکم دوں،اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ اپنے ظاہر پر محمول ہو کہ میں کچھ لکھ دوں۔

اور مسند احمد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ میں آپ کے پاس ایک طباق یعنی کندھے کی ہڈی لاؤں، آپ اس میں ایسی چیز لکھ دیں جس سے آپ کے بعد آپ کی امت گمراہ نہ ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''غلبه الوجع'' یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مرض کا غلبہ ہے تو آپ کے اوپر کچھ لکھوانا دشوار ہوگا یا خود لکھنا دشوار ہوگا۔

علامہ قرطبی وغیرہ نے کہا ہے کہ ''ایتونی'' (میرے پاس لاؤ) امر ہے،اور مامور کا حق یہ ہے کہ اس پر عمل کرنے میں جلدی کی جائے ،لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ایک جماعت پر یہ ظاہر ہوا کہ یہ امر وجوب کے لیے نہیں ہے اور یہ زیادہ بہتر کام کی طرف رہنمائی کے لیے ہے، پس انہوں نے اس کو ناپسند کیا کہ آپ کی بیماری کی حالت میں آپ کو اس کام کا مکلف کریں جو آپ پر دشوار ہو، جب کہ ان کے دماغوں میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد موجود تھا ''مَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ'' اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ''وَ نَزَّلْنَا عَلَیْكَ الْکِتٰبَ تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ (النحل:۸۹)'' (اور ہم نے آپ پر ایسی کتاب نازل کی ہے جس میں ہر چیز کا روشن بیان ہے) اس وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہمیں کتاب اللہ کافی ہے۔

اور صحابہ کی دوسری جماعت کے نزدیک یہ ظاہر ہوا کہ اولیٰ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لکھیں، کیونکہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی فرمانبرداری ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ وضاحت کے ساتھ احکام لکھیں گے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ''تم اٹھ جاؤ'' اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا حکم بہ طور اختیار تھا، یہی وجہ ہے کہ اس حکم دینے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کئی دنوں تک زندہ رہے اور دوبارہ آپ نے لکھنے کا حکم نہیں دیا، اگر یہ لکھنا واجب ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے اختلاف کی وجہ سے لکھنے کو ترک نہ کرتے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مخالف کی مخالفت کی وجہ سے تبلیغ کو ترک نہیں کیا۔ اور بے شک صحابہ آپ کے بعض احکام میں آپ سے دوبارہ رجوع کرتے تھے اور جب آپ عزم اور وثوق کے ساتھ کسی کام کا حکم دیتے تو فرمانبرداری کرتے تھے اور اس کی پوری تفصیل ان شاء اللہ ''کتاب الاعتصام'' میں آئے گی۔

(میں کہتا ہوں کہ حافظ ابن حجر عسقلانی کا ابتداء میں یہ ارادہ ہوگا کہ وہ کتاب الاعتصام میں اس بحث کو تفصیل کے ساتھ لکھیں گے لیکن وہ اپنی عادت کے مطابق بھول گئے اور کتاب الاعتصام میں انہوں نے اس کی شرح میں صرف ایک سطر لکھی ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو کہا کہ آپ پر درد کا غلبہ ہے اور ہمارے پاس اللہ کی کتاب موجود ہے، یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فراست تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا لکھنا یا لکھوانا چاہتے تھے؟

ایک قول یہ ہے کہ آپ نے ارادہ فرمایا کہ آپ تصریح کے ساتھ احکام لکھ دیں تا کہ بعد میں ان احکام میں امت کا اختلاف نہ ہو۔ (مثلاً قرآنِ مجید میں ہے: ''یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ''(البقرہ:۲۲۸)، (پس وہ اپنے آپ کو تین قروء تک (عقدِ ثانی) سے روکے رکھیں، اور ''قرء'' کا معنی حیض بھی ہے اور طہر بھی ہے، فقہاء احناف نے اس کا معنی حیض کیا ہے اور فقہاء شافعیہ نے اس کا معنی طہر کیا ہے تو آپ نے ارادہ فرمایا کہ آپ تصریح فرما دیں کہ یہاں مراد تین حیض تک اپنے آپ کو روکنا ہے یا تین طہر تک تا کہ پھر امت میں اختلاف نہ ہو، لیکن آپ نے امت کے اجتہاد اور استنباط کو برقرار رکھنے کے لیے اپنے اس ارادہ پر عمل نہیں فرمایا)۔

دوسرا قول یہ ہے کہ بلکہ آپ نے یہ ارادہ فرمایا تھا کہ آپ اپنے بعد خلفاء کے ناموں کی تصریح فرما دیں تا کہ مسلمانوں میں اس مسئلہ میں افتراق نہ ہو، سفیان بن عیینہ نے کہا: اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض کی ابتداء میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا: میرے لیے اپنے والد اور اپنے بھائی کو بلاؤ حتیٰ کہ میں ان کے لیے ایک مکتوب لکھ دوں، کیونکہ مجھے خطرہ ہے کہ کوئی تمنا کرنے والا تمنا کرے گا اور کوئی کہنے والا کہے گا کہ میں ہی ہوں اور کوئی نہیں، اور اللہ تعالیٰ اور مومنین ابوبکر کے غیر پر انکار کر دیں گے، اس حدیث کی امام مسلم نے روایت کی ہے اور امام بخاری نے بھی اسی معنی کے قریب روایت کی ہے، اس کے باوجود آپ نے نہیں لکھا، اور پہلا قول زیادہ ظاہر ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہمیں اللہ کی کتاب کافی ہے، اس کے باوجود دوسرے قول کا بھی احتمال ہے۔

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ذہن اس طرف گیا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مسائل میں تصریح فرما دی جس کی وجہ سے امت میں اختلاف نہ ہو تو علماء کی فضیلت باطل ہو جائے گی اور اجتہاد کی گنجائش نہیں رہے گی، علامہ ابن الجوزی نے اس پر تعاقب کیا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی ایک چیز یا متعدد چیزوں کی تصریح فرما دیتے تب بھی اجتہاد باطل نہ ہوتا، کیونکہ پیش آمدہ مسائل اور حوادث تو غیر متناہی ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو صرف یہ خوف ہوا تھا کہ آپ غلبۂ مرض کے حال میں کوئی ایسی چیز نہ لکھ دیں جس کی وجہ سے منافقین اس لکھے ہوئے کے اوپر طعن کریں۔ (فتح الباری ج ۱۷ ص ۶۵۸۔ ۶۵۹، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۲۷۔ بَابُ: نَهْيِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم عَلَى التَّحْرِيمِ إِلَّا مَا تُعْرَفُ إِبَاحَتُهُ وَكَذٰلِكَ أَمْرُهُ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی کام سے منع فرمانا تحریم کے لیے ہوتا ہے سوا ان کاموں کے جن کا مباح ہونا معروف ہو، اسی طرح آپ کا حکم دینا (وجوب کے لیے ہوتا ہے)

امام بخاری اس عنوان کے بعد لکھتے ہیں:

نَحْوَ قَوْلِهِ حِينَ أَحَلُّوا: أَصِيبُوا مِنَ النِّسَاءِ، وَقَالَ جَابِرٌ: وَلَمْ يَعْزِمْ عَلَيْهِمْ، وَلٰكِنْ أَحَلَّهُنَّ لَهُمْ۔

جیسے جب صحابہ نے احرام کھول دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنی بیویوں سے جماع کرو، حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ان کے لیے عزم نہیں فرمایا تھا لیکن ان کے لیے بیویوں سے جماع کو حلال کر دیا تھا۔

وَقَالَتْ أُمُّ عَطِيَّةَ: نُهِينَا عَنِ اتِّبَاعِ الْجَنَازَةِ، وَلَمْ يُعْزَمْ عَلَيْنَا۔

اور حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ہمیں جنازہ کے ساتھ جانے سے منع کیا گیا اور اس کا ہم پر عزم نہیں کیا گیا۔

باب مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

نہی کی حقیقت تحریم ہے اور امر کی حقیقت وجوب ہے

یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کام سے منع فرمائیں تو وہ حقیقت میں بطور تحریم ہے، سوا اس کے کہ سیاق یا قرینہ حالیہ سے یا کسی دلیل سے یہ معلوم ہو کہ یہ کام مباح ہے، تو اب نہی تحریم کے لیے نہیں ہوگی، اور اسی طرح آپ کا امر یعنی جب آپ کسی چیز کا حکم دیں تو اس کی مخالفت کرنا حرام ہے اور اس حکم کے مطابق عمل کرنا واجب ہے جب تک کہ اس پر دلیل قائم نہ ہو کہ آپ کا یہ حکم دینا بطور استحباب یا بطور اباحت ہے۔

باب مذکور کی تعلیق کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

امر کے صیغہ اور نہی کے صیغہ کے تقاضوں میں اصولیین کا اختلاف

یعنی جب حجۃ الوداع میں مسلمانوں نے احرام کھول دیا جب آپ نے ان کو حکم دیا کہ حج کو عمرہ کی طرف فسخ کر دیں اور عمرہ کا احرام کھول دیں اور امر سے مراد ''اِفْعَل'' کا صیغہ ہے اور نہی سے مراد ''لَا تَفْعَل'' کا صیغہ ہے، یعنی فلاں کام کرو یا فلاں کام نہ کرو۔

اور اس میں علماء اصول کا اختلاف ہے کہ جب صحابی یہ کہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح حکم دیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس کام سے منع فرمایا ہے تو اکثر متقدمین کے نزدیک راجح یہ ہے کہ اس میں کوئی فرق نہیں ہے، اور بعض اصولیین نے امر کے صیغہ کی سترہ اقسام بیان کی ہیں، اور نہی کے صیغہ کی آٹھ اقسام بیان کی ہیں۔

اور قاضی ابوبکر بن طیب نے امام مالک اور امام شافعی سے نقل کیا ہے کہ ان کے نزدیک امر کا صیغہ وجوب پر محمول ہوتا ہے اور نہی کا صیغہ تحریم پر محمول ہوتا ہے حتیٰ کہ کوئی دلیل اس کے خلاف پر دلالت کرے۔

علامہ ابن بطال مالکی نے کہا ہے: یہ جمہور کا قول ہے اور اکثر شافعیہ وغیرہ نے کہا ہے کہ امر کا صیغہ استحباب پر محمول ہوتا ہے اور نہی کا صیغہ کراہت پر محمول ہوتا ہے حتیٰ کہ امر کے صیغہ میں وجوب کی دلیل قائم ہو جائے اور نہی کے صیغہ میں تحریم کی دلیل قائم ہو جائے اور ان میں سے اکثر نے توقف کیا ہے اور ان کے توقف کا سبب یہ ہے کہ امر کا صیغہ وجوب کے لیے آتا ہے اور ندب کے لیے آتا ہے اور اباحت کے لیے آتا ہے اور رہنمائی کرنے کے لیے آتا ہے، اور جمہور کی دلیل یہ ہے کہ جس نے امر کے مطابق عمل کیا تو وہ تعریف کا مستحق ہوگا اور جس نے امر کے تقاضا پر عمل کو ترک کیا تو وہ مذمت کا مستحق ہوگا اور نہی کے صیغہ میں اس کے برعکس معاملہ ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ۭ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ

تم رسول کے بلانے کو ایسا نہ قرار دو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو، بے شک اللہ ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو تمہارے

مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ (النور: ۶۳)

درمیان سے کسی کی آڑ میں چپکے سے نکل جاتے ہیں، سو جو لوگ رسول کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں وہ اس سے ڈریں کہ انہیں کوئی مصیبت پہنچ جائے یا انہیں کوئی دردناک عذاب پہنچ جائے O

اس آیت میں ان لوگوں پر عذاب کی وعید ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امر یعنی آپ کے حکم دینے کے بعد اپنے قول یا فعل سے آپ کے حکم کی مخالفت کریں، سو اس سے معلوم ہوا کہ امر کا صیغہ وجوب کے لیے آتا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ''اصیبوا من النساء'' اس کا معنی ہے: اپنی بیویوں سے جماع کرو، اس میں احرام کھولنے کے مبالغہ کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ جماع حج کے افعال کو فاسد کر دیتا ہے اور دیگر احرام کے محرمات کو فاسد نہیں کرتا۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۴۸۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۳۶۷۔ حَدَّثَنَا الْمَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ عَطَاءٌ قَالَ جَابِرٌ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ بَكْرٍ الْبُرْسَانِيُّ حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عَطَاءٌ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ فِي أُنَاسٍ مَعَهُ قَالَ أَهْلَلْنَا أَصْحَابَ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فِي الْحَجِّ خَالِصًا لَيْسَ مَعَهُ عُمْرَةٌ قَالَ عَطَاءٌ قَالَ جَابِرٌ فَقَدِمَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم صُبْحَ رَابِعَةٍ مَضَتْ مِنْ ذِي الْحِجَّةِ فَلَمَّا قَدِمْنَا أَمَرَنَا النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم أَنْ نَحِلَّ وَقَالَ أَحِلُّوا وَأَصِيبُوا مِنَ النِّسَاءِ قَالَ عَطَاءٌ قَالَ جَابِرٌ وَلَمْ يَعْزِمْ عَلَيْهِمْ وَلَكِنْ أَحَلَّهُنَّ لَهُمْ فَبَلَغَهُ أَنَّا نَقُولُ لَمَّا لَمْ يَكُنْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ عَرَفَةَ إِلَّا خَمْسٌ أَمَرَنَا أَنْ نَحِلَّ إِلَى نِسَائِنَا فَنَأْتِي عَرَفَةَ تَقْطُرُ مَذَاكِيرُنَا الْمَذْيَ قَالَ وَيَقُولُ جَابِرٌ بِيَدِهِ هَكَذَا وَحَرَّكَهَا فَقَامَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ قَدْ عَلِمْتُمْ أَنِّي أَتْقَاكُمْ لِلّٰهِ وَأَصْدَقُكُمْ وَأَبَرُّكُمْ وَلَوْلَا هَدْيِي لَحَلَلْتُ كَمَا تَحِلُّونَ فَحِلُّوا فَلَوِ اسْتَقْبَلْتُ مِنْ أَمْرِي مَا اسْتَدْبَرْتُ مَا أَهْدَيْتُ فَحَلَلْنَا وَسَمِعْنَا وَأَطَعْنَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں المکی بن ابراہیم نے حدیث بیان کی از ابن جریج، انہوں نے کہا: عطاء نے بیان کیا کہ جابر نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ابوعبداللہ نے کہا اور محمد بن بکر البُرسانی نے کہا، انہوں نے کہا: ہمیں ابن جریج نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عطاء نے خبر دی، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے سنا اس وقت وہ لوگوں کے ساتھ تھے، انہوں نے بیان کیا کہ ہم اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے ایام میں احرام باندھا خالص حج کا احرام جس کے ساتھ عمرہ نہیں تھا، عطاء نے بتایا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا: پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چار ذی الحجہ کی صبح کو تشریف لائے، پس جب ہم آپ کے پاس آئے تو آپ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم احرام کھول دیں اور آپ نے فرمایا: ''احرام کھول دو اور اپنی عورتوں سے جماع کرو'' عطاء نے بتایا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ نے انہیں یہ حکم وثوق اور عزم کے ساتھ نہیں دیا، لیکن ان مسلمانوں کے لیے ان کی بیویوں کو حلال کر دیا، پس آپ کو یہ خبر پہنچی کہ ہم یہ کہہ رہے تھے کہ جب ہمارے اور یومِ عرفہ کے درمیان صرف پانچ دن رہ گئے تو آپ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم اپنی بیویوں سے جماع کریں، پس ہم اس حال میں میدانِ عرفہ میں آئیں گے کہ ہمارے ذکروں سے مذی ٹپک رہی ہوگی، عطاء نے بتایا: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ اپنے ہاتھ سے اس طرح اشارہ کرتے

تھے اور اپنے ہاتھوں کو حرکت دی (یعنی ہاتھ سے اشارہ کر کے بتایا کہ اس طرح منی ٹپک رہی ہوگی)، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور فرمایا: "بے شک تم جانتے ہو کہ میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور تم سب سے زیادہ سچ بولنے والا ہوں اور تم سب سے زیادہ نیکی کرنے والا ہوں، اور اگر میرے پاس قربانی کا جانور نہ ہوتا تو میں بھی اسی طرح احرام کھول دیتا جس طرح تم احرام کھول رہے ہو، سو تم احرام کھول دو، اگر میں اس بات کی طرف پہلے متوجہ ہو جاتا جس کی طرف بعد میں متوجہ ہوا ہوں تو میں قربانی کا جانور ساتھ نہ لیتا" (یعنی قران نہ کرتا) پس ہم نے احرام کھول دیا اور ہم نے آپ کا خطاب سنا اور ہم نے آپ کی اطاعت کی۔

(صحیح مسلم: ۱۲۴۰، سنن نسائی: ۲۸۰۵، سنن ابوداؤد: ۱۷۸۸، سنن ابن ماجہ: ۱۹۸۰، مسند احمد: ۱۴۰۰۰)

صحیح البخاری: ۷۳۶۷، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ہم اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا احرام باندھا جس کے ساتھ عمرہ نہیں تھا"۔

یہ اس پر محمول ہے کہ جس طرح انہوں نے ابتداء کی تھی پھر بعد میں انہیں اجازت دی گئی کہ عمرہ کو حج پر داخل کر دیں اور پھر بعد میں حکم دیا کہ حج کے احرام کو عمرہ کی طرح فسخ کر دیں تو صحابہ کی تین قسمیں ہوگئیں جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ بعض ہم میں سے وہ تھے جنہوں نے حج کا احرام باندھا تھا اور بعض ہم میں سے وہ تھے جنہوں نے عمرہ کا احرام باندھا تھا اور ہم میں سے بعض وہ تھے جنہوں نے حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھا تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ولم یعزم علیھم" یعنی آپ نے وثوق اور عزم کے ساتھ نہیں فرمایا تھا کہ تم اپنی بیویوں سے جماع کرو، کیونکہ یہ امر جس کا ذکر کیا گیا ہے اباحت کے لیے تھا، اسی لیے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا: لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے لیے ان کی بیویوں کو حلال کر دیا تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فناتی عرفة تقطر مذاکیرنا المذی" یعنی ہم اس حال میں میدانِ عرفہ میں جائیں گے کہ ہمارے آلاتِ تناسل سے مذی ٹپک رہی ہوگی۔ اور المستملی کی روایت میں منی کا لفظ ہے یعنی ہم میں سے کوئی ایک منیٰ کی طرف اس حال میں جائے گا کہ اس کے ذکر سے منی ٹپک رہی ہوگی، اور منیٰ کا اس لیے ذکر کیا ہے کہ وہ عرفات کی طرف جانے سے پہلے منیٰ کی طرف جاتے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''ویقول جابر بیدہ ھکذا وحرکھا'' یعنی حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ کو جھکایا، اور دوسری روایت میں ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اپنی ہتھیلی سے اشارہ کیا، علامہ کرمانی نے کہا: یہ اشارہ قطرے ٹپکنے کی کیفیت کو بیان کرنے کے لیے ہے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ اشارہ قطرے ٹپکنے کے محل کی طرف ہو، اور اسماعیلی کی روایت میں ہے کہ گویا کہ میں ان کے ہاتھ کی طرف دیکھ رہا تھا وہ اپنے ہاتھ کو حرکت دے رہے تھے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۴۸۵۔۴۸۶، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

(میں کہتا ہوں: خلاصہ یہ ہے کہ صحابہ کو یہ دشوار لگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنے احرام پر قائم ہوں اور آپ جماع سے مجتنب ہوں اور ہمیں جب جماع کرنے کی اجازت دے دی ہے اور ہم ان ایام میں جماع کریں گے تو ہمارے ذکروں سے منی گر رہی ہوگی تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے محروم رہیں گے، تو انہوں نے اپنے رنج کا اظہار اس طرح سے کیا کہ ہم منیٰ میں اس حال میں جائیں گے کہ ہمارے ذکروں سے منی گر رہی ہوگی، یہ انہوں نے از روئے مبالغہ کہا ورنہ ظاہر ہے کہ جماع کرنے کے فوراً بعد تو منیٰ کی طرف وہ نہ جاتے بلکہ جماع سے فارغ ہو کر غسل کرنے کے بعد منیٰ کی طرف جاتے لیکن شدتِ رنج کی وجہ سے انہوں نے مبالغۃً اس طرح کہا۔ سعیدی غفرلہٗ)

صحیح البخاری: ۷۳۶۷، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نہی کے صیغہ کے مدلول کے متعلق فقہاء کے اقوال

اس باب میں ائمہ کا اختلاف ہے، پس علامہ ابن الباقلانی نے امام شافعی سے نقل کیا ہے کہ ان کے نزدیک نہی کا صیغہ تحریم اور ایجاب پر دلالت کرتا ہے اور یہ اکثر علماء کا قول ہے، اور اصحابِ مالک اور اصحابِ ابوحنیفہ اور اصحابِ شافعی اور اہل ظاہر کی جماعت اور جمہور نے یہ کہا ہے کہ کسی چیز سے نہی اور ممانعت اس چیز کے فساد پر دلالت کرتی ہے جس سے منع کیا جائے۔

علامہ ابن بطال مالکی فرماتے ہیں: یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان کے نزدیک نہی اور ممانعت کا صیغہ تحریم اور ایجاب پر محمول ہے اور اسی طرح اکثر فقہاء کا امر اور حکم کے متعلق قول ہے، اور دوسرے فقہاء نے یہ کہا ہے کہ امر کا صیغہ مامور کو واجب کرنے پر دلالت کرتا ہے سوا اس کے کہ کوئی دلیل اس پر قائم ہو کہ وہ مستحب ہے، اور ابوتمام نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ ان کے نزدیک امر وجوب پر محمول ہوتا ہے اور امام بخاری کا بھی اس باب میں یہی مذہب ہے کہ نہی اور امر دونوں وجوب پر دلالت کرتے ہیں، یعنی نہی کا صیغہ ممانعت کے وجوب پر اور فعل کے ترک کے وجوب پر دلالت کرتا ہے اور امر کا صیغہ فعل کے وجوب پر دلالت کرتا ہے سوا اس کے کہ اس کے خلاف کوئی دلیل قائم ہو، اور اشعریہ کا مذہب یہ ہے کہ نہی کا صیغہ تحریم کا تقاضا نہیں کرتا بلکہ اس میں توقف کیا جائے گا حتیٰ کہ کسی دلیل سے اس کا حکم ظاہر ہو۔

علامہ ابن الطیب نے کہا ہے: یہ فقہاء کی ایک جماعت ہے اور اکثر اصحابِ شافعی نے یہ کہا ہے کہ امر کا صیغہ فعل کے استحباب کے لیے موضوع ہے اگر اس کے ساتھ کوئی ایسی دلیل مقترن ہو جو اس کے ترک کی کراہیت پر دلالت کرتی ہو یعنی اس کے ترک پر مذمت ہو یا عذاب کی وعید ہو تو پھر وہ واجب ہوگا، اور اکثر فقہاء کا یہی قول ہے، امام شافعی نے اس پر اس آیت سے استدلال کیا ہے:

وَأَشْهِدُوٓا۟ إِذَا تَبَايَعْتُمْ (البقرہ: ۲۸۲) اور جب تم آپس میں خرید و فروخت کرو تو گواہ بنا لیا کرو۔

اس آیت میں گواہ بنانے کا حکم بطور استحباب ہے۔
علامہ ابن الطیب نے کہا کہ امام شافعی کی بعض عبارات اس پر دلالت کرتی ہیں کہ ان کا مذہب توقف ہے اور امام ابوالحسن الاشعری اور اکثر فقہاء اور متکلمین نے کہا کہ امر کا صیغہ دونوں باتوں کا احتمال رکھتا ہے، ابن الطیب نے کہا: ہم بھی یہی کہتے ہیں۔
اور دوسرے فقہاء نے کہا کہ جمہور کی دلیل یہ ہے کہ نہی تحریم پر دلالت کرتی ہے اور یہ لغت کے اعتبار سے اس کا تقاضا ہے، کیونکہ جس شخص نے وہ کام کیا جس سے اس کو منع کیا گیا تھا تو وہ نافرمانی کے اسم کا مستحق ہوتا ہے، کیونکہ صرف اسی کام سے منع کیا جاتا ہے جو قبیح ہوتا ہے اور امت نے محض اللہ تعالیٰ کے منع کرنے اور اس کے رسول کے منع کرنے سے نہی کے صیغہ سے زنا کی تحریم کو سمجھا ہے اور محرمات سے نکاح کی تحریم کو اور دو بہنوں کو جمع کرنے کی تحریم کو، اور اس کے سوا اور تحریم پر کوئی دلیل نہیں ہے۔
علامہ ابوتمام نے کہا کہ امر کے وجوب کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں مطلقاً امر کا ذکر کیا اور کسی قرینہ کے ساتھ نہیں ملایا، اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کیا، پس معلوم ہوا کہ امر کا اطلاق اس کے وجوب کا تقاضا کرتا ہے اور اگر اسے کسی قرینہ کی ضرورت ہوتی تو قرینہ اس کے ساتھ ملایا جاتا۔
اور عرب قرائن کو نہیں پہچانتے، یہ وہ چیز ہے جس کو متاخر متکلمین نے ایجاد کیا ہے، پس یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ لفظِ امر کی لغت میں کوئی تاثیر نہیں ہوتی اور وہ قرینہ کا محتاج ہوتا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ (النور: ٦٣)

سو جو لوگ رسول کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں وہ اس سے ڈریں کہ انہیں کوئی مصیبت پہنچ جائے یا انہیں کوئی دردناک عذاب پہنچ جائے ○

پس اس آیت میں امر کی مخالفت پر جو وعید ذکر کی گئی ہے وہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ امر وجوب کے لیے ہے۔
اور جو لوگ کہتے ہیں کہ امر میں توقف کرنا چاہیے اور دلیل کو طلب کرنا چاہیے، ان کی حجت یہ ہے کہ امر سے کئی معانی کا ارادہ کیا جاتا ہے، پس ضروری ہے کہ اس میں غور کیا جائے کہ یہاں کون سا معنی مراد ہے، اگر کسی قرینہ سے کوئی معنی ثابت ہو جائے تو اس پر محمول کیا جائے گا ورنہ ظاہر یہ ہے کہ امر کو وجوب پر محمول کیا جائے گا، کیونکہ جب کوئی کہنے والا کہتا ہے: یہ کام کرو تو اس سے یہ نہیں سمجھا جاتا کہ اگر تم چاہو تو یہ کام کرو سوا اس کے کہ یہاں کوئی ایسا قرینہ ہو جو تخییر پر دلالت کرے اور جب یہ قرینہ نہ ہو تو پھر امر کو وجوب پر محمول کیا جائے گا۔
علامہ ابن بطال کہتے ہیں کہ امام بخاری نے اس باب میں جو آثار اور احادیث ذکر کیے ہیں وہ اس قول کے بطلان پر دلالت کرتے ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کو احرام کھولنے کا حکم دیا اور اپنی بیویوں سے جماع کرنے کا حکم دیا تو آپ نے یہ واضح کیا کہ ان کو اپنی عورتوں کے ساتھ جماع کا حکم دینا بطور عزم کے نہیں ہے اور اگر ایسا نہ ہوتا تو ان مردوں کا اپنی عورتوں سے جماع کرنا واجب ہوتا۔ اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو جنازوں کے ساتھ جانے سے منع کیا اور یہ ممانعت عزم اور تحریم کی نہیں تھی۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صحابہ کو اپنے پاس سے اٹھنے کا حکم دیا تو یہ حکم بھی وجوب کے لیے نہیں تھا، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھنے کو ترک کرنے کے متعلق اس وجہ سے تھی کہ آپ پر درد کا غلبہ تھا، کیونکہ ان کو یہ علم تھا اور

مومنین کی جماعت کو یہ علم تھا کہ اللہ تعالیٰ نے دین کو کامل کر دیا، پس یہ وہم کرنا جائز نہیں ہے کہ یہاں پر کوئی ایسی چیز باقی تھی کہ جس کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ کرنی تھی، کیونکہ اللہ تعالیٰ یہ فرما چکا ہے:

يَاأَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ۖ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ. (المائدہ: ٦٧)

اے رسول! جو آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس کو پہنچا دیجئے، اور اگر (بالفرض) آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اپنے رب کا پیغام نہیں پہنچایا۔

پس اس سے یہ واضح ہو گیا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا کہ ''میں تمہیں ایسی کتاب لکھ دوں جس کے بعد تم گمراہ نہ ہو'' یہ اسی پر محمول ہے جس کی طرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اشارہ کیا تھا۔

(شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ١٠ ص ٤٠٥۔٤٠٦، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ١٤٢٤ھ)

٧٣٦٨۔ حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنِ الْحُسَيْنِ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ الْمُزَنِيُّ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ صَلُّوا قَبْلَ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ قَالَ فِي الثَّالِثَةِ لِمَنْ شَاءَ كَرَاهِيَةَ أَنْ يَتَّخِذَهَا النَّاسُ سُنَّةً.

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو معمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الوارث نے حدیث بیان کی از الحسین از ابن بریدہ، انہوں نے کہا: مجھے عبد اللہ المزنی نے حدیث بیان کی از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: مغرب کی نماز سے پہلے نماز پڑھو، اور تیسری مرتبہ فرمایا: جو چاہے، اس کو ناپسند کرنے کی وجہ سے کہ لوگ مغرب سے پہلے نماز پڑھنے کو سنت قرار دیں۔

(صحیح البخاری: ١١٨٣، ٧٣٦٨، سنن ابوداؤد: ١٢٨١، مسند احمد: ٢٠٠٢٩)

صحیح البخاری: ٧٣٦٨، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ٨٥٥ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی بابِ مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت حدیث کے ان الفاظ میں ہے: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مغرب سے پہلے نماز پڑھنا اس کے لیے ہے جو چاہے'' اس میں یہ اشارہ ہے کہ امر کی حقیقت وجوب ہے مگر جب کوئی قرینہ اس پر دلالت کرے کہ فعل اور ترک کے درمیان اختیار ہے تو پھر وجوب کے لیے نہیں ہوگا اور آپ کا ارشاد ''لمن شاء'' اس طرف اشارہ ہے کہ ان الفاظ نے امر کو وجوب پر محمول کرنے سے ہٹا دیا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''کراھیۃ'' یعنی اس کو مکروہ قرار دیتے ہوئے کہ لوگ مغرب سے پہلے نماز کو سنت بنالیں گے، یعنی طریقہ لازمہ بنالیں گے کہ جس کو ترک کرنا جائز نہ ہو یا سنتِ مؤکدہ بنالیں گے کہ اس کا ترک کرنا مکروہ ہو۔

(عمدۃ القاری ج ٢٥ ص ١١٧، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ١٤٢١ھ)

میں کہتا ہوں کہ امام ابوحنیفہ کا موقف یہ ہے کہ مغرب کی نماز جلدی پڑھی جائے، اسی وجہ سے برصغیر کے جن علاقوں میں فقہاء احناف کی اکثریت ہے وہاں پر مغرب کی اذان کے بعد دو رکعت سنت پڑھنے کا رواج نہیں ہے، لیکن حرمین طیبین میں مغرب کی اذان ہوتے ہی مسجدِ حرام اور مسجدِ نبوی میں سب لوگ کھڑے ہو کر دو رکعت نماز پڑھتے ہیں، لیکن چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سنت نہیں قرار دیا اور فرمایا "جو چاہے" تو اس وجہ سے فقہاءِ احناف کے لیے یہ گنجائش ہے کہ وہ مغرب کی اذان کے بعد نماز سے پہلے دو رکعت نماز نہ پڑھیں، سو ہمارے علاقوں میں یہی رواج ہے کہ مغرب کی اذان کے بعد مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعت نہیں پڑھی جاتیں، لیکن اگر یہ دو رکعت پڑھی جائیں جیسے حرمین طیبین میں پڑھی جاتی ہیں تو بہتر ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۲۸۔ بَابٌ: قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: وَ اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ (الشوریٰ:۳۸)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اور ان کے کام باہمی مشوروں سے ہوتے ہیں"۔

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ باب اللہ عزوجل کے اس ارشاد کے بیان میں ہے "اور ان کے کام باہمی مشوروں سے ہوتے ہیں"۔

اور اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ (آل عمران:۱۵۹) اور (اہم) کاموں میں ان سے مشورہ لیں۔

صحابہ کرام سے مشورہ کرنے کے حکم دینے کی حکمتیں

اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے اصحاب سے مشورہ کرنے کا حکم دیا ہے، پس ایک جماعت نے کہا کہ جنگ کی سازشوں میں اور جب دشمن سے مقابلہ ہو تو آپ اپنے اصحاب سے مشورہ کریں تا کہ آپ کے اصحاب کی دلجوئی ہو اور ان کو اپنے دین پر الفت ہو اور تا کہ وہ یہ سمجھیں کہ ان کی بات سنی جاتی ہے اور ان سے مدد حاصل کی جاتی ہے، اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی وحی کے سبب سے اصحاب کی رائے سے مستغنی کر دیا، یہ قتادہ، ربیع اور ابنِ اسحاق کی تفسیر ہے۔

اور دوسری جماعت نے کہا: جن معاملات میں آپ کے پاس وحی نازل نہیں ہوئی، ان میں آپ اپنے اصحاب سے مشورہ کریں تا کہ آپ انہیں بتائیں کہ درست رائے کس کی ہے۔

اور حسن اور الضحاک سے روایت ہے، ان دونوں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو مشورہ کرنے کا حکم دیا ہے اس کی یہ وجہ نہیں ہے کہ آپ کو ان کی رائے کو جاننے کی ضرورت تھی، آپ نے صرف یہ ارادہ کیا کہ آپ اپنے اصحاب کو تعلیم دیں کہ مشورہ کرنے میں کتنی فضیلت ہے۔

اور دوسروں نے کہا: آپ کو مشورہ کرنے کا حکم دیا ہے حالانکہ آپ ان کے مشورہ سے مستغنی تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ خود آپ کے معاملات کی تدبیر کرتا ہے اور آپ کے معاملات کا انتظام کرتا ہے، تو مشورہ کرنے کا حکم اس لیے دیا تا کہ بعد والوں کے لیے مشورہ کرنا سنت ہو جائے اور جن امور کے متعلق قرآن مجید کی آیت نازل نہیں ہوئی ہے، ان میں مشورہ کر کے لوگ آپ کی اقتداء کریں۔

الثوری نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشورہ کرنے کو متعدد جگہ سنت قرار دیا، آپ نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے غزوۂ بدر کے قیدیوں کے متعلق مشورہ کیا اور آپ نے اپنے اصحاب سے حدیبیہ کے دن مشورہ کیا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۱۱۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

بابِ مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

''وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ'' اس کی تفسیر میں امام بخاری نے ''الادب المفرد'' میں اور امام ابن ابی حاتم نے سندِ قوی کے ساتھ حسن بصری سے روایت کی ہے، انہوں نے بیان کیا: جس قوم نے جب بھی مشورہ کیا تو اللہ تعالیٰ ان کو اس سے افضل چیز کی ہدایت دیتا ہے جو ان کے سامنے ہو، اور ایک عبارت یوں ہے کہ جو قوم مشورہ کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان کو نیکی کی ہدایت دیتا ہے یا اس چیز کی ہدایت دیتا ہے جس میں ان کا نفع ہوتا ہے۔

اور دوسری آیت یعنی ''وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ'' اس کی تفسیر میں امام ابن ابی حاتم نے سندِ حسن کے ساتھ حسن بصری سے یہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم تھا کہ آپ کو صحابہ کے مشورہ کی ضرورت نہیں، لیکن آپ نے یہ ارادہ کیا کہ آپ کے بعد مشورہ کرنے کی سنت قائم ہو جائے۔

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اپنے اصحاب سے مشورہ کرتا ہو۔ اس حدیث کے رجال ثقہ ہیں مگر اس کی سند منقطع ہے۔

اور ''کتاب الشروط'' میں حضرت المسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث گزر چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس قوم کے متعلق مجھے مشورہ دو'' اور اس میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا جواب ہے اور یہ مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل کیا جس کا حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے مشورہ دیا تھا اور صلح حدیبیہ میں یہ حدیث بہت طویل ہے۔

امام بخاری نے بیان کیا:

وَأَنَّ الْمُشَاوَرَةَ قَبْلَ الْعَزْمِ وَالتَّبَيُّنِ لِقَوْلِهِ تَعَالَىٰ: فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ (آل عمران: ۱۵۹)

یعنی عزم اور بیان سے پہلے مشورہ کریں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اور جب آپ (کسی کام کا) عزم کر لیں تو اللہ پر توکل کریں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی جب میں آپ کو ہدایت دے دوں تو آپ کسی دوسرے کی طرف رجوع نہ کریں، گویا کہ مشاورت اس وقت مشروع ہے جب عزم نہ ہوا ور یہ واضح ہے۔

اس میں اختلاف ہے کہ کس چیز میں مشاورت کے متعلق حکم ہے، پس ایک قول یہ ہے کہ ہر اس چیز میں مشورہ کریں جس میں کوئی نصِ صریح وارد نہیں ہوئی، دوسرا قول یہ ہے کہ فقط دنیاوی امر میں مشورہ کریں۔

علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف جنگ کے ان معاملات میں مشورہ کرتے تھے جن کے متعلق کوئی حکم وارد نہ ہوا ہو، اور انہوں نے کہا: جس کا یہ زعم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احکام میں مشورہ کرتے تھے تو اس نے عظیم غفلت کی اور غیر احکام میں

بسا اوقات آپ دوسروں کی رائے قبول کرتے یا ان کا مشورہ سنتے۔

اور دوسروں نے کہا: اگرچہ اس آیت کے الفاظ عام ہیں لیکن اس سے مراد مخصوص چیزیں ہیں کیونکہ اس پر اتفاق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرائضِ احکام میں صحابہ سے مشورہ نہیں فرماتے تھے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: اس پر اعتراض ہے، کیونکہ امام ترمذی نے سندِ صحیح کے ساتھ اور امام ابن حبان نے سندِ صحیح کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ۭ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑫ (المجادلہ: ۱۲)

اے ایمان والو! جب تم رسول سے سرگوشی کرنے کا ارادہ کرو، تو اپنی سرگوشی سے پہلے کچھ صدقہ کیا کرو، یہ تمہارے لیے بہت اچھا اور نہایت پاکیزہ ہے، پس اگر تم کو کچھ نہ ملے (تو غم نہ کرو) بے شک اللہ بہت بخشنے والا، بے حد رحم فرمانے والا ہے O

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: ایک دینار صدقہ کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟ میں نے کہا: ایک دینار کی لوگ طاقت نہیں رکھیں گے، آپ نے فرمایا: پھر نصف دینار؟ میں نے کہا: اس کی بھی لوگ طاقت نہیں رکھیں گے، آپ نے پوچھا: پھر کتنا صدقہ دیا جائے؟ میں نے کہا: ایک جَو، آپ نے فرمایا: تم تو دنیا سے بہت بے رغبتی کرنے والے ہو، پھر یہ آیت نازل ہوئی:

ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ۭ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ⑬ (المجادلہ: ۱۳)

کیا تم اپنی سرگوشی سے پہلے صدقہ کرنے سے گھبرا گئے، پس جب تم نے (صدقہ) نہ کیا اور اللہ نے تمہاری توبہ قبول فرمالی، پس تم نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہو اور اللہ تمہارے کاموں کی خبر رکھنے والا ہے O

تب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: میری وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس امت سے تخفیف کردی، پس اس حدیث میں بعض احکام میں مشاورت کرنے کا ثبوت ہے۔

علامہ السہیلی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ مشورہ کرنا حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ مخصوص تھا، شاید کہ علامہ سہیلی نے اس کو کلبی کی تفسیر سے حاصل کیا ہے، پھر میں نے اسد بن موسیٰ کی فضائل صحابہ میں اس کی سند پائی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے فرمایا: اگر تم دونوں کسی ایک چیز پر متفق ہو تو میں تمہارے خلاف کسی سے مشورہ نہیں کروں گا، اور حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی وادی میں سونے کے متعلق جو حدیث ہے اس میں آپ کا یہ ارشاد ہے: ''اگر تم ابوبکر اور عمر کی اطاعت کرو گے تو تم ہدایت پر رہو گے'' لیکن ان دونوں حدیثوں میں تخصیص کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

فَاِذَا عَزَمَ الرَّسُوْلُ ﷺ لَمْ يَكُنْ لِبَشَرٍ التَّقَدُّمُ عَلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔

پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عزم فرمالیں تو کسی بشر کے لیے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر مقدم ہونا جائز نہیں ہے۔

امام بخاری کی مراد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مشورہ کرنے کے بعد جب کسی کام کے کرنے پر عزم فرمالیں اور اس کام میں شروع ہو جائیں تو کسی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ اس کے خلاف مشورہ دے، کیونکہ آیتِ حجرات میں اللہ اور اس کے رسول پر مقدم ہونے سے منع فرمایا ہے، اور اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی امر ثابت ہو تو کسی کے لیے اس کی مخالفت کرنا جائز نہیں ہے اور آپ کی مخالفت کرنے میں کسی حیلہ سے کام نہ لے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٦٣﴾ (النور: ٦٣)

سو جو لوگ رسول کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں وہ اس سے ڈریں کہ انہیں کوئی مصیبت پہنچ جائے یا انہیں کوئی دردناک عذاب پہنچ جائے O

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

وَشَاوَرَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم أَصْحَابَهُ يَوْمَ أُحُدٍ فِي الْمُقَامِ وَالْخُرُوجِ فَرَأَوْا لَهُ الْخُرُوجَ۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوۂ احد کے دن اپنے اصحاب سے مشورہ کیا کہ مدینہ میں ٹھہر کر لڑیں یا مدینہ سے باہر نکل کر لڑیں تو صحابہ کی رائے یہ تھی کہ باہر نکل کر کفار سے لڑیں۔

یہ امام بخاری کے عنوان کی مثال ہے کہ آپ نے مشورہ کیا، پھر عزم کرلیا اور اس سے رجوع نہیں کیا، اور امام بخاری نے جتنی مقدار یہاں ذکر کی ہے وہ ایک طویل قصہ سے اختصار ہے اور وہ طویل قصہ صحیح البخاری میں کسی اور جگہ مذکور نہیں ہے، اور تحقیق امام طبرانی نے اس قصہ کی روایت کی ہے اور امام حاکم نے عبد اللہ بن وہب از عبد الرحمٰن بن ابی الزناد از والد خود از عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کی روایت کی ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوۂ بدر کے دن اپنی وہ تلوار نکالی جو آپ کو مالِ غنیمت سے ملی تھی اور اسی تلوار کے متعلق آپ نے غزوۂ احد میں خواب دیکھا تھا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جب غزوۂ احد میں مشرکین حملہ کرنے کے لیے آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رائے یہ تھی کہ آپ مدینہ میں ٹھہریں اور ان سے مدینہ میں قتال کریں، پس ان صحابہ نے کہا جو بدر میں حاضر نہیں تھے: یا رسول اللہ! ہمیں ان کے مقابلہ میں لے جائیں، ہم ان سے احد پہاڑ کے پاس لڑیں گے اور ہم امید رکھتے ہیں کہ ہم کو وہ فضیلت ملے گی جو اہلِ بدر کو فضیلت ملی تھی، پھر وہ مسلسل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہی کہتے رہے حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زِرہ پہن لی، جب آپ نے زرہ پہن لی تو وہ صحابہ نادم ہوئے اور کہنے لگے: یا رسول اللہ! آپ ٹھہریں، جو آپ کی رائے ہے وہی کریں تو آپ نے فرمایا: کسی نبی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ جنگ کے ہتھیار پہننے کے بعد ان کو اتار دے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس کے اور اس کے دشمن کے درمیان فیصلہ فرما دے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہتھیار پہننے سے پہلے ان سے ذکر کیا تھا کہ میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ میں ایک مضبوط زرہ میں ہوں تو میں نے اس کی تعبیر مدینہ سے لی، اس حدیث کی سند حسن ہے۔

اور امام احمد اور الدارمی اور امام نسائی نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا میں ایک مضبوط زرہ پہنے ہوئے ہوں اور میں نے دیکھا کہ گائے کو نحر کیا جا رہا ہے تو میں نے مضبوط زرہ سے مدینہ کی تعبیر لی۔

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

فَلَمَّا لَبِسَ لَأْمَتَهُ وَعَزَمَ قَالُوا أَقِمْ فَلَمْ يَمِلْ إِلَيْهِمْ بَعْدَ الْعَزْمِ وَقَالَ لَا يَنْبَغِي لِنَبِيٍّ يَلْبَسُ لَأْمَتَهُ فَيَضَعُهَا حَتَّى يَحْكُمَ اللهُ۔

پس جب آپ نے اپنے ہتھیار پہن لیے اور مدینہ سے باہر نکلنے کا عزم کر لیا تو صحابہ نے کہا: یہیں ٹھہریں، تو آپ نے عزم کرنے کے بعد ان کی طرف توجہ نہیں کی اور فرمایا: کسی نبی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ جب وہ اپنے ہتھیار پہن لے تو پھر ان ہتھیاروں کو اتار دے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ فیصلہ فرما دے۔

اس تعلیق میں ''لامتہٗ'' کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: زرہ، اور دوسرا قول ہے کہ اس کا معنی ہے: زرہ، خود اور دوسرے ہتھیار۔ اور جب پورے ہتھیار پہن لیے جائیں تو دشمن سے لڑنے کی تیاری ہو جاتی ہے۔

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

وَشَاوَرَ عَلِيًّا وَأُسَامَةَ فِيمَا رَمَى بِهِ أَهْلُ الْإِفْكِ عَائِشَةَ فَسَمِعَ مِنْهُمَا حَتَّى نَزَلَ الْقُرْآنُ فَجَلَدَ الرَّامِينَ۔

اور جب تہمت لگانے والوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی تو آپ نے حضرت علی اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہما سے مشورہ لیا اور ان کا مشورہ سنا حتیٰ کہ قرآن مجید کی آیات نازل ہو گئیں، پھر آپ نے تہمت لگانے والوں کو کوڑے مارے۔

علامہ ابن بطال نے القابسی سے نقل کیا ہے کہ ''منھما'' کی ضمیر حضرت علی اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہما کی طرف لوٹتی ہے، رہا تہمت لگانے والوں کو کوڑے مارنا تو اس میں انہوں نے کسی سند کو بیان نہیں کیا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں:

میں کہتا ہوں: ان سے مشورہ کی اصل روایت امام بخاری نے اس باب میں اختصار کے ساتھ ذکر کی ہے اور تہمت لگانے کا قصہ پوری تفصیل کے ساتھ سورۂ نور کے اندر ذکر کیا گیا ہے۔

اس تعلیق میں مذکور ہے'' آپ نے ان دونوں کی بات سنی'' اور ان کی پوری بات پر عمل نہیں کیا حتیٰ کہ وحی نازل ہو گئی، رہے حضرت علی رضی اللہ عنہ، تو انہوں نے اشارہ کیا تھا کہ آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے الگ ہو جائیں اور کہا: ان کے علاوہ اور بہت عورتیں ہیں، اور ان کے عذر کا بیان پہلے ہو چکا ہے۔ اور رہے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ، تو انہوں نے اس کی نفی کی کہ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق سوائے خیر کے اور کوئی بات نہیں جانتے، پس آپ نے اس پر عمل نہیں کیا جس کی طرف حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اشارہ کیا تھا کہ آپ اپنی اہلیہ سے الگ ہو جائیں۔ اور ان کے اس قول پر عمل کیا کہ آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باندی یعنی حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا سے سوال کریں، اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے قول پر عمل کیا اور اپنی اہلیہ سے الگ نہیں ہوئے، لیکن آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان کے والد کے گھر جانے کی اجازت دے دی، رہا اس تعلیق میں مذکور ہے کہ آپ نے تہمت لگانے والوں کو کوڑے مارے، تو صحیح البخاری اور صحیح مسلم میں جو تہمت کی حدیث ہے اس میں اس کا ذکر نہیں ہے، اور امام احمد اور اصحاب السنن نے اس کو اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا: جب میری براءت نازل ہو گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے ہوئے اور آپ نے تہمت لگانے والوں کو بلایا اور ان پر حد جاری کی، اور ایک روایت کے الفاظ ہیں: پس آپ نے دو

مردوں اور ایک عورت کو کوڑے مارنے کا حکم دیا، پھر ان پر حد جاری کی گئی، اور سنن ابوداؤد کی روایت میں ان کے نام مذکور ہیں وہ حضرت مسطح بن اثاثہ، حضرت حسان بن ثابت اور حضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہم ہیں، اور کتاب التفسیر میں حدیثِ افک میں اس پر تفصیل سے گفتگو کی گئی ہے۔

جن مسلمانوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی ان پر حد جاری کرنے کا قصہ

میں کہتا ہوں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے والوں کے اوپر حد جاری کرنے کا قصہ اس حدیث میں مذکور ہے:

امام ابوداؤد اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں: جب اللہ تعالیٰ نے میرا عذر نازل فرمادیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے ہوئے اور آپ نے ان آیات کی تلاوت کی، پھر جب آپ منبر سے اترے تو آپ نے دو مردوں اور ایک عورت کو کوڑے مارنے کا حکم دیا، پس ان کو کوڑے مارے گئے۔ (سنن ابوداؤد: ۴۴۷۴، سنن ترمذی: ۳۱۸۰، سنن ابن ماجہ: ۲۵۶۷)

نیز امام ابوداؤد اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: آپ نے دو مردوں اور ایک عورت کو کوڑے مارنے کا حکم دیا جنہوں نے یہ بری بات کہی تھی، وہ حسان بن ثابت اور مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہما ہیں، اور النفیلی نے کہا، وہ کہتے ہیں کہ عورت حضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا تھیں۔ (سنن ابوداؤد: ۴۴۷۵)

عبداللہ بن ابی پر حد جاری نہ کرنے کی توجیہ

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ابی پر حدِ قذف جاری نہیں کی، حالانکہ اس تہمت کا بانی مبانی وہی تھا، کیونکہ اس کا بہت بڑا گروہ اور جتھہ تھا اور یہ ۴ ہجری کا واقعہ ہے، اس وقت مسلمانوں کی زیادہ بڑی تعداد نہیں تھی، اگر آپ اس پر حد جاری کرنے کا حکم دیتے تو عبداللہ بن ابی کے حامی اس کی مخالفت کرتے اور بہت بڑا فتنہ ہو جاتا، اس سے معلوم ہوا کہ فتنہ سے بچنے کے لیے کسی برحق کام سے بھی اعراض اور اغماض کر لینا چاہیے۔ (شرح ابن بطال ج ۸ ص ۳۴۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اختیار دیا تھا کہ کسی مصلحت کی بناء پر کسی شخص پر اجرائے حد کو ترک فرمادیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی اور کو یہ اختیار حاصل نہیں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

وَلَمْ يَلْتَفِتْ إِلَى تَنَازُعِهِمْ وَلَكِنْ حَكَمَ بِمَا أَمَرَهُ اللهُ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے تنازع کی طرف توجہ نہیں کی اور جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا اس کے مطابق فیصلہ فرمایا۔

اس سے مراد حضرت اسامہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کا تنازع ہے، علامہ کرمانی نے کہا: قیاس یہ ہے کہ "تنازعھما" مذکور ہوتا، مگر اس کا یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ جمع کے کم سے کم افراد دو ہوتے ہیں، یا جمع سے مراد ان دونوں کا اور ان کے ہمنواؤں کا اور ان کے موافقین کا ارادہ کیا ہے۔

امام طبرانی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت کے قصہ میں یہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت اسامہ بن زید اور حضرت بریرہ رضی اللہ عنہم کو بلایا، پس گویا کہ امام بخاری نے جو یہاں پر "تنازعھم" کہا

ہے تو اس میں حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو حضرت علی اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہما کی طرف ملا دیا ہے، لیکن اس پر بعض علماء نے یہ اشکال کیا ہے کہ حدیثِ صحیح میں جو اس قصہ کا سیاق ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا اس وقت حاضر نہیں تھیں، کیونکہ حدیث میں ہے: ''آپ نے ان کو بلوایا''۔

اس کا جواب یہ ہے کہ تنازع سے مراد ہے مذکورین کا اختلاف، اور وہ اس سے عام ہے کہ وہ مذکورین جمع ہوں یا متفرق ہوں، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ امام بخاری کی مراد یہ ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قصہ افک میں فریقین میں سے کسی کے تنازع کی طرف التفات نہیں کیا۔

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

وَكَانَتْ الْأَئِمَّةُ بَعْدَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم يَسْتَشِيرُونَ الْأُمَنَاءَ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي الْأُمُورِ الْمُبَاحَةِ لِيَأْخُذُوا بِأَسْهَلِهَا

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ائمہ اہلِ علم سے امین لوگوں سے مباح امور میں مشورہ لیتے تھے تاکہ جو زیادہ سہل اور آسان ہو اس کے مطابق عمل کریں۔

فَإِذَا وَضَحَ الْكِتَابُ أَوْ السُّنَّةُ لَمْ يَتَعَدَّوْهُ إِلَى غَيْرِهِ اقْتِدَاءً بِالنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم۔

پس جب کتاب یا سنت سے کوئی حکم واضح ہو جاتا تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کے سبب سے اس سے تجاوز نہیں کرتے تھے۔

یعنی ائمہ اس وقت مشورہ کرتے تھے جب کسی پیش آمدہ مسئلہ میں کوئی نص معین نہ ہو اور وہ مسئلہ اصلِ اباحت پر ہو، پس امام بخاری کی مراد یہ ہے کہ جس امر میں کام کے کرنے اور کام کو چھوڑنے کا ایک احتمال ہو اس میں مشورہ کرتے تھے اور جس مسئلہ میں کسی حکم کے متعلق کوئی نصِ صریح ہوتی اس میں مشورہ نہیں کرتے تھے، اور امام بخاری نے کہا ہے ''اہلِ علم سے امین لوگوں سے مشورہ کرتے تھے'' تو یہ صفتِ موضحہ ہے، کیونکہ جو امین نہ ہو اس سے مشورہ نہیں لیا جاتا اور نہ اس کی بات کی طرف التفات کیا جاتا ہے، اور اس تعلیق میں کہا ''جو زیادہ سہل ہو اس پر عمل کرتے تھے'' کیونکہ حدیث میں عام حکم ہے کہ آسان اور سہل حکم پر عمل کیا جائے اور ایسا حکم جس سے مسلمانوں پر مشقت داخل ہو، اس سے منع فرمایا ہے۔

امام شافعی نے کہا ہے کہ حاکم کو مشورہ لینے کا اس لیے حکم دیا ہے تاکہ مشورہ دینے والا حاکم کو اس چیز پر متنبہ کرے جس چیز سے حاکم نے غفلت کی ہے اور جو حکم حاکم کے ذہن میں حاضر نہیں ہے، اس پر دلالت کرے، یہ مطلب نہیں ہے کہ حاکم مشورہ دینے والے کے قول کی تقلید کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو یہ مرتبہ نہیں دیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ائمہ کے مشورہ کرنے کے متعلق بہ کثرت احادیث ہیں جو درج ذیل ہیں:

(۱) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مرتدین سے قتال کے متعلق صحابہ سے مشورہ کیا، امام بخاری نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے اور امام بیہقی نے سندِ صحیح کے ساتھ از میمون بن مہران روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے جب کوئی معاملہ آتا تو پہلے وہ کتاب اللہ میں غور کرتے، پس اگر اس میں ان کو حکم مل جاتا تو اس کے مطابق فیصلہ فرماتے، اور اگر ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے کوئی حکم مل جاتا تو وہ اس کے مطابق فیصلہ کرتے، اور اگر کتاب و سنت میں انہیں کوئی حکم نہ ملتا تو پھر مسلمانوں سے سنت کے متعلق سوال کرتے، پس اگر کوئی اس مسئلہ کے متعلق سنت نہ بتا سکتا تو آپ مسلمانوں میں سے اکابر اور علماء کو بلاتے اور ان سے مشورہ لیتے۔

(۲) اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بھی اس طرح کرتے تھے، اور عنقریب گزرا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کے مشورہ سے خمر کی حد مقرر کی، اس کا ذکر کتاب الحدود میں ہو چکا ہے۔

(۳) اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عورت کے اسقاط حمل کے متعلق صحابہ سے مشورہ کیا، اس کا ذکر کتاب الدیات میں ہو چکا ہے۔

(۴) اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایرانیوں سے قتال کرنے کے متعلق مشورہ کیا، اس کا ذکر کتاب الجہاد میں ہو چکا ہے۔

(۵) اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مہاجرین اور انصار سے پھر قریش سے مشورہ کیا جب انہوں نے شام میں داخل ہونے کا ارادہ کیا اور انہیں خبر پہنچی تھی کہ طاعون شام میں واقع ہو چکا ہے، اور یہ پوری تفصیل کے ساتھ کتاب الطب میں گزر چکا ہے۔

(۶) قیس بن ابی حازم سے روایت ہے کہ ایک مرد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان سے کسی مسئلہ کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سوال کرو، اس نے کہا: میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر تھا، ان کو کسی مسئلہ میں اشکال ہوا تو انہوں نے کہا: یہاں پر حضرت علی رضی اللہ عنہ موجود ہیں، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کی اس سے پناہ طلب کرتے تھے کہ کسی مشکل کے وقت ابوالحسن یعنی حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نہ ہوں۔

(۷) اور صحابہ نے لوگوں کو ایک مصحف پر جمع کرنے کے متعلق مشورہ کیا، اس کو ابن ابوداؤد نے کتاب المصاحف میں بیان کیا۔

(۸) اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تمام مصاحف کو ایک مصحف کے مطابق جمع کیا۔

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

وَرَأَى أَبُو بَكْرٍ قِتَالَ مَنْ مَنَعَ الزَّكَاةَ فَقَالَ عُمَرُ كَيْفَ تُقَاتِلُ النَّاسَ وَقَدْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ فَإِذَا قَالُوا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ عَصَمُوا مِنِّي دِمَاءَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّهَا وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللهِ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ وَاللهِ لَأُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ مَا جَمَعَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم ثُمَّ تَابَعَهُ بَعْدُ عُمَرُ فَلَمْ يَلْتَفِتْ أَبُو بَكْرٍ إِلَى مَشُورَةٍ إِذْ كَانَ عِنْدَهُ حُكْمُ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فِي الَّذِينَ فَرَّقُوا بَيْنَ الصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ وَأَرَادُوا تَبْدِيلَ الدِّينِ وَأَحْكَامِهِ۔

اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ جو زکوٰۃ دینے سے انکار کرتے ہیں ان سے قتال کیا جائے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ ان سے کیسے قتال کریں گے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "مجھے لوگوں سے قتال کرنے کا حکم دیا گیا ہے حتیٰ کہ وہ کہیں: لا الٰہ الا اللہ، پس جب وہ لا الٰہ الا اللہ پڑھ لیں تو وہ مجھ سے اپنی جانوں کو اور اپنے مالوں کو محفوظ کر لیں گے سوا اللہ تعالیٰ کے حق کے اور ان کا حساب اللہ پر ہے، پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں ضرور ان سے قتال کروں گا جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جمع کیے ہوئے مال میں فرق کیا، پھر اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دوبارہ وہی بات کہی، پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس مشورہ کی طرف التفات نہیں کیا جس کے متعلق ان کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم تھا، ان لوگوں کے متعلق جنہوں نے نماز اور زکوٰۃ میں فرق کیا اور دین اور اس کے احکام کو تبدیل کرنے کا ارادہ کیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے جو اقتداء بالسلف کے باب میں گزر

چکی ہے۔

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَنْ بَدَّلَ دِينَهُ فَاقْتُلُوهُ

اور نبی ﷺ نے فرمایا: جس نے اپنا دین تبدیل کیا، پس اس کو قتل کر دو۔

امام بخاری نے یہاں پر اس حدیث کو بطور تعلیق ذکر کیا ہے، اور یہ حدیث کتاب المحاربین میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سندِ موصول کے ساتھ گزر چکی ہے۔

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

وَكَانَ الْقُرَّاءُ أَصْحَابَ مَشُورَةِ عُمَرَ كُهُولًا كَانُوا أَوْ شُبَّانًا وَكَانَ وَقَّافًا عِنْدَ كِتَابِ اللهِ عَزَّوَجَلَّ۔

اور قرآن مجید کے قاری حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مشورہ دینے والے اصحاب تھے خواہ وہ ادھیڑ عمر کے ہوں یا جوان ہوں، اور وہ اللہ عزوجل کی کتاب کے پاس بہت زیادہ رکنے والے تھے۔

یہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کی ایک طرف ہے جو حُر بن قیس اور ان کے چچا عیینہ بن حصن کے قصہ سے متعلق ہے، اور اس کا عنقریب ''الاقتداء بالسلف'' کے باب میں ذکر ہو چکا ہے۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۴۸۷۔ ۴۹۰، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

۷۳۶۹۔ حَدَّثَنَا الْأُوَيْسِيُّ عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ حَدَّثَنِي عُرْوَةُ وَابْنُ الْمُسَيَّبِ وَعَلْقَمَةُ بْنُ وَقَّاصٍ وَعُبَيْدُ اللهِ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها حِينَ قَالَ لَهَا أَهْلُ الْإِفْكِ مَا قَالُوا قَالَتْ وَدَعَا رَسُولُ اللهِ ﷺ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ وَأُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ رضی الله عنهم حِينَ اسْتَلْبَثَ الْوَحْيُ يَسْأَلُهُمَا وَهُوَ يَسْتَشِيرُهُمَا فِي فِرَاقِ أَهْلِهِ فَأَمَّا أُسَامَةُ فَأَشَارَ بِالَّذِي يَعْلَمُ مِنْ بَرَاءَةِ أَهْلِهِ وَأَمَّا عَلِيٌّ فَقَالَ لَمْ يُضَيِّقِ اللهُ عَلَيْكَ وَالنِّسَاءُ سِوَاهَا كَثِيرٌ وَسَلِ الْجَارِيَةَ تَصْدُقْكَ فَقَالَ هَلْ رَأَيْتِ مِنْ شَيْءٍ يَرِيبُكِ قَالَتْ مَا رَأَيْتُ أَمْرًا أَكْثَرَ مِنْ أَنَّهَا جَارِيَةٌ حَدِيثَةُ السِّنِّ تَنَامُ عَنْ عَجِينِ أَهْلِهَا فَتَأْتِي الدَّاجِنُ فَتَأْكُلُهُ فَقَامَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِينَ مَنْ يَعْذِرُنِي مِنْ رَجُلٍ بَلَغَنِي

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں الاویسی عبدالعزیز بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم بن سعد نے حدیث بیان کی از صالح از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے عروہ اور ابن المسیب اور علقمہ بن وقاص اور عبیداللہ نے حدیث بیان کی از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، جب ان سے تہمت لگانے والوں نے کہا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی بن ابی طالب کو اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم کو بلایا جب وحی کے نزول میں تاخیر ہو گئی تھی، آپ ان دونوں سے سوال کرتے تھے اور اپنی اہلیہ کو علیحدہ کرنے کے متعلق ان سے مشورہ لیتے تھے، پس رہے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ تو انہوں نے اسی چیز کی طرف اشارہ کیا جو وہ آپ کی اہلیہ کی پاک دامنی کے متعلق جانتے تھے، اور رہے حضرت علی رضی اللہ عنہ تو انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے آپ پر تنگی نہیں کی ہے، اور ان کے سوا اور بہت عورتیں ہیں، آپ ان کی باندی سے سوال کیجئے تو وہ آپ کو سچ سچ

أَذَاهُ فِي أَهْلِي وَاللَّهِ مَا عَلِمْتُ عَلَى أَهْلِي إِلَّا خَيْرًا فَذَكَرَ بَرَائَةَ عَائِشَةَ وَقَالَ أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ۔

بتائیں گی، پس آپ نے (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باندی حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا سے) فرمایا: کیا تم نے کوئی ایسی چیز دیکھی ہے جو تمہیں شک میں ڈالے؟ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے کہا: میں نے اس سے زیادہ کوئی چیز نہیں دیکھی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کم سن لڑکی ہیں، اپنے گھر والوں کا آٹا گوندکر سو جاتی ہیں، پھر بکری آتی ہے اور وہ آٹا کھا جاتی ہے، پس آپ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور آپ نے فرمایا: اے مسلمانوں کی جماعت! مجھے اس شخص کے متعلق کون معذور قرار دے گا جس کی میرے گھر والوں کے متعلق ایذاء مجھے پہنچی ہے؟ اور اللہ کی قسم! میں اپنی اہلیہ پر سوائے نیکی کے اور کوئی چیز نہیں جانتا، پس آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت اور پاک دامنی کو بیان فرمایا۔

اور ابو اسامہ نے کہا از ہشام۔

(صحیح البخاری: ۷۲۶۳، صحیح مسلم: ۲۷۷۰، مسند احمد: ۲۵۰۹۵)

صحیح البخاری: ۷۳۶۹، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی اختصار سے روایت

امام بخاری نے "حدیث الافک" کی ایک طرف کو ذکر کیا ہے اور یہ تفصیل کے ساتھ "کتاب المغازی" میں گزر چکی ہے۔ اور امام بخاری نے یہاں پر اس مقام کی ضرورت کے اعتبار سے اقتصار کیا ہے اور وہ حضرت علی اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہما سے مشورہ کرنا ہے، اور اس حدیث کے آخر میں مذکور ہے کہ آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت اور پاک دامنی کو بیان فرمایا۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۴۹۰، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاک دامنی کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم کی تصریح

میں کہتا ہوں کہ اس تعلیق میں یہ ذکر تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ قرآن مجید پڑھنے والوں سے مشورہ لیتے تھے خواہ وہ ادھیڑ عمر کے ہوں یا جوان ہوں، تو اس کے موافق امام بخاری نے یہاں اس حدیث کی اتنی مقدار روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی اہلیہ سے فراق سے متعلق حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا۔ اور بعد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت اور پاک دامنی کو بیان کیا کہ میں اپنی اہلیہ کے متعلق سوائے خیر اور نیکی کے اور کوئی بات نہیں جانتا۔ اور اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ بعض مخالفین کا یہ کہنا غلط ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاک دامنی کا علم نہیں تھا، کیونکہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحت کے ساتھ فرمایا کہ ''میں اپنی اہلیہ کے متعلق سوائے خیر اور نیکی کے اور کوئی بات نہیں جانتا''۔ (سعیدی غفرلہ)

۷۳۷۰۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَبِي زَكَرِيَّاءَ الْغَسَّانِيُّ عَنْ هِشَامٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم خَطَبَ النَّاسَ فَحَمِدَ اللهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ وَقَالَ مَا تُشِيرُونَ عَلَيَّ فِي قَوْمٍ يَسُبُّونَ أَهْلِي مَا عَلِمْتُ عَلَيْهِمْ مِنْ سُوءٍ قَطُّ وَعَنْ عُرْوَةَ قَالَ لَمَّا أُخْبِرَتْ عَائِشَةُ بِالْأَمْرِ قَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ أَتَأْذَنُ لِي أَنْ أَنْطَلِقَ إِلَى أَهْلِي فَأَذِنَ لَهَا وَأَرْسَلَ مَعَهَا الْغُلَامَ وَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ سُبْحَانَكَ مَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَتَكَلَّمَ بِهَذَا سُبْحَانَكَ هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ۔

(صحیح البخاری: ۷۳۶۹، صحیح مسلم: ۲۷۷۰، مسند احمد: ۲۵۰۹۵)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ بن ابی زکریاء الغسانی نے حدیث بیان کی از ہشام از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو خطبہ دیا، پس اللہ عزوجل کی حمد وثنا کی اور فرمایا: تم اس قوم کے متعلق مجھے کیا مشورہ دیتے ہو جو میری اہلیہ کو برا کہتے ہیں، میں نے ان پر سوائے نیکی کے اور کسی چیز کو نہیں جانا، اور عروہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بتایا گیا کہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں تو انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! کیا آپ مجھے اجازت عطا فرماتے ہیں کہ میں اپنے گھر والوں کے پاس جاؤں تو آپ نے اجازت عطا فرمادی، اور ان کے ساتھ ایک لڑکے کو بھیجا اور انصار کے ایک مرد نے کہا: اے اللہ! تو پاک ہے، ہمارے لیے یہ جائز نہیں کہ ہم اس معاملہ میں کوئی بات کہیں، اے اللہ تو پاک ہے، یہ بہتانِ عظیم ہے۔

صحیح البخاری: ۷۳۷۰، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیثِ مذکور کے مشکل الفاظ کے معانی

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر لگائی ہوئی تہمت کے متعلق صحابہ کرام کے مشورے

اس حدیث میں مذکور ہے ''ماتشیرون علیّ'' یعنی تم مجھے کیا مشورہ دیتے ہو؟، اس روایت میں اسی طرح لفظِ استفہام ہے، اور حضرت ابو اسامہ رضی اللہ عنہ کی سند سے مذکور ہے ''اس قوم کے متعلق مجھے مشورہ دو''، خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے مشورہ لیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر جو تہمت لگائی گئی ہے اس کے متعلق تم کیا مشورہ دیتے ہو۔ پس حضرت سعد بن معاذ اور حضرت اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہما نے مشورہ دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو حکم دیں گے وہ اس کی موافقت کریں گے اور پھر حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما کے درمیان جھگڑا ہو گیا (کیونکہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ اگر یہ تہمت لگانے والا ہمارے قبیلہ اوس سے ہوا تو ہم اس کو قتل کر دیں گے اور اگر ہمارے بھائی خزرج میں سے ہوا تو ہم اس کو بھی قتل کر دیں گے اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا تعلق بنو خزرج سے تھا اور وہ غصہ میں آ گئے اور کہا: تم ایسا نہیں کر سکو گے) پھر جب آپ پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاک

دامنی کے متعلق وحی نازل ہوگئی تو آپ نے ان لوگوں پر حدِ قذف جاری فرمائی جنہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی تھی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ماعلمت علیھم من سوء قط" یعنی مجھے ان کے متعلق کسی عیب یا برائی کا علم نہیں ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں کسی برائی کا علم نہیں ہے، اور لفظ علیھم میں جو جمع کی ضمیر ہے وہ اہل کے اعتبار سے لائی گئی ہے، یہ قصہ صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق تھا، نیز اس وجہ سے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں بری بات کہنا اور تہمت لگانا ان کے والدین کے بارے میں بھی بری بات کہنے کے اور تہمت لگانے کے مترادف تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وقال رجل من الانصار" یعنی انصار کے ایک مرد نے کہا: "سبحٰنك هذا بهتان عظيم" امام ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ یہ انصاری مرد حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ تھے، اور حاکم اور طبرانی نے بھی اسی طرح ذکر کیا ہے، اور کتاب التفسیر میں مذکور ہے کہ یہ کہنے والے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما تھے لیکن وہ انصاری نہیں ہیں، اور ایک اور روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے دو مرد تھے جب انہوں نے یہ بات سنی تو انہوں نے کہا "سبحٰنك هذا بهتان عظيم" یعنی حضرت زید بن حارثہ اور حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہما نے یہ کہا، اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ انصاری نہیں ہیں۔ اور سعید بن جبیر کی مرسل روایت میں ہے کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اوپر تہمت کی بات سنی تو انہوں نے کہا "سبحٰنك هذا بهتان عظيم"۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۴۹۰، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

کتاب الاعتصام کا خاتمہ

کتاب الاعتصام میں ایک سو ستائیس (۱۲۷) احادیثِ مرفوعہ ہیں، ان میں سے تعلیقات اور متابعات چھبیس (۲۶) احادیث ہیں اور باقی احادیث موصولہ ہیں اور ان میں مکرر احادیث ایک سو دس (۱۱۰) ہیں، باقی خالص احادیث سترہ (۱۷) ہیں۔

کتاب الاعتصام کی تکمیل

الحمدللہ رب العالمین! والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین!

آج ۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ/5 مارچ 2014ء بروز بدھ "کتاب الاعتصام" میں درج احادیث کی شرح مکمل ہوگئی۔ ان احادیث کی شرح میں میں نے زیادہ تر حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی، علامہ ابن بطال مالکی اور علامہ بدرالدین عینی حنفی کی شرح پر اعتماد کیا ہے اور جہاں تک مجھ سے ممکن ہوسکا میں نے اس شرح میں وہی کچھ لکھا جو برحق ہو اور اہلِ سنت و جماعت کے مسلک کے مطابق ہو، تاہم بندہ، بشر فروگزاشت اور خامیوں سے مبرّا نہیں ہے، سو جو کچھ اس شرح میں حق و صواب ہے، وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ اور ان کے فیوض سے ہے، اور جو اس میں فروگزاشت ہے، وہ میری ناقص فہم اور مطالعہ کی کمی کی وجہ سے ہے، اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بری ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس شرح کو موافقین کے لیے دینِ حق پر استقامت کا سبب بنائے اور معاندین اور مخالفین کے لیے اس شرح کو اصلاح کا ذریعہ بنادے، اور اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مجھے صحت اور سلامتی کے ساتھ اس شرح کو مکمل کرنے کی توفیق رفیق فرمائے۔ کتاب الاعتصام کے بعد صحیح البخاری کی آخری کتاب "کتاب التوحید" ہے اور وہ اب ان شاء اللہ شروع ہو رہی ہے، اللہ تعالیٰ اس کو مکمل کرنے میں میری امداد اور اعانت فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

۹۷۔ کِتَابُ التَّوۡحِیۡدِ

توحید کے دلائل کا بیان

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ ھ، اس کتاب کی شرح میں لکھتے ہیں:

''کتاب التوحید والرد علی الجھمیہ وغیرھم''

اس باب کا عنوان اس کو متضمن ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ واحد ہے اور بے شک وہ جسم نہیں ہے، کیونکہ جسم شئے واحد نہیں ہے بلکہ وہ اشیاءِ کثیرہ ہے جو باہم مرکب ہوتی ہیں، پس اس باب کے عنوان میں ہی جہمیہ کے اس قول کا رد ہے کہ اللہ تعالیٰ جسم ہے، اور اللہ تعالیٰ کے جسم ہونے کے محال ہونے پر دلیل یہ ہے کہ لغت میں جسم اس کو کہتے ہیں جو چند چیزوں سے مرکب ہو اور مجتمع ہو، اور یہ معنی اللہ تعالیٰ کے لیے محال ہے، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو جسم کے اوپر یکے بعد دیگرے صفات کا ترتب نہ ہوسکتا، کیونکہ جب ایک صفت فنا ہو جاتی ہے تو دوسری صفت آتی ہے، اور جو چیز حوادث سے الگ نہ ہو تو وہ بھی اس کی مثل ہوتا ہے، تو اگر اللہ تعالیٰ جسم ہوتا تو وہ محلِ حوادث ہوتا اور محلِ حوادث خود حادث ہوتا ہے اور دلائل سے اللہ تعالیٰ کا قدیم ہونا ثابت ہے، لہٰذا اس کا جسم ہونا باطل ہو گیا۔

(شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۴۱۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ ھ، اس کتاب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ اعتقاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ عظیم ہے اور اپنی مخلوقات میں سے کسی چیز کے مشابہ نہیں ہے، اور شریعت نے خلق اور مخلوقات کے اوپر جو اطلاقات کیے ہیں، اللہ تعالیٰ ان میں سے کسی کے مشابہ نہیں ہے، کیونکہ قدیم کی صفات مخلوق کی صفات کے خلاف ہوتی ہیں، پس جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات دیگر ذوات کے مشابہ نہیں ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفت مخلوقین کی صفات کے مشابہ نہیں ہے۔

بعض علماء نے کہا ہے: توحید کا معنی ہے اس ذات کو ثابت کرنا جو دیگر ذوات کے مشابہ نہ ہو اور نہ صفات سے معطل ہو۔

علامہ الواسطی نے کہا ہے: اس کی ذات کی مثل کوئی ذات نہیں ہے اور اس کے اسم کے مثل کوئی اسم نہیں ہے اور اس کے فعل کی مثل کوئی فعل نہیں ہے، اور اس کی صفت کی مثل کوئی صفت نہیں ہے سوا اس کے کہ دونوں پر ایک لفظ کا اطلاق ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذاتِ قدیمہ اس سے بزرگ و برتر ہے کہ اس کی کوئی صفت حادث ہو، جیسا کہ کسی حادث ذات کے لیے قدیم صفت کا ہونا محال ہے' اسی طرح اللہ تعالیٰ کے لیے کسی حادث صفت کا ہونا محال ہے۔

اور ذوالنون المصری نے کہا ہے: توحید کی حقیقت یہ ہے کہ تم کو یہ یقین ہو کہ اشیاء میں اللہ تعالیٰ کی قدرت بغیر کسب کے ہے' اور اس کی ہر مصنوع کی علت ہے اور اس کی صنعت کی کوئی علت نہیں ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۳ ص ۱۷۹۔۱۸۰، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

علامہ احمد بن اسماعیل بن عثمان بن محمد الکورانی الشافعی ثم الحنفی المتوفی ۸۹۳ ھ، اس کتاب کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ اسماعیل بن حماد الجوہری الشافعی المتوفی ۳۹۸ ھ ''الصحاح'' میں لکھتے ہیں:

توحید، وحدۃ کا مصدر ہے اور اس کا معنی ہے: الانفراد، یعنی یکتا ہونا۔

علامہ مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ لکھتے ہیں:

توحید کا معنی ہے: الوہیت اور اس کے لوازم میں شرکت کا اعتقاد نہ رکھنا، علامہ کورانی فرماتے ہیں: اس پر اعتراض ہے، بلکہ توحید کا معنی یہ ہے کہ الوہیت اور اس کے خواص میں شرکت کے عدمِ امکان کا اعتقاد، اور اس باب میں صفاتِ قدیمہ کا شمار نہیں کیا جائے گا، کیونکہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ قدیمہ کے قائل ہیں، وہ کہتے ہیں کہ یہ صفات اللہ تعالیٰ کی غیر نہیں ہیں۔

اور شیخ الطائفۃ جنید البغدادی نے کہا: توحید کا معنی ہے قدیم کو حادث سے الگ اور جدا ماننا۔

اور رہے الجہمیہ تو وہ جبرِ محض کے قائل ہیں، وہ کہتے ہیں کہ بندہ کی بالکل قدرت نہیں ہے، نہ از روئے خلق کے اور نہ از روئے کسب کے، اور اللہ تعالیٰ کو چیزوں کے وقوع سے پہلے ان کا علم نہیں ہوتا، اور وہ جنت اور دوزخ کو فانی کہتے ہیں، یہ لوگ جہم بن صفوان الترمذی کے اصحاب ہیں، اور جہم بن صفوان ایک جاہل مرد تھا جو متعدد کفریات کا قائل تھا، علامہ ابن المبارک نے کہا: میں یہود و نصاریٰ کے کلام کے نقل کرنے کو اتنا سنگین نہیں سمجھتا جتنا میں جہم بن صفوان کے کلام کے نقل کرنے کو سنگین سمجھتا ہوں، یہ بنوامیہ کے ایام میں تھا اور اس کو نصر بن یسار نے ہشام بن عبد الملک کے دورِ حکومت میں قتل کر دیا تھا۔

(الکوثر الجاری شرح صحیح البخاری ج ۱۱ ص ۱۹۴، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ شیخ الاسلام ابویحییٰ زکریا الانصاری المصری الشافعی لکھتے ہیں:

توحید کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات اور صفات میں منفرد ہے، نہ اس کا کوئی نظیر ہے اور نہ کوئی اس کے مشابہ ہے۔ اسی وجہ سے الجنید نے کہا: توحید کا معنی ہے قدیم کو حادث سے الگ اور ممتاز ماننا، اور حادث وہ چیز ہے کہ جس کے وجود سے پہلے اس کا عدم ہو، اور اللہ تعالیٰ اس سے منزّہ ہے۔

جو لوگ جہم بن صفوان کی طرف منسوب ہیں، وہ القدریہ، الخوارج اور الرافضہ ہیں جو مبتدعین کی اصل ہیں۔

(منحۃ الباری ج ۱۰ ص ۷۲۳، مکتبۃ الرشد، الریاض)

علامہ ابو العباس شہاب الدین احمد القسطلانی المتوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

توحید کا معنی ہے: میرا یہ اعتقاد ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات اور صفات میں منفرد ہے، نہ کوئی اس کی نظیر ہے اور نہ کوئی اس کے مشابہ ہے۔ (ارشاد الساری ج ۱۵ ص ۳۸۱، دار الفکر، بیروت)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس کتاب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اسلام کے مشہور فرقوں کا بیان

علامہ ابن بطال اور علامہ ابن التین نے اس باب کا عنوان اس طرح لکھا ہے "کتاب رد الجھمیہ وغیرھم التوحیدَ"

اور توحید پر زبر اس لئے ہے کہ یہ مفعول ہے، یعنی الجہمیہ وغیرہم کا توحید پر رد کرنا۔ اور اس پر بہ ظاہر یہ اعتراض ہے کہ الجہمیہ وغیرہم مبتدعین میں سے ہیں، وہ توحید کا رد نہیں کرتے اور انہوں نے توحید کی تفسیر میں اختلاف کیا ہے، اور "غیرھم" سے مراد ہے القدریہ، اور رہے خوارج تو کتاب الفتن میں ان کے متعلق ہم پہلے لکھ چکے ہیں، اسی طرح رافضہ، ان کے متعلق بھی کتاب الاحکام

میں ہم لکھ چکے ہیں، اور یہ چار فرقے (یعنی الجہمیہ، القدریہ، الخوارج اور الرافضہ)، یہ مبتدعین کی اصل ہیں، اور المعتزلہ اپنے آپ کو اہل العدل والتوحید کہتے ہیں، وہ اپنے آپ کو اہل التوحید اس لیے کہتے ہیں کہ وہ صفات الٰہیہ کی نفی کرتے ہیں، کیونکہ ان کا اعتقاد یہ ہے کہ صفات الٰہیہ کو ثابت کرنا تشبیہ کو مستلزم ہے اور جس نے اللہ تعالیٰ کو اس کی مخلوق کے مشابہ قرار دیا سو اس نے شرک کیا، اور وہ صفات کی نفی کرنے میں الجہمیہ کے موافق ہیں، اور رہے اہل السنۃ تو انہوں نے توحید کی ایسی تفسیر کی ہے کہ جس میں تشبیہ اور تعطیل کی نفی ہے یعنی نہ اللہ تعالیٰ مخلوق میں سے کسی کے مشابہ ہے اور نہ وہ معطل ہے۔

ابوالقاسم القشیری نے الجنید سے نقل کیا ہے: توحید کا معنی ہے قدیم کو حادث سے ممتاز کرنا، اور ابوالقاسم التیمی نے کتاب التوحید میں کہا ہے کہ توحید مصدر ہے اور اللہ تعالیٰ کی توحید کا معنی یہ ہے کہ یہ اعتقاد کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات اور صفات میں منفرد ہے نہ اس کی کوئی نظیر ہے اور نہ کوئی اس کے مشابہ ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا معنی ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کو واحد جانا، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ توحید کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کیفیت اور کمیت کو سلب کر لیا گیا، پس اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں واحد ہے، اس میں کوئی تقسیم نہیں ہے، اور نہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں کوئی اس کے مشابہ ہے، نہ اس کی الوہیت میں اور نہ اس کی سلطنت میں اور نہ اس کی تدبیر میں اس کا کوئی شریک ہے اور اس کے سوا کوئی رب نہیں ہے اور اس کے سوا کوئی خالق نہیں ہے۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے: اس باب کا عنوان اس کو متضمن ہے کہ اللہ تعالیٰ جسم نہیں ہے، کیونکہ جسم وہ ہوتا ہے جو چند چیزوں سے مرکب ہو، اور اس سے الجہمیہ کا رد مقصود ہے، کیونکہ الجہمیہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جسم ہے۔

حافظ ابنِ حجر عسقلانی کہتے ہیں کہ میں نے علامہ ابن بطال کی عبارت اسی طرح پائی، اور شاید ان کی مراد جہمیہ سے المشبہہ ہے، رہے الجہمیہ، تو وہ صرف اللہ تعالیٰ کی صفات کی نفی کرتے ہیں حتیٰ کہ ان کو تعطیل کی طرف منسوب کیا گیا ہے، اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے انہوں نے کہا کہ جہم نے تشبیہ کی نفی کی حتیٰ کہ اس نے کہا: بے شک اللہ تعالیٰ کوئی شئے نہیں ہے، اور علامہ کرمانی نے کہا کہ الجہمیہ مبتدعین میں سے ایک فرقہ ہے، یہ لوگ جہم بن صفوان کی طرف منسوب ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ بندہ کی بالکل قدرت نہیں ہے، اور یہی لوگ جبریہ ہیں، اور جہم بن صفوان ہشام بن عبدالملک کے زمانہ میں قتل کر دیا گیا تھا، اور انہوں نے جہمیہ پر جبر کے مذہب کی وجہ سے رد نہیں کیا بلکہ سلف صالحین نے اس پر اس وجہ سے رد کیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا انکار کرتا تھا حتیٰ کہ ان لوگوں نے کہا کہ قرآن اللہ کا کلام نہیں ہے اور قرآن مخلوق ہے۔

اور استاذ ابومنصور عبدالقاہر بن طاہر التیمی البغدادی نے اپنی کتاب ''الفَرق بین الفِرَق'' میں لکھا ہے کہ مبتدعین کے اصول چار ہیں، انہوں نے کہا کہ ان میں سے ایک جہمیہ ہے جو جہم بن صفوان کے متبعین ہیں جنہوں نے کہا کہ بندہ مجبور محض ہے اور انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کا فعل نہیں ہوتا اور بندہ کی طرف فعل کی نسبت مجازاً کی جاتی ہے اور بندہ فاعل نہیں ہوتا، اور ان کا یہ زعم ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم حادث ہے اور انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ شئے نہیں ہے، اور انہوں نے اللہ تعالیٰ سے حیات کی بھی نفی کی اور علم کی اور ارادہ کی حتیٰ کہ انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ پر کسی ایسے وصف کا اطلاق کرنا جائز نہیں ہے جس وصف کا اطلاق اللہ تعالیٰ کے غیر پر کیا گیا ہو، اور انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ کی صفات یہ ہیں کہ وہ خالق ہے اور زندہ کرنے والا ہے اور مارنے والا ہے اور واحد ہے' کیونکہ یہ اوصاف اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں اور ان کا زعم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام حادث ہے۔

جہم بن صفوان کا تذکرہ

اور امام بخاری نے اپنی کتاب ''خلق افعال العباد'' میں لکھا ہے: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ جہم الجعد بن درہم سے نقل کرتا تھا اور وہ یہ کہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو خلیل نہیں بنایا اور نہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا، اور یہ ہشام بن عبد الملک کی خلافت کے زمانہ میں تھا، پس گویا کہ علامہ کرمانی کا ذہن الجعد سے الجہم کی طرف منتقل ہو گیا، کیونکہ جہم کا قتل اس کے کافی عرصہ کے بعد ہوا ہے۔

اور عبد اللہ بن مبارک نے کہا ہے: ہم یہود و نصاریٰ کے کلام کی حکایت کرتے ہیں، اور ہم جہم بن صفوان کے قول کی حکایت کرنے کو بہت سنگین سمجھتے ہیں، اور عبد اللہ بن شوذب سے منقول ہے کہ جہم نے چالیس دن نماز نہیں پڑھی اور اس کو اس میں شک تھا، اور امام ابن ابی حاتم نے لکھا ہے کہ جہم اہلِ کوفہ میں سے تھا اور بہت فصیح تھا، اس سے زندیقوں کی ایک قوم ملی اور اس سے کہا: تم ہمارے سامنے اپنے رب کی صفت بیان کرو جس کی تم عبادت کرتے ہو، وہ اپنے گھر میں داخل ہو گیا اور ایک مدت تک باہر نہیں آیا، تو اس نے کہا: وہ ہوا ہے جو ہر چیز کے ساتھ ہے، اور امام بیہقی نے کتاب الاسماء میں لکھا ہے کہ جہم کوفی العصر تھا فصیح تھا، اس کے پاس علم نہیں تھا اور نہ وہ اہلِ علم کے پاس بیٹھا تھا، اس سے کہا گیا کہ تم اپنے رب کی صفت بیان کرو تو وہ اپنے گھر میں داخل ہوا اور ایک مدت تک نہیں نکلا، پھر کئی دن بعد نکلا اور کہا کہ وہ ہوا ہے جو ہر چیز کے ساتھ ہے اور ہر چیز میں ہے اور اس سے کوئی چیز خالی نہیں ہے (یعنی وہ ہوا کو اپنا رب کہتا تھا)۔

کہا جاتا ہے کہ جہم کو قتل کر دیا گیا تھا۔ ابو القاسم اللالکائی نے کتاب السنۃ میں لکھا ہے کہ ایک سو بتیس (۱۳۲) ہجری میں جہم کو قتل کیا گیا، اور ابو اسحاق الفزاری نے لکھا ہے کہ جہم کو ایک سو تیس (۱۳۰) ہجری میں قتل کیا گیا، اور علامہ کرمانی نے جو لکھا ہے کہ جہم کو ہشام بن عبد الملک کی خلافت میں قتل کیا گیا، یہ ان کا وہم ہے۔

ان کے علاوہ جو باقی فرقے ہیں ان کے مقالات اہل سنت کے مخالف ہیں، اور سب سے قریب فرقہ المرجئہ ہے جو کہتا ہے کہ ایمان فقط التصدیق بالقلب واللسان ہے، اور عبادت کرنا ایمان میں داخل نہیں ہے، اور سب سے بعید فرقہ الجہمیہ ہے جو کہتے ہیں کہ فقط دل سے تصدیق کرنا ایمان ہے خواہ زبان سے کفر کا اظہار کرے، اور کرامیہ کہتے ہیں کہ ایمان فقط زبان سے اللہ تعالیٰ کا اقرار کرنا ہے اگرچہ دل میں کفر ہو، اور المرجئہ یہ کہتے ہیں کہ مومن ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہے گا، اور جو مرتکب کبیرہ ہو وہ ایمان سے نہیں نکلتا۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۴۹۱۔ ۴۹۲، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس کتاب کی شرح میں لکھتے ہیں:

توحید کا شرعی معنی

توحید کا شرعی معنی ہے: اللہ تعالیٰ کا علم کے اعتبار سے مختص اور منفرد ہونا، عام ازیں کہ یہ توحید اس کے اسماء کے ساتھ ہو یا صفات کے ساتھ یا افعال کے ساتھ یا عبادت کے ساتھ، پس جو چیز اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اس میں اللہ تعالیٰ کو اکیلا اور واحد ماننا واجب ہے اور اس کے ساتھ کسی اور کو شریک کرنا جائز نہیں ہے۔

توحید کی اقسام

توحید کی تین قسمیں ہیں: (۱) توحید الربوبیت (۲) توحید الاسماء والصفات (۳) توحید الالوہیت اور اس کو توحید العبادت بھی کہا جاتا ہے۔

(۱) توحید الربوبیت

اللہ تعالیٰ کا خلق اور مِلک اور تدبیر کے لحاظ سے منفرد ہونا، پس تم پر لازم ہے کہ تم اس پر ایمان لاؤ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خالق نہیں ہے، نہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مالک ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی تدبیر کرنے والا ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ تصویر بنانے والوں کے لیے قیامت کے دن کہا جائے گا: اس کو زندہ کرو جس کی تم نے تخلیق کی تھی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے" فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ﴿۱۴﴾ (المومنون: ۱۴)" اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور بھی خالق ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے جو خلق ثابت ہے وہ اس کی غیر ہے جو مخلوق کے لیے خلق ثابت ہے، اللہ تعالیٰ کے لیے جو خلق ثابت ہے وہ کسی چیز کو عدم سے وجود میں لانا ہے اور اس کا کوئی اور مالک نہیں ہے۔ اور جو خلق مخلوق کے لیے ثابت ہے وہ کسی چیز کو عدم سے وجود میں لانا نہیں ہے بلکہ کسی چیز کو ایک حال سے دوسرے حال کی طرف متغیر کرنا ہے مثلاً بڑھئی درخت سے دروازہ بناتا ہے، وہ دروازہ کو وجود میں نہیں لاتا بلکہ درخت کی لکڑی کو ایک حال سے دوسرے حال کی طرف متغیر کرتا ہے۔

اسی طرح جو ملکیت اللہ عزوجل کے لیے ثابت ہے وہ اس کی غیر ہے جو ملکیت انسان کے لیے ثابت ہے مثلاً انسان کسی باندی یا غلام کو خرید لے تو وہ اس کا مطلقاً مالک نہیں ہوتا، وہ اس باندی یا غلام کو قتل کرنے کا مالک نہیں ہے، یا باندی یا غلام کے ساتھ غیر شرعی سلوک کرنے کا مالک نہیں ہے، جب کہ اللہ تعالیٰ جس چیز کا مالک ہوتا ہے وہ مطلقاً مالک ہوتا ہے مثلاً انسان کوئی کتاب خرید لے وہ اس کا مالک ہے لیکن وہ اس کتاب کو جلانے کا اختیار نہیں رکھتا، تو معلوم ہوا کہ انسان کو اگر ملکیت حاصل ہو تو وہ ملکیتِ مطلقہ نہیں ہوتی اور اللہ تعالیٰ جس چیز کا مالک ہوتا ہے وہ علی الاطلاق مالک ہوتا ہے۔ اسی طرح انسان کسی اونٹ یا بھیڑ کو خرید لے تو اس کے لیے اس پر سوار ہونا اور اس سے نفع اٹھانا جائز ہے، اس کو ذبح کر کے کھانا جائز ہے لیکن اس کے لیے اس کو عذاب دینا جائز نہیں ہے، اگر وہ چاہے کہ اس کی پیٹھ میں کوئی زخم ڈال دے تو وہ اس کا مالک نہیں ہے۔

اسی طرح تدبیر کا حال ہے، انسان اپنی ملکیت میں تدبیر کرتا ہے، وہ اپنے بیٹے سے کہے گا: یہ کام کرو اور دوسرے بیٹے سے کہے گا یہ کام نہ کرو، لیکن وہ احکامِ شرعیہ کے تابع ہو کر کہے گا اور تدبیرِ مطلق صرف اللہ عزوجل کے لیے ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ خلق میں اور مِلک میں اور تدبیر میں منفرد ہے۔

(۲) توحید الاسماء والصفات

اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اسماء اور صفات میں منفرد ہے، ہم اللہ تعالیٰ کے لیے بلا تمثیل اسماء کو ثابت کرتے ہیں اور اس کی تنزیہہ بلا تعطیل ثابت کرتے ہیں، مثلاً اللہ عزوجل کا بھی ہاتھ ہے اور مخلوق کا بھی ہاتھ ہے، لیکن ہم پر واجب ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کی توحید بیان کریں کہ اس کا ہاتھ ایسا ہے جو مخلوق میں سے کسی کے ہاتھ کے مشابہ نہیں ہے، کیونکہ اگر تم نے اللہ تعالیٰ کے

ہاتھ کو مخلوق کے ہاتھ کی مثل قرار دیا تو تم مشرک ہو جاؤ گے۔

اسی طرح کسی انسان کا نام خالد ہے لیکن وہ بہر حال مرے گا اور اللہ تعالیٰ خالد ہے اور اس کو کبھی موت نہیں آئے گی۔ اسی طرح کبھی مخلوق کا نام عزیز ہوتا ہے لیکن اس کے لیے کوئی عزت اور غلبہ نہیں ہوتا، اور اللہ تعالیٰ عزیز ہے اور اس کے لیے دائماً عزت اور غلبہ ہے۔

(۳) توحید الالوہیت

توحید الالوہیت کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ معبود ہونے میں منفرد ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے غیر کی عبادت نہیں کی جائے گی خواہ اللہ تعالیٰ کا غیر فرشتہ ہو یا رسول ہو یا اللہ کا ولی ہو یا کوئی نیک بندہ ہو یا بادشاہ ہو یا ماں ہو یا باپ ہو کوئی بھی ہو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کی جائے گی، اللہ تعالیٰ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے توحید الربوبیت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ ﴿۸۶﴾ سَیَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ (المومنون:۸۶۔۸۷)

آپ کہیے کہ سات آسمانوں کا رب اور عرش عظیم کا رب کون ہے؟O عنقریب وہ کہیں گے: اللہ ہی کا سب ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

قُلْ مَنْ یَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ یَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَ مَنْ یُّخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَ یُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَ مَنْ یُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ فَسَیَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۱﴾ (یونس:۳۱)

آپ (ان سے) کہیے: تمہیں آسمان اور زمین سے کون رزق دیتا ہے؟ یا کان اور آنکھوں کا مالک کون ہے؟ اور مردے سے زندہ کو کون نکالتا ہے اور زندہ سے مردے کو کون نکالتا ہے؟ اور نظام کائنات کو کون چلاتا ہے؟ تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ، پھر آپ کہیں کہ تم (اللہ سے) ڈرتے کیوں نہیں!O

نیز اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَیَقُوْلُنَّ اللّٰهُ۔ (الزخرف:۸۷)

اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ ان کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے۔

توحید الربوبیت کو مشرکین بھی مانتے تھے اور وہ کہتے تھے کہ اس کائنات کا رب واحد ہے، لیکن توحید الالوہیت میں ان کا مسلمانوں کے ساتھ اختلاف تھا، وہ یہ اقرار کرتے تھے کہ کائنات کا رب واحد ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہے اس کے باوجود وہ بتوں کی عبادت کرتے تھے خواہ بت معین ہوں جیسے لات، عزیٰ، منات اور ہبل وغیرہا، یا غیر معین ہوں جیسے انہوں نے پتھروں سے نیک بندوں کی صورتیں تراش لی تھیں اور ان کی عبادت کرتے تھے اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ ان کی عبادت ان کو اللہ تعالیٰ کے قریب کر دے گی، اور یہ بت ان کی اللہ تعالیٰ کے پاس شفاعت کریں گے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَاۤ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى۔ (الزمر:۳)

(وہ کہتے ہیں کہ) ہم ان کی صرف اس لیے عبادت کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں۔

اور تحقیق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت کرنا جائز نہیں ہے۔ اور جس طرح اللہ تعالیٰ ربوبیت میں واحد ہے، اسی طرح وہ الوہیت میں بھی واحد ہے، جس طرح وہ تمام کائنات کو پیدا کرنے میں منفرد ہے، اسی طرح وہ تمام کائنات کا معبود ہونے میں بھی منفرد ہے۔ اور تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام دنیا میں آ کر یہی تبلیغ کرتے رہے ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کی جائے، کیونکہ عام طور پر لوگ یہ تو مانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ہی سب کا پیدا کرنے والا ہے لیکن لوگوں نے مختلف معبود بنا رکھے تھے، وہ توحید الربوبیت کے قائل تھے اور توحید الالوہیت کے منکر تھے اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے دنیا میں آ کر توحید الالوہیت ہی کی تبلیغ کی ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَ مِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَیْهِ الضَّلٰلَةُ ؕ فَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِیْنَ ﴿۳۶﴾ (النحل:۳۶)

اور ہم نے ہر قوم میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور شیطان سے اجتناب کرو، پس ان میں سے بعض وہ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی اور ان میں سے بعض وہ ہیں جن پر گمراہی ثابت ہوگئی، سو تم زمین میں سفر کرو، پھر دیکھو کہ (رسولوں کی) تکذیب کرنے والوں کا کیسا انجام ہوا O

نیز اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْۤ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴿۲۵﴾ (الانبیاء:۲۵)

اور ہم نے آپ سے پہلے جس کو بھی رسول بنا کر بھیجا اس کی طرف ہم یہ وحی کرتے تھے کہ بے شک میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، سو تم میری عبادت کرو O

پس تمام رسول اس توحید کی تحقیق کے لیے مبعوث کیے گئے، اور اس بات کی دعوت دینے کے لیے کہ اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی عبادت کی جائے اور اخلاص سے اس کی عبادت کی جائے، اسی توحید کے لیے اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو بھیجا اور کتابوں کو نازل فرمایا اور اسی توحید کے لیے اللہ تعالیٰ نے جن اور انس کو پیدا فرمایا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ (الذاریات:۵۶)

اور میں نے جنات اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں O

پس تمام رسولوں نے اپنی اپنی امتوں کو توحید کی دعوت دی اور تمام انبیاء کے سردار سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مکہ اور مدینہ میں قول اور فعل کے ساتھ توحید کی دعوت دی۔ (شرح صحیح البخاری ج ۸ ص ۲۷۵۔۲۷۶، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

اس دور میں توحید کے تقاضوں پر مسلمانوں کا عمل

میں کہتا ہوں کہ اس دور کے مسلمان توحید ربوبیت کے بھی معتقد ہیں اور توحید الوہیت کے بھی معتقد ہیں، ان کا عقیدہ ہے کہ اس جہان کا خالق، مالک اور مدبر صرف اللہ عزوجل ہے اور اس کے سوا کوئی اس جہان کا خالق، مالک اور مدبر نہیں ہے، اور ان کا عقیدہ ہے کہ صرف اللہ عزوجل کی ذات ہی عبادت کی مستحق ہے اور اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، اور وہ اللہ عزوجل کی عبادت کرتے ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں اور حتی الامکان احکام شرعیہ پر عمل کرتے ہیں، تاہم بعض ان پڑھ اور

غالی مسلمان اولیاء اللہ کے مزارات پر جا کر سجدے کرتے ہیں اور ان سے منتیں اور مرادیں مانگتے ہیں، اپنی مشکلات اور مصائب میں ان سے سوال کرتے ہیں اور ان سے مدد چاہتے ہیں، چونکہ یہ لوگ ان اولیاء اللہ کو اللہ تعالیٰ کا مساوی اور مستقل بالذات نہیں مانتے اس لیے ان امور میں سے کوئی چیز بھی شرک نہیں ہے، لیکن ان کا یہ عمل انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کے خلاف ضرور ہے، کیونکہ تمام انبیاء علیہم السلام نے یہی تعلیم دی ہے کہ اپنی مشکلات اور مصائب میں صرف اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی جائے اور اسی سے سوال کیا جائے، علاوہ ازیں بزرگانِ دین کا عُرس مناتے ہیں اور عُرس کے نام پر وہاں میلا لگایا جاتا ہے اور اس میں کھیل تماشے ہوتے ہیں اور متعدد شرعی احکام کی خلاف ورزی ہوتی ہے، بعض جگہ ناچ گانا بھی ہوتا ہے، اس صورتِ حال کی اصلاح ضروری ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۱۔ بَابُ: مَا جَاءَ فِي دُعَاءِ النَّبِيِّ ﷺ أُمَّتَهُ إِلَى تَوْحِيدِ اللهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى

نبی ﷺ کا اپنی امت کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی توحید کی طرف دعوت دینے کے متعلق احادیث

بابِ مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی توحید سے مراد ہے اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ تعالیٰ واحد ہے، اور یہ وہ چیز ہے جس کو بعض غالی صوفیاء نے کہا ہے کہ یہ عام لوگوں کی توحید ہے، اور دو مخصوص جماعتوں نے توحید کی تفسیر میں دو چیزوں کی اختراع کی، ایک معتزلہ کی تفسیر ہے، ان کے نزدیک توحید کا معنی یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کی نفی کرتے ہیں، اور وہ قرآن مجید کو مخلوق مانتے ہیں، اور تقدیر کا اور اللہ تعالیٰ کو قیامت کے دن دیکھنے کا انکار کرتے ہیں، اور وہ کہتے ہیں کہ مرتکب کبیرہ ایمان سے نہیں نکلتا، اور دوسری جماعت غالی صوفیوں کی ہے، کیونکہ ان کے اکابر نے جب کہ محو اور فنا کے مسئلہ میں بحث کی اور ان کی مراد یہ تھی کہ تسلیم اور رضا میں مبالغہ کیا جائے اور تمام معاملات کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا جائے، اور ان میں سے بعض لوگوں نے اتنا مبالغہ کیا کہ وہ المرجئہ کے مشابہ ہو گئے اور بندہ کی طرف فعل کی نسبت کی نفی کرتے تھے، اور ان میں سے بعض نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کو ایمان کے منافی نہیں قرار دیا، پھر بعض لوگوں نے اور غلو کیا اور انہوں نے کفار کو بھی معذور قرار دیا، پھر بعض لوگوں نے اور زیادہ غلو کیا اور ان کا یہ زعم تھا کہ اللہ تعالیٰ کی توحید سے مراد وحدۃ الوجود کا اعتقاد ہے۔ (فتح الباری ج۸ ص ۴۹۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۳۷۱۔ حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ حَدَّثَنَا زَكَرِيَّاءُ بْنُ إِسْحَاقَ عَنْ يَحْيَى بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ صَيْفِيٍّ عَنْ أَبِي مَعْبَدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضي الله عنهما أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ بَعَثَ مُعَاذًا إِلَى الْيَمَنِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو عاصم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں زکریاء بن اسحاق نے حدیث بیان کی از یحییٰ بن عبد اللہ بن صیفی از ابی معبد از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک نبی ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا۔

(صحیح البخاری: ۱۳۹۵، ۱۴۵۸، ۱۴۹۶، ۲۴۴۸، ۴۳۴۷، ۷۳۷۱، ۷۳۷۲، صحیح مسلم: ۱۹، سنن ترمذی: ۶۲۵، سنن نسائی: ۲۴۳۵، سنن ابوداؤد: ۱۵۸۴، سنن ابن ماجہ: ۱۷۸۳، مسند احمد: ۲۰۷۲، سنن دارمی: ۱۶۱۴)

۷۳۷۲۔ وَحَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي الْأَسْوَدِ حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أُمَيَّةَ عَنْ يَحْيَى بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ صَيْفِيٍّ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا مَعْبَدٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ يَقُولُ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ يَقُولُ لَمَّا بَعَثَ النَّبِيُّ ﷺ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ إِلَى نَحْوِ أَهْلِ الْيَمَنِ قَالَ لَهُ إِنَّكَ تَقْدَمُ عَلَى قَوْمٍ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ فَلْيَكُنْ أَوَّلَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَى أَنْ يُوَحِّدُوا اللهَ تَعَالَى فَإِذَا عَرَفُوا ذَلِكَ فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللهَ قَدْ فَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي يَوْمِهِمْ وَلَيْلَتِهِمْ فَإِذَا صَلَّوْا فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ زَكَاةً فِي أَمْوَالِهِمْ تُؤْخَذُ مِنْ غَنِيِّهِمْ فَتُرَدُّ عَلَى فَقِيرِهِمْ فَإِذَا أَقَرُّوا بِذَلِكَ فَخُذْ مِنْهُمْ وَتَوَقَّ كَرَائِمَ أَمْوَالِ النَّاسِ۔

اور مجھے عبداللہ بن ابی الاسود نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الفضل بن العلاء نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل بن امیہ نے حدیث بیان کی از یحییٰ بن محمد بن عبداللہ بن صیفی، وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ابومعبد مولیٰ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا تو آپ نے ان سے فرمایا: بے شک تم اہلِ کتاب کی ایک قوم کے پاس جاؤ گے، پس سب سے پہلے تم ان کو اس کی دعوت دینا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو واحد مانیں، پس جب وہ اس کو جان لیں تو ان کو خبر دینا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اوپر ان کے دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں، پس جب وہ یہ نمازیں پڑھ لیں تو ان کو خبر دینا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے ان کے اوپر ان کے مالوں میں سے زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے مالدار لوگوں سے لی جائے گی اور ان کے فقیروں پر لوٹا دی جائے گی، پس جب وہ اس کا اقرار کرلیں تو ان سے زکوٰۃ لے لینا اور لوگوں کے عمدہ مالوں کو لینے سے بچنا۔

(صحیح البخاری: ۱۳۹۵، ۱۴۵۸، ۱۴۹۶، ۲۴۴۸، ۴۳۴۷، ۷۳۷۱، ۷۳۷۲، صحیح مسلم: ۱۹، سنن ترمذی: ۶۲۵، سنن نسائی: ۲۴۳۵، سنن ابوداؤد: ۱۵۸۴، سنن ابن ماجہ: ۱۷۸۳، مسند احمد: ۲۰۷۲، سنن داری: ۱۶۱۴)

صحیح البخاری: ۷۳۷۲، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی مشکل عبارات کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو اہلِ یمن کی طرف بھیجا''۔ اس سے پہلے اواخرِ مغازی میں یہ حدیث گزری ہے: ان میں سے ہر ایک کو مخلاف پر بھیجا۔ اور یمن میں دو مخلاف ہیں۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''اہلِ یمن کی طرف بھیجا'' اس میں ذکر کل کا ہے اور مراد اس سے بعض ہیں، کیونکہ آپ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو بعض اہلِ یمن کی طرف بھیجا تھا سب کی طرف نہیں بھیجا تھا۔ اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حکومت یمن کے مخصوص علاقہ میں تھی۔

یمن میں رہنے والوں کا مذہب

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "بے شک تم اہلِ کتاب کی قوم کے پاس آ ؤ گے"۔ ان اہلِ کتاب سے مراد یہود ہیں، اور یہود کے یمن میں داخل ہونے کی ابتداء اسعد ذی کرب کے زمانہ میں تھی، پھر اسلام قائم ہوا اور بعض اہلِ یمن یہود کے مذہب پر تھے، اور نصرانیہ کا دین یمن میں اس کے بعد داخل ہوا جب حبشہ یمن پر غالب ہو گئے تھے اور ان ہی میں سے ابرہہ تھا جو ہاتھی والا تھا، جس نے مکہ پر حملہ کیا تھا اور اس کا ارادہ کعبہ کو منہدم کرنا تھا حتیٰ کہ سیف بن ذی یزن نے ان کو جلاوطن کر دیا جیسا کہ امام ابن اسحاق نے تفصیل سے ذکر کیا ہے اور اس کے بعد یمن میں نصاریٰ میں سے کوئی باقی نہیں رہا سوائے نجران کے، اور یہ مکہ اور یمن کے درمیان میں ہے، اور یمن کے بعض شہروں میں کم تعداد میں یہودی رہے۔

غور وفکر سے اللہ تعالیٰ کی معرفت کا وجوب اور احکام شرعیہ کا انبیاء علیہم السلام کی تعلیم سے ثبوت

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "پس جس چیز کی طرف تم ان کو سب سے پہلے دعوت دو" وہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو واحد مانیں۔
اس سلسلہ میں کئی اقوال ہیں کہ سب سے پہلے کیا چیز واجب ہے۔
بعض علماء نے کہا ہے کہ سب سے پہلے معرفت واجب ہے یعنی سب سے پہلے انسان اس کا مکلف ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرے اور بعض علماء نے کہا کہ سب سے پہلے اس پر غور وفکر کرنا واجب ہے، کیونکہ غور وفکر کرنے سے اس کو معرفت حاصل ہو گی، اس لیے غور وفکر کرنا معرفت کے وجوب پر مقدم ہے اور ان لوگوں کا استدلال اس آیت سے ہے:

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۭ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۭ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ڎ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (الروم: ۳۰)

سو آپ باطل پرستوں سے کنارہ کش ہو کر اپنے آپ کو دین حق پر قائم رکھیں (اے لوگو!) اپنے آپ کو اللہ کی بنائی ہوئی اس خلقت پر قائم رکھو جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے، اللہ کی خلقت میں کوئی تبدیلی نہیں ہے، یہی صحیح دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے O

اور ان کا استدلال اس حدیث سے ہے کہ ہر مولود فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی اور نصرانی بنا دیتے ہیں۔
کیونکہ اس آیت اور حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ معرفت اصلِ فطرت سے حاصل ہوتی ہے، اور اس پر یہ متفرع کیا ہے کہ ہر ایک پر اللہ تعالیٰ کی معرفت ان دلائل سے واجب ہے جو اللہ تعالیٰ کے وجود پر دلالت کرتے ہیں اور اس مسئلہ میں تقلید کافی نہیں ہے۔
امام غزالی نے کہا ہے: ایک جماعت نے اس مسئلہ میں اسراف کیا اور انہوں نے عام مسلمانوں کو کافر قرار دیا اور ان کا یہ زعم تھا کہ جو عقائد شرعیہ کی ان کے دلائل سے معرفت حاصل نہ کرے تو وہ کافر ہے، پس انہوں نے اللہ تعالیٰ کی وسیع رحمت کو تنگ کر دیا اور انہوں نے متکلمین کی ایک قلیل جماعت کے لیے جنت کو مختص قرار دیا۔
اکثر ائمہ فتویٰ سے منقول ہے، انہوں نے کہا کہ عوام کو اس کا مکلف کرنا جائز نہیں ہے کہ وہ اصول اور عقائد کو ان کے دلائل سے حاصل کریں، کیونکہ اس میں شدید مشقت ہے۔

ابوالمظفر بن السمعانی نے کہا کہ صحابہ اور تابعین میں سے کسی نے بھی توحید میں عقلی دلائل کی طرف توجہ نہیں کی اور نہ وہ حوادث کے احکام میں تعریفات کے ساتھ مشغول ہوئے۔ نیز ابوالمظفر بن السمعانی نے کہا کہ عقل نہ کسی چیز کو واجب کرتی ہے اور نہ حرام کرتی ہے اور عقل کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے، اور اگر شریعت کسی حکم کے ساتھ وارد نہ ہوتی تو کسی شخص کے اوپر کسی حکم پر عمل کرنا واجب نہ ہوتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝ (بنی اسرائیل:١٥)
اور ہم اس وقت تک عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک ہم رسول نہ بھیج دیں O

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ (النساء:١٦٥)
(اور ہم نے) خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے رسول بھیجے تاکہ رسولوں کے بعد لوگوں کے لیے اللہ پر کوئی حجت نہ رہے، اور اللہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے O

(فتح الباری ج ٨ ص ٤٩٧، دارالمعرفہ، بیروت، ١٤٢٦ھ)

صحیح البخاری: ٧٣٧٢، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ٨٠٤ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

سب سے پہلے توحید کی دعوت

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''سب سے پہلے ان لوگوں کو تم اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف دعوت دو''۔

اس سے مراد یہ ہے کہ یہودی جو کہتے ہیں ''عزیر'' اللہ کا بیٹا ہے، ان سے اس قول کا رد کرایا جائے، اور عیسائی جو کہتے ہیں کہ ''مسیح'' اللہ کا بیٹا ہے، ان سے اس قول کا رد کرایا جائے اور ان سے یہ اقرار کرایا جائے کہ بے شک اللہ تعالیٰ واحد ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے، اور یہ تمام امور توحید کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کفار کے خلاف قتال سے پہلے انہیں توحید کی اور اسلام کی دعوت دی جائے، اور اس میں اختلاف ہے کہ جن کو دعوتِ توحید پہنچ گئی ہے ان کو دوبارہ دعوت دی جائے گی یا نہیں؟

المدوّنہ میں مذکور ہے کہ اس مسئلہ میں امام مالک سے دو روایتیں ہیں، رہے وہ لوگ جن کو دعوتِ توحید نہیں پہنچی تو ان سے قتال نہیں کیا جائے گا حتیٰ کہ ان کو دعوت دی جائے، پس اگر ان کے معاملہ میں شک ہو تو انہیں توحید کی دعوت دینا شک کو منقطع کرنے والی ہے، امام ابوحنیفہ نے کہا: اگر ان کو توحید کی دعوت پہنچ گئی ہے تو بہتر ہے کہ ان کے قتال سے پہلے ان کو پھر دعوت دی جائے۔

پانچ نمازوں کی فرضیت کی تبلیغ

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''جب وہ لوگ توحید کو جان لیں تو پھر ان کو خبر دینا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر پانچ نمازیں فرض کی

ہیں''۔

علامہ داؤدی نے کہا کہ ظاہرِ حدیث کا معنی یہ ہے کہ جب انہیں توحید کی دعوت دے دی جائے پھر اس کے بعد ان کو یہ بتایا جائے کہ ان پر پانچ نمازیں فرض ہیں۔

علامہ ابن العطار نے لکھا ہے کہ جب وہ لوگ اسلام کو قبول کر لیں اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار کر لیں اور احکامِ شرعیہ اور وضو کی حدود اور نماز کے فرائض اور واجبات اور زکوٰۃ اور روزے اور استطاعت کے ساتھ بیت اللہ الحرام کے حج کرنے کو جان لیں، اور اگر وہ اس کا التزام نہ کریں تو ان کا اسلام قبول نہیں کیا جائے گا، اور اس سے وہ مرتد نہیں ہوں گے، اس کے برخلاف جس نے نماز پڑھی پھر وہ مرتد ہو گیا، پس اگر اس نے ایک نماز پڑھی یا مرتد ہو گیا ہے تو اس وقت اس سے توبہ طلب کی جائے گی، اگر اس نے توبہ کر لی تو فبہا ورنہ اس کو قتل کر دیا جائے گا۔

بعض متاخرین نے کہا ہے: جب اس نے الوہیت اور وحدانیت کا اقرار کر لیا اور نماز یا روزے یا حج کا انکار کیا تو وہ مرتد کے حکم میں ہے۔

مال داروں سے زکوٰۃ وصول کر کے فقراء کی طرف لوٹانا

اس حدیث میں مذکور ہے ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے فرمایا: جب وہ لوگ نماز پڑھ لیں تو ان کو یہ خبر دینا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ان کے اموال میں زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے مال داروں سے لی جائے گی اور ان کے فقراء پر لوٹا دی جائے گی''۔

اس حدیث میں دو دلیلیں ہیں، ایک یہ ہے کہ جس شخص کے پاس بقدرِ نصاب مال ہو تو وہ غنی ہے اور اس شخص کے لیے زکوٰۃ لینا جائز نہیں ہے، اور یہی امام مالک کا قول ہے اور امام ابوحنیفہ نے بھی یہی کہا ہے۔ (نصاب کی مقدار دو سو درہم ہے، ۲۰۱۳ء میں بینک کے اعلان کے مطابق دو سو درہم 41,872 روپے ہیں)۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ زکوٰۃ ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف منتقل نہیں کی جائے گی، زکوٰۃ کو صرف اس جگہ کے فقراء میں خرچ کیا جائے گا جس جگہ کے مال داروں سے زکوٰۃ لی گئی ہے، تاہم اس میں فقہاء کا اختلاف ہے، فقہاءِ احناف کے نزدیک یہ ضروری نہیں ہے کہ جس شہر سے زکوٰۃ وصول کی گئی ہے اسی شہر کے فقراء میں خرچ کی جائے۔

نیز اس حدیث میں ارشاد ہے کہ ''تم لوگوں کے عمدہ مالوں سے اجتناب کرنا'' یعنی اگر مویشیوں کو زکوٰۃ میں وصول کیا جائے تو سب سے عمدہ، اعلیٰ اور فربہ مویشی کو زکوٰۃ میں نہ لیا جائے۔ اور اس میں اختلاف ہے کہ جب تمام مویشی عمدہ ہوں یا تمام ردی ہوں تو پھر زکوٰۃ میں کون سے مویشی کو لیا جائے۔

محمد بن عبدالحکیم نے کہا کہ اگر اصحابِ مالک مخالفت نہ کریں تو ظاہر یہ ہے کہ جو مویشی متوسط ہوں ان کو زکوٰۃ میں وصول کیا جائے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۳ ص ۱۸۰۔ ۱۸۳، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۷۳۷۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي حَصِينٍ وَالْأَشْعَثِ بْنِ سُلَيْمٍ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں غندر نے حدیث

سَمِعَا الْأَسْوَدَ بْنَ هِلَالٍ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ يَا مُعَاذُ أَتَدْرِي مَا حَقُّ اللَّهِ عَلَى الْعِبَادِ قَالَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ أَنْ يَعْبُدُوهُ وَلَا يُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا أَتَدْرِي مَا حَقُّهُمْ عَلَيْهِ قَالَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ أَنْ لَا يُعَذِّبَهُمْ

بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از ابی حصین اور الاشعث بن سلیم، ان دونوں نے اسود بن ہلال سے سنا از حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے معاذ! کیا تم جانتے ہو کہ اللہ کا بندوں پر کیا حق ہے؟ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ اور اس کے رسول کو ہی زیادہ علم ہے۔ آپ نے فرمایا: اللہ کا حق یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں، کیا تم جانتے ہو کہ بندوں کا اللہ پر کیا حق ہے؟ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ اور اس کے رسول ہی کو زیادہ علم ہے، آپ نے فرمایا: بندوں کا اللہ پر حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہ دے۔

(صحیح البخاری: ۲۸۵۶، ۵۹۶۷، ۶۲۶۷، ۶۵۰۰، ۷۳۷۳، صحیح مسلم: ۳۰، سنن ترمذی: ۲۶۴۳، سنن ابوداؤد: ۲۵۵۹، سنن ابن ماجہ: ۴۲۹۶، مسند احمد: ۲۱۳۸۶)

صحیح البخاری: ۷۳۷۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

"حق سے مراد یہاں پر وہ چیز ہے جس کا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے مستحق ہے یعنی جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر واجب قرار دیا ہے"۔ اور علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ حق سے مراد وہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ نے ان سے خطاب فرمایا ہے اور ان پر جو احکام لازم کیے ہیں سو ان احکام کی اطاعت کا اللہ تعالیٰ مستحق ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۵۵۹، دارالمعرفہ، بیروت)

اس حدیث میں مذکور ہے "اللہ کا بندوں پر حق یہ ہے کہ اس کے بندے اللہ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں"۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو واحد مانیں اور عبادت سے مراد ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کریں اور گناہوں سے اجتناب کریں اور اس کی نافرمانی نہ کریں۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "بندوں کا اللہ تعالیٰ پر کیا حق ہے؟"۔ معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ ہے جو اللہ تعالیٰ پر عقلاً واجب ہے جیسے کوئی مزدور کام کرے تو مالک پر اس کی مزدوری کا حق ہوتا ہے۔ لیکن اہل سنت کے نزدیک اللہ تعالیٰ پر کسی کا حق نہیں ہے، یعنی جس طرح مزدور کی مزدوری مالک پر حق ہوتی ہے، اس طرح اللہ تعالیٰ پر کوئی حق نہیں ہے اور علامہ قرطبی نے کہا ہے: بندوں کا اللہ تعالیٰ پر حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عبادت اور اطاعت کرنے پر جو بندوں سے ثواب کا وعدہ اپنے فضل سے فرمایا ہے تو اس وعدہ کے مطابق ان کو ثواب عطا فرمائے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۳۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۷۳۷۳، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دراز گوش پر دو آدمیوں کا سوار ہونا جائز ہے۔

(۲) اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تواضع کا ثبوت ہے، کیونکہ آپ نے دراز گوش پر سواری کی۔ اور جو شخص دراز گوش پر سواری کو حقیر جانے وہ دراز گوش سے بھی زیادہ حقیر ہے، کیونکہ دراز گوش پر سواری کرنا آپ کی سنت ہے۔

(۳) اس حدیث میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی فضیلت ہے اور ان کا حسنِ ادب ہے کہ انہوں نے لبیک کہا اور سعدیک کہا۔ اور جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ کیا تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا بندوں پر کیا حق ہے؟ تو انہوں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں، کیونکہ ہر چیز کی حقیقتِ حال کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ہی کو علم ہوتا ہے۔

(۴) اور ان کا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب ہو کر بیٹھنا۔

(۵) اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کلام کی تاکید کے لیے اس کا تکرار کرنا چاہیے۔

(۶) اور شیخ اپنے تلمیذ سے کسی حکم کے متعلق پوچھے تاکہ معلوم ہو کہ تلمیذ کو اس حکم کے متعلق کیا معلوم ہے، اور جو اس کو معلوم نہ ہو اس حکم کو شیخ بیان کرے۔

(۷) صحیح البخاری کے اوائل میں یہ حدیث ہے اس میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو اس بشارت دینے سے منع کیا تھا کہ اللہ پر یہ حق ہے کہ جب بندے اس کی عبادت کرلیں تو وہ ان کو عذاب نہ دے، تاکہ لوگ اس بشارت پر اعتماد نہ کرلیں اور عمل کو چھوڑ دیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب احادیث میں کسی چیز کی رخصت ہو ان کو بالعموم بیان نہیں کرنا چاہیے تاکہ لوگ اپنی ناقص فہموں سے غلط رائے نہ قائم کرلیں۔ اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو سنا اور اس حدیث کی وجہ سے انہوں نے عمل میں کوشش کو ترک نہیں کیا اور نہ اللہ تعالیٰ سے خوف میں کوئی کمی کی، لیکن جو شخص حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے مرتبہ کا نہ ہو اس سے یہ اطمینان نہیں ہے، سو وہ ظاہر حدیث پر اعتماد کرتے ہوئے عمل میں کوشش کرنے کو ترک کردے گا۔ اور اس کے معارض کتاب اور سنت کی وہ تصریحات ہیں کہ بعض نافرمان موحدین کو دوزخ میں داخل کیا جائے گا، اس لیے ان دونوں چیزوں کو جمع کرنا واجب ہے۔

(۸) زہری کا قول یہ ہے کہ یہ رخصت فرائض اور حدود کے نزول سے پہلے تھی۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ کتاب الجنائز میں یہ حدیث ہے کہ "لا الٰہ الا اللہ" جنت کی چابی ہے، مگر ہر چابی کے دندانے ہوتے ہیں اور اس چابی کے دندانے اعمالِ صالحہ ہیں۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ شرک دوزخ میں داخل ہونے کا سبب ہے، تو جو شرک کو ترک کرے گا وہ دائماً دوزخ میں نہیں رہے گا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ موحدین کے تمام بدن کو آگ نہیں جلائے گی کیونکہ سجدہ کی جگہوں کو آگ نہیں جلاتی۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۵۵۷۔۵۵۹، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

۷۳۷۴۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي صَعْصَعَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ رَجُلًا سَمِعَ رَجُلًا يَقْرَأُ قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ يُرَدِّدُهَا فَلَمَّا أَصْبَحَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی صعصعۃ از والد خود از حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک

جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَذَكَرَ لَهُ ذَلِكَ وَكَأَنَّ الرَّجُلَ يَتَقَالُّهَا فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنَّهَا لَتَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْآنِ زَادَ إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ مَالِكٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ أَخْبَرَنِي أَخِي قَتَادَةُ بْنُ النُّعْمَانِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ۔

مرد نے سنا کہ ایک شخص یہ پڑھ رہا ہے"قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ ۝" (الاخلاص:۱)"اور اس کو بار بار دہرا رہا ہے، پس جب صبح ہوئی تو وہ مرد نبی ﷺ کے پاس آیا اور آپ سے اس بات کا ذکر کیا اور گویا کہ وہ مرد اس آیت کو کم سمجھ رہا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! بے شک یہ آیت تہائی قرآن کے برابر ہے۔

اسماعیل بن جعفر نے از امام مالک از عبدالرحمٰن از والد خود از حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ یہ اضافہ کیا ہے: مجھے میرے بھائی قتادہ بن نعمان نے نبی ﷺ سے خبر دی۔

(صحیح البخاری: ۵۰۱۳، ۶۶۴۳، ۷۴۷۳، سنن ابوداؤد: ۱۴۶۱، سنن نسائی: ۹۹۵، مسند احمد: ۱۰۹۱۳، موطا امام مالک: ۴۸۳)

صحیح البخاری: ۷۴۷۳، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

"هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ" کے تہائی قرآن مجید کے برابر ہونے کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ" تہائی قرآن مجید کے برابر ہے، اس کا ایک معنی یہ ہے کہ اس کا اجر تہائی قرآن مجید کے برابر ہے، یہ مطلب نہیں ہے کہ قرآن مجید کی کوئی ایک آیت دوسری آیت سے افضل ہے، کیونکہ قرآن مجید کی ہر آیت اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اس آیت کے پڑھنے سے اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے دگنا چوگنا ثواب عطا فرمائے گا اور یہ ثواب کا دگنا کرنا تہائی قرآن کی تلاوت کے اجر کے برابر ہوگا۔

اور تیسرا قول یہ ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ قرآن مجید کے مضامین تین قسموں پر ہیں: ان میں قصص بھی ہیں اور احکام بھی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اوصاف بھی ہیں۔ اور "هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ" اللہ تعالیٰ کی صفات کے ذکر پر مشتمل ہے اور یہ اس اعتبار سے قرآن مجید کی تیسری قسم ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ اس خاص شخص کے متعلق فرمایا جو قرآن مجید کی اس آیت کو بار بار پڑھ رہا تھا، لیکن یہ محمل بعید ہے۔ اور چوتھا قول یہ ہے کہ اس آیت کو اس لیے فضیلت دی گئی ہے کہ اس میں کسی عمل کا ذکر نہیں ہے، اس میں صرف توحید کا ذکر ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۳ ص ۱۸۴، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

علامہ ابوالعباس احمد بن عمر بن ابراہیم القرطبی المالکی التوفی ۶۵۶ھ لکھتے ہیں:

یہ آیت اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے دو ایسے اسموں پر مشتمل ہے جو اللہ تعالیٰ کے تمام اوصاف کمالیہ کو متضمن ہیں، اور اس آیت کے علاوہ اور کسی آیت میں ایسے دو اسم نہیں ہیں، ان میں سے ایک اسم "الاحد" ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس وجودِ خاص کی خبر دیتا ہے

جس میں کوئی دوسرا اس کا شریک نہیں ہے، اور دوسرا اسم "الصمد" ہے جو اللہ تعالیٰ کے تمام اوصاف کو متضمن ہے اور اس کا اطلاق اس پر صحیح ہے جس نے حقیقتاً تمام صفات کمال کو جمع کر لیا ہو، اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی میں حقیقتاً تمام صفات کمال جمع نہیں ہیں، پس واضح ہو گیا کہ ان دو اسموں کی جو خصوصیت ہے وہ کسی اور اسم میں نہیں ہے، اور چونکہ اس آیت میں یہ خصوصیت ظاہر ہوئی ہے، اس وجہ سے یہ آیت تہائی قرآن مجید کے برابر ہے۔ (المفہم شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۴۱۔ ۴۴۲، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

۷۳۷۵۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ حَدَّثَنَا عَمْرٌو عَنِ ابْنِ أَبِي هِلَالٍ أَنَّ أَبَا الرِّجَالِ مُحَمَّدَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَهُ عَنْ أُمِّهِ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَكَانَتْ فِي حَجْرِ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ بَعَثَ رَجُلًا عَلَى سَرِيَّةٍ وَكَانَ يَقْرَأُ لِأَصْحَابِهِ فِي صَلَاتِهِمْ فَيَخْتِمُ بِقُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ فَلَمَّا رَجَعُوا ذَكَرُوا ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ سَلُوهُ لِأَيِّ شَيْءٍ يَصْنَعُ ذٰلِكَ فَسَأَلُوهُ فَقَالَ لِأَنَّهَا صِفَةُ الرَّحْمٰنِ وَأَنَا أُحِبُّ أَنْ أَقْرَأَ بِهَا فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَخْبِرُوهُ أَنَّ اللّٰهَ يُحِبُّهُ۔

(صحیح مسلم: ۸۱۳، سنن نسائی: ۹۹۳)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں احمد بن صالح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن وہب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عمرو نے حدیث بیان کی از ابن ابی ہلال، وہ بیان کرتے ہیں کہ ابوالرجال محمد بن عبدالرحمٰن نے ان کو حدیث بیان کی از اپنی والدہ عمرہ بنت عبدالرحمٰن اور وہ نبی ﷺ کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گود میں تھیں، وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے خبر دیتی ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک مرد کو ایک لشکر میں بھیجا اور وہ اپنے اصحاب کو نماز پڑھاتے تھے اور اس نماز کی قراءت کو قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ پر ختم کرتے تھے، جب وہ لوگ واپس ہوئے تو انہوں نے نبی ﷺ سے اس کا ذکر کیا، آپ نے فرمایا: اس شخص سے پوچھو یہ کس وجہ سے ایسا کرتا تھا، سو اہلِ لشکر نے اس سے سوال کیا تو اس نے بتایا کہ یہ آیت رحمٰن کی صفت ہے، اور میں اس کو پڑھنے سے محبت کرتا ہوں، تو نبی ﷺ نے فرمایا: اس کو خبر دو کہ بے شک اللہ اس سے محبت کرتا ہے۔

صحیح البخاری: ۷۳۷۵، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے "نبی ﷺ نے ایک مرد کو ایک لشکر پر امیر بنا کر بھیجا"۔

کتاب الصلوٰۃ کے باب "الجمع بین السورتین فی رکعة" میں گزر چکا ہے کہ اس شخص کے نام میں اختلاف ہے، اور اس شخص کے درمیان اختلاف ہے جو اپنی قوم کو مسجد قباء میں نماز پڑھاتا تھا، آیا یہ دونوں شخص ایک ہیں یا الگ الگ۔

ایک رکعت میں دو سورتوں کے پڑھنے کا جواز

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "وہ شخص قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ ۞ پڑھ کر قراءت کو ختم کرتا تھا"۔

علامہ ابن دقیق العید نے کہا ہے: اس میں یہ دلیل ہے کہ وہ مرد کوئی اور سورت پڑھتا تھا، پھر ہر رکعت کے اخیر میں سورۂ "قُلْ

هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝" پڑھتا تھا اور یہی ظاہر ہے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ مراد ہو کہ وہ آخری رکعت کے اندر یہ سورت پڑھتا تھا، اور پہلی تقدیر سے یہ معلوم ہوا کہ ایک رکعت میں دو سورتوں کو جمع کر کے پڑھنا جائز ہے، اور اس پر بحث کتاب الصلوٰۃ کے اس باب میں گزر چکی ہے اور دوبارہ اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفات کا ثبوت

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "اس شخص نے بتایا کہ "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝" رحمٰن کی صفت ہے اور میں اس کو پڑھنا پسند کرتا ہوں۔

علامہ ابن التین نے کہا: اس مرد نے کہا کہ یہ رحمٰن کی صفت ہے، اس لیے کہ اس سورت میں اسماء اور اس کی صفات کا ذکر ہے، اور اللہ تعالیٰ کے اسماء اس کی صفات سے ماخوذ ہیں۔

اور دوسرے علماء نے کہا ہے: یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس صحابی نے یہ بات اس لیے کہی ہو کہ اس نے اس بات کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہو یا صراحتاً یا اس نے استنباط کیا ہو۔

اور امام بیہقی نے "کتاب الاسماء والصفات" میں سندِ حسن کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ یہود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، پس انہوں نے کہا: آپ ہمارے سامنے اپنے رب کی صفت بیان کیجئے جس کی آپ عبادت کرتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝" پوری سورت نازل کی، پس آپ نے فرمایا: یہ میرے رب عزوجل کی صفت ہے۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مشرکین نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: آپ ہمارے لیے اپنے رب کا نسب بیان کیجئے، تو اللہ تعالیٰ نے سورۂ اخلاص نازل فرمادی۔۔۔ الحدیث

اور یہ حدیث امام ابن خزیمہ نے "کتاب التوحید" میں روایت کی ہے اور حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے اور اس میں یہ مذکور ہے کہ جو شخص بھی پیدا ہوتا ہے وہ مرتا ہے اور جو شخص بھی مرتا ہے اس کا کوئی وارث ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ نہ مرتا ہے اور نہ اس کا کوئی وارث ہوتا ہے اور نہ کوئی اس کے مشابہ ہے اور نہ کوئی اس کے مساوی ہے، اور اس کی مثل کوئی چیز نہیں ہے۔

اور اس باب کی حدیث میں ان علماء کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، اور یہ جمہور کا قول ہے۔ اور ابنِ حزم کا یہ قول شاذ ہے کہ معتزلہ اور دیگر متکلمین کی صفات کے متعلق اصطلاح ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب میں سے کسی سے یہ ثابت نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔

ابنِ حزم کا یہ کلام مردود ہے، کیونکہ اس پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں، قرآن مجید میں ہے:

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا (الاعراف:۱۸۰) اور سب سے اچھے نام اللہ ہی کے ہیں تو ان ہی ناموں سے اس کو پکارو۔

اور الحشر: ۲۴ میں اللہ تعالیٰ کے جو اسماء ذکر کیے گئے ہیں، ان ہی کو لغت عرب میں صفات کہا جاتا ہے، پس اللہ تعالیٰ کے اسماء کے اثبات میں اس کی صفات کا اثبات ہے، کیونکہ جب یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ "حی" (زندہ) ہے تو اللہ تعالیٰ کے لیے ایک صفت کو ثابت کیا گیا ہے جو اس کی ذات پر زائد ہے اور وہ صفتِ حیات ہے۔ اور اگر یہ نہ ہوتا تو صرف ان الفاظ پر اختصار کرنا واجب

ہوتا جو ذات کے وجود کی خبر دیتے ہیں، اور اللہ عزوجل نے فرمایا ہے:

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ آپ کا رب غالب ہے اور ہر اس عیب سے پاک ہے جس کو وہ بیان کرتے ہیں O (الصّٰفّٰت: ۱۸۰)

اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو مشرکین کے بیان کئے ہوئے ان اوصاف سے منزّہ فرمایا ہے جو صفاتِ نقص ہیں، اور اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وصف، صفتِ کمال ہے۔

امام بیہقی اور ائمہ سنۃ نے ان تمام اسماء کی دو قسمیں بیان کی ہیں جو قرآن مجید میں اور احادیثِ صحیحہ میں ہیں۔

پہلی قسم: پہلی قسم وہ صفات ہیں جن کا اللہ تعالیٰ ازل میں مستحق ہے۔

دوسری قسم: اس کی فعل کی صفات ہیں، یہ وہ صفات ہیں جو ازل میں نہیں ہیں اس کے بعد ہیں۔

نیز امام بیہقی نے کہا: اللہ تعالیٰ کی صرف ان ہی صفات کو بیان کرنا جائز ہے جن پر کتاب اور سنتِ صحیحہ یا اجماع دلالت کرتا ہو، یا جو عقلی دلیل سے مقترن ہوں جیسے حیات، قدرت، علم، ارادہ، سمع، بصر اور کلام۔ یہ اس کی ذات کی صفات ہیں۔

اور جو اس کے افعال کی صفات ہیں جیسے تخلیق کرنا، رزق دینا، زندہ کرنا، مارنا، معاف فرمانا اور سزا دینا۔

اور ان میں سے بعض صفات وہ ہیں جو کتاب اور سنت کی نصوص سے ثابت ہیں، جیسے الوجہ (چہرہ) اور الید (ہاتھ) اور العین (آنکھ)۔ اور جیسے اللہ تعالیٰ کا مستوی ہونا، اللہ تعالیٰ کا نازل ہونا، اللہ تعالیٰ کا آنا، یہ سب فعل کی صفات ہیں، پس ان صفات کا اثبات جائز ہے کیونکہ احادیث میں ان صفات کی خبر موجود ہے، لیکن یہ صفات اس طرح بیان کی جائیں جس سے تشبیہ کی نفی ہو یعنی اللہ تعالیٰ کا چہرہ ہے لیکن کسی مخلوق کے چہرہ کی مثل نہیں ہے، اس کا ہاتھ ہے لیکن کسی مخلوق کے ہاتھ کی مثل نہیں ہے علیٰ ھذا القیاس۔

اللہ تعالیٰ کے محبت کرنے کی توجیہ

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "اس شخص نے کہا کہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ رحمٰن کی صفت ہے اور میں اس کے پڑھنے سے محبت کرتا ہوں، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو خبر دو کہ اللہ تعالیٰ بھی اس سے محبت کرتا ہے"۔

علامہ ابن دقیق العید نے کہا: ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس سے محبت کرنے کا سبب یہ ہو کہ وہ اس سورت سے محبت کرتا ہے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ چونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے ذکر سے محبت کرتا تھا، اور یہ اس کے صحتِ اعتقاد کی دلیل ہے اس لیے اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے۔

علامہ المازری اور ان کے موافقین نے کہا: اللہ تعالیٰ کے بندوں سے محبت کرنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ثواب عطا فرمانے اور ان پر انعام فرمانے کا ارادہ فرماتا ہے۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا محبت کرنا نفسِ ثواب دینا اور انعام فرمانا ہے، اور محبت کا معنی یہاں پر میلانِ قلبی نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ میلان سے مقدس ہے۔

اور تیسرا قول یہ ہے کہ بندوں کا اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے اوپر مستقیم رہیں۔

علامہ ابن التین نے کہا ہے: مخلوق کے اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے کا معنی یہ ہے کہ مخلوق یہ ارادہ کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو نفع

پہنچائے۔

اور علامہ القرطبی نے المفہم میں کہا ہے: اللہ تعالیٰ کے محبت کرنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ کو اپنا مقرب بناتا ہے اور اس کا اکرام کرتا ہے اور اس میں کوئی اس کی طرف میلان نہیں ہے اور نہ کوئی غرض ہے جیسا کہ بندہ کی غرض ہوتی ہے اور بندہ کی اللہ سے محبت نفسِ ارادہ نہیں ہے بلکہ اس پر ایک زائد چیز ہے، کیونکہ مرد اپنے دل میں یہ چیز پاتا ہے کہ وہ اس سے محبت کرتا ہے جس کے کسب پر وہ قادر نہیں ہے اور نہ اس کی تحصیل پر وہ قادر ہے، اور ارادہ کا معنی ہے کہ فعل کو بعض ممکن وجوہ کے ساتھ خاص کرنا۔

اور امام بیہقی نے کہا ہے: ہمارے بعض اصحاب کے نزدیک محبت اور بغض صفاتِ فعل سے ہیں، پس اللہ کے محبت کرنے کا معنی یہ ہے کہ جو اس سے محبت کرے، اللہ تعالیٰ اس کی عزت افزائی فرماتا ہے اور اس کے بغض کا معنی یہ ہے کہ وہ اس کی اہانت فرماتا ہے۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۵۰۰۔۵۰۱، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۲۔ بَابُ: قَوْلِ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى: قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ۭ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى (الاسراء: ۱۱۰)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''آپ کہیے: تم اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو، تم جس نام سے بھی پکارو سب اسی کے اچھے نام ہیں''

۷۳۷۶۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهْبٍ وَأَبِي ظَبْيَانَ عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لَا يَرْحَمُ اللّٰهُ مَنْ لَا يَرْحَمُ النَّاسَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن سلام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو معاویہ نے خبر دی از الاعمش از زید بن وہب اور ابی ظبیان از جریر بن عبد اللہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم نہیں فرماتا جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا۔

(صحیح البخاری: ۶۰۱۳، ۷۳۷۶، صحیح مسلم: ۲۳۱۹، سنن ترمذی: ۱۹۲۲، مسند احمد: ۱۸۶۸۳)

۷۳۷۷۔ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عَاصِمٍ الْأَحْوَلِ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ إِذْ جَاءَهُ رَسُولُ إِحْدَى بَنَاتِهِ يَدْعُوهُ إِلَى ابْنِهَا فِي الْمَوْتِ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ ارْجِعْ إِلَيْهَا فَأَخْبِرْهَا أَنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أَعْطَى وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُسَمًّى فَمُرْهَا فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ فَأَعَادَتِ الرَّسُولَ أَنَّهَا قَدْ أَقْسَمَتْ لَتَأْتِيَنَّهَا فَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ وَقَامَ مَعَهُ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ وَمُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ فَدُفِعَ الصَّبِيُّ إِلَيْهِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو النعمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد بن زید نے حدیث بیان کی از عاصم الاحول از ابو عثمان النہدی از حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کے پاس تھے اچانک رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادیوں میں سے ایک کی طرف سے بھیجا ہوا شخص آیا جو آپ کو آپ کی صاحبزادی کے بیٹے کی طرف بلاتا تھا جو مرض الموت میں تھے، پس نبی ﷺ نے فرمایا: ان کی طرف واپس جاؤ، اور ان کو خبر دو کہ اللہ ہی کی ملکیت میں ہے جو اس نے لے لیا اور جو اس نے عطا فرمایا، اور ہر چیز اللہ

وَنَفْسُهُ تَتَقَعْقَعُ كَأَنَّهَا فِي شَنٍّ فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ فَقَالَ لَهُ سَعْدٌ يَا رَسُولَ اللهِ مَا هَذَا قَالَ هَذِهِ رَحْمَةٌ جَعَلَهَا اللهُ فِي قُلُوبِ عِبَادِهِ وَإِنَّمَا يَرْحَمُ اللهُ مِنْ عِبَادِهِ الرُّحَمَاءَ۔

تعالیٰ کے پاس ایک مقررہ میعاد تک ہے، پس میری بیٹی سے کہو کہ وہ صبر کرے اور ثواب کی نیت کرے، پس آپ کی صاحبزادی نے دوبارہ قاصد کو بھیجا اور انہوں نے یہ قسم دی کہ آپ ضرور آئیں، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور آپ کے ساتھ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بھی تھے، پس وہ بچہ آپ کی طرف دیا گیا اور اس کا سانس اکھڑ رہا تھا گویا کہ وہ بچہ جیسے پرانی مشک تھا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، پس آپ سے حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یارسول اللہ! یہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ رحمت ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے بندوں کے دلوں میں رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے رحم کرنے والے بندوں پر رحم فرماتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۱۲۸۴، ۵۶۵۵، ۶۶۰۲، ۶۶۵۵، ۷۳۷۷، ۷۴۴۸، صحیح مسلم: ۹۲۳، سنن نسائی: ۱۸۶۸، سنن ابوداؤد: ۳۱۲۵، مسند احمد: ۲۱۲۶۹)

صحیح البخاری: ۷۳۷۶، ۷۳۷۷، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ ھ، ان دونوں حدیثوں کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی رحمت کا معنی

علامہ ابن بطال نے کہا ہے: اس باب سے غرض رحمت کا اثبات ہے اور رحمت اللہ تعالیٰ کی ذات کی صفات سے ہے، پس رحمٰن ایسا وصف ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی صفت کی ہے، اور یہ رحمت کے معنی کو متضمن ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت کی کہ وہ عالم ہے اور وہ علم کے معنی کو متضمن ہے، اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمانے کا ارادہ کرتا ہے جن کے متعلق اس کے علم میں پہلے سے ثابت ہے کہ وہ ان کو نفع پہنچائے گا، رہی وہ رحمت جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں رکھا ہے تو وہ صفاتِ فعل سے ہے اور اس کی صفت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رحمت کو اپنے بندوں کے دلوں میں پیدا کیا اور یہ اس پر دل کو پتلا کرنا ہے جس پر رحم کیا جائے، اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اس وصف سے منزہ ہے، لہٰذا اس سے اس معنی کا ارادہ کیا جائے گا جو اس کی شان کے لائق ہے۔

علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ رحمٰن اور رحیم یہ دونوں اوصاف رحمت سے ماخوذ ہیں، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ مستقل دو اسم ہیں اور مشتق نہیں ہیں۔ اور ایک قول یہ ہے کہ یہ دونوں ارادہ کے معنی کی طرف رجوع کرتے ہیں، پس اللہ تعالیٰ کی رحمت کا معنی یہ ہے کہ وہ جن پر رحم فرماتا ہے ان پر انعام کرنے کا ارادہ فرماتا ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ دونوں وصف اس معنی کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ جو عذاب اور عقاب کا مستحق ہو اس پر عقاب کو ترک کر دیا جائے۔

علامہ الحلیمی نے کہا ہے کہ "الرحمٰن" کا معنی ہے: ترکِ عبادت کے بہانوں کو زائل کرنے والا، کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنی

عبادت کا حکم دیا اور عبادت کی حدود اور شرائط بیان کیں اور عبادت کرنے پر ثواب کی بشارت دی اور عبادت کے ترک کرنے پر عذاب سے ڈرایا تو بندوں کو اس چیز کا مکلف کر دیا جس کا بوجھ وہ اٹھا سکتے ہیں، پھر ترکِ عبادت کے بہانے ان سے زائل ہو گئے اور حجتیں منقطع ہو گئیں، اور انہوں نے کہا کہ "الرحیم" کا معنی ہے کہ وہ عمل پر ثواب دینے والا ہے، پس جس نے بھی کوئی نیک عمل کیا ہو وہ اس کے اس نیک عمل کو ضائع کرنے والا نہیں ہے بلکہ عمل کرنے والے کو اپنی رحمت اور اپنے فضل سے اس کے عمل سے کئی گنا زیادہ اجر عطا فرمائے گا۔

علامہ الخطابی نے کہا ہے کہ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ "الرحمٰن" رحمت سے ماخوذ ہے اور یہ مبالغہ کا صیغہ ہے اور اس کا معنی ہے: اللہ رحمت والا ہے، اس کے رحم فرمانے میں کوئی نظیر نہیں ہے، اسی وجہ سے "الرحمٰن" کا نہ تثنیہ آتا ہے اور نہ اس کی جمع آتی ہے۔

امام بیہقی نے اس پر یہ دلیل دی ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے "میں نے رِحم کو پیدا کیا اور رِحم سے اپنا ایک اسم بنایا"۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: اسی طرح امام بخاری نے "التاریخ" میں اور امام ابوداؤد اور ترمذی نے اور حاکم نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے "رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم فرماتا ہے۔۔۔۔ الحدیث"۔

پھر علامہ الخطابی نے کہا: پس "الرحمٰن" ایسی رحمت والا ہے جو تمام مخلوق کو شامل ہے اور "الرحیم" فعیل کے وزن پر فاعل کے معنی میں ہے اور یہ مومنین کے ساتھ خاص ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا ﴿٤٣﴾ (الاحزاب: ۴۳) اور وہ مومنوں پر بے حد رحم فرمانے والا ہے O

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ "الرحمٰن" اور "الرحیم" دو ایسے اسم ہیں کہ ان میں سے ایک اسم دوسرے سے زیادہ رقیق ہے۔

پھر علامہ الخطابی نے کہا: اللہ تعالیٰ کی کسی صفت میں رقت کے معنی کے دخول کی کوئی وجہ نہیں ہے، اور گویا کہ رقت سے مراد لطف ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں: وہ حدیث جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مذکور ہے وہ غیر ثابت ہے، کیونکہ وہ کلبی کی ابو صالح سے روایت ہے اور الکلبی متروک الحدیث ہے، اور اسی طرح مقاتل بھی۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا تھا کہ "اللہ تعالیٰ رفیق ہے" اور امام بیہقی نے اس کی اس حدیث سے تقویت کی ہے جس کو امام مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً روایت کیا ہے "بے شک اللہ تعالیٰ رفیق ہے، رِفق کو پسند فرماتا ہے اور رِفق پر وہ اجر دیتا ہے جو سختی پر اجر نہیں دیتا"۔

عبدالرحمٰن بن یحییٰ نے کہا ہے: "الرحمٰن" نام میں خاص ہے اور فعل میں عام ہے اور "الرحیم" نام میں عام ہے اور فعل میں خاص ہے۔

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس آیت سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے اسماء مثلاً "الرحمٰن" اور "الرحیم" میں سے کسی اسم کے ساتھ حلف اٹھایا تو اس کی قسم منعقد ہو جائے گی۔

(۲) اور یہ کہ کافر جب لفظِ رحمٰن کے ساتھ توحید کا اقرار کرے تو اس پر اسلام کا حکم کیا جائے گا۔

(۳) اور اگر کسی دہریہ نے کہا "لا الٰه الا الحی الممیت" تو وہ مومن نہیں ہوگا حتیٰ کہ ایسے اسم کے ساتھ توحید کا اقرار کرے جس میں کوئی تاویل نہ ہو۔

(۴) اسی طرح یہود میں سے جو اللہ تعالیٰ کے جسم ہونے کے قائل ہیں ان میں سے اگر کسی نے کہا: "لا الٰه الا الذی فی السماء" (اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں جو آسمان میں ہے) تو وہ مومن نہیں ہوگا سوا اس صورت کے کہ وہ یہودی کوئی عام آدمی ہو اور تجسیم کا معنی نہ سمجھتا ہو تو اس کے لیے یہ کہنا کافی ہے کہ اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں جو آسمان میں ہے جیسا کہ ایک باندی کے قصہ میں حدیث ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے سوال کیا: تو ایمان لانے والی ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں! آپ نے سوال کیا: پس اللہ کہاں ہے؟ اس نے کہا: آسمان میں، تو آپ نے صحابی سے فرمایا: اس کو آزاد کردو، یہ مومنہ ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے، اس کی امام مسلم نے روایت کی ہے۔

(۵) اور جس شخص نے کہا "لا الٰه الا الرحمٰن" (رحمٰن کے سوا اور کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے) تو اس کے اسلام کا حکم کیا جائے گا سوا اس صورت کے جب دوسرے قرائن سے یہ معلوم ہو کہ اس نے یہ کلمہ عناداً پڑھا ہے اور اس نے غیر اللہ کو رحمٰن کہا ہے جیسا کہ مسیلمہ کذاب کے اصحاب نے اسی طرح کہا۔

(۶) علامہ الحلیمی نے کہا ہے: اگر یہودی کہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تو وہ مسلمان نہیں ہوگا حتیٰ کہ وہ یہ اقرار کرے کہ اللہ کی مثل کوئی چیز نہیں ہے۔ اور اگر بت پرست نے کہا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، اور اس کا زعم یہ تھا کہ بت اس کو اللہ کے قریب کرتے ہیں تو وہ مومن نہیں ہوگا حتیٰ کہ وہ بتوں کی عبادت سے براءت کا اظہار کرے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۵۰۲، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حدیث مذکور کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی صفات کے متعلق متقدمین کے اقوال

امام مالک نے کہا: بے شک اللہ تعالیٰ آسمان میں ہے اور اس کا علم ہر جگہ میں ہے۔

اور امام عبداللہ بن المبارک نے کہا: ہم اپنے رب کو پہچانتے ہیں، وہ سات آسمانوں کے اوپر عرش پر ہے اور مخلوق سے الگ ہے۔ اور ہم اس طرح نہیں کہتے جس طرح الجہمیہ نے کہا ہے کہ اللہ یہاں ہے اور اس نے زمین کی طرف اشارہ کیا۔

اور سفیان ثوری نے کہا: قرآن مجید میں ہے "وهو معكم اين ما كنتم" (وہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں بھی ہو) یعنی اس کا علم۔

اور امام شافعی نے کہا: اللہ تعالیٰ آسمانوں کے اوپر عرش میں ہے اور اپنی مخلوق میں سے جس کے چاہے قریب ہوتا ہے۔

امام احمد نے کہا: اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے اور ہر جگہ کا عالم ہے، اور بے شک اللہ تعالیٰ ہر رات آسمانِ دنیا کی طرف نازل ہوتا ہے جس طرح چاہے، اور بے شک اللہ تعالیٰ قیامت کے دن آئے گا جس طرح چاہے، اور وہ اپنی کرسی پر بلند ہے اور عرش اور کرسی پر اور ان کے متعلق جو آیات اور احادیث ہیں ان پر ایمان لانا واجب ہے۔ اور یہ کہ پاکیزہ کلمات اللہ تعالیٰ کی طرف چڑھتے ہیں، اور فرشتے اور روح القدس اس کی طرف چڑھتے ہیں اور اس نے حضرت آدم کو اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا، اور اس نے قلم

کو اور جنت عدن کو پیدا کیا اور اپنے دونوں ہاتھوں سے شجرہ طوبیٰ کو پیدا کیا، اور تورات کو اپنے دونوں ہاتھوں سے لکھا اور اس کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں۔

اور امام شافعی نے کہا: اللہ تعالیٰ کے لیے وہ اسماء وصفات ہیں جن کا ذکر اس کی کتاب میں ہے اور اس کے نبی نے اپنی امت کو اس کی خبر دی، اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے کسی کے لیے بھی جائز نہیں ہے کہ ان کا رد کرے، جیسے اللہ سبحانہ نے ہم کو خبر دی ہے کہ وہ سمیع بصیر ہے اور اس کے دو ہاتھ ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''بل یداہ مبسوطتٰن'' اور اس کا دایاں ہاتھ ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''والسمٰوٰت مطویٰت بیمینہ'' اور اللہ تعالیٰ کا چہرہ ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''کل شیء ھالك الا وجھه'' اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''ویبقیٰ وجه ربك ذو الجلال والاکرام''۔

اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کا قدم ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''حتیٰ کہ رب جہنم میں اپنا قدم رکھ دے گا'' اور یہ کہ اللہ تعالیٰ ہر رات آسمانِ دنیا کی طرف اترتا ہے، اور یہ کہ حدیث میں اللہ تعالیٰ کی انگلی کا ذکر ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''ہر قلب رحمٰن کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان میں ہے''۔ اور امام شافعی نے جو تصریحات نقل کی ہیں ان کے علاوہ احادیث صحاح میں اور بھی بہت صفات ہیں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی غیرت والا نہیں ہے'' اور آپ کا ارشاد ہے کہ ''تم سعد کی غیرت پر تعجب کرتے ہو؟ اور اللہ کی قسم! میں سعد سے زیادہ غیرت والا ہوں اور اللہ مجھ سے زیادہ غیرت والا ہے''۔ اور آپ کا ارشاد ہے ''کوئی شخص بھی اللہ تعالیٰ سے زیادہ مدح کو پسند نہیں کرتا اس لیے اللہ عزوجل نے اپنی مدح فرمائی ہے، اور کوئی شخص بھی اللہ تعالیٰ سے زیادہ غیرت والا نہیں ہے اس لیے اس نے بے حیائی کے کاموں کو حرام فرما دیا خواہ وہ ظاہر ہوں یا باطن ہوں''۔ اسی طرح اور بہت احادیث ہیں۔

(حاشیۃ التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۳ ص ۱۸۶۔۱۸۷، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۳۔ بَابُ: قَوْلِ اللهِ تَعَالٰى: اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ﴿۵۸﴾ (الذاریات: ۵۸)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''بے شک اللہ ہی سب سے بڑا رزق دینے والا اور سب سے زبردست قوت والا ہے ○''

۷۳۷۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ عَنْ أَبِي حَمْزَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ السُّلَمِيِّ عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَا أَحَدٌ أَصْبَرَ عَلَى أَذًى سَمِعَهُ مِنَ اللهِ يَدَّعُونَ لَهُ الْوَلَدَ ثُمَّ يُعَافِيهِمْ وَيَرْزُقُهُمْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی از ابی حمزہ از الاعمش از سعید بن جبیر از ابو عبدالرحمٰن السلمی از حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی شخص بھی اللہ تعالیٰ سے زیادہ ایذاء پر صبر کرنے والا نہیں ہے، لوگ اس کے لیے اولاد کا دعویٰ کرتے ہیں پھر وہ ان کو عافیت میں رکھتا ہے اور ان کو رزق دیتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۶۰۹۹، صحیح مسلم: ۲۸۰۴، مسند احمد: ۱۹۰۳۳)

صحیح البخاری: ۷۳۷۸، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی صفاتِ افعال

یہ باب اللہ تعالیٰ کی صفات کو متضمن ہے خواہ وہ صفتِ فعل ہوں اور خواہ صفتِ ذات ہوں، اور صفتِ فعل جیسے رزّاق ہے اور رزق اللہ تعالیٰ کے افعال میں سے ایک فعل ہے کیونکہ اس پر دلیل قائم ہے کہ اللہ تعالیٰ ازل میں رزاق نہیں تھا، کیونکہ رزاق مرزوق کا تقاضا کرتا ہے اور ازل میں اللہ تعالیٰ بغیر مرزوق کے تھا، یعنی ازل میں اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں تھا جس کو وہ رزق دیتا، اس لیے ازل میں اللہ تعالیٰ کا رزق کا فاعل ہونا محال ہے، پس ثابت ہوا کہ پہلے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے ایک مخلوق پیدا کی اور اس کو رزق دیا تو مخلوق کو رزق دینا اس کے افعال کی صفت ہے۔

اور ازل میں اللہ تعالیٰ کے رزاق ہونے کا معنی یہ ہے کہ عنقریب جب اللہ تعالیٰ مرزوقین کو پیدا کرے گا تو ان کو رزق دے گا، اور اللہ تعالیٰ ازل میں بھی رزق دینے پر قادر تھا اور قوی تھا، کیونکہ قوت اور قدرت کا معنی ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے ثابت رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے صابر ہونے کی توجیہ

اس حدیث میں مذکور ہے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے زیادہ ایذاء پر صبر کرنے والا کوئی نہیں ہے"۔

اللہ تعالیٰ کے صبر کرنے کا معنی یہ ہے کہ وہ ناگوار اور ناپسندیدہ چیز پر فوراً عذاب نہیں دیتا بلکہ معاف فرما دیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے لیے صبر کا معنی اس طرح نہیں ہے جس طرح ہمارے لیے صبر کا معنی ہوتا ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ کی رحمت کا معنی اس طرح نہیں ہے جس طرح ہمارے لیے رحمت کا معنی ہوتا ہے، کیونکہ ہمارے لیے رحمت کا معنی یہ ہے کہ ہماری طبیعت مرحوم کی طرف مائل ہوتی ہے اور ہمارا دل مرحوم کے لیے پتلا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ دل کے پتلا ہونے سے اور طبیعت کے مائل ہونے سے منزّہ ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ طبیعت والا نہیں ہے، یہ مخلوقات کی صفت ہے۔

اللہ تعالیٰ کو ایذاء دینے کی توجیہ

اس حدیث میں مذکور ہے "اللہ تعالیٰ ایذاء کو سن کر اس پر صبر کرتا ہے"۔ حالانکہ ایذاء کا معنی ہے کسی کو ضرر اور تکلیف پہنچانا، اور اللہ تعالیٰ اس سے منزّہ اور پاک ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ضرر اور ایذاء پہنچائی جائے، اس لیے اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے رسولوں اور اس کے انبیاء علیہم السلام اور اس کے صالح بندوں کو ایذاء پہنچاتے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ صبر کرتا ہے، کیونکہ مخلوقین کا اللہ تعالیٰ کو ایذاء پہنچانا محال ہے، کیونکہ ایذاء کا پہنچنا نقص کی ان صفات میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں ہیں، کیونکہ جس شخص کو ایذاء پہنچتی ہے وہ عاجز ہوتا ہے اور بدلہ لینے پر قادر نہیں ہوتا اور جبراً صبر کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ جبراً صبر نہیں کرتا وہ اپنے فضل سے صبر فرماتا ہے، پس اللہ تعالیٰ کو ایذاء پہنچانے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے انبیاء اور اس کے رسولوں کو ایذاء پہنچائی جائے، کیونکہ انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلائل لے کر آئے اور اللہ تعالیٰ سے بیوی کی نفی پر اور اولاد کی نفی پر دلائل پیش کیے، پس کفار نے جب ان کی تکذیب کی اور اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کی تو ان کافروں نے انبیاء علیہم السلام کو ایذاء پہنچائی، اس لیے جائز ہے کہ ایذاء کی

نسبت اللہ کی طرف کی جائے، کفار کی بات کا رد کرنے کے لیے اور انبیاء علیہم السلام کی تعظیم کے لیے کیونکہ کفار کا انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کرنا اللہ تعالیٰ کی صفت میں الحاد ہے اور یہ اس آیت کی مثل ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا (الاحزاب:۵۷)

بے شک جو لوگ اللہ کو ایذاء پہنچاتے ہیں اور اس کے رسول کو، اللہ ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت فرماتا ہے اور اس نے ان کے لیے رسوا کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے O

ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ایذاء پہنچانا محال ہے، اس لیے اس آیت کی تاویل یہ ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے اولیاء کو اور اللہ تعالیٰ کے رسول کے اولیاء کو ایذاء پہنچاتے ہیں، پھر مضاف کو محذوف کیا گیا اور مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام کر دیا گیا جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَ سْـَٔلِ الْقَرْیَةَ الَّتِیْ كُنَّا فِیْهَا وَ الْعِیْرَ الَّتِیْۤ اَقْبَلْنَا فِیْهَا ؕ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ (یوسف:۸۲)

اور آپ اس بستی (والوں) سے پوچھ لیجئے جس میں ہم تھے اور اس قافلہ سے پوچھ لیجئے جس کے ساتھ ہم آئے ہیں اور بے شک ہم ضرور سچے ہیں O

اس آیت میں بھی ذکر فرمایا ہے کہ بستی سے پوچھیے اور مراد یہ ہے کہ بستی والوں سے پوچھئے، سو مضاف الیہ کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کا قائم مقام کر دیا۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۳ ص ۱۹۶۔۱۹۷، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۷۳۷۸، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

الذاریات: ۵۸ کی تفسیر

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

رزق کا اطلاق اس عطاء پر ہوتا ہے جو مسلسل ہو، خواہ وہ عطاء دنیاوی ہو یا اخروی، اور کبھی اس کا اطلاق نصیب اور حصہ پر بھی ہوتا ہے اور کبھی رزق کا اطلاق اس غذا پر بھی ہوتا ہے جو اس کے پیٹ میں پہنچتی ہے، کہا جاتا ہے "سلطان نے لشکر کو رزق عطا کیا" اور علم عطاء کرنے پر بھی رزق کا اطلاق کیا جاتا ہے۔

اس آیت میں رزق سے مراد غذائیں ہیں اور اس کو عموم پر محمول کرنا بھی جائز ہے، اور اس سے مراد طعام ہو اور لباس اور استعمال کی دوسری چیزیں ہوں اور یہ تمام چیزیں زمینوں سے حاصل ہوتی ہیں اور آسمان سے نازل ہونے والے پانی سے، اللہ تعالیٰ نے ان تمام چیزوں کو پیدا کیا۔ (المفردات ج ۱ ص ۲۵۷۔۲۵۸، ملخصاً، مکتبہ نزار مصطفی الباز، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

اس آیت میں قوت کا بھی ذکر ہے، علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

قوت کبھی قدرت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے "خُذُوْا مَاۤ اٰتَیْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ ـــــ (البقرۃ:۶۳)" (ہم نے جو کچھ تم کو دیا اس کو قوت سے پکڑ لو)۔ اور کبھی جس چیز میں کسی وصف کی صلاحیت ہوتی ہے اس کو قوت کہتے ہیں جیسے کہتے ہیں:

کھجور کی گٹھلی بالقوۃ کھجور کا درخت ہے، اور قوت کا استعمال کبھی بدن میں ہوتا ہے اور کبھی قلب میں ہوتا ہے اور کبھی معادن میں ہوتا ہے اور کبھی قدرتِ الٰہیہ میں ہوتا ہے۔ (المفردات ج ۲ ص ۵۴۱ ملخصاً مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

اس آیت میں متین کا لفظ ہے۔

متین صفتِ مشبہ کا صیغہ ہے، اس کا معنی ہے مضبوط اور محکم، ریڑھ کی ہڈی کے دائیں اور بائیں حصہ کو متین کہا جاتا ہے اور اس سے متن فعل بنالیا گیا ہے، یعنی اس کی پشت مضبوط اور قوی ہوگئی ہے۔ (المفردات ج ۲ ص ۵۹۶، ملخصاً، مکتبہ نزار مصطفیٰ، مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

اللہ تعالیٰ کی صفاتِ فعلیہ اور صفاتِ ذاتیہ کا ثبوت

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

یہ باب اللہ تعالیٰ کی دو صفتوں کو متضمن ہے صفتِ ذات اور صفتِ فعل، پس رزق دینا اللہ تعالیٰ کے افعال میں سے ایک فعل ہے تو یہ اس کی صفاتِ فعل میں سے ہے، کیونکہ رازق یہ چاہتا ہے کہ کوئی مرزوق ہو اور ازل میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ تھا اور کوئی مرزوق نہیں تھا، اور جو ازل میں نہ ہو اور بعد میں ہو تو وہ حادث ہے، اور اللہ سبحانہٗ نے اپنی یہ صفت کی ہے کہ وہ رزاق ہے اور مخلوق کے پیدا کرنے سے پہلے اس نے اپنی صفت رازق کی ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ وہ عنقریب جب مرزوقین کو پیدا کرے گا تو ان کو رزق دے گا۔

اللہ تعالیٰ کی صفاتِ ذات کا ثبوت

القوۃ، ذات کی صفات میں سے ہے اور یہ قدرت کے معنی میں ہے اور اللہ عزوجل ازل میں بھی قوت والا اور قدرت والا تھا، اور اس کی قدرت ہمیشہ موجود رہی اور اس کی ذات کے ساتھ قائم رہی اور وہ قادرین کے حکم کی موجب ہے، اور ''المتین'' کا معنی ہے القوی، اور لغت میں اس کا معنی ہے ''الثابت الصحیح''، امام بیہقی نے کہا: جو قوی ہو اور اس کی قدرت مکمل ہو تو وہ کسی حال میں عجز کی طرف منسوب نہیں ہوتا، اور اس کا معنی قدرت اور قادر کی طرف رجوع کرنا ہے، اور اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس کے لیے ایسی قدرت ہے جو سب چیزوں کو شامل ہے اور قدرت اس کی صفت ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے، اور المقتدر وہ ہے جس کی قدرت مکمل ہو اور جس کے لیے کوئی چیز محال نہ ہو۔

اور معتزلی کا زعم ہے کہ ذوالقوۃ سے مراد ہے شدید القوۃ، اور قوت اور متانت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی صفت کا معنی یہ ہے کہ وہ قادرِ بلیغ ہے، ان کے طریقہ پر اس کا معنی ہے کہ قدرت صفتِ نفسیہ ہے، اس کے برخلاف اہلِ سنت کہتے ہیں کہ قدرت ایک صفت ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور اس کا تعلق ہر مقدور کے ساتھ ہے، اور دوسروں نے کہا کہ قدرت کا قدیم ہونا اور رزق کے افاضہ کا حادث ہونا متنافع نہیں ہے کیونکہ حادث وہ تعلق ہے، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کے وجود کے بعد رزق دیتا ہے تغیر کو مستلزم نہیں ہے، کیونکہ تغیر تعلق میں ہے، کیونکہ اس کی قدرت رزق کے عطا کرنے کے ساتھ متعلق نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق اس کے ساتھ ہے کہ عنقریب رزق عطا فرمائے گا، اسی وجہ سے یہ اختلاف ہوا کہ آیا قدرت ذات کی صفات میں سے ہے یا افعال کی صفات میں سے ہے، پس جس نے اس طرف نظر کی کہ قدرت کا تعلق رزق کو موجود کرنے کے ساتھ ہے، تو انہوں نے کہا: قدرت قدیم الذات ہے، اور جنہوں نے قدرت کے تعلق کی طرف نظر کی تو انہوں نے کہا: یہ فعل حادث ہے۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۵۰۳۔ ۵۰۴، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۴۔ بَابُ: قَوْلِ اللهِ تَعَالٰى: عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ (الجن:۲۶)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وہ ہر غیب کا جاننے والا ہے، سو وہ اپنے ہر غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا''

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ (لقمان:۳۴)

''بے شک قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے''

لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ (النساء:۱۶۶)

''لیکن اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ اس نے جو کچھ آپ کی طرف نازل فرمایا، وہ اپنے علم کے ساتھ نازل فرمایا ہے''

وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ (فاطر:۱۱)

''اور جو مادہ بھی حاملہ ہوتی ہے یا بچہ جنتی ہے تو وہ اس کے علم میں ہے''

اِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ (حم السجدہ:۴۷)

''قیامت کا علم اللہ ہی کی طرف لوٹایا جائے گا''

قَالَ يَحْيٰى: الظَّاهِرُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا وَالْبَاطِنُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا

یحییٰ نے کہا: اللہ تعالیٰ ہر چیز پر ظاہر ہے یعنی علم کے اعتبار سے، اور ہر چیز پر باطن ہے یعنی علم کے لحاظ سے۔

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس باب کے عنوان میں پانچ آیتوں کا ذکر کیا ہے، پہلی آیت الجن:۲۶ کی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ غیب کا جاننے والا ہے، پس وہ اپنے غیب پر کسی کو ظاہر نہیں کرتا سوائے ان کے جو پسندیدہ ہیں جو اس کے رسول ہیں، رسول سے مراد یہاں پر یا تو تمام رسول ہیں یا حضرت جبریل علیہ السلام ہیں، کیونکہ حضرت جبریل علیہ السلام ہی رسولوں کو اللہ تعالیٰ کی وحی پہنچانے والے ہیں۔

پھر اس میں اختلاف ہے کہ غیب سے مراد کیا ہے، ایک قول یہ ہے کہ یہ غیب اپنے عموم پر ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ غیب بالخصوص وحی سے متعلق ہے، تیسرا قول یہ ہے کہ اس غیب سے مراد قیامت کا علم ہے اور یہ ضعیف قول ہے، چونکہ قیامت کا علم ان چیزوں میں سے ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے ساتھ خاص فرمالیا ہے، سوا اس کے کہ کوئی قائل یہ کہے کہ یہ استثناء منقطع ہے، اس آیت میں نجومیوں کا رد ہے اور ہر اس شخص کا جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ مستقبل میں ہونے والے امور موت اور حیات اور دیگر چیزوں پر مطلع ہے کیونکہ وہ قرآن مجید کا مکذب ہے۔

اور دوسری آیت لقمان:۳۴ ہے۔ مجاہد سے روایت ہے کہ ایک مرد جس کا نام الوارث بن عمرو بن حارثہ تھا اور وہ دیہاتیوں میں سے تھا، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، پس آپ سے قیامت اور اس کے وقت کے متعلق سوال کیا اور کہا کہ ہماری زمین قحط زدہ ہے، پس بارش کب نازل ہوگی؟ اور میں نے اپنی عورت کو حاملہ چھوڑا ہے وہ بچہ کب جنے گی؟ اور مجھے معلوم ہے کہ میں کس زمین میں پیدا ہوا، پس میں کس زمین میں مروں گا؟ اور میں نے جان لیا جو میں نے آج کیا ہے، پس میں کل کیا کروں گا؟ تو اللہ تعالیٰ نے

یہ آیت نازل فرمائی ''بے شک قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے، اور وہی بارش نازل فرماتا ہے، اور وہی (از خود) جانتا ہے کہ (ماؤں کے) رحموں میں کیا ہے، اور کوئی (از خود) نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا اور کوئی شخص (از خود) نہیں جانتا کہ وہ کس جگہ مرے گا، بے شک اللہ ہی بہت جاننے والا سب کی خبر رکھنے والا ہے O'' (لقمان: ۳۴)

اور تیسری آیت یہ ہے:

لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ۭ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۱۶۶﴾ (النساء: ۱۶۶)

لیکن اللہ گواہی دیتا ہے کہ اس نے جو کچھ آپ کی طرف نازل کیا وہ اپنے علم کے ساتھ نازل فرمایا ہے، اور فرشتے (بھی) گواہی دیتے ہیں، اور اللہ کا گواہ ہونا کافی ہے O

یہ آیت ان قطعی دلائل میں سے ہے جن سے اللہ تعالیٰ کا علم ثابت ہوتا ہے اور معتزلہ نے اس آیت میں اپنے مذہب کو ثابت کرنے کے لیے تحریف کی، انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو نازل کیا جو اس کے مخصوص علم کے ساتھ متلبس ہے، اور وہ یہ ہے کہ اس نے اس کتاب کو عمدہ نظم اور عمدہ پیرایہ میں نازل کیا ہے کہ ہر بلیغ اس سے معارضہ کرنے سے عاجز ہے اور معتزلی کا رد کیا گیا ہے کہ عبارات کو منظوم کرنا وہ نفسِ علمِ قدیم نہیں ہے بلکہ اس پر دلالت کرنے والا ہے۔

اور چوتھی آیت یعنی فاطر: ۱۱ جس میں فرمایا ہے: ''اور جو مادہ بھی حاملہ ہوتی ہے یا بچہ جنتی ہے تو وہ اس کے علم میں ہے''۔

یہ آیت بھی تیسری آیت کی طرح اللہ تعالیٰ کے علم کے ثبوت میں ہے۔

اور پانچویں آیت یعنی حٰم سجدہ: ۴۷، اس کا معنی یہ ہے کہ قیامت کے وقوع کے وقت کو کوئی نہیں جانتا، پس قیامت کے وقت کی تقدیر اللہ ہی کی طرف راجع ہے۔

تعلیقِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں یحییٰ کا ذکر ہے، وہ ابن زیاد الفراء النحوی ہیں، انہوں نے یہ ذکر اپنی کتاب معانی القرآن میں کیا ہے، اور علامہ کرمانی نے کہا: اس سے مراد ابنِ زیاد بن عبداللہ بن منظور الزہلی ہے، اور یہ وہی ہے جسے امام بخاری نے معانی القرآن سے نقل کیا ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ بعینہٖ الفراء ہے، لیکن علامہ کرمانی کا یہ کہنا کہ وہ ذہلی ہے، یہ غلط ہے کیونکہ فراء دیلمی کوفی ہے جو بنو اسد کا آزاد شدہ غلام ہے اور ایک قول ہے کہ یہ بنی منقر کا آزاد شدہ غلام ہے، الفراء ۲۰۷ھ میں مکہ کے راستہ میں فوت ہوا اور اس کی عمر اس وقت تریسٹھ (۶۳) سال تھی، اور اس کو فراء کہا جاتا ہے حالانکہ یہ نہ فر (کھال کی پوستین) بناتا تھا اور نہ اس کو بیچتا تھا بلکہ یہ کلام بناتا تھا، اور ''الباطن علی کل شیء'' کا معنی ہے: یعنی اللہ تعالیٰ تمام اشیاء کے ظواہر کو بھی جاننے والا ہے اور تمام اشیاء کے بواطن کو بھی جاننے والا ہے، یعنی جن چیزوں کے دلائل حواس سے غائب ہیں ان کو بھی جاننے والا ہے اور جن چیزوں کے دلائل حواس پر ظاہر ہیں ان کو بھی جاننے والا ہے، اور یہ اس آیت کی تفسیر ہے:

هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ وَ الظَّاهِرُ وَ الْبَاطِنُ ۚ وَ هُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۳﴾ (الحدید: ۳)

وہی اول اور آخر ہے اور ظاہر اور باطن ہے اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے O

(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۱۲۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

بابِ مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے علم کے ثبوت میں قرآن مجید اور احادیث سے دلائل

امام بخاری نے جو تیسری آیت ذکر کی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے علم کے ثابت کرنے کے واضح دلائل میں سے ہے، اور المعتزلی نے اس آیت میں تحریف کی، اس نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو نازل کیا دراں حالیکہ وہ اس کے مخصوص علم کے ساتھ متلبس ہے، اور مخصوص علم سے مراد ہے کتاب کو ایسی نظم پر مرتب کرنا اور ایسے اسلوب پر بنانا کہ ہر بلیغ اس کے معارضہ سے عاجز ہو، اور اس کا رد کیا گیا ہے کہ عبارات کو منظوم کرنا نفسِ علم قدیم نہیں ہے بلکہ اس پر دلالت کرنے والا ہے، اور اس آیت کو اس کے غیر حقیقی معنی پر محمول کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، نیز معتزلی نے کہا کہ ''اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ'' کا معنی ہے: وہ عالم ہے، پس اس نے علم کی تاویل عالم کے ساتھ کی تا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے علم کو ثابت کرنے سے گریز کرے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ۔ (البقرہ:۲۵۵) اور اس کے علم میں سے وہ (لوگ) کسی چیز کو حاصل نہیں کر سکتے مگر جتنا وہ چاہے۔

اور یہ آیت اللہ تعالیٰ کے علم کے ثبوت میں نہایت صریح ہے، اسی طرح حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کے قصہ میں حدیث میں یہ مذکور ہے ''میرا علم اور آپ کا علم اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں ایسا ہے جیسے چڑیا نے اپنی چونچ میں سمندر کا پانی لیا''۔ اس حدیث میں بھی اللہ تعالیٰ کے علم کا ثبوت ہے، اسی طرح کتاب الدعوات میں استخارہ کی حدیث گزری ہے، اس میں یہ مذکور ہے: ''اے اللہ! میں تیرے علم سے خیر کو طلب کرتا ہوں''۔ اس حدیث میں بھی اللہ تعالیٰ کے علم کی تصریح ہے۔

اللہ تعالیٰ کے علم کے ثبوت میں دلائلِ عقلیہ

اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ہے جو ہو چکی ہے اور جو عنقریب ہوگی بطورِ اجمال بھی اور بطورِ تفصیل بھی، کیونکہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کا خالق ہے، تمام مخلوقات کا اپنے اختیار سے عالم ہے، اور مخلوقات کے علم اور ان پر قدرت کے ساتھ متصف ہے، کیونکہ اگر وہ کسی چیز پر قادر نہ ہو تو اس کو پیدا کرنا مشکل ہوگا، اور بغیر کسی اشکال کے اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمام مخلوقات کو پیدا کیا، پس ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ الکلیات کو جانتا ہے کیونکہ وہ معلومات ہیں اور جزئیات کو جانتا ہے کیونکہ وہ بھی معلومات ہیں، اسی طرح جو چیزیں دکھائی دیتی ہیں ان کا بھی اللہ تعالیٰ عالم ہے، اسی طرح جو چیزیں سنائی دیتی ہیں اور تمام مدرکات کا اللہ تعالیٰ عالم ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے لیے صفتِ کمال ثابت ہے، اور ان چیزوں کی اضداد صفاتِ نقص ہے اور نقص اللہ تعالیٰ پر محال ہے، اور اتنی مقدار دلیلِ عقلی سے کافی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لیے جزئیات کا علم نہ ہونے پر فلاسفہ کے دلائل

اور فلاسفہ میں سے جن کا یہ زعم ہے کہ اللہ تعالیٰ جزئیات کو بطورِ کلی جانتا ہے نہ کہ بطورِ جزئی، اور ان کی دلیل یہ ہے کہ جزئیات زمانیہ ہیں اور وہ زمانے اور احوال کے متغیر ہونے سے متغیر ہوتی ہیں اور علم معلومات کے تابع ہے، پس معلومات کے تغیر سے اللہ تعالیٰ کے علم میں تغیر لازم آئے گا اور جو علم اس کی ذات کے ساتھ قائم ہوگا وہ حوادث کا محل بن جائے گا اور یہ محال ہے۔

فلاسفہ کے دلائل کا جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ تغیر احوال اضافیہ میں واقع ہوا ہے اور اس کی مثال یہ ہے کہ ایک آدمی ستون کی دائیں طرف کھڑا ہو، پھر بائیں طرف کھڑا ہو جائے، پھر ستون کے سامنے کھڑا ہو، پھر ستون کے پیچھے کھڑا ہو، پس مرد میں تغیر ہو رہا ہے اور ستون اپنے حال پر ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ اس حال کا عالم ہے جس حال پر ہم کل تھے اور اس حال کا بھی عالم ہے جس حال پر ہم اب ہیں اور اس حال کا بھی عالم ہے جس حال پر ہم کل ہوں گے، اور یہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تغیر نہیں ہے بلکہ ہمارے احوال کے اوپر تغیر جاری ہے، اور اللہ تعالیٰ تمام احوال کا ایک طریقہ سے عالم ہے، یہ دلیل عقلی ہے، اور قرآن مجید میں بہ کثرت اللہ تعالیٰ کے علم کے ثبوت میں دلائل سمعیہ ہیں جو درج ذیل ہیں:

اللہ تعالیٰ کے علم کے ثبوت میں دلائل سمعیہ

(۱) اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا ۝ (الطلاق: ۱۲)

بے شک اللہ تعالیٰ کے علم نے ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے ○

(۲) لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِی الْاَرْضِ وَ لَاۤ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَ لَاۤ اَكْبَرُ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ۝ (سبا: ۳)

اس سے ذرہ برابر بھی کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں ہے نہ آسمانوں میں اور نہ زمینوں میں، اور ہر چیز روشن کتاب میں ہے خواہ وہ ایک ذرہ سے چھوٹی ہو یا بڑی ○

(۳) اِلَیْهِ یُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ؕ وَ مَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ مِّنْ اَكْمَامِهَا وَ مَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَ لَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ (حم السجدہ: ۴۷)

قیامت کا علم اللہ ہی کی طرف لوٹایا جائے گا اور جو پھل اپنے شگوفوں سے نکلتے ہیں اور جس مادہ کو کوئی حمل ہوتا ہے اور اس کے ہاں جو بچہ ہوتا ہے، ان سب کا اس کو علم ہے۔

(۴) وَ عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَ یَعْلَمُ مَا فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ ؕ وَ مَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا یَعْلَمُهَا وَ لَا حَبَّةٍ فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَ لَا رَطْبٍ وَّ لَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ۝ (الانعام: ۵۹)

اور اسی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں، اس کے سوا (از خود) ان کو کوئی نہیں جانتا، وہ ہر اس چیز کو جانتا ہے جو خشکی اور سمندروں میں ہے، اور وہ ہر اس پتے کو جانتا ہے جو (درخت سے) گرتا ہے، اور زمین کی تاریکیوں میں ہر دانہ اور ہر تر اور ہر خشک چیز لوحِ محفوظ میں لکھی ہوئی ہے ○

(فتح الباری ج ۸ ص ۵۰۴۔۵۰۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

بابِ مذکور کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے علم کے ثبوت پر دلائل

اس باب کے منعقد کرنے سے امام بخاری کی غرض یہ ہے کہ یہ بیان کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کا علم ثابت ہے اور وہ اس کی صفت لذاتہٖ ہے، کیونکہ علم کی حقیقت یہ ہے کہ عالم کے ساتھ علم قائم ہو، کیونکہ یہ محال ہے کہ کوئی شخص عالم ہو اور اس کا علم نہ ہو، اسی طرح اللہ

تعالیٰ کے باقی اوصاف جو صفات کا تقاضا کرتی ہیں مثلاً وہ حی ہے، قادر ہے، اور یہ قدریہ کے اس قول کے خلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ عالم، قادر ہے، حی ہے بنفسہ، نہ اس کی قدرت ہے نہ علم ہے اور نہ حیات ہے، پھر جب ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کا علم قدیم ہے تو واجب ہے کہ اس کے علم کا تعلق ہر معلوم کے ساتھ حقیقت میں ہو، اور قرآن مجید کی متعدد آیات میں اللہ تعالیٰ کے لیے علم کا ثبوت ہے جیسے لقمان: ۳۴، النساء: ۱۶۶، فاطر: ۱۱، اور حم السجدہ: ۴۷۔

پس جس نے اللہ تعالیٰ کے علم کی نفی کی اس نے حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے عالم ہونے کی نفی کی، اور جس نے یہ زعم کیا کہ اللہ تعالیٰ بنفسہٖ عالم ہے اور وہ علم سے متصف نہیں ہے، سو اس شخص نے ان نصوص کا انکار کیا جن میں اللہ تعالیٰ کے لیے علم کا ثبوت ہے اور امت کا اس پر اجماع ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے عالم ہونے کی نفی کی تو وہ کافر ہے، اور اس میں ہشام بن الحکم کا رد ہے اور جن لوگوں نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ کا علم حادث ہے اور وہ کسی چیز کو اس کے وجود سے پہلے نہیں جانتا، اور اللہ تعالیٰ نے اس پر تنبیہ کی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو ہر چیز کا علم ہے۔ (شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۴۱۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۷۳۷۹۔ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَفَاتِيحُ الْغَيْبِ خَمْسٌ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا اللهُ لَا يَعْلَمُ مَا تَغِيضُ الْأَرْحَامُ إِلَّا اللهُ وَلَا يَعْلَمُ مَا فِي غَدٍ إِلَّا اللهُ وَلَا يَعْلَمُ مَتَى يَأْتِي الْمَطَرُ أَحَدٌ إِلَّا اللهُ وَلَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِلَّا اللهُ وَلَا يَعْلَمُ مَتَى تَقُومُ السَّاعَةُ إِلَّا اللهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں خالد بن مخلد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سلیمان بن بلال نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عبداللہ بن دینار نے حدیث بیان کی از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: غیب کی پانچ چابیاں ہیں، جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ ماؤں کے رحم میں کیا چیز ساقط ہوتی ہے، اور اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ کل کیا ہوگا، اور اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ کب بارش نازل ہوگی، اور اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ وہ کس زمین میں مرے گا، اور اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ قیامت کب آئے گی۔

(صحیح البخاری: ۱۰۳۹، ۴۶۲۷، ۴۶۹۷، ۴۷۷۸، ۷۳۷۹، مسند احمد: ۵۱۱۲)

صحیح البخاری: ۷۳۷۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی مشکل عبارات کے معانی

دنیا اور آخرت میں واقع ہونے والے امورِ غیبیہ کا اللہ تعالیٰ کے علم کے ساتھ مخصوص ہونا

اس حدیث میں مذکور ہے "مفاتیح الغیب خمس" یہ استعارہ بالکنایہ ہے یا استعارہ مصرحہ ہے، اور جب کہ تمام موجودات اللہ تعالیٰ کے علم میں ثابت ہیں تو شارع علیہ السلام نے ان موجودات کو خزانوں کے ساتھ تشبیہ دی، اور اس کے کھولنے کو چابی کے ساتھ

تشبیہ دی، اور غیب کی پانچ چابیاں ہونے میں یہ اشارہ پانچ عوالم کی طرف ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''وما تغیض الارحام'' اس میں اشارہ ہے کہ ماں کے رحم میں بچہ گھٹتا بڑھتا رہتا ہے، اور کوئی شخص بچہ کے گھٹنے بڑھنے کی حقیقت کو نہیں جانتا۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''لا یعلم متیٰ یاتی المطر'' اس میں عالمِ علوی کی طرف اشارہ ہے اور بارش کا خصوصیت سے ذکر فرمایا کیونکہ بارش کے حصول کے ایسے اسباب ہیں جن کا امورِ عادیہ سے علم ہو جاتا ہے کہ بارش ہوگی، لیکن تحقیق سے کوئی نہیں جان سکتا۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''ولا تدری نفس بای ارض تموت'' اس میں عالمِ سفلی کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ اکثر لوگوں کی عادت ہے کہ وہ اپنے شہر میں مرتے ہیں لیکن یہ حقیقت نہیں ہے بلکہ اگر کوئی شخص اپنے شہر میں بھی مرے تو یہ نہیں جانتا کہ وہ شہر کی کس جگہ میں دفن کیا جائے گا خواہ وہاں پر اس کے اسلاف کی قبریں ہوں یا اس کی اپنی قبر تیار کی گئی ہو۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''ولا یعلم مافی غدا الا اللہ'' اس حدیث میں زمانہ کی اقسام اور زمانہ میں ہونے والے حوادث کی طرف اشارہ ہے، اور کل کے لفظ کو خصوصیت سے ذکر کیا کیونکہ وہ قریب ترین زمانہ ہے، اور جب کہ جو قریب ترین زمانہ ہے اس کے متعلق کوئی شخص نہیں جانتا کہ اس میں کیا واقع ہوا ہے، تو جو زمانہ دور ہو اس کو تو بطریقِ اولیٰ نہیں جانے گا۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''ولا یعلم متیٰ تقوم الساعۃ الا اللہ'' اس حدیث میں علومِ آخرت کی طرف اشارہ ہے، جب کوئی شخص دنیا کے علوم کے متعلق نہیں جانتا تو آخرت کے علوم کو نہ جاننا بطریقِ اولیٰ ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۱۳۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کی شرح از علامہ کورانی حنفی

علامہ احمد بن اسماعیل بن عثمان بن محمد الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ لکھتے ہیں:

''مفاتیح الغیب'' کے پانچ میں حصر کی توجیہ

اس حدیث میں مذکور ہے ''مفاتیح الغیب خمس'' اور مفاتیح کا لفظ مفتاح کی جمع ہے، مفتاح اس کو کہتے ہیں جس سے تالے کو کھولا جاتا ہے یعنی چابی، غیب کو اس خزانہ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جس پر اس کے اس کے خازن کے سوا کوئی مطلع نہیں ہوتا۔

اور پانچ میں حصر اس وجہ سے ہے کہ ان غیوب سے ''امھات الغیوب'' مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کی الوہیت کے خواص میں سے ہیں، اور ان علوم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ذات مخصوص ہے۔ (الکوثر الجاری ج ۱۱ ص ۲۰۰، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

۷۳۸۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ إِسْمَاعِيلَ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ مَنْ حَدَّثَكَ أَنَّ مُحَمَّدًا ﷺ رَأَى رَبَّهُ فَقَدْ كَذَبَ وَهُوَ يَقُولُ ﴿لَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از اسماعیل از الشعبی از مسروق از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ جس نے تم سے یہ کہا کہ بے شک محمد

تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ﴾ وَمَنْ حَدَّثَكَ اَنَّهٗ يَعْلَمُ الْغَيْبَ فَقَدْ كَذَبَ وَهُوَ يَقُوْلُ ﴿لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ﴾

صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے تو اس نے جھوٹ بولا، حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
''آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کرسکتیں'' (الانعام:۱۰۳)
اور جس نے تم سے یہ کہا کہ بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم غیب کو جانتے تھے تو اس نے جھوٹ بولا، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
''آسمانوں اور زمینوں میں اللہ کے سوا کوئی (از خود) غیب نہیں جانتا''۔ (النمل:۶۵)

(صحیح البخاری: ۳۲۳۴، ۳۲۳۵، ۴۶۱۲، ۴۸۵۵، ۷۳۸۰، ۷۵۳۱، صحیح مسلم: ۱۷۷، سنن ترمذی: ۳۰۶۸)

صحیح البخاری: ۷۳۸۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے میں مذاہب

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ''جس شخص نے یہ کہا کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے رب کو دیکھا ہے'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مراد یہ ہے کہ آپ نے اپنے رب کو شبِ معراج میں دیکھا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے میں اختلاف ہے، پس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کا انکار کرتی تھیں، لیکن انہوں نے اس انکار کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل نہیں کیا، بلکہ انہوں نے اپنے اجتہاد اور استدلال سے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ کو کوئی نہیں دیکھ سکتا۔

اور علامہ داؤدی نے کہا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کا انکار کیا جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دل سے اللہ تعالیٰ کو دیکھا، اور قرآن مجید میں جو اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کی نفی ہے اس کا معنی یہ ہے کہ آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کرسکتیں، دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ آنکھیں اس کا ادراک نہیں کرتیں، اس کا ادراک تو دیکھنے والے کرتے ہیں، تیسرا جواب یہ دیا ہے کہ آنکھیں دنیا میں اس کا ادراک نہیں کرسکتیں اور آخرت میں آنکھیں اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کی نفی کا جواب

اس حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ''جس نے تم سے یہ کہا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم غیب کو جانتے ہیں اس نے جھوٹ بولا'' حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''اللہ تعالیٰ کے سوا غیب کو کوئی نہیں جانتا''۔

علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ میرا گمان یہ ہے کہ یہ حدیث محفوظ نہیں ہے، اصل عبارت یہ ہے کہ ''جس شخص نے تم سے یہ کہا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی آیات میں سے کسی آیت کو چھپا لیا اس نے جھوٹ بولا'' کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۞ (المائدہ:٦٧)

اے رسول! جو آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس کو پہنچا دیجئے، اور اگر (بالفرض) آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اپنے رب کا پیغام نہیں پہنچایا، اور اللہ آپ کو لوگوں (کے شر) سے محفوظ رکھے گا، بے شک اللہ کافروں کی قوم کو ہدایت نہیں دیتا O

اس حدیث میں رافضیوں کے اس دعویٰ کا رد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چند علوم کے ساتھ خاص فرمالیا تھا اور دوسروں کو وہ علم نہیں عطا کیا، اور رہا علمِ غیب تو کوئی شخص بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے بتلائے بغیر غیب کو جانتے ہیں، آپ صرف اسی غیب کو جانتے ہیں جس کا اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم عطا فرمایا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۱۳۰۔۱۳۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۷۳۸۰، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علمِ غیب کی تحقیق

امام ابن خزیمہ اور امام ابن حبان نے از داؤد بن ابی ہند از شعبی روایت کی ہے "اس شخص نے اللہ تعالیٰ پر بڑا جھوٹ باندھا جس نے کہا کہ بے شک محمد نے اپنے رب کو دیکھا ہے، اور بے شک محمد نے کچھ وحی کو چھپالیا، اور بے شک محمد کل کی بات کو جانتے ہیں"۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

کیونکہ بعض وہ لوگ جو ایمان میں راسخ نہیں ہیں، وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ نبوت کی صحت اس کو مستلزم ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام مغیبات پر مطلع ہوں جیسا کہ امام ابن اسحاق کی مغازی میں واقع ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی گم ہوگئی تو زید بن الصت نے کہا: محمد کا زعم یہ ہے کہ وہ نبی ہیں اور وہ تمہیں آسمان کی خبر سے خبر دیتے ہیں، اور ان کو یہ پتا نہیں کہ ان کی اونٹنی کہاں ہے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ایک مرد اس طرح، اس طرح کہتا ہے اور بے شک میں اللہ کی قسم! صرف اسی چیز کو جانتا ہوں جس کا مجھے اللہ تعالیٰ نے علم دیا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اس اونٹنی پر مطلع فرمایا، وہ فلاں گھاٹی میں ہے اور ایک درخت نے اس کو روک رکھا ہے"۔ پھر صحابہ گئے اور اس اونٹنی کو لے کر آئے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ آپ کو اسی غیب کا علم ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم دیا ہے۔

اور آپ کا یہ ارشاد اس آیت کے مطابق ہے:

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖۤ اَحَدًا ۞ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ۞ (الجن:٢٦۔٢٧)

وہ ہر غیب کا جاننے والا ہے، سو وہ اپنے ہر غیب پر کسی کو مکمل مطلع نہیں فرماتا O ماسوا ان کے جن کو اس نے پسند فرمالیا ہے جو اس کے (سب) رسول ہیں، سو وہ اس رسول کے آگے اور پیچھے نگہبان مقرر فرما دیتا ہے O

اس آیت میں غیب سے کیا مراد ہے، اس میں کئی اقوال ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ اس آیت میں غیب اپنے عموم پر ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد وحی ہے، تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے

مراد قیامت کا علم ہے اور یہ ضعیف ہے کیونکہ سورۂ لقمان میں یہ گزر چکا ہے کہ قیامت کا علم ان علوم میں سے ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے ساتھ خاص کر لیا ہے، سوا اس کے کہ کوئی شخص یہ کہے کہ یہ استثناء منقطع ہے۔

علامہ الزمخشری (المعتزلی) نے کہا ہے: اس آیت میں اولیاء اللہ کی کرامات کا ابطال ہے، کیونکہ اگرچہ اولیاء اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ ہیں لیکن وہ رُسل نہیں ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے پسندیدہ لوگوں میں سے رسولوں کو غیب کی اطلاع کے ساتھ خاص کر لیا۔

اور امام فخر الدین رازی نے کہا ہے کہ اس آیت میں ''علیٰ غیبہ'' لفظِ مفرد ہے اور اس میں عموم کا صیغہ نہیں ہے، پس یہ کہنا صحیح ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے غیوب میں سے ایک خاص غیب کو رسولوں کے سوا کسی پر ظاہر نہیں فرماتا، پس اس خاص غیب کو وقتِ وقوعِ قیامت پر محمول کیا جائے گا، اور اس آیت کو اللہ تعالیٰ نے درجِ ذیل آیت کے بعد ذکر فرمایا ہے:

قُلْ اِنْ اَدْرِیْۤ اَقَرِیْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ یَجْعَلُ لَهٗ رَبِّیْۤ اَمَدًا ۝ (الجن: ۲۵) آپ کہیے: میں از خود نہیں جانتا کہ جس عذاب کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے آیا وہ قریب ہے یا میرے رب نے اس کی کوئی مدت مقرر کر دی ہے O

امام رازی کی تفسیر پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ رسولوں کو اس خاص غیب پر مطلع نہیں کیا گیا، نیز امام رازی نے کہا: ہو سکتا ہے کہ یہ استثناء منقطع ہو، یعنی اللہ تعالیٰ اپنے اس غیبِ مخصوص پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا لیکن ان پر مطلع فرماتا ہے جن سے وہ راضی ہے اور وہ اللہ کے رسول ہیں، پس ان کے لیے حفاظت کرنے والے فرشتے مقرر فرما دیتا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے معجزات اور اولیاء کرام کی کرامات کے درمیان فرق

اور قاضی بیضاوی نے کہا کہ رسول کو غیب پر اطلاع کے ساتھ خاص کر لیا گیا ہے اور اولیاء کو یہ غیب الہام سے حاصل نہیں ہوتا۔

اور علامہ ابن المنیر نے کہا ہے کہ علامہ زمخشری کا دعویٰ عام ہے (کہ اولیاء اللہ کی کرامات باطل ہیں) اور ان کی دلیل خاص ہے، پس ان کا دعویٰ ہے کہ تمام کرامات ممتنع ہیں اور دلیل کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس میں غیب پر اطلاع کی نفی نہیں ہے، اس کے برخلاف باقی کرامات میں۔

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ غیب پر اطلاع کا معنی ہے اس چیز کا علم جو عنقریب واقع ہو گی، پس اس میں وہ امورِ غیبیہ داخل نہیں ہوں گے جو اولیاء اللہ پر منکشف ہو جاتے ہیں، اور وہ امور جو خلافِ عادت ہیں جیسے پانی پر چلنا اور کم مدت کے اندر مسافتِ بعیدہ کو منقطع کرنا وغیرہ۔

علامہ الطیبی نے کہا ہے: زیادہ قریب یہ ہے کہ اطلاع کو ظہور اور خفاء کے ساتھ خاص کیا جائے گا، پس انبیاء علیہم السلام کو غیب پر مطلع کرنا ممکن ہے اور آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے غیب پر مکمل اظہار اور کشفِ جلی صرف رسول کے لیے کرتا ہے، اور فرشتے کے ساتھ اس کی طرف وحی فرماتا ہے اور حفاظت کرنے والوں کے ساتھ، اسی لیے فرمایا ''یَسْلُكُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ۝ (الجن: ۲۷)'' (سو وہ اس رسول کے آگے اور پیچھے نگہبان مقرر فرما دیتا ہے)''۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول سے اس کی علت بیان فرمائی:

لِّیَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَ اَحَاطَ بِمَا تاکہ اللہ اس بات کو ظاہر فرما دے کہ بے شک ان سب رسولوں

لَدَيْهِمْ وَأَحْصَى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ﴿٢٨﴾ (الجن:۲۸) نے اپنے پیغامات پہنچا دیئے ہیں اور جو کچھ ان کے پاس ہے ان سب کا اللہ نے احاطہ کرلیا ہے اور اس نے ہر چیز کا شمار کرلیا ہے O

رہی کرامات تو وہ از قبیلِ اشارات ہوتی ہیں، اور اولیاء اللہ ان کرامات کے حصول میں انبیاء کی مثل نہیں ہوتے۔

استاذ ابواسحاق نے وثوق سے کہا ہے کہ اولیاء کی کرامات انبیاء کے معجزہ کے مشابہ نہیں ہوتیں۔

اور ابوبکر بن فورک نے کہا ہے کہ انبیاء کو یہ حکم دیا جاتا ہے کہ وہ معجزات کو ظاہر کریں اور اولیاء اللہ پر واجب ہے کہ وہ کرامات کو مخفی رکھیں، اور نبی قطعی طور پر معجزہ کا دعویٰ کرتا ہے اور ولی اس سے مامون نہیں ہوتا کہ اس کی کرامت استدراج ہے۔

اور اس آیت میں نجومیوں پر رد ہے اور ہر اس شخص پر جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس کو عنقریب حیات کا یا موت کا علم ہو جائے گا، کیونکہ وہ قرآن مجید کا مکذب ہے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۵۰۶۔۵۰۷، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۵۔ بَابُ: قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ (الحشر:۲۳)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''ہر نقص سے سالم، امان دینے والا''

۷۳۸۱۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ حَدَّثَنَا مُغِيرَةُ حَدَّثَنَا شَقِيقُ بْنُ سَلَمَةَ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ كُنَّا نُصَلِّي خَلْفَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَنَقُولُ السَّلَامُ عَلَى اللّٰهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم إِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّلَامُ وَلٰكِنْ قُولُوا التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِينَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن یونس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں زہیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مغیرہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: شقیق بن سلمہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا:

حضرت عبداللہ (ابن مسعود) رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھتے تھے تو ہم کہتے تھے: اللہ پر سلام ہو، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ خود سلام ہے، لیکن تم کہو کہ: ''تمام قولی عبادات اللہ کے لیے ہیں اور تمام بدنی عبادات اللہ کے لیے ہیں اور تمام مالی عبادات اللہ کے لیے ہیں، اے نبی! آپ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمت ہو اور اس کی برکتیں ہوں، ہم پر سلام ہو اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں پر سلام ہو، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

(صحیح البخاری: ۸۳۱، ۸۳۵، ۱۲۰۲، ۶۲۳۰، ۶۲۶۵، ۶۳۲۸، ۷۳۸۱، صحیح مسلم: ۴۰۲، سنن ترمذی: ۲۸۹، سنن نسائی: ۱۱۶۸، سنن ابوداؤد: ۹۶۸، سنن ابن ماجہ: ۸۹۹، مسند احمد: ۴۰۵۴، سنن دارمی: ۱۳۴۰)

صحیح البخاری: ۷۳۸۱، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ ھ،اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
امام بخاری نے اس باب کا عنوان قائم کیا ہے''السلم المومن المھیمن'' (صحیح البخاری میں صرف''السلم المومن'' کے الفاظ ہیں، بہر حال ان الفاظ کے معانی حسب ذیل ہیں:)

لفظ''السلام'' کا معنی

امام بخاری کی اس باب سے غرض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم کو ثابت کیا جائے، پس سلام اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے اور اس کا معنی ہے وہ ذات جو نقائص اور آفات سے سالم ہو اور محفوظ ہو، ایسی آفات جو حدوث پر دلالت کرتی ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاللّٰهُ يَدْعُوٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ (یونس:۲۵) اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے۔

دار السلام کے معنی میں اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ دار السلام سے مراد جنت ہے کیونکہ جنت میں کوئی آفت نہیں ہے اور نہ کوئی کدورت ہے، پس سلام اور سلامت کا ایک ہی معنی ہے جیسے لذاذ اور لذاذۃ کا ایک معنی ہے اور رضاع اور رضاعت کا ایک معنی ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ''السلام'' اللہ تعالیٰ کا اسم ہے، قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ سلام ہے اور اس کا دار''الجنۃ'' ہے۔

لفظ''المومن'' کا معنی

رہا لفظ''المومن'' تو اس میں دو اعتبار ہیں، ایک اعتبار یہ ہے کہ یہ ذات کی صفت ہے اور اس کا معنی ہے المصدِّق، یعنی یہ اللہ تعالیٰ کے اس کلام کو متضمن ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی ان خبروں کی تصدیق ہے جو اس کی ذات کے متعلق ہیں اور اس کے رسولوں کے متعلق ہیں، اور رسولوں کے دعویٔ رسالت کی صحت کے متعلق ہیں، گویا المومن کا معنی المصدق ہے، اور یہ صفت اس کی ذات کی صفات میں سے ہے جو ہمیشہ موجود ہے کہ وہ کلام کرنے والا ہے اور مومن اور مصدِّق ہے۔

اور دوسرا لحاظ یہ ہے کہ''المومن'' یعنی امان دینے والا، یہ اس کے فعل کی صفت ہے، تو وہ اس کے رسولوں کے لیے امان ہے اور اس کے مومن اولیاء کے لیے امان ہے، اس کے عذاب سے امان ہے یعنی اس کے عذاب سے رسولوں اور مومنین کے لیے امان ہے، اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ رسولوں کو اور مومنوں کو عذاب سے امن دینے والا ہے، اور اسی سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے''وَاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۝ ...... (قریش:۴)''(اور ان کو خوف سے امن میں رکھا)۔

''المھیمن'' کا معنی

مھیمن کا معنی حفاظت کرنا اور رعایت کرنا ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ کے فعل کی صفت ہے۔

اللہ تعالیٰ کو''السلام'' کہنے سے منع کرنے کی توجیہ

اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے''السلام علی اللہ'' کہنے سے منع فرمایا ہے، اور اس کی یہ وجہ بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ خود سلام ہے اور یہ محال ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے سلامتی کی دعا کی جائے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرف رہنمائی

فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کے لیے کیا کہنا چاہیے، پھر فرمایا کہ یوں کہو: التحیات للہ والصلوات والطیبات۔۔۔۔۔۔۔ الحدیث
(شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۴۱۹۔۴۲۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۷۳۸۱، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ''السلام، المومن اور المھیمن'' کے معانی

اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحشر میں اپنے تین اسماء ذکر فرمائے ہیں: ''السلام، المومن اور المھیمن'' اور اس آیت کو ان الفاظ پر ختم کیا ہے ''لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى۔ الحشر: ۲۴''، اور سورۃ الاعراف میں فرمایا ہے:

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا۔ اور سب سے اچھے نام اللہ ہی کے ہیں تو ان ہی ناموں سے اس کو پکارو۔ (الاعراف: ۱۸۰)

اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قدرت اور قوت اور علم کے ساتھ متصف ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی صفات کسی عدد معین میں منحصر نہیں ہیں، اور اس کی دلیل یہ آیت ہے۔

اہلِ علم نے کہا ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے حق میں ''السلام'' کا معنی ہے: جس ذات نے مومنین کو اپنے عذاب سے سلامتی میں رکھا، اسی طرح ''المومن'' کا معنی ہے: جس ذات نے مومنین کو اپنے عذاب سے امن میں رکھا، اور ایک قول یہ ہے کہ ''السلام'' کا معنی ہے: جو ہر نقص سے بری ہو اور ہر آفت سے اور ہر عیب سے پاک ہو، اور اس کا ایک معنی یہ ہے کہ جو اپنے بندوں پر سلام بھیجنے والا ہے، قرآن مجید میں ارشاد ہے:

سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ﴿۵۸﴾ (یٰس: ۵۸) رب رحیم کی طرف سے ان کے حق میں سلام فرمایا ہوا ہوگا O

پس یہ صفت، صفتِ کلامیہ ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ ''السلام'' کا معنی ہے: وہ ذات کہ مخلوق جس کے ظلم سے سلامت رہی۔

اور مومن کا معنی بیان کیا گیا ہے: جس نے اپنی ذات کی تصدیق کی اور جس نے اپنے اولیاء کی تصدیق کی اور ایک قول یہ ہے کہ مومن کا معنی ہے: جو اپنی ذات کی توحید بیان کرنے والا ہے، ایک قول یہ ہے کہ مومن کا معنی ہے جو امن کو پیدا کرنے والا ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ جو امن کو عطا کرنے والا ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ جو دلوں میں طمانیت کو پیدا کرنے والا ہے۔

رہا ''المھیمن'' کا معنی: تو امام بیہقی نے الحلیمی سے نقل کیا ہے کہ المھیمن کا معنی ہے: جو اطاعت کرنے والے کے ثواب میں کوئی کمی نہیں کرتا، اور نافرمان کے اس عذاب میں جس کا وہ مستحق ہوتا ہے کوئی اضافہ نہیں کرتا، اور بے شک اس نے ثواب اور عقاب کا نام جزاء رکھا ہے، اور اس کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ ثواب میں اضافہ فرمائے اور بہ کثرت گناہوں کو معاف فرما دے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ''المھیمن'' کا معنی ہے الامین، اور مجاہد نے بیان کیا کہ ''المھیمن'' کا معنی ہے: الشاہد، اور ایک قول ہے کہ ''المھیمن'' کا معنی ہے جو کسی چیز کا نگہبان اور محافظ ہو۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۵۰۷۔۵۰۸، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

٦۔ بَابُ: قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: مَلِكِ النَّاسِ ۝ (الناس:٢)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "سب لوگوں کے بادشاہ کی ۝"

فِيهِ ابْنُ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم

اور اس باب میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔

باب مذکور کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

"مَلِكِ النَّاسِ" کے دو معانی

"مَلِكِ النَّاسِ" اس معنی میں داخل ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ کہیں "التحیات للہ"، اس کا معنی یہ ہے کہ ملک اور سلطنت اللہ کے لیے ہے، اور گویا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو یہ حکم اس لیے دیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ حکم دیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مالک ہونے کا اعتراف کریں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "آپ کہیے! (اے محمد! صلی اللہ علیک وسلم) میں تمام لوگوں کے رب اور تمام لوگوں کے بادشاہ کی پناہ میں آتا ہوں"، اللہ تعالیٰ نے اپنی یہ صفت بیان فرمائی ہے کہ وہ تمام لوگوں کا بادشاہ ہے اس کی دو وجہیں ہیں، ایک وجہ یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی صفت کی طرف راجع ہے اور وہ صفت قدرت ہے کیونکہ ملک بمعنی قدرت ہے، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ صفت فعل کی طرف راجع ہے، اس کا معنی ہے قہر کرنا، اور لوگوں کو ان کے ارادوں سے پھیر کر اللہ تعالیٰ کے ارادہ کی طرف راجع کرنا، پس تمام بندوں کے افعال اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں ہیں اور بندوں کو اپنے افعال پر کوئی قدرت نہیں ہے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ١٠ ص ٤٢٠۔٤٢١، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ١٤٢٤ھ)

٧٣٨٢۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَعِيدٍ هُوَ ابْنُ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ يَقْبِضُ اللّٰهُ الْأَرْضَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيَطْوِي السَّمَاءَ بِيَمِينِهِ ثُمَّ يَقُولُ أَنَا الْمَلِكُ أَيْنَ مُلُوكُ الْأَرْضِ وَقَالَ شُعَيْبٌ وَالزُّبَيْدِيُّ وَابْنُ مُسَافِرٍ وَإِسْحَاقُ بْنُ يَحْيَى عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ مِثْلَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن صالح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن وہب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے یونس نے خبر دی از ابن شہاب از سعید اور وہ ابن المسیب ہیں از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمام زمین کو قیامت کے دن اپنی مٹھی میں پکڑ لے گا اور آسمان کو اپنے دائیں ہاتھ میں لپیٹ لے گا، پھر فرمائے گا: میں بادشاہ ہوں، زمین کے بادشاہ کہاں ہیں؟ شعیب اور الزبیدی اور ابن مسافر اور اسحاق بن یحییٰ نے از الزہری از ابی سلمہ اس کی مثل کہا۔

(صحیح البخاری: ٤٨١٢، ٦٥١٩، ٧٣٨٢، ٧٤١٣، صحیح مسلم: ٢٧٨٧، سنن ابن ماجہ: ١٩٢، مسند احمد: ٨٦٤٦، سنن دارمی: ٢٧٩٩)

صحیح البخاری: ٧٣٨٢، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ٨٠٤ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے لیے دائیں ہاتھ کا ثبوت ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی صفات میں سے ایک صفت ہے اور اس سے مراد عضو نہیں ہے جیسا کہ مجسمہ کا عقیدہ ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا اعضاء اور اجزاء کے ساتھ موصوف ہونا محال ہے، کیونکہ اعضاء اور اجزاء جسمیت کا تقاضا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا جسم ہونا محال ہے۔

بعض علماء نے کہا: یمین (یعنی دایاں ہاتھ) سے مراد قدرت ہے اور دوسرے علماء نے اس کا انکار کیا اور کہا: یمین سے مراد دایاں ہاتھ ہے اور اس سے قدرت کو مراد لینا قرآن مجید کے خلاف ہے، اور قرآن مجید کی آیات اپنے ظاہر پر محمول ہیں، اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے لیے''ید''(ہاتھ) کا بہ کثرت ذکر ہے، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ کشادہ ہیں، اور یہ کہ ملک اور سلطنت اس کے ہاتھ میں ہے، ان آیات میں سے یہ آیت ہے:

مَامَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَىَّ۔ (ص:۷۵) تجھے اس کو سجدہ کرنے سے کس چیز نے روکا جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا تھا؟

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ابلیس کے اوپر حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت بیان کی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا، اور اگر''ید''کا معنی قدرت ہوتا تو ابلیس کہتا کہ تو نے مجھ کو بھی اپنی قدرت سے پیدا کیا ہے، پس حضرت آدم کی مجھ پر کیا فضیلت ہے؟ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے لیے ید اور یمین کا لفظ ثابت ہے اور یہ مخلوق کے مشابہ نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مثل کوئی چیز نہیں ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۳ ص ۲۰۸۔۲۰۹، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۷۳۸۲، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

''الملک''اور''المالک''کے معانی

امام بیہقی نے کہا ہے: ''الملك، اور''المالك''یہ ملک کا خاصہ ہیں، اللہ تعالیٰ کے حق میں اس کا معنی ہے: جو ایجاد اور پیدا کرنے پر قادر ہو، اور یہ وہ صفت ہے جس کا اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے لیے مستحق ہے، علامہ الراغب اصفہانی نے کہا: ''المَلِك''وہ ہے جو حکم دینے اور منع کرنے کے ساتھ متصف ہو، اور یہ کلام کرنے والوں کے ساتھ مخصوص ہے، اسی لیے فرمایا''مَلِكِ النَّاسِ''یعنی تمام لوگوں کا مالک ہے، اور یہ نہیں کہا''مالك الاشياء''یعنی تمام چیزوں کا مالک ہے، اور رہا اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد''مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝''(الفاتحہ:۳)، اس کا معنی ہے: وہ حساب کے دن کا مالک ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے''لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ۔۔۔ (مومن:۱۶)''(آج کس کی بادشاہی ہے؟)

''مَلِكِ النَّاسِ''میں''النَّاسِ''یعنی لوگوں کے خصوصیت کے ساتھ ذکر کی توجیہ

اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں جامد چیزیں بھی ہیں جیسے پہاڑ اور پتھر وغیرہ، اور نامی یعنی نشوونما پانے والی چیزیں بھی ہیں جیسے درخت وغیرہ، اور ساکت یعنی خاموش چیزیں بھی ہیں، اور ناطق چیزیں بھی ہیں۔ اور ناطق میں متکلم بھی ہیں اور غیر متکلم بھی ہیں، پس اللہ

تعالیٰ نے متکلم کو تمام چیزوں پر فضیلت دی اور متکلم انسان اور جن اور ملائکہ ہیں۔ پس جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''مَلِكِ النَّاسِ '' اور الناس اپنے متکلم ہونے کی وجہ تمام مخلوقات میں افضل ہیں تو مَلِكِ النَّاسِ کا معنی یہ ہوا کہ جو سب کا مالک ہے۔

اللہ تعالیٰ کے کلام کرنے کا ثبوت

امام ابن حاتم نے اپنی کتاب ''الرد علی الجہمیہ'' میں یہ لکھا ہے کہ جہمیہ سے کہا جائے گا: مجھے بتاؤ کہ جب اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کو فنا کرنے کے بعد فرمائے گا ''لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ '' تو کوئی بھی جواب نہیں دے گا، تو پھر اللہ تعالیٰ خود ہی جواب دے گا ''الواحد القہار'' یعنی صرف اللہ کی بادشاہی ہے۔ اور یہ اس وقت ہوگا جب مخلوق فوت ہو جائے گی اور ان کے الفاظ ختم ہو جائیں گے اور امام ابن ابی حاتم نے یہ اشارہ کیا کہ جس کا یہ زعم ہے کہ اللہ تعالیٰ کلام کو پیدا کرتا ہے اور جس کو چاہے سناتا ہے تو جس وقت اللہ تعالیٰ فرمائے گا ''لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ '' اور کوئی مخلوق بھی اس وقت زندہ نہیں ہوگی اور وہ خود جواب دے گا ''الواحد القہار'' تو ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ کلام فرمائے گا اور یہ کلام اس کی صفتِ ذات میں سے ہے اور اس کا کلام غیر مخلوق ہے۔

امام ابن ابی حاتم نے کہا: اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور یہ کسی کی طرف وحی نہیں ہے کیونکہ اس وقت کوئی شخص زندہ نہیں ہوگا اور اللہ تعالیٰ خود ہی فرمانے والا ہوگا اور خود ہی اپنے آپ کو جواب دینے والا ہوگا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں: صور پھونکنے کی طویل حدیث میں مذکور ہے جو کتاب الرقاق میں صفت الحشر میں مذکور ہے کہ جب اللہ کے سوا کوئی باقی نہیں رہے گا اور اللہ تعالیٰ آخر ہوگا جیسا کہ وہ اول تھا، اور وہ آسمانوں اور زمینوں کو لپیٹ دے گا، پھر اللہ تعالیٰ تین مرتبہ فرمائے گا: میں جبار ہوں، پھر تین بار فرمائے گا: آج کے دن کس کی بادشاہی ہے، پھر خود فرمائے گا ''لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ''، اس سے یہ معلوم ہوا کہ اللہ عزوجل خود ہی کلام کرنے والا ہوگا اور خود ہی اپنے آپ کو جواب دینے والا ہوگا، اس سے یہ واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کے متکلم ہونے کا یہ معنی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کلام کو پیدا کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے وہ کلام سنا دیتا ہے بلکہ وہ خود کلام فرمائے گا کیونکہ اس وقت اور کوئی نہیں ہوگا۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۵۰۸-۵۰۹، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷- بَابُ: قَوْلِ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى: — اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۶۰﴾ (النحل: ۶۰)

''اور وہی بہت غلبہ والا اور بڑی حکمت والا ہے O''

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ (الصافات: ۱۸۰)

''آپ کا رب غالب ہے اور ہر اس عیب سے پاک ہے جس کو وہ بیان کرتے ہیں O''

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ (المنافقون: ۸)

''عزت تو صرف اللہ کے لیے ہے اور اس کے رسول کے لیے ہے''

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

باب میں مذکور تین آیات کے معانی

اس باب کے عنوان میں امام بخاری نے تین آیات ذکر کی ہیں، پہلی آیت ہے "وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ---(النحل:٦٠)"۔

"العزیز" کا معنی

پہلی آیت میں "العزیز" کا لفظ ہے اور العزیز کا لفظ عزت کے معنی کو متضمن ہے، اور یہ جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی صفت ہو اور اس کا معنی ہے قدرت اور عظمت، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے فعل کی صفت ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات پر قاہر ہے اور غالب ہے۔

علامہ الحلیمی نے کہا ہے: اس کا معنی ہے: وہ ایسی ذات ہے کہ اس تک پہنچا نہیں جاسکتا اور نہ کسی مکروہ چیز کو اس پر داخل کیا جاسکتا ہے، کیونکہ عزیز عرب کی زبان میں عزت سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے صلابت اور سختی۔

علامہ خطابی نے کہا ہے: "العزیز" کا معنی ہے: ایسا منع کرنے والا جس پر کوئی غالب نہ ہو۔ اور عزت کا لفظ کبھی غلبہ سے ماخوذ ہوتا ہے، کہا جاتا ہے "عزّیعزّ" اور کبھی نفیس قدر کے معنی میں ہوتا ہے۔

اور اس آیت میں "الحکیم" فرمایا ہے، یہ حکمت کے معنی کو متضمن ہے، اور یہ یا تو ذات کی صفت ہے، اور اس کا معنی علم ہے جو اس کی ذات کی صفت ہے اور یا اس کے فعل کی صفت ہے یعنی کسی کام کو محکم اور مضبوط بنانا۔

"سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ" (الصافات:١٨٠)

اس آیت میں عزت کی ربوبیت کی طرف صفت ہے، اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ یہاں پر قہر اور غلبہ مراد ہے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ اضافت اختصاص کے لیے ہو، گویا کہ کہا گیا ہے "ذوالعزۃ" عزت والا، اور یہ صفاتِ ذات میں سے ہے۔ اور جب تمام عزتیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں تو جو شخص بھی عزت والا ہوگا وہ اللہ تعالیٰ کے سبب سے ہوگا، اور کسی کے لیے ذاتی عزت نہیں ہے اور وہی عزت کا مالک ہے۔

"وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ" (المنافقون:٨)

یہ عنوان میں مذکور تیسری آیت ہے اور اس کا حکم بھی دوسری آیت سے معلوم ہوجاتا ہے اور یہ بھی غلبہ کے معنی میں ہے۔ اور یہ اس کے جواب میں ہے جس نے یہ دعویٰ کیا ہو کہ وہ سب سے زیادہ عزت والا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے اس پر رد کیا کہ عزت اللہ کے لیے ہے اور اس کے رسول کے لیے ہے اور مومنین کے لیے ہے۔

پس یہ آیت درج ذیل آیت کی مثل ہے:

كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ ۝٢١ (المجادلہ:٢١)

اللہ نے لکھ دیا ہے کہ ضرور میں غالب ہوں گا اور میرے رسول (غالب ہوں گے)، بے شک اللہ بہت قوت والا بے حد غالب ہے ۝

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

وَمَنْ حَلَفَ بِعِزَّةِ اللّٰهِ وَصِفَاتِهٖ

اور جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی عزت اور اس کی صفات کی قسم کھائی۔

علامہ عینی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:۔
المستملی کی روایت میں ''صفاته'' کی جگہ ''وسلطانه'' اور پہلا لفظ زیادہ اولیٰ ہے۔
اور یہ تعلیق کتاب الایمان والنذور میں ''باب الحلف بعزة الله وصفاته وكلامه'' میں گزر چکی ہے اور اس پر بحث ہو چکی ہے۔
علامہ ابن بطال مالکی نے اس کی شرح میں کہا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی عزت کی قسم کھائے جو اس کی ذات کی صفت ہے تو وہ حانث ہو جائے گا اور جو اللہ تعالیٰ کی عزت کی قسم کھائے جو اس کے فعل کی صفت ہے تو وہ حانث نہیں ہوگا بلکہ اس کے ساتھ حلف اٹھانے سے منع کیا گیا ہے جیسا کہ آسمان کے حق اور زید کے حق سے قسم کھانے سے منع کیا گیا ہے۔
علامہ عینی فرماتے ہیں: لیکن جب حلف اٹھانے والا مطلقاً اللہ تعالیٰ کی عزت کی قسم کھائے تو اس سے مراد ذات کی صفت ہوگی اور اس کی قسم منعقد ہو جائے گی خواہ وہ اس کے علاوہ کسی اور معنی کا قصد کرے۔

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

وَقَالَ أَنَسٌ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ تَقُولُ جَهَنَّمُ: قَطْ قَطْ وَعِزَّتِكَ

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: (جب اللہ جہنم میں اپنا قدم رکھ دے گا تو) جہنم کہے گی: ''بس، بس، تیری عزت کی قسم۔

یہ تعلیق طویل حدیث کی ایک طرف ہے جو سورہ ق کی تفسیر میں گزر چکی ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ نبی ﷺ نے جہنم سے نقل کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عزت کی قسم کھائے گی اور اس کو اس قسم پر برقرار رکھا گیا، پس اس سے مراد حاصل ہو گئی خواہ جہنم نے خود یہ کلام کیا ہو یا کسی اور نے کلام کیا ہو جن کی طرف جہنم سپرد تھی۔

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

وَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ يَبْقَى رَجُلٌ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ آخِرُ أَهْلِ النَّارِ دُخُولًا الْجَنَّةَ فَيَقُولُ يَا رَبِّ اصْرِفْ وَجْهِي عَنِ النَّارِ لَا وَعِزَّتِكَ لَا أَسْأَلُكَ غَيْرَهَا قَالَ أَبُو سَعِيدٍ إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ لَكَ ذٰلِكَ وَعَشَرَةُ أَمْثَالِهِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ایک مرد جنت اور دوزخ کے درمیان کھڑا ہوگا اور اہل دوزخ میں سے آخری ہوگا اور جنت میں داخل ہونے والا ہوگا، پس وہ کہے گا: اے میرے رب! میرے چہرہ کو دوزخ سے دور کر دے، تیری عزت کی قسم! میں اس کے سوا اور کسی چیز کا سوال نہیں کروں گا، حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: تمہارے لیے یہ بھی ہے اور اس کی دس مثلیں اور بھی ہیں۔

علامہ عینی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:
یہ طویل حدیث کی ایک طرف ہے جو کتاب الرقاق کے آخر میں ہے۔
روایت ہے کہ اس کا نام جہنیہ ہے، اس حدیث پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس مرد کا کلام حجت نہیں ہے یعنی اللہ کی عزت کی قسم

کھانے کے جواز میں حجت نہیں ہے۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور تصدیق اس کی حکایت کی ہے اس لیے حجت ہے، اور حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کی روایت میں موافقت کی اور یہ اضافہ کیا کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس کے سوال کی دس مثلیں عطا فرمائے گا۔

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

وَقَالَ أَيُّوبُ: وَعِزَّتِكَ لَا غِنَى بِي عَنْ بَرَكَتِكَ۔

اور ایوب علیہ السلام نے کہا: اے اللہ! تیری عزت کی قسم! میں تیری برکت سے مستغنی نہیں ہوں۔

علامہ عینی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ تعلیق بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی ایک طرف ہے جو کتاب الایمان والنذور میں گزر چکی ہے، اور کتاب الطہارۃ کے باب الغسل میں بھی گزری ہے، اور اس کے شروع میں ہے کہ جس وقت حضرت ایوب علیہ السلام غسل کر رہے تھے تو انہوں نے ایک سونے کی ٹڈی دیکھی، وہ اس کو پکڑنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ایوب! کیا ہم نے تم کو اس سے مستغنی نہیں کر دیا؟ تو حضرت ایوب علیہ السلام نے جواب دیا: تیری عزت کی قسم! میں تیری برکت سے مستغنی نہیں ہوا۔

اور حاکم کی روایت میں ہے: جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو بیماری سے شفا عطا فرمائی تو ان پر سونے کی ٹڈی کی بارش فرمائی۔۔۔ الحدیث۔ (عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۱۳۳۔ ۱۳۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۳۸۳۔ حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ حَدَّثَنَا حُسَيْنٌ الْمُعَلِّمُ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ بُرَيْدَةَ عَنْ يَحْيَى بْنِ يَعْمَرَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم كَانَ يَقُولُ أَعُوذُ بِعِزَّتِكَ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ الَّذِي لَا يَمُوتُ وَالْجِنُّ وَالْإِنْسُ يَمُوتُونَ۔

(صحیح مسلم: ۲۷۱۷، مسند احمد: ۲۷۴۳)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو معمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الوارث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حسین المعلم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عبد اللہ بن بریدہ نے حدیث بیان کی از یحییٰ بن یعمر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کرتے تھے: ''میں تیری عزت کی پناہ میں آتا ہوں، تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، تو وہ ہے جسے موت نہیں آئے گی اور جن اور انس سب مرجائیں گے''۔

صحیح البخاری: ۷۳۸۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز فانی ہے

اس حدیث میں ارشاد ہے کہ ''جن اور انس سب مرجائیں گے'' ایک جماعت نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ انس

حدیث میں ملائکہ کے مرنے کا ذکر نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ ملائکہ پر موت نہیں آئے گی۔

لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ یہ استدلال مفہوم لقب سے ہے اور اس کا اعتبار نہیں ہے خاص طور پر جب اس کے معارض اس سے قوی دلیل موجود ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے برسبیلِ عموم فرمایا ہے:

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ (القصص:۸۸) اس کی ذات کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے۔

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کے جواب میں یہ لکھا ہے کہ جنات میں بھی ملائکہ کے دخول سے کوئی مانع نہیں ہے، کیونکہ جنات اور ملائکہ دونوں مخفی ہوتے ہیں۔

علامہ عینی حافظ ابنِ حجر عسقلانی کے اس کلام کا رد کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ کلام واہی تباہی اور ضعیف ہے، کیونکہ جن کا مصداق ملائکہ کے مصداق کا غیر ہے اور جنات کے پوشیدہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ملائکہ جنات میں داخل ہو جائیں، کیونکہ ملائکہ نور سے پیدا کیے گئے ہیں اور جنات کو خالص آگ کے شعلے سے پیدا کیا گیا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۱۳۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر عسقلانی نے ''انتقاض الاعتراض'' میں علامہ عینی کے اس اعتراض کا کوئی جواب نہیں لکھا۔

(سعیدی غفرلہٗ)

۷۳۸۴۔ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي الْأَسْوَدِ حَدَّثَنَا حَرَمِيٌّ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَا يَزَالُ يُلْقَى فِي النَّارِ ح وقَالَ لِي خَلِيفَةُ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا سَعِيدٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ ح وَعَنْ مُعْتَمِرٍ سَمِعْتُ أَبِي عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَا يَزَالُ يُلْقَى فِيهَا وَتَقُولُ هَلْ مِنْ مَزِيدٍ حَتَّى يَضَعَ فِيهَا رَبُّ الْعَالَمِينَ قَدَمَهُ فَيَنْزَوِي بَعْضُهَا إِلَى بَعْضٍ ثُمَّ تَقُولُ قَدْ قَدْ بِعِزَّتِكَ وَكَرَمِكَ وَلَا تَزَالُ الْجَنَّةُ تَفْضُلُ حَتَّى يُنْشِئَ اللهُ لَهَا خَلْقًا فَيُسْكِنَهُمْ فَضْلَ الْجَنَّةِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابن ابی الاسود نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حرمی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از قتادہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: ''دوزخ میں ڈالا جاتا رہے گا'' ح اور مجھ سے خلیفہ نے کہا: ہمیں یزید بن زریع نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سعید نے حدیث بیان کی از قتادہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ ح اور از معتمر، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے سنا از قتادہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: ہمیشہ دوزخ میں دوزخیوں کو ڈالا جاتا رہے گا اور دوزخ کہے گی: کیا اور بھی ہیں؟ حتیٰ کہ رب العالمین اس میں اپنا قدم رکھ دے گا، اور اس کے حصے ایک دوسرے کی طرف سمٹ جائیں گے، پھر دوزخ کہے گی: بس بس تیری عزت اور کرم کی قسم! اور ہمیشہ جنت میں جگہ باقی رہ جائے گی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک مخلوق پیدا کرے گا، پس اس مخلوق کو جنت

کے خالی حصہ میں رکھے گا۔

(صحیح البخاری:۶۶۶۱،صحیح مسلم:۲۸۴۸،سنن ترمذی:۳۲۷۳،مسند احمد:۱۲۹۸۹)

صحیح البخاری: ۷۳۸۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ،اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی مشکل عبارات کے معانی

''ھل من مزید؟'' کی توجیہ

اس حدیث میں مذکور ہے''و تقول ھل من مزید؟''یعنی دوزخ کہے گی:''کیا کچھ اور زیادہ بھی ہیں؟''اور دوزخ کی طرف کہنے کی نسبت مجاز ہے یا حقیقت ہے بایں طور کہ اللہ تعالیٰ اس میں یہ قوت پیدا فرمادے گا،اور''مزید''مصدر میمی ہے جس کا معنی ہے زیادہ۔

اللہ تعالیٰ کے قدم کی توجیہ

اس حدیث میں مذکور ہے کہ''جب دوزخ کہے گی:ھل من مزید؟ تو رب العالمین اس میں اپنا قدم رکھ دے گا''۔

ایک قول یہ ہے کہ قدم سے مراد متقدم ہیں اور اس کا معنی یہ ہے کہ جن لوگوں کو پہلے عذاب دیا جائے گا ان کو دوزخ میں رکھ دے گا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہاں ایک مخلوق ہے جس کا نام القدم ہے تو اللہ تعالیٰ اس مخلوق کو دوزخ میں رکھ دے گا۔

تیسرا قول یہ ہے کہ قدم رکھنے سے مراد دوزخ کو ڈانٹ ڈپٹ کرنا ہے اور اس کو ساکت کرنا ہے جیسا کہ تم جس چیز کو مٹانا چاہو یا باطل کرنا چاہو تو تم کہتے ہو: یہ میرے قدم کے نیچے ہے۔

چوتھا قول یہ ہے کہ اس لفظ کا معنی اللہ تعالیٰ کی طرف مفوض ہے۔

اور پانچواں قول یہ ہے کہ النضر بن شمیل نے کہا کہ قدم سے مراد یہاں پر وہ کفار ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کے علمِ سابق میں یہ تھا کہ وہ اہلِ دوزخ ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے دوزخ کو بھر دے گا حتیٰ کہ دوزخ کے بعض اجزاء بعض کی طرف سمٹ جائیں گے، کیونکہ دوزخ والوں کے لیے جگہ تنگ ہو جائے گی تو دوزخ کہے گی: بس، بس۔

اس حدیث میں مذکور ہے''خلقا فیسکنھم''یعنی جنت کے لیے اللہ تعالیٰ ایک مخلوق پیدا کرے گا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۱۳۶،دار الکتب العلمیہ ،بیروت،۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۷۳۸۴، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ،اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

لفظِ قدم کی توجیہ

قدم کا لفظ مشترک ہے، اس کا استعمال عضو میں بھی جائز ہے اور اس میں بھی اس کا استعمال ہوتا ہے جو عضو نہ ہو، اور اللہ تعالیٰ

کے لیے قدم کا اس معنی میں استعمال محال ہے جس کا معنی عضو ہے، کیونکہ اگر قدم سے مراد عضو ہو جیسے انسانوں کا قدم ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ دوزخ میں رکھ دے گا تو اس سے لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ جسم ہے، اور جسم مرکب ہے اور اس کی جو صفات ہیں ان کا ثبوت اللہ تعالیٰ کے لیے محال ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اس حدیث میں قدم سے مراد کوئی ایسی مخلوق ہے جس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ جہنم اسی مخلوق سے بھرے گا۔

اور ابن الاعرابی نے کہا: قدم سے مراد شرف اور فضیلت میں تقدم ہے اور "قد، قد" اور "قط، قط" دونوں کا معنی ہے: یہ مجھے کافی ہے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۴۲۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۷۳۸۴، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قدم کی توجیہ میں دیگر اقوال

(۱) حسن بصری سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ دوزخ میں اس بدترین مخلوق کو رکھ دے گا جو مقدم ہے اور یہ وہی لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے دوزخ کے لیے پہلے بھیجا، پس قدم کا معنی یہاں پر متقدم ہے یعنی جن لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کو یہ پہلے علم تھا کہ وہ اہل دوزخ ہیں۔

(۲) یہ وہ قوم ہے جس کو قیامت کے دن پیدا کیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ اس کا نام قدم رکھے گا۔

(۳) اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ بعض مخلوق کا قدم دوزخ میں رکھ دے گا۔

علامہ الداؤدی نے کہا: ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کا وہ سچا وعدہ جو اس نے اپنے بندوں سے کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان میں سے متقین کو نجات دے گا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

أَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ (یونس: ۲) ان کے لیے ان کے رب کے پاس (ان کے نیک اعمال کا) بہترین اجر ہے۔

اور بعض مفسرین نے کہا: "قَدَمَ صِدْقٍ" سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، یعنی ان کے لیے پہلے سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت کرنے والے ہیں، پس اگر اس طرح سے ہو تو یہ وہ شفاعت ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل ہوگی، پس اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دے گا کہ دوزخ سے ان کو نکال دیں جن کے دل میں ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہے اور یہی وہ مقامِ محمود ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے لیکن یہ تفسیر اس حدیث کی نص کے خلاف ہے کیونکہ حدیث میں یہ ہے کہ رب العالمین دوزخ میں اپنا قدم رکھ دے گا جب دوزخ یہ کہے گی "ھل من مزید؟"۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۳ ص ۲۱۵۔۲۱۶، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۸۔ بَابُ: قَوْلِ اللهِ تَعَالَىٰ: وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ (الانعام: ۷۳)

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: "اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو برحق پیدا کیا"

۷۳۸۵۔ حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ ابْنِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قبیصہ نے

جُرَيْجٍ عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ طَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يَدْعُو مِنَ اللَّيْلِ اللَّهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ رَبُّ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ لَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ قَيِّمُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ لَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ نُورُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ قَوْلُكَ الْحَقُّ وَوَعْدُكَ الْحَقُّ وَلِقَاؤُكَ حَقٌّ وَالْجَنَّةُ حَقٌّ وَالنَّارُ حَقٌّ وَالسَّاعَةُ حَقٌّ اللَّهُمَّ لَكَ أَسْلَمْتُ وَبِكَ آمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْكَ أَنَبْتُ وَبِكَ خَاصَمْتُ وَإِلَيْكَ حَاكَمْتُ فَاغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ وَأَسْرَرْتُ وَأَعْلَنْتُ أَنْتَ إِلٰهِي لَا إِلٰهَ لِي غَيْرُكَ حَدَّثَنَا ثَابِتُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بِهٰذَا وَقَالَ أَنْتَ الْحَقُّ وَقَوْلُكَ الْحَقُّ۔

حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از ابن جریج از سلیمان از طاؤس از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات کو دعا کرتے تھے: ''اے اللہ! تیرے لیے ہی حمد ہے، تو آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے، تیرے لیے ہی حمد ہے، تو آسمانوں اور زمینوں کا اور جو کچھ ان میں ہے ان کو قائم کرنے والا ہے، تیرے لیے ہی حمد ہے، تو آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے، اور تیرا قول حق ہے، اور تیرا وعدہ حق ہے، اور تیری ملاقات حق ہے، اور جنت حق ہے، اور دوزخ حق ہے، اور قیامت حق ہے، اے اللہ! میں تیرے ہی لیے اسلام لایا، اور تجھ ہی پر ایمان لایا، اور تجھ ہی پر توکل کیا، اور تیری ہی طرف رجوع کیا، اور تیرے سبب سے جھگڑا کیا، اور تیری طرف مقدمہ پیش کیا، سو میرے ان گناہوں کو بخش دے جو میں نے پہلے کیے، اور ان گناہوں کو بخش دے جو میں نے بعد میں کیے، اور ان گناہوں کو بخش دے جو میں نے چھپ کر کیے، اور ان گناہوں کو بخش دے جو میں نے ظاہراً کیے، تو میرا معبود ہے، اور میرے لیے تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے''۔

ہمیں ثابت بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے اسی طرح حدیث بیان کی اور کہا: تو حق ہے اور تیرا قول حق ہے۔

(صحیح البخاری: ۱۱۲۰، ۶۳۱۷، ۷۳۸۵، ۷۴۴۲، ۷۴۹۹، صحیح مسلم: ۷۶۹، سنن ترمذی: ۳۴۱۸، سنن نسائی: ۱۶۱۹، سنن ابوداؤد: ۷۷۱، سنن ابن ماجہ: ۱۳۵۵، مسند احمد: ۳۳۵۸، موطا امام مالک: ۵۰۰، سنن دارمی: ۱۴۸۶)

صحیح البخاری: ۷۳۸۵، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

لفظ ''الحق'' کے متعدد معانی

امام بخاری نے اس باب کا عنوان قائم کیا ہے ''خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ۔۔۔ (الانعام: ۷۳)''، (اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو برحق پیدا کیا)۔

اور اس آیت میں حق سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے برحق کلمہ سے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا اور وہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد

ہے''کُن''۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے: حق سے مراد مذاق کی ضد ہے اور حق سے مراد اللہ تعالیٰ کے وہ اسماءِ حسنیٰ ہیں جو موجود اور ثابت ہیں جن میں کوئی زوال اور تغیر نہیں ہے۔

علامہ راغب اصفہانی نے کہا ہے: اسماءِ حسنیٰ میں حق سے مراد وہ پیدا کرنے والا ہے جو اپنی حکمت کے تقاضا کے اعتبار سے پیدا فرماتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فعل سے ہر جو چیز موجود ہے وہ حکمت کے تقاضا کے مطابق ہے، اور حق کا اطلاق اس اعتقاد پر کیا جاتا ہے جو واقع کے مطابق ہو۔

امام بیہقی نے کتاب الاسماء والصفات میں الحلیمی سے نقل کیا ہے کہ حق وہ چیز ہے جس کا انکار کرنا جائز نہیں ہے اور اس کو ثابت کرنا اور اس کا اعتراف کرنا لازم ہے، اور سب سے اولیٰ اللہ تعالیٰ کے وجود کا اعتراف کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کے وجود کا انکار کرنا جائز نہیں ہے جیسا کہ قوی دلائل سے واضح ہے۔

حدیثِ مذکور کے معانی

اس حدیث میں ارشاد ہے''اللھم لك الحمد انت رب السمٰوٰت والارض''۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے:''رب السمٰوٰت والارض'' کا معنی ہے: آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا، اور''بالحق'' کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ نے ان کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا جیسا کہ اس آیت میں ارشاد ہے:

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا (آل عمران:۱۹۱) (اور کہتے ہیں:) اے ہمارے رب! تو نے یہ سب کچھ بے کار پیدا نہیں کیا۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۵۱۲، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۷۳۸۵، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے نور ہونے کی توجیہ

اس حدیث میں ارشاد ہے''انت نور''یعنی تو نور ہے، اور یہ حدیث اس آیت کے مطابق ہے:

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (النور:۳۵) اللہ آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے۔

نور اس کیفیتِ ضیائیہ کو کہتے ہیں جو روشن ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کیفیت سے پاک ہے، اس لیے اس کا حقیقی معنی مراد نہیں ہے، اور''تو آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے''اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا تاکہ بندوں کو اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی ربوبیت کے اوپر رہنمائی کرے، کیونکہ آسمانوں اور زمینوں میں حدث پر دلالت ہے جو کسی محدث کی طرف محتاج ہے، پس گویا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو منور کیا اور مخلوقات کے دلوں میں نور پیدا کیا جس سے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہدایت پائیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اللہ آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ وہ آسمانوں اور زمینوں کو

ہدایت دینے والا ہے، اور بعض علماء نے کہا: آسمانوں اور زمینوں کی تدبیر کرنے والا ہے۔

شیخ عبدالرحمٰن السعدی نے اس آیت کی تفسیر میں کہا کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کا حسی اور معنوی نور ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بذاتہٖ نور ہے اور اس کا حجاب بھی نور ہے، اگر وہ نور نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ کے چہرہ کی چمک منتہائے بصر تک مخلوق کو جلا ڈالتی، اسی کے نور سے عرش روشن ہے اور کرسی اور سورج اور چاند، اسی کے نور سے جنت منور ہے، اس کی کتاب نور ہے، اس کی شریعت نور ہے، اس کا ایمان اور دلوں میں اس کے رسولوں کی معرفت نور ہے، اور مومنین کے دلوں میں نور ہے، پس اگر اللہ تعالیٰ کا نور نہ ہوتا تو پے در پے ظلمات ہوتیں، یہ وجہ ہے کہ جس جگہ سے وہ نور مفقود ہو جاتا ہے وہاں ظلمت آ جاتی ہے۔

نیز اس حدیث میں ارشاد ہے: ''تو آسمانوں اور زمینوں کو قائم کرنے والا ہے'' یہ اس کی ذات کی صفت ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا معنی ہو مخلوقات کی حفاظت کرنا، اور زندوں کو رزق دینا، اس اعتبار سے یہ اس کی صفتِ فعل ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۳ ص ۲۱۹۔۲۲۱، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۷۳۸۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''رب السمٰوٰت'' رب کا معنی ہے سید اور مصلح اور مالک۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''انت قیم السمٰوٰت'' یعنی تو آسمانوں کی تدبیر کرنے والا ہے اور ان کو قائم کرنے والا ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''نور السمٰوٰت'' یعنی آسمانوں کو روشن کرنے والا ہے، اور یہ اس کی صفاتِ فعل سے ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''لقاؤك حق'' یعنی مرنے کے بعد تجھ سے ملاقات برحق ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''الیك انبت'' یعنی میں تیری عبادت کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''وبك خاصمت'' یعنی میں تیرے دشمنوں سے ان دلائل کے ساتھ جھگڑتا ہوں جو دلائل تو نے مجھے عطا کئے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''والیك حاکمت'' یعنی جو شخص حق کا انکار کرے تو میں اس کے اور اپنے درمیان تجھے حاکم بناتا ہوں نہ کہ تیرے غیر کو، جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ بتوں کو حَکم بناتے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فاغفرلی'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی مغفرت کا سوال کرنا بر بنائے تواضع ہے یا امت کی تعلیم کے لیے ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۱۳۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۹۔ بَابُ: قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا (النساء: ۱۳۴)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''اور اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے O''

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے لیے سننے کی صفت کا ثبوت

اس باب کے عنوان سے امام بخاری کی غرض معتزلہ کا رد کرنا ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سمیع ہے بلا سمع، یعنی وہ بغیر سماعت کے سننے والا ہے، اور ان لوگوں پر رد کرنا ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سمیع ہونے کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ مسموعات کا عالم ہے، یعنی جو چیزیں سنائی دیتی ہیں اللہ تعالیٰ ان کو جاننے والا ہے۔

اور ان کا قول اس لیے مردود ہے کہ ان کے اس قول سے لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نابینا اور بہرہ کے مساوی ہو، جو یہ جانتا ہے کہ آسمان سبز ہے اور اس کو دیکھتا نہیں ہے اور جو یہ جانتے ہیں کہ اس جہان میں آوازیں ہیں اور وہ ان کو سنتے نہیں ہیں اور اس قول کا فساد ظاہر ہے، پس واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سمیع بصیر ہونے کا معنی یہ ہے جو اس کے عالم ہونے سے زائد ہے۔

امام بیہقی نے کہا: سمیع وہ شخص ہے جس کے لیے صفتِ سماعت ہو، جس سے وہ مسموعات کا ادراک کرے، اور بصیر وہ ہے جس کے لیے صفتِ بصارت ہو جس سے وہ دکھائی دینے والی چیزوں کا ادراک کرے۔

اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ سمع کا معنی ہے: جو پٹھا کان کے سوراخ میں بچھا ہوا ہے اس پٹھے تک ہوا کی موجیں پہنچیں، اور یہ معنی اللہ تعالیٰ کے لیے محال ہے۔

اس کا یہ جواب ہے کہ یہ سمع کی حقیقت نہیں ہے بلکہ یہ وہ حالت ہے جس کو اللہ تعالیٰ زندہ شخص میں پیدا کرتا ہے، ہاں اللہ تعالیٰ کی سنتِ جاریہ یہ ہے کہ سمع اسی وقت پیدا کرتا ہے جب کان کے پٹھے تک ہوا پہنچ جاتی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ بغیر عادت اور واسطہ کے مسموع کو سنتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے اور اس کے دیکھنے کو یہ لازم نہیں ہے کہ اس کے بالمقابل کوئی چیز ہو یا کوئی شعاع نکلے جس شعاع کے بغیر عادتاً دیکھنا نہیں ہوتا۔

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

وَقَالَ الْأَعْمَشُ عَنْ تَمِيمٍ عَنْ عُرْوَةَ: عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي وَسِعَ سَمْعُهُ الْأَصْوَاتَ، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالَى عَلَى النَّبِيِّ ﷺ: قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ فِي زَوْجِهَا (المجادلہ:۱)

اعمش نے کہا از تمیم از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، انہوں نے کہا: اللہ کے لیے حمد ہے جس کی سماع تمام آوازوں کو شامل ہے، پس اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل فرمائی "بے شک اللہ نے اس عورت کی بات سن لی جو اپنے خاوند کے متعلق آپ سے بحث اور تکرار کر رہی تھی"۔

تعلیقِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں الاعمش کا ذکر ہے، یہ سلیمان الاعمش ہیں، وہ روایت کرتے ہیں از تمیم، اس سے مراد تمیم بن سلمہ الکوفی ہیں جو تابعی ہیں، وہ روایت کرتے ہیں از عروہ بن الزبیر سے از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا۔

یہ تعلیق مسند احمد، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ میں مذکور ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: "برکت والی ہے وہ ذات جس کی سماعت ہر چیز کو شامل ہے اور بے شک میں خولہ کا کلام سنتی ہوں اور اس کلام کا بعض حصہ مجھ پر مخفی ہے، اور وہ اپنے خاوند کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کر رہی ہے اور وہ عورت کہہ رہی تھی کہ یہ شخص میری جوانی کو کھا گیا اور اس کے لیے میرا پیٹ پھول گیا حتیٰ کہ جب میری عمر زیادہ ہو گئی اور میری اولاد مجھ سے منقطع ہو گئی تو اس نے مجھ سے ظہار کیا، اے اللہ! بے شک میں تیری طرف شکایت کرتی ہوں، ابھی کچھ دیر نہیں گزری تھی کہ جبریل علیہ السلام ان آیات کو لے کر نازل ہوئے:

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا وَ تَشْتَكِیْۤ اِلَى اللّٰهِ ۖۗ وَ اللّٰهُ یَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ ۝۱ (المجادلہ: ۱)

بے شک اللہ نے اس عورت کی بات سن لی جو اپنے خاوند کے متعلق آپ سے بحث اور تکرار کر رہی تھی اور اللہ سے شکایت کر رہی تھی اور اللہ تم دونوں کی باتیں سن رہا تھا، بے شک اللہ بہت سننے والا خوب دیکھنے والا ہے O

(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۱۳۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

المجادلہ: ۱ کا شانِ نزول

حضرت خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا حضرت اوس بن الصامت رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں، ان کا جسم بہت حسین تھا اور ان کے شوہر بہت شہوت اور بہت غصے والے تھے، انہوں نے ان کو اپنی خواہش پوری کرنے کے لیے بلایا، حضرت خولہ نے انکار کیا، انہوں نے کہا: تمہاری پشت مجھ پر میری ماں کی پشت کی طرح ہے، پھر وہ اپنے قول پر نادم ہوئے اور زمانہ جاہلیت میں ایلاء اور ظہار طلاق شمار ہوتا تھا، حضرت اوس نے کہا: میرا گمان ہے کہ تم مجھ پر حرام ہو چکی ہو، حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اللہ کی قسم! یہ طلاق نہیں ہے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئیں، اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے سر کی ایک جانب دھو رہی تھیں، حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نے کہا: یارسول اللہ! بے شک میرے خاوند حضرت اوس بن الصامت رضی اللہ عنہ نے مجھ سے شادی کی تھی، اس وقت میں جوان، مال دار، خوش حال اور رشتہ داروں والی تھی، حتیٰ کہ جب حضرت اوس نے میرا مال کھالیا اور میری جوانی ختم کر دی اور میرے رشتہ دار بکھر گئے اور میری عمر زیادہ ہو گئی تو انہوں نے مجھ سے ظہار کر لیا اور اب وہ نادم ہیں، کیا کوئی ایسی صورت ہے کہ وہ اور میں پھر سے جمع ہو جائیں اور وہ مجھ سے اپنی خواہش پوری کر سکیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اس پر حرام ہو چکی ہو۔ حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نے کہا: یارسول اللہ! اس ذات کی قسم جس نے آپ پر کتاب نازل کی ہے! اس نے طلاق کا ذکر نہیں کیا اور وہ میرے بچوں کا باپ ہے اور مجھے تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا: تم اس پر حرام ہو چکی ہو، حضرت خولہ نے کہا: پھر میں اللہ سے اپنے فقر و فاقہ اور تنہائی کا ذکر کرتی ہوں، انہوں نے میرے ساتھ بہت وقت گزارا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا: میرا یہی گمان ہے کہ تم اس پر حرام ہو چکی ہو، اور تمہارے معاملہ میں مجھے کوئی حکم نہیں دیا گیا، وہ بار بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنا مدعا عرض کرتی رہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے یہی فرماتے رہے کہ تم اس پر حرام ہو چکی ہو، اس نے کہا: میں اللہ سے اپنے فاقہ اور اپنی پریشان حالی کی شکایت کرتی ہوں اور میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، اگر میں یہ بچے اوس کو دے دوں تو یہ ضائع ہو جائیں گے اور اگر میں ان بچوں کو اپنے پاس رکھوں تو یہ بھوکے رہیں گے، پھر حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نے آسمان کی طرف سر اٹھا کر دیکھا اور کہنے لگیں: اے اللہ! میں تجھ سے

شکایت کرتی ہوں، اے اللہ! تو اپنے نبی کی زبان پر میری کشادگی کا حکم نازل فرما، اور یہ اسلام میں پہلا ظہار کا واقعہ تھا، پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کھڑی ہو کر اپنے سر کی دوسری جانب دھونے لگیں، حضرت خولہ نے کہا: اے اللہ کے نبی! میرے معاملہ میں غور فرمائیں، اللہ مجھے آپ پر فداء کرے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اپنی بات مختصر کرو اور زیادہ بحث نہ کرو، کیا تم دیکھ نہیں رہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کی کیا کیفیت ہے؟ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی نازل ہوتی تھی تو آپ کے چہرے کا رنگ بدل جاتا تھا، جب آپ پر وحی نازل ہو چکی تو آپ نے اس سے فرمایا: اپنے خاوند کو بلاؤ، جب وہ اس کو بلا کر لائیں تو آپ نے اس کے سامنے ''قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ... الآیات'' پڑھیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: برکت والی ہے وہ ذات جس کی سماعت تمام آوازوں کو محیط ہے، بے شک وہ عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کر رہی تھی اور میں گھر کی ایک جانب ان کی کچھ باتیں سن رہی تھی اور بعض باتیں مجھ سے مخفی رہیں۔

(معالم التنزیل ج ۵ ص ۳۹-۳۸، مسند احمد ج ۶ ص ۴۱۰، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۱۴، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۸۹، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۲۷۹، السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۱۵۷۰، سنن ابن ماجہ: ۲۰۶۳-۱۸۸، تفسیر عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۱۱۸، المستدرک ج ۲ ص ۴۸۱)

۷۳۸۶- حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فِي سَفَرٍ فَكُنَّا إِذَا عَلَوْنَا كَبَّرْنَا فَقَالَ ارْبَعُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ فَإِنَّكُمْ لَا تَدْعُونَ أَصَمَّ وَلَا غَائِبًا تَدْعُونَ سَمِيعًا بَصِيرًا قَرِيبًا ثُمَّ أَتَى عَلَيَّ وَأَنَا أَقُولُ فِي نَفْسِي لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ فَقَالَ لِي يَا عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ قَيْسٍ قُلْ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ فَإِنَّهَا كَنْزٌ مِنْ كُنُوزِ الْجَنَّةِ أَوْ قَالَ أَلَا أَدُلُّكَ بِهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد بن زید نے حدیث بیان کی از ایوب از ابی عثمان از حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے، پس جب ہم بلندی پر چڑھتے تو اللہ اکبر کہتے، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی جانوں پر نرمی کرو، کیونکہ تم کسی بہرے کو نہیں پکار رہے اور نہ غائب کو، تم سننے والے دیکھنے والے قریب کو پکار رہے ہو، پھر آپ میرے پاس آئے اور میں آہستہ آہستہ پڑھ رہا تھا: گناہوں سے پھرنا اور نیکی کی طاقت اللہ کی مدد کے سوا نہیں ہے، تو آپ نے مجھ سے فرمایا: اے عبداللہ بن قیس! کہو: لاحول ولا قوۃ الا باللہ، کیونکہ یہ جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے، یا فرمایا: کیا تمہیں اس کی طرف رہنمائی نہ کروں۔

(صحیح البخاری: ۲۹۹۲، ۴۲۰۵، ۶۳۸۴، ۶۴۰۹، ۶۶۱۰، ۷۳۸۶، صحیح مسلم: ۲۷۰۴، سنن ترمذی: ۳۴۶۱، سنن ابوداؤد: ۱۵۲۶، مسند احمد: ۱۹۰۲۶)

صحیح البخاری: ۷۳۸۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے ''اربعوا'' یعنی اپنی آواز بلند کرو اور آواز بلند کرنے میں زیادہ مبالغہ نہ کرو۔

علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ یہ لفظ باء کے کسرہ کے ساتھ اربِعوا ہے اور کتب لغت میں اور بعض کتب حدیث میں باء کی زبر

کے ساتھ یعنی اربَعوا مذکور ہے۔
علامہ عینی فرماتے ہیں کہ باء کی زبر یعنی ارْبَعوا زیادہ صحیح ہے، کیونکہ جس کلمہ کے اندر لام فعل حرف حلقی ہو تو اس کا مضارع عین کی زبر کے ساتھ آتا ہے۔
اگر کہا جائے کہ یہاں پر اعمیٰ یعنی اندھے کا ذکر کرنا مناسب تھا یعنی تم کسی اندھے کو نہیں پکار رہے۔
اس کا جواب یہ ہے کہ اعمیٰ وہ ہوتا ہے جو بصر کے احساس سے غائب ہو، اور قریب کے لفظ کا اضافہ کیا کیونکہ بعض اوقات سننے والا اور دیکھنے والا نہیں سنتا اور نہ دیکھتا ہے کیونکہ وہ محسوس سے دور ہوتا ہے، پس قریب کے لفظ کو ثابت کیا تا کہ ظاہر ہو جائے کہ یہاں مقتضی ہے اور مانع نہیں ہے اور قُرب سے مراد یہاں پر قربِ مسافت نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی جگہ میں حلول اور اترنے سے منزہ ہے بلکہ وہ علم کے ساتھ قریب ہے۔
اس حدیث میں فرمایا کہ یہ کلمہ یعنی ''لاحول ولا قوۃ الا باللہ'' جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے یعنی جس طرح جنت کے خزانے نفیس ہوتے ہیں اسی طرح یہ کلمہ نفیس ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۱۳۸۔۱۳۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۷۳۸۶، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے سننے اور دیکھنے کا معنی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''تم کسی بہرے کو نہیں پکارتے اور نہ غائب کو'' یعنی اللہ تعالیٰ کی صفتِ سماعت میں کوئی ایسی آفت نہیں ہے جو سننے سے مانع ہو۔ اور اس قول میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے سننے والا دیکھنے والا اور علم والا ہے، اور ان صفات کی اضداد اللہ تعالیٰ کے لیے جائز نہیں ہیں۔
علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ سمیعًا کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام آوازوں کو بغیر کسی ضرورت کے سنتا ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے بندوں کے ان اعمال کو قبول فرماتا ہے اور کبھی سمیعًا عالم کے معنی میں ہوتا ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ مدرک کے معنی میں ہو، یعنی اس کا ادراک علم پر زائد ہے اور وہ ہمیشہ بصیر ہے کیونکہ وہ اپنی ذات کو دیکھتا ہے اور اپنی صفات کو دیکھتا ہے، اور اسی طرح اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے اپنے کلام کو سننے والا ہے اور اپنی ذات کی صفات کو سننے والا ہے۔
اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اللہ کے لیے حمد ہے جس کی صفتِ سماعت تمام آوازوں کو سننے کی طاقت رکھتی ہے، اور اس کو ایک آواز سے دوسری آواز کا مغالطہ نہیں ہوتا، اور اگر تمام مخلوق بیک وقت اس کو پکارے تو وہ سب کی آوازیں سنتا ہے۔
اس حدیث میں مذکور ہے ''اللہ تعالیٰ قریب ہے'' یعنی وہ تمام معلومات کا عالم ہے اور کوئی چیز اس سے غائب نہیں ہے، اور قرب سے مراد قربِ مسافت نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ مقامات اور جگہوں میں اترنے سے پاک ہے، کیونکہ کسی مقام میں یا جگہ میں ہونا یہ اجسام کی صفت ہے یعنی اللہ تعالیٰ لوگوں کا عالم ہے اور ان کے تمام احوال کا عالم ہے جو وہ احوال چھپاتے ہیں یا جو ظاہر کرتے ہیں۔
(شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۴۲۶۔۴۲۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۷۳۸۶، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ ابن بطال نے کہا ہے: امام بخاری کی اس باب کے منعقد کرنے سے غرض ان لوگوں پر رد کرنا ہے جو کہتے ہیں کہ "سمیع بصیر" کا معنی علیم ہے، انہوں نے کہا: اور اس شخص پر یہ لازم آئے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو اس نابینا کے برابر قرار دے جو یہ جانتا ہے کہ آسمان سبز ہے اور اس کو دیکھتا نہیں ہے، اور اس بہرے کے برابر قرار دے جو جانتا ہے کہ لوگوں میں آوازیں ہیں اور وہ ان آوازوں کو سنتا نہیں ہے، اور اس میں کوئی شک نہیں جو شخص سنتا ہو اور دیکھتا ہو اس کی صفتِ کمال اس سے بڑھ کر ہے جو ان میں سے کسی ایک صفت کے ساتھ متصف ہو، پس صحیح ہے کہ وہ سمیع بصیر ہے اور یہ صرف علیم کی صفت پر زائد ہے، اور اس کا سمیع بصیر ہونا اس کو متضمن ہے کہ اللہ تعالیٰ صفتِ سماعت کے ساتھ سنتا ہے اور صفتِ بصارت کے ساتھ دیکھتا ہے، اور یہ تمام اہل السنۃ کا قول ہے۔

اور معتزلی یہ کہتا ہے کہ سننا اس وقت متحقق ہوتا ہے کہ ہوا جو آواز کے ساتھ متصف ہے وہ اس پٹھے تک پہنچ جائے جو کان کے سوراخ میں ہے، اور اللہ تعالیٰ اعضاء سے منزہ ہے۔

اور اس کا یہ جواب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زندہ لوگوں کے لیے یہ عادت جاری کر دی ہے کہ ان میں سماعت کو اس وقت پیدا کرتا ہے جب وہ ہوا اس جگہ پہنچ جائے، اور اللہ تعالیٰ تمام آوازوں کو بغیر کسی واسطہ کے سنتا ہے اور تمام دکھائی دینے والی چیزوں کو بغیر جہت اور مقابلہ کے دیکھتا ہے اور بغیر شعاع بصری کے نکلنے کے دیکھتا ہے، پس اللہ تعالیٰ زندہ ہے، موجود ہے اور ذوات کے مشابہ نہیں ہے، اسی طرح اس کی ذات کی صفات، صفات کے مشابہ نہیں ہیں۔

اور امام بیہقی نے کتاب الاسماء والصفات میں لکھا ہے کہ سمیع وہ ہے جس کے لیے صفتِ سماعت ہو، جس سے وہ مسموعات کا ادراک کرے اور بصیر وہ ہے جس کی صفتِ بصارت ہو، جس سے وہ دکھائی دینے والی چیزوں کا ادراک کرے اور ان میں سے ہر ایک اللہ تعالیٰ کے حق میں ایسی صفت ہے جو قائم بذاتہ ہے۔

امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتا نہ تمہارے اموال کو دیکھتا ہے لیکن وہ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے۔

اور انہی نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے پہلی امتوں میں سے ایک شخص تھا جس نے دو چادریں پہنیں (ایک تہبند اور ایک اوپر کی چادر) اور وہ بہت اکڑ اکڑ کر چل رہا تھا، تو اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف دیکھا سو اس پر ناراض ہوا۔

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل اس شخص کی طرف نہیں دیکھتا جو تکبر سے اپنے کپڑے کو گھسیٹتا ہے۔

اور ان تمام احادیث میں اللہ تعالیٰ کے دیکھنے کا ثبوت ہے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۵۱۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۳۸۷، ۷۳۸۸۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي عَمْرٌو عَنْ يَزِيدَ عَنْ أَبِي الْخَيْرِ سَمِعَ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَمْرٍو أَنَّ أَبَا بَكْرٍ الصِّدِّيقَ رضی اللہ عنہ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن سلیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابن وہب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عمرو نے خبر دی از یزید از ابی

قَالَ لِلنَّبِيِّ ﷺ يَا رَسُولَ اللهِ عَلِّمْنِي دُعَاءً أَدْعُو بِهِ فِي صَلَاتِي قَالَ قُلِ اللَّهُمَّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي ظُلْمًا كَثِيرًا وَلَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ فَاغْفِرْ لِي مِنْ عِنْدِكَ مَغْفِرَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ۔

الخیر، انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے ایسی دعاء کی تعلیم دیجئے جو میں اپنی نماز میں دعا کیا کروں، آپ نے فرمایا: تم یہ دعا کیا کرو: اے اللہ! میں نے اپنی جان پر بہت زیادہ ظلم کیے اور تیرے سوا کوئی گناہوں کو بخشنے والا نہیں ہے، سو تو مجھے اپنے پاس سے مغفرت فرما، بے شک تو بہت بخشنے والا بہت مہربان ہے۔

(صحیح البخاری: ۸۳۴، ۶۳۲۶، ۷۳۸۸، صحیح مسلم: ۲۷۰۵، سنن ترمذی: ۳۵۳۱، سنن نسائی: ۱۳۰۲، سنن ابن ماجہ: ۳۸۳۵، مسند احمد: ۸)

صحیح البخاری: ۷۳۸۷، ۷۳۸۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "اللہ تعالیٰ کی صفتِ سماعت اور بصارت"۔

بظاہر اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مناسبت نہیں ہے لیکن نظرِ دقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث میں اللہ تعالیٰ سے گناہوں کے معاف فرمانے کی دعا کا بیان ہے، اور بعض گناہوں کا تعلق سننے کے ساتھ ہوتا ہے یعنی جب انسان ایسے کلمات بولے جن کا بولنا ناجائز اور گناہ ہو اور بعض گناہوں کا تعلق دیکھنے کے ساتھ ہوتا ہے یعنی انسان ایسے کام کرے جن کاموں کا کرنا ناجائز اور گناہ ہو تو اللہ تعالیٰ ان گناہوں کو اسی وقت معاف فرمائے گا جب وہ ان گناہوں کو سنے گا یا ان گناہوں کو دیکھے گا، اس لحاظ سے یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۱۳۹۔ ۱۴۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۳۸۹۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ حَدَّثَنِي عُرْوَةُ أَنَّ عَائِشَةَ رضى الله عنها حَدَّثَتْهُ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِنَّ جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَادَانِي قَالَ إِنَّ اللهَ قَدْ سَمِعَ قَوْلَ قَوْمِكَ وَمَا رَدُّوا عَلَيْكَ۔

(صحیح البخاری: ۳۲۳۱، ۷۳۸۹، صحیح مسلم: ۱۷۹۵)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن وہب نے خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے یونس نے خبر دی از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے عروہ نے حدیث بیان کی کہ بے شک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کو حدیث بیان کی، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: بے شک حضرت جبریل علیہ السلام نے مجھے نداء کی، فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے سن لیا آپ کی قوم کا قول اور سن لیا جو انہوں نے آپ کو جواب دیا۔

اس حدیث میں بھی اللہ تعالیٰ کی صفتِ سماعت کا ثبوت ہے، کیونکہ جب رسول اللہ ﷺ طائف سے واپس آئے اور رسول اللہ ﷺ نے اپنی قوم کو توحید کا پیغام پہنچایا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو سن لیا اور آپ کی قوم نے جو آپ کو جواب دیا وہ جواب بھی سن لیا،

کیونکہ اہلِ طائف نے آپ کے پیغام کو مسترد کر دیا اور دینِ اسلام کو قبول نہیں کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے اسلام قبول کرنے سے مایوس ہو گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طائف سے واپسی پر جو بیان کیا تھا اس کا ذکر حسب ذیل حدیث میں ہے:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: کیا آپ کے اوپر کوئی ایسا دن بھی آیا جو آپ کے نزدیک غزوۂ احد کے دن سے بھی زیادہ شدید تھا؟ آپ نے فرمایا: تمہاری قوم سے مجھے جو مصائب پہنچے سو پہنچے، اور ان تمام مصائب میں سے سب سے زیادہ سخت مصیبت وہ تھی جو مجھے عقبہ کے دن پہنچی جب میں نے اپنے آپ کو ابنِ عبد یعلیل بن عبد کلال پر پیش کیا، اس نے میرے ارادہ کے مطابق میری دعوت کو قبول نہیں کیا، میں وہاں سے بہت مغموم حالت میں چل پڑا، پھر جب میں قرن الثعالب پر پہنچا تو میری حالت سنبھلی، پس میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو مجھ پر ایک بادل نے سایا کیا ہوا تھا، پھر میں نے غور کیا تو اس بادل میں حضرت جبریل علیہ السلام تھے، انہوں نے مجھے آواز دی اور کہا: بے شک اللہ نے آپ کی قوم کی باتیں سن لی ہیں اور آپ کی قوم نے جو آپ کو جواب دیا وہ بھی سن لیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف پہاڑوں کا فرشتہ بھیجا ہے تاکہ آپ اس کو ان لوگوں کے متعلق جو چاہیں حکم دے دیں، پھر مجھ کو پہاڑوں کے فرشتہ نے آواز دی، پس اس نے مجھ کو سلام کیا پھر اس نے کہا: اے محمد! اس نے بھی یہی کہا: آپ جو چاہیں، اگر آپ چاہیں تو جن دو پہاڑوں کے درمیان یہ لوگ ہیں، ان دو پہاڑوں کو آپس میں ملا دیں (جس سے یہ ان کے درمیان پس جائیں)، تب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بلکہ مجھے یہ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی پشتوں سے ایسے لوگوں کو نکالے گا جو صرف اللہ وحدہٗ کی عبادت کریں گے اور کسی کو اس کے ساتھ شریک نہیں کریں گے۔ (صحیح البخاری: ۳۲۳۱)

علامہ احمد بن اسماعیل کورانی متوفی ۸۹۳ھ لکھتے ہیں:

پہاڑوں کے فرشتے نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر کہا: اگر آپ حکم دیں تو میں طائف کی بستی کو اس کے گرد دو پہاڑوں کے درمیان پیس دوں، آپ نے فرمایا: نہیں! مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی پشتوں سے ایسے لوگوں کو نکالے گا جو صرف اللہ وحدہٗ کی عبادت کریں گے۔

یہ رحمۃ للعالمین کی شان ہے، آپ نے حضرت نوح علیہ السلام کی طرح یہ نہیں فرمایا:

لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ﴿٢٦﴾ اے میرے رب زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے والا نہ چھوڑ ○ (نوح: ۲۶)

(الکوثر الجاری ج ۶ ص ۱۸۲، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۹ھ)

۱۰۔ بَابُ: قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: قُلْ هُوَ الْقَادِرُ (الانعام: ۶۵)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”آپ کہیے کہ وہی اس پر قادر ہے“

بابِ مذکور کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

''القادر'' اور ''القدرۃ'' اللہ تعالیٰ کی صفاتِ ذات میں سے ہیں اور ''اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِیْنُ (الذاریات:۵۸)'' کے باب میں یہ بیان کیا جاچکا ہے کہ قوت اور قدرت کا ایک معنی ہے، اسی طرح القادر اور ''القوی'' کا بھی ایک معنی ہے۔ اور امام ابوالحسن الاشعری نے ذکر کیا ہے کہ ''القدرۃ'' اور ''القوۃ'' اور ''الاستطاعۃ'' ان سب کا ایک معنی ہے لیکن ''الاستطاعۃ'' سے کوئی اسم مشتق نہیں ہوا جس کی اللہ تعالیٰ کے ساتھ صفت کی جائے اور اللہ تعالیٰ کو ''مستطیع'' کے ساتھ موصوف کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ شریعت نے اس اسم پر ہم کو واقف نہیں کیا اگرچہ قرآن مجید میں استطاعت کا لفظ آیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِذْ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ یٰعِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ هَلْ یَسْتَطِیْعُ رَبُّكَ اَنْ یُّنَزِّلَ عَلَیْنَا مَآىِٕدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ (المائدہ:۱۱۲)

جب حواریوں نے کہا: اے عیسیٰ بن مریم! کیا آپ کا رب ہم پر آسمان سے خوان نازل کرسکتا ہے؟ (عیسیٰ نے) کہا: اللہ سے ڈرو اگر تم ایمان والے ہو O

اس آیت میں یہ خبر ہے کہ حوارئین نے اللہ تعالیٰ کے لیے استطاعت کا لفظ استعمال کیا، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی کوئی صفت بنائی جائے، اور حوارئین نے یہ غلطی کی کہ انہوں نے اپنے نبی سے یہ مطالبہ کیا اور اللہ تعالیٰ سے اس چیز کا مطالبہ کیا جس کی اللہ تعالیٰ نے ان کو اجازت نہیں دی تھی۔ (شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۴۲۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۷۳۹۰۔ حَدَّثَنِی إِبْرَاهِیمُ بْنُ الْمُنْذِرِ حَدَّثَنَا مَعْنُ بْنُ عِیسَى حَدَّثَنِی عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِی الْمَوَالِی قَالَ سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ الْمُنْكَدِرِ یُحَدِّثُ عَبْدَ اللهِ بْنَ الْحَسَنِ یَقُولُ أَخْبَرَنِی جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ السَّلَمِیُّ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ یُعَلِّمُ أَصْحَابَهُ الِاسْتِخَارَةَ فِی الْأُمُورِ كُلِّهَا كَمَا یُعَلِّمُهُمُ السُّورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ یَقُولُ إِذَا هَمَّ أَحَدُكُمْ بِالْأَمْرِ فَلْیَرْكَعْ رَكْعَتَیْنِ مِنْ غَیْرِ الْفَرِیضَةِ ثُمَّ لِیَقُلِ اللَّهُمَّ إِنِّی أَسْتَخِیرُكَ بِعِلْمِكَ وَأَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَأَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ فَإِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا أَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا أَعْلَمُ وَأَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوبِ اللَّهُمَّ فَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ هَذَا الْأَمْرَ ثُمَّ تُسَمِّیهِ بِعَیْنِهِ خَیْرًا لِی فِی عَاجِلِ أَمْرِی وَآجِلِهِ قَالَ أَوْ فِی دِینِی وَمَعَاشِی وَعَاقِبَةِ أَمْرِی

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے ابراہیم بن المنذر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معن بن عیسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عبدالرحمٰن بن ابی الموالی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے محمد بن المنکدر سے سنا، وہ عبداللہ بن الحسن سے حدیث کو بیان کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: مجھے حضرت جابر بن عبداللہ السلمی نے خبر دی، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کو تمام کاموں میں استخارہ کی اس طرح تعلیم دیتے تھے جس طرح قرآن مجید کی کسی سورت کی تعلیم دیتے تھے، آپ فرماتے: تم میں سے جس شخص کو کوئی اہم کام درپیش ہو تو وہ دو رکعت نفل پڑھے (بغیر فرض کے) پھر یوں دعا کرے: اے اللہ! بے شک میں تیرے علم سے خیر کو طلب کرتا ہوں، اور تیری قدرت سے قدرت کو طلب کرتا ہوں، اور تیرے فضل سے سوال کرتا ہوں، کیونکہ تو قادر ہے اور میں قادر

فَاقْدُرْهُ لِی وَيَسِّرْهُ لِی ثُمَّ بَارِكْ لِی فِيهِ اللّٰهُمَّ وَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّهُ شَرٌّ لِی فِی دِينِی وَمَعَاشِی وَعَاقِبَةِ أَمْرِی أَوْ قَالَ فِی عَاجِلِ أَمْرِی وَآجِلِهِ فَاصْرِفْنِی عَنْهُ وَاقْدُرْ لِی الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ رَضِّنِی بِهِ۔

نہیں ہوں، اور تو عالم ہے اور میں عالم نہیں ہوں، اور تو علام الغیوب ہے، اے اللہ! اگر تیرے علم میں یہ کام (پھر اپنے معین کام کا نام لے) میرے لیے میری دنیا میں بہتر ہے اور آخرت میں بہتر ہے یا فرمایا: میرے دین میں بہتر ہے اور میرے معاش میں بہتر ہے اور انجامِ کار میں بہتر ہے تو اس کام کو میرے لیے مقدر کردے اور اس کام کو میرے لیے آسان کردے، پھر اس کام میں میرے لیے برکت دے، اے اللہ! اگر تیرے علم میں یہ ہو کہ یہ کام میرے لیے میرے دین اور میرے معاش میں برا ہے اور انجامِ کار میں، یا فرمایا: میری دنیا میں اور میری آخرت میں تو اس کام کو مجھ سے دور کردے اور میرے لیے خیر کو مقدر کردے وہ جہاں کہیں بھی ہو، پھر میرے لیے اس کام سے راضی ہوجا۔

(صحیح البخاری: ۱۱۶۲، ۶۳۸۲، ۷۳۹۰، سنن ترمذی: ۴۸۰، سنن نسائی: ۳۲۵۳، سنن ابوداؤد: ۱۵۳۸، سنن ابن ماجہ: ۱۳۸۳، مسند احمد: ۱۴۲۹۷)

صحیح البخاری: ۷۳۹۰، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

استخارہ کے متعلق دیگر احادیث

حضرت سعد بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ابن آدم کی سعادت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے استخارہ کرے۔ اس حدیث کی امام احمد نے روایت کی ہے اور اس کی سند حسن ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی کام کا ارادہ کرتے تو دعا کرتے "اللھم خرلی واختولی" (اے اللہ! اس کام کو میرے لیے اختیار کر اور پسند فرمالے)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے استخارہ کیا، وہ ناکام نہیں ہوگا۔ اس حدیث کی امام طبرانی نے المعجم الصغیر میں روایت کی ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔

کن امور میں استخارہ کرنا چاہیے

علامہ ابن ابی جمرہ نے کہا ہے: واجب اور مستحب کام میں استخارہ نہیں کیا جائے گا، اور حرام اور مکروہ کے ترک میں بھی استخارہ نہیں کیا جائے گا۔ پس استخارہ صرف مباح کام میں کیا جائے گا اور جب مستحب کام میں دو امر متعارض ہوں کہ وہ کس کام سے ابتداء کرے تو اس میں بھی استخارہ کیا جاسکتا ہے۔

دعائے استخارہ کی تعلیم کو قرآن مجید کی سورت کی تعلیم کے ساتھ مشابہت کی وجوہ

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ ہمیں استخارہ کی اس طرح تعلیم دیتے تھے جیسے قرآن مجید کی سورت کی تعلیم دیتے تھے''۔

اس کی وجہ تشبیہ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ تمام کاموں میں استخارہ کی اس طرح ضرورت ہوتی ہے جیسے نماز میں قراءت کی ضرورت ہوتی ہے۔

اور علامہ ابن ابی جمرہ نے کہا ہے کہ تشبیہ اس چیز میں ہے کہ جس طرح قرآن مجید کی قراءت میں حروف کو اور کلمات کی ترتیب کو محفوظ رکھا جاتا ہے اور اس میں زیادتی اور کمی نہیں کی جاتی اور اس کو یاد کر کے اس کی حفاظت کی جاتی ہے، اسی طریقہ سے جو دعائے استخارہ کے الفاظ ہیں، اسی طریقہ سے ان الفاظ کو یاد کیا جائے۔

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تشبیہ اس وجہ سے ہو کہ جس طرح قرآن کی سورت وحی سے آپ کو معلوم ہوتی ہے اسی طریقہ سے یہ دعائے استخارہ بھی آپ کو اللہ تعالیٰ کی وحی سے معلوم ہوئی ہے۔

اور علامہ الطیبی نے کہا ہے: اس میں اشارہ ہے کہ پوری توجہ اور پورے اہتمام کے ساتھ استخارہ کی دعا کی جائے۔

اس حدیث میں مذکور ہے'' کہ جب کسی شخص کو کوئی اہم کام درپیش ہو تو وہ یہ دعا کرے''۔

کسی اہم کام میں استخارہ کرنے کی توجیہ

علامہ ابن ابی جمرہ نے کہا ہے کہ دل میں جو چیز وارد ہوتی ہے اس کے کئی مراتب ہیں:

(۱) الھمۃ (۲) اللمۃ (۳) الخطرۃ، پھر اس کے بعد (۱) نیت (۲) ارادہ (۳) عزیمت

پس پہلے تین پر مواخذہ نہیں ہوتا اور دوسرے تین امور جو دل میں آتے ہیں ان پر مواخذہ ہوتا ہے، اور حدیث میں جو ''اذا ھم'' کا لفظ ہے، اس میں یہ اشارہ ہے کہ جیسے ہی پہلی مرتبہ کوئی اہم کام کرنے کا دل میں خیال آئے تو اللہ تعالیٰ سے خیر طلب کرے تا کہ نماز اور دعا کی برکت سے اس کے لیے اس کام میں خیر ہو، اس کے برخلاف جب کوئی کام اس کے دل میں جگہ پکڑ لے اور اس کا عزم اس میں قوی ہو جائے اور ارادہ پختہ ہو جائے اور اس کے دل میں میلان اور محبت ہو تو اب اس کی طرف ہدایت مخفی ہوگی کیونکہ اس کے اپنے دل کا میلان اس کام کی طرف ہے، نیز یہ فرمایا ہے کہ ''کسی اہم کام میں استخارہ کیا جائے'' اس میں یہ اشارہ ہے کہ ہر کام میں استخارہ نہیں ہوتا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''پس وہ دو رکعت نماز پڑھے'' اس سے مراد یہ ہے کہ وہ ایک رکعت پڑھنے پر اقتصار نہ کرے کیونکہ حدیث میں دو رکعتوں کی تصریح ہے، اور اگر اس نے دو رکعتوں سے زیادہ پڑھیں تو بھی کافی ہے اور ظاہر یہ ہے کہ وہ دو رکعت کے بعد سلام پھیرے اور اگر چار رکعت ایک سلام کے ساتھ پڑھیں تو یہ اس کے لیے کافی نہیں ہوں گی۔

اس سے معلوم ہوا کہ ظہر کی جو دو رکعتیں سنت پڑھی جاتی ہیں یا تحیۃ المسجد کی جو دو رکعتیں پڑھی جاتی ہیں یا تحیۃ الوضو کی جو دو رکعتیں پڑھی جاتی ہیں ان کے پڑھنے سے ان دو رکعتوں کا پڑھنا ادا نہیں ہوگا، کیونکہ حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ یہ نماز اور دعا اس کے

بعد ہے کہ جب وہ کسی اہم کام کا ارادہ کرے۔

اور علامہ نووی نے یہ کہا ہے کہ پہلی دو رکعتوں میں سورۃ الکافرون اور سورۃ الاخلاص پڑھے، ہمارے شیخ نے شرح ترمذی میں کہا ہے: میں اس کی دلیل پر مطلع نہیں ہو سکا۔ اور ہمارے شیخ نے کہا: مناسب یہ ہے کہ اس میں یہ آیتیں پڑھے "وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ۔۔۔ (القصص:۶۸)" اور یہ آیت پڑھے "وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ۔۔۔ (الاحزاب:۳۶)"۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ زیادہ کامل یہ ہے کہ ہر رکعت میں سورت بھی پڑھے اور پہلی رکعت میں پہلی آیت پڑھے اور دوسری رکعت میں دوسری آیت پڑھے۔

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی امت پر بہت شفقت تھی اور آپ ان کو ان تمام چیزوں کی تعلیم دیتے تھے جو ان کے دین میں اور ان کی دنیا میں نفع دے۔ اور امام طبرانی نے بعض سندوں کے ساتھ یہ روایت کی ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی کام کرتے تھے تو اس سے پہلے یہ دعا کرتے تھے۔

(۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بندہ فعل کے ساتھ اس فعل پر قادر ہوتا ہے اس سے پہلے قادر نہیں ہوتا، اور اس سے معلوم ہوا کہ بندہ کو چاہیے کہ تمام کام اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے اور اپنی قوت سے بری ہو کر اللہ تعالیٰ کی قوت سے مدد طلب کرے۔

(۳) اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بندہ کو چاہیے کہ تمام امور میں اللہ تعالیٰ سے سوال کرے۔

(۴) اس میں اختلاف ہے کہ استخارہ کرنے کے بعد استخارہ کرنے والا کیا کرے، علامہ نووی نے "کتاب الاذکار" میں لکھا ہے: استخارہ کے بعد وہ کام کرے جس کے ساتھ اس کا شرحِ صدر ہو، اور اس پر اس حدیث سے استدلال کیا جاتا ہے جس کو ابن السنی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے: "جب تم کسی کام کا ارادہ کرو تو اپنے رب سے سات مرتبہ استخارہ کرو پھر اس کی طرف نظر کرو جو تمہارے دل میں ہے سو خیر اسی میں ہے"۔ یہ حدیث اگر ثابت ہو تو اسی پر اعتماد ہے لیکن اس کی سند بہت کمزور ہے۔ اور اعتماد اس پر ہے کہ جس چیز پر اس کا شرحِ صدر ہے اگر استخارہ کرنے سے پہلے بھی اس کے دل میں وہی بات تھی اور اس کی طرف اس کی خواہش تھی تو پھر اس کو نہ کرے کیونکہ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی حدیث کے آخر میں ہے "ولا حول ولا قوۃ الا باللہ"۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۴۳۴۔۴۳۶، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۱۱۔ بَابُ: مُقَلِّبِ الْقُلُوْبِ

دلوں کو پھیرنے والے

وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ (الانعام:۱۱۰)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو پھیر رہے ہیں"

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

قلب کا معنیٰ اور دلوں کو پھیرنے کی توجیہ

اس باب کا عنوان ہے''مقلب القلوب''یعنی یہ وہ باب ہے جس میں''مقلب القلوب'' کا ذکر کیا جائے گا اور یہ خبر ہے اور اس کا مبتداء محذوف ہے یعنی اللہ تعالیٰ دلوں کو پھیرنے والا ہے۔اور اصل عبارت یوں ہوگی کہ یہ وہ باب ہے جس میں ذکر کیا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ دلوں کو پھیرنے والا ہے،اور اس کا معنی یہ ہے کہ دلوں میں جو خیالات آتے ہیں ان کو پھیرنے والا ہے اور انسان جن کاموں کا عزم کرتا ہے ان کو توڑنے والا ہے،کیونکہ بندوں کے دل اللہ تعالیٰ کی قدرت کے تحت ہیں،وہ جس طرح چاہتا ہے ان کو الٹتا پلٹتا رہتا ہے،اور یہ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ فعلیہ سے ہے اور اس کا رجوع قدرت کی طرف ہوتا ہے،ایک قول یہ ہے کہ قلب کو قلب اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ بہ کثرت ایک حال سے دوسرے حال کی طرف پلٹتا رہتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۱۴۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت،۱۴۲۱ھ)

۷۳۹۱۔حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنِ ابْنِ الْمُبَارَكِ عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ عَنْ سَالِمٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ أَكْثَرُ مَا كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَحْلِفُ لَا وَمُقَلِّبِ الْقُلُوبِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے سعید بن سلیمان نے حدیث بیان کی از ابن المبارک از موسیٰ بن عقبہ از سالم از حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما،وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بہ کثرت یوں حلف اٹھاتے تھے: نہیں، دلوں کو پھیرنے والے کی قسم۔

(صحیح البخاری:۶۶۱۷، ۶۶۲۸، ۷۳۹۱، سنن ترمذی:۱۵۴۰، سنن نسائی:۳۷۶۱، سنن ابوداؤد:۳۲۶۳، مسند احمد:۴۷۷۳، سنن دارمی:۲۳۵۰)

اس حدیث میں مذکور ہے''لا ومقلب القلوب'':اس میں واؤ قسم کے لیے ہے اور لا کے بعد یہ عبارت مقدر ہے''میں نہیں کروں گا یا میں نہیں کہوں گا''اور مقلب القلوب کی قسم۔

صحیح البخاری:۷۳۹۱،کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ،اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

تقلیب کا معنی

علامہ الراغب اصفہانی نے کہا ہے: کسی چیز کی تقلیب یعنی اس کے پھیرنے کا معنی ہے: کسی چیز کو ایک حال سے دوسرے حال کی طرف پھیرنا یا متغیر کرنا،اور تقلیب کا معنی ہے تصریف،اور اللہ تعالیٰ کے دلوں کو پھیرنے کا اور آنکھوں کے پھیرنے کا معنی یہ ہے کہ وہ دلوں کو ایک رائے سے دوسری رائے کی طرف پھیر دیتا ہے،اور اس سے یہ معلوم ہوا کہ دل کے عوارض ارادہ کی طرح ہیں،اللہ تعالیٰ ان کو پیدا فرماتا ہے اور یہ صفاتِ فعلیہ میں سے ہیں اور اس کا مرجع قدرت کی طرف ہے۔

اس تعلیق میں مذکور ہے''وَنُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ۔(الانعام:۱۱۰)''،(ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو پھیر رہے ہیں)۔

اس کا معنی ہے کہ ہم دلوں اور آنکھوں میں جس طرح چاہیں تصرف کر رہے ہیں،اور المعتزلی نے کہا:اس کا معنی ہے:ہم دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں،پس وہ ایمان نہیں لائیں گے،اور انہوں نے کہا: مہر لگانے کا معنی ہے: ہم ان کو اس چیز کے ساتھ چھوڑ دیتے ہیں

جس کو وہ اپنے لیے اختیار کرتے ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی اس کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: لغتِ عرب میں تقلیب کا یہ معنی نہیں ہے اور اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر اپنی مدح فرمائی ہے کہ وہ اس وصف کے ساتھ منفرد ہے اور اس وصف میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے، پس طبع کی تفسیر ترک کے ساتھ کرنا صحیح نہیں ہے، اہل سنت کے نزدیک طبع کا معنی ہے: کافر کے دل میں کفر کو پیدا فرمانا اور اس کو اسی کفر پر اس کی موت تک قائم رکھنا، پس حدیث کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے دلوں میں جو چاہے تصرف فرماتا ہے اور اس کے لیے کوئی چیز ممتنع نہیں ہے، قاضی بیضاوی نے کہا: دلوں کے پھیرنے کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت میں یہ خبر ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے دلوں کا مالک اور متولی ہے اور وہ کسی اور کی طرف اس کو سپرد نہیں کرتا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کرتے تھے: ''اے دلوں کے پھیرنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھ''۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دلوں کو پھیرنا سب دلوں کو شامل ہے حتیٰ کہ انبیاء علیہم السلام کے دلوں کو بھی شامل ہے۔ اور اس میں ان لوگوں کے وہم کو زائل فرمایا ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام اس سے مستثنیٰ ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا میں اپنا خصوصیت سے ذکر فرمایا تا کہ اس میں یہ تنبیہ ہو کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پاکیزہ نفس اللہ تعالیٰ کی پناہ لینے کا محتاج ہے تو اور لوگ تو بہ طریقِ اولیٰ محتاج ہوں گے کہ وہ اللہ کی پناہ حاصل کریں۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۵۱۶۔۵۱۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

میں کہتا ہوں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا میں یہ اشارہ ہے کہ ہر بندہ کو چاہیے کہ وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی پناہ میں رہے۔

(سعیدی غفرلہٗ)

۱۲۔ بَابُ: إِنَّ لِلّٰهِ مِائَةَ اسْمٍ إِلَّا وَاحِدًا

بے شک اللہ تعالیٰ کے لیے ایک کے سوا سو اسم ہیں

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: (ذُو الْجَلَالِ) الْعَظَمَةِ (الْبَرُّ) اللَّطِيفُ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ''ذُوالْجَلٰلِ'' (الرحمٰن: ۲۷) کا معنی ہے: وہ عظمت والا ہے، اور ''اَلْبَرُّ'' (الطور: ۲۸) کا معنی ہے: لطیف۔

۷۳۹۲۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ إِنَّ لِلّٰهِ تِسْعَةً وَتِسْعِينَ اسْمًا مِائَةً إِلَّا وَاحِدًا مَنْ أَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ أَحْصَيْنَاهُ حَفِظْنَاهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو الزناد نے حدیث بیان کی از الاعرج از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسماء ہیں ایک کم سو، جس نے ان کا احاطہ کر لیا سو وہ جنت میں داخل ہو گیا۔

''احصیناہ'' کا معنی ہے: جس نے ان کو حفظ کر لیا۔

(صحیح البخاری: ۲۷۳۶، ۶۴۱۰، ۷۳۹۲، صحیح مسلم: ۲۶۷۷، سنن ترمذی: ۳۵۰۶، سنن ابن ماجہ: ۳۸۶۰، مسند احمد: ۱۰۱۵۴)

صحیح البخاری: ۷۳۹۲، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

''الاحصاء'' کے معانی

لغت میں ''احصاء'' کا معنی ہے: کسی چیز کے عدد اور اس کی مقدار کا علم، جس طرح درج ذیل آیت میں ہے:

وَاَحْصٰی كُلَّ شَیْءٍ عَدَدًا ﴿۲۸﴾ (الجن:۲۸) اور اس نے ہر چیز کا شمار کرلیا ہے O

یہ خلیل کا قول ہے، اور ''الاحصاء'' کا دوسرا معنی ہے الاطاقۃ، یعنی کسی چیز کی طاقت رکھنا، قرآن مجید میں ہے:

عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ (المزمل:۲۰) اللہ کو علم ہے کہ اے مسلمانو! تم ہرگز اس قیام کی طاقت نہیں رکھ سکو گے۔

اور حدیث میں ہے، حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''استقیموا ولن تحصوہ'' یعنی تم ہر حال میں مستقیم رہو اور ہرگز تم اس کی طاقت نہیں رکھتے۔ (سنن ابن ماجہ: ۲۷۷، مسند احمد ج ۵ ص ۲۷۶۔۲۷۷)

یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے ذمہ جو اعمال کئے ہیں تم ہرگز ان کو پوری طرح بجالانے کی طاقت نہیں رکھ سکو گے۔

حدیث مذکور میں ''الاحصاء'' کا معنی

اس باب کی حدیث میں جو مذکور ہے ''جس نے ان اسماء کا شمار کرلیا یا ان کو حفظ کرلیا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا'' اس کا معنی یہ ہے کہ جس نے ان اسماء کا علم حاصل کرلیا یعنی جس کو یہ یقین ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ ان اسماء کے ساتھ موصوف ہے جیسے اللہ تعالیٰ قادر ہے تو اس کو یہ علم ہو کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت مخلوق کی قدرت کی طرح نہیں ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ حی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی حیات مخلوق کی حیات کی طرح نہیں ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے ان اسماء کا بطورِ عمل کس طرح احصاء ہوگا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے مثلاً الرحیم ہے، الکریم ہے، العفو ہے، الغفور ہے، الشکور ہے، التواب ہے، اور ان کے مشابہ اللہ تعالیٰ کے اسماء ہیں، تو اللہ تعالیٰ یہ پسند کرتا ہے کہ بندہ ان اسماء کے معانی کے ساتھ متصف ہو اور وہ لوگوں پر رحم کرے، کرم کرے، لوگوں کو معاف کرے، ان کو بخش دے اور ان کا شکر ادا کرے وغیرہ وغیرہ۔

اور اللہ تعالیٰ کے بعض اسماء ایسے ہیں کہ بندہ ان معانی کے لائق نہیں ہے جیسے اللہ، الاحد، القدیر، الجبار، المتکبر، العظیم، العزیز، القوی اور ان کے مشابہ اسماء۔ پس بندہ پر واجب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اللہ اور واحد ہونے کا اقرار کرے، اور اللہ تعالیٰ کے حضور عاجز رہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے۔

اور اللہ تعالیٰ کے بعض اسماء میں وعید ہے جیسے وہ شدید العقاب ہے، عزیز ذو انتقام ہے، سریع الحساب ہے اور اس کے مشابہ۔ پس بندہ پر واجب ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کا حکم دے تو اس کو بجالائے اور اس پر عمل کرے، اور جب کسی چیز سے روکے اور منع فرمائے تو اس سے اجتناب کرے، اور اللہ تعالیٰ کی وعید اور اس کے عذاب کے خوف سے ڈرتا رہے، یہ معنی ہے کہ وہ

ان اسماء کا شمار از روئے عمل کرے تو پس وہ ان شاء اللہ جنت میں داخل ہوگا۔

اور اصیلی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء کا احصاء کرنا، اس سے مراد ہے اس کے تقاضوں پر عمل کرنا، نہ ان کو گننا اور یاد رکھنا کیونکہ کافر منافق بھی ان اسماء کو گنتا ہے اور یاد رکھتا ہے اور اس سے اس کو نفع نہیں ہوتا۔ اس کی وضاحت اس سے ہوتی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے خوارج کی صفت میں بیان کیا کہ ''وہ قرآن کو پڑھیں گے اور قرآن ان کے حلقوم سے تجاوز نہیں کرے گا، اور وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے'' (صحیح البخاری: ۳۳۴۴، صحیح مسلم: ۱۰۶۴)، پس انہوں نے بیان کیا کہ جس نے قرآن مجید کو پڑھا اور اس کے تقاضا پر عمل نہیں کیا تو اس کا قرآن پڑھنا اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں پہنچایا جائے گا اور وہ اس کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا تو اس کا اجر نہیں لکھا جائے گا اور وہ اس کے ثواب سے محروم رہے گا جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ۭ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَ الْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ۭ وَالَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ السَّيِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۭ وَمَكْرُ اُولٰۗىِٕكَ هُوَ يَبُوْرُ ۝ (فاطر: ۱۰)

جو شخص عزت چاہتا ہے تو تمام عزتیں اللہ ہی کے لیے ہیں، پاکیزہ کلمات اسی کی طرف چڑھتے ہیں، اور وہ نیک عمل کو بلند فرماتا ہے، اور جو لوگ برائیوں کی سازشیں کرتے رہتے ہیں، ان کے لیے سخت عذاب ہے اور ان کی سازش ناکام ہونے والی ہے ۝

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: تم ایسے زمانہ میں ہو جس میں فقہاء بہت زیادہ ہیں اور قرآن کے قاری بہت کم ہیں جو قرآن مجید کی حدود کی حفاظت کریں اور اس کے حروف کو صحیح طریقہ سے ادا کریں، پھر لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا جس میں فقہاء بہت کم ہوں گے اور قرآن مجید پڑھنے والے بہت زیادہ ہوں گے، وہ قرآن مجید کو حفظ کریں گے اور اس کی حدود کو ضائع کریں گے۔

(الادب المفرد: ۷۸۹، موطا امام مالک ص ۱۲۵۔ ۱۲۴)

پس حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کی مذمت کی ہے جو قرآنِ مجید کے حروف کی حفاظت کرتے ہیں اور اس کے تقاضوں پر عمل نہیں کرتے، اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان کی تعریف فرمائی جو قرآن مجید کے معانی پر عمل کرتے ہیں خواہ وہ حروف کی حفاظت نہ کریں، اس سے یہ معلوم ہوا کہ حفظ کرنا اور شمار کرنا یہ مستحب عمل ہے اور اس کی وضاحت اس سے ہوتی ہے کہ ''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عمال کی طرف مکتوب لکھا: میرے نزدیک تمہارے کاموں میں سب سے اہم کام نماز ہے، پس جس نے نماز کی حفاظت کی تو اس نے اپنے دین کی حفاظت کی''۔ (مصنف عبدالرزاق: ۲۰۳۸، شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۱۹۳، سنن بیہقی ج ۱ ص ۴۴۵)

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز کی حفاظت سے یہ ارادہ کیا ہے کہ اس کے رکوع اور سجود کو پورا پورا ادا کیا جائے اور اس کی حدود کو مکمل کیا جائے اور ان کی مراد یہ نہیں تھی کہ نماز کے احکام تو یاد رکھیں اور عمل کو ضائع کر دیں۔

امام بخاری نے اس حدیث میں یہ دعائیں ذکر کی ہیں کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے ان اسماء کو یاد رکھا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ (صحیح البخاری: ۶۴۱۰)

اللہ تعالیٰ کے جو اسماء قرآنِ مجید میں وارد نہ ہوں ان کے متعلق اصولیین کی تحقیق

اللہ تعالیٰ کے جن اسماء میں اللہ تعالیٰ کی قیاس سے تعظیم ہو یا کسی حدیث سے تعظیم ہو تو بعض علماء کا مختار یہ ہے کہ اللہ کے لیے صرف اسی اسم کو استعمال کیا جائے جس اسم کو اللہ تعالیٰ نے خود استعمال کیا ہے یا اس کے رسول نے استعمال کیا ہے جو تواتر سے ثابت

ہو نہ کہ خبرِ واحد سے یا جس پر اجماع ہو، اور ان کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا۔ (الاعراف:۱۸۰) اور سب سے اچھے نام اللہ ہی کے ہیں، تو اس کو اس کے ناموں سے پکارو۔

اور جن اسماء میں حسن ہو اس حسن کو عقل سے نہیں معلوم کیا جا سکتا، اس کو صرف دلیلِ سمعی سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔

(شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۴۳۰۔۴۳۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ، التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۳ ص ۲۳۰۔۲۳۳، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۷۳۹۲، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے اسماء کی تحقیق

امام ابن ابی حاتم نے ''کتاب الرد علی الجہمیہ'' میں بیان کیا ہے کہ نعیم بن حماد نے ذکر کیا کہ جہمیہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء مخلوق ہیں، کیونکہ اسم مسمّٰی کا غیر ہے، (اسم سے مراد نام ہے اور مسمّٰی سے مراد ہے جس کا نام رکھا گیا) اور انہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ ازل میں اللہ تعالیٰ تھا اور ان اسماء کا وجود نہیں تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے ان اسماء کو پیدا کیا اور ان کے ساتھ اپنا نام رکھا، امام ابن ابی حاتم نے کہا: ہم نے ان سے جواب میں کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۝ (الاعلیٰ:۱) اپنے رب کے نام کی تسبیح پڑھیے جو سب سے بلند ہے ۝

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ (یونس:۳) یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے، سو تم اس کی عبادت کرو۔

پس اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ وہ معبود ہے اور اس کا کلام اس کے اسم پر دلالت کرتا ہے جس طرح اس کی ذات پر دلالت کرتا ہے، پس جس کا یہ زعم ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اسم مخلوق ہے تو اس نے یہ زعم کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ مخلوق کی تسبیح اور تنزیہ کریں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اسم کی تسبیح کرنے کا حکم دیا ہے۔

اور اسحاق بن راہویہ نے الجہمیہ سے نقل کیا کہ جہم نے کہا: اگر تم یہ کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں تو گویا تم ننانوے معبودوں کی عبادت کرتے ہو، تو انہوں نے کہا: ہم نے انہیں جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کہ بندے اس کے اسماء کے ساتھ اس کو پکاریں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا۔ (الاعراف:۱۸۰) اور سب سے اچھے نام اللہ ہی کے ہیں، تو اس کو اس کے ناموں سے پکارو۔

اور اسماء جمع کا صیغہ ہے جس کے کم سے کم افراد تین ہیں اور ایک پر جس طرح تین زائد ہیں اسی طرح ایک پر ننانوے زائد ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ اگر اسم مسمّٰی کا عین ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اسماء کے تعدد سے مسمّٰی میں بھی تعدد ہو۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۵۱۷، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۱۳۔ بَابُ: السُّؤَالِ بِأَسْمَاءِ اللهِ تَعَالَى وَالِاسْتِعَاذَةِ بِهَا

اللہ تعالیٰ کے اسماء سے سوال کرنا اور ان سے پناہ طلب کرنا

باب مذکور کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس پر دلائل کہ اللہ تعالیٰ کا اسم اس کی ذات کا عین ہے

امام بخاری کی اس باب سے غرض یہ ہے کہ یہ ثابت کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کا اسم اس کے مسمیٰ کا عین ہے جیسا کہ اہل السنۃ کا مذہب ہے، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: ”اے اللہ! تیرے اسم سے میرے رب میں نے اپنا پہلو رکھا اور تیرے اسم سے ہی اپنے پہلو کو اٹھاتا ہوں“ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے ”تیرے اسم سے میں زندہ ہوتا ہوں اور تیرے اسم سے میں مرتا ہوں“۔ اس کا معنی یہ ہے کہ تو نے جو مجھے اپنا پہلو رکھنے کی قدرت دی ہے اسی قدرت سے میں اپنے پہلو کو رکھتا ہوں، اور تو نے جو مجھے اپنے پہلو کو اٹھانے پر قدرت دی ہے، اسی قدرت سے میں اپنے پہلو کو اٹھاتا ہوں، اور تیرے زندہ کرنے سے میں زندہ ہوں اور تیرے مارنے سے میں مروں گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ اسم کا ذکر کیا اور دوسری مرتبہ اسم کا ذکر نہیں کیا، اگر اسم کا معنی مسمیٰ کا غیر ہوتا تو ان دونوں معنی میں تخالف ہو جاتا اور یہ واجب ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کا اسم اس کا غیر ہے اور یہ محال ہے، کیونکہ پھر میں تیرے نام سے اپنا پہلو رکھتا ہوں، اس کا معنی ہوتا: میں تیرے غیر سے اپنا پہلو رکھتا ہوں، اور میں تیرے نام سے زندہ ہوتا ہوں اور مرتا ہوں، اس کا معنی ہوتا: میں تیرے غیر سے زندہ ہوتا ہوں اور مرتا ہوں اور یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر ہے، اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا اسم اس کے مسمیٰ کا عین ہے۔

اور اس پر دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ﴿۷۴﴾ (الواقعہ: ۷۴) پس آپ اپنے رب عظیم کے اسم کی تسبیح کرتے رہیے O

اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ آپ اپنے رب عظیم کی تسبیح کیجئے اور اس کے اسماءِ حسنیٰ سے اس کی تنزیہ بیان کریں، اور اگر اللہ تعالیٰ کا اسم اس کا غیر ہوتا تو گویا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو یہ حکم دیا کہ وہ غیر اللہ کی تسبیح کریں اور غیر اللہ کی تنزیہ کریں اور یہ محال ہے۔

اور اس کی دوسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلٰلِ وَالْإِكْرَامِ ﴿۷۸﴾ (الرحمٰن: ۷۸) آپ کے رب کا نام بابرکت ہے جو بہت بزرگی والا اور بہت عزت والا ہے O

اس آیت میں یہ بیان فرمایا ہے کہ آپ کے رب کا اسم ”ذوالجلال والاکرام“ ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کا اسم اس کا غیر ہو تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کا غیر ذوالجلال والاکرام ہے۔

پس اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا اسم اس کی ذات کا عین ہے تو پھر اس حدیث کا کیا معنی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسم ہیں، پس ذاتِ واحدہ ننانوے کیسے ہوگی اور یہ کفر ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم یہ کہتے ہیں کہ ننانوے اسم ہونے کا معنی یہ ہے کہ اس کی تسمیہ ننانوے ہے اور اسم کے دو معنی ہیں، اسم کا معنی مسمیٰ بھی ہے اور اسم کا معنی تسمیہ بھی ہے، اور جو اسم تسمیہ کے معنی میں ہے اس کے متعلق یہ نہیں کہا جاتا کہ وہ مسمیٰ کا عین ہے۔

(شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۴۳۶۔ ۴۳۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۷۳۹۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمْ فِرَاشَهُ فَلْيَنْفُضْهُ بِصَنِفَةِ ثَوْبِهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ وَلْيَقُلْ بِاسْمِكَ رَبِّ وَضَعْتُ جَنْبِي وَبِكَ أَرْفَعُهُ إِنْ أَمْسَكْتَ نَفْسِي فَاغْفِرْ لَهَا وَإِنْ أَرْسَلْتَهَا فَاحْفَظْهَا بِمَا تَحْفَظُ بِهِ عِبَادَكَ الصَّالِحِينَ تَابَعَهُ يَحْيَى وَبِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ سَعِيدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ وَزَادَ زُهَيْرٌ وَأَبُو ضَمْرَةَ وَإِسْمَاعِيلُ بْنُ زَكَرِيَّاءَ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ سَعِيدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ وَرَوَاهُ ابْنُ عَجْلَانَ عَنْ سَعِيدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ تَابَعَهُ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَالدَّرَاوَرْدِيُّ وَأُسَامَةُ بْنُ حَفْصٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد العزیز بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از سعید بن ابی سعید المقبری از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آپ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی ایک اپنے بستر پر آئے تو اس کو کپڑے کے کنارے سے تین مرتبہ جھاڑ لے اور کہے: اے رب! تیرے نام سے میں اپنا پہلو رکھتا ہوں اور تیرے نام سے اپنے پہلو کو اٹھاتا ہوں، اگر تو نے میری روح کو روک لیا تو اس کو بخش دے اور اگر تو نے میری روح کو چھوڑ دیا تو تو اس کی حفاظت کر جس طرح تو اپنے نیک بندوں کی حفاظت فرماتا ہے۔

اس حدیث میں عبد العزیز کی متابعت یحییٰ نے کی اور بشر بن المفضل نے از عبید اللہ از سعید از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

اور زہیر اور ابوضمرہ اور اسماعیل بن زکریاء نے اضافہ کیا از عبید اللہ از سعید از والد خود از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

اور اس حدیث کی روایت کی ابن عجلان نے از سعید از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

اور محمد بن عجلان کی متابعت کی محمد بن عبد الرحمٰن نے اور دراوردی نے اور اسامہ بن حفص نے۔

(صحیح البخاری: ۶۳۲۰، ۷۳۹۳، صحیح مسلم: ۲۷۱۴، سنن ترمذی: ۳۴۰۱، سنن ابوداؤد: ۵۰۵۰، سنن ابن ماجہ: ۳۸۷۴، مسند احمد: ۷۷۵۲، سنن دارمی: ۲۶۸۴)

صحیح البخاری: ۷۳۹۳، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیثِ مذکور کے بعض جملوں کی شرح

اس حدیث میں مذکور ہے "میں نے تیرے اسم سے میرے رب اپنا پہلو بستر پر رکھا اور تجھ ہی سے اس پہلو کو اٹھاتا ہوں"۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے: پہلو کے رکھنے کی نسبت اللہ تعالیٰ کے اسم کی طرف کی ہے اور پہلو کے اٹھانے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف کی، پس اس سے معلوم ہوا کہ اسم سے مراد بھی ذات ہے اور پہلو کے رکھنے اور اٹھانے میں اللہ تعالیٰ سے ہی مدد طلب کی جاتی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "پس اس کپڑے کے کنارے کے پلّو سے بستر کو جھاڑ لے"۔ اس حدیث میں "الصنفة" کا لفظ ہے، ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد اس کی ایک طرف ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد اس کا وہ کنارہ ہے جس کا وہ پلو ہے، اولیٰ یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ اس سے مراد کپڑے کی اندرونی طرف ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اگر تو نے میری روح کو قبض کر لیا تو اس کو بخش دے"۔ کتاب الدعوات میں مذکور ہے: تو اس پر رحم فرما۔

اس لیے بستر کو جھاڑنا مستحب ہے کہ کہیں اس میں سانپ نہ ہو یا بچھو نہ ہو یا اس کے علاوہ کوئی اور موذی جانور کیڑا مکوڑا نہ ہو اور اس کو پتا نہ چلے۔ وہ اس طرح جھاڑے کہ اس کا ہاتھ تہبند کے کنارہ سے چھپا ہوا ہو تا کہ اس کے ہاتھ میں کوئی ناپسندیدہ چیز نہ آ جائے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ولیقل باسمك رب وضعت جنبی وبك ارفعهٗ" یعنی پھر یہ دعا کرے کہ اے میرے رب! تیرے نام سے میں اپنا پہلو بستر پر رکھتا ہوں اور تجھ ہی سے اٹھاتا ہوں۔ اور اے میرے رب! اگر تو میری جان کو اور روح کو قبض کر لیتا ہے یعنی مجھ پر موت طاری کر دیتا ہے تو اس پر رحم فرمانا، کیونکہ رحمت اس کے مناسب ہے۔ اور سنن ترمذی میں مذکور ہے کہ "اس کی مغفرت فرما دینا"۔ اور اگر تو میری روح کو چھوڑ دے یعنی دنیا میں باقی رکھے تو اس کی حفاظت کرنا، کیونکہ زندگی کے مناسب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس زندگی کی حفاظت فرمائے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۵۱۹، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۳۹۴۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ عَنْ رِبْعِيٍّ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا أَوَى إِلَى فِرَاشِهِ قَالَ اللَّهُمَّ بِاسْمِكَ أَحْيَا وَأَمُوتُ وَإِذَا أَصْبَحَ قَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَيْهِ النُّشُورُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسلم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از عبد الملک از ربعی از حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے بستر پر تشریف لاتے تو یہ دعا کرتے: "اے اللہ! میں تیرے نام سے زندہ ہوں اور تیرے نام سے ہی مروں گا"، اور جب صبح کو اٹھتے تو یہ دعا کرتے: "اللہ ہی کے لیے حمد ہے جس نے ہمیں مارنے کے بعد زندہ کیا اور اسی کی طرف اٹھنا ہے۔

(صحیح بخاری: ۶۳۱۲، ۶۳۱۴، ۶۳۲۴، ۷۳۹۴، صحیح مسلم: ۲۷۱۱، سنن ترمذی: ۳۴۱۷، سنن ابوداؤد: ۵۰۴۹، سنن ابن ماجہ: ۳۸۸۰، مسند احمد: ۲۷۶۰۰، مسند احمد: ۲۲۷۶۰)

صحیح البخاری: ۷۳۹۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور پر ایک سوال کا جواب

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ”جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم بستر پر جاتے تو یہ دعا کرتے: میں تیرے نام سے مرتا ہوں اور تیرے نام سے زندہ ہوتا ہوں“۔ یعنی جب تک میں زندہ ہوں تو تیرے نام سے زندہ رہوں گا اور جب میں وفات پاؤں گا تو تیرے نام سے وفات پاؤں گا۔

اس تقریر سے یہ سوال ساقط ہو جاتا ہے کہ حیات اور موت اللہ کے سبب ہے نہ کہ اس کے نام کے سبب سے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ اسم مسمّٰی کا عین ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لفظِ اسم اس میں زائد ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے ”اور اسی کی طرف اٹھنا ہے“۔ یعنی قیامت کے دن لوگ اسی کی طرف زندہ ہو کر جمع ہوں گے۔ اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ زندہ ہونا اور مرنا نہیں ہے بلکہ بیدار ہونا اور سونا ہے۔

اس کا جواب دیا گیا ہے کہ موت کا معنی ہے ”روح کے تعلق کا بدن سے منقطع ہو جانا“ اور کبھی یہ لفظ سے ظاہر ہوتا ہے اور وہ نیند ہے، اسی لیے کہا جاتا ہے کہ نیند موت کا بھائی ہے، یا ظاہراً اور باطناً ہے اور وہ موتِ متعارف ہے۔ اور اس پر زندہ کرنے اور مارنے کا اطلاق بطورِ تشبیہ کیا گیا ہے اور یہ استعارہ مصرحہ ہے۔

اور ابو اسحاق الزجاج نے کہا ہے: جو نفس انسان سے نیند کے وقت الگ ہو جاتا ہے وہ نفس تمیز کے لیے ہے اور جو نفس موت کے وقت انسان سے الگ ہو جاتا ہے وہ حیات کے لیے ہے۔ اور نیند کو موت اس لیے کہا گیا ہے کہ نیند سے عقل اور حرکت زائل ہو جاتی ہے تو یہ اطلاق بطورِ تمثیل اور تشبیہ ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۴۱۔ ۱۴۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۷۳۹۵۔ حَدَّثَنَا سَعْدُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ عَنْ خَرَشَةَ بْنِ الْحُرِّ عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم إِذَا أَخَذَ مَضْجَعَهُ مِنَ اللَّيْلِ قَالَ بِاسْمِكَ نَمُوتُ وَنَحْيَا فَإِذَا اسْتَيْقَظَ قَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَيْهِ النُّشُورُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سعد بن حفص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شیبان نے حدیث بیان کی از منصور از ربعی بن حراش از خرشہ بن الحر از حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات کو جب اپنے بستر پر جاتے تو یہ دعا کرتے: (اے اللہ!) ہم تیرے نام سے ہی مرتے ہیں اور زندہ ہوتے ہیں، اور جب بیدار ہوتے تو یہ دعا کرتے: اللہ ہی کے لیے حمد ہے جس نے ہم کو مارنے کے بعد زندہ کیا اور اسی کی طرف اٹھنا ہے۔

(صحیح بخاری: ۶۳۱۴، ۶۳۲۴، ۷۳۹۴، صحیح مسلم: ۲۷۱۱، سنن ترمذی: ۳۴۱۷، سنن ابوداؤد: ۵۰۴۹، سنن ابن ماجہ: ۳۸۸۰، مسند احمد: ۲۷۷۶۰، مسند احمد: ۲۲۷۶۰)

حدیث مذکور کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صبح اور شام اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کی حکمت

صبح کے وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر کرنے کی حکمت یہ ہے تا کہ اس کے اعمال کی ابتداء اور شروع اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ ہو۔ اسی طرح سوتے وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر کرنے کی حکمت یہ ہے تا کہ اس کے عمل کا اختتام اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ ہو۔ پس کراماً کاتبین اپنے صحیفہ کے اول میں بھی اس کا عملِ صالح لکھیں اور صحیفہ کے اخیر میں بھی اس کا عملِ صالح لکھیں۔ پھر اس کے درمیان جو اس سے گناہ ہوئے ان کی مغفرت کی امید کی جائے گی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: اے ابن آدم! میرا دن کی ابتداء میں ایک ساعت کے لیے ذکر کرو اور دن کے آخر کی ایک ساعت میں بھی میرا ذکر کرو تو پھر اس دن کے درمیان کے لیے میں تمہیں کافی ہو جاؤں گا۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۲۱۳)

اور صالحین بازاروں میں دن کے اول میں اور دن کے وسط میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں اور یہ اس لیے کرتے ہیں کہ وہ صبح اور شام اللہ سے دعا کرنے میں رغبت رکھتے ہیں۔

اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ تاجروں کو حکم دیتے تھے کہ تم دن کے اول کو اپنی آخرت کے لیے کرو اور اس کے ماسوا کو اپنی دنیا کے لیے کرو۔ اور اس معنی کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث مروی ہے:

حضرت ابوالدرداء اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابنِ آدم! کیا تم دن کی ابتداء میں چار رکعت پڑھنے سے عاجز ہو تو دن کے آخر میں، میں تمہارے لیے کافی ہو جاؤں۔

(سنن ترمذی: ۴۷۵، مسند احمد: ج ۵ ص ۲۸۶، السنن الکبریٰ للنسائی: ۳۶۸، مسند الشامیین للطبرانی ج ۱ ص ۱۷۳)

یہ تمام احادیث علامہ ابن الملقن نے ذکر کی ہیں۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۲۳۳۔ ۲۳۴ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۷۳۹۶۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ سَالِمٍ عَنْ كُرَيْبٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضى الله عنهما قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَأْتِيَ أَهْلَهُ فَقَالَ بِاسْمِ اللهِ اللَّهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا فَإِنَّهُ إِنْ يُقَدَّرْ بَيْنَهُمَا وَلَدٌ فِي ذَلِكَ لَمْ يَضُرُّهُ شَيْطَانٌ أَبَدًا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از منصور از سالم از کریب از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم میں سے کوئی شخص جب اپنی بیوی کے پاس جانے کا ارادہ کرے تو دعا میں یہ کہے: اللہ کے نام سے، اے اللہ! ہم کو شیطان سے محفوظ رکھ اور شیطان کو اس سے دور رکھ جو ہمیں تو اولاد عطا فرمائے، پس اگر ان کے درمیان کسی اولاد کو مقدر کیا گیا تو شیطان اس کو کبھی بھی ضرر نہیں پہنچائے گا۔

(صحیح البخاری: ۱۴۱، ۳۲۷۱، ۳۲۸۳، ۵۱۶۵، ۶۳۸۸، ۷۳۹۶، صحیح مسلم: ۱۴۳۴، سنن ترمذی: ۱۰۹۲، سنن ابوداؤد: ۲۱۶۱، سنن ابن ماجہ: ۱۹۱۹،

مسند احمد: ۱۹۱۱، سنن دارمی: ۲۲۱۲)

صحیح البخاری: ۷۳۹۶، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

شیطان کے ضرر کے متعلق متعدد اقوال

ایک قول یہ ہے کہ شروع میں اللہ کا نام لینے کی برکت سے شیطان کو اس کی اولاد پر مسلط نہیں کیا جائے گا، دوسرا قول یہ ہے کہ شیطان اس کے پیٹ میں ٹھونگ نہیں مارے گا، تیسرا قول یہ ہے کہ شیطان اس پر مرگی کی بیماری طاری نہیں کرے گا، چوتھا قول یہ ہے کہ شیطان اس کے بدن میں ضرر نہیں پہنچا سکے گا۔

علامہ ابن دقیق العید نے کہا ہے: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شیطان اس کے دین میں ضرر نہ پہنچا سکے، یعنی اس سے عمداً کوئی معصیت اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا صدور نہیں ہوگا، اور علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ شیطان اس کو ضرر نہیں پہنچا سکے گا یعنی اس کے دین میں ایسا فتنہ نہیں ڈالے گا جس کی وجہ سے وہ کفر تک پہنچ جائے، اور اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ وہ معصوم ہوگا، ایک قول یہ ہے کہ جب اس کا باپ اس کی ماں کے ساتھ جماع کرے گا تو شیطان اس میں شریک نہیں ہو سکے گا، کیونکہ مجاہد سے روایت ہے کہ ''جو شخص جماع کرتا ہے اور اس سے پہلے بسم اللہ نہیں پڑھتا تو شیطان اس کے آلہ کے سوراخ میں داخل ہو جاتا ہے اور وہ بھی اس کے ساتھ جماع کرتا ہے''، اور یہ زیادہ قریب جواب ہے۔

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث کے فوائد میں سے یہ ہے کہ لذت کی حالت میں بھی اللہ کا نام لینا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا مستحب ہے تا کہ بندہ آفات سے محفوظ رہے، اور اس میں اللہ تعالیٰ کے نام سے تبرک حاصل کرنے کا اور تمام برائیوں میں اللہ تعالیٰ سے پناہ لینے کا ثبوت ہے۔

(۲) اس میں یہ اشارہ ہے کہ شیطان بنو آدم کے ساتھ لازم رہتا ہے اور جب تک بندہ اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کرے شیطان اس سے دور نہیں ہوتا۔

(۳) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ انسان بغیر وضو کے بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے تو جائز ہے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۳۳۴، ملخصاً وملتقطاً، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۳۹۷۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ حَدَّثَنَا فُضَيْلٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ هَمَّامٍ عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ سَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ قُلْتُ أُرْسِلُ كِلَابِي الْمُعَلَّمَةَ قَالَ إِذَا أَرْسَلْتَ كِلَابَكَ الْمُعَلَّمَةَ وَذَكَرْتَ اسْمَ اللهِ فَأَمْسَكْنَ فَكُلْ وَإِذَا رَمَيْتَ بِالْمِعْرَاضِ فَخَزَقَ فَكُلْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن مسلمہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں فضیل نے حدیث بیان کی از منصور از ابراہیم از ہمام از عدی بن حاتم، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے سوال کیا، میں نے کہا: میں اپنے سدھائے ہوئے شکاری کتوں کو بھیجتا ہوں، آپ نے فرمایا: جب تم اپنے سدھائے ہوئے شکاری کتوں کو بھیجو اور اللہ کا

نام لو اور وہ کتے اس شکار کو تمہارے لیے روکے رکھیں تو تم اس شکار کو کھالو، اور جب تم تیر کی دھار والی لکڑی کو پھینکو اور وہ شکار کو زخمی کردے تب بھی اس کو کھالو۔

(صحیح البخاری: ۷۵۴۷، صحیح مسلم: ۱۹۲۹، سنن ترمذی: ۱۴۶۵، سنن نسائی: ۴۲۶۵، سنن ابوداؤد: ۲۸۴۷، سنن ابن ماجہ: ۳۲۰۸، ۳۲۱۴، مسند احمد: ۱۸۸۸۲)

شکار کرنے کے بعض احکام

اس حدیث میں یہ فرمایا ہے کہ "تم نے اپنے کتے پر بسم اللہ پڑھی ہے" اس سے یہ معلوم ہوا کہ شکاری کتے کے شکار کے حلال ہونے کی شرط یہ ہے کہ بسم اللہ پڑھ کر شکاری کتے کو شکار پر چھوڑا جائے، دوسری شرط یہ ہے کہ وہ کتا سدھایا ہوا ہو، اور تیسری شرط یہ ہے کہ کتا شکار کو اپنے مالک کے لیے رکھے اور خود اس میں سے نہ کھائے۔

کھانے کی ضرورت اور دیگر فوائد وضروریات کے لیے شکار کرنا جائز ہے اور محض شغل اور کھیل کود کی وجہ سے شکار کرنا حرام ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ "جب تم تیر کی دھار والی لکڑی کو پھینکو اور اس سے وہ شکار زخمی ہو جائے تو اس کو کھالو" کیونکہ دھار سے شکار کا مرنا اس کے ذبح کے قائم مقام ہے اور اگر وہ بغیر دھار کے محض لکڑی کی ضرب سے شکار مرے تو وہ موقوذہ ہے یعنی چوٹ سے مرنے کے معنی میں ہے اور موقوذہ حرام ہے۔

۷۳۹۸۔ حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا أَبُو خَالِدٍ الْأَحْمَرُ قَالَ سَمِعْتُ هِشَامَ بْنَ عُرْوَةَ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ هَا هُنَا أَقْوَامًا حَدِيثٌ عَهْدُهُمْ بِشِرْكٍ يَأْتُونَا بِلُحْمَانٍ لَا نَدْرِي يَذْكُرُونَ اسْمَ اللهِ عَلَيْهَا أَمْ لَا قَالَ اذْكُرُوا أَنْتُمُ اسْمَ اللهِ وَكُلُوا تَابَعَهُ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَالدَّرَاوَرْدِيُّ وَأُسَامَةُ بْنُ حَفْصٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یوسف بن موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوخالد الاحمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے ہشام بن عروہ سے سنا، وہ حدیث بیان کرتے ہیں از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ صحابہ نے کہا: یارسول اللہ! بے شک یہاں پر چند لوگ نئے نئے شرک کو چھوڑ کر اسلام میں داخل ہوئے ہیں، وہ ہمارے پاس گوشت لے کر آتے ہیں، ہم نہیں جانتے کہ انہوں نے ذبیحہ پر اللہ کا نام لیا ہے یا نہیں، آپ نے فرمایا: تم اللہ کا نام لو اور کھالو۔

اس حدیث کی محمد بن عبدالرحمٰن اور دراوردی اور اسامہ بن حفص نے متابعت کی ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۰۵۷، ۵۵۰۷، ۷۳۹۸، سنن نسائی: ۴۴۳۶، سنن ابوداؤد: ۲۸۲۹، سنن ابن ماجہ: ۳۱۷۴، موطا امام مالک: ۱۰۵۴، سنن دارمی: ۱۹۷۶)

دارالاسلام میں خریدے ہوئے گوشت اور ہوٹلوں میں پکائے ہوئے کھانوں کا جواز

اس حدیث میں بغیر دلیل کے وسوسہ کو لغو قرار دیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ہم بازاروں سے جو گوشت خرید کر لاتے ہیں اور

ہمیں یہ پتا نہیں ہوتا کہ مذبح میں اس جانور کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیا گیا ہے یا نہیں، یا جس شخص نے ذبح کیا ہے آیا وہ صحیح العقیدہ مسلمان تھا یا نہیں، تو اس وسوسہ کی وجہ سے بازاروں سے خرید کر لائے ہوئے گوشت کو بسم اللہ پڑھ کر کھانا جائز ہے کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے کہ آدمی بازار سے گوشت خرید کر لائے اور پھر قصاب سے معلوم کرے کہ تم یہ کون سے مذبح سے گوشت لائے ہو اور اس مذبح میں کس نے جانور کو ذبح کیا تھا اور آیا وہ سنی مسلمان تھا یا دیو بندی تھا یا وہابی تھا، تو ہمیں شریعت نے اس کا مکلف نہیں کیا کہ ہم اس کی تحقیق کریں اور یہ حسنِ ظن رکھیں کہ دارالاسلام میں جو جانور ذبح کیے جاتے ہیں ان کو مسلمان اللہ کے نام سے ذبح کرتے ہیں، اور اس حدیث کی بناء پر ہم اس خریدے ہوئے گوشت کو بسم اللہ پڑھ کر کھالیں تو جائز ہے، اسی طرح ہوٹلوں میں جو پکے ہوئے کھانے ہم خرید کر کھاتے ہیں ان کے بارے میں بھی ہمیں اس کا مکلف نہیں کیا گیا کہ ہم ہوٹل کے مالکان یا باورچیوں سے تحقیق کریں کہ جس جانور کا انہوں نے گوشت پکایا ہے آیا اس کو کسی صحیح العقیدہ مسلمان نے بسم اللہ پڑھ کر ذبح کیا تھا یا نہیں کیا تھا۔

۷۳۹۹۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ قَالَ ضَحَّى النَّبِيُّ ﷺ بِكَبْشَيْنِ يُسَمِّي وَيُكَبِّرُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں حفص بن عمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی از قتادہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے دو مینڈھوں کی قربانی کی اور آپ نے اللہ کا نام لیا اور تکبیر پڑھی۔

(صحیح البخاری: ۵۵۵۸، صحیح مسلم: ۱۹۶۶، سنن ترمذی: ۱۴۹۴، سنن نسائی: ۴۳۸۷، سنن ابوداؤد: ۲۷۹۴، سنن ابن ماجہ: ۳۱۲۰، مسند احمد: ۱۱۷۳۷، سنن دارمی: ۱۹۴۵)

اپنے ہاتھ سے جانور کو ذبح کرنے کا استحباب

مرد کے لیے مختار اور سنت یہ ہے کہ وہ اپنی قربانی کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرے، اور فقہاء کا اس کے استحباب پر اتفاق ہے۔ ہاں اگر اس کو کوئی عذر ہو تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ کسی اور کو اپنا قائم مقام کردے، کیونکہ عذر کی وجہ سے مستحب احکام ساقط ہو جاتے ہیں، اور اگر اس نے قدرت کے باوجود کسی کو اپنا قائم مقام کیا تو یہ مکروہ ہے لیکن قربانی ہو جائے گی۔

ابو اسحاق السبیعی نے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب اپنی قربانیوں کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کرتے تھے، امام مالک نے کہا: یہ اللہ کے لیے تواضع ہے اور رسول اللہ ﷺ اسی طرح کرتے تھے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اپنی بیٹیوں کو حکم دیتے تھے کہ وہ اپنی قربانیوں کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کریں۔

(مصنف عبدالرزاق: ۸۱۶۹)

اور زہری نے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یا سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: تم اپنی قربانی پر حاضر ہو، کیونکہ جب تمہاری قربانی کے خون کا پہلا قطرہ نکلے گا تو تمہاری مغفرت کر دی جائے گی۔ (مصنف عبدالرزاق: ۸۱۶۸)

قربانی کے جانور کی گردن کے ایک جانب پر پیر اس لیے رکھا جاتا ہے تا کہ جانور کی جان آسانی سے نکل جائے، اور حدیث میں ہے:

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم ذبح کرو تو عمدہ طریقے سے ذبح کرو، اور تم میں سے کوئی ایک اپنی چھری کو تیز کرلے اور ذبیحہ کو راحت پہنچاؤ۔ (صحیح مسلم: ۱۹۵۵، کتاب الصید، باب الامر باحسان الذبح)

اس حدیث سے مقصود یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذبح کے وقت بسم اللہ پڑھتے تھے اور اللہ اکبر پڑھتے تھے۔

۷۴۰۰۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ قَيْسٍ عَنْ جُنْدَبٍ أَنَّهُ شَهِدَ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يَوْمَ النَّحْرِ صَلَّى ثُمَّ خَطَبَ فَقَالَ مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ أَنْ يُصَلِّيَ فَلْيَذْبَحْ مَكَانَهَا أُخْرَى وَمَنْ لَمْ يَذْبَحْ فَلْيَذْبَحْ بِاسْمِ اللّٰهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں حفص بن عمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از الاسود بن قیس از حضرت جندب رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قربانی کے دن حاضر تھے آپ نے نماز پڑھائی پھر آپ نے خطبہ دیا، پھر آپ نے فرمایا: ”جس نے نماز پڑھنے سے پہلے قربانی کو ذبح کیا وہ اس کی جگہ دوسری قربانی کو ذبح کرے اور جس نے نہیں ذبح کیا وہ اللہ کے نام کے ساتھ قربانی کو ذبح کرے“۔

(صحیح البخاری: ۹۸۵، ۵۵۰۰، ۵۵۶۲، ۶۶۷۴، ۷۴۰۰، صحیح مسلم: ۱۹۶۰، سنن نسائی: ۴۳۹۸، سنن ابن ماجہ: ۳۱۵۲، مسند احمد: ۱۸۳۲۱)

اس حدیث سے یہ قاعدہ معلوم ہوا کہ نمازِ عید پڑھنے کے بعد قربانی کی جائے گی، اگر کسی شخص نے نمازِ عید پڑھنے سے پہلے قربانی کرلی ہے تو وہ دوبارہ قربانی کرے گا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ”وہ بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرے“ اور یہی اس حدیث سے مقصود ہے کہ قربانی کے وقت اللہ کا نام لیا جائے۔

۷۴۰۱۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا وَرْقَاءُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضي الله عنهما قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم لَا تَحْلِفُوا بِآبَائِكُمْ وَمَنْ كَانَ حَالِفًا فَلْيَحْلِفْ بِاللّٰهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ورقاء نے حدیث بیان کی از عبداللہ بن دینار از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم اپنے باپ دادا کے نام کی قسم نہ کھاؤ اور جو شخص قسم کھانے والا ہو وہ اللہ کے نام کی قسم کھائے“۔

(صحیح البخاری: ۳۸۳۶، صحیح مسلم: ۱۶۴۶، سنن ترمذی: ۱۵۳۴، سنن نسائی: ۳۷۶۸، سنن ابوداؤد: ۳۲۴۹، مسند احمد: ۵۴۳۹، موطا امام مالک: ۱۰۳۷، سنن دارمی: ۲۳۴۱)

غیر اللہ کی قسم کھانے کی ممانعت کی حکمت

زمانہ جاہلیت میں لوگ اپنے دادا کے نام کی قسم کھایا کرتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرما دیا، اور ممانعت کی حکمت یہ ہے کہ کسی کے نام کی قسم کھانے کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے نام کی تعظیم کی جائے اور تعظیم کی حقیقت اللہ عزوجل کے ساتھ مختص ہے، اور جس طرح باپ دادا کی قسم کھانا ممنوع ہے اسی طرح باقی مخلوقات کی قسم کھانا بھی منع ہے۔

اس پر یہ سوال ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے خود مخلوقات کی قسم کھائی ہے، فرمایا: ”وَالطُّوْرِ ۝“ (الطور: ۱) یعنی پہاڑ طور کی قسم ۝ اور

فرمایا: ''وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ'' (التین:۱) یعنی انجیر اور زیتون کی قسم O
اس کا جواب یہ ہے کہ غیر اللہ کی قسم کھانے کی ممانعت ہمارے لیے ہے، اللہ تعالیٰ خالق اور مالک ہے، وہ ان احکام کا پابند نہیں ہے، نیز اللہ تعالیٰ کے لیے یہ گمان نہیں کیا جا سکتا کہ وہ غیر اللہ کی تعظیم کرتا ہے، اسی طرح یہ اعتراض ہوتا ہے کہ یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''افلح وابیہ'' وہ شخص کامیاب ہو گیا اس کے باپ کی قسم۔
اس کا جواب یہ ہے کہ یہ وہ کلمہ ہے جو زبان پر بلا قصد جاری ہوتا ہے اور اس سے قسم کا قصد نہیں کیا جاتا، نیز غیر اللہ کی قسم کھانا اس وقت ممنوع ہے جب یہ قصد ہو کہ اگر یہ قسم پوری نہیں ہوئی تو بندہ حانث ہو جائے گا اور اس پر کفارۂ قسم لازم ہوگا، اسی طرح ''لعمری'' کہا جاتا ہے یعنی میری زندگی کی قسم، اس کا بھی یہی جواب ہے۔

صحیح البخاری: ۷۴۰۱، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کا صفات اور اسماء کے ساتھ متصف ہونا اس کے واحد ہونے کے منافی نہیں ہے

نعیم بن حماد نے کہا: اس حدیث میں الجہمیہ کا رد ہے، جو احادیث اللہ تعالیٰ کے اسماء اور اس کے کلمات کے ساتھ پناہ طلب کرنے کے متعلق وارد ہیں ان میں جہمیہ کا رد ہے اور حضرت عائشہ اور حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہما نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اللہ کے نام کے ساتھ دم کرتا ہوں، اور اس میں یہ دلیل ہے کہ قرآنِ مجید غیر مخلوق ہے کیونکہ اگر قرآنِ مجید مخلوق ہوتا تو آپ اس سے پناہ طلب نہ کرتے کیونکہ مخلوق سے پناہ نہیں طلب کی جاتی، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ (النحل:۹۸) اللہ سے پناہ طلب کرو۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم پناہ طلب کرو تو اللہ کی پناہ طلب کرو''۔ اس لیے ہر مصیبت میں اللہ سے پناہ طلب کرنی چاہیے۔
الجہمیہ نے ان لوگوں سے کہا جو کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنے اسماء اور صفات کے ساتھ قائم ہے کہ تم لوگ نصاریٰ کی طرح ہو کہ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے غیر کو شریک کر لیا تو اہلِ سنت نے اس کے جواب میں کہا کہ ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ اپنے اسماء اور صفات کے ساتھ واحد ہے اور ہم اللہ تعالیٰ کو صرف واحد مانتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ان صفات کی وجہ سے واحد ہونے سے خارج نہیں ہوا۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۵۱۹۔۵۲۰، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۱۴۔ بَابُ: مَا يُذْكَرُ فِي الذَّاتِ وَالنُّعُوتِ وَأَسَامِي اللّٰهِ

ان احادیث کا بیان جن میں اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات اور اس کے اسماء کا ذکر ہے

وَقَالَ خُبَيْبٌ: وَذٰلِكَ فِي ذَاتِ الْإِلٰهِ، فَذَكَرَ الذَّاتَ بِاسْمِهِ تَعَالَى

اور حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے کہا: اور یہ (یعنی ان کا قتل کیا جانا) اللہ تعالیٰ کی ذات میں ہے یعنی اس کے سبب سے ہے، پس انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ذات کا اس کے نام کے ساتھ ذکر کیا۔

بابِ مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

ذات کے معنی کی تحقیق اور اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی نعوت اور اس کے اسماء کے معانی

یعنی اس باب میں اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات کے متعلق احادیث ذکر کی جائیں گی، اور اس میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ذات کا اطلاق اس طرح جائز ہے جس طرح اس کے اسماء کا اطلاق جائز ہے۔

علامہ راغب اصفہانی نے کہا ہے: لفظِ ذات ''ذو'' کی تانیث ہے، اور یہ وہ کلمہ ہے جس سے اسماء اجناس اور انواع کے ساتھ متصف ہونے کا وسیلہ کیا جاتا ہے، اور لفظِ ذات کو کسی معین چیز کے لیے استعارہ کیا جاتا ہے اور اس کا استعمال مفرد بھی ہوتا ہے اور مضاف بھی ہوتا ہے اور اس پر الف لام بھی داخل کیا جاتا ہے، اور اس کو نفس کے قائم مقام استعمال کیا جاتا ہے، اور یہ کلامِ عرب میں مستعمل نہیں ہے۔

قاضی عیاض مالکی نے کہا: کسی چیز کی ذات اس کا نفس اور اس کی حقیقت ہے اور اہلِ کلام ذات کو الف اور لام کے ساتھ استعمال کرتے ہیں اور امام بخاری نے جو اس کو استعمال کیا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ یہ نفسِ شئے کے معنی میں ہے، اور ''النعوت'' اور ''الذات'' میں فرق ہے۔

ابنِ برہان نے کہا: متکلمین کا اللہ تعالیٰ کے حق میں ذات کے لفظ کا استعمال کرنا ان کی جہالت کی وجہ سے ہے، کیونکہ ذات ''ذو'' کی تانیث ہے اور اللہ تعالیٰ عظیم اور جلیل ہے، اس کے ساتھ تاءِ تانیث کا الحاق صحیح نہیں ہے، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو ''علامۃ'' کہنا منع ہے اگر چہ علامۃ کا معنی ہے جو تمام علماء سے زیادہ جاننے والا ہو، انہوں نے کہا: اور متکلمین کا الصفات الذاتیۃ کہنا ان کی جہالت ہے۔

اور التاج الکندی نے کہا: متکلمین کا اللہ تعالیٰ پر ذات بمعنی نفس کے اطلاق کرنا خطاء ہے اور اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ محال اور ممتنع اس وقت ہے جب ذات صاحبۃ کے معنی میں استعمال کیا جائے، لیکن جب وہ اس معنی سے منقطع ہو اور صرف اسمیت کے معنی میں استعمال کیا جائے تو پھر کوئی خرابی نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝ (ہود:۵) بے شک وہ سینوں کی باتوں کو خوب جانتا ہے ۝

یعنی اللہ تعالیٰ نفسِ سینوں کی باتوں کو جاننے والا ہے۔

علامہ النووی نے کہا ہے کہ فقہاء کی مراد ذات سے حقیقت ہے اور یہ متکلمین کی اصطلاح ہے اور بعض ادباء نے اس کا رد کیا ہے۔

اور علامہ واحدی نے درج ذیل آیت کی تفسیر میں کہا ہے:

فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ (الانفال:۱) سو تم اللہ سے ڈرو اور آپس میں صلح رکھو۔

اور زجاج نے کہا: ذات کا معنی حقیقت ہے۔

اور رہا ''النعوت'' کا لفظ تو بے شک وہ نعت کی جمع ہے اور اس کا معنی وصف ہے، کہا جاتا ہے ''نعت فلان نعتا'' یعنی فلاں شخص نے فلاں کی صفت کی، اور رہا ''الاسامی'' تو یہ اسم کی جمع ہے اور اسم کی جمع اسماء بھی آتی ہے۔

علامہ ابن بطال مالکی نے کہا ہے: اللہ تعالیٰ کے اسماء کی تین قسمیں ہیں، پہلی قسم وہ ہے جو صرف اس کی ذات کی طرف راجع ہے اور وہ لفظِ اللہ ہے، دوسری قسم وہ ہے جو اس صفت کی طرف راجع ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہو جیسے الحی یعنی زندہ، اور تیسری قسم وہ ہے جو اس کے فعل کی طرف راجع ہو جیسا کہ الخالق، اور ان کے اثبات کا طریقہ دلائل سمعیہ ہیں۔ اور صفاتِ ذات اور صفاتِ فعل میں فرق یہ ہے کہ صفاتِ ذات اس کی ذات کے ساتھ قائم ہیں اور صفاتِ فعل اس کے لیے قدرت کے ساتھ ثابت ہیں اور مفعول کے وجود کے ساتھ جب اللہ تعالیٰ مفعول کے وجود کا ارادہ کرے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۵۲۰۔۵۲۱، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

بابِ مذکور کی تعلیق کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس باب کی تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کی تعلیق میں مذکور ہے "اور یہ (مرنا) ذاتِ الٰہ میں ہے، پس حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے ذات کا ذکر اللہ تعالیٰ کے اسم کے ساتھ کیا"۔

اللہ تعالیٰ کے لیے لفظِ ذات کا استعمال

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے ذات کا ذکر کیا اس حال میں کہ وہ اللہ کے نام کے ساتھ ملا ہوا تھا۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: یہ انہوں نے حقیقتاً اللہ تعالیٰ کا ذکر لفظِ ذات کے ساتھ کیا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: علامہ کرمانی کی عبارت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے لفظِ ذات کی اللہ تعالیٰ کے اسم کی طرف اضافت کی، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شعر کو سنا، پس آپ نے اس کا انکار نہیں کیا تو اس سے معلوم ہوا کہ لفظِ ذات کی اللہ تعالیٰ کی طرف اضافت کرنا جائز ہے۔

علامہ کرمانی نے کہا: اس پر یہ اعتراض ہے کہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے جو ذات الالٰہ کا لفظ کہا، اس میں باب کے عنوان پر دلالت نہیں ہے، کیونکہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے ذات سے اس حقیقت کا ارادہ نہیں کیا جو امام بخاری کی مراد ہے، حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی مراد یہ تھی کہ یہ میرا امر نا اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ہے یا اللہ تعالیٰ کے راستہ میں ہے، اور اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ امام بخاری کی غرض یہ تھی کہ فی الجملہ ذات کا اطلاق جائز ہے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۵۲۱، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۴۰۲۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ أَبِي سُفْيَانَ بْنِ أَسِيدِ بْنِ جَارِيَةَ الثَّقَفِيُّ حَلِيفٌ لِبَنِي زُهْرَةَ وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ بَعَثَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَشَرَةً مِنْهُمْ خُبَيْبٌ الْأَنْصَارِيُّ فَأَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عِيَاضٍ أَنَّ ابْنَةَ الْحَارِثِ أَخْبَرَتْهُ أَنَّهُمْ حِينَ اجْتَمَعُوا اسْتَعَارَ مِنْهَا مُوسَى يَسْتَحِدُّ بِهَا فَلَمَّا خَرَجُوا مِنَ الْحَرَمِ لِيَقْتُلُوهُ قَالَ خُبَيْبٌ الْأَنْصَارِيُّ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے عمرو بن ابی سفیان بن اسید بن جاریہ الثقفی نے خبر دی جو بنوزہرہ کے حلیف تھے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں سے تھے، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس صحابہ کو (کفارِ مکہ کی جاسوسی کے لیے) بھیجا، ان میں حضرت خبیب الانصاری رضی اللہ عنہ بھی تھے، پس مجھے عبیداللہ بن عیاض نے خبر دی کہ

وَلَسْتُ أُبَالِي حِينَ أُقْتَلُ مُسْلِمًا عَلَى أَيِّ شِقٍّ كَانَ لِلّٰهِ مَصْرَعِي وَذٰلِكَ فِي ذَاتِ الْإِلٰهِ وَإِنْ يَشَأْ يُبَارِكْ عَلَى أَوْصَالِ شِلْوٍ مُمَزَّعِ فَقَتَلَهُ ابْنُ الْحَارِثِ فَأَخْبَرَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم أَصْحَابَهُ خَبَرَهُمْ يَوْمَ أُصِيبُوا

حارث کی بیٹی نے ان کو خبر دی جب وہ جمع ہوئے تو حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے ان سے استرا عاریۃً مانگا جس سے وہ اپنے زیر ناف بال مونڈتے، پس جب وہ لوگ حرم سے باہر آئے تاکہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو قتل کریں تو حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے یہ اشعار پڑھے:

اور میں کوئی پرواہ نہیں کرتا جب کہ مجھے حالتِ اسلام میں قتل کیا جائے گا

میں جس شق پر گروں تو اللہ ہی کے لیے میرا گرنا ہوگا

اور میرا یہ مرنا اللہ کی ذات میں ہے اور اگر وہ چاہے

تو میرے ٹکڑے ٹکڑے کیے ہوئے اعضاء پر برکت نازل فرمادے گا

پھر ابن الحارث نے ان کو قتل کر دیا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو ان کے قتل ہونے کی خبر دی جس دن ان کو قتل کیا گیا تھا۔

(صحیح البخاری:۳۰۴۵، ۳۹۸۹، ۴۰۸۶، ۷۴۰۲، سنن ابوداؤد:۲۶۶۰، مسند احمد:۷۸۶۹)

صحیح البخاری: ۷۴۰۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کا سبب

اس حدیث میں مذکور ہے "حارث کی بیٹی"، حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے اس کے باپ کو قتل کر دیا تھا، جب حارث کی بیٹی کے بھائی اپنے باپ کا قصاص لینے کے لیے جمع ہوئے تو حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے استرا طلب کیا تاکہ اس سے زیرِ ناف بالوں کو صاف کریں، اور جب وہ کفار حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو حرم سے باہر قتل کرنے کے لیے لے گئے اس وقت انہوں نے یہ اشعار پڑھے جن کا خلاصہ یہ ہے: "جب مجھ کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے راستہ میں قتل کیا جا رہا ہے تو مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے کہ میرا گرنا کس جگہ ہوتا ہے، اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو میرے کٹے ہوئے اعضاء میں برکت ڈال دے گا، سو ان کو الحارث بن عامر کے بیٹے نے قتل کر دیا"۔ (عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۱۳۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۷۴۰۲، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے لیے ذات کے استعمال پر مزید دلائل

صحیح البخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ میں مذکور ہے کہ "حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صرف تین (ظاہری) جھوٹ بولے، ان میں سے دو اللہ تعالیٰ کی ذات میں تھے"۔ اور اس کی شرح احادیث الانبیاء میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عنوان میں ذکر ہو چکی ہے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حدیث مروی ہے کہ "ہر چیز میں غور و فکر کرو اور اللہ تعالیٰ کی ذات میں غور و فکر نہ

کرو" یہ حدیث موقوف ہے اور اس کی سند عمدہ ہے۔ اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے "لا تفقه کل الفقه حتی تمقت الناس فی ذات الله" (تم پوری پوری فقہ حاصل نہ کرو حتیٰ کہ اللہ کی ذات میں لوگ ناراض ہو جائیں)، اس حدیث کے رجال ثقہ ہیں مگر یہ حدیث منقطع ہے، اور لفظِ ذات ان احادیثِ مذکورہ میں سبب یا حق کے معنی میں ہے۔

پس جو چیز زیادہ ظاہر ہے وہ یہ ہے کہ لفظِ ذات کا اطلاق کرنا جائز ہے مگر اس معنی میں نہیں جو معنی متکلمین نے حادث کیا، لیکن اس سے امام بخاری کا رد نہیں ہوتا کیونکہ امام بخاری کی مراد لفظِ ذات کا نفسِ ثبوت ہے۔

اور دوسرے علماء نے کہا کہ محققین کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حقیقت باقی تمام حقائق کے مخالف ہے اور بعض اہلِ کلام کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام ذوات کے مساوی ذات ہے اور اللہ تعالیٰ باقی ذوات سے ان صفات کے ساتھ ممتاز ہوتا ہے جو صفات اس کے ساتھ مخصوص ہیں جیسے وجوب الوجود، اور القدرۃ التامۃ، اور العلم التام۔

اور صحیح یہ ہے کہ ان مباحث کی مثال میں گفتگو نہیں کرنی چاہیے اور ان مباحث کو اللہ تعالیٰ کی طرف مفوض کر دینا چاہیے اور اس پر اکتفاء کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو اپنی کتاب میں واجب کیا ہے یا جس کا اپنی نبی کی زبان سے اثبات کیا ہے یا جن چیزوں سے اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو منزہ کیا ہے ہم ان سب پر ایمان لاتے ہیں۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۵۲۱، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۱۵۔ بَابُ: قَوْلِ اللهِ تَعَالٰى:

وَيُحَذِّرُكُمُ اللهُ نَفْسَهُ (آل عمران: ۲۸)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اور اللہ تمہیں اپنی ذات (کے غضب) سے ڈراتا ہے"

وَقَوْلِهٖ جَلَّ ذِكْرُهٗ: تَعْلَمُ مَا فِىْ نَفْسِىْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِىْ نَفْسِكَ (المائدہ: ۱۱۶)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "تو ان باتوں کو جانتا ہے جو میرے دل میں ہیں اور میں ان چیزوں کو نہیں جانتا جو تیرے علم میں ہیں"۔

بابِ مذکور کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

نفس کا معنی اور اللہ تعالیٰ کے لیے نفس کے استعمال کا جواز

اس باب کی احادیث میں نفس کا ذکر ہے، پس اس باب سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے نفس کا لفظ ثابت ہے اور لفظِ نفس کے کئی معانی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نفس سے مراد اس کی ذات ہے، پس اللہ تعالیٰ کا نفس کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو اس کی ذات پر زائد ہو، پس واجب ہے کہ اس کا نفس وہی ہو اور یہ اجماع ہے اور نفس کے اور بھی معانی ہیں جن کے ذکر کی ہمیں ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس باب کے عنوان سے ان کی غرض نہیں ہے۔ (شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۴۴۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

بابِ مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے لیے لفظِ نفس کے ثبوت پر دلائل

امام بخاری نے دو آیتیں ذکر کی ہیں، ان میں سے ایک ہے "وَيُحَذِّرُكُمُ اللهُ نَفْسَهُ (آل عمران: ۲۸)" اور دوسری آیت یہ

ذکر کی ہے ''تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَآ أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ (المائدہ:١١٦)''۔

علامہ راغب اصفہانی نے کہا ہے: اللہ تعالیٰ کا نفس اس کی ذات ہے، یہ اگرچہ نفس اور ذات میں تغایر کا تقاضا کرتا ہے لیکن اس میں معنی کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ سبحانہٗ واحد ہے اور وہ دو ہونے سے ہر اعتبار سے بلند اور برتر ہے، ایک قول یہ ہے کہ نفس کی اضافت یہاں پر ملک کی اضافت ہے اور اس نفس سے مراد بندوں کے نفوس ہیں، نیز اللہ تعالیٰ کے لیے نفس کے ثبوت میں یہ آیات ہیں:

كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ (الانعام:٥٤) تمہارے رب نے (محض اپنے کرم سے) اپنے اوپر رحمت کو لازم کرلیا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي ﴿٤١﴾ (طٰہٰ:٤١) اور میں نے آپ کو خاص اپنے لیے چن لیا O

احادیث سے اللہ تعالیٰ کے لیے لفظِ نفس کا ثبوت

ایک حدیث میں ہے: ''جس طرح تو نے اپنے نفس کی حمد وثنا کی ہے''، ایک اور حدیث میں ہے: ''میں نے اپنے نفس پر ظلم کو حرام کر دیا ہے''۔ اور یہ دونوں حدیثیں صحیح مسلم میں مذکور ہیں۔

حافظ ابنِ حجر عسقلانی لکھتے ہیں: اور صحیح مسلم میں یہ حدیث بھی ہے: ''سبحان اللہ رضا نفسہ''۔

پھر علامہ راغب اصفہانی نے بیان کیا کہ کلام عرب میں نفس کے کئی معانی ہیں، ایک معنی ہے حقیقت، جیسا کہ کہتے ہیں ''یہ چیز نفس الامر میں ہے'' اور امر کے لیے کوئی سانس لینے والا نفس نہیں ہے، اور نفس کا دوسرا معنی ذات ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے: ''تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَآ أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ... (المائدہ:١١٦)'' اس کا معنی یہ ہے کہ جس چیز کو میں چھپاتا ہوں اس کو تو جانتا ہے اور جس چیز کو تو مجھ سے مستور رکھتا ہے میں اس کو نہیں جانتا، دوسرا قول یہ ہے کہ اس آیت میں نفس کا ذکر مقابلہ اور مشاکلہ کے لیے ہے، لیکن اس پر یہ رد کیا گیا ہے کہ جو امام بخاری نے پہلی آیت ذکر کی ہے ''وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ... (آل عمران:٢٨)'' اس میں کوئی مقابلہ اور مشاکلہ نہیں ہے۔

صاحب المطالع نے المائدہ:١١٦ میں ''وَلَآ أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ'' میں نفس کے معنی میں تین اقوال ذکر کیے ہیں، ایک قول یہ ہے کہ میں تیری ذات کو نہیں جانتا، دوسرا معنی یہ ہے کہ جو تیرے غیب میں ہے اس کو میں نہیں جانتا، تیسرا معنی یہ ہے کہ میں اس کو نہیں جانتا جو تیرے پاس ہے، اور دوسروں نے کہا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ میں تیرے معلوم کو یا تیرے ارادہ کو یا تیرے راز کو نہیں جانتا۔

(فتح الباری ج ٨ ص ٥٢٢، دار المعرفہ، بیروت، ١٤٢٦ھ)

٧٤٠٣۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ شَقِيقٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَا مِنْ أَحَدٍ أَغْيَرُ مِنَ اللّٰهِ مِنْ أَجْلِ ذٰلِكَ حَرَّمَ الْفَوَاحِشَ وَمَا أَحَدٌ أَحَبَّ إِلَيْهِ الْمَدْحُ مِنَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمر بن حفص بن غیاث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی از شقیق از حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ،

اللہ۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے زیادہ غیرت والا کوئی نہیں ہے، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بے حیائی کے کاموں کو حرام فرما دیا، اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ مدح کو پسند کرنے والا کوئی نہیں ہے۔

(صحیح البخاری: ۴۶۳۴، ۴۶۳۷، ۵۲۲۰، ۷۴۰۳، صحیح مسلم: ۲۷۶۰، سنن ترمذی: ۳۵۳۰، مسند احمد: ۴۱۴۲، سنن دارمی: ۲۲۲۵)

حدیث مذکور کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث صحیح البخاری: ۴۶۳۴ میں بھی مذکور ہے جو حسبِ ذیل ہے:

ابو وائل حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا: کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے زیادہ غیرت والا نہیں ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فواحش (بے حیائی) کے کاموں کو حرام فرما دیا ہے خواہ وہ ظاہر ہوں اور خواہ باطن ہوں، اور مدح سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو کوئی چیز پسند نہیں ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے نفس کی مدح فرمائی ہے، راوی نے کہا: آپ نے اس کو حضرت عبداللہ سے سنا ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں، میں نے کہا: آپ نے یہ کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس طرح ارشاد ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں۔

ظاہر اور باطن بے حیائی کا مصداق

قتادہ نے اس کی تفسیر میں کہا: لوگ آزاد عورت سے چھپ کر زنا کرتے تھے اور باندیوں سے ظاہراً زنا کرتے تھے، سو چھپ کر زنا کرنا باطناً بے حیائی ہے اور ظاہراً زنا کرنا ظاہراً بے حیائی ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ ظاہراً بے حیائی سے مراد ہے شراب پینا، اور باطناً بے حیائی سے مراد ہے زنا کرنا، یہ ضحاک کا قول ہے۔

اور علامہ الماوردی نے کہا: ظاہراً بے حیائی وہ ہے جو انسان ظاہری اعضاء سے ممنوعہ کام کرے، اور باطناً بے حیائی وہ ہے جو انسان دل میں بے حیائی اور برے کاموں کے منصوبے بنائے۔ (تفسیر الماوردی ج ۲ ص ۱۸۶)

اور ایک قول یہ ہے کہ یہ تمام بے حیائی کے کاموں کو شامل ہے، جو بے حیائی کے کام لوگوں کے سامنے کرے وہ ظاہراً بے حیائی ہے اور جو بے حیائی کے کام لوگوں سے چھپ کر کرے وہ باطناً بے حیائی ہے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ ظاہراً بے حیائی وہ کام ہے جو مخلوق کے درمیان کئے گئے ہیں، اور باطناً بے حیائی وہ کام ہے جو مخلوق کے سامنے نہ ہوں لیکن خالق سے تو کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ ظاہراً بے حیائی کا معنی ہے: کسی اجنبی عورت سے ہم آغوش ہونا اور اس کا بوسہ لینا، اور باطناً بے حیائی کا معنی ہے: ان بے حیائی کے کاموں کی نیت کرنا۔

غیرت کا معنی

غیرت کا معنی ہے خوددار ہونا اور اپنی پسندیدہ چیز میں دوسرے کی شرکت کو ناپسند کرنا، اور اس کا معنی حمیت ہے، یعنی اپنی پسندیدہ چیز میں دوسرے کی شرکت کی وجہ سے جوش میں آنا۔ النحاس نے کہا ہے: کسی شخص کا اپنی بیوی کے ساتھ حمیت کا معنی یہ ہے

کہ وہ دوسرے رشتہ داروں یا اجنبی لوگوں کو بیوی کے پاس آنے سے منع کرے، یا اپنی بیوی کو غیر محرم کے دیکھنے سے منع کرے، اور یہ لفظ الدَّیّوث کی ضد ہے، دیّوث اس شخص کو کہتے ہیں جو بے حیاء ہو اور اپنی بیوی سے بدکاری کرائے، اس کو عورتوں کا دلال اور بھڑوا بھی کہتے ہیں۔

صاحب المطالع نے کہا ہے کہ غیرت کا معنی ہے: جب کسی شخص کی بیوی کی شرمگاہ دوسرے مردوں کے استعمال میں ہو، اس کی وجہ سے اس مرد کا خون کھولنا اور اس کا جوش میں آنا اور اس کے دل میں اس کے خلاف نفرت ہونا، غیرت کا یہ معنی آدمیوں کے حق میں ہے اور اللہ تعالیٰ کے حق میں غیرت کا معنی وہ ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، آپ نے ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کی غیرت یہ ہے کہ کوئی مردان کاموں کو کرے جن کاموں کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے''۔ (صحیح البخاری: ۵۲۲۳)

اور اللہ تعالیٰ کی غیرت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حرام کاموں کو کرنے سے منع فرمادیا ہے اور ان کو حرام قرار دیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بے حیائی کے کاموں کو حرام قرار دیا ہے اور ان پر وعید فرمائی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی غیرت یہ ہے کہ اس نے بے حیائی کے کاموں کو حرام فرمادیا۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک مدح کے محبوب ہونے کی توجیہ

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''کسی شخص کو بھی اللہ تعالیٰ سے زیادہ مدح پسند نہیں ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا مدح کو پسند فرمانا اس طرح نہیں ہے جس طرح ہم مدح کو پسند کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس کو پسند کرتا ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے اور اطاعت کرنے والوں کو ثواب عطا فرماتا ہے، پس اطاعت کرنے سے مکلفین فائدہ اٹھاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو مدح سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا، اور ہم مدح کو پسند کرتے ہیں تاکہ ہمیں اس سے فائدہ ہو اور ہماری قدر و منزلت ہماری قوم میں بلند ہو، لہٰذا لوگوں کا یہ کہنا غلط ہے کہ جب اللہ تعالیٰ مدح کو پسند کرتا ہے تو ہمارا مدح کو پسند کرنا کیونکر ممنوع ہوگا۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۲ ص ۳۳۸۔ ۳۳۹، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۷۴۰۳، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے نزدیک غیرت کا معنی

اللہ تعالیٰ کے نزدیک غیرت کا معنی یہ ہے کہ وہ اس کو ناپسند فرماتا ہے کہ لوگ بے حیائی کے کام کریں، دوسرا قول یہ ہے کہ غیرت کو لازم ہے اللہ تعالیٰ کا غضب، اور غضب کو لازم ہے اللہ تعالیٰ کا بے حیائی کے مرتکبین کو عذاب دینا۔

ایک اعتراض کا جواب

علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں نفس کا ذکر نہیں ہے حالانکہ امام بخاری کا اس باب سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے نفس کا اثبات کیا جائے۔

پھر انہوں نے اس کا یہ جواب دیا کہ اس حدیث میں مذکور ہے ''ما من احد اغیر من اللہ''، یعنی کوئی ایک بھی اللہ تعالیٰ سے

زیادہ غیرت والا نہیں ہے، اور اس سے مقصود یہ ہے کہ کوئی نفس بھی اللہ تعالیٰ سے زیادہ غیرت والا نہیں ہے، تو اس طرح اللہ تعالیٰ کے لیے نفس کا اثبات ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ علامہ کرمانی اس سے غافل رہے کہ ایک اور سند کے ساتھ یہ حدیث مروی ہے اور اس میں نفس کا لفظ ہے، اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ''ولا شیء احب الیه المدح من الله لذالك مدح نفسه'' (اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک مدح سے زیادہ کوئی چیز پسندیدہ نہیں ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے نفس کی مدح کی ہے)۔ (صحیح البخاری: ۴۶۳۴، صحیح مسلم: ۲۷۶۰)

اور اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ پر نفس کا اطلاق کرنا جائز ہے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۵۲۲، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۴۰۴۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ عَنْ أَبِي حَمْزَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ الْخَلْقَ كَتَبَ فِي كِتَابِهِ وَهُوَ يَكْتُبُ عَلَى نَفْسِهِ وَهُوَ وَضْعٌ عِنْدَهُ عَلَى الْعَرْشِ إِنَّ رَحْمَتِي تَغْلِبُ غَضَبِي۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی از ابی حمزہ از الاعمش از ابی صالح از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا تو اپنی کتاب میں لکھا اس حال میں کہ وہ اپنے نفس کے متعلق یعنی اپنی ذات کے متعلق لکھ رہا تھا، اور یہ اب بھی اس کے پاس عرش پر لکھا ہوا ہے کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔

(صحیح البخاری: ۳۱۹۴، ۷۴۰۴، ۷۴۲۲، ۷۴۵۳، ۷۵۵۳، ۷۵۵۴، صحیح مسلم: ۲۷۵۱، سنن ترمذی: ۳۵۴۳، سنن ابن ماجہ: ۴۲۹۵، مسند احمد: ۷۴۳۲)

صحیح البخاری: ۷۴۰۴، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے لیے ''عندہٗ'' کا معنی

اس حدیث میں ''عندہٗ'' کا لفظ ہے، پس ابن بطال نے کہا: عِندَ کا لفظ لغت میں مکان اور جگہ کے لیے آتا ہے اور اللہ تعالیٰ کسی جگہ میں ہونے سے بلند اور منزہ ہے، کیونکہ کسی جگہ میں ہونا عرض ہے اور یہ فنا ہو جاتی ہے اور یہ حادث ہے اور حادث اللہ تعالیٰ کے لائق نہیں ہے، اس بناء پر اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علمِ سابق میں یہ تھا کہ جو اس کی اطاعت کرے گا اس کو ثواب عطا فرمائے گا اور جو اس کی نافرمانی کرے گا اس کو اللہ تعالیٰ عذاب دے گا۔ اور ''عِندَ'' کا لفظ جگہ کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور اعتقاد کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، تم کہتے ہو ''عندی فی کذا کذا'' یعنی میرے اعتقاد میں اس طرح اور اس طرح سے ہے، اور عند کا لفظ مرتبہ کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔

علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ اس حدیث میں جو مذکور ہے کہ وہ کتاب اس کے نزدیک عرش پر ہے یعنی عرش پر رکھی ہوئی ہے تو یہ کتاب اس لیے نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ بھول جائے تو اس کتاب میں دیکھ لے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اس سے بلند اور برتر ہے کہ وہ بھولے،

اس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کتاب میں فرشتوں کے لیے لکھا ہے جو فرشتے مکلفین کے ساتھ موکل ہوتے ہیں۔
(فتح الباری ج ۸ ص ۵۲۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حدیث مذکور کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

عرش پر لکھنے کی توجیہ

اس حدیث میں مذکور ہے ''جب اللہ تعالیٰ مخلوق کو پیدا کرنے سے فارغ ہو گیا تو اس نے اپنی کتاب میں لکھا جو اس کے پاس عرش کے اوپر ہے''۔

ایک روایت میں اس حدیث کے الفاظ ہیں ''لما قضی اللہ الخلق'' اس کا معنی ہے: ''جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کر دیا'' (صحیح البخاری: ۳۱۹۴)، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ (حم سجدہ: ۱۲)'' (تو اس نے دو دن میں ان کو پورے سات آسمان بنا دیا)۔ اور ہر وہ صنعت جو انتہائی پختگی کے ساتھ انجام کو پہنچی ہو اس کو احکام اور قضا کہا جاتا ہے۔

(اعلام الحدیث ج ۲: ۱۴۷۱)

ابن عرفہ نے کہا: ''قضی الشیء'' کا معنی ہے: کسی چیز کو محکم بنانا اور اس کو بنا کر فارغ ہو جانا، اسی وجہ سے قاضی کا نام قاضی رکھا گیا ہے کیونکہ وہ دو فریقوں کے درمیان قضاء کرنے کے بعد فارغ ہو جاتا ہے۔

اس حدیث میں جو لکھنے کا ذکر ہے اس سے مراد دو چیزوں میں سے ایک ہے، یا تو لفظ لکھ دیئے اور ان کو واجب کر دیا جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ (المجادلہ: ۲۱) اللہ نے لکھ دیا ہے کہ ضرور میں غالب ہوں گا اور میرے رسول (غالب ہوں گے)۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کی قضاء کی اور اس کو واجب کر دیا، اور اس حدیث میں ''فوق العرش'' کا معنی یہ ہے کہ اس کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس عرش کے اوپر ہے، نہ وہ منسوخ ہوگا اور نہ اس میں تبدیلی ہوگی، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ۝ (طٰہٰ: ۵۲) اس کا علم میرے رب کے پاس لوحِ محفوظ میں ہے، میرا رب نہ غلطی کرتا ہے نہ بھولتا ہے O

اور ''یا کتاب'' سے مراد ہے لوحِ محفوظ جس میں مخلوق کی اقسام کا ذکر کیا گیا ہے اور مخلوق کی مدتِ حیات کا ذکر کیا گیا ہے اور ان کے رزق کا اور انجامِ کار ان کا کیا حال ہوگا اس کا ذکر کیا گیا ہے، اور یا اس کا معنی یہ ہے کہ اس کا ذکر عرش کے اوپر ہے۔

اور یہ کلام میں اس وجہ سے جائز ہے کہ عرش مخلوق ہے اور عرش کو مخلوق کی کتاب چھوئے یہ محال نہیں ہے، کیونکہ ملائکہ جو عرش کو اٹھانے والے ہیں روایت ہے کہ عرش ان کے کندھوں پر ہے اور یہ محال نہیں ہے کہ وہ عرش کو چھوئیں جب وہ عرش کو اٹھائیں، اگرچہ عرش کو اٹھانے والا اور حاملینِ عرش کو اٹھانے والا رب عز وجل ہے، اور جو علماء کہتے ہیں کہ اللہ عرش پر ہے اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش کو مس کر رہا ہے یا عرش کی کسی جہت میں متحیز ہے، یہ ایک خبر ہے جس کا علم توقیفی ہے، ہم نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ عرش پر

ہےاوراس کی کیفیت کی ہم نے نفی کی کیونکہ کوئی چیز اس کی مثل نہیں ہے، علامہ ابن التین نے اس پر متنبہ کیا ہے۔
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج۱۹ ص ۱۸۔۱۹، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیہ قطر، ۱۴۲۹ھ)

نیز علامہ ابن ملقن نے لکھا ہے:
اس حدیث کے آخر میں مذکور ہے "بے شک میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے"۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے غضب کا معنی

یہ پہلے گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا معنی یہ ہے کہ وہ اطاعت کرنے والوں کو ثواب عطا فرمانے کا ارادہ کرے، اور اللہ تعالیٰ کے غضب کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نافرمانی کرنے والوں کو عذاب دینے کا ارادہ کرے، اور جب یہ اس طرح ہے تو پھر "بے شک میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے" اس کا معنی ہے کہ بے شک میرا ارادہ ہے کہ میں اطاعت کرنے والوں کو ثواب عطا فرماؤں اور ان کو ثواب عطا فرمانے کا ارادہ ہی یہ ہے کہ میں ان کو عذاب نہ دوں، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ۔ اللہ تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ فرماتا ہے اور تمہیں مشکل میں ڈالنے کا ارادہ نہیں فرماتا۔ (البقرہ:۱۸۵)

پس اللہ تعالیٰ کا بندوں پر آسانی کا ارادہ فرمانا یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو مشکل میں نہ ڈالے، اور اسی معنی کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح تعبیر فرمایا کہ "بے شک میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے"۔

بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ رحمت اور غضب کے دو معنی ہیں، اور ایک معنی دوسرے معنی پر غالب اور سابق ہے اور جب کہ یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ واحد ہے اور وہ اس کی ذات کی صفات میں سے ایک صفت ہے اور اس کی رحمت اور اس کا غضب دو الگ الگ صفات نہیں ہیں، اس وجہ سے اس کلام کو ظاہر سے پھیرا جائے گا اور کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کا رحم فرمانا ہی اس کا غضب نہ فرمانا ہے اور یہ ایک صفت ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۳ ص ۲۴۸، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

اللہ تعالیٰ کی رحمت کے اس کے غضب پر غالب ہونے کی توجیہ

قاضی ابوالفضل عیاض بن موسیٰ مالکی المتوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

امام نے کہا ہے: اللہ تعالیٰ کا غضب اور اس کی رضا دونوں کا رجوع اطاعت کرنے والے کو ثواب دینے اور اس کو نفع پہنچانے اور نافرمان کو عذاب دینے کی طرف ہے، اول کو رحمت کہا جاتا ہے اور دوسرے کو غضب کہا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ سبحانہٗ کا ارادہ قدیم اور ازلی ہے، پس یہ محال ہے کہ اس میں ایک صفت دوسری صفت پر غالب ہو اور سابق ہو، اور اس سے مراد یہاں پر ارادہ کا متعلق ہے، پس اللہ تعالیٰ کا مخلوق کے ساتھ نرمی کرنا اور ان کو انعام دینا اس کے غضب پر غالب ہے۔

قاضی نے کہا: غلبہ سے مراد یہاں پر کثرت اور شمول ہے جیسے کہا جاتا ہے: فلاں شخص کے اوپر مال کی محبت غالب ہے یا کرم غالب ہے یا شجاعت غالب ہے، جب اس کی یہ صفات زیادہ ہوں، تو حدیث کا معنی یوں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر انعام واکرام کرنا اس سے زیادہ ہے کہ وہ ان کو عذاب دے، یعنی ثواب دینے کے مظاہر عذاب دینے کے مظاہر سے زیادہ ہیں، اور چونکہ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات قدیم ہیں اس لیے یہاں پر یہ متصور نہیں ہے کہ ثواب دینے کی صفات مقدم ہوں اور عذاب دینے کی صفات

موخر ہوں۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۸ ص ۲۵۲، دارالوفاء بیروت)

علامہ سنوسی مالکی متوفی ۸۹۵ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی رحمت کے اس کے غضب پر غالب ہونے کا معنی یہ ہے کہ اللہ عزوجل کا لطف اور اس کا انعام عطا فرمانا اس کے انتقام لینے سے زیادہ ہے، اور یہ اس بناء پر ظاہر ہے کہ یہ دونوں اس کے فعل کی صفات ہیں۔

(مکمل اکمال الاکمال ج ۹ ص ۱۶۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

۷۴۰۵۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ سَمِعْتُ أَبَا صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ يَقُولُ اللهُ تَعَالَى أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي وَأَنَا مَعَهُ إِذَا ذَكَرَنِي فَإِنْ ذَكَرَنِي فِي نَفْسِهِ ذَكَرْتُهُ فِي نَفْسِي وَإِنْ ذَكَرَنِي فِي مَلَإٍ ذَكَرْتُهُ فِي مَلَإٍ خَيْرٍ مِنْهُمْ وَإِنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ بِشِبْرٍ تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ ذِرَاعًا وَإِنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ بَاعًا وَإِنْ أَتَانِي يَمْشِي أَتَيْتُهُ هَرْوَلَةً۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمر بن حفص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے ابوصالح سے سنا از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ''میرا بندہ میرے ساتھ جو گمان رکھتا ہے میں اس کے ساتھ ہوں، اور میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ مجھے یاد کرتا ہے، پس اگر وہ مجھے چپکے سے یاد کرے تو میں بھی اس کو چپکے سے یاد کرتا ہوں اور اگر وہ مجھے ایک جماعت میں یاد کرے تو میں اس کو اس سے بہتر جماعت میں یاد کرتا ہوں، اور اگر وہ میری طرف ایک بالشت قریب ہوتا ہے تو میں اس کی طرف ایک ہاتھ قریب ہوتا ہوں، اور اگر وہ میری طرف ایک ہاتھ قریب ہو تو میں اس کی طرف دو ہاتھوں کے پھیلاؤ کے برابر قریب ہوتا ہوں، اور اگر کوئی میرے پاس چلتا ہوا آئے تو میں دوڑتا ہوا آتا ہوں۔

(صحیح البخاری: ۷۵۰۵، ۷۵۳۷، صحیح مسلم: ۲۶۷۵، سنن ترمذی: ۳۶۰۳، سنن ابن ماجہ: ۳۸۲۲، مسند احمد: ۷۴۲۲)

صحیح البخاری: ۷۴۰۵، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

انسانوں، نبیوں اور فرشتوں کے درمیان فضیلت کے متعلق علماء کے اقوال

اس حدیث میں مذکور ہے ''میرا بندہ جو میرے متعلق گمان رکھتا ہے میں اس کے گمان کے ساتھ ہوں'' گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اگر وہ کوئی امید رکھتا ہے تو میں اس کی امید پوری کر دیتا ہوں، کیونکہ مومن اسی وقت کوئی امید رکھے گا جب کہ اس کو یہ یقین ہوگا کہ اس کا کوئی رب ہے جو اس کی اس امید کو پورا کرے گا۔

اور اس حدیث میں فرمایا ''اگر میرا بندہ جماعت میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں اس سے بہتر جماعت میں اس کا ذکر کرتا ہوں''۔

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ ملائکہ انسانوں سے افضل ہیں، کیونکہ بندہ انسانوں کی جماعت میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے گا اور اللہ تعالیٰ انسانوں سے بہتر جماعت میں اس کا ذکر کرے گا اور اللہ تعالیٰ فرشتوں میں ذکر فرمائے گا تو اس سے معلوم ہوا کہ فرشتے انسانوں سے افضل ہیں۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کا معنی یہ ہو کہ انبیاء علیہم السلام کے بعد فرشتے انسانوں سے افضل ہیں۔

اس میں اختلاف ہے کہ انبیاء اور ملائکہ میں سے کون زیادہ فضیلت والا ہے۔

علامہ ابن فورک نے کہا: جن کا مذہب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور آدمیوں میں سے اولیاء ملائکہ سے افضل ہیں تو انہوں نے کہا: اس حدیث میں "خیر منه" انہوں نے کہا کہ یہ خیر کا لفظ ذکر کی طرف راجع ہے یعنی میں اس بندہ سے بہتر ذکر کرتا ہوں، کیونکہ جب بندہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے تو وہ اس سے دعا کرتا ہے اور گڑگڑاتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ اس بندہ کا ذکر کرتا ہے تو اپنی رحمت کا اظہار کرتا ہے اور اپنی کرامت کا اظہار کرتا ہے اور یہ بندہ کے لیے زیادہ بہتر اور زیادہ نفع بخش ہے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ علماء ملائکہ سے افضل ہیں۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے: اس حدیث میں شارع علیہ السلام کی طرف سے یہ تصریح ہے کہ فرشتے بنو آدم سے افضل ہیں، پھر انہوں نے کہا: یہ جمہور اہلِ علم کا مذہب ہے اور قرآن مجید سے اس مذہب پر شواہد موجود ہیں جیسا کہ درج ذیل آیت ہے:

فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَاوٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ۝ (الاعراف: ۲۰)

پھر دونوں کے دلوں میں شیطان نے وسوسہ ڈالا تا کہ (انجام کار) ان دونوں کی جو شرم گاہیں ان سے چھپائی ہوئی تھیں ان کو ظاہر کردے اور اس نے کہا: تمہارے رب نے اس درخت سے تم کو صرف اس لیے روکا ہے کہ کہیں تم فرشتے بن جاؤ، یا ہمیشہ رہنے والوں میں سے ہو جاؤ ○

یعنی ابلیس نے حضرت آدم اور حواء علیہما السلام کو یہ وسوسہ ڈالا کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اس درخت کے کھانے سے اس لیے منع کیا ہے کہ اگر تم نے اس درخت سے کھالیا تو تم فرشتے ہو جاؤ گے یا تم ہمیشہ رہنے والے ہو جاؤ گے یعنی تم پر کبھی موت نہیں آئے گی، اور ابلیس کا یہ کلام اسی وقت صحیح ہوسکتا ہے کہ جب کہ فرشتے بنو آدم سے افضل ہوں۔

علامہ ابن ملقن کہتے ہیں: میں علامہ ابن بطال کی اس میں موافقت نہیں کرتا کہ یہ جمہور کا مذہب ہے بلکہ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ بشر ملائکہ سے افضل ہیں، پس اشرف المخلوقات بنو آدم ہیں۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۳ ص ۲۵۰، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

الاعراف: ۲۰ کی تفسیر از مصنف

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ فرشتے نبی سے افضل ہیں، ورنہ حضرت آدم علیہ السلام فرشتہ بننے کی طمع میں اس ممنوع درخت سے نہ کھاتے؟

اس کا جواب یہ ہے: بعض اوقات مفضول میں وہ وصف ہوتا ہے جو افضل میں نہیں ہوتا، ہوسکتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام فرشتہ اس لیے بننا چاہتے ہوں کہ ان کو بھی فرشتوں کی طرح قدرت اور قوت حاصل ہو جائے یا وہ بھی فرشتوں کی طرح اپنی خلقت میں

جوہر نورانی ہوجائیں، یا وہ بھی فرشتوں کی طرح عرش اور کرسی کے ساکنین میں سے ہوجائیں۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ ابلیسِ لعین نے یہ کہا تھا کہ آپ اس درخت سے کھا کر ہمیشہ رہنے والوں میں سے ہوجائیں گے اور حضرت آدم علیہ السلام نے اس کی طمع میں اس درخت سے کھالیا، اس کا معنی یہ ہے کہ انہوں نے یہ یقین کرلیا کہ کچھ لوگ ہمیشہ رہنے والے ہیں اور ان پر موت نہیں آئے گی اور اس سے موت اور قیامت کا انکار لازم آتا ہے اور یہ کہ دوام اور خلود تو حشر کے بعد ہوگا، حشر سے پہلے خلود کا عقیدہ رکھنا کفر ہے، سو موت سے اور قیامت سے پہلے خلود کی تمنا کرنا کفر ہے اور اس سے العیاذ باللہ حضرت آدم علیہ السلام کا کفر لازم آتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ خلود کا معنی طویل زمانہ بھی ہوسکتا ہے، ہوسکتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے یہی معنی مراد لیا ہو، دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواء علیہا السلام نے یہ یقین نہیں کیا تھا کہ کچھ لوگ ہمیشہ رہنے والے ہیں اور ان پر موت نہیں آئے گی اور نہ یہ ان کا گمان تھا، انہوں نے محض وفورِ شوق سے اس شجرِ ممنوع سے کھالیا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

صحیح البخاری: ۷۴۰۵، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے ایک بالشت یا ایک ہاتھ کی مقدار قریب ہونے کی تحقیق

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ نے اپنی یہ صفت بیان کی ہے کہ وہ اپنے بندہ کے ایک ہاتھ کی مقدار قریب ہوتا ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ بندہ کی طرف دوڑتا ہوا آتا ہے، ان الفاظ میں حقیقت اور مجاز دونوں کے احتمال ہیں، اگر ان الفاظ کو حقیقت پر محمول کیا جائے تو اس سے لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ جسم ہو کیونکہ ایک ہاتھ کا قرب یا دو ہاتھوں کے بھراؤ کا قرب اور دوڑنا اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں ہے اور اس کو حقیقت پر محمول کرنا محال ہے، اس لیے اس کو مجاز پر محمول کرنا واجب ہے، کیونکہ کلامِ عرب میں اس قسم کا مجاز مشہور ہے، سو بندہ جب ایک بالشت یا ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے یا چلتا ہوا آتا ہے تو اس کا معنی یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرکے اس کا قرب حاصل کرتا ہے اور اس کے فرائض کو ادا کرکے اس کا قرب حاصل کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ قریب ہوتا ہے یعنی اس کی اطاعت سے زیادہ اس کو ثواب عطا فرماتا ہے۔

امام ابن جریر طبری نے کہا: بشر کی کم عبادت کو ایک بالشت قرب کے ساتھ مثال دی ہے اور اس پر جو اللہ تعالیٰ نے زیادہ اجر عطا فرمایا اس کو ایک ہاتھ کے قرب کے ساتھ مثال دی ہے، اس سے یہ معلوم ہوا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی عبادت سے بڑھ کر اس کو ثواب عطا فرماتا ہے۔

بندہ کا اپنے رب کو دل میں یاد کرنا اور اس کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کا اس کو یاد کرنا، اس کی وضاحت

پس اگر یہ کہا جائے کہ اس قول کا کیا معنی ہے "اذا ذکرنی فی نفسہ ذکرتہ فی نفسی"؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جب بندہ مجھے اپنے دل میں یاد کرے اور مخلوق سے چھپ کر مجھے یاد کرے تو میں اپنی رحمت کے ساتھ اس کو یاد کرتا ہوں اور اس کو ثواب عطا کرتا ہوں اور مخلوق سے چھپا کر عطا کرتا ہوں حتیٰ کہ اس کے اوپر کوئی بھی مطلع نہیں ہوتا، اور

جب بندہ مجھے بندوں کی جماعت میں یاد کرتا ہے تو میں اس کو اپنی مخلوق کی اس جماعت میں یاد کرتا ہوں جو بندہ کی جماعت سے بہتر اور پاکیزہ ہوتی ہے۔

آیا ذکر بالسر افضل ہے یا ذکر بالجہر؟

اس مسئلہ میں متقدمین کا اختلاف ہے، پس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کا اپنے دل میں ذکر کروں یہ میرے نزدیک اس سے زیادہ پسندیدہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا ذکر اپنی زبان سے ستر مرتبہ کروں۔

اور دوسرے علماء نے کہا: اللہ تعالیٰ کا زبان سے ذکر کرنا افضل ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: جب تک بندہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا رہے تو وہ نماز میں ہوتا ہے خواہ وہ بازار میں ہو، اور اگر اس ذکر کے ساتھ اس کی زبان حرکت کرے اور ہونٹ حرکت کریں تو وہ زیادہ عظیم ہے۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۲۰۴)

امام ابن جریر طبری نے کہا ہے کہ نوافل کو چھپا کر پڑھنا نوافل کو ظاہر پڑھنے سے زیادہ افضل ہے، اس شخص کے لیے جو امام نہ ہو جس کی اقتداء کی جائے، اور اگر کسی ایسی محفل میں ہو جس میں لوگ اللہ کے ذکر کے علاوہ باتیں کر رہے ہوں یا بازار میں ہوں تو وہ زبان سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے تو یہ دکھاوے سے زیادہ محفوظ ہے۔

اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''بہترین رزق وہ ہے جو کافی ہو اور بہترین ذکر وہ ہے جو مخفی ہو''۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۱۷۲، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۸۶، مسند ابویعلیٰ ج ۲ ص ۸۱۔ ۸۲، شعب الایمان ج ۱ ص ۴۰۷، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۸۱)

اور جو شخص تنہائی میں ہو اسے چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کا دل سے بھی ذکر کرے اور زبان سے بھی ذکر کرے، کیونکہ دونوں اعضاء کا اللہ کے ذکر میں مشغول ہونا یہ ایک عضو کے مشغول ہونے سے بہتر ہے اور اسی طرح جب تین اعضاء اس کی عبادت میں مشغول ہوں تو یہ دو اعضاء کے مشغول ہونے سے افضل ہے اور جتنے اعضاء اس کی عبادت میں زیادہ مشغول ہوں گے اس کی اتنی زیادہ فضیلت ہوگی۔ (شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۴۴۲۔ ۴۴۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

حدیث مذکور کی شرح از علامہ کورانی حنفی

علامہ احمد بن اسماعیل بن عثمان بن محمد الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کا بندہ کے گمان کے مطابق ہونا

اس حدیث میں ارشاد ہے کہ ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں اپنے بندہ کے اس گمان کے مطابق ہوں جو وہ میرے متعلق گمان رکھتا ہے'' پس اگر بندہ یہ گمان کرے کہ میں اس کے گناہوں کو بخش دوں گا تو میں ایسا کروں گا اور اگر وہ اس کے خلاف گمان کرے تو پھر میں ویسا کروں گا، اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسنِ ظن رکھنا چاہیے، کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے کہ کوئی عقل والا یہ حدیث سنے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اچھا گمان نہ کرے، اور حدیث میں ہے: ''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک نہ مرے جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اچھا گمان نہ رکھتا ہو''۔ (صحیح مسلم: ۲۶۷۵، سنن ترمذی: ۳۳۸۸)

بعض علماء نے کہا: یہ گمان موت کے وقت ہونا چاہیے لیکن تندرستی کی حالت میں اس پر خوف کی جانب غالب رہنی چاہیے۔

اور بعض مشائخ نے کہا ہے: حدیث کے الفاظ تمام اوقات میں عام ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو یہ علم نہیں ہے کہ بندہ کی موت کس وقت آئے گی، پس واجب ہے کہ تمام اوقات میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن رکھا جائے اور اس پر یہ حدیث دلالت کرتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ سے دعا کرو اس حال میں کہ تمہیں اس دعا کے قبول ہونے کا یقین ہو"۔ (سنن ترمذی: ۳۴۷۹)

اس حدیث میں مذکور ہے "اگر بندہ اپنے دل میں میرا ذکر کرے یعنی تنہائی میں تو میں بھی اس کا تنہائی میں ذکر کرتا ہوں اور اگر وہ کسی جماعت میں میرا ذکر کرے تو میں اس سے بہتر جماعت میں اس کا ذکر کرتا ہوں"۔

اور وہ بہترین جماعت کروبیین اور ملائکہ مقربین کی ہے، اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ فرشتے انبیاء علیہم السلام پر افضل ہوں، کیونکہ انبیاء علیہم السلام تمام دلائل سے اس سے خارج ہیں، علاوہ ازیں اس میں کوئی دلالت نہیں ہے کیونکہ ذکر کرنے والے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور یہ بعید ہے کہ آپ کے سامنے وہ ہو جو آپ کا تابع نہ ہو۔

نیز اس حدیث میں ارشاد ہے "اگر بندہ میرے ایک بالشت قریب ہو تو میں ایک ہاتھ قریب ہوتا ہوں اور اگر بندہ میرے پاس چلتا ہوا آئے تو میں دوڑتا ہوا آتا ہوں"۔

اس ارشاد سے معقول کو محسوس کی صورت میں بیان کرنا مراد ہے اور خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ کی دعا بہت جلد قبول فرماتا ہے اور تھوڑا عمل قبول فرماتا ہے اور اس پر عظیم ثواب عطا فرماتا ہے، اور یہ شرح متاخرین کے طریقہ پر ہے جو متشابہات کی تاویل کرتے ہیں، اور متقدمین اس کی مثالوں میں غور کرنے سے ساکت ہوتے ہیں، یعنی وہ متشابہات کی تاویل نہیں کرتے۔

(الکوثر الجاری ج ۱۱ ص ۲۱۷۔ ۲۱۸، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۷۴۰۵، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بندہ کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ گمان کے معانی اور محامل

علامہ کرمانی نے کہا ہے: اس حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ امید کی جانب کو خوف کی جانب پر ترجیح ہے کیونکہ عاقل جب اس کو سنے گا تو وعید کے واقع ہونے کا گمان نہیں کرے گا اور یہ جانب خوف ہے، کیونکہ وہ اپنے نفس کے لیے وعید کو پسند نہیں کرے گا بلکہ وہ وعد کے وقوع کے ظن کی طرف رجوع کرے گا اور یہی جانب الرجاء ہے، اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

امام مسلم حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: "تم میں سے کوئی شخص صرف اس حال میں مرے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے حسن ظن رکھتا ہو"۔ علامہ ابن ابی جمرہ نے کہا ہے: ظن سے مراد یہاں پر علم ہے یعنی یقین، جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَّ عَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَ ضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَ ظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ

اور اس نے ان تین شخصوں کی توبہ (بھی) قبول فرمائی جن کا معاملہ مؤخر کر دیا گیا تھا، حتیٰ کہ جب زمین اپنی وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہوگئی اور خود ان کی جانیں بھی ان پر تنگ ہوگئیں اور

لِيَتُوبُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝ ۔ (التوبہ:۱۱۸) انہوں نے یہ یقین کر لیا کہ اللہ کے سوا ان کی کوئی جائے پناہ نہیں ہے، پھر ان کی توبہ قبول فرمائی تا کہ وہ توبہ پر قائم رہیں، بے شک اللہ بہت توبہ قبول فرمانے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے O

اور علامہ القرطبی نے المفہم میں کہا ہے: بندہ کے میرے ساتھ گمان کا معنی یہ ہے کہ جب وہ مجھ سے دعا کرے تو یہ گمان رکھے کہ اس کی دعا مستجاب ہوگی، اور جب وہ توبہ کرے تو یہ گمان رکھے کہ اس کی توبہ قبول ہوگی۔ اور جب وہ عبادت کے افعال انجام دے جب کہ عبادت اپنی شرائط کے مطابق ہو تو یہ گمان کرے کہ اللہ تعالیٰ اس عبادت کے اوپر جزاء عطا فرمائے گا اور اپنے وعدہ کو سچا فرمائے گا، اور علامہ قرطبی نے کہا: اس کی تائید دوسری حدیث سے ہوتی ہے جس میں ارشاد ہے ''تم اللہ تعالیٰ سے اس حال میں دعا کرو کہ تمہیں دعا کے مستجاب ہونے کا یقین ہو'' اسی لیے بندہ کو چاہیے کہ وہ نماز میں قیام کی کوشش کرے اور یہ یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ اس کے قیام کو قبول فرمائے گا اور اس کی مغفرت فرمائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کا وعدہ فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔ پس اگر اس نے یہ اعتقاد کیا یا یہ گمان کیا کہ اللہ تعالیٰ اس کی عبادت کو قبول نہیں کرے گا تو پھر یہ عبادت اس کو نفع نہیں دے گی اور یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوسی ہے اور یہ گناہِ کبیرہ ہے، اور جو شخص اسی حال میں مر گیا تو اس کو اس کے گمان کے سپرد کر دیا جائے گا جیسا کہ حدیثِ مذکور میں ہے ''پس بندہ میرے ساتھ جو چاہے گمان کرے''۔

رہا کوئی شخص گناہوں پر اصرار کرے اور پھر مغفرت کا گمان رکھے تو یہ محض جہالت ہے اور دھوکا ہے، اور یہ انسان کو المرجئہ کے مذہب کی طرف لے جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی معیت کا معنی اور محمل

اس حدیث میں مذکور ہے ''اور میں بندہ کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ میرا ذکر کرتا ہے''۔ اس کا معنی یہ ہے کہ میں اپنے علم سے اس کے ساتھ ہوتا ہوں اور یہ اس آیت کی مثل ہے:

قَالَ لَا تَخَافَا إِنَّنِي مَعَكُمَا أَسْمَعُ وَأَرَىٰ ۝ فرمایا: تم دونوں مت ڈرو بے شک میں تم دونوں کے ساتھ ہوں، (طٰہٰ:۴۶) میں سن رہا ہوں اور دیکھ رہا ہوں O

علامہ ابن ابی جمرہ نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ بندہ کے ساتھ ہوتا ہے جیسا وہ میرے ذکر سے قصد کرتا ہے، پھر علامہ ابن ابی جمرہ نے کہا: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ذکر فقط زبان سے ہو یا فقط دل سے ہو یا زبان اور دل دونوں سے ہو یا ذکر سے مراد یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرے گا اور جس سے اس نے منع کیا ہے اس سے باز رہے گا، پھر علامہ ابن ابی جمرہ نے کہا: جس چیز پر احادیث کی دلالت ہے وہ یہ ہے کہ ذکر کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ ذکر ہے کہ جس میں ذکر کرنے والے کے لیے اس کی جزاء کا یقین ہوتا ہے اور دوسری وہ ہے جس میں جزاء کی امید ہوتی ہے، اور ذکر کی پہلی قسم اس آیت سے مستفاد ہے:

فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۝ (الزلزلۃ:۷) سو جو ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اس کا صلہ دیکھے گا O

اور دوسری کی مثال اس حدیث سے مستفاد ہے ''جس شخص کو اس کی نماز بے حیائی اور برے کاموں سے نہ روکے تو اس کی یہ نماز اس کو اللہ تعالیٰ سے زیادہ دور کرتی ہے''۔ لیکن اگر وہ نافرمانی اور گناہوں کے ارتکاب کے حال میں اللہ عزوجل سے ڈرتا ہو اور

اپنے برے کاموں پر شرمندہ اور خائف ہو تو اس کے لیے مغفرت کی امید کی جائے گی۔

بندہ کے ذکر اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کا فرق

اس حدیث میں مذکور ہے ''اگر بندہ اپنے نفس میں میرا ذکر کرے تو میں بھی اس کا اپنے نفس میں ذکر کرتا ہوں''۔
یعنی اگر بندہ تنزیہہ اور تقدیس کے ساتھ تنہائی میں مجھے یاد کرے تو میں بھی ثواب اور رحمت کے ساتھ تنہائی میں اس کا ذکر کرتا ہوں۔

علامہ ابن ابی جمرہ نے کہا: ہوسکتا ہے کہ یہ اس آیت کی مثل ہو:

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ (البقرہ:۱۵۲) سوتم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔

اس کا معنی یہ ہے کہ تم مجھے تعظیم سے یاد کرو تو میں تم کو انعام کے ساتھ یاد کروں گا۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ (العنکبوت:۴۵) اور اللہ کا ذکر بہت بڑا ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ کا ذکر سب سے بڑی عبادت ہے، پس جس نے اللہ تعالیٰ کا اس حال میں ذکر کیا کہ وہ خوف زدہ تھا تو اللہ تعالیٰ اس کو امن میں رکھے گا اور جس نے اس حال میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کہ وہ گھبرایا ہوا تھا تو اللہ تعالیٰ اس کو پرسکون کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ ﴿۲۸﴾ (الرعد:۲۸) سنو! اللہ کے ذکر سے ہی دل مطمئن ہوتے ہیں O

بشر اور انسان کے درمیان افضلیت میں مذاہب

اس حدیث میں ذکر ہے ''اگر بندہ نے میرا ذکر جماعت میں کیا تو میں بندہ کا ذکر اس سے بہتر جماعت میں کروں گا''۔
بعض اہلِ علم نے کہا: اس حدیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ ذکرِ خفی ذکرِ جہری سے افضل ہے اور اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ اگر بندہ نے اپنے دل میں میرا ذکر کیا تو میں اس کا ذکر ایسے ثواب سے کروں گا جس پر کوئی شخص مطلع نہیں ہوگا، اور اگر بندہ نے میرا ذکر بلند آواز سے کیا تو میں اس کا ذکر اس ثواب سے کروں گا جس کے اوپر ملأ اعلیٰ مطلع ہوں گے۔

علامہ ابن بطال نے کہا: اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ فرشتے بنو آدم سے افضل ہیں اور یہ جمہور اہلِ علم کا مذہب ہے۔
اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ جمہور اہلِ سنت کا معروف مذہب یہ ہے کہ بنو آدم میں سے صالحین تمام اجناس سے افضل ہیں، اور جن کا یہ مذہب ہے کہ فرشتے افضل ہیں وہ فلاسفہ ہیں یا پھر معتزلہ ہیں، اور بہت کم اہلِ سنت میں سے ہیں جو اہلِ تصوف ہیں اور بعض اہل الظاہر ہیں، پس انہوں نے کہا: فرشتے کی حقیقت انسان کی حقیقت سے افضل ہے کیونکہ فرشتہ نورانی ہے اور خیر ہے اور لطیف ہے اور اس کو وسیع علم حاصل ہے اور وسیع قوت ہے اور اس کا جوہر صاف ہے۔
اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ فرشتوں میں سے ہر ہر فرد افضل ہو کیونکہ ہوسکتا ہے بعض انسانوں میں بھی یہ صفات ہوں اور جمہور میں سے بعض نے یہ کہا کہ یہ اختلاف نیک انسانوں اور ملائکہ کے درمیان ہے اور بعض نے کہا کہ یہ اختلاف انبیاء کے ساتھ خاص ہے اور بعض نے فرشتوں کو غیر انبیاء پر فضیلت دی اور بعض نے فرشتوں کو انبیاء پر بھی فضیلت دی سوائے ہمارے نبی سیدنا محمد

صلی اللہ علیہ وسلم کے۔

نبی کی فرشتوں پر فضیلت کے دلائل

(۱) اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں اور یہ سجدہ بطور تکریم اور تعظیم تھا حتیٰ کہ ابلیس نے کہا:

قَالَ اَرَءَیْتَكَ هٰذَا الَّذِیْ كَرَّمْتَ عَلَیَّ (بنی اسرائیل:۶۲) اس نے کہا: اچھا دیکھ لے جس کو تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قَالَ یٰۤاِبْلِیْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ ؕ (ص ۷۵) فرمایا: اے ابلیس! تجھے اس کو سجدہ کرنے سے کس چیز نے روکا جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا تھا؟

اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خاص توجہ اور عنایت کے ساتھ حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھوں سے پیدا فرمایا۔

(۳) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ ﴿۳۳﴾ (آل عمران:۳۳) بے شک اللہ نے آدم کو اور نوح کو اور آل ابراہیم کو اور آل عمران کو (ان کے زمانہ میں) تمام جہانوں پر بزرگی دی O

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے متعلق فرمایا کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے تمام جہانوں پر فضیلت دی ہے اور تمام جہانوں میں فرشتے بھی داخل ہیں، اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو فرشتوں پر فضیلت دی ہے۔

(۴) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۳﴾ (الجاثیہ:۱۳) اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے، سب کو اس نے اپنی طرف سے تمہارے فوائد کے تابع کر دیا ہے، بے شک اس میں غور وفکر کرنے والے لوگوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں O

اس آیت میں فرمایا ہے "جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے اس کو ہم نے تمہارے فوائد کے لیے مسخر کر دیا ہے" اور آسمانوں اور زمینوں کے عموم میں فرشتے بھی داخل ہیں اور جس کے لیے مسخر کیا گیا ہو وہ مسخر سے افضل ہوتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ انسان فرشتوں سے افضل ہیں۔

انسانوں کے فرشتوں سے افضل ہونے پر عقلی دلائل

فرشتے جو عبادت کرتے ہیں وہ اصل خلقت کے اعتبار سے ہے اور بشر جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے وہ اپنے نفس سے جہاد کر کے عبادت کرتا ہے کیونکہ بشر کی طبیعت کے اندر شہوت رکھی گئی ہے اور حرص کو رکھا گیا ہے اور خواہشات کو اور غضب کو رکھا گیا ہے، اور یہ تمام چیزیں انسان کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے سے مزاحم ہوتی ہیں، اس لیے انسانوں کا اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا فرشتوں کی بہ نسبت دشوار ہے، نیز فرشتوں کی عبادت اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو عبادت کا حکم دیا ہے اور بشر کی عبادت کبھی نص صریح سے ہوتی ہے اور کبھی وہ اپنے اجتہاد سے عبادت کرتا ہے اور کبھی آیات اور احادیث سے مسائل کا استنباط کر کے عبادت کرتا ہے تو یہ زیادہ دشوار ہے، نیز فرشتے شیطان کی وسوسہ اندازی سے محفوظ اور سلامت ہیں اور بشر کے اوپر شیطان وسوسے ڈالتا ہے اور اس کو

عبادت سے دور کرتا ہے، نیز فرشتے حقائقِ ملکوت کا مشاہدہ کرتے ہیں اور بشر صرف اسی چیز کو پہچانتا ہے جس کی اسے خبر دی گئی ہے، پس بشر اس سے محفوظ نہیں ہے کہ اس پر یہ شبہ ڈالا جائے کہ زمین و آسمان کا نظام ستاروں کی اور افلاک کی حرکت سے چل رہا ہے سوا ان بشروں کے جو اپنے دین پر ثابت قدم ہیں اور یہ ثابت قدمی بغیر مشقتِ شدیدہ اور مجاہداتِ کثیرہ کے حاصل نہیں ہوتی۔

میں کہتا ہوں: انسانوں میں اللہ تعالیٰ نے بھوک اور پیاس رکھی ہے اور بھوک اور پیاس کو مٹانے کے لیے انہیں روزی کمانے کا مکلف کیا ہے، سوان کا روزی کمانے کے ساتھ ساتھ اپنی بھوک پیاس کو مٹا کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا فرشتوں کی عبادت سے افضل ہے کیونکہ فرشتوں میں اللہ تعالیٰ نے بھوک اور پیاس نہیں رکھی، اسی طرح انسانوں میں اللہ تعالیٰ نے انواع واقسام کی بیماریاں پیدا کی ہیں اور ان بیماریوں کی وجہ سے بسا اوقات وہ صحیح طریقہ سے عبادت نہیں کر پاتا جب کہ فرشتوں میں اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری نہیں رکھی تو انسان کا ان بیماریوں کے باوجود اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا فرشتوں کی عبادت سے افضل ہے جن میں کوئی بیماری نہیں ہوتی، نیز فرشتوں پر کسی اور کی کفالت کی ذمہ داری نہیں ہے اور انسانوں پر یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کی کفالت کریں، وہ اپنی بیوی اور بچوں کی کفالت کریں، سوان تمام ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے ساتھ ساتھ انسان کا اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا فرشتوں کی عبادت سے کہیں افضل ہے جن کے اوپر کسی اور کی کفالت کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے، ان وجوہِ عقلیہ سے ثابت ہوا کہ انسان کی عبادت فرشتوں کی عبادت سے افضل ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

نیز حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

فرشتوں کی افضلیت کی دلیل کا ایک جواب

بعض علماء نے اس سے استدلال کیا ہے کہ اس حدیث میں ہے کہ "بندہ جب ایک جماعت میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے افضل جماعت میں بندہ کا ذکر کرتا ہے"، اگر اس جماعت سے مراد وہ جماعت لی جائے جس میں فرشتے ہیں تب تو یہ دلیل قائم ہوتی ہے کہ فرشتے انسانوں سے افضل ہیں لیکن اگر اس جماعت سے مراد وہ ہوں جن میں انبیاء علیہم السلام اور شہداء ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زندہ ہیں تو اب یہ جماعت فرشتوں میں منحصر نہیں ہے۔

اور اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے افضل جماعت میں ذکر کرتا ہے اور اس جماعت میں خود اللہ عزوجل بھی موجود ہے تو جس جماعت میں اللہ عزوجل بھی موجود ہو وہ بلا شبہ اس جماعت سے افضل ہے جس جماعت میں اللہ عزوجل موجود نہیں ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: یہ جواب صرف میرے لیے ظاہر ہوا ہے اور میرا گمان یہ ہے کہ میں اس جواب میں منفرد ہوں، پھر میں نے دیکھا کہ قاضی کمال الدین نے بھی ایسا ہی جواب دیا ہے۔

فرشتوں کے انبیاء علیہم السلام سے افضل ہونے پر معتزلہ کے دلائل

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰىلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝ (البقرہ:۹۸)

جو شخص اللہ کا، اس کے فرشتوں کا، اس کے رسولوں کا اور جبریل اور میکائیل کا دشمن ہے تو اللہ کافروں کا دشمن ہے ۝

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذکر کو رسولوں کے ذکر پر مقدم فرمایا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ فرشتے رسولوں سے افضل ہیں۔ نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (آل عمران:۱۸)

اللہ نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، اور فرشتوں نے اور علماء نے (شہادت دی) درآں حالیکہ وہ (اللہ) عدل کے ساتھ نظام قائم کرنے والا ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، وہ بہت غلبہ والا حکمت والا ہے O

اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے بعد فرشتوں کا ذکر فرمایا ہے اور انبیاء علیہم السلام کا ذکر نہیں فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ فرشتے انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں۔ نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَللّٰهُ يَصْطَفِىْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ (الحج:۷۵)

اللہ فرشتوں میں سے رسولوں کو چن لیتا ہے اور انسانوں میں سے، بے شک اللہ بہت سننے والا بہت دیکھنے والا ہے O

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسلِ ملائکہ کا ذکر مقدم کیا ہے اور اس کے بعد رسلِ بشر کا ذکر فرمایا ہے، اس سے بھی معلوم ہوا کہ فرشتے انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں۔

آیاتِ مذکورہ سے استدلال کا جواب

ان آیات سے استدلال کا جواب یہ ہے کہ محض کسی کو ذکر میں مقدم کرنا اس کی فضیلت کو مستلزم نہیں ہوتا کیونکہ مقدم کرنے کی وجہ صرف فضیلت میں منحصر نہیں ہے بلکہ اس کے اور بھی اسباب ہوتے ہیں مثلاً جس کا پہلے ذکر کیا ہے اس کا زمانہ مقدم ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۪ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا (الاحزاب:۷)

اور یاد کیجئے جب ہم نے تمام نبیوں سے عہد لیا اور آپ سے اور نوح سے اور ابراہیم سے اور موسیٰ سے اور عیسیٰ بن مریم سے اور ہم نے ان سے بہت پکا عہد لیا O

اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر ہے حالانکہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام سے افضل ہیں، تو معلوم ہوا کہ حضرت نوح علیہ السلام کا پہلے ذکر کرنا فضیلت کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس وجہ سے ہے کہ ان کا زمانہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے تھا۔

فرشتوں کے انبیاء علیہم السلام سے افضل ہونے پر ایک اور دلیل

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ

مسیح اللہ کا بندہ ہونے میں ہرگز عار نہیں سمجھیں گے اور نہ مقرب فرشتے، اور جو لوگ اللہ کی عبادت کرنے میں عار سمجھیں اور تکبر

فَسَيَحْشُرُهُمْ إِلَيْهِ جَمِيعًا ﴿۱۷۲﴾ (النساء:۱۷۲) کریں تو اللہ ان سب کو اپنے سامنے جمع کرے گا O

علامہ الزمخشری المعتزلی نے اس آیت سے فرشتوں کی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر فضیلت کو ثابت کرنے میں بہت مبالغہ کیا اور انہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ اس آیت کی اس مطلوب پر دلالت قطعی ہے کیونکہ علمِ معانی کے اسلوب کے مطابق اس آیت میں ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہے یعنی جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بندہ ہونے میں عار نہیں سمجھتے اور نہ مقرب فرشتے عار سمجھتے ہیں یعنی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے زیادہ بلند درجہ کے ہیں اور وہ ملائکہ کروبیون ہیں جو کہ عرش کے گرد ہیں جیسے حضرت جبریل، حضرت میکائیل اور حضرت اسرافیل۔

علامہ زمخشری نے کہا کہ علمِ معانی کا تقاضا اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کیونکہ یہ کلام نصاریٰ کے رد میں لایا گیا ہے، کیونکہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں بہت غلو کرتے تھے تو ان سے کہا گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بندہ ہونے میں عار نہیں سمجھتے تھے اور نہ وہ اللہ تعالیٰ کی بندگی میں عار سمجھتے تھے جو عیسیٰ علیہ السلام سے بلند درجہ کے تھے تو اس سے معلوم ہوا کہ ملائکہ مقربین حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بلند درجہ کے ہیں۔

دلیلِ مذکور کا جواب

اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ ترقی سے متنازع فیہ فضیلت لازم نہیں آتی، کیونکہ فرشتوں کی اور حضرت مسیح علیہ السلام کی اللہ کے سوا عبادت کی گئی تو ان پر یہ رد کیا گیا کہ مسیح علیہ السلام جن کا تم مشاہدہ کرتے ہو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں تکبر نہیں کیا، اسی طرح جو تم سے غائب ہیں یعنی فرشتے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے میں تکبر نہیں کرتے، کیونکہ حضرت مسیح علیہ السلام کی جن صفات کی وجہ سے دنیا میں عبادت کی گئی وہ یہ ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام دنیا سے بے رغبتی کرتے تھے اور غیب کی خبروں پر مطلع تھے اور اللہ کے اذن سے مردوں کو زندہ کرتے تھے اور یہ تمام صفات ملائکہ میں بھی موجود ہیں، پس اگر ان صفات کا تقاضا یہ ہو کہ جو ان صفات کا حامل ہے اس کی عبادت کی جائے تو فرشتوں کی عبادت بطریقِ اولیٰ ہونی چاہیے تھی، اور اس کے باوجود فرشتے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے میں عار نہیں سمجھتے، اور اس ترقی سے یہ لازم نہیں آتا کہ فرشتے انبیاء علیہم السلام سے افضل ہوں۔

قاضی بیضاوی نے کہا: النساء: ۱۷۲ میں حضرت مسیح پر جو ملائکہ مقربون کا عطف کیا ہے تو اس عطف سے بعض لوگوں نے یہ زعم کیا کہ فرشتے انبیاء سے افضل ہیں۔

قاضی بیضاوی نے کہا: یہ آیت نصاریٰ پر رد کرنے کے لیے لائی گئی ہے کہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام کو مقامِ عبودیت سے بلند سمجھتے تھے اور اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت ان کے رد کے لیے لائی گئی ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام اور فرشتوں کی عبادت کرتے ہیں، پس اس عطف سے مبالغہ کا ارادہ کیا گیا ہے نہ کہ تفضیل کا۔

اور علامہ طیبی نے کہا: اس آیت سے استدلال اس وقت مکمل ہوگا جب یہ مان لیا جائے کہ یہ آیت صرف نصاریٰ پر رد کرنے کے لیے لائی گئی ہے، پس یہ کہنا صحیح ہوگا کہ حضرت مسیح علیہ السلام عبودیت سے عار نہیں سمجھتے اور نہ جو ان سے زیادہ بلند ہو وہ عبودیت میں عار سمجھتا ہے، اور یہ دلیل اس پر موقوف ہے کہ نصاریٰ مسیح پر ملائکہ کی فضیلت کا اعتقاد رکھتے ہوں، جب کہ نصاریٰ کا یہ عقیدہ نہیں تھا بلکہ نصاریٰ حضرت مسیح علیہ السلام میں الوہیت کا عقیدہ رکھتے تھے، لہٰذا اس آیت سے ان لوگوں کی دلیل نہیں قائم ہوگی جو ملائکہ کے انبیاء

علیہم السلام کے اوپر فضیلت کا عقیدہ رکھتے ہوں بلکہ یہ آیت تعمیم اور مبالغہ کے لیے ہے ترقی کے لیے نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِكُمْ وَ لَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ اِنَّمَا الْمَسِیْحُ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ كَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰىهَاۤ اِلٰى مَرْیَمَ وَ رُوْحٌ مِّنْهُ ٘ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ ۚ وَ لَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ؕ اِنْتَهُوْا خَیْرًا لَّكُمْ ؕ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبْحٰنَهٗۤ اَنْ یَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِیْلًا۠ (النساء:۱۷۱)

اے اہلِ کتاب! تم اپنے دین میں حد سے تجاوز نہ کرو اور اللہ کے متعلق حق کے سوا اور کچھ نہ کہو، مسیح عیسیٰ ابن مریم تو صرف اللہ کا رسول اور اس کا کلمہ ہے، جس کو اس نے مریم کی طرف القا کیا اور اس کی روح ہے، سو تم اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور یہ نہ کہو کہ تین (معبود) ہیں، (اس قول سے) باز رہو یہ تمہارے لیے بہتر ہے، صرف اللہ ہی واحد مستحقِ عبادت ہے، وہ اس سے پاک ہے کہ اس کی کوئی اولاد ہو، اسی کی ملک میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے، اور اللہ کافی کارساز ہے O

اللہ تعالیٰ نے النساء:۱۷۱ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معبود ہونے کا رد فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ یہ نہ کہو کہ اللہ تین ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ واحد لاشریک ہے، اور عیسیٰ علیہ السلام معبود کیسے ہو سکتے ہیں جب کہ نہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے میں عار سمجھتے ہیں اور نہ مقرب فرشتے، پس اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت اور مالکیت اور قدرتِ تامہ کا ذکر کیا پھر بتایا کہ مسیح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے میں عار نہیں سمجھتے جن کو تم نے اپنا معبود بنا رکھا ہے اور نہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے میں عار سمجھتے ہیں جن کو تمہارے علاوہ دوسرے لوگوں نے معبود بنا رکھا ہے کیونکہ وہ فرشتوں میں کمال کا اعتقاد رکھتے ہیں۔

علامہ بغوی نے کہا ہے: اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ملائکہ مقربین کا ذکر اس لیے نہیں فرمایا کہ ملائکہ مقربین عیسیٰ علیہ السلام سے افضل ہیں بلکہ ان لوگوں کا رد کرنے کے لیے فرمایا ہے جو ملائکہ مقربین کو معبود سمجھتے ہیں، اور ان پر بھی رد فرمایا جیسا کہ ان نصاریٰ پر رد فرمایا جو تثلیث کے مدعی تھے یعنی تین خدا مانتے تھے، اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم کو بھی خدا مانتے تھے۔

فرشتوں کے انبیاء علیہم السلام سے افضل ہونے پر ایک اور دلیل اور اس کا جواب

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ لَّاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآىٕنُ اللّٰهِ وَ لَاۤ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَ لَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّیْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤى اِلَیَّ ؕ قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الْاَعْمٰى وَ الْبَصِیْرُ ؕ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ۠ (الانعام:۵۰)

آپ کہیے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں از خود غیب جانتا ہوں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں، میں صرف اسی چیز کی پیروی کرتا ہوں جس کی میری طرف وحی کی جاتی ہے، آپ کہیے: کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہے، کیا تم غور نہیں کرتے۔

اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فرشتہ ہونے کی نفی کی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ فرشتے انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نفی اس لیے کی ہے کہ مشرکینِ مکہ نے آپ سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ آپ خزانے نکالیں اور غیب کا علم بتائیں اور یہ کہ آپ فرشتہ کی صفت اختیار کریں کہ کھانا اور پینا اور جماع کو ترک کر دیں اور انہوں نے یہ اس

لیے کہا تھا کہ ان کا عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مثل بشر کو نہیں بھیجتا تو اس لیے آپ نے اس کی نفی کی کہ آپ فرشتے ہیں اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ فرشتے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے افضل ہوں، اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ اس لیے کہلوایا کیونکہ وہ یہ کہتے تھے کہ اگر آپ اللہ کے نبی ہیں تو آپ خزانے نکالیں اور غیب کا علم بتائیں اور فرشتوں کی صفات اختیار کریں، تو اللہ تعالیٰ نے یہ کہلوایا کہ میں یہ کب کہتا ہوں کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں (از خود) غیب کو جانتا ہوں اور نہ میں نے تم سے یہ کہا ہے کہ میں فرشتہ ہوں۔

حضرت جبریل علیہ السلام کے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے افضل ہونے کی دلیل اور اس کا جواب

اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کے متعلق فرمایا" اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۝۱۹ ---(التکویر:۱۹)" (بے شک یہ معزز رسول کا قول ہے O)، اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق فرمایا:" وَ مَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ۝۲۲ --- (التکویر:۲۲)" (اور تمہارے نبی مجنون نہیں ہیں O)، اور ان دونوں وصفوں کے درمیان بہت بڑا فرق ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں ان لوگوں کا رد ہے جن کا یہ زعم تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس شیطان آتا ہے، تو اس لیے جبریل علیہ السلام کی یہ صفت بیان کی تا کہ اس سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم ہو، اب اس جگہ کے علاوہ متعدد مواضع اور مقامات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ صفت بیان کی ہے بلکہ اس سے بھی عظیم صفت بیان کی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۲۸ (توبہ:۱۲۸)

بے شک تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک عظیم رسول آگئے ہیں تمہارا مشقت میں پڑنا ان پر بہت شاق ہے تمہاری فلاح پر وہ بہت حریص ہیں مومنوں پر شفیق اور نہایت مہربان ہیں O

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝۱۰۷ (الانبیاء:۱۰۷)

اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے O

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝۴۰ (الاحزاب:۴۰)

محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن وہ اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے O

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۭ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝۵۶ (الاحزاب:۵۶)

بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود پڑھتے ہیں، اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود پڑھو اور بہ کثرت سلام پڑھو O

اور الزمخشری نے انبیاء علیہم السلام پر فرشتوں کی فضیلت ثابت کرنے میں بہت افراط کیا ہے اور بے ادبی سے بات کی ہے اور ایسا کلام کیا ہے جو المقام المحمدی کی تنقیص کو مستلزم ہے، اور ائمہ نے زمخشری کے رد میں بہت مبالغہ کیا ہے اور یہ زمخشری کی بہت بری لغزشوں میں سے ایک لغزش ہے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۵۲۴۔۵۲۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۱۶۔ بَابُ: قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ (القصص:۸۸)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اس کے چہرہ یعنی اس کی ذات کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے''

۷۴۰۶۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عَمْرٍو عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ ﴿قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَى أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِنْ فَوْقِكُمْ﴾ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَعُوذُ بِوَجْهِكَ فَقَالَ ﴿أَوْ مِنْ تَحْتِ أَرْجُلِكُمْ﴾ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَعُوذُ بِوَجْهِكَ قَالَ ﴿أَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا﴾ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ هَذَا أَيْسَرُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد بن زید نے حدیث بیان کی از عمرو از حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

''آپ کہیے کہ وہی اس پر قادر ہے کہ تم پر تمہارے اوپر سے عذاب بھیجے'' (الانعام:۶۵)

تو نبی ﷺ نے کہا: ''میں تیرے چہرہ یعنی تیری ذات کی پناہ میں آتا ہوں''، پس فرمایا: ''یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے (الانعام:۶۵)'' تو نبی ﷺ نے کہا: ''میں تیرے چہرہ یعنی تیری ذات کی پناہ میں آتا ہوں، فرمایا: ''یا تمہیں مختلف گروہوں میں تقسیم کردے (الانعام:۶۵)'' تو نبی ﷺ نے فرمایا: یہ زیادہ آسان ہے۔

(صحیح البخاری: ۴۶۲۸، ۷۳۱۳، ۷۴۰۶، سنن ترمذی: ۳۰۶۵، مسند احمد: ۱۴۳۰۴)

صحیح البخاری: ۷۴۰۶، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیثِ مذکور کے مشکل الفاظ کے معانی

اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والے عذاب کی اقسام

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ''مِنْ فَوْقِكُمْ'' سے مراد ہے کہ اوپر سے پتھر مار کر تم کو ہلاک کر دیا جائے جیسے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کے اوپر پتھر اوپر سے برسائے گئے اور اصحابِ فیل کے اوپر سنگریزے برسائے گئے۔ (تفسیر زاد المسیر لابن الجوزی ج ۳ ص ۵۹)

اور ''مِنْ تَحْتِ أَرْجُلِكُمْ'' سے مراد ہے زمین میں دھنسا دیا جائے جیسے قارون کو زمین میں دھنسا دیا گیا تھا، یا اس سے مراد ہے جس طرح آلِ فرعون کو سمندر میں غرق کر دیا گیا تھا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ''مِنْ فَوْقِكُمْ'' سے مراد ہے: تمہارے اکابر اور سلاطین۔ اور ''أَوْ مِنْ تَحْتِ أَرْجُلِكُمْ'' سے مراد ہے تمہارے نچلے طبقہ کے لوگ اور تمہارے غلام، اور ایک قول یہ ہے کہ ''مِنْ فَوْقِكُمْ'' سے مراد ہے: بارش کا روک لینا اور ''أَوْ مِنْ تَحْتِ أَرْجُلِكُمْ'' سے مراد ہے: اس سے زمینی پیداوار کو روک لینا۔

نیز اس حدیث میں ہے "اَوْ یَلْبِسَکُمْ شِیَعًا" "شِیَعًا" سے مراد ہے کہ تم کو مختلف فرقوں میں تقسیم کر دے اور تمہارے اندر فتنے اور اختلاف پیدا ہوں اور تم ایک دوسرے کے ہاتھوں تکلیفیں اٹھاؤ۔

امت کا باہمی اختلاف اور فتنے ان کے گناہوں کا کفارہ ہیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ زیادہ آسان ہے" کیونکہ مخلوق کے درمیان جو فتنے ہوں اور عذاب ہو وہ اللہ کے عذاب سے زیادہ آسان ہے اور یہ امت فتنوں میں مبتلاء کی گئی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی تھی کہ آپ کی امت کے اوپر کوئی دوسری قوم غالب نہ آئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آپ کو عطا فرما دیا، اور شاید کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو فتنوں میں اس لیے مبتلاء کیا تا کہ اللہ تعالیٰ ان فتنوں کو امت کے گناہوں کا کفارہ بنا دے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۲ ص ۳۳۰۔۳۳۱، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

نیز علامہ ابن ملقن لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے لیے چہرہ کا محال ہونا

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "اعوذ بوجهك" اس کا معنی ہے: میں تیرے چہرہ کی پناہ میں آتا ہوں، اس حدیث سے بعض لوگوں نے یہ استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا چہرہ ہے اور وہ اس کی ذات کی صفت ہے اور یہ محال ہے کہ جس طرح ہمارا ظاہری چہرہ ہوتا ہے اس طرح اللہ تعالیٰ کا چہرہ ہو، اور جس طرح اللہ تعالیٰ کو حی اور عالم کہا جاتا ہے، اور یہ اس معنی میں نہیں ہوتا جس طرح مخلوق زندہ ہوتی ہے اور عالم ہوتی ہے۔ اور یہ جائز نہیں ہے کہ کہا جائے کہ اس کا ایک چہرہ ہے جو ظاہری عضو کی طرح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے لیے اعضاء کے ساتھ متصف ہونا محال ہے اور امت کا اس پر اجماع ہے کہ یہ نہیں کہا جائے گا "یا وجه اغفرلی" پس اللہ تعالیٰ کا چہرہ ہے لیکن وہ مخلوق کے چہرہ میں سے کسی کے مماثل نہیں ہے اور اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۳ ص ۲۵۳۔۲۵۴، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

تنبیہ: یہ وہی شرح ہے جو علامہ ابن بطال نے کی ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۴۴۳۔۴۴۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۷۴۰۶، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ "وجہ" کے معانی

"وجہ" سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات مقدسہ ہے۔

علامہ راغب اصفہانی نے کہا ہے: لفظ "الوجه" کا اصل معنی عضو معروف ہے یعنی چہرہ، اور چونکہ چہرہ ظاہر بدن میں سامنے ہوتا ہے تو اس کا استعمال ہر اس چیز میں کیا گیا جو سامنے اور بالمقابل ہو۔ "وجه النهار" کا معنی ہے: دن کا ظاہری حصہ، اور بسا اوقات "الوجه" کا اطلاق ذات پر کیا جاتا ہے جیسے کہتے ہیں "کرم الله وجهه" یعنی اللہ تعالیٰ اس کی ذات کو مکرم رکھے۔ اسی

طرح اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

وَّیَبْقٰی وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ (الرحمٰن:۲۷) اور آپ کے رب کی ذات باقی ہے جو عظمت اور بزرگی والا ہےO

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

كُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ (القصص:۸۸) اس کی ذات کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے۔

علامہ الکرمانی نے کہا ہے: ''الوجہ'' سے مراد اس آیت میں یا حدیث میں یا اللہ تعالیٰ کی ذات ہے یا اللہ تعالیٰ کا وجود ہے، کیونکہ ''وجہ'' کو عضو معروف پر محمول کرنا محال ہے، پس اس میں تاویل یا تفویض متعین ہوگئی، تاویل سے مراد یہ ہے کہ وجہ سے مراد ذات کو لیا جائے اور تفویض کا معنی یہ ہے کہ اس میں تاویل نہ کی جائے بلکہ اس کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا جائے۔

امام بیہقی نے کہا: قرآن اور سنت صحیحہ میں الوجہ کا بہ کثرت ذکر ہے، بعض مقامات پر اس سے صفتِ ذات مراد ہے جیسے حدیث میں ہے: ''الا رداء الكبرياء على وجهه'' سوائے بڑائی کی چادر کے جو اس کی ذات پر ہے، اور بعض مقامات پر الوجہ کا معنی ہوتا ہے اجل (خاطر) جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ (الدہر:۹) ہم تم کو صرف اللہ کی خاطر کھلاتے ہیں۔

اور بعض مقامات پر الوجہ کا معنی ہوتا ہے رضا، جیسے قرآن مجید میں ہے:

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَیْنٰكَ عَنْهُمْ (الکہف:۲۸) اور آپ اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ لازم رکھیں جو صبح اور شام اپنے رب کی رضا چاہتے ہوئے اس کی عبادت کرتے ہیں اور اپنی آنکھیں ان سے نہ ہٹائیں۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓی ۝ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰی ۝ (اللیل:۱۹۔۲۰) اور اس پر کسی کا کوئی (دنیاوی) احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائےO مگر اس کا مال دینا صرف اپنے رب اعلیٰ کی رضا جوئی کے لیے ہےO

پس ان آیات میں قطعی طور پر ''الوجہ'' سے عضو معروف یعنی چہرہ مراد نہیں ہے۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۵۲۵۔۵۲۶، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۱۷۔ بَابُ: قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰی: وَلِتُصْنَعَ عَلٰی عَیْنِیْ (طٰہٰ:۳۹)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''تا کہ میری نظر کے سامنے آپ کی پرورش کی جائے''

تُغَذّٰی

اور آپ کو غذا دی جائے۔

وَقَوْلِهٖ جَلَّ ذِكْرُهٗ: تَجْرِیْ بِاَعْیُنِنَا (القمر:۱۴)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''جو ہماری آنکھوں کے سامنے چل رہی تھی''۔

وَقَوْلِهٖ جَلَّ ذِكْرُهٗ: تَجْرِیْ بِاَعْیُنِنَا (القمر:۱۴)

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے لیے دیکھنے کی صفت کا ثبوت

امام بخاری نے اس باب میں دو آیتوں کا ذکر کیا ہے جو اس پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے جس کا نام اس نے عین رکھا ہے، یہ صفت نہ اس کی ذات کا عین ہے اور نہ غیر ہے، اور یہ ان اعضاء کی طرح نہیں ہے جو ہمارے جسم کے اعضاء ہوتے ہیں، کیونکہ اس پر دلیل قائم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت جوارح اور اعضاء سے کرنا محال ہے، کیونکہ جس چیز کے جوارح اور اعضاء ہوں وہ مرکب ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ ترکیب سے منزہ ہے، اس کے برخلاف المجسمہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جسم ہے لیکن اجسام کی مثل نہیں ہے۔

اس آیت میں ذکر ہے ''وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِىْ'' اس سے مراد ہے تاکہ میری حفاظت میں آپ کی پرورش کی جائے، اور ''عین'' کے لفظ کے بہت معانی ہوتے ہیں۔

امام بخاری نے ''تغذیٰ'' کا لفظ ذکر کیا ہے، یہ ''تصنع'' یعنی پرورش کرنے کی تفسیر ہے، کہا جاتا ہے ''صنعت الفرس'' جب تم اچھی طرح گھوڑے کی حفاظت کرو، اور ''تجری باعیننا'' کا معنی ہے: جو کشتی ہماری آنکھوں کے سامنے چل رہی تھی، اور ''العین'' سے مراد ہے ہماری آنکھوں کے سامنے یا ہماری حفاظت میں، کیونکہ اس سے دلیل مانع ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے آنکھ کا عضو ثابت ہو، اور یہ جمع کا صیغہ تعظیم کے لیے ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۱۵۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

بابِ مذکور کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے جسم سے منزہ ہونے کے دلائل

المجسمہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جسم ہے لیکن اجسام کی طرح نہیں ہے اور انہوں نے ان آیتوں سے استدلال کیا ہے جیسا کہ انہوں نے دوسری آیتوں سے اللہ تعالیٰ کے لیے چہرہ کا اور ہاتھوں کا اثبات کیا ہے، اور حدیث میں اللہ تعالیٰ کے لیے آنے اور دوڑنے کا ذکر ہے تو وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا چہرہ بھی ہے، اس کے ہاتھ بھی ہیں، وہ آتا بھی ہے اور وہ دوڑتا بھی ہے، اور یہ تمام چیزیں باطل ہیں اور کفر ہیں، کیونکہ تمام اجسام اس میں مساوی ہیں کہ وہ حادث ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ حوادث کا قیام محال ہے۔

نیز المجسمہ نے کہا کہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ کانا نہیں ہے اور آپ نے آنکھ کی طرف اشارہ کیا اور المسیح الدجال دائیں آنکھ سے کانا ہے، اور آپ کا ہاتھ سے آنکھ کی طرف اشارہ کرنا اس پر تنبیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آنکھ ہے جیسا کہ باقی آنکھیں ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم دلیل قائم کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لیے جسم ہونا محال ہے، اس لیے آپ نے جو ہاتھ سے آنکھ کی طرف اشارہ کیا تو اس کا وہ معنی لیا جائے گا جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہو اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ میں کوئی نقص نہیں ہے اور اس کی طرح نہیں ہے جو دیکھتا نہ ہو بلکہ اس سے تمام نقائص اور آفات کی نفی کی گئی ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۳ ص ۲۵۵-۲۵۶، ملخصاً)

وملتقطا،وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ،قطر،۱۴۲۹ھ)

باب مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ،اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کا جسمیت سے منزہ ہونا

علامہ الراغب اصفہانی نے کہا ہے: آنکھ کا معنی ہے انسان کا وہ عضو جس سے وہ دیکھتا ہے،اور جو شخص کسی چیز کی حفاظت کر رہا ہو اور اس کی رعایت کر رہا ہو اس کو بھی عین کہا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے ''فلان بعینی'' یعنی فلاں چیز میری حفاظت میں ہے،اور اسی اعتبار سے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا (ہود:۳۷) اور آپ ہماری نگرانی میں ہماری وحی کے موافق کشتی بنائیے۔

یعنی ہم آپ کو دیکھ رہے ہیں اور آپ کی حفاظت کر رہے ہیں۔

امام بیہقی نے کہا ہے: بعض علماء نے کہا کہ العین اللہ تعالیٰ کی ذات کی صفت ہے جیسا کہ ''الوجه'' اس کی ذات کی صفت ہے، اور بعض علماء نے کہا: عین سے مراد ہے دیکھنا، جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ۝ (الطور:۴۸) اور (اے رسول مکرم!) آپ اپنے رب کے حکم پر ثابت قدم رہیں کیونکہ آپ ہماری نگرانی میں ہیں اور جب آپ قیام کریں تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کریں O

اور متکلمین کے ان صفات جیسے العین،الوجہ اور الید کے متعلق تین قول ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ یہ ذات کی صفات ہیں اور یہ قرآن اور حدیث سے ثابت ہیں اور عقل ان کی طرف رہنمائی نہیں پاتی۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ''العین'' صفتِ بصر سے کنایہ ہے اور ''الید'' صفتِ قدرت سے کنایہ ہے،اور ''الوجه'' صفتِ وجود سے کنایہ ہے۔

اور تیسرا قول یہ ہے کہ ان صفات کو اپنے ظاہر پر محمول کیا جائے اور ان سے مراد کو اللہ تعالیٰ کی طرف مفوض کر دیا جائے۔

الشیخ شہاب الدین السہروردی نے اپنی کتاب ''العقیدۃ'' میں لکھا ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں خبر دی ہے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ مستوی ہے اور وہ نازل ہوتا ہے اور اس کا نفس ہے اور ہاتھ ہے اور آنکھ ہے،اس میں تشبیہ کے ساتھ تصرف نہ کیا جائے اور نہ تعطیل کے ساتھ، کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی خبر نہ ہوتی تو کوئی شخص ان الفاظ کے اطلاق کی جرأت نہ کرتا۔

علامہ الطیبی نے کہا: یہی مذہب معتمد ہے اور یہی سلف صالحین کا قول ہے۔اور دوسرے علماء نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں ہے اور نہ آپ کے اصحاب میں سے کسی ایک سے منقول ہے جس میں ان صفات کی تاویل کے وجوب کی تصریح ہو اور نہ تاویل سے منع کیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کا اس پر اتفاق تھا کہ ان صفات کے ساتھ ایمان رکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے جو بھی ارادہ کیا

ہے ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مخلوقات کے ساتھ مشابہت سے تنزیہہ کرنا واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ (الشوریٰ:۱۱)، یعنی اللہ تعالیٰ کی مثل کوئی چیز نہیں ہے، پس جس نے اس کے خلاف کو صحابہ کے بعد واجب کیا اس نے صحابہ کے راستہ کی مخالفت کی اور اللہ ہی سے توفیق طلب کی گئی ہے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۵۲۶۔۵۲۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۴۰۷۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ ذُكِرَ الدَّجَّالُ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ إِنَّ اللهَ لَا يَخْفَى عَلَيْكُمْ إِنَّ اللهَ لَيْسَ بِأَعْوَرَ وَأَشَارَ بِيَدِهٖ إِلَى عَيْنِهٖ وَإِنَّ الْمَسِيحَ الدَّجَّالَ أَعْوَرُ الْعَيْنِ الْيُمْنَى كَأَنَّ عَيْنَهُ عِنَبَةٌ طَافِيَةٌ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جویریہ نے حدیث بیان کی از نافع از حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے سامنے دجال کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ تم پر مخفی نہیں ہے، اور بے شک اللہ تعالیٰ کانا نہیں ہے اور آپ نے اپنے ہاتھ سے اپنی آنکھ کی طرف اشارہ کیا، اور بے شک المسیح الدجال کی دائیں آنکھ کانی ہے، گویا کہ اس کی آنکھ ابھرا ہوا انگور ہے۔

(صحیح البخاری: ۳۴۳۹، صحیح مسلم: ۱۶۹، سنن ترمذی: ۲۲۴۱، مسند احمد: ۶۱۰۹، موطا امام مالک: ۱۷۰۸)

۷۴۰۸۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ أَخْبَرَنَا قَتَادَةُ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسًا رضی الله عنه عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَا بَعَثَ اللهُ مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا أَنْذَرَ قَوْمَهُ الْأَعْوَرَ الْكَذَّابَ إِنَّهُ أَعْوَرُ وَإِنَّ رَبَّكُمْ لَيْسَ بِأَعْوَرَ مَكْتُوبٌ بَيْنَ عَيْنَيْهِ كَافِرٌ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں حفص بن عمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں قتادہ نے خبر دی، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سنا از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جو نبی بھی بھیجا اس نے اپنی امت کو دجال سے ڈرایا وہ کانا کذاب ہے، اور وہ کانا ہے اور بے شک تمہارا رب کانا نہیں ہے، اور اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان ''کافر'' لکھا ہوا ہے۔

(صحیح البخاری: ۷۱۳۱، ۷۴۰۸، صحیح مسلم: ۲۹۳۳، سنن ترمذی: ۲۲۴۵، سنن ابوداؤد: ۴۳۱۶، مسند احمد: ۱۵۹۳)

نبی ﷺ نے اپنی آنکھ کی طرف اشارہ کیا کہ آپ کی آنکھ صحیح تھی جب کہ دجال کی آنکھ کانی ہو گی، اور یہ اس کے دعویٰ الوہیت کے جھوٹے ہونے پر واضح دلیل ہے، کیونکہ اس میں نقص ہے اور اللہ تعالیٰ ہر نقص سے پاک ہے۔

۱۸۔ بَابُ: قَوْلِ اللهِ تَعَالٰى: هُوَ اللهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ (الحشر: ۲۴)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''وہی اللہ ہے خالق، موجد، صورت بنانے والا''

بابِ مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

''الخالق، البارئ، المصور'' کے معانی

علامہ طیبی نے کہا ہے: ایک قول یہ ہے کہ ''الخالق، البارئ، المصور'' یہ تینوں الفاظ مترادفہ ہیں اور یہ وہم ہے، کیونکہ خالق کا لفظ خلق سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے ''التقدیر المستقیم'' یعنی کسی چیز کا صحیح اندازہ کرنا۔ اور اس کا اطلاق الابداع پر کیا جاتا ہے، یعنی کسی چیز کو بغیر مثال کے موجود کرنا اور بنانا جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ (الانعام: ۷۳) جس نے آسمانوں اور زمینوں کو برحق پیدا کیا۔

اور خلق کا اطلاق تکوین پر بھی کیا جاتا ہے جیسے قرآن مجید میں ہے:

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ (النحل: ۴) اسی نے انسان کو نطفہ سے پیدا کیا۔

اور ''البارئ'' کا لفظ البرئ سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے: کسی چیز کا دوسری چیز سے خالص ہونا یا نجات پانا جیسے عرب والے کہتے ہیں: ''برء فلان من مرضه'' (فلاں شخص اپنی بیماری سے خالص ہو گیا یعنی نجات پا گیا)، اور کہتے ہیں ''برء المديون من دينه'' (فلاں مقروض اپنے قرض سے بری ہو گیا)، اور جب کسی لڑکی کو حیض آئے تو کہا جاتا ہے ''استبرئت الجارية'' یعنی لڑکی کا رحم صاف ہو گیا، اور کبھی ''برء'' کا معنی بطور انشاء اور ایجاد ہوتا ہے جیسے کہا جاتا ہے ''برء الله النسمة'' (اللہ تعالیٰ نے روح کو پیدا کیا)۔

اور ایک قول یہ ہے کہ ''البارئ'' کا معنی خالق ہے جو اپنی تخلیق میں تفاوت اور تنافر سے بری ہو اور ''المصور'' کا معنی ہے: جو اپنی بنائی ہوئی چیزوں کی صورت بنانے والا ہو اور حکمت کے تقاضا کے اعتبار سے ان کو مرتب کرنے والا ہو، پس اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے کہ وہ کسی چیز کو اصل سے اور بغیر اصل کے وجود میں لاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ ''بارئ'' ہے یعنی اپنی حکمت کے تقاضا سے چیزوں کو بغیر تفاوت کے وجود میں لاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ مصوّر ہے، یعنی ایسی صورت میں چیزوں کو مرتب کرتا ہے جو اس کے خواص پر مشتمل ہوتی ہے اور جس سے اس کا کمال مکمل ہو جاتا ہے، اور یہ تینوں صفاتِ فعل سے ہیں مگر جب خالق سے ''المقدر'' کا ارادہ کیا جائے تو یہ صفاتِ ذات سے ہے، کیونکہ اس کا مرجع ہے تقدیر سے ارادہ کی طرف، اور اس بناء پر پہلے کسی چیز کو مقدر فرماتا ہے پھر اس کو اس تقدیر کے مطابق وجود میں لاتا ہے، پھر تیسرے مرتبہ میں اس کے اوپر صورت مرتب فرماتا ہے۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۵۲۷۔۵۲۸، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ مجد الدین ابو السادات المبارک بن محمد بن اثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ''الخالق'' ہے، اور خالق اس کو کہتے ہیں جس نے تمام چیزوں کو موجود کیا جب کہ وہ پہلے موجود نہیں تھیں، اور خلق کی اصل تقدیر ہے یعنی کسی چیز کو تقدیر کے مطابق موجود کرنا یہ خلق ہے۔

(النہایہ ج ۲ ص ۶۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

نیز علامہ ابن اثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ''البارئ'' ہے، ''البارئ'' کا معنی ہے: جس نے بغیر کسی مثال کے مخلوق کو پیدا کیا اور اس لفظ کا اختصاص حیوان کو پیدا کرنے کے ساتھ ہے، اور بہت کم اس کا استعمال غیر حیوان میں ہوتا ہے، پس کہا جاتا ہے ''برء الله

النسمة" (یعنی اللہ تعالیٰ نے روح کو پیدا کیا) اور "خلق السموٰت والارض" (اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا)۔

اس لفظ کا استعمال احادیث میں بھی ہے:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہو گئے تو حضرت عباس نے حضرت علی رضی اللہ عنہما سے پوچھا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح صبح کی؟ تو انہوں نے کہا: "اصبح بحمد اللہ بارئا" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کو عافیت سے تھے، اور عرب کہتے ہیں "ابرأنی اللہ من المرض" یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھ کو بیماری سے پاک کر دیا۔

اسی طرح باندی کے استبراء کے لیے یہ لفظ استعمال ہوتا ہے، حدیث میں ہے: "اس باندی سے جماع نہ کرو حتیٰ کہ اس کا رحم بری ہو جائے" یعنی حیض سے صاف ہو جائے اور معلوم ہو جائے کہ یہ حاملہ نہیں ہے۔

(النہایہ ج ۱ ص ۱۱۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

نیز علامہ ابن اثیر الجزری لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم "المصور" ہے اور اس کا معنی ہے: جس نے تمام موجودات کی صورت بنائی اور ان کو مرتب کیا، پس موجودات میں سے ہر موجود کو ایک مخصوص صورت عطا فرمائی اور ایک ہیئتِ منفردہ عطا کی جس سے ایک موجود دوسرے موجود سے ممتاز ہوتا ہے۔

کلامِ عرب میں صورت کا لفظ ظاہری معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے اور کسی چیز کی حقیقت اور ہیئت میں بھی استعمال ہوتا ہے اور صورت کا لفظ صفت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، حدیث میں ہے: "اتانی اللیلة ربی فی احسن صورة" اس کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے پاس بہترین صفت میں آیا اور اللہ تعالیٰ کے اوپر ظاہر صورت کا اطلاق کرنا محال ہے، اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند ہے۔

(النہایہ ج ۳ ص ۵۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

۷۴۰۹۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ حَدَّثَنَا عَفَّانُ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ حَدَّثَنَا مُوسَى هُوَ ابْنُ عُقْبَةَ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ عَنِ ابْنِ مُحَيْرِيزٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ فِي غَزْوَةِ بَنِي الْمُصْطَلِقِ أَنَّهُمْ أَصَابُوا سَبَايَا فَأَرَادُوا أَنْ يَسْتَمْتِعُوا بِهِنَّ وَلَا يَحْمِلْنَ فَسَأَلُوا النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم عَنِ الْعَزْلِ فَقَالَ مَا عَلَيْكُمْ أَنْ لَا تَفْعَلُوا فَإِنَّ اللّٰهَ قَدْ كَتَبَ مَنْ هُوَ خَالِقٌ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَقَالَ مُجَاهِدٌ عَنْ قَزَعَةَ سَمِعْتُ أَبَا سَعِيدٍ فَقَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم لَيْسَتْ نَفْسٌ مَخْلُوقَةٌ إِلَّا اللّٰهُ خَالِقُهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عفان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وہیب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں موسیٰ نے حدیث بیان کی اور وہ ابن عقبہ ہیں، انہوں نے کہا: مجھے محمد بن یحییٰ بن حبان نے حدیث بیان کی از ابن محیریز از حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ غزوہ بنو المصطلق میں صحابہ نے کچھ باندیاں پائیں، پس انہوں نے ان سے (وطی کر کے) لذت حاصل کرنے کا ارادہ کیا اور (یہ چاہا کہ) وہ باندیاں حاملہ نہ ہوں، تو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے العزل کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: تم پر کوئی حرج نہیں ہے اگر تم یہ نہ کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے کہ وہ قیامت تک کن کا خالق ہے۔

اور مجاہد نے کہا از قزعہ، میں نے سنا حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے،
انہوں نے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو روح بھی پیدا ہونی
ہے اللہ تعالیٰ اس کو (ضرور) پیدا کرنے والا ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۲۲۹، ۲۵۴۲، ۴۱۳۸، ۵۲۱۰، ۶۶۰۳، ۷۴۰۹، صحیح مسلم: ۱۴۳۸، سنن ابوداؤد: ۲۱۷۰، سنن ابن ماجہ: ۱۹۲۶، مسند احمد: ۱۱۴۲۹،
موطا امام مالک: ۱۲۶۲، سنن دارمی: ۲۲۲۳)

صحیح البخاری: ۷۴۰۹، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

عزل کا معنی اور اس کے متعلق احادیث

عزل کا معنی ہے کہ انزال کے وقت مرد اپنے آلہ کو عورت کی فرج سے باہر نکال لے تاکہ مرد کی منی عورت کے رحم میں داخل نہ ہو جس سے عورت کو حمل ہو جائے۔

امام نسائی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے العزل کے متعلق دریافت کیا پس کہا کہ میری بیوی اپنے بچے کو دودھ پلا رہی ہے اور میں اس کے حاملہ ہونے کو ناپسند کرتا ہوں، آپ نے فرمایا: جس چیز کو رحم میں مقدر کر دیا گیا ہے وہ عنقریب موجود ہوگی۔ (سنن نسائی ج ۶ ص ۱۰۸)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں عزل کرتے تھے۔
(صحیح البخاری: ۵۲۰۷، صحیح مسلم: ۱۴۴۰، سنن ترمذی: ۱۱۳۷، سنن ابن ماجہ: ۱۹۲۷، مسند احمد: ۱۳۹۰۶)

نیز صحیح البخاری: ۵۲۰۸ میں ہے: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم عزل کرتے تھے اور قرآن نازل ہو رہا تھا۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب ہم نے حنین کی باندیوں کو پایا تو ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عزل کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: ہر پانی سے بچہ نہیں بنتا۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۴۹، مسند ابو یعلیٰ ج ۲ ص ۳۸۴، شرح معانی الآثار للطحاوی ج ۳ ص ۳۴)

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جس باندی سے بچہ پیدا ہوا ہو اس کا بیچنا جائز نہیں ہے، کیونکہ باندیوں کا حاملہ ہونا قیمت سے منع کرتا ہے، اور یہ حدیث داؤد ظاہری کے خلاف ہے جو امہات الاولاد کی بیع کو جائز قرار دیتے ہیں۔

(۲) اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''تم پر کوئی حرج نہیں ہے اگر تم نہ کرو یعنی عزل نہ کرو'' علامہ داؤدی نے کہا: یہ ممانعت کے زیادہ قریب ہے اور المبرد نے کہا کہ اگر تم عزل کرو تو کوئی حرج نہیں ہے۔

(۳) اس حدیث میں آپ کا ارشاد ہے: ''جو روح بھی پیدا ہونے والی ہے وہ ضرور پیدا ہوگی'' کیونکہ جو کچھ ہونا ہے اس کو لکھ کر قلم خشک ہو چکا ہے، اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ عزل کرنے کے باوجود بچہ پیدا ہو جاتا ہے، اسی وجہ سے ہمارے اصحاب نے کہا ہے کہ اگر کسی مرد نے کہا: میں نے وطی کی اور عزل کیا تو بچہ کا نسب اس سے ثابت ہو جائے گا۔

(۴) جو باندی قید کر کے لائی گئی ہو اس سے لذت حاصل کرنا اور وطی کرنا اس پر موقوف ہے کہ باندی کی تقسیم کر دی گئی ہے اور اس کا

استبراء کرلیا گیا ہو۔

(۵) اس حدیث میں جو واقعہ ذکر کیا گیا ہے یہ غزوہ بنو المصطلق کا ہے، اور غزوۂ بنو مصطلق کی تاریخ میں اختلاف ہے کہ ۶ ہجری کا واقعہ ہے یا ۵ ہجری کا یا ۴ ہجری کا۔ اور اس میں بھی اختلاف ہے کہ بنو مصطلق کے لوگ اہلِ کتاب تھے یا نہیں: ابو محمد العسیلی نے کہا کہ وہ بت پرست تھے، اب یہ اعتراض ہوگا کہ مشرک عورتوں سے تو وطی جائز نہیں ہے، قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ (البقرہ:۲۲۱) اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو حتیٰ کہ وہ ایمان لے آئیں۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ بنو مصطلق کی باندیوں سے وطی اور عزل کرنے کا واقعہ اس آیت کے نزول سے پہلے ہے۔

علامہ داؤدی نے کہا کہ بنو مصطلق اہلِ کتاب تھے۔

علامہ ابن التین نے کہا: ظاہر یہ ہے کہ وہ بت پرست تھے، کیونکہ اس حدیث کے بعض طرق میں ہے: "ہم نے عرب کی باندیوں میں سے کچھ باندیاں پالیں"، الشیخ ابو محمد سے منقول ہے کہ بنو مصطلق کے سات سو سے زیادہ لوگوں کو قید کیا گیا تھا اور انہی میں سے حضرت جویریہ بنت الحارث تھیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا تھا، پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ساتھ شبِ زفاف گزاری تو حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ درخواست کی کہ آپ بنو مصطلق کے قیدیوں کو آزاد کر دیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو آزاد فرما دیا۔

عزل کا حکم

(۶) ہمارے نزدیک عزل کا حکم یہ ہے کہ اگر باندی ہو تو اس سے عزل کرنا قطعاً جائز ہے اور اگر وہ مرد کی بیوی ہو تو زیادہ صحیح یہ ہے کہ پھر بھی عزل کرنا کراہیت کے ساتھ جائز ہے اور بعض علماء نے کہا کہ اگر بیوی اجازت دے تو پھر جائز ہے اور اگر وہ اجازت نہ دے تو پھر جائز نہیں ہے، اور بعض علماء نے چار اقوال ذکر کئے ہیں: ایک قول یہ ہے کہ عزل کرنا مطلقاً جائز ہے جیسا کہ ہمارا مذہب ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ مطلقاً منع ہے، اور تیسرا مذہب امام مالک کا ہے کہ باندیوں میں جائز ہے اور آزاد عورت میں اس کی اجازت پر موقوف ہے یا باندی کے مالک پر موقوف ہے، اور چوتھا مذہب یہ ہے کہ جس عورت سے مرد وطی کر رہا ہے اس کی اجازت سے عزل کرنا جائز ہے خواہ وہ عورت باندی ہو یا اس کی بیوی ہو۔

(۷) جو علماء عزل کو جائز قرار دیتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ "حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم عزل کرتے تھے اور قرآن نازل ہو رہا تھا، پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک یہ خبر پہنچی تو آپ نے ہم کو منع نہیں فرمایا"۔

(۸) جو علماء عزل کرنے سے منع کرتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عزل کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: "یہ پوشیدہ طریقہ سے زندہ درگور کرنا ہے"۔ (صحیح مسلم: ۱۴۴۲)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۱۴ ص ۵۹۴۔۵۹۸، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۱۹۔ بَابُ: قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا تھا" (ص:۷۵)

بابِ مذکور کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھوں سے مراد نہ ظاہری اعضاء ہیں اور نہ اس سے مراد دو نعمتیں ہیں بلکہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات کی صفات میں سے دو صفتیں ہیں

امام بخاری نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ۔۔۔(ص:۷۵)'' (جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا تھا) سے اس پر استدلال کیا ہے اور اس طرح اس باب کی باقی احادیث سے بھی کہ اللہ تعالیٰ کے دو ہاتھ ہیں اور وہ دونوں ہاتھ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے دو صفتیں ہیں، اور یہ دو ہاتھ ظاہری اعضاء نہیں ہیں، اس کے برخلاف المجسمہ کا قول ہے کہ یہ دونوں ہاتھ اللہ تعالیٰ کے ظاہری اعضاء ہیں اور برخلاف قدریہ کے قول کے جو اللہ تعالیٰ کی ذات کی صفات کی نفی کرتے ہیں۔

پھر جب یہ جائز نہیں ہے کہ کہا جائے کہ یہ دو ہاتھ اللہ تعالیٰ کے ظاہری اعضاء ہیں تو یہ کہنا بھی جائز نہیں ہے کہ یہ دونوں ہاتھ اللہ تعالیٰ کی قدرتیں ہیں، اور نہ یہ کہنا جائز ہے کہ یہ دونوں ہاتھ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں، کیونکہ اگر دو ہاتھوں سے مراد یہ ہو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی دو قدرتیں ہیں تو یہ دو وجہ سے فاسد ہے:

پہلی وجہ یہ ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی ذات کی صفات کی نفی کرتے ہیں اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی ذات کی صفات کو ثابت کرتے ہیں ان کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے دو قدرتیں نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ واحدہ ہے، یہ ان کے نزدیک ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفات ثابت کرتے ہیں، اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی صفات کی نفی کرتے ہیں ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی قدرت نہیں ہے، کیونکہ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ لنفسہٖ قادر ہے وہ قدرت کے ساتھ قادر نہیں ہے۔

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے فرمایا:

مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ؕ اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ ۞ (ص:۷۵)

تجھے اس کو سجدہ کرنے سے کس چیز نے روکا جس کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا تھا؟ کیا تو نے (اب) تکبر کیا یا تو (پہلے سے ہی) تکبر کرنے والوں میں سے تھا؟O

ابلیس نے اللہ تعالیٰ کے جواب میں کہا:

اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ (ص:۷۶)

میں اس سے بہتر ہوں۔

پس ابلیس نے اس علت کو بیان کیا جس کی وجہ سے اس نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہیں کیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اس کو اس علت کی خبر دی جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ابلیس پر حضرت آدم علیہ السلام کے لیے سجدہ کرنے کو واجب کیا تھا اور وہ علت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''میں نے آدم کو اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا ہے'' پس اگر ''ید'' کا معنی وہ قدرت ہو جس سے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا تھا اور اسی قدرت سے ابلیس لعین کو بھی پیدا کیا تو اللہ تعالیٰ کا اس آیت سے ابلیس لعین پر حجت قائم کرنا صحیح نہیں ہوگا کہ اس نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا جس کی وجہ سے ابلیس پر سجدہ واجب ہے، کیونکہ ابلیس بھی حضرت آدم علیہ السلام کا (اس معاملہ میں) شریک

ہے کہ دونوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے پیدا کیا۔ اور ابلیس عاجز نہ ہوتا کہ وہ یہ کہتا اے رب! اس کی مجھ پر کون سی فضیلت ہے، مجھ کو بھی تو نے اپنی قدرت سے پیدا کیا ہے جیسا کہ آدم کو تو نے اپنی قدرت سے پیدا کیا ہے؟ اور ابلیس اس جواب سے اعراض کر کے یہ نہ کہتا کہ:

أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۖ خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِن طِينٍ ۞ میں اس سے بہتر ہوں، تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو مٹی سے بنایا ہے O (ص ۷۶)

پس ابلیسِ لعین کا اس واضح استدلال سے عدول کرنا اس پر دلیل ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اس فضیلت کے ساتھ خاص کیا ہے کہ ان کو اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا ہے اور اس فضیلت کے ساتھ ابلیس کو خاص نہیں کیا۔

اور یہ جائز نہیں ہے کہ اس آیت میں ''یدین'' یعنی ہاتھوں سے مراد اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہوں، کیونکہ اس صورت میں معنی ہوگا کہ میں نے حضرت آدم کو نعمتوں سے پیدا کیا اور نعمتیں بھی اسی طرح مخلوق ہیں جس طرح حضرت آدم علیہ السلام مخلوق ہیں، کیونکہ تمام نعمتیں اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں، اور مخلوق کا مخلوق سے پیدا کرنا جائز نہیں ہے، اور جب یہ محال ہے کہ دونوں ہاتھوں سے مراد ظاہری اعضاء ہوں اور یہ بھی محال ہے کہ ان سے مراد دو نعمتیں ہوں تو ثابت ہوا کہ اس سے مراد ایسے دو ہاتھ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی صفت ہیں، اور یہ ان ہاتھوں اور اعضاء کی طرح نہیں ہے جو ہمارے نزدیک معروف ہیں، اور آدم علیہ السلام کی تخصیص کرنا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا یہ حضرت آدم علیہ السلام کی تکریم اور تشریف کے لیے ہے۔

(شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۴۵۰۔۴۵۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

بابِ مذکور کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

لفظِ ''ید'' کی تحقیق

''ید'' سے یہاں پر مراد قدرت ہے، علامہ داؤدی متوفی ۴۰۲ھ نے کہا ہے: ہوسکتا ہے یہ مراد ہو، اور علامہ ابو المعالی نے کہا: ہمارے بعض ائمہ کا مذہب یہ ہے کہ ''الید، العین، الوجہ'' (ہاتھ، آنکھ اور چہرہ) یہ رب عزوجل کی صفات ہیں اور ان کے اثبات کا مدار دلائلِ سمعیہ پر ہے نہ کہ عقل کے تقاضا سے، اور جو چیز ہمارے نزدیک صحیح ہے وہ یہ ہے کہ ''الیدین'' کو قدرت پر محمول کیا جائے اور ''العین'' کو بصر پر محمول کیا جائے اور ''الوجہ'' کو الوجود پر محمول کیا جائے۔

ابن فورک نے کہا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''ید اللہ مع الجماعۃ'' (جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے)، ہمارے اصحاب میں سے بعض نے کہا: ید سے مراد یہاں پر ذات ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا خَلَقْنَا لَهُم مِّمَّا عَمِلَتْ أَيْدِينَا أَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مَالِكُونَ ۞ (یٰس: ۷۱) کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے اپنے دستِ قدرت سے بنائی ہوئی چیزوں میں سے ان کیلئے مویشی بنائے جن کے یہ مالک ہیں O

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ جب تم نے ''الید'' کو ذات کے معنی پر محمول کیا ہے تو ''خَلَقْتُ بِيَدَيَّ'' (ص: ۷۵) میں ذات پر کیوں محمول نہیں کیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے، علامہ ابن التین نے ذکر کیا ہے کہ ان کے درمیان فرق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت ابلیس کے خلاف دلیل قائم کرتے ہوئے فرمائی اور آدم علیہ السلام کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمائی اور اس کے قول کو باطل کرتے ہوئے جب اس نے کہا تھا ''انا خیر منہ''، پس اگر یہاں پر یدین کو ذات پر محمول کیا جائے تو فائدہ ساقط ہو جائے گا اور ابلیس کے خلاف اللہ تعالیٰ کی دلیل کا معنی باطل ہو جائے گا، کیونکہ ابلیس یہ کہہ سکے گا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات نے آدم کو پیدا کیا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ذات نے مجھے پیدا کیا ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۳ ص ۲۶۴۔۲۶۵، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

بابِ مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

''ید'' کی قدرت کے ساتھ تاویل کی عدم صحت پر دلائل

''ید'' کی تاویل قدرت کے ساتھ کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ حدیث میں ہے: ''اللہ تعالیٰ کے دوسرے ہاتھ میں میزان ہے'' اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے القلم کو پیدا کیا، پھر اللہ تعالیٰ نے قلم کو اپنے دائیں ہاتھ میں پکڑا اور اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں''، اس حدیث سے بھی واضح ہوا کہ ید سے قدرت کی تاویل کرنا صحیح نہیں ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا، اس سے یہ معلوم ہوا کہ آدم علیہ السلام کی تخلیق دوسروں کی تخلیق سے زیادہ تام اور زیادہ مکمل ہے۔

لغت میں ''ید'' کے متعدد معانی

لغتِ عرب میں ''ید'' کے بہ کثرت معانی ہیں جو درجِ ذیل ہیں:

(۱) ید کا معنی ہے ظاہری عضو یعنی ہاتھ (۲) ید کا معنی ہے قوت، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوُدَ ذَا الْأَيْدِ (ص:۱۷) اور ہمارے طاقت ور بندے داؤد کو یاد کیجئے۔

(۳) ید کا معنی ہے ملکیت، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَأَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ (الحدید:۲۹) اور بے شک فضل اللہ ہی کی ملکیت میں ہے وہ اسے جس کو چاہے عطا فرماتا ہے۔

(۴) ید کا معنی ہے عہد، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ (الفتح:۱۰) ان کے عہود کے اوپر اللہ کا عہد ہے۔

اور اسی کے مطابق یہ قول ہے ''ھذہ یدی لک بالوفاء'' (میرا یہ عہد اس لیے ہے کہ تم اس کو پورا کرو)۔

(۵) ید کا پانچواں معنی ہے استسلام اور انقیاد یعنی فرمانبرداری کرنا، جیسا کہ شاعر کا یہ شعر ہے:

اطاع یدا بالقول فھو ذلول

اس نے قول سے میری اطاعت کی پس وہ میرا تابع ہوا

(۶) ید کا معنی ہے النعمۃ، جیسے یہ قول ہے: ''وکم لظلام اللیل عندی من ید'' (اور میرے نزدیک رات کے کتنے اندھیروں میں نعمتیں ہیں)۔

(۷) ید کا معنی ہے ذلت، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

حَتّٰی یُعۡطُوا الۡجِزۡیَۃَ عَنۡ یَّدٍ (التوبہ:۲۹) حتیٰ کہ وہ ذلت کے ساتھ جزیہ دیں۔

(۸) ید کا معنی ہے قبضہ، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَوۡ یَعۡفُوَا الَّذِیۡ بِیَدِہٖ عُقۡدَۃُ النِّکَاحِ (البقرہ:۲۳۷) یا وہ کچھ زیادہ دے دے جس کے قبضہ میں نکاح کی گرہ ہے۔

(۹) ید کا معنی ہے سلطان، (۱۰) ید کا معنی ہے طاعت، (۱۱) ید کا معنی ہے جماعت، (۱۲) ید کا معنی ہے الطریق یعنی راستہ، جیسے کہا جاتا ہے ''اخذتھم ید الساحل'' (انہوں نے ساحل کا راستہ پکڑ لیا)۔

(۱۳) ید کا معنی ہے التفرق، (۱۴) ید کا معنی ہے حفظ، (۱۵) ید کا معنی ہے کمان کا اوپر والا حصہ، (۱۶) ید کا معنی ہے الدھر، (۱۷) ید کا معنی ہے الابتداء، جیسے کہا جاتا ہے ''لقیتہ اول ذات یدی'' (یعنی میں اس کو ابتداء سے ملا)۔

(۱۸) ید کا معنی ہے ید الرحی، یعنی چکی کو گھمانے والا، (۱۹) ید کا معنی ہے جناح الطائر، یعنی پرندے کا بازو۔

(۲۰) ید کا معنی ہے مدت، (۲۱) ید الشیء کا معنی ہے: اس کے آگے، (۲۲) ید کا معنی ہے طاقت، (۲۳) ید کا معنی ہے نقد، جیسے کہتے ہیں ''بعتہ یدا بید'' (میں نے یہ چیز نقد بہ نقد فروخت کی)۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۵۳۰، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۴۱۰۔ حَدَّثَنِیۡ مُعَاذُ بۡنُ فَضَالَۃَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنۡ قَتَادَۃَ عَنۡ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ یَجۡمَعُ اللّٰهُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ یَوۡمَ الۡقِیَامَۃِ کَذٰلِكَ فَیَقُوۡلُوۡنَ لَوِ اسۡتَشۡفَعۡنَا إِلٰی رَبِّنَا حَتّٰی یُرِیۡحَنَا مِنۡ مَکَانِنَا هٰذَا فَیَأۡتُوۡنَ آدَمَ فَیَقُوۡلُوۡنَ یَا آدَمُ أَمَا تَرَی النَّاسَ خَلَقَكَ اللّٰهُ بِیَدِہٖ وَأَسۡجَدَ لَكَ مَلَائِکَتَهُ وَعَلَّمَكَ أَسۡمَاءَ کُلِّ شَیۡءٍ اشۡفَعۡ لَنَا إِلٰی رَبِّنَا حَتّٰی یُرِیۡحَنَا مِنۡ مَکَانِنَا هٰذَا فَیَقُوۡلُ لَسۡتُ هُنَاكَ وَیَذۡکُرُ لَهُمۡ خَطِیۡئَتَهُ الَّتِیۡ أَصَابَهَا وَلٰکِنِ ائۡتُوۡا نُوۡحًا فَإِنَّهُ أَوَّلُ رَسُوۡلٍ بَعَثَهُ اللّٰهُ إِلٰی أَهۡلِ الۡأَرۡضِ فَیَأۡتُوۡنَ نُوۡحًا فَیَقُوۡلُ لَسۡتُ هُنَاکُمۡ وَیَذۡکُرُ خَطِیۡئَتَهُ الَّتِیۡ أَصَابَ وَلٰکِنِ ائۡتُوۡا إِبۡرَاهِیۡمَ خَلِیۡلَ الرَّحۡمٰنِ فَیَأۡتُوۡنَ إِبۡرَاهِیۡمَ فَیَقُوۡلُ لَسۡتُ هُنَاکُمۡ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے معاذ بن فضالہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی از قتادہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ مومنین کو قیامت کے دن اسی طرح جمع فرمائے گا، پس وہ کہیں گے: کاش کوئی ہمارے رب کی طرف ہماری سفارش کرے حتیٰ کہ ہمارا رب ہمیں اس جگہ سے راحت میں پہنچائے، پس وہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے، پس وہ کہیں گے: اے آدم! کیا آپ لوگوں کو نہیں دیکھ رہے؟ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے دستِ قدرت سے پیدا کیا اور آپ کے لیے فرشتوں سے سجدہ کرایا اور آپ کو ہر چیز کے نام کا علم دیا، آپ ہمارے لیے اپنے رب کے پاس شفاعت کیجیے حتیٰ کہ وہ ہم کو اس جگہ سے راحت میں لائے، پس حضرت آدم علیہ السلام کہیں گے: میں

وَيَذْكُرُ لَهُمْ خَطَايَاهُ الَّتِي أَصَابَهَا وَلَكِنْ ائْتُوا مُوسَى
عَبْدًا آتَاهُ اللَّهُ التَّوْرَاةَ وَكَلَّمَهُ تَكْلِيمًا فَيَأْتُونَ مُوسَى
فَيَقُولُ لَسْتُ هُنَاكُمْ وَيَذْكُرُ لَهُمْ خَطِيئَتَهُ الَّتِي
أَصَابَ وَلَكِنْ ائْتُوا عِيسَى عَبْدَ اللَّهِ وَرَسُولَهُ وَكَلِمَتَهُ
وَرُوحَهُ فَيَأْتُونَ عِيسَى فَيَقُولُ لَسْتُ هُنَاكُمْ وَلَكِنْ
ائْتُوا مُحَمَّدًا ﷺ عَبْدًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ
ذَنْبِهِ وَمَا تَأَخَّرَ فَيَأْتُونِي فَأَنْطَلِقُ فَأَسْتَأْذِنُ عَلَى رَبِّي
فَيُؤْذَنُ لِي عَلَيْهِ فَإِذَا رَأَيْتُ رَبِّي وَقَعْتُ لَهُ سَاجِدًا
فَيَدَعُنِي مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ يَدَعَنِي ثُمَّ يُقَالُ لِي ارْفَعْ
مُحَمَّدُ وَقُلْ يُسْمَعْ وَسَلْ تُعْطَهْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ
فَأَحْمَدُ رَبِّي بِمَحَامِدَ عَلَّمَنِيهَا ثُمَّ أَشْفَعُ فَيَحُدُّ لِي حَدًّا
فَأُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ ثُمَّ أَرْجِعُ فَإِذَا رَأَيْتُ رَبِّي وَقَعْتُ
سَاجِدًا فَيَدَعُنِي مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ يَدَعَنِي ثُمَّ يُقَالُ
ارْفَعْ مُحَمَّدُ وَقُلْ يُسْمَعْ وَسَلْ تُعْطَهْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ
فَأَحْمَدُ رَبِّي بِمَحَامِدَ عَلَّمَنِيهَا رَبِّي ثُمَّ أَشْفَعُ فَيَحُدُّ لِي
حَدًّا فَأُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ ثُمَّ أَرْجِعُ فَإِذَا رَأَيْتُ رَبِّي وَقَعْتُ
سَاجِدًا فَيَدَعُنِي مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ يَدَعَنِي ثُمَّ يُقَالُ
ارْفَعْ مُحَمَّدُ قُلْ يُسْمَعْ وَسَلْ تُعْطَهْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ
فَأَحْمَدُ رَبِّي بِمَحَامِدَ عَلَّمَنِيهَا ثُمَّ أَشْفَعُ فَيَحُدُّ لِي حَدًّا
فَأُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ ثُمَّ أَرْجِعُ فَأَقُولُ يَا رَبِّ مَا بَقِيَ فِي
النَّارِ إِلَّا مَنْ حَبَسَهُ الْقُرْآنُ وَوَجَبَ عَلَيْهِ الْخُلُودُ
قَالَ النَّبِيُّ ﷺ يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ
إِلَّا اللَّهُ وَكَانَ فِي قَلْبِهِ مِنَ الْخَيْرِ مَا يَزِنُ شَعِيرَةً ثُمَّ
يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَكَانَ فِي قَلْبِهِ
مِنَ الْخَيْرِ مَا يَزِنُ بُرَّةً ثُمَّ يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا
إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَكَانَ فِي قَلْبِهِ مَا يَزِنُ مِنَ الْخَيْرِ ذَرَّةً۔

اس مرتبہ کا نہیں ہوں، اور وہ ان سے اپنی اس خطاء کا ذکر کریں
گے جس کو وہ کر چکے تھے لیکن تم نوح کے پاس جاؤ، پس بے شک
وہ پہلے رسول ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کی طرف بھیجا،
پھر مومنین حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے تو وہ کہیں گے:
میں اس مرتبہ کا نہیں ہوں اور وہ اپنی اس خطاء کو یاد کریں گے جو وہ
کر چکے تھے، لیکن تم ابراہیم خلیل الرحمٰن کے پاس جاؤ، پس مومنین
حضرت ابراہیم کے پاس آئیں گے تو وہ کہیں گے: میں اس مرتبہ کا
نہیں ہوں اور وہ ان سے اپنی ان خطاؤں کا ذکر کریں گے جو وہ
کر چکے تھے، لیکن تم موسیٰ کے پاس جاؤ، وہ ایسے بندے ہیں جن
کو اللہ تعالیٰ نے تورات عطا کی اور ان سے کلام فرمایا، پس مومنین
حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے تو وہ کہیں گے: میں اس
مرتبہ کا نہیں ہوں اور ان سے اپنی اس خطاء کا ذکر کریں گے جو وہ
کر چکے تھے، لیکن تم عیسیٰ کے پاس جاؤ جو اللہ کے بندے اور اس
کے رسول ہیں اور اس کا کلمہ اور اس کی روح ہیں، پس مومنین
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے تو وہ کہیں گے: میں اس
مرتبہ کا نہیں ہوں، لیکن تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ وہ ایسے بندے
ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے تمام اگلے اور پچھلے (بظاہر) خلاف
اولیٰ کاموں کی مغفرت فرما دی ہے، پس مومنین میرے پاس
آئیں گے، پس میں چل پڑوں گا، میں اپنے رب سے اجازت
طلب کروں گا، پس میرے لیے اجازت دی جائے گی، پس جب
میں اپنے رب کو دیکھوں گا تو اس کے لیے سجدہ میں گر جاؤں گا، تو
جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا مجھے سجدہ میں چھوڑے رکھے گا، پھر مجھ
سے کہا جائے گا: اے محمد! (اپنا سر) اٹھائیے، آپ کہیے آپ کی
بات سنی جائے گی اور آپ سوال کیجئے آپ کو عطا کیا جائے گا اور
آپ شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی، پس میں
اپنے رب کی ایسے کلمات حمد کے ساتھ حمد کروں گا جن کی اللہ نے
مجھے (اسی وقت) تعلیم دی، پھر میں شفاعت کروں گا، تو میرے

لیے ایک حد مقرر کی جائے گی، میں ان کو جنت میں داخل کردوں گا، پھر میں رجوع کروں گا، پس جب میں اپنے رب کو دیکھوں گا تو سجدہ میں گر جاؤں گا، پھر اللہ تعالیٰ جب تک چاہے گا مجھے سجدہ میں چھوڑے رکھے گا، پھر کہا جائے گا: اے محمد! (اپنا سر) اٹھایئے! آپ کہیے آپ کی بات سنی جائے گی، آپ سوال کیجئے آپ کو دیا جائے گا، آپ شفاعت کیجئے، آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی، پس میں اپنے رب کی ایسے کلماتِ حمد کے ساتھ حمد کروں گا جن کی میرے رب نے (اسی وقت) تعلیم دی تھی، پھر میں شفاعت کروں گا، پس میرے لیے ایک حد مقرر کی جائے گی سو میں ان کو جنت میں داخل کردوں گا، پھر میں رجوع کروں گا پس جب میں اپنے رب کو دیکھوں گا تو سجدہ میں گر جاؤں گا، پس اللہ تعالیٰ جب تک چاہے گا مجھے (سجدہ میں) چھوڑے رکھے گا، پھر کہا جائے گا: اے محمد! (اپنا سر) اٹھایئے اور سوال کیجئے آپ کو عطا کیا جائے گا اور آپ شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی، پس میں اپنے رب کی ایسے کلماتِ حمد کے ساتھ حمد کروں گا جن کی اللہ نے مجھے (اسی وقت) تعلیم دی ہے، پھر میں شفاعت کروں گا، پس میرے لیے ایک حد مقرر کی جائے گی، سو میں ان کو جنت میں داخل کردوں گا، پھر میں رجوع کروں گا، پس میں کہوں گا اے میرے رب! دوزخ میں اب صرف وہی باقی رہ گئے ہیں جن کو قرآن مجید نے روک رکھا ہے اور جن پر خلود اور دوام واجب ہو چکا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دوزخ سے ان کو نکال دیا جائے گا جنہوں نے لا الٰہ الا اللہ کہا، اور جن کے دلوں میں جَو کے برابر بھی نیکی اور خیر ہو پھر دوزخ سے ان کو نکال دیا جائے گا جنہوں نے لا الٰہ الا اللہ کہا، اور ان کے دل میں گندم کے برابر بھی خیر ہو، پھر دوزخ سے ان کو نکال دیا جائے گا جنہوں نے لا الٰہ الا اللہ کہا اور ان کے دل میں ذرہ برابر بھی خیر ہو۔

(صحیح البخاری: ۴۴، ۴۴۷۶، ۶۵۶۵، ۷۴۱۰، ۷۴۴۰، ۷۵۰۹، ۷۵۱۰، ۷۵۱۶، صحیح مسلم: ۱۹۳، سنن ترمذی: ۲۵۹۳، سنن ابن ماجہ: ۴۳۱۲، مسند احمد: ۱۲۳۶۱)

صحیح البخاری: ۷۴۱۰، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

گناہِ کبیرہ کرنے والوں کے لیے شفاعت کا ثبوت

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے گناہِ کبیرہ کرنے والوں کے لیے شفاعت کریں گے، اور اس میں معتزلہ اور قدریہ اور خوارج کا اختلاف ہے، انہوں نے مرتکبینِ کبائر کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا انکار کیا ہے۔ اور یہ حدیث مذکور انتہائی صحیح اور قوی ہے اور تمام مسلمانوں نے اس حدیث کو قبول کیا ہے یہاں تک کہ معاندین اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو رد کرنے والے پیدا ہو گئے۔

اور اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ایسی آیات ہیں جو شفاعت کی صحت پر دلالت کرتی ہیں، اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں کفار کی خبر دیتے ہوئے فرمایا کہ جب کفار سے کہا جائے گا:

مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ ﴿۴۲﴾ قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ ﴿۴۳﴾ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِينَ ﴿۴۴﴾ وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَائِضِينَ ﴿۴۵﴾ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّينِ ﴿۴۶﴾ حَتَّىٰ أَتَانَا الْيَقِينُ ﴿۴۷﴾ (المدثر: ۴۲-۴۷)

(وہ مجرموں سے کہیں گے:) تمہیں کس جرم نے دوزخ میں داخل کیا؟ ○ وہ کہیں گے: ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہ تھے ○ اور ہم مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے ○ اور ہم لغو کاموں میں مشغول رہتے تھے ○ اور ہم یوم جزاء کی تکذیب کرتے تھے ○ حتیٰ کہ ہم پر یقینی چیز آ گئی۔

پس دوزخیوں کو یہ خبر دی گئی کہ کس وجہ سے ان کو دوزخ میں ڈالا گیا، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَمَا تَنفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ ﴿۴۸﴾ (المدثر: ۴۸)

پس شفاعت کرنے والوں کی شفاعت انہیں کوئی فائدہ نہ دے گی ○

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دوزخیوں کی مثل کافروں کو زجر و توبیخ کی ہے کہ ان کے کفر کی وجہ سے ان کو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت فائدہ نہیں پہنچائے گی اور مومنین کو ایمان کے حصول میں ترغیب دی ہے تاکہ ان کو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت حاصل ہو اور یہ آیت شفاعت کے ثبوت میں دلیلِ قطعی ہے۔

شفاعت کے ثبوت میں درج ذیل حدیث سے معارضہ کیا جاتا ہے

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے اپنے آپ کو پہاڑ سے گرا کر خودکشی کر لی تو وہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ ابداً پہاڑ سے گرتا رہے گا اور جس نے زہر کھا کر خودکشی کر لی تو اس کا زہر

اس کے ہاتھ میں ہوگا اور وہ ہمیشہ ہمیشہ ابداً جہنم کی آگ میں اپنے ہاتھ سے زہر کھاتا رہے گا اور جس نے اپنے آپ کو کسی ہتھیار سے قتل کیا تو وہ ہتھیار اس کے ہاتھ میں ہوگا اور وہ اس کو ہمیشہ ہمیشہ ابداً اپنے پیٹ میں گھونپتا رہے گا"۔

(صحیح البخاری: ۵۷۷۸، صحیح مسلم: ۱۰۹، سنن ترمذی: ۲۰۴۳، ۲۰۴۴، سنن نسائی: ۱۹۶۵، سنن ابوداؤد: ۳۸۷۲، سنن ابن ماجہ: ۳۴۶۰، مسند احمد: ۷۳۹۹، سنن دارمی: ۲۳۶۲)

اس معارضہ کا جواب یہ ہے کہ شفاعت کی آیات اور اس حدیث میں تطبیق ممکن ہے، پس ہو سکتا ہے کہ جس شخص نے خودکشی کی ہو اور اللہ تعالیٰ نے اس کے اوپر اپنی وعید نافذ کر دی ہو بایں طور کہ اس کو دوزخ میں لمبی مدت تک رکھے، پھر اس مدت کے بعد اس کو اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی وجہ سے دوزخ سے نکال لے کیونکہ اس کے دل میں ایمان ہے جو کفر کے منافی ہے، کیونکہ جو خلود ابدی اور دائم ہو وہ صرف ان کفار کے لیے ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی توحید کے منکر ہوتے ہیں اور قرآنِ مجید میں جو مومنین کے لیے عذابِ خلود کا ذکر آیا ہے جیسا کہ درجِ ذیل آیت میں ہے:

وَ مَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِیْهَا وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ لَعَنَهٗ وَ اَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِیْمًا (النساء: ۹۳)

اور جو شخص کسی مسلمان کو قصداً قتل کرے تو اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب ہوگا اور اللہ اس پر لعنت کرے گا اور اللہ نے اس کیلئے عذابِ عظیم تیار کر رکھا ہے O

اس کا جواب یہ ہے کہ خلود سے مراد یہاں پر عذاب کی طویل مدت ہے جو ابد کا تقاضا نہیں کرتی جیسا کہ کفار کے لیے خلود ابد کا تقاضا کرتا ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ خودکشی کرنے والے کے لیے جو ہمیشہ ہمیشہ عذاب کی وعید ہے وہ اس پر محمول ہے کہ جس نے خودکشی کو حلال سمجھ کر اپنے آپ کو قتل کیا یا جس نے مرتد ہونے کے بعد خودکشی کی تو اس کی سزا وہی ہوگی جو حدیث میں ہے کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ ابداً دوزخ میں رہے گا، کیونکہ ایسا کرنے والا لامحالہ کافر ہے اور اس تاویل کی تائید درج ذیل حدیث سے ہوتی ہے:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں حوض پر تمہارا پیش رو ہوں گا جو میرے پاس آئے گا پیئے گا اور جو پی لے گا تو وہ کبھی پیاسا نہیں ہوگا، اور مجھ پر کچھ لوگ پیش کیے جائیں گے میں انہیں پہچانتا ہوں گا اور وہ مجھے پہچانتے ہوں گے، پھر میرے اور ان کے درمیان (کسی کو) حائل کر دیا جائے گا۔

(صحیح البخاری: ۶۵۸۳، ۷۰۵۰)

نیز امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے سنا اور وہ اس میں اضافہ کرتے تھے کہ میں ان سے کہوں گا: یہ لوگ میرے طریقہ پر ہیں، پس کہا جائے گا: بے شک آپ (از خود) نہیں جانتے انہوں نے آپ کے بعد دین میں کیا نئی چیزیں نکالیں تو میں کہوں گا: دوری ہو، دوری ہو، ان لوگوں کے لیے جنہوں نے میرے بعد دین میں تغیر کیا۔ (صحیح البخاری: ۶۵۸۴، صحیح مسلم: ۲۲۹۱، مسند احمد: ۱۰۳۶)

اس کے بعد امام بخاری نے اپنی سند کے ساتھ یہ حدیث روایت کی ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس قیامت کے دن میرے اصحاب میں سے ایک جماعت آئے گی، پس وہ حوض پر آئیں گے، پس

میں کہوں گا: اے میرے رب! یہ میرے اصحاب ہیں، پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا: بے شک آپ کو علم نہیں کہ انہوں نے آپ کے بعد دین میں کیا نئی باتیں نکالیں، بے شک یہ اپنے پیروں پر پلٹ کر مرتد ہو گئے ہیں۔

(صحیح البخاری: ۶۵۸۵، صحیح مسلم: ۲۲۹۱، سنن ابن ماجہ: ۴۳۰۶، مسند احمد: ۱۰۸۳۶)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرتدین کے لیے شفاعت نہیں کریں گے۔

شفاعت کی آیات اور احادیث کے متعلق معتزلہ کی تاویل اور اس کا جواب

المعتزلہ کی ایک جماعت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کو مخصوص صورت میں تسلیم کیا ہے، جب کہ ان کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ شفاعت کے متعلق وارد ہونے والی احادیث کو مسترد کر دیں کیونکہ وہ احادیث مشہور ہیں اور امت نے ان کو قبول کیا ہے اور قرآن مجید کی ظاہر آیات سے ان احادیث کی تائید ہوتی ہے تو انہوں نے ان احادیث کی تاویل میں کہا: جس شخص نے گناہِ کبیرہ سے توبہ کر لی اس کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت جائز ہے اور جس شخص نے گناہِ کبیرہ سے اجتناب کیا اور گناہِ صغیرہ کا ارتکاب کیا اس کے لیے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت جائز ہے، اور اس مومن کے لیے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت جائز ہے جس نے گناہ نہ کیا ہو۔

معتزلہ کے یہ تمام جوابات ان کے اصول اور قواعد کی بنیاد پر فاسد ہیں، کیونکہ ان کا اعتقاد ہے کہ جو شخص گناہِ کبیرہ سے توبہ کر لے اسے اللہ تعالیٰ کا عذاب دینا محال ہے، یا جو صغائر کا مرتکب ہو اور کبائر سے مجتنب ہو تو اس کو بھی عذاب دینا محال ہے، یا جس مومن کا کوئی گناہ نہ ہو اس کو ثواب دینے میں تاخیر کرنا بھی محال ہے، کیونکہ اگر اس نے ان لوگوں کو عذاب دیا جنہوں نے گناہِ کبیرہ سے توبہ کر لی یا مومن کے ثواب کو موخر کیا تو یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت سے خارج ہے اور یہ ظلم ہے اور ظلم کرنا مخلوق کی صفات میں سے ہے، اور جب یہ ان کی اصل ہے تو اس طریقہ سے شفاعت کو ثابت کرنے کا کوئی معنی نہیں ہے، لہٰذا ان کا قول باطل ہے اور ان کو لازم ہے کہ وہ شفاعت کو اس طریقہ سے تسلیم کریں جس طریقہ سے اہل سنت شفاعت کے قائل ہیں اور یہ بیّن ہے، وللہ الحمد۔

انبیاء علیہم السلام سے معاصی کے صدور کے متعلق علماءِ اسلام کے مذاہب

اس حدیث میں انبیاء علیہم السلام کا ذکر ہے کہ مومنین ان سے شفاعت طلب کریں گے تو وہ اپنی خطاؤں کا ذکر کریں گے، پس اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے کیا انبیاء علیہم السلام سے گناہوں کا وقوع جائز ہے یا نہیں؟ پس امت کا اس پر اجماع ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام رسالت یعنی اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے میں معصوم ہیں اور اس پر بھی اجماع ہے کہ ان سے گناہِ کبیرہ واقع نہیں ہوتا، اور گناہِ صغیرہ کے ان سے صدور کے جواز میں اختلاف ہے، پس المعتزلہ اور الخوارج دونوں کا اس پر اتفاق ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے صغائر کا وقوع جائز نہیں ہے اور ان کا یہ زعم ہے کہ رسولوں سے ایسے کام کا وقوع جائز نہیں ہے جس کام کی وجہ سے لوگ ان سے متنفر ہوں اور وہ ایسے کاموں سے معصوم ہیں۔

اور ان کا یہ موقف باطل ہے اور ان کا یہ کہنا ہے کہ اللہ عزوجل پر یہ واجب ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو ایسے گناہوں سے معصوم رکھے جن کی وجہ سے لوگ انبیاء علیہم السلام سے متنفر ہوں، اور ان کا یہ قول فاسد ہے اور قرآنِ مجید کے خلاف ہے۔

اور اہل السنۃ نے یہ کہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے صغائر کا وقوع جائز ہے اور ان کا استدلال اس آیت سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا:

لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ وَ يُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَ يَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝ (الفتح:۲)

تا کہ اللہ آپ کے لیے معاف فرمادے آپ کے اگلے اور پچھلے (بہ ظاہر) خلاف اولیٰ سب کام، اور آپ پر اپنی نعمت پوری کر دے اور آپ کو صراطِ مستقیم پر برقرار رکھے O

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ذنب کی نسبت کی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں انبیاء علیہم السلام کے ذنوب (گناہوں) کا ذکر فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ عَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ۝ (طٰہٰ:۱۲۱)

اور آدم نے (بہ ظاہر) اپنے رب کی نافرمانی کی تو وہ لغزش میں مبتلاء ہو گئے O

اور حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی:

وَ نَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ وَ اِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَ اَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِیْنَ ۝ (ہود:۴۵)

اور نوح نے اپنے رب کو پکارا، سو کہا: بے شک میرا بیٹا میرے اہل سے ہے اور یقیناً تیرا وعدہ برحق ہے اور تو تمام حاکموں سے بڑا حاکم ہے O

حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اپنے بیٹے کی نجات کا سوال کیا حالانکہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ فرما چکا تھا:

وَ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْیُنِنَا وَ وَحْیِنَا وَ لَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ۝ (ہود:۳۷)

اور آپ ہماری نگرانی میں ہماری وحی کے موافق کشتی بنایئے اور ظالموں کے متعلق مجھ سے کوئی بات نہ کریں کیونکہ وہ ضرور غرق کیے جائیں گے O

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا:

وَ الَّذِیْۤ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓــٴَـتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ ۝ (الشعراء:۸۲)

اور جس سے مجھے امید ہے کہ وہ میری (بہ ظاہر) خطاؤں کو قیامت کے دن معاف فرمادے گا O

(شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۴۵۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ، التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۳ ص ۲۶۸، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

انبیاء علیہم السلام سے گناہوں کے وقوع کے متعلق مصنف کی تحقیق

میں کہتا ہوں کہ علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ اور علامہ ابن الملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ دونوں نے اس طرح لکھا ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے گناہِ کبیرہ کا وقوع تو نہیں ہوتا لیکن ان سے گناہِ صغیرہ کا صدور ہوتا ہے اور یہ کہنا کہ انبیاء علیہم السلام سے نہ گناہِ کبیرہ کا وقوع ہوتا ہے اور نہ گناہِ صغیرہ کا وقوع ہوتا ہے یہ المعتزلہ اور خوارج کا مذہب ہے اور قرآن مجید کے خلاف ہے کیونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی طرف گناہوں کی نسبت کی ہے، لیکن علامہ ابن بطال مالکی اور علامہ ابن ملقن شافعی کا یہ کہنا خود قرآنِ مجید کے خلاف ہے، قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاذْكُرْ عِبٰدَنَاۤ اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ ۞ اِنَّاۤ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ۞ وَ اِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ۞ وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَ الْيَسَعَ وَ ذَا الْكِفْلِ ؕ وَ كُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ ۞ (ص:۴۵۔۴۸)

اور ہمارے (دیگر خاص) بندوں کو یاد کیجئے، ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کو جو قوت والے ہیں اور بصیرت والے ہیں O ہم نے ان کو خالص آخرت کی یاد کے ساتھ چن لیا تھا O بے شک وہ ہمارے نزدیک چنے ہوئے اور نیک ترین ہیں O اور اسماعیل اور الیسع اور ذوالکفل کو یاد کیجئے اور یہ سب نیک ترین ہیں O

انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پسندیدہ ہیں اور تمام مخلوق میں سے ان کو اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ قرب حاصل ہے، وہ شر اور معصیت کی آمیزش سے مبرا اور منزہ ہیں، اس آیت میں ان کو اخیار فرمایا ہے، اخیار ''خَیِّر'' کی جمع ہے اور صفتِ مشبہ ہے یا اسمِ تفضیل ہے، یعنی وہ تمام انسانوں میں سب سے زیادہ نیکی کے حامل ہیں۔

ان آیات سے ہمارے علماء نے انبیاء علیہم السلام کی عصمت پر استدلال کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو علی الاطلاق اخیار فرمایا ہے، اگر کسی وجہ سے بھی ان کی زندگی میں معصیت اور گناہ در آئے تو وہ علی الاطلاق خَیِّر نہیں رہیں گے، اس لیے ان سے کوئی معصیت صادر نہیں ہوتی، نہ صغیرہ نہ کبیرہ، نہ سہواً نہ عمداً، نہ حقیقتاً نہ صورتاً، ہاں بعض انبیاء علیہم السلام سے اجتہادی خطاء ہو جاتی ہے اور بعض مصلحتوں کو پورا کرنے کے لیے اور امت کے لیے شرعی احکام میں نمونہ فراہم کرنے کے لیے ان سے بعض اوقات ایسے افعال صادر ہوتے ہیں جو بہ ظاہر مکروہ تنزیہی یا بہ ظاہر خلافِ اولیٰ ہوتے ہیں، اور ان کا مکروہِ تنزیہی یا خلافِ اولیٰ ہونا امت کے اعتبار سے ہوتا ہے اور انبیاء علیہم السلام کے اعتبار سے وہ افعال فرض کے حکم میں ہوتے ہیں، کیونکہ شریعت کا بیان کرنا انبیاء علیہم السلام پر فرض ہے اور یہ بھی واضح رہے کہ مکروہ تنزیہی کسی قسم کا گناہ نہیں ہے نہ صغیرہ نہ کبیرہ۔

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ لکھتے ہیں:

عصمت کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ میں اس کی قدرت اور اختیار کے باوجود گناہ نہ پیدا کرے۔

(شرح عقائد نسفی ص ۱۰۹، نور محمد اصح المطابع، کراچی)

علامہ شمس الدین خیالی متوفی ۸۷۰ھ عصمت کی تعریف میں لکھتے ہیں:

گناہوں پر قدرت کے باوجود گناہوں سے بچنے کی مہارت کو عصمت کہتے ہیں۔ (حاشیۃ الخیالی ص ۱۴۶، مطبع یوسفی، لکھنؤ)

انبیاء علیہم السلام سے گناہوں کا صدور عقلاً ممتنع اور محال نہیں ہے ہاں شرعاً ممتنع ہے، یعنی انبیاء علیہم السلام سے گناہوں کا صدور عادتاً محال ہے، کیونکہ نصوصِ قطعیہ سے یہ ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام گناہ نہیں کرتے، صغیرہ نہ کبیرہ، اللہ تعالیٰ نے ان کی اطاعت اور ان کی اتباع کو واجب قرار دیا ہے، اگر وہ گناہ کرتے تو ان کی اطاعت اور اتباع واجب نہ ہوتی، اس لیے شرعاً ان کا گناہ کرنا ممتنع ہے اور عقلاً ان کا گناہ کرنا ممتنع نہیں ہے کیونکہ وہ مکلف ہیں، ان کے نیک کاموں کی اللہ تعالیٰ نے تعریف اور تحسین فرمائی ہے اور ان سے اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا ہے، اور یہ تب ہی ہو سکتا ہے کہ جب انہوں نے اپنے اختیار سے نیک کام کئے ہوں اور اپنے اختیار سے برے کاموں کو ترک کیا ہو۔

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ ظاہر کتاب وسنت سے اور عقل سلیم سے یہ ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی گرفت اور پکڑ سے بے خوف نہیں ہیں، اور ہر چند کہ ان سے گناہوں کا صدور شرعاً ممتنع ہے لیکن عقلاً ان سے گناہوں کا صدور محال نہیں ہے بلکہ ان سے گناہوں کا صدور ان ممکنات میں سے ہے جن ممکنات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا تعلق صحیح ہے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِنِّیْ لَا یَخَافُ لَدَیَّ الْمُرْسَلُوْنَ ۝ (النمل:۱۰) بے شک میری بارگاہ میں رسول ڈرا نہیں کرتے O

اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسولوں کے دلوں میں یہ علم پیدا کر دیا ہے کہ جس عذاب سے وہ ڈرتے رہتے ہیں وہ عذاب ان کو کسی وقت بھی نہیں دیا جائے گا، ہر چند کہ وہ عذاب فی نفسہٖ ممکن بالذات ہے لیکن اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ وہ اپنے رسولوں کو عذاب نہیں دے گا اور اس نے اپنے رسولوں سے نجات کا وعدہ فرمالیا ہے، اللہ کے رسول اللہ تعالیٰ کے علم اور اس کے وعدہ کی وجہ سے عذاب سے نہیں ڈرتے اور اس عذاب کے ممکن بالذات ہونے کی بناء پر اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں۔

(روح المعانی جز ۱۹ ص ۲۴۶۔ ۲۴۷، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

امام محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

جب رسولوں کو معجزہ ظاہر کرنے کا حکم دیا جائے اس وقت وہ کسی سے نہیں ڈرتے اور جہاں تک اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا تعلق ہے تو وہ اللہ عزوجل سے ہر وقت ڈرتے رہتے ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۵۴۵، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے انبیاء علیہم السلام کے ذنب کے ثبوت میں جو آیات پیش کی ہیں، ان کا جواب یہ ہے کہ الفتح: ۲ میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ذنب کی نسبت ہے اس ذنب کا معنی جرم اور گناہ نہیں ہے بلکہ اس کا معنی ہے: بہ ظاہر خلاف اولیٰ کا ارتکاب، اور اس پر دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''جو ذنب آپ سے پہلے ہوئے اور جو ذنب آپ سے بعد میں ہوئے ان کی اللہ تعالیٰ نے مغفرت فرما دی ہے'' اور جو کام ابھی آپ نے کیے ہی نہیں وہ ذنب کیسے ہوں گے، ذنب اس وقت ہوتا جب آپ نے ان کاموں کو عمداً کیا ہوتا جن کاموں سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا اور جن کاموں سے ابھی تک منع ہی نہیں فرمایا تھا ان کا کرنا ذنب کیسے ہوگا؟ رہا یہ کہ جب آپ نے گناہ کیا ہی نہیں تو پھر معاف فرمانے کا کیا مطلب ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب انبیاء علیہم السلام کی طرف مغفرت کی نسبت ہو تو اس سے مراد ان کے درجات کی بلندی ہوتی ہے۔

اور علامہ ابن بطال نے حضرت آدم علیہ السلام کے لیے ذنب کے ثبوت میں طٰہٰ: ۱۲۱ کو پیش کیا ہے جس میں ارشاد ہے ''آدم نے اپنے رب کی معصیت کی'' اور اس آیت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَ لَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰۤى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِیَ وَ لَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ۝ (طٰہٰ:۱۱۵) اور بے شک ہم نے اس سے پہلے آدم سے عہد لیا تھا، پس وہ بھول گئے اور ہم نے ان کا (نافرمانی کرنے کا) قصد نہیں پایا O

حضرت آدم علیہ السلام کا گناہ اس وقت ہوتا جب وہ عمداً شجرِ ممنوعہ سے کھاتے لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''وہ بھول گئے اور ان کا نافرمانی کا عزم نہیں تھا'' اور جو کام بھول سے کیا جائے وہ گناہ نہیں ہوتا، پس اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی خود گناہوں سے براءت کو ظاہر فرما دیا۔

اور علامہ ابن بطال اور ابن ملقن نے حضرت نوح علیہ السلام کی معصیت ثابت کرنے کے لیے یہ آیات پیش کیں کہ نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کی نجات کی دعا کی تھی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حضرت نوح علیہ السلام کی اجتہادی خطاء ہے، اور انہوں نے اجتہادی خطاء سے اپنے بیٹے کے لیے دعا کی تھی لیکن جب اللہ تعالیٰ نے منع فرمادیا کہ وہ آپ کا اہل نہیں ہے اس کی نجات نہیں ہوگی تو دوبارہ آپ نے اس کے لیے دعا نہیں کی۔

اور علامہ بطال اور ابن ملقن نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ذنب کے ثبوت میں الشعراء: ۸۲ کو پیش کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ''اور جس سے مجھے امید ہے کہ وہ میری (بہ ظاہر) خطاؤں کو قیامت کے دن معاف فرمادے گا'' اس آیت میں بھی ظاہری خطاء کا ذکر ہے اور اس سے حقیقی خطاء مراد نہیں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ منکرینِ عصمت جن آیات سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے ذنب کا وقوع ثابت کرتے ہیں یا تو وہاں پر خطاء سے ظاہری خطاء مراد ہوتی ہے یا وہ ان کی اجتہادی خطاء ہوتی ہے یا جس چیز کو وہ تواضعاً اور انکساراً خطاء قرار دیتے ہیں وہ درحقیقت کوئی مکروہ تنزیہی کام ہوتا ہے یا خلافِ اولیٰ کام ہوتا ہے اور نہ مکروہِ تنزیہی گناہ ہوتا ہے اور نہ خلافِ اولیٰ گناہ ہوتا ہے، لہٰذا واضح ہوگیا کہ انبیاء علیہم السلام صغیرہ اور کبیرہ دونوں قسم کے گناہوں سے معصوم ہیں اور ان کی اجتہادی خطاء یا ان سے مکروہ تنزیہی کا ارتکاب ان کی عصمت کے منافی نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

علامہ ابن بطال مالکی نے انبیاء علیہم السلام سے جو صغائر کے ارتکاب کو جائز قرار دیا ہے اس کے متعلق دیگر شارحین کے تبصرے

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، لکھتے ہیں:

علامہ ابن بطال مالکی نے لکھا ہے: اہل سنت سے منقول ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے صغائر کا ارتکاب جائز ہے اور المعتزلہ اور خوارج کا مذہب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے صغائر کا وقوع جائز نہیں ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں خصوصیت سے اس مسئلہ میں ان کے قول کے ساتھ ہوں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۱۵۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ ابو العباس شہاب الدین احمد القسطلانی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

انبیاء علیہم السلام کی طرف اس حدیث میں جو خطاؤں کی نسبت کی گئی ہے وہ تواضع کے باب سے ہے اور اس باب سے ہے کہ ابرار کی نیکیاں بھی مقربین کے نزدیک گناہوں کے حکم میں ہوتی ہیں، ورنہ انبیاء صلوات اللہ وسلامہ علیہم خطاؤں سے مطلقاً معصوم ہیں۔

(ارشاد الساری ج ۱۵ ص ۴۳۷، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، لکھتے ہیں:

اس حدیث میں جو انبیاء علیہم السلام کی خطاؤں کا ذکر ہے، اس سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے جو انبیاء علیہم السلام سے صغائر کے وقوع کو جائز قرار دیتے ہیں اور مختار مذہب اس کے خلاف ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۹۴، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

تنبیہ: میں کہتا ہوں کہ یہاں علامہ ابن ملقن نے صحیح لکھا ہے لیکن جلد ۳۳ میں انہوں نے علامہ ابن بطال کی وہ عبارت نقل کر دی جس میں انہوں نے کہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے صغائر کا وقوع جائز ہے، غالباً بغیر غور وفکر کے کسی کی عبارت نقل کرنے سے یہی خرابی ہوتی ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

عصمتِ انبیاء کے مسئلہ کی تفصیل اور تحقیق

علامہ ابوالفضل عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ، لکھتے ہیں:

اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اعلانِ نبوت کے بعد انبیاء علیہم السلام سے کفر کا وقوع جائز نہیں ہے اور انبیاء علیہم السلام کفر سے معصوم ہیں، اور اعلانِ نبوت سے پہلے اس میں اختلاف ہے اور صحیح یہ ہے کہ اعلانِ نبوت سے پہلے بھی انبیاء علیہم السلام سے کفر کا وقوع جائز نہیں ہے۔

پھر معاصی کے وقوع میں اختلاف ہے، پس اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ ہر کبیرہ گناہ کا وقوع ان سے جائز نہیں ہے اور انبیاء علیہم السلام کبائر سے معصوم ہیں۔ ہمارے مشائخ وغیرہ کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ چیز عقلاً ثابت ہے یا شرعاً، الاستاذ ابواسحاق اسفرائینی اور ان کے موافقین نے کہا ہے کہ یہ شرعاً ممتنع ہے اور یہ معجزہ کی دلیل کا تقاضا ہے، اور قاضی ابوبکر بن فورک متوفی ۴۰۶ھ نے کہا ہے کہ یہ اجماع سے ثابت ہے، اور معتزلہ نے یہ کہا ہے کہ یہ عقلاً ممتنع ہے کیونکہ اگر انبیاء علیہم السلام سے کبائر کا صدور ہو تو لوگ ان سے متنفر ہوں گے اور پھر ان کی تبلیغ موثر نہیں ہوگی۔

اسی طرح اس پر اتفاق ہے کہ انبیاء علیہم السلام تبلیغ میں جو بات کہتے ہیں اس میں وہ ہر حال کے اندر معصوم ہیں، اور بعض نے یہ کہا ہے کہ وہ اپنے افعال میں مطلقاً معصوم ہیں اور انبیاء علیہم السلام پر سہو اور نسیان کا وقوع جائز نہیں ہے اور جن احادیث سے انبیاء علیہم السلام کا سہو اور نسیان ثابت ہے ان احادیث میں وہ تاویل کرتے ہیں، اور جمہور علماء کے نزدیک انبیاء علیہم السلام سے سہو اور نسیان کا وقوع جائز ہے اور یہی حق ہے، پھر یہ ضروری ہے کہ انبیاء علیہم السلام اس پر تنبیہ کر دیں کہ یہ کام اس لیے کیے ہیں تاکہ ان کا کرنا سنت ہو جائے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں بھولتا نہیں ہوں میں بھلا دیا جاتا ہوں تاکہ میرے کام سنت ہو جائیں''۔ (موطا امام مالک ج ۱ ص ۹۱)

اسی طرح اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ انبیاء علیہم السلام ایسے صغائر سے معصوم ہوتے ہیں جن کے مرتکب پر عیب لگایا جاتا ہو، اور دوسرے صغائر کے وقوع میں اختلاف ہے، پس زیادہ فقہاء اور محدثین اور متکلمین کے نزدیک انبیاء علیہم السلام سے دوسرے صغائر کا وقوع جائز ہے اور ان کی دلیل ظاہر قرآن اور حدیث میں انبیاء علیہم السلام سے صغائر کے وقوع کا ذکر ہے اور محققین متکلمین اور فقہاء نے کہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام تمام صغائر سے معصوم ہیں اور منصبِ نبوت کی جلالت اس سے مانع ہے کہ انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی عمداً مخالفت کریں اور جن احادیث میں ان صغائر کا ثبوت ہے ان کے ثبوت میں انہوں نے کلام کیا ہے اور ان احادیث کی تاویل کی ہے یا انہوں نے وہ کام کسی تاویل سے کیے یا سہو سے کیے، اور یہی قول حق ہے کیونکہ اگر یہ صحیح ہو کہ انبیاء علیہم السلام سے صغائر کا وقوع ہوتا ہے تو ہم پر ان کے افعال کی اقتداء لازم نہیں ہوگی، اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ ہم پر ان کے افعال کی اقتداء لازم ہے۔

اور انبیاء علیہم السلام کی جن خطاؤں کا اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے ممنوعہ درخت سے کھا لیا تھا، سو وہ انہوں نے بھول کر کھایا تھا اور بھول کر ممنوع کام کرنا گناہ نہیں ہوتا اور حضرت نوح علیہ السلام نے جو اپنے بیٹے کی نجات کو طلب کیا تھا وہ بھی کسی تاویل سے طلب کیا تھا یا انہوں نے اپنی قوم کے اوپر عذاب کی دعا کی تھی اور وہ اللہ تعالیٰ سے مخصوص اجازت کے بغیر کی

تھی، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق ذکر کیا ہے کہ انہوں نے تین جھوٹ بولے تھے تو وہ بہ ظاہر جھوٹ تھے اور حقیقت میں ان کا کلام واقع کے مطابق تھا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو قبطی کو قتل کیا تھا تو وہ کافر تھا اور یہ تمام وہ کام ہیں جو اگر انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کوئی اور کرے تو گناہ نہیں ہیں، لیکن انبیاء علیہم السلام ان کاموں کے ارتکاب سے ڈرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کاموں کا حکم نہیں دیا تھا اور ان کے بلند مرتبہ کے اعتبار سے بعض کاموں پر عتاب فرمایا تھا۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۱ ص ۵۷۳۔۵۷۵، دار الوفاء، ۱۴۱۹ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ نے بھی اس مکمل عبارت کو نقل کر کے اس پر اعتماد کیا ہے۔

(صحیح مسلم بشرح النووی ج ۲ ص ۱۰۵۳۔۱۰۵۵، نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

علامہ محمد بن خلیفہ الوشتانی الابی المالکی المتوفی ۸۲۸ھ نے بھی اس پوری عبارت کو اعتماد کے ساتھ نقل کیا ہے۔

(مکمل اکمال المعلم ج ۱ ص ۵۹۰۔۵۹۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ نے بھی اس پوری عبارت کو اعتماد کے ساتھ نقل کیا ہے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۶۴۰۔۶۴۱، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، لکھتے ہیں:

حضرت آدم علیہ السلام کے بجائے حضرت نوح علیہ السلام کے اول رسول ہونے کی توجیہ

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "جب مومنین حضرت آدم علیہ السلام کے پاس سفارش کے لیے جائیں گے تو وہ کہیں گے: تم نوح کے پاس جاؤ، کیونکہ وہ پہلے رسول ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے زمین کی طرف بھیجا" اس پر یہ اعتراض ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام زمین پر موجود تھے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ آدم علیہ السلام پہلے زمین پر موجود تھے لیکن وہ رسول نہیں تھے، کیونکہ رسول کا تقاضا یہ ہے کہ جس وقت اس کو بھیجا گیا ہو اس وقت وہاں پر ایسے لوگ ہوں جن کی طرف اس کو بھیجنا تھا، اور جب حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا گیا تو وہاں کوئی نہیں تھا، اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کی نسل سے اولاد ہو گئی تو اس وقت واجب تھا کہ ان کی طرف حضرت آدم علیہ السلام کو رسول بنایا جاتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا گیا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو ان کے دین کی تعلیم دے دی تھی اور جوان پر اپنے رب کی اطاعت لازم تھی اس کی بھی تعلیم دے دی تھی، پھر جب ان کی اولاد ہوئی تو آدم علیہ السلام نے اپنی اولاد کو اپنے دین پر ابھارا اور وہ اپنے رب کی جس شریعت پر تھے اس کی ان کو تلقین کی جیسا کہ ہم میں سے کوئی شخص جب اس کے ہاں اولاد ہو تو وہ اس کو اپنے طریقہ اور اپنے معمولات پر چلنے کے لیے ابھارتا ہے اس وجہ سے وہ رسول کہلانے کا مستحق نہیں ہوتا تو حضرت آدم علیہ السلام نے جو اپنی اولاد کو اپنے طریقہ پر چلنے کی تلقین کی اس وجہ سے وہ بھی رسول کہلانے کے مستحق نہیں ہوئے، اور حضرت نوح علیہ السلام کو رسول فرمایا، اس لیے کہ ان کو قوم کفار کی طرف بھیجا تھا تاکہ وہ ان کو ایمان کی دعوت دیں۔

(شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۴۵۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ، التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۳ ص ۲۶۹۔۲۷۰، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھنے والے کے لیے دوزخ سے نجات کی تحقیق

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے ”جس نے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھا اور اس کے دل میں ایک جَو یا ایک گندم یا ایک جوار کے برابر بھی خیر یا ایمان ہو تو اس کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا“۔

علامہ داؤدی نے کہا ہے: جس نے یقین کے ساتھ اخلاص سے یہ کلمہ پڑھا، اور اگر تمام آسمانوں اور زمینوں کو اور جوان کے درمیان چیزیں ہیں ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے اور لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کو دوسرے پلڑے میں رکھ دیا جائے تو وہ راجح ہوگا، لیکن یہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کو پڑھنا اسی شخص سے قبول کیا جائے گا جو اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور فرشتوں اور اس کے انبیاء اور اس کے رسولوں کو اور جنت اور دوزخ کو ماننے اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے کو مانے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۳ ص ۲۷۲، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۷۴۱۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیثِ مذکور کے بعض مشکل الفاظ کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ”اللہ تعالیٰ مومنین کو جمع فرمائے گا“۔ حدیث کی یہ عبارت تمام مومنین کو شامل ہے خواہ وہ گزشتہ امتوں سے ہوں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ”یریحنا من مکاننا هذا“ یعنی جو ہم کو محشر کی سختیوں سے راحت پہنچائے بایں طور کہ لوگوں کا حساب لیا جائے اور ان کو سورج کی گرمی سے نکالا جائے اور محشر کے ان تمام ہولناک امور سے جن کو برداشت کرنے کی وہ طاقت نہیں رکھتے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ”حضرت نوح علیہ السلام پہلے رسول ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے زمین کی طرف بھیجا“۔ اس کی شرح علامہ ابن بطال اور ابن ملقن کے کلام سے گزر چکی ہے لیکن علامہ عینی فرماتے ہیں: یہاں پر یہ کہنے کی گنجائش ہے کہ قابیل نے جب ہابیل کو قتل کر دیا اور وہ (سیدنا) آدم علیہ السلام سے بھاگے اور ان کی معصیت کی اور ان کے ساتھ ان کی اولاد بھی تھی تو حضرت آدم علیہ السلام نے ان کو اطاعت اور دین کی دعوت دی، پس اس وجہ سے یہ اطلاق کیا جا سکتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو ان کی طرف رسول بنا کر بھیجا تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی توجیہ کی ضرورت ہے کہ نوح علیہ السلام وہ پہلے رسول ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اہلِ زمین کی طرف بھیجا، اور یہاں پر ایک اشکال اور ہے اور وہ یہ ہے کہ اہلِ تعریف نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کے دادا ہیں، پس اگر یہ صحیح ہو کہ حضرت ادریس علیہ السلام رسول ہیں تو نوح علیہ السلام کے متعلق یہ قول صحیح نہیں ہوگا کہ وہ پہلے رسول ہیں اور اس کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ اہلِ تاریخ کا قول ہے جو حدیث کے مقابلہ میں حجت نہیں ہے۔

اس جگہ ایک یہ سوال ہے کہ اس حدیث کا اول اس پر دلالت کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شفاعت تمام اہلِ محشر کے لیے

ہوگی کہ ان کو محشر کی ہولناکیوں سے نجات دی جائے، اور اس حدیث کا آخر اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ شفاعت دوزخ سے نجات کے لیے ہوگی۔

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہاں کئی شفاعات ہیں، پہلی شفاعت اہلِ محشر کو ہولناکیوں سے نجات دینے کے لیے تھی اور آخری شفاعت دوزخ سے نجات کے لیے تھی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۱۵۷۔۱۵۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) جو شخص کسی بڑے آدمی سے کسی چیز کا سوال کرے تو اس کو چاہیے کہ اپنے سوال سے پہلے اپنی عمدہ صفات کو بیان کرے تا کہ اس کا سوال پورا کیا جائے۔

(۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی سوال کرنے سے پہلے اس کی بارگاہ میں انبیاء علیہم السلام کا وسیلہ پیش کرنا چاہیے۔

(۳) مومنوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ الہام کیا تھا کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے پاس جا کر ان سے سفارش کے لیے کہیں۔

(۴) مومنین اخیر میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سفارش کے لیے حاضر ہوں گے اور اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں سے اس بات کو بھلا دیا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وسیلہ پیش کرنا چاہیے تا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضیلت کا اظہار ہو کہ جو کام کوئی نبی نہ کر سکا وہ کام ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا، کیونکہ دوسرے انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے حضور سفارش کرنے سے گھبراتے تھے اور ڈرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سفارش کی، اس سے آپ کی تمام انبیاء علیہم السلام پر فضیلت ظاہر ہوئی۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۱۴۱۶، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۴۱۱۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ يَدُ اللهِ مَلْأَى لَا يَغِيضُهَا نَفَقَةٌ سَحَّاءُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَقَالَ أَرَأَيْتُمْ مَا أَنْفَقَ مُنْذُ خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ فَإِنَّهُ لَمْ يَغِضْ مَا فِي يَدِهِ وَقَالَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ وَبِيَدِهِ الْأُخْرَى الْمِيزَانُ يَخْفِضُ وَيَرْفَعُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوالزناد نے حدیث بیان کی از الاعرج از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے خرچ کرنے سے اس میں کمی نہیں ہوتی، وہ رات اور دن خرچ کرتا رہتا ہے اور اس سے اس میں کمی نہیں ہوتی۔

اور فرمایا: تم یہ بتاؤ کہ جب سے اس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے کتنا خرچ کیا ہے، پس بے شک اس خرچ سے اس کے ہاتھ میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔

اور فرمایا: اس کا عرش پانی پر ہے اور اس کے دوسرے ہاتھ میں میزان ہے جس کو وہ جھکاتا ہے اور بلند کرتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۴۶۸۴، ۵۳۵۲، ۷۴۱۱، ۷۴۱۹، ۷۴۹۶، صحیح مسلم: ۹۹۳، سنن ترمذی: ۳۰۴۵، سنن ابن ماجہ: ۱۹۷، مسند احمد: ۷۲۵۶، ۷۳۵۷)

صحیح البخاری: ۷۴۱۱، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے مشکل اور مبہم الفاظ کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ید اللہ" سورۂ ہود کی تفسیر میں گزر چکا ہے کہ اس حدیث کے شروع میں یہ اضافہ ہے "تم خرچ کرو میں تم پر خرچ کروں گا" اور اس میں "ید اللہ" کی جگہ "یمین اللہ" کا لفظ ہے، اور اس سے معلوم ہوا کہ ید کی تفسیر یہاں پر نعمت کے ساتھ کرنا صحیح نہیں ہے، اور اس سے بھی زیادہ بعید یہ ہے کہ جس نے اس کی تفسیر خزائن کے ساتھ کی ہے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ید کا اطلاق خزائن پر کیا ہے کیونکہ ہاتھ سے خزانوں میں تصرف کیا جاتا ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "ملأیٰ" اور "ملأیٰ" سے مراد اس کا لازم ہے یعنی اللہ تعالیٰ انتہائی غنی ہے اور اس کے پاس اتنا زیادہ رزق ہے جس کی مخلوق کے علم میں کوئی انتہا نہیں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "لا یغیضها" یعنی اس کے بھرے ہوئے ہاتھ میں کمی نہیں ہوتی، جب پانی کم ہو جائے تو کہا جاتا ہے "غاض الماء یغیض"۔

اس حدیث میں مذکور ہے "سحّاء" اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ ان ہاتھوں سے ہمیشہ بہاتا رہتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ارءیتم ما انفق" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے بھرے ہوئے ہاتھ کو واضح کرنے کے لیے فرمایا کہ جب سے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے اس نے کتنا خرچ کیا ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "فانه لم یغض" یعنی اس میں کوئی کمی نہیں ہوئی، اور ہمام کی روایت میں ہے کہ اس کے دائیں ہاتھ میں جو کچھ ہے اس میں کمی نہیں ہوئی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "عرشه علی الماء" یہاں پر عرش کے ذکر کی مناسبت یہ ہے کہ سننے والا جب اس پر مطلع ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا تو آپ نے یہ ذکر کیا جو اس پر دلالت کرے کہ عرش آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے سے پہلے پانی پر تھا جیسا کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ تھا اور کوئی چیز اس سے پہلے نہیں تھی اور اس کا عرش پانی پر تھا پھر اس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وبیده الاخری المیزان یخفض ویرفع" یعنی وہ میزان کو جھکاتا ہے اور اس کو بلند کرتا ہے۔ علامہ خطابی نے کہا: میزان ایک مثال ہے اور اس سے مراد ہے مخلوق کے درمیان تقسیم کرنا جس کی طرف میزان کے جھکانے اور بلند کرنے سے اشارہ ہے، اور علامہ الداؤدی نے کہا کہ میزان کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ نے اشیاء کو مقدر کیا اور ان کے وقت کو اور ان کی حدود کو، پس کوئی شخص از خود نفع اور ضرر کا مالک نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یا اللہ تعالیٰ کے سبب سے۔

اور ہمام کی روایت میں ہے: اس کے دوسرے ہاتھ میں الفیض ہے یا القبض ہے۔

اور قاضی عیاض نے کہا: القبض سے مراد موت کے سبب سے روحوں کو قبض کر لینا ہے اور الفیض سے مراد عطاء کے ساتھ

احسان کرنا ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قبض سے مراد منع کرنا ہو۔

اور النواس بن سمعان کی حدیث میں ہے کہ میزان رحمٰن کے ہاتھ میں ہے، وہ ایک قوم کو بلند کرتا ہے اور دوسری قوم کو پست کرتا ہے، اور امام مسلم اور ابن حبان نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نہیں سوتا اور نہ سونا اس کے مناسب ہے، وہ میزان کو جھکاتا ہے اور بلند کرتا ہے۔

علامہ المازری نے کہا: القبض اور البسط کا ذکر کیا گیا ہے اگرچہ قدرت واحد ہے تاکہ بندوں کو یہ سمجھایا جائے کہ اللہ تعالیٰ مختلف فعل کرتا ہے۔ پھر اس حدیث میں ہے کہ اس کے دوسرے ہاتھ میں میزان ہے، اس میں یہ اشارہ ہے کہ لوگوں کی عادت یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں سے چیز دیتے ہیں تو حدیث میں دونوں ہاتھوں کا ذکر ہے تاکہ معنی مراد کو سمجھایا جائے۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۵۳۱، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۴۱۲۔ حَدَّثَنَا مُقَدَّمُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى قَالَ حَدَّثَنِي عَمِّي الْقَاسِمُ بْنُ يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ نَافِعٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما عَنْ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَنَّهُ قَالَ إِنَّ اللهَ يَقْبِضُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الْأَرْضَ وَتَكُونُ السَّمٰوَاتُ بِيَمِينِهِ ثُمَّ يَقُولُ أَنَا الْمَلِكُ رَوَاهُ سَعِيدٌ عَنْ مَالِكٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مقدم بن محمد بن یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے میرے چچا القاسم بن یحییٰ نے حدیث بیان کی از عبید اللہ از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما از رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ قیامت کے دن زمین کو قبض کر لے گا اور تمام آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں ہوں گے، پھر فرمائے گا: بے شک میں الملک (بادشاہ) ہوں، اس حدیث کی سعید نے امام مالک سے روایت کی ہے۔

(صحیح البخاری: ۴۸۱۲، ۶۵۱۹، ۷۳۸۲، ۷۴۱۳، صحیح مسلم: ۲۷۸۷، سنن ابن ماجہ: ۱۹۲، مسند احمد: ۸۶۴۶، سنن دارمی: ۲۷۹۹)

صحیح البخاری: ۷۴۱۲، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے مناسب دیگر احادیث

اس سے پہلے باب میں یہ حدیث گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ زمین کو قبض کر لے گا اور آسمانوں کو اپنے دائیں ہاتھ سے لپیٹ لے گا۔

اور عمر بن حمزہ کی روایت میں ہے: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن آسمانوں کو لپیٹ لے گا، پھر ان کو اپنے دائیں ہاتھ سے پکڑ لے گا اور زمینوں کو لپیٹ لے گا پھر ان کو بائیں ہاتھ سے پکڑ لے گا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ زمینوں اور آسمانوں کو اپنی ہتھیلی میں رکھ لے گا، پھر ان کو اس طرح پھینکے گا جس طرح لڑکا گیند کو پھینکتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''میں بادشاہ ہوں'' عمر بن حمزہ کی روایت میں ہے: ''جبار کہاں ہیں؟ متکبر کہاں ہیں؟''

اللہ تعالیٰ کے لیے دائیں ہاتھ کے ثبوت میں دیگر احادیث

امام مسلم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''عدل کرنے والے قیامت کے دن نور کے منبروں پر ہوں گے جو رحمٰن کی دائیں جانب ہیں اور اس کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں''۔

اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آدم نے کہا: میں نے اپنے رب کے دائیں ہاتھ کو اختیار کیا اور میرے رب کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں، قرآن مجید میں ہے:

وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ (الزمر: ٦٧) اور آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے۔

مجاہد نے اس کی تفسیر میں کہا: اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ یمین یعنی دائیں ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو پیدا کیا ہے وہ قلم ہے، پھر اس کو اپنے دائیں ہاتھ سے پکڑا اور اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے دائیں ہاتھ کی توجیہ

علامہ القرطبی نے المفہم شرح صحیح مسلم میں بیان کیا: اسی طرح یہ روایت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ پر لفظِ شمال یعنی بائیں ہاتھ کے ساتھ بھی آئی ہے لیکن زیادہ روایات میں لفظِ شمال سے اجتناب ہے اس لیے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں کیونکہ بایاں ہاتھ دائیں ہاتھ سے ناقص ہوتا ہے، سو اللہ تعالیٰ سبحانہٗ کی صفت میں نقص کا وہم نہ کیا جائے۔

امام بیہقی نے کہا ہے: بعض اہل نظر نے یہ کہا ہے کہ ید یعنی ہاتھ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور وہ عضو نہیں ہے، اور ہر جس جگہ کتاب میں یا سنتِ صحیحہ میں ید کا لفظ آیا ہے تو اس سے مراد ہاتھ کے متعلقات ہیں جیسے کسی چیز کو لپیٹنا اور کسی چیز کو لینا، کسی چیز کو پکڑنا اور کسی چیز کو پھیلانا اور کسی چیز کو قبول کرنا اور خرچ کرنا، یہ ہاتھ کے تصرفات ہیں تو اللہ تعالیٰ کے لیے یہ تصرفات ثابت ہیں بغیر اس کے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ہاتھوں سے ان چیزوں کو مس کرے، اور اس میں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کی کسی چیز کے ساتھ تشبیہ نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے اور وہ دایاں ہاتھ ہے لیکن اس کا ہاتھ ہمارے ہاتھ کی طرح نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مثل کوئی چیز نہیں ہے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۵۳۲، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۴۱۳۔ وَقَالَ عُمَرُ بْنُ حَمْزَةَ سَمِعْتُ سَالِمًا سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم بِهٰذَا وَقَالَ أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقْبِضُ اللّٰهُ الْأَرْضَ۔

اور عمر بن حمزہ نے کہا: میں نے سالم سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا از نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی طرح، اور ابوالیمان نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے ابوسلمہ نے خبر دی، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ زمین کو قبض کرے گا۔

(صحیح البخاری: ۴۸۱۲، ۶۵۱۹، ۷۳۸۲، ۷۴۱۳، صحیح مسلم: ۲۷۸۷، سنن ابن ماجہ: ۱۹۲، مسند احمد: ۸۶۴۶، سنن دارمی: ۲۷۹۹)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۷۴۱۲ کی مثل ہے۔

۷۴۱۴۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ سَمِعَ يَحْيَى بْنَ سَعِيدٍ عَنْ سُفْيَانَ حَدَّثَنِي مَنْصُورٌ وَسُلَيْمَانُ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَبِيدَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ أَنَّ يَهُودِيًّا جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ إِنَّ اللهَ يُمْسِكُ السَّمٰوَاتِ عَلَى إِصْبَعٍ وَالْأَرَضِينَ عَلَى إِصْبَعٍ وَالْجِبَالَ عَلَى إِصْبَعٍ وَالشَّجَرَ عَلَى إِصْبَعٍ وَالْخَلَائِقَ عَلَى إِصْبَعٍ ثُمَّ يَقُولُ أَنَا الْمَلِكُ فَضَحِكَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم حَتَّى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ ثُمَّ قَرَأَ ﴿وَمَا قَدَرُوا اللهَ حَقَّ قَدْرِهٖ﴾ قَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ وَزَادَ فِيهِ فُضَيْلُ بْنُ عِيَاضٍ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَبِيدَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ فَضَحِكَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم تَعَجُّبًا وَتَصْدِيقًا لَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے یحییٰ بن سعید سے سنا از سفیان، انہوں نے کہا: مجھے منصور نے حدیث بیان کی اور سلیمان نے از ابراہیم از عبیدہ از حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک ایک یہودی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، پس اس نے کہا: اے محمد! بے شک اللہ تمام آسمانوں کو ایک انگلی پر روکنے والا ہے، اور تمام زمینوں کو ایک انگلی پر روکنے والا ہے، اور تمام پہاڑوں کو ایک انگلی پر روکنے والا ہے، اور درختوں کو ایک انگلی پر روکنے والا ہے، اور تمام مخلوقات کو ایک انگلی پر روکنے والا ہے، پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: بے شک میں بادشاہ ہوں، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے حتیٰ کہ آپ کی ڈاڑھیں ظاہر ہوگئیں، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی:
''اور انہوں نے اللہ کی ایسی قدر نہیں کی جیسا اس کی قدر کرنے کا حق تھا''۔ (الزمر:٦٧)
یحییٰ بن سعید نے کہا: اور اس حدیث میں فضیل بن عیاض نے یہ اضافہ کیا از منصور از ابراہیم از عبیدہ از حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم از روئے تعجب کے اور اس کی تصدیق کی خاطر ہنسے۔

(صحیح البخاری: ۴۸۱۱، ۷۴۱۴، ۷۴۱۵، ۷۴۵۱، ۷۵۱۳، صحیح مسلم: ۲۷۸۶، سنن ترمذی: ۳۲۳۸، مسند احمد: ۴۳۵۵)

۷۴۱۵۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ سَمِعْتُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ سَمِعْتُ عَلْقَمَةَ يَقُولُ قَالَ عَبْدُ اللهِ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ فَقَالَ يَا أَبَا الْقَاسِمِ إِنَّ اللهَ يُمْسِكُ السَّمٰوَاتِ عَلَى إِصْبَعٍ وَالْأَرَضِينَ عَلَى إِصْبَعٍ وَالشَّجَرَ وَالثَّرٰى عَلَى إِصْبَعٍ وَالْخَلَائِقَ عَلَى إِصْبَعٍ ثُمَّ يَقُولُ أَنَا الْمَلِكُ أَنَا الْمَلِكُ فَرَأَيْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم ضَحِكَ حَتَّى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ ثُمَّ قَرَأَ ﴿وَمَا قَدَرُوا اللهَ حَقَّ قَدْرِهٖ﴾

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمر بن حفص بن غیاث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابراہیم سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے علقمہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اہلِ کتاب میں سے ایک مرد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، پس اس نے کہا: اے ابوالقاسم! بے شک اللہ تعالیٰ تمام آسمانوں کو ایک انگلی پر روکنے والا ہے، اور تمام زمینوں کو ایک انگلی پر روکنے والا ہے اور درخت کو اور کیچڑ کو ایک انگلی پر روکنے والا ہے اور تمام مخلوقات کو ایک انگلی پر روکنے والا

ہے، پھر فرماتا ہے: میں بادشاہ ہوں، میں بادشاہ ہوں، پس میں نے دیکھا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہنسے حتیٰ کہ آپ کی ڈاڑھیں ظاہر ہو گئیں، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی:

''اور انہوں نے اللہ کی ایسی قدر نہیں کی جیسا اس کی قدر کرنے کا حق تھا''۔ (الزمر: ٦٧)

(صحیح البخاری: ٤٨١١، ٧٤١٤، ٧٤١٥، ٧٤٥١، ٧٥١٣، صحیح مسلم: ٢٧٨٦، سنن ترمذی: ٣٢٣٨، مسند احمد: ٤٣٥٥)

صحیح البخاری: ٧٤١٥، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ٤٤٩ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی انگلی کی توجیہ

یہ صحیح نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی انگلی اس طرح ہو جیسے ہماری انگلی ہے، کیونکہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا جسم ہونا باطل ہے تو علامہ ابوالحسن اشعری کے قول کے مطابق اس حدیث اور اس کے مشابہ دوسری احادیث جس میں اللہ تعالیٰ کے لیے انگلی کا یا جسم کا ثبوت ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی صفت کی طرف راجع ہے اور نہ اس کی کوئی حد بیان کرنا جائز ہے اور نہ اس کی کیفیت بیان کرنا جائز ہے۔

علامہ ابوبکر بن فورک نے کہا: ہو سکتا ہے اس انگلی سے مراد اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہو اور وہ آسمانوں یا زمینوں کو اس طرح اٹھائے ہوئے ہو جیسے انگلی اٹھاتی ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انگلی سے مراد اللہ تعالیٰ کی قدرت کو بیان کرنا ہو کہ ان عظیم مخلوقات کو اللہ تعالیٰ ایک انگلی سے اٹھا لیتا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور اپنی سلطنت کی خبر دی ہے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس طرح ہنسے جیسے کوئی تعجب کرنے والا ہنستا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو جتنی اشیاء پر قدرت ہے اس کے مقابلہ میں تو یہ بہت کم چیز ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کی کوئی ایسی حد بیان کرنا جس پر جا کر وہ ختم ہو جائے اور اس حد کا احاطہ ہو جائے تو ایسا نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ وہ تمام مخلوقات کو بغیر کسی چیز کے روک لے، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَللّٰهُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا (الرعد: ٢) اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے بلند کیا (جیسا کہ) تم انہیں دیکھتے ہو۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ١٠ ص ٤٥٣، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ١٤٢٤ھ)

صحیح البخاری: ٧٤١٥، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ٨٥٢ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی انگلیوں کے متعلق تحقیق

علامہ حمد بن محمد خطابی الشافعی المتوفی ٣٨٨ھ لکھتے ہیں:

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی انگلیوں کا ذکر نہیں ہے اور نہ کسی حدیث قطعی الثبوت میں اللہ تعالیٰ کی انگلیوں کا ذکر ہے، اور یہ

بات ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ''ید'' (ہاتھ) انسانی عضو نہیں ہے حتیٰ کہ اس کے ثبوت سے اللہ تعالیٰ کی انگلیوں کے ثبوت کا وہم کیا جائے، بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کا ذکر امر توقیفی ہے جس کا شارع علیہ السلام نے اطلاق کیا ہے، پس نہ اس کی کیفیت بیان کی جائے گی اور نہ اس کی تشبیہ دی جائے گی۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''ایک یہودی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے کہا: اے محمد! بے شک اللہ تعالیٰ آسمانوں کو ایک انگلی پر روکتا ہے اور زمینوں کو ایک انگلی پر روکتا ہے اور پہاڑوں کو ایک انگلی پر روکتا ہے اور درختوں کو ایک انگلی پر روکتا ہے اور تمام مخلوق کو ایک انگلی پر روکتا ہے۔۔۔الحدیث''۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں انگلیوں کا ذکر یہودی کی ملاوٹ سے ہے کیونکہ یہودی مشبہہ ہیں اور وہ تورات کے جن الفاظ کا دعویٰ کرتے ہیں وہ انہوں نے تشبیہ کے باب سے داخل کیے ہیں اور مسلمانوں کے مذاہب میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کی تشبیہ نہیں ہے، باقی رہی یہ بات کہ اس کی بات سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے حتیٰ کہ آپ کی ڈاڑھیں ظاہر ہو گئیں، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی:

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ (الزمر: ٦٧) اور انہوں نے اللہ کی ایسی قدر نہیں کی جیسا اس کی قدر کرنے کا حق تھا۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہنسنا اس یہودی عالم کی بات کی وجہ سے تھا، ہو سکتا ہے کہ آپ کا ہنسنا اس کی بات پر راضی ہونے کی وجہ سے ہو، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کا ہنسنا اس یہودی کی بات پر انکار کی وجہ سے ہو، رہا یہ کہ امام بخاری نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے ازروئے تعجب کے اور اس یہودی کی بات کی تصدیق کے۔

پس حدیث کے راوی کا یہ کہنا کہ آپ نے اس یہودی کی بات کی تصدیق کی، یہ اس راوی کا گمان ہے اور ظن و تخمین ہے اور یہ حدیث متعدد سندوں کے ساتھ مروی ہے اور اس میں یہ اضافہ نہیں ہے، اور اگر یہ فرض کیا جائے کہ یہ اضافہ صحیح ہے تو کبھی چہرہ کی سرخی سے شرمندگی پر استدلال کیا جاتا ہے اور چہرہ کی زردی سے خوف پر استدلال کیا جاتا ہے اور واقع میں اس کے خلاف ہوتا ہے، پس ہو سکتا ہے کہ چہرہ کی سرخی بدن میں خون کے جوش کی وجہ سے ہو اور چہرہ کی زردی صفراء کے غلبہ کی وجہ سے ہو، اور اگر یہ محفوظ ہو تو اس کی وہ تاویل کی جائے گی جو اس آیت میں تاویل ہے:

وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ (الزمر: ٦٧) اور آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے۔

اس آیت میں دائیں ہاتھ کی تاویل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس پر قدرت ہے کہ وہ سہولت کے ساتھ تمام آسمانوں کو لپیٹ لے، جیسے کوئی شخص اپنی ہتھیلی میں کسی چیز کو لپیٹ لے، اور اللہ تعالیٰ آسمانوں کو اٹھانے پر مستقل قادر ہے بغیر اس کے کہ وہ آسمانوں کو ہاتھوں میں جمع کرے۔

بعض علماء نے علامہ خطابی کا اس پر رد کیا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی انگلیوں کا انکار کیا حالانکہ حدیث صحیح میں اللہ تعالیٰ کی انگلیوں کا ذکر ہے، جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے: ''ابنِ آدم کا قلب رحمٰن کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں میں ہے''۔

حافظ ابنِ حجر عسقلانی کہتے ہیں کہ علامہ خطابی پر یہ رد صحیح نہیں ہے کیونکہ علامہ خطابی نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی انگلیوں کا کوئی قطعی ثبوت نہیں ہے اور مسلم کی یہ حدیث خبرِ واحد ہے جو ظنی الثبوت ہے۔

علامہ القرطبی المفہم شرح صحیح مسلم میں اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ تمام عبارت یہودی کا قول ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے جسم ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ ایسا شخص ہے جس کے اعضاء ہیں جیسا کہ اس امت کے غالی مشبہین اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے ہیں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہنسنا اس یہودی عالم کی جہالت پر تھا اس لیے آپ نے یہ آیت پڑھی: ''وَمَاقَدَرُوااللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ۔۔۔ (الزمر: ٦٧)'' یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اس طرح معرفت حاصل نہیں کی جس طرح اس کی معرفت حاصل کرنے کا حق ہے، اور نہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ایسی تعظیم کی جیسی تعظیم اس کا حق ہے، پھر اتنی روایت صحیح ہے اور محققہ ہے، اور جس نے اس روایت میں یہ اضافہ کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی تصدیق کے لیے ہنسے، سو یہ کچھ نہیں ہے کیونکہ راوی کا قول ہے اور یہ باطل ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی محال چیز کی تصدیق نہیں فرماتے اور یہ اوصاف یعنی ہاتھ کی انگلیوں کا اللہ تعالیٰ کے لیے ہونا اللہ تعالیٰ کے حق میں محال ہے کہ اگر ایسا ہو تو اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہوگا اور اس کی انگلیاں ہوں گی اور اس کے اعضاء ہوں گے اور اللہ تعالیٰ ہم میں سے کسی ایک آدمی کی مثل ہوگا، پھر اللہ تعالیٰ کے لیے افتقار اور حدوث اور نقص اور عجز اس طرح لازم آئے گا جس طرح یہ امور ہمارے لیے واجب ہیں۔ اور اگر اس طرح ہو تو پھر اس کا الٰہ ہونا محال ہوگا، کیونکہ اگر ان صفات کا الوہیت کے لیے ثبوت جائز ہو تو پھر دجال کی صفات بھی جائز ہوں گی اور یہ محال ہے، پس یہودی کا یہ قول جھوٹ ہے اور محال ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں یہ آیت نازل فرمائی: ''وَمَاقَدَرُوااللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ۔۔۔ (الزمر: ٦٧)''۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس یہودی کی جہالت پر تعجب کیا اور آپ ہنسے تو راوی نے اس سے یہ گمان کر لیا کہ یہ تعجب کرنا یہودی کی بات کی تصدیق ہے حالانکہ اس طرح نہیں ہے۔

پس اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ صحیح حدیث میں ہے کہ ''بنو آدم کے دل رحمٰن کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہیں''۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارے پاس یہ کلامِ صادق آیا ہے اور ہم نے اس کی تاویل کی ہے یا ہم نے اس پر توقف کیا ہے حتیٰ کہ اس کی توجیہ معلوم ہو جائے جب کہ قطعی بات یہ ہے کہ اس کا ظاہر معنی محال ہے کیونکہ یہ کلام اس شخص کی زبان سے صادر ہوا جس کے صادق ہونے پر معجزہ دلیل ہے، لیکن جب یہ کلام کسی ایسے شخص کی زبان سے صادر ہو جس کا جھوٹ ہونا ممکن ہو بلکہ ایسے شخص کی زبان سے صادر ہو جس کے متعلق مخبرِ صادق نے یہ خبر دی ہے کہ وہ جھوٹ بولتا ہے اور تحریف کرتا ہے تو پھر ہم اس کی تکذیب کریں گے اور اس کی قباحت بیان کریں گے، اور اگر ہم یہ مان لیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تصدیق کی ہے تو یہ معنی میں اس کی تصدیق نہیں ہے بلکہ صرف الفاظ میں تصدیق ہے جن الفاظ کو اس نے اپنے نبی کی کتاب سے نقل کیا ہے اور ہم قطعیت کے ساتھ جانتے ہیں کہ اس کا ظاہر مراد نہیں ہے۔ (علامہ قرطبی کی عبارت ختم ہوئی)۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

علامہ قرطبی نے جو اخیر میں کہا ہے، یہ اس کلام سے اولیٰ ہے جس کو انہوں نے ابتداء میں کہا ہے، کیونکہ اس سے ثقہ راویوں پر طعن لازم آتا ہے اور احادیثِ ثابتہ کو رد کرنا لازم آتا ہے، اور اگر ایسا ہوتا کہ واقعہ اس کے خلاف ہوتا جو راوی نے گمان کیا ہے تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس پر خاموش رہنے سے یہ لازم آئے گا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک باطل چیز کی تقریر کی اور اس پر انکار کرنے سے سکوت کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے بہت بری ہیں۔

امام ابن خزیمہ نے اس پر شدید انکار کیا ہے جس نے یہ دعویٰ کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہنسنا بطور انکار تھا، امام ابن خزیمہ نے اس حدیث کو صحیح ابن خزیمہ کی کتاب التوحید میں وارد کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے بزرگ اور برتر رکھا ہے کہ آپ کے سامنے اللہ تعالیٰ کی وہ صفات بیان کی جائیں جو اس کی صفات نہیں ہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان پر انکار کرنے اور غضب فرمانے کے بجائے ان پر ہنسیں۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۵۳۴، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۷۴۱۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں پانچ مباحث ہیں:

مبحثِ اول: اللہ تعالیٰ کی انگلیوں کے متعلق تحقیق

علامہ ابن بطال نے کہا ہے: اس حدیث میں انگلی سے مراد عضو نہیں ہے بلکہ انگلی کا لفظ اللہ تعالیٰ کی ذات کی صفات میں سے کسی صفت پر محمول ہے، اور اس کی کیفیت نہیں بیان کی جائے گی اور نہ اس کی حد بیان کی جائے گی، اور یہ مذہب امام ابو الحسن الاشعری کی طرف منسوب ہے۔

اور امام ابن فورک نے کہا کہ ہوسکتا ہے انگلی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہو جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہو، اور یہ انگلی ان چیزوں کو اٹھاتی ہو جن کو انگلیاں اٹھاتی ہیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی انگلی سے مراد اللہ تعالیٰ کی قدرت ہو اور اللہ تعالیٰ کا غلبہ ہو۔

اور علامہ خطابی نے کہا ہے: قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی انگلی کا ذکر نہیں ہے اور نہ کسی قطعی الثبوت حدیث میں اس کا ذکر ہے، اور یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ انسانی عضو نہیں ہے حتیٰ کہ اس کے ثبوت سے انگلیوں کا ثبوت لازم آئے بلکہ اللہ تعالیٰ کی انگلیوں کا ذکر شارع علیہ السلام نے کیا ہے، اس کی نہ کیفیت بیان کی جائے گی اور نہ یہ کسی کے مشابہ ہے اور شاید کہ انگلیوں کا ذکر یہود کی تحریفات میں سے ہو، کیونکہ یہود مشبہہ ہیں اور وہ جن چیزوں کا تورات سے دعویٰ کرتے ہیں وہ ایسے الفاظ ہیں جن کا تعلق تشبیہ کے باب سے ہے اور وہ مسلمانوں کے مذاہب میں داخل نہیں ہیں۔

اور علامہ خطابی کے انکار پر رد کیا گیا ہے، کیونکہ متعدد احادیث میں اللہ تعالیٰ کی انگلیوں کا ذکر ہے، ان میں سے صحیح مسلم کی حدیث ہے کہ ابنِ آدم کا دل رحمٰن کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہے، اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس سے علامہ خطابی کا رد نہیں ہوتا کیونکہ علامہ خطابی نے یہ کہا ہے کہ کسی ایسی حدیث میں انگلیوں کا ذکر نہیں ہے جو قطعی الثبوت ہو۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ کے لیے ایسی انگلیوں کا ثبوت ممنوع نہیں ہے جو اعضاء کا غیر ہوں جیسے اللہ تعالیٰ کے لیے ہاتھ کا ثبوت ہے اور وہ انسانی عضو نہیں ہے اسی طرح اس کے لیے انگلیاں بھی ہوسکتی ہیں جو انسانی عضو نہ ہوں۔

مبحثِ ثانی: اللہ تعالیٰ کی انگلیوں کے ثبوت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کے متعلق

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تصدیق کی، یہ راوی کا گمان ہے اور وہم ہے، کیونکہ یہ حدیث حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے متعدد اصحاب سے مروی ہے اور انہوں نے یہ اضافہ نہیں کیا کہ آپ اس کی تصدیق کے

لیے ہنسے۔

اور علامہ القرطبی نے المفہم میں کہا ہے کہ جس نے اس حدیث میں اضافہ کیا کہ آپ اس کی تصدیق کے لیے ہنسے تو یہ کچھ نہیں ہے، کیونکہ یہ اضافہ راوی کا قول ہے اور یہ باطل ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محال کی تصدیق نہیں کرتے اور یہ اوصاف اللہ تعالیٰ کے حق میں محال ہیں، پھر انہوں نے اس میں طویل کلام کیا، پھر یہ کہا کہ اگر ہم یہ مان لیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تصدیق کی تصریح کی ہے تو یہ معنی کی تصدیق نہیں ہے بلکہ فقط ان الفاظ کی تصدیق کی ہے جو اس نے اپنے نبی کی کتاب سے نقل کیے ہیں۔ اور قطعی بات یہ ہے کہ اس کا ظاہر مراد نہیں ہے۔

مبحث ثالث: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہنسنے کی تحقیق میں

علامہ قرطبی نے کہا ہے: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہنسنا وہ یہودی کی جہالت پر تعجب کی وجہ سے تھا، پس راوی نے یہ گمان کرلیا کہ یہ تعجب تصدیق ہے حالانکہ اس طرح نہیں ہے۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے: اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مخلوقات کا ذکر کیا اور یہ خبر دی کہ اللہ تعالیٰ کو ان سب پر قدرت ہے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس لیے ہنسے کہ یہودی اللہ تعالیٰ کی قدرت میں تعجب کرتا ہے۔

المبحث الرابع: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہنستے نہیں تھے صرف مسکراتے تھے

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہنسے حتیٰ کہ آپ کی ڈاڑھیں ظاہر ہوگئیں'' اور یہ قہقہہ ہے، علامہ الکرمانی نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غالب اوقات میں مسکراتے تھے اور آپ کا ہنسنا جیسا کہ اس حدیث میں مذکور ہے نادر اوقات میں ہوتا تھا یا مراد ڈاڑھوں سے مطلقاً دندانِ مبارک ہیں۔

المبحث الخامس: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے الانعام: ۹۱ پڑھنے کی حکمت

الانعام: ۹۱ میں مذکور ہے ''وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ'' اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ یہودی نے جو بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک انگلی سے آسمانوں کو روکا ہوا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کے مقابلہ میں بہت کم ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی کوئی حد نہیں ہے جہاں تک وہم پہنچ سکے یا کوئی حد اس کا احاطہ کر سکے اور آنکھ اس کا احاطہ کر سکے۔

علامہ الخطابی نے کہا ہے: اس آیت میں یہ بھی احتمال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہودی کے قول پر راضی ہونے کے لیے یہ آیت پڑھی اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپ نے اس کی بات کا انکار کرنے کے لیے یہ آیت پڑھی، علامہ القرطبی نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہنسنا یہودی کی جہالت پر تعجب کی وجہ سے تھا، اسی وجہ سے آپ نے یہ آیت پڑھی ''وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ۔۔۔ (الانعام: ۹۱)'' یعنی ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی ایسی معرفت نہیں کی جو اس کی معرفت کا حق ہے اور اللہ تعالیٰ کی ایسی تعظیم نہیں کی جو اس کی تعظیم کا حق ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۱۶۲۔ ۱۶۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۲۰۔ بَابُ: قَوْلِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم لَا شَخْصَ أَغْيَرُ مِنَ اللّٰهِ

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد: ''کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے زیادہ غیرت کرنے والا نہیں ہے''

وَقَالَ عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عَمْرٍو عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ: لَا شَخْصَ أَغْيَرُ مِنَ اللّٰهِ۔ اور عبید اللہ بن عمرو نے کہا از عبد الملک: ''کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے زیادہ غیرت کرنے والا نہیں ہے''۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے مختلف الفاظ

صحیح البخاری کے بعض نسخوں میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''کوئی ایک بھی اللہ تعالیٰ سے زیادہ غیرت کرنے والا نہیں ہے'' اور عبید اللہ بن عمرو نے از عبد الملک کہا: ''کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے زیادہ غیرت کرنے والا نہیں ہے''۔ اور علامہ ابن بطال نے ''لا شخص'' کو ''لا احد'' کے ساتھ تبدیل کر دیا اور اسی کے مطابق شرح کی ہے اور کہا: اس حدیث کے الفاظ مختلف ہیں، پس حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ ہیں ''لا احد'' پس معلوم ہوا کہ شخص کا لفظ عہد کی جگہ آیا ہے، پس گویا یہ راوی کے تصرف میں سے ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: حدیث کے الفاظ کا اختلاف حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ ''کوئی ایک اللہ تعالیٰ سے زیادہ غیرت کرنے والا نہیں ہے''، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے: ''کوئی ایک اللہ تعالیٰ سے زیادہ غیرت کرنے والا نہیں ہے''، اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے: ''کوئی چیز اللہ تعالیٰ سے زیادہ غیرت کرنے والی نہیں ہے''، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے ''اللہ تعالیٰ غیرت کرتا ہے'' اور یہ تمام امور کتاب النکاح کے باب الغیرۃ میں گزر چکے ہیں، اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت اس پر مبنی ہے کہ لفظِ شخص لفظِ عہد کی جگہ موضوع ہے۔

علامہ داؤدی نے کہا کہ حدیث میں ہے ''کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے زیادہ غیرت کرنے والا نہیں ہے'' اس کا متصلاً ذکر نہیں ہے اور ان احادیث کی مثل کو امت نے قبول نہیں کیا۔

اللہ تعالیٰ کی ذات پر لفظِ ''شخص'' کے اطلاق کی ممانعت پر دلائل

علامہ الخطابی نے کہا: اللہ تعالیٰ کی صفات میں شخص کا اطلاق کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ شخص وہ ہوتا ہے جو جسمِ مرکب ہو اور یہ لفظ لائق ہے کہ صحیح نہ ہو، اور راوی نے اپنی طرف سے اس کو ذکر کر دیا ہو اور اکثر راوی حدیث کو بالمعنی روایت کرتے ہیں، اور تمام راوی فقہاء نہیں ہوتے۔

اور بعض کبار تابعین نے کہا: ''نعم المرء ربنا لو اطعناہ ما عصاءنا'' (ہمارا رب کیا ہی اچھا مرد ہے کاش ہم اس کی اطاعت کرتے اور اس کی نافرمانی نہ کرتے)، اور ''المرء'' کا لفظ آدمیوں میں سے مذکر پر بولا جاتا ہے، تو لفظِ شخص کا اطلاق بھی اللہ تعالیٰ پر اسی طریقہ سے کیا گیا ہو لیکن اس کا فساد کئی وجوہ سے ہے:

(۱) جس لفظ کا اللہ تعالیٰ پر اطلاق کیا جائے اس کا ثبوت صرف قرآن اور حدیث سے ہوتا ہے۔

(۲) اجماع الامت نے شخص اور ''المرء'' کے اللہ تعالیٰ کی ذات پر اطلاق سے منع کیا ہے۔

(۳) شخص کا معنی ہے: جو جسم مرکب ہو لہٰذا اس کا اللہ تعالیٰ پر اطلاق نہیں کیا جائے گا، اور تحقیق الجہمیہ نے بھی اللہ تعالیٰ کی ذات پر شخص کے اطلاق سے منع کیا ہے، اس کے باوجود کہ وہ اللہ تعالیٰ کو جسم مانتے ہیں، پس یہ اس پر دلیل ہے جو ہم نے بیان کیا کہ اس پر اجماع ہے کہ شخص کے لفظ کا اطلاق اللہ تعالیٰ کی ذات پر کرنا اور اللہ عزوجل کی صفات پر اس کا اطلاق کرنا ممنوع ہے۔

غیرت کے معنی کی تحقیق

غیرت کا معنی حمیت اور خودداری اور ناپسندیدگی ہے۔

قاضی عیاض نے کہا: ''الغیرۃ'' کا لفظ جس چیز یا وصف میں کوئی انسان منفرد ہو اس میں دوسرے کی مشارکت کی وجہ سے قلب کے متغیر ہونے اور غضب کے جوش میں آنے سے ماخوذ ہے، اور سب سے زیادہ غیرت اس چیز میں ہوتی ہے جو شوہر اور بیوی کے درمیان ہو، یعنی اگر کوئی شخص کسی کی بیوی سے جنسی تعلق رکھے تو اس کا شوہر غیرت میں آتا ہے یعنی اس کا خون جوش میں آتا ہے اور اگر کسی عورت کا شوہر کسی دوسری عورت کے ساتھ جنسی تعلق رکھے تو وہ عورت غیرت میں آتی ہے یعنی اس کا خون جوش میں آتا ہے اور غیرت کا یہ معنی آدمیوں کے حق میں ہے اور جہاں تک اللہ تعالیٰ کے حق کا تعلق ہے اس میں غیرت کے معنی کا عنقریب ذکر آئے گا۔

تعلیقِ مذکور میں عبید اللہ بن عمرو کا تذکرہ

اس تعلیق میں عبید اللہ بن عمرو کا ذکر ہے، یہ عمرو بن ابی الولید الاسدی ہیں اور یہ عبد الملک سے روایت کرتے ہیں جو ابن عمیر بن سوید الکوفی ہیں۔ اور یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے جیحون کے دریا کو سعید بن عثمان بن عفان کے ساتھ پار کیا تھا، اور یہ دریا بلخ میں سمرقند کے راستہ پر ہے، وہ ایک سو چھتیس (۱۳۶) ہجری میں جہاد کے لیے نکلے اور فوت ہو گئے اور جس دن ان کی وفات ہوئی اس دن ان کی عمر ایک سو تین (۱۰۳) سال تھی۔

علامہ الخطابی نے کہا ہے: عبید اللہ، عبد الملک سے اس روایت میں منفرد ہیں، ان کا کوئی متابع نہیں ہے اور بعض شارحین (حافظ ابن حجر عسقلانی) نے الخطابی پر رد کیا ہے کہ انہوں نے تحقیق نہیں کی اور روایاتِ صحیحہ کو رد کر دیا اور ائمہ حدیث میں طعن کیا حالانکہ اس کی توجیہ ہو سکتی ہے۔

اسی وجہ سے علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ ثقہ راویوں کو خطاء پر قرار دینے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ان کا حکم باقی متشابہات کا حکم ہے یا تو ان کو چھوڑ دیا جائے یا ان کی تاویل کی جائے۔

شخص کے لفظ کا معنی اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر اس کے اطلاق کی ممانعت کی وجہ

ابن فورک اور علامہ قرطبی نے کہا: اصل میں شخص کا لفظ لغت میں انسان کے جسم کے لیے وضع کیا گیا ہے اور ہر ظاہر چیز میں اس کا استعمال کیا گیا ہے، جب کوئی چیز ظاہر ہو تو کہا جاتا ہے ''شخص الشیء'' اور یہ معنی اللہ تعالیٰ پر محال ہے۔

پس یہ کلام اس پر دلالت کرتا ہے کہ حافظ ابن حجر اللہ تعالیٰ پر لفظِ شئے کے اطلاق پر راضی نہیں ہیں، اگرچہ انہوں نے اس کی تاویل کی ہے اور ان پر تعجب ہے کہ انہوں نے اپنے کلام کی علامہ کرمانی کے قول سے تائید کی حالانکہ وہ کئی مقامات پر علامہ کرمانی کی طرف غفلت اور وہم اور غلطی کی نسبت کرتے ہیں اور یہ کہاں سے ثابت ہے کہ علامہ الخطابی نے صحیح مسلم وغیرہ کی طرف رجوع نہیں

کیا۔اور سہو اور نسیان کسی شخص سے بھی اٹھایا نہیں گیا، سہو اور نسیان ثقات اور غیر ثقات میں واقع ہو جاتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۱۶۴۔۱۶۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۴۱۶۔حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ التَّبُوذَكِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ عَنْ وَرَّادٍ كَاتِبِ الْمُغِيرَةِ عَنِ الْمُغِيرَةِ قَالَ قَالَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ لَوْ رَأَيْتُ رَجُلًا مَعَ امْرَأَتِي لَضَرَبْتُهُ بِالسَّيْفِ غَيْرَ مُصْفَحٍ فَبَلَغَ ذَلِكَ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ أَتَعْجَبُونَ مِنْ غَيْرَةِ سَعْدٍ وَاللّٰهِ لَأَنَا أَغْيَرُ مِنْهُ وَاللّٰهُ أَغْيَرُ مِنِّي وَمِنْ أَجْلِ غَيْرَةِ اللّٰهِ حَرَّمَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا أَحَدَ أَحَبُّ إِلَيْهِ الْعُذْرُ مِنَ اللّٰهِ وَمِنْ أَجْلِ ذَلِكَ بَعَثَ الْمُبَشِّرِينَ وَالْمُنْذِرِينَ وَلَا أَحَدَ أَحَبُّ إِلَيْهِ الْمِدْحَةُ مِنَ اللّٰهِ وَمِنْ أَجْلِ ذَلِكَ وَعَدَ اللّٰهُ الْجَنَّةَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل التبوذکی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوعوانہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالملک نے حدیث بیان کی از ورّاد جو حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کے کاتب تھے از مغیرہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر میں کسی (اجنبی) مرد کو اپنی بیوی کے ساتھ دیکھوں تو میں اس مرد کو تلوار کی دھار سے ضرب لگاؤں گا نہ کہ چوڑائی سے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک اس بات کی خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا: کیا تم سعد کی غیرت پر تعجب کرتے ہو؟ اور اللہ کی قسم! میں سعد سے زیادہ غیرت کرنے والا ہوں، اور اللہ تعالیٰ مجھ سے زیادہ غیرت کرنے والا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے غیرت کی وجہ سے بے حیائی کے کاموں کو حرام فرما دیا خواہ وہ ظاہر ہوں یا باطن ہوں، اور کوئی شخص بھی اللہ تعالیٰ سے زیادہ عذر کو پسند کرنے والا نہیں ہے، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بشارت دینے والے اور ڈرانے والے بھیجے اور کوئی شخص بھی اللہ تعالیٰ سے زیادہ مدح کو پسند کرنے والا نہیں ہے، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ کیا ہے۔

(صحیح البخاری: ۶۸۴۶، ۷۴۱۶، صحیح مسلم: ۱۴۹۹، مسند احمد: ۱۷۷۰۳، سنن دارمی: ۲۲۲۷)

صحیح البخاری: ۷۴۱۶، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی غیرت کی توجیہ

اللہ تعالیٰ کی غیرت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بے حیائی کے کاموں کو حرام کر دیا ہے اور بے حیائی کے کام کرنے پر ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے اور حدیث کا معنی یہ ہے کہ جو لوگ غیرت کے ساتھ موصوف ہیں ان کی غیرت اللہ تعالیٰ کی غیرت کو نہیں پہنچتی۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ "جتنی اللہ تعالیٰ کو مدح پسند ہے اتنی کسی کو مدح پسند نہیں ہے"۔ اور اللہ تعالیٰ کو مدح کے پسند ہونے کا معنی یہ ہے کہ جب بندے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں اور اس کی تنزیہہ بیان کرتے ہیں اور اس کی حمد و ثنا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو جزاء عطا فرماتا ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "اللہ تعالیٰ سے زیادہ عذر کو پسند کرنے والا کوئی نہیں ہے"۔ یہاں پر عذر کا وہ معنی ہے جس کا اس آیت میں ذکر ہے:

وَ هُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَ یَعْفُوْا عَنِ السَّیِّاٰتِ (الشوریٰ:۲۵) اور وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور گناہوں کو معاف فرماتا ہے۔

پس اس حدیث میں عذر کا معنی ہے: "اللہ تعالیٰ کا بندوں کی توبہ قبول فرمانا"۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۴۵۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۷۴۱۶، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی غیرت کی توجیہ

اس حدیث میں مذکور ہے "تم سعد کی غیرت پر تعجب کرتے ہو اور اللہ کی قسم! میں سعد سے زیادہ غیرت والا ہوں، اور اللہ تعالیٰ مجھ سے زیادہ غیرت والا ہے اور اللہ تعالیٰ نے غیرت کی وجہ سے بے حیائی کے کاموں کو حرام فرمادیا ہے خواہ وہ ظاہر ہوں یا باطن ہوں"۔

اس سے پہلے کتاب النکاح کے "باب الغیرۃ" میں یہ بیان کیا جاچکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی غیرت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بے حیائی کے کاموں کو حرام کردیا ہے اور ان کے ارتکاب پر زجر و توبیخ کی ہے اور ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے، کیونکہ غیور وہ ہوتا ہے کہ جس کام پر اس کو غیرت آتی ہے اس کام پر زجر و توبیخ کرے اور ڈانٹ ڈپٹ کرے اور حدیث میں اس کا بیان ہے کہ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بے حیائی کے کاموں کو حرام کردیا ہے خواہ وہ ظاہر ہوں یا باطن ہوں، اور اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ سعد نے بے حیائی کے کاموں پر ڈانٹ ڈپٹ کی ہے اور میں اس سے زیادہ بے حیائی کے کاموں پر ڈانٹ ڈپٹ کرنے والا ہوں، اور حدیث کا معنی یہ ہے کہ جو اشخاص غیرت کے ساتھ موصوف ہیں ان کی غیرت اللہ تعالیٰ کی غیرت کے درجہ کو نہیں پہنچتی اگرچہ اللہ تعالیٰ شخص نہیں ہے۔

اور بے حیائی کے جو کام ظاہر ہوں ان کے متعلق مجاہد نے کہا: وہ زمانہ جاہلیت میں اپنی ماؤں کے ساتھ نکاح کرنا تھا، اور جو بے حیائی کے کام باطن ہیں وہ زنا ہیں، قتادہ نے کہا کہ خواہ زنا چھپ کر کیا جائے یا علانیہ کیا جائے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۳ ص ۲۷۷۔۲۷۹، ملخصا و ملتقطا، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۷۴۱۶، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے قول کی تغلیط

علامہ القرطبی نے المفہم میں بعض اہل معانی سے نقل کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی غیرت کرنے والا نہیں ہے" اور اس کے بعد فرمایا: "اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی عذر کو پسند کرنے والا نہیں ہے" اس ارشاد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر تنبیہ کی ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا نظریہ صحیح نہیں ہے، اور آپ نے اس پر رد فرمایا کہ انہوں نے کہا تھا کہ جس شخص کو انہوں نے

اپنی بیوی کے ساتھ پایا اس کو قتل کر دیں گے، گویا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تم سے زیادہ غیرت والا ہے اس کے باوجود اللہ تعالیٰ عذر کو پسند فرماتا ہے اور بغیر حجت کے قیام کے مواخذہ نہیں فرماتا، پس تم کیسے اس حالت میں قتل کرنے کا اقدام کرو گے۔

علامہ قرطبی نے کہا کہ اس حدیث میں مدح کا ذکر غیرت اور عذر کے ساتھ ملا ہوا ہے اور اس میں حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو یہ تنبیہ کرنا ہے کہ وہ اپنی غیرت کے تقاضا پر عمل نہ کریں اور جلدی نہ کریں بلکہ تاخیر سے کام لیں اور نرمی سے کام لیں، اور تحقیق کریں حتیٰ کہ ان پر صحیح صورتِ حال واضح ہو جائے، پھر وہ مکمل تعریف اور تحسین اور مدح کو پائیں گے اور ثواب کو حاصل کریں گے کیونکہ وہ اپنے نفس کے غضب کے اوپر اور غصہ کے جوش کے وقت حق بات کو ترجیح دیں گے، اور یہ صحیح البخاری اور صحیح مسلم کی اس حدیث کی مثل ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''شدید (پہلوان) وہ شخص ہے جو غضب کے وقت اپنے اوپر قابو رکھے''۔

اپنی تعریف اور ستائش کے حصول کی مذمت

اس حدیث میں مذکور ہے ''کوئی شخص بھی اللہ تعالیٰ سے زیادہ مدح کو پسند کرنے والا نہیں ہے''، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔ علامہ قرطبی نے کہا: اس حدیث سے یہ استدلال نہ کیا جائے کہ انسان کے لیے اپنی تعریف کے حصول کی کوشش کرنا جائز ہے، کیونکہ یہ مذموم ہے اور اس سے منع کیا گیا ہے، اس کے برخلاف اگر دل میں اپنی تعریف سے محبت رکھے تو کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ یہ مذموم نہیں ہے، اللہ تعالیٰ مدح کا مستحق ہے کیونکہ اس کی ذات کامل ہے اور بندہ کی ذات ناقص ہے، اگر وہ کسی وجہ سے مدح کا مستحق ہو لیکن مدح اس کے دل کو فاسد کر دیتی ہے اور وہ اپنے دل میں اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے اور دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے، اس لیے صحیح مسلم میں یہ حدیث ہے ''مدح کرنے والوں کے چہروں میں مٹی ڈال دو''۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۵۳۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۲۱۔ بَابٌ: قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَکْبَرُ شَهَادَةً

''آپ کہیے کہ کس کی گواہی سب سے بڑی ہے''

(الانعام: ۱۹)

فَسَمَّی اللّٰهُ تَعَالٰی نَفْسَهٗ شَیْئًا (قُلِ اللّٰهُ) وَسَمَّی النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم الْقُرْآنَ شَیْئًا وَهُوَ صِفَةٌ مِنْ صِفَاتِ اللّٰهِ وَقَالَ: كُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ (القصص: ۸۸)

پس اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو شئے فرمایا، ارشاد فرمایا: آپ کہیے: اللہ، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کو شئے فرمایا، اور وہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت ہے، اور ارشاد فرمایا: ''اس کی ذات کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے۔

بابِ مذکور کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:
عبد العزیز ''صاحب کتاب الحیدہ'' نے بیان کیا: اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو شئے فرمایا ہے تاکہ اس کے وجود کا اثبات ہو اور عدم کی نفی ہو، اللہ تعالیٰ نے اپنا نام شئے نہیں رکھا اور نہ شئے کو اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے قرار دیا گیا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے نفس پر یہ دلیل قائم کی ہے کہ اشیاء میں سے کون سی شئے اللہ تعالیٰ سے بڑی ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کا وجود ثابت ہو اور اس کے عدم کی نفی

ہو، اس میں زندیقوں اور دہریوں کی تکذیب ہے اور پچھلی امتوں میں سے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا انکار کیا ان کی تکذیب ہے، پس اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَکْبَرُ شَهَادَةً ۖ قُلِ اللّٰهُ ۙ شَهِیْدٌ ۢ بَیْنِیْ وَ بَیْنَكُمْ (الانعام:۱۹)

آپ کہیے کہ کس کی گواہی سب سے بڑی ہے، آپ کہیے: اللہ، میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے۔

پس اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نفس پر شئے کا اطلاق فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ اشیاء کی مثل نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو پہلے سے ہی علم ہے کہ جہم اور اس کے موافقین عنقریب اللہ تعالیٰ کے اسماء میں الحاد کریں گے، اور اللہ تعالیٰ کو مخلوق کے ساتھ تشبیہ دیں گے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ ۔۔۔ (الشوریٰ:۱۱)'' (یعنی اللہ تعالیٰ کی مثل کوئی شئے نہیں ہے)، پس اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو اور اپنے کلام اور اپنی صفات کو اشیاء مخلوقہ سے خارج کر دیا، اور اس میں ان کی تکذیب ہے جو اللہ تعالیٰ کی کتاب میں الحاد کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو مخلوق کے مشابہ قرار دیتے ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے اسماء کو اپنی کتاب میں بیان فرمایا اور شئے کے ساتھ اپنا نام نہیں رکھا اور نہ شئے کو اپنے اسماء میں سے قرار دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں اور ان میں سے کوئی نام شئے نہیں ہے'' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖۤ اِذْ قَالُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰی بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ (الانعام:۹۱)

اور انہوں نے اللہ کی قدر نہ کی جس طرح اس کی قدر کرنے کا حق تھا، جب انہوں نے کہا: اللہ نے کسی بشر پر کچھ نازل نہیں کیا۔

پس اللہ تعالیٰ نے یہود کی مذمت کی جب انہوں نے یہ کہا کہ تورات کوئی شئے نہیں ہے، نیز اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَ لَمْ یُوْحَ اِلَیْهِ شَیْءٌ (الانعام:۹۳)

اور اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ پر بہتان لگائے یا کہے کہ میری طرف وحی کی گئی ہے حالانکہ اس کی طرف کوئی شئے وحی نہیں کی گئی۔

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وحی بھی بالمعنی شئے ہے، اور جس نے اللہ کے کلام کے شئے ہونے کا انکار کیا اس کی مذمت کی ہے، پس اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہر صفت شئے کے نام کے ساتھ ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت کو ہدایت اور نور اور کتاب کے نام سے ظاہر فرمایا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ اس شئے کو کس نے نازل کیا جس کو موسیٰ لے کر آئے۔

اور دوسرے علماء نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اپنا نام شئے رکھا ہے اور اس میں اہلِ بدعت کے اس زعم کا رد فرمایا ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا نام شئے جائز نہیں ہے، پس اس سے معلوم ہوا کہ معدوم شئے نہیں ہے اور معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ معدومات بھی اشیاء ہیں اور اس قول سے یہ لازم آتا ہے کہ عالم قدیم ہو اور حادث نہ ہو اور نہ محدث ہو۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۴۵۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۴۱۷۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ یُوْسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِیْ حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم لِرَجُلٍ أَمَعَكَ مِنَ الْقُرْاٰنِ شَیْءٌ قَالَ نَعَمْ سُوْرَةُ كَذَا وَ سُوْرَةُ كَذَا لِسُوَرٍ سَمَّاهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مالک نے خبر دی از ابی حازم از حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرد سے فرمایا: ''کیا تمہارے ساتھ

قرآن میں سے کوئی شئے ہے؟'' اس نے کہا: جی ہاں! فلاں سورت ہے اور فلاں سورت ہے اور ان سورتوں کا نام لیا۔

(صحیح البخاری: ۲۳۱۰، ۵۰۲۹، ۵۰۳۰، ۵۰۸۷، ۵۱۲۱، ۵۱۲۶، ۵۱۳۲، ۵۱۳۵، ۵۱۴۱، ۵۱۴۹، ۵۱۵۰، ۵۸۷۱، ۷۴۱۷، صحیح مسلم: ۱۴۲۵، سنن ترمذی: ۱۱۱۴، سنن نسائی: ۳۳۵۹، سنن ابوداؤد: ۲۱۱۱، سنن ابن ماجہ: ۱۸۸۹، مسند احمد: ۲۲۳۴۳، موطا امام مالک: ۱۱۱۸)

صحیح البخاری: ۷۴۱۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ پر اور قرآن مجید پر شئے کے نام کا ثبوت

ایک قول یہ ہے کہ قریش نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مکہ میں آئے، پس انہوں نے کہا: اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) ہم نے نہیں دیکھا کہ آپ کے دعویٰ نبوت میں کسی نے آپ کی تصدیق کی ہو، ہم نے آپ کے متعلق یہود اور نصاریٰ سے سوال کیا تو انہوں نے کہا: ان کے پاس نہ آپ کا کوئی ذکر ہے اور نہ آپ کی کوئی صفت ہے تو ہمیں دکھائیں کہ کون آپ کے متعلق یہ گواہی دیتا ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَکْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ شَهِیْدٌۢ بَیْنِیْ وَ بَیْنَكُمْ (الانعام: ۱۹)

آپ کہیے کہ کس کی گواہی سب سے بڑی ہے، آپ کہیے: اللہ، میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے۔

پس اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو شئے کے نام سے ذکر فرمایا، اس میں اللہ تعالیٰ کے وجود کا ثبوت ہے اور عدم کی نفی ہے اور زندیقوں اور دہریوں کی تکذیب ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کو بھی شئے فرمایا ہے جیسا کہ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرد سے پوچھا: تمہارے پاس قرآن سے کوئی شئے ہے؟ تو اس نے کہا: فلاں فلاں سورت ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۱۶۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۲۲۔ بَابٌ: وَّ كَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ (ہود: ۷)

''اور اس کا عرش پانی پر تھا''

وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ ﴿۱۲۹﴾ (التوبہ: ۱۲۹)

اور وہ عرشِ عظیم کا مالک ہے

قَالَ أَبُو الْعَالِيَةِ: اسْتَوَى إِلَى السَّمَاءِ: ارْتَفَعَ

ابو العالیہ نے کہا: ''استوىٰ الى السماء'' کا معنی ہے: بلند ہوا۔

فَسَوَّاهُنَّ: خَلَقَهُنَّ

''فسوّاھن'' کا معنی ہے: آسمانوں کو پیدا کیا۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: اسْتَوَى: عَلَا عَلَى الْعَرْشِ

مجاہد نے کہا: ''استوىٰ'' کا معنی ہے: عرش پر بلند ہوا۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: الْمَجِيدُ: الْكَرِيمُ وَ الْوَدُودُ: الْحَبِيبُ، يُقَالُ: حَمِيدٌ مَجِيدٌ، كَأَنَّهُ فَعِيلٌ مِنْ مَاجِدٍ مَحْمُودٌ مِنْ حَمِيدٍ۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ''المجید'' کا معنی ہے: الکریم، اور ''الودود'' کا معنی ہے: حبیب، کہا جاتا ہے ''حمید مجید'' گویا کہ یہ فعیل کا لفظ ماجد سے ماخوذ ہے اور محمود کا لفظ حمید سے ماخوذ ہے۔

بابِ مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس باب کے عنوان میں دو آیتوں کے ٹکڑے بیان کیے ہیں، اور دوسری آیت کا ٹکڑا (وہ عرشِ عظیم کا رب ہے) پہلی آیت کے ٹکڑے (اس کا عرش پانی پر تھا) کے بعد بیان کیا، اور یہ اس شخص کے رد میں ذکر کیا ہے جو شخص اس حدیث میں وہم کرے: ''اللہ تعالیٰ تھا اور اس سے پہلے کوئی چیز نہیں تھی اور اس کا عرش پانی پر تھا''، اور وہ یہ وہم کرے کہ عرش ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تھا اور یہ باطل مذہب ہے، اسی طرح فلاسفہ میں سے جن لوگوں نے یہ زعم کیا کہ عرش ہی خالق اور صانع ہے، اور ابو اسحاق الہروی نے عرش کے مخلوق ہونے اور اس کے حادث ہونے پر درجِ ذیل روایت سے استدلال کیا ہے:

مجاہد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز کو پیدا کرنے سے پہلے اپنے عرش پر تھا، پس سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا، اور یہ اولیت آسمانوں اور زمینوں اور جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے ان کے پیدا کرنے سے پہلے ہے، کیونکہ امام عبد الرزاق نے اپنی تفسیر میں از معمر از قتادہ ''كَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ... (ہود:۷)'' کی تفسیر میں بیان کیا ہے: یہ اس کی مخلوق کی ابتداء ہے، اس سے پہلے کہ وہ آسمانوں کو پیدا کرتا اور اس کا عرش سرخ یاقوت سے تھا، پس امام بخاری نے اس کے بعد ''رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۲۹﴾... (التوبہ:۱۲۹)'' کو ذکر کیا کہ عرش بھی مربوب ہے (یعنی اس کا کوئی رب ہے) اور ہر مربوب مخلوق ہے، اور اس باب کو اس حدیث کے ساتھ ختم کیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''پس اس وقت میں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا جو عرش کے پایوں میں سے ایک پایہ کو پکڑے ہوئے کھڑے تھے'' پس عرش کے لیے پایوں کا اثبات اس بات کی دلیل ہے کہ عرش ایک جسمِ مرکب ہے جس کے اجزاء ہیں اور جو جسم مرکب ہو وہ حادث ہوتا ہے اور مخلوق ہوتا ہے۔

امام بیہقی نے ''الاسماء والصفات'' میں لکھا ہے کہ اہلِ تفسیر کے اقوال اس پر متفق ہیں کہ عرش ایک تخت ہے اور یہ ایک جسم ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور فرشتوں کو اس کے اٹھانے کا حکم دیا ہے اور اس کی تعظیم اور اس کے گرد طواف کرنے کا حکم دیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین میں ایک بیت پیدا کیا اور بنو آدم کو حکم دیا کہ اس کا طواف کریں اور نماز میں اس کی طرف منہ کریں، اور امام بخاری نے جو آیات ذکر کی ہیں اور جو احادیث اور آثار بیان کیے ہیں ان میں ان کے مذہب کی صحت (یعنی عرش حادث ہے) پر دلیل ہے۔

بابِ مذکور کی تعلیق کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

امام بخاری نے بیان کیا کہ ''مجاہد نے کہا: ''استویٰ'' کا معنی ہے: عرش پر بلند ہوا''۔

علامہ ابن بطال نے کہا: اس استوائے مذکور میں لوگوں کا اختلاف ہے، پس المعتزلہ نے کہا: ''استویٰ'' کا معنی ہے: استیلاء، یعنی وہ قہر اور غلبہ کے ساتھ عرش پر قادر ہے، اور المجسمہ نے کہا: ''استویٰ'' کا معنی ہے: الاستقرار، اور بعض اہلِ سنت نے کہا کہ ''استویٰ'' کا معنی ہے: وہ عرش پر بلند ہوا، اور بعض نے کہا: اس کا معنی ہے: وہ عرش کا مالک اور قادر ہے، اور ایک قول ہے کہ ''استویٰ'' کا معنی ہے: کسی چیز کو مکمل بنا کر فارغ ہونا، جیسا کہ قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

وَ لَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰۤى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ۞ (القصص:۱۴)

اور جب موسیٰ اپنی پوری قوت (جوانی) کو پہنچ گئے اور توانا ہو گئے تو ہم نے ان کو حکم اور علم عطا فرمایا اور ہم اسی طرح نیکی کرنے والوں کو جزا دیتے ہیں O

اس صورت میں ''استوىٰ على العرش'' کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ نے عرش کی مکمل تخلیق کر دی، اور لفظِ عرش کا خصوصیت سے ذکر کیا کیونکہ وہ تمام اشیاء میں سب سے عظیم ہے۔

پھر علامہ ابن بطال نے کہا: رہا معتزلہ کا قول تو وہ فاسد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے قاہر، غالب اور مستولی ہے اور ''ثم استوىٰ'' کا لفظ اس کا تقاضا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ وصف پہلے نہیں تھا بعد میں آیا، اور ان کی تاویل کو یہ لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عرش پر غلبہ حاصل کیا اور اس پر قہر کے ساتھ قادر ہو گیا، اور یہ معنی اللہ سبحانہٗ سے منتفی ہے، اور رہا مجسمہ کا قول تو وہ بھی فاسد ہے کیونکہ استقرار یعنی کسی جگہ ٹھہرنا یہ اجسام کی صفات سے ہے اور اس سے حلول اور تناہی لازم آتی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے حق میں محال ہے اور مخلوقات کے ساتھ لاحق ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے:

فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ (المومنون:۲۸)

پھر جب آپ اور آپ کے اصحاب اطمینان سے کشتی میں سوار ہو جائیں۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ (الزخرف:۱۳)

تاکہ تم ان کی پیٹھوں پر جم کر سوار ہو سکو، پھر تم اپنے رب کی نعمت کو یاد کرو جب تم اس پر سیدھے بیٹھ جاؤ۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ ''استوىٰ'' کا معنی سوار ہونا ہے اور کسی چیز پر قائم ہونا اور بیٹھنا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں ہے بلکہ مخلوق کی صفات کے مناسب ہے اس لیے اس آیت میں ''استوىٰ'' کا لفظ حقیقت پر محمول نہیں ہے۔

لیکن ''استوىٰ'' کی تفسیر ''علا'' اور بلندی کے ساتھ کرنا صحیح ہے اور یہی مذہب حق ہے اور اہلسنت کا قول ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی صفت ''العلی'' یعنی بلند ہونے کے ساتھ فرمائی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۞ (الزمر:٦٧)

وہ ان چیزوں سے منزہ ہے اور بلند ہے جن کو وہ اس کا شریک قرار دیتے ہیں O

اور بلندی اس کی ذات کی صفات میں سے ایک صفت ہے لیکن جس نے ''استوىٰ'' کی تفسیر ''ارتفع'' کے ساتھ کی، اس پر اعتراض ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی صفت ''ارتفع'' کے ساتھ نہیں کی۔

علامہ ابن بطال نے کہا: اہل سنت کا اس میں اختلاف ہے کہ ''الاستواء'' اس کی ذات کی صفت ہے یا اس کے فعل کی صفت ہے، پس جس نے ''استوىٰ'' کا معنی ''علا'' کیا اس نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی صفت ہے، اور جس نے اس کے سوا کوئی اور معنی کیا تو اس نے کہا: یہ اس کے فعل کی صفت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی فعل کیا اور اس کا نام رکھا کہ وہ عرش پر ''استوىٰ'' ہے، اور یہ معنی نہیں ہے کہ یہ فعل اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حوادث کا قائم ہونا محال ہے۔

ابو القاسم اللالکائی نے ''کتاب السنۃ'' میں از حسن البصری از ان کی والدہ از حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا روایت کی ہے، انہوں نے فرمایا کہ ''الاستواء'' مجہول نہیں ہے اور اس کی کیفیت غیر معقول ہے اور اس کا اقرار کرنا ایمان ہے اور اس کا انکار کرنا کفر ہے۔

اور ربیعہ بن ابو عبد الرحمٰن سے سوال کیا گیا: اللہ تعالیٰ کا عرش پر کس طرح استواء ہے تو انہوں نے کہا: ''الاستواء'' مجہول نہیں ہے اور اس کی کیفیت غیر معقول ہے، اور اللہ تعالیٰ کے ذمہ رسولوں کا بھیجنا ہے اور رسول کے ذمہ تبلیغ کرنا ہے اور ہمارے ذمہ تسلیم کرنا ہے۔

امام بیہقی نے سندِ جید کے ساتھ امام اوزاعی سے نقل کیا ہے کہ ہم اور بہت تابعین یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہے اور ہم ان چیزوں پر ایمان لاتے ہیں جن کا سنت نے اللہ تعالیٰ کی صفات سے ذکر کیا ہے۔

عبد اللہ بن وہب بیان کرتے ہیں کہ ہم امام مالک کے پاس تھے تو ایک مرد نے داخل ہو کر امام مالک سے کہا: اے ابو عبد اللہ! رحمٰن عرش پر مستوی ہے تو یہ استواء کیسا ہے؟ امام مالک نے تھوڑی دیر کے لیے اپنا سر جھکایا ان کو پسینہ آ گیا، پھر انہوں نے سر اٹھا کر کہا: رحمٰن عرش پر اس طرح مستوی ہے جس طرح اس نے خود اپنی صفت بیان کی ہے اور یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ کس طرح مستوی ہے، اور کیفیت اس سے اٹھائی ہوئی ہے اور میں تجھ کو بدعتی گمان کرتا ہوں۔

نیز حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ''استواء'' کا اقرار کرنا واجب ہے اور اس کے متعلق سوال کرنا بدعت ہے۔

امام ابن ابی حاتم نے بیان کیا ہے کہ امام شافعی نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے لیے اسماء ہیں اور صفات ہیں، کسی شخص کو ان کو رد کرنے کی گنجائش نہیں ہے اور جس نے دلیل قائم ہونے کے بعد ان کی مخالفت کی اس نے کفر کیا اور دلیل قائم ہونے سے پہلے اس کو جہالت کی وجہ سے معذور قرار دیا جائے گا، کیونکہ ان صفات کا علم عقل سے نہیں ہو سکتا اور نہ غور وفکر سے، پس ہم ان صفات کو ثابت کرتے ہیں اور ان صفات کی کسی مخلوق کے ساتھ مشابہت کی نفی کرتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ'' (اس کی مثل کوئی چیز نہیں ہے)۔

بابِ مذکور کی دوسری تعلیق کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

امام بخاری بیان کرتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ''المجید'' کا معنی ''الکریم'' ہے اور ''الودود'' کا معنی ''الحبیب'' ہے۔

اس تعلیق کو امام ابن ابی حاتم نے سندِ موصول کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے ''ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ ﴿۱۵﴾ (البروج:۱۵)'' (وہ عرشِ کریم کا مالک ہے 0)

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ''وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ﴿۱۴﴾ (البروج:۱۴)'' (وہی بہت بخشنے والا اور بہت دوست رکھنے والا ہے 0) کی تفسیر میں مروی ہے کہ ''الودود'' کا معنی ''الحبیب'' ہے۔

''ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ ﴿۱۵﴾ (البروج:۱۵)'' اس آیت میں ''المجید'' کی قراءت میں قراء کا اختلاف ہے، بعض نے کہا: یہ المجیدُ ہے، اور المجید اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، یعنی اللہ تعالیٰ عرش کا مالک ہے اور کریم ہے اور اگر ''المجید'' کے لفظ پر زیر پڑھی جائے یعنی ''ذو العرش المجیدِ'' تو المجید عرش کی صفت ہوگی۔

علامہ ابن المنیر نے کہا ہے: یہاں پر ایک باریک نکتہ ہے، وہ یہ ہے کہ اگر مجید پر زیر کی قراءت ہو تب بھی یہ عرش کی صفت نہیں ہے، کیونکہ اگر یہ عرش کی صفت ہو یعنی اللہ تعالیٰ عرشِ کریم کا مالک ہے تو اس سے یہ وہم ہوگا کہ عرش بھی قدیم ہے، اس لیے اس صورت میں بھی المجید اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور اس پر جو زیر ہے وہ مجاورت کی بناء پر ہے کیونکہ اس سے پہلے ''ذو العرشِ'' کا لفظ ہے اور اس میں عرش پر زیر ہے تو اس کی مجاورت کی بناء پر المجیدِ میں بھی زیر ہے ورنہ یہ معنیً اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔

اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ سننِ دارقطنی میں یہ روایت ہے کہ جب بندہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''مجدنی عبدی'' یعنی میرے بندہ نے میری عظمت اور بڑائی بیان کی، علامہ ابن التین نے کہا ہے: کلامِ عرب میں مجد کا معنی ہے ''الشرف الواسع'' پس ماجد وہ شخص ہے جس کے آباء واجداد شرف میں مقدم ہوں، پس ''مجید'' کا لفظ ''مجد'' سے مبالغہ کا صیغہ ہے اور اس کا معنی ہے ''الشرف القدیم''۔

علامہ راغب اصفہانی نے کہا ہے: ''مجد'' کا معنی ہے: کرم اور جلالت میں وسیع ہونا، اور ''مجدت الابل'' اس وقت کہا جاتا ہے جب کسی شخص کے اونٹ کسی بہت بڑی چراگاہ کے اندر ہوں، اور قرآن مجید میں ''المجید'' کا وصف دنیاوی اور اخروی مکارم کو متضمن ہے، لہٰذا عرش کی صفت مجید کے ساتھ جائز ہے کیونکہ وہ جلیل ہے اور اس کی قدر ومنزلت عظیم ہے جیسا کہ امام راغب نے اشارہ کیا ہے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ''المجید'' کا معنی ''الکریم'' ہے، جیسا کہ درجِ ذیل آیت میں عرش کی صفت میں کریم کا لفظ ہے:

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ﴿۱۱۶﴾ (المومنون:۱۱۶)

پس اللہ بلند شان والا ہے اور سچا بادشاہ ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، وہ عرش کریم کا رب ہے ○

پس البروج:۱۵ میں اللہ تعالیٰ نے ''ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ ﴿۱۵﴾'' فرمایا اور المومنون:۱۱۶ میں اللہ تعالیٰ نے ''رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ﴿۱۱۶﴾'' فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ عرش کی دو صفتیں ہیں، ایک صفت مجید ہے اور دوسری صفت کریم ہے، اس لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ''المجید'' کا معنی ''الکریم'' ہے۔

رہی ''الودود'' کی تفسیر ''الحبیب'' کے ساتھ، اس کی وجہ یہ ہے کہ ''ودود'' کا لفظ ''وُد'' سے ماخوذ ہے اور ''وُد'' محب اور محبوب کے معنی میں آتا ہے کیونکہ ''الوُد'' کا لغت میں معنی ہے کسی چیز سے محبت کرنا۔

علامہ راغب اصفہانی نے کہا ہے: ''الودود'' کا لفظ اس آیت کے معنی کو متضمن ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۫ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۴﴾ (المائدہ:۵۴)

اے ایمان والو! تم میں سے جو شخص اپنے دین سے مرتد ہو جائے گا، تو عنقریب اللہ ایسی قوم کو لے آئے گا جس سے اللہ محبت کرے گا اور وہ اللہ سے محبت کرے گی، وہ مومنوں پر نرم ہوں گے اور کافروں پر سخت ہوں گے، وہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے، یہ اللہ کا فضل

ہے وہ جس کو چاہے عطا فرماتا ہے، اور اللہ بڑی وسعت والا بہت علم والا ہے O

بابِ مذکور کی تیسری تعلیق کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

امام بخاری لکھتے ہیں: کہا جاتا ہے "حمید مجید" گویا کہ یہ "ماجد" سے فعیل کے وزن پر ہے اور محمود "حمد" سے ماخوذ ہے، اس کی اصل "کتاب المجاز" میں امام ابوعبیدہ کا قول ہے جو انہوں نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

قَالُوْٓا اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَ بَرَكٰتُهٗ عَلَیْكُمْ اَهْلَ الْبَیْتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ﴿۷۳﴾ (ہود: ۷۳)

فرشتوں نے کہا: کیا تم اللہ کی قدرت پر تعجب کر رہی ہو، اے اہلِ بیت! تم پر اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں، بے شک اللہ حمد وثناء کا مستحق بہت بزرگ ہے O

امام ابوعبیدہ نے کہا: "حمید مجید" کا معنی ہے "محمود ماجد"۔

اور علامہ الکرمانی نے کہا: اس سے غرض یہ ہے کہ "مجید" فعیل کے وزن پر فاعل کے معنی میں ہے جیسا کہ قدیر، قادر کے معنی میں ہے، اور "حمید" فعیل کے وزن پر مفعول کے معنی میں ہے، اسی لیے انہوں نے کہا کہ "مجید" ماجد کے معنی میں ہے اور "حمید" محمود کے معنی میں ہے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۵۳۹۔۵۴۱، ملخصاً وملتقطاً، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۴۱۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُو حَمْزَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ جَامِعِ بْنِ شَدَّادٍ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ مُحْرِزٍ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ إِنِّي عِنْدَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم إِذْ جَاءَهُ قَوْمٌ مِنْ بَنِي تَمِيمٍ فَقَالَ اقْبَلُوا الْبُشْرَى يَا بَنِي تَمِيمٍ قَالُوا بَشَّرْتَنَا فَأَعْطِنَا فَدَخَلَ نَاسٌ مِنْ أَهْلِ الْيَمَنِ فَقَالَ اقْبَلُوا الْبُشْرَى يَا أَهْلَ الْيَمَنِ إِذْ لَمْ يَقْبَلْهَا بَنُو تَمِيمٍ قَالُوا قَبِلْنَا جِئْنَاكَ لِنَتَفَقَّهَ فِي الدِّينِ وَلِنَسْأَلَكَ عَنْ أَوَّلِ هَذَا الْأَمْرِ مَا كَانَ قَالَ كَانَ اللّٰهُ وَلَمْ يَكُنْ شَيْءٌ قَبْلَهُ وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ ثُمَّ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَكَتَبَ فِي الذِّكْرِ كُلَّ شَيْءٍ ثُمَّ أَتَانِي رَجُلٌ فَقَالَ يَا عِمْرَانُ أَدْرِكْ نَاقَتَكَ فَقَدْ ذَهَبَتْ فَانْطَلَقْتُ أَطْلُبُهَا فَإِذَا السَّرَابُ يَنْقَطِعُ دُونَهَا وَايْمُ اللّٰهِ لَوَدِدْتُ أَنَّهَا قَدْ ذَهَبَتْ وَلَمْ أَقُمْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں ابوحمزہ نے خبر دی از الاعمش از جامع بن شداد از صفوان بن محرز از حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا جب بنو تمیم سے کچھ لوگ آئے، آپ نے فرمایا: اے بنو تمیم! بشارت کو قبول کرو، انہوں نے کہا: آپ نے ہمیں بشارت دی ہے اب ہم کو عطا فرمائیں، پھر اہلِ یمن سے کچھ لوگ آئے، آپ نے فرمایا: اے اہلِ یمن! بشارت کو قبول کرو کیونکہ بنو تمیم نے بشارت کو قبول نہیں کیا، انہوں نے کہا: ہم نے قبول کر لیا، ہم آپ کے پاس اس لیے آئے ہیں تاکہ دین سیکھیں اور آپ سے یہ سوال کریں کہ جو امور ہو چکے ہیں ان میں سب سے پہلا امر کون سا تھا؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تھا اور اس سے پہلے کوئی چیز نہیں تھی اور اس کا عرش پانی پر تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا اور لوحِ محفوظ میں ہر چیز لکھی، حضرت عمران رضی اللہ عنہ نے کہا: پھر میرے پاس ایک مرد آیا، اس نے کہا: اے عمران! اپنی اونٹنی کو پکڑ لو، کیونکہ اونٹنی جا چکی

ہے، پس میں اس کو طلب کرنے کے لیے گیا تو اس کے پاس سراب منقطع ہو رہا تھا، اور اللہ کی قسم! میں یہ پسند کرتا ہوں کہ وہ اونٹنی چلی جاتی اور میں اس کی تلاش میں کھڑا نہ ہوتا۔

(صحیح البخاری: ۳۱۹۰، ۳۱۹۱، ۴۳۶۵، ۴۳۸۶، ۷۴۱۸، سنن ترمذی: ۳۹۵۱، مسند احمد: ۱۹۳۷۵)

صحیح البخاری: ۷۴۱۸، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بشارت کا معنی

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو فرمایا ''بشارت کو قبول کرو'' اس سے آپ کی مراد یہ تھی کہ آخرت میں مسلمانوں کو جو ان کے نیک اعمال پر جزا دی جائے گی اور آخرت میں جو انہیں اجر و ثواب ملے گا، اس کو قبول کرو۔

بنو تمیم کا جواب اس پر دلالت کرتا ہے کہ بنو تمیم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ۹ ہجری میں آئے تھے، اور یہ وہ سال ہے جس سال آپ کے پاس وفود آئے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''آپ ہمیں بشارت تو دے چکے ہیں اب ہمیں عطا فرمائیں''۔

کہا گیا ہے کہ یہ الاقرع بن حابس نے کہا تھا، کیونکہ اس میں بعض دیہاتیوں کے اخلاق تھے۔

روایت ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہوازن کے قیدیوں کو واپس کر دیا تو الاقرع اور عیینہ اس سے خوش نہیں ہوئے۔

اور کتاب المغازی میں مذکور ہے کہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس الجعرانہ میں تھا اور آپ کے ساتھ حضرت بلال رضی اللہ عنہ تھے، تو آپ کے پاس ایک اعرابی آیا، اس نے کہا: آپ ہمیں وہ کیوں نہیں دیتے جس کا آپ نے ہم سے وعدہ کیا ہے؟ آپ نے اس سے فرمایا: بشارت قبول کرو تو اس نے کہا: آپ نے بہت بشارتیں دی ہیں، پھر آپ حضرت ابوموسیٰ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہما کی طرف مڑے اور آپ پر غصہ کی کیفیت تھی، آپ نے فرمایا: بشارت کو رد کر دیا گیا ہے، تم دونوں اس کو قبول کرو، تو انہوں نے کہا: ہم نے اس کو قبول کر لیا ہے۔

علامہ ابن جوزی نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غصہ میں آنے کا سبب یہ تھا کہ ان لوگوں نے دنیا کی عارضی زندگی کے ساتھ اپنی امیدیں وابستہ کی تھیں اور آخرت کے ساتھ انہوں نے اپنی امید وابستہ نہیں کی تھی۔

دنیا کی ابتداء کے متعلق سوال کرنے کا جواز

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''کسی کہنے والے نے کہا: ہمیں اس امر کی ابتداء بیان کریں''، یہ کہنے والے اشعریین تھے۔

سعید بن جبیر کہتے ہیں: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا: جس وقت نہ آسمان کو پیدا کیا گیا تھا اور نہ زمین کو تو پانی کس چیز پر تھا؟ تو انہوں نے کہا: وہ ہوا کی پشت پر تھا۔ (مصنف عبد الرزاق: ۹۰۸۹، تفسیر الطبری: ۱۷۹۹۸، المستدرک ج ۲ ص ۳۳۷)

اس کی وجہ یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے لوح اور قلم اور دوات کو پیدا کیا، پس قلم سے فرمایا: ''جو کچھ ہونے والا

ہے وہ لکھو، تو قلم نے اس کو ذکر یعنی لوحِ محفوظ میں لکھ دیا۔
اور ابنِ اسحاق سے روایت ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے نور اور ظلمت کو پیدا کیا، پھر ان کے درمیان تمیز کی، پس ظلمت کو سیاہ اندھیری رات بنا دیا اور نور کو دکھائی دینے والا سفید دن بنا دیا۔
علامہ المہلب نے کہا ہے: اس سے معلوم ہوا کہ کائنات میں جن چیزوں کو سب سے پہلے پیدا کیا، اس کے متعلق سوال کرنا اور بحث کرنا شرعاً جائز ہے اور عالم کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے علم کے مطابق ان کا جواب دے، اور اگر اس کو سائل سے یہ خوف ہو کہ اس کی فہم ناقص ہے تو اس کو جواب نہ دے اور اس کو اس سوال سے منع کرے اور اس کو ڈانٹے۔
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۱۹ ص ۱۴۔۱۶، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۷۴۱۸، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت عمران بن حصین اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم کی روایات کا فرق

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما نے کہا کہ "میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور میں نے اپنی اونٹنی کو دروازہ کے ساتھ باندھ دیا، پھر آپ کے پاس بنو تمیم کے کچھ لوگ آئے"۔ اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصہ مدینہ میں ہوا تھا، اور اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ "حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس الجعرانہ میں تھا اور یہ جگہ مکہ اور مدینہ کے درمیان میں ہے اور آپ کے ساتھ حضرت بلال رضی اللہ عنہ تھے، پس ایک اعرابی آیا اور اس نے کہا: آپ ہمیں وہ کیوں نہیں دیتے جس کو دینے کا آپ نے ہم سے وعدہ کیا تھا؟ تو آپ نے اس سے فرمایا: تم بشارت قبول کرو، اس نے کہا: آپ نے بہت دفعہ مجھ سے کہا ہے بشارت قبول کرو، پھر آپ حالتِ غضب میں حضرت ابوموسیٰ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہما کی طرف مڑے اور فرمایا کہ بشارت کو رد کر دیا گیا، تم دونوں بشارت کو قبول کر لو، تو ان دونوں نے کہا: ہم نے بشارت کو قبول کر لیا"۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو اعرابی کا ذکر ہے، وہ بنو تمیم سے تھا اور اہلِ یمن کی تفسیر حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کی گئی ہے۔
اس پر اعتراض کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے جو قصہ بیان کیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ الجعرانہ میں ہوا، اور حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما نے جو قصہ بیان کیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصہ مدینہ میں تھا، اور علامہ ابن الجوزی کا زعم یہ ہے کہ جس نے کہا تھا: ہمیں عطاء کیجئے، وہ الاقرع بن حابس تمیمی تھا۔
اس حدیث میں مذکور ہے "آپ نے فرمایا: اے بنو تمیم! بشارت کو قبول کرو"۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دی ہوئی بشارت کا بیان

اس بشارت سے مراد یہ ہے کہ جس نے اسلام قبول کر لیا اس نے دوزخ کے دوام اور خلود سے نجات پالی، پھر اس کے اعمال کے موافق اس پر جزا مرتب ہوگی سوا اس کے کہ اللہ تعالیٰ معاف فرما دے۔
علامہ الکرمانی نے کہا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو ان چیزوں کی بشارت دی جن کا تقاضا جنت میں داخل ہونا ہے، کیونکہ

ان کو عقائد کے اصول کی تعلیم دی جو کہ مبدأ اور معاد اور ان کے درمیان کے امور ہیں۔
امام ابن حبان نے از الاعمش روایت کی ہے کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بنو تمیم کا ایک وفد آیا، پس انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! ہم آپ کے پاس آئے ہیں تا کہ آپ سے دین سیکھیں اور آپ سے اس دنیا کے پہلے امر کے متعلق سوال کریں“۔
اور اس روایت میں اہلِ یمن کا ذکر نہیں ہے بلکہ بنو تمیم کا ذکر ہے اور یہ اس راوی کی خطاء ہے۔

بنو تمیم پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ناراض ہونے کی توجیہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنو تمیم پر اس لیے ناراض ہوئے کہ انہوں نے دنیا میں جلدی ملنے والی منفعت کے ساتھ اپنی امیدوں کو جوڑا اور اس کو دین کی سمجھ کے اوپر مقدم کیا جس سے ان کو آخرت کا باقی رہنے والا ثواب حاصل ہوتا۔
علامہ کرمانی نے کہا: اس سے معلوم ہوا کہ انہوں نے کچھ نہ کچھ قبول کر لیا تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے دنیا کے منافع کو بھی طلب کیا اور آپ اس لیے ناراض ہوئے کہ انہوں نے کلمہ توحید کے حقائق اور مبدأ اور معاد سے دلچسپی نہیں لی اور نہ اس کے موجبات اور موصلات کے متعلق سوال کیا۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۵۴۲، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۷۴۱۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ”اہلِ یمن نے کہا: ہم آپ سے اس امر کے اول کے متعلق سوال کرتے ہیں“۔ یعنی اس جہان اور مکلفین کی تخلیق کی ابتداء کے متعلق سوال کرتے ہیں۔
اس حدیث میں مذکور ہے آپ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ تھا اور کوئی چیز اس سے پہلے نہیں تھی اور اس کا عرش پانی پر تھا“۔
علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ ”اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا“ اس سے عرش کی اللہ تعالیٰ کے ساتھ معیت لازم نہیں آتی، کیونکہ یہاں پرواؤ کا ذکر ہے اور اس کا مفاد یہ ہے کہ اصلِ ثبوت میں اجتماع ہے اگر چہ ان کے درمیان تقدیم اور تاخیر ہو، اور میرے شیخ کے شیخ علامہ طیبی نے کہا: پس اول سے مراد ازلیت اور قِدَم ہے اور ثانی سے مراد حدوث بعد العدم ہے۔
اس حدیث میں مذکور ہے ”فی الذکر“ اس کا معنی ہے: لوحِ محفوظ میں مذکور تھا۔
اس حدیث میں مذکور ہے ”اپنی اونٹنی کو پکڑ لو، وہ چلی گئی ہے“ اور ابو معاویہ کی روایت میں ہے کہ ”اونٹنی اپنی رسی کو توڑ کر بھاگ گئی ہے“۔
نیز اس حدیث میں ہے ”فاذا السراب ینقطع دونھا“ یعنی اونٹنی سراب کے پیچھے تھی اور اس تک پہنچنے کے لیے سراب کی مسافت کو طے کرنا ضروری تھا اور سراب کا معنی ہے: انسان دوپہر کے وقت ریت کو چمکتا ہوا دیکھ کر سمجھتا ہے کہ یہ پانی ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۱۷۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۴۱۹۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن

أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامٍ حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِنَّ يَمِينَ اللهِ مَلْأَى لَا يَغِيضُهَا نَفَقَةٌ سَحَّاءُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ أَرَأَيْتُمْ مَا أَنْفَقَ مُنْذُ خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ فَإِنَّهُ لَمْ يَنْقُصْ مَا فِي يَمِينِهِ وَعَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ وَبِيَدِهِ الْأُخْرَى الْفَيْضُ أَوِ الْقَبْضُ يَرْفَعُ وَيَخْفِضُ۔

عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرزاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از ہمام، انہوں نے کہا: ہمیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: بے شک اللہ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے، رات اور دن خرچ کرنے سے اس کے ہاتھ میں کوئی کمی نہیں ہوتی، تم یہ بتاؤ کہ جب سے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے، اس نے کتنا خرچ کیا ہے؟ پس بے شک اس کے دائیں ہاتھ میں کوئی کمی نہیں ہوئی اور اس کا عرش پانی پر ہے اور وہ دوسرے ہاتھ سے بہا رہا ہے، یا قبض کر رہا ہے، وہ ہاتھ بلند کرتا ہے اور پست کرتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۴۶۸۴، ۵۳۵۲، ۷۴۱۱، ۷۴۱۹، ۷۴۹۶، صحیح مسلم: ۹۹۳، سنن ترمذی: ۳۰۴۵، سنن ابن ماجہ: ۱۹۷، مسند احمد: ۷۲۵۶، ۷۲۹۷)

اس حدیث کی شرح عنقریب صحیح البخاری: ۷۴۱۱ میں گزر چکی ہے۔

۷۴۲۰۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ الْمُقَدَّمِيُّ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ جَاءَ زَيْدُ بْنُ حَارِثَةَ يَشْكُو فَجَعَلَ النَّبِيُّ ﷺ يَقُولُ اتَّقِ اللهَ وَأَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ قَالَ أَنَسٌ لَوْ كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ كَاتِمًا شَيْئًا لَكَتَمَ هٰذِهِ قَالَ فَكَانَتْ زَيْنَبُ تَفْخَرُ عَلَى أَزْوَاجِ النَّبِيِّ ﷺ تَقُولُ زَوَّجَكُنَّ أَهَالِيكُنَّ وَزَوَّجَنِي اللهُ تَعَالَى مِنْ فَوْقِ سَبْعِ سَمٰوَاتٍ وَعَنْ ثَابِتٍ ﴿وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ﴾ نَزَلَتْ فِي شَأْنِ زَيْنَبَ وَزَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن ابی بکر المقدمی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد بن زید نے حدیث بیان کی از ثابت از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ (اپنی بیوی کی) شکایت کرتے ہوئے آئے تو نبی ﷺ فرما رہے تھے: تم اللہ سے ڈرو اور اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر رسول اللہ ﷺ وحی میں سے کچھ چھپانے والے ہوتے تو اس آیت کو چھپا لیتے، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: پس حضرت زینب رضی اللہ عنہا نبی ﷺ کی ازواج پر فخر کرتی تھیں اور یہ کہتی تھیں کہ تم لوگوں کا تمہارے گھر والوں نے نکاح کیا اور میرا نکاح اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر سے کیا۔

اور حضرت ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

''اور آپ اپنے دل میں اس بات کو چھپا رہے تھے جس کو اللہ ظاہر

فرمانے والا تھا اور آپ کو لوگوں کے طعنوں کا اندیشہ تھا"۔

(الاحزاب: ۳۷)

یہ آیت حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی۔

(صحیح البخاری: ۴۷۸۷، ۷۴۲۰، سنن ترمذی: ۳۲۱۲، مسند احمد: ۱۲۱۰۲)

اس باب کے عنوان میں عرش کا ذکر ہے، اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ "سات آسمانوں کے اوپر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح ہوا" اور سات آسمانوں کے اوپر عرش ہے، تو اس اعتبار سے یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

صحیح البخاری: ۷۴۲۰، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ام المومنین زینب رضی اللہ عنہا اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کا قصہ

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو پسند کرتے تھے کہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دیں اور آپ یہ کہنا ناپسند کرتے تھے کہ تم اس کو طلاق دے دو، تو لوگ اس کو سنتے اور اس وجہ سے فتنہ میں مبتلا ہو جاتے، اور حسن بصری سے اس آیت کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ خبر دے دی تھی کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ، حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دیں گے، پھر آپ اس کے بعد ان سے نکاح کریں گے۔

(سنن ترمذی: ۳۲۱۲، السنن الکبریٰ للنسائی ج ۶ ص ۴۳۲)

قاضی عیاض نے کہا ہے: اس سلسلہ میں زیادہ صحیح یہ ہے جو حضرت علی بن الحسین رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر دے دی تھی کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا عنقریب ان کی زوجہ ہو جائیں گی، پس جب حضرت زید رضی اللہ عنہ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی شکایت کی (کہ وہ بہت زبان دراز ہیں) تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ عنہ سے کہا: "تم اپنی بیوی کو اپنے نکاح میں رکھو" اور آپ نے دل میں اس بات کو چھپایا جس کی اللہ تعالیٰ نے آپ کو خبر دی تھی کہ عنقریب آپ اس سے نکاح کریں گے اور اللہ تعالیٰ اس چیز کو ظاہر کرنے والا تھا کہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دیں گے اور پھر آپ ان سے نکاح کریں گے۔

(اکمال المعلم ج ۱ ص ۵۳۱-۵۳۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص میں سے یہ ہے کہ جب آپ کسی عورت سے نکاح میں رغبت کریں تو اگر وہ کسی کے نکاح میں نہ ہو تو اس عورت پر واجب ہے کہ آپ کے پیغام کو قبول کرے اور دوسرے لوگوں کے لیے اس کو نکاح کا پیغام دینا حرام ہے، اور اگر وہ عورت کسی کے نکاح میں ہو تو اس کے خاوند پر واجب ہے کہ اس عورت کو طلاق دے تاکہ آپ اس سے نکاح کر لیں۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۳ ص ۱۲۱-۱۲۲، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نکاح کا قصہ

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس حدیث کو کتاب التوحید میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت زید بن حارثہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی شکایت کرتے ہوئے آئے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے فرمارہے تھے: تم اللہ سے ڈرو اور اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھو، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی چیز کو چھپانے والے ہوتے تو اس آیت کو چھپا لیتے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضرت زینب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دوسری ازواج مطہرات کے اوپر فخر کیا کرتیں تھیں (الحدیث)۔

اور امام ابن ابی حاتم نے اس قصہ کو سدی کی سند سے زیادہ عمدہ اور وضاحت سے بیان کیا ہے اور اس کی عبارت یہ ہے: ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ یہ آیت حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے متعلق نازل ہوئی ہے اور ان کی والدہ عمیمہ بنت عبدالمطلب تھیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ارادہ کیا کہ وہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے کر دیں جو آپ کے آزاد کردہ غلام تھے، پہلے انہوں نے اس رشتہ کو ناپسند کیا، پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجویز پر راضی ہو گئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت زید رضی اللہ عنہ سے کر دیا، پھر اللہ عزوجل نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ خبر دی کہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح کے بعد حضرت زینب رضی اللہ عنہا آپ کے نکاح میں داخل ہو جائیں گی تو آپ اس سے حیاء فرماتے تھے کہ آپ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو یہ حکم دیں کہ وہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دیں اور حضرت زید بن حارثہ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے درمیان مسلسل لڑائی جھگڑے رہتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنی بیوی کو اپنے نکاح میں رکھیں اور اللہ تعالیٰ سے ڈریں، اور آپ کو یہ خدشہ تھا کہ لوگ آپ کو یہ طعنہ دیں گے کہ انہوں نے اپنے بیٹے کی بیوی سے خود نکاح کر لیا کیونکہ آپ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو اپنا بیٹا بنا چکے تھے۔

اور امام ابن ابی حاتم نے ایک اور سند کے ساتھ حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ خبر دی کہ بے شک حضرت زینب رضی اللہ عنہا آپ کی ازواج مین داخل ہو جائیں گی، پس جب آپ کے پاس حضرت زید حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی شکایت کرنے کے لیے آئے تو آپ نے ان سے فرمایا: اللہ سے ڈرو اور اپنی بیوی کو اپنے نکاح میں رکھو، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں تمہیں خبر دے چکا ہوں کہ بے شک میں تمہارا نکاح ان سے کر دوں گا اور آپ اپنے دل میں اس بات کو چھپاتے تھے جس کو اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا تھا۔

اور حکیم ترمذی نے اس روایت کو ثابت کرنے کے لیے بہت طویل بحث کی ہے اور کہا ہے کہ یہ پوشیدہ علم کے جواہر میں سے ہے اور گویا کہ وہ سدی کی تفسیر سے واقف نہیں ہوئے جس کو میں بیان کر چکا ہوں، اور وہ زیادہ واضح ہے اور اس کی سند زیادہ صحیح ہے کیونکہ اس حدیث کی سند میں علی بن زید بن جدعان ہے، وہ ضعیف راوی ہے۔

اور امام عبدالرزاق نے از معمر از قتادہ یہ روایت بیان کی ہے کہ آپ کے پاس حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ آئے، پس عرض کیا: یا رسول اللہ! زینب کی زبان بہت لمبی اور سخت ہے اور میں اس کو طلاق دینا چاہتا ہوں، آپ نے فرمایا: تم اللہ سے ڈرو اور اپنی بیوی کو اپنے نکاح میں رکھو، انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ چاہتے تھے کہ وہ حضرت زینب کو طلاق نہ دیں اور لوگوں کی نکتہ چینی سے

ڈرتے تھے، اس سلسلہ میں اور بھی آثار مروی ہیں جن کی امام ابن ابی حاتم نے اور طبری نے روایت کی ہے اور ان کو اکثر مفسرین نے نقل کیا ہے اور ان میں مشغول ہونا مناسب نہیں ہے اور جس روایت کو میں نے نقل کیا ہے وہی معتمد ہے اور خلاصہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس چیز کو مخفی رکھتے تھے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خبر دی تھی کہ وہ عنقریب آپ کی زوجہ ہو جائیں گی اور جو چیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس خبر کو چھپانے پر برانگیختہ کرتی تھی وہ یہ تھی کہ (لوگ کہیں گے کہ) انہوں نے اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا ہے اور اللہ تعالیٰ یہ چاہتا تھا کہ زمانہ جاہلیت کے اس رواج کو باطل کر دیا جائے کہ منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹے کے حکم میں نہیں ہوتا، اور اس کی بیوی سے نکاح کرنا جائز ہے اور اس کی قوی دلیل یہی ہو سکتی تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح فرمالیں تاکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل لوگوں کے لیے نمونہ بن جائے اور یہ لوگوں کے عمل کے لیے زیادہ قوی سبب ہو، مفسرین کو خبط میں خشیت کی تاویل نے مبتلاء کیا، امام ترمذی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت کی ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی وحی کو چھپا سکتے تو اس آیت کو چھپا لیتے یعنی "وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ" (الاحزاب: ۳۷) (اور اے رسول مکرم! یاد کیجئے: جب آپ اس شخص سے کہہ رہے تھے جس پر اللہ نے انعام کیا ہے اور آپ نے بھی اس پر انعام کیا ہے کہ تم اپنی بیوی کو اپنے نکاح میں رہنے دو اور آپ اپنے دل میں اس بات کو چھپاتے تھے جس کو اللہ ظاہر فرمانے والا تھا اور آپ کو لوگوں کے طعنوں کا اندیشہ تھا)، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ (الاحزاب: ۴۰)

(سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن وہ اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت زید رضی اللہ عنہ کو بیٹا بنایا تھا تو وہ چھوٹے اور کم سن تھے حتیٰ کہ وہ بڑے ہو کر مرد بن گئے تو انہیں زید بن محمد کہا جاتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَمَا جَعَلَ اَدْعِیَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ یَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ یَهْدِی السَّبِیْلَ ۝ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ (الاحزاب: ۴،۵)

اور (اللہ نے) نہ تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا (حقیقی) بیٹا بنایا ہے، یہ تمہارا صرف زبانی کہنا ہے اور اللہ حق بات کہتا ہے اور سیدھا راستہ دکھاتا ہے ۝ اور منہ بولے بیٹوں کو ان کے حقیقی باپوں کی طرف منسوب کر کے پکارو، یہی اللہ کے نزدیک زیادہ انصاف پسند بات ہے۔

اور علامہ ابن العربی نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ عنہ سے صرف اتنا کہا تھا کہ اپنی بیوی کو اپنے نکاح میں رکھو، پھر حضرت زید رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے ان کی زبان درازی کی وجہ سے اپنی نفرت پر مطلع کیا اور ان کو طلاق دینے کی اجازت طلب کی اور ان کو طلاق دے دی۔

امام مسلم، امام احمد اور امام نسائی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے کہ جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی عدت پوری ہو گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس جا کر میرا ذکر کرو، انہوں نے کہا: پس میں گیا اور میں نے کہا: اے زینب! تمہیں مبارک اور خوشخبری ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بھیجا ہے اور وہ تمہارا ذکر فرما رہے تھے، انہوں

نے کہا: میں اس وقت تک کچھ نہیں کروں گی حتیٰ کہ اپنے رب سے مشورہ کرلوں، پس حضرت زینب رضی اللہ عنہا کھڑی ہو کر اپنے نماز پڑھنے کی جگہ گئیں اور قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوگئی:

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا۔ (الاحزاب: ۳۷) پھر جب زید نے اس کو طلاق دے کر اپنی غرض پوری کر لی تو ہم نے (عدت کے بعد) آپ کا اس سے نکاح کر دیا۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس بغیر اجازت کے داخل ہو گئے اور یہ اس واقعہ کا سب سے بلیغ قصہ ہے، اس حدیث کے فوائد میں سے یہ ہے کہ عورت کے لیے استخارہ کرنا مستحب ہے، اور وہ منگنی کو قبول کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے اور یہ کہ جو اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس چیز کو آسان فرما دیتا ہے جس کا اس کے لیے اس کی دنیا اور آخرت کے لیے زیادہ نفع ہو۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۷۷۹۔ ۷۷۸، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۴۲۱۔ حَدَّثَنَا خَلَّادُ بْنُ يَحْيٰى حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ طَهْمَانَ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رضى الله عنه يَقُولُ نَزَلَتْ آيَةُ الْحِجَابِ فِي زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ وَأَطْعَمَ عَلَيْهَا يَوْمَئِذٍ خُبْزًا وَلَحْمًا وَكَانَتْ تَفْخَرُ عَلَى نِسَاءِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَكَانَتْ تَقُولُ إِنَّ اللّٰهَ أَنْكَحَنِي فِي السَّمَاءِ۔

(صحیح البخاری: ۷۴۱۹، سنن نسائی: ۳۲۵۲، مسند احمد: ۱۲۹۴۸)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں خلاد بن یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عیسیٰ بن طہمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ آیتِ حجاب حضرت زینب بنتِ جحش رضی اللہ عنہا کے متعلق نازل ہوئی اور آپ نے اس دن ان کے ولیمہ میں روٹی اور گوشت کھلایا، اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دیگر ازواج پر فخر کرتی تھیں اور کہتی تھیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے میرا نکاح آسمان میں کیا ہے۔

اس باب کے عنوان میں ابوالعالیہ کے اس قول کا ذکر ہے "استویٰ الی السماء" اور اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے میرا نکاح آسمان میں کیا ہے، اس اعتبار سے یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

۷۴۲۲۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ إِنَّ اللّٰهَ لَمَّا قَضَى الْخَلْقَ كَتَبَ عِنْدَهُ فَوْقَ عَرْشِهِ إِنَّ رَحْمَتِي سَبَقَتْ غَضَبِي۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوالزناد نے حدیث بیان کی از الاعرج از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے جب مخلوق کو مکمل کر کے نافذ کر دیا تو اس نے اپنے پاس عرش کے اوپر لکھا "بے شک میری رحمت میرے غضب پر سابق ہے"۔

(صحیح البخاری: ۳۱۹۴، ۷۴۰۴، ۷۴۲۲، ۷۴۵۳، ۷۵۵۳، ۷۵۵۴، صحیح مسلم: ۲۷۵۱، سنن ترمذی: ۳۵۴۳، سنن ابن ماجہ: ۴۲۹۵، مسند احمد: ۷۴۴۳)

اس حدیث کی بھی باب کے عنوان کے ساتھ اس طرح مطابقت ہے کہ اس حدیث میں عرش کا ذکر ہے۔

صحیح البخاری: ۷۴۲۲، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

''لما قضی الخلق'' کا معنی

اس حدیث میں مذکور ہے''لما قضی الخلق''لفظ''قضی'' میں دو قول ہیں: یعنی جو چیز اللہ تعالیٰ نے پیدا کرنی تھی اس کے پیدا کرنے کا حکم دیا، یا اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ نے خبر دی، جیسا کہ اس آیت میں ارشاد ہے:

وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ (بنی اسرائیل: ۴) اور ہم نے بنی اسرائیل کو (ان کی) کتاب میں بتا دیا تھا۔

یعنی ہم نے بنی اسرائیل کو خبر دے دی تھی، پس گویا کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں جو چیز سابق تھی تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ وہ اس چیز کو پیدا کرے گا، اور اللہ تعالیٰ نے ایک کتاب پیدا کی اور اس کتاب میں لکھ دیا کہ جو کچھ مستقبل میں کرنے کا اس نے ارادہ کیا تھا کہ فلاں وقت میں فلاں حادثہ ہوگا تو یہ اس کتاب میں یعنی لوح محفوظ میں لکھ دیا جیسا کہ حدیث میں ہے:

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سب سے پہلے جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا وہ القلم ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے اللوح کو پیدا کیا، پھر اللہ تعالیٰ نے قلم سے فرمایا کہ ''قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے وہ اس میں لکھ دو''۔

(سنن ابوداؤد: ۴۷۰۰، سنن ترمذی: ۲۱۵۵، سنن ابوداؤد الطیالسی ج ۱ ص ۱۷۴، سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۲۰۴)

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے عرش کے اوپر لکھا'' اور اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عرش کے پاس لکھا کیونکہ کوئی چیز عرش کے اوپر نہیں ہے۔

رحمت کے غضب کے اوپر سابق ہونے کی توجیہ

اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے غضب اور رحمت الگ الگ دو صفتیں نہیں ہیں بلکہ یہ دونوں ایک صفت کی طرف رجوع کرتی ہیں، جب اللہ تعالیٰ یہ ارادہ فرماتا ہے کہ جن لوگوں کے متعلق اسے علم ہے کہ وہ ان پر جنت کا انعام فرمائے گا تو اس صفت کو رحمت کہا جاتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ یہ ارادہ فرماتا ہے کہ اس کے علم میں جو کفار دوزخ کے عذاب کے مستحق ہیں تو اس کے متعلق کہا جاتا ہے: یہ اللہ تعالیٰ کے غضب کی صفت ہے، اور جو رحمت اور غضب کا حقیقی معنی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں ہے، اور جس پر اللہ تعالیٰ رحم فرماتا ہے تو گویا اس پر اس کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہوتی ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۳ ص ۲۹۶۔۲۹۷، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۷۴۲۳۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ فُلَيْحٍ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي حَدَّثَنِي هِلَالٌ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَصَامَ رَمَضَانَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابراہیم بن المنذر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے محمد بن فلیح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ہلال نے حدیث بیان کی از عطاء

كَانَ حَقًّا عَلَى اللهِ أَنْ يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ هَاجَرَ فِي سَبِيلِ اللهِ أَوْ جَلَسَ فِي أَرْضِهِ الَّتِي وُلِدَ فِيهَا قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ أَفَلَا نُنَبِّئُ النَّاسَ بِذَلِكَ قَالَ إِنَّ فِي الْجَنَّةِ مِائَةَ دَرَجَةٍ أَعَدَّهَا اللهُ لِلْمُجَاهِدِينَ فِي سَبِيلِهِ كُلُّ دَرَجَتَيْنِ مَا بَيْنَهُمَا كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ فَإِذَا سَأَلْتُمُ اللهَ فَسَلُوهُ الْفِرْدَوْسَ فَإِنَّهُ أَوْسَطُ الْجَنَّةِ وَأَعْلَى الْجَنَّةِ وَفَوْقَهُ عَرْشُ الرَّحْمَنِ وَمِنْهُ تَفَجَّرُ أَنْهَارُ الْجَنَّةِ۔

(صحیح البخاری: ۲۷۹۰، ۷۴۲۳، مسند احمد: ۸۲۶۹)

بن یسار از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے فرمایا: جو شخص اللہ پر ایمان لایا اور اس کے رسول پر اور نماز قائم کی اور رمضان کے روزے رکھے تو اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ اس کو جنت میں داخل کر دے، اس نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی یا اس زمین میں بیٹھا رہا جس زمین میں وہ پیدا ہوا ہے، صحابہ نے کہا: یارسول اللہ! کیا ہم لوگوں کو اس کی خبر نہ دے دیں؟ آپ نے فرمایا: بے شک جنت میں سو درجے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اس کی راہ میں جہاد کرنے والوں کے لیے تیار کر رکھا ہے، ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان اور زمین کے درمیان ہے، پس جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو اس سے الفردوس کا سوال کرو، کیونکہ وہ جنت کا اوسط ہے اور جنت کا بلند ترین درجہ ہے اور اس کے اوپر رحمٰن کا عرش ہے اور اسی سے جنت کے دریا نکلتے ہیں۔

یہ حدیث باب کے عنوان کے اس طرح مطابق ہے کہ اس میں عرش کا ذکر ہے۔

صحیح البخاری: ۷۴۲۳، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اہل سنت اور المعتزلہ کا اللہ تعالیٰ پر کسی چیز کے واجب ہونے کے متعلق اختلاف

اس حدیث سے المعتزلہ اور القدریہ نے اس پر استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر واجب ہے کہ وہ نیک عمل کرنے والے کو اس کا اجر عطا کرے اور اگر اللہ تعالیٰ نے اس کو یہ اجر نہیں دیا تو اللہ تعالیٰ بندہ پر ظلم کرنے والا ہوگا۔

المعتزلہ اور القدریہ کا مذہب فاسد ہے اور اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے بندوں میں سے اطاعت گزاروں کو عذاب دے اور کافروں پر انعام فرمائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا مالک ہے اور وہ جو کچھ کرے اس سے سوال نہیں کیا جائے گا اور بندوں سے ہر چیز کا سوال کیا جائے گا، لیکن اللہ سبحانہٗ نے اپنے رسول کی زبان سے یہ خبر دی ہے کہ وہ صرف کفار کو عذاب دے گا اور جس نے گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کیا تو اللہ تعالیٰ اسے اگر عذاب دینا چاہے گا تو عذاب دے گا۔

اللہ تعالیٰ کے لیے جھوٹ کا محال ہونا

المعتزلہ اور القدریہ نے اس سے استدلال کیا ہے کہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ اللہ پر حق ہے کہ وہ اطاعت گزاروں کو جنت میں داخل کرے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ''اللہ پر حق ہے'' اس کا یہ معنیٰ نہیں ہے کہ اللہ پر واجب ہے، کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب ہو تو اس

کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی واجب کرنے والا ہو اور اللہ تعالیٰ کے اوپر نہ کوئی حکم دینے والا ہے اور نہ کوئی اس کو کسی کام سے منع کرنے والا ہے، سو یہاں پر حق کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حدیث میں جو مومنین سے وعدہ کیا ہے اس کو پورا فرمائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندہ سے کسی فعل پر جو وعدہ ہے، اللہ تعالیٰ نے بندہ کے فعل سے پہلے اس کی خبر دی ہے اور اس کا وعدہ خبر ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندہ سے کیے ہوئے وعدہ کے خلاف کرے، یہ جائز نہیں ہے کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ نے بندہ کو ثواب عطا فرمانے کی خبر دی پھر یہ وعدہ پورا نہیں کیا تو یہ جھوٹ ہوگا اور جھوٹ اللہ تعالیٰ پر محال ہے کیونکہ صدق اللہ تعالیٰ کی صفاتِ ذات سے ہے تو صدق اس سے زائل ہو نہیں سکتا اور جھوٹ اس میں آ نہیں سکتا، اس معنی کو رسول اللہ ﷺ نے اس طرح تعبیر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ پر یہ حق ہے کہ وہ اطاعت گزاروں کو ثواب عطا فرمائے، اس کا معنی یہ ہے کہ اس کا خلاف کرنا اللہ تعالیٰ پر محال ہے۔

ہجرت کا فرض اور لازم نہ ہونا

اس حدیث میں مذکور ہے ''جس نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی یا اس زمین میں بیٹھا رہا جس میں پیدا ہوا تھا''۔

اس سے معلوم ہوا کہ فتح مکہ کے بعد ہجرت منسوخ ہو چکی تھی یا اس سے معلوم ہوا کہ غیر اہلِ مکہ پر ہجرت فرض نہیں تھی، کیونکہ ہجرت سب مسلمانوں پر فرض نہیں تھی۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۳ ص ۲۹۸۔۲۹۹ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۷۴۲۳، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جنت کے درجات کی تعداد

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''جنت کے سو درجے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اس کی راہ میں مجاہدین کے لیے تیار کر رکھا ہے''۔

اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جنت کے تمام درجات سو کے عدد میں منحصر ہیں، کیونکہ اس حدیث میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جو سو سے زیادہ درجات کی نفی کرتا ہو، اور اس کی تائید درج ذیل حدیث سے ہوتی ہے:

امام ابوداؤد، امام ترمذی اور امام ابن حبان نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کی، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قرآن پڑھنے والے سے کہا جائے گا: قرآن پڑھتا جا اور جنت کے درجات میں چڑھتا جا اور اس طرح ترتیل کے ساتھ پڑھ جس طرح تو دنیا میں پڑھا کرتا تھا، تیری منزل اس آیت پر ہوگی جس کو تو آخر میں پڑھے گا''، اور قرآنِ مجید کی آیات کے عدد چھ ہزار دو سو (۶۲۰۰) سے زیادہ ہیں، تو اس سے معلوم ہوا کہ جنت کے درجات چھ ہزار دو سو یا اس سے زائد ہیں۔

جنت کے دو درجوں کے درمیان فاصلہ

ایک حدیث میں ہے کہ جنت کے درجات کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنی آسمان اور زمین میں مسافت ہے، اور امام ترمذی کی روایت میں ہے کہ یہ فاصلہ سو سال کا ہے۔

امام طبرانی کی روایت میں ہے کہ یہ فاصلہ پانچ سو سال کا ہے، اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آسمانِ دنیا اور اس کے بعد

والے آسمان کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت کا فاصلہ ہے اور ہر آسمان کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہے اور ساتویں آسمان اور کرسی کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہے اور کرسی اور پانی کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہے اور عرش پانی کے اوپر ہے اور اللہ تعالیٰ عرش کے اوپر ہے، اور اللہ تعالیٰ پر تمہارے عمل میں سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔

اور امام ابوداؤد نے حضرت عباس بن عبدالمطلب سے روایت کی ہے اور اس روایت کو امام ابن خزیمہ اور حاکم نے صحیح قرار دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم آسمان اور زمین کے درمیان فاصلہ کو جانتے ہو؟ ہم نے کہا: نہیں! آپ نے فرمایا: وہ ستر اور ایک، یا ستر اور دو یا ستر اور تین سال کی مسافت ہے، اور جو اس کے اوپر آسمان ہیں ان میں بھی اتنی ہی مسافت ہے حتیٰ کہ آپ نے سات آسمان گنے، پھر ساتویں آسمان کے اوپر سمندر ہے، اس کے نچلے حصہ اور اس کے اوپر والے حصہ کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا ایک آسمان کا دوسرے آسمان تک فاصلہ ہے، پھر اس کے اوپر عرش ہے اور اس کے نیچے اور اوپر اتنا فاصلہ ہے جتنا ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک کا فاصلہ ہے۔

ان احادیث میں تطبیق اس طرح ہے کہ جس حدیث میں مذکور ہے کہ جنت کے دو درجوں کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے، یہ آہستہ رفتار پر محمول ہے جیسے کوئی پیدل چلنے والا اپنی عادت کے مطابق چلے اور جس حدیث میں ستر سال کی مسافت کا ذکر ہے وہ تیز رفتار پر محمول ہے یعنی جو تیز رفتار سے چلے گا تو وہ پانچ سو سال کی مسافت کو ستر سال میں طے کر لے گا، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ستر سال کو مبالغہ پر محمول کیا جائے تو یہ پانچ سو سال کی مسافت کے منافی نہیں ہے۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۵۴۶، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۷۴۲۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

فردوس کا معنی

اس حدیث میں مذکور ہے "جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو الفردوس کا سوال کرو"۔

فردوس کا معنی ہے باغ، الفرّاء نے کہا یہ عربی لفظ ہے اور ابن عزیر نے کہا کہ روم کی لغت میں فردوس کا معنی باغ ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "فردوس اوسط الجنۃ ہے اور اعلی الجنۃ ہے"، اس پر یہ اعتراض ہے کہ اوسط سب سے بلند کیسے ہوسکتا ہے، یہ دونوں تو متنافی ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اوسط سے مراد افضل ہے، لہٰذا اس کے اعلیٰ ہونے میں کوئی منافات نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۱۷۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۴۲۴۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنْ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ هُوَ التَّيْمِيُّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ وَرَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم جَالِسٌ فَلَمَّا غَرَبَتِ الشَّمْسُ قَالَ يَا أَبَا ذَرٍّ هَلْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن جعفر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو معاویہ نے حدیث بیان کی از الاعمش از ابراہیم اور وہ التیمی ہیں از والد خود از حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں مسجد میں داخل ہوا

تَدْرِي أَيْنَ تَذْهَبُ هٰذِهِ قَالَ قُلْتُ اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ فَإِنَّهَا تَذْهَبُ تَسْتَأْذِنُ فِي السُّجُودِ فَيُؤْذَنُ لَهَا وَكَأَنَّهَا قَدْ قِيلَ لَهَا ارْجِعِي مِنْ حَيْثُ جِئْتِ فَتَطْلُعُ مِنْ مَغْرِبِهَا ثُمَّ قَرَأَ ذٰلِكَ مُسْتَقَرٌّ لَهَا فِي قِرَاءَةِ عَبْدِ اللهِ۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے، پس جب سورج غروب ہو گیا تو آپ نے فرمایا: اے ابوذر! کیا تم جانتے ہو کہ سورج کہاں جاتا ہے؟ انہوں نے بیان کیا: میں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جاننے والے ہیں، آپ نے فرمایا کہ سورج جاتا ہے اور سجدہ کرنے کی اجازت طلب کرتا ہے، پس اس کو اجازت دی جاتی ہے اور گویا کہ اس سے یہ کہا جاتا ہے کہ تو جہاں سے آیا ہے وہیں لوٹ جا، پھر وہ اپنے غروب کی جگہ سے طلوع ہو جاتا ہے، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی:

''اور سورج اپنی مقرر شدہ منزل تک چلتا رہتا ہے'' (یٰس: ۳۸)

یہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت ہے۔

(صحیح البخاری: ۳۱۹۹، ۴۸۰۲، ۴۸۰۳، ۷۴۲۴، ۷۴۳۳، صحیح مسلم: ۱۵۹، سنن ترمذی: ۳۲۲۷، مسند احمد: ۲۱۴۴۲)

صحیح البخاری: ۷۴۲۴، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

سورج کے سجدہ کرنے کی اجازت طلب کرنے کی توجیہ

سورج اللہ تعالیٰ سے اجازت طلب کرے گا اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے، پس ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ سورج میں ایسی حیات پیدا کر دے جس کی وجہ سے سورج کلام کر سکے، پس وہ امر اور نہی کو قبول کرے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ جمادات اور بے جان چیزوں کو زندہ کرنے پر قادر ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی ہے کہ سورج کا مغرب سے طلوع ہونا قیامت کی علامتوں میں سے ہے۔

حدیثِ مذکور کا بعض دیگر احادیث سے تعارض کا جواب

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''سورج جائے گا اور سجدہ کی اجازت طلب کرے گا تو اسے اجازت دی جائے گی'' اور دوسری حدیث میں ہے کہ ''سورج جائے گا اور عرش کے نیچے سجدہ کرے گا'' اور چونکہ سورج اپنے چلنے میں عرش کی محاذات میں ہے، لہٰذا اس کا انکار نہیں کیا جائے گا اور قرآن مجید میں سورج کے سجدہ کا ذکر ہے اور چاند کے سجدہ کا ذکر ہے اور ستاروں کے سجدہ کا ذکر ہے اور اس کو تسلیم کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

حَتّٰى إِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِي عَيْنٍ حَمِئَةٍ (الکہف: ۸۶) حتیٰ کہ جب وہ غروب آفتاب کی جگہ پہنچے تو انہوں نے اسے سیاہ دلدل کے چشمے میں ڈوبتے ہوئے پایا۔

یہ آیت حدیثِ مذکور کے مخالف نہیں ہے، کیونکہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ذوالقرنین نے منتہائے بصر کو دلدل کے چشمے میں پایا اور یہ اس کے خلاف نہیں ہے کہ سورج غروب کے بعد عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۳ ص ۲۹۹۔ ۳۰۰، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۷۴۲۴ کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

سورج اور زمین کی گردش کے متعلق قرآن مجید کی نصوص

اس حدیث میں اس موقف پر واضح دلیل ہے کہ سورج ہی آسمان کے کناروں میں چلتا ہے اور زمین کے گرد گھومتا ہے، کیونکہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: سورج کہاں جاتا ہے؟ پس آپ نے سورج کی طرف جانے کا اسناد کیا اور اصل یہ ہے کہ جس کے ساتھ فعل کا اسناد ہو اسی کے ساتھ فعل حقیقۃً قائم ہے نہ کہ مجازاً، اسی طرح قرآن مجید میں ہے:

وَ تَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَ اِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَ هُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ (الکہف:۱۷)

اور (اے مخاطب!) جب سورج نکلتا ہے تو، تو دیکھے گا کہ دھوپ ان کے غار سے دائیں طرف جھکی رہتی ہے اور جب سورج غروب ہوتا ہے تو دھوپ بائیں طرف پھر جاتی ہے اور وہ اس غار کی کشادہ جگہ میں ہیں۔

اس آیت میں چار افعال ہیں جن کی نسبت سورج کی طرف ہے، جب وہ طلوع ہوتا ہے تو وہ غار سے دائیں طرف جھکا رہتا ہے اور جب غروب ہوتا ہے تو وہ بائیں طرف جھکا رہتا ہے۔

اور یہ تمام نصوص اس میں ظاہر ہیں کہ سورج ہی زمین کے گرد گھومتا ہے، اور یہ وہ چیز ہے جس کا ہم اب تک اعتقاد رکھتے ہیں اور اب تک ہمیں کوئی ایسی چیز ظاہر نہیں ہوئی جس سے ہم ان ظواہر نصوص کو رد کریں، اور ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کے بالمقابل کوئی حجت ہو، پس ہم پر واجب ہے کہ ہم ان ظاہر آیات پر اعتقاد رکھیں، اگرچہ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ سورج زمین کے گرد نہیں گھومتا اور دن اور رات کا ایک دوسرے کے بعد آنا یہ زمین کے سورج کے گرد گھومنے کی وجہ سے ہے اور وہ اس کو امورِ یقینیہ میں سے سمجھتے ہیں، پس ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم پر واجب ہے کہ ہم ظاہر قرآن اور سنت سے تمسک کریں حتیٰ کہ ہمارے لیے اس کے خلاف کوئی امر ظاہر ہو جائے جس کی وجہ سے ہم ان نصوص کو ان کے ظواہر سے چھوڑ دیں۔

حدیث مذکور پر ایک اشکال

اس حدیث پر اشکال یہ ہے کہ سورج افق میں ہر لحظہ غروب ہو رہا ہے، اس لیے کہ سورج گھومتا رہتا ہے، پس جس وقت وہ ہمارے افق سے غروب ہوتا ہے تو دوسرے علاقہ والوں کے افق پر وہ طلوع ہوتا ہے، مثلاً جب سورج پاک و ہند کے افق پر غروب ہوتا ہے تو امریکہ وغیرہ میں طلوع ہوتا ہے، سو ہر وقت سورج کا طلوع اور غروب ہو رہا ہے، پس سورج کس وقت سجدہ کرتا ہے اور طلوع کی اجازت طلب کرتا ہے؟

بے شک ہم پر یہ واجب ہے کہ اس پر ایمان لائیں جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے، اور یہ نہ کہیں کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے، لیکن ہم یہ کہتے ہیں اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ سورج دائماً سجدہ کرتا ہو جیسا کہ درج ذیل آیت ہے:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ وَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ وَ النُّجُوْمُ وَ الْجِبَالُ وَ الشَّجَرُ

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ ہی کے لیے سجدہ کرتے ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمینوں میں ہیں اور سورج اور چاند اور

وَالدَّوَآبُّ (الحج:۱۸) ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے۔

پس سورج بھی ہمیشہ سجدہ میں رہتا ہے اور اس سے کون سی چیز مانع ہے جب کہ فرشتوں کے متعلق فرمایا:

يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ۝ (الانبیاء:۲۰) وہ رات اور دن اسی کی تسبیح کرتے ہیں اور سستی نہیں کرتے O

پس جس طرح فرشتے ہر وقت اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے رہتے ہیں تو اس میں کوئی حیرت کی بات نہیں ہے کہ سورج بھی ہمیشہ سجدہ میں رہتا ہو، یا یہ کہا جائے کہ جب سورج زمین کے اس حصہ سے غائب ہوتا ہے جس حصہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیان کر رہے ہیں، اس وقت وہ سجدہ کرتا ہے، اور دوسری زمینوں سے جب وہ غائب ہوتا ہے تو اس کے سجدہ کی کیا کیفیت ہے اس کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

اور اس تقریر کی وجہ سے ہم اس اشکال سے چھٹکارا پائیں گے جس کے ساتھ عقلاء اس حدیث میں طعن کرتے ہیں، کیونکہ جو لوگ فقط عقل پر اعتماد کرتے ہیں ان کے لیے بہت آسان ہے کہ وہ اس حدیث کو رد کر دیں، بلکہ جن نصوص میں بھی ان کے لیے طعن کرنا ممکن ہے ان کو وہ رد کر دیں، اور وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ احادیث خبرِ واحد ہیں، پس ان کو عقل پر ترجیح دینا ممکن نہیں ہے اگرچہ قرآنِ مجید یا سنتِ متواترہ کو رد کرنا ممکن نہیں ہے اور یہ لوگ اس حدیث کی کسی اور معنی کی طرف تحریف کرتے ہیں جو ان کے عقلی دعویٰ کے موافق ہو اور یہ ان کی بہت بڑی غلطی ہے کیونکہ امورِ غیبیہ اس سے بلند ہیں کہ عقل ان کا ادراک کر سکے، اور جب ہم یہ تسلیم نہ کریں تو ہم کو بہت سارے اشکالات پیش آئیں گے مثلاً حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن سورج مخلوقات کے ایک میل کے اندازہ کے برابر قریب ہوگا اور سب لوگ ایک جگہ پر ہوں گے اور وہ اپنے اعمال کے اعتبار سے پسینہ میں ڈوبے ہوئے ہوں گے، پس بعض لوگوں کا پسینہ ان کی ایڑھیوں تک پہنچے گا اور بعض لوگوں کا پسینہ ان کے گھٹنوں تک پہنچے گا اور بعض لوگوں کا پسینہ ان کے کولہوں تک پہنچے گا اور بعض لوگ مکمل پسینے میں ڈوب جائیں گے، کیا دنیا میں اس طرح ممکن ہے کہ لوگ ایک جگہ پر ہوں اور ان کا پسینہ اتنی مقدار میں ایک دوسرے سے مختلف ہو؟ اور جب سورج اتنے قریب ہوگا تو ظاہر یہ ہے کہ اس کی تپش سے لوگ جل جائیں گے لیکن جو امورِ غیب ہیں ان کو تسلیم کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہے، پس ہم کہتے ہیں کہ ہم نے ان احادیث کو سنا اور ہم ان پر ایمان لائے اور ہم نے ان کی تصدیق کی اور ہمارے سامنے اور کوئی چیز نہیں ہے اور یہ امرِ غیبی ہے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خبر دی تو ہم پر اس کا قبول کرنا اور اس کو تسلیم کرنا واجب ہے۔

بعض مسلمان یہ کہتے ہیں کہ دن اور رات کا اختلاف زمین کے گھومنے کی وجہ سے ہے نہ کہ سورج کے گھومنے کی وجہ سے، اور اس سے کیا چیز مانع ہے کہ زمین بھی گھومتی ہو اور سورج بھی گھومتا ہو اور سورج کا گردش کرنا زمین کی گردش سے زیادہ تیز ہو۔

اس کا جواب یہ ہے کہ سورج زمین کے اعتبار سے ثابت ہے اور سورج فقط اپنے محور میں گھومتا رہتا ہے۔

اور بہت علماء یہ کہتے ہیں کہ سورج بھی چلتا ہے اور گھومتا ہے اور زمین بھی گھومتی ہے اور قرآن نے اس کا انکار نہیں کیا، اور سورج کا گھومنا یقینی ہے جیسا کہ نصِ قرآن سے ثابت ہے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۸ ص ۴۳۴۔۴۳۶، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۷۴۲۴، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث کی شرح بدء الخلق کے باب میں گزر چکی ہے اور سورۂ یٰسٓ کی تفسیر میں بھی بیان کی جا چکی ہے، اور

یہاں پر اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ بے شک عرش مخلوق ہے، اس لیے کہ ثابت ہے کہ عرش کے لیے فوق بھی ہے اور تحت بھی ہے اور اوپر اور نیچے ہونا یہ مخلوقات کی صفات میں سے ہے، اور یہ گزر چکا ہے کہ سورج کے مغرب سے طلوع ہونے کی صفت کیسی ہے۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے: سورج طلوع ہونے کی اجازت طلب کرتا ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورج میں حیات پیدا کردی ہے جس کی وجہ سے اس سے یہ قول صادر ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ جمادات اور بے جان چیزوں کو زندہ کرنے پر قادر ہے اور دوسرے علماء نے کہا کہ سورج کی طرف اجازت طلب کرنے کی نسبت مجاز ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ جو فرشتے سورج کے ساتھ موکل ہیں وہ اجازت طلب کرتے ہیں۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۵۴۶، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۴۲۵۔ حَدَّثَنَا مُوسَى عَنْ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ بْنِ السَّبَّاقِ أَنَّ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ وَقَالَ اللَّيْثُ حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ خَالِدٍ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ ابْنِ السَّبَّاقِ أَنَّ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ حَدَّثَهُ قَالَ أَرْسَلَ إِلَيَّ أَبُو بَكْرٍ فَتَتَبَّعْتُ الْقُرْآنَ حَتَّى وَجَدْتُ آخِرَ سُورَةِ التَّوْبَةِ مَعَ أَبِي خُزَيْمَةَ الْأَنْصَارِيِّ لَمْ أَجِدْهَا مَعَ أَحَدٍ غَيْرِهِ ﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ﴾ حَتَّى خَاتِمَةِ بَرَاءَةٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يُونُسَ بِهٰذَا وَقَالَ مَعَ أَبِي خُزَيْمَةَ الْأَنْصَارِيِّ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ نے حدیث بیان کی از ابراہیم، انہوں نے کہا: ہمیں ابن شہاب نے حدیث بیان کی از عبید بن السباق، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بیان کیا۔

اور اللیث نے کہا: مجھے عبدالرحمن بن خالد نے حدیث بیان کی از ابن شہاب از ابن السباق، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ان سے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بلایا، پس میں نے قرآن مجید کو تلاش کیا حتیٰ کہ میں نے سورۂ توبہ کی آخری آیت حضرت ابوخزیمہ الانصاری رضی اللہ عنہ کے پاس پائی اور اس آیت کو ان کے سوا کسی اور کے پاس نہیں پایا، وہ آیت یہ ہے: "لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ۔۔۔۔ (التوبہ: ۱۲۸)" حتیٰ کہ سورۂ براءۃ ختم ہوگئی۔

ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از یونس اسی طرح، اور کہا: حضرت ابوخزیمہ الانصاری رضی اللہ عنہ کے ساتھ۔

(صحیح البخاری: ۲۸۰۷، ۴۰۴۹، ۴۶۷۹، ۴۷۸۴، ۴۹۸۶، ۴۹۸۸، ۴۹۸۹، ۷۱۹۱، ۷۴۲۵، سنن ترمذی: ۳۱۰۳، مسند احمد: ۲۱۳۱)

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں التوبہ: ۱۲۸ کا ذکر ہے، اور اس پوری آیت یعنی التوبہ: ۱۲۹ میں مذکور ہے "وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ"

صحیح البخاری: ۷۴۲۵، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صرف حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کی شہادت سے قرآن مجید کے ثبوت پر اشکال کا جواب

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے سورۂ احزاب کی آخری آیت کو گم پایا اور اس کو صرف حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کے پاس پایا، اس پر یہ اشکال ہے کہ قرآنِ مجید کا ثبوت تو تواتر سے ہوتا ہے تو صرف حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی شہادت سے قرآن مجید کا ثبوت کیسے ہوا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی یہ مراد نہیں ہے کہ سورۂ توبہ کی آخری آیت تمام مسلمانوں کے ذہن سے نکل گئی تھی اور کسی کے پاس نہیں تھی، کیونکہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو بھی یہ آیت یاد تھی اور حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کو بھی یاد تھی تو یہ دو آدمیوں کی شہادت ہو گئی، اور قرآن مجید تواتر سے ثابت ہے نہ کہ دو آدمیوں سے، اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے جو اس آیت کو حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کے پاس پایا، اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ ان کے پاس یہ آیت لکھی ہوئی تھی، اور روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے اس آیت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے اور روایت ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے بھی اس کی مثل کہا، اور حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی کی مثل روایت ہے، سو یہ ایک جماعت ہے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کو ایک مصحف میں جمع کرتے وقت حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت زید رضی اللہ عنہما سے یہ کہا کہ وہ اس کو تلاش کریں کہ دو آدمی یہ گواہی دیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کو سنا ہے تاکہ یہ زیادہ ثابت اور زیادہ پختہ ہو جائے، تاکہ کوئی آدمی اس کا جلدی انکار نہ کرے، اور قاضی ابوبکر بن الطیب نے کہا: اس میں اور بھی وجوہ بیان کی گئی ہیں اور یہ سب سے عمدہ وجہ ہے اور اس کا عنقریب جمع القرآن کے باب میں ذکر آئے گا ان شاء اللہ۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۱۷ ص ۳۸۳۔ ۳۸۴، ملخصاً و ملتقطاً، وزارة الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں: یہ تو سب مسلمانوں کو معلوم تھا کہ یہ سورۂ توبہ کی آخری آیت ہے لیکن انہوں نے یہ قاعدہ وضع کیا تھا کہ جب دو مسلمان اس کی شہادت دیں کہ یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھوائی تھی تب وہ اس کو مصحف میں درج کرتے تھے اور جب اس آیت کو مصحف میں درج کرنے کا معاملہ ہوا تو صرف حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اس پر شہادت دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو لکھوایا تھا، پھر لوگوں نے کہا: یہ تو صرف ایک حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کی شہادت ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ دو مسلمان اس کی شہادت دیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو لکھوایا تھا، پس انہوں نے بتایا کہ حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کی شہادت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو شہادتوں کے برابر قرار دیا تھا، تو قاعدہ کا تقاضا پورا ہو گیا اور اس آیت کو مصحف میں درج کر دیا گیا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کو دو شہادتوں کے برابر قرار دینے کا قصہ

امام ابوداؤد اپنی سند کے ساتھ از عمارہ بن خزیمہ روایت کرتے ہیں کہ ان کے چچا نے ان کو حدیث بیان کی اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی سے گھوڑا خریدا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس گھوڑے کی قیمت ادا کرنے کے لیے گئے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیزی سے گئے اور وہ اعرابی آہستہ آہستہ چلا، پس دوسرے لوگ اس اعرابی سے اس گھوڑے کو خریدنے کے لیے قیمت ڈالنے لگے اور ان کو یہ پتا نہیں تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کو خرید چکے ہیں، پس اس اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آواز دی

کہ اگر آپ اس گھوڑے کو خرید رہے ہیں تو فبہا ورنہ میں نے اس کو بیچ دیا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اعرابی کی آواز سنی تو آپ نے فرمایا: کیا میں تم سے یہ گھوڑا خرید نہیں چکا؟ اس اعرابی نے کہا: نہیں! اللہ کی قسم میں نے یہ آپ کو فروخت نہیں کیا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیوں نہیں میں تم سے یہ خرید چکا ہوں، پھر وہ اعرابی کہنے لگا: اچھا پھر آپ گواہ لائیں، تو حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اس کی گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ گھوڑا تم سے خرید لیا ہے، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی طرف مڑے، پس آپ نے فرمایا: تم کس سبب سے گواہی دے رہے ہو؟ حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! آپ کی تصدیق کرنے کی وجہ سے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کو دو مردوں کے برابر قرار دیا۔ (سنن ابوداؤد: ۳۶۰۷، سنن نسائی: ۴۶۶۱)

۷۴۲۶۔ حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ عَنْ سَعِيدٍ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنهما قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ عِنْدَ الْكَرْبِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الْعَلِيمُ الْحَلِيمُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَرَبُّ الْأَرْضِ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں معلی بن اسد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وہیب نے حدیث بیان کی از سعید از قتادہ از ابو العالیہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، انہوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پریشانی کے وقت یہ دعا کرتے تھے: ''اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں جو علیم اور حلیم ہے (بہت جاننے والا اور بہت بردبار ہے)، اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں جو عرشِ عظیم کا رب ہے، اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں جو آسمانوں کا رب ہے اور زمین کا رب ہے اور العرش الکریم کا رب ہے''۔

(صحیح البخاری: ۶۳۴۶، ۷۴۲۱، ۷۴۳۱، صحیح مسلم: ۲۷۳۰، سنن ترمذی: ۳۴۳۵، سنن ابن ماجہ: ۳۸۸۳، مسند احمد: ۲۰۱۳)

صحیح البخاری: ۷۴۲۶، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس سوال کا جواب کہ حدیث مذکور میں دعا کا ذکر نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کا ذکر ہے

اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ دعا سے پہلے اس طرح کے دعائیہ کلمات کہنے چاہئیں جس میں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا ذکر ہو اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کے وہ کلمات ہوں جن کا اس حدیث میں ذکر ہے۔

اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ الاعمش نے النخعی سے روایت کی ہے کہ جب کوئی مرد دعا سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کا ذکر کرے تو اس کی دعا قبول کی جاتی ہے۔ اور جب حمد وثناء سے پہلے دعا کرے تو اس دعا کے مقبول ہونے کی توقع ہوتی ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس پر اس طرح تنبیہ کی ہے: جب تم کو کسی امیر یا حاکم سے اپنے اوپر ظلم کا خطرہ ہو تو یہ دعا کرو: اے اللہ! سات آسمانوں کے رب اور عرشِ عظیم کے رب! میرے لیے فلاں سے پناہ ہو جا اور جنات اور انسانوں میں سے اس کے معاونین سے پناہ ہو جا کہ وہ میرے اوپر کوئی زیادتی کریں یا مجھ پر کوئی سرکشی کریں، جب تم یہ دعا کرو گے تو اللہ عزوجل تم کو اس سے پناہ میں رکھے گا اور وہ تمہیں کوئی ناپسندیدہ ضرر نہیں پہنچا سکے گا۔

دعائے مذکور کی برکات اور ثمرات

حسین مروزی بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابن عیینہ سے سوال کیا کہ رسول اللہ ﷺ عرفہ میں کون سا ذکر زیادہ کرتے تھے؟ تو انہوں نے بتایا: آپ یہ ذکر کرتے تھے "لا الٰہ الا اللہ سبحان اللہ والحمد للہ واللہ اکبر وللہ الحمد" پھر مجھ سے سفیان نے کہا: یہ ذکر ہے اور اس میں دعا نہیں ہے، پھر مجھ سے انہوں نے کہا: کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: جب بندہ مجھ سے سوال کرنے کے بجائے میری حمد وثناء کرنے میں مشغول ہو تو میں اس کو ان سے زیادہ عطا کرتا ہوں جس کا سائلین سوال کرتے ہیں، میں نے کہا: جی ہاں۔ آپ نے مجھے یہ حدیث بیان کی اور ابن مہدی نے بھی یہ حدیث بیان کی ہے۔

علامہ ابن بطال مالکی تحریر فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں: مجھے ابوبکر رازی نے حدیث بیان کی، انہوں نے بیان کیا کہ میں اصفہان میں شیخ ابونعیم کے پاس تھا اور ان سے حدیث لکھتا تھا اور وہاں ایک اور شیخ بھی تھے جو ابوبکر بن علی کے نام سے معروف تھے اور تمام شہر والے انہی سے فتوے لیتے تھے۔ بعض شہر والوں نے ان سے حسد کیا اور ان کے خلاف سلطان سے شکایت کی، سلطان نے ان کو قید کرنے کا حکم دیا اور یہ رمضان کے مہینہ کا واقعہ ہے۔ ابوبکر رازی نے بیان کیا: پس میں نے خواب میں نبی ﷺ کی زیارت کی حضرت جبریل علیہ السلام آپ کی دائیں طرف تھے اور آپ کے ہونٹ ہل رہے تھے اور مسلسل تسبیح پڑھ رہے تھے، پس مجھ سے نبی ﷺ نے فرمایا: ابوبکر بن علی سے کہو کہ وہ دعائے کرب کو پڑھیں جو صحیح البخاری میں ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ان سے پریشانی کو دور کر دے، پس میں صبح کو ان کے پاس آیا اور ان کو اپنے خواب کی خبر دی، انہوں نے وہ دعا کی اور چند دن کے بعد ان کو قید سے نکال دیا گیا۔ پس اس خواب میں نبی ﷺ نے امام بخاری کی اس کتاب کی صحت کی خبر دی ہے اور جبریل علیہ السلام کے سامنے دی ہے اور شیطان اس پر قادر نہیں ہے کہ وہ خواب میں نبی ﷺ کی صورت میں متمثل ہو جائے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۱۱۲۔ ۱۱۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ نے بھی حسین مروزی کی روایت سے ابوبکر بن علی کا یہ واقعہ بیان کیا ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۲۷۵۔ ۲۷۶، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ نے بھی اس واقعہ کو بیان کیا ہے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۴۰۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ نے بھی اس واقعہ کو بیان کیا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۰۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

ابوبکر بن علی کے واقعہ کے فوائد اور مسائل

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو اپنی امت کے مظلومین کے احوال پر مطلع فرمایا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جو مظلوم کسی مصیبت میں مبتلاء ہو، اللہ تعالیٰ نے اس سے آپ کو اس مصیبت کے دور کرنے کا طریقہ بھی بتلا دیا۔

اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ صحیح البخاری کے ابواب اور اس کی احادیث پر مطلع ہیں اور اپنی امت کو ان احادیث کے مطابق عمل کرنے کی ہدایت دیتے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم صرف صحیح البخاری کے ابواب اور احادیث پر مطلع نہیں تھے بلکہ آپ احادیث کے رواۃ اور ان کی ثقاہت پر بھی مطلع تھے اور امت کو اس پر آگاہ فرماتے تھے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۷۴۲۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ النَّاسُ يَصْعَقُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَإِذَا أَنَا بِمُوسَى آخِذٌ بِقَائِمَةٍ مِنْ قَوَائِمِ الْعَرْشِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از عمرو بن یحییٰ از والد خود از حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن لوگ بے ہوش ہوں گے، پس اس وقت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھوں گا، وہ عرش کے پایوں میں سے ایک پایہ کو پکڑے ہوئے ہوں گے۔

(صحیح البخاری: ۲۴۱۲، ۳۳۹۸، ۴۶۳۸، ۶۹۱۶، ۶۹۱۷، ۷۴۲۷، صحیح مسلم: ۲۳۷۳، سنن ابوداؤد: ۴۶۶۸، مسند احمد: ۱۰۹۷۲)

۷۴۲۸۔ وَقَالَ الْمَاجِشُونُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْفَضْلِ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ فَأَكُونُ أَوَّلَ مَنْ بُعِثَ فَإِذَا مُوسَى آخِذٌ بِالْعَرْشِ۔

اور الماجشون نے روایت کیا از عبداللہ بن الفضل از حضرت ابوسلمہ از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: پس میں سب سے پہلے اٹھایا جاؤں گا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام عرش کو پکڑے ہوئے ہوں گے۔

(صحیح البخاری: ۲۴۱۱، ۳۴۰۸، ۳۴۱۴، ۳۴۷۶، ۴۸۱۳، ۵۰۶۲، ۶۵۱۷، ۶۵۱۸، ۷۴۲۸، ۷۴۷۲، صحیح مسلم: ۲۳۷۳، سنن ترمذی: ۳۲۴۵، سنن ابوداؤد: ۴۶۷۱، مسند احمد: ۷۵۳۲)

صحیح البخاری: ۷۴۲۸، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کا مکمل متن

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ دو مردوں نے ایک دوسرے کو برا کہا، ایک مرد مسلمانوں میں سے تھا اور ایک مرد یہود میں سے تھا، مسلمان نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تمام جہانوں پر فضیلت دی ہے! یہودی نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو تمام جہانوں پر فضیلت دی ہے! پس مسلمان نے اپنا ہاتھ اٹھا کر اس یہودی کے چہرہ پر تھپڑ مارا، پھر وہ یہودی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور آپ کو بتایا جو اس کے اور اس مسلمان کے درمیان معاملہ ہوا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسلمان کو بلایا اور اس سے اس کے متعلق سوال کیا تو اس مسلمان نے آپ کو خبر دی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے انبیاء علیہم السلام کے درمیان فضیلت نہ دو، کیونکہ لوگ قیامت کے دن بے ہوش ہوں گے، پس میں وہ ہوں کہ جس سے سب سے پہلے زمین پھٹے گی، پس اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام عرش کے پایوں میں سے ایک پایہ کو پکڑے ہوئے ہوں گے، پس میں (از خود) نہیں جانتا کیا وہ ان لوگوں میں سے تھے جو بے ہوش ہو گئے، پھر مجھ سے پہلے

ہوش میں آ گئے، یا وہ ان لوگوں میں سے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے بے ہوشی سے مستثنیٰ رکھا"۔

(صحیح البخاری: ۲۴۱۱، ۲۴۰۸، ۳۴۱۴، ۳۴۰۸، ۳۴۷۶، ۴۸۱۳، ۵۰۶۲، ۶۵۱۷، ۶۵۱۸، ۷۴۲۸، ۷۴۷۲، صحیح مسلم: ۲۳۷۳، سنن ترمذی: ۳۲۴۵، سنن ابوداؤد: ۴۶۷۱، مسند احمد: ۷۵۳۲)

تنبیہات

(۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ مسلمان اور ذمی کے درمیان قصاص نہیں ہے، کیونکہ مسلمان نے جو یہودی کو تھپڑ مارا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان سے یہودی کا قصاص نہیں دلوایا۔

(۲) "جامع سفیان" میں حضرت عمرو بن دینار سے روایت ہے کہ تھپڑ مارنے والے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے، اور دوسری حدیث میں جس کے تھپڑ مارنے کا ذکر ہے وہ انصار میں سے تھے۔

(۳) امام ابن اسحاق کی تفسیر میں مذکور ہے کہ جس یہودی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر فضیلت دی تھی اس کا نام فنحاص تھا اور اسی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے:

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ فَقِیْرٌ وَّ نَحْنُ اَغْنِیَآءُ ۘ (آل عمران: ۱۸۱)

بے شک اللہ نے ان لوگوں کا قول سن لیا جنہوں نے کہا تھا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں۔

(۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ادب سے ذکر کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو اللہ تعالیٰ نے خصوصی فضیلت عطا فرمائی ہے اس کا اقرار کیا۔

(۵) اس حدیث میں مذکور ہے "مجھے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت نہ دو اور نہ مجھے انبیاء علیہم السلام کے درمیان فضیلت دو"۔ اسی طرح ایک حدیث میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ یہ کہے کہ میں حضرت یونس بن متی سے بہتر ہوں"۔ (صحیح البخاری: ۳۳۹۵)

ان حدیثوں پر یہ اشکال ہے کہ یہ اس حدیث کے خلاف ہے:

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں قیامت کے دن تمام اولادِ آدم کا سردار ہوں گا اور مجھے اس پر فخر نہیں ہے، اور میرے ہی ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا اور اس پر فخر نہیں ہے، اور ہر نبی خواہ حضرت آدم ہوں یا ان کے سوا وہ سب میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور سب سے پہلے زمین مجھ سے پھٹے گی اور اس پر فخر نہیں ہے"۔

(سنن ترمذی: ۳۱۴۸، امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے، سنن ابن ماجہ: ۴۳۰۸، مسند احمد ج ۳ ص ۲)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں، سو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی آپ افضل قرار پائے۔ اور صحیح البخاری کی حدیثِ مذکور اس کے خلاف ہے؟

اس اشکال کے متعدد جوابات ہیں جو حسبِ ذیل ہیں:

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا کہ "مجھے حضرت موسیٰ علیہ السلام یا حضرت یونس علیہ السلام پر فضیلت مت دو" یہ اس سے پہلے کی حدیث ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ علم دیا گیا تھا کہ آپ سب نبیوں سے افضل ہیں اور جب آپ کو یہ علم دے دیا گیا تو پھر آپ نے فرمایا:

"میں تمام اولادِ آدم کا سردار ہوں اور مجھے اس پر فخر نہیں ہے"۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اپنی ایسی فضیلت دینے سے منع فرمایا ہے جو کسی جھگڑے اور فساد کا موجب ہو، جیسا کہ اس حدیث میں ہے کہ "مسلمان نے یہودی کو تھپڑ مارا"۔

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قول تواضعاً فرمایا اور بڑائی اور فخر کی نفی کرنے کے لیے فرمایا جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ "مجھے تم سب پر حاکم بنادیا گیا ہے اور میں تم سب سے افضل نہیں ہوں"۔

(مصنف عبد الرزاق ج ۱۱ ص ۳۳۶، المعجم الاوسط للطبرانی ج ۸ ص ۲۶۷، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۸۳)

(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء علیہم السلام پر اپنی ایسی فضیلت بیان کرنے سے منع فرمایا جو دوسرے انبیاء علیہم السلام کی تنقیص کا موجب ہو، کیونکہ انبیاء علیہم السلام کی تنقیص کرنا کفر ہے۔

(۵) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نفسِ نبوت میں فضیلت دینے سے منع فرمایا، ذواتِ انبیاء اور ان کی رسالت کے عموم میں اور زیادہ خصائص میں فضیلت دینے سے منع نہیں فرمایا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ۔ (البقرہ: ۲۵۳)

ان سب رسولوں (میں سے) ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، ان میں سے بعض سے اللہ نے کلام فرمایا اور بعض کو (بے شمار درجوں کی) بلندی عطا فرمائی۔

(۶) علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ہے: "مجھے انبیاء علیہم السلام کے درمیان فضیلت نہ دو" اس کا معنی ہے: بغیر علم کے فضیلت نہ دو، یا اپنی طرف سے فضیلت نہ دو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ـــــ (البقرہ: ۲۵۳)"

حضرت یونس علیہ السلام کے خصوصیت سے ذکر کی توجیہ

اگر یہ سوال کیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصیت سے فرمایا: "یہ نہ کہو کہ میں حضرت یونس بن متی (علیہ السلام) سے بہتر ہوں" اور ان کے علاوہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کا ذکر نہیں فرمایا مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ـــ

اس کا جواب یہ ہے کہ جب میں اس کو پسند نہیں کرتا کہ مجھے حضرت یونس علیہ السلام پر فضیلت دی جائے تو جو ان سے بلند درجہ کے انبیاء علیہم السلام ہیں ان پر فضیلت دینے کو میں کب پسند کروں گا؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ ۘ اِذْ نَادٰى وَهُوَ مَكْظُوْمٌ ﴿۴۸﴾ لَوْلَآ اَنْ تَدٰرَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ مَذْمُوْمٌ ﴿۴۹﴾ (القلم: ۴۸-۴۹)

سو آپ اپنے رب کے حکم کا انتظار کیجئے اور مچھلی والے کی طرح نہ ہو جائیں جنہوں نے اپنے رب کو حالت غم میں پکارا تھا ○ اگر ان کے رب کی طرف سے نعمت ان کا تدارک نہ کرتی تو وہ ضرور وصف مذمومیت کے ساتھ چٹیل میدان میں ڈال دیئے جاتے ○

یعنی حضرت یونس علیہ السلام نے دیگر انبیاء علیہم السلام کی طرح اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار نہیں کیا تھا اور از خود اپنے علاقہ سے چلے گئے تھے

تو اللہ تعالیٰ نے ان پر عتاب فرمایا اور بعد میں ان کی دعا کی وجہ سے ان کے غم کا تدارک فرمایا، سو یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت یونس علیہ السلام سے افضل ہیں، اس کے باوجود آپ نے فرمایا کہ مجھے حضرت یونس پر فضیلت نہ دو۔

علامہ ابن بطال نے ذکر کیا ہے کہ ہوسکتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ ہو کہ مجھے عمل میں حضرت یونس پر فضیلت نہ دو کیونکہ ہوسکتا ہے ان کا عمل مجھ سے افضل ہو، کیونکہ ان کو میری بہ نسبت بہت بڑی آزمائش اور امتحان میں ڈالا گیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جو تمام انبیاء علیہم السلام پر سیادت اور فضیلت عطا فرمائے گا وہ آپ کے کسی عمل کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ آپ کے اوپر محض اللہ تعالیٰ کے فضل کی وجہ سے اور آپ کی خصوصیت کی وجہ سے ہے، اسی طرح آپ کی امت پر دوسری امتوں کی بہ نسبت بہت کم آزمائشیں ڈالی گئیں ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت آسان دین کے ساتھ مبعوث فرمایا اور آپ کی امت سے ان مشکل احکام کا بوجھ اور طوق اتار لیا جو بنی اسرائیل پر ان کے فرائض میں بوجھ تھا، اس کے باوجود آپ کی امت کو تمام امتوں میں سب سے بہتر فرمایا اور یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، پھر علامہ ابن بطال نے ذکر کیا کہ یہ علامہ ابن قتیبہ کی تاویل ہے اور المہلب نے اس تاویل کو پسند کیا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد ''پس سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا'' پر ایک اشکال کا جواب

اشکال کی تقریر یہ ہے کہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''سب لوگ قیامت کے دن بے ہوش ہوں گے، پس میں بھی ان کے ساتھ بے ہوش ہو جاؤں گا، پھر سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا، تو میں دیکھوں گا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام عرش کی ایک جانب کو پکڑے ہوئے ہیں، تو میں از خود نہیں جانتا کہ آیا حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو گئے تھے اور مجھ سے پہلے ہوش میں آ گئے ہیں یا ان کو اللہ تعالیٰ نے بے ہوش ہونے سے مستثنیٰ رکھا''۔

اشکال کا سبب یہ ہے جیسا کہ علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تو وفات پا چکے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قبر میں دیکھا تھا۔

اور جب صور پھونکا جائے گا تو جو بھی اس دنیا میں زندہ تھا وہ مر جائے گا اور جو مر چکا ہے تو اس کا دوبارہ مرنا محال ہے اور مردوں میں صور پھونکا جائے گا تا کہ انہیں دوبارہ زندہ کیا جائے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے تھے، پس ان کا دوبارہ فوت ہونا صحیح نہیں ہے اور یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ وہ ''نفخة الصعق'' یعنی اس صور کی پھونک سے مستثنیٰ ہوں جس کے پھونکنے سے سب لوگ مر جائیں گے، کیونکہ انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں اور فوت نہیں ہوئے اور نہ وہ فوت ہوں گے، لہٰذا ان کا مردوں سے استثنیٰ صحیح نہیں ہے۔

اور ہوسکتا ہے جس طرح قاضی عیاض نے کہا ہے کہ اس صور پھونکنے سے مراد ہو وہ صور پھونکنا جب تمام آسمان اور زمین پھٹ جائیں گے اور سب خوفزدہ ہوں گے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث اس وقت فرمائی ہو جب آپ کو یہ علم نہیں تھا کہ سب سے پہلے آپ سے زمین پھٹے گی۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو طور کی بے ہوشی کی وجہ سے اس صور پھونکنے کے بعد بے ہوشی سے مستثنیٰ رکھا گیا اور اس وقت وہ بے ہوش نہیں ہوئے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ موت عدم نہیں ہے، موت کا معنی ہے ایک جہان سے دوسرے جہان کی طرف منتقل ہونا، اور اس کا بیان یہ ہے کہ شہداء مقتول ہونے اور مدفون ہونے کے بعد اپنے رب کے پاس زندہ ہوتے ہیں، اور جب شہداء کا یہ مقام ہے تو انبیاء علیہم السلام

اس مرتبہ کے زیادہ حق دار اور زیادہ اولیٰ ہیں اور جب کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "زمین انبیاء علیہم السلام کے جسموں کو نہیں کھاتی" اور شب معراج تمام انبیاء علیہم السلام بیت المقدس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جمع ہوئے خصوصاً حضرت موسیٰ علیہ السلام۔

پس اس تمام بحث کا حاصل یہ ہے کہ ہمیں قطعی طور پر یہ معلوم ہے کہ انبیاء علیہم السلام ہم سے غائب ہیں اور ہم ان کا ادراک نہیں کر سکتے، اگرچہ وہ زندہ موجود ہیں اور یہ ایسا ہے جیسے فرشتوں کا حال ہے، وہ بھی موجود ہیں، زندہ ہیں اور ہماری نوع بشر میں سے کوئی ان کو نہیں دیکھتا سوائے اس کے جس کو اللہ تعالیٰ نے خصوصی کرامت سے نوازا ہو، پس جب یہ ثابت ہو گیا کہ انبیاء علیہم السلام آسمانوں اور زمین کے درمیان زندہ ہیں تو جب صور میں پھونک ماری جائے گی تو آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہے وہ ہلاک ہو جائے گا سوا ان کے جن کو اللہ تعالیٰ چاہے، اور انبیاء علیہم السلام کے علاوہ ہر کوئی اس پھونک مارنے کی وجہ سے مر جائے گا اور انبیاء علیہم السلام کے متعلق زیادہ ظاہر یہ ہے کہ وہ بے ہوش ہوں گے، پھر جب دوبارہ صور میں پھونکا جائے گا تو جو پہلے مر گیا تھا وہ زندہ ہو جائے گا اور جو پہلے بے ہوش ہوئے تھے وہ ہوش میں آ جائیں گے اور اس سے یہ حاصل ہوا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے ہوش میں آئیں گے اور سب سے پہلے اپنی قبر سے باہر آئیں گے، تمام انبیاء علیہم السلام سے پہلے سوائے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کیونکہ ان کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تردد ہوا آیا وہ آپ سے پہلے ہوش میں آ گئے یا وہ اپنی پہلی حالت ہی کے اوپر تھے، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام جس حالت پر بھی ہوں تو یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جزوی فضیلت ہے جو دوسروں کو حاصل نہیں ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۱۵ ص ۴۶۹-۴۷۶، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۷۴۲۸، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہودی کو تھپڑ مارنے والے کا مصداق

امام ابن ابی الدنیا نے "کتاب البعث" میں از سعید بن المسیب یہ روایت کی ہے کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک مرد اور یہود میں سے ایک مرد کے درمیان کسی چیز میں جھگڑا ہوا"۔

عمرو بن دینار نے کہا: وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔

عمرو بن دینار کی اس روایت پر یہ اعتراض ہے کہ دوسری حدیث میں مذکور ہے کہ "وہ انصار میں سے ایک مرد تھا"۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ انصار سے عام معنی مراد ہو، کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انصار میں سے قطعاً تھے بلکہ جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کی ہے ان سب میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سابق اور مقدم ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے پہلے ہوش میں آنے کے متعلق دو روایتوں کا تعارض اور اس کا جواب

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ "لوگ قیامت کے دن بے ہوش ہوں گے، پس میں ان لوگوں میں سب سے پہلا ہوں گا جن سے زمین شق ہو گی"۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ "پس میں ان لوگوں میں سے سب سے پہلا ہوں گا جو ہوش میں آئیں گے"، سو ان دونوں حدیثوں میں تعارض ہے۔

ان دونوں حدیثوں میں اس طرح تطبیق ہے کہ پہلی مرتبہ جب صور پھونکا جائے گا تو اس کے بعد تمام مخلوق بے ہوش ہو جائے گی خواہ وہ زندہ ہوں یا مردہ ہوں، اور یہ ''نفخة الفزع'' ہے جس کا درج ذیل آیت میں ذکر ہے:

وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ (النمل:٨٧) اور جس دن صور میں پھونکا جائے گا تو تمام آسمانوں والے اور زمینوں والے گھبرا جائیں گے ماسوا ان کے جن کو اللہ چاہے۔

اس صور میں پھونکنے سے مردوں پر زیادہ گھبراہٹ طاری ہوگی اور زندہ مر جائیں گے، پھر دوبارہ صور میں پھونکا جائے گا تو سب ہوش میں آجائیں گے، پس جو قبر میں مدفون ہوں گے ان سے قبر پھٹ جائے گی، سو وہ اپنی قبر سے نکلیں گے اور جو قبر میں مدفون نہیں ہیں ان کو اس کی ضرورت نہیں ہوگی، اور یہ ثابت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام دنیا کی زندگی میں قبر میں دفن ہو چکے تھے، کیونکہ صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں شبِ معراج ''الکثیب الاحمر'' کے نزدیک حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا تو وہ اپنی قبر میں کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے''۔

اور تمام مخلوق کے بے ہوش ہونے پر یہ اشکال ہے کہ مردے کیسے بے ہوش ہوں گے، ان کو تو کوئی احساس نہیں ہوتا؟

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ جو زندہ ہیں وہ اس صور میں پھونکنے سے بے ہوش ہو جائیں گے اور جو مردہ ہیں تو وہ اس آیت کے استثنیٰ میں داخل ہیں ''ماسوا ان کے جن کو اللہ چاہے۔۔۔(النمل:٨٧)''، یعنی جن پر پہلے موت آچکی ہے تو وہ بے ہوش نہیں کیے جائیں گے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے بے ہوش ہونے سے مستثنیٰ فرمالیا''۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے نزدیک زندہ ہیں، کیونکہ وہ دنیا والوں کی صورت میں اموات کی صورت میں ہیں اور یہ چیز شہداء کے لیے بھی ثابت ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ انبیاء علیہم السلام کا مرتبہ شہداء سے بہت بلند ہے۔ (فتح الباری ج ۴ ص ۵۸۳۔ ۵۸۴، دار المعرفہ، بیروت، ١٤٢٦ھ)

٢٣۔ بَابُ: قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى:

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ (المعارج:٤)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''فرشتے اور جبریل اس کی طرف چڑھتے ہیں''

وَقَوْلِهٖ جَلَّ ذِكْرُهٗ: اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ (فاطر:١٠)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''پاکیزہ کلمات اسی کی طرف چڑھتے ہیں''

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری کا اس باب کو قائم کرنے سے مقصد الجہمیہ، المجسمہ کا رد کرنا ہے، جن آیات سے وہ اللہ تعالیٰ کی جسمیت ثابت کرتے ہیں، اور یہ بات ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ جسم نہیں ہے، پس اس کو کسی مکان اور جگہ کی ضرورت نہیں ہے جس میں وہ ٹھہرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ تھا اور کوئی مکان نہیں تھا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

سَاَلَ سَآىِٕلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍۙ(۱) لِّلْكٰفِرِیْنَ لَیْسَ لَهٗ دَافِعٌۙ(۲) مِّنَ اللّٰهِ ذِی الْمَعَارِجِؕ(۳) (المعارج:۱-۳)

ایک طلب گار نے روز قیامت کے عذاب کا مطالبہ کیا جو واقع ہونے والا ہے O اور کافروں سے اس (عذاب) کو کوئی دور کرنے والا نہیں ہے O وہ عذاب اللہ کی طرف سے ہوگا جو آسمانی سیڑھیوں کا مالک ہے O

ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی صفت ''ذِی الْمَعَارِجِ'' بیان کی ہے، یعنی جو آسمانی سیڑھیوں کا مالک ہے، اور سیڑھیاں اس کے لیے ہوتی ہیں جو ان سیڑھیوں پر چڑھتا ہے، اس سے اللہ تعالیٰ کا جسم ہونا لازم آتا ہے اور یہ المجسمہ کی دلیل ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت ''ذِی الْمَعَارِجِ'' ان سیڑھیوں کی تعظیم اور تشریف کے اعتبار سے ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ کو کسی سیڑھی کی ضرورت نہیں ہے۔

الفراء نے کہا ہے: ''المعارج'' اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنی یہ صفت اس لیے بیان فرمائی کہ فرشتے اس کی طرف چڑھتے ہیں، نیز المعارج: ۴ میں ''الرُّوْحُ'' کا ذکر ہے، اس کے مصداق میں اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں، دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد ہے وہ عظیم بادشاہ جو فرشتوں کو ایک صف میں قائم کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یَوْمَ یَقُوْمُ الرُّوْحُ وَ الْمَلٰٓىِٕكَةُ صَفًّا (النبا:۳۸) جس دن جبریل اور تمام فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے۔

اس کی تفسیر میں ایک قول یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے ایک مخلوق ہے جو فرشتہ بھی نازل ہوتا ہے، اس کے ساتھ ان میں سے دو ہوتے ہیں۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ ایک فرشتہ ہے جس کے گیارہ ہزار پر ہیں، اور ایک ہزار چہرے ہیں، وہ قیامت تک اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتا رہے گا۔

اس باب کے عنوان کی دوسری آیت میں فرمایا ہے ''اِلَیْهِ یَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّیِّبُ... (فاطر:۱۰)'' (پاکیزہ کلمات اسی کی طرف چڑھتے ہیں)۔

اس آیت سے بھی مجسمہ نے استدلال کیا ہے کہ اس سے لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی جہت اور سمت ہو جس جہت کی طرف فرشتے چڑھتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ پاکیزہ کلمات کا اس کی طرف چڑھنا اس کو مستلزم نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی جہت ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ موجود تھا اور اس کی کوئی جہت نہیں تھی، اور پاکیزہ کلمات کا اس کی طرف چڑھنا مجاز ہے کیونکہ کلمات عرض ہیں اور عرض کا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا جائز نہیں ہے۔

اس آیت میں ''الْكَلِمُ الطَّیِّبُ'' فرمایا ہے، ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد قرآن ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد عملِ صالح ہے جس کو قرآن بلند کرتا ہے، قتادہ نے کہا: اللہ عزوجل عملِ صالح کو بلند فرماتا ہے اور عملِ صالح سے مراد اللہ تعالیٰ کے فرائض کی ادائیگی ہے۔

باب مذکور کی تعلیقات کی شرح از علامہ عینی

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

وَقَالَ أَبُو جَمْرَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: بَلَغَ أَبَا ذَرٍّ مَبْعَثُ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ لِأَخِيهِ: اعْلَمْ لِي عِلْمَ هَذَا الرَّجُلِ الَّذِي يَزْعُمُ أَنَّهُ يَأْتِيهِ الْخَبَرُ مِنَ السَّمَاءِ۔

ابو جمرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کی خبر پہنچی تو انہوں نے اپنے بھائی سے کہا: میرے لیے اس شخص کا علم حاصل کرو جس کا یہ زعم ہے کہ ان کے پاس آسمان سے خبر آتی ہے۔

علامہ عینی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

ابو جمرہ کا نام نضر بن عمران الضبعی البصری ہے، یہ تعلیق حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے باب میں گزر چکی ہے۔
اس تعلیق میں مذکور ہے "اعلم" یہ علم سے ماخوذ ہے، اور "لی" کا ذکر ہے، یعنی میری وجہ سے علم حاصل کرو۔ یا یہ لفظ "الاعلام" سے ماخوذ ہے، یعنی مجھے اس شخص کی خبر دو جو مکہ میں نبوت کا دعویٰ کرتا ہے۔

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: الْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُ الْكَلِمَ الطَّيِّبَ۔

اور مجاہد نے کہا کہ عملِ صالح پاکیزہ کلام کو بلند کرتا ہے۔

علامہ عینی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس تعلیق کو الفریابی نے سندِ موصول کے ساتھ از ابن نجیح از مجاہد روایت کیا ہے اور یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے، مجاہد نے اس میں "العمل الصالح" کا اضافہ کیا، اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے فرائض کی ادائیگی ہے، پس جس نے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا اور اس کے فرائض کو ادا نہیں کیا تو اس کا کلام اس کے عمل پر رد کر دیا جائے گا۔

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

يُقَالُ ذِي الْمَعَارِجِ: الْمَلَائِكَةُ تَعْرُجُ إِلَى اللهِ۔

کہا جاتا ہے سیڑھیوں والے، فرشتے اللہ تعالیٰ کی طرف چڑھتے ہیں۔

علامہ عینی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی "ذی المعارج" سے مراد ملائکہ ہیں جو چڑھتے ہیں اور "الیہ" سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کی طرف، اور ایک روایت میں "الی اللہ" بھی مذکور ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۱۷۸۔۱۷۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۴۲۹۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ يَتَعَاقَبُونَ فِيكُمْ مَلَائِكَةٌ بِاللَّيْلِ وَمَلَائِكَةٌ بِالنَّهَارِ وَيَجْتَمِعُونَ فِي صَلَاةِ الْعَصْرِ وَصَلَاةِ الْفَجْرِ ثُمَّ يَعْرُجُ الَّذِينَ بَاتُوا فِيكُمْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے مالک نے حدیث بیان کی از ابی الزناد از الاعرج از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے ایک دوسرے کے بعد تمہارے پاس

فَيَسْأَلُهُمْ وَهُوَ أَعْلَمُ بِكُمْ فَيَقُولُ كَيْفَ تَرَكْتُمْ عِبَادِي فَيَقُولُونَ تَرَكْنَاهُمْ وَهُمْ يُصَلُّونَ وَأَتَيْنَاهُمْ وَهُمْ يُصَلُّونَ

آتے ہیں اور عصر کی نماز میں اور فجر کی نماز میں جمع ہو جاتے ہیں، پھر جن فرشتوں نے تمہارے پاس رات گزاری تھی وہ اوپر چڑھتے ہیں، پس اللہ تعالیٰ ان سے سوال کرتا ہے حالانکہ وہ تمہارے متعلق زیادہ جاننے والا ہے، پس فرمائے گا: تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا تو فرشتے کہیں گے: ہم نے ان کو اس حال میں چھوڑا کہ وہ نماز پڑھ رہے تھے اور ہم ان کے پاس جب آئے تو وہ اس وقت بھی نماز پڑھ رہے تھے۔

(صحیح البخاری: ۵۵۵، ۳۲۲۳، ۷۴۲۹، ۷۴۸۶، صحیح مسلم: ۶۳۲، سنن نسائی: ۴۸۵، موطا امام مالک: ۴۱۳)

صحیح البخاری: ۷۴۲۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث میں مذکور ہے "پھر وہ فرشتے اوپر چڑھتے ہیں جنہوں نے تم میں رات گزاری ہے"۔ اور چڑھنے کے ذکر میں باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ہے، کیونکہ باب کے عنوان میں بھی فرشتوں کے چڑھنے کا ذکر ہے۔

حدیثِ مذکور کے مشکل الفاظ کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "یتعاقبون" اس کا معنی ہے کہ فرشتے باری باری تمہارے پاس آتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے بندوں کے نیک اعمال کے متعلق سوال کرتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "واتیناھم وھم یصلون" اللہ تعالیٰ نے یہ سوال کیا تھا کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا، انہوں نے جواب میں ذکر کیا کہ ہم نے ان کو اس حال میں چھوڑا کہ وہ نماز پڑھ رہے تھے اور ہم ان کے پاس آئے تو اس وقت بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے، اس جواب میں یہ اضافہ کیا ہے کہ جب ہم ان کے پاس آئے تو وہ نماز پڑھ رہے تھے، یہ اضافہ بندوں کی فضیلت کے اظہار کے لیے ہے، اور فرشتوں نے جو کہا تھا:

أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ — کیا آپ ایسے شخص کو نائب بنائیں گے جو زمین میں فساد کرے گا اور خون ریزی کرے گا۔ (البقرہ: ۳۰)

تو فرشتے ابنِ آدم پر اس اعتراض کی تلافی کے لیے یہ کہیں گے کہ جب ہم وہاں سے گئے تو وہ نماز پڑھ رہے تھے اور جب آئے تو وہ نماز پڑھ رہے تھے اور عصر کے وقت اور فجر کے وقت کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ یہ رات اور دن کے کاموں سے فراغت کا وقت ہوتا ہے اور اسی وقت اعمال اٹھائے جاتے ہیں، اور فرشتوں کا اس وقت میں جمع ہونا یہ اللہ تعالیٰ کے مومنین کے اوپر لطف کا بیان ہے، تاکہ فرشتے ان کے لیے گواہ ہو جائیں، اور ان سے سوال اس لیے کیا جائے گا تاکہ فرشتے ابنِ آدم کی عبادت کا اعتراف

کریں، اور رات کے وقت کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ رات کا وقت آرام کا وقت ہوتا ہے اور اس وقت میں گناہ کرنے کا گمان ہوتا ہے، پس جب بندوں نے اس وقت بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کی اور عبادت میں مشغول رہے تو دن کے وقت میں وہ بطریقِ اولیٰ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے اجتناب کریں گے اور اس کی عبادت میں مشغول رہیں گے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۱۷۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۴۳۰۔ وَقَالَ خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ دِينَارٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَنْ تَصَدَّقَ بِعَدْلِ تَمْرَةٍ مِنْ كَسْبٍ طَيِّبٍ وَلَا يَصْعَدُ إِلَى اللهِ إِلَّا الطَّيِّبُ فَإِنَّ اللهَ يَتَقَبَّلُهَا بِيَمِينِهِ ثُمَّ يُرَبِّيهَا لِصَاحِبِهِ كَمَا يُرَبِّي أَحَدُكُمْ فُلُوَّهُ حَتَّى تَكُونَ مِثْلَ الْجَبَلِ وَرَوَاهُ وَرْقَاءُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ وَلَا يَصْعَدُ إِلَى اللهِ إِلَّا الطَّيِّبُ۔

اور خالد بن مخلد نے کہا: ہمیں سلیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عبداللہ بن دینار نے حدیث بیان کی از ابی صالح از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے پاکیزہ کمائی سے ایک کھجور کے برابر صدقہ کیا اور اللہ تعالیٰ کی طرف پاکیزہ عمل ہی چڑھتا ہے، پس بے شک اللہ تعالیٰ اس کو اپنے دائیں ہاتھ سے قبول فرماتا ہے اور اس کو بڑھاتا رہتا ہے جیسے تم میں سے کوئی ایک اپنے گھوڑے کے بچہ کی پرورش کر کے اس کو بڑھاتا ہے، حتیٰ کہ کھجور کا وہ صدقہ پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے۔

اس حدیث کی ورقاء نے از عبداللہ بن دینار از سعید بن یسار از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ روایت کی ہے اور اس میں یہ جملہ بھی ہے کہ "اللہ تعالیٰ کی طرف پاکیزہ صدقہ ہی چڑھتا ہے"۔

(صحیح البخاری: ۱۴۱۰، ۷۴۳۰، صحیح مسلم: ۱۰۱۴، سنن ترمذی: ۶۶۱، سنن ابن ماجہ: ۱۸۴۲، مسند احمد: ۹۱۴۹، موطا امام مالک: ۱۸۷۴، سنن دارمی: ۱۶۷۵)

صحیح البخاری: ۷۴۳۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث کتاب الزکوٰۃ کے اوائل میں "باب الصدقة من كسب طيب" میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث میں مذکور ہے "اللہ تعالیٰ کی طرف پاکیزہ کلمات ہی چڑھتے ہیں" اور اس جملہ میں بابِ مذکور کے عنوان کی مطابقت ہے، کیونکہ باب کے عنوان میں بھی یہ مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف پاکیزہ کلمات چڑھتے ہیں۔

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "بعدل تمرة" علامہ الخطابی نے کہا ہے کہ "عدل التمرة" کا معنی ہے: جس چیز کی قیمت کھجور کی قیمت کے برابر ہو، اور جب کوئی چیز قیمت میں برابر ہو تو کہا جاتا ہے "عدل الشیء"۔

اس حدیث میں مذکور ہے "بیمینه" اس کا معنی ہے: اس صدقہ کو اللہ تعالیٰ بہترین طریقہ سے قبول فرماتا ہے، کیونکہ عادت جاری یہ ہے کہ جوردی چیزیں ہوں، ان کو دائیں ہاتھ سے مس نہیں کیا جاتا اور اللہ تعالیٰ کی طرف بائیں ہاتھ کی اضافت نہیں کی جاتی کیونکہ بایاں ہاتھ نقص اور ضعف کا محل ہے، اور یہ بھی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں، اور یہاں ہاتھ سے مراد عضو نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ توقیفی ہے، ہم اللہ تعالیٰ کے اوپر ہاتھ کا اطلاق کرتے ہیں اور اس کی کیفیت کو نہیں جانتے، اور ہم کہتے ہیں کہ اس سے وہی مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کی مراد ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۱۸۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۴۳۱۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى بْنُ حَمَّادٍ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا سَعِيدٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ نَبِيَّ اللهِ ﷺ كَانَ يَدْعُو بِهِنَّ عِنْدَ الْكَرْبِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ الْعَظِيمُ الْحَلِيمُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ رَبُّ السَّمٰوَاتِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدالاعلیٰ بن حماد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یزید بن زُریع نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سعید نے حدیث بیان کی از قتادہ از ابی العالیہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پریشانی کے وقت ان کلمات کے ساتھ دعا کرتے تھے: "اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، جو بہت عظیم اور بہت بردبار ہے، اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں جو عرشِ عظیم کا رب ہے، اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں جو آسمانوں کا رب ہے اور عرشِ کریم کا رب ہے۔

(صحیح البخاری: ۶۳۴۶، ۷۴۲۶، ۷۴۳۱، صحیح مسلم: ۲۷۳۰، سنن ترمذی: ۳۴۳۵، سنن ابن ماجہ: ۳۸۸۳، مسند احمد: ۲۰۱۳)

صحیح البخاری: ۷۴۳۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی شرح اس سے پہلے باب (صحیح البخاری: ۷۴۲۶) میں گزر چکی ہے۔ علامہ الکرمانی نے کہا: اس حدیث میں "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ" کا ذکر ہے اور یہ دعا نہیں ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ دعا کا مقدمہ ہے اور اس اعتبار سے اس کے اوپر دعا کا اطلاق کیا ہے، یا دعا بھی ذکر ہے لیکن وہ خاص ذکر ہے، پس اس حدیث میں خاص کا ذکر کیا ہے اور اس سے عام کا ارادہ ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۱۸۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۴۳۲۔ حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ أَبِي نُعْمٍ أَوْ أَبِي نُعْمٍ شَكَّ قَبِيصَةُ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ بُعِثَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ بِذُهَيْبَةٍ فَقَسَمَهَا بَيْنَ أَرْبَعَةٍ وَحَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قبیصہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از والد خود از ابن ابی نعم یا ابی نعم، اس میں قبیصہ کو شک ہے، از حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ سونے کے ٹکڑے بھیجے گئے، آپ نے ان کو چار کے

أَبِي نُعْمٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ بَعَثَ عَلِيٌّ وَهُوَ بِالْيَمَنِ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ بِذُهَيْبَةٍ فِي تُرْبَتِهَا فَقَسَمَهَا بَيْنَ الْأَقْرَعِ بْنِ حَابِسٍ الْحَنْظَلِيِّ ثُمَّ أَحَدِ بَنِي مُجَاشِعٍ وَبَيْنَ عُيَيْنَةَ بْنِ بَدْرٍ الْفَزَارِيِّ وَبَيْنَ عَلْقَمَةَ بْنِ عُلَاثَةَ الْعَامِرِيِّ ثُمَّ أَحَدِ بَنِي كِلَابٍ وَبَيْنَ زَيْدِ الْخَيْلِ الطَّائِيِّ ثُمَّ أَحَدِ بَنِي نَبْهَانَ فَتَغَيَّظَتْ قُرَيْشٌ وَالْأَنْصَارُ فَقَالُوا يُعْطِيهِ صَنَادِيدَ أَهْلِ نَجْدٍ وَيَدَعُنَا قَالَ إِنَّمَا أَتَأَلَّفُهُمْ فَأَقْبَلَ رَجُلٌ غَائِرُ الْعَيْنَيْنِ نَاتِئُ الْجَبِينِ كَثُّ اللِّحْيَةِ مُشْرِفُ الْوَجْنَتَيْنِ مَحْلُوقُ الرَّأْسِ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ اتَّقِ اللهَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ فَمَنْ يُطِيعُ اللهَ إِذَا عَصَيْتُهُ فَيَأْمَنُنِي عَلَى أَهْلِ الْأَرْضِ وَلَا تَأْمَنُونِي فَسَأَلَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ قَتْلَهُ أُرَاهُ خَالِدَ بْنَ الْوَلِيدِ فَمَنَعَهُ النَّبِيُّ ﷺ فَلَمَّا وَلَّى قَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِنَّ مِنْ ضِئْضِئِ هَذَا قَوْمًا يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ يَمْرُقُونَ مِنَ الْإِسْلَامِ مُرُوقَ السَّهْمِ مِنَ الرَّمِيَّةِ يَقْتُلُونَ أَهْلَ الْإِسْلَامِ وَيَدَعُونَ أَهْلَ الْأَوْثَانِ لَئِنْ أَدْرَكْتُهُمْ لَأَقْتُلَنَّهُمْ قَتْلَ عَادٍ۔

درمیان تقسیم کردیا۔

اور مجھے اسحاق بن نصر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرزاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے خبر دی از والد خود از ابن ابی نعم از حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جس وقت یمن میں تھے تو انہوں نے نبی ﷺ کے پاس چند سونے کے ٹکڑے بھیجے جو مٹی میں تھے، آپ نے ان سونے کے ٹکڑوں کو الاقرع بن حابس الحنظلی کے درمیان، پھر بنو مشاجع میں سے ایک کے درمیان اور عیینہ بن بدر الفزاری کے درمیان اور علقمہ بن علاثہ العامری کے درمیان، پھر بنوکلاب میں سے ایک کے درمیان، اور زید الخیل الطائی کے درمیان، پھر بنو نبہان میں سے ایک کے درمیان تقسیم کردیا، تو قریش اور انصار غضبناک ہو گئے، سو انہوں نے کہا کہ آپ اہلِ نجد کے سرداروں کو دیتے ہیں اور ہمیں چھوڑ دیتے ہیں، آپ نے فرمایا: میں ان کی تالیفِ قلب کرتا ہوں، پھر ایک مرد آیا جس کی آنکھیں اندر دھنسی ہوئی تھیں اور پیشانی ابھری ہوئی تھی، اس کی گھنی ڈاڑھی تھی اور اس کے رخسار ابھرے ہوئے تھے، اس کا سر منڈا ہوا تھا، اس نے کہا: اے محمد! اللہ سے ڈریں، تو نبی ﷺ نے فرمایا: جب میں اللہ کی نافرمانی کروں گا تو پھر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کون کرے گا؟ اللہ نے مجھے اہل زمین پر امین فرمایا ہے اور تم مجھے امین نہیں سمجھتے، پھر قوم میں سے ایک مرد نے اس کو قتل کرنے کا سوال کیا جس کے متعلق میرا گمان ہے کہ وہ حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ تھے، تو نبی ﷺ نے ان کو اس کے قتل سے منع فرمایا، پھر جب وہ پیٹھ پھیر کر چلا گیا تو نبی ﷺ نے فرمایا: اس شخص کی اصل سے ایک قوم ہوگی جو قرآن پڑھے گی اور قرآن ان کے حلقوم سے نیچے نہیں اترے گا، وہ اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے، وہ اہلِ اسلام کو قتل کریں گے اور بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے، اگر میں

ان کو پاتا تو میں ان کو ضرور اس طرح قتل کرتا جس طرح قومِ عاد کو قتل کیا گیا تھا۔

(صحیح البخاری: ۳۳۴۴، ۳۶۱۰، ۴۳۵۱، ۴۶۶۷، ۵۰۵۸، ۶۱۶۳، ۶۹۳۱، ۶۹۳۳، ۷۴۳۲، ۷۵۶۲، صحیح مسلم: ۱۰۶۴، سنن نسائی: ۲۵۷۸، سنن ابوداؤد: ۴۷۶۴، مسند احمد: ۱۱۲۵۴)

صحیح البخاری: ۷۴۳۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "بذهيبة" یہ "ذهبة" کی تصغیر ہے اور بعض لغات میں "ذهب" کو تانیث کے صیغہ سے ذکر کیا جاتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فی تربتها" یعنی وہ مٹی جو سونے کے ٹکڑوں میں جمی ہوئی تھی، اور وہ مٹی معدن کی تھی اور اس کو سونے کے ٹکڑوں سے الگ نہیں کیا گیا تھا اور وہ ان سونے کے ٹکڑوں کو پگھلانے سے الگ ہوتی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "بعث علی" یعنی حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے بھیجا اور یہ پہلے قول کی تفسیر ہے جس میں مذکور تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سونے کو بھیجا گیا، اور یہ اس وقت کی بات ہے جب حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ یمن میں تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "بين الاقرع" یہ چار وہ مرد ہیں جو مؤلفة القلوب میں سے تھے اور ان کو زکوٰۃ دی جاتی تھی، ان میں سے ایک الاقرع بن حابس الحنظلی ہیں، یہ حنظلہ بن مالک بن زید کی طرف نسبت ہے جو بنو تمیم کا منات تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "بنی مشاجع" یہ ابنِ دارم بن مالک بن حنظلہ بن مالک بن زید ہے، جو بنو تمیم کا منات تھا، اور دوسرا عیینہ بن بدر تھا، یہ اس کے باپ کے دادا کی طرف نسبت ہے اور وہ عیینہ بن حصن بن حذیفہ بن بدر بن عمرو بن لوذان بن الثعلبہ بن عدی بن فزارہ الفزاری ہے۔ اور تیسرا علقمہ بن علاثہ بن عوف بن الاحوص بن جعفر بن کلاب ہے اور یہی العامری سے مراد ہے جو کہ عامر بن عوف بن بکر بن عوف بن عذرہ بن زید اللات بن رفیدہ بن ثور بن کلاب ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "پھر بنو کلاب میں سے ایک" اور یہ ابن ربیعہ بن عامر بن صعصعہ بن معاویہ بن بکر بن حوزان ہے۔
اور چوتھا زید الخیل ہے، یہ ابن مہلہل بن زید بن منہب الطائی ہے، یہ طے کی طرف نسبت ہے اور اس کا نام جلہمہ بن ادد ہے۔
اس حدیث میں مذکور ہے "پھر بنو نبہان میں سے ایک" اور یہ اسود بن عمرو بن الغوث بن طے ہے۔
اور جب حضرت زید رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ نے ان کا نام رکھا زید الخیر، اس میں لام کے بدلہ میں راء ہے اور ایک قول یہ ہے کہ ان کو زید الخیل اس لیے فرمایا کہ وہ گھوڑوں کے ساتھ بہت دلچسپی رکھتے تھے اور عرب میں ان سے زیادہ گھوڑوں پر سواری کرنے والا کوئی نہیں تھا، وہ شاعر تھے خطیب تھے، بہادر اور سخی تھے، حالتِ اسلام میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں فوت ہو گئے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں مقام حوران میں فوت ہوئے۔
رہا عیینہ، تو وہ طلحہ کے ساتھ مرتد ہو گیا تھا پھر اسلام لے آیا۔

اور رہا الاقرع، تو اس نے اسلام قبول کیا اور فتوحات میں حاضر ہوا اور جنگِ یرموک میں شہید ہو گیا، دوسرا قول یہ ہے: بلکہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ تک زندہ رہا، پھر الجوزجان میں فوت ہوا۔ المبرّد نے کہا: وہ اسلام کی ابتداء میں خندف کا رئیس تھا۔ المرزبانی نے کہا: یہ وہ شخص ہے جس نے سب سے پہلے قمار کو حرام قرار دیا اور وہ بنوتمیم کے آخری حکام میں سے تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''پس قریش غضب ناک ہوئے'' یہ اکثرین کی روایت ہے کہ قریش غیظ میں آ گئے اور ابوذر کی الحموی سے روایت ہے ''فتغضبت'' یعنی وہ غضبناک ہو گئے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''یعطیه صنادید'' یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نجد کے سرداروں کو مال عطا فرما رہے ہیں۔ اس حدیث میں ''صنادید'' کا لفظ ہے یہ صندید کی جمع ہے جس کا معنی ہے سردار۔ اور جن چار کا ذکر کیا گیا ہے، یہ اہلِ نجد کے سردار تھے، الرشاطی نے کہا: حجاز اور شام کے درمیان جو علاقہ ہے وہ نجد ہے، پس طائف بھی نجد سے ہے اور مدینہ بھی نجد سے ہے اور یمامہ کی زمین اور بحرین عمان تک نجد سے ہے، اور ابن درید نے کہا: نجد عرب کی سرزمین ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''ویدعنا'' یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں چھوڑ دیتے ہیں اور ہمیں کچھ نہیں دیتے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''انما اتألفهم'' یہ ''التألف'' سے ماخوذ ہے، اس کا معنی ہے: ان کی مدارات کرنا اور ان کو مانوس بنانا تا کہ وہ اسلام پر ثابت قدم رہیں اور اس توقع پر ان کو مال دیا جاتا تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''رجل'' اس مرد کا نام عبداللہ ذوالخویصرہ ہے جو الخاصرۃ کی تصغیر ہے، یہ تمیمی تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''غائر العینین'' یعنی اس کی آنکھیں دھنسی ہوئی تھیں، علامہ کرمانی نے کہا: یعنی آنکھیں سر میں داخل تھیں اور سر سے چپکی ہوئی تھیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''ناتی الجبین'' یعنی اس کی پیشانی ابھری ہوئی تھی۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''کث اللحیة'' یعنی اس کی ڈاڑھی کے بال بہت گھنے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''مشرف الوجنتین'' یعنی اس کے رخسار بہت موٹے اور بہت غلیظ تھے۔ ''الوجنتان'' ان دو ہڈیوں کو کہتے ہیں جو رخساروں پر ابھری ہوئی ہوتی ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''محلوق الرأس'' وہ لوگ اپنے سر کے بالوں کو مونڈتے نہیں تھے اور اپنے بالوں کو بڑھاتے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بالوں کے درمیان فرق کرتے تھے اور حج اور عمرہ میں آپ نے اپنے سر کا حلق کرایا۔ علامہ داؤدی نے کہا ہے: یہ شخص بنوتمیم سے تھا جو عراق کے دیہاتوں کا رہنے والا تھا۔ اور اواخر التوحید میں آئے گا کہ خوارج کی علامت سر منڈانا ہے اور سلف صالحین اپنے بالوں کو بڑھاتے تھے ان کو مونڈتے نہیں تھے، اور خوارج کا طریقہ یہ تھا کہ وہ اپنے سر کے تمام بالوں کو مونڈتے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فیامنیٰ'' اس میں میم پر زبر ہے اور نون پر تشدید ہے، اس کی اصل ہے ''یامننی'' پھر پہلے نون کا دوسرے نون میں ادغام کیا گیا، اور اس کو اصل کے مطابق ''یامننی'' بھی پڑھا گیا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ مجھے امین بناتا ہے اور تم امین نہیں بناتے، اللہ تعالیٰ مجھے زمین پر امین بناتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''اراه خالد بن الولید'' میرا گمان ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس کو قتل کرنے کی اجازت

طلب کی تھی، اور کتاب ''استتابۃ المرتدین'' میں مذکور ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اس کو قتل کرنے کی اجازت طلب کی تھی، اور دونوں روایتوں میں کوئی منافات نہیں ہے، کیونکہ ہوسکتا ہے دونوں نے اس شخص کو قتل کرنے کی اجازت طلب کی ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے''ان من ضئضئی ''یعنی اس مرد کی اصل سے ایک ایسی قوم پیدا ہوگی۔

اس حدیث میں مذکور ہے''لا یجاوز حناجرھم ''یعنی ان میں سے کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی طرف بلند نہیں ہوگا اور الحناجر، حنجرۃ کی جمع ہے، اس کا معنی ہے حلقوم۔

اس حدیث میں مذکور ہے''یمرقون'' یہ المروق سے ماخوذ ہے، اس کا معنی ہے نفوذ، یعنی ایک طرف سے تیر لگے گا اور دوسری طرف سے نکل جائے گا۔

اس حدیث میں مذکور ہے''لاقتلنھم ''اس پر یہ سوال ہے کہ آپ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اس کے قتل کرنے سے کیوں منع فرمایا جب کہ آپ نے یہ فرمایا کہ اگر میں ان کو پاتا تو ان کو ضرور اس طرح قتل کرتا جس طرح قومِ عاد کو قتل کیا گیا تھا؟

اس کا یہ جواب ہے کہ آپ کی مراد یہ ہے کہ اگر آپ اس زمانہ کو پالیں جس زمانہ میں ان کی کثرت تھی اور جس زمانہ میں وہ لوگوں کو تلواروں سے قتل کریں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے ڈرایا کہ عنقریب ایسا ہوگا، اور اسی طرح ہوا جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں خوارج کا ابتداءً ظہور ہوا۔

علامہ القرطبی نے کہا ہے: آپ نے اس کو قتل کرنے سے منع کیا، اگرچہ وہ قتل کیے جانے کا مستحق ہو چکا تھا، تا کہ لوگ یہ باتیں نہ بناتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کو قتل کرتے ہیں خاص طور پر اس کو جو نماز پڑھتا ہو، اور اس کی نظیر وہ ہے جو عبد اللہ بن ابی کے قصہ میں گزر چکی ہے۔

اور المازری نے کہا: ہوسکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کی بات سے یہ نہیں سمجھا کہ وہ آپ کی نبوت میں طعن کرتا ہے، اس نے آپ کو تقسیم میں عدل کے ترک کرنے کی طرف منسوب کیا اور یہ گناہِ کبیرہ نہیں ہے، اور انبیاء علیہم السلام بالاجماع کبائر سے معصوم ہوتے ہیں اور ان سے صغائر کے وقوع کے جواز میں اختلاف ہے، یا آپ نے اس مرد کو اس لیے سزا نہیں دی کیونکہ آپ کے نزدیک اس کا یہ قول ثابت نہیں ہوا تھا بلکہ اس کو ایک مرد نے نقل کیا تھا اور خبرِ واحد کی وجہ سے کسی کا خون نہیں بہایا جاتا۔

قاضی عیاض نے اس جواب کو باطل قرار دیا ہے اور کہا ہے: حدیث میں ہے اس نے کہا تھا: ''اے محمد! عدل کیجئے'' اور اس نے آپ کو ایک جماعت میں خطاب کیا تھا، حتیٰ کہ اس جماعت نے اس کو قتل کرنے کی اجازت طلب کی۔

اس حدیث میں مذکور ہے''قتل عاد ''اور اس سے پہلے یہ گزر چکا ہے کہ جب آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا تو انہوں نے کہا: میں ان کو ضرور اس طرح قتل کروں گا جس طرح قومِ ثمود کو قتل کیا گیا تھا، اور ان حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں ہے، کیونکہ اس سے غرض یہ ہے کہ ان خوارج کو جڑ سے اکھاڑ دیا جائے اور عاد اور ثمود دونوں اس میں برابر ہیں، کیونکہ قومِ عاد کو سخت ٹھنڈک والی آندھی نے ہلاک کر دیا تھا، اور قومِ ثمود کو ایک زبردست چیخ سے ہلاک کر دیا گیا تھا۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: اس حدیث میں مذکور ہے''جیسے عاد اور ثمود کو قتل کیا گیا تھا'' حالانکہ انہیں قتل نہیں کیا گیا تھا، پھر اس کا یہ جواب دیا کہ مراد قتل کا لازم ہے اور وہ ہے ان کا ہلاک ہونا، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ قتل سے مراد ہو قتلِ شدید القوی، کیونکہ یہ قوم

شدت اور قوت میں مشہور تھی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۱۸۲۔ ۱۸۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے: اس حدیث میں مذکور ہے ''اگر میں ان کو پالوں تو ان کو ضرور قتل کروں گا'' حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو ان کو قتل کرنے سے منع فرمایا تھا۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ آپ کی مراد یہ ہے کہ جب میں اس زمانہ کو پالوں جب یہ مسلمانوں کو تلواروں سے قتل کریں گے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ ظاہر نہیں ہوا تھا۔ اس کا پہلا ظہور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہوا جیسا کہ مشہور ہے، اور اس حدیث سے خوارج کی تکفیر پر استدلال کیا گیا ہے۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۳۹۷۔ ۳۹۸، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۴۳۳۔ حَدَّثَنَا عَيَّاشُ بْنُ الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ سَأَلْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم عَنْ قَوْلِهِ ﴿وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَهَا﴾ قَالَ مُسْتَقَرُّهَا تَحْتَ الْعَرْشِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عیاش بن الولید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وکیع نے حدیث بیان کی از الاعمش از ابراہیم التیمی از والد خود از حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے متعلق سوال کیا ''وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَهَا۔ (یس: ۳۸)'' (اور سورج اپنی مقرر شدہ منزل تک چلتا رہتا ہے)، آپ نے فرمایا: اس کا مستقر عرش کے نیچے ہے۔

(صحیح البخاری: ۳۱۹۹، ۴۸۰۲، ۴۸۰۳، ۷۴۲۴، ۷۴۳۳، صحیح مسلم: ۱۵۹، سنن ترمذی: ۳۲۲۷، مسند احمد: ۲۱۴۸۲)

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ سورج کا مستقر عرش کے نیچے ہے۔ الجہمیہ نے اس حدیث سے اللہ تعالیٰ کی جہت کو ثابت کیا ہے اور ان کا یہ استدلال باطل ہے، کیونکہ جہت جسم کی ہوتی ہے اور جسم حادث ہے اور اللہ تعالیٰ حدوث سے پاک ہے۔

یہ حدیث اس سے پہلے گزر چکی ہے۔

۲۴۔ بَابٌ: قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: وُجُوهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿٢٢﴾ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿٢٣﴾ (القیامہ: ۲۲۔ ۲۳)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اس دن بہت چہرے تروتازہ ہوں گے ○ اپنے رب کی طرف دیکھنے والے ہوں گے ○''

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کے متعلق علماء کے مذاہب

علامہ الکرمانی نے کہا ہے: اس باب سے مقصود یہ ہے کہ ان ظاہر آیات اور احادیث کو ذکر کیا جائے جو اس پر دلالت کرتی ہیں کہ بندہ قیامت کے دن اپنے رب کو دیکھے گا۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ دیکھنے کے لیے ضروری ہے کہ دیکھنے والا دکھائی دینے والے کے بالمقابل ہو اور دیکھنے والے کی آنکھوں سے شعاعیں نکلیں اور جو چیز دکھائی دے اس کی صورت آنکھ میں مرتسم ہو جائے، اور یہ امور اللہ تعالیٰ کے حق میں محال ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ دیکھنے اور دکھائی دینے کے لیے یہ شروطِ عادیہ ہیں شروطِ عقلیہ نہیں ہیں، عقلاً ان شروط کے بغیر بھی رویت کا حصول ممکن ہے، اسی لیے الاشعریہ نے یہ جائز قرار دیا ہے کہ چین کا اندھا اندلس کی سرزمین کو دیکھ لے، کیونکہ رؤیت وہ حالت ہے جس کو اللہ تعالیٰ زندہ انسان میں پیدا کرتا ہے، پس اللہ تعالیٰ کو دیکھنے میں کوئی استحالہ نہیں ہے۔

اور دوسرے شارحین نے کہا: امام بخاری نے اس آیت سے اور اس باب کی احادیث سے اس پر استدلال کیا ہے کہ مومنین اپنے رب کو جنتوں میں دیکھیں گے، اور یہ اہلِ سنت و جماعت اور جمہور امت کا مذہب ہے، اور خوارج اور معتزلہ اور بعض مرجئہ نے اس کا انکار کیا ہے اور ان کے یہاں پر دلائلِ فاسدہ ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۱۸۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

بابِ مذکور کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کی نفی پر خوارج اور معتزلہ کے دلائل اور ان کے جوابات

خوارج وغیرہ نے کہا: القیامۃ: ۲۳ میں ''اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿۲۳﴾'' کا ذکر ہے، اور یہاں ''ناظرۃ'' بمعنی منتظرۃ ہے، یعنی اس دن چہرے تر و تازہ ہوں گے اور اپنے رب کے منتظر ہوں گے، اور اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ وہ اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ان کی لغت سے جہالت ہے، کیونکہ کلامِ عرب میں نظر کی چار قسمیں ہیں: نظر کا معنی انتظار بھی ہے اور تفکر اور اعتبار بھی ہے اور تعطف اور رحمت بھی ہے اور نظر کا معنی آنکھوں سے دیکھنا بھی ہے۔ اور یہ کہنا کہ اس آیت میں نظر کا معنی انتظار ہے یہ دو وجہوں سے باطل ہے، ایک یہ کہ یہاں پر اس کا مفعول الیٰ کے ساتھ مذکور ہے، اور جب نظر کا معنی انتظار ہو تو وہ الیٰ کے ساتھ متعدی نہیں ہوتا بلکہ بنفسہٖ متعدی ہوتا ہے جیسے قرآن مجید میں ہے:

فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۔ یہ لوگ صرف اس کا انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے پاس قیامت اچانک آ جائے۔ (محمد: ۱۸)

اس آیت میں ''يَنْظُرُوْنَ'' انتظار کے معنی میں ہے اور بنفسہٖ متعدی ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس آیت میں نظر کو انتظار کے معنی پر محمول کرنا اس لیے صحیح نہیں ہے کہ یا تو اس کا یہ معنی ہوگا کہ وہ اپنے رب کا انتظار کر رہے ہیں، یا اس کا معنی یہ ہوگا کہ وہ اپنے رب کے ثواب کا انتظار کر رہے ہیں، اور جو معنی بھی ہو وہ غلط ہے، اس لیے کہ جو کسی کا انتظار کرے وہ رنج اور پریشانی میں ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اہلِ جنت کی صفت اس کے بغیر کی ہے اور فرمایا کہ جو چیز وہ چاہتے ہیں وہ ان کو مل جائے گی۔

اور یہاں پر نظر کا معنی اعتبار اور تفکر بھی صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ آخرت اعتبار اور تفکر کی جگہ نہیں ہے، کیونکہ آخرت میں بندوں کو کوئی تکلیف اور آزمائش اور عبادت کا مکلف نہیں کیا جائے گا اور اس لیے بھی کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا اعتبار نہیں کیا جاتا، لہٰذا یہاں نظر کا معنی اعتبار اور تفکر بھی نہیں ہو سکتا۔

اور نظر کا معنی تعطف اور رحمت ہوتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر تعطف اور رحم نہیں کیا جاتا۔
اور جب یہ تینوں قسمیں باطل ہو گئیں تو چوتھا معنی متعین ہو گیا کہ نظر کا معنی ہے آنکھوں سے دیکھنا، اور یہی وہ مذہب ہے جس کو جمہور متکلمین نے اختیار کیا ہے، ان گمراہوں کے حادث ہونے سے پہلے۔
اور اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کی نفی کرنے والوں نے اس آیت سے بھی استدلال کیا ہے:

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ (الانعام:۱۰۳) آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ آنکھیں اس کا علیٰ وجہ الا حاطہ ادراک نہیں کر سکتیں، دوسرا جواب یہ ہے کہ دنیا میں آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں، تیسرا جواب یہ ہے کہ کفار کی آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں۔
اور اللہ تعالیٰ کی رویت کی نفی کرنے والوں نے اس آیت سے بھی استدلال کیا ہے جس میں اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمائے گا:

لَنْ تَرٰىنِىْ (الاعراف:۱۴۳) تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ تم مجھے دنیا میں ہرگز نہیں دیکھ سکو گے، اور کسی چیز کی نفی اس کے محال ہونے کا تقاضا نہیں کرتی، لہٰذا ان دونوں آیتوں سے اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کی نفی پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے، اور احادیث ثابتہ میں اس کی تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ دکھائی دے گا اور ان احادیث کو تمام مسلمانوں نے عصرِ صحابہ اور تابعین سے لے کر ان منکرین کے پیدا ہونے تک قبول کیا ہے۔
اور علامہ ابن التین نے کہا ہے: یا تو یہ احادیث متواتر المعنیٰ ہیں یا مشہور ہیں اور صحابہ میں سے کسی نے ان احادیث کا انکار نہیں کیا اور نہ کسی نقلی یا عقلی دلیل سے ان کو رد کیا، اور ان احادیث کی عدمِ صحت پر کوئی دلیل نہیں ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۳ ص ۳۲۳۔۳۲۵، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

بابِ مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کے ثبوت میں احادیث

امام عبد بن حمید اور امام ترمذی اور امام طبری اور دیگر ائمہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ اہلِ جنت میں سب سے کم درجہ کا شخص وہ ہوگا جو اپنے ملک میں ایک ہزار سال تک دیکھتا رہے گا، اور اہلِ جنت میں سب سے افضل مرتبہ کا شخص وہ ہوگا جو اپنے رب عزوجل کے چہرہ کو ہر روز دو مرتبہ دیکھے گا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی: "وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿۲۲﴾ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿۲۳﴾ ---(القیامہ:۲۲۔۲۳)" (اس دن بہت چہرے تروتازہ ہوں گے ○ اپنے رب کی طرف دیکھنے والے ہوں گے ○)، آپ نے فرمایا: وہ ہر روز اپنے رب کے چہرہ کی طرف دیکھیں گے۔
اور امام طبری نے از اسرائیل از ثویر روایت کی ہے کہ جو لوگ اپنی جنتوں کی طرف دیکھیں گے اور اپنی ازواج کی طرف اور

اپنے خدام کی طرف اور اپنی نعمتوں کی طرف، سو وہ ایک ہزار سال کی مسافت سے دیکھیں گے۔ اور ان میں سے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکرم ہوں گے وہ اللہ تعالیٰ کے چہرہ کی طرف صبح اور شام دیکھیں گے۔ اسی طرح اس حدیث کی امام ترمذی نے از عبد روایت کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے، اور دوسرے ائمہ نے اس کو از اسرائیل مرفوعاً روایت کیا ہے۔

امام عبد بن حمید نے اپنی سند کے ساتھ عکرمہ سے روایت کی ہے، انہوں نے بیان کیا: غور کرو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ کی آنکھ میں کتنا نور عطا کیا ہے جس نور سے وہ اپنے رب کریم کے چہرہ کو دیکھے گا یعنی جنت میں، پھر کہا: اگر تمام مخلوق کا نور بندہ کی دونوں آنکھوں میں رکھ دیا جائے پھر سورج سے ایک پردہ کھولا جائے اور اس کے قریب ستر پردے ہیں، تو وہ اس کی طرف دیکھنے پر قادر نہیں ہوگا، اور سورج کا نور کرسی کے نور کے ستر میں سے ایک حصہ ہے اور کرسی کا نور عرش کے نور کا ستر میں سے ایک حصہ ہے، اور عرش کا نور ستر میں سے ایک حصہ ہے، اور اس حدیث کی سند میں ابراہیم ضعیف راوی ہیں۔

اور سماعی دلیلیں اس پر قائم ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا اہلِ ایمان کے لیے دکھائی دینا آخرت میں ہوگا، اور غیر اہلِ ایمان کے لیے نہیں ہوگا، اور دنیا میں اللہ تعالیٰ کا دکھائی دینا ممنوع ہے سوا اس کے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اختلاف کیا گیا، اور انہوں نے ذکر کیا ہے کہ دنیا اور آخرت میں فرق یہ ہے کہ اہلِ دنیا کی آنکھیں فانی ہیں اور آخرت میں ان کی آنکھیں باقی ہوں گی۔

اور جمہور معتزلہ نے اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے سے انکار کیا ہے، ان کا کہنا یہ ہے کہ دکھائی دینے کی شرط یہ ہے کہ دیکھنے والا ایک جہت میں ہو اور دکھائی دینے والا دوسری جہت میں ہو اور اللہ تعالیٰ جہت سے منزّہ ہے، اور اس پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دیکھتا ہے، پس وہ بغیر جہت کے دیکھتا ہے، اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کے قائل ہیں ان کا اس میں اختلاف ہے، بعض علماء نے کہا: دیکھنے والے کے لیے آنکھ کے دیکھنے سے اللہ تعالیٰ کا علم حاصل ہوتا ہے جیسا کہ دوسری دکھائی دینے والی چیزوں میں ہوتا ہے۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۵۵۴۔۵۵۵، ملخصاً وملتقطاً، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۴۳۴۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ حَدَّثَنَا خَالِدٌ وَهُشَيْمٌ عَنْ إِسْمَاعِيلَ عَنْ قَيْسٍ عَنْ جَرِيرٍ قَالَ كُنَّا جُلُوسًا عِنْدَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم إِذْ نَظَرَ إِلَى الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ قَالَ إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرَوْنَ هَذَا الْقَمَرَ لَا تُضَامُونَ فِي رُؤْيَتِهِ فَإِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ لَا تُغْلَبُوا عَلَى صَلَاةٍ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَصَلَاةٍ قَبْلَ غُرُوبِ الشَّمْسِ فَافْعَلُوا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمرو بن عون نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں خالد اور ہشیم نے حدیث بیان کی از اسماعیل از قیس از حضرت جریر رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے جب آپ نے چودھویں رات میں چاند کی طرف دیکھا، فرمایا: عنقریب تم اپنے رب کو دیکھو گے جیسا کہ تم اس چاند کو دیکھ رہے ہو، اور تم اپنے رب کو دیکھنے میں تنگ نہیں ہو گے، پس اگر تم یہ کر سکتے ہو کہ طلوعِ شمس سے پہلے نماز پڑھنے میں اور غروبِ شمس سے پہلے نماز پڑھنے میں مغلوب نہ ہو تو ایسا کرو۔

(صحیح البخاری: ۵۵۴، ۵۷۳، ۴۸۵۱، ۷۴۳۴، ۷۴۳۵، ۷۴۳۶، صحیح مسلم: ۶۳۳، سنن ترمذی: ۲۵۵۱، سنن ابوداؤد: ۴۷۲۹، سنن ابن ماجہ: ۱۷۷، مسند احمد: ۱۸۷۲۳)

صحیح البخاری: ۷۴۳۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے دکھائی دینے کا ذکر ہے، اور یہی باب کا عنوان ہے۔

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "لا تضامون" یہ لفظ "ضیم" سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ذلت اور تھکاوٹ ہے، یعنی تم اللہ تعالیٰ کو دیکھنے میں ذلیل نہیں ہو گے اور تھکو گے نہیں بایں طور کہ ایک دوسرے کو دھکا دو، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا معنی ہو کہ تم اللہ تعالیٰ کو دیکھنے میں اختلاف نہیں کرو گے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ان لا تغلبوا" یعنی اگر تم ان دو نمازوں یعنی صبح کی نماز اور عصر کی نماز پڑھنے میں مغلوب نہ ہو تو تم ایسا کرو، یعنی جو ان دو نمازوں کو پابندی کے ساتھ پڑھے گا تو وہ جنت میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا دیدار کرے گا، صبح اور عصر کی نمازوں کی تخصیص اس لیے کی کہ فرشتے ان دونوں وقتوں میں باری باری آتے ہیں، یا اس لیے کہ صبح کی نماز کا وقت نیند کی لذت کا وقت ہوتا ہے اور عصر کا وقت کام کاج اور دیگر مشغولیات سے فراغت کا وقت ہوتا ہے تو ان وقتوں میں نماز کا پڑھنا نفس کے اوپر دشوار ہوتا ہے، تو جو شخص اس دشواری کو آسانی سے برداشت کر لے گا تو اس کی جزاء میں اسے جنت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار عطا کیا جائے گا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۱۸۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۴۳۵۔ حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا عَاصِمُ بْنُ يُوسُفَ الْيَرْبُوعِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو شِهَابٍ عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ عِيَانًا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یوسف بن موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عاصم بن یوسف الیربوعی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوشہاب نے حدیث بیان کی از اسماعیل بن ابی خالد از قیس بن ابی حازم از حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: عنقریب تم اپنے رب کو کھلم کھلا دیکھو گے۔

(صحیح البخاری: ۵۵۴، ۵۷۳، ۴۸۵۱، ۷۴۳۴، ۷۴۳۵، ۷۴۳۶، صحیح مسلم: ۶۳۳، سنن ترمذی: ۲۵۵۱، سنن ابوداؤد: ۴۷۲۹، سنن ابن ماجہ: ۱۷۷، مسند احمد: ۱۸۷۲۳)

یہ حدیث مذکور کی ایک اور سند ہے۔

۷۴۳۶۔ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا حُسَيْنٌ الْجُعْفِيُّ عَنْ زَائِدَةَ حَدَّثَنَا بَيَانُ بْنُ بِشْرٍ عَنْ قَيْسٍ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدۃ بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حسین الجعفی نے

بْنِ أَبِي حَازِمٍ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ لَيْلَةَ الْبَدْرِ فَقَالَ إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَمَا تَرَوْنَ هَذَا لَا تُضَامُونَ فِي رُؤْيَتِهِ۔

حدیث بیان کی از زائدہ، انہوں نے کہا: ہمیں بیان بن بشر نے حدیث بیان کی از قیس بن ابی حازم، انہوں نے کہا: ہمیں حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ چاند کی چودھویں رات میں ہمارے پاس تشریف لائے، پس آپ نے فرمایا: بے شک تم عنقریب اپنے رب کو قیامت کے دن دیکھو گے جیسا کہ تم اس چاند کو دیکھ رہے ہو، تم اس کو دیکھنے میں تھکو گے نہیں۔

(صحیح البخاری: ۵۵۴، ۵۷۳، ۴۸۵۱، ۷۴۳۴، ۷۴۳۵، ۷۴۳۶، صحیح مسلم: ۶۳۳، سنن ترمذی: ۲۵۵۱، سنن ابوداؤد: ۴۷۲۹، سنن ابن ماجہ: ۱۷۷، مسند احمد: ۱۸۷۲۳)

یہ اس حدیث کی ایک اور سند ہے اور آپ نے چاند کے ساتھ جو تشبیہ دی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح تم چاند کو دیکھ رہے ہو اور یہ محقق رویت ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے نہ کوئی تھکاوٹ ہے نہ کوئی خفا ہے، اسی طرح تم آخرت میں اللہ تعالیٰ کو دیکھو گے تو نہ تم کو اس میں کوئی شک ہوگا اور نہ تھکاوٹ ہوگی اور نہ خفا ہوگا۔

۷۴۳۷۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ اللَّيْثِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّاسَ قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ هَلْ نَرَى رَبَّنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ هَلْ تُضَارُّونَ فِي الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ قَالُوا لَا يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ فَهَلْ تُضَارُّونَ فِي الشَّمْسِ لَيْسَ دُونَهَا سَحَابٌ قَالُوا لَا يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ فَإِنَّكُمْ تَرَوْنَهُ كَذَلِكَ يَجْمَعُ اللهُ النَّاسَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَقُولُ مَنْ كَانَ يَعْبُدُ شَيْئًا فَلْيَتْبَعْهُ فَيَتْبَعُ مَنْ كَانَ يَعْبُدُ الشَّمْسَ الشَّمْسَ وَيَتْبَعُ مَنْ كَانَ يَعْبُدُ الْقَمَرَ الْقَمَرَ وَيَتْبَعُ مَنْ كَانَ يَعْبُدُ الطَّوَاغِيتَ الطَّوَاغِيتَ وَتَبْقَى هَذِهِ الْأُمَّةُ فِيهَا شَافِعُوهَا أَوْ مُنَافِقُوهَا شَكَّ إِبْرَاهِيمُ فَيَأْتِيهِمُ اللهُ فَيَقُولُ أَنَا رَبُّكُمْ فَيَقُولُونَ هَذَا مَكَانُنَا حَتَّى يَأْتِيَنَا رَبُّنَا فَإِذَا جَاءَنَا رَبُّنَا عَرَفْنَاهُ فَيَأْتِيهِمُ اللهُ فِي صُورَتِهِ الَّتِي يَعْرِفُونَ فَيَقُولُ أَنَا رَبُّكُمْ فَيَقُولُونَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدالعزیز بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم بن سعد نے حدیث بیان کی از ابن شہاب از عطاء بن یزید اللیثی از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ لوگوں نے کہا: یارسول اللہ! کیا ہم اپنے رب کو قیامت کے دن دیکھیں گے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم چاند کی چودھویں رات میں چاند کی طرف دیکھتے ہو تو کیا تمہیں کوئی تکلیف ہوتی ہے؟ لوگوں نے کہا نہیں یارسول اللہ! آپ نے فرمایا کہ جب سورج پر بادل نہ ہوں اور تم سورج کو دیکھو تو تمہیں کوئی تکلیف ہوتی ہے؟ لوگوں نے کہا: نہیں یارسول اللہ! آپ نے فرمایا: پس بے شک تم اسی طرح اللہ تعالیٰ کو دیکھو گے، اللہ تعالیٰ لوگوں کو قیامت کے دن جمع کرے گا، پس فرمائے گا: جو شخص جس کی عبادت کرتا تھا اس کے پیچھے جائے، پس جو سورج کی عبادت کرتے تھے وہ سورج کے پیچھے جائیں گے اور جو چاند کی عبادت کرتے تھے وہ چاند کے پیچھے جائیں گے اور جو الطواغیت یعنی بتوں کی عبادت کرتا تھا وہ بتوں

أَنْتَ رَبُّنَا فَيَتْبَعُونَهُ وَيُضْرَبُ الصِّرَاطُ بَيْنَ ظَهْرَيْ
جَهَنَّمَ فَأَكُونُ أَنَا وَأُمَّتِي أَوَّلَ مَنْ يُجِيزُهَا وَلَا يَتَكَلَّمُ
يَوْمَئِذٍ إِلَّا الرُّسُلُ وَدَعْوَى الرُّسُلِ يَوْمَئِذٍ اللَّهُمَّ سَلِّمْ
سَلِّمْ وَفِي جَهَنَّمَ كَلَالِيبُ مِثْلُ شَوْكِ السَّعْدَانِ هَلْ
رَأَيْتُمُ السَّعْدَانَ قَالُوا نَعَمْ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ فَإِنَّهَا
مِثْلُ شَوْكِ السَّعْدَانِ غَيْرَ أَنَّهُ لَا يَعْلَمُ مَا قَدْرُ
عِظَمِهَا إِلَّا اللهُ تَخْطَفُ النَّاسَ بِأَعْمَالِهِمْ فَمِنْهُمُ
الْمُوبَقُ بَقِيَ بِعَمَلِهِ أَوِ الْمُوثَقُ بِعَمَلِهِ وَمِنْهُمُ
الْمُخَرْدَلُ أَوِ الْمُجَازَى أَوْ نَحْوُهُ ثُمَّ يَتَجَلَّى حَتَّى إِذَا
فَرَغَ اللهُ مِنَ الْقَضَاءِ بَيْنَ الْعِبَادِ وَأَرَادَ أَنْ يُخْرِجَ
بِرَحْمَتِهِ مَنْ أَرَادَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ أَمَرَ الْمَلَائِكَةَ أَنْ
يُخْرِجُوا مِنَ النَّارِ مَنْ كَانَ لَا يُشْرِكُ بِاللهِ شَيْئًا
مِمَّنْ أَرَادَ اللهُ أَنْ يَرْحَمَهُ مِمَّنْ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ
فَيَعْرِفُونَهُمْ فِي النَّارِ بِأَثَرِ السُّجُودِ تَأْكُلُ النَّارُ ابْنَ
آدَمَ إِلَّا أَثَرَ السُّجُودِ حَرَّمَ اللهُ عَلَى النَّارِ أَنْ تَأْكُلَ أَثَرَ
السُّجُودِ فَيَخْرُجُونَ مِنَ النَّارِ قَدِ امْتُحِشُوا فَيُصَبُّ
عَلَيْهِمْ مَاءُ الْحَيَاةِ فَيَنْبُتُونَ تَحْتَهُ كَمَا تَنْبُتُ الْحِبَّةُ
فِي حَمِيلِ السَّيْلِ ثُمَّ يَفْرُغُ اللهُ مِنَ الْقَضَاءِ بَيْنَ
الْعِبَادِ وَيَبْقَى رَجُلٌ مِنْهُمْ مُقْبِلٌ بِوَجْهِهِ عَلَى النَّارِ
هُوَ آخِرُ أَهْلِ النَّارِ دُخُولًا الْجَنَّةَ فَيَقُولُ أَيْ رَبِّ
اصْرِفْ وَجْهِي عَنِ النَّارِ فَإِنَّهُ قَدْ قَشَبَنِي رِيحُهَا
وَأَحْرَقَنِي ذَكَاؤُهَا فَيَدْعُو اللهَ بِمَا شَاءَ أَنْ يَدْعُوَهُ ثُمَّ
يَقُولُ اللهُ هَلْ عَسَيْتَ إِنْ أَعْطَيْتُكَ ذَلِكَ أَنْ تَسْأَلَنِي
غَيْرَهُ فَيَقُولُ لَا وَعِزَّتِكَ لَا أَسْأَلُكَ غَيْرَهُ وَيُعْطِي رَبَّهُ
مِنْ عُهُودٍ وَمَوَاثِيقَ مَا شَاءَ فَيَصْرِفُ اللهُ وَجْهَهُ عَنِ
النَّارِ فَإِذَا أَقْبَلَ عَلَى الْجَنَّةِ وَرَآهَا سَكَتَ مَا شَاءَ
اللهُ أَنْ يَسْكُتَ ثُمَّ يَقُولُ أَيْ رَبِّ قَدِّمْنِي إِلَى بَابِ

کے پیچھے جائے گا اور یہ امت باقی رہے گی، اس امت میں
شفاعت کرنے والے بھی ہوں گے یا منافقین بھی ہوں گے،
ابراہیم کو اس میں شک ہے، پس ان کے پاس اللہ تعالیٰ آئے گا
پس فرمائے گا: بے شک میں تمہارا رب ہوں، تو وہ کہیں گے: ہم
اسی جگہ رہیں گے حتیٰ کہ ہمارے پاس ہمارا رب آجائے، پس
جب وہ ہمارے پاس آئے گا تو ہم اس کو پہچان لیں گے، پس اللہ
تعالیٰ ان کے پاس اس صورت میں آئے گا جس صورت میں وہ
اس کو پہچانتے ہوں گے، پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں تمہارا رب
ہوں، تو وہ کہیں گے: تو ہمارا رب ہے، پس وہ اللہ تعالیٰ کے پیچھے
ہو جائیں گے، اور جہنم کی دو پشتوں کے درمیان ایک پل کو رکھا
جائے گا، پس میں اور میری امت سب سے پہلے اس کے پار
گزریں گے، اور اس دن اللہ تعالیٰ سے رسولوں کے سوا کوئی بات
نہیں کرے گا، اور رسولوں کی دعا اس دن یہ ہوگی: اے
اللہ! سلامتی فرما، سلامتی فرما، اور جہنم میں آنکڑے ہوں گے جیسے
درخت سعدان کے کانٹے ہیں، کیا تم نے سعدان کو دیکھا ہے؟
لوگوں نے کہا: جی ہاں یارسول اللہ! آپ نے فرمایا: تو وہ
آنکڑے سعدان کے کانٹوں کی مثل ہوں گے سوا اس کے کہ ان
آنکڑوں کی عظمت کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، لوگ اپنے
اعمال کے سبب سے پلک جھپکنے میں اس سے گزریں گے، ان میں
وہ بھی ہوں گے جو ہلاک ہونے والے ہوں گے اور اپنے عمل سے
باقی رہیں گے، یا الموثق فرمایا جو اپنے عمل کی وجہ سے مضبوط
ہوں گے، ان میں سے بعض وہ ہوں گے جن کے ٹکڑے کر دیئے
جائیں گے یا ان کو ان کی جزاء دی جائے گی یا اس کے مثل فرمایا،
پھر اللہ تعالیٰ تجلی فرمائے گا حتیٰ کہ جب اللہ تعالیٰ بندوں کے
درمیان فیصلہ کرنے سے فارغ ہو جائے گا اور ارادہ فرمائے گا کہ
اپنی رحمت سے ان کو دوزخ سے نکالے جن کو نکالنے کا اس نے
اہلِ نار میں سے ارادہ کیا ہے تو فرشتوں کو حکم دے گا کہ دوزخ کی

الْجَنَّةِ فَيَقُولُ اللهُ لَهُ أَلَسْتَ قَدْ أَعْطَيْتَ عُهُودَكَ وَمَوَاثِيقَكَ أَنْ لَا تَسْأَلَنِي غَيْرَ الَّذِي أُعْطِيتَ أَبَدًا وَيْلَكَ يَا ابْنَ آدَمَ مَا أَغْدَرَكَ فَيَقُولُ أَيْ رَبِّ وَيَدْعُو اللهَ حَتَّى يَقُولَ هَلْ عَسَيْتَ إِنْ أُعْطِيتَ ذَلِكَ أَنْ تَسْأَلَ غَيْرَهُ فَيَقُولُ لَا وَعِزَّتِكَ لَا أَسْأَلُكَ غَيْرَهُ وَيُعْطِي مَا شَاءَ مِنْ عُهُودٍ وَمَوَاثِيقَ فَيُقَدِّمُهُ إِلَى بَابِ الْجَنَّةِ فَإِذَا قَامَ إِلَى بَابِ الْجَنَّةِ انْفَهَقَتْ لَهُ الْجَنَّةُ فَرَأَى مَا فِيهَا مِنَ الْحَبْرَةِ وَالسُّرُورِ فَيَسْكُتُ مَا شَاءَ اللهُ أَنْ يَسْكُتَ ثُمَّ يَقُولُ أَيْ رَبِّ أَدْخِلْنِي الْجَنَّةَ فَيَقُولُ اللهُ أَلَسْتَ قَدْ أَعْطَيْتَ عُهُودَكَ وَمَوَاثِيقَكَ أَنْ لَا تَسْأَلَ غَيْرَ مَا أُعْطِيتَ فَيَقُولُ وَيْلَكَ يَا ابْنَ آدَمَ مَا أَغْدَرَكَ فَيَقُولُ أَيْ رَبِّ لَا أَكُونَنَّ أَشْقَى خَلْقِكَ فَلَا يَزَالُ يَدْعُو حَتَّى يَضْحَكَ اللهُ مِنْهُ فَإِذَا ضَحِكَ مِنْهُ قَالَ لَهُ ادْخُلِ الْجَنَّةَ فَإِذَا دَخَلَهَا قَالَ اللهُ لَهُ تَمَنَّهْ فَسَأَلَ رَبَّهُ وَتَمَنَّى حَتَّى إِنَّ اللهَ لَيُذَكِّرُهُ يَقُولُ كَذَا وَكَذَا حَتَّى انْقَطَعَتْ بِهِ الْأَمَانِيُّ قَالَ اللهُ ذَلِكَ لَكَ وَمِثْلُهُ مَعَهُ

آگ سے ان کو نکال دیا جائے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ بالکل بھی شرک نہیں کرتے تھے اور جن کے متعلق اللہ تعالیٰ رحم فرمانے کا ارادہ کرے گا جو لوگ اس بات کی شہادت دیتے ہوں گے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، پس فرشتے ان کو دوزخ میں ان کے سجدوں کے نشان کی وجہ سے پہچان لیں گے، دوزخ کی آگ سجدوں کے نشان کے علاوہ ابن آدم کو کھا جائے گی، اللہ تعالیٰ نے دوزخ پر یہ حرام کر دیا ہے کہ وہ سجدہ کے نشان کو کھائے، پس انہیں دوزخ کی آگ سے نکال دیا جائے گا اس حال میں کہ وہ جل کر کوئلہ ہو چکے ہوں گے، پھر ان پر آبِ حیات کو ڈالا جائے گا تو وہ اس میں اگنے لگیں گے جیسا کہ سیلاب کی مٹی میں دانا اگتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان فیصلہ کرنے سے فارغ ہو جائے گا اور ایک مرد باقی بچے گا اور اس کا چہرہ آگ کی طرف ہوگا اور یہ دوزخ والوں میں سے آخری شخص ہوگا جو جنت میں داخل ہوگا، پس وہ کہے گا: اے میرے رب! میرا چہرہ دوزخ کی آگ سے پھیر دے، کیونکہ اس آگ کی بدبو نے مجھے ہلاک کر دیا ہے اور اس آگ کی تیزی نے مجھے جلا ڈالا ہے، پس وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا رہے گا جب تک کہ اللہ تعالیٰ چاہے گا کہ وہ اس سے دعا کرے، پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اگر میں نے تمہارا سوال پورا کر دیا تو تم کچھ اور بھی سوال کرو گے تو وہ کہے گا: نہیں تیری عزت کی قسم! میں کوئی اور سوال نہیں کروں گا، پھر اللہ تعالیٰ اس سے پکے پکے عہد اور مواثیق لے گا، پھر اللہ تعالیٰ اس کا چہرہ دوزخ کی آگ سے پھیر دے گا، پس جب وہ جنت کی طرف بڑھے گا اور اس جنت کو دیکھے گا تو جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا وہ خاموش کھڑا رہے گا، پھر کہے گا: اے میرے رب! مجھے جنت کے دروازہ تک ہی پہنچا دے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تم نے پکے پکے عہد اور میثاق نہیں کیے تھے کہ تم اس کے سوا کوئی اور سوال نہیں کرو گے؟ اے ابنِ آدم! تم کس قدر عہد شکن ہو، پس وہ کہے گا: اے میرے رب!

اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا رہے گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اگر میں نے تمہارا یہ سوال پورا کر دیا تو پھر تم کوئی اور سوال کرو گے، وہ کہے گا: نہیں، تیری عزت کی قسم! میں تجھ سے کوئی اور سوال نہیں کروں گا، پھر اللہ تعالیٰ اس پر عہود اور مواثیق پیش کرے گا، پھر اس کو جنت کے دروازہ کی طرف لے جائے گا، پس جب وہ جنت کے دروازہ کی طرف کھڑا ہوگا اور جنت کھل کر اس کے سامنے آئے گی اور وہ جنت کے اندر کیف اور سرور کو دیکھے گا تو جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا وہ بندہ خاموش کھڑا رہے گا، پھر وہ کہے گا: اے میرے رب! مجھے جنت میں داخل کر دے، پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تو نے پکے پکے عہد اور میثاق نہیں کیے تھے کہ تو اس کے سوا اور کوئی چیز نہیں مانگے گا جو تجھے دی گئی ہے، پس فرمائے گا: افسوس اے ابنِ آدم! تو کتنا عہد شکن ہے، پس وہ بندہ کہے گا: اے میرے رب! میں تیری مخلوق میں سب سے بدقسمت نہ ہوں، پھر ہمیشہ دعا کرتا رہے گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس پر ہنسے گا، پس جب اس پر ہنسے گا تو فرمائے گا: جنت میں داخل ہوجا، جب وہ جنت میں داخل ہوجائے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا: تم تمنا کرو، پس وہ اپنے رب سے سوال کرے گا اور تمنا کرے گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس کو یاد دلائے گا کہ فلاں چیز بھی ہے فلاں چیز بھی ہے، حتیٰ کہ اس کی آرزوئیں منقطع ہوجائیں گی، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: یہ بھی تمہارے لیے ہے اور اس کی مثل اور بھی ہے۔

(صحیح البخاری: ۸۰۶، ۶۵۷۳، ۷۴۳۷، صحیح مسلم: ۱۸۲، سنن نسائی: ۱۱۴۰، مسند احمد: ۷۶۶۰، سنن دارمی: ۲۸۰۱)

صحیح البخاری: ۷۴۳۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کا ذکر ہے اور اس حدیث میں بھی اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے اور اس کے دیدار کا بیان ہے۔

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "هل تضارون؟" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم چاند کی چودھویں رات میں چاند کی طرف دیکھتے ہو تو کیا تم چاند کی طرف دیکھنے کی صحت میں ایک دوسرے کی مخالفت کرتے ہو یا بحث کرتے ہو؟ کیونکہ چاند بالکل واضح اور ظاہر ہوتا ہے، اسی طرح بغیر کسی شک اور بغیر کسی مشقت اور بغیر کسی اختلاف کے تم اللہ تعالیٰ کو قیامت کے دن دیکھو گے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فیتّبع" اس میں تاء پر تشدید ہے اور یہ الاتباع سے ماخوذ ہے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جو شخص جس کی عبادت کرتا تھا وہ اس کی اتباع کرے، جو شخص سورج کی عبادت کرتا تھا وہ سورج کی اتباع کرے گا، اور جو شخص چاند کی اتباع کرتا تھا وہ چاند کی عبادت کرے گا، اور جو شخص طواغیت کی عبادت کرتا تھا وہ طواغیت کی عبادت کرے گا۔

"طواغیت" کا معنی

اس حدیث میں مذکور ہے "الطواغیت" یہ طاغوت کی جمع ہے اور طواغیت کا معنی ہے شیاطین یا بت، الجوہری نے الصحاح میں لکھا ہے کہ الطاغوت، الکاهن ہے اور ہر وہ شخص جو گمراہوں کا سردار ہو، اور یہ واحد بھی ہوتا ہے اور جمع بھی ہوتا ہے اور یہ لاھوت کے وزن پر ہے، اور یہ مقلوب ہے کیونکہ یہ طغیٰ سے ماخوذ ہے اور لاھوت "لاہَ" سے ماخوذ ہے اور اس کی اصل طغووت ہے جیسے جبروت، واؤ کو غین کے ماقبل کی طرف نقل کیا، پھر واؤ کو الف سے بدل دیا کیونکہ واؤ متحرک ہے اور اس کا ماقبل مفتوح ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "شافعوها" یعنی اس امت کی شفاعت کرنے والے، اصل میں شافعون تھا اور نون اضافت کی وجہ سے گر گیا، اس کا باب شَفَعَ یَشْفَعُ شفاعة فهو شافع و شفیع ہے۔

اللہ تعالیٰ کے کسی صورت میں آنے کے محامل

اس حدیث میں مذکور ہے "فیاتیهم الله" اس کا معنی ہے: اللہ ان کے پاس آئے گا، اور اللہ تعالیٰ کی طرف آنے کی نسبت مجاز ہے اور مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی طرف تجلی فرمائے گا، یا اس کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو دیکھے گا، کیونکہ کسی شخص کا آنا اس کے دیکھنے کو مستلزم ہوتا ہے، قاضی عیاض نے کہا: لوگوں کے پاس اللہ تعالیٰ کے بعض فرشتے آئیں گے، یا اللہ تعالیٰ ان کے پاس فرشتہ کی صورت میں آئے گا، اور یہ مومنین کا آخری امتحان ہوگا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اللہ تعالیٰ ان کے پاس آ کر فرمائے گا: میں تمہارا رب ہوں، تو مسلمان کہیں گے: ہم اسی جگہ رہیں گے حتیٰ کہ ہمارے پاس ہمارا رب آئے"۔

علامہ کرمانی نے کہا: اگر تم یہ سوال کرو کہ فرشتہ تو معصوم ہے، پس وہ کیسے کہے گا کہ میں تمہارا رب ہوں اور یہ جھوٹ ہے، پھر انہوں نے اس کے جواب میں کہا ہے: ہم یہ نہیں مانتے کہ اس قسم کے صغیرہ سے فرشتے معصوم ہوتے ہیں۔

اس جواب پر یہ اعتراض ہے: پھر تو فرعون سے بھی صرف صغیرہ صادر ہوا کیونکہ اس نے کہا تھا: "أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ ۝" (میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں ۝) (النازعات: ۲۴)

علامہ عینی فرماتے ہیں: اگر علامہ کرمانی اپنی شرح کو اس جواب سے منزہ کر لیتے تو زیادہ بہتر تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فاذا جاء نا عرفناه فیاتیھم اللہ فی صورتہ یعرفونہ " یعنی جب ہمارا رب ہمارے پاس آئے گا تو ہم اس کو پہچان لیں گے، پھر اللہ تعالیٰ اس صورت میں آئے گا جس صورت میں وہ اس کو پہچانتے ہوں گے، صورت سے یہاں مراد اس کی صفت ہے، یعنی اللہ تعالیٰ ان کے پاس اس صفت میں تجلی فرمائے گا جس صفت کو وہ پہچانتے تھے۔

علامہ ابن التین نے کہا: صورت کے معنی میں اختلاف کیا گیا ہے، پس کہا جاتا ہے: اعتقاد کی صورت، جیسے تم کہو: اس معاملہ میں میرے اعتقاد کی صورت یہ ہے، پس اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو اس صفت میں دیکھے گا جس صفت میں وہ اللہ تعالیٰ کا اعتقاد کرتے تھے۔

اور علامہ ابن قتیبہ نے کہا: اللہ تعالیٰ کے لیے صورت ہے اور وہ صورتوں کی مثل نہیں ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ شئے ہے اور اشیاء کی مثل نہیں ہے، پس انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے صورتِ قدیمہ کو ثابت کیا ہے۔

اور ابن فورک نے کہا: یہ اس قائل کی جہالت ہے۔

علامہ داؤدی نے کہا: اگر اس حدیث میں صورت کا لفظ محفوظ ہو تو ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد اس حال کی صورت ہو جس حال میں وہ آئے گا۔

اور علامہ المہلب نے کہا: مومنین جو کہیں گے "جب ہمارے پاس ہمارا رب آئے گا تو ہم اس کو پہچان لیں گے" اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی طرف ایک فرشتہ بھیجے گا تاکہ ان کو آزمائش میں ڈالے اور ان کا امتحان لے کہ وہ اپنے رب کی صفات کے بارے میں کیا اعتقاد رکھتے ہیں جس کی مثل کوئی چیز نہیں ہے، پس جب ان سے فرشتہ کہے گا: میں تمہارا رب ہوں اور مومنین اس فرشتے پر تخلیق کی ایسی علامت اور دلیل دیکھیں گے جو مخلوقات کے مشابہ ہے تو وہ کہیں گے: ہم اسی جگہ ہیں حتیٰ کہ ہمارے پاس ہمارا رب آئے، پس جب ہمارے پاس ہمارا رب آئے گا تو ہم اس کو پہچان لیں گے یعنی تم ہمارے رب نہیں ہو، پھر اللہ تعالیٰ ان کے پاس اس صورت میں آئے گا جس کو وہ پہچانتے ہوں گے، یعنی اللہ تعالیٰ ان کے لیے اس ملک میں ظاہر ہوگا جو ملک اللہ تعالیٰ کے غیر کے مناسب نہیں ہے اور اس عظمت میں ظاہر ہوگا کہ جو عظمت کسی مخلوق کے مشابہ نہیں ہے تب وہ پہچان لیں گے کہ یہ جلال اور عظمت کسی اور کے لیے نہیں ہوسکتی تو وہ کہیں گے کہ تو ہمارا رب ہے تیرے مشابہ کوئی چیز نہیں ہے، پس صورت کو اس حدیث میں کسی شئے کی حقیقت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فیتبعونہ " یعنی مومنین اللہ تعالیٰ کو اس صفت میں پہچان کر اس کی اتباع کریں گے، یعنی اللہ تعالیٰ جو انہیں حکم دے گا اس حکم کی اتباع کریں گے، اللہ تعالیٰ انہیں جنت کی طرف جانے کا حکم دے گا یا فرشتوں کو ان کی طرف بھیجے گا۔

پل صراط کا محل وقوع

اس حدیث میں مذکور ہے "ویضرب الصراط بین ظھری جھنم " یعنی وہ پل جہنم کے وسط پر ہوگا، اور ہر وہ چیز جو دو چیزوں کے درمیان متوسط ہو تو کہا جاتا ہے بین ظھریھما یا ظھرینھما۔

اور علامہ داؤدی نے کہا: یعنی جہنم کے اوپر پل رکھ دیا جائے گا اور ظھر کا لفظ اس میں زائد ہے، اور صراط وہ پل ہے جو جہنم کی پشت کے اوپر پھیلایا ہوا ہے، وہ تلوار سے زیادہ تیز ہے اور بال سے زیادہ باریک ہے اور تمام لوگ اس کے اوپر سے گزریں گے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فاکون انا وامتی اول من یجیزھا" یعنی میں اور میری امت سب سے پہلے اس پُل پر سے گزریں گے۔ الاصمعی نے کہا: "اجاز" بمعنی "قطع" ہے یعنی اس پل کی مسافت کو قطع کریں گے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ولایتکلم یومئذ الا الرسل" اس جملہ میں یومئذٍ کی قید ہے، یعنی جس حال میں وہ پُل سے گزر رہے ہوں گے اس وقت یہ دعا کریں گے: اللھم سلم، اللھم سلم، کیونکہ قیامت کے دن مختلف احوال ہوں گے، اس دن لوگ ایک حال میں باتیں کریں گے اور دوسرے حال میں قیامت کی ہولناکیوں کی وجہ سے باتیں نہیں کریں گے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "کلالیب" یہ کلوب کی جمع ہے، یہ ایک لوہا ہے جس کے کنڈے کا سر مڑا ہوا ہوتا ہے اور اس کے اوپر گوشت لٹکا دیا جاتا ہے، (جیسے ہک یا کھونٹی ہوتی ہے جس پر کپڑے لٹکاتے ہیں)۔

اور ابن بطال کی کتاب میں ہے کہ "کلوب" اس لوہے کو کہتے ہیں جس پر لوہار لوہے کو گرم کر کے لٹکاتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "شوك السعدان" سعدان کا درخت نجد کی سرزمین میں ہے، اس کے بہت بڑے بڑے کانٹے ہوتے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "تخطف الناس باعمالھم" یعنی لوگ اپنے اعمال کے اعتبار سے اس پل پر سے گزریں گے یا اپنے اعمال کی مقدار کے اعتبار سے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فمنھم المومن بقی بعملہ" یہ لفظ تین طرح سے پڑھا گیا ہے: ایک یہ ہے کہ مومن اپنے عمل کی وجہ سے باقی رہے گا، دوسرا ہے الموثق، اور تیسرا ہے الموبق، یعنی اپنے عمل کی وجہ سے ہلاک ہو جائے گا، یعنی اس کے گناہ اس کو ہلاک کر دیں گے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "ومنھم المخردل" یعنی وہ ہلاکت کے قریب ہوگا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "او المجازیٰ" یعنی جس کو جزا میں نجات دی جائے گی۔

سجدہ کے اثر سے مراد پیشانی ہے یا سات ہڈیاں

اس حدیث میں مذکور ہے "الا اثر السجود" یعنی سجدہ کے اثر کی جگہ اور وہ پیشانی ہے، اور دوسرا قول ہے کہ وہ سات ہڈیاں ہیں، قرآن مجید میں ہے:

يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَ جُنُوْبُهُمْ وَ ظُهُوْرُهُمْ (التوبہ: ۳۵)

جس دن وہ (سونا اور چاندی) دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر اس سے ان کی پیشانیوں کو اور ان کے پہلوؤں کو اور ان کی پیٹھوں کو داغا جائے گا۔

اس آیت کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ آیت اہلِ کتاب کے متعلق نازل ہوئی ہے، نیز اس حدیث میں ذکر ہے کہ دوزخ کی آگ ابن آدم کو کھا جائے گی سوا سجدوں کے نشان کے، اور اللہ تعالیٰ نے دوزخ کی آگ پر یہ حرام کر دیا ہے کہ وہ سجدہ کے نشان کو کھائے، اور اس آیت میں تپانے کا ذکر ہے، اور تپانا کھانے کا غیر ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ امام مسلم نے ذکر کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ایک قوم دوزخ سے نکالی جائے گی اور وہ لوگ جو

دوزخ میں چہرہ کے سوا جل چکے ہوں گے' اور اس حدیث میں اعضاءِ سجود کا استثنیٰ ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ وہ ایک مخصوص قوم ہوگی جو دوزخ سے نکلنے والوں میں سے مخصوص ہوگی اور ان کے صرف چہرے جلنے سے محفوظ ہوں گے اور دوسرے لوگ جو ہیں ان کے تمام اعضاءِ سجود جلنے سے محفوظ رہیں گے، اور اس حدیث کے الفاظ عام ہیں اور مسلم کی حدیث خاص ہے، پس عام پر عمل کیا جائے گا۔

اس حدیث میں مذکور ہے''قد امتحشوا'' یعنی وہ اس حال میں دوزخ سے نکالے جائیں گے کہ وہ جل چکے ہوں گے، اور الجوہری نے''الصحاح'' میں لکھا ہے کہ''المحش'' کا معنی ہے: آگ کا کھال کو جلا دینا۔

علامہ داؤدی نے کہا ہے:''امتحشوا'' کا معنی ہے: وہ اس طرح کمزور اور دبلے ہوں گے جیسے جلے ہوئے لوگ ہوتے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے''الحبة'' اس کا معنی ہے: سبزیوں اور گھاس کا بیج جو سیلاب کی مٹی کے جوانب میں اگتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے''حمیل السیل'' یعنی سیلاب جو مٹی اور کوڑا کرکٹ وغیرہ لے کر آتا ہے، اور اس تشبیہ سے مراد یہ ہے کہ بہت جلدی اور تیزی کے ساتھ وہ اگیں گے۔

اس حدیث میں مذکور ہے''قد قشبنی'' یعنی مجھے ایذاء پہنچائی اور مجھے ہلاک کر دیا، یہ معنی جمہور اہلِ لغت کے مطابق ہے اور علامہ داؤدی نے کہا: اس کا معنی ہے: میری کھال اور صورت کو متغیر کر دیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے''ذکاؤھا'' یعنی دوزخ کے شعلے اور اس کی تپش۔

اس حدیث میں مذکور ہے''ان اعطیت ذالك'' یعنی اگر میں نے تمہارا سوال پورا کر دیا اور تمہارے چہرہ کو دوزخ سے پھیر دیا تو پھر تم اور سوال کرو گے۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ اس حدیث میں سوال کو مخاطب پر محمول کیا ہے، حالانکہ یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ تم سوال ہو، کیونکہ سوال حادث ہے اور وہ شخص ذات تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ تم سوال کرنے والے ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے''ما اغدرك'' یہ فعل تعجب کا صیغہ ہے جو غدر سے ماخوذ ہے، اور اس کا معنی خیانت ہے اور عہد کو پورا نہ کرنا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے''انفھقت'' یعنی وہ کھل گئی اور وسیع ہوگئی۔

اس حدیث میں مذکور ہے''من الحبرة'' علامہ کرمانی نے کہا: اس کا معنی نعمت ہے اور علامہ ابن الاثیر نے کہا:''حبرة'' کا معنی فراخی کے ساتھ زندگی ہے اور یہ لفظ''الخیرة'' بھی پڑھا گیا ہے، علامہ نووی نے کہا: یہی زیادہ صحیح اور مشہور ہے، قاضی عیاض نے کہا:''الحبر'' کا معنی خوشی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے''لا اکونن اشقی خلقك'' یعنی میں تیری مخلوق میں سب سے زیادہ بد بخت نہ ہوں۔

اس پر یہ اعتراض ہے کہ جب اس کو دوزخ کے عذاب سے نجات مل گئی اور آگ سے اس کو دور کر دیا گیا تو بد بخت کیسے ہوگا اگرچہ وہ جنت میں داخل نہیں ہوا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ وہ دیگر موحدین کی طرح جنت میں داخل نہیں ہوا اس لیے اس نے اپنے آپ کو بد بخت کہا۔
اس حدیث میں مذکور ہے "حتی یضحك الله منه" یعنی اللہ تعالیٰ اس سے ہنسے گا، ہنسنا اللہ تعالیٰ کے لیے محال ہے، اس سے مراد اس کا لازم ہے یعنی راضی ہونا اور محبت کرنا۔
اس حدیث میں مذکور ہے "تمنه" یہ تمنی یتمنی سے امر ہے اور ہاء سکتہ کے لیے ہے۔
اس حدیث میں مذکور ہے "وین کرہ" یعنی اللہ تعالیٰ اس کو یاد دلائے گا کہ فلاں چیز کی تمنا کرو، فلاں چیز کی تمنا کرو۔
اس حدیث میں مذکور ہے "ومثله معه" یعنی اس شخص کو اس کے سوال کے مطابق دیا جائے گا اور اتنا ہی اور دیا جائے گا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۱۸۸۔۱۹۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۴۳۸۔ قَالَ عَطَاءُ بْنُ يَزِيدَ وَأَبُو سَعِيدٍ الْخُدْرِيُّ مَعَ أَبِي هُرَيْرَةَ لَا يَرُدُّ عَلَيْهِ مِنْ حَدِيثِهِ شَيْئًا حَتَّى إِذَا حَدَّثَ أَبُو هُرَيْرَةَ أَنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى قَالَ ذٰلِكَ لَكَ وَمِثْلُهُ مَعَهُ قَالَ أَبُو سَعِيدٍ الْخُدْرِيُّ وَعَشَرَةُ أَمْثَالِهِ مَعَهُ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ مَا حَفِظْتُ إِلَّا قَوْلَهُ ذٰلِكَ لَكَ وَمِثْلُهُ مَعَهُ قَالَ أَبُو سَعِيدٍ الْخُدْرِيُّ أَشْهَدُ أَنِّي حَفِظْتُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَوْلَهُ ذٰلِكَ لَكَ وَعَشَرَةُ أَمْثَالِهِ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ فَذٰلِكَ الرَّجُلُ آخِرُ أَهْلِ الْجَنَّةِ دُخُولًا الْجَنَّةَ۔

عطاء بن یزید نے کہا: اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے اور ان کی اس حدیث میں سے کسی چیز کو مسترد نہیں کرتے تھے حتیٰ کہ جب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حدیث میں بیان کیا کہ بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائے گا: یہ تیرے لیے ہے اور اس کی ایک مثل اور اس کے ساتھ، تو حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا: اور اس کی دس مثالیں اے ابو ہریرہ! حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے تو صرف یہ ارشاد یاد ہے کہ یہ اور اس کی ایک مثل، حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ قول یاد رکھا ہے کہ "یہ بھی تمہارے لیے ہے اور اس کی دس مثالیں بھی"، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ مرد جنت میں داخل ہونے والا آخری مرد ہوگا۔

(صحیح البخاری: ۸۰۶، ۶۵۷۳، ۷۴۳۷، صحیح مسلم: ۱۸۲، سنن نسائی: ۱۱۴۰، مسند احمد: ۷۶۹۰، سنن دارمی: ۲۸۰۱)

اس حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے اس اختلاف کا ذکر کیا گیا ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اس مرد نے جو سوال کیا ہے اس کو اس کے سوال کے مطابق بھی ملے گا اور اس کی ایک مثل اور بھی ملے گی، اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے کہ آپ نے فرمایا تھا: اس شخص کو اس کے سوال کے مطابق بھی ملے گا اور اس کی دس مثالیں اور بھی ملیں گی۔

۷۴۳۹۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ خَالِدِ بْنِ يَزِيدَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي هِلَالٍ عَنْ زَيْدٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللهِ هَلْ نَرَى رَبَّنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث بن سعد نے حدیث بیان کی از خالد بن یزید از سعید بن ابی ہلال از زید از عطاء بن یسار از حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں

قَالَ هَلْ تُضَارُونَ فِي رُؤْيَةِ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ إِذَا كَانَتْ صَحْوًا قُلْنَا لَا قَالَ فَإِنَّكُمْ لَا تُضَارُونَ فِي رُؤْيَةِ رَبِّكُمْ يَوْمَئِذٍ إِلَّا كَمَا تُضَارُونَ فِي رُؤْيَتِهِمَا ثُمَّ قَالَ يُنَادِي مُنَادٍ لِيَذْهَبْ كُلُّ قَوْمٍ إِلَى مَا كَانُوا يَعْبُدُونَ فَيَذْهَبُ أَصْحَابُ الصَّلِيبِ مَعَ صَلِيبِهِمْ وَأَصْحَابُ الْأَوْثَانِ مَعَ أَوْثَانِهِمْ وَأَصْحَابُ كُلِّ آلِهَةٍ مَعَ آلِهَتِهِمْ حَتَّى يَبْقَى مَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللهَ مِنْ بَرٍّ أَوْ فَاجِرٍ وَغُبَّرَاتٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ ثُمَّ يُؤْتَى بِجَهَنَّمَ تُعْرَضُ كَأَنَّهَا سَرَابٌ فَيُقَالُ لِلْيَهُودِ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ قَالُوا كُنَّا نَعْبُدُ عُزَيْرَ ابْنَ اللهِ فَيُقَالُ كَذَبْتُمْ لَمْ يَكُنْ لِلّٰهِ صَاحِبَةٌ وَلَا وَلَدٌ فَمَا تُرِيدُونَ قَالُوا نُرِيدُ أَنْ تَسْقِيَنَا فَيُقَالُ اشْرَبُوا فَيَتَسَاقَطُونَ فِي جَهَنَّمَ ثُمَّ يُقَالُ لِلنَّصَارَى مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ فَيَقُولُونَ كُنَّا نَعْبُدُ الْمَسِيحَ ابْنَ اللهِ فَيُقَالُ كَذَبْتُمْ لَمْ يَكُنْ لِلّٰهِ صَاحِبَةٌ وَلَا وَلَدٌ فَمَا تُرِيدُونَ فَيَقُولُونَ نُرِيدُ أَنْ تَسْقِيَنَا فَيُقَالُ اشْرَبُوا فَيَتَسَاقَطُونَ فِي جَهَنَّمَ حَتَّى يَبْقَى مَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللهَ مِنْ بَرٍّ أَوْ فَاجِرٍ فَيُقَالُ لَهُمْ مَا يَحْبِسُكُمْ وَقَدْ ذَهَبَ النَّاسُ فَيَقُولُونَ فَارَقْنَاهُمْ وَنَحْنُ أَحْوَجُ مِنَّا إِلَيْهِ الْيَوْمَ وَإِنَّا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي لِيَلْحَقْ كُلُّ قَوْمٍ بِمَا كَانُوا يَعْبُدُونَ وَإِنَّمَا نَنْتَظِرُ رَبَّنَا قَالَ فَيَأْتِيهِمُ الْجَبَّارُ فِي صُورَةٍ غَيْرِ صُورَتِهِ الَّتِي رَأَوْهُ فِيهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ فَيَقُولُ أَنَا رَبُّكُمْ فَيَقُولُونَ أَنْتَ رَبُّنَا فَلَا يُكَلِّمُهُ إِلَّا الْأَنْبِيَاءُ فَيَقُولُ هَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُ آيَةٌ تَعْرِفُونَهُ فَيَقُولُونَ السَّاقُ فَيَكْشِفُ عَنْ سَاقِهِ فَيَسْجُدُ لَهُ كُلُّ مُؤْمِنٍ وَيَبْقَى مَنْ كَانَ يَسْجُدُ لِلّٰهِ رِيَاءً وَسُمْعَةً فَيَذْهَبُ كَيْمَا يَسْجُدَ فَيَعُودُ ظَهْرُهُ طَبَقًا وَاحِدًا ثُمَّ يُؤْتَى بِالْجَسْرِ فَيُجْعَلُ بَيْنَ ظَهْرَيْ جَهَنَّمَ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللهِ وَمَا

کہ ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا ہم اپنے رب کو قیامت کے دن دیکھیں گے؟ آپ نے فرمایا: کیا تم کو سورج اور چاند کو دیکھنے میں اس وقت کوئی تکلیف ہوتی ہے جب کہ آسمان صاف ہو؟ ہم نے عرض کیا: نہیں! آپ نے فرمایا: پس بے شک تم کو اس دن اپنے رب کو دیکھنے میں کوئی تکلیف نہیں ہوگی جس طرح تم کو سورج اور چاند کو دیکھنے میں کوئی تکلیف نہیں ہے، پھر آپ نے فرمایا: ایک منادی ندا کرے گا کہ ہر قوم اس کی طرف جائے جس کی وہ عبادت کرتی تھی، پس صلیب والے اپنی صلیب کے ساتھ جائیں گے اور بت پرست اپنے بتوں کے ساتھ جائیں گے، اور ہر عبادت کرنے والے اپنے معبودوں کے ساتھ جائیں گے حتیٰ کہ وہ باقی رہ جائے گا جو اللہ عزوجل کی عبادت کرتا تھا خواہ وہ نیک لوگ ہوں یا بدکار اور اہل کتاب کے باقی لوگ، پھر جہنم کو لا کر پیش کیا جائے گا گویا کہ وہ سراب ہے (وہ چمکتی ہوئی ریت ہے جو پانی کی طرح معلوم ہوتی ہے)، پس یہود سے کہا جائے گا: تم کس کی عبادت کرتے تھے؟ وہ کہیں گے: ہم اللہ کے بیٹے عزیر کی عبادت کرتے تھے، پس کہا جائے گا: تم نے جھوٹ بولا، اللہ تعالیٰ کی نہ کوئی بیوی ہے اور نہ کوئی اس کا بیٹا، پس تم کیا ارادہ کرتے ہو؟ وہ کہیں گے: ہم یہ ارادہ کرتے ہیں کہ تم ہم کو پانی پلاؤ، پس ان سے کہا جائے گا: پیو، پس وہ جہنم میں گر جائیں گے، پھر نصاریٰ سے کہا جائے گا: تم کس کی عبادت کرتے تھے؟ وہ کہیں گے: ہم اللہ کے بیٹے مسیح کی عبادت کرتے تھے، پس کہا جائے گا: تم نے جھوٹ بولا، اللہ تعالیٰ کی نہ کوئی بیوی ہے نہ کوئی بیٹا، پس تم کیا ارادہ کرتے ہو؟ وہ کہیں گے: ہم ارادہ کرتے ہیں کہ تم ہم کو پانی پلاؤ، پس کہا جائے گا: پیو، پس وہ جہنم میں گر جائیں گے، حتیٰ کہ وہ باقی رہ جائیں گے جو اللہ عزوجل کی عبادت کرتے تھے نیک ہوں یا بد ہوں، تو ان سے کہا جائے گا: تم کو جانے سے کس چیز نے روکا ہے جب کہ سب لوگ جاچکے ہیں؟ تو وہ کہیں گے: ہم (دنیا میں) ان

الْجِسْرُ قَالَ مَدْحَضَةٌ مَزِلَّةٌ عَلَيْهِ خَطَاطِيفُ وَكَلَالِيبُ
وَحَسَكَةٌ مُفَلْطَحَةٌ لَهَا شَوْكَةٌ عُقَيْفَاءُ تَكُونُ بِنَجْدٍ
يُقَالُ لَهَا السَّعْدَانُ الْمُؤْمِنُ عَلَيْهَا كَالطَّرْفِ
وَكَالْبَرْقِ وَكَالرِّيحِ وَكَأَجَاوِيدِ الْخَيْلِ وَالرِّكَابِ فَنَاجٍ
مُسَلَّمٌ وَنَاجٍ مَخْدُوشٌ وَمَكْدُوسٌ فِي نَارِ جَهَنَّمَ حَتَّى
يَمُرَّ آخِرُهُمْ يُسْحَبُ سَحْبًا فَمَا أَنْتُمْ بِأَشَدَّ لِي
مُنَاشَدَةً فِي الْحَقِّ قَدْ تَبَيَّنَ لَكُمْ مِنَ الْمُؤْمِنِ يَوْمَئِذٍ
لِلْجَبَّارِ وَإِذَا رَأَوْا أَنَّهُمْ قَدْ نَجَوْا فِي إِخْوَانِهِمْ يَقُولُونَ
رَبَّنَا إِخْوَانُنَا كَانُوا يُصَلُّونَ مَعَنَا وَيَصُومُونَ مَعَنَا
وَيَعْمَلُونَ مَعَنَا فَيَقُولُ اللهُ تَعَالَى اذْهَبُوا فَمَنْ
وَجَدْتُمْ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالَ دِينَارٍ مِنْ إِيمَانٍ فَأَخْرِجُوهُ
وَيُحَرِّمُ اللهُ صُوَرَهُمْ عَلَى النَّارِ فَيَأْتُونَهُمْ وَبَعْضُهُمْ قَدْ
غَابَ فِي النَّارِ إِلَى قَدَمِهِ وَإِلَى أَنْصَافِ سَاقَيْهِ
فَيُخْرِجُونَ مَنْ عَرَفُوا ثُمَّ يَعُودُونَ فَيَقُولُ اذْهَبُوا
فَمَنْ وَجَدْتُمْ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالَ نِصْفِ دِينَارٍ فَأَخْرِجُوهُ
فَيُخْرِجُونَ مَنْ عَرَفُوا ثُمَّ يَعُودُونَ فَيَقُولُ اذْهَبُوا
فَمَنْ وَجَدْتُمْ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ مِنْ إِيمَانٍ
فَأَخْرِجُوهُ فَيُخْرِجُونَ مَنْ عَرَفُوا قَالَ أَبُو سَعِيدٍ فَإِنْ
لَمْ تُصَدِّقُونِي فَاقْرَءُوا ﴿إِنَّ اللهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ
وَإِنْ تَكُ حَسَنَةً يُضَاعِفْهَا﴾ فَيَشْفَعُ النَّبِيُّونَ
وَالْمَلَائِكَةُ وَالْمُؤْمِنُونَ فَيَقُولُ الْجَبَّارُ بَقِيَتْ
شَفَاعَتِي فَيَقْبِضُ قَبْضَةً مِنَ النَّارِ فَيُخْرِجُ أَقْوَامًا قَدِ
امْتُحِشُوا فَيُلْقَوْنَ فِي نَهَرٍ بِأَفْوَاهِ الْجَنَّةِ يُقَالُ لَهُ مَاءُ
الْحَيَاةِ فَيَنْبُتُونَ فِي حَافَتَيْهِ كَمَا تَنْبُتُ الْحِبَّةُ فِي
حَمِيلِ السَّيْلِ قَدْ رَأَيْتُمُوهَا إِلَى جَانِبِ الصَّخْرَةِ وَإِلَى
جَانِبِ الشَّجَرَةِ فَمَا كَانَ إِلَى الشَّمْسِ مِنْهَا كَانَ أَخْضَرَ
وَمَا كَانَ مِنْهَا إِلَى الظِّلِّ كَانَ أَبْيَضَ فَيَخْرُجُونَ كَأَنَّهُمْ

سے الگ تھے، اور آج کے دن ہم ان سے الگ ہونے کے زیادہ
محتاج ہیں، اور بے شک ہم نے ایک منادی سے سنا وہ ندا کر رہا
تھا: ہر قوم اس سے جا کر ملے جس کی وہ عبادت کرتی تھی، اور ہم
اپنے رب کا انتظار کر رہے ہیں، پس ان کے پاس الجبار اس
صورت میں آئے گا جو اس صورت کی غیر ہوگی جس صورت میں
انہوں نے اس کو پہلی مرتبہ دیکھا تھا، پس فرمائے گا: میں تمہارا رب
ہوں تو وہ کہیں گے: تو ہمارا رب ہے، اور اس دن اللہ تعالیٰ سے
انبیاء کے سوا کوئی کلام نہیں کرے گا، پس وہ فرمائے گا: کیا
تمہارے اور تمہارے رب کے درمیان کوئی علامت ہے جس کو تم
پہچانتے ہو؟ تو وہ کہیں گے: الساق (پنڈلی)، پس اللہ تعالیٰ اپنی
پنڈلی کو کھولے گا، سو اللہ تعالیٰ کے لیے ہر مومن سجدہ کرے گا اور وہ
باقی رہ جائے گا جو اللہ تعالیٰ کو دکھاوے اور سنانے کے لیے سجدہ
کرتا تھا، پس وہ سجدہ کرنے کی کوشش کرے گا تو اس کی پیٹھ ایک
تختہ کی طرح ہو جائے گی، پھر پل صراط کو لایا جائے گا اور اس کو جہنم
کے درمیان رکھ دیا جائے گا، ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ پل
کیسا ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ پھسلنے کی جگہ ہوگی، اس پر
خطاطیف اور کلالیب یعنی آنکڑے ہوں گے (یعنی بہت
چوڑے چوڑے کانٹے ہوں گے) اور حسکۃ ہوں گے یعنی
کانٹے، اور مفلطحۃ یعنی وہ بہت چوڑے ہوں گے، عقیفاء
ہوں گے یعنی وہ مڑے ہوئے ہوں گے، یہ کانٹے نجد میں ہوتے
ہیں جن کو سعدان کہا جاتا ہے، مومن ان کے اوپر سے پلک جھپکنے
میں گزر جائے گا اور بجلی کی مثل اور تیز آندھی کی مثل اور تیز رفتار
گھوڑوں اور اونٹوں کی مثل گزر جائیں گے، پس کوئی صحیح سلامت
نجات پانے والا ہوگا اور بعض جہنم کی آگ سے جھلس کر بچنے والے
ہوں گے یہاں تک کہ آخری شخص اس پر سے گھسٹتے ہوئے
گزرے گا، تم آج مجھ سے اپنے حق کا جس طرح مطالبہ کرتے
ہو، اس دن اس سے زیادہ شدت کے ساتھ مومنین اللہ تعالیٰ سے

اللُّؤْلُؤُ فَيُجْعَلُ فِي رِقَابِهِمُ الْخَوَاتِيمُ فَيَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ فَيَقُولُ أَهْلُ الْجَنَّةِ هَؤُلَاءِ عُتَقَاءُ الرَّحْمَنِ أَدْخَلَهُمُ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ عَمَلٍ عَمِلُوهُ وَلَا خَيْرٍ قَدَّمُوهُ فَيُقَالُ لَهُمْ لَكُمْ مَا رَأَيْتُمْ وَمِثْلَهُ مَعَهُ۔

تقاضا اور مطالبہ کریں گے، اور جب وہ دیکھیں گے کہ ان کے بھائیوں میں سے ان کو نجات مل چکی ہے تو وہ کہیں گے :اے ہمارے رب! ہمارے بھائی بھی وہ لوگ ہیں جو ہمارے ساتھ نمازیں پڑھتے تھے اور ہمارے ساتھ روزے رکھتے تھے اور ہمارے ساتھ نیک اعمال کرتے تھے، تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: جاؤ تم جس کے دل میں بھی ایک دینار کے برابر ایمان کو دیکھو اس کو دوزخ سے نکال دو، اور اللہ تعالیٰ ان کی صورتوں کو دوزخ پر حرام فرمادے گا، پھر وہ ان کے پاس آئیں گے اور ان میں سے بعض اپنے قدموں تک دوزخ میں غائب ہو چکے ہوں گے اور بعض نصف پنڈلیوں تک، پس وہ ان کو دوزخ سے نکال لیں گے جن کو وہ پہچانتے ہوں گے، پھر لوٹ کر آئیں گے پس اللہ عزوجل فرمائے گا: جاؤ جس کے دل میں بھی تم نصف دینار کے برابر ایمان کو پاؤ اس کو دوزخ سے نکال لو، پس وہ ان کو نکالیں گے جن کو پہچانتے ہوں گے، پھر لوٹ آئیں گے، پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جاؤ جس کے دل میں بھی تم ایک ذرہ کے برابر بھی ایمان کو پاؤ اس کو دوزخ سے نکال لو، پس وہ ان کو نکالیں گے جن کو پہچانتے ہوں گے۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر تم میری تصدیق نہیں کرتے تو یہ آیت پڑھو:

''بے شک اللہ ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا اور اگر کوئی نیکی ہو تو اس کو دگنا کر دیتا ہے''۔(النساء:۴۰)

پھر انبیاء علیہم السلام شفاعت کریں گے اور فرشتے اور مومنین شفاعت کریں گے، پس الجبار فرمائے گا: میری شفاعت باقی بچ گئی، پھر اللہ تعالیٰ دوزخ کی آگ سے ایک مٹھی بھر لے گا، پھر ان لوگوں کو دوزخ سے نکالے گا جو جل کر کوئلہ ہو چکے ہوں گے، پھر ان کو جنت کے مونہوں پر جو نہریں ہیں ان میں ڈال دیا جائے گا جس کو آبِ حیات کہتے ہیں، پس وہ اس کے کناروں میں اُگنے لگیں گے جیسا کہ دانہ۔ تم نے اس دانہ کو چٹان کے قریب اور درخت کے

قریب دیکھا ہوگا، جس کو سورج کی دھوپ لگتی ہے وہ سبز ہوتا ہے اور جو سائے میں ہوتا ہے وہ سفید ہوتا ہے، پس لوگ اس نہر سے موتیوں کی طرح نکلیں گے، پھر ان کی گردنوں میں مہریں لگا دی جائیں گی اور وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے، اہل جنت کہیں گے: یہ رحمٰن کے آزاد کردہ لوگ ہیں، اللہ نے بغیر کسی عمل کے جو انہوں نے کیا ہوا اور بغیر کسی نیکی کے جو انہوں نے آگے بھیجی ہو جنت میں داخل کیا ہے، ان سے کہا جائے گا: تمہارے لیے ہے جو تم نے دیکھا اور اس کی مثل اور بھی۔

(صحیح البخاری: ۴۵۸۱، ۴۹۱۹، ۶۵۶۰، ۷۴۳۸، ۷۴۳۹، صحیح مسلم: ۱۸۴، مسند احمد: ۱۱۱۳۹)

صحیح البخاری: ۷۴۳۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ نَّاضِرَةٌ ۙ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ" (القیامۃ: ۲۲۔۲۳) (اس دن بہت چہرے تروتازہ ہوں گے O اپنے رب کی طرف دیکھنے والے ہوں گے O)، اور اس باب میں بھی اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کا ذکر ہے کہ مومنین اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے اور اس سے کلام کریں گے۔

حدیث مذکور کے بعض مشکل الفاظ کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "لا تضارون" یعنی تم کو ضرر لاحق نہیں ہوگا اور نہ تم ایک دوسرے کی مخالفت کرو گے اور نہ تم ایک دوسرے سے جھگڑا کرو گے۔ اور یہ لفظ تشدید کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے یعنی "لا تضارّون احدا" تم کسی کو ضرر نہیں پہنچاؤ گے۔
حدیث کا معنی یہ ہے کہ جب آسمان صاف ہو تو تم کو سورج اور چاند کے دیکھنے میں کوئی ضرر نہیں ہوتا، سو تم قیامت کے دن اپنے رب کو اسی طرح دیکھو گے اور تمہیں کوئی ضرر نہیں ہوگا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "واصحاب کل الهة مع الهة" یعنی ہر خدا کی پرستش کرنے والے اپنے خداؤں کے ساتھ ہوں گے۔
اس حدیث میں مذکور ہے "وغبرات" اس کا معنی ہے بقایا، علامہ کرمانی نے کہا: یہ غابر کی جمع ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے بلکہ یہ غبر کی جمع ہے، اور کسی چیز کے بقیہ کو غبر کہتے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "کانها سراب" سراب کا معنی ہے کہ وسیع ریگستان میں دوپہر کی شدید گرمی میں انسان کو چمکتی ہوئی ریت پانی کی طرح دکھائی دیتی ہے، اس کو سراب کہتے ہیں، قرآن مجید میں ہے:

وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ اور کافروں کے اعمال ہموار زمین میں چمکتی ہوئی ریت کی مثل ہیں

الظَّمْاٰنُ مَآءً ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ یَجِدْهُ شَیْـٴًـا۔ جس کو پیاسا دور سے پانی گمان کرتا ہے حتیٰ کہ جب وہ اس کے قریب پہنچتا ہے تو اس کو کچھ بھی نہیں پاتا۔ (النور:۳۹)

اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ جب عیسائی اور بت پرست پانی کو طلب کریں گے تو انہیں جہنم کے نیچے پھینک دیا جائے گا اور وہاں ان کو سراب دکھائی دیگا جس کو وہ پانی سمجھیں گے۔

اس حدیث میں مذکور ہے''عُزَیر'' عزیر کا لفظ اگر چہ عجمی ہے اور عَلَم ہے اس کے باوجود وہ نوح اور لوط کی طرح منصرف ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے''فیقال کذبتم'' یعنی کہا جائے گا کہ تم نے جھوٹ بولا۔

اس پر یہ اعتراض ہے کہ وہ لوگ اپنے اس قول میں صادق تھے کہ وہ عزیر کی عبادت کرتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ان کو جھوٹا اس لیے کہا گیا ہے کہ انہوں نے عزیر کو اللہ کا بیٹا کہا۔

اس حدیث میں مذکور ہے''فیتساقطون'' پس وہ لوگ جہنم میں گریں گے کیونکہ ان کو شدید پیاس ہوگی اور جہنم کی گرمی سخت ہوگی۔

مومنین کے کفار اور بت پرستوں کے ساتھ نہ جانے کا سبب

اس حدیث میں مذکور ہے''مایحبسکم'' یعنی تم کو کس چیز نے روکا اور کس چیز نے جانے سے منع کیا، یعنی تم عیسائیوں اور یہودیوں اور بت پرستوں کے ساتھ کیوں نہیں گئے؟

اس حدیث میں مذکور ہے''فیقولون فارقناھم'' یعنی ہم دنیا میں ان کفار سے الگ رہے حالانکہ اس وقت میں ہم ان کے اب سے زیادہ محتاج تھے، اس کا معنی ہے: ہمارے رشتہ دار اور ہمارے اصحاب جو اپنی زندگی کی گزران میں ان کے محتاج تھے تو اے اللہ! تیری اطاعت کو لازم سمجھنے کی وجہ سے اور دین کے دشمنوں سے مقاطعہ کرنے کی وجہ سے ہم دنیا میں ان سے الگ رہے، تو اب آخرت میں ان کے ساتھ کیسے ہوں گے، اور اس کلام سے ان کی غرض یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف فریاد کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کفار کے ساتھ دوزخ میں نہ رکھے، گویا انہوں نے کہا: جس طرح ہم دنیا میں ان کے مصاحب نہیں تھے اسی طرح آخرت میں بھی ہم ان کے مصاحب نہیں ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کی صورت کی توجیہ

اس حدیث میں مذکور ہے''فی صورۃ''، حدیث میں مذکور ہے''فیاتیھم الجبار فی صورۃ غیر صورتہ التی راوہ فیھا اول مرۃ'' یعنی جبار (اللہ تعالیٰ) ان کے پاس اس صورت میں آئے گا جو اس صورت کے علاوہ ہوگی جس صورت میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کو پہلی مرتبہ دیکھا تھا، یہاں پر صورت، صفت کے معنی میں ہے۔

جس صورت میں انہوں نے جبار کو پہلی مرتبہ دیکھا تھا، اس سے مراد یہ ہے کہ جب حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد کو ان کی پشت سے نکالا گیا تو ان کی اولاد نے اللہ تعالیٰ کو پہچان لیا تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے دنیا میں یہ معرفت بھلا دی، پھر ان کو آخرت میں وہ صورت دکھا کر یاد دلائے گا۔

اس حدیث میں مذکور ہے''فاذا راینا ربنا عرفناہ'' یعنی جب ہم اپنے رب کو دیکھیں گے تو ہم اس کو پہچان لیں گے۔

اس حدیث پر یہ اشکال ہے کہ ان کا رب ان کے پاس کیسے کسی صورت میں آئے گا جس سے وہ اس کو پہچان لیں گے؟
اس کے جواب میں علامہ ابن بطال نے بیان کیا کہ المہلب نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے ایک فرشتہ بھیجے گا تا کہ ان کی آزمائش کرے کہ وہ اپنے رب کی صفات کے بارے میں کیا اعتقاد رکھتے ہیں جس کی مثل کوئی چیز نہیں ہے، پس جب وہ فرشتہ ان سے کہے گا کہ میں تمہارا رب ہوں، تو وہ اس کے قول کو رد کر دیں گے کیونکہ وہ اس فرشتہ پر مخلوق کی صفت کو دیکھیں گے، اور انہوں نے کہا کہ جب ہمارے پاس ہمارا رب آئے گا تو ہم اس کو پہچان لیں گے، اس کا معنی یہ ہے کہ جب وہ ہمارے لیے ایسے ملک میں ظاہر ہوگا جو اس کے غیر کے لیے ممکن نہیں ہے اور ایسی عظمت میں ظاہر ہوگا کہ کوئی مخلوق اس عظمت کے مشابہ نہیں ہے تو اس وقت وہ کہیں گے: تو ہمارا رب ہے۔

''کشفِ ساق'' کو اللہ تعالیٰ کی تجلی قرار دینا

اس حدیث میں مذکور ہے ''هل بينكم وبينه آية تعرفونه؟ فيقولون: السّاق'' یعنی کیا تمہارے اور تمہارے رب کے درمیان کوئی ایسی علامت ہے جس سے تم اپنے رب کو پہچان لو گے؟ تو وہ کہیں گے: ہاں! الساق (پنڈلی) ہے۔
مومنین جو کہیں گے کہ ہمارے اور ہمارے رب کے درمیان علامت ''الساق'' ہے تو ہو سکتا ہے کہ مومنین کو اللہ تعالیٰ نے رسولوں کی زبانوں سے یہ بتا دیا ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تجلی کی علامت پنڈلی قرار دی ہے۔
اس حدیث میں مذکور ہے ''یکشف'' یعنی اللہ تعالیٰ پنڈلی کو کھولے گا اور پنڈلی کے کھولنے کا معنی ہے: اس دن کی شدت کو ظاہر کرنا، یا اس دن کی ہولناکی کو ظاہر کرنا، اور عرب والے بطورِ مثال کے جب جنگ شدید ہو تو کہتے ہیں ''قامت الحرب علی ساق''
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اس آیت کی تفسیر میں منقول ہے کہ کشفِ ساق کسی امر کی شدت سے کنایہ ہے، اور دوسرا قول ہے کہ اس سے مراد ہے نورِ عظیم، تیسرا قول ہے کہ اس سے مراد ہے فرشتوں کی ایک جماعت، اور ایک قول ہے کہ ساق کا معنی یہاں پر نفس ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات ان پر تجلی فرمائے گی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۱۹۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

''کشفِ ساق'' کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

''کشف ساق'' یعنی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے پنڈلی کھولنے کے متعدد محامل

علامہ ابن بطال نے المہلب سے نقل کیا ہے: اللہ تعالیٰ ان کے پاس ایک فرشتہ کو بھیجے گا تا کہ مومنین کا ان کے رب کی صفات کے اعتقاد کا امتحان لے جس کی مثل کوئی چیز نہیں ہے، پس جب وہ فرشتہ یہ کہے گا کہ میں تمہارا رب ہوں تو مومنین اس کو مسترد کر دیں گے کیونکہ وہ اس فرشتہ کے اوپر مخلوق کی صفات کو دیکھیں گے، پس اس حدیث میں مومنین کا یہ قول ہے کہ جب ہمارا رب آئے گا تو ہم اس کو پہچان لیں گے، یعنی جب ہم پر یہ ظاہر ہوگا کہ اس کا ایسا ملک ہے جو کسی اور کا ملک نہیں ہو سکتا اور اس کی ایسی عظمت ہے کہ وہ مخلوقات میں سے کسی چیز کے مشابہ نہیں ہے تو اس وقت وہ کہیں گے کہ تو ہمارا رب ہے، اور یہ جو حدیث میں ہے کہ کیا تمہارے اور تمہارے رب کے درمیان کوئی ایسی علامت ہے جس سے تم اس کو پہچان لو تو وہ کہیں گے: ہاں پنڈلی ہے، اس کی توجیہ میں یہ ہو سکتا

ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی زبانوں سے یا انبیاء علیہم السلام کی زبانوں سے مومنین کو یہ بتا دیا ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تجلی کی علامت ''ساق'' قرار دی ہے، اور یہ اس وقت ہوگا جب اللہ تعالیٰ ان کی آزمائش کے لیے ان کے پاس کسی فرشتہ کو بھیجے گا اور وہ کہے گا: میں تمہارا رب ہوں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''یَوۡمَ یُکۡشَفُ عَنۡ سَاقٍ ۔۔۔ (القلم: ۴۲)'' یہ کسی امر کی شدت سے کنایہ ہے، اور جب جنگ بہت شدید ہو تو عرب کہتے ہیں ''قامت الحرب علی ساق''۔

اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر میں منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نورِ عظیم ہے، ابن فورک نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ وہ مومنین کے لیے فوائد اور الطاف پے در پے نازل فرمائے گا۔

اور المہلب نے کہا ہے: پنڈلی کھولنا مومنین کے لیے رحمت ہے اور دوسروں کے لیے عذاب ہے۔

اور علامہ الخطابی نے کہا ہے: بہت سے شیوخ نے پنڈلی کے معنی میں غور کیا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی اس قدرت کو کھولے گا جس سے شدت ظاہر ہوگی۔

اور علامہ الخطابی نے کہا ہے: کبھی ساق یعنی پنڈلی کے لفظ کا اطلاق کیا جاتا ہے اور اس سے نفس مراد ہوتا ہے۔

حدیثِ مذکور سے اشاعرہ کا تکلیف مالا یطاق کو جائز قرار دینا اور ان کے دیگر دلائل

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''منافقین جب سجدہ کرنا چاہیں گے تو ان کی کمر ایک تختہ کی طرح ہو جائے گی''۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے: حدیث کے اس جملہ سے اشاعرہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ تکلیف مالا یطاق جائز ہے، اور انہوں نے ابولہب کے قصہ سے بھی استدلال کیا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے ابولہب کو ایمان کا مکلف کیا، جب کہ اللہ تعالیٰ یہ خبر دے چکا ہے کہ وہ کفر پر مرے گا، فرمایا: ''سَیَصۡلٰی نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝ ۔۔۔ (اللہب: ۳)'' (وہ عنقریب سخت شعلوں والی آگ میں جائے گا ○)

اشاعرہ کے دلائل کا جمہور اہلسنت کی طرف سے جواب

فقہاء نے تکلیف مالا یطاق سے منع کیا ہے، ان کا اس آیت سے استدلال ہے:

لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَهَا (البقرہ: ۲۸۶) اللہ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ کا مکلف نہیں کرتا۔

اشاعرہ نے اس حدیث سے اس طرح استدلال کیا تھا کہ منافقین کی کمر تختہ کی طرح ہو چکی تھی پھر بھی انہیں سجدہ کرنے کا حکم دیا، ان کا سجدہ کرنا ممکن نہیں تھا، پھر بھی ان کو سجدہ کرنے کا حکم دیا، اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص کے لیے کسی کام کا کرنا محال ہو اس کو بھی اس کام کا مکلف کرنا جائز ہے۔

جمہور فقہاء نے اس استدلال کا یہ جواب دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو سرزنش کرنے اور جھڑکنے کی وجہ سے اور ان کو لاجواب کرنے کی وجہ سے سجدہ کرنے کا حکم دیا، کیونکہ دنیا میں انہوں نے اپنے آپ کو سجدہ کرنے والے مومنین میں داخل کیا ہوا تھا، تو قیامت کے دن انہیں مومنین کے ساتھ سجدہ کرنے کا حکم دیا اور ان سے سجدہ کرنا مشکل ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس سے ان کے نفاق کو ظاہر کیا اور ان کو شرمندہ اور رسوا کیا، اور جس طرح منافقین کو شرمندہ اور ذلیل کرنے کے لیے اور ان کی سرزنش کرنے کے لیے انہیں

مومنین کے ساتھ سجدہ کرنے کا قیامت کے دن حکم دیا جائے گا اور ان سے سجدہ نہیں ہو سکے گا اور ان کی کمر تختہ کی طرح ہو جائے گی، اس کی نظیر درج ذیل آیت ہے:

يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ؕ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ؕ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ﴿۱۳﴾ (الحدید: ۱۳)

جس دن منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں سے کہیں گے: تم ہماری طرف دیکھو ہم تمہارے نور سے کچھ روشنی حاصل کریں، ان سے کہا جائے گا: تم اپنے پیچھے لوٹ جاؤ، پھر کوئی نور حاصل کرو، پس ان کے درمیان ایک دیوار حائل کر دی جائے گی جس میں دروازہ ہوگا، اس کے اندرونی حصہ میں رحمت ہوگی اور اس کے باہر کی جانب عذاب ہوگا O

الحدید: ۱۳ کی تفسیر از مصنف

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: قیامت کے دن لوگ اندھیروں میں ہوں گے، پھر اللہ تعالیٰ ایک نور بھیجے گا، جب مومنین اس نور کو دیکھیں گے تو اس نور کی جانب چل پڑیں گے اور وہ نور جنت کی طرف رہنمائی کرے گا، پس جب منافقین دیکھیں گے کہ مومنین اس نور کی روشنی میں جنت کی طرف جا رہے ہیں تو وہ بھی مومنین کے پیچھے چل پڑیں گے، تب اللہ تعالیٰ منافقین پر اندھیرا کر دے گا، اس وقت منافقین مومنوں سے کہیں گے: تم ہماری طرف دیکھو، ہم بھی تمہارے نور سے روشنی حاصل کریں کیونکہ ہم بھی دنیا میں تمہارے ساتھ رہے تھے، تو مومنین کہیں گے: تم اسی اندھیرے میں لوٹ جاؤ جہاں سے آئے تھے اور وہیں نور تلاش کرو۔

(جامع البیان: ۲۶۰۲۷)

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: جس طرح قیامت کے دن منافقین کو سرزنش کرنے اور شرمندہ کرنے کے لیے کہا جائے گا: تم اپنے پیچھے لوٹ جاؤ اور وہیں نور کو تلاش کرو، اور یہ تکلیف مالایطاق نہیں ہے بلکہ ان کی رسوائی و شرمندگی کو ظاہر کرنے کے لیے ہے، اور اسی کی مثال وہ حدیث ہے جس میں قیامت کے دن ایک شخص کو جَو میں گرہ لگانے کا حکم دیا جائے گا، حالانکہ جَو میں گرہ لگانا محال ہے اور یہ محال کے ساتھ مکلف کرنا نہیں ہے بلکہ اس شخص کی سرزنش اور اس کی ڈانٹ ڈپٹ میں اضافہ کے لیے ہے، اور فقہاء نے ابولہب کے قصہ کا جواب نہیں دیا۔

اور بعض علماء نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ تکلیف مالایطاق کا مسئلہ صرف ایمان لانے کے مکلف کرنے کے ساتھ نہیں ہے۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۵۵۷۔ ۵۵۸، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

مصنف کی طرف سے ابولہب کو ایمان کے مکلف کرنے کا جواب

میں کہتا ہوں کہ ابولہب کا ایمان لانا اس لیے محال ہے کہ اللھب: ۳ کا لحاظ کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ فرما چکا ہے کہ "وہ عنقریب سخت شعلوں والی آگ میں میں جائے گا" اور ابولہب کو جو اللہ تعالیٰ نے ایمان لانے کا حکم دیا، وہ اللھب: ۳ سے قطع نظر کر کے دیا ہے، یعنی فی نفسہٖ اس کا ایمان لانا ممکن ہے اور اللھب: ۳ کے اعتبار سے اس کا ایمان لانا محال ہے، خلاصہ یہ ہے کہ اس کا ایمان لانا ممکن بالذات ہے اور ممتنع بالغیر ہے، اور اس کو فی نفسہٖ ایمان لانے کا حکم دیا ہے نہ کہ اس اعتبار سے کہ اللہ تعالیٰ اس کے متعلق خبر دے چکا

ہے کہ وہ دوزخ میں داخل ہوگا۔

نیز علامہ بدرالدین عینی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

منافقین کی پشتوں کا تختہ کی طرح ہو جانا ان کی سرزنش اور مذمت کی وجہ سے ہے

اس حدیث میں مذکور ہے "جب اللہ تعالیٰ اپنی پنڈلی کو کھولے گا تو ہر مومن اس کو سجدہ کرے گا اور جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کو دکھانے اور سنانے کے لیے سجدہ کرتا تھا وہ کھڑا رہے گا، پس وہ سجدہ کرنے کے لیے جائے گا تو اس کی پشت ایک تختہ کی طرح ہو جائے گی"۔

یعنی اس کی پشت ایک تختہ کی طرح ہو جائے گی اور مڑ نہیں سکے گی تو وہ سجدہ پر قادر نہیں ہوگا، دوسرا قول یہ ہے کہ طبق سے مراد ہے وہ رقیق ہڈی جو ہر دو جوڑوں کے درمیان ہوتی ہے، اور ان کے ساتھ یہ معاملہ اس لیے کیا جائے گا تا کہ ان کو سرزنش کی جائے اور ڈانٹ ڈپٹ کی جائے، کیونکہ انہوں نے اپنے زعم میں اپنے آپ کو ان مومنین میں داخل کر دیا تھا جو دنیا میں سجدہ کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ وہ اپنے سجدہ کرنے میں ریا کاری کرتے ہیں تو اس لیے انہیں آخرت میں سجدہ کرنے کے لیے بلایا جائے گا جیسا کہ مومنین کو بلایا جائے گا اور منافقین کے اوپر سجدہ کرنا مشکل ہو جائے گا اور ان کی پشتیں ایک تختہ کی طرح ہو جائیں گے اور اللہ تعالیٰ اس سے ان کے نفاق کو ظاہر کرے گا۔

مدحضة، مزلة، خطاطیف، کلالیب، حسکة، مفلطحة اور عقیفاء کے معانی

اس حدیث میں "مدحضة" کا لفظ ہے، جب کسی شخص کا پیر پھسل جائے تو کہتے ہیں "دحضت رِجله دحضا"۔

اس حدیث میں مذکور ہے "مزلة" یہ "زلت الاقدام" سے ماخوذ ہے یعنی ایسی جگہ جہاں سے قدم پھسل جائیں اور یہ دونوں لفظ متقارب المعنی ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "خطاطیف" یہ خطاف کی جمع ہے اور یہ آنکڑے کے لوہے کو کہتے ہیں جس سے کسی چیز کو پکڑ کر اٹھایا جاتا ہے، اور الکلالیب، کلوب کی جمع ہے، اس کا معنی آنکڑا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "حسکة" اس کا معنی ہے: سخت اور مضبوط کانٹا۔ علامہ ابن الاثیر نے کہا: "الحسك" وہ نبات ہے جس کا سخت پھل ہوتا ہے اور وہ بکریوں کے اون سے متعلق ہوتا ہے۔ اور الجوہری نے کہا کہ "الحسك" درختِ سعدان کا کانٹا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "مفلطحة" اس کا معنی ہے عریضة، یعنی چوڑا۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "عقیفاء" اور اس لفظ کو عقیفة بھی پڑھا گیا ہے کریمة کے وزن پر، اس کا معنی ہے: جس کا سر مڑا ہوا ہو جیسے کھونٹی یا ٹک میں ہوتا ہے۔

پل صراط سے گزرنے والوں کی کیفیات

اس حدیث میں مذکور ہے "المومن علیها کالطرف" یعنی مومن پل صراط سے پلک جھپکنے کی مثل گزر جائے گا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وکأجاوید الخیل" اور مومن عمدہ گھوڑوں کی طرح سے پل صراط سے گزرے گا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "مسلّم مخدوش" یعنی بعض مومن تو سلامتی کے ساتھ گزر جائیں گے اور بعض مومن اس طرح

گزریں گے کہ ان کے جسم پھٹے ہوئے ہوں گے اور اس میں خراشیں پڑی ہوئی ہوں گی، علامہ کرمانی نے کہا: اس کا معنی ہے: مخموش، یعنی چہرہ کو ناخنوں سے نوچنا۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "مکدوس" یعنی وہ پچھاڑا ہوا ہوگا اور گرا ہوا ہوگا اور دھتکارا ہوا ہوگا۔

خلاصہ یہ ہے کہ پل صراط سے گزرنے والوں کی تین قسمیں ہوں گی: ایک قسم وہ ہوگی جو صحیح سلامت ہوگا اسے کوئی ضرر نہیں پہنچا ہوگا، اور دوسری قسم وہ ہے کہ اس پر خراشیں ہوں گی، پھر وہ خراشوں کے زخموں کے ساتھ نجات پا جائے گا، اور تیسری قسم وہ ہے جو پل صراط سے دھتکار کر گرا دیا جائے گا اور جہنم میں گر جائے گا۔

مومنین کا اپنے بھائیوں کی پرزور سفارش کرنا

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "تم آج مجھ سے اپنے حق کا جس طرح مطالبہ کرتے ہو، اس دن اس سے زیادہ شدت کے ساتھ مومنین اللہ تعالیٰ سے تقاضا اور مطالبہ کریں گے"۔ یعنی تم دنیا میں مجھ سے جب بھی اپنے کسی حق کا مطالبہ کرتے تھے اس سے زیادہ شدت کے ساتھ تم آخرت میں مومنین کی شفاعت کرو گے اور ان کی نجات کا سوال کرو گے، اور اس حدیث سے مقصود یہ ہے کہ مومنین اپنے بھائیوں کی نجات کے لیے، بہت زیادہ گڑگڑا کر شفاعت کریں گے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ "اللہ تعالیٰ ان کو ان کے بغیر کسی عمل کے جنت میں داخل کر دے گا"۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو صرف ان کے ایمان کی وجہ سے جنت میں داخل کر دے گا۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ فرشتے بھی شفاعت کریں گے اور انبیاء بھی شفاعت کریں گے اور مومنین بھی شفاعت کریں گے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۱۹۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۴۴۰۔ وَقَالَ حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ حَدَّثَنَا هَمَّامُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَنَسٍ رضى الله عنه أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ يُحْبَسُ الْمُؤْمِنُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتَّى يُهِمُّوا بِذَلِكَ فَيَقُولُونَ لَوِ اسْتَشْفَعْنَا إِلَى رَبِّنَا فَيُرِيحُنَا مِنْ مَكَانِنَا فَيَأْتُونَ آدَمَ فَيَقُولُونَ أَنْتَ آدَمُ أَبُو النَّاسِ خَلَقَكَ اللهُ بِيَدِهِ وَأَسْكَنَكَ جَنَّتَهُ وَأَسْجَدَ لَكَ مَلَائِكَتَهُ وَعَلَّمَكَ أَسْمَاءَ كُلِّ شَيْءٍ لِتَشْفَعْ لَنَا عِنْدَ رَبِّكَ حَتَّى يُرِيحَنَا مِنْ مَكَانِنَا هَذَا قَالَ فَيَقُولُ لَسْتُ هُنَاكُمْ قَالَ وَيَذْكُرُ خَطِيئَتَهُ الَّتِي أَصَابَ أَكْلَهُ مِنَ الشَّجَرَةِ وَقَدْ نُهِيَ عَنْهَا وَلَكِنِ ائْتُوا نُوحًا أَوَّلَ نَبِيٍّ بَعَثَهُ اللهُ إِلَى أَهْلِ الْأَرْضِ فَيَأْتُونَ نُوحًا فَيَقُولُ لَسْتُ هُنَاكُمْ وَيَذْكُرُ خَطِيئَتَهُ الَّتِي أَصَابَ سُؤَالَهُ

اور حجاج بن منہال نے کہا: ہمیں ہمام بن یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں قتادہ نے حدیث بیان کی از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک نبی ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن مومنین کو روک لیا جائے گا حتیٰ کہ وہ حصولِ شفاعت کا قصد کریں گے، پس وہ کہیں گے: کاش ہم اپنے رب کی طرف کسی کی شفاعت طلب کریں جو ہم کو اس جگہ سے راحت میں پہنچائے، پس وہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے، پس کہیں گے: آپ آدم ہیں تمام لوگوں کے باپ، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے دستِ قدرت سے پیدا کیا اور آپ کو اپنی جنت میں ٹھہرایا اور آپ کے لیے فرشتوں سے سجدہ کرایا، اور آپ کو ہر چیز کے نام کی تعلیم دی، پس چاہیے کہ آپ اپنے رب کے پاس ہماری شفاعت کریں حتیٰ کہ وہ ہم کو اس جگہ سے راحت میں پہنچائے، نبی

رَبَّهُ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَكِنِ ائْتُوا إِبْرَاهِيمَ خَلِيلَ الرَّحْمَنِ قَالَ فَيَأْتُونَ إِبْرَاهِيمَ فَيَقُولُ إِنِّي لَسْتُ هُنَاكُمْ وَيَذْكُرُ ثَلَاثَ كَلِمَاتٍ كَذَبَهُنَّ وَلَكِنِ ائْتُوا مُوسَى عَبْدًا آتَاهُ اللَّهُ التَّوْرَاةَ وَكَلَّمَهُ وَقَرَّبَهُ نَجِيًّا قَالَ فَيَأْتُونَ مُوسَى فَيَقُولُ إِنِّي لَسْتُ هُنَاكُمْ وَيَذْكُرُ خَطِيئَتَهُ الَّتِي أَصَابَ قَتْلَهُ النَّفْسَ وَلَكِنِ ائْتُوا عِيسَى عَبْدَ اللَّهِ وَرَسُولَهُ وَرُوحَ اللَّهِ وَكَلِمَتَهُ قَالَ فَيَأْتُونَ عِيسَى فَيَقُولُ لَسْتُ هُنَاكُمْ وَلَكِنِ ائْتُوا مُحَمَّدًا صلی اللہ علیہ وسلم عَبْدًا غَفَرَ اللَّهُ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَا تَأَخَّرَ فَيَأْتُونِي فَأَسْتَأْذِنُ عَلَى رَبِّي فِي دَارِهِ فَيُؤْذَنُ لِي عَلَيْهِ فَإِذَا رَأَيْتُهُ وَقَعْتُ سَاجِدًا فَيَدَعُنِي مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ يَدَعَنِي فَيَقُولُ ارْفَعْ مُحَمَّدُ وَقُلْ يُسْمَعْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ وَسَلْ تُعْطَ قَالَ فَأَرْفَعُ رَأْسِي فَأُثْنِي عَلَى رَبِّي بِثَنَاءٍ وَتَحْمِيدٍ يُعَلِّمُنِيهِ ثُمَّ أَشْفَعُ فَيَحُدُّ لِي حَدًّا فَأَخْرُجُ فَأُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ قَالَ قَتَادَةُ وَسَمِعْتُهُ أَيْضًا يَقُولُ فَأَخْرُجُ فَأُخْرِجُهُمْ مِنَ النَّارِ وَأُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ ثُمَّ أَعُودُ الثَّانِيَةَ فَأَسْتَأْذِنُ عَلَى رَبِّي فِي دَارِهِ فَيُؤْذَنُ لِي عَلَيْهِ فَإِذَا رَأَيْتُهُ وَقَعْتُ سَاجِدًا فَيَدَعُنِي مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ يَدَعَنِي ثُمَّ يَقُولُ ارْفَعْ مُحَمَّدُ وَقُلْ يُسْمَعْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ وَسَلْ تُعْطَ قَالَ فَأَرْفَعُ رَأْسِي فَأُثْنِي عَلَى رَبِّي بِثَنَاءٍ وَتَحْمِيدٍ يُعَلِّمُنِيهِ قَالَ ثُمَّ أَشْفَعُ فَيَحُدُّ لِي حَدًّا فَأَخْرُجُ فَأُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ قَالَ قَتَادَةُ وَسَمِعْتُهُ يَقُولُ فَأَخْرُجُ فَأُخْرِجُهُمْ مِنَ النَّارِ وَأُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ ثُمَّ أَعُودُ الثَّالِثَةَ فَأَسْتَأْذِنُ عَلَى رَبِّي فِي دَارِهِ فَيُؤْذَنُ لِي عَلَيْهِ فَإِذَا رَأَيْتُهُ وَقَعْتُ سَاجِدًا فَيَدَعُنِي مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ يَدَعَنِي ثُمَّ يَقُولُ ارْفَعْ مُحَمَّدُ وَقُلْ يُسْمَعْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ وَسَلْ تُعْطَهْ قَالَ فَأَرْفَعُ رَأْسِي فَأُثْنِي

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پس حضرت آدم کہیں گے: میں اس مرتبہ کا نہیں ہوں، آپ نے بتایا کہ وہ اپنی اس (اجتہادی) خطا کا ذکر کریں گے جو وہ کر چکے تھے، انہوں نے درخت ممنوع سے کھایا تھا حالانکہ ان کو اس سے کھانے سے منع کیا گیا تھا، لیکن تم حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ، وہ پہلے نبی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کی طرف بھیجا، پس مومنین حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے، وہ کہیں گے: میں اس مرتبہ کا نہیں ہوں اور اپنی اس (اجتہادی) خطاء کو یاد کریں گے جو وہ کر چکے تھے، انہوں نے بغیر علم کے اپنے رب سے سوال کیا تھا، لیکن تم حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن کے پاس جاؤ، آپ نے بتایا کہ پھر لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئیں گے، پس وہ کہیں گے کہ میں اس مرتبہ کا نہیں ہوں، اور وہ ان تین (بہ ظاہر) جھوٹی باتوں کو یاد کریں گے جو انہوں نے کی تھیں، لیکن تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ، وہ ایسے بندے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے تورات عطا کی اور ان سے کلام کیا اور ان کو قریب کر کے سرگوشی کی، پس مومنین حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے، سو وہ کہیں گے: بے شک میں اس مرتبہ کا نہیں ہوں اور وہ اپنی اس (اجتہادی) خطاء کو یاد کریں گے جو وہ کر چکے ہیں، انہوں نے ایک جان کو (تادیباً) قتل کر دیا تھا، لیکن تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ جو اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور اللہ کی (پسندیدہ) روح ہیں اور اس کا کلمہ ہیں، آپ نے بتایا کہ پھر مومنین حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے، وہ کہیں گے: میں اس مرتبہ کا نہیں ہوں لیکن تم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ، وہ ایسے بندے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے تمام اگلے اور پچھلے ظاہری ذنب (بہ ظاہر خلاف اولیٰ کیے ہوئے کام) کی مغفرت فرما دی ہے، پس مومنین میرے پاس آئیں گے، پس میں چل پڑوں گا، سو میں اپنے رب سے اس کے گھر (یعنی جنت) میں اجازت طلب کروں گا، سو میرے لیے شفاعت کی اجازت دی

عَلَى رَبِّي بِثَنَاءٍ وَتَحْمِيدٍ يُعَلِّمُنِيهِ قَالَ ثُمَّ أَشْفَعُ فَيَحُدُّ لِي حَدًّا فَأَخْرُجُ فَأُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ قَالَ قَتَادَةُ وَقَدْ سَمِعْتُهُ يَقُولُ فَأَخْرُجُ فَأُخْرِجُهُمْ مِنَ النَّارِ وَأُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ حَتَّى مَا يَبْقَى فِي النَّارِ إِلَّا مَنْ حَبَسَهُ الْقُرْآنُ أَيْ وَجَبَ عَلَيْهِ الْخُلُودُ قَالَ ثُمَّ تَلَا هَذِهِ الْآيَةَ ﴿عَسَى أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَحْمُودًا﴾ قَالَ وَهَذَا الْمَقَامُ الْمَحْمُودُ الَّذِي وُعِدَهُ نَبِيُّكُمْ ﷺ

جائے گی، سواس وقت میں اپنے آپ کو دیکھوں گا کہ میں سجدہ میں گرا ہوا ہوں، پس اللہ تعالیٰ جب تک چاہے گا مجھے (سجدہ میں) چھوڑے گا، پھر فرمائے گا: اے محمد! اٹھیے اور آپ کہیے آپ کی بات سنی جائے گی اور شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی اور آپ سوال کیجئے آپ کو عطا کیا جائے گا، سو میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور میں اپنے رب کی ایسی حمد وثنا کروں گا جس کی اس وقت مجھے اللہ تعالیٰ تعلیم دے گا، پھر میں شفاعت کروں گا، پس میرے لیے ایک حد مقرر کی جائے گی، پس میں نکلوں گا سو ان کو جنت میں داخل کردوں گا۔

قتادہ نے کہا: میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے بھی سنا ہے: پس میں نکلوں گا اور میں ان کو دوزخ سے نکالوں گا اور ان کو جنت میں داخل کردوں گا، پھر میں دوبارہ اپنے رب سے اس کے گھر میں اجازت طلب کروں گا، سو میرے لیے اجازت دی جائے گی، پس جب میں اسے دیکھوں گا تو سجدہ میں پڑ جاؤں گا، پس اللہ تعالیٰ جب تک چاہے گا مجھے چھوڑے رکھے گا، پھر فرمائے گا: اے محمد! اٹھیے اور آپ کہیے آپ کی بات سنی جائے گی، آپ شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی اور آپ سوال کیجئے آپ کو عطا کیا جائے گا، آپ نے بتایا: پس میں اپنا سر اٹھاؤں گا، پس میں اپنے رب کی ایسی حمد وثنا کروں گا جس کی مجھے اسی وقت اللہ تعالیٰ تعلیم دے گا، آپ نے بتایا: پھر میں شفاعت کروں گا، پس میرے لیے ایک حد مقرر کی جائے گی، پس میں نکلوں گا اور ان کو جنت میں داخل کردوں گا۔

قتادہ نے کہا: اور میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: پس میں نکلوں گا سو میں ان کو دوزخ سے نکالوں گا اور میں ان کو جنت میں داخل کردوں گا، پھر میں تیسری مرتبہ لوٹوں گا، پس اپنے رب سے اس کے گھر میں اجازت طلب کروں گا، سو میرے لیے اجازت دی جائے گی، پس جب میں اسے دیکھوں گا تو میں سجدہ میں پڑ جاؤں

گا، پس اللہ تعالیٰ مجھے سجدہ میں چھوڑے رکھے گا جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا، پھر فرمائے گا: اے محمد! اٹھیے، آپ کہیے آپ کی بات سنی جائے گی، آپ شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی، آپ سوال کیجئے آپ کو عطا کیا جائے گا، آپ نے بتایا: پس میں اپنا سر اٹھاؤں گا، پس میں اپنے رب کی ایسی حمد وثنا کروں گا جس کی مجھے اس وقت اللہ تعالیٰ تعلیم دے گا، آپ نے بتایا: پھر میں شفاعت کروں گا، پس میرے لیے ایک حد مقرر کی جائے گی، پس میں نکلوں گا اور ان کو جنت میں داخل کردوں گا۔

قتادہ نے کہا: اور میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: پس میں نکلوں گا اور ان کو دوزخ سے نکالوں گا اور ان کو جنت میں داخل کردوں گا حتیٰ کہ دوزخ میں صرف وہی باقی رہ جائیں گے جن کو قرآن نے روک رکھا ہے یعنی جن کے اوپر دوام اور خلود واجب ہوگیا ہے، پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی:

''عنقریب آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود پر فائز کرے گا O''

(بنی اسرائیل: ۷۹)

قتادہ نے کہا: یہ وہ مقامِ محمود ہے جس کا تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کیا گیا ہے۔

(صحیح البخاری: ۷۴۴۰، صحیح مسلم: ۱۹۳، سنن ابن ماجہ: ۴۳۱۲، مسند احمد: ۱۳۱۵۰)

صحیح البخاری: ۷۴۴۰، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

فرشتوں کے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا وقت

علامہ داؤدی نے کہا ہے: ہوسکتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اس وقت ان کو سجدہ کرنے کا حکم دیا ہو، اور یہ ایسا سجدہ ہے جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں نے سجدہ کیا تھا اور یہ سجدۂ شکر تھا، اس بناء پر کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ انعام کیا اور ان سب کو جمع کردیا۔

علامہ ابن ملقن کے بیان کیے ہوئے سجدہ کے وقت میں مصنف کا اختلاف

میں کہتا ہوں: زیادہ ظاہر یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ ''میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں تو فرشتوں نے

کہا: کیا آپ ایسے شخص کو اپنا خلیفہ بنائیں گے جو زمین میں فساد کرے گا اور خون ریزی کرے گا، حالانکہ ہم تیری حمد اور تسبیح کرتے ہیں اور تیری تقدیس کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک میں ان چیزوں کو جانتا ہوں جن کو تم نہیں جانتے O اور اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے نام سکھا دیئے، پھر ان چیزوں کو فرشتوں پر پیش کیا، پس فرمایا: تم اگر سچے ہو تو مجھے ان چیزوں کے نام بتاؤO فرشتوں نے کہا: تو پاک ہے، ہمیں صرف انہی چیزوں کا علم ہے جن کی تو نے ہمیں تعلیم دی ہے، بے شک تو ہی سب جاننے والا بڑی حکمت والا ہے O اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! ان فرشتوں کو ان چیزوں کے اسماء کی خبر دیجئے، پس جب حضرت آدم نے ان کو ان چیزوں کے نام بتا دیئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ بے شک میں آسمانوں اور زمینوں کا غیب جاننے والا ہوں اور میں ان چیزوں کو جانتا ہوں جن کو تم ظاہر کرتے تھے اور جن کو تم چھپاتے تھے O اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا: آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوا ابلیس کے، اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور وہ کافروں میں سے ہو گیاO (البقرہ: ۳۰۔۳۴)

ان آیات سے واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں پر حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلتِ علمی کو ثابت فرمایا، پھر ان کو حکم دیا کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں، اور ایسا نہیں ہوا کہ آدم علیہ السلام کو پیدا کرتے ہی اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو ان کے سجدہ کرنے کا حکم دیا ہو جیسا کہ علامہ ابن ملقن نے بیان کیا ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

حضرت نوح علیہ السلام کے نبی ہونے کا بیان

علامہ داؤدی نے کہا ہے: حضرت نوح علیہ السلام کے معاملہ میں اختلاف ہے، بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہلے رسول ہیں، اور احادیث میں آیا ہے کہ وہ رسول تھے نبی نہیں تھے، اور ایک قول یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے تھے نہ رسول تھے اور نہ نبی تھے۔

علامہ ابن ملقن کہتے ہیں: علامہ داؤدی کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ رسالت نبوت کو شامل ہوتی ہے، پس جو بھی رسول ہوتا ہے وہ نبی ہوتا ہے، اسی طرح جس حدیث میں ہے کہ نوح علیہ السلام پہلے نبی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے بھیجا، اور ایک حدیث میں ہے کہ وہ پہلے رسول ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے بھیجا، اس لیے کہ جب نبی کو بھیجا جائے گا تو وہ رسول ہو گا اور نبوت عام ہے اور رسالت خاص ہے اور ہر رسول نبی ہوتا ہے اور ہر نبی رسول نہیں ہوتا۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ حضرت نوح علیہ السلام وہ پہلے نبی تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا تو اس سے لازم آئے گا کہ آدم علیہ السلام نبی نہ ہوں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس طرح نہیں ہے، بلکہ حضرت آدم علیہ السلام بھی نبی تھے لیکن اس وقت روئے زمین پر لوگ موجود نہیں تھے جن کی طرف ان کو مبعوث کیا جاتا۔

حضرت نوح علیہ السلام نے جس دعا کی وجہ سے شفاعت کرنے سے گریز کیا، اس کا بیان اور اس کی توجیہ

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''حضرت نوح علیہ السلام شفاعت سے اس لیے گریز کریں گے کہ انہوں نے اپنے رب سے دعا کی تھی''، وہ دعا یہ ہے:

رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ﴿۲۶﴾ اے میرے رب! زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے والا نہ چھوڑ O (نوح:۲۶)

کفار کی ہلاکت کی دعا کرنا اگرچہ گناہ نہیں ہے لیکن حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بلند مرتبہ کے اعتبار سے اس کو بھی گناہ قرار دیا، کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اجازت طلب کر کے یہ دعا نہیں کی تھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تین ظاہری جھوٹ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کی قوم نے ان کو اپنے ساتھ میلہ میں جانے کے لیے کہا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ ﴿۸۸﴾ فَقَالَ اِنِّيْ سَقِيْمٌ ﴿۸۹﴾ پھر انہوں نے ستاروں کی طرف ایک نظر ڈالی O پھر کہا: میں بے شک بیمار ہونے والا ہوں O (الصافات:۸۸۔۸۹)

الصافات:۸۹ کی تفسیر از مصنف

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم ستارہ شناس اور ستارہ پرست تھی، اس لیے آپ نے ان کے ساتھ ان کے طریقہ کے مطابق معاملہ کیا اور اس طور سے حیلہ کیا جو ان کی رسم و رواج کے مطابق تھا، اور اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے بتوں کو توڑنے کے لیے حیلہ کرنا چاہتے تھے تاکہ ان کی بت پرستی کو باطل کیا جا سکے، دوسرے دن ان کی عید اور میلہ تھا، اور وہ لوگ میلہ میں جانے سے پہلے بتوں کے سامنے قربانیاں پیش کرتے تھے اور کھانے پینے کی چیزیں رکھتے تھے تاکہ ان سے بتوں کا تقرب اور تبرک حاصل ہو اور وہ میلہ سے واپس آ کر ان چیزوں کو کھائیں، انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا: آپ ہماری عید اور ہمارے میلہ میں ہمارے ساتھ چلیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستاروں کی طرف دیکھ کر کہا: میں بیمار ہوں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''سقیم'' سے مراد طاعون زدہ ہونا ہے اور وہ لوگ طاعون سے بہت گھبراتے تھے، حسن بصری نے کہا: ''سقیم'' سے مراد مریض ہے، اور مقاتل نے کہا: اس سے مراد ہے کہ مجھے درد ہے، اور الضحاک نے کہا: اس سے مراد ہے کہ میں عنقریب بیمار ہونے والا ہوں، پھر وہ لوگ پیٹھ پھیر کر چلے گئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے بتوں کو توڑ ڈالا۔

(معالم التنزیل ج ۴ ص ۳۴، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو فرمایا تھا ''اِنِّيْ سَقِيْمٌ ﴿۸۹﴾''، اس کا مطلب یہ تھا کہ میں عنقریب بیمار ہونے والا ہوں، یا مطلب یہ تھا کہ تمہارے کفر اور شرک کی وجہ سے میرا دل بیمار ہے، یا آپ نے بطور تعریض فرمایا کہ میں بیمار ہوں اور منشاء یہ تھا کہ میری قوم بیمار ہے، سو اس اعتبار سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اِنِّيْ سَقِيْمٌ ﴿۸۹﴾ کہنا حقیقت میں جھوٹ نہیں تھا لیکن بہ ظاہر جھوٹ تھا، اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بلند مرتبہ کی وجہ سے اس ظاہری جھوٹ کی وجہ سے بھی شفاعت سے گریز کیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دوسرا ظاہری جھوٹ

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قول کا ذکر فرمایا ہے:

بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ (الانبیاء:۶۳) بلکہ یہ کام ان کے بڑے نے کیا ہے O

بہ ظاہر آپ نے چھوٹے بتوں کو توڑنے کی نسبت بڑے بت کی طرف کی اور درحقیقت آپ نے خود ان بتوں کو توڑا تھا، کیونکہ ان چھوٹے بتوں کو توڑنے کا سبب وہ بڑا بت تھا، آپ اس کی خدائی کو باطل کرنا چاہتے تھے اور اس کے عجز کو ثابت کرنا چاہتے تھے اور سبب کی طرف بھی فعل کی نسبت کی جاتی ہے، جیسے قرآن مجید میں ہے:

یُذَبِّحُ اَبۡنَآءَهُمۡ (القصص:۴) وہ (فرعون) ان کے بیٹوں کو ذبح کر دیتا تھا۔

اس آیت میں فرعون کی طرف ذبح کرنے کی نسبت کی ہے جب کہ فرعون صرف ذبح کا حکم دینے والا اور سبب تھا حقیقت میں ذبح قصاب کرتے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تیسرا ظاہری جھوٹ

ایک دن حضرت ابراہیم اور ان کی زوجہ سارہ سفر کر رہے تھے، ان کا گزر ایک ظالم بادشاہ کے ملک میں ہوا، اس بادشاہ کو بتایا گیا کہ ایک شخص آرہا ہے اور اس کی بیوی سب سے زیادہ حسین ہے، اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بلوا کر پوچھا: یہ عورت کون ہے؟ انہوں نے کہا: یہ میری بہن ہے، اور حضرت سارہ سے فرمایا: اس وقت روئے زمین پر میرے اور تمہارے سوا کوئی مومن جوڑا نہیں ہے، اس بادشاہ نے مجھ سے تمہارے متعلق پوچھا تھا تو میں نے اس کو بتایا کہ تم میری بہن ہو یعنی دینی بہن ہو، یہ کلام بھی بہ ظاہر جھوٹ ہے اور حقیقت میں تعریض ہے۔

انبیاء علیہم السلام کا شفاعت سے گریز کرنا ان کی تواضع تھا

اس حدیث میں متعدد انبیاء علیہم السلام کے متعلق مذکور ہے کہ انہوں نے شفاعت سے گریز کیا، سو یہ ان کی تواضع تھی اور یہ اشارہ کرنا تھا کہ درحقیقت یہ شفاعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب ہے، اور یہ بھی احتمال ہے کہ انہوں نے جان لیا تھا کہ شفاعت کرنے والے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اور ہر ایک دوسرے کی طرف مومنین کو بھیج رہا تھا تا کہ مومنین بتدریج سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچیں، اور یہ آپ کی فضیلت کے اظہار کے لیے تھا، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مومنین کے دلوں میں الہام کیا کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام سے شفاعت کے سوال کی ابتداء کریں اور اخیر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچیں۔

''روح اللہ وکلمتہ'' کی توجیہ

اس حدیث میں مذکور ہے کہ مومنین سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ ''تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ جو اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور روح اللہ ہیں اور اس کا کلمہ ہیں''۔

روح اللہ کا اقتباس درج ذیل آیت سے ہے:

فَنَفَخۡنَا فِيۡهِ مِنۡ رُّوۡحِنَا (التحریم:۱۲) سو ہم نے اس کے چاک گریبان میں اپنی طرف کی روح پھونک دی۔

حضرت جبریل اور روح الامین نے حضرت مریم علیہا السلام کے گریبان میں پھونک ماری تھی، پھر وہ پھونک رحم تک پہنچ گئی اور اسی سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام وجود میں آئے، اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا: ''کُن'' یعنی ہو جاؤ، پس وہ ہو گئے، سو ان کا نام اللہ کا کلمہ رکھ دیا، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے قول ''کُن'' سے وجود میں آئے گا۔

''فی دارہٖ'' کا محمل

اس حدیث میں مذکور ہے ''پس مومنین میرے پاس آئیں گے، پس میں چل پڑوں گا، پس میں اپنے رب سے اس کے دار یعنی اس کے گھر میں اجازت طلب کروں گا، سو میرے لیے اجازت دی جائے گی''۔

اس سے مراد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنت میں اللہ تعالیٰ سے اجازت طلب کریں گے، پس جنت کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی جیسا کہ کعبہ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جاتی ہے اور اس کو بیت اللہ کہا جاتا ہے اور یہ اضافت کعبہ کی تشریف اور تعظیم کے لیے ہے، اسی طرح جنت کو اللہ تعالیٰ کا دار یعنی اس کا گھر فرمایا، کیونکہ جنت میں اللہ تعالیٰ کے اولیاء کے گھر ہیں، اسی طرح روح اللہ کا لفظ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تمام ارواح پر فضیلت دینے کے لیے ہے، اور اس حدیث میں مجسمہ کی کوئی دلیل نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا کوئی مکان اور جگہ نہیں ہے اور یہ اضافت یعنی دار کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف فعل کی اضافت ہے جیسے اللہ تعالیٰ باقی افعال کی اپنی طرف اضافت فرماتا ہے۔

یا محمد کہنے کا ثبوت

اس حدیث میں مذکور ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ تین مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمائے گا ''ارفع محمد'' شارحین نے کہا ہے: اس کا معنی ہے ''ارفع راسك یا محمد'' یعنی اے محمد! اپنا سر اٹھایئے۔ نیز امام مسلم نے روایت کی ہے ''فیقال لی یا محمد ارفع راسك'' اور یہ ارشاد بھی تین مرتبہ مذکور ہے۔ (صحیح مسلم: ۱۹۳، الرقم المسلسل: ۳۶۷)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یا کے ساتھ ندا کرنا جائز ہے، اور یا محمد کہنا جائز ہے۔

اس پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

لَا تَجۡعَلُوۡا دُعَآءَ الرَّسُوۡلِ بَیۡنَکُمۡ کَدُعَآءِ بَعۡضِکُمۡ بَعۡضًا تم رسول کے بلانے کو ایسا نہ قرار دو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو۔ (النور: ۶۳)

حتیٰ کہ بعض لوگوں نے یہ کہہ دیا: جب اللہ تعالیٰ آپ کا مالک و مولیٰ ہو کر یا محمد کہہ کر نہیں پکارتا تو ہم غلاموں کے لیے کب جائز ہے کہ آپ کو یا محمد کہہ کر پکاریں۔

ان لوگوں کا یہ قول صحیح نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یا محمد کہہ کر پکارا ہے جیسا کہ صحیح البخاری اور صحیح مسلم کی حدیث مذکور سے واضح ہو گیا ہے اور رہی النور: ۶۳ کی یہ آیت، تو اس میں لفظ دعا کی رسول کی طرف جو اضافت ہے یہ اضافت الی الفاعل ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے کو ایسا نہ قرار دو جیسا تم ایک دوسرے کو بلاتے ہو، کیونکہ تمہارے بلانے پر کسی کا آنا فرض نہیں ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے پر آنا فرض ہے۔

اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ آپ کا نام لے کر آپ کو نہ بلایا جائے، اور لفظ محمد آپ کا نام بھی ہے اور آپ کی صفت بھی ہے کیونکہ محمد کا معنی ہے ''جس کی بے حد حمد کی گئی'' تو آپ کا نام لے کر بلانا منع ہے اور آپ کی صفت کے ساتھ آپ کو بلانا جائز ہے۔

مقامِ محمود

قتادہ نے کہا: یہ مقامِ محمود ہے، پھر اس آیت کی تلاوت کی:

عَسٰٓى اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا (بنی اسرائیل:۷۹) عنقریب آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود پر فائز کرے گا O

یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے پہلے شفاعت کرنا یہی مقامِ محمود ہے جس کی اس حدیث میں تصریح نہیں ہے لیکن سیاق اور باقی روایات اس پر دلالت کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو سب سے پہلی شفاعت فرمائیں گے وہی مقامِ محمود ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۳ ص ۴۴۷۔۴۴۸، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ، عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۱۹۷۔۱۹۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ، وافاضات المصنف)

۷۴۴۱۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنِي عَمِّي حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ حَدَّثَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم أَرْسَلَ إِلَى الْأَنْصَارِ فَجَمَعَهُمْ فِي قُبَّةٍ وَقَالَ لَهُمُ اصْبِرُوا حَتّٰى تَلْقَوُا اللهَ وَرَسُولَهُ فَإِنِّي عَلَى الْحَوْضِ۔

(صحیح مسلم:۱۰۵۹، مسند احمد:۱۱۶۷۵)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبید اللہ بن سعد بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے میرے چچا نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی از صالح از ابن شہاب، وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو بلایا اور ان کو ایک خیمہ میں جمع کیا اور ان سے فرمایا: تم صبر کرو حتیٰ کہ تم اللہ اور اس کے رسول سے ملاقات کرو، پس بے شک میں حوض پر رہوں گا۔

حدیث مذکور کی اصل روایت

امام بخاری نے اس حدیث کو اختصار سے روایت کیا ہے، اس حدیث کا مکمل متن حسبِ ذیل ہے:

امام مسلم بن حجاج القشیری متوفی ۲۶۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ انصار میں سے کچھ لوگوں نے غزوۂ حنین کے دن کہا جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو ہوازن کے اموال بطورِ فئے عطا کیے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے مردوں کو سو اونٹ عطا کئے تو انصار نے کہا: اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مغفرت فرمائے وہ قریش کو عطا کرتے ہیں اور ہمیں چھوڑ رہے ہیں، حالانکہ ہماری تلواروں سے (کفار) قریش کا خون ٹپک رہا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا: اس بات کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی کہ انہوں نے اس طرح کہا ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو بلایا اور ان کو چمڑے کے ایک خیمہ میں جمع کیا، پس جب وہ جمع ہو گئے تو ان کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، آپ نے فرمایا: وہ کیسی خبر ہے جو تمہاری طرف سے مجھے پہنچی ہے؟ تو انصار کے سمجھدار لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ! جو ہم میں سے اصحابِ رائے تھے انہوں نے کوئی بات نہیں کی، اور جو ہم میں سے کم عمر لوگ ہیں انہوں نے یہ کہا: اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی مغفرت فرمائے وہ قریش کو دے رہے ہیں اور ہمیں چھوڑ رہے ہیں اور ہماری تلواروں سے ان کا خون ٹپک رہا ہے! تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک میں ان مردوں کو عطا کرتا ہوں جو نئے نئے کفر سے نکلے ہیں، میں ان کی تالیفِ قلب کرتا ہوں، کیا

تم اس سے راضی نہیں ہو کہ لوگ اموال لے جائیں اور تم اپنے گھروں میں رسول اللہ کو لے جاؤ، پس اللہ کی قسم! جس کو تم لے کر جاؤ گے وہ اس سے بہتر ہے جس کو وہ لے کر جائیں گے، تو انصار نے کہا: کیوں نہیں یارسول اللہ! ہم راضی ہو گئے، آپ نے فرمایا: پس بے شک تم عنقریب شدید ترجیح کو پاؤ گے، سو تم صبر کرنا حتیٰ کہ تم اللہ اور اس کے رسول سے حوض پر ملاقات کرو، پس بے شک میں حوض پر ہوں گا، انصار نے کہا: ہم صبر کریں گے۔ (صحیح مسلم: ۱۰۵۹، مسند احمد: ۱۲۶۹۶)

اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا وقت

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "تم صبر کرو حتیٰ کہ تم اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرو"۔ یہاں اس ملاقات سے ایسی ملاقات مراد نہیں ہے جس کا حس اور بصیرت سے ادراک کیا جاتا ہے اور نہ ایسی ملاقات مراد ہے جس میں ملاقات کرنے والے ایک دوسرے کے بالقابل ہوتے ہیں، ایک قول یہ ہے کہ یہاں ملاقات سے مراد ہے وفات، قرآن مجید میں ہے:

وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ۔ اور تم تو موت کے آنے سے پہلے موت کی تمنا کیا کرتے تھے۔

(آل عمران: ۱۴۳)

اور دوسرا قول ہے کہ اس سے مراد ہے قیامت کا دن، کیونکہ قیامت کے دن تمام اولین اور آخرین ایک دوسرے سے ملیں گے۔

حوض کے ثبوت میں مذاہب

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "میں حوض پر ہوں گا"۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں حوض کا ثبوت ہے اور المعتزلہ وغیرہ حوض کا انکار کرتے ہیں اور اخبار احاد کو رد کرتے ہیں اور جمہور امت اس کے برخلاف ہیں، وہ حوض پر ایمان لاتے ہیں جیسا کہ سنن اور صحاح میں مذکور ہے۔

علامہ کرمانی نے کہا: اللہ تعالیٰ جگہ سے منزہ ہے اور حدیث میں ہے "حتیٰ کہ تم اللہ اور اس کے رسول سے حوض پر ملاقات کرو" تو اللہ تعالیٰ حوض پر کیسے ہوگا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ بعض نسخوں میں اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں ہے بلکہ صرف یہ ذکر ہے کہ میں حوض پر ہوں گا، لہٰذا یہ سوال ساقط ہو گیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۱۹۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۴۴۲۔ حَدَّثَنِي ثَابِتُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ سُلَيْمَانَ الْأَحْوَلِ عَنْ طَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم إِذَا تَهَجَّدَ مِنَ اللَّيْلِ قَالَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ قَيِّمُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ أَنْتَ الْحَقُّ وَقَوْلُكَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے ثابت بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از ابن جریج از سلیمان الاحول از طاؤس از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو تہجد پڑھنے کے لیے اٹھتے تو آپ دعا کرتے: اے اللہ! ہمارے رب تیرے لیے ہی حمد ہے، اور تو ہی آسمانوں اور زمینوں کا قائم کرنے والا ہے، اور تیرے لیے ہی حمد ہے اور تو آسمانوں اور زمینوں کا اور جو کچھ ان

الْحَقُّ وَوَعْدُكَ الْحَقُّ وَلِقَاؤُكَ الْحَقُّ وَالْجَنَّةُ حَقٌّ وَالنَّارُ حَقٌّ وَالسَّاعَةُ حَقٌّ اللّٰهُمَّ لَكَ أَسْلَمْتُ وَبِكَ آمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْكَ خَاصَمْتُ وَبِكَ حَاكَمْتُ فَاغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ وَأَسْرَرْتُ وَأَعْلَنْتُ وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّي لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَيْسُ بْنُ سَعْدٍ وَأَبُو الزُّبَيْرِ عَنْ طَاوُسٍ قَيَّامُ وَقَالَ مُجَاهِدٌ الْقَيُّومُ الْقَائِمُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ وَقَرَأَ عُمَرُ الْقَيَّامُ وَكِلَاهُمَا مَدْحٌ۔

میں ہے ان کا رب ہے، اور تیرے ہی لیے حمد ہے اور تو آسمانوں اور زمینوں کا اور جو کچھ ان میں ہے ان کا نور ہے، تو حق ہے، اور تیرا ارشاد حق ہے اور تیرا وعدہ حق ہے، اور تیری ملاقات حق ہے، اور جنت حق ہے، اور دوزخ حق ہے، اور قیامت حق ہے، اے اللہ! میں تیرے لیے ہی اسلام لایا اور تجھ پر ہی ایمان لایا اور تجھ پر ہی توکل کیا، اور تیرے ہی پاس اپنے جھگڑے لے گیا اور تجھ ہی کو حاکم بنایا، سو تو میرے (ان ظاہری ذنوب کی) مغفرت کر دے جو میں نے پہلے کیے اور جو میں نے بعد میں کیے اور جو میں نے چھپ کر کیے اور جو میں نے ظاہراً کیے اور جن کو تو مجھ سے زیادہ جاننے والا ہے، تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔

امام ابوعبداللہ نے کہا: قیس بن سعد اور ابوالزبیر نے روایت کی از طاؤس "قیّام" اور مجاہد نے کہا: قیوم وہ ہے جو ہر چیز پر قائم ہو، اور عمر نے قراءت کی "القیّام" اور یہ دونوں لفظ مدح کے صیغے ہیں۔

(صحیح البخاری: ۱۱۲۰، ۶۳۱۷، ۷۳۸۵، ۷۴۴۲، ۷۴۹۹، صحیح مسلم: ۷۶۹، سنن ترمذی: ۳۴۱۸، سنن نسائی: ۱۶۱۹، سنن ابوداؤد: ۷۷۱، سنن ابن ماجہ: ۱۳۵۵، مسند احمد: ۳۳۵۸، موطا امام مالک: ۵۰۰، سنن دارمی: ۱۴۸۶)

صحیح البخاری: ۷۴۴۲، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

تہجد کا معنی

علامہ ابن بطال نے کہا ہے: عربوں کے نزدیک رات کی نیند کے بعد بیدار ہونے کو تہجد کہتے ہیں، اسی وجہ سے رات کی نماز کو تہجد کہتے ہیں، ابن فارس نے کہا: متهجد کا معنی ہے رات کو بیدار ہو کر نماز پڑھنے والا، اور اس کو تہجد اس لیے کہتے ہیں کہ یہ اپنے نفس سے نیند کو گرا دیتا ہے۔

تہجد کی نماز کا شرعی حکم

بعض متقدمین نے کہا ہے: رات کا قیام سنتِ مؤکدہ ہے اور امت پر رات کو اتنی مقدار قیام کرنا واجب ہے جس پر قیام کا اطلاق ہو سکے خواہ وہ اتنی دیر ہو جتنی دیر میں بکری کا دودھ دوہا جاتا ہے، اور یہ بات غلط ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ رات کو اٹھ کر نفل پڑھنا دن میں نفل پڑھنے سے افضل ہے، حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: فرض نماز کے بعد سب سے افضل نماز رات کی نماز ہے۔ (صحیح مسلم: ۱۱۶۳)

کیونکہ رات کی نماز اس وقت پڑھی جاتی ہے جو غفلت کا وقت ہوتا ہے اس لیے یہ نماز پڑھنا زیادہ اہم ہے۔

افضل یہ ہے کہ انسان آدھی رات تک سوئے اور پھر رات کے تیسرے حصہ میں قیام کرے اور پھر چھٹے حصہ میں آرام کرے۔ یہی حضرت داؤد علیہ السلام کا طریقہ ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اسی کے مطابق رات کی عبادت کرتے تھے۔ (صحیح البخاری: ۱۱۳۱)

اور پوری رات قیام کرنا مکروہ ہے، کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے۔ (صحیح البخاری: ۱۹۷۵)

البتہ بعض راتوں میں پوری رات عبادت کرنا مستحب ہے جیسے عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی دو راتیں، کیونکہ حدیث میں ہے:

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے عید کی دو راتوں میں ثواب کی نیت سے اللہ کے لیے قیام کیا، اس کا دل اس دن مردہ نہیں ہوگا جس دن لوگوں کے دل مردہ ہو جائیں گے۔ (سنن ابن ماجہ: ۱۷۸۲)

آیا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تہجد کی نماز پڑھنا فرض تھا یا نفل تھا؟

قرآن مجید میں ہے:

وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۔ (بنی اسرائیل: ۷۹) اور رات کے کچھ حصے میں تہجد کی نماز پڑھیں، جو خصوصاً آپ کے لیے زیادہ ہے۔

امام طبری اور امام ابن ابی حاتم نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ یہ نماز آپ کے فرائض سے زائد ہے اور قتادہ نے کہا: یہ نماز آپ کے لیے نفل ہے اور فضیلت ہے۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے: نافلة کا معنی لغت میں ہے زیادہ، اور اس میں اختلاف ہے کہ یہ نماز کس وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے، بعض علماء نے کہا کہ یہ نماز آپ پر فرض تھی اور دوسروں کے لیے نفل ہے۔

اور بعض علماء نے کہا کہ پہلے تہجد کی نماز آپ پر واجب تھی اور بعد میں اس کا وجوب منسوخ ہو گیا اور یہ نفل ہو گئی۔

اور مجاہد نے کہا کہ یہ نماز خصوصاً آپ کے لیے نفل ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی فعل ایسا نہیں تھا جو گناہ ہو اور نماز اس کا کفارہ ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے تمام بہ ظاہر اگلے اور پچھلے خلاف اولیٰ کاموں کی مغفرت فرما دی ہے، پس یہ نماز آپ کے لیے نفل ہے اور فضیلت ہے اور زائد ہے، اور دوسروں کے لیے یہ نماز ان کے گناہوں کا کفارہ ہے، اس لیے دوسروں کے لیے یہ نماز نفل نہیں ہے۔

اور بعض علماء نے یہ کہا کہ یہ نماز آپ پر واجب ہے اور ''نافلة لك'' کا معنی یہ ہے کہ یہ آپ کے لیے پانچ نمازوں پر زائد فریضہ ہے۔

امام طبری نے اس کو ترجیح دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تہجد کی نماز کو آپ کی امت کے علاوہ فرض قرار دیا ہے، اور مجاہد نے جو کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مغفرت ہو چکی تھی اس لیے آپ کو تہجد کی نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں تھی، یہ اس لیے صحیح نہیں ہے کہ سورۂ فتح جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مغفرت کا اعلان ہے، اس کے نازل ہونے کے بعد بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت زیادہ استغفار کرتے تھے، اور جس سال آپ کی وفات ہوئی اس سال آپ کو حکم دیا گیا:

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۔(النصر:۳) سو آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کریں اور اس سے مغفرت طلب کریں۔

سو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرنے کا حکم دیا گیا آپ کی وفات کے سال بھی اور حدیبیہ سے واپسی کے بعد بھی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مجلس میں سو مرتبہ استغفار کرتے تھے، آپ دعا کرتے تھے:

رب اغفرلی وتب علی انک انت التواب الرحیم۔ اے رب! میری مغفرت فرما اور میری توبہ قبول فرما، بے شک تو بہت توبہ قبول فرمانے والا اور بہت رحمت فرمانے والا ہے۔

امام طبری نے کہا: اس سے مجاہد کے قول کا فساد ظاہر ہو گیا۔ (تفسیر طبری ج ۸ ص ۱۳۰)

میں کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو استغفار کا حکم دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اخیر عمر تک اللہ تعالیٰ سے استغفار فرماتے رہے اور ایک مجلس میں سو مرتبہ استغفار کرتے تھے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ کے گناہ تھے جن کی آپ مغفرت طلب کرتے تھے کیونکہ انبیاء علیہم السلام کا استغفار کرنا ان کے درجات میں ترقی کے لیے ہوتا ہے یعنی وہ یہ دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو ایک حال سے دوسرے حال میں ترقی عطا فرمائے جیسے قرآن مجید میں ہے:

وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ۝ (الضحیٰ:۴) اور بے شک بعد والی ساعت آپ کے لیے پہلی ساعت سے بہتر ہے ۝

تہجد میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تہجد کے لیے اٹھتے تو یہ دعا کرے: ''اللھم لک الحمد'' یعنی اللہ تعالیٰ کے لیے ایسی حمد و ثنا ہے جو اس کے لائق ہے۔

نیز نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا میں فرماتے: ''تو آسمانوں اور زمینوں کا قائم کرنے والا ہے''، یعنی اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کی تدبیر فرمانے والا ہے اور ہر نفس کی حفاظت فرمانے والا ہے اور وہ کسی وقت مخلوق کی تدبیر سے غافل نہیں ہوتا۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''تو آسمانوں اور زمینوں کا اور جو کچھ ان میں ہے ان کا نور ہے'' یعنی تیرے نور سے آسمانوں والے اور زمینوں والے ہدایت پاتے ہیں، یا تو آسمانوں اور زمین والوں کو ہدایت دینے والا ہے۔ اور مجاہد نے کہا: اس کا معنی ہے تو ان کی تدبیر کرنے والا ہے، سورج کی اور چاند کی اور ستاروں کی۔ اور ابن عرفہ نے کہا: ''نور السمٰوٰت والارض'' اس کا معنی ہے: تو ان کو روشن کرنے والا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''تو آسمانوں اور زمین کا مالک ہے'' یعنی آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے ان کا پیدا کرنے والا ہے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''تو برحق ہے'' یعنی تیرا وجود برحق ہے۔

علامہ ابن التین نے کہا: ''انت الحق'' یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہو، اور اس کا یہ معنی بھی ہے کہ مشرکین جو اللہ تعالیٰ کے متعلق نازیبا باتیں کہتے ہیں وہ باطل ہیں، قرآن مجید میں ہے:

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ اس کی وجہ یہ ہے کہ بے شک اللہ ہی برحق ہے اور اس کے سوا یہ جن

الْبَاطِلُ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِیُّ الْكَبِیْرُ ﴿۳۰﴾ (لقمان: ۳۰) کی عبادت کرتے ہیں وہ سب باطل ہیں اور بے شک اللہ ہی نہایت بلند، بہت بزرگ ہے O

اور اس حدیث میں مذکور ہے "تیرا وعدہ حق ہے" یعنی تو نے جس چیز کا وعدہ کیا ہے وہ یقیناً متحقق ہوگی، کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۙ لِیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰی ﴿۳۱﴾ (النجم: ۳۱) اور اللہ ہی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے، تا کہ وہ ان لوگوں کو سزا دے جنھوں نے برے کام کیے اور ان لوگوں کو اجر دے جنھوں نے نیک کام کئے O

جن لوگوں نے برے کام کئے اللہ تعالیٰ ان کو سزا دے گا بشرطیکہ ان کو معاف نہ فرمایا ہو۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "اور تیری ملاقات حق ہے" ملاقات سے مراد ہے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا، دوسرا قول ہے کہ اس سے مراد ہے موت۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "تیرا قول حق ہے" یعنی تیرا قول سچا ہے اور تیرا وعدہ سچا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اور جنت برحق ہے اور دوزخ برحق ہے"۔

علامہ ابن التین نے کہا: اس کے تین معانی ہیں:

ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جو جنت اور دوزخ کی خبر دی ہے اس میں کوئی کذب اور تغیر نہیں ہوگا۔

دوسرا معنی یہ ہے کہ جس نے جنت اور دوزخ کی خبر دی اور تبلیغ کی وہ حق ہے۔

اور اس کا تیسرا معنی یہ ہے کہ جنت اور دوزخ کو پیدا کیا جا چکا ہے اور اس میں معتزلہ کا رد ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اور نبی حق ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حق ہیں"۔ یعنی انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر دوبارہ کیا گیا آپ کی خصوصیت کی وجہ سے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اللھم لك اسلمت" یعنی میں نے تیری فرمانبرداری کی اور تیرے احکام کی اطاعت کی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وبك آمنت" یعنی میں نے تیری تصدیق کی اور جو تو نے خبریں نازل کیں ان کی تصدیق کی اور جو تو نے احکام دیئے ان کی تصدیق کی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وعلیك توکلت" یعنی میں اپنی طاقت سے نیکی کرنے یا گناہوں سے پھرنے سے بری ہوں، صرف تیری مدد سے ہی میں نیکی کرتا ہوں اور گناہوں سے بچتا ہوں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "والیك انبت" یعنی میں تیرے حکم کی اطاعت کرتا ہوں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وبك خاصمت" یعنی تو نے مجھے اپنے دین پر جو حجتیں عطا فرمائی ہیں ان حجتوں سے میں تیرے معاندین اور مخالفین اور کفار کے خلاف جھگڑتا ہوں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "والیك حاکمت" یعنی جو شخص بھی حق کے قبول کرنے اور ایمان لانے سے انکار کرتا ہے تو میں ان

کے معاملہ میں تجھ ہی کو حکم بناتا ہوں، پس تو میرے اور تیرے دین کے مخالفین کے درمیان حَکم ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "سوتو میرے ان گناہوں کو بخش دے جو میں نے پہلے کیے اور بعد میں کیے۔۔۔الحدیث"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو یہ دعا کی، یہ تواضعاً کی اور اللہ تعالیٰ کے خوف سے کی، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو مغفور ہیں اور یا اس لیے یہ دعا کی تا کہ ہم اصلِ دعا میں آپ کی اقتداء کریں، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں اور انبیاء کا مرتبہ بلند فرمایا ہے کہ وہ نیک اعمال میں بہت کوشش کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی عظمت کی معرفت رکھتے تھے۔

مغفرت کا معنی ہے گناہوں کو ڈھانپ لینا، یہ عام لوگوں کے حق میں مغفرت کا معنی ہے اور انبیاء علیہم السلام کے حق میں مغفرت کا معنی ہے: ان کے درجات بلند کرنا۔

انبیاء علیہم السلام کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ اللہ سے ڈریں اور اللہ سے دعا کریں اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرنے میں رغبت کریں، یعنی جس طرح بشر پر غفلت طاری ہوتی ہے ان پر جو زندگی کے پہلے دور میں یا پچھلے دور میں جو غفلت طاری ہوگئی اس غفلت کے اوپر وہ مغفرت طلب کرتے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وما اعلنت"، یعنی جس کام کے ساتھ میری زبان نے حرکت کی یا میں بولا۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۹ ص ۱۰۔ ۲۲، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مغفرت طلب کرنے کے متعلق مزید احادیث

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ حضرت الاغر المزنی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک میرے قلب پر ابر چھا جاتا ہے اور بے شک میں ضرور اللہ تعالیٰ سے ایک دن میں سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔

(صحیح مسلم: ۲۷۰۲، (۴۱) سنن ابوداؤد: ۱۵۱۵، مسند احمد ج ۴ ص ۲۶۰)

نیز حضرت الاغر المزنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کرو، کیونکہ میں ایک دن میں اس کی طرف سو مرتبہ توبہ کرتا ہوں۔ (صحیح مسلم: ۲۷۰۲، (۴۲))

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استغفار کرنے کے محامل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استغفار کے متعلق قاضی عیاض مالکی کی توجیہات

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ صحیح مسلم: ۲۷۰۲ کی شرح میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو فرمایا ہے کہ "میرے دل پر ابر چھا جاتا ہے" اس سے مراد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ یہ تھا کہ آپ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہتے تھے لیکن کبھی آپ پر سستی طاری ہوتی اور کبھی غفلت طاری ہوتی اور آپ اللہ کا ذکر نہ کر سکتے تو اس سستی اور غفلت کی وجہ سے استغفار کرتے تھے، پس آپ نے غفلت کو بھی ذنب شمار کیا۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس ابر سے مراد یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت کے متعلق غور وفکر کرتے اور آپ کے بعد امت کے جن احوال پر آپ کو مطلع کیا گیا ہے ان پر غور وفکر کرتے حتیٰ کہ ان کے لیے استغفار کرتے۔

اور تیسرا قول یہ ہے کہ جب آپ امت کی مصلحتوں میں اور ان کے دشمن کے خلاف جہاد کرنے میں نظر کرتے تو آپ کا جو عظیم مقام ہر وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا ہے اس سے آپ کی توجہ ہٹ جاتی، پس اگر چہ ان امور میں غور و فکر کرنا بھی عظیم عبادات اور افضل اعمال سے ہے پھر بھی اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے کا جو اعلیٰ مرتبہ تھا اس سے آپ اس درجہ کی طرف آتے تو اپنے بلند مقام کے اعتبار سے اس کو ذنب خیال فرماتے اور اس پر استغفار کرتے کہ آپ کو تو یہ چاہیے تھا کہ آپ کا تمام غور و فکر اور آپ کی ہر توجہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتی اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ کرتے، پس جب آپ اس مرتبہ سے دوسرے مرتبہ کی طرف اترتے ہر چند کہ وہ بھی عظیم عبادت اور افضل اعمال ہے تو آپ اس پر استغفار کرتے۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کا استغفار کرنا اپنی عبودیت کے اظہار کے لیے اور اللہ تعالیٰ کی طرف افتقار کے لیے اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کے لیے اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے لیے ہو۔

علامہ المحاسبی نے کہا ہے: فرشتے اور انبیاء علیہم السلام ہر چند کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے مامون ہوتے ہیں لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کے جلال کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔

اور ایک قول یہ ہے کہ جس حال میں آپ اللہ تعالیٰ کی عظمت سے ڈرتے تھے تو آپ کے دل پر ایک ابر چھا جاتا تھا، اور یہ اعتقاد نہ کیا جائے کہ آپ اس ابر کی وجہ سے استغفار کیا کرتے تھے، پس آپ کا استغفار کرنا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے لیے اور اس کے جلالِ ذات کو عظیم سمجھنے کی وجہ سے تھا۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۸ ص ۱۹۷، دار الوفاء، بیروت)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے استغفار کے متعلق علامہ قرطبی مالکی کی توجیہات

علامہ ابو العباس احمد بن عمر بن ابراہیم القرطبی المتوفی ۶۵۶ ھ، لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے "لیغان علی قلبی" اور "الغین" کا معنی ہے ڈھانپنا، اسی وجہ سے بادل کو غین کہا جاتا ہے، کیونکہ بادل سورج کی روشنی کو ڈھانپ لیتا ہے، اور یہ غین کسی گناہ کے سبب سے نہیں ہے لیکن اس غین کے مصداق میں اختلاف کیا گیا ہے، ایک جماعت نے کہا: اس سے مراد یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت یہ تھی کہ آپ دائماً اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے تو جب کبھی آپ پر سستی یا غفلت طاری ہو جاتی تو اس کی وجہ سے آپ استغفار کرتے اور اس سستی یا غفلت کو ہی غین کہا گیا ہے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ بعض ارباب الاشارات نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مقامات میں ہمیشہ ترقی کرتے رہتے تھے اور بہت سرعت کے ساتھ منازل میں منتقل ہوتے تھے، پس جب آپ ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف ترقی کرتے تو جس مقام سے ترقی کی تھی اس کو اگلے مقام کے اعتبار سے نقص خیال فرماتے اور اس پہلے مقام کے اعتبار سے استغفار کرتے اور اس سے توبہ کرتے۔

نیز علامہ قرطبی صحیح مسلم: ۲۷۰۲ (۴۲) کی شرح میں لکھتے ہیں:

پس توبہ کرنے والے کے لیے واجب ہے کہ وہ گناہ کو اپنی آنکھوں کے سامنے مرکوز رکھے اور ہمیشہ اس پر افسوس کرتا رہے حتیٰ کہ اسے تحقق ہو جائے کہ اس کا وہ گناہ بخش دیا گیا ہے اور ہم لوگوں کو یہ مرتبہ اسی وقت حاصل ہوگا جب ہم اللہ تعالیٰ سے ملاقات کریں گے، پس بندہ پر واجب ہے کہ وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے خوف کو لازم رکھے اور اپنے فعل پر ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ندامت کا اظہار کرتا رہے اور یہ عزم کرتا رہے کہ وہ دوبارہ اس فعل کو نہیں کرے گا، پھر جب ہم یہ فرض کر لیں کہ اس کا یہ گناہ بخش دیا گیا ہے تو

اس پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں''۔ (صحیح البخاری: ۴۸۳۷، صحیح مسلم: ۲۸۲۰)

اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف یہ خبر دی ہے کہ وہ ہر دن سو مرتبہ توبہ کرتے ہیں، اس کے باوجود کہ آپ مغفور ہیں اور آپ کی بخشش ہو چکی ہے اور یہ اس لیے کہ دوسروں کو اپنے ساتھ بطریقِ اولیٰ ملائیں، کیونکہ دوسرا شخص یہ کہے گا کہ جن کے ذنوب کی مغفرت متحقق ہو چکی ہے جب ان کا حال یہ ہے کہ وہ دن میں سو مرتبہ توبہ کرتے ہیں تو جس شخص کے ذنوب کی مغفرت کی کوئی دلیل نہیں ہے اس کو تو سو مرتبہ سے بھی زیادہ استغفار کرنا چاہیے۔ (المفہم ج ۷ ص ۲۷۔۲۸، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استغفار کے متعلق علامہ ابی مالکی کی توجیہات

علامہ محمد بن خلیفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ، قاضی عیاض اور علامہ قرطبی کی توجیہات نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

ہمارے بعض شیوخ یہ کہتے تھے کہ ان تمام توجیہات کی ضرورت نہیں ہے، اس حدیث کا صرف یہ معنی ہے کہ آپ ہر روز ایک مقام سے اس سے بلند مقام کی طرف ترقی کرتے رہتے تھے جس مقام پر آپ پہلے تھے، پھر پہلے مقام کو بعد والے مقام کے اعتبار سے غین یا ابر قرار دیتے اور اس پر استغفار کرتے تھے۔ (اکمال اکمال المعلم ج ۹ ص ۱۰۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استغفار کے متعلق علامہ سنوسی مالکی کی توجیہات

علامہ محمد بن محمد بن یوسف السنوسی الحسینی المتوفی ۸۹۵ھ لکھتے ہیں:

اس مقام کی بہترین توجیہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر دن اپنے مقامات میں ترقی کرتے رہتے تھے، پس جب بھی آپ بلند مقام کی طرف منتقل ہوتے تو اس کے نچلے مقام کو ذنب کی مثل قرار دیتے، پھر اس سے استغفار فرماتے، اس کے باوجود کہ آپ کا ادنیٰ مقام بھی ایسا ہے کہ اس کی بلندی کا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا۔ (مکمل اکمال الاکمال ج ۹ ص ۱۰۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استغفار کے متعلق علامہ تورپشتی کی توجیہات

علامہ ابو عبد اللہ فضل اللہ بن الصدر الامام السعید الحسن التورپشتی المتوفی ۶۶۱ھ لکھتے ہیں:

جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دل تمام دلوں سے زیادہ صاف تھا اور تمام دلوں سے زیادہ روشن تھا اور اس میں تمام دلوں سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی معرفت تھی، تو اس لیے ضروری ہوا کہ آپ نفس کے حصوں کی طرف ملتفت ہوں، اور چونکہ آپ کا دل بہت رقیق تھا اور اس میں نورانیت بہت زیادہ تھی تو جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسی کوئی چیز محسوس کرتے تو اس کو اپنے لیے ذنب قرار دیتے اور اپنے رب سے اس پر استغفار کرتے، اسی وجہ سے جب آپ بیت الخلاء سے باہر آتے تھے تو یہ دعا کرتے تھے ''غفرانك'' (یعنی اے اللہ! تو میری مغفرت فرما)، یعنی جتنی دیر آپ بیت الخلاء میں رہتے تو اللہ تعالیٰ کے ذکر کو اس وجہ سے ترک فرما دیتے کہ وہ جگہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لائق نہیں ہے، پھر جتنی دیر آپ اللہ تعالیٰ کے ذکر کو ترک کرتے اس کو ذنب قرار دے کر اس پر استغفار فرماتے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر وقت اللہ تعالیٰ کے حضور متوجہ رہتے اور اللہ تعالیٰ کی تجلیات کا مشاہدہ کرتے، اگر آپ ہمیشہ اسی حال پر رہتے تو لوگوں کو تبلیغ نہ کر سکتے تو اللہ تعالیٰ کی حکمت کا یہ تقاضا ہوا کہ آپ پر ایک نوع کے حجابات طاری کیے جائیں

تاکہ آپ امت کو تعلیم اور تبلیغ کر سکیں، سو ان حجابات کی وجہ سے آپ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے تھے۔

(کتاب المیسر فی شرح مصابیح السنہ ج ۲ ص ۵۴۰، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ المکرمہ، ۱۴۲۲ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے استغفار کے متعلق علامہ طیبی شافعی کی توجیہات

علامہ شرف الدین حسین بن محمد بن عبداللہ الطیبی المتوفی ۷۴۳ھ لکھتے ہیں:

ہمارے شیخ شیخ الاسلام ابوحفص السہروردی قدس سرہ نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر جو ابر چھا جاتا تھا، اس ابر کو نقص نہیں شمار کرنا چاہیے بلکہ وہ کمال ہے یا تتمہ کمال ہے، اس کی مثال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنکھ کے ڈھیلہ کے اوپر پلک پیدا کی ہے جو بہ ظاہر آنکھ کو ڈھانپتی ہے اور آنکھ کو دیکھنے سے روکتی ہے اور یہ کمی ہے لیکن اگر آنکھ پر پلک نہ ہوتی اور وہ ہمیشہ کھلی رہتی تو ہوا میں اور فضا میں جو گرد و غبار ہیں وہ آنکھ میں چلے جاتے اور اس سے آنکھ کو نقصان ہوتا، اور مسلسل کسی چیز کو دیکھنے سے بھی انسان تھک جاتا ہے، تو جب انسان پلک جھپکتا ہے تو آنکھ کو ایک لحظہ کے لیے آرام مل جاتا ہے، تو بہ ظاہر پلک آنکھ کو ڈھانپ لیتی ہے جس سے آنکھ کے دیکھنے میں کمی ہوتی ہے لیکن درحقیقت یہ آنکھ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے اور اگرچہ بظاہر یہ دیکھنے میں کمی ہے لیکن حقیقت میں کمال ہے، اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بصیرت ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی تجلیات کا مشاہدہ کرتی تھی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے قلب پر ایک قسم کا ابر طاری کیا تاکہ آپ کا دل دنیاوی معاملات کی طرف متوجہ ہو سکے اور آپ دیگر عبادات ادا کر سکیں، سو اس ابر کا طاری ہونا بھی آپ کے حق میں کمال ہے یا تتمہ کمال ہے۔ (شرح الطیبی ج ۵ ص ۹۲، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی ۱۴۱۳ھ)

نیز علامہ طیبی لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی اے اللہ! میری مغفرت فرما، آپ کی یہ دعا تواضع اور انکسار پر مبنی ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کمال کے فوت ہونے اور ترک اولیٰ کو ذنوب قرار دیا، اس وجہ سے آپ نے استغفار فرمایا۔

(شرح الطیبی ج ۵ ص ۲۰۰، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی ۱۴۱۳ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے استغفار کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کی توجیہات

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، لکھتے ہیں:

علامہ ابن بطال نے لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا استغفار کرنا اللہ تعالیٰ کے اس حق کی ادائیگی میں تاخیر کی وجہ سے ہے جس حق کو ادا کرنا آپ پر واجب تھا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ اس وجہ سے ہو کہ آپ کئی مباح کاموں میں مشغول ہو جاتے مثلاً کھانے پینے میں یا جماع کرنے میں یا نیند کرنے میں یا آرام کرنے میں یا لوگوں سے باتیں کرنے میں اور لوگوں کی مصلحتوں کے متعلق غور کرنے میں اور دشمنانِ اسلام کے خلاف جنگ کرنے میں اور مؤلفین کی تالیف کرنے میں، اس طرح کے اور دیگر امور جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ذکر سے رکاوٹ ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف گریہ وزاری کرنے اور اس کی تجلیات کا مشاہدہ کرنے اور مراقبہ کرنے میں فرق آتا ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بلند مقام کے اعتبار سے ان احوال کو بھی ذنب خیال فرماتے، یعنی آپ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مسلسل توجہ نہ رکھ سکتے، اس وجہ سے آپ استغفار فرماتے۔

اور یہ جواب دیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا استغفار کرنا امت کو استغفار کے طریقہ کی تعلیم کے لیے تھا یا امت کے گناہوں پر ان کی

شفاعت کرنے کے لیے تھا۔

اور امام غزالی نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ ایک حال سے دوسرے حال کی طرف ترقی کرتے رہتے تھے اور جب آپ کم درجہ کے حال کو دیکھتے تو اس کو اپنے بلند مقام کے اعتبار سے گناہ قرار دیتے اور اس پر استغفار فرماتے۔ لیکن یہ جواب اس ظاہر حدیث کے خلاف ہے، کیونکہ اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ آپ ہر روز ستر مرتبہ استغفار کرتے تھے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۳۶۸۔۳۶۹، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استغفار کے متعلق علامہ ابن ملقن شافعی کی توجیہات

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہ کثرت استغفار کر کے اپنی امت کو استغفار کے طریقہ کی تعلیم کی اور یہ بتایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے خضوع اور خشوع پیش کریں اور عبودیت کا اظہار کریں اور اپنی تقصیر کا اعتراف کریں، ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر نقص سے بری ہیں۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر تم ان چیزوں کو جان لو جن کو میں جانتا ہوں تو تم کم ہنسو گے اور زیادہ روؤ گے۔

(صحیح البخاری: ۱۰۴۴ (کتاب الکسوف، باب الصدقۃ فی الکسوف)، صحیح مسلم: ۹۰۱ (کتاب صلوٰۃ الکسوف، باب صلوٰۃ الکسوف))

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زیادہ استغفار کرنا اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لئے تھا، حدیث میں ہے:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، وہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تہجد کے لیے یا نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوتے تو آپ کے دونوں قدم سوج جاتے، آپ سے کہا جاتا: آپ اتنی مشقت کیوں اٹھاتے ہیں، تو آپ فرماتے: کیا میں اللہ تعالیٰ کا زیادہ شکر کرنے والا بندہ نہ بنوں۔

(صحیح بخاری: ۱۱۳۰، صحیح مسلم: ۲۸۱۹، سنن ترمذی: ۴۱۲، سنن نسائی: ۱۶۴۴، سنن ابن ماجہ: ۱۴۱۹، مسند احمد: ۱۷۷۴۴)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے زیادہ استغفار اس لئے کرتے تھے کہ آپ تمام لوگوں میں سے سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے تھے اور آپ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو جاننے والے تھے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۱۹۰۔ ۱۹۳، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استغفار کے متعلق علامہ عینی کی توجیہات

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معصوم اور مغفور ہیں، اس کے باوجود آپ ستر مرتبہ سے زیادہ ایک دن میں استغفار فرماتے تھے، کیونکہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنا عبادت ہے، تو آپ بطور عبادت کے استغفار فرماتے تھے، یا آپ امت کی تعلیم کے لیے استغفار کرتے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے کتنی مرتبہ استغفار کرے۔ یا جو کام آپ کسی حکمت کی وجہ سے ترکِ اولیٰ کرتے تو وہ اگرچہ گناہ نہیں ہے لیکن اس کے باوجود آپ اس پر استغفار فرماتے۔ یا آپ تواضعاً استغفار کرتے تھے۔ یا جو کام آپ سے سہواً سرزد ہو گئے آپ ان پر استغفار کرتے تھے، یا اعلانِ نبوت سے پہلے جو کام آپ نے کئے آپ ان پر استغفار کرتے تھے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ امت کی مصلحت کے کاموں میں مشغول رہتے تھے اور دشمنانِ اسلام سے جہاد میں مصروف رہتے تھے اور نو مسلموں کی تالیف میں مصروف رہتے تھے،

اور اس طرح کے اور ایسے کاموں میں مشغول رہتے تھے جو آپ کو اپنے عظیم مقام کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونے سے مشغول رکھتے تھے، تو آپ اپنے مقامِ عالی کے اعتبار سے ان کاموں کو گناہ قرار دیتے، اگرچہ یہ کام عظیم طاعات میں سے ہیں اور افضل اعمال میں سے ہیں، لیکن ان کاموں میں بلند درجہ سے نزول ہوتا ہے اس لیے آپ ان پر استغفار فرماتے تھے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ اپنے احوال میں دائماً ترقی کرتے تھے۔ پس جب آپ دیکھتے کہ آپ کا کیا ہوا پہلا کام کم درجہ کا ہے تو آپ اس پر استغفار کرتے، جیسے کہا گیا ہے "حسنات الابرار سیئات المقربین" (نیکوں کی نیکیاں بھی مقربین کے نزدیک گناہ کے حکم میں ہوتی ہیں)۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ طبیعت میں غفلات طاری ہوتی ہیں جو استغفار کی محتاج ہوتی ہیں۔

اور علامہ ابن الجوزی نے کہا ہے: بشر کی طبعی ہفوات سے کوئی محفوظ نہیں ہے اور انبیاء علیہم السلام اگرچہ کبائر سے معصوم ہوتے ہیں، لیکن وہ صغائر سے معصوم نہیں ہوتے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: ہم اس کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ انبیاء علیہم السلام صغائر اور کبائر تمام سے نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد معصوم ہوتے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۳۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے استغفار کے متعلق مصنف کی توجیہات

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا ۝ (النصر: ۳)

سو آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کریں اور اس سے مغفرت طلب کریں، بے شک وہ بہت توبہ قبول فرمانے والا ہے ۝

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہیں اور آپ نے کوئی گناہ نہیں کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے باوجود آپ کو یہ حکم دیا کہ آپ اپنے رب سے استغفار کریں، سو آپ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی تعمیل کے لیے استغفار کرتے تھے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجئے اور اس سے استغفار کیجئے، اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری عمر میں رکوع اور سجود میں یہ دعا کرتے تھے "سبحانك اللهم ربنا وبحمدك اغفرلی" (اے اللہ! ہمارے رب تو پاک ہے اور ہم تیری حمد کرتے ہیں، سو تو میری مغفرت کر دے)، حدیث میں ہے:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رکوع میں اور سجدہ میں کثرت کے ساتھ یہ دعا کرتے تھے "سبحانك الله ربنا وبحمدك اللهم اغفرلی" آپ قرآن کے حکم پر عمل کرتے تھے۔

(صحیح البخاری: ۷۹۴، ۸۱۷، صحیح مسلم: ۴۸۴، سنن نسائی: ۱۰۴۷، سنن ابو داؤد: ۸۷۷، سنن ابن ماجہ: ۸۸۹، مسند احمد: ۲۴۱۶۴)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ (البقرہ: ۲۲۲)

بے شک اللہ توبہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے ۝

(۳) چونکہ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کرتے تھے تاکہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل ہو اور آپ کا توبہ کرنا کسی گناہ کی وجہ سے نہیں تھا کیونکہ آپ نبی معصوم ہیں۔

۷۴۴۳۔ حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا أَبُو — امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یوسف

أُسَامَةَ حَدَّثَنِي الْأَعْمَشُ عَنْ خَيْثَمَةَ عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا سَيُكَلِّمُهُ رَبُّهُ لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ تُرْجُمَانٌ وَلَا حِجَابٌ يَحْجُبُهُ۔

بن موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابواسامہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے الاعمش نے حدیث بیان کی از خیثمہ از عدی بن حاتم، وہ بیان کرتے ہیں کہ تم میں سے ہر شخص کے ساتھ عنقریب اس کا رب کلام فرمائے گا اس طور پر کہ اس بندے اور اس کے رب کے درمیان کوئی ترجمان نہیں ہوگا اور نہ کوئی حجاب ہوگا جو اس کو دیکھنے سے روکے۔

(صحیح البخاری: ۱۴۱۳، ۱۴۱۷، ۳۵۹۵، ۶۰۲۳، ۶۵۳۹، ۶۵۴۰، ۶۵۶۳، ۷۴۴۳، ۷۵۱۲، صحیح مسلم: ۱۰۱۶، سنن ترمذی: ۲۴۱۵، سنن نسائی: ۲۵۵۳، سنن ابن ماجہ: ۱۸۴۳، مسند احمد: ۱۷۷۸۲، سنن دارمی: ۱۶۵۷)

صحیح البخاری: ۷۴۴۳، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے درمیان حجاب کے اٹھنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر تجلی فرمائے گا اور یہ اس طرح نہیں ہے جیسے کوئی پردہ کے پیچھے سے نکل کر سامنے آجاتا ہے، کیونکہ یہ اجسام کی صفت ہے اور یہ اللہ تعالیٰ پر محال ہے اور بندوں کے آگے سے حجاب اٹھنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کی آنکھوں سے ان آفات کو زائل فرما دیتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو دیکھنے سے مانع ہوتی ہیں، پس وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے اور کفار کی آنکھوں سے ان آفات کو زائل نہیں کیا جائے گا، اس لیے وہ اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکیں گے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

كَلَّآ إِنَّهُمْ عَن رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوبُونَ ۝ بے شک وہ اس دن اپنے رب (کے دیدار) سے محروم ہوں گے ○ (المطففین: ۱۵)

اور ایک اور حدیث میں مذکور ہے "قوم اور ان کے اپنے رب کو دیکھنے کے درمیان صرف اللہ تعالیٰ کی کبریائی کی چادر ہے جو اس کے چہرہ پر جنت عدن میں ہے" چونکہ اللہ تعالیٰ کا جسم ہونا محال ہے اس لیے چادر کی تاویل یہ ہے کہ اس سے مراد مخلوق کی آنکھوں میں وہ آفت ہے جو ان کو اللہ تعالیٰ کو دیکھنے سے مانع ہو، پس مخلوق اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکے گی جب تک کہ وہ مانع ان کی آنکھوں میں ہوگا اور اس کو چادر مجازاً فرمایا ہے، کیونکہ جس طرح چادر آنکھوں کے سامنے ہو تو وہ کسی چیز کو دیکھنے سے مانع ہوتی ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی کبریائی لوگوں کو اس کو دیکھنے سے مانع ہوگی، اور جب اللہ تعالیٰ اس آفت کو لوگوں کی آنکھوں سے زائل کر دے گا تو پھر وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ لیں گے، اور یہ تاویل اس لیے کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا چادر یا کسی اور چیز سے محجوب ہونا محال ہے کیونکہ یہ چیز اجسام کی صفات سے ہے۔ (شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۴۷۷۔۴۷۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۷۴۴۴۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ الصَّمَدِ عَنْ أَبِي عِمْرَانَ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ قَيْسٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالعزیز بن عبدالصمد نے حدیث بیان کی از ابی عمران از ابی بکر بن عبداللہ بن

جَنَّتَانِ مِنْ فِضَّةٍ آنِيَتُهُمَا وَمَا فِيهِمَا وَجَنَّتَانِ مِنْ ذَهَبٍ آنِيَتُهُمَا وَمَا فِيهِمَا وَمَا بَيْنَ الْقَوْمِ وَبَيْنَ أَنْ يَنْظُرُوا إِلَى رَبِّهِمْ إِلَّا رِدَاءُ الْكِبْرِ عَلَى وَجْهِهِ فِي جَنَّةِ عَدْنٍ۔

قیس از والد خود از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: دو جنتیں چاندی کی ہیں، ان کے برتن اور جو کچھ ان میں ہے، اور دو جنتیں سونے کی ہیں ان کے برتن اور جو کچھ ان میں ہے، اور لوگوں کے درمیان اور اس کے درمیان کہ وہ اپنے رب کی طرف دیکھیں صرف کبر کی چادر ہے جو اس کے چہرہ پر ہے جنت عدن میں۔

(صحیح البخاری:۴۸۷۸، ۴۸۸۰، ۷۴۴۴، صحیح مسلم:۱۸۰، سنن ترمذی:۲۵۲۷، سنن ابن ماجہ:۱۸۶، مسند احمد:۲۸۴۳۲)

صحیح البخاری:۷۴۴۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے "جنتان" اس لفظ سے اس آیت کی طرف اشارہ ہے:

وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ﴿۶۲﴾ (الرحمٰن:۶۲) اور ان دو جنتوں کے علاوہ اور دو جنتیں ہیں۔

وہ دو جنتیں جو مقربین، صدیقین اور شہداء کے لیے ہیں یعنی جنت عدن اور جنت نعیم، ان کے علاوہ اور دو فضیلت والی جنتیں ہیں یعنی جنت الفردوس اور جنت الماویٰ۔ (الاتحاف السنیہ ص ۲۸۲)

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس کے معارض حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، وہ بیان کرتے ہیں ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہمیں بتائیے کہ جنت کو کس چیز سے بنایا ہے، آپ نے فرمایا: ایک اینٹ سونے کی ہے اور ایک اینٹ چاندی کی ہے۔ اس حدیث کی امام احمد اور امام ترمذی نے روایت کی ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: پہلی حدیث سے مراد ہے جنت کے برتنوں وغیرہ کی صفت اور دوسری حدیث سے مراد ہے تمام جنتوں کے باغات۔

اس حدیث میں مذکور ہے "الا رداء الکبر" اور ایک روایت میں ہے "الا رداء الکبریاء" اور یہ متشابہات میں سے ہیں کیونکہ حقیقت میں نہ اللہ تعالیٰ کی کوئی چادر ہے اور نہ اس کا کوئی چہرہ ہے، یا تو ان الفاظ کو چھوڑ دیا جائے اور کہا جائے: ان کی مراد اللہ کو معلوم ہے، یا اس کی تاویل کی جائے اور کہا جائے کہ چہرہ سے مراد ذات ہے اور رداء یعنی چادر یہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی صفات لازمہ سے ہے اور وہ مخلوقات کی مشابہت سے منزہ ہے۔

علامہ القرطبی نے المفہم میں کہا ہے: "الرداء" استعارہ ہے اور اس سے عظمت مراد ہے جیسے ایک اور حدیث میں ہے کہ کبریاء میری چادر ہے اور عظمت میرا تہبند ہے، اور اس سے مراد محسوس کپڑے نہیں ہیں جو دکھائی دیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فی جنۃ عدن" قاضی عیاض نے کہا: اس کا معنی ہے کہ دیکھنے والے جنت عدن میں ہوں گے، یہ معنی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ جنت عدن میں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو کوئی جگہ احاطہ نہیں کر سکتی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۲۰۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

تنبیہ: میں کہتا ہوں: علامہ عینی کی مذکور الشرح حافظ ابن حجر عسقلانی کی شرح سے منقول ہے، علامہ عینی نے حافظ ابن حجر کی شرح کے

بعض مقامات سے سیاق وسباق کے بغیر چند جملے اٹھا لیے، اب ہم حافظ ابن حجر عسقلانی کی پوری شرح ذکر کر رہے ہیں جس سے حقیقتِ حال واضح ہو جائے گی۔

صحیح البخاری: ۷۴۴۴، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

''وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ'' کے علاوہ دو جنتوں کا مصداق

اس حدیث میں مذکور ہے ''دو جنتیں سونے کی ہیں اور ان کے برتن اور جو کچھ ان جنتوں میں ہے وہ سونے کا ہے اور دو جنتیں چاندی کی ہیں ان کے برتن اور جو کچھ ان جنتوں میں ہے وہ چاندی کا ہے''۔

حماد بن سلمہ نے از ثابت از ابی بکر بن ابی موسیٰ از والد خود روایت کی ہے، انہوں نے کہا: مقربین کے لیے دو جنتیں سونے کی ہیں اور ان کے علاوہ اصحاب الیمین (دائیں ہاتھ والوں کے لیے) چاندی کی دو جنتیں ہیں۔

اس حدیث کی امام طبری اور امام ابن ابی حاتم نے روایت کی ہے اور اس کے تمام رجال ثقہ ہیں۔

حکیم ترمذی نے کہا ہے کہ ''وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ﴿۶۲﴾ (الرحمٰن: ۶۲)'' اس آیت میں دنو بمعنی قرب ہے، یہ معنی نہیں ہے کہ یہ دو جنتیں اس سے پہلے ذکر کی گئیں دو جنتوں سے کم ہیں، اور ایک جماعت نے تصریح کی ہے کہ پہلی دو جنتیں دوسری دو جنتوں سے افضل ہیں، یعنی مقربین کے لیے دو جنتیں سونے کی ہیں اور اصحاب الیمین کے لیے دو جنتیں چاندی کی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی کبریائی کی چادر سے مراد وہ حجاب ہے جو اللہ تعالیٰ کو دیکھنے سے مانع ہے

اس حدیث میں مذکور ہے ''وما بین القوم وبین ان ینظروا الی ربھم الا رداء الکبریاء علی وجھہ'' اور لوگوں کے درمیان اور اس کے درمیان کہ وہ اپنے رب کی طرف دیکھیں صرف کبر کی چادر ہے جو اس کے چہرہ پر ہے۔

علامہ المازری نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عربوں کو ان کی فہم کے مطابق خطاب فرماتے تھے اور ان کے لیے اشیاء معنویہ کو حواس کی طرف بیان فرماتے تھے تاکہ ان کے لیے اس کو سمجھنا قریب ہو جائے، پس آپ نے دیکھنے سے موانع کے زوال کو اور موانع کو آنکھوں سے اٹھانے کو اس طرح تعبیر فرمایا ہے، پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ان سے یہ خطاب فرمانا کہ اللہ تعالیٰ کے چہرہ پر کبریائی کی چادر ہے اسی طریقہ پر ہے، اور جس نے اس معنی کو نہیں سمجھا اس نے اس کلام کو ظاہر پر محمول کر کے اللہ تعالیٰ کے جسم ہونے کا قول کیا اور جس کے لیے یہ واضح نہیں ہوا اور اس نے جان لیا کہ اللہ تعالیٰ اس چیز سے منزہ ہے جس کا ظاہری الفاظ تقاضا کرتے ہیں یا تو اس حدیث کے راویوں کی تکذیب کرے گا یا اس حدیث کی تاویل کرے گا گویا کہ کہے گا: اللہ تعالیٰ نے اپنی عظیم سلطنت اور کبریائی اور ہیبت اور جلالت کے لیے چادر کے لفظ کا استعارہ کیا، پس جب اللہ تعالیٰ لوگوں کی آنکھوں کو اور ان کے دلوں کو قوی کرنا چاہے گا تو لوگوں سے ہیبت کا حجاب اور اس کی عظمت کے موانع کو اٹھا لے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ کبریائی کی چادر اللہ تعالیٰ کو دیکھنے سے مانع ہے اور اس کے بعد یہ عبارت محذوف ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ لوگوں پر احسان فرمائے گا کہ اس چادر کو اٹھا لے گا پھر وہ اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھنے میں کامیاب ہوں گے گویا کہ مراد یہ ہے کہ جب مومنین

جنت میں اپنے ٹھکانوں پر بیٹھ جائیں گے تو اگر ان کے نزدیک ذی الجلال کی ہیبت نہ ہوتی تو بندوں اور رب کو دیکھنے کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہوتی، پس جب اللہ تعالیٰ بندوں پر اکرام کرنے کا ارادہ فرمائے گا تو اس کی رحمت ان کو گھیر لے گی اور اللہ تعالیٰ ان پر فضل فرمائے گا اور انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھنے کی طاقت دے گا۔

اور حضرت ابوموسیٰ کی حدیث میں کبریاء کی چادر سے وہی مراد ہے جو حضرت صہیب کی حدیث میں حجاب سے مراد ہے کہ اللہ سبحانہ اہلِ جنت کے اکرام کے لیے اس حجاب کو کھول دے گا۔

امام مسلم، امام ترمذی، امام نسائی، امام ابن خزیمہ اور امام ابن حبان کی حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب اہلِ جنت جنت میں داخل ہو جائیں گے تو اللہ عزوجل ارشاد فرمائے گا: کیا تم کوئی ایسی چیز چاہتے ہو جو میں تمہیں زیادہ دوں؟ جنتی کہیں گے: کیا تو نے ہمارے چہرے سفید نہیں کیے اور تو نے ہم کو جنت میں داخل نہیں کیا، آپ نے فرمایا: پھر ان کے لیے حجاب کھول دیا جائے گا، پس ان کو جنت میں جو نعمتیں بھی دی گئی ہیں اس سے زیادہ انہیں محبوب یہ ہوگا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھیں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی:

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَ زِيَادَةٌ (یونس:۲۶) جن لوگوں نے نیک عمل کیے ان کے لیے اچھی جزاء ہے اور اس کے علاوہ زائد اجر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی عظمت اور کبریاء کو چادر اور تہبند سے تعبیر فرمایا کیونکہ مخاطبین کے نزدیک چادر اور تہبند دونوں ایک دوسرے کو لازم ہیں تو اس لیے ان سے عظمت اور کبریاء کو تعبیر کیا اور اس باب کی حدیث کا معنی یہ ہے کہ اللہ عزوجل کی عزت اور اس کے استغناء کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو کوئی نہ دیکھتا لیکن مومنین کے لیے جو اس کی رحمت ہے اس نے یہ تقاضا کیا کہ وہ لوگوں کو اپنا چہرہ دکھائے تاکہ نعمت مکمل ہو جائے، پس جب مانع زائل ہو جائے گا یعنی اللہ تعالیٰ یہ حجاب اٹھا دے گا، پس گویا کہ اللہ تعالیٰ ان سے کبریاء کا حجاب اٹھائے گا جو ان کو دیکھنے سے مانع تھا۔

علامہ تورپشتی نے بھی اسی طرف اشارہ کیا ہے، انہوں نے کہا کہ مومن جب جنت میں اپنے ٹھکانے میں بیٹھ جائے گا اور حجابات اٹھ جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھنے میں جو موانع تھے وہ اٹھ جائیں گے تو پھر مومن اپنے رب کی طرف دیکھے گا اور بندوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت مکمل ہو جائے گی۔ (فتح الباری ج ۸ص۶۰۸_۵۶۱، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۴۴۵۔ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ أَعْيَنَ وَجَامِعُ بْنُ أَبِي رَاشِدٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ رضی الله عنه قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنِ اقْتَطَعَ مَالَ امْرِءٍ مُسْلِمٍ بِيَمِينٍ كَاذِبَةٍ لَقِيَ اللهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ قَالَ عَبْدُ اللهِ ثُمَّ قَرَأَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم مِصْدَاقَهُ مِنْ كِتَابِ اللهِ جَلَّ ذِكْرُهُ ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں الحمیدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالملک بن اعین اور جامع بن ابی راشد نے حدیث بیان کی از ابووائل از حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے جھوٹی قسم کھا کر کسی مسلمان مرد کا مال حاصل کیا وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوگا، حضرت

قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ﴾ الْآيَةَ۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث کا مصداق اللہ عزوجل کی کتاب سے بیان فرمایا:
''بے شک جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے عوض تھوڑی قیمت خریدتے ہیں ان لوگوں کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے اور نہ آخرت میں اللہ ان سے کلام فرمائے گا''۔ (آل عمران:۷۷)

(صحیح البخاری:۲۳۵۶، ۲۴۱۷، ۲۵۱۶، ۲۶۶۷، ۲۶۷۰، ۲۶۷۷، ۴۵۵۰، ۶۶۶۰، ۶۶۷۷، ۷۱۸۴، صحیح مسلم:۱۳۸، سنن ترمذی:۱۲۶۹، سنن ابوداؤد:۳۲۴۳، سنن ابن ماجہ:۲۳۲۳، مسند احمد:۴۲۰۰)

صحیح البخاری:۷۴۴۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''من اقتطع'' یعنی جس شخص نے مسلمان کے مال سے ایک حصہ اپنے لیے لیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''غضبان'' ''غضب'' کا معنی ہے: خون کا جوش میں آنا اور اللہ تعالیٰ اس سے منزہ ہے، اس لیے اس حدیث میں غضب سے مراد اس کا لازم ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس کو سزا دے گا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۲۰۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۴۴۶۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ رَجُلٌ حَلَفَ عَلَى سِلْعَةٍ لَقَدْ أَعْطَى بِهَا أَكْثَرَ مِمَّا أَعْطَى وَهُوَ كَاذِبٌ وَرَجُلٌ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ كَاذِبَةٍ بَعْدَ الْعَصْرِ لِيَقْتَطِعَ بِهَا مَالَ امْرِءٍ مُسْلِمٍ وَرَجُلٌ مَنَعَ فَضْلَ مَاءٍ فَيَقُولُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الْيَوْمَ أَمْنَعُكَ فَضْلِي كَمَا مَنَعْتَ فَضْلَ مَا لَمْ تَعْمَلْ يَدَاكَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از عمرو از ابی صالح از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: تین مردوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بات نہیں کرے گا اور نہ ان کی طرف دیکھے گا، ایک وہ مرد جس نے کسی سودے پر حلف اٹھایا کہ جتنا اس سودے کے عوض اسے دیا گیا ہے وہ اس سے زیادہ دے چکا ہے اور وہ اس میں جھوٹا ہو، اور دوسرا وہ مرد جس نے عصر کی نماز کے بعد جھوٹی قسم کھائی تاکہ اس جھوٹی قسم سے کسی مسلمان مرد کا مال قطع کرے، تیسرا وہ مرد جس نے اپنا فالتو پانی دینے سے منع کیا تو اللہ تعالیٰ اس سے قیامت کے دن فرمائے گا: آج کے دن میں تجھ سے اپنے فضل کو روک لیتا ہوں، جس طرح تو نے اپنے فاضل پانی کو روک لیا تھا

جس پانی کے حصول میں تیرے ہاتھوں نے کام نہیں کیا تھا۔

(صحیح البخاری: ۲۳۵۸، ۲۳۶۹، ۲۶۷۲، ۷۲۱۲، ۷۴۴۶، صحیح مسلم: ۱۰۸، سنن ترمذی: ۱۵۹۵، سنن نسائی: ۴۴۶۲، سنن ابوداؤد: ۳۴۷۴، سنن ابن ماجہ: ۲۲۰۷، مسند احمد: ۷۴۴۳)

صحیح البخاری: ۷۴۴۶، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ضرورت سے زائد پانی کو منع کرنے کی وجہ سے کنویں والے سے قتال کیا جائے گا اور اس کے احکام

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "جس شخص نے اپنی ضرورت سے زائد پانی کو دینے سے لوگوں کو منع کیا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس سے ناراض ہوگا اور اس کو اپنے فضل سے عطا نہیں فرمائے گا جس طرح اس نے دنیا میں اپنی ضرورت سے زائد فاضل پانی لوگوں کو نہیں دیا تھا"۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس شخص کا کنواں ہو وہ اس کنویں کے پانی کے استعمال کرنے کا مسافروں کی ضرورت سے زیادہ حق دار ہے، پس جب کنویں کا مالک اپنی ضرورت کے مطابق پانی کنویں سے حاصل کرلے تو پھر اس کنویں کے پانی کو مسافروں کے لیے چھوڑ دے اور اس کے لیے مسافروں کو منع کرنا جائز نہیں ہے۔

اور جو مویشیوں کو پانی پلانے کا کنواں ہو تو اس کنویں کے پانی سے بھی منع کرنا جائز نہیں ہے، اگر کنویں والے منع کریں تو ان سے قتال کیا جائے گا، اگر پانی کا طلب کرنے والا اس جنگ میں مارا جائے تو اس کی دیت کنویں والے پر ہے اور اس کو سزا بھی دی جائے گی اور قید بھی کیا جائے گا، اور اگر اس جنگ میں کنویں والا مار دیا جائے تو اس کا خون رائیگاں ہے اس کی کوئی دیت نہیں ہے، اسی طرح علامہ داؤدی نے بیان کیا ہے۔

اور علامہ ابن التین نے کہا ہے: یہ درست ہے لیکن اگر کنویں کا مالک مار دیا جائے تو اس کی دیت عاقلہ پر ہے، اور اگر مسافرین میں سے کوئی مار دیا جائے تو پانی سے روکنے والوں سے ان کا تمام مال لے لیا جائے گا اور ان کو اس کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا۔

عصر کے بعد جھوٹی قسم کھانے پر مواخذہ کی خصوصیت

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "جس نے عصر کے بعد جھوٹی قسم کھائی تا کہ کسی مسلمان مرد کا مال اس قسم سے قطع کرلے تو اللہ تعالیٰ اس سے قیامت کے دن بات نہیں کرے گا" یعنی لطف کے ساتھ بات نہیں کرے گا اور نہ اس کی طرف دیکھے گا یعنی رحمت سے اس کی طرف نہیں دیکھے گا۔

عصر کی نماز کے بعد مواخذہ کی خصوصیت اس وجہ سے ہے کہ اس وقت میں گناہوں کا کرنا بہت سنگین ہے، کیونکہ اس وقت فرشتے بندوں کے اعمال کو رب تعالیٰ کے پاس لے کر چڑھتے ہیں، پس یہ بہت سنگین بات ہوگی کہ وہ لوگوں کی نافرمانیوں اور ان کے گناہوں کو لے کر آسمان پر جائیں، اور بندوں کا آخری عمل جو پہنچایا جاتا ہے اس میں مغفرت کی اور ثواب کی امید ہوتی

ہے، جب کہ جھوٹی قسم کھانا ہر وقت حرام ہے لیکن اس وجہ سے عصر کے بعد جھوٹی قسم کھانا بہت سنگین گناہ ہے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''اللہ تعالیٰ ان تین مردوں سے کلام نہیں فرمائے گا'' اس حدیث کا یہ معنی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کسی بھی وقت ان سے کلام نہیں فرمائے گا بلکہ کسی دوسرے وقت میں ان سے کلام فرمائے گا، اور یہی اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۳ ص ۳۳۵۔۳۳۶، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۷۴۴۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنِ ابْنِ أَبِي بَكْرَةَ عَنْ أَبِي بَكْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ الزَّمَانُ قَدِ اسْتَدَارَ كَهَيْئَتِهِ يَوْمَ خَلَقَ اللهُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ السَّنَةُ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ثَلَاثٌ مُتَوَالِيَاتٌ ذُو الْقَعْدَةِ وَذُو الْحَجَّةِ وَالْمُحَرَّمُ وَرَجَبُ مُضَرَ الَّذِي بَيْنَ جُمَادَى وَشَعْبَانَ أَيُّ شَهْرٍ هٰذَا قُلْنَا اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ فَسَكَتَ حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ يُسَمِّيهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ قَالَ أَلَيْسَ ذَا الْحَجَّةِ قُلْنَا بَلَى قَالَ أَيُّ بَلَدٍ هٰذَا قُلْنَا اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ فَسَكَتَ حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ قَالَ أَلَيْسَ الْبَلْدَةَ قُلْنَا بَلَى قَالَ فَأَيُّ يَوْمٍ هٰذَا قُلْنَا اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ فَسَكَتَ حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ قَالَ أَلَيْسَ يَوْمَ النَّحْرِ قُلْنَا بَلَى قَالَ فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ قَالَ مُحَمَّدٌ وَأَحْسِبُهُ قَالَ وَأَعْرَاضَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِي بَلَدِكُمْ هٰذَا فِي شَهْرِكُمْ هٰذَا وَسَتَلْقَوْنَ رَبَّكُمْ فَيَسْأَلُكُمْ عَنْ أَعْمَالِكُمْ أَلَا فَلَا تَرْجِعُوا بَعْدِي ضُلَّالًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ أَلَا لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ فَلَعَلَّ بَعْضَ مَنْ يَبْلُغُهُ أَنْ يَكُونَ أَوْعَى لَهُ مِنْ بَعْضِ مَنْ سَمِعَهُ فَكَانَ مُحَمَّدٌ إِذَا ذَكَرَهُ قَالَ صَدَقَ النَّبِيُّ ﷺ ثُمَّ قَالَ أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن المثنیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالوہاب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ایوب نے حدیث بیان کی از محمد از ابن ابی بکرہ از حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ، از نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے فرمایا: زمانہ گھوم کر اپنی اس اصل حالت پر آ گیا ہے جس حالت پر وہ اس دن تھا جب اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا تھا، سال میں بارہ مہینے ہیں، ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں، تین مہینے مسلسل ہیں: ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور المحرم، اور مضر کا رجب جو جماذی اور شعبان کے درمیان ہے، پھر آپ نے پوچھا: یہ کون سا مہینہ ہے؟ ہم نے کہا: اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جاننے والے ہیں، پس آپ نے سکوت فرمایا حتیٰ کہ ہم نے یہ گمان کیا کہ عنقریب آپ اس کا کوئی اور نام لیں گے، آپ نے فرمایا: کیا یہ مہینہ ذوالحجہ کا نہیں ہے؟ ہم نے کہا: کیوں نہیں! آپ نے فرمایا: یہ کون سا شہر ہے؟ ہم نے کہا: اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جاننے والے ہیں، پس آپ نے سکوت فرمایا حتیٰ کہ ہم نے یہ گمان کیا کہ عنقریب آپ اس کا کوئی اور نام لیں گے، آپ نے فرمایا: کیا یہ البلدہ (شہر مکہ) نہیں ہے؟ ہم نے عرض کیا: کیوں نہیں! آپ نے فرمایا: آج کون سا دن ہے؟ ہم نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جاننے والے ہیں، پس آپ نے سکوت کیا حتیٰ کہ ہم نے یہ گمان کیا کہ آپ اس دن کا کوئی اور نام لیں گے، آپ نے فرمایا: کیا یہ یوم نحر (قربانی کا دن) نہیں ہے؟ ہم نے عرض کیا: کیوں نہیں! آپ نے فرمایا: بے شک تمہارے خون اور تمہارے اموال، راوی محمد (بن سیرین) نے کہا: اور میرا گمان

ہے کہ آپ نے فرمایا: اور تمہاری عزتیں، تم پر اس طرح حرام ہیں جس طرح تمہارا یہ دن، تمہارے اس شہر میں، تمہارے اس مہینہ میں حرمت والا ہے۔ اور عنقریب تم اپنے رب سے ملاقات کرو گے، پس وہ تم سے تمہارے اعمال کے متعلق سوال کرے گا، سنو! تم میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا اور تم ایک دوسرے کی گردنوں کو کاٹو، سنو! حاضر غائب کو یہ حدیث پہنچا دے، پس ہو سکتا ہے تم میں سے جس کو یہ حدیث پہنچائی گئی ہو وہ اس سے زیادہ اس حدیث کو یاد رکھنے والا ہو جس نے اس حدیث کو سنا ہے، پس راوی محمد (بن سیرین) جب اس حدیث کا ذکر کرتے تو کہتے: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچ فرمایا، پھر آپ نے فرمایا: سنو! کیا میں نے تبلیغ کر دی ہے؟، سنو! کیا میں نے تبلیغ کر دی ہے؟

(صحیح البخاری: ٦٧، ١٠٥، ١٧٤١، ٣١٩٧، ٤٤٠٦، ٤٦٦٢، ٥٥٥٠، ٧٠٧٨، ٧٤٤٧، صحیح مسلم: ١٦٧٩، سنن ابن ماجہ: ٢٣٣، مسند احمد: ١٩٨٧٣، سنن دارمی: ١٩١٦)

صحیح البخاری: ٧٤٤٧، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ٨٥٥ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حدیث کے اس جملہ میں ہے "اور عنقریب تم اپنے رب سے ملاقات کرو گے" کیونکہ اس باب کا عنوان ہے "وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝" (القیامہ: ٢٣۔٢٢)"، یعنی قیامت کے دن مومنین کے چہرے تر و تازہ ہوں گے ○ اور وہ اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے ○ اور اپنے رب کی طرف دیکھنا اپنے رب سے ملاقات کو متضمن ہے۔

حدیث مذکور کے بعض مشکل الفاظ کے معانی

سال کے مہینوں کو پیچھے کرتے رہنے کے بعد کون سے سال مہینے اپنی ترتیب کے مطابق ہوئے؟

اس حدیث میں مذکور ہے "زمانہ گھوم کر اپنی اصل حالت پر آ چکا ہے"۔ زمانہ سے مراد ہے سال، یعنی جب اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا اس وقت سال کے مہینے جس ترتیب سے آتے تھے اب وہ مہینے پھر اسی ترتیب کے مطابق آ چکے ہیں۔ علامہ الزمخشری نے کہا ہے: زمانہ جاہلیت میں مشرکین مہینوں کو پیچھے کرتے رہتے تھے، کیونکہ چار حرمت والے مہینوں میں لڑائی کرنا شروع سے ممنوع اور حرام تھا، پس مثلاً انہوں نے جب ذوالقعدہ میں لڑائی کرنی ہوتی تو وہ ذوالقعدہ کو ایک مہینہ پیچھے کر دیتے،

اور ذوالحجہ کو ذوالقعدہ قرار دیتے، اور ذوالحجہ میں لڑائی کرنی ہوتی تو اسے ایک مہینہ پیچھے کر دیتے، اسی طرح وہ مہینوں کو پیچھے کرتے رہتے تھے حتیٰ کہ اس سال وہ مہینے پیچھے ہوتے ہوتے اپنی اصل حالت پر آ گئے اور مشرکین کی تغیرات باطل ہو گئیں، اور یہ اس وقت ہوا جب ذوالحجہ میں حجۃ الوداع واقع ہوا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "البلدة" یعنی شہر معہود اور معروف جو کہ مکہ مکرمہ ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "قال محمد" اس سے مراد اس حدیث کے راوی محمد بن سیرین ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "ہو سکتا ہے کہ جسے حدیث پہنچائی گئی ہو وہ حدیث کو سننے والے سے زیادہ یاد رکھنے والا ہو"۔

اور تجربہ اور تتبع سے معلوم ہوا کہ اکثر سننے والے اپنے شیوخ اور اساتذہ سے افضل ہوتے ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۲۰۳۔ ۲۰۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۷۴۴۷، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کے متعلق احادیث کی تعداد

اس باب میں امام بخاری نے اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کے متعلق انیس (۱۹) احادیث کی روایت کی ہے۔

امام الدارقطنی نے ان تمام احادیث کو جمع کیا ہے جو آخرت میں اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کے متعلق ہیں، سو ان کی تعداد بیس (۲۰) سے زائد ہے، اور علامہ ابن القیم نے "حادی الارواح" میں ان احادیث کا تتبع کیا تو ان کی تعداد تیس (۳۰) ہے اور اکثر احادیث عمدہ ہیں۔ اور یحییٰ بن معین نے کہا ہے: اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کے متعلق میرے نزدیک سترہ (۱۷) احادیث صحیح ہیں۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۵۶۱، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۲۵۔ بَابُ: مَا جَاءَ فِيْ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۶﴾

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "بے شک اللہ کی رحمت نیکی کرنے والوں سے قریب ہے O"

(الاعراف: ۵۶)

باب مذکور کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی التوفی ۴۴۹ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

رحمت کی دو قسمیں: صفت ذات اور صفت فعل

رحمت کی دو قسمیں ہیں: رحمت اللہ تعالیٰ کی ذات کی صفت ہے اور رحمت اللہ تعالیٰ کے فعل کی صفت ہے، پس جو رحمت اس کی ذات کی صفت ہے اس کا رجوع اللہ تعالیٰ کے ارادہ کی طرف ہے یعنی اپنے بندوں میں سے اطاعت کرنے والوں کو ثواب عطا فرمانا، اور قرآن مجید میں جو مذکور ہے "اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۶﴾۔۔۔ (الاعراف: ۵۶)" یہ بھی ہو سکتا ہے کہ

یہاں پر رحمت کا معنی ذات کی صفت ہو جس کا رجوع اس کے ارادہ کی صفت ہو کہ وہ نیکو کاروں کو ثواب عطا فرمائے گا، اور اللہ تعالیٰ کا ارادہ اس کی ذات کی صفت ہے۔

اسی کی مثل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے: ''انما یرحم اللہ من عبادہ الرحماء'' (اللہ تعالیٰ صرف اپنے رحم کرنے والے بندوں پر رحم فرماتا ہے) یعنی اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے رحم کرنے والے بندوں کو ثواب عطا کرنے کا ارادہ فرماتا ہے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ فعل کی صفت ہو اور اس کا معنی یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر نعمتیں اور ان کو رزق عطا فرمانا اور ان پر بارش کو نازل فرمانا یہ محسنین کے قریب ہے، پس ان امور کا نام رحمت رکھا کیونکہ یہ امور اللہ تعالیٰ کی قدرت سے صادر ہوتے ہیں اور اس کے ارادہ سے مجازاً اور اتساعاً صادر ہوتے ہیں، کیونکہ عربوں کی عادت ہے کہ وہ کسی چیز کا نام اس کے سبب کے نام پر رکھتے ہیں اور کسی چیز کا نام اس کے ساتھ رکھتے ہیں جس سے اس کا تعلق ہو، اسی اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے اس باب کی حدیث میں جنت کو رحمت فرمایا، پس ارشاد فرمایا: تو میری رحمت ہے، پس جنت کو رحمت فرمایا حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کے افعال میں سے ایک فعل ہے کیونکہ جنت اللہ تعالیٰ کی قدرت سے وجود میں آئی اور اس کے بندوں میں سے نیکی کرنے والوں کو نعمت عطا کرنے کے ارادہ سے وجود میں آئی۔

(شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ١٠ ص ٤٨٠۔٤٨١، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ١٤٢٤ھ)

بابِ مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ٨٥٢ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمٰن اور اس کی صفتِ رحیم کا فرق

امام بیہقی نے کتاب ''الاسماء والصفات'' میں کہا ہے: ان اسماء کا باب جو اللہ تعالیٰ کی تدبیر کے اثبات کا تتبع کرتے ہیں نہ کہ دوسرے اسماء، اور ان میں سے الرحمٰن اور الرحیم ہے۔

اور علامہ الخطابی نے کہا ہے: رحمٰن کا معنی ہے ایسی رحمت والا جو تمام مخلوق کو رزق دینے اور ان کی معیشت کے اسباب مہیا کرنے اور ان کی مصلحتوں کے متعلق ہے، اور رحیم کا معنی مومنین کے ساتھ خاص ہے، اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے فرمایا:

وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا ﴿٤٣﴾ (الاحزاب: ٤٣) اور وہ مومنوں پر بے حد رحم فرمانے والا ہے O

اور دوسروں نے کہا: رحمٰن کا لفظ نام کے اعتبار سے خاص ہے اور فعل کے اعتبار سے عام ہے، اور رحیم کا لفظ نام کے اعتبار سے عام ہے اور فعل کے اعتبار سے خاص ہے۔

الاعراف: ٥٦ میں ''قَرِيْبٌ'' کے لفظ کو مذکر لانے کی توجیہ

اس آیت میں قَرِيْبٌ کا لفظ مذکر کا صیغہ ہے، حالانکہ یہ رحمت کی صفت ہے، اور جب قَرِيْبٌ کا لفظ مؤنث کی صفت ہو تو اس کو لازمی طور پر مؤنث لایا جاتا ہے کہا جاتا ہے ''فلانة قريبة يا فلانة بعيدة'' اور اگر قَرِيْبٌ کا لفظ مکان یا جگہ کی صفت ہو تو پھر دونوں وجہیں جائز ہیں کیونکہ یہ مکان کی صفت ہوگی، پس تم کہو گے ''فلانةٌ قريبةٌ وقريبٌ'' جب کہ وہ مکان بعید نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُونُ قَرِيبًا ﴿٦٣﴾ اور (اے مخاطب!) تجھے کیا پتا کہ شاید قیامت عنقریب واقع ہو O

(الاحزاب: ٦٣)

اس جگہ بھی یہ اعتراض ہے کہ قیامت کا لفظ مونث ہے تو بظاہر قریبۃً ہونا چاہیے تھا، اور اسی طرح الاعراف: ٥٦ میں بھی قَرِيْبٌ رحمت کی صفت ہے جو لفظاً مونث ہے تو یہاں بھی قریبۃٌ ہونا چاہیے تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ قَرِيْبٌ رحمت کا وصف نہیں ہے، یہ اس کا ظرف ہے، اس لیے اس میں مونث کا صیغہ اور مذکر کا صیغہ دونوں جائز ہیں اور یہ جمع، تثنیہ اور مفرد سب کی صلاحیت رکھتا ہے اور اگر اس سے صفت مراد ہوتی تو مطابقت واجب ہوتی۔

اس اعتراض کے اور بھی جوابات ہیں، ایک جواب یہ ہے کہ یہ موصوف محذوف کی صفت ہے یعنی ای شیء قریب، کون سی چیز قریب ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب رحمت کا معنی مغفرت کرنا ہو، یا معاف کرنا ہو، یا بارش نازل کرنا ہو، یا احسان کرنا ہو تو اس پر محمول کیا جائے گا اور مغفرت کرنا اور بارش نازل کرنا وغیرہ یہ مذکر ہیں اور جب رحمت ان کے معنی میں ہو تو اس کی صفت کے لیے مذکر کا صیغہ قَرِيْبٌ لایا گیا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا معنی ہے کہ رحمت ذاتِ قرب ہے جیسے کہا جاتا ہے "حائضٌ" کیونکہ وہ ذاتِ حیض ہے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ "قَرِيْبٌ" مصدر ہے جو فعیل کے وزن پر ہے جیسے مینڈک کی آواز کو نقیق کہتے ہیں اور مصدر مذکر اور مونث میں برابر ہوتا ہے۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ جب اس کا وزن مصدر کے وزن پر ہے جیسے زفیرٌ و شھیقٌ تو اس کو مصدر کا حکم دیا گیا کیونکہ مصدر مونث و مذکر میں برابر ہوتا ہے۔

پانچواں جواب یہ ہے کہ رحمت مفعول کے معنی میں ہے اور فعیل بہ کثرت مفعول کے معنی میں آتا ہے اور فعیل جب مفعول کے معنی میں ہو تو وہ مذکر اور مونث میں برابر ہوتا ہے۔ (فتح الباری ج ٨ ص ٥٦٢، دار المعرفہ، بیروت، ١٤٢٦ھ)

٧٤٤٨۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ حَدَّثَنَا عَاصِمٌ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ عَنْ أُسَامَةَ قَالَ كَانَ ابْنٌ لِبَعْضِ بَنَاتِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم يَقْضِي فَأَرْسَلَتْ إِلَيْهِ أَنْ يَأْتِيَهَا فَأَرْسَلَ إِنَّ لِلَّهِ مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أَعْطَى وَكُلٌّ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ فَأَرْسَلَتْ إِلَيْهِ فَأَقْسَمَتْ عَلَيْهِ فَقَامَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَقُمْتُ مَعَهُ وَمُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ وَأُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ وَعُبَادَةُ بْنُ الصَّامِتِ فَلَمَّا دَخَلْنَا نَاوَلُوا رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم الصَّبِيَّ وَنَفْسُهُ تَقَلْقَلُ فِي صَدْرِهِ حَسِبْتُهُ قَالَ كَأَنَّهَا شَنَّةٌ فَبَكَى رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالواحد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عاصم نے حدیث بیان کی از ابی عثمان از حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں میں سے کسی بیٹی کے بیٹے کی جان نکل رہی تھی، تو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پیغام بھیجا کہ آپ ان کے پاس تشریف لائیں، آپ نے جواب بھیجا: بے شک اللہ ہی کی ملکیت ہے جو اس نے لے لیا اور جو اس نے عطاء کیا، اور سب ایک میعادِ مقرر تک ہیں، پس اس کو چاہیے کہ صبر کرے اور ثواب کی نیت کرے، پس انہوں نے دوبارہ پیغام بھیجا اور آپ کو آنے کی قسم دی، تب رسول

سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ أَتَبْكِي فَقَالَ إِنَّمَا يَرْحَمُ اللهُ مِنْ عِبَادِهِ الرُّحَمَاءَ۔

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوئے اور میں بھی آپ کے ساتھ کھڑا ہوا اور حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابی بن کعب اور حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہم، پس جب ہم گھر میں داخل ہوئے تو لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (کی گود میں) وہ بچہ دیا اور اس کا سانس سینے میں اکھڑ رہا تھا اور سینے سے اس کی آواز آرہی تھی، میرا خیال ہے کہ انہوں نے فرمایا: جیسا کہ وہ ایک پرانی مشک ہو، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روئے تو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا آپ رو رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے صرف رحم کرنے والوں کے اوپر رحم فرماتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۱۲۸۴، ۵۶۵۵، ۶۶۰۲، ۶۶۵۵، ۷۳۷۷، ۷۴۴۸، صحیح مسلم: ۹۲۳، سنن نسائی: ۱۸۶۸، سنن ابوداؤد: ۳۱۲۵، مسند احمد: ۲۱۲۶۹)

صحیح البخاری: ۷۴۴۸، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ کا بیان

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک بیٹی نے آپ کی طرف پیغام بھیجا اور آپ کو بلایا''۔

جس بیٹی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بلایا تھا، اس کا اور آپ کی دیگر بیٹیوں کا تذکرہ

شارحین نے ذکر کیا ہے کہ اس بیٹی کا نام حضرت زینب رضی اللہ عنہا تھا۔

حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا تذکرہ

حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب سے بڑی صاحبزادی تھیں، ان کی ولادت بعثت سے پہلے ہوئی تھی، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک تیس سال تھی، ایک قول یہ ہے کہ بعثت کے وقت حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی عمر دس سال تھی، اور اس میں اختلاف ہے کہ آپ کے صاحبزادے حضرت قاسم ان سے پہلے پیدا ہوئے تھے یا ان کے بعد پیدا ہوئے تھے، ان کا نکاح ان کی خالہ کے بیٹے ابوالعاص بن الربیع سے ہوا، اور اُن کی والدہ ہالہ بنت خویلد تھیں۔

امام ابن سعد نے سندِ صحیح سے روایت کی ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی اور ان کے شوہر ابوالعاص نے اسلام لانے سے انکار کر دیا لیکن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے درمیان تفریق نہیں کی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ ابوالعاص مشرکین کے ساتھ بدر میں گئے تھے، پس انہیں قید کر لیا گیا، پھر ان کے بھائی عمرو ان کا فدیہ لے کر آئے اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے فدیہ میں وہ ہار بھی دے دیا تھا جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو دیا تھا، ابوالعاص مکہ گئے اور وہاں محرم ۷ ہجری میں اسلام قبول کر لیا، سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا پہلے نکاح کے ساتھ ان کو لوٹا دیں، حضرت سیدہ زینب

رضی اللہ عنہا کی وفات ۸ ہجری کے سال کی ابتداء میں ہوئی۔

حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا ابوالعاص سے ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام علی تھا، وہ بلوغت کی عمر کے قریب پہنچ کر وفات پاگئے تھے، اوران سے ایک بیٹی پیدا ہوئی جن کا نام امامہ تھا، وہ زندہ رہیں حتیٰ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ کے بعد ان سے نکاح کرلیا۔ (الاصابہ: ۱۱۲۲۳، الاستیعاب: ۷۷ ۳۳، طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۳، المستدرک ج ۴ ص ۲۴)

حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے جس بچہ کی وفات کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بلایا تھا، اس بچہ کے مصداق کی تحقیق

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، لکھتے ہیں:

صحیح البخاری: ۱۲۸۴ میں مذکور ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی (حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف پیغام بھیجا کہ میرا بیٹا فوت ہونے کے قریب ہے، سو آپ تشریف لائیں۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ بیٹا علی بن ابی العاص بن ربیع تھا اور وہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے پیدا ہوا تھا، اسی طرح الدمیاطی نے اس حدیث کے حاشیہ میں لکھا ہے، اس پر یہ اعتراض ہے کہ اس حدیث کی کسی سند میں اس بیٹے کا نام مذکور نہیں ہے، نیز الزبیر بن بکار اور دیگر اہلِ علم نے ذکر کیا ہے کہ علی بن ابی العاص مذکور تو زندہ رہے تھے حتیٰ کہ بلوغت کی عمر کو پہنچے اور بے شک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے دن ان کو اپنی سواری کے پیچھے بٹھایا اور اس قسم کی بات بچہ کے متعلق نہیں کہی جاسکتی۔

اور میں نے دیکھا ''الانساب للبلاذری'' میں مذکور ہے کہ عبداللہ بن عثمان بن عفان حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا سے پیدا ہوئے، جب وہ فوت ہوگئے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گود میں رکھا اور آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے صرف ان پر رحم فرماتا ہے جو رحم کرنے والے ہوتے ہیں۔

مسند البزار میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا بیٹا سخت بیمار ہوگیا تو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بلایا اور اس حدیث میں ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رونے کے متعلق فرمایا، سو اس روایت کی بناء پر یہ مذکور بیٹا محسن بن علی بن ابی طالب ہے۔

مؤرخین میں سے اہلِ علم کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ بچہ کم عمری میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات میں فوت ہوگیا تھا، اور یہ ثابت نہیں ہے کہ آپ کو بلانے والی حضرت زینب رضی اللہ عنہا تھیں لیکن اس باب کے اعتبار سے صحیح یہ ہے کہ آپ کو بلانے والی حضرت زینب رضی اللہ عنہا تھیں اور وہ بچہ ایک بچی تھا جیسا کہ مسند احمد میں ابومعاویہ کی سند سے منقول ہے اور اس کی عبارت یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امامہ بنت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور یہ امامہ ابوالعاص بن الربیع کی بیٹی تھیں اور ان ہی کا سانس اکھڑ رہا تھا اور گویا کہ وہی ایک پرانی مشک کی طرح تھیں اور پھر انہوں نے حدیث بیان کی اور اسی میں مذکور ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے آپ سے رونے کے متعلق پوچھا، اور بعض روایات میں امامہ کی جگہ امیمہ مذکور ہے اور یہ وہی امامہ مذکورہ ہیں، کیونکہ نسب جاننے والوں کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے حضرت ابوالعاص سے صرف دو بچے تھے علی اور امامہ۔

اس پر یہ اشکال ہے کہ مؤرخین میں سے اہلِ علم کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت امامہ بنت ابی العاص رضی اللہ عنہا جو حضرت زینب

بنت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی تھیں وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد زندہ رہیں حتیٰ کہ ان سے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد نکاح کیا، پھر وہ زندہ رہیں حتیٰ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوگئی۔

اور اس پر حدیث میں جو مذکور ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے پیغام بھیجا کہ میرا بیٹا فوت ہوگیا، اس سے مراد ہے کہ وہ فوت ہونے کے قریب ہے، اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ وہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی بیٹی تھیں بیٹا نہیں تھا، اور اس کی تائید امام طبرانی کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ حضرت امامہ بنت ابی العاص سخت بیمار ہوگئیں تو حضرت زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پیغام بھیجا، پھر اس باب کی حدیث کی طرح مذکور ہے یعنی ان کی بیٹی سخت بیمار ہوگئی تھیں اور مرنے کے قریب تھیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: جو چیز ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تکریم کی، کیونکہ آپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کو تسلیم کرلیا اور اپنی نواسی کی بیماری پر صبر کیا، اس کے باوجود آپ اپنی آنکھوں پر قابو نہ پاسکے اور آپ کی رحمت اور شفقت کی وجہ سے آنکھوں سے آنسو بہے، تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی بیٹی کی بیٹی کو اسی وقت صحت عطا کی حتیٰ کہ وہ اس مرض کی شدت سے نجات پاگئیں اور ایک مدت تک زندہ رہیں اور یہ وہ حدیث ہے جس کو نبوت کے دلائل میں ذکر کرنا چاہیے۔

(فتح الباری ج ۲ ص ۷ ۴۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

میں کہتا ہوں: خلاصہ یہ ہے کہ صحیح البخاری کی اس حدیث میں جو ذکر ہے کہ ان کا بیٹا بیمار تھا اور اس کا سانس اکھڑ رہا تھا، یہ صحیح نہیں ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ وہ ان کی بیٹی تھیں جن کا نام حضرت امامہ بنت ابی العاص رضی اللہ عنہا تھا جیسا کہ صحیح البخاری: ۵۶۵۵ میں مذکور ہے اور ان کا بیٹا جس کا نام حضرت علی رضی اللہ عنہ تھا وہ بلوغت کی عمر کو پہنچ کر فوت ہوئے تھے اور ان کی بیٹی صحت یاب ہو کر عرصہ دراز تک زندہ رہیں۔ (سعیدی غفرلہ)

حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا تذکرہ

حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا جس وقت پیدا ہوئیں اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک تینتیس (۳۳) سال تھی۔

مصعب وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح عتبہ بن ابی لہب سے ہوا اور ان کی بہن حضرت سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح عتیبہ بن ابی لہب سے ہوا، اور جب سورۃ ''تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ'' نازل ہوئی تو ابولہب نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دونوں بیٹیوں کو طلاق دے دو۔

ابن شہاب نے کہا: پس حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا سے مکہ میں نکاح کرلیا اور انہوں نے ان کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی اور وہاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ان سے بیٹا پیدا ہوا جس کا نام انہوں نے حضرت عبد اللہ رکھا، اور اسی کی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی کنیت ابو عبد اللہ تھی، جب حضرت عثمان کے صاحبزادے حضرت عبد اللہ کی عمر چھ سال تھی تو اس کی آنکھ میں مرغ نے چونچ ماری جس سے ان کا چہرہ سوج گیا اور وہ بیمار ہو کر فوت ہوگئے۔

حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا جنگ بدر کے موقع پر رمضان المبارک ۲ ہجری میں فوت ہوئی تھیں، حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے متعلق اختلاف ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چھوٹی صاحبزادی تھیں یا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا چھوٹی صاحبزادی تھیں۔

(الاصابہ: ۱۱۱۸۲، الاستیعاب: ۳۳۷۷، اسد الغابہ: ۶۹۲۷)

حضرت سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا تذکرہ

حضرت سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی والدہ حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا تھیں، یہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے پہلے پیدا ہوئیں۔
اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پہلے حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا، اس کے بعد حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سے نکاح ۳ ہجری میں حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد کیا، حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی اور ان کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کوئی اولاد نہیں ہوئی اور ان سے ان کا نکاح ربیع الاول میں ہوا تھا اور رخصتی جمادی الاخریٰ ۳ ہجری میں ہوئی اور وہ ۹ ہجری میں فوت ہوئیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور ان کو قبر میں اتارا، اور حضرت علی اور حضرت فضل بن عباس اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم بھی ان کو قبر میں اتارنے والے تھے، ان کو حضرت اسماء بنت عمیس اور حضرت صفیہ بنت عبد المطلب رضی اللہ عنہما نے غسل دیا تھا۔ (الاصابہ: ۱۲۲۱۹، الاستیعاب: ۳۶۳۵، اسد الغابہ: ۷۵۷۴)

حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا تذکرہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چوتھی صاحبزادی حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا تھیں۔
الواقدی نے کہا ہے: حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ولادت اس سال ہوئی جس سال کعبہ کی تعمیر کی جا رہی تھی اور اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک ۳۵ سال تھی، اور ابو عمر نے کہا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ولادت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے اکتالیس (۴۱) سال بعد ہوئی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بعثت سے تھوڑا عرصہ پہلے پیدا ہوئیں، اور یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عمر میں پانچ سال بڑی تھیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے اوائلِ محرم ۲ ہجری میں نکاح کیا اور یہ نکاح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکاح کے ۴ ماہ بعد ہوا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسل صرف حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے جاری ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اہلِ جنت میں سب سے افضل حضرت خدیجہ ہیں اور حضرت فاطمہ ہیں اور حضرت مریم ہیں اور حضرت آسیہ ہیں۔ (المستدرک ج ۳ ص ۱۸۵)
اور صحیح البخاری اور صحیح مسلم میں حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منبر پر یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے، جو چیز اسے ایذاء دیتی ہے وہ مجھے ایذاء دیتی ہے۔
ابو عمر نے نقل کیا ہے کہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے وصیت کی تھی کہ ان کو حضرت علی رضی اللہ عنہ غسل دیں اور حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا۔ (موت کے بعد نکاح منقطع ہو جاتا ہے لیکن یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خصوصیت تھی کہ سیدہ فاطمہ کی وفات کے بعد بھی ان کا نکاح ان سے قائم رہا اور انہوں نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو وفات کے بعد غسل دیا ورنہ موت کے بعد شوہر کا بیوی کو غسل دینا جائز نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہ))
امام ابن سعد نے روایت کی ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نمازِ جنازہ پڑھی اور حضرت علی اور حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہم ان کی قبر میں اترے، الواقدی نے روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نمازِ جنازہ پڑھی، مگر اس روایت میں ضعف اور انقطاع ہے، اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نمازِ جنازہ

پڑھی اور رات میں ان کو دفن کر دیا۔
الواقدی نے لکھا کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات ۳ رمضان المبارک ۱۱ ہجری میں ہوئی تھی۔

(الاصابہ: ۱۱۵۸۷، اسد الغابہ: ۷۱۷۶، الاستیعاب: ۳۵۰۰)

اپنے بچہ کی وفات کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بلانے کے فوائد

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصیحت سے برکت حاصل کرنا۔
(۲) آپ کے تشریف لانے سے اور آپ کی زیارت کرنے سے ان کو صبر کرنے کی امید۔
اس حدیث میں مذکور ہے "میرا بیٹا فوت ہو گیا"۔ اور دوسری حدیث میں ہے "میری بیٹی پر موت کا وقت آ گیا" اور یہی صحیح ہے۔
(صحیح البخاری: ۵۶۵۵)
(۳) اس بیٹے کا نام مجھے معلوم نہیں ہو سکا، (حافظ ابن حجر عسقلانی اور حافظ ابن عبد البر نے لکھا ہے: اس کا نام علی تھا اور وہ بلوغت کی عمر کو پہنچنے تک زندہ رہا) اور علامہ الدمیاطی نے لکھا ہے کہ اس کا نام علی تھا، اور بیٹی کا نام امیمہ تھا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اس کا نام امامہ بنت ابی العاص بن الربیع تھا، اس کا ذکر ابن بشکوال نے کیا ہے۔ (غوامد الاسماء المبہمہ ج ۱ ص ۳۰۵)
(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں ان کو سلام بھیجا، آپ خود تشریف نہیں لے گئے بلکہ آپ نے سلام بھیجا تو شاید آپ کسی اہم کام میں مشغول تھے، یا اس لیے کہ آپ نے چاہا کہ آپ پر جو درد کی کیفیت ہے وہ دکھائی نہ دے کیونکہ آپ مومنین پر بہت رحیم تھے تو اپنی اولاد پر رحیم کیسے نہ ہوتے، اور جب آپ نے اس بچہ کی ماں کی تکلیف کو دیکھا اور انہوں نے آنے کی قسم کھائی تو آپ نے وہاں جانا مناسب سمجھا۔
(۵) اس حدیث میں مذکور ہے "بے شک اللہ ہی کی ملکیت میں ہے جو اس کچھ اس نے لے لیا اور جو کچھ اس نے عطاء کر دیا"۔
یعنی تمام مخلوق اس کی ملکیت میں اور اس کے قبضہ قدرت میں ہے اور تمام معاملات اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اس کے نزدیک ہر چیز کی ایک میعاد مقرر ہے کیونکہ جب اس نے دوات اور لوح اور قلم کو پیدا کیا تو اس نے قلم کو حکم دیا کہ جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے وہ لکھ دے۔
(۶) اس حدیث میں ہے "ونفسه تتقعقع کانها شن" "شن" کا معنی ہے پرانی مشک، اور "تعقعة" کا معنی ہے کہ جو قریب المرگ ہو اس کے سانس لینے کی آواز۔
اس حدیث میں مذکور ہے کہ "آپ کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! یہ کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: یہ رحمت ہے، اللہ تعالیٰ نے یہ رحمت اپنے ان بندوں کے دلوں میں رکھی ہے جو اللہ تعالیٰ کے بندوں پر رحم کرتے ہیں"۔
صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سو رحمتیں پیدا کیں، ان میں سے ننانوے رحمتیں اپنے پاس رکھ لیں اور بندوں میں ایک رحمت رکھی، پس اسی رحمت سے بندے ایک دوسرے پر رحم کرتے ہیں اور شفقت کرتے ہیں اور ماں اپنے بچے پر اسی رحمت سے مہربانی کرتی ہے، پس جب قیامت آئے گی تو اللہ تعالیٰ اس ایک رحمت کو بھی ننانوے رحمتوں کے ساتھ جمع کر دے گا حتیٰ کہ ابلیس جو کفر کا سردار ہے وہ بھی رحمت کی توقع رکھے گا جب وہ اللہ عزوجل کی رحمتوں کو دیکھے گا۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۹ ص ۵۱۹۔ ۵۲۲،

ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۷۴۴۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''وہ بیٹا تھا'' اور کتاب النذور میں مذکور ہے کہ ''وہ بیٹی تھی''۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''یقضی'' یعنی وہ بیٹا مر رہا تھا، گویا وہ نزع روح کی کیفیت میں تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''تقلقل'' یعنی اس کے سانس کے مضطرب ہونے کی آواز آرہی تھی۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''الرحماء'' یہ رحیم کی جمع ہے جیسے کریم کی جمع الکرماء ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۲۰۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۴۴۹۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اخْتَصَمَتِ الْجَنَّةُ وَالنَّارُ إِلَى رَبِّهِمَا فَقَالَتِ الْجَنَّةُ يَا رَبِّ مَا لَهَا لَا يَدْخُلُهَا إِلَّا ضُعَفَاءُ النَّاسِ وَسَقَطُهُمْ وَقَالَتِ النَّارُ يَعْنِي أُوثِرْتُ بِالْمُتَكَبِّرِينَ فَقَالَ اللهُ تَعَالَى لِلْجَنَّةِ أَنْتِ رَحْمَتِي وَقَالَ لِلنَّارِ أَنْتِ عَذَابِي أُصِيبُ بِكِ مَنْ أَشَاءُ وَلِكُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْكُمَا مِلْؤُهَا قَالَ فَأَمَّا الْجَنَّةُ فَإِنَّ اللهَ لَا يَظْلِمُ مِنْ خَلْقِهِ أَحَدًا وَإِنَّهُ يُنْشِئُ لِلنَّارِ مَنْ يَشَاءُ فَيُلْقَوْنَ فِيهَا فَتَقُولُ هَلْ مِنْ مَزِيدٍ ثَلَاثًا حَتَّى يَضَعَ فِيهَا قَدَمَهُ فَتَمْتَلِئُ وَيُرَدُّ بَعْضُهَا إِلَى بَعْضٍ وَتَقُولُ قَطْ قَطْ قَطْ۔

(صحیح مسلم: ۷۰۸۴، مسند احمد: ۱۰۲۱۰)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبید اللہ بن سعد بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یعقوب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی از صالح بن کیسان از الاعرج از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے بیان فرمایا: جنت اور دوزخ نے اپنے رب کی طرف جھگڑا کیا، پس جنت نے کہا: اے میرے رب! کیا سبب ہے کہ جنت میں صرف کمزور اور حقیر لوگ داخل ہوں گے؟ اور دوزخ نے کہا: مجھے متکبرین کے ساتھ ترجیح دی گئی؟ اللہ تعالیٰ نے جنت سے فرمایا: تم میری رحمت ہو اور دوزخ سے فرمایا: تم میرا عذاب ہو، میں جس کو چاہوں گا تمہیں پہنچاؤں گا، اور تم میں سے ہر ایک کو بھر دیا جائے گا، آپ نے فرمایا: پس رہی جنت تو بے شک اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی پر ظلم نہیں کرے گا، اور وہ دوزخ کے لیے جس کو چاہے گا پیدا کرے گا، پس ان کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا پھر دوزخ تین مرتبہ کہے گی: کیا کچھ اور زیادہ ہیں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس میں اپنا قدم رکھ دے گا، پس وہ بھر جائے گی اور دوزخ کے اجزاء ایک دوسرے کی طرف لوٹا دیئے جائیں گے یا سمٹا دیئے جائیں گے، تو دوزخ کہے گی: بس بس بس۔

صحیح البخاری: ۷۴۴۹، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جنت اور دوزخ کے باہم جھگڑنے کی توجیہ

علامہ المہلب نے کہا ہے: رہا جنت اور دوزخ کا جھگڑنا، پس ہوسکتا ہے کہ یہ حقیقتاً ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ مجازاً ہو، اس جھگڑے کے حقیقتاً ہونے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جنت اور دوزخ میں حیات، فہم اور کلام پیدا فرمادے گا، کیونکہ اس پر دلیل قائم ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے، اور اس جھگڑے کے مجازاً ہونے کا معنی یہ ہے کہ جن افعال کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف محال ہو تو اس کو مجاز پر محمول کیا جاتا ہے جیسا کہ عرب کہتے ہیں کہ حوض بھر گیا، حالانکہ حوض یہ نہیں کہتا بلکہ اس کے بھرنے کی تاویل ہے۔

جنت اور دوزخ کے باہم جھگڑنے کا معنی یہ ہے کہ جنت اور دوزخ اپنے اندر رہنے والوں کے اعتبار سے ایک دوسرے پر فخر کریں گے، پس دوزخ اس پر فخر کرے گی کہ اس میں متکبرین ڈالے جاتے ہیں اور وہ یہ گمان کرے گی کہ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کو جنت پر ترجیح دی ہے، اور جنت اس کے برخلاف گمان کرے گی کیونکہ وہ کہے گی کہ کیا وجہ ہے مجھ میں صرف وہ لوگ داخل ہوتے ہیں جو کمزور ہیں اور جو لوگوں کی نگاہوں میں پست ہوتے ہیں، پس گویا کہ جنت ڈرے گی کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا مرتبہ کم ہے، پس اللہ تعالیٰ جنت کے لیے حکم فرمائے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے اور جنت میں وہی رہیں گے جو اللہ کے بندوں میں سے رحم کرنے والے ہیں اور دوزخ کے لیے حکم فرمائے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے، اللہ تعالیٰ متکبرین میں سے جس کو چاہے گا دوزخ سے عذاب دے گا، اور جنت اور دوزخ میں سے کسی کو بھی اپنے رہنے والوں کے اعتبار سے دوسرے پر فضیلت نہیں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وینشئ للنار خلقا" المہلب نے کہا: جن لوگوں نے پہلے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور کفر کیا ان کو اللہ تعالیٰ دوزخ میں ڈال دے گا، اور دوسروں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ دوزخ کے لیے ایسی مخلوق پیدا کرے گا جو دنیا میں نہیں تھی، اور اس میں اہلسنت کی یہ دلیل ہے کہ اللہ کے لیے یہ جائز ہے کہ جس کو اس نے اپنی عبادت کا مکلف نہیں کیا اس کو عذاب دے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۝ (ابراہیم: ۲۷) اور اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے ۝

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۴۸۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۷۴۴۹، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

دوزخ میں غیر مکلف لوگوں کو ڈالنے سے اللہ تعالیٰ کا ظلم لازم آتا ہے، اس اعتراض کے جوابات

قاضی عیاض نے کہا ہے: قدم سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کو پہلے علم تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کو پیدا کرے گا۔

اور المہلب نے کہا ہے کہ اللہ کے لیے یہ جائز ہے کہ ان لوگوں کو عذاب دے جن کو اس نے دنیا میں عبادت کا مکلف نہیں کیا، کیونکہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے، پس اگر اللہ تعالیٰ ان کو عذاب دے تو یہ اس کا ظلم نہیں ہے۔

اہل سنت کے نزدیک یہ جائز ہے اور ہوسکتا ہے لیکن اس کے وقوع پر اعتراض ہے، اور ابن القیم نے وثوق سے کہا ہے کہ اس حدیث کی یہ عبارت غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ جہنم کو بھرنے کے لیے کوئی اور مخلوق پیدا کرے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ جہنم ابلیس اور اس کے متبعین سے بھر جائے گی، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ لَوْ شِئْنَا لَاٰتَیْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَ لٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّیْ لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۳﴾ (السجدہ: ۱۳)

اور اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو ہدایت فرما دیتے، لیکن میری طرف سے یہ بات برحق ہے کہ میں ضرور جہنم تمام (ظالم) انسانوں اور (سرکش) جنات سے بھر دوں گاO

نیز اللہ تعالیٰ نے شیطان سے ارشاد فرمایا:

لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَ مِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۸۵﴾ (ص: ۸۵)

کہ میں تجھ سے اور تیرے تمام پیروکاروں سے ضرور جہنم کو بھر دوں گاO

سو جب جہنم شیطان اور اس کے متبعین سے بھر جائے گی تو اس کو بھرنے کے لیے کسی اور مخلوق کو پیدا کرنے کی کب ضرورت ہوگی۔

اسی طرح ہمارے استاذ علامہ البلقینی نے بھی اس روایت کا انکار کیا، اور انہوں نے کہا: جس کو اللہ تعالیٰ نے عبادت کا مکلف نہیں کیا اس کو جہنم میں ڈالنا ظلم ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ لَا یَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ﴿۴۹﴾ (الکہف: ۴۹) اور آپ کا رب کسی پر ظلم نہیں کرتاO

پھر علامہ بلقینی نے کہا کہ اگر اس حدیث کو اس پر محمول کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ دوزخ کو ان پتھروں سے بھر دے گا جو دوزخ میں ڈالے جائیں گے تو یہ اس سے زیادہ قریب ہے کہ اس کو اس پر محمول کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ ذوی الارواح کو بغیر گناہ کے عذاب دے گا، جیسے قرآن مجید میں ہے:

فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ (البقرہ: ۲۴)

تو اس آگ سے بچو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں: اس اشکال کے جواب میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اگر ذوی الارواح کو بھی دوزخ میں ڈالا جائے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کو عذاب ہو کیونکہ دوزخ میں دوزخ کے محافظ فرشتے بھی ہوں گے اور ان کو عذاب نہیں ہوگا۔

نیز اس کا یہ جواب بھی ہوسکتا ہے کہ اس حدیث میں مذکور ہے ''انه ینشیء للنار من یشاء فیلقون فیها'' کہ اللہ تعالیٰ دوزخ کے لیے جس کو چاہے گا پیدا کرے گا، پس ان کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا، اس حدیث میں ہوسکتا ہے ''انشاء'' سے مراد یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ ابتداءً کفار کو دوزخ میں ڈالے گا اور ابتداءً دوزخ میں ڈالنے کو انشاء سے تعبیر فرمایا۔

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جنت اور دوزخ بہت وسیع ہیں، کیونکہ ان میں سے ہر ایک میں اتنی گنجائش ہے کہ جو لوگ گزر چکے ہیں اور جو لوگ قیامت تک آئندہ آئیں گے وہ سب اس میں سما جائیں گے، اور آخر کتاب الرقاق میں یہ حدیث گزر چکی ہے کہ جو

شخص سب سے آخر میں جنت میں داخل ہوگا اس کو دنیا اور اس کی دس امثال دی جائیں گی۔

(۲) علامہ داؤدی نے کہا ہے: اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ اشیاء کی صفت اس کے غالب کے اعتبار سے کی جاتی ہے، کیونکہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ جنت کہے گی کہ مجھ میں کمزور لوگ داخل ہیں، حالانکہ جنت میں کمزوروں کے علاوہ طاقتور لوگ بھی ہوں گے اور دوزخ کہے گی کہ اس میں متکبرین داخل ہیں، حالانکہ دوزخ میں غیر متکبرین بھی ہوں گے۔

(۳) اس حدیث میں ان لوگوں کا رد ہے جو کہتے ہیں "هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ۝" ۔(ق:۳۰)" استفہامِ انکار ہے اور دوزخ میں اور زیادہ کی گنجائش نہیں ہے، کیونکہ دوزخ میں تو بہت گنجائش ہے۔(فتح الباری ج ۸ ص ۵۶۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۷۴۴۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کا دوزخ کے لیے کسی مخلوق کو پیدا کرنا کسی اعتراض کا موجب نہیں ہے

کہا گیا ہے: اس حدیث میں راوی کو وہم ہوا ہے، کیونکہ جو عاصی اور نافرمان کا غیر ہو اس کو عذاب دینا اللہ تعالیٰ کے کرم کے لائق نہیں ہے، اس کے برخلاف اللہ تعالیٰ غیر اطاعت گزار کو انعام دے تو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے، پھر علامہ کرمانی نے کہا: اگر اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو عذاب دے جنہوں نے کوئی گناہ نہیں کیا تو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے، کیونکہ یہ قاعدہ باطل ہے کہ حسن اور قبح عقلی ہے، پس اگر اللہ تعالیٰ نیکوکار کو عذاب دے تو یہ اس کا عدل ہوگا، اور جنت کے لیے کسی مخلوق کو پیدا کرنا دوزخ کے لیے کسی مخلوق کو پیدا کرنے کے خلاف نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے، لہٰذا اس حدیث کو توہمات پر محمول کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کے قدم کی تحقیق

اس حدیث میں مذکور ہے "بے شک اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی پر ظلم نہیں کرتا اور وہ دوزخ کے لیے جس کو چاہے گا پیدا کرے گا سو ان کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا، پس دوزخ تین مرتبہ کہے گی: "هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ۝؟" کیا کچھ اور بھی ہیں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ دوزخ میں اپنا قدم رکھ دے گا، پس دوزخ بھر جائے گی اور اس کے بعض اجزاء بعض کی طرف پلٹ جائیں گے اور دوزخ کہے گی: بس، بس، بس!"

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے لیے قدم کا لفظ ہے اور یہ لفظ متشابہات میں سے ہے اور اس کا حکم یہ ہے کہ یا تو اس کی مراد کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا جائے اور یا اس میں تاویل کی جائے، پس اس کی تاویل میں یہ کہا گیا ہے کہ قدم سے مراد تقدم ہے یعنی اللہ تعالیٰ دوزخ میں ان لوگوں کو رکھ دے گا جن کو اللہ تعالیٰ نے اہلِ عذاب میں سے دوزخ کے لیے پہلے بنایا ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں پر ایک مخلوق ہے جس کا نام القدم ہے، اللہ تعالیٰ اس قدم نامی مخلوق کو دوزخ میں ڈال دے گا، یا اللہ تعالیٰ کے قدم رکھنے کی تاویل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو جھڑکنے کے لیے اور ان کو خاموش کرنے کے لیے اپنا قدم رکھے گا جیسے کہا جاتا ہے کہ "میں نے اس کو اپنے پیر کے نیچے رکھ دیا، یا میں نے اس کو اپنے قدم کے نیچے رکھ دیا"۔

اس حدیث میں ہے "قط، قط، قط" یعنی مجھے یہ قدم رکھنا کافی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۲۰۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۴۵۰۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ رضی الله عنه عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَيُصِيبَنَّ أَقْوَامًا سَفْعٌ مِنَ النَّارِ بِذُنُوبٍ أَصَابُوهَا عُقُوبَةً ثُمَّ يُدْخِلُهُمُ اللهُ الْجَنَّةَ بِفَضْلِ رَحْمَتِهِ يُقَالُ لَهُمُ الْجَهَنَّمِيُّونَ وَقَالَ هَمَّامٌ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ حَدَّثَنَا أَنَسٌ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ۔

(صحیح البخاری: ۶۵۵۹، ۷۴۵۰، مسند احمد: ۱۱۸۶۱)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں حفص بن عمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی از قتادہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ آپ نے فرمایا: بعض لوگوں کو دوزخ میں ان کے کیے ہوئے گناہوں کی وجہ سے ضرور شعلوں کی لپٹ لاحق ہوگی، پھر اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمت کے فضل سے جنت میں داخل فرما دے گا تو ان کے متعلق کہا جائے گا: یہ جہنمی ہیں۔

اور ہمام نے کہا: ہمیں قتادہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے حدیث بیان کی۔

صحیح البخاری: ۷۴۵۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

"سفعٌ" کا معنی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ دوزخ میں بعض لوگوں کو ان کے کیے ہوئے گناہوں کی سزا کی وجہ سے دوزخ کے شعلے پہنچیں گے۔ سفعٌ کا معنی ہے: اللفح واللهب یعنی شعلے، اور علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے: "السفع" اس علامت کو کہتے ہیں جس سے ان کا رنگ متغیر ہو جائے، یا مراد ہے: دوزخ کی آگ کے اثر سے ان کے چہروں کا رنگ متغیر ہو جائے گا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۲۰۶۔۲۰۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۲۶۔ بَابُ: قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: إِنَّ اللهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ أَنْ تَزُوْلَا (فاطر: ۴۱)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "بے شک اللہ آسمانوں اور زمینوں کو زائل ہونے سے منع کرتا ہے اور روکتا ہے"

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد شام سے آیا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس سے پوچھا: تم شام میں کس سے ملے؟ اس نے کہا میں: کعب سے ملا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے پوچھا: تم نے ان کو کیا کہتے ہوئے سنا، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے ان سے سنا وہ کہہ رہے تھے: تمام آسمان ایک فرشتے کے کندھے پر ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: کعب نے

جھوٹ بولا، کیا اس نے ابھی تک اپنی یہودیت کو نہیں چھوڑا، پھر انہوں نے فاطر: ۴۱ کی تلاوت کی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۲۰۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

بابِ مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

بعض علماء نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں کو ایک انگلی پر روکتا ہے، اور یہ غلط ہے اور انہوں نے اس میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کو ذکر کیا۔

علامہ المہلب نے کہا: فاطر: ۴۱ کا تقاضا یہ ہے کہ آسمان اور زمین بغیر کسی آلہ کے روکے ہوئے ہیں اور حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کو انگلی سے روکا ہوا ہے۔

اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ انگلی سے آسمانوں اور زمینوں کو روکنا محال ہے کیونکہ اس میں کسی روکنے والے کی ضرورت ہوگی اور دوسرے علماء نے یہ جواب دیا ہے کہ اس آیت میں جو فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کو روکنے والا ہے، اس سے مراد ہے دنیا میں، اور حدیث میں جو مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کو ایک انگلی سے روکتا ہے اس سے مراد ہے قیامت کے دن، اور اس سے پہلے باب میں انگلی کی توجیہ ذکر کی جا چکی ہے۔ علامہ راغب اصفہانی نے کہا: کسی شئے کو روکنا اس شئے کے ساتھ تعلق اور اس کی حفاظت ہے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۵۶۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۴۵۱۔ حَدَّثَنَا مُوسَى حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ جَاءَ حَبْرٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ إِنَّ اللَّهَ يَضَعُ السَّمَاءَ عَلَى إِصْبَعٍ وَالْأَرْضَ عَلَى إِصْبَعٍ وَالْجِبَالَ عَلَى إِصْبَعٍ وَالشَّجَرَ وَالْأَنْهَارَ عَلَى إِصْبَعٍ وَسَائِرَ الْخَلْقِ عَلَى إِصْبَعٍ ثُمَّ يَقُولُ بِيَدِهِ أَنَا الْمَلِكُ فَضَحِكَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَقَالَ ﴿وَ مَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ﴾۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو عوانہ نے حدیث بیان کی از الاعمش از ابراہیم از علقمہ از حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی عالم رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، پس اس نے کہا: اے محمد! بے شک اللہ تعالیٰ آسمان کو ایک انگلی پر رکھتا ہے اور زمین کو ایک انگلی پر رکھتا ہے اور پہاڑوں کو ایک انگلی پر رکھتا ہے اور درختوں اور دریاؤں کو ایک انگلی پر رکھتا ہے اور تمام مخلوق کو ایک انگلی پر رکھتا ہے، پھر وہ اپنے ہاتھ سے اشارہ کر کے فرماتا ہے: میں بادشاہ ہوں، سو رسول اللہ ﷺ ہنسے اور فرمایا: ''انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ایسی قدر نہیں کی جو اس کی قدر کرنے کا حق ہے''۔ (الانعام: ۹۱)

(صحیح البخاری: ۴۸۱۱، ۷۴۱۴، ۷۴۱۵، ۷۴۵۱، ۷۵۱۳، صحیح مسلم: ۲۷۸۶، سنن ترمذی: ۳۲۳۸، مسند احمد: ۴۳۵۵)

اس حدیث کی شرح اس سے پہلے صحیح البخاری: ۷۴۱۴، ۷۴۱۵ میں گزر چکی ہے۔

صحیح البخاری: ۷۴۵۱، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
فاطر: ۴۱ کا ظاہر یہ ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کو بغیر کسی ایسے آلہ کے روکا ہوا ہے جس پر ان کا اعتماد ہو اور اس یہودی عالم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں کو ایک انگلی پر روکتا ہے اور زمین کو ایک انگلی پر روکتا ہے، پس اس سے معلوم ہوا کہ اس یہودی عالم کی حدیث اور اس کا روکنے کی انگلی سے تفسیر کرنا اس آیت میں امساک کا بیان ہے جو کہ مجمل ہے۔
اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس یہودی عالم کی تفسیر کو رد کر دیا کہ وہ یہ وہم کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انگلیوں سے آسمانوں اور زمینوں وغیرہ کو روکا ہوا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اس سے بہت عظیم ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہود اللہ تعالیٰ کے جسم ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نفی کی اور فرمایا کہ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی ایسی قدر نہیں کی جو قدر کرنے کا حق ہے۔ نیز اگر آسمان وغیرہ اپنے روکے جانے میں انگلیوں کے محتاج ہوتے تو انگلیاں اپنے روکے جانے میں اور انگلیوں کی محتاج ہوتیں اور وہ انگلیاں اور انگلیوں کی محتاج ہوتیں، پھر اسی طرح سلسلہ چلتا رہتا اور یہ فاسد ہے اور اس سے پہلے الاشعری اور ابن فورک کا یہ قول گزر چکا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ انگلی اللہ تعالیٰ کی صفتِ ذات ہو، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کسی مخلوق کی صفت ہو مثلاً فرشتوں کی، اور فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کے اٹھانے کا مکلف کیا ہو، اس کی تصدیق درج ذیل آیت سے ہوتی ہے:
وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ﴿۱۷﴾ اور اس دن آپ کے رب کے عرش کو آٹھ فرشتے اپنے اوپر اٹھائے ہوئے ہوں گے O (الحاقۃ: ۱۷)

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۴۸۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۲۷۔ بَابُ: مَا جَاءَ فِي تَخْلِيقِ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَغَيْرِهَا مِنَ الْخَلَائِقِ

آسمانوں اور زمینوں اور ان کے علاوہ مخلوقات کی تخلیق کے متعلق احادیث

بابِ مذکور کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:
امام بخاری کی اس باب کے عنوان سے غرض یہ ہے کہ وہ تمہیں یہ بتائیں کہ آسمان اور زمینیں اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے یہ سب اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں، اور قرآن مجید کی آیات اور مشاہدات سے ان کے حادث ہونے کا ثبوت ہے، کیونکہ آسمانوں اور زمینوں میں حکمت کا انتظام ہے اور مخلوق کی زندگی گزارنے کے اصول ہیں اور عقلی دلیل اس پر قائم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خالق نہیں ہے، اور ان لوگوں کا قول باطل ہے جو کہتے ہیں کہ چیزوں کی طبیعت اس عالم کی خالق ہے اور سات آسمان فاعل ہیں اور نور اور ظلمت خالق ہیں، اور جن کا یہ زعم ہے کہ عرش خالق ہے۔
اور یہ تمام اقوال فاسد ہیں، کیونکہ دلائل سے ثابت ہے کہ یہ تمام چیزیں حادث ہیں اور کسی محدث کی طرف محتاج ہیں کیونکہ بغیر محدث کے حادث کا وجود محال ہے جیسے بغیر ضارب کے ضرب کا وجود محال ہے، اور اللہ کی کتاب اس کی صحت پر شاہد ہے، اللہ تعالیٰ کا

ارشاد ہے:

هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ (فاطر: ۳) کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق ہے۔

پس اللہ تعالیٰ نے اپنے سوا خالق کی نفی فرمائی، نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ وَّ هُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ (الرعد:۱۶) یا انہوں نے اللہ کے لیے ایسے شریک قرار دے لیے ہیں جنہوں نے اللہ کی طرح کوئی مخلوق پیدا کی ہے تو صفتِ خلق ان پر متشبہ ہوگئی، آپ کہیے: اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے اور وہ ایک ہے سب پر غالب ہے O

اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے خالق ہونے پر دلیل قائم فرمائی ہے، نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ۝ (آل عمران:۱۹۰) بلاشبہ آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش اور رات اور دن کے اختلاف میں عقل والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں O

پس اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی نشانیوں سے اپنی قدرت پر اور اپنی وحدانیت پر استدلال فرمایا، پس واجب ہے کہ الخلاق العلیم مخلوق کی تمام صفات، امر اور فعل اور سمع اور بصر اور تکوین کا خالق ہو، اور اس کی ذات اور صفات مخلوق نہیں ہے، اور بے شک قرآنِ مجید اللہ تعالیٰ کی صفت ہے غیر مخلوق ہے، پس ضروری ہوا کہ خالق تمام مخلوقات کے خلاف ہو، اور اس کے خلاف ہونے کی دلیل یہ ہے کہ جب حوادث کا قیام اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ منتفی ہے تو اس سے لازم آیا کہ اس کے ماسوا جو مخلوقات ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں اور یہی عقل کا تقاضا ہے۔ (شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۴۸۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

بابِ مذکور کی تعلیق

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

وَهُوَ فِعْلُ الرَّبِّ تَبَارَكَ وَتَعَالَى وَأَمْرُهُ فَالرَّبُّ بِصِفَاتِهِ وَفِعْلِهِ وَأَمْرِهِ وَكَلَامِهِ وَهُوَ الْخَالِقُ الْمُكَوِّنُ غَيْرُ مَخْلُوقٍ وَمَا كَانَ بِفِعْلِهِ وَأَمْرِهِ وَتَخْلِيقِهِ وَتَكْوِينِهِ فَهُوَ مَفْعُولٌ مَخْلُوقٌ مُكَوَّنٌ۔ وہ الرب تبارک و تعالیٰ کا فعل ہے اور اس کا امر ہے، پس رب اپنی صفات کے ساتھ اور اپنے فعل کے ساتھ اور اپنے امر کے ساتھ وہی خالق اور مکوّن ہے اور وہ غیر مخلوق ہے، اور جو چیز اس کے فعل سے اور اس کے امر سے اور اس کی تخلیق سے اور اس کی تکوین سے وجود میں آئی پس وہ مفعول ہے مخلوق ہے اور مکوّن ہے۔

بابِ مذکور کی تعلیق کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

امام بخاری نے کہا: ''وہ رب کا فعل اور اس کا امر ہے'' امر سے مراد یہاں پر اللہ عزوجل کا ارشاد ''کُن'' ہے، یعنی ہو جا۔
اور امر کا اطلاق کئی معانی پر ہوتا ہے، ان میں سے ایک ''اِفعَل'' کا صیغہ ہے، یعنی یہ کام کرو۔ اور امر کا معنی صفت اور شان ہے، اور یہاں پر امر کا پہلا معنی مراد ہے۔

امام بخاری نے کہا: ''فالرب بصفاته وفعله وامره'' تمام راویوں نے اسی طرح ذکر کیا ہے اور ابوذر کی روایت میں ہے وکلامه۔

امام بخاری نے کہا: ''وهو الخالق المكون غير مخلوق'' اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کا اسم المکون ذکر کیا ہے، اور اسماء حسنیٰ میں یہ لفظ وارد نہیں ہے لیکن اس کا معنی وارد ہے اور اس کا معنی ہے المصوّر، اور امرہٖ کے بعد کلام کا ذکر کرنا خاص کا عطف عام پر ہے، کیونکہ امر سے مراد یہاں پر اللہ عزوجل کا ارشاد کُن ہے اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کے کلام سے ہے۔

صحیح البخاری کے بعض نسخوں میں اس جگہ ''وفعله'' کا ذکر نہیں ہے، علامہ کرمانی نے کہا: یہ اولیٰ ہے تا کہ غیر مخلوق کا لفظ صحیح ہو، اور عنقریب امام بخاری بیان کریں گے کہ فعل کے درمیان اور جو چیز فعل سے پیدا ہوتی ہے ان میں فرق ہے، پس فعل فاعل کی صفت ہے اور ''باری'' غیرِ مخلوق ہے، پس اللہ تعالیٰ کی صفات غیرِ مخلوق ہیں، اور رہا اس کا مفعول یعنی جو چیز اس کے فعل سے پیدا ہوتی ہے تو وہ مخلوق ہے۔

پس عنقریب کتاب التوحید کے اخیر میں آئے گا کہ ابن عیینہ وغیرہ نے اس سے استدلال کیا ہے کہ قرآن غیر مخلوق ہے کیونکہ امر سے مراد اللہ تعالیٰ کا ارشاد ''کُنْ'' ہے۔ (البقرہ:۱۱۷)، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ (الاعراف:۵۴) سنو پیدا کرنا اور حکم دینا اسی کی شان کے لائق ہے۔

اس آیت میں امر کا عطف خلق پر ہے اور عطف تغایر کا تقاضا کرتا ہے اور کُن اللہ تعالیٰ کے کلام سے ہے، پس معلوم ہوا کہ کُن امر کا صیغہ ہے اور یہ اللہ کا کلام ہے اور غیر مخلوق ہے۔

امام بخاری نے اپنی کتاب ''خلق افعال العباد'' میں لکھا ہے کہ لوگوں کا فاعل، فعل اور مفعول میں اختلاف ہے، پس القدریہ نے کہا: تمام افعال بشر سے صادر ہوتے ہیں اور الجبریہ نے کہا: تمام افعال اللہ سے صادر ہوتے ہیں، اور الجہمیہ نے کہا کہ فعل اور مفعول ایک ہیں، اسی لیے انہوں نے کہا کہ ''کُن'' مخلوق ہے، اور سلف صالحین نے کہا: تخلیق اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اور ہمارے افعال مخلوق ہیں، پس اللہ تعالیٰ کا فعل اس کی صفت ہے اور اس کے سوا مخلوقات میں سے مفعول ہیں۔

''تکوین'' کے متعلق فقہاءِ اسلام کا اختلاف

تکوین کا مسئلہ متکلمین کے درمیان مشہور ہے، اور اصل اختلاف اس میں ہے کہ فعل کی صفت قدیم ہے یا حادث ہے، پس سلف صالحین کی ایک جماعت جن میں امام ابوحنیفہ بھی ہیں انہوں نے کہا کہ فعل کی صفت قدیم ہے اور متکلمین کی جماعت میں سے دوسروں نے کہا جن میں ابن کلاب اور الاشعری ہیں کہ یہ صفت حادث ہے، کیونکہ اگر فعل کی صفت کو قدیم قرار دیا جائے تو لازم آئے گا کہ مخلوق بھی قدیم ہو، اور امام ابوحنیفہ وغیرہ نے اس کا یہ جواب دیا کہ ازل میں خلق کی صفت تھی اور مخلوق نہیں تھی، اور الاشعری نے یہ جواب دیا کہ ازل میں خلق کی صفت تھی اور مخلوق نہیں تھی، جیسا کہ اس وقت نہ کوئی ضارب تھا اور نہ کوئی مضروب تھا، پس انہوں نے اللہ تعالیٰ کی صفات کے حادث ہونے کا التزام کیا، اور اس سے لازم آیا کہ حوادث کا اللہ تعالیٰ کی ذات میں حلول ہو، پھر انہوں نے جواب دیا کہ یہ صفات ذات میں کوئی نئی چیز پیدا نہیں کرتیں، پھر اس پر یہ اعتراض ہوا کہ اس سے لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ ازل میں نہ خالق ہو نہ رازق ہو، اور اللہ تعالیٰ کا کلام قدیم ہے اور اس کلام میں ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ ازل میں خالق بھی ہے اور رازق بھی

ہے، تو پھر بعض اشاعرہ نے یہ جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ پر ازل میں خالق اور رازق کا اطلاق بطریقِ مجاز ہے۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۵۵۵۔۵۵۶، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۴۵۲۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ أَخْبَرَنِي شَرِيكُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي نَمِرٍ عَنْ كُرَيْبٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بِتُّ فِي بَيْتِ مَيْمُونَةَ لَيْلَةً وَالنَّبِيُّ ﷺ عِنْدَهَا لِأَنْظُرَ كَيْفَ صَلَاةُ رَسُولِ اللهِ ﷺ بِاللَّيْلِ فَتَحَدَّثَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَعَ أَهْلِهِ سَاعَةً ثُمَّ رَقَدَ فَلَمَّا كَانَ ثُلُثُ اللَّيْلِ الْآخِرُ أَوْ بَعْضُهُ قَعَدَ فَنَظَرَ إِلَى السَّمَاءِ فَقَرَأَ ﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ﴾ إِلَى قَوْلِهِ ﴿لِأُولِي الْأَلْبَابِ ۝﴾ ثُمَّ قَامَ فَتَوَضَّأَ وَاسْتَنَّ ثُمَّ صَلَّى إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً ثُمَّ أَذَّنَ بِلَالٌ بِالصَّلَاةِ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ خَرَجَ فَصَلَّى لِلنَّاسِ الصُّبْحَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن ابی مریم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن جعفر نے خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے شریک بن عبداللہ بن ابی نمر نے خبر دی از کریب از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک رات ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے ہاں گزاری اور نبی ﷺ ان کے پاس تھے، تاکہ میں دیکھوں کہ رسول اللہ ﷺ رات کی نماز کس طرح پڑھتے ہیں، پس رسول اللہ ﷺ نے کچھ دیر تک اپنی اہلیہ کے ساتھ باتیں کیں پھر آپ سو گئے، پھر جب تہائی رات کا آخر ہو گیا یا کچھ حصہ تو آپ بیٹھ گئے اور آپ نے آسمان کی طرف دیکھا، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی:

''بلاشبہ آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش اور رات اور دن کے اختلاف میں عقل والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں'' ۝

(آل عمران: ۱۹۰)

پھر آپ کھڑے ہوئے آپ نے وضو کیا اور مسواک کی، پھر آپ نے گیارہ رکعات پڑھیں، پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے نماز کی اذان دی تو آپ نے دو رکعت (سنتِ فجر) پڑھیں، پھر آپ باہر نکلے اور آپ نے لوگوں کو صبح کی نماز پڑھائی۔

(صحیح البخاری: ۱۱۷، ۱۳۸، ۱۸۳، ۶۹۷، ۶۹۸، ۷۲۶، ۷۲۸، ۸۵۹، ۹۹۲، ۱۱۹۸، ۴۵۶۹، ۴۵۷۰، ۴۵۷۱، ۴۵۷۲، ۵۹۱۹، ۶۲۱۵، ۶۳۱۶، ۷۴۵۲، سنن ابوداؤد: ۱۳۵۷، مسند احمد: ۳۱۵۹، سنن دارمی: ۱۲۵۵)

اس حدیث میں آلِ عمران: ۱۹۰ کا ذکر ہے، اور آلِ عمران: ۱۹۰ میں اللہ تعالیٰ کے خالق ہونے کی دلیل ہے، اور اس باب کا بھی یہی عنوان ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کا خالق ہے۔

صحیح البخاری: ۷۴۵۲، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیثِ مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''نبی ﷺ سو گئے تھے'' پھر جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے فجر کی اذان دی تو آپ اٹھے اور آپ نے

سنتِ فجر پڑھیں اور وضو نہیں کیا، اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سونے سے وضو نہیں ٹوٹتا، اسی طرح باقی انبیاء علیہم السلام کی بھی یہی شان ہے، اسی وجہ سے عبید بن عمیر نے کہا ہے: انبیاء علیہم السلام کا خواب وحی ہوتا ہے، ان کی مراد یہ ہے کہ نیند آپ کے قلب پر طاری نہیں ہوتی تا کہ جب آپ کی طرف نیند میں وحی کی جائے تو آپ وحی کو محفوظ رکھیں۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گزاری جب کہ آپ اپنی اہلیہ کے پاس تھے، اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا آپ کی خالہ تھیں، اور یہ بھی روایت میں ہے کہ اس وقت آپ کی اہلیہ حائض تھیں، اس سے معلوم ہوا کہ نابالغ لڑکے کا اپنے محرم کے پاس رات گزارنا جائز ہے۔

(۳) اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تواضع ہے اور آپ کے مکارمِ اخلاق کا بیان ہے کہ آپ نے پرانی مشک سے وضو کیا۔

(۴) اس حدیث میں مذکور ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تہجد کی نماز پڑھی تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی آپ کی اقتداء میں نماز میں شامل ہوئے، اس سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے افعال کی اقتداء کرنا جائز ہے۔

(۵) رات کی یہ نماز یعنی تہجد نفل نماز تھی اور اس نماز میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء کی، تو اس سے معلوم ہوا کہ نفل کی جماعت جائز ہے۔

(۶) اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اس نماز میں صرف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تھے، تو معلوم ہوا کہ ایک شخص کا مقتدی ہونا جائز ہے۔

(۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بچہ کا بالغ کی اقتداء میں نماز پڑھنا صحیح ہے، کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نابالغ تھے۔

(۸) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بائیں جانب کھڑے ہوئے تھے تو آپ نے ان کو دائیں جانب کر دیا، اس سے معلوم ہوا کہ جب مقتدی ایک ہو تو وہ امام کے دائیں جانب کھڑا ہو۔

(۹) اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کم مقدار میں وضو کیا، اس سے معلوم ہوا کہ اگر اعضائے وضو کو ایک ایک مرتبہ دھویا جائے اور اعضاء کو پوری طرح دھولیا جائے تو جائز ہے۔

(۱۰) اس حدیث میں امام کے مقتدی کو تعلیم دینے کا جواز ہے۔

(۱۱) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو دائیں جانب کیا، اس سے معلوم ہوا کہ نماز میں بھی تعلیم دینا جائز ہے جب کہ اس کا تعلق نماز کے ساتھ ہو۔

(۱۲) اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز کی اطلاع دی، اس سے معلوم ہوا کہ امام کو نماز کی اطلاع دینا جائز ہے۔

(۱۳) اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک وضو کے ساتھ سنت بھی پڑھیں اور فرض بھی پڑھائے، اس سے معلوم ہوا کہ ایک وضو سے فرض اور نفل کو ادا کرنا جائز ہے۔

(۱۴) اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تہجد پڑھنے کے بعد لیٹ کر تھوڑی دیر کے لیے سو گئے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ تہجد کے بعد آرام کرنا جائز ہے۔

(۱۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پہلے رات کو قیام کرنا واجب تھا پھر اس کا وجوب منسوخ کر دیا گیا۔
(۱۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عالم کے پاس رات گزارنا جائز ہے تا کہ عالم کے افعال کا مشاہدہ کر کے اس کی اقتداء کی جائے اور اس کو آگے بیان کیا جائے۔
(۱۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نفل نماز کلام کے حرام ہونے میں فرض کی طرح ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں کلام نہیں کیا۔
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۴ ص ۵۵-۵۸، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامی، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۲۸- بَابُ: قَوْلِهِ تَعَالَى: وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ ﴿۱۷۱﴾ (الصافات: ۱۷۱)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”اور بے شک ہم پہلے ہی اپنے ان بندوں سے بات کر چکے ہیں جو رسول ہیں O“

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

ازل میں اللہ تعالیٰ کے کلام کرنے کا ثبوت

امام بخاری اس باب کے عنوان سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ازل میں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ مخلوقات کو پیدا کرنے سے پہلے کلام فرماتا تھا، اور یہ فرماتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی دنیا اور آخرت میں مدد کی جائے گی۔
(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۲۰۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

بابِ مذکور کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس باب سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ متکلم ہے اور کلام کرنے والا ہے، اس کے برخلاف المعتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ متکلم نہیں ہے اور یہ خالص کفر ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کے بطلان کے اوپر ان آیات میں تصریح فرمائی ہے:

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ ﴿۱۷۱﴾ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ ﴿۱۷۲﴾ وَإِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ ﴿۱۷۳﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتَّى حِينٍ ﴿۱۷۴﴾ (الصافات: ۱۷۱-۱۷۴)

اور بے شک ہم پہلے ہی اپنے ان بندوں سے بات کر چکے ہیں جو رسول ہیں O بے شک ان ہی کی مدد کی جائے گی O اور بے شک ہمارا ہی لشکر ضرور غالب ہوگا O سو آپ ایک معین مدت تک ان سے اعراض کرتے رہیے O

ان آیات میں تصریح ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ازل میں اپنے رسولوں سے کلام فرمایا۔
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۳ ص ۳۶۵، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

اس باب کی احادیث میں اللہ تعالیٰ کے کلام کے ثبوت میں احادیث روایت کی گئی ہیں۔

۷۴۵۳- حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه أَنَّ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث

رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ لَمَّا قَضَى اللهُ الْخَلْقَ كَتَبَ عِنْدَهُ فَوْقَ عَرْشِهِ إِنَّ رَحْمَتِي سَبَقَتْ غَضَبِي۔

بیان کی از ابی الزناد از الاعرج از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی تکمیل کا ارادہ فرمالیا تو اس نے اپنے عرش کے اوپر اپنے پاس لکھا کہ بے شک میری رحمت میرے غضب پر سابق ہے۔

(صحیح البخاری: ۳۱۹۴، ۷۴۰۴، ۷۴۲۲، ۷۴۵۳، ۷۵۵۳، ۷۵۵۴، صحیح مسلم: ۲۷۵۱، سنن ترمذی: ۳۵۴۳، سنن ابن ماجہ: ۴۲۹۵، مسند احمد: ۷۳۴۳)

صحیح البخاری: ۷۴۵۳، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

غضب پر رحمت کی تقدیم پر ایک اشکال کا جواب

اس حدیث پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ رحمت اور غضب دونوں اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں اور یہ دونوں صفات قدیم ہیں، تو ایک صفت کا دوسری صفت پر تقدم کیسے ہوگا؟ کیونکہ جو صفات قدیم ہوں وہ ایک دوسرے کے آگے پیچھے نہیں ہوسکتیں، ایک دوسرے کے آگے پیچھے ہونا صفاتِ حادثہ میں ہوسکتا ہے صفاتِ قدیمہ میں نہیں ہوسکتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ رحمت سے مراد ہے ثواب کا پہنچانا اور غضب سے مراد ہے سزا کو پہنچانا، تو یہاں سبقت کا تعلق ارادہ کے ساتھ ہے، یعنی گناہگاروں کو سزا دینے سے پہلے نیکوکاروں کو ثواب دینے کا ارادہ فرماتا ہے۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۵٦٧، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲٦ھ)

صحیح البخاری: ۷۴۵۳، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ازل میں اللہ تعالیٰ کی رحمتیں

پس اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر رحمت ابتداءً یہ ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ عدم سے وجود کی طرف لاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی رحمت یہ ہے کہ بندہ کے ماں باپ کے دلوں میں ان کی اولاد کی پرورش کی تلقین فرماتا ہے اور ان کی پرورش میں جو مشقتیں ہوتی ہیں ان کو برداشت کرنے کی توفیق دیتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی رحمتِ سابقہ یہ ہے کہ وہ کفار کو بھی رزق دیتا ہے اور ان پر نعمتیں فرماتا ہے اور ان سے مصائب کو دور فرماتا ہے، پھر بعض اوقات کفار کے دلوں میں اسلام کی محبت ڈالتا ہے، یہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے، اور بعض ایمان لانے کے بعد بھی گناہ کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت غالب آتی ہے اور وہ ان کو جنت میں داخل کر دیتا ہے، اور جو مدتِ عمر تک توبہ نہیں کرتے تو ان کے عذاب میں تاخیر فرماتا ہے اور ان کو مہلت دیتا ہے کہ وہ توبہ کرلیں، تو اس کا یہ مہلت دینا بھی رحمت ہے، بہر حال اللہ تعالیٰ کی رحمتِ سابقہ اتنی زیادہ ہے کہ اس کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۳ ص ۳٦٧، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۷۴۵۴۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ سَمِعْتُ زَيْدَ بْنَ وَهْبٍ سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہ حَدَّثَنَا رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَهُوَ الصَّادِقُ الْمَصْدُوقُ أَنَّ خَلْقَ أَحَدِكُمْ يُجْمَعُ فِي بَطْنِ أُمِّهِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا أَوْ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً ثُمَّ يَكُونُ عَلَقَةً مِثْلَهُ ثُمَّ يَكُونُ مُضْغَةً مِثْلَهُ ثُمَّ يُبْعَثُ إِلَيْهِ الْمَلَكُ فَيُؤْذَنُ بِأَرْبَعِ كَلِمَاتٍ فَيَكْتُبُ رِزْقَهُ وَأَجَلَهُ وَعَمَلَهُ وَشَقِيٌّ أَمْ سَعِيدٌ ثُمَّ يَنْفُخُ فِيهِ الرُّوحَ فَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ حَتَّى لَا يَكُونُ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ إِلَّا ذِرَاعٌ فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ فَيَدْخُلُ النَّارَ وَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ حَتَّى مَا يَكُونُ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ إِلَّا ذِرَاعٌ فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ عَمَلَ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَيَدْخُلُهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے زید بن وہب سے سنا، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سنا، انہوں نے کہا کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث بیان کی اور آپ بہت زیادہ سچے ہیں، آپ نے فرمایا: تم میں سے کسی ایک کی تخلیق (اس کی تخلیق کا نطفہ) اس کی ماں کے پیٹ میں چالیس دن تک جمع رہتی ہے یا چالیس راتوں تک، پھر وہ اتنے دنوں تک جمع ہوا خون ہو جاتا ہے، پھر وہ اتنی مدت تک گوشت کا ٹکڑا ہو جاتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ اس کی طرف فرشتہ کو بھیجتا ہے، پس اس کو چار کلمات کو لکھنے کا حکم دیتا ہے، پس فرشتہ اس کے رزق کو لکھتا ہے اور اس کی مدتِ حیات کو اور اس کے عمل کو اور اس کے بدبخت یا نیک بخت ہونے کو، پھر اس میں روح پھونک دیتا ہے، پس بے شک تم میں سے کوئی ایک اہلِ جنت کے عمل کرتا ہے حتیٰ کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے، پھر اس پر کتاب میں لکھا ہوا مقدم ہو جاتا ہے، سو وہ اہلِ دوزخ کا عمل کرتا ہے اور دوزخ میں داخل ہو جاتا ہے، اور بے شک تم میں سے کوئی ایک اہلِ دوزخ کے عمل کرتا ہے حتیٰ کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے، پھر اس پر کتاب میں لکھا ہوا سابق ہوتا ہے سو وہ اہلِ جنت کے عمل کرتا ہے اور جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۳۲۰۸، ۳۳۳۲، ۶۵۹۴، ۷۴۵۴، صحیح مسلم: ۲۶۴۳، سنن ترمذی: ۲۱۳۷، سنن ابوداؤد: ۴۷۰۸، سنن ابن ماجہ: ۷۶، مسند احمد: ۳۶۱۷)

صحیح البخاری: ۷۴۵۴، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے چار کلمات لکھنے کا حکم دینے سے اللہ تعالیٰ کے کلام کرنے کا ثبوت

علماءِ اہلسنت کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ازل میں تمام کلاموں کے ساتھ متکلم تھا، اور اس سے ان لوگوں کا رد ہوتا ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ سبحانہٗ اگر چاہے تو اپنی تمام مخلوق کو عذاب دے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں ہے کہ اس کے علم میں تبدیلی ہو، اور اللہ

تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ وہ کن پر رحم فرمائے گا اور کن کو عذاب دے گا، اور اہل الحق کا اس پر اتفاق ہے کہ ازل میں اللہ تعالیٰ کا کلام فی نفسہٖ تھا۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۳ ص ۳۶۸، ملخصاً و ملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۷۴۵۴، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ ابن التین نے کہا ہے: اہل سنت کا یہ مذہب ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو نیکی کرنے والوں کو عذاب دے گا، لیکن علامہ ابن التین نے اس پر کوئی دلیل قائم نہیں کی۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۵۶۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

میں کہتا ہوں: اس پر دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نیکی کرنے والوں کو ثواب عطا فرمانے کا وعدہ فرمایا ہے، اگر اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کو عذاب دے تو اگرچہ وہ اس پر قادر ہے لیکن یہ اس کے وعدہ کے خلاف ہے اور کریم جب کسی کو انعام دینے کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے خلاف نہیں کرتا، نیز اگر اللہ تعالیٰ کے کلام میں تبدیلی واقع ہو تو اس سے اس کے کلام میں کذب لازم آئے گا اور کذب اللہ تعالیٰ کے لیے محال ہے، کیونکہ کذب قبیح ہے اور اللہ تعالیٰ کی تمام صفات حسن ہیں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

صحیح البخاری: ۷۴۵۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اعمال کے مدار کا خاتمہ پر ہونا

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ عمل خواہ نیک ہوں یا بد ہوں، وہ ثواب یا عذاب کی علامات ہیں ثواب یا عذاب کو واجب نہیں کرتے، اور نجات کا مدار خاتمہ پر ہے، اگر انسان کا خاتمہ نیک اعمال پر ہوا تو وہ نجات یافتہ ہوگا اور اگر اس کا خاتمہ بد اعمال پر ہوا تو وہ عذاب یافتہ ہوگا، اور اللہ تعالیٰ کو ازل میں اس کا علم تھا کہ کون شخص خاتمہ کے وقت تک ایمان اور اعمالِ صالحہ پر قائم رہے گا اور کون شخص خاتمہ کے وقت تک ایمان اور اعمالِ صالحہ پر قائم نہیں رہے گا اور اسی کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے لوحِ محفوظ میں ہر شخص کے متعلق لکھ دیا کہ وہ جنتی ہے یا دوزخی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۲۱۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۴۵۵۔ حَدَّثَنَا خَلَّادُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ ذَرٍّ سَمِعْتُ أَبِي يُحَدِّثُ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ يَا جِبْرِيلُ مَا يَمْنَعُكَ أَنْ تَزُورَنَا أَكْثَرَ مِمَّا تَزُورُنَا فَنَزَلَتْ ﴿وَمَا نَتَنَزَّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا﴾ إِلَى آخِرِ الْآيَةِ قَالَ كَانَ هَذَا الْجَوَابَ لِمُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں خلاد بن یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عمر بن ذر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے اپنے والد سے سنا وہ سعید بن جبیر سے حدیث بیان کرتے ہیں از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے جبریل! آپ جتنا ہماری زیارت اور ملاقات کے لیے آتے ہیں اس سے زیادہ ہماری ملاقات کے لیے آنے سے آپ کو کون سی چیز منع کرتی ہے؟ تو یہ آیت نازل ہوئی:

''اور ہم (فرشتے) صرف آپ کے رب کے حکم سے نازل ہوتے ہیں، ہمارے آگے اور ہمارے پیچھے اور جو اس کے درمیان ہے وہ سب اسی کی ملکیت ہے، اور آپ کا رب بھولنے والا نہیں ہے''۔ (مریم: ٦٤)

امام بخاری نے کہا: یہ جواب (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے ہے۔

(صحیح البخاری: ٣٢١٨، ٤٧٣١، ٧٤٥٥، سنن ترمذی: ٣١٥٨، مسند احمد: ٢٠٧٩)

مریم: ٦٤ میں مذکور ہے ''ہم صرف آپ کے رب کے حکم سے نازل ہوتے ہیں'' اور حکم سے مراد اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، سو اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے کلام کرنے کا ثبوت ہے۔

صحیح البخاری: ٧٤٥٥، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ٨٠٤ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت جبریل کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے لیے کم آنے کی توجیہ

اس حدیث میں جو مریم: ٦٤ مذکور ہے اس کے آخر میں ارشاد ہے: ''اور آپ کا رب بھولنے والا نہیں ہے'' یعنی اللہ تعالیٰ آپ کو بھولا نہیں ہے اگرچہ آپ پر بعض حکمتوں کی وجہ سے وحی دیر سے نازل ہوتی، سو اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے اور ہر چیز کو یاد رکھنے والا ہے اور وہ کسی چیز کو بھولتا نہیں ہے، اور اس آیت میں جو ہمارے سامنے اور ہمارے پیچھے کا ذکر ہے اس سے مراد دنیا اور آخرت کے معاملات ہیں اور سعید بن جبیر نے کہا کہ برزخ دنیا اور آخرت کے درمیان ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ٣٣ ص ٣٦٩، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیہ، قطر، ١٤٢٩ ھ)

٧٤٥٦۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ كُنْتُ أَمْشِي مَعَ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فِي حَرْثٍ بِالْمَدِينَةِ وَهُوَ مُتَّكِئٌ عَلَى عَسِيبٍ فَمَرَّ بِقَوْمٍ مِنَ الْيَهُودِ فَقَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ سَلُوهُ عَنِ الرُّوحِ وَقَالَ بَعْضُهُمْ لَا تَسْأَلُوهُ عَنِ الرُّوحِ فَسَأَلُوهُ فَقَامَ مُتَوَكِّئًا عَلَى الْعَسِيبِ وَأَنَا خَلْفَهُ فَظَنَنْتُ أَنَّهُ يُوحَى إِلَيْهِ فَقَالَ ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ ۖ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا ﴾ فَقَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ قَدْ قُلْنَا لَكُمْ لَا تَسْأَلُوهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وکیع نے حدیث بیان کی از الاعمش از ابراہیم از علقمہ از حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ کے کھیتوں میں جا رہا تھا اور آپ کھجور کی چھڑی پر ٹیک لگائے ہوئے تھے، پس آپ یہود کے کچھ لوگوں کے پاس سے گزرے تو انہوں نے ایک دوسرے سے کہا: ان سے روح کے متعلق سوال کرو، اور بعض نے کہا: ان سے روح کے متعلق سوال نہ کرو، پھر انہوں نے آپ سے سوال کیا، آپ کھجور کی چھڑی پر ٹیک لگائے ہوئے کھڑے تھے اور میں آپ کے پیچھے تھا، میں نے گمان کیا کہ آپ کی طرف وحی

نازل ہو رہی ہے، تو آپ نے فرمایا:

''اور یہ لوگ آپ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں، آپ کہیے کہ روح میرے رب کے امر سے ہے، اور تم کو محض تھوڑا سا علم دیا گیا ہے O'' (بنی اسرائیل:۸۵)

پس یہودیوں نے ایک دوسرے سے کہا: ہم نے تم سے کہا تھا کہ ان سے روح کے متعلق سوال نہ کرو۔

(صحیح البخاری:۱۲۵، ۴۷۲۱، ۷۲۹۷، ۷۴۵۶، ۷۴۶۲، صحیح مسلم:۲۷۹۴، سنن ترمذی:۳۱۴۱، مسند احمد:۳۶۸۰)

صحیح البخاری:۷۴۵۶، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روح کے سوال کے متعلق مختلف اقوال

(۱) ایک قول یہ ہے کہ یہودیوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بنی آدم کی روح کے متعلق سوال کیا تھا، کیونکہ تورات میں مذکور ہے کہ بنی آدم کی روح کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، سو انہوں نے کہا: اگر انہوں نے روح کی تفسیر کی تو یہ نبی نہیں ہیں، اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا جواب نہیں دیا۔

(۲) قاضی عیاض وغیرہ نے کہا ہے: مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کس روح کے متعلق سوال کیا گیا تھا، پس کہا گیا ہے کہ لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے روح کے متعلق سوال کیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''روح، اللہ کے امر سے ہے''، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کی تفسیر کو مخفی رکھتے تھے۔

(۳) قاضی عیاض نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ روح فرشتوں میں سے ایک فرشتہ ہے، وہ ایک صف میں کھڑا ہوگا اور فرشتے دوسری صف میں کھڑے ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا (النبا:۳۸)

جس دن روح اور تمام فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد جبریل ہیں۔ (تفسیر طبری ج ۱۲ ص ۴۱۵)

اور تیسرا قول یہ ہے کہ روح سے مراد قرآن مجید ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا (الشوریٰ:۵۲)

اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے آپ کی طرف روح (قرآن) کی وحی کی ہے۔

(۴) ابو صالح نے کہا: روح بنو آدم کی طرح ایک مخلوق ہے اور وہ بنو آدم میں سے نہیں ہے، اس کے ہاتھ ہیں اور پیر ہیں۔

(۵) ایک قول یہ ہے کہ روح فرشتہ ہے، اس کے گیارہ ہزار پر ہیں اور ایک ہزار چہرے ہیں اور وہ قیامت تک اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتا رہتا ہے۔ (تفسیر طبری ج ۱۲ ص ۴۱۵، حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں کہا: یہ قول بہت غریب ہے۔)

بنو آدم کی روح کے متعلق علماء کے اقوال

(۱) امام اشعری نے کہا: روح کا مصداق وہ سانس ہے جو بدن میں داخل ہوتا ہے اور بدن سے خارج ہوتا ہے۔
(۲) ایک قول یہ ہے کہ روح ایک جسم ہے جو اجسامِ ظاہرہ اور اعضاءِ ظاہرہ کے شریک ہے۔
(۳) ایک قول یہ ہے کہ روح جسمِ لطیف ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور اس کی عادتِ جاریہ یہ ہے کہ حیات اس کے ساتھ ہوتی ہے، پس جب اللہ تعالیٰ بدن کی موت چاہے گا تو اس جسم کو معدوم کر دے گا اور اس سے حیات معدوم ہو جائے گی۔
(۴) علامہ المہلب مالکی نے کہا ہے: یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ کئی چیزوں کے علم پر اللہ تعالیٰ نے کسی کو مطلع نہیں کیا نہ نبی کو اور نہ کسی اور کو، اور اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ اس سے اپنی مخلوق کو آزمائش میں ڈالے اور ان کو ان کے عجز کے اوپر واقف کرے کہ کئی چیزیں ایسی ہیں کہ جن کا وہ ادراک نہیں کر سکتے بلکہ ان کے علم کو اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹاتے ہیں جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ۔ اور اس کے علم میں سے وہ (لوگ) کسی چیز کو حاصل نہیں کر سکتے مگر جتنا وہ چاہے۔ (البقرہ:۲۵۵)

اور اللہ تعالیٰ نے روح کے علم پر مطلع کرنا نہیں چاہا۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۳ ص ۶۴۴۔ ۶۴۵، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۷۴۵۶، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

روح کے علم کے متعلق علماء کے اقوال

بعض علماء نے کہا ہے کہ بنی اسرائیل: ۸۵ میں یہ دلیل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو روح کی حقیقت پر مطلع نہیں کیا، بلکہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو روح کی حقیقت پر مطلع کیا ہو اور آپ کو یہ حکم نہیں دیا کہ آپ لوگوں کو اس کی حقیقت پر مطلع کر دیں، اور وقوعِ قیامت کے علم کے متعلق بھی اسی طرح کہا گیا ہے، (یعنی آپ کو وقتِ وقوعِ قیامت کا علم اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا اور یہ نہیں فرمایا کہ آپ یہ علم دوسروں کو پہنچائیں) واللہ اعلم۔

روح کی حقیقت میں بحث کرنے کی ممانعت

امام ابو القاسم نے عوارف المعارف میں نقل کیا ہے کہ روح کی حقیقت کے متعلق کلام کرنا ممنوع ہے اور اولیٰ یہ ہے کہ اس مسئلہ میں بحث نہ کی جائے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر عمل کیا جائے، پھر ابو القاسم نے حضرت الجنید سے نقل کیا ہے کہ روح کے علم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ خاص کر لیا ہے اور اپنی مخلوق میں سے کسی کو روح پر مطلع نہیں فرمایا، پس اس کے متعلق اس سے زیادہ نہ کہا جائے کہ روح موجود ہے۔

روح کا عالمِ امر سے ہونا

بنی اسرائیل: ۸۵ میں فرمایا ہے کہ "روح میرے رب کے امر سے ہے"۔ عالمِ روح سے مراد ہے عالم ملکوت، یعنی روح عالم

ملکوت سے ہے نہ کہ عالمِ خلق سے، اور عالمِ ملکوت عالم الغیب ہے اور عالمِ خلق عالمِ شہادت ہے۔

بعض متاخرین صوفیاء نے روح کے متعلق یہ تصریح کی کہ ان کو روح کی حقیقت کا علم ہے اور ان کی مذمت کی جو اس میں بحث سے روکتے ہیں۔

ابنِ مندہ نے کتاب الروح میں لکھا ہے کہ عہدِ صحابہ سے لے کر اب تک کے تمام فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ روح مخلوق ہے، اور بعض غالی رافضی صوفیاء نے کہا ہے کہ روح قدیم ہے۔

اور اس میں اختلاف ہے کہ جب عالَم فنا ہوگا تو روح بھی فنا ہوگی یا باقی رہے گی، اس کے متعلق دو قول ہیں اور اللہ ہی بہتر جاننے والا ہے۔

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب عالم کھڑا ہوا ہو تو اس سے سوال کرنا جائز ہے، یا جب عالم کہیں جا رہا ہو اس وقت بھی اس سے سوال کرنا جائز ہے جب کہ اس پر یہ چیز دشوار نہ ہو۔

(۲) اس حدیث سے صحابہ کا ادب معلوم ہوتا ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ادب سے کھڑے رہے۔

(۳) جس مسئلہ کا جواب کسی نص سے متوقع ہو اس کے متعلق اجتہاد کرنے سے توقف کرنا چاہیے۔

(۴) بعض معلومات ایسی ہیں جن کے علم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ خاص کر لیا ہے۔

(فتح الباری ج ۵ ص ۶۷۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۴۵۷۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ تَكَفَّلَ اللهُ لِمَنْ جَاهَدَ فِي سَبِيلِهِ لَا يُخْرِجُهُ إِلَّا الْجِهَادُ فِي سَبِيلِهِ وَتَصْدِيقُ كَلِمَاتِهِ بِأَنْ يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ أَوْ يَرْجِعَهُ إِلَى مَسْكَنِهِ الَّذِي خَرَجَ مِنْهُ مَعَ مَا نَالَ مِنْ أَجْرٍ أَوْ غَنِيمَةٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از ابی الزناد از الاعرج از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور وہ گھر سے صرف اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے نکلا اور اللہ تعالیٰ کے کلمات کی تصدیق کرنے کے لیے تو اللہ اس بات کا ضامن ہو گیا کہ اس کو جنت میں داخل کرے گا یا اس کو اس کے اس گھر کی طرف اجر کے ساتھ اور مالِ غنیمت کے ساتھ واپس لے آئے گا جس سے وہ نکلا تھا۔

(صحیح البخاری: ۲۷۸۷، صحیح مسلم: ۱۸۷۶، سنن نسائی: ۳۱۲۴، سنن ابن ماجہ: ۲۷۵۴، موطا امام مالک: ۹۷۳)

صحیح البخاری: ۷۴۵۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے الفاظ کے معانی

دخولِ جنت میں شہید کی خصوصیت

اس حدیث میں مذکور ہے "تکفل اللہ" یہ باب تشبیہ سے ہے یعنی اللہ تعالیٰ کفیل کی مثل ہے، یعنی جس شخص نے اخلاص سے جہاد کیا تو اللہ تعالیٰ اس بات کا ضامن ہوگیا کہ اگر وہ شہید ہوگیا تو اس کو جنت میں داخل کردے گا اور اگر سلامتی کے ساتھ لوٹ آیا تو اس کو اجر اور مالِ غنیمت اپنے فضل سے عطا فرمائے گا، یعنی وہ شخص یا شہید ہوگا یا سلامت رہے گا، اور پہلی صورت میں ہر حال میں جنت میں داخل ہوگا، اور دوسری صورت میں اجر اور مالِ غنیمت کے بغیر نہیں رہے گا۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: تمام مومنین جنت میں داخل ہوں گے تو مجاہد اور شہید کی کیا خصوصیت ہے؟

اس کا یہ جواب ہے کہ شہید مرتے ہی جنت میں داخل ہوجائے گا یا شہید سابقین اور اولین میں سے ہوگا اور بغیر حساب اور عذاب کے جنت میں داخل ہوگا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۲۱۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۷۴۵۷، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

شہید کے تمام گناہوں کی مغفرت سے قرض کی عدم ادائیگی کا مستثنیٰ ہونا

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، میں نے پوچھا: اگر میں جہاد میں ثواب کی نیت سے حملہ کروں اور آگے بڑھ کر قتال کروں، پیٹھ نہ پھیروں تو کیا اللہ تعالیٰ میرے تمام گناہوں کو معاف فرمادے گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دوبارہ بلاکر فرمایا: سوائے قرض کے، مجھے اسی طرح ابھی حضرت جبریل نے بتایا ہے۔

کیا مالِ غنیمت کے حصول کے لیے جہاد کرنے والا اجر سے محروم ہوگا؟

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: جو لوگ بھی اللہ کی راہ میں جہاد کریں اور غنیمت حاصل کریں تو وہ اپنے اخروی اجر کے دو حصے دنیا میں حاصل کرلیتے ہیں اور ان کے لیے آخرت میں اجر کا ایک حصہ رہ جاتا ہے، پس اگر وہ مالِ غنیمت نہ حاصل کریں تو ان کا اجر مکمل ہوجاتا ہے۔ (صحیح مسلم: ۱۹۰۶، سنن ابوداؤد: ۲۴۹۷، سنن ابن ماجہ: ۲۷۸۵)

بعض علماء نے اس حدیث پر طعن کیا ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث کی روایت ابوہانی حمید بن ہانی نے کی ہے اور وہ مشہور راوی نہیں ہے، اور اگر یہ حدیث ثابت ہو تو اس کی تاویل یہ ہے کہ جس نے جہاد میں مالِ غنیمت کو صحیح طریقہ سے حاصل نہ کیا ہو یا جو شخص جہاد کے ارادہ سے نکلے اور اس کے ساتھ اس کا ارادہ مالِ غنیمت کو حاصل کرنا بھی ہو تو وہ مکمل اجر سے محروم ہوگا، اور اس حدیث کو اپنے عموم پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ اصحاب بدر سب سے افضل مجاہدین ہیں اور انہوں نے مالِ غنیمت حاصل کیا۔

اور روایت ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپ اہلِ بدر کو کن میں شمار کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: وہ تمام مسلمانوں میں افضل ہیں، حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا: اسی طرح فرشتوں میں سے جو غزوۂ بدر میں حاضر ہوئے وہ تمام فرشتوں میں افضل ہیں۔ (صحیح البخاری: ۳۹۹۲)

نیز ایک اور حدیث ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہیں کیا معلوم کہ اللہ تعالیٰ اصحاب بدر کی طرف متوجہ ہوا پس فرمایا: تم جو چاہے عمل کرو، پس میں نے تمہاری مغفرت فرمادی ہے۔ (صحیح البخاری: ۳۰۰۷)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۳ ص ۲۷۲۔ ۲۷۳، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

اصحابِ بدر کے لیے عموم مغفرت کی بشارت کی وضاحت

میں کہتا ہوں: اس حدیث کا یہ معنی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ بدر کو کھلی چھٹی دے دی ہے خواہ وہ نیک کام کریں یا برے کام کریں وہ بہر حال مغفور ہیں، بلکہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اصحابِ بدر کو ایسے برے کاموں کے ارتکاب سے محفوظ رکھے گا جو مغفرت کے منافی ہوں، اور اگر ان سے کوئی ایسا برا کام سرزد ہو گیا تو اللہ تعالیٰ وفات سے پہلے ان کو توبہ کی توفیق دے دے گا، کیونکہ کئی صحابہ جو اہلِ بدر میں سے تھے اور انہوں نے دنیا میں غلط کام کیے تو ان کو سزا دی گئی جیسے حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ یہ اہلِ بدر میں سے تھے اور انہوں نے حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی تو ان پر حدِ قذف جاری کی گئی، سو اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ اگر اہلِ بدر میں سے کسی نے کوئی جرم کیا یا گناہ کیا تو اللہ تعالیٰ ان کو موت سے پہلے دنیا میں توبہ کرنے کی توفیق دے دے گا اور اگر ان کا جرم حد کا موجب ہوا تو اس پر حد جاری کر کے ان کو پاک کر دیا جائے گا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۷۴۵۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ الرَّجُلُ يُقَاتِلُ حَمِيَّةً وَيُقَاتِلُ شَجَاعَةً وَيُقَاتِلُ رِيَاءً فَأَيُّ ذَلِكَ فِي سَبِيلِ اللهِ قَالَ مَنْ قَاتَلَ لِتَكُونَ كَلِمَةُ اللهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن کثیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از الاعمش از ابی وائل از حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، پس اس نے کہا: ایک مرد غیرت کی وجہ سے قتال کرتا ہے اور ایک مرد بہادری کے اظہار کے لیے قتال کرتا ہے اور ایک مرد دکھاوے کے لیے قتال کرتا ہے، پس ان میں سے کون سا مرد اللہ کی راہ میں قتال کرنے والا ہے؟ آپ نے فرمایا: جس نے اس لیے قتال کیا تا کہ اللہ تعالیٰ کا دین سربلند ہو سو وہ اللہ کی راہ میں ہے۔

(صحیح البخاری: ۱۲۳، ۲۸۱۰، ۳۱۲۶، ۷۴۵۸، صحیح مسلم: ۱۹۰۴، سنن ترمذی: ۱۶۴۶، سنن نسائی: ۳۱۳۶، سنن ابوداؤد: ۲۵۱۷، سنن ابن ماجہ: ۲۷۸۳، مسند احمد: ۱۹۰۴۹)

صحیح البخاری: ۷۴۵۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیثِ مذکور کے مشکل الفاظ کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''الرجل یقاتل حمیة'' اس کا معنی ہے: جو شخص اپنے نفس سے عار کو دور کرنے کے لیے لڑتا ہے یا

اپنی ناموس کی حفاظت کے لیے لڑتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "لتکون کلمة الله" کلمة الله سے مراد کلمہ توحید یعنی لآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ہے، یا اس سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو جہاد کا حکم دیا ہے اس حکم پر عمل کرنے کے لیے لڑتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۲۱۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۲۹۔ بَابُ: قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰی: اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ (النحل: ۴۰)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "ہم جس چیز کا ارادہ کرتے ہیں اس کے متعلق صرف ہمارا یہ کہنا ہوتا ہے"۔

بابِ مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے کلام کے غیر مخلوق ہونے پر دلیل

صحیح البخاری کے تمام نسخوں میں یہ عنوان اسی طرح مذکور ہے اور ابوذر کے نسخہ میں یہ پوری آیت ذکر کی ہے:

اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۴۰﴾ (النحل: ۴۰) ہم جس چیز کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کے متعلق ہمیں صرف یہ کہنا ہوتا ہے کہ "ہو جا" سو وہ ہو جاتی ہے ○

اور الفربری نے ابوذر اور الاصیلی اور القابسی وغیرہ سے اسی طرح روایت کی ہے اور ابوذر نے نسخہ معتمدہ سے پوری آیت ذکر کی ہے۔

امام احمد بن حنبل نے کہا کہ قرآن مجید کے غیر مخلوق ہونے پر دلیل حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس میں مذکور ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا فرمایا، پس ارشاد فرمایا: لکھ۔۔۔۔ الحدیث۔ تو قلم نے اللہ کے کلام سے لکھا، پس اللہ کا کلام اس کے اول مخلوق پر مقدم ہے، پس اللہ کا کلام غیر مخلوق ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو اپنے ارشاد "کُن" سے پیدا فرمایا ہے، پس اگر اللہ کا کلام مخلوق ہوتا تو "کُن" بھی مخلوق ہوتا اور اس سے لازم آتا کہ مخلوق نے مخلوق کو پیدا کیا ہے۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۵۶۸۔ ۵۶۹، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۴۵۹۔ حَدَّثَنَا شِهَابُ بْنُ عَبَّادٍ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ حُمَيْدٍ عَنْ إِسْمَاعِيلَ عَنْ قَيْسٍ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ لَا يَزَالُ مِنْ أُمَّتِي قَوْمٌ ظَاهِرِينَ عَلَى النَّاسِ حَتَّى يَأْتِيَهُمْ أَمْرُ اللهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں شہاب بن عباد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم بن حمید نے حدیث بیان کی از اسماعیل از قیس از المغیرہ بن شعبہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میری امت میں سے کچھ لوگ ہمیشہ تمام لوگوں پر غالب رہیں گے حتیٰ کہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ کا امر یعنی حکم آ جائے گا۔

(صحیح البخاری: ۳۶۴۰، ۷۳۱۱، ۷۴۵۹، صحیح مسلم: ۱۹۲۱، مسند احمد: ۱۸۱۳۷، سنن داری: ۲۴۳۲)

صحیح البخاری: ۷۴۵۹، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے متکلم ہونے پر دلیل

المعتزلہ نے کہا ہے کہ النحل: ۴۰ میں قول کا ذکر ہے اور یہاں قول سے مجاز مراد ہے جیسے عرب کہتے ہیں "مال الحائط فمال" دیوار نے گرنے کا ارادہ کیا سو وہ گر گئی، تو جس طرح دیوار کے لیے گرنے کا ارادہ سے مجاز مراد ہوتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کے قول اور اس کے امر سے بھی مجاز مراد ہوتا ہے، لیکن المعتزلہ کا یہ قول فاسد ہے کیونکہ یہ ظاہر آیت سے عدول ہے اور آیت کو اس کی حقیقت کے غیر پر محمول کرنا ہے اور اس آیت کو اس کے ظاہر پر محمول کرنا واجب ہے اور یہ ثابت کرنا کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے اور زندہ کا کلام کرنا محال نہیں ہے۔

(اس حدیث میں فرمایا ہے کہ "میری امت کے کچھ لوگ قیامت تک سب لوگوں پر غالب رہیں گے"، اس پر یہ اشکال ہے کہ قیامت سے پہلے مسلمان کفار سے مغلوب ہو جائیں گے جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں اس وقت دنیا میں امریکہ، برطانیہ، فرانس اور چین کے پاس ایسے ایٹمی ہتھیار ہیں جن کا مسلمان مقابلہ نہیں کر سکتے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ غلبہ سے مراد عام ہے خواہ ہتھیاروں سے غلبہ ہو یا دلائل سے غلبہ ہو، تو مسلمان اگرچہ بعض اقوام کے مقابلہ میں ہتھیاروں سے غلبہ حاصل نہیں کر سکے لیکن وہ دلائل کے اعتبار سے ان پر غالب ہیں۔ سعیدی غفرلہ)

نیز اس حدیث میں ارشاد ہے "حتیٰ کہ ان کے پاس اللہ کا امر آجائے" علامہ ابن بطال نے کہا: اس سے مراد قیامت ہے، لیکن زیادہ بہتر یہ ہے کہ اس سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قیامت کو واقع کرنے کا حکم دینا، کیونکہ اس حدیث سے مقصود اللہ تعالیٰ کے کلام کو ثابت کرنا ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۳ ص ۳۷۵۔۳۷۷، ملخصاً وملتقطاً وموضحاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۷۴۶۰۔ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا ابْنُ جَابِرٍ حَدَّثَنِي عُمَيْرُ بْنُ هَانِئٍ أَنَّهُ سَمِعَ مُعَاوِيَةَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ لَا يَزَالُ مِنْ أُمَّتِي أُمَّةٌ قَائِمَةٌ بِأَمْرِ اللهِ مَا يَضُرُّهُمْ مَنْ كَذَّبَهُمْ وَلَا مَنْ خَالَفَهُمْ حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ اللهِ وَهُمْ عَلَى ذٰلِكَ فَقَالَ مَالِكُ بْنُ يُخَامِرَ سَمِعْتُ مُعَاذًا يَقُولُ وَهُمْ بِالشَّأْمِ فَقَالَ مُعَاوِيَةُ هٰذَا مَالِكٌ يَزْعُمُ أَنَّهُ سَمِعَ مُعَاذًا يَقُولُ وَهُمْ بِالشَّأْمِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں الحمیدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الولید بن مسلم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن جابر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عمیر بن ہانی نے حدیث بیان کی، انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے امر کے ساتھ قائم رہے گا، اور جو شخص ان کی تکذیب کرے گا یا ان کی مخالفت کرے گا اس سے ان کو ضرر نہیں ہوگا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کا امر آجائے گا اور وہ اسی حال پر ہوں گے۔

پس مالک بن یخامر نے کہا: میں نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے سنا اور

وہ اس وقت شام میں تھے، پس حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ مالک یہ زعم کرتا ہے کہ اس نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث سنی ہے اور وہ اس وقت شام میں تھے۔

(صحیح البخاری:۷۱، ۳۱۱۶، ۳۶۴۱، ۷۳۱۲، ۷۴۶۰، صحیح مسلم:۱۰۳۷، سنن ابن ماجہ:۲۲۱، مسند احمد:۱۶۴۰۷، موطا امام مالک:۱۶۶۷، سنن دارمی:۲۲۴)

صحیح البخاری:۷۴۶۰، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اخیر زمانہ میں حق پر قائم رہنے والے گروہ کا مصداق

قاضی عیاض نے کہا: امام احمد نے کہا: اس سے مراد اہلسنت و جماعت ہیں اور جو ان کے مذہب کا معتقد ہو۔

(اکمال المعلم ج ۶ ص ۳۵۰)

علامہ النووی نے کہا: ہوسکتا ہے کہ یہ گروہ مومنین کی مختلف انواع اور اقسام پر مشتمل ہو، پس بعض ان میں سے بہادر ہوں گے جو اللہ کی راہ میں قتال کریں گے اور ان میں سے بعض فقہاء ہوں گے اور ان میں سے بعض محدثین ہوں گے اور ان میں سے بعض زاہدین ہوں گے، اور ان میں سے بعض نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے ہوں گے، اور یہ لازم نہیں ہے کہ یہ سب ایک وقت میں جمع ہوں بلکہ ہوسکتا ہے کہ وہ متفرق ہوں۔ (صحیح مسلم بشرح النووی ج ۱۳ ص ۶۷)

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ علماء کو تمام لوگوں پر فضیلت ہے اور فقہ کو تمام علوم پر فضیلت ہے، کیونکہ علماء ہی وہ گروہ ہیں جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور گناہوں سے دور رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت دائماً کرتے ہیں، کیونکہ ان کو اللہ تعالیٰ کے وعد اور وعید کی معرفت ہوتی ہے اور اس کی عظیم نعمتوں کے معترف ہوتے ہیں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: فقیہ وہ ہے جو دنیا سے بے رغبت ہو اور آخرت میں راغب ہو۔

(۲) اسلام کبھی ذلیل نہیں ہوگا خواہ اس کی ذلت کو طلب کرنے والے بہت زیادہ ہوں۔

(۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اجماع امت حجت ہے اور جس حدیث میں مذکور ہے "میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوگی" وہ ضعیف ہے۔

اس حدیث کو امام بیہقی نے "کتاب الاسماء والصفات" ج ۲ ص ۱۳۳ میں روایت کیا ہے۔

(۴) اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیب کی خبر دی ہے، پس یہ گروہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لے کر اب تک غالب ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۱ ص ۳۴۸۔ ۳۵۲، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۷۴۶۱۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي حُسَيْنٍ حَدَّثَنَا نَافِعُ بْنُ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از

قَالَ وَقَفَ النَّبِيُّ ﷺ عَلَى مُسَيْلِمَةَ فِي أَصْحَابِهِ فَقَالَ لَوْ سَأَلْتَنِي هَذِهِ الْقِطْعَةَ مَا أَعْطَيْتُكَهَا وَلَنْ تَعْدُوَ أَمْرَ اللهِ فِيكَ وَلَئِنْ أَدْبَرْتَ لَيَعْقِرَنَّكَ اللهُ۔

عبداللہ بن ابی حسین، انہوں نے کہا: ہمیں نافع بن جبیر نے حدیث بیان کی از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسیلمہ کے پاس کھڑے ہوئے اور وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ تھا، اور اس سے فرمایا کہ اگر تو مجھ سے یہ لکڑی کا ٹکڑا بھی مانگے گا تو میں تجھ کو نہیں دوں گا، اور تیرے متعلق اللہ تعالیٰ نے جو حکم دیا ہے تو اس سے آگے نہیں بڑھ سکتا، اور اگر تو نے اسلام سے پیٹھ پھیری تو اللہ تجھے ہلاک کر دے گا۔

(صحیح البخاری: ۳۶۲۱، ۴۳۷۳، ۴۳۷۵، ۴۳۷۹، ۷۰۳۴، ۷۰۳۴، ۷۰۳۳، صحیح مسلم: ۲۲۷۴، سنن ترمذی: ۲۲۹۴، سنن ابن ماجہ: ۳۹۲۲، مسند احمد: ۲۷۴۶۹)

امام بخاری نے یہاں پر اس حدیث کو اختصار سے روایت کیا ہے، اس حدیث کا مکمل متن حسب ذیل ہے:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں مسیلمہ کذاب آیا، پس وہ یہ کہنے لگا: اگر محمد اپنے بعد مجھے اپنا جانشین مقرر کر دیں تو میں ان کی اتباع کروں گا اور وہ اپنی قوم کے بہ کثرت لوگوں کے ساتھ آیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی طرف متوجہ ہوئے اور آپ کے ساتھ حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ بھی تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ میں درخت کی شاخ کا ایک ٹکڑا تھا حتیٰ کہ آپ مسیلمہ کے پاس کھڑے ہوئے جو اپنے ساتھیوں کے ساتھ تھا، آپ نے فرمایا: اگر یہ مجھ سے یہ ٹکڑا بھی مانگے تو میں اس کو نہیں دوں گا، اور اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے جو امر مقدر کر دیا ہے تو اس سے تجاوز نہیں کر سکتا، اور اگر تو نے اسلام سے پیٹھ پھیری تو اللہ تعالیٰ تجھے ہلاک کر دے گا، اور میرا گمان یہ ہے کہ تو وہی ہے جو مجھے خواب میں دکھایا گیا تھا۔ (صحیح البخاری: ۳۶۲۰)

مسیلمہ کذاب کا تذکرہ

مسیلمہ کذاب ۹ ہجری میں مدینہ آیا تھا اور یہ وفود کے آنے کا سال تھا، امام ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بنو حنیفہ کا وفد آیا، ان میں مسیلمہ بن حبیب بھی تھا، ابن ہشیم نے کہا: اس کا نام مسیلمہ بن ثمامہ ہے اور اس کی کنیت ابو ثمامہ ہے، اس کا نام رحمان بھی رکھا گیا ہے اور اس کو رحمان الیمامہ کہا جاتا تھا، امام ابن اسحاق نے بیان کیا: پھر یہ وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے واپس گیا، اور جب یہ لوگ یمامہ پہنچے تو وہ اللہ کا دشمن مرتد ہو گیا اور نبوت کا دعویٰ کیا اور ان سے جھوٹ بولا، اور کہا: میں آپ کے ساتھ نبوت میں شریک ہوں، اس کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں قتل کر دیا گیا تھا، اس کو یمامہ میں حضرت وحشی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا، جس وقت اس کو قتل کیا گیا اس کی عمر ایک سو پچاس (۱۵۰) سال تھی۔

(عمدۃ القاری ج ۱۶ ص ۲۰۹۔ ۲۱۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

امام بخاری نے اس حدیث کو یہاں پر اس لیے وارد کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے جو بدبختی یا نیک بختی مقدر کر دی ہے تو اس سے تجاوز نہیں کر سکتا۔

۷۴۶۲۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ عَنْ عَبْدِ الْوَاحِدِ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ بَيْنَا أَنَا أَمْشِي مَعَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فِي بَعْضِ حَرْثِ الْمَدِينَةِ وَهُوَ يَتَوَكَّأُ عَلَى عَسِيبٍ مَعَهُ فَمَرَرْنَا عَلَى نَفَرٍ مِنَ الْيَهُودِ فَقَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ سَلُوهُ عَنِ الرُّوحِ فَقَالَ بَعْضُهُمْ لَا تَسْأَلُوهُ أَنْ يَجِيءَ فِيهِ بِشَيْءٍ تَكْرَهُونَهُ فَقَالَ بَعْضُهُمْ لَنَسْأَلَنَّهُ فَقَامَ إِلَيْهِ رَجُلٌ مِنْهُمْ فَقَالَ يَا أَبَا الْقَاسِمِ مَا الرُّوحُ فَسَكَتَ عَنْهُ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم فَعَلِمْتُ أَنَّهُ يُوحَى إِلَيْهِ فَقَالَ ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا﴾ قَالَ الْأَعْمَشُ هَكَذَا فِي قِرَاءَتِنَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی از عبدالواحد از الاعمش از ابراہیم از علقمہ از حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ جس وقت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ کے بعض کھیتوں میں جا رہا تھا اور آپ درخت کی ایک شاخ سے ٹیک لگائے ہوئے تھے جو آپ کے ساتھ تھی، پس ہمارا گزر یہود کی ایک جماعت کے اوپر ہوا، پس ان میں سے کسی نے دوسرے سے کہا: ان سے روح کے متعلق سوال کرو، پس ان میں سے بعض نے کہا: ان سے نہ سوال کرو، یہ کوئی ایسی چیز نہ بیان کریں جس کو تم ناپسند کرتے ہو، پس بعض نے کہا کہ ہم ضرور ان سے سوال کریں گے، پھر ان میں سے ایک مرد کھڑا ہوا، اس نے کہا: اے ابوالقاسم! روح کیا چیز ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے جان لیا کہ آپ کی طرف وحی کی جا رہی ہے، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی:
''اور یہ لوگ آپ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں، آپ کہیے کہ روح میرے رب کے امر سے ہے، اور تم لوگوں کو محض تھوڑا سا علم دیا گیا ہے O'' (بنی اسرائیل: ۸۵)
الاعمش نے کہا: ہماری قراءت میں اسی طرح ہے۔

(صحیح البخاری: ۱۲۵، ۴۷۲۱، ۷۲۹۷، ۷۴۵۶، ۷۴۶۲، صحیح مسلم: ۲۷۹۴، سنن ترمذی: ۳۱۴۱، مسند احمد: ۳۶۸۰)

صحیح البخاری: ۷۴۶۲، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جس روح کے متعلق یہودیوں نے سوال کیا تھا اس کا مصداق

اس میں اختلاف ہے کہ جس روح کے متعلق آپ سے سوال کیا گیا تھا کیا یہ وہ روح ہے جس کے ساتھ حیات قائم ہے، یا یہ وہ روح ہے جس کا ذکر درج ذیل آیات میں ہے:

يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا (النبا: ۳۸)
جس دن روح اور تمام فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے O

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:
تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا (القدر: ۴)
اس رات میں فرشتے اور جبریل اپنے رب کے حکم سے ہر کام کے

لیے نازل ہوتے ہیں۔

جن علماء نے یہ کہا کہ آپ سے اس روح کے متعلق سوال کیا گیا تھا جس کا ان آیات میں ذکر ہے، انہوں نے اس سے استدلال کیا کہ عادتاً سوال اس چیز سے کیا جاتا ہے جس کو وحی کے بغیر نہ معلوم کیا جا سکے، اور وہ روح جس کے ساتھ حیات قائم ہے اس کے متعلق تو لوگوں نے پہلے بھی بہت کلام کیا تھا اور اب بھی بہت کلام کیا ہے، اس کے برخلاف جس روح کا ذکر ان آیات میں ہے تو اکثر لوگوں کو اس کا علم نہیں ہے بلکہ اس کے علم کا تعلق علم غیب سے ہے۔

قرآن مجید میں روح کے قرآن پر اطلاق کے متعلق آیات

اور اللہ تعالیٰ نے لفظِ روح کا اطلاق وحی پر بھی کیا ہے جیسا کہ ان آیات میں ہے:

وَ كَذٰلِكَ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا (الشوریٰ:۵۲) اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے آپ کی طرف روح (قرآن) کی وحی کی ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يُلْقِى الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ (المومن:۱۵) وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنے حکم سے وحی نازل فرماتا ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِىْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَ اَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ (المجادلہ:۲۲) یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان لکھ دیا ہے اور اپنی طرف کی روح سے ان کی مدد فرمائی۔

حضرت جبریل علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ بن مریم پر روح کا اطلاق

اور متعدد آیات میں اللہ تعالیٰ نے روح کا اطلاق حضرت جبریل علیہ السلام پر بھی کیا ہے اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام پر بھی کیا ہے۔

قرآنِ مجید میں روح کو نفس سے تعبیر کرنے کے متعلق آیات

اور قرآن مجید میں بنی آدم کی روح پر روح کا اطلاق نہیں کیا بلکہ اس پر نفس کا اطلاق کیا جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "النفس المطمئنة" اور "النفس الامارة بالسوء" اور "النفس اللوامة" اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "واخرجوا انفسكم" اور "ونفس وما سوٰها" اور "كل نفس ذائقة الموت"۔

روح کے قدیم ہونے کی دلیل کا جواب

اور جن کا یہ زعم ہے کہ روح قدیم ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے روح کی اپنی طرف اضافت کی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِىْ (ص:۷۲) اور اس میں اپنی طرف سے (خاص) روح پھونک دوں۔

اس آیت سے ان کا روح کے قدیم ہونے پر استدلال صحیح نہیں ہے، کیونکہ یہ صفت کی اضافت ہے جیسے علم اور قدرت کی اللہ تعالیٰ کی طرف اضافت ہے، اور بعض منفصل چیزوں کی اللہ تعالیٰ کی طرف اضافت ہے جیسے بیت اللہ اور ناقۃ اللہ، پس روح اللہ بھی

اسی قبیل سے ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ اضافت تخصیص کی اور تشریف کی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے خاص روح پھونک دی یا اللہ تعالیٰ نے پسندیدہ روح پھونک دی، پس اضافت کے تین مرتبے ہیں، اضافت ایجاد کی اور اضافت تشریف اور تکریم کی اور اضافت صفت کی۔

روح کے حادث ہونے پر قرآن مجید اور احادیث سے دلائل

روح کے مخلوق ہونے پر دلیل درج ذیل آیات کا عموم ہے:

قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ (الرعد:١٦) آپ کہیے: اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے۔

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ (الانعام:١٦٤) آپ کہیے کہ کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور رب تلاش کروں؟ حالانکہ وہ ہر چیز کا رب ہے۔

اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ اٰبَآىِٕكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٢٦﴾ (الصافات:١٢٦) اللہ کو جو تمہارا اور تمہارے پہلے باپ دادا کا رب ہے O

اور ارواح بھی مربوب ہیں اور ہر مربوب مخلوق ہے، نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا سے فرمایا:

وَقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْـًٔا ﴿٩﴾ (مریم:٩) اور میں اس سے پہلے تم کو پیدا کر چکا ہوں جب تم کچھ بھی نہ تھے O

اور یہ حضرت زکریا کے جسم اور روح دونوں سے خطاب ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ (الاعراف:١١) اور ہم نے تم کو پیدا کیا، پھر تمہاری صورت بنائی۔

اس آیت میں جو فرمایا ہے "ہم نے تم کو پیدا کیا"، یہ ارواح اور اجسام دونوں کو شامل ہے یا فقط ارواح کو، ہر صورت میں روح کا مخلوق اور حادث ہونا ثابت ہے۔

روح کے مخلوق اور حادث ہونے کے متعلق احادیث

(۱) احادیث صحیحہ میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے: "اللہ تعالیٰ تھا اور اس کے ساتھ کوئی چیز نہیں تھی"۔

(۲) اس پر اتفاق ہے کہ ملائکہ مخلوق ہیں اور وہ ارواح ہیں، حدیث میں ہے: "ارواح ایک مجتمع لشکر ہیں"۔

(۳) کتاب الادب میں حدیث ہے، حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ لوگوں کے ساتھ وادی میں سو گئے تو انہوں نے کہا "یارسول اللہ! میرے نفس کو اس چیز نے پکڑ لیا جس نے آپ کے نفس کو پکڑا تھا" اور نفس سے قطعی طور پر روح مراد ہے، کیونکہ اس حدیث میں ہے "بے شک اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے تمہاری روحوں کو قبض کر لیتا ہے"۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۵۶۹۔ ۵۷۰، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۳۰۔ بَابُ: قَوْلِ اللهِ تَعَالٰی: قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّیْ وَ لَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴿۱۰۹﴾ (الکہف:۱۰۹)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”آپ کہیے: اگر میرے رب کے کلمات (کو لکھنے) کے لیے سمندر سیاہی بن جائے تو میرے رب کے کلمات کے ختم ہونے سے پہلے ضرور سمندر ختم ہو جائے گا، خواہ ہم اس کی مدد کے لیے اتنا ہی سمندر اور لے آئیں O“

وَ لَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّ الْبَحْرُ یَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ (لقمان:۲۷)

اور اگر تمام روئے زمین کے درخت قلم بن جائیں اور تمام سمندر سیاہی ہوں اور اس کے بعد ان میں سات سمندروں کا اور اضافہ ہو، تب بھی اللہ کے کلمات ختم نہیں ہوں گے۔

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ یَطْلُبُهٗ حَثِیْثًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ وَ النُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۵۴﴾ (الاعراف:۵۴)

بے شک تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا، پھر وہ عرش پر جلوہ فرما ہوا، وہ رات سے دن کو چھپا لیتا ہے (اور دن) اس کے پیچھے تیزی سے دوڑتا ہے اور سورج اور چاند اور ستارے سب اس کے حکم کے تابع ہیں، سنو پیدا کرنا اور حکم دینا اسی کی شان کے لائق ہے، اللہ بہت برکت والا ہے تمام جہانوں کا رب O

سَخَّرَ: ذَلَّلَ

سَخَّرَ کا معنی ہے: کسی چیز کو ذلیل کرنا اور کسی کے تابع بنانا۔

بابِ مذکور کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے کلام قدیم کا غیر متناہی ہونا

اس باب کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام اس کی ذات کی صفت ہے اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے متکلم ہے اور ہمیشہ رہے گا، ہر چند کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کی صفات بیان فرمائی ہیں کہ وہ کلمات ہیں، وہ ایک چیز ہے جس کے اجزاء اور ٹکڑے نہیں ہیں اور وہ غیر منقسم ہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ کے کلام کی مختلف تعبیرات ہیں، اس کا کلام عربی میں بھی ہے اور سریانیہ میں بھی ہے اور تمام ان زبانوں میں ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم السلام پر نازل کی ہیں، اور اللہ تعالیٰ کا کلام قدیم ہے مخلوقات کے کلام کے مشابہ نہیں ہے، اور اگر اس کے کلمات مخلوقات ہوتے تو ختم ہو جاتے جیسا کہ سمندر ختم ہو جاتا ہے اور درخت اور تمام حوادث، پس جس طرح اللہ تعالیٰ کی صفات کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا، اسی طرح اللہ تعالیٰ کے کلمات اور اس کی جمیع صفات کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۳ ص ۳۸۰۔۳۸۱، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

بابِ مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اللہ تعالیٰ کے کلام کے قدیم اور غیر متناہی کے ثبوت میں تین آیات ذکر کی ہیں، پہلی آیت یہ ہے:

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّیْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴿۱۰۹﴾ (الکہف:۱۰۹)

آپ کہیے: اگر میرے رب کے کلمات (کو لکھنے) کے لیے سمندر سیاہی بن جائے تو میرے رب کے کلمات کے ختم ہونے سے پہلے ضرور سمندر ختم ہو جائے گا، خواہ ہم اس کی مدد کے لیے اتنا ہی سمندر اور لے آئیں O

اس آیت کا سببِ نزول یہ ہے کہ امام ابن ابی حاتم نے سندِ صحیح کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جب یہود نے روح کے متعلق سوال کیا اور یہ آیت نازل ہوئی: ''قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَاۤ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۸۵﴾--- (بنی اسرائیل:۸۵)'' تو یہود نے کہا: ہمارا علم قلیل کیسے ہوگا حالانکہ ہمیں تورات دی گئی ہے، تب یہ آیت یعنی الکہف:۱۰۹ نازل ہوئی۔

اور امام عبد الرزاق نے اپنی تفسیر میں ابو الجوزاء کی سند سے یہ روایت کی ہے کہ اگر زمین میں ہر درخت قلم بن جائے اور سمندر سیاہی ہو جائے تو اللہ کے کلمات کے ختم ہونے سے پہلے پانی ختم ہو جائے گا اور قلم ٹوٹ جائیں گے۔

اور معمر نے از قتادہ روایت کی ہے کہ مشرکین نے کہا: عنقریب یہ قرآن ختم ہو جائے گا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کے کلمات ختم ہونے والے نہیں ہیں۔

اور امام ابن ابی حاتم نے اپنی سند کے ساتھ اسی کی مثل قتادہ سے روایت کی ہے اور اس میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ اگر روئے زمین کے درخت قلم ہو جائیں اور اس سمندر کے ساتھ سات سمندر اور مل جائیں اور وہ سیاہی ہو جائیں تو قلم ٹوٹ جائیں گے اور سمندر کا پانی ختم ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ کے کلمات ختم نہیں ہوں گے۔

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ قرآنِ مجید غیر مخلوق ہے کیونکہ اگر قرآن مجید مخلوق ہوتا تو اس کا کوئی اندازہ ہوتا اور اس اندازہ پر وہ قرآن مجید ختم ہو جاتا جیسا کہ مخلوقات ختم ہو جاتی ہیں۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۵۷۰، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

ان دو آیتوں کے بعد امام بخاری نے درج ذیل آیت کو ذکر کیا ہے:

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ۚ یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ یَطْلُبُهٗ حَثِیْثًا ۙ وَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۢ بِاَمْرِهٖ ؕ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ

بے شک تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا، پھر وہ عرش پر جلوہ فرما ہوا، وہ رات سے دن کو چھپا لیتا ہے (اور دن) اس کے پیچھے تیزی سے دوڑتا ہے اور سورج اور چاند اور ستارے سب اس کے حکم کے تابع ہیں، سنو

الْعٰلَمِیْنَ۞ (الاعراف: ۵۴) پیدا کرنا اور حکم دینا اسی کی شان کے لائق ہے، اللہ بہت برکت والا ہے تمام جہانوں کا رب O

اس آیت میں اللہ عزوجل نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے میں منفرد ہے، اس لیے واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے اور اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کی جائے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کے چھ دن میں پیدا کرنے کے متعلق ارشاد فرمایا۔

اس میں اختلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کس دن آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے کی ابتداء کی تھی، ایک قول یہ ہے کہ ہفتہ کے دن پیدائش کی ابتداء کی جیسا کہ صحیح مسلم میں مذکور ہے۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ اتوار کے دن پیدا کرنے کی ابتداء کی، یہ عبداللہ بن سلام اور کعب اور ضحاک اور مجاہد کا قول ہے اور امام ابن جریر طبری کا بھی یہی مختار ہے اور اہل تورات بھی یہی کہتے ہیں۔

اور تیسرا قول یہ ہے کہ پیدا کرنے کی ابتداء پیر کے دن کی، یہ اسحاق کا قول ہے اور اہلِ انجیل بھی اسی کے قائل ہیں۔

اس آیت میں فرمایا ہے: ''فی ستة ایام'' اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنی مدت میں آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا، اس کی مقدار چھ دنوں کے برابر ہے، کیونکہ دن تو طلوعِ شمس اور غروبِ شمس سے متعین ہوتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا تو اس وقت نہ سورج تھا اور نہ چاند تھا، اس لیے اس کا معنی یہ ہے کہ جتنی مدت میں چھ دن ہوتے ہیں اتنی مدت میں اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا۔

اللہ تعالیٰ ایک لحظہ میں بھی تمام آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے پر قادر ہے، پھر چھ دنوں کی مدت میں جو آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا اس کی کیا حکمت ہے؟

اس کی تین وجوہ بیان کی گئی ہیں:

اول: اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ ہر اس دن میں ان کو پیدا کرے جس دن کو ملائکہ عظیم قرار دیتے ہیں، اور یہ جواب ان کے اعتبار سے ہے جو کہتے ہیں کہ ملائکہ کو آسمان اور زمین سے پہلے پیدا کیا۔

دوم: دوسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو یہ تعلیم دی ہے کہ امور میں تثبت اور اطمینان ہونا چاہیے، پس تثبت میں زیادہ حکمت ہے اور جلدی بنانے میں زیادہ قدرت ہے۔

سوم: تیسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو چیزوں کو بتدریج پیدا کیا ہے اور مہلت کے ساتھ پیدا کیا ہے تو اس سے اس وہم کو دور کیا ہے کہ کوئی شخص یہ وہم کرے کہ یہ کائنات طبعی تقاضوں سے وجود میں آئی ہے یا اتفاق سے وجود میں آئی ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے تمام آسمانوں اور زمینوں کو یکبارگی نہیں پیدا کیا بلکہ تدریجاً پیدا کیا تا کہ معلوم ہو کہ یہ نہ طبیعت کے تقاضا سے پیدا ہوئی ہیں اور نہ اچانک اور اتفاقاً سے پیدا ہوئی ہیں۔

اس کے بعد فرمایا ''ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ'' اسْتَوٰی کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے یعنی غالب ہے، یا اس کی تجلیات عرش کے اوپر ہیں اور عرش کا خصوصیت کے ساتھ اس لیے ذکر فرمایا کہ عرش سب سے بڑی مخلوق ہے، اور لغت میں عرش کا

معنی ہے تخت۔

اس کے بعد فرمایا: ''یُغْشِی الَّیْلَ النَّھَارَ'' اغشی کا معنی ہے: کسی چیز کو ڈھانپ لینا، اور الزجاج نے کہا: رات دن پر آتی ہے اور اس کو چھپا لیتی ہے۔

پھر ارشاد فرمایا ''مُسَخَّرٰتٍ'' یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے جو نظام بنایا ہے وہ اس نظام کے تابع ہیں۔

اس کے بعد فرمایا: ''اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ'' یعنی اللہ تعالیٰ اشیاء کو پیدا کرتا ہے اور وہی حکم دیتا ہے، حکم سے مراد ''کُن'' ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۲۱۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۴۶۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ تَكَفَّلَ اللهُ لِمَنْ جَاهَدَ فِي سَبِيلِهِ لَا يُخْرِجُهُ مِنْ بَيْتِهِ إِلَّا الْجِهَادُ فِي سَبِيلِهِ وَتَصْدِيقُ كَلِمَتِهِ أَنْ يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ أَوْ يَرُدَّهُ إِلَى مَسْكَنِهِ بِمَا نَالَ مِنْ أَجْرٍ أَوْ غَنِيمَةٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از ابی الزناد از الاعرج از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور اس کو اس کے گھر سے صرف اللہ کی راہ میں جہاد کرنا نکالتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے کلمات کی تصدیق کرنا، تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ضامن ہو گیا کہ اس کو جنت میں داخل کرے گا یا اس کو اس کے گھر لوٹا دے گا اجر کے ساتھ یا مالِ غنیمت کے ساتھ۔

(صحیح البخاری: ۲۷۸۷، ۷۴۵۷، صحیح مسلم: ۱۸۷۶، سنن نسائی: ۳۱۲۴، سنن ابن ماجہ: ۲۷۵۴، موطا امام مالک: ۹۷۳)

صحیح البخاری: ۷۴۶۳، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ ابن التین نے کہا ہے: اس حدیث میں مذکور ہے ''اللہ کے کلمہ کی تصدیق کے ساتھ''، ہو سکتا ہے اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے تمام وہ کلمات ہوں جن میں جہاد کا حکم دیا گیا ہے اور جہاد کرنے پر ثواب کا جو وعدہ کیا گیا ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد اللہ اور اس کے رسول کے کلمہ شہادت ہوں، اور جب وہ دل میں اللہ اور اس کے رسول کی شہادت کی تصدیق کرے گا تو وہ اس کی تکذیب کرنے والوں کے خلاف اپنے دل میں عداوت کو پائے گا اور ان کو قتل کرنے پر حریص ہو گا، اور یہی جہاد کے مناسب ہے۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۵۷۰، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۳۱۔ بَابٌ: فِي الْمَشِيئَةِ وَالْإِرَادَةِ

مشیت اور ارادہ کا بیان

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ راغب اصفہانی نے کہا ہے: اکثر کے نزدیک ''مشیت'' ارادہ کی مثل ہے، یعنی کسی کام کے کرنے کو چاہنا اور اس کام کا ارادہ کرنا دونوں کا ایک معنی ہے۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ ارادہ کی کئی تعریفات ہیں مثلاً کسی کام کے کرنے میں نفع کا اعتقاد ہو، یا اس کام کے ترک کرنے میں نفع کا اعتقاد ہو تو اس کو اس کام کا ارادہ کہتے ہیں اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ انسان کی قدرت میں کسی کام کو کرنا اور اس کو ترک کرنا دونوں چیزیں ہوتی ہیں، پس جب وہ کسی ایک کو ترجیح دے تو وہ اس کا ارادہ ہے اور مشیت اس کے مترادف ہے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ کام کے کرنے اور اس کے ترک کرنے کی دو طرفوں میں سے جس کے ساتھ ترجیح متعلق ہو جائے وہ ارادہ ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۲۱۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

بابِ مذکور کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

مشیت اور ارادہ کا واحد ہونا

اس باب سے مقصود یہ ہے کہ مشیت اور ارادہ یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہیں، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کا ارادہ اور اس کی رحمت اور اس کا غضب اور اس کا ناراض ہونا اور ناپسند کرنا ان تمام الفاظ کا ایک معنی ہے اور یہ اسمائے مترادفہ ہیں اور ان سب کا رجوع ارادہ کی طرف ہوتا ہے، اور یہ ایسا ہے جیسے ایک چیز کے متعدد نام ہوتے ہیں، اور ارادہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی صفات میں سے ایک صفت ہے، اس کے برخلاف معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ ارادہ مخلوق ہے اور اللہ تعالیٰ کے افعال کے اوصاف میں سے ہے۔

المعتزلہ کے مذہب کا ابطال

معتزلہ کا مذہب فاسد ہے، کیونکہ انہوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ارادہ کرنے والا ہے اور ان کا زعم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ حادث ہے، اب یا تو اس ارادہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نفس میں حادث کیا ہے یا کسی اور نے، اگر اس نے اپنے نفس میں ارادہ کو حادث کیا ہو تو یہ محال ہے کہ اللہ تعالیٰ محلِ حوادث ہو جائے گا، کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ ارادہ کو اپنے نفس میں حادث کرے تو اس کے نفس میں اس ارادہ کی ضد بھی ہوگی، کسی چیز کا ارادہ آئے گا پھر اس کی ضد کا ارادہ آئے گا، تو اللہ تعالیٰ کی ذات میں حوادث کا تعاقب لازم آئے گا اور اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم ہے، اس میں مختلف اضداد کا تعاقب نہیں ہو سکتا، اور یہ بھی محال ہے کہ اللہ تعالیٰ ارادہ کو اپنے غیر میں حادث کرے کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ نے ارادہ کو اپنے غیر میں حادث کیا تو اس سے لازم آئے گا کہ وہ غیر اللہ تعالیٰ کا ارادہ کرے، اور یہ اس وجہ سے باطل ہے کہ جس طرح یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ کا علم کسی غیر کے ساتھ قائم ہو اور اس غیر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ عالم ہو، اسی طرح یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ کسی غیر میں حادث ہو اور اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ارادہ کرے، یا کوئی غیر اللہ تعالیٰ میں کسی قدرت کو حادث کرے، اور حقیقت یہ ہے کہ ارادہ اللہ تعالیٰ میں موجود ہے نہ کہ اس کے غیر میں، اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ اس کی صفتِ ارادہ بنفسہا قائم ہو، اور جب یہ اقسام باطل ہو گئیں تو واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ قدیم ہو اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہو اور اللہ تعالیٰ کا خود ارادہ کرنا صحیح ہے اور یہ واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہر اس چیز کے ساتھ متعلق ہو جو چیز اللہ تعالیٰ کی

مراد ہوسکتی ہے، اور یہ مسئلہ اس پر مبنی ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے افعال کا خالق ہے اور بندے وہی کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے، اور اس پر درج ذیل آیات دلالت کرتی ہیں:

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ (الدہر:۳۰) اور اللہ تعالیٰ کے چاہنے کے بغیر تم نہیں چاہ سکتے۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۟ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَفْعَلُ مَا یُرِیْدُ۝ (البقرہ:۲۵۳) اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو وہ آپس میں قتال نہ کرتے، لیکن اللہ وہی کرتا ہے جس کا وہ ارادہ فرماتا ہے O

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا کہ وہ قتال نہ کریں تو وہ قتال نہ کرتے، اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا تھا کہ وہ قتال کریں اور اگر اللہ تعالیٰ نہ چاہتا تو وہ قتال نہ کرتے، پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو اس سے موکد کیا کہ لیکن اللہ تعالیٰ وہی کرتا ہے جس کا ارادہ کرتا ہے، یہ اس پر دلیل ہے کہ ان کا باہم قتال کرنا جو واقع ہوا وہ اس لیے تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو چاہا تھا، پس اس آیت سے ثابت ہو گیا کہ بندے جو بھی اطاعت اور معصیت کا کسب کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کا ارادہ کیا ہوتا ہے، اور اگر اللہ تعالیٰ ارادہ نہ فرماتا تو بندوں سے ان افعال کا وقوع نہ ہوتا۔

القدریہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں سے اطاعت کا ارادہ فرماتا ہے اور ان کی معصیت کا ارادہ نہیں کرتا، اور ان کے قول کا فساد ظاہر ہو گیا کیونکہ بندوں کے افعال اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔

(شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج۱۰ ص ۴۸۵۔۴۸۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

بابِ مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

مشیت اور ارادہ کی تعریف

علامہ راغب اصفہانی نے کہا ہے: اکثر علماء کے نزدیک مشیت ارادہ کی مثل ہے برابر برابر، اور بعض علماء کے نزدیک مشیت کا اصل معنی ہے کسی چیز کو موجود کرنا اور اس چیز کا ٹھیک ٹھیک واقع ہونا، پس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایجاد ہے اور لوگوں کی طرف سے اصابت ہے یعنی اس کا وقوع، اور عرف میں مشیت کا ارادہ کی جگہ میں استعمال ہوتا ہے۔

بابِ مذکور کی تعلیقات

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰی: تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ۔ (آل عمران:۲۶) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تو جس کو چاہتا ہے ملک عطا فرماتا ہے۔

وَقَوْلِهٖ: وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ (الدھر:۳۰) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ تعالیٰ کے چاہنے کے بغیر تم نہیں چاہ سکتے۔

وَقَوْلِهٖ: وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ۝ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ (الکہف: ۲۳۔۲۴)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ کسی کام کے متعلق ہرگز یہ نہ کہیں کہ میں کل یہ کام کرنے والا ہوں ۝ مگر یہ کہ اللہ چاہے۔

وَقَوْلِهٖ: اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ (القصص: ۵۶)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک آپ جس کو پسند کریں اس کو ہدایت یافتہ نہیں بنا سکتے لیکن اللہ جس کو چاہے اس کو ہدایت یافتہ بنا دیتا ہے۔

قَالَ سَعِیْدُ بْنُ الْمُسَیَّبِ عَنْ أَبِیْهِ نَزَلَتْ فِیْ أَبِیْ طَالِبٍ

سعید بن المسیب نے کہا از والد خود کہ القصص: ۵۶، ابوطالب کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

وَقَوْلِهٖ: یُرِیْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (البقرہ: ۱۸۵)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ فرماتا ہے اور تمہیں مشکل میں ڈالنے کا ارادہ نہیں فرماتا۔

تعلیقاتِ مذکورہ کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

امام بیہقی نے بیان کیا کہ امام شافعی نے کہا: المشیت اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو یہ خبر دی ہے کہ مشیت اللہ تعالیٰ کی ہے لوگوں کی نہیں ہے، اور پھر امام شافعی نے کہا:

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ (التکویر: ۲۹)

اور اللہ تعالیٰ کے چاہنے کے بغیر تم نہیں چاہ سکتے۔

پس مخلوق کے لیے مشیت نہیں ہے مگر وہی جو اللہ تعالیٰ چاہے۔

پھر امام بخاری نے قرآن مجید سے مشیت کے متعلق آیات کو ذکر کیا اور یہ آیات چالیس (۴۰) سے زیادہ ہیں، سو ان کے جن کا اس باب کے عنوان میں ذکر کیا گیا ہے، سو ان میں سے بعض درج ذیل ہیں:

اللہ تعالیٰ کی مشیت کے متعلق دیگر آیات

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ (البقرہ: ۲۰)

اور اگر اللہ چاہتا تو ان کی سماعت اور بصارت کو سلب کر لیتا۔

یَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ یَّشَآءُ (آل عمران: ۷۴)

وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص کر لیتا ہے۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ (البقرہ: ۲۲۰)

اور اگر اللہ چاہتا تو تم کو ضرور سختی میں ڈال دیتا۔

وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا یَشَآءُ (البقرہ: ۲۵۱)

اور اللہ نے انہیں سلطنت اور حکمت عطا فرمائی اور جن چیزوں کا چاہا انہیں علم عطا فرمایا۔

قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰهِ ۚ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ (آل عمران: ۷۳)

آپ کہیے کہ بے شک فضل تو اللہ کے قبضہ میں ہے وہ جس کو چاہتا ہے فضل عطا فرماتا ہے۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَیْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَجْتَبِیْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ یَّشَآءُ۔ (آل عمران: ۱۷۹)

اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ تم (عام مسلمانوں) کو غیب پر مطلع کرے لیکن اللہ (غیب پر مطلع کرنے کے لیے) جن کو چاہتا ہے چن لیتا

ہے اور وہ اللہ کے (سب) رسول ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ (النساء:٤٨)

بے شک اللہ اس گناہ کو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور جو اس سے کم (گناہ) ہو اس کو جس کے لیے چاہتا ہے بخش دیتا ہے۔

سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا (الانعام:١٤٨)

اب مشرک یہ کہیں گے کہ اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا۔

تقدیر سے المعتزلہ کا مشیت اور ارادہ کے حادث ہونے پر استدلال اور اس کا جواب

المعتزلہ نے الانعام:١٤٨ سے استدلال کیا اور انہوں نے کہا کہ اس آیت سے اہل سنت کا رد ہوتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اہلسنت نے اپنے موقف پر اس سے استدلال کیا ہے جس پر دلائل قائم ہیں اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ ہر مخلوق کا خالق ہے اور یہ محال ہے کہ مخلوق کسی چیز کی تخلیق کرے، اور تخلیق میں ارادہ شرط ہے اور مشروط کا ثبوت شرط کے بغیر محال ہے، پس جب مشرکین نے دلیلِ عقلی کا انکار کیا اور ان دلائلِ منقولہ کی تکذیب کی جو رسول ان کے پاس لائے تھے اور انہوں نے مشیت اور تقدیرِ سابق سے استدلال کیا، اور یہ ان کی حجتِ مردودہ ہے کیونکہ تقدیر سے شریعت باطل نہیں ہوتی اور نہ بندوں کے اوپر احکام کا اجراء باطل ہوتا ہے، پس جس کے لیے معصیت کو مقدر کیا گیا یہ اس کی علامت ہے کہ اس کے لیے عقاب کو مقدر کیا گیا سوا اس کے کہ مشرکین کے علاوہ دوسروں کی اللہ تعالیٰ مغفرت چاہے، اور جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے اطاعت کو مقدر کر دیا تو یہ اس کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے ثواب کو مقدر کر دیا، اور مسئلہ کی تحقیق یہ ہے کہ المعتزلہ نے خالق کو مخلوق پر قیاس کیا اور یہ باطل ہے، کیونکہ مخلوق اگر اپنی اطاعت کرنے والے کسی تابع کو سزا دے تو اس کو ظالم قرار دیا جائے گا کیونکہ مخلوق اپنے تابعین کا حقیقت میں مالک نہیں ہے اور خالق اگر اپنی اطاعت کرنے والے کو عذاب دے تو اس کو ظالم نہیں شمار کیا جائے گا، کیونکہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں ہیں، سو تمام امور اس کے اختیار میں ہیں وہ جس طرح چاہتا ہے کرتا ہے اور اس کے کسی فعل پر اس سے سوال نہیں کیا جائے گا۔

علامہ راغب اصفہانی نے کہا ہے: ان آیات میں یہ دلیل ہے کہ تمام امور اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہیں اور بندوں کے افعال اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ساتھ متعلق ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہیں۔

المعتزلہ اور اہلسنت کے درمیان نزاع اس میں ہے کہ اہلسنت کے نزدیک ارادہ علم کے تابع ہے اور معتزلہ کے نزدیک ارادہ امر کے تابع ہے، اہلسنت کی دلیل یہ آیت ہے:

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِى الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِى الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾ (آل عمران:١٧٦)

اور آپ ان لوگوں سے غم زدہ نہ ہوں جو کفر (کے میدان) میں دوڑتے پھرتے ہیں، بے شک یہ اللہ (کے دین) کو کچھ ضرر نہیں پہنچا سکیں گے، اللہ یہ چاہتا ہے کہ آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہ رکھے، اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے O

یعنی جن لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کو یہ علم تھا کہ ان کو آخرت میں عذاب ہوگا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے یہ ارادہ کیا کہ وہ کفر کے میدان میں دوڑتے پھریں تاکہ انجام کار ان کو آخرت میں عذابِ عظیم ہو، اس سے واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ اس کے علم کے

تابع ہے۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَوْشَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۗ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ۝ (البقرہ:۲۵۳) اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو وہ آپس میں قتال نہ کرتے، لیکن اللہ وہی کرتا ہے جس کا وہ ارادہ فرماتا ہے O

اس آیت سے ثابت ہوا کہ بندوں کا کسب اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ سے ہوتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ ارادہ نہ فرمائے تو بندوں کے کسب کا وقوع نہیں ہوگا۔

بعض علماء نے کہا: ارادہ کی دو قسمیں ہیں: امر اور تشریع کا ارادہ، قضاء اور تقدیر کا ارادہ۔

پس ارادہ کی پہلی قسم طاعت اور معصیت دونوں کے ساتھ برابر متعلق ہوتی ہے خواہ ان کا وقوع ہو یا نہ ہو، اور ارادہ کی دوسری قسم تمام کائنات کو شامل ہے اور تمام حوادث کو محیط ہے خواہ وہ اطاعت ہوں یا معصیت ہوں، اور پہلی قسم کی طرف اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں اشارہ ہے:

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (البقرہ:۱۸۵) اللہ تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ فرماتا ہے اور تمہیں مشکل میں ڈالنے کا ارادہ نہیں فرماتا۔

اور ارادہ کی دوسری قسم کی طرف اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں اشارہ ہے:

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ۔ (الانعام:۱۲۵) سو اللہ جس کو ہدایت دینا چاہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے اور جس میں گمراہی پیدا کرنا چاہے اس کا سینہ گھٹا ہوا تنگ کر دیتا ہے گویا وہ مشقت سے آسمان پر چڑھ رہا ہے۔

ارادہ اور رضا میں فرق پر دلائل

اور بعض علماء نے ارادہ اور رضا میں فرق کیا ہے، پس انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ معصیت کے وقوع کا ارادہ کرتا ہے اور اس سے راضی نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا (السجدہ:۱۳) اور اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو ہدایت فرما دیتے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ (الزمر:۷) اور وہ اپنے بندوں کے لیے شکر نہ کرنے کو پسند نہیں کرتا۔

اور اہل سنت نے جواب دیا جیسا کہ امام طبری نے ایک مضبوط سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا درج ذیل آیت کی تفسیر میں یہ قول روایت کیا ہے، وہ آیت یہ ہے:

اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ ۗ وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ (الزمر:۷) اگر تم ناشکری کرو تو بے شک اللہ تم سے بے پرواہ ہے اور وہ اپنے بندوں کے لیے شکر نہ کرنے کو پسند نہیں کرتا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ان بندوں سے وہ مراد ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی وجہ سے پاک

کرنے کا ارادہ کیا ہے اور ان کو اللہ تعالیٰ نے عبادِ مخلصین فرمایا جیسا کہ درجِ ذیل آیت میں ہے:

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ (بنی اسرائیل:۶۵) بے شک میرے (سچے) بندوں پر تیرا کوئی غلبہ نہیں ہوگا۔

پس ان لوگوں کے نزدیک اللہ تعالیٰ نے ایمان کو محبوب بنا دیا اور ان میں کلمہ تقویٰ لازم کر دیا اور وہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی شہادت ہے۔

اللہ تعالیٰ کی مشیت کے انکار پر معتزلہ کے دلائل اور ان کے جوابات

اور المعتزلہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ (التکویر:۲۹) اور اللہ تعالیٰ کے چاہنے کے بغیر تم نہیں چاہ سکتے۔

انہوں نے کہا: اس آیت کا معنی یہ ہے: تم اسی وقت عبادت کو اور اطاعت کرنے کو چاہتے ہو جب اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ تم کو عبادت اور اطاعت کرنے پر مجبور کر دے۔ اس کا رد کیا گیا ہے کہ مشیت کو جبر کی طرف پھیرنا تحریف ہے اور آیت میں اس کی طرف بالکل اشارہ نہیں ہے، آیت کے اندر اس مشیت کا ذکر ہے جو بطور کسب کے استقامت ہو اور بندوں سے یہی مطلوب ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ (آل عمران:۲۶) تو جس کو چاہتا ہے ملک عطا فرماتا ہے۔

معتزلہ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ اسی کو ملک عطا فرماتا ہے جس کے لیے اس کی حکمت کا تقاضا ہوتا ہے، ان کی مراد یہ ہے کہ حکمت کا تقاضا ہے مصلحت کی رعایت کرنا اور وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر مصلحت کی رعایت کرنا واجب ہے، اللہ تعالیٰ ان کے اس قول سے بلند و برتر ہے اور اس آیت کا ظاہر معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ملک اس کو عطا فرماتا ہے جس کو چاہے خواہ اس میں وہ صفات ہوں جو ملک اور سلطنت کی صلاحیت رکھتی ہیں یا وہ صفات نہ ہوں، اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ ملک عطا فرمائے تو اس میں یہ لازم نہیں ہے کہ وہ ملک اور سلطنت کا استحقاق رکھتا ہو اور نہ یہ کہ ملک اور سلطنت دینا اس کے لیے زیادہ لائق ہو، بلکہ اللہ تعالیٰ ان کو بھی ملک اور سلطنت دیتا ہے جو اس کا کفر کرتے ہیں اور اس کی نعمتوں کا کفر کرتے ہیں حتیٰ کہ پھر انہیں ہلاک کر دیتا ہے جیسا کہ بہ کثرت کفار کے ساتھ یہ معاملہ ہوا مثلاً نمرود اور فراعنہ وغیرہ، اور کبھی ملک اور سلطنت ان کو دیتا ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں اور اس کے دین کی دعوت دیتے ہیں اور مخلوق پر رحم کرتے ہیں جیسے حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کو ملک دیا، اور ان دونوں صورتوں میں اللہ تعالیٰ کی حکمت اس کا علم ہے اور اس کا ارادہ ہے کہ وہ بعض مقدرات کی تخصیص کر دیتا ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ (القصص:۵۶) بے شک آپ جس کو پسند کریں اس کو ہدایت یافتہ نہیں بنا سکتے لیکن اللہ جس کو چاہے اس کو ہدایت یافتہ بنا دیتا ہے۔

معتزلہ نے کہا: اس آیت کا معنی یہ ہے کیونکہ آپ نہیں جانتے کہ کس کے دل کے اوپر کفر کی مہر لگ گئی ہے اور کس کا دل ہدایت کو قبول کرنے کے لائق ہے اور اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ کون ہدایت کو قبول کرنے والا ہے۔

اس کا یہ جواب دیا ہے کہ معتزلہ نے جو کہا اس پر کوئی دلیل نہیں ہے اور ان کی مراد یہ ہے کہ اللہ ہی جانتا ہے کون ہدایت قبول

کرے گا اور کون قبول نہیں کرے گا بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس کے لیے ازل میں ہدایت مقدر کر دی ہے وہی ہدایت کو قبول کرے گا۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یُرِیۡدُ اللّٰہُ بِکُمُ الۡیُسۡرَ وَ لَا یُرِیۡدُ بِکُمُ الۡعُسۡرَ (البقرہ:۱۸۵) اللہ تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ فرماتا ہے اور تمہیں مشکل میں ڈالنے کا ارادہ نہیں فرماتا۔

معتزلہ نے اس آیت سے اس طرح استدلال کیا، انہوں نے کہا: یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں سے معصیت کا ارادہ نہیں کرتا۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو اختیار دیا ہے کہ وہ سفر میں یا بیماری میں روزہ رکھیں یا روزہ چھوڑ دیں اور جس مشکل کی نفی کی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر حال میں سفر میں روزہ کو لازم نہیں فرمایا ہے۔

اور اہلسنت کا اس پر اتفاق ہے کہ وہی چیز واقع ہوتی ہے جس کا اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ تمام ہونے والے امور کا ارادہ فرمانے والا ہے اگر چہ اس کا حکم نہیں دیتا۔

اور معتزلہ نے کہا: اللہ تعالیٰ شر کا ارادہ نہیں کرتا، کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ شر کا ارادہ کرتا تو شر کو طلب کرتا، اور معتزلہ کا زعم یہ ہے کہ امر ہی ارادہ ہے اور انہوں نے اہلسنت پر یہ لازم کیا ہے کہ اہلسنت کے قول سے یہ لازم آتا ہے کہ بے حیائی کے کام اللہ تعالیٰ کی مراد ہوں اور اللہ تعالیٰ کا بے حیائی سے تنزہ کرنا واجب ہے (معتزلہ کے اس الزام کی وجہ یہ ہے کہ اہلسنت یہ کہتے ہیں کہ جو کچھ بھی کائنات میں ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے ہوتا ہے تو کائنات میں بے حیائی کے کام بھی ہوتے ہیں تو اگر یہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے ہوں تو لازم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ بے حیائی کا ارادہ فرماتا ہے)۔

اہلسنت نے اس کے جواب میں یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ بعض اوقات کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تا کہ اس پر سزا دے، کیونکہ یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دوزخ کو پیدا کیا اور ایک مخلوق کو دوزخ کا اہل بنایا اور جنت کو پیدا کیا اور ایک مخلوق کو جنت کا اہل بنایا، (سو اگر بعض لوگوں سے بے حیائی کے کام سرزد ہوتے ہیں اور اس سے یہ لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان بے حیائی کے کاموں کے وقوع کا ارادہ کیا تو وہ ارادہ ان کو سزا دینے کے لیے ہے، یا اس لیے کہ اگر بندے بے حیائی کا کام کر لیں پھر بعد میں اس پر نادم ہوں اور اللہ تعالیٰ سے توبہ کریں تو اللہ تعالیٰ تواب اور رحیم ہے وہ انہیں معاف فرما دے گا)۔

معتزلی اور سنی کے درمیان مناظرہ

بعض علماء اہلسنت اور معتزلہ کے درمیان مناظرہ ہوا تو جب معتزلی بیٹھ گیا تو اس نے کہا: سبحان ہے وہ ذات جو الفحشاء یعنی بے حیائی کے کاموں سے منزہ ہے، تو سنی نے اس کے جواب میں کہا: سبحان ہے وہ ذات کہ جس کے ملک میں اسی چیز کا وقوع ہوتا ہے جس کو وہ چاہتا ہے، (یعنی اس کے ملک میں وہی ہوتا ہے جس کو وہ چاہتا ہے، اگر وہ بندے کی بے حیائی کو چاہے تو بندہ بے حیائی کرتا ہے اور یہ اس لیے ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کو سزا دے یا بندہ توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرما دے) پھر معتزلی نے کہا: کیا ہمارا رب یہ چاہتا ہے کہ ہم اس کی نافرمانی کریں؟ (یعنی تم جو کہتے ہو کہ ہر کام اللہ تعالیٰ کے چاہنے سے ہوتا ہے تو بندہ جب اللہ تعالیٰ

کی نافرمانی کرتا ہے تو کیا اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ بندہ اس کی نافرمانی کرے؟) پس سنی نے کہا: کیا بندہ ہمارے رب کی قہراً نافرمانی کرتا ہے؟ (یعنی تم کہتے ہو کہ بندہ نافرمانی کے جو کام کرتا ہے ان کاموں کو وہ خود پیدا کرتا ہے تو کیا بندہ اللہ تعالیٰ پر قہر کر کے ان افعال کو پیدا کرتا ہے؟)، پھر معتزلی نے کہا: یہ بتاؤ کہ اگر اللہ مجھ سے ہدایت کو روک لے اور میرے خلاف گمراہی کو مقدر کر دے تو اللہ نے میرے ساتھ یہ اچھا کیا یا برا کیا؟ سنی نے یہ کہا: اگر اللہ نے تم سے اس ہدایت کو روک لیا جو تمہارے لیے مقدر ہو چکی تھی تو یہ برا ہے (اور ایسا ہونا محال ہے) اور اگر اس نے تم سے اس چیز کو روک لیا جس کا کرنا نہ کرنا اللہ کے اختیار میں تھا تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کو جس سے چاہے خاص کر لیتا ہے، پھر یہ مناظرہ ختم ہو گیا۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۵۷۴۔۵۷۵ ملخصاً وملتقطاً، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ کے متعلق حرفِ آخر

اگر جبر کو مان لیا جائے اور یہ کہا جائے کہ انسان کے ارادہ کو بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور انسان مجبورِ محض ہے تو پھر سوال ہوگا کہ جب انسان کو نیکی کرنے یا نہ کرنے کا اختیار نہیں ہے تو پھر اللہ تعالیٰ نے انسان کو نیکی کرنے اور برائی ترک کرنے کا حکم کیوں دیا اور اس حکم کو پہنچانے کے لیے نبی اور رسول کیوں بھیجے، کتابیں کیوں نازل کیں، جنت اور دوزخ کیوں بنائی، حساب اور کتاب کی کیا ضرورت ہے، نیز ہم بداہۃً جانتے ہیں کہ ہم جو بھی کام کرتے ہیں اپنی مرضی اور خوشی سے کرتے ہیں حالانکہ جبر میں تو زبردستی کام کرایا جاتا ہے، پھر جب قدریہ کی بات صحیح ہے نہ جبریہ کی تو پھر ہمیں اس اشکال کو حل کرنے کے درپے نہیں ہونا چاہیے جیسا کہ علامہ نووی نے کہا ہے کہ یہ عقدہ ہم سے دنیا میں حل نہیں ہوگا آخرت میں ہم پر یہ مسئلہ منکشف ہو جائے گا، تاہم یہ سوال پھر بھی ہوگا کہ اس مسئلہ میں ہمارا کیا عقیدہ ہونا چاہیے، تو ہمارے لیے اجمالی طور پر اتنا مان لینا کافی ہے کہ ہمارا اور ہمارے تمام افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے، اور ہم احکامِ شرعیہ پر عمل کرنے میں مجبور نہیں ہیں، ہم اپنے اختیار سے اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرتے ہیں اور ہمیں یہ اختیار اللہ تعالیٰ ہی نے عطا فرمایا ہے، ہم چونکہ تمام کام اپنے اختیارات سے کرتے ہیں اس لیے جبر نہیں ہے اور چونکہ ہمیں یہ اختیار اللہ تعالیٰ ہی نے عطا فرمایا ہے اس لیے قدر نہیں ہے، ہم ان دقیق ابحاث میں نہیں پڑتے کہ اس اختیار کی کیا صفت ہے اور کیا کیفیت ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

۷۴۶۴۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِذَا دَعَوْتُمُ اللهَ فَاعْزِمُوا فِي الدُّعَاءِ وَلَا يَقُولَنَّ أَحَدُكُمْ إِنْ شِئْتَ فَأَعْطِنِي فَإِنَّ اللهَ لَا مُسْتَكْرِهَ لَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الوارث نے حدیث بیان کی از عبد العزیز از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم اللہ تعالیٰ سے دعا کرو تو پورے جزم اور وثوق کے ساتھ دعا کرو اور تم میں سے کوئی شخص یہ نہ کہے کہ اگر تو چاہے تو مجھے عطا فرما، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو کوئی مجبور کرنے والا نہیں ہے۔

(صحیح البخاری: ۶۳۳۸، ۷۴۶۴، صحیح مسلم: ۲۶۷۸، مسند احمد: ۱۱۵۶۹)

صحیح البخاری: ۷۴۶۴، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس طرح دعا کی ممانعت کی توجیہ کہ ''اگر تو چاہے تو مجھے عطا فرما''

کیونکہ جب بندہ اس طرح دعا کرے گا تو اس سے یہ ظاہر ہوگا کہ بندہ دعا کے قبول ہونے سے مستغنی ہے، اس لیے جب اللہ تعالیٰ سے دعا کرے تو پورے وثوق اور جزم کے ساتھ دعا کرے اور یہ نہ کہے کہ اگر تو چاہے تو مجھے دے اور تو چاہے تو مجھے نہ دے اور کسی چیز کے عزم کا معنی یہ ہے کہ اس کے فعل کو مضبوط کیا جائے، دوسرا قول یہ ہے کہ سوال کے عزم کا معنی یہ ہے کہ اس کی طلب میں ضعف نہ ہو، اور تیسرا معنی یہ ہے کہ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ دعا کے قبول ہونے میں حسن ظن ہے۔

اور اس حدیث میں فرمایا ہے کہ ''اللہ کو کوئی مجبور کرنے والا نہیں ہے'' اس لیے کہ جب بندہ اس طرح دعا کرے گا کہ اگر تو چاہے تو مجھے عطا کر تو اس سے یہ وہم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے چاہے بغیر بھی اس کی دعا پوری ہو سکتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے چاہے بغیر دعا پوری ہونے کا معنی یہ ہے کہ کوئی اللہ تعالیٰ پر جبر کرے گا اور اللہ تعالیٰ پر کوئی جبر کرنے والا نہیں ہے۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۵۷۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۴۶۵۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ ح و حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنِي أَخِي عَبْدُ الْحَمِيدِ عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي عَتِيقٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ أَنَّ حُسَيْنَ بْنَ عَلِيٍّ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ أَخْبَرَهُ أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ طَرَقَهُ وَفَاطِمَةَ بِنْتَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ لَيْلَةً فَقَالَ لَهُمْ أَلَا تُصَلُّونَ قَالَ عَلِيٌّ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّمَا أَنْفُسُنَا بِيَدِ اللّٰهِ فَإِذَا شَاءَ أَنْ يَبْعَثَنَا بَعَثَنَا فَانْصَرَفَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ حِينَ قُلْتُ ذَلِكَ وَلَمْ يَرْجِعْ إِلَيَّ شَيْئًا ثُمَّ سَمِعْتُهُ وَهُوَ مُدْبِرٌ يَضْرِبُ فَخِذَهُ وَيَقُولُ ﴿وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ۝﴾

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری ح اور ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے میرے بھائی عبدالحمید نے حدیث بیان کی از سلیمان از محمد بن ابی عتیق از ابن شہاب از علی بن حسین، وہ بیان کرتے ہیں کہ حسین بن علی علیہما السلام نے ان کو خبر دی کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ان کو خبر دی کہ بے شک رسول اللہ ﷺ ایک رات کو حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ کے پاس تشریف لائے، پس ان سے فرمایا: کیا تم لوگ نماز نہیں پڑھتے؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہماری روحیں تو اللہ کے ہاتھ میں ہیں، پس جب وہ ہمیں اٹھانا چاہتا ہے تو اٹھا دیتا ہے، پس جب میں نے یہ کہا تو رسول اللہ ﷺ واپس چلے گئے اور مجھے کوئی جواب نہیں دیا، پھر میں نے آپ سے سنا آپ پیٹھ پھیرتے ہوئے اپنی ران پر ہاتھ مارتے ہوئے جا رہے تھے اور فرما رہے تھے:

''اور انسان ہر چیز سے زیادہ جھگڑالو ہے ۝'' (الکہف: ۵۴)

(صحیح البخاری: ۱۱۲۷، ۴۷۲۴، ۷۳۴۷، ۷۴۶۵، صحیح مسلم: ۷۷۵، سنن نسائی: ۱۶۱۱، مسند احمد: ۹۰۲)

صحیح البخاری: ۷۴۶۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''طرقه'' یہ لفظ طروق سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے رات کے وقت آنا، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کے وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''وفاطمة'' اس کا ضمیر منصوب پر عطف ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کے پاس تشریف لائے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فقال لهم'' یہ جمع کا صیغہ ہے حالانکہ وہاں صرف دو تھے حضرت علی اور حضرت فاطمہ، تو یہ اس اعتبار سے ہے کم سے کم جمع کے افراد دو ہوتے ہیں، یا مراد یہ ہے کہ حضرت علی اور حضرت فاطمہ کے ساتھ اور جو گھر کے لوگ تھے ان سے فرمایا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''ان یبعثنا'' یعنی اللہ تعالیٰ جب ہمیں نیند سے اٹھانا چاہتا ہے تو اٹھا دیتا ہے۔

بندوں کو چاہیے کہ احکام شرعیہ پر عمل کریں اور حقیقت کی چھان بین نہ کریں

اس حدیث میں مذکور ہے ''وهو مدبر'' یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیٹھ پھیر کر جا رہے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے زانو پر ہاتھ مارنا اور اس آیت کو پڑھنا اس میں یہ اشارہ ہے کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ احکام شرعیہ کی متابعت کریں اور حقیقت کی طرف نظر نہ ڈالیں، یعنی ہم کو نماز پڑھنے کے لیے اٹھنے کا حکم دیا ہے تو ہمیں اٹھنا چاہیے اور اس پر نظر نہیں کرنی چاہیے کہ ہماری جانیں تو اللہ کے اختیار میں ہیں کیونکہ یہ چیز حقیقت کے اعتبار سے ہے، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس جواب کو جدل فرمایا۔
(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۲۱۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جواب پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جواب سے معارضہ

میں کہتا ہوں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرطاس اور قلم کو طلب کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہمیں کتاب اللہ کافی ہے، اس پر شیعہ اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکم عدولی کی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور ہمدردی کی وجہ سے یہ کہا کہ آپ کو بیماری میں تکلیف ہے تو آپ کو لکھنے کی زحمت نہ دی جائے اور یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تہجد کی نماز کے لیے اٹھانے کے لیے تشریف لائے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایسا جواب دیا جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پسند نہیں فرمایا اور اس کو جدل سے تعبیر فرمایا اور آپ رنجیدہ ہو کر واپس چلے گئے اور یہ معاملہ اس سے سنگین ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ معاملہ ہوا تھا، تاہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے یہ توجیہ کی جاسکتی ہے کہ وہ اس وقت نیند سے بیدار ہوئے تھے اور جب انسان نیند سے بیدار ہو تو پوری طرح اس کے ہوش و حواس متوجہ نہیں ہوتے، اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ملامت نہیں فرمائی، یا پھر حضرت علی و حضرت فاطمہ علیہا السلام اس حال میں ہوں گے جس کو بتانے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حجاب فرمایا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

٧٤٦٦۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ حَدَّثَنَا فُلَيْحٌ حَدَّثَنَا هِلَالُ بْنُ عَلِيٍّ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ مَثَلُ الْمُؤْمِنِ كَمَثَلِ خَامَةِ الزَّرْعِ يَفِيءُ وَرَقُهُ مِنْ حَيْثُ أَتَتْهَا الرِّيحُ تُكَفِّئُهَا فَإِذَا سَكَنَتْ اعْتَدَلَتْ وَكَذٰلِكَ الْمُؤْمِنُ يُكَفَّأُ بِالْبَلَاءِ وَمَثَلُ الْكَافِرِ كَمَثَلِ الْأَرْزَةِ صَمَّاءَ مُعْتَدِلَةً حَتّٰى يَقْصِمَهَا اللهُ إِذَا شَاءَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن سنان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں فلیح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہلال بن علی نے حدیث بیان کی از عطاء بن یسار از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مومن کی مثال کھیت کے نرم پودے کی طرح ہے جس طرف سے ہوا چلتی ہے اس کے پتے اسی طرف جھک جاتے ہیں، اور جب ہوا رک جاتی ہے تو اس کے پتے بھی معتدل ہو جاتے ہیں، اسی طرح مومن کو آزمائشوں میں بچا لیا جاتا ہے لیکن کافر کی مثال شمشاد کے سخت درخت کی طرح ہے جو ایک حالت پر کھڑا رہتا ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے اسے اکھاڑ دیتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۵۶۴۴، ۷۴۶۶، صحیح مسلم: ۲۸۰۹، سنن ترمذی: ۲۸۶۶، مسند احمد: ۷۱۵۲)

صحیح البخاری: ۷۴۶۶، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مومن کو کھیت کے نرم پودے کے ساتھ تشبیہ دینے کی توجیہ

مومن کو دنیا میں جو بیماریاں لاحق ہوتی ہیں اور مصائب پیش آتے ہیں اللہ تعالیٰ دنیا میں ان بیماریوں اور مصائب کے ساتھ مومن کو آزمائشوں میں مبتلا کرتا ہے، پھر اس کے لیے ان آزمائشوں پر صبر کرنے کو آسان کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر راضی رہنے کو سہل کر دیتا ہے تا کہ وہ آخرت کے ثواب سے خوش ہو، اور کافر جب کہ دنیا میں تندرست رہتا ہے اور آفات اور مصائب سے محفوظ رہتا ہے تو اس کی موت اس پر شدید عذاب کی صورت میں آتی ہے اور کافر چونکہ دنیا میں بہت عیش و آرام سے رہتا ہے، اس لیے اس کو دنیا سے جدا ہونے کا بہت سخت صدمہ ہوتا ہے، پس واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے مومن کے ساتھ ہر مشکل میں آسانی کا ارادہ فرمایا ہے اور کافر کو جو آسانیاں عطا فرماتا ہے ان سے اس کے لیے مشکلات کا ارادہ فرماتا ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۳ ص ۳۹۶، ملخصاً و ملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

٧٤٦٧۔ حَدَّثَنَا الْحَكَمُ بْنُ نَافِعٍ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَخْبَرَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رضی الله عنهما قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ وَهُوَ قَائِمٌ عَلَى الْمِنْبَرِ يَقُولُ إِنَّمَا بَقَاؤُكُمْ فِيمَا سَلَفَ قَبْلَكُمْ مِنَ الْأُمَمِ كَمَا بَيْنَ صَلَاةِ الْعَصْرِ إِلَى غُرُوبِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں الحکم بن نافع نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے سالم بن عبد اللہ نے خبر دی کہ بے شک حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا اس وقت آپ منبر کے اوپر

الشَّمْسِ أُعْطِيَ أَهْلُ التَّوْرَاةِ التَّوْرَاةَ فَعَمِلُوا بِهَا حَتَّى انْتَصَفَ النَّهَارُ ثُمَّ عَجَزُوا فَأُعْطُوا قِيرَاطًا قِيرَاطًا ثُمَّ أُعْطِيَ أَهْلُ الْإِنْجِيلِ الْإِنْجِيلَ فَعَمِلُوا بِهِ حَتَّى صَلَاةِ الْعَصْرِ ثُمَّ عَجَزُوا فَأُعْطُوا قِيرَاطًا قِيرَاطًا ثُمَّ أُعْطِيتُمُ الْقُرْآنَ فَعَمِلْتُمْ بِهِ حَتَّى غُرُوبِ الشَّمْسِ فَأُعْطِيتُمْ قِيرَاطَيْنِ قِيرَاطَيْنِ قَالَ أَهْلُ التَّوْرَاةِ رَبَّنَا هَؤُلَاءِ أَقَلُّ عَمَلًا وَأَكْثَرُ أَجْرًا قَالَ هَلْ ظَلَمْتُكُمْ مِنْ أَجْرِكُمْ مِنْ شَيْءٍ قَالُوا لَا فَقَالَ فَذَلِكَ فَضْلِي أُوتِيهِ مَنْ أَشَاءُ۔

کھڑے ہوئے فرما رہے تھے: تمہاری دنیا میں تم سے پہلی امتوں کے مقابلہ میں بقا اتنی ہے جتنا وقت عصر کی نماز سے غروب آفتاب تک ہوتا ہے، اہل تورات کو تورات دی گئی سو انہوں نے اس پر عمل کیا حتیٰ کہ دوپہر ہوگئی، پھر وہ عمل سے تھک گئے تو ان کو ایک ایک قیراط دیا گیا، پھر اہلِ انجیل کو انجیل دی گئی سو انہوں نے اس پر عمل کیا حتیٰ کہ عصر کی نماز کا وقت آ گیا، پھر وہ تھک گئے، پس انہیں ایک ایک قیراط دیا گیا، پھر تم کو قرآنِ مجید دیا گیا، تم نے اس پر عمل کیا حتیٰ کہ غروبِ آفتاب تک، پھر تم کو دو دو قیراط دیے گئے، اہلِ تورات نے کہا: اے ہمارے رب! ان لوگوں نے عمل ہم سے کم کیا ہے اور اجر ان کو زیادہ دیا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا میں نے تمہارے اجر میں کسی چیز کی کوئی کمی کی تو انہوں نے کہا: نہیں، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ میرا فضل ہے میں جس کو چاہوں عطا کروں۔

(صحیح البخاری:۵۵۷،۲۲۶۸،۲۲۶۹،۳۴۵۹،۵۰۲۱،۷۴۶۷،۷۵۳۳، سنن ترمذی:۲۸۷۱، مسند احمد:۵۹۹۳)

صحیح البخاری:۷۴۶۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "فیما سلف" یعنی تمہارے زمانہ کی نسبت پچھلی امتوں کے زمانہ کی طرف ایسی ہے جیسے عصر کے زمانہ کی نسبت دن کے تمام ہونے تک ہے۔

نیز اس حدیث میں قیراط کا ذکر ہے، قیراط کی مقدار مختلف ہوتی ہے، پس مکہ میں قیراط کی مقدار دینار کا چھٹا حصہ ہے اور دوسری جگہوں پر دینار کا پانچواں حصہ ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۲۲۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: اس حدیث میں فقہاءِ احناف کی دلیل ہے کہ ظہر کا وقت عصر کے وقت سے دگنا ہوتا ہے، کیونکہ اہلِ تورات یہ کہیں گے کہ ان لوگوں نے کام کم کیا ہے اور ان کو اجر زیادہ دیا ہے، اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب ظہر کا وقت عصر کے وقت سے زیادہ ہو، اگر ظہر کا وقت ایک مثل سایا کے بعد شروع ہو تو ظہر اور عصر کا وقت برابر ہو جائے گا، اور اگر ظہر کا وقت دو مثل سایا کے بعد شروع ہو تو پھر ظہر کا وقت عصر کے وقت سے دو گنا ہوگا، لہٰذا اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ ظہر کا وقت دو مثل سائے کے بعد شروع ہوتا ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۷۴۶۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ الْمُسْنَدِيُّ حَدَّثَنَا هِشَامٌ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ

أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي إِدْرِيسَ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ بَايَعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ فِي رَهْطٍ فَقَالَ أُبَايِعُكُمْ عَلَى أَنْ لَا تُشْرِكُوا بِاللهِ شَيْئًا وَلَا تَسْرِقُوا وَلَا تَزْنُوا وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ وَلَا تَأْتُوا بِبُهْتَانٍ تَفْتَرُونَهُ بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَأَرْجُلِكُمْ وَلَا تَعْصُونِي فِي مَعْرُوفٍ فَمَنْ وَفَى مِنْكُمْ فَأَجْرُهُ عَلَى اللهِ وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا فَأُخِذَ بِهِ فِي الدُّنْيَا فَهُوَ لَهُ كَفَّارَةٌ وَطَهُورٌ وَمَنْ سَتَرَهُ اللهُ فَذَلِكَ إِلَى اللهِ إِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ وَإِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُ۔

المسندی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از الزہری از ابی ادریس از حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی ایک جماعت میں بیعت کی، آپ نے فرمایا: میں تمہیں اس پر بیعت کرتا ہوں کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو بالکل شریک نہ بناؤ، اور نہ تم چوری کرو اور نہ تم زنا کرو اور نہ تم اپنی اولاد کو قتل کرو اور نہ تم کسی پر بہتان باندھو جس کو تم اپنے ہاتھوں اور پیروں کے سامنے گھڑو، اور تم کسی نیکی کے کام میں میری نافرمانی نہ کرو، پس تم میں سے جس نے اس بیعت کو پورا کر دیا تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے، اور جس نے ان میں سے کوئی کام کر لیا، پس اس کو دنیا میں پکڑا گیا تو وہ اس کے لیے کفارہ ہے اور گناہوں سے پاک کرنا ہے، اور جس پر اللہ تعالیٰ نے پردہ رکھ لیا تو وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کی طرف مفوض ہے، اگر چاہے تو اس کو عذاب دے اور اگر چاہے تو اس کو بخش دے۔

(صحیح البخاری: ۱۸، ۳۸۹۲، ۳۸۹۳، ۳۸۹۴، ۴۸۹۴، ۶۷۸۴، ۶۸۰۱، ۶۸۷۳، ۷۰۵۵، ۷۱۹۹، ۷۲۱۳، ۷۴۶۸، صحیح مسلم: ۱۷۰۹، سنن ترمذی: ۱۴۳۹، سنن نسائی: ۴۱۶۱، سنن دارمی: ۲۴۵۳)

صحیح البخاری: ۷۴۶۸، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

انصار سے عقبۂ اولیٰ اور عقبۂ ثانیہ میں بیعت کرنا

امام بخاری نے اس حدیث کی یہاں پر روایت کی ہے کہ انصار کو اس بیعت کے ذریعہ اسلام میں سبقت حاصل ہوئی اور اس بیعت سے انہوں نے اسلام لانے کا عقد کیا حالانکہ مہاجرین اس سے پہلے اسلام قبول کر چکے تھے لیکن انہوں نے انصار کی مثل بیعت نہیں کی، پس انصار وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار کرنے اور اس کی شریعت پر عمل کرنے پر موت تک بیعت کی اور انہوں نے اس بیعت کی ابتداء کی، ان کا اسلام سے محبت رکھنا یہ ان کے ایمان کی علامت ہے اور انہوں نے مہاجرین کی غمگساری کی اور ان کے ساتھ ہمدردی کی اور اپنے اموال کے ساتھ ان کی مدد کی، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللهُ۔ آپ کہیے: اگر تم اللہ سے محبت کے دعوے دار ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تمہیں اپنا محبوب بنا لے گا۔ (آل عمران: ۳۱)

انصار نے سب سے پہلے نبی ﷺ کی اتباع کی تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے ساتھ محبت فرمائی اور جس سے اللہ محبت رکھے

بندوں پر بھی واجب ہے کہ اس سے محبت رکھیں۔

اس حدیث میں حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کو نقیب فرمایا، نقیب اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی قوم کے معاملات کی دیکھ بھال کرنے والا ہو اور اس کا منتظم ہو، اور انصار میں سے نقباء وہ تھے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کے لیے پہلے پیش ہوئے۔

جس گھاٹی میں یہ بیعت ہوئی وہ گھاٹی منیٰ کے اندر ہے اور اس کو جمرۃ العقبہ کہا جاتا ہے اور اس گھاٹی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ بیعت کی تھی، دونوں مرتبہ انصار سے بیعت لی اس کو عقبہ اولیٰ اور عقبہ ثانیہ کہا جاتا ہے اور عقبہ اولیٰ میں انصار کے بارہ (۱۲) مردوں نے آ کر بیعت کی تھی اور عقبہ ثانیہ میں جو اس کے اگلے سال ہوئی اس میں ستر (۷۰) انصار نے آپ سے بیعت کی تھی۔

انصار کی بیعت کرنے کا پس منظر

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آپ کو قبائل پر پیش کرتے تھے، پس ایک سال انصار کے قبیلہ الخزرج کے چھ مرد حج کے موسم میں گھاٹی پر آئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: کیا تم بیٹھتے نہیں میں تم سے کچھ بات کروں؟ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر اسلام کو پیش کیا، اور یہود اہلِ کتاب اور اہلِ علم تھے، اور قبیلہ خزرج کے لوگ اہلِ شرک اور بت پرست تھے، اور یہود ان سے ان کے شہروں میں لڑتے رہتے تھے، پس جب ان کے درمیان لڑائی ہوتی تو یہود ان سے کہتے کہ ایک نبی عنقریب مبعوث ہوگا ہم اس کی اتباع کریں گے، پس وہ تم کو اس طرح قتل کرے گا جس طرح عاد اور اِرم کو قتل کیا گیا تھا، پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خزرج کے ان چھ آدمیوں سے بات کی تو انہوں نے ایک دوسرے سے کہا: جان لو اللہ کی قسم! یہ وہی نبی ہے جس سے یہود تم کو ڈراتے تھے، پس ایسا نہ ہو کہ یہود تم سے پہلے ان کی بیعت کر لیں تو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغِ اسلام کو قبول کیا اور آپ کی تصدیق کی اور انہوں نے کہا: ہم پیچھے اپنی قوم کو چھوڑ کر آئے ہیں جو آپس میں لڑتے رہتے ہیں، ہم واپس جائیں گے اور ان کو اس دین کی دعوت دیں گے جس کی آپ نے ہمیں دعوت دی ہے، پس ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں آپ کے ساتھ جمع کر دے، پھر وہ المدینہ کی طرف لوٹ گئے اور انہوں نے اسلام کی دعوت دی حتیٰ کہ یہ بات مشہور ہو گئی اور انصار کے گھروں میں سے کوئی گھر نہیں تھا مگر اس گھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہوتا تھا، اور ان چھ کے نام یہ ہیں: (۱) حضرت اسعد بن زرارہ (۲) حضرت عوف بن الحارث اور یہ عفراء کے بیٹے تھے (۳) رافع بن مالک بن العجلان (۴) قطبہ بن عامر (۵) عقبہ بن نابی (۶) اور حضرت جابر بن عبداللہ بن رباب رضی اللہ عنہم، اور بعض سیرت نگاروں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے بجائے حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا ہے۔

مدینہ سے ۱۲ انصار کا آ کر بیعتِ عقبہ اولیٰ کرنا اور جس چیز پر انہوں نے بیعت کی

پس جب اگلا سال آیا تو انصار میں سے بارہ مرد مکہ آئے، ان میں سے پانچ تو وہ تھے جن کا ان چھ میں ذکر کیا گیا ہے، پس ان میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ نہیں تھے اور سات دوسرے تھے: (۱) حضرت معاذ بن الحارث اور وہ عفراء کے بیٹے اور عوف کے بھائی ہیں (۲) ذکوان بن قیس، یہ غزوۂ احد میں شہید ہو گئے تھے (۳) حضرت عبادہ بن الصامت (۴) حضرت یزید بن ثعلبہ (۵) حضرت عباس بن عبادہ بن فضلہ، اور اوس میں سے (۶) ابوالہیثم بن التیہان اور (۷) حضرت عویم بن ساعدۃ رضی اللہ عنہم، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے العقبہ (مکہ کے قریب گھاٹی) میں ان کو بیعت کر لیا اور اس وقت تک جہاد کا حکم نہیں آیا تھا، جب وہ واپس گئے تو رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ حضرت عبداللہ بن ام مکتوم اور حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہما کو بھیجا جو ان کو تعلیم دیتے تھے اور ان کو اسلام کی دعوت دیتے تھے، پس حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کو ان دنوں القاری کہا جاتا تھا اور وہ ان کی نماز میں امام تھے، حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے بنو بیاضہ کی پتھریلی زمین میں ان کو جمعہ کی نماز میں جمع کیا اور وہ چالیس مرد تھے اور یہ اسلام میں سب سے پہلا جمعہ ادا کیا گیا۔

حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کا انصارِ مدینہ کا امام ہونا اور ان کی تبلیغ سے ستر سے زائد لوگوں کا اسلام قبول کرنا

حضرت مصعب رضی اللہ عنہ، حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے ہاں ٹھہرے تھے اور حضرت مصعب رضی اللہ عنہ ان کو اس لیے نماز پڑھاتے تھے کہ اوس اور الخزرج اس کو ناپسند کرتے تھے کہ ان میں سے کوئی ایک دوسرے کا امام ہو۔

اور امام ابنِ اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ پہلا جمعہ انصار کو جنہوں نے پڑھایا وہ حضرت اسعد بن زرارۃ رضی اللہ عنہ تھے۔

(سنن ابوداؤد: ۱۰۶۹، سنن ابن ماجہ: ۱۰۸۲، صحیح ابن حبان: ۷۰۱۳، المستدرک للحاکم ج ۱ ص ۲۸۱)

پس حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر متعدد لوگوں نے اسلام قبول کیا، ان میں سے حضرت سعد بن معاذ اور حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہما تھے، پھر ان سے تہتر (۷۳) مرد اور دو عورتیں حج کے موسم میں ملے اور یہ وعدہ کیا کہ وہ عقبہ (یعنی مکہ کی گھاٹی) میں ایامِ تشریق کے وسط میں ملاقات کریں گے، پس جب وہ حج سے فارغ ہو گئے اور رات کا وقت تھا تو وہ اس وعدہ کے مطابق نکلے پس انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کے اوپر اس چیز پر بیعت کی کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان چیزوں کو دور کریں گے جن چیزوں سے اپنی جانوں کو اور اپنی عورتوں کو اور اپنے بیٹوں کو دور کرتے ہیں یعنی آپ کی حفاظت کریں گے، اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تم کو بیعت کرتا ہوں اس پر کہ تم مجھ سے ان چیزوں کو منع کرو گے جن چیزوں سے تم اپنی عورتوں اور اپنے بیٹوں کو منع کرتے ہو۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۴۶۰۔ ۴۶۲، صحیح ابن حبان: ۷۰۱۱، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۹ ص ۸۷۔ ۹۰ رقم: ۱۷۴، المستدرک للحاکم ج ۳ ص ۴۴۱، مجمع الزوائد ج ۶ ص ۴۵)

بیعتِ عقبہ اولیٰ کرنے والے بارہ (۱۲) صحابہ کے اسماء اور وہی نقباء ہیں

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میری طرف بارہ (۱۲) نقیب نکالو اور وہ یہ ہیں:

(۱) حضرت اسعد بن زرارۃ (۲) حضرت سعد بن ربیع (۳) حضرت عبداللہ بن رواحۃ (۴) حضرت رافع بن مالک بن العجلان (۵) حضرت البراء بن معرور (۶) حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام (۷) حضرت سعد بن عبادہ (۸) حضرت المنذر بن عمرو بن حرام (۹) حضرت عبادہ بن الصامت، یہ ۹ صحابہ الخزرج سے تھے اور تین صحابہ الاوس سے تھے: (۱۰) حضرت اسید بن حضیر (۱۱) حضرت سعد بن خیثمہ (۱۲) حضرت رفاعہ بن عبد المنذر رضی اللہ عنہم۔

یہ وہ ۱۲ صحابہ ہیں جو عقبۂ اولیٰ کی بیعت کے وقت حاضر تھے اور انہی کو نقباء فرمایا ہے۔

بیعتِ عقبہ ثانیہ کرنے والے مشہور صحابہ کے اسماء

اور عقبۂ ثانیہ کی بیعت کے وقت جو ستر صحابہ حاضر ہوئے تھے، ان میں سے مشہور صحابہ کے نام یہ ہیں:

(۱) حضرت ابن الہیثم (۲) حضرت رفاعہ بن منذر (۳) حضرت ابو بردہ ہانی بن نیار (۴) حضرت عویم بن ساعدہ، یہ الاوس میں سے تھے اور الخزرج میں سے: (۵) حضرت ابوایوب الانصاری (۶) حضرت معوذ (۷) حضرت معاذ (۸) حضرت عوف بن

الحارث اور یہ العفراء کے بیٹے تھے (۹) اور حضرت ابوطلحہ سہل بن زید النجاری (۱۰) حضرت ابو مسعود الانصاری (۱۱) حضرت بشر بن البراء بن معرور (۱۲) حضرت کعب بن مالک (۱۳) حضرت جابر بن عبد اللہ، اور یہ ان سب میں کم عمر تھے (۱۴) اور حضرت المنذر بن عمرو (۱۵) اور حضرت ام عمارہ نسیبہ (۱۶) حضرت ام منیع اسماء وغیرہم رضی اللہ عنہم۔

بیعتِ ثانیہ اس پر ہوئی کہ گوروں اور کالوں کے خلاف جہاد کیا جائے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس کا ثواب جنت ہے، اور عقبہ ثانیہ کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جہاد کی اجازت دی گئی تھی اور بیعتِ عقبہ اولیٰ کے وقت جہاد کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔

تیسری بیعت، بیعتِ رضوان

انصار سے عقبہ اولیٰ اور عقبہٗ ثانیہ کی بیعت کے بعد تیسری بیعت، بیعتِ رضوان ہوئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذوالقعدہ ۶ ہجری میں عمرہ کرنے کے لیے نکلے تو قریش نے آپ کو روک لیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ان سے گفت وشنید کرنے کے لیے بھیجا تو آپ کے پاس یہ خبر آئی کہ مشرکین نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا ہے تو آپ نے فرمایا: ہم اس وقت تک آگے نہیں جائیں گے جب تک کہ اس قوم سے عثمان کے خون کا بدلہ نہ لے لیں، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ لینے کے لیے بیعت پر بلایا تو یہ بیعتِ رضوان تھی جو درخت کے نیچے ہوئی اور یہ پندرہ سو (۱۵۰۰) صحابہ تھے، پس روایت ہے کہ آپ نے ان سے موت کے اوپر بیعت کی یعنی وہ اس وقت تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ قصاصِ عثمان کے لیے جنگ کرتے رہیں گے حتیٰ کہ انہیں موت آجائے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اس کا انکار کیا اور انہوں نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر بیعت کی تھی کہ ہم بھاگیں گے نہیں، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ عَلَیْهِمْ وَ اَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا ﴿۱۸﴾ (الفتح: ۱۸)

بے شک اللہ ایمان والوں سے اس وقت راضی ہوگیا جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے، سو اللہ جانتا تھا جو کچھ ان کے دلوں میں ہے، پس اللہ نے ان کے دلوں پر طمانیت نازل فرمائی اور ان کو عنقریب آنے والی فتح کا انعام دیا ○

اس بیعت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے وعدہ کیا کہ وہ عنقریب ان کو فتح عطا فرمائے گا یعنی خیبر کی فتح اور ان سے کثیر مالِ غنیمت کا وعدہ فرمایا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَّ مَغَانِمَ كَثِیْرَةً یَّاْخُذُوْنَهَا ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِیْزًا حَكِیْمًا ﴿۱۹﴾ وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِیْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَ كَفَّ اَیْدِیَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ وَ لِتَكُوْنَ اٰیَةً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ وَ یَهْدِیَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا ﴿۲۰﴾ (الفتح: ۱۹-۲۰)

اور ان کو بہت سی غنیمتیں عطا فرمائیں جن کو وہ حاصل کریں گے اور اللہ بہت غلبہ والا، بہت حکمت والا ہے ○ اور اللہ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کر لیا ہے جن کو تم حاصل کرو گے، پس یہ نعمت تو تم کو جلدی عطا فرما دی، اور لوگوں کے ہاتھوں کو تم سے روک لیا اور تا کہ یہ (نعمت) مومنوں کے لیے نشانی ہوجائے اور اللہ تمہیں صراطِ مستقیم پر ثابت قدم رکھے ○

حدیثِ مذکور میں جن بارہ (۱۲) نقباء سے بیعت کا ذکر ہے یہ احکامِ شرعیہ پر عمل کرنے کی بیعت لی گئی تھی، اس کے علاوہ

احادیث میں اور بھی بیعات کا ذکر ہے اور وہ احادیث متعدد اور متفرق ہیں۔

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث میں اہلِ حق کے مذہب کی دلیل ہے کہ جس مسلمان نے کوئی گناہِ کبیرہ کیا اور بغیر توبہ کے مر گیا تو وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کی طرف مفوض ہے اگر وہ چاہے تو اس کو معاف فرما دے اور اگر وہ چاہے تو اس کو عذاب دے، اور جو شخص چھوٹا ہو یا بڑا اور اس نے کوئی گناہ نہ کیا ہو یعنی بالغ ہوتے ہی فوت ہو گیا ہو یا توبہ کرتے ہی فوت ہو گیا ہو یا اسلام قبول کرتے ہی فوت ہو گیا ہو اس سے پہلے کہ اس نے کوئی نافرمانی کی ہو تو اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت سے اس کو جنت عطا کی جائے گی اور وہ دوزخ میں داخل نہیں ہوگا سوائے دوزخ کو عبور کرنے کے لیے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ۝ اور بے شک تم میں سے ہر شخص ضرور دوزخ پر وارد ہوگا، یہ آپ کے رب کے نزدیک قطعی فیصلہ کیا ہوا ہے ۝ (مریم:۷۱)

(۲) اور جو شخص گناہِ کبیرہ پر اصرار کرتے ہوئے بغیر توبہ کے فوت ہو گیا تو وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے، اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو اس کو پہلی بار ہی جنت میں داخل کر دے گا اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو اس کو دوزخ کا عذاب دے کر جنت میں داخل فرمائے گا، اور جو شخص توحید کے اوپر مرا وہ دوزخ میں ہمیشہ نہیں رہے گا اور جنہوں نے گناہِ کبیرہ کی وجہ سے کسی مسلمان کو کافر قرار دیا اور وہ خوارج ہیں تو انہوں نے خطاء کی، یا جنہوں نے کہا کہ فاسق کو عذاب ضرور دیا جائے گا اور وہ معتزلہ ہیں انہوں نے بھی خطاء کی۔

(۳) اس حدیث میں مذکور ہے کہ جس بندہ نے ایسے جرم کا ارتکاب کیا جس پر حد واجب ہوتی ہے اور اس پر حد جاری کر دی گئی تو وہ حد اس کے اس گناہ کا کفارہ ہو گئی، جمہور ائمہ کا یہی مذہب ہے اور امام ابوحنیفہ یہ فرماتے ہیں کہ اگر اس نے گرفتار ہونے سے پہلے توبہ کر لی تب تو حد اس کے لیے کفارہ ہو جائے گی، اگر اس نے گرفتار ہونے سے پہلے توبہ نہیں کی تو پھر حد اس کے لیے کفارہ نہیں ہوگی۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۲ ص ۵۳۹۔۵۵۱، ملخصاً وملتقطاً وموضحاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۷۴۶۹۔ حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ نَبِيَّ اللهِ سُلَيْمَانَ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ لَهُ سِتُّونَ امْرَأَةً فَقَالَ لَأَطُوفَنَّ اللَّيْلَةَ عَلَى نِسَائِي فَلْتَحْمِلْنَ كُلُّ امْرَأَةٍ وَلْتَلِدْنَ فَارِسًا يُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللهِ فَطَافَ عَلَى نِسَائِهِ فَمَا وَلَدَتْ مِنْهُنَّ إِلَّا امْرَأَةٌ وَلَدَتْ شِقَّ غُلَامٍ قَالَ نَبِيُّ اللهِ ﷺ لَوْ كَانَ سُلَيْمَانُ اسْتَثْنَى لَحَمَلَتْ كُلُّ امْرَأَةٍ مِنْهُنَّ فَوَلَدَتْ فَارِسًا يُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں معلّٰی بن اسد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وہیب نے حدیث بیان کی از ایوب از محمد از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت نبی اللہ سلیمان علیہ السلام کی ساٹھ بیویاں تھیں، پس انہوں نے کہا کہ آج رات میں اپنی تمام بیویوں کے پاس گھوموں گا، پس ان میں سے ہر بیوی حاملہ ہوگی اور ان میں سے ہر ایک سے گھڑ سوار پیدا ہوگا جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے گا، پس وہ اپنی بیویوں پر گھومے تو ان میں سے صرف ایک بیوی کے ہاں بچہ ہوا جو آدھا لڑکا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر حضرت سلیمان علیہ السلام ان شاء اللہ کہتے تو ان کی بیویوں میں سے ہر ایک حاملہ ہوتی اور ان

میں سے ہر ایک گھڑسوار پیدا ہوتا جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتا۔

(صحیح البخاری:۲۸۱۹، ۳۴۲۴، ۵۲۴۲، ۶۶۳۹، ۶۷۲۰، ۷۴۶۹، صحیح مسلم:۱۶۵۴، سنن نسائی:۳۸۳۱، مسند احمد:۷۰۹۷)

صحیح البخاری:۷۴۶۹، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت سلیمان علیہ السلام کی بیویوں کی تعداد

اس حدیث میں مذکور ہے "حضرت سلیمان علیہ السلام کی ساٹھ (۶۰) بیویاں تھیں" اور ایک حدیث میں ہے کہ نوے (۹۰) بیویاں تھیں، اور ایک حدیث میں ہے کہ ستر (۷۰) بیویاں تھیں، اور ایک روایت میں ہے کہ ننانوے (۹۹) بیویاں تھیں، اور ابن سیرین کی روایت میں ہے کہ سو (۱۰۰) بیویاں تھیں، ان روایات کا حاصل یہ ہے کہ ساٹھ بیویاں تھیں، ستر تھیں، نوے تھیں، ننانوے تھیں یا سو بیویاں تھیں، اور ان میں تطبیق اس طرح سے ہے کہ ساٹھ بیویاں تو آزاد عورتیں تھیں اور جو ان پر زائد ہیں وہ ان کی باندیاں تھیں یا اس کے برعکس معاملہ تھا، اور ستر بیویوں کا ذکر مبالغہ کے لیے ہے اور نوے اور سو کا ذکر جو ہے وہ اس لیے کہ سو سے کم تھیں اور نوے سے زائد تھیں، پس جس نے کہا: نوے بیویاں تھیں اس نے کسر کو لغو قرار دیا اور جس نے کہا سو بیویاں تھیں تو اس نے کسر کو پورے عدد کے طور پر ذکر کیا۔

بعض شارحین نے کہا ہے کہ قلیل عدد کے ذکر سے کثیر کی نفی نہیں ہوتی اور عدد کا مفہوم مخالف جمہور کے نزدیک حجت نہیں ہے، لیکن یہ جواب کافی نہیں ہے کیونکہ اکثر علماء کے نزدیک عدد کا مفہوم مخالف معتبر ہوتا ہے۔

اور وہب بن منبہ نے "المبتدا" میں نقل کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی ایک ہزار بیویاں تھیں، تین سو مہر والی تھیں اور سات سو باندیاں تھیں، اور اسی طرح امام حاکم نے المستدرک میں بیان کیا ہے از محمد بن کعب ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایک ہزار شیشہ کے گھر تھے جن میں تین سو ان کی بیویاں تھیں اور سات سو باندیاں تھیں۔

تمنا کی آفات اور تقدیر کا لکھا ہوا پورا ہونا

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک خیر کی تمنا کی تھی اور انہوں نے وثوق سے اس لیے کہا کہ ہر بیوی سے گھڑسوار پیدا ہوگا، کیونکہ ان کے اوپر امید کا غلبہ تھا اور انہوں نے خیر کا اور آخرت کے امر کا ارادہ کیا تھا کسی دنیاوی غرض کا ارادہ نہیں کیا تھا، بعض متقدمین نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر متنبہ فرمایا کہ یہ تمنا کی آفت ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف معاملہ کو مفوض نہ کرنے کی آفت ہے اسی لیے حضرت سلیمان علیہ السلام ان شاء اللہ کہنا بھول گئے تا کہ اس معاملہ میں تقدیر کا لکھا ہوا پورا ہو جائے۔

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) ان شاء اللہ کہنا اس وقت معتبر ہوتا ہے جب آدمی زبان سے ان شاء اللہ کہے اور دل میں ان شاء اللہ ہو تو اس پر ثمرہ مرتب نہیں ہوتا۔

(۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کو یہ خصوصیت عطا کی گئی ہے کہ وہ عام لوگوں کی بہ نسبت جماع کرنے کی زیادہ طاقت

رکھتے ہیں، یہ ان کی جسمانی صحت اور مردانگی کی قوت کی وجہ سے ہوتا ہے جب کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور علوم کی تبلیغ میں مشغول ہوتے ہیں۔

(۳) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس سے زیادہ بڑا معجزہ ہے، کیونکہ آپ اپنے رب کی عبادت میں مشغول ہونے کے ساتھ ساتھ اور علوم کی تبلیغ کے ساتھ ساتھ اور مخلوق کی دادرسی کے ساتھ ساتھ کھانے پینے کو بہت کم اختیار کرتے تھے جس کا تقاضا یہ ہے کہ بدن کمزور ہو، اس کے باوجود آپ کثرتِ جماع پر قادر تھے اور آپ ایک رات میں اپنی تمام عورتوں کے پاس ایک غسل کے ساتھ گئے اور اس وقت آپ کی گیارہ ازواج مطہرات تھیں۔

(۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غلبۂ ظن کی بناء پر کسی چیز کے مستقبل میں وقوع کی خبر دینا جائز ہے، کیونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے وثوق سے کہا تھا اور ان پر اس کی وحی نہیں ہوئی تھی، ورنہ اگر وحی ہوتی تو جس طرح انہوں نے کہا تھا ویسا ہی ہو جاتا۔

(۵) اگر یہ سوال کیا جائے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو کیسے معلوم ہوا کہ اس رات جماع کرنے سے ان کی ہر بیوی سے گھڑسوار پیدا ہوگا، یہ تو ہو نہیں سکتا کہ یہ انہوں نے وحی سے کہا ہو کیونکہ ایسا ہوا نہیں، اور یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ یہ معاملہ ان کی طرف مفوض ہو کہ جیسا وہ ارادہ کریں ویسا ہو جائے کیونکہ ارادہ تو اللہ کے لیے ہوتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ کہنا ان کی تمنا کے طور پر تھا اور اس طور پر تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ایسا کر دے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی ہو کہ اگر آپ ان شاء اللہ کہیں گے تو آپ کی ہر بیوی سے ایک گھوڑسوار پیدا ہو جائے گا لیکن وہ ان شاء اللہ کہنا بھول گئے۔

(۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام پر بھی نسیان ہوتا ہے اور سہو ہوتا ہے اور یہ ان کے بلند مرتبہ میں کسی کمی کا موجب نہیں ہے۔

(۷) اور اس سے معلوم ہوا کہ غلبۂ ظن کی بناء پر کسی چیز کے متعلق خبر دی جاسکتی ہے جب کہ اس پر قرینہ بھی ہو۔

(فتح الباری ج ۴ ص ۵۹۷۔۵۹۹، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۴۷۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ حَدَّثَنَا خَالِدٌ الْحَذَّاءُ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم دَخَلَ عَلَى أَعْرَابِيٍّ يَعُودُهُ فَقَالَ لَا بَأْسَ عَلَيْكَ طَهُورٌ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ قَالَ قَالَ الْأَعْرَابِيُّ طَهُورٌ بَلْ هِيَ حُمَّى تَفُورُ عَلَى شَيْخٍ كَبِيرٍ تُزِيرُهُ الْقُبُورَ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم فَنَعَمْ إِذًا۔

(صحیح البخاری: ۳۶۱۶، ۵۶۵۶، ۵۶۶۲، ۷۴۷۰)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن سلام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالوہاب الثقفی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں خالد الحذاء نے حدیث بیان کی از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک اعرابی کے پاس اس کی عیادت کرنے کے لیے تشریف لے گئے، آپ نے فرمایا: تم پر کوئی حرج نہیں ہے یہ (بخار) طہور ہے ان شاء اللہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا: اس اعرابی نے کہا: "طہور؟" بلکہ یہ بخار ہے جو جوش مار رہا ہے ایک بوڑھے شخص پر اور اس کو قبروں کی زیارت کرا رہا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پس اب اسی طرح ہوگا۔

صحیح البخاری: ۷۴۷۰، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جس اعرابی کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عیادت کی تھی اس کا تذکرہ

امام طبرانی نے بھی اس حدیث کی روایت کی ہے اور اس کے آخر میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم نے انکار کیا تو پھر یہ بخار ایسا ہی ہے جیسا تم کہتے ہو، اللہ تعالیٰ کی قضا ہونے والی ہے، پھر اس نے اگلے دن شام نہیں کی مگر وہ مر گیا''۔

اور ''ربیع الابرار'' میں مذکور ہے کہ اس اعرابی کا نام قیس تھا اور ''باب الامراض والعلل'' میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیس بن ابی حازم کے پاس اس کی عیادت کرنے کے لیے تشریف لے گئے، پھر اس قصہ کا ذکر کیا، اور میں نے نہیں دیکھا کہ کسی اور نے بھی اس کا نام ذکر کیا ہو، پس اگر یہ قصہ محفوظ ہے تو یہ قیس بن ابی حازم کے علاوہ کوئی اور شخص ہے جو المخضر مین میں سے ہیں، کیونکہ جن کا یہ قصہ ہے وہ تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں فوت ہو گئے تھے اور قیس نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حالتِ اسلام میں نہیں دیکھا اور ان کے لیے صحبت نہیں ہے لیکن وہ آپ کی حیات میں مسلمان ہو گئے تھے اور ان کے والد صحابی ہیں اور وہ آپ کے بعد بڑے عرصہ تک زندہ رہے۔

(فتح الباری ج ۴ ص ۷۲۹، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۴۷۱- حَدَّثَنَا ابْنُ سَلَامٍ أَخْبَرَنَا هُشَيْمٌ عَنْ حُصَيْنٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ عَنْ أَبِيهِ حِينَ نَامُوا عَنِ الصَّلَاةِ قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم إِنَّ اللهَ قَبَضَ أَرْوَاحَكُمْ حِينَ شَاءَ وَرَدَّهَا حِينَ شَاءَ فَقَضَوْا حَوَائِجَهُمْ وَتَوَضَّئُوا إِلَى أَنْ طَلَعَتِ الشَّمْسُ وَابْيَضَّتْ فَقَامَ فَصَلَّى۔

(صحیح البخاری: ۵۹۵، ۷۴۷۱، سنن نسائی: ۸۴۶)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابن سلام نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں ہشیم نے خبر دی از حصین از عبداللہ بن ابی قتادہ از والد خود، وہ بیان کرتے ہیں کہ جب صحابہ نماز کے وقت سو گئے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہاری روحوں کو جب چاہتا ہے قبض کر لیتا ہے اور جب چاہتا ہے لوٹا دیتا ہے، پس صحابہ اپنی قضائے حاجات سے فارغ ہوئے اور انہوں نے وضو کیا یہاں تک کہ سورج طلوع ہو گیا اور سفید ہو گیا، پس آپ نے کھڑے ہو کر نماز پڑھائی۔

صحیح البخاری: ۷۴۷۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کس سفر کے موقع پر یہ فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری روحوں کو قبض کر لیا ہے، اس کے متعلق متعدد روایات

اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے تمہاری روحوں کو قبض کر لیا''۔

یہ قول نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے سفروں میں سے کسی سفر میں فرمایا تھا اور اس سفر کے متعلق اختلاف ہے، پس صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب آپ خیبر سے واپس آ رہے تھے اور سنن ابوداؤد میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب آپ حدیبیہ کے سفر میں تھے، ایک رات نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حدیبیہ سے آئے

اور ایک مقام پر ٹھہرے تو آپ نے فرمایا: ''کون ہماری حفاظت کرے گا؟'' حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کہا: میں حفاظت کروں گا۔۔۔الحدیث

اور زید بن اسلم کی مرسل روایت میں مذکور ہے جس کی امام مالک نے الموطا میں روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے راستہ میں ایک مرتبہ رات کے آخری حصہ میں ٹھہرے اور اسی طرح عطاء بن یسار نے مرسلاً امام عبدالرزاق سے روایت کی ہے کہ یہ واقعہ تبوک کے راستہ میں ہوا۔

روح اور نفس واحد ہیں یا دونوں مختلف ہیں

علامہ ابن الملقن نے التوضیح میں لکھا ہے: اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ روح ہی نفس ہے اور یہ اکثر ائمہ کا قول ہے اور ابن حبیب وغیرہ نے کہا: روح نفس کے خلاف ہے، پس روح کا مصداق وہ سانس ہے جس کے بعد زندگی نہیں ہوتی، اور نفس وہ ہے جس سے انسان لذت حاصل کرتا ہے اور اس کو درد ہوتا ہے اور یہ نفس وہ ہے جو انسان کی نیند کے وقت فوت ہو جاتا ہے، تو نیند کی حالت میں جس نفس کو اللہ تعالیٰ قبض کر لیتا ہے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روح فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اس کو نفس فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا (الزمر: ۴۲)

اللہ ہی روحوں کو ان کی موت کے وقت قبض کرتا ہے اور جن روحوں کی موت نہیں آتی ان کو نیند میں (قبض کرتا ہے۔)

جس نماز میں صحابہ سوتے رہ گئے تھے اس کا مصداق

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''صحابہ نماز کے وقت سوتے رہ گئے'' اس سے مراد صبح کی نماز ہے، اس پر قرینہ یہ ہے کہ انہوں نے قضاء حاجات سے فارغ ہونے کے بعد وضو کیا اور سورج بلند ہو چکا تھا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قضا نماز پڑھائی۔ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ ''صحابہ کو نہ بیدار کیا مگر سورج نے''۔ (عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۲۲۲۔ ۲۲۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز قضا ہونے کی حکمتیں

میں کہتا ہوں: اس حدیث میں قضاء نماز کو جماعت کے ساتھ پڑھنے کا ثبوت ہے، اور یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز کا قضا ہونا آپ کی عصمت کے خلاف نہیں ہے بلکہ یہ اس لیے تھا تاکہ آپ کی زندگی میں قضاء نماز کو ادا کرنے کا نمونہ ہو، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز اس لیے قضاء ہوگئی کہ آپ نیند کی حالت میں اللہ تعالیٰ کی تجلیات کے مشاہدہ میں مشغول تھے، اس لیے نماز کے وقت کی طرف آپ کی توجہ نہ رہی اور اللہ تعالیٰ کی اس میں یہ حکمت تھی کہ آپ کی زندگی میں قضاء نماز کو ادا کرنے کا نمونہ ہو تاکہ اگر ہم سے کبھی نماز قضا ہو جائے اور ہم اس کو وقت کے بعد ادا کریں تو ہمیں اس میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرنے کا ثواب مل جائے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۷۴۷۲۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ قَزَعَةَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ وَالْأَعْرَجِ ح وَ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنِي أَخِي عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن قزعہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم نے حدیث بیان کی از ابن شہاب از ابی سلمہ اور الاعرج، ح اور ہمیں

عَتِيقٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَسَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ اسْتَبَّ رَجُلٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَرَجُلٌ مِنَ الْيَهُودِ فَقَالَ الْمُسْلِمُ وَالَّذِي اصْطَفَى مُحَمَّدًا عَلَى الْعَالَمِينَ فِي قَسَمٍ يُقْسِمُ بِهِ فَقَالَ الْيَهُودِيُّ وَالَّذِي اصْطَفَى مُوسَى عَلَى الْعَالَمِينَ فَرَفَعَ الْمُسْلِمُ يَدَهُ عِنْدَ ذَلِكَ فَلَطَمَ الْيَهُودِيَّ فَذَهَبَ الْيَهُودِيُّ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَأَخْبَرَهُ بِالَّذِي كَانَ مِنْ أَمْرِهِ وَأَمْرِ الْمُسْلِمِ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَا تُخَيِّرُونِي عَلَى مُوسَى فَإِنَّ النَّاسَ يَصْعَقُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَكُونُ أَوَّلَ مَنْ يُفِيقُ فَإِذَا مُوسَى بَاطِشٌ بِجَانِبِ الْعَرْشِ فَلَا أَدْرِي أَكَانَ فِيمَنْ صَعِقَ فَأَفَاقَ قَبْلِي أَوْ كَانَ مِمَّنِ اسْتَثْنَى اللهُ۔

اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے میرے بھائی نے حدیث بیان کی از سلیمان از محمد بن ابی عتیق از ابن شہاب از ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن اور سعید بن المسیب، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ مسلمانوں میں سے ایک مرد اور یہود میں سے ایک مرد نے ایک دوسرے کی مذمت کی، پس مسلمان نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے (سیدنا) محمد (ﷺ) کو تمام جہانوں پر فضیلت دی، یہ اس نے اس قسم کے ساتھ کہا جس کے ساتھ قسم کھائی جاتی ہے، پھر یہودی نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تمام جہانوں پر فضیلت دی، پس مسلمان نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور اس یہودی کو ایک تھپڑ مارا، پس یہودی رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا اور آپ کو خبر دی جو اس کے اور مسلمان کے درمیان جھگڑا ہوا، تو نبی ﷺ نے فرمایا: مجھے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت نہ دو، کیونکہ قیامت کے دن لوگ بے ہوش ہوں گے، پس میں سب سے پہلے ہوش میں آؤں گا تو اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام عرش کی ایک جانب کو پکڑے کھڑے ہوں گے، سو میں از خود نہیں جانتا آیا وہ ان لوگوں میں سے تھے جو بے ہوش ہو گئے تھے اور مجھ سے پہلے ہوش میں آ گئے؟ یا ان لوگوں میں سے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے بے ہوشی سے مستثنیٰ رکھا۔

(صحیح البخاری: ۲۴۱۱، ۳۴۰۸، ۳۴۱۴، ۳۴۷۶، ۴۸۱۳، ۵۰۶۲، ۶۵۱۷، ۶۵۱۸، ۷۴۲۸، ۷۴۷۲، صحیح مسلم: ۲۳۷۳، سنن ترمذی: ۳۲۴۵، سنن ابوداؤد: ۴۶۷۱، مسند احمد: ۷۵۳۲)

صحیح البخاری: ۷۴۷۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے الفاظ کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "یا حضرت موسیٰ علیہ السلام ان لوگوں میں سے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے بے ہوشی سے مستثنیٰ رکھا"۔ حدیث کے اس جملہ سے اس آیت کی طرف اشارہ ہے:

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَآءَ اللهُ ۖ ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ أُخْرٰى فَإِذَا هُمْ

اور صور میں پھونکا جائے گا تو آسمانوں اور زمینوں والے سب ہلاک ہو جائیں گے، ماسوا ان کے جن کو اللہ چاہے، پھر دوبارہ صور میں

قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ﴿٦٨﴾ (الزمر:٦٨) پھونکا جائے گا تو اچانک وہ سب کھڑے ہوکر دیکھنے لگیں گے O

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی افضلیت سے منع کرنے کی توجیہ

اس حدیث میں مذکور ہے "لا تخیّرونی" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خیر اور افضل قرار نہ دو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد بطور تواضع فرمایا یا جب آپ نے یہ فرمایا، اس وقت آپ کو یہ علم نہیں تھا کہ آپ تمام اولادِ آدم کے سردار ہیں، یا اس کا محمل یہ ہے کہ مجھے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس طرح خیر اور افضل نہ قرار دو جو کسی جھگڑے تک پہنچائے یا مجھے اس طرح ان سے افضل نہ قرار دو جس سے ان کا نقص لازم آئے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "یصعقون" یہ صعق سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے لوگ بے ہوش ہوجائیں گے یا لوگ ہلاک ہوجائیں گے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "باطش" یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام پوری قوت کے ساتھ عرش کو پکڑے ہوئے ہوں گے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے مطلقاً افضل ہوں کیونکہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فضیلت جزوی ہے اور فضیلتِ جزوی افضلیت علی الاطلاق کو مستلزم نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۲۲۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۴۷۳۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ أَبِي عِيسَى أَخْبَرَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضي الله عنه قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم الْمَدِينَةُ يَأْتِيهَا الدَّجَّالُ فَيَجِدُ الْمَلَائِكَةَ يَحْرُسُونَهَا فَلَا يَقْرَبُهَا الدَّجَّالُ وَلَا الطَّاعُونُ إِنْ شَاءَ اللهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق بن ابی عیسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یزید بن ہارون نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے خبر دی از قتادہ از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مدینہ میں دجال آئے گا، پس وہ دیکھے گا کہ ملائکہ مدینہ کی حفاظت کر رہے ہیں، پس دجال مدینہ کے قریب نہیں ہوسکے گا اور نہ طاعون ان شاء اللہ۔

(صحیح البخاری: ۱۳۴۴،۷۴۷۳، سنن ترمذی: ۲۲۴۲، مسند احمد: ۱۱۸۳۵)

صحیح البخاری: ۷۴۷۳، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مدینہ منورہ کو دجال اور طاعون سے محفوظ رکھنے کا سبب

اس حدیث میں مذکور ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ان شاء اللہ مدینہ میں دجال اور طاعون داخل نہیں ہوگا"، ان شاء اللہ عموماً شک کے موقع پر کہا جاتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کے متعلق کوئی شک نہیں تھا، پھر انہوں نے ان شاء اللہ اپنی امت کو ادب کی تعلیم دینے کے لیے فرمایا اور اپنی امت کو مدینہ میں رہنے پر برانگیختہ کرنے کے لیے فرمایا تا کہ وہ دین میں فتنہ سے محفوظ رہیں، کیونکہ مدینہ منورہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کی اصل ہے، پس اللہ تعالیٰ اس گھر میں رہنے والوں کو دجال اور اس کے فتنہ سے

اور طاعون کی بیماری سے محفوظ رکھے گا تا کہ اس شہر کے رہنے والے فتنہ کبریٰ یعنی کفر سے محفوظ رہیں، اسی وجہ سے وہاں کے رہنے والوں کو طاعون کی بیماری سے جڑ سے نہیں اکھاڑے گا اور طاعون کی بیماری سے بنی اسرائیل کو عذاب دیا جاتا تھا۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۳ ص ۳۹۸، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۷۴۷۳ کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مدینہ کی دجال اور طاعون سے حفاظت پر دیگر احادیث

قاضی عیاض نے کہا ہے: اس حدیث میں اہل سنت کی اس پر دلیل ہے کہ دجال موجود ہے اور امام احمد اور امام حاکم نے مدینہ کے ذکر میں یہ حدیث روایت کی ہے کہ مدینہ میں دجال ان شاء اللہ داخل نہیں ہوگا جب بھی دجال مدینہ میں داخل ہونے کا ارادہ کرے گا تو اس کو ہر دروازہ سے ایک فرشتہ ملے گا جو تلوار سونتے ہوئے ہوگا اور اس کو مدینہ میں داخل ہونے سے منع کرے گا یا روکے گا۔ (مسند احمد: ۱۲۵۱۷، المستدرک ج ۴ ص ۴۷۴)

نیز امام حاکم نے حضرت سعد بن مالک رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ دونوں کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! اہلِ مدینہ کے لیے برکت نازل فرما۔۔۔ الحدیث، اور اس حدیث میں مذکور ہے: "سنو! فرشتوں نے مدینہ کو گھیرا ہوا ہے اور اس کے ہر دروازے پر دو فرشتے ہیں، ان میں سے ایک فرشتہ تلوار سونتے ہوئے ہوگا اور دوسرے کی تلوار میان میں ہوگی جو مدینہ کی حفاظت کرتے ہیں، مدینہ میں نہ طاعون داخل ہوگا اور نہ دجال"۔ (المستدرک ج ۴ ص ۵۸۵)

علامہ ابن العربی نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ان شاء اللہ فرمایا ہے یہ تبرک کے لیے فرمایا، یا اس کو اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف فرمایا ہے، یعنی مدینہ کی طاعون سے حفاظت کو اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف فرمایا ہے۔

شیخ ابن عثیمین نے کہا ہے: زیادہ ظاہر یہ ہے کہ آپ نے تبرک اور تحقیق کے لیے فرمایا ہے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۸ ص ۵۰۳، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۷۴۷۴۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ حَدَّثَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ فَأُرِيدُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ أَنْ أَخْتَبِئَ دَعْوَتِي شَفَاعَةً لِأُمَّتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے حدیث بیان کی، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی کے لیے ایک دعا ہوتی ہے، پس میں ارادہ کرتا ہوں ان شاء اللہ کہ اپنی اس دعا کو قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت کرنے کے لیے چھپا کر رکھوں گا۔

(صحیح البخاری: ۶۳۰۴، ۷۴۷۴، صحیح مسلم: ۱۹۸، سنن ترمذی: ۳۶۰۲، سنن ابن ماجہ: ۴۳۰۷، مسند احمد: ۷۶۵۷، موطا امام مالک: ۴۹۲، سنن دارمی: ۲۸۰۵)

اس حدیث اور حدیثِ سابق کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت لفظِ ان شاء اللہ کہنے میں ہے۔

علامہ شہاب الدین ابو العباس احمد القسطلانی التوفی ۹۱۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس دعا سے وہ دعا مراد ہے جس کا قبول ہونا قطعی تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چاہا کہ جس دعا کا قبول ہونا قطعی ہے میں اس دعا کو قیامت کے لیے بچا کر رکھوں گا تا کہ اس دن اپنی امت کی شفاعت کروں، اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہماری طرف سے اور تمام امت کی طرف سے بہترین جزا عطا فرمائے کہ آپ نے ہمارا خیال رکھا ہے۔ (ارشاد الساری ج ۱۵ ص ۵۱۶، دار الفکر، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۷۴۷۴ کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی التوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قیامت کی اس دعا کے قطعاً قبول ہونے کی توجیہ

اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنی امت کے اوپر یہ فضل ہے کہ آپ نے اپنی قطعاً قبول ہونے والی دعا کو قیامت کے دن اس امت کی شفاعت کے لیے چھپا کر رکھا۔

یہاں پر یہ سوال ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہ کثرت دعائیں ہیں جو قبول کی گئیں، تو کیا یہ حدیث ان احادیث کے منافی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ان کے منافی نہیں ہے، کیونکہ ہر چند کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باقی دعائیں بھی قبول ہوئیں لیکن ان دعاؤں کے مقبول ہونے کی ضمانت نہیں دی گئی اور اس دعا کے مقبول ہونے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ضمانت دی گئی تھی، تمام لوگ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں اور ان کی دعائیں قبول ہوتی ہیں حالانکہ ان کا مرتبہ انبیاء علیہم السلام سے کم ہوتا ہے لیکن کسی کو بھی دعا کے قبول ہونے کی ضمانت نہیں دی جاتی اور ایک دعا کے قبول ہونے کی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ضمانت دی گئی تھی۔

(شرح صحیح البخاری ج ۸ ص ۵۰۳، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

اگر نبی کی کوئی دعا اللہ تعالیٰ کی حکمت میں نہ ہو تو اللہ تعالیٰ نبی کو اس دعا سے منع فرما دیتا ہے

ایک حدیث میں مذکور ہے "کل نبی یجاب" ہر نبی کی دعا قبول ہوتی ہے (سنن ترمذی: ۲۱۵۴)، لیکن ان کو اس دعا کے قبول ہونے کی ضمانت نہیں دی جاتی، نیز اللہ تعالیٰ اگر اپنے کسی نبی کی دعا کو قبول نہ کرنا چاہے تو نبی کو اس دعا کے کرنے سے روک دیتا ہے اور منع فرما دیتا ہے، اور یہ نہیں ہوتا کہ نبی دعا کرے اور اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو قبول نہ کرے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۗ اِنِّيْۤ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝ (ہود: ۴۶)

(اللہ تعالیٰ نے) فرمایا: اے نوح! وہ آپ کے اہل سے نہیں ہے، بے شک اس کے نیک کام نہیں ہیں تو آپ مجھ سے اس چیز کا سوال نہ کریں جس کا آپ کو علم نہیں ہے، بے شک میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں (تاکہ) آپ نادانوں میں سے نہ ہو جائیں O

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو عذاب سے بچانے کے لیے دعا نہیں کی تھی لیکن ایسا موقع تھا کہ آپ اپنے بیٹے کو عذاب سے بچانے کے لیے دعا کرتے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس دعا کے کرنے سے منع فرما دیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ اپنے

نبیوں اور رسولوں کی دعاؤں کو مسترد فرمادے اور جس دعا کی مقبولیت اس کی حکمت میں نہ ہو تو اللہ تعالیٰ ان کو اس دعا کے کرنے سے منع فرمادیتا ہے جیسے حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس دعا سے منع فرمادیا ورنہ ہر نبی کی دعا قبول ہوتی ہے۔

اسی طرح مسند احمد کی یہ حدیث ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سفر میں چاشت کی نماز آٹھ رکعات پڑھیں، جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا: میں نے نماز پڑھی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت اور اس سے ڈرنے کی تھی، میں نے اپنے رب سے تین چیزوں کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے دو چیزیں عطا فرمادیں اور ایک چیز سے مجھے منع فرمادیا، میں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ وہ میری امت کو قحط سالی میں مبتلا نہ کرے تو اللہ تعالیٰ نے ایسا کردیا، اور میں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ میری امت کے اوپر ان کا دشمن غالب نہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے ایسا کردیا اور میں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ میری امت مختلف فرقوں میں تقسیم نہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اس دعا سے روک دیا۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۱۴۶، السنن الکبریٰ للنسائی ج ۱ ص ۲۴۲، صحیح ابن خزیمہ: ۱۲۲۸، حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۳۲۶، المستدرک للحاکم ج ۱ ص ۳۱۴)

اس حدیث میں جو مذکور ہے کہ "میری امت قحط سالی میں مبتلا نہ ہو" اس کا محمل یہ ہے کہ ساری امت قحط سالی سے ہلاک ہوجائے ورنہ اس امت پر قحط سالیاں تو آئی ہیں اور اب اپریل 2014ء میں تھرپارکر میں قحط آیا ہوا ہے۔

نیز اس حدیث میں جو مذکور ہے کہ "میری امت پر دشمن غالب نہ ہو" اس کا محمل یہ ہے کہ میری پوری امت دشمن سے مغلوب ہوجائے اور ایسا کبھی نہیں ہوا ورنہ جزوی طور پر تو دشمن کا مسلم اقوام پر غلبہ رہا ہے جیسے فلسطین پر اسرائیل کا غلبہ ہے، برصغیر پر برطانیہ کا غلبہ رہا، کشمیر پر ہندوستان کا قبضہ ہے اور عراق پر امریکہ کا غلبہ رہا اور روس کا کئی مسلم ریاستوں پر غلبہ رہا ہے لیکن ایسا نہیں ہوا کہ تمام مسلم امت پر دشمن غالب ہوگیا ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ جو دعا اللہ تعالیٰ کی حکمت میں نہیں ہوتی اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو اس دعا کے کرنے سے روک دیتا ہے اور منع فرمادیتا ہے اور یہ نہیں کرتا کہ اپنے نبی کی دعا کو مسترد کردے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۷۴۷۵۔ حَدَّثَنَا يَسَرَةُ بْنُ صَفْوَانَ بْنِ جَمِيلٍ اللَّخْمِيُّ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ رَأَيْتُنِي عَلَى قَلِيبٍ فَنَزَعْتُ مَا شَاءَ اللهُ أَنْ أَنْزِعَ ثُمَّ أَخَذَهَا ابْنُ أَبِي قُحَافَةَ فَنَزَعَ ذَنُوبًا أَوْ ذَنُوبَيْنِ وَفِي نَزْعِهِ ضَعْفٌ وَاللهُ يَغْفِرُ لَهُ ثُمَّ أَخَذَهَا عُمَرُ فَاسْتَحَالَتْ غَرْبًا فَلَمْ أَرَ عَبْقَرِيًّا مِنَ النَّاسِ يَفْرِي فَرِيَّهُ حَتَّى ضَرَبَ النَّاسُ حَوْلَهُ بِعَطَنٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یسرہ بن صفوان بن جمیل اللخمی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم بن سعد نے حدیث بیان کی از الزہری از سعید بن المسیب از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس وقت میں سویا ہوا تھا میں نے اپنے آپ کو ایک کنویں میں دیکھا، پس میں نے اس کنویں سے پانی نکالا جتنا اللہ تعالیٰ نے چاہا، پھر ابن ابی قحافہ (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ) نے یہ ڈول لے لیا اور ایک ڈول یا دو ڈول پانی نکالا اور ان کے نکالنے میں ضعف تھا اور اللہ ان کی مغفرت فرمائے، اس ڈول کو عمر نے لے لیا

پس وہ ڈول چھوٹے ڈول کے بجائے بڑا ڈول ہوگیا، پس میں نے کسی قوی و بہادر کو اس طرح ڈول پر ڈول نکالتے نہیں دیکھا، یہاں تک کہ لوگوں نے ان کے چاروں طرف مویشیوں کے لیے باڑیں بنالیں۔

(صحیح البخاری: ۳۶۶۴، ۳۶۷۶، ۷۰۲۱، ۷۰۲۲، ۷۴۷۵، صحیح مسلم: ۲۳۹۲، مسند احمد: ۸۵۹۰)

علامہ شہاب الدین ابو العباس احمد القسطلانی المتوفی ۹۱۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا کم پانی نکالنا دیکھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زیادہ پانی نکالنا دیکھا اس سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی شان میں کمی مراد نہیں ہے

اس حدیث میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت کی مثال ہے اور لوگوں کے ان سے نفع اٹھانے کی مثال ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم صاحب امر تھے اور آپ نے اپنی مدتِ حیات میں قواعدِ اسلام کو مقرر کیا اور اسلام کی بنیاد رکھی اور اسلام کے اصول اور فروع کی وضاحت کی، پھر آپ کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بطورِ خلیفہ مقرر ہوئے اور انہوں نے مرتدین کی جڑ کاٹ دی پھر ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے اور انہوں نے اپنے زمانہ خلافت میں اسلام کو بہت وسعت دی، پس مسلمانوں کے معاملات کو کنویں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ کنویں میں جو پانی ہے اس سے لوگوں کی حیات ہوتی ہے، اور مسلمانوں کے امیر کو کنویں سے پانی نکالنے والے کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے متعلق جو فرمایا ہے کہ ان کے پانی نکالنے میں کچھ ضعف تھا اس سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مرتبہ میں کمی مراد نہیں ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جو ترجیح بیان فرمائی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کا زمانہ خلافت کم تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ خلافت زیادہ تھا اور لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ نفع اٹھایا اور اسلامی شہروں میں وسعت ہوئی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے یہ کلامِ عرب کے مطابق ہے اور اس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تنقیص کی طرف اشارہ نہیں ہے اور نہ ان کے کسی گناہ کی طرف اشارہ ہے۔

(ارشاد الساری ج ۱۵ ص ۵۱۶۔۵۱۷، دار الفکر، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۷۴۷۵ کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

کنویں سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے کم پانی نکالنے کی توجیہ

اس حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت سے زیادہ فتوحات ہوئیں کیونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مرتدین کے ساتھ جنگ میں مشغول تھے اور ملک کے داخلی معاملات میں مشغول رہے اور ان کے زمانہ میں اتنی فتوحات نہیں ہو سکیں جتنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں فتوحات ہوئی تھیں اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے تاکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر کوئی شخص ملامت نہ کرے اور بہ ظاہر اس نقص کا ازالہ ہو جائے جس کا نبی

صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر فرمایا۔

اس حدیث میں الغرب کا ذکر ہے، اس سے مراد ہے بڑا ڈول۔

نیز اس حدیث میں العبقری کا ذکر ہے، العبقری کا معنی ہے الجید القوی، یعنی جو عام لوگوں کی بہ نسبت غیر معمولی کام کرتا ہو۔ (شرح صحیح البخاری ج ۸ ص ۵۰۴، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۷۴۷۶۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدٍ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم إِذَا أَتَاهُ السَّائِلُ وَرُبَّمَا قَالَ جَاءَهُ السَّائِلُ أَوْ صَاحِبُ الْحَاجَةِ قَالَ اشْفَعُوا فَلْتُؤْجَرُوا وَيَقْضِي اللّٰهُ عَلَى لِسَانِ رَسُولِهِ مَا شَاءَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن العلاء نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو اسامہ نے حدیث بیان کی از برید از ابی بردہ از حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی سائل آتا اور بسا اوقات انہوں نے کہا: جب آپ کے پاس کوئی سائل آتا یا کوئی ضرورت مند آتا تو آپ فرماتے: اس کی سفارش کرو پس تم کو اجر دیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی زبان پر جو چاہتا ہے وہ فیصلہ فرماتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۱۴۳۲، ۶۰۲۷، ۶۰۲۸، ۷۴۷۶، صحیح مسلم: ۲۶۲۷، سنن نسائی: ۲۵۵۶، سنن ابوداؤد: ۵۱۳۱، مسند احمد: ۱۹۰۸۷)

علامہ شہاب الدین ابو العباس احمد القسطلانی المتوفی ۹۱۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے فیصلہ کا محمل

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ صحابہ حضور سے سفارش کریں اور اجر پائیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ جو وحی نازل فرمائے گا آپ اس کے مطابق ان کی سفارش کے متعلق فیصلہ فرمائیں گے، یا اللہ تعالیٰ آپ کو الہام فرمائے گا اور آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ عنقریب کیا ہوگا اس کے متعلق آپ سفارش فرمائیں گے۔ (ارشاد الساری ج ۱۵ ص ۵۱۷، دار الفکر، ۱۴۲۱ھ)

سفارش کے مطابق عمل کا ضروری نہ ہونا

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ جس کے متعلق سفارش کی جائے اس کو منظور کر لیا جائے، کیونکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت مغیث رضی اللہ عنہ کو حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے فراق میں بہت زیادہ رنج میں روتے ہوئے دیکھا تو آپ نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا سے سفارش کی کہ تم اس سے نکاح کر لو، حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے کہا: کیا آپ کا یہ حکم ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں میں سفارش کرتا ہوں، حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے کہا: پھر نہیں، اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی رنج اور ملال نہیں ہوا، اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی کی سفارش رد کر دی جائے تو اس کو ملول خاطر نہیں ہونا چاہیے۔ (سعیدی غفرلہ)

صحیح البخاری: ۷۴۷۶ کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

سفارش قبول کرنے اور قبول نہ کرنے کا محل

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ سفارش کے مطابق عمل کرنا ضروری نہیں ہے اور سفارش اس وقت قبول کرنی چاہیے جب یہ معلوم ہو کہ اس سے عام لوگوں کو یا کسی خاص شخص کو ضرر نہیں ہوگا مثلاً کوئی سگریٹ نوش سگریٹ کی طلب میں کسی شخص سے پیسے مانگے تو دوسرا شخص اس کے لیے سفارش نہ کرے کیونکہ اس کے سگریٹ پینے سے اس کو بھی ضرر ہوگا اور اس کے دھویں سے دوسرے لوگوں کو بھی ضرر ہوگا، اسی طرح کوئی شخص کسی منصب کے لیے سفارش کرے اور جس کے لیے سفارش کرے وہ شخص عادتاً حرام خور ہو تو یہ خطرہ ہے کہ وہ اس منصب سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اور رشوت وغیرہ لے کرنا جائز اور غلط کام کرے گا تو ایسے شخص کی سفارش نہ قبول کی جائے اور جو شخص نیک اور صالح ہو اور اس سے کسی قسم کے غلط کام کا خطرہ نہ ہو تو اس کے لیے سفارش کرنا مستحب ہے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۸ ص ۵۰۴، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۷۴۷۷۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ هَمَّامٍ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَا يَقُلْ أَحَدُكُمُ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي إِنْ شِئْتَ ارْحَمْنِي إِنْ شِئْتَ ارْزُقْنِي إِنْ شِئْتَ وَلْيَعْزِمْ مَسْأَلَتَهُ إِنَّهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ لَا مُكْرِهَ لَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرزاق نے حدیث بیان کی از معمر از ہمام، وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص یہ نہ کہے: اے اللہ اگر تو چاہے تو مجھے بخش دے، اے اللہ! تو اگر چاہے تو مجھ پر رحم فرما، اے اللہ! تو اگر چاہے تو مجھ کو رزق عطا فرما، اور بندہ کو چاہیے کہ پورے وثوق کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے سوال کرے اور بے شک اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے اسے کوئی مجبور کرنے والا نہیں ہے۔

(صحیح البخاری: ۶۳۳۹، ۷۴۷۷، صحیح مسلم: ۲۶۷۹، سنن ترمذی: ۳۴۹۷، سنن ابوداؤد: ۱۴۸۳، مسند احمد: ۲۷۲۷، موطا امام مالک: ۴۹۴)

علامہ شہاب الدین ابوالعباس احمد القسطلانی المتوفی ۹۱۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ سے جزم اور عزم کے ساتھ دعا کی جائے

بندہ جب اللہ تعالیٰ سے اس طرح دعا کرے گا کہ اگر تو چاہے تو مجھے رزق دے، تو چاہے تو میری مغفرت فرما، تو چاہے تو مجھ پر رحم فرما، تو اس انداز سے دعا کرنے سے یہ ظاہر ہوگا کہ بندہ کو اللہ تعالیٰ کی احتیاج نہیں ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے بے پرواہ ہے۔ بندہ بے نیاز اور بے پرواہ تو تبھی ہوسکتا ہے جب اس کو یہ یقین ہو کہ اگر اللہ تعالیٰ نہیں دے گا تو وہ کسی اور سے لے لے گا لیکن جب بندہ کو یہ یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دینے والا نہیں ہے تو وہ اس طرح دعا نہیں کرے گا بلکہ بندہ کا تو یہ عقیدہ ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ دے یا نہ دے میں تو اسی سے مانگتا رہوں گا، کیونکہ میرے لیے اس کے سوا اور کوئی دینے والا نہیں ہے اگر اس در سے مجھے مسترد کر دیا جائے تو کوئی اور در نہیں ہے جہاں جا کر میں سوال کروں، اس لیے بندہ کو چاہیے کہ وہ پورے یقین اور عزم کے ساتھ اور حسنِ ظن کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ کریم ہے اور جب بندے اس سے گڑگڑا کر دعا کریں تو وہ رد نہیں فرماتا،

قرآن مجید میں ہے:

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً (الاعراف:۵۵) تم اپنے رب کو گڑگڑا کر اور چپکے چپکے پکارو۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ادْعُوْنِیْۤ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (المومن:۶۰) تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا کو قبول فرماؤں گا۔

امام ابوداؤد اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک تمہارا رب تبارک وتعالیٰ حیاء دار کریم ہے، جب بندہ اس کی طرف اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے تو ان ہاتھوں کو خالی لوٹانے سے حیاء فرماتا ہے۔ (سنن ابوداؤد:۱۴۸۸، سنن ترمذی:۳۵۵۶، سنن ابن ماجہ:۳۸۶۵، مسند احمد ج۶ ص ۳۲۴)

ہاں اگر کسی نے دعا کے بعد تبرک کے لیے ان شاء اللہ کہا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(ارشاد الساری ج ۱۵ ص ۵۱۸، مع اضافۃ المصنف، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۴۷۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا أَبُو حَفْصٍ عَمْرٌو حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ حَدَّثَنِي ابْنُ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما أَنَّهُ تَمَارَى هُوَ وَالْحُرُّ بْنُ قَيْسِ بْنِ حِصْنٍ الْفَزَارِيُّ فِي صَاحِبِ مُوسَى أَهُوَ خَضِرٌ فَمَرَّ بِهِمَا أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ الْأَنْصَارِيُّ فَدَعَاهُ ابْنُ عَبَّاسٍ فَقَالَ إِنِّي تَمَارَيْتُ أَنَا وَصَاحِبِي هٰذَا فِي صَاحِبِ مُوسَى الَّذِي سَأَلَ السَّبِيلَ إِلَى لُقِيِّهِ هَلْ سَمِعْتَ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَذْكُرُ شَأْنَهُ قَالَ نَعَمْ إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ بَيْنَا مُوسَى فِي مَلَإٍ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ إِذْ جَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ هَلْ تَعْلَمُ أَحَدًا أَعْلَمَ مِنْكَ فَقَالَ مُوسَى لَا فَأُوحِيَ إِلَى مُوسَى بَلَى عَبْدُنَا خَضِرٌ فَسَأَلَ مُوسَى السَّبِيلَ إِلَى لُقِيِّهِ فَجَعَلَ اللهُ لَهُ الْحُوتَ آيَةً وَقِيلَ لَهُ إِذَا فَقَدْتَ الْحُوتَ فَارْجِعْ فَإِنَّكَ سَتَلْقَاهُ فَكَانَ مُوسَى يَتْبَعُ أَثَرَ الْحُوتِ فِي الْبَحْرِ فَقَالَ فَتَى مُوسَى لِمُوسَى ﴿أَرَأَيْتَ إِذْ أَوَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِنِّي نَسِيتُ الْحُوتَ وَمَا أَنْسَانِيهُ إِلَّا الشَّيْطٰنُ أَنْ أَذْكُرَهُ﴾ قَالَ مُوسَى ﴿ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ فَارْتَدَّا عَلَى

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوحفص عمرو نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاوزاعی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابن شہاب نے حدیث بیان کی از عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ ان کا اور حُر بن قیس بن حصن الفزاری کا اس میں مباحثہ ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صاحب کون تھے کیا وہ حضرت خضر تھے؟ پس ان دونوں کے پاس سے حضرت ابی بن کعب الانصاری رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا، سو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کو بلایا، پس انہوں نے کہا: بے شک میرا اور میرے اس ساتھی کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس صاحب کے متعلق مباحثہ ہوا ہے جس سے ان کے ساتھ ملاقات کا سوال کیا تھا، کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے اس کے متعلق کچھ ذکر فرمایا؟ انہوں نے کہا: ہاں! بے شک میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی ایک جماعت میں تھے اس وقت ان کے پاس ایک مرد آیا، پس اس نے کہا: کیا آپ کو علم ہے کہ کوئی شخص آپ سے زیادہ علم والا ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: نہیں! پس حضرت موسیٰ

آثَارِهِمَا قَصَصًا ۝ فَوَجَدَا﴾ خَضِرًا وَكَانَ مِنْ شَأْنِهِمَا مَا قَصَّ اللَّهُ۔

علیہ السلام کی طرف وحی کی گئی: کیوں نہیں! ہمارا بندہ خضر ہے، پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے ملاقات کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو نشانی بنادیا اور ان سے کہا گیا: جب آپ مچھلی کو گم پائیں تو واپس جائیں، پس بے شک عنقریب آپ ان سے ملاقات کریں گے، پس حضرت موسیٰ علیہ السلام مچھلی کے نشان کو سمندر میں تلاش کرتے رہے، سو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے شاگرد نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا:

''بھلا دیکھئے جب ہم اس چٹان کے پاس آ کر ٹھہرے تھے تو بے شک میں مچھلی کا ذکر کرنا بھول گیا تھا، اور اس مچھلی کا ذکر کرنا مجھے شیطان نے ہی بھلایا تھا'' (الکہف: ۶۳)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

''یہی تو وہ چیز ہے جس کو ہم ڈھونڈ رہے تھے تو وہ دونوں اپنے قدموں کے نشانوں کی پیروی کرتے ہوئے پیچھے لوٹے''۔

(الکہف: ۶۴)

پس ان دونوں نے حضرت خضر کو پالیا پھر ان کی شان سے وہ معاملہ ہوا جس کا اللہ تعالیٰ نے قصہ بیان فرمایا ہے۔

(صحیح البخاری: ۷۴، ۷۸، ۱۲۲، ۲۲۶۷، ۲۷۲۸، ۳۲۷۸، ۳۴۰۰، ۳۴۰۱، ۴۷۲۵، ۴۷۲۶، ۴۷۲۷، ۶۶۷۲، ۷۴۷۸، صحیح مسلم: ۲۳۸۰، سنن ترمذی: ۳۱۴۹، مسند احمد: ۲۰۶۰۶)

علامہ شہاب الدین ابوالعباس احمد القسطلانی المتوفی ۹۱۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ کے معانی

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کا سبب

اس حدیث میں مذکور ہے ''فی ملاء من بنی اسرائیل'' یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے معززین یا ان کے عام لوگوں کی ایک جماعت میں کھڑے ہوئے تھے تو ایک مرد نے آ کر کہا: اے موسیٰ! کیا آپ کے علم میں کوئی ایسا شخص ہے جو آپ سے زیادہ علم والا ہو؟ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: نہیں! یعنی میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جو مجھ سے زیادہ علم والا ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فاوحی'' یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی ''کیوں نہیں! ہمارے بندے خضر ہیں جو آپ سے زیادہ علم والے ہیں، میں نے ان کو غیوب اور حوادثِ قدرت میں سے ان چیزوں کا علم عطا کیا ہے جن کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی بغیر بتلائے نہیں جانتے ہیں''۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فسال موسیٰ السبیل ''یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر سے ملاقات کے راستہ کا سوال کیا۔
اس حدیث میں مذکور ہے ''فجعل اللہ لہ الحوت آیۃ ''یعنی اللہ تعالیٰ نے ایک مردہ نمکین مچھلی کو علامت بنا دیا اور ان سے کہا گیا: اے موسیٰ! جب تم اس مچھلی کو گم پاؤ تو واپس جانا پس بے شک تم عنقریب خضر سے ملاقات کرو گے۔
اس حدیث میں مذکور ہے ''فکان موسیٰ یتبع اثر الحوت فی البحر ''یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام سمندر میں مچھلی کے نشان کو تلاش کر رہے تھے۔
اس حدیث میں مذکور ہے ''فقال فتی موسیٰ '' تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے شاگرد حضرت یوشع بن نون نے حضرت موسیٰ علیہم السلام سے کہا کہ جب ہم چٹان پر آرام کر رہے تھے یعنی جس چٹان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سو گئے تھے اس وقت وہ مچھلی مضطرب ہوئی اور سمندر میں کود گئی، پس بے شک میں مچھلی کا ذکر کرنا بھول گیا اور اس کا ذکر مجھے صرف شیطان نے بھلایا تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اس مچھلی کے گم ہونے کو تو ہم تلاش کر رہے تھے کیونکہ اس مچھلی کا گم ہونا ہی حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کی علامت تھی، پس وہ دونوں واپس گئے، پس ان دونوں نے حضرت خضر علیہ السلام کو پالیا اور یہ پورا قصہ سورۃ الکہف میں مذکور ہے۔
اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے کہ ''عنقریب آپ ان شاء اللہ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے''۔
(ارشاد الساری ج ۱۵ ص ۵۱۹، دارالفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۷۴۷۸ کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت خضر علیہ السلام کی حیات کے متعلق علماء کی آراء

لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام حیات ہیں، کیا یہ صحیح ہے؟
اس کا جواب یہ ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے، حضرت خضر علیہ السلام زندہ نہیں ہیں جیسا کہ شیخ ابن تیمیہ نے کہا ہے، کیونکہ اگر وہ زندہ ہوتے تو ان پر واجب تھا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے اور آپ پر ایمان لاتے اور آپ کی اتباع کرتے، کیونکہ جس شخص نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے متعلق سنا پھر وہ آپ پر ایمان نہیں لایا تو وہ اصحاب نار میں سے ہوگا۔
سوال: کیا حضرت خضر انبیاء میں سے نبی تھے؟
جواب: صحیح یہ ہے کہ حضرت خضر نبی نہیں تھے لیکن وہ ایسے اللہ کے بندے تھے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے ان کو معلومات پر مطلع فرمایا تھا تاکہ موسیٰ علیہ السلام کو یہ پتا چل جائے کہ وہ روئے زمین میں سب سے زیادہ علم والے نہیں ہیں اور ان کا علم حضرت خضر علیہ السلام سے زیادہ نہیں تھا ہر چند کہ وہ حضرت خضر علیہ السلام سے افضل تھے۔
سوال: الکہف: ۸۲ میں مذکور ہے ''وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ'' (میں نے یہ کام اپنی طرف سے نہیں کیا) تو ہم اس کی کیسے توجیہ کریں گے جب کہ حضرت خضر راجح قول کی بناء پر نبی نہ ہوں؟
جواب: حضرت خضر علیہ السلام پر ان کاموں کے کرنے کا الہام کیا گیا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھی کی طرف الہام کیا ہے، اللہ تعالیٰ

کا ارشاد ہے:

وَ اَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّ مِنَ الشَّجَرِ وَ مِمَّا یَعْرِشُوْنَ ﴿۶۸﴾ (النحل:٦٨)

اور تیرے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں ڈالا کہ وہ پہاڑوں میں، اور درختوں میں اور اونچے چھپروں میں گھر بنائے O

سوال: اللہ تعالیٰ نے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت خضر علیہ السلام کی طرف بھیجا، کیا یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر عتاب تھا کیونکہ انہوں نے کہا تھا کہ وہی روئے زمین میں سب سے بڑے عالم ہیں؟

جواب: ہاں! یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اللہ عزوجل کا عتاب تھا کیونکہ انہوں نے کہا تھا کہ وہ روئے زمین میں سب سے بڑے عالم ہیں۔

سوال: جو شخص یہ کہے کہ حضرت خضر علیہ السلام رسولوں سے افضل ہیں تو کیا اس کو کافر قرار دیا جائے گا؟

جواب: غالی صوفیاء یہ کہتے ہیں کہ اولیاء انبیاء سے افضل ہوتے ہیں اور انبیاء رسولوں سے افضل ہوتے ہیں، کیونکہ رسول خدام ہوتے ہیں اور انبیاء نبوت سے ماخوذ ہوتے ہیں اور نبوت کا معنی ہے بلندی، تو نبی بلند ہوتا ہے اور رسول خادم ہوتا ہے اور خادم اور بلند میں بہت فرق ہوتا ہے۔

اور جو یہ کہتا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام رسولوں سے افضل ہیں وہ جھوٹا ہے۔

سوال: جن علماء نے یہ کہا کہ حضرت خضر علیہ السلام نبی تھے، انہوں نے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے اس ارشاد سے استدلال کیا ہے:

اٰتَیْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَ عَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴿۶۵﴾ (الکہف:٦٥)

جس کو ہم نے اپنے پاس سے رحمت عطا کی تھی اور ہم نے اپنے پاس سے اس کو علم (لدنی) عطا کیا تھا O

نیز حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا ''وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ۔۔۔ (الکہف:٨٢)'' یعنی میں نے یہ کام اپنی طرف سے نہیں کئے بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے کئے ہیں۔

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ہمارے بھائی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر رحمت فرمائے اگر وہ سکوت فرماتے یا اگر وہ صبر فرماتے تو اللہ تعالیٰ ان دونوں کے معاملات میں سے اور امور کا ہم سے قصہ بیان فرماتا۔

جواب: اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام کے پاس علم تھا لیکن یہ تمام علم، علمِ نبوت نہیں تھا، حضرت خضر علیہ السلام کی کوئی امت نہیں تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ نبی ہیں اور نہ حضرت خضر علیہ السلام کا قرآنِ مجید میں انبیاء میں ذکر فرمایا گیا ہے، اور نبوت اپنے ثبوت میں کسی دلیل کی محتاج ہوتی ہے ایسی دلیل جس میں کوئی شک نہ ہو کیونکہ یہ عقیدہ ہے جب کوئی ایسی قوی دلیل ہو تو پھر ہم کہیں گے کہ وہ نبی ہیں اور میں پہلے یہ کہہ چکا ہوں کہ حضرت خضر علیہ السلام کو جو علم تھا وہ الہام تھا اور بسا اوقات اللہ تعالیٰ اس انسان کو جو دلائل کی اتباع کرتا ہے اپنے پاس سے علم عطا فرماتا ہے جو بابِ کرامات میں سے ہے، اور یہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہیں ان پر مدینہ میں ساریہ کو منکشف کر دیا گیا اور ساریہ عراق میں تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر منکشف کر دیا گیا کہ ان کی بیوی کے پیٹ میں ان کی ایک بیٹی ہے اور کبھی اللہ تعالیٰ کسی کو کرامت عطا فرماتا ہے۔ (شرح صحیح البخاری ج ٨ ص ٥٠٥۔٥٠٦، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ١٤٢٩ھ)

حضرت خضر علیہ السلام کے متعلق مصنف کی تحقیق اور شیخ ابن عثیمین پر تعاقب

حضرت خضر علیہ السلام کے متعلق علماء کا اور محققین کا یہ اختلاف ہے کہ وہ اس وقت زندہ ہیں یا نہیں ہیں۔ امام بخاری، حافظ ابن حجر عسقلانی اور مفسرین میں سے اکثر محققین کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام زندہ نہیں ہیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی عمر کے آخری حصہ میں فرمایا تھا "جو لوگ اس وقت روئے زمین پر زندہ ہیں ایک سو سال کے بعد ان میں سے کوئی بھی زندہ نہیں رہے گا" (صحیح البخاری: ۱۱۶، صحیح مسلم: ۲۵۳۷، سنن ترمذی: ۲۲۵۱، سنن ابوداؤد: ۴۳۴۸، مسند احمد: ۵۹۹۲)، اس حدیث سے امام بخاری نے اس پر استدلال کیا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام زندہ نہیں ہیں اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے: اگر حضرت خضر علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں زندہ تھے تو ان پر واجب تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آ کر آپ پر ایمان لاتے اور آپ کی نصرت کرتے اور غزوات میں حصہ لیتے اور آپ کی مدافعت میں جنگ کرتے اور ایسا کچھ بھی منقول نہیں ہے، اور یہ اس کی دلیل ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے وقت زندہ نہیں تھے، اگرچہ بعض صوفیاء سے ایسی حکایات منقول ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوئی لیکن ان میں سے کوئی چیز بھی قطعی نہیں ہے، یہ سب ظنیات ہیں۔

رہا یہ کہ حضرت خضر علیہ السلام نبی تھے یا ولی تھے، اس میں بھی علماء امت کا اختلاف ہے لیکن محققین کے نزدیک حضرت خضر علیہ السلام نبی تھے، کیونکہ حضرت خضر علیہ السلام نے ایک بے قصور لڑکے کو قتل کر دیا تھا اور کسی بے قصور کو قتل کرنا حرام قطعی ہے اور الہام ایک ظنی دلیل ہے اور ظنی دلیل کی بناء پر کسی قطعی حکم کے خلاف کرنا جائز نہیں ہے، اگر الہام کی وجہ سے کسی شخص کا دوسرے کو بے قصور قتل کرنا جائز ہو تو جو شخص چاہے جس کو قتل کر دے اور پھر کہے کہ مجھے الہام ہوا تھا کہ اس کو قتل کر دو، اس سے معلوم ہوا کہ حضرت خضر علیہ السلام نے جو فرمایا "وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ" اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میں نے اپنے الہام سے یہ کام کیا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ کام کیا اور مجھے یہ حکم اللہ تعالیٰ کی وحی سے معلوم ہوا، سو یہ حضرت خضر علیہ السلام کے نبی ہونے پر بہت قوی دلیل ہے، رہا ابن عثیمین کا یہ کہنا کہ اگر حضرت خضر علیہ السلام نبی تھے تو ان کی امت کون تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہر نبی کی امت کا ہونا ضروری نہیں کیونکہ ایسے بھی نبی ہیں جن کے ساتھ امت کا کوئی فرد نہیں ہوگا، حدیث میں ہے:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھ پر امتیں پیش کی گئی تھیں، پس نبی کے پاس اس کی امت گزرتی اور کسی نبی کے ساتھ ایک جماعت ہوتی، اور کسی نبی کے ساتھ دس امتی ہوتے اور کسی نبی کے ساتھ پانچ امتی ہوتے اور کوئی نبی تنہا گزرتا (یعنی اس کے ساتھ کوئی امتی نہ ہوتا)۔ (صحیح البخاری: ۶۵۴۱)

رہا یہ کہ ابن عثیمین نے کہا ہے کہ اگر حضرت خضر علیہ السلام نبی ہوتے تو ان کا اللہ تعالیٰ نبیوں میں ذکر فرماتا حالانکہ قرآن مجید میں نبیوں میں ان کا ذکر نہیں ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کا قرآن مجید میں ذکر نہیں ہے، انبیاء علیہم السلام تو ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں اور قرآن مجید میں تو صرف چند نبیوں کا ذکر ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ (المومن: ۷۸) بے شک ہم نے آپ سے پہلے بھی بہت رسول بھیجے، ہم نے ان میں سے بعض کے قصے آپ کے سامنے بیان کیے اور بعض قصے بیان نہیں کیے۔

لہٰذا شیخ ابن عثیمین نے حضرت خضر علیہ السلام کی نبوت پر جتنے اشکالات اٹھائے تھے ان سب کا جواب ہو گیا۔ والحمد للہ رب العالمین۔

۷۴۷۹۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنْ الزُّهْرِيِّ وَقَالَ أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ نَنْزِلُ غَدًا إِنْ شَاءَ اللهُ بِخَيْفِ بَنِي كِنَانَةَ حَيْثُ تَقَاسَمُوا عَلَى الْكُفْرِ يُرِيدُ الْمُحَصَّبَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، اور احمد بن صالح نے کہا: ہمیں ابن وہب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے یونس نے خبر دی از ابن شہاب از ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ہم ان شاء اللہ کل خیف بنو کنانہ میں ٹھہریں گے جہاں پر انہوں نے کفر پر قسمیں کھائی تھیں، آپ نے المحصّب کا ارادہ فرمایا تھا۔

(صحیح البخاری: ۱۵۸۹، ۱۵۹۰، ۳۸۸۲، ۴۲۸۴، ۴۲۸۵، ۷۴۷۹، صحیح مسلم: ۱۳۱۴، مسند احمد: ۷۵۲۶)

صحیح البخاری: ۷۴۷۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت لفظِ ان شاء اللہ میں ہے۔

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "خیفِ بنی کنانہ" نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس سے وادی المحصب کا ارادہ فرمایا تھا، یہ وادی مکہ اور منیٰ کے درمیان ہے۔ "الخیف" اصل میں اس جگہ کو کہتے ہیں جو پہاڑ کی بلندی سے ڈھلوان کی طرف آ رہی ہو اور پانی کے بہنے کی جگہ سے بلند ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے "حیث تقاسموا علی الکفر" یعنی جب قریش نے کفر پر قسمیں کھائی تھیں اور یہ حلف اٹھایا تھا کہ قریش بنو ہاشم اور بنو مطلب سے مناکحت نہیں کریں گے نہ ان سے خرید و فروخت کریں گے اور نہ ان کو مکہ میں رہنے دیں گے حتیٰ کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ان کے حوالے کر دیں اور انہوں نے اس کو ایک صحیفہ میں لکھ دیا اور اس کو کعبہ میں لٹکا دیا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۲۷۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۷۴۷۹، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قریش اور کنانہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خلاف حلف اٹھانے کا پس منظر اور پیش منظر

جب قریش کو یہ خبر پہنچی کہ حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے حضرت جعفر بن ابی طالب اور ان کے اصحاب کی بہت تعظیم و تکریم کی تو ان پر یہ بہت دشوار گزرا اور وہ غضبناک ہوئے اور انہوں نے اس پر اتفاق کر لیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو (معاذ اللہ) قتل کر دیں، اور

انہوں نے بنو ہاشم کو ایک گھاٹی میں محصور کر دیا اور وہاں پر یہ مکتوب لکھا کہ بنو ہاشم سے نہ کوئی نکاح کرے گا نہ کوئی خرید و فروخت کرے گا اور نہ ان سے میل جول رکھے گا، اس صحیفہ کو منصور بن عکرمہ العبدری نے لکھا تھا، پھر اس کا ہاتھ شل ہو گیا۔

(الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۲۰۸-۲۱۰)

شعب ابوطالب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بنو ہاشم کے محصور رہنے کی مدت

قریش نے یہ صحیفہ کعبہ کے جوف میں لٹکا دیا تھا اور انہوں نے بنو ہاشم کو نبوت کے ساتویں سال محرم میں شعب ابی طالب میں محصور کر دیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین سال شعب ابی طالب میں محصور رہے پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر مطلع فرمایا کہ ان کے اس صحیفہ کو دیمک کھا گئی ہے یعنی اس میں جو ظلم کرنے کی باتیں لکھی گئی تھیں ان کو دیمک کھا گئی اور جو اس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر تھا وہ باقی رہ گیا، پھر ابوطالب نے کفار قریش سے کہا کہ بے شک میرے بھتیجے نے مجھے خبر دی ہے اور وہ ہرگز جھوٹ نہیں بولتے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے صحیفہ کے اوپر دیمک کو مسلط کر دیا، اس میں جو بھی ظلم کی باتیں لکھی ہوئی تھیں ان کو دیمک نے چاٹ لیا اور اس میں صرف اللہ کا ذکر باقی رہ گیا، پس اگر میرا بھتیجا سچا ہے تو تم اپنے برے فیصلہ سے رجوع کر لو اور اگر وہ (بالفرض) جھوٹا ہے تو میں اس کو تمہارے حوالے کر دوں گا تاکہ تم اس کو قتل کر دو تو قریش نے کہا: آپ نے انصاف کی بات کی ہے، پس انہوں نے صحیفہ کی طرف اپنے بندے بھیجے تو وہ اسی طرح تھا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا، وہ صحیفہ ان کے ہاتھوں سے گر گیا اور وہ ندامت سے سر جھکا کر کھڑے ہو گئے، پھر ابوطالب نے کہا: اب ہم کس وجہ سے ان کو اس گھاٹی میں محصور رکھیں جب کہ حقیقت واضح ہو گئی، پھر قریش نے ایک دوسرے کو اس پر ملامت کی جو ظلم انہوں نے بنو ہاشم کے ساتھ کیا تھا، پھر انہوں نے بنو ہاشم اور بنو مطلب سے کہا کہ آپ اب اپنے گھروں کو چلے جائیں سو وہ اپنے گھروں میں چلے گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور بنو ہاشم کا شعب ابوطالب سے نکلنا نبوت کے دسویں سال میں ہوا تھا، پھر اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ کی طرف ہجرت کی اجازت دی گئی۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۱۱ ص ۳۲۷-۳۲۹، ملخصاً و ملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۷۴۸۰- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمْرٍو عَنْ أَبِي الْعَبَّاسِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ حَاصَرَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم أَهْلَ الطَّائِفِ فَلَمْ يَفْتَحْهَا فَقَالَ إِنَّا قَافِلُونَ غَدًا إِنْ شَاءَ اللهُ فَقَالَ الْمُسْلِمُونَ نَقْفُلُ وَلَمْ نَفْتَحْ قَالَ فَاغْدُوا عَلَى الْقِتَالِ فَغَدَوْا فَأَصَابَتْهُمْ جِرَاحَاتٌ قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم إِنَّا قَافِلُونَ غَدًا إِنْ شَاءَ اللهُ فَكَأَنَّ ذَلِكَ أَعْجَبَهُمْ فَتَبَسَّمَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم۔

(صحیح البخاری: ۴۳۲۵، ۶۰۸۶، ۷۴۸۰، صحیح مسلم: ۱۷۷۸)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن عیینہ نے حدیث بیان کی از عمرو از ابوالعباس از حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل طائف کا محاصرہ کیا، پس آپ نے طائف کو فتح نہیں کیا، سو آپ نے فرمایا: بے شک ان شاء اللہ ہم واپس چلے جائیں گے تو مسلمانوں نے کہا: ہم واپس چلے جائیں گے اور ہم نے ابھی طائف کو فتح نہیں کیا؟ آپ نے فرمایا: پس صبح کو قتال کرنا، پس انہوں نے صبح کی اور وہ زخمی ہو گئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم کل ان شاء اللہ واپس جائیں گے تو صحابہ کو یہ بہت اچھا لگا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے۔

علامہ شہاب الدین ابوالعباس احمد القسطلانی المتوفی ۹۱۱ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صحابہ کرام کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلہ کی طرف رجوع کرنا

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اٹھارہ دن تک اہلِ طائف کا محاصرہ کیا سو آپ نے طائف کو فتح نہیں کیا اور کتاب المغازی میں مذکور ہے: آپ نے ان سے مالِ غنیمت میں سے کوئی چیز حاصل نہیں کی تو آپ نے فرمایا: ہم ان شاء اللہ مدینہ واپس چلے جائیں گے، تو صحابہ نے کہا: ہم مدینہ واپس چلے جائیں گے اور ہم نے ابھی تک ان کے قلعہ کو فتح نہیں کیا ہے؟ تب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پھر تم صبح کے اول وقت میں ان سے قتال کرنا، پھر جب صبح ہوئی تو وہ زخمی ہو گئے کیونکہ اہلِ طائف نے بلند جگہ سے ان کے اوپر تیر مارنے شروع کر دیئے، صحابہ کے تیر ان تک نہیں پہنچتے تھے اور ان کے تیر بلندی کی وجہ سے صحابہ کی طرف پہنچ رہے تھے اور ان کا قلعہ فتح نہیں ہوا تھا، جب صحابہ نے یہ معاملہ دیکھا تو ان پر منکشف ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو مدینہ واپس جانے کا فیصلہ کیا تھا وہ صحیح تھا۔

(ارشاد الساری ج ۱۵ ص ۵۲۰، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۳۲۔ بَابُ: قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ۭ حَتّٰٓى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا ۙ قَالَ رَبُّكُمْ ۭ قَالُوا الْحَقَّ ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۲۳﴾ (سبا: ۲۳)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس کے پاس صرف اسی کی شفاعت نفع آور ہو گی جس کو وہ شفاعت کرنے کی اجازت دے گا، حتیٰ کہ جب ان شفاعت کرنے والوں کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہو جائے گی تو (طالبینِ شفاعت ان سے) پوچھیں گے کہ آپ کے رب نے کیا فرمایا تھا؟ وہ کہیں گے: حق فرمایا تھا اور وہ نہایت بلند، بہت بڑا ہے O

وَلَمْ يَقُلْ مَاذَا خَلَقَ رَبُّكُمْ

اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا: تمہارے رب نے کیا پیدا کیا۔

وَقَالَ جَلَّ ذِكْرُهٗ: مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (البقرہ: ۲۵۵)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کی بارگاہ میں شفاعت کرے"۔

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری کی اس باب میں اس آیت کو ذکر کرنے سے بلکہ پورے باب کو ذکر کرنے سے غرض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور اس پر دلیل یہ ہے کہ فرشتے کہتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ اور یہ نہیں کہتے کہ تمہارے رب نے کیا پیدا کیا؟ یعنی فرشتے اللہ تعالیٰ کے کلام کرنے کے قائل ہیں، اور اس آیت سے امام بخاری نے المعتزلہ اور الخوارج اور المرجئہ اور الجہمیہ اور النجاریہ کے رد کا ارادہ کیا ہے، کیونکہ یہ فرقے یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ متکلم ہے یعنی مثلاً لوحِ محفوظ میں کلام کا

خالق ہے اور اللہ تعالیٰ کے کلام کے مسئلہ میں تین اقوال ہیں:

(۱) اہلِ حق کا قول یہ ہے کہ قرآن غیر مخلوق ہے اور قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور وہ کلام غیر منقسم ہے اور نہ اس میں تجزی ہے یعنی اس کے اجزاء اور ٹکڑے نہیں ہیں، یا وہ مخلوقین کے کلام کے مشابہ نہیں ہے۔

(۲) معتزلہ اور خوارج وغیرہ کا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام اس کی ذات کے ساتھ قائم نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے کلام کو کسی چیز میں پیدا فرماتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے درخت میں اپنے کلام کو پیدا فرمایا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَلَمَّآ اَتٰهَا نُوْدِیَ مِنْ شَاطِیِٔ الْوَادِ الْاَیْمَنِ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ یّٰمُوْسٰۤی اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ (القصص: ۳۰)

پھر جب موسیٰ آگ کے پاس پہنچے تو انہیں اس وادی کے دائیں کنارے پر برکت والی زمین کے ٹکڑے سے ایک درخت سے ندا کی گئی کہ اے موسیٰ! بے شک میں ہی اللہ رب العٰلمین ہوں O

(۳) اللہ تعالیٰ کے کلام کے مسئلہ میں توقف کرنا واجب ہے، نہ یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام مخلوق ہے اور نہ یہ کہا جائے کہ غیر مخلوق ہے، اور اس باب میں شفاعت کا ثبوت ہے۔

سبا: ۲۳ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''حَتّٰۤی اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ'' یعنی جب فرشتوں کے دلوں سے خوف کو دور کر دیا گیا، اور فُزِّعَ باب تفعیل سے ہے اور اس کا خاصہ ہے ازالہ اور سلب، اور خلاصہ یہ ہے کہ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہو گئی۔

نیز اس آیت میں ارشاد ہے ''قالوا ماذا قال ربکم'' یعنی فرشتوں نے کہا کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ اس میں یہ دلیل ہے کہ فرشتوں نے ایک قول کو سنا اور گھبراہٹ کی وجہ سے اس کے معنی کو نہیں سمجھا، نیز انہوں نے یہ کہا کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا ہے؟ اور یہ نہیں کہا کہ تمہارے رب نے کیا پیدا کیا ہے؟ تو فرشتوں نے کہا: حق فرمایا ہے اور حق ذات کی دو صفتوں میں سے ایک صفت ہے اور اللہ تعالیٰ پر حق کے علاوہ اور کوئی چیز جائز نہیں ہے، کیونکہ اس کے کلام میں باطل کا ہونا جائز نہیں ہے۔

امام بخاری نے کہا: ''مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗ'' (یعنی کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کی بارگاہ میں شفاعت کرے)، علامہ ابن بطال نے کہا: اس میں اس آیت کے سببِ نزول کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ روایت میں آیا ہے کہ جب مشرکین نے کہا کہ بت اللہ تعالیٰ کے پاس ہماری شفاعت کرنے والے ہیں تو یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ اللہ تعالیٰ کے پاس جو شفاعت کریں گے وہ ملائکہ اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں، اور وہ اسی کی شفاعت کریں گے جس کی شفاعت کے متعلق اللہ تعالیٰ ان کو اجازت دے گا۔

بابِ مذکور کی پہلی تعلیق

امام بخاری نے بیان کیا:

وَقَالَ مَسْرُوْقٌ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ: اِذَا تَكَلَّمَ اللّٰهُ بِالْوَحْیِ سَمِعَ اَهْلُ السَّمٰوَاتِ شَیْئًا، فَاِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ وَسَكَنَ الصَّوْتُ عَرَفُوْا اَنَّهُ الْحَقُّ وَنَادَوْا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا الْحَقَّ۔

اور مسروق نے کہا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب اللہ تعالیٰ وحی کے ساتھ کلام فرماتا ہے تو تمام آسمان والے کچھ سنتے ہیں، پس جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے اور آواز ساکن ہو جاتی ہے تو وہ جان لیتے ہیں کہ یہ حق کا ارشاد ہے،

اور ایک دوسرے کو فرشتے ندا کرتے ہیں: تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ فرشتے کہتے ہیں: اس نے حق فرمایا ہے۔

بابِ مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مسروق کا ذکر ہے، ان کا نام مسروق بن الاجدع الہمدانی الوادعی ہے، انہوں نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر میں یہ روایت کی کہ آسمان والے کوئی چیز سنتے ہیں اور امام ابوداؤد وغیرہ کی روایت میں ہے کہ آسمان والوں نے آسمان میں ایسی آواز سنی جیسے زنجیر کو کسی چٹان پر مارا جائے اور ثوری کی روایت میں ہے: جیسے لوہے کو کسی چٹان پر مارا جائے، اور امام ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے: انہوں نے زنجیر کی آواز سنی، اور النواس بن سمعان نے کہا: جب اللہ تعالیٰ وحی کے ساتھ کلام فرماتا ہے تو تمام آسمانوں میں لرزہ طاری ہوجاتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے خوف سے وہ کپکپانے لگتے ہیں، پس جب آسمان والے یہ آواز سنتے ہیں تو وہ بے ہوش ہوجاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے لیے سجدوں میں گرجاتے ہیں۔

اس تعلیق میں مذکور ہے "عن قلوبھم" یعنی فرشتوں کے دلوں سے جب گھبراہٹ دور ہوجاتی ہے اور خوف زائل ہوجاتا ہے"۔

اس تعلیق میں مذکور ہے "وسکن الصوت" یعنی جب مخلوق کی آواز آسمان والوں کو سنانے سے خاموش ہوجاتی ہے، مخلوق کی آواز اس لیے کہا ہے کہ دلائلِ قطعیہ اس چیز پر قائم ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کلام آواز سے منزّہ ہے کیونکہ آواز حدوث کو مستلزم ہے، کیونکہ آواز ان موجودات میں سے ہے جو سیال اور غیر قال ہیں۔

اس تعلیق میں مذکور ہے "ونادوا" یعنی تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ کہا گیا ہے کہ اس سوال کی کیا ضرورت ہے حالانکہ وہ سن رہے تھے۔

اس کا یہ جواب ہے کہ انہوں نے ایک قول کو سنا اور گھبراہٹ کی وجہ سے اس کا معنی نہیں سمجھا۔

امام بیہقی نے کتاب الاسماء والصفات میں اس تعلیق کی سندِ موصول کے ساتھ روایت کی ہے۔

مسروق بیان کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل جب وحی کے ساتھ کلام فرماتا ہے تو آسمان والے آسمان کی ایسی آواز سنتے ہیں جیسے زنجیر کو کسی پتھر پر گھسیٹنے کی آواز ہوتی ہے تو وہ خوف زدہ ہوجاتے ہیں اور بے ہوش ہوجاتے ہیں وہ اسی حال میں ہوتے ہیں حتیٰ کہ ان کے پاس حضرت جبریل علیہ السلام آتے ہیں، پس جب حضرت جبریل علیہ السلام ان کے پاس آتے ہیں تو ان کے دل سے گھبراہٹ دور ہوجاتی ہے اور وہ کہتے ہیں: اے جبریل! آپ کے رب نے کیا فرمایا ہے؟ تو حضرت جبریل علیہ السلام فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے حق فرمایا ہے، پس فرشتے ندا کرتے ہیں حق حق۔

بابِ مذکور کی دوسری تعلیق

امام بخاری نے بیان کیا:

وَيُذْكَرُ عَنْ جَابِرٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أُنَيْسٍ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ: يَحْشُرُ اللهُ الْعِبَادَ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ حضرت عبد اللہ بن انیس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے سنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو

يُنَادِيهِمْ بِصَوْتٍ يَسْمَعُهُ مَنْ بَعُدَ كَمَا يَسْمَعُهُ مَنْ قَرُبَ: أَنَا الْمَلِكُ أَنَا الدَّيَّانُ۔

جمع فرمائے گا، پھر ان کو ایسی آواز کے ساتھ ندا فرمائے گا جس کو دور والے بھی اس طرح سنیں گے جس طرح قریب والے سنتے ہیں، اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: میں بادشاہ ہوں اور میں بہت زیادہ جزا دینے والا ہوں۔

باب مذکور کی دوسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں:

یہ تعلیق صیغۂ تمریض یعنی مجہول کے صیغہ سے منقول ہے از حضرت جابر بن عبداللہ الصحابی الخزرجی الانصاری رضی اللہ عنہما جن سے بہ کثرت احادیث مروی ہیں، اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ اپنی بہ کثرت روایات اور سند میں عالی مرتبہ کے باوجود شام کی طرف چلے گئے اور وہاں حضرت عبداللہ بن اُنیس رضی اللہ عنہ سے انہوں نے حدیث کا سماع کیا، حضرت عبداللہ بن اُنیس رضی اللہ عنہ بن سعد الجہنی العقبی الانصاری یہ حلیف تھے۔

اور علامہ ابن الملقن نے التوضیح میں لکھا ہے: اس حدیث کی الحارث بن ابی اسامہ نے اپنی مسند میں سند کے ساتھ روایت کی ہے، انہوں نے کہا ہے: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب سے ایک حدیث پہنچی، پس میں نے اونٹ کے اوپر سامانِ سفر باندھا اور پھر میں ان کی طرف چل پڑا، پس میں ایک مہینہ تک سفر کرتا رہا یہاں تک کہ شام پہنچ گیا تو وہاں پر حضرت عبداللہ بن اُنیس الانصاری تھے، انہوں نے اس حدیث کو طول کے ساتھ روایت کیا اور اس میں یہ ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ بلند آواز سے ندا کرے گا ایسی آواز سے جو مخلوق ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم نہیں ہے۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: اس میں کیا راز ہے کہ یہ آواز خلافِ عادت ہے کیونکہ باقی آوازوں میں بھی قریب اور بعید کا فرق ہوتا ہے، پھر انہوں نے کہا: یہ اس لیے ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ جو کلام سنا گیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے کلام کو تمام جہات سے سنتے تھے۔

اس تعلیق میں مذکور ہے ''میں بادشاہ ہوں اور دیان ہوں'' یعنی میرے سوا اور کوئی بادشاہ نہیں ہے اور میرے سوا اور کوئی جزا نہیں دے گا اور انہوں نے اس عبارت کو اس لیے اختیار کیا تاکہ اس سے اللہ تعالیٰ کی سات صفات کی طرف اشارہ ہو: (۱) حیات (۲) علم (۳) ارادہ (۴) قدرت (۵) سمع (۶) بصر (۷) اور کلام، کیونکہ اللہ تعالیٰ از روئے قول اور فعل کے تمام کلیات اور جزئیات کی جزا دیتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۲۲۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

باب مذکور کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے لیے صفتِ کلام کا ثبوت

علامہ المہلب المالکی نے لکھا ہے کہ امام بخاری نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ ۔۔۔ (سبا: ۲۳)'' سے یہ استدلال کیا

ہے کہ فرشتوں نے یہ نہیں کہا: تمہارے رب نے کیا پیدا کیا اور اس پر یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ کلام اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور اس کی صفات میں سے ایک صفت ہے اور یہ صفت ہمیشہ موجود ہے اور کبھی زائل نہیں ہوگی اور اللہ تعالیٰ کا کلام مخلوقین کے کلام کے مشابہ نہیں ہے، اس کلام میں حروف وغیرہ نہیں ہیں، اس کے برخلاف المعتزلہ نے اللہ تعالیٰ کے کلام کی نفی کی ہے اور یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام اس کے فعل اور تکوین سے کنایہ ہے اور ایسا کلامِ عرب میں بہت عام ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ کوئی مرد اپنے ہاتھ کو حرکت دے کر کہتا ہے: میں نے اپنے ہاتھ سے اس طرح کہا ہے اور وہ ارادہ کرتا ہے کہ میں نے اپنے ہاتھ کو حرکت دی، اور ان کی دلیل یہ ہے کہ کلام اسی وقت معقول ہوگا جب وہ اعضاء اور زبان سے ہو اور اللہ تعالیٰ کے لیے اعضاء اور آلات جائز نہیں ہیں کیونکہ وہ جسم نہیں ہے، پس امام بخاری نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے ان پر رد کیا کہ جب اللہ تعالیٰ آسمانوں میں کسی کام کا ارادہ فرماتا ہے تو فرشتے خوف زدہ ہو جاتے ہیں اور گھبراتے ہیں اور اپنے پر مارتے ہیں اور ان پروں سے ایسی آواز آتی ہے جیسے زنجیر کو چٹان پر مارا گیا ہو حتیٰ کہ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے تو وہ اپنے اوپر والے فرشتوں سے پوچھتے ہیں: تمہارے رب نے کیا کہا؟ اس میں یہ دلیل ہے کہ فرشتوں نے کلام سنا اور اپنی گھبراہٹ کی وجہ سے اس کا معنیٰ نہیں سمجھے، پس انہوں نے کہا: تمہارے رب نے کیا کہا؟ اور یہ نہیں کہا کہ تمہارے رب نے کیا پیدا کیا؟ اور اس کو فرشتوں کے اس قول سے موکد کیا کہ فرشتوں نے کہا: حق، اور حق اللہ تعالیٰ کے کلام کی دو صفتوں میں سے ایک صفت ہے جو اللہ تعالیٰ پر حق کے سوا جائز نہیں ہے کیونکہ اس کا کلام باطل نہیں ہوتا۔ (شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۴۴۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

بابِ مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی صفتِ کلام کے ثبوت پر دلائل

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴿ (النحل: ۴۰) — ہم جس چیز کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کے متعلق ہمیں صرف یہ کہنا ہوتا ہے کہ "ہو جا" سو وہ ہو جاتی ہے ○

پس اگر قرآن مخلوق ہوتا تو وہ لفظِ کُن کے ساتھ مخلوق ہوتا اور لفظِ کُن بھی اگر مخلوق ہوتا تو اس کے لیے ایک اور لفظِ کُن کی ضرورت ہوتی اور اگر وہ بھی مخلوق ہوتا تو اس کے لیے ایک اور لفظِ کُن کی ضرورت ہوتی اور یوں تسلسل لازم آتا۔

نیز اللہ سبحانہٗ نے ارشاد فرمایا:

اَلرَّحْمٰنُ ﴿۱﴾ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ﴿۲﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ﴿۳﴾ (الرحمٰن: ۱-۳) — رحمٰن نے ○ (اپنے رسولِ مکرم کو) قرآن کی تعلیم دی ○ انسان (کامل) کو پیدا کیا ○

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کو تعلیم کے ساتھ مخصوص کیا کیونکہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اس کی صفت ہے اور انسان کو تخلیق کے ساتھ مخصوص کیا کیونکہ انسان اس کی مخلوق اور مصنوع ہے اور اگر اس طرح نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ فرماتا "خلق القرآن والانسان" یعنی اللہ تعالیٰ نے قرآن اور انسان کو مخلوق کیا۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ﴿١٦٤﴾ (النساء: ١٦٤) اور اللہ نے موسیٰ سے (بلاواسطہ) بہ کثرت کلام فرمایاO

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جو کلام فرمایا وہ کلام اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے کیونکہ یہ جائز نہیں ہے کہ متکلم کا کلام اس کے غیر کے ساتھ قائم ہو۔

نیز اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ﴿٥١﴾ (الشوریٰ: ٥١) اور کسی بشر کے لیے ممکن نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے ماسوا وحی کے یا پردے کی اوٹ سے، یا اللہ کسی فرشتہ کو بھیج دے پس وہ اللہ کے حکم سے جو اللہ چاہے وہ وحی کرے، بے شک وہ بہت بلند، بے حد حکمت والا ہےO

پس اگر اللہ تعالیٰ کا کلام مخلوق ہوتا اور وہ کسی مخلوق میں ثابت ہوتا تو اس کلام کے ثبوت کے لیے ان شرائط کی ضرورت نہ تھی جو اس آیت میں مذکور ہیں، کیونکہ غیر اللہ کا کلام سننے کے لیے تمام مخلوق مساوی ہے لہٰذا جہمیہ کا یہ قول باطل ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کا کلام مخلوق ہے اللہ کے غیر میں، اور ان پر یہ لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ نے درخت میں کلام پیدا کیا اور اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کلام کیا، اور یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کا کلام کسی فرشتہ سے سنا یا ان سے افضل کسی نبی سے سنا اور اس سے لازم آئے گا کہ درخت اللہ تعالیٰ سے کلام کرنے والا ہو، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ اس نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ (طٰہٰ: ١٤) بے شک میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے تو آپ میری عبادت کیجئے۔

اور جب مشرکین نے قرآن مجید کے کلام اللہ ہونے کا انکار کیا جس کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح نقل فرمایا:

فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ﴿٢٤﴾ اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ﴿٢٥﴾ (المدثر: ٢٤-٢٥) پھر کہا: یہ (قرآن) تو وہی جادو ہے جو پہلے سے نقل ہوتا آیا ہےO یہ صرف بشر کا کلام ہےO

تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے اس قول کو بطور انکار ذکر فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

قرآن مجید کے اللہ کے کلام ہونے پر اس آیت سے اعتراض کیا جاتا ہے:

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿٤٠﴾ (الحاقۃ: ٤٠) بیشک یہ قرآن ضرور رسول کریم (حضرت جبریل علیہ السلام) کا قول ہےO

اس آیت میں بیان فرمایا ہے کہ یہ قرآن حضرت جبریل علیہ السلام کا قول ہے تو پھر قرآن اللہ کا کلام کیسے ہو سکتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قرآن کو رسولِ کریم یعنی حضرت جبریل سے حاصل کیا۔

اور اسی طرح یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا (الزخرف: ٣) بے شک ہم نے اس کتاب کو عربی قرآن بنا دیاO

کیونکہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم نے اس کا نام قرآن رکھا ہے۔

اسی طرح درج ذیل آیت سے اعتراض کیا جاتا ہے:

مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ ذِكْرٍ مِنْ رَبِّهِمْ مُحْدَثٍ إِلَّا اسْتَمَعُوهُ وَهُمْ يَلْعَبُونَ ۝ (الانبیاء:۲) ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے جو بھی نئی نصیحت آتی ہے وہ اس کو کھیل کود کے مشغلہ میں ہی سنتے ہیں۔

اس آیت میں اس نصیحت کے حادث ہونے سے یہ مراد نہیں ہے کہ فی نفسہٖ وہ نصیحت حادث ہے بلکہ اس نصیحت کا ان تک پہنچنا حادث ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لیے صفتِ کلام کے ثبوت میں ائمہ متقدمین کی تصریحات

امام احمد نے یہ روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کفار کے سامنے سورہ روم پڑھی تو انہوں نے پوچھا: یہ تمہارا کلام ہے یا تمہارے پیغمبر کا کلام ہے؟ تو انہوں نے کہا: نہ یہ میرا کلام ہے اور نہ میرے پیغمبر کا کلام ہے یہ تو اللہ کا کلام ہے۔ اس حدیث کی اصل سنن ترمذی میں ہے۔

نیز حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے کسی مخلوق کو حَکَم نہیں بنایا میں نے صرف قرآن کو حَکَم بنایا ہے۔

عمرو بن دینار وغیرہ نے کہا کہ ہمارے مشائخ یہ کہتے ہیں کہ قرآن اللہ کا کلام ہے مخلوق نہیں ہے۔

اشاعرہ نے کہا ہے: اللہ تعالیٰ کا کلام اس کی ذات کی صفت ہے اور ہمیشہ سے ہے اور یہ مخلوق نہیں ہے اور اس کا کلام اس کے علم کا غیر ہے اور اس کا علم بھی ہمیشہ سے ہے اور وہ مخلوق نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کا کلام اس کے علم کا غیر ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے صرف کلامِ واحد ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفتِ کلام کے متعلق بعض فرقوں کے نظریات

الجہمیہ اور بعض المعتزلہ اور بعض زیدیہ اور امامیہ اور بعض خوارج نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا کلام مخلوق ہے، اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیت اور قدرت سے بعض اجسام میں پیدا کیا جیسے درخت میں پیدا کیا، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے درخت سے کلام کیا، اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خود کلام نہیں فرماتا اگرچہ اس کی طرف مجازاً کلام کرنے کی نسبت کی جاتی ہے۔

اور المعتزلہ نے کہا: اللہ تعالیٰ حقیقتاً کلام کرتا ہے لیکن اس کلام کو اللہ تعالیٰ اپنے غیر میں پیدا کرتا ہے۔

شیخ ابن حزم نے ''الملل والنحل'' میں کہا کہ تمام اہلِ اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا اور اس پر اجماع ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور غیر مخلوق ہے اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کی دیگر کتب جو نازل کی گئیں اور جو صحیفے نازل کیے گئے وہ بھی اللہ کا کلام ہے۔

اور امام احمد بن حنبل نے اس سے استدلال کیا کہ دلائلِ قطعیہ اس پر قائم ہیں کہ مخلوق میں سے کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے مشابہ نہیں ہے، پس جب کہ ہمارا کلام ہمارا غیر ہے اور مخلوق ہے تو واجب ہے کہ اللہ سبحانہٗ کا کلام اس کا غیر نہ ہو اور مخلوق نہ ہو۔

اور بعض حنبلیہ نے یہ کہا ہے کہ قرآنِ عربی اللہ کا کلام ہے اور اسی طرح تورات اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے متکلم ہے، جب وہ چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن کے حروف کے ساتھ کلام کیا اور ملائکہ اور انبیاء میں سے جس کو چاہا اپنی آواز

ستائی اور انہوں نے کہا: یہ حروف اور آوازیں قدیم ہیں، اللہ تعالیٰ کی ذات کو لازم ہیں اور یہ ایک دوسرے کے آگے پیچھے نہیں ہیں بلکہ یہ ہمیشہ سے اس کی ذات کے ساتھ قائم ہیں اور تعاقب اور آگے پیچھے ہونا مخلوق میں ہوتا ہے بخلاف خالق کے۔ اور جمہور سلف صالحین کا مختار یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کی حقیقت کے پیچھے نہیں پڑنا چاہیے اور صرف اس پر اقتصار کرنا چاہیے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور غیر مخلوق ہے اور باقی مباحث میں سکوت کرنا چاہیے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۵۷۷۔۵۷۸، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۴۸۱۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو عَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ إِذَا قَضَى اللهُ الْأَمْرَ فِي السَّمَاءِ ضَرَبَتْ الْمَلَائِكَةُ بِأَجْنِحَتِهَا خُضْعَانًا لِقَوْلِهِ كَأَنَّهُ سِلْسِلَةٌ عَلَى صَفْوَانٍ قَالَ عَلِيٌّ وَقَالَ غَيْرُهُ صَفْوَانٍ يَنْفُذُهُمْ ذَلِكَ فَإِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوبِهِمْ قَالُوا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا الْحَقَّ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ قَالَ عَلِيٌّ وَحَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا عَمْرٌو عَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ بِهَذَا قَالَ سُفْيَانُ قَالَ عَمْرٌو سَمِعْتُ عِكْرِمَةَ حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ قَالَ عَلِيٌّ قُلْتُ لِسُفْيَانَ قَالَ سَمِعْتُ عِكْرِمَةَ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ نَعَمْ قُلْتُ لِسُفْيَانَ إِنَّ إِنْسَانًا رَوَى عَنْ عَمْرٍو عَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ يَرْفَعُهُ أَنَّهُ قَرَأَ فُرِّغَ قَالَ سُفْيَانُ هَكَذَا قَرَأَ عَمْرٌو فَلَا أَدْرِي سَمِعَهُ هَكَذَا أَمْ لَا قَالَ سُفْيَانُ وَهِيَ قِرَاءَتُنَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از عمرو از عکرمہ از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک اس حدیث کو پہنچاتے ہیں، آپ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کسی کام کا آسمان میں ارادہ فرماتا ہے تو فرشتے عاجزی کے اظہار کے لیے اپنے پروں کو اپنے بازوؤں پر مارتے ہیں، (اور ان سے ایسی آواز نکلتی ہے) جیسے پتھر پر زنجیر ماری گئی ہو، یہ علی بن عبداللہ مدینی نے کہا: اور ان کے علاوہ نے کہا: چٹان پر زنجیر کی طرح اللہ تعالیٰ اپنا حکم فرشتوں کو پہنچاتا ہے پھر جب فرشتوں کے دلوں سے خوف اور گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے تو وہ ایک دوسرے سے کہتے ہیں: تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ تو فرشتے کہتے ہیں: اس نے حق فرمایا اور وہ بلند اور عظیم ہے۔

اور علی نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عمرو نے حدیث بیان کی از عکرمہ از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ یہی حدیث۔

سفیان نے بیان کیا کہ عمرو نے کہا: میں نے عکرمہ سے سنا، انہوں نے کہا: ہمیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی، علی بن مدینی نے بیان کیا: میں نے سفیان سے کہا، انہوں نے بتایا: میں نے عکرمہ سے سنا، انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا، انہوں نے کہا: ہاں میں نے سفیان سے کہا، ایک انسان نے عمرو سے روایت کی از عکرمہ از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا ''فُرِّغَ'' سفیان نے کہا: اسی طرح عمرو نے پڑھا ہے، پس میں خود نہیں جانتا کہ اسی طرح

عمرو نے پڑھا ہے یا نہیں، سفیان نے کہا: ہماری قراءت یہی ہے۔

(صحیح البخاری: ۴۷۰۱، ۴۸۰۰، ۷۴۸۱، سنن ترمذی: ۳۲۲۳، سنن ابن ماجہ: ۱۹۴)

صحیح البخاری: ۷۴۸۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے الفاظ کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "یبلغ به النبی صلی اللہ علیہ وسلم" یعنی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کام کا فیصلہ فرماتا ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: جب اللہ تعالیٰ وحی کے ساتھ کلام کا فیصلہ فرماتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "خضعانا" حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا: یہ مصدر ہے غفران کی طرح، علامہ عینی فرماتے ہیں: علامہ الخطابی وغیرہ نے کہا ہے کہ یہ خاضع کی جمع ہے اور یہ زیادہ اولیٰ ہے اور اس پر نصب بر بنائے حال ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "کانه" یعنی گویا کہ ان کے پروں کے مارنے سے جو آواز حاصل ہوئی وہ ایسی آواز ہے جیسے زنجیر کو کسی چٹان یا کسی چکنے پتھر پر مارا جائے، صفوان کا معنی چکنا پتھر ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "قال علی" یہ علی بن المدینی ہیں جو حدیث کے راوی ہیں،

اس حدیث میں مذکور ہے "صفوان ینفذهم ذالك" یعنی سفیان یہ کہتے تھے کہ اس امر یا اس قول کو اللہ تعالیٰ ملائکہ کی طرف نافذ فرماتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۲۳۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۴۸۲۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَا أَذِنَ اللهُ لِشَيْءٍ مَا أَذِنَ لِلنَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم يَتَغَنَّى بِالْقُرْآنِ وَقَالَ صَاحِبٌ لَهُ يُرِيدُ أَنْ يَجْهَرَ بِهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از عقیل از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے خبر دی از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کی اتنی اجازت نہیں دی جتنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کو غنا کے ساتھ پڑھنے کی اجازت دی ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے صاحب نے کہا: اس سے مراد ہے قرآن مجید کو جہر کے ساتھ پڑھنے کی اجازت دی ہے۔

(صحیح البخاری: ۵۰۲۳، ۵۰۲۴، ۷۴۸۲، ۷۵۴۴، صحیح مسلم: ۷۹۲، سنن نسائی: ۱۰۱۷، سنن ابوداؤد: ۱۴۷۳، مسند احمد: ۷۷۶۳، سنن دارمی: ۱۴۸۸)

صحیح البخاری: ۷۴۸۲، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے اذن دینے کی تحقیق

اس حدیث میں یہ مراد نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مباح کر دیا ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو سننے کی اتنی اجازت دی ہے جتنی کسی اور چیز کو سننے کی اجازت نہیں دی۔

علامہ القرطبی نے کہا ہے: ''الاَذن'' کا معنی یہ ہے کہ سننے والا اپنے کانوں کو اس جہت کی طرف متوجہ کرتا ہے جہاں سے آواز آرہی ہے اور اللہ تعالیٰ کے حق میں یہ معنی مراد نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کے حق میں اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن پڑھنے والے کی تکریم فرماتا ہے اور اس کو ثواب عطا فرماتا ہے، کیونکہ یہ قرآن کو کان لگا کر سننے کا ثمرہ ہے۔

امام احمد اور امام ابن ماجہ اور امام حاکم نے حضرت فضالہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، اللہ تعالیٰ خوش آواز مرد سے قرآن کو بہت توجہ سے سنتا ہے۔

''یتغنٰی'' کی تفسیر میں متعدد اقوال

علامہ ابن جوزی نے کہا ہے: یتغنیٰ کی تفسیر میں چار اقوال ہیں:

(۱) خوش آوازی کے ساتھ پڑھنا (۲) قرآن کی وجہ سے مستغنی ہونا (۳) امام شافعی نے کہا: رنج اور غم کے ساتھ پڑھنا (۴) قرآن پڑھنے میں مشغول ہونا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ اس میں ایک اور قول بھی ہے اور وہ ہے تلذذ، یعنی قرآن پڑھنے سے لذت حاصل کرنا جیسے اہل طلب غنا سے لذت حاصل کرتے ہیں۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۲۰۵۔۲۰۶، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۴۸۳۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ حَدَّثَنَا أَبُو صَالِحٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضی الله عنه قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ اللهُ يَا آدَمُ فَيَقُولُ لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ فَيُنَادَى بِصَوْتٍ إِنَّ اللهَ يَأْمُرُكَ أَنْ تُخْرِجَ مِنْ ذُرِّيَّتِكَ بَعْثًا إِلَى النَّارِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمر بن حفص بن غیاث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوصالح نے حدیث بیان کی از حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل فرمائے گا: اے آدم! حضرت آدم علیہ السلام عرض کریں گے: لبیك وسعدیك! پس اللہ تعالیٰ آواز کے ساتھ ندا فرمائے گا: بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم اپنی اولاد میں سے ایک جماعت کو دوزخ کی طرف بھیجو۔

(صحیح البخاری: ۳۳۴۸، ۴۷۴۱، ۶۵۳۰، ۷۴۸۳، صحیح مسلم: ۲۲۲، مسند احمد: ۱۰۸۹۲)

صحیح البخاری: ۷۴۸۳، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے یہاں پر یہ حدیث اختصار سے روایت کی ہے، پوری حدیث اس طرح سے ہے:

امام بخاری حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے آدم! پس وہ کہیں گے: لبیك و سعدیك! اور تمام خیر تیرے دونوں ہاتھوں میں ہے، پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا: دوزخ کی ایک جماعت کو نکالو، حضرت آدم عرض کریں گے: دوزخ کی ایک جماعت کتنی ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے دوزخی ہیں، پس یہ وقت ہوگا جب بچے (خوف سے) بوڑھے ہو جائیں گے، اور "ہر حاملہ کا حمل ساقط ہو جائے گا اور تم کو لوگ مدہوش نظر آئیں گے حالانکہ وہ مدہوش نہیں ہوں گے لیکن اللہ کا عذاب بہت سخت ہے" (الحج:۲)، صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! اس ایک میں سے ہم کتنے ہوں گے، تو آپ نے فرمایا: تم بشارت قبول کرو بے شک تم میں سے ایک مرد ہوگا اور یاجوج و ماجوج سے ایک ہزار ہوں گے، پھر فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! مجھے امید ہے کہ تم اہلِ جنت کے چوتھائی ہو گے تو ہم نے آواز سے کہا: اللہ اکبر، پھر فرمایا: مجھے امید ہے کہ تم اہلِ جنت کا تہائی ہو گے، پس ہم نے بلند آواز سے کہا: اللہ اکبر، پھر فرمایا: مجھے امید ہے کہ تم اہلِ جنت کا نصف ہو گے تو ہم نے بلند آواز سے کہا: اللہ اکبر، پس آپ نے فرمایا: تم لوگوں میں ایسے ہو گے جیسے سفید بیل کی کھال میں ایک کالا بال ہوتا ہے یا کالے بیل کی کھال میں ایک سفید بال ہوتا ہے۔

(صحیح البخاری:۳۳۴۸، صحیح مسلم:۵۳۱)

۷۴۸۴۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ مَا غِرْتُ عَلَى امْرَأَةٍ مَا غِرْتُ عَلَى خَدِيجَةَ وَلَقَدْ أَمَرَهُ رَبُّهُ أَنْ يُبَشِّرَهَا بِبَيْتٍ فِي الْجَنَّةِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبید بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو اسامہ نے حدیث بیان کی از ہشام بن عروہ از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ مجھے کسی عورت پر اتنی غیرت نہیں آئی جتنی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پر مجھے غیرت آئی، اور بے شک آپ کو آپ کے رب نے یہ حکم دیا کہ آپ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو جنت میں گھر کی بشارت دیں۔

(صحیح البخاری:۳۸۱۶، ۳۸۱۷، ۳۸۱۸، ۵۲۲۹، ۶۰۰۴، ۷۴۸۴، صحیح مسلم:۲۴۳۵، سنن ترمذی:۳۸۷۵، سنن ابن ماجہ:۱۹۹۷، مسند احمد:۲۵۱۳۰)

اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے رب نے حکم دیا اور حکم دینا صرف کلام سے متصور ہوتا ہے، سو اس حدیث میں اللہ سبحانہٗ کے کلام کرنے کا ثبوت ہے۔

۳۳۔ بَابُ: كَلَامِ الرَّبِّ مَعَ جِبْرِيلَ وَنِدَاءِ اللهِ الْمَلَائِكَةَ

رب تعالیٰ کا حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ کلام فرمانا اور اللہ تعالیٰ کا فرشتوں کو ندا فرمانا

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ رب تبارک وتعالیٰ نے حضرت جبریل امین علیہ السلام کے ساتھ کلام فرمایا اور فرشتوں کو ندا فرمائی، اور اس باب میں بھی اللہ تعالیٰ کے کلام کا ثبوت ہے اور اس کلام کو حضرت جبریل اور فرشتوں کو سنانے کا ثبوت ہے، پس وہ اللہ تعالیٰ کے کلام قدیم کو سنتے ہیں جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور اس کا کلام مخلوقین کے کلام کے مشابہ نہیں ہے کیونکہ وہاں پر کوئی حروف نہیں ہیں اور نہ تجی ہے اور اللہ تعالیٰ کے کلام میں یہ شرط نہیں ہے کہ وہ زبان سے اور ہونٹوں سے اور آلات سے ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ اس کا کلام سنائی دیتا ہے اور سمجھ آتا ہے اور اللہ سبحانہٗ کے یہ لائق نہیں ہے کہ وہ اپنے کلام میں اعضاء اور آلات سے مدد حاصل کرے۔

بابِ مذکور کی تعلیق

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

وَقَالَ مَعْمَرٌ: وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ (النمل: ٦) أَيْ يُلْقَى عَلَيْكَ، وَتَلَقَّاهُ أَنْتَ أَيْ تَأْخُذُهُ عَنْهُمْ وَمِثْلُهُ: فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ (البقرہ: ٣٧)

معمر نے بیان کیا: ''وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ'' اس کا معنی ہے: تم پر قرآنِ مجید کو القاء کیا جاتا ہے، اور تم ان سے اس کو حاصل کرتے ہو، یعنی تم پر قرآن مجید کو القاء کیا گیا ہے اور تم اس کو حاصل کرتے ہو، اسی کی مثل ہے کہ آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھ لیے۔

میں کہتا ہوں: ان چند کلمات کی متعدد تفاسیر ہیں، ایک تفسیر یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ سے اپنی مغفرت کا سوال کیا۔ (البدایہ والنہایہ ج ١ ص ٨١، دار الفکر، بیروت، ١٣٩٣ ھ)

بابِ مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ معمر بن المثنیٰ ابوعبیدہ التمیمی اللغوی ہیں، علامہ عینی فرماتے ہیں: بلکہ وہ خود ابوعبیدہ ہیں، اور بسا اوقات ذہن اس طرف سبقت کرتا ہے کہ وہ معمر بن راشد ہیں اور اس طرح نہیں ہے۔

اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب ہے، مفسرین نے کہا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے روحانی طور پر وحی کو حاصل کرتے تھے اور اس وحی کو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم پر القاء کرتے تھے۔

(عمدۃ القاری ج ٢٥ ص ٢٣٢۔ ٢٣٣، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ١٤٢١ ھ)

٧٤٨٥۔ حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ هُوَ ابْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى إِذَا أَحَبَّ عَبْدًا نَادَى جِبْرِيلَ إِنَّ اللهَ قَدْ أَحَبَّ فُلَانًا فَأَحِبَّهُ فَيُحِبُّهُ جِبْرِيلُ ثُمَّ يُنَادِي جِبْرِيلُ فِي السَّمَاءِ إِنَّ اللهَ قَدْ أَحَبَّ فُلَانًا فَأَحِبُّوهُ فَيُحِبُّهُ أَهْلُ السَّمَاءِ وَيُوضَعُ لَهُ الْقَبُولُ فِي أَهْلِ الْأَرْضِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے اسحاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الصمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الرحمٰن نے حدیث بیان کی اور وہ عبد اللہ بن دینار ہیں از والد خود از ابی صالح از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ سے محبت فرماتا ہے تو حضرت جبریل علیہ السلام کو ندا کرتا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت کرتا ہے، سو تو بھی اس سے محبت کر، پھر اس سے حضرت جبریل محبت کرتے ہیں، پھر

حضرت جبریل آسمانوں میں ندا کرتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت کرتا ہے اور تم بھی اس سے محبت کرو، پھر اس بندے سے تمام آسمان والے محبت کرتے ہیں، پھر اس بندے کے لیے زمین والوں میں مقبولیت کو لکھ دیا جاتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۳۲۰۹، ۶۰۴۰، ۷۴۸۵، صحیح مسلم: ۲۶۳۷، سنن ترمذی: ۳۱۶۱، مسند احمد: ۱۰۲۹۶، موطا امام مالک: ۱۷۷۸)

صحیح البخاری: ۷۴۸۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی محبت اور زمین والوں کے لیے مقبولیت کا معنی

اللہ تعالیٰ کے کسی بندہ سے محبت کرنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنے قریب کر لیتا ہے اور اس کو ثواب عطا فرماتا ہے، اور فرشتوں کے محبت کرنے کا معنی یہ ہے کہ فرشتے اس بندہ کے لیے استغفار کرتے ہیں اور اس کے حق میں دعا کرتے ہیں۔

اور زمین والوں میں مقبولیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ زمین والوں کے دلوں میں یہ چیز ڈال دیتا ہے کہ یہ بندہ اللہ عزوجل کا محبوب ہے، اور اس کا یہ معنی بھی ہے کہ زمین والوں سے مراد صالحین ہیں تمام مخلوق مراد نہیں ہے، اور اس کی موت کے بعد اس کا ذکرِ خیر اس کی حیات سے زیادہ ہوتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۲۳۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۷۴۸۵، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

شیخ ابو محمد بن ابی جمرہ نے کہا ہے: اس حدیث میں جو ارشاد ہے کہ "جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ سے محبت کرتا ہے" یہاں محبت سے مراد ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ پر بہ کثرت احسانات فرماتا ہے تا کہ بندے اللہ تعالیٰ سے مانوس ہوں اور اللہ تعالیٰ بندوں کے دلوں میں مسرت اور خوشی کو داخل فرماتا ہے کیونکہ جب بندہ اپنے مالک سے یہ سنے گا کہ اس کا مالک اس سے محبت کرتا ہے تو اس کو بہت بلند خوشی حاصل ہوگی، پھر علامہ ابو جمرہ نے کہا: یہ کیفیت اسی بندۂ مومن کو حاصل ہوگی جس کی طبیعت میں اللہ تعالیٰ کی طرف حسنِ مراجعت ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا يَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ يُّنِيْبُ ﴿۱۳﴾ (مومن: ۱۳) اور صرف وہی لوگ نصیحت قبول کرتے ہیں جو اللہ کی طرف رجوع کرنے والے ہیں O

اور رہے وہ بندے جن کے دلوں میں رعونت ہوتی ہے اور شہوتِ غالبہ ہوتی ہے تو وہ صرف اس وجہ سے نیکی کی طرف رجوع نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ نیکوکاروں سے محبت رکھتا ہے اور ان پر احسانات فرماتا ہے، ان کو صرف ڈانٹ ڈپٹ اور مار پیٹ ہی برائی سے دور کر سکتی ہے۔

سب سے پہلے حضرت جبریل علیہ السلام سے کہا کہ آپ آسمان کے فرشتوں کو بتائیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندہ سے محبت کرتا ہے، اس

میں یہ بتاتا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بہت بلند مرتبہ ہے جو دوسرے فرشتوں کا نہیں ہے، اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نیک اعمال خواہ فرض ہوں یا سنت ہوں ان پر اس حدیث میں ترغیب دی گئی ہے، کیونکہ جو بندے فرائض اور سنن کو باقاعدگی سے ادا کریں گے وہی اس کے مصداق ہوں گے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ان سے محبت فرمائے، اور نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نافرمانیوں اور بدعات سے بہت زیادہ دور رہنا چاہیے کیونکہ نافرمانیاں اور بدعات کا ارتکاب اللہ تبارک وتعالیٰ کی ناراضگی کا موجب ہے چہ جائیکہ ان کو اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل ہو۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۵۸۳۔ ۹۸۴، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۴۸۶۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ عَنْ مَالِكٍ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ يَتَعَاقَبُونَ فِيكُمْ مَلَائِكَةٌ بِاللَّيْلِ وَمَلَائِكَةٌ بِالنَّهَارِ وَيَجْتَمِعُونَ فِي صَلَاةِ الْعَصْرِ وَصَلَاةِ الْفَجْرِ ثُمَّ يَعْرُجُ الَّذِينَ بَاتُوا فِيكُمْ فَيَسْأَلُهُمْ وَهُوَ أَعْلَمُ بِهِمْ كَيْفَ تَرَكْتُمْ عِبَادِي فَيَقُولُونَ تَرَكْنَاهُمْ وَهُمْ يُصَلُّونَ وَأَتَيْنَاهُمْ وَهُمْ يُصَلُّونَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی از مالک از ابی الزناد از الاعرج از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہارے پاس رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے ایک دوسرے کے پیچھے آتے ہیں اور وہ عصر کی نماز میں اور صبح کی نماز میں جمع ہو جاتے ہیں، پھر جن فرشتوں نے تمہارے پاس رات گزاری ہے وہ اوپر چڑھتے ہیں، اللہ عز وجل ان سے سوال کرتا ہے حالانکہ وہ ان کے بارے میں زیادہ جاننے والا ہے: تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟ پس وہ کہتے ہیں: ہم نے ان کو چھوڑا تو وہ نماز پڑھ رہے تھے اور ہم ان کے پاس آئے تو وہ نماز پڑھ رہے تھے۔

(صحیح البخاری: ۵۵۵، ۳۲۲۳، ۷۴۲۹، ۷۴۸۶، صحیح مسلم: ۶۳۲، سنن نسائی: ۴۸۵، مسند احمد: ۲۷۳۳۶، موطا امام مالک: ۴۱۳)

علامہ شہاب الدین ابو العباس احمد القسطلانی المتوفی ۹۱۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیثِ مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے کلام کرتا ہے اور ان سے سوال کرتا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا، اس میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے لیے صفتِ کلام ثابت ہے۔

(۲) فرشتے اوپر چڑھتے ہیں یعنی بندوں کے اعمال اللہ عز وجل کے سامنے پیش کرنے کے لیے اوپر جاتے ہیں۔

(۳) اللہ تعالیٰ جو ان سے سوال کرتا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟، یہ سوال فرشتوں پر حجت قائم کرنے کے لیے ہے کیونکہ فرشتوں نے کہا تھا کہ ابنِ آدم زمین میں خون ریزی اور فساد کرے گا، اب اللہ تعالیٰ ان سے اعتراف کراتا ہے کہ ہم جب بندوں کے پاس گئے تب بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے اور جب واپس آئے تب بھی نماز پڑھ رہے تھے، گویا ان کا سارا وقت عبادت میں گزرتا ہے۔ (ارشاد الساری ج ۱۵ ص ۵۲۹، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

(۴) میں کہتا ہوں کہ بندوں کو چاہیے کہ اپنا وقت عبادت میں گزاریں خصوصاً عصر کی نماز اور فجر کی نماز کے وقت میں، کیونکہ اس وقت میں دن کے فرشتے جا رہے ہوتے ہیں اور رات کے فرشتے آ رہے ہوتے ہیں تو دونوں وقت کے فرشتے بندہ کی عبادت کو لکھ

لیتے ہیں، ایسا نہ ہو کہ ان اوقات میں بندہ کسی گناہ میں مشغول ہو اور فرشتے اللہ تعالیٰ کے سامنے جا کر یہ کہیں کہ جب ہم گئے تب بھی وہ گناہ کر رہا تھا اور جب ہم آئے تو تب بھی وہ گناہ کر رہا تھا اور اللہ تعالیٰ جو فرشتوں کے سامنے ابنِ آدم کی فضیلت ظاہر کرنا چاہتا تھا وہ نہ ہو سکے گی۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۷۴۸۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ وَاصِلٍ عَنِ الْمَعْرُورِ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا ذَرٍّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ أَتَانِي جِبْرِيلُ فَبَشَّرَنِي أَنَّهُ مَنْ مَاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ قُلْتُ وَإِنْ سَرَقَ وَإِنْ زَنَى قَالَ وَإِنْ سَرَقَ وَإِنْ زَنَى۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں غندر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از واصل از المعرور، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے سنا از نبی ﷺ آپ نے فرمایا: میرے پاس حضرت جبریل علیہ السلام آئے، سو انہوں نے مجھے بشارت دی کہ جو شخص بھی اس حال میں مرا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بالکل شرک نہ کرتا ہو تو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا، میں نے کہا: خواہ اس نے چوری کی ہو اور خواہ اس نے زنا کیا ہو؟ حضرت جبریل نے کہا: خواہ اس نے چوری کی ہو اور خواہ اس نے زنا کیا ہو۔

(صحیح البخاری: ۱۲۳۷، ۱۴۰۸، ۲۳۸۸، ۳۲۲۲، ۵۸۲۷، ۶۲۶۸، ۶۴۴۳، ۶۴۴۴، ۷۴۸۷، صحیح مسلم: ۹۴، سنن ترمذی: ۲۶۴۴، مسند احمد: ۲۰۹۰۵)

صحیح البخاری: ۷۴۸۷، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیثِ مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مناسبت

اس باب کا عنوان ہے: اللہ تعالیٰ کا کلام فرمانا، اور اس حدیث میں حضرت جبریل علیہ السلام کے بشارت دینے کا ذکر ہے، اس سے اللہ تعالیٰ کا کلام کرنا کیسے ثابت ہوا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت جبریل امین علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ کو یہ بشارت اس وقت دی جب اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو یہ خبر دی تھی تو اللہ تعالیٰ کا حضرت جبریل علیہ السلام سے کلام کرنا ثابت ہو گیا۔

تارکِ نماز کے مشرک ہونے کی بحث

جو علماء یہ کہتے ہیں کہ نماز کا تارک کافر نہیں ہے وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ نماز کا تارک مشرک نہیں ہے سو وہ جنت میں داخل ہوگا۔

اس حدیث کے متعدد جوابات ہیں:

(۱) ہم یہ نہیں مانتے کہ نماز کا تارک مشرک نہیں ہے بلکہ وہ مشرک ہے کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا: مرد اور اس کے شرک اور کفر کے

درمیان نماز کوترک کرنا ہے۔ (صحیح مسلم:۱۱۶)

(۲) ہم نے مان لیا کہ نماز کا ترک کرنا شرک نہیں ہے لیکن یہ دلیلِ عام ہے اور تارک نماز کے کفر کے دلائل خاص ہیں اور قاعدہ یہ ہے کہ عام کو خاص پر محمول کیا جاتا ہے۔

(۳) ہم کہتے ہیں کہ تارکِ نماز بھی مشرک ہے لیکن بہت سے شرک ظاہراً شرک نہیں ہوتے باطناً شرک ہوتے ہیں، اور شرک اس کے ساتھ مخصوص نہیں ہے کہ انسان بت کو سجدہ کرے یا یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور بھی اس جہان کا مدبر اور رب ہے اور خالق ہے بلکہ جب انسان اپنی خواہش کی پیروی کرے تو یہ بھی شرک ہے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَ اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَ قَلْبِهٖ وَ جَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنْ یَّهْدِیْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۳﴾ (الجاثیہ:۲۳)

پس کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنالیا اور اللہ نے اس کو علم کے باوجود گم راہ کر دیا اور اس کے کان اور اس کے دل پر مہر لگادی اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا، پس اللہ کے بعد اس کو کون ہدایت دے سکتا ہے، تو کیا تم نصیحت قبول نہیں کرتے O

شیخ ابن عثیمین کی دلیلِ مذکور کا جواب

میں کہتا ہوں: اگر اس آیت کو اپنے ظاہر پر محمول کیا جائے تو یہ صرف تارکِ نماز کے ساتھ مخصوص نہیں رہے گی بلکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی کوئی بھی نافرمانی کرے اور اللہ تعالیٰ کے احکامِ شرعیہ کے بالمقابل اپنی خواہشات پر عمل کرے تو وہ بھی مشرک اور کافر قرار پائے گا حالانکہ اس کے تو شیخ ابن عثیمین بھی قائل نہیں ہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا محمل یہ ہے کہ جو لوگ بتوں کی پرستش کرتے ہیں یا فرشتوں کی پرستش کرتے ہیں یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا حضرت عزیر کی پرستش کرتے ہیں تو انہوں نے اپنی خواہشات سے ان بتوں کو اپنا معبود بنالیا ہے اور حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر کو اور فرشتوں کو اپنا معبود بنالیا ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کے معبود ہونے پر کوئی دلیل قائم نہیں کی، سو یہ لوگ اپنی خواہشات سے شرک کرتے ہیں اور غیر اللہ کو معبود بناتے ہیں اور یہی لوگ گمراہ ہیں اور چونکہ تبلیغ کے باوجود یہ اپنی گمراہی سے باز نہیں آتے تو یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں اور ان کے کانوں پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگادی ہے، لہٰذا تارک نماز اس آیت کے عموم میں داخل نہیں ہے، البتہ یہ ضرور ہے کہ نماز کو ترک کرنا سخت گناہِ کبیرہ ہے، بعض ائمہ کے نزدیک ایسے شخص کو بطور حد کے قتل کر دیا جائے گا اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک تارکِ نماز کو قید میں ڈال دیا جائے گا اور اس وقت تک قید سے رہا نہیں کیا جائے گا تاوقتیکہ وہ نماز پابندی سے پڑھنے نہ لگ جائے۔

ترکِ نماز اور ترکِ زکوٰۃ میں فرق کی توجیہ

سوال: اس کی کیا وجہ ہے کہ ہم (شیخ ابن عثیمین حنبلی اور ان کے متبعین) نماز کے تارک کو کافر قرار دیتے ہیں اور زکوٰۃ کے تارک کو کافر قرار نہیں دیتے؟

جواب: امام احمد سے ایک روایت ہے کہ کل ارکانِ اسلام پانچ ہیں، جس نے ان ارکان کو ترک کیا وہ کافر ہے اور اس روایت کی بناء پر زکوٰۃ کا تارک بھی کافر ہے اور روزہ کا تارک بھی کافر ہے اور حج کا تارک بھی کافر ہے کیونکہ اسلام کی بنیاد ان پانچ چیزوں پر ہے، جب ان میں سے ایک چیز کو بھی ترک کر دیا تو اسلام کی بنیاد منہدم ہوگئی، لیکن صحیح یہ ہے کہ صرف تارکِ نماز کو کافر قرار دیا جائے گا جیسا کہ عبداللہ بن شقیق نے کہا ہے، حدیث میں ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص چاندی کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتا چاندی کو گرم کر کے اس کے جسم کو تپایا جائے گا، پھر یا اس کو جنت میں داخل کیا جائے گا یا دوزخ میں، یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ زکوٰۃ نہ دینے والا کافر نہیں ہے کیونکہ اگر وہ کافر ہوتا تو اس کے لیے جنت کی کوئی سبیل نہ ہوتی۔

(شرح صحیح البخاری ج ۸ ص ۵۱۸۔۵۱۹، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

ترکِ نماز کے کفر نہ ہونے پر دلیل

میں کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ (النساء: ۱۱۶)

بے شک اللہ اس کو نہیں معاف کرے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور جو گناہ اس سے کم ہوگا اس کو جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا۔

اور نماز کو ترک کرنا ہر چند کہ سخت کبیرہ گناہ ہے لیکن بہر حال شرک نہیں ہے، اس لیے امید کی جا سکتی ہے کہ اس کی بھی مغفرت ہو جائے گی اور اس کی مغفرت اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے، چاہے اللہ تعالیٰ اس کو عذاب دینے کے بعد معاف فرمائے یا چاہے تو اس کو ابتداءً معاف فرما دے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

سستی کی وجہ سے نماز ترک کرنے والوں کی سزا کے متعلق فقہاء کے اقوال

جو شخص نماز کی فرضیت کا اعتقاد رکھتا ہو اور پھر اس نے سستی کی وجہ سے نماز کو ترک کر دیا ہو جیسا کہ اکثر لوگوں کا حال ہے تو اس کے حکم کے متعلق علماء کا اختلاف ہے، پس جمہور متقدمین اور متاخرین کا قول یہ ہے جن میں امام مالک اور امام شافعی شامل ہیں کہ ایسا شخص کافر نہیں ہے بلکہ وہ فاسق ہے، پس اگر اس نے توبہ کر لی تو فبہا ورنہ ہم اس کو قتل کر دیں گے جیسا کہ شادی شدہ زانی کو قتل کیا جاتا ہے لیکن اس کو تلوار سے قتل کیا جائے گا اور متقدمین کی ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ وہ کافر ہو جائے گا اور یہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، امام احمد بن حنبل سے بھی ایک یہی روایت ہے اور بعض اصحابِ شافعیہ کا بھی یہی مسلک ہے اور امام ابوحنیفہ اور اہلِ کوفہ کی ایک جماعت اور المزنی شافعی کا مذہب یہ ہے کہ نہ اس کو کافر قرار دیا جائے گا اور نہ اس کو قتل کیا جائے گا بلکہ اس کو تعزیر لگائی جائے گی اور اس کو قید میں رکھا جائے گا حتیٰ کہ وہ نماز پڑھنے لگے۔

مشہور غیر مقلد عالم شیخ محمد بن علی بن محمد الشوکانی التوفی ۱۲۵۵ھ لکھتے ہیں کہ حق یہ ہے کہ سستی سے نماز کو ترک کرنے والا کافر ہے، اس کو قتل کر دیا جائے گا، کافر اس وجہ سے ہے کہ احادیث میں شارع علیہ السلام نے فرمایا: ''بندہ اور کفر کے درمیان نماز کو ترک کرنے کا فرق ہے'' (سنن ابوداؤد: ۴۶۷۸، سنن ترمذی: ۲۶۱۸)، اور اس کو قتل کرنے کی دلیل یہ ہے کہ حدیث میں ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے لوگوں سے قتال کرنے کا حکم دیا ہے حتیٰ کہ وہ اس بات کی

شہادت دیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور یہ کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، اور وہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں، پس جب وہ یہ کام کرلیں گے تو مجھ سے اپنی جانوں کو اور اپنے مالوں کو محفوظ کرلیں گے سوا ان کے جو اسلام کا حق ہے اور ان کا حساب اللہ عزوجل پر ہے۔ (صحیح البخاری: ۲۵، صحیح مسلم: ۲۲)

اس حدیث میں ان لوگوں سے لڑنے کا حکم دیا ہے اور لڑنا ان کو قتل کرنے کو مستلزم ہے، اس سے معلوم ہوا جو نماز نہ پڑھے اس کو قتل کردیا جائے گا۔ (نیل الاوطار ج ا ص ۴۱۰۔۴۱۱، دارالوفا ۱۴۲۱ھ)

شیخ شوکانی کے دلائل کا جواب

جس حدیث میں یہ ارشاد ہے "بندہ اور کفر کے درمیان نماز کو ترک کرنے کا فرق ہے" اس کا محمل یہ ہے کہ جو شخص نماز کے ترک کرنے کو جائز سمجھے تو وہ کافر ہوجائے گا یا اس کا معنی یہ ہے کہ نماز کے ترک کرنے کی اگر اس نے عادت بنالی تو یہ عادت اسے کفر تک پہنچادے گی، اور تیسرا جواب یہ ہے کہ نماز کو ترک کرنا کفار کا فعل ہے یعنی ایسا شخص کفار کے فعل کے مشابہ ہوجائے گا۔

شیخ شوکانی نے سستی کی وجہ سے نماز کے ترک کرنے والے کو قتل کرنے کے متعلق اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ "جو شخص اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی نہ دے اور نماز کو قائم نہ کرے اور زکوٰۃ کو ادا نہ کرے تو مجھے ان سے قتال کرنے کا حکم دیا گیا ہے"۔

اس کا ایک جواب یہ ہے کہ جو تینوں کام نہ کرے ان سے قتال کرنے کا حکم دیا ہے یعنی نہ تو توحید و رسالت کی گواہی دے اور نہ نماز قائم کرے اور نہ زکوٰۃ ادا کرے، نیز اس میں قتال کرنے کا حکم ہے ان کو قتل کرنے کا حکم نہیں ہے۔ اور سستی کی وجہ سے نماز ترک کرنے والے کو قتل نہ کرنے پر قوی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مسلمان مرد یہ شہادت دیتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور بے شک میں اللہ کا رسول ہوں، اس کو قتل کرنا تین میں سے ایک وجہ کے بغیر جائز نہیں ہے: (۱) جان کا بدلہ جان (۲) جو شادی شدہ زنا کرنے والا ہو (۳) جو دینِ اسلام سے نکل جائے اور جماعتِ مسلمین کو چھوڑ دے۔

(صحیح البخاری: ۶۸۷۸، صحیح مسلم: ۱۶۷۶، سنن ترمذی: ۱۴۰۲، سنن نسائی: ۴۰۱۶، سنن ابوداؤد: ۴۳۵۲، سنن ابن ماجہ: ۲۵۳۴، مسند احمد: ۳۶۱۴، سنن دارمی: ۲۲۹۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف قصاص یا شادی شدہ کے زنا کرنے اور دینِ اسلام سے ارتداد کرنے والے کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے اور جو ان میں سے کسی ایک کا مرتکب نہ ہو اس کے قتل کرنے کو ناجائز قرار دیا ہے اور ظاہر ہے سستی کی وجہ سے نماز کو ترک کرنے والا ان تین وجوہات میں شامل نہیں ہے اور یہ حدیث بہت صحیح اور قوی ہے اور مستند کتبِ احادیث میں مروی ہے، اس لیے جس شخص نے سستی کی وجہ سے کسی وقت کی یا تمام نمازوں کو ترک کردیا اس کو نہ کافر قرار دیا جائے گا اور نہ اس کو قتل کرنا جائز ہے، البتہ یہ ضروری ہے کہ اس کو سخت سزا دی جائے قید میں ڈال دیا جائے اور اس وقت تک نہ چھوڑا جائے جب تک کہ وہ نماز کا عادی نہ ہوجائے، نیز جو شخص کھلم کھلا اور علانیہ نماز کو ترک کرتا ہو اور اگر کوئی شخص اس کو نماز پڑھنے کی تبلیغ اور تلقین کرے تو وہ اس پر برا مانتا ہو اور ملامت کرتا ہو تو اس شخص کے متعلق یہ خطرہ ہے کہ اس کے دل کے اوپر گمراہی کی مہر لگ جائے گی اور وہ ایمان پر خاتمہ سے محروم رہے گا، علاوہ

ازیں تمام ممالک اسلامیہ میں بہ کثرت ایسے لوگ ہیں جو سستی کی وجہ سے نماز نہیں پڑھتے اور ہم نے نہیں دیکھا کہ غیر مقلدین نے یا ائمہ ثلاثہ کے مقلدین نے ان کو قتل کرنے کا حکم دیا ہو، خود ہمارے ملک پاکستان میں بے شمار غیر مقلدین میں سے بے نمازی ہیں اور غیر مقلدین علماء نے ان کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیا، سو اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ بے نمازی کو قتل کرنے کے معتقد ہیں وہ خود اپنے اس قول پر عمل نہیں کرتے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۴۳۔ بَابُ: قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ (النساء:۱۶۶)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس نے جو کچھ آپ کی طرف نازل فرمایا ہے اپنے علم کے ساتھ نازل فرمایا ہے اور فرشتے (بھی) گواہی دیتے ہیں

بابِ مذکور کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے کہ ''اس نے قرآن مجید کو اپنے علم کے ساتھ نازل فرمایا ہے'' اس آیت سے قدریہ کے مسلک کا کوئی تعلق نہیں ہے جو کہتے ہیں کہ قرآن مخلوق ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام قدیم ہے اور اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور ذاتِ قدیم کی صفت قدیم ہی ہوتی ہے، پس اللہ تعالیٰ نے جو قرآن کو نازل فرمایا اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکلف بندوں کو اپنی کتاب کے معانی کو سمجھایا اور جو ان پر فرائض مقرر کیے ہیں ان فرائض کو بیان فرمایا اور قرآن کو نازل کرنا اس طرح نہیں ہے جیسا کہ اجسامِ مخلوقہ کو نازل کیا جاتا ہے جس سے ان کی حرکت اور ان کا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا لازم آتا ہے کیونکہ قرآن مجید جسم نہیں ہے اور نہ مخلوق ہے اور جن افعال کو حرکت کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے وہ اجسام ہوتے ہیں اور ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا اللہ تعالیٰ اور اس کے کلام کے لیے اور اس کی جمیع صفات کے لیے محال ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۵۰۲۔ ۵۰۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

بابِ مذکور کی تعلیق

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

قَالَ مُجَاهِدٌ: يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ بَيْنَ السَّمَاءِ السَّابِعَةِ وَالْاَرْضِ السَّابِعَةِ۔

مجاہد نے کہا: اللہ تعالیٰ کا حکم آسمانوں اور زمین کے درمیان نازل ہوتا ہے، ساتویں آسمان سے لے کر ساتویں زمین تک۔

۷۴۸۸۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَمْدَانِيُّ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَا فُلَانُ إِذَا أَوَيْتَ إِلَى فِرَاشِكَ فَقُلِ اللّٰهُمَّ أَسْلَمْتُ نَفْسِي إِلَيْكَ وَوَجَّهْتُ وَجْهِي إِلَيْكَ وَفَوَّضْتُ أَمْرِي إِلَيْكَ وَأَلْجَأْتُ ظَهْرِي إِلَيْكَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوالاحوص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابواسحاق الہمدانی نے حدیث بیان کی از حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے فلاں! جب تم اپنے بستر پر جاؤ

رَغْبَةً وَرَهْبَةً إِلَيْكَ لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَا مِنْكَ إِلَّا إِلَيْكَ آمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِي أَنْزَلْتَ وَبِنَبِيِّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ فَإِنَّكَ إِنْ مُتَّ فِي لَيْلَتِكَ مُتَّ عَلَى الْفِطْرَةِ وَإِنْ أَصْبَحْتَ أَصَبْتَ أَجْرًا۔

تو یہ دعا کرو:

"اے اللہ! میں نے اپنی جان تجھے سونپ دی اور میں نے اپنا چہرہ تیری طرف متوجہ کردیا اور میں نے اپنے معاملات تیرے حوالے کردیے اور میں نے اپنی پشت کو رغبت اور خوف سے تیری طرف مفوض کردیا، تیرے سوا کوئی ٹھکانا اور کوئی نجات کی جگہ نہیں ہے سوائے تیری طرف، میں تیری اس کتاب پر ایمان لایا جس کو تو نے نازل کیا اور اس نبی پر ایمان لایا جس کو تو نے بھیجا" پس بے شک اگر تم اس رات کو مر گئے تو دینِ فطرت پر مرو گے اور اگر تم نے صبح کی تو اجر پاؤ گے۔

(صحیح البخاری: ۲۴۷، ۶۳۱۱، ۶۳۱۳، ۶۳۱۵، ۷۴۸۸، صحیح مسلم: ۲۷۱۰، سنن ترمذی: ۳۵۷۴، سنن ابوداؤد: ۵۰۴۶، سنن ابن ماجہ: ۳۸۷۶، مسند احمد: ۱۸۱۷۷، سنن دارمی: ۲۶۸۳)

صحیح البخاری: ۷۴۸۸، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رات کو سونے سے پہلے وضو کرنے کی حکمتیں

رات کو سونے سے پہلے وضو کرنا مستحب ہے، کیونکہ نیند بھی ایک قسم کی موت ہے اور ہوسکتا ہے کہ رات کو اس کی وفات ہوجائے تو اس کے عمل کا خاتمہ وضو پر ہو، دوسری حکمت یہ ہے کہ جب بندہ وضو کر کے سوئے گا تو اس کے خواب سچے ہوں گے اور وہ نیند میں شیطان کے کھیلنے سے محفوظ رہے گا، اور کتنا بہتر ہے کہ اس کا خاتمہ باوضو ہو اور اللہ تعالیٰ سے دعا پر ہو جو کہ افضلِ اعمال ہے، اسی وجہ سے حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما اپنے آخری عمل میں وضو کرتے تھے اور دعا کرتے تھے اور اگر اس کے بعد کوئی اور بات کرتے تو پھر دوبارہ وضو کر کے سوتے تھے۔

جو شخص جنبی ہو اس کے لیے جنابت کے بعد وضو کر کے سونا زیادہ موکد ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جو مسلمان بھی باوضو ذکر کرتا ہوا سوئے پھر جب رات کو اٹھے اور اللہ تعالیٰ سے دنیا و آخرت کی جس خیر کا بھی سوال کرے اللہ تعالیٰ اس کو وہ خیر عطا فرما دیتا ہے"۔ (سنن ابوداؤد: ۵۰۴۲)

نیز اس حدیث میں دائیں کروٹ پر سونے کا حکم دیا ہے، کیونکہ یہ بھی سونے کی سنت ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دائیں جانب اختیار کرنے کو پسند فرماتے تھے، اور اس میں حکمت یہ ہے کہ اس کا دل دائیں جانب معلق رہے تو اس پر نیند غالب نہیں ہوگی اور وہ جلدی بیدار ہوجائے گا۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "جو شخص یہ دعا کرنے کے بعد اس رات کو فوت ہوگیا تو وہ دینِ اسلام پر فوت ہوگا"۔

نیز حدیث صحیح میں ہے: ''جس کا آخری کلام لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا''۔

(سنن ابوداؤد: ۳۱۱۶، مسند احمد ج ۵ ص ۲۳۳، الحاکم للمستدرک ج ۱ ص ۳۵۱)

علامہ قرطبی نے کہا ہے: جس شخص کا خاتمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پر ہوا تو وہ جنتی ہو جائے گا، پھر ان دعائیہ کلمات کا کیا فائدہ ہوا؟۔ پھر انہوں نے اس کا یہ جواب دیا کہ جس کا خاتمہ کلمہ توحید پر ہوا وہ بھی دینِ فطرت پر فوت ہوا اور جس کا خاتمہ ان دعائیہ کلمات پر ہوا اس کا خاتمہ بھی دینِ فطرت پر ہوا لیکن پہلی فطرت المقربین کی ہے اور دوسری فطرت اصحاب الیمین کی ہے۔

(المفہم شرح صحیح مسلم ج ۷ ص ۳۹)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۴ ص ۵۳۵-۵۳۸ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۷۴۸۹۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي أَوْفَى قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَوْمَ الْأَحْزَابِ اللّٰهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتَابِ سَرِيعَ الْحِسَابِ اهْزِمِ الْأَحْزَابَ وَزَلْزِلْ بِهِمْ زَادَ الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي خَالِدٍ سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از اسماعیل بن ابی خالد از عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جنگ خندق کے دن دعا فرمائی: اے اللہ! کتاب کو نازل فرمانے والے، جلد حساب لینے والے (کفار کی)! جماعتوں کو شکست دے اور ان کے قدم اکھاڑ دے۔

اور الحمیدی نے یہ اضافہ کیا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن ابی خالد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے عبداللہ سے سنا وہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے سنا۔

(صحیح البخاری: ۲۹۳۳، ۲۹۶۵، ۳۰۲۵، ۴۱۱۵، ۶۳۹۲، ۷۴۸۹، صحیح مسلم: ۱۷۴۲، سنن ترمذی: ۱۶۷۸، سنن ابن ماجہ: ۲۷۹۶، مسند احمد: ۱۸۶۲۸)

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث میں یہ ثبوت ہے کہ کفار کے خلاف شکست کی دعا کرنا جائز ہے۔

(۲) اس حدیث میں یوم الاحزاب مذکور ہے، اس سے مراد وہ دن ہے جب عرب کے تمام قبائل نبی ﷺ سے جنگ کرنے کے لیے جمع ہو گئے تھے۔

(۳) اس حدیث میں مذکور ہے ''سریع الحساب'' یعنی اللہ تعالیٰ جو تمام مخلوقات سے بہت جلد حساب لینے والا ہے۔

(۴) نبی ﷺ نے مسجع، مقفیٰ دعا کرنے سے منع فرمایا ہے اور اس حدیث میں آپ کی دعا کے جو الفاظ ہیں وہ بھی مسجع ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ نے مطلقاً مسجع الفاظ کی مذمت نہیں کی بلکہ جیسے کاہن مسجع و مقفیٰ الفاظ بولتے ہیں ان کی مذمت فرمائی ہے، یا اس کی مذمت فرمائی ہے جو تکلف کے ساتھ ہم وزن الفاظ کو اپنی دعا میں لائے۔

۷۴۹۰۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ عَنْ هُشَيْمٍ عَنْ أَبِي بِشْرٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما ﴿وَ لَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَ لَا تُخَافِتْ بِهَا﴾ قَالَ أُنْزِلَتْ وَرَسُولُ اللهِ ﷺ مُتَوَارٍ بِمَكَّةَ فَكَانَ إِذَا رَفَعَ صَوْتَهُ سَمِعَ الْمُشْرِكُونَ فَسَبُّوا الْقُرْآنَ وَمَنْ أَنْزَلَهُ وَمَنْ جَاءَ بِهِ فَقَالَ اللهُ تَعَالَى ﴿وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا﴾ حَتَّى يَسْمَعَ الْمُشْرِكُونَ ﴿وَ لَا تُخَافِتْ بِهَا﴾ عَنْ أَصْحَابِكَ فَلَا تُسْمِعُهُمْ ﴿وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيلًا ۝﴾ أَسْمِعْهُمْ وَلَا تَجْهَرْ حَتَّى يَأْخُذُوا عَنْكَ الْقُرْآنَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی از ہشیم از ابی بشر از سعید بن جبیر از حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، انہوں نے درج ذیل آیت کی تفسیر میں فرمایا:

''اور آپ نماز میں نہ بہت بلند آواز سے قرآن پڑھیں اور نہ بہت پست آواز سے'' (بنی اسرائیل:۱۱۰)

جس وقت یہ آیت نازل ہوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں چھپ کر نماز پڑھتے تھے، پس جب آپ آواز بلند کرتے اور مشرکین آپ کی آواز سنتے تو وہ قرآن مجید کو برا کہتے اور قرآن مجید کے نازل کرنے والے کو اور جو قرآن مجید لے کر آیا ہے ان سب کو برا کہتے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''اور آپ نماز میں نہ بہت بلند آواز سے قرآن پڑھیں اور نہ بہت پست آواز سے'' (بنی اسرائیل:۱۱۰)

یعنی آپ بلند آواز سے نماز نہ پڑھیں حتیٰ کہ مشرکین سنیں اور نہ بہت پست آواز کے ساتھ نماز پڑھیں کہ آپ کے اصحاب قرآن کو نہ سنیں۔

''اور ان دونوں کے درمیان طریقہ اختیار کریں'' (بنی اسرائیل:۱۰۰)

یعنی آپ ان کو قرآن سنائیں اور آواز بلند نہ کریں حتیٰ کہ وہ آپ سے قرآن مجید کی آیات کو حاصل کر لیں۔

(صحیح البخاری: ۴۷۲۲، ۷۴۹۰، ۷۵۲۵، ۷۵۴۷، صحیح مسلم: ۴۴۶، سنن ترمذی: ۳۱۴۶، سنن نسائی: ۱۰۱۱، مسند احمد: ۱۵۶)

صحیح البخاری: ۷۴۹۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

انزال اور تنزیل کا فرق

اس حدیث میں مذکور ہے ''انزلت'' یہ لفظ انزال سے ماخوذ ہے، انزال اور تنزیل میں فرق یہ ہے کہ انزال دفعةً واحدةً نازل کرنے کو کہتے ہیں اور تنزیل کا معنی ہے: قرآن مجید کی آیات کو تدریجاً واقعات اور مصلحتوں کے اعتبار سے نازل کرنا۔

آیتِ مذکورہ کے شانِ نزول میں دیگر روایات

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ یہ آیت دعا کے متعلق نازل ہوئی ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تہجد

کی نماز میں بہت آہستہ قرآن مجید پڑھا کرتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت بلند آواز سے قرآن مجید پڑھا کرتے تھے، پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا گیا کہ اپنی آواز کچھ بلند کریں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنی آواز کو پست کریں، اور تیسری روایت یہ ہے کہ زیاد بن عبدالرحمٰن نے کہا کہ دن کی نمازوں کو بلند آواز سے نہ پڑھیں اور رات کی نمازوں کو پست آواز کے ساتھ نہ پڑھیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۲۳۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۳۵۔ بَابُ: قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ (الفتح: ۱۵)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”وہ اللہ کے کلام کو بدلنا چاہتے ہیں“

اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ۝ (الطارق: ۱۳): حَقٌّ

بے شک یہ (قرآن) (حق اور باطل میں) فیصلہ کرنے والا ہے، فصل کا معنی ہے: حق۔

وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ۝ (الطارق: ۱۴) بِاللَّعِبِ

اور یہ کوئی مذاق نہیں ہے۔ الھزل کا معنی ہے: کھیل کود۔

بابِ مذکور کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی صفات کا بیان

علامہ المہلب المالکی نے کہا ہے: اس باب کے قائم کرنے سے وہی غرض ہے جو اس سے پہلے ابواب کی غرض ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی صفات کا ثبوت۔

الفتح: ۱۵ کی تفسیر یہ ہے کہ جب منافقین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ تبوک کی طرف جانے سے پیچھے رہ گئے اور انہوں نے جھوٹے عذر پیش کیے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے جھوٹ کی خبر دے دی، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد پڑھیں:

لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِیَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِیَ عَدُوًّا۔ (التوبہ: ۸۳)

اب تم کبھی بھی میرے ساتھ نہ جا سکو گے اور کبھی میرے ہمراہ دشمن سے قتال نہیں کرو گے۔

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین کو یہ آیت سنا دی اور ان کو جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں جانے کی طمع تھی اس کو منقطع کر دیا، پھر جب منافقین نے ان فتوحات کو دیکھا جو اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مہیا کی تھیں تو ان فتوحات اور مالِ غنیمت کی رغبت میں انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کی طرف نکلنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ ۚ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ۭ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا ۭ بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝

اور جب تم اموالِ غنیمت لینے کے لیے جاؤ گے تو عنقریب پیچھے کر دیے جانے والے لوگ یہ کہیں گے: ہمیں بھی اپنے ساتھ چلنے دو، وہ اللہ کے کلام کو بدلنا چاہتے ہیں، آپ کہیے کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں چل سکتے، اللہ نے اسی طرح پہلے فرما دیا ہے، پھر

عنقریب وہ کہیں گے کہ تم ہم سے حسد کرتے ہو، (یہ بات نہیں ہے) بلکہ وہ لوگ بہت کم سمجھتے ہیں O (الفتح:۱۵)

یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو حکم دیا کہ منافقین آپ کے ساتھ جہاد کے لیے نہیں نکلیں گے، پھر اللہ تعالیٰ نے کافی ایام تک جہاد میں ان کے ساتھ جانے کی طمع کو منقطع رکھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا:

لَنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا (التوبہ:۸۳)

اب تم کبھی بھی میرے ساتھ نہ جاسکو گے اور کبھی میرے ہمراہ دشمن سے قتال نہیں کرو گے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۶﴾ (الفتح:۱۶)

آپ ان پیچھے کردیئے جانے والے اعرابیوں (یعنی جو اللہ تعالیٰ کے کلام میں تبدیلی چاہتے تھے) سے کہیے کہ عنقریب تم کو سخت جنگ جو قوم (مرتدین اہل یمامہ) کی طرف بلایا جائے گا، تم ان سے قتال کرتے رہو گے حتیٰ کہ وہ مسلمان ہوجائیں گے، پس اگر تم نے اس حکم کی اطاعت کر لی تو تم کو عمدہ اجر دیا جائے گا اور اگر تم نے روگردانی کی جس طرح اس سے پہلے روگردانی کرتے رہے ہو تو اللہ تمہیں دردناک عذاب دے گا O

ان اعرابیوں کو اہلِ یمامہ سے جنگ کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں بلایا تھا بلکہ آپ کے خلفاء میں سے کسی نے ان کو بلایا تھا، ایک قول یہ ہے کہ ان کو بلانے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تھے، انہوں نے ان اعراب کو مرتدین سے قتال کے لیے بلایا، دوسرا قول ہے کہ بلانے والے حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے، انہوں نے ان کو مشرکین سے قتال کے لیے بلایا۔

ان تمام احادیث میں اللہ تعالیٰ کے کلام کا ثبوت ہے اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کلام اس کی صفت ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور اس صفت کا اللہ تعالیٰ سے جدا ہونا صحیح نہیں ہے، وہ ہمیشہ سے متکلم ہے اور ہمیشہ متکلم رہے گا۔

(شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۵۱۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۷۴۹۱۔ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى يُؤْذِيْنِيْ ابْنُ اٰدَمَ يَسُبُّ الدَّهْرَ وَاَنَا الدَّهْرُ بِيَدِي الْاَمْرُ اُقَلِّبُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں الحمیدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الزہری نے حدیث بیان کی از سعید بن المسیب از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: مجھے ابن آدم ایذاء پہنچاتا ہے، وہ دہر کو برا کہتا ہے اور میں خود دہر ہوں، میرے ہی ہاتھ میں معاملات ہیں، میں دن اور رات کو پلٹتا رہتا ہوں۔

(صحیح البخاری: ۴۸۲۶، ۶۱۸۱، ۷۴۹۱، صحیح مسلم: ۲۲۴۶، سنن ابوداؤد: ۵۲۷۴، مسند احمد: ۷۲۰۴، موطا امام مالک: ۱۸۴۶)

صحیح البخاری: ۷۴۹۱، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال المکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کو ایذاء پہنچانے کا محمل

اللہ تعالیٰ کو ایذاء نہیں پہنچ سکتی، ایذاء اس شخص کو پہنچتی ہے جس کے اوپر حوادث الٹ پلٹ کر آتے ہیں اور وہ شخص عاجز ہوتا ہے اور بدلہ لینے سے قاصر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں سے منزہ ہے، پس واجب ہے کہ جس ایذاء کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کی گئی ہے اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے انبیاء اور اس کے رسولوں کو ایذاء پہنچانا ہے، اور اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ ابنِ آدم دہر کو برا کہہ کر میرے نبیوں اور رسولوں کو ایذاء پہنچاتا ہے، کیونکہ نبیوں اور رسولوں کو ایذاء پہنچانا دہر کے خالق کی طرف ایذاء پہنچانے کا ذریعہ ہے اور اللہ تعالیٰ زمانہ کے حوادث کو پھیرتا رہتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اور میں خود دہر ہوں" یعنی میں دہر میں راحتوں اور تکلیفوں کو الٹتا پلٹتا رہتا ہوں جیسے ارشاد ہے کہ میرے ہاتھ میں ہی معاملات ہیں اور میں دن اور رات کو الٹتا پلٹتا رہتا ہوں، پس دن اور راتیں حوادث کا ظرف ہیں، پس جب تم دہر کو برا کہو گے حالانکہ دہر کچھ نہیں کرتا تو تمہارا یہ برا کہنا اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہوگا۔

(شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۵۱۰۔۵۱۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۷۴۹۱ کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے اپنی ذات پر "دہر" کے اطلاق کی توجیہ

اس حدیث میں مذکور ہے "میں دہر ہوں" یعنی میں دہر کا مدبر ہوں، اور یہ معنی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ خود دہر ہے، کیونکہ جو لوگ دہر کو برا کہتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کو برا کہنے کا ارادہ نہیں کرتے، وہ صرف یہ ارادہ کرتے ہیں کہ وہ دہر کو برا کہیں یعنی وقت کو اور زمانہ کو، پس تم دیکھو گے وہ سال کو برا کہتے ہیں کہ یہ نحوست کا سال ہے اور مہینہ کو برا کہتے ہیں کہ یہ منحوس مہینہ ہے اور دن کو برا کہتے ہیں کہ یہ منحوس دن ہے، اور اسی طرح کی باتیں کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ عزوجل نے بیان فرمایا کہ یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں اور ان کو برا کہنا دراصل ان کے مدبر کو برا کہنا ہے جو کہ خود اللہ عزوجل کی ذات ہے، رہی یہ مخلوقات تو یہ خود تدبیر نہیں کرتیں۔

(شرح صحیح البخاری ج ۸ ص ۵۲۳، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۷۴۹۲۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ يَقُولُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ الصَّوْمُ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ يَدَعُ شَهْوَتَهُ وَأَكْلَهُ وَشُرْبَهُ مِنْ أَجْلِي وَالصَّوْمُ جُنَّةٌ وَلِلصَّائِمِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی از ابی صالح از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: اللہ عزوجل فرماتا ہے: روزہ خاص میرے لیے ہے اور میں

فَرْحَتَانِ فَرْحَةٌ حِيْنَ يُفْطِرُ وَفَرْحَةٌ حِيْنَ يَلْقَى رَبَّهُ وَلَخُلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ رِيْحِ الْمِسْكِ۔

خود اس کی جزا دوں گا، روزہ دار میری وجہ سے شہوت کے تقاضوں کو چھوڑتا ہے اور اپنے کھانے اور پینے کو میری وجہ سے چھوڑتا ہے اور روزہ ڈھال ہے اور روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہیں، ایک خوشی اس کو اس وقت ہوگی جب وہ روزہ افطار کرے گا اور ایک خوشی اس کو اس وقت ہوگی جب وہ اپنے رب سے ملاقات کرے گا، اور ضرور روزہ دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

(صحیح البخاری: ۱۸۹۴، ۱۹۰۴، ۵۹۲۷، ۷۴۹۲، ۷۵۳۸، صحیح مسلم: ۱۱۵۱، سنن ترمذی: ۷۶۴، سنن نسائی: ۲۲۱۶، سنن ابوداؤد: ۲۳۶۳، سنن ابن ماجہ: ۱۶۳۸، مسند احمد: ۷۶۳۶، موطا امام مالک: ۶۸۹)

علامہ شہاب الدین ابو العباس احمد القسطلانی المتوفی ۹۱۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

روزہ کی خصوصیت کی توجیہ

اس حدیث میں فرمایا "روزہ خاص میرے لیے ہے" روزہ کی خصوصیت اس وجہ سے ہے کہ مشرکین نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسرے معبودوں کی جو عبادت کی تو کسی نے اللہ کے غیر کے لیے روزہ نہیں رکھا، روزہ، روزہ داروں نے صرف اللہ تعالیٰ کے لیے رکھا ہے، اس کے علاوہ مشرکین بتوں کو اور چاند اور سورج کو اور درختوں کو سجدہ تو کرتے رہے لیکن کسی نے ان معبودانِ باطلہ کے لیے روزہ نہیں رکھا۔

روزہ کی جزا دینے کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کی توجیہ

اس حدیث میں فرمایا کہ "میں خود روزہ کی جزا دوں گا" اور یہ معلوم ہے کہ کریم جب خود عطا کرے تو وہ بہت عظیم چیز عطا کرتا ہے، اس میں اشارہ یہ ہے کہ روزہ کی جزا اللہ تبارک وتعالیٰ دوگنی چوگنی دے گا بغیر اس کے کہ اس کا شمار اور حساب کیا جا سکے۔

روزہ کے ڈھال ہونے کی توجیہ

یعنی روزہ دوزخ کی آگ سے ڈھال ہے اور روزہ دار دوزخ کی آگ سے محفوظ رہیں گے، یا دنیا میں روزہ نافرمانیوں کے لیے ڈھال ہے کیونکہ روزہ بندہ کی شہوت کو توڑ دیتا ہے اور اس کی قوت کو کمزور کر دیتا ہے، لہٰذا وہ دنیا میں نافرمانیوں سے باز رہے گا۔

(ارشاد الساری ج ۱۵ ص ۵۳۵، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۷۴۹۲ کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جب انسان کے اوپر دوسروں کے حقوق ہوں تو قیامت کے دن اس کی نیکیوں کو لیا جائے گا اور جن کے حقوق ہیں ان کو وہ نیکیاں دے دی جائیں گی، تو جب کسی بندہ کی تمام نیکیاں لے لی جائیں گی اور اس کی نیکیوں میں سے صرف

روزہ باقی رہ جائے گا تو وہ روزہ نہیں لیا جائے گا کیونکہ وہ روزہ اس نے صرف اللہ کے لیے رکھا ہے، یعنی روزہ رکھنے میں دکھاوا نہیں ہے بلکہ وہ خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں خود اس کی جزا دوں گا اور اس کی حکمت بیان فرمائی کہ روزہ دار نے اپنی شہوت کے تقاضوں کو اور اپنے کھانے اور پینے کو میرے خوف کی وجہ سے چھوڑا تھا اور یہ بندہ کا اخلاص تھا، تو اس اخلاص کی جزا اس کو میں دوں گا۔

جمہور علماء کے نزدیک منی کے خروج سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے کیونکہ وہ شہوت ہے۔

روزہ کو ڈھال فرمایا، کیونکہ ڈھال وہ چیز ہے جس کے ذریعہ سے دشمن کے تیروں سے بچا جاتا ہے، اسی طرح انسان دنیا میں روزہ کی وجہ سے جھوٹ بولنے سے اور جھوٹ پر عمل کرنے سے اور جہالت کے کاموں سے بچتا ہے اور آخرت میں روزہ کی وجہ سے دوزخ کی آگ سے بچتا ہے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۸ ص ۵۲۴، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۷۴۹۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ بَيْنَمَا أَيُّوبُ يَغْتَسِلُ عُرْيَانًا خَرَّ عَلَيْهِ رِجْلُ جَرَادٍ مِنْ ذَهَبٍ فَجَعَلَ يَحْثِي فِي ثَوْبِهِ فَنَادَى رَبُّهُ يَا أَيُّوبُ أَلَمْ أَكُنْ أَغْنَيْتُكَ عَمَّا تَرَى قَالَ بَلَى يَا رَبِّ وَلٰكِنْ لَا غِنَى بِي عَنْ بَرَكَتِكَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرزاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از ہمام از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: جس وقت کہ حضرت ایوب علیہ السلام برہنہ غسل فرما رہے تھے تو ان کے اوپر بہ کثرت سونے کی ٹڈیاں گریں، وہ اس کو اپنے کپڑے میں پکڑنے لگے تو ان کو ان کے رب نے ندا کی: اے ایوب: کیا میں نے تم کو اس سے غنی نہیں کر دیا جس کو تم دیکھ رہے ہو؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں اے میرے رب! لیکن میں تیری برکت سے مستغنی نہیں ہوں۔

(صحیح البخاری: ۲۷۹، ۳۳۹۱، ۷۴۹۳، سنن نسائی: ۴۰۹، مسند احمد: ۲۷۴۳۷)

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث کے وارد کرنے سے غرض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے صفتِ کلام کو ثابت کیا جائے کیونکہ اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے حضرت ایوب علیہ السلام سے ندا کرنے کا ذکر ہے اور نداء کرنا کلام ہے۔

(۲) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ پچھلی امتوں میں بغیر کپڑے کے برہنہ غسل کرنا جائز تھا لیکن ہماری شریعت میں رسول اللہ ﷺ نے بغیر ازار کے غسل کرنے سے منع فرما دیا تاہم تنہائی میں بغیر ازار کے غسل کرنا جائز ہے جہاں دوسرے لوگوں کے دیکھنے کا خطرہ نہ ہو، رسول اللہ ﷺ خود اور آپ کی ازواجِ مطہرات کپڑے پہن کر غسل کرتے تھے یعنی ازار باندھ کر۔

۷۴۹۴۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ الْأَغَرِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث

اللہ ﷺ قَالَ یَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالٰی كُلَّ لَیْلَةٍ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْیَا حِینَ یَبْقَى ثُلُثُ اللَّیْلِ الْآخِرُ یَقُولُ مَنْ یَدْعُونِی فَأَسْتَجِیبَ لَهُ مَنْ یَسْأَلُنِی فَأُعْطِیَهُ مَنْ یَسْتَغْفِرُنِی فَأَغْفِرَ لَهُ۔

بیان کی از ابن شہاب از ابوعبداللہ الاغر از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہمارا رب تبارک وتعالیٰ ہر رات آسمانِ دنیا کی طرف اترتا ہے، جب رات کا آخری تہائی حصہ رہ جاتا ہے پس فرماتا ہے: کون مجھ سے دعا کرے گا کہ میں اس کی دعا قبول کروں؟ اور کون مجھ سے سوال کرے گا کہ میں اس کو عطا کروں؟ اور کون مجھ سے مغفرت طلب کرے گا سو میں اس کی مغفرت کروں گا؟

(صحیح البخاری: ۱۱۴۵، ۶۳۲۱، ۷۴۹۴، صحیح مسلم: ۷۵۸، سنن ترمذی: ۳۴۹۸، سنن ابوداؤد: ۱۳۱۵، سنن ابن ماجہ: ۱۳۶۶، مسند احمد: ۹۹۴۰، موطا امام مالک: ۴۹۶، سنن دارمی: ۱۴۷۹)

صحیح البخاری: ۷۴۹۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے آسمانِ دنیا کی طرف نزول کے متعلق شارحین حدیث کی توجیہات

یہ حدیث متشابہات کے باب سے ہے اور یا تو اس حدیث کے معنی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سپرد کر دیا جائے، یا اس میں یہ تاویل کی جائے کہ اللہ تعالیٰ کے نزول سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا فرشتہ نازل ہوتا ہے، اور صحیح ابن خزیمہ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب فجر طلوع ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ عرش کی طرف چڑھ جاتا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے ایسی روایات کو ضعیف قرار دیا ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں کہ حافظ ابن حجر کو یہ معلوم نہیں کہ جب حدیث متعدد ضعیف سندوں کے ساتھ مروی ہو تو پھر وہ حدیث قوی ہو جاتی ہے اور اس قسم کی احادیث کو صرف تسلیم کر لیا جائے اور ان کی مراد کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا جائے، کیونکہ ان احادیث کا ظاہر اللہ تعالیٰ کے جسم ہونے کا تقاضا کرتا ہے اور اگر ان میں تاویل کی جائے کہ اللہ تعالیٰ نازل نہیں ہوتا اس کا فرشتہ نازل ہوتا ہے تو اس سے اللہ تعالیٰ کی صفت کا انکار لازم آتا ہے اور سلامتی اس میں ہے کہ اس بحث میں سکوت کیا جائے اور اس کی مراد کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا جائے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۲۳۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ شہاب الدین ابوالعباس احمد القسطلانی المتوفی ۹۱۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی تاویل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی فرشتہ کو آسمانِ دنیا پر نازل ہونے کا حکم دیتا ہے اور شیخ ابن حزم نے اس کی یہ تاویل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا میں کوئی فعل کرتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ دعا کی قبولیت کے لیے آسمان کو کھول دیتا ہے، اور یہ وہ ساعت ہے جس میں دعا کے قبول ہونے کا ظنِ غالب ہوتا ہے اور دوسری احادیث میں اللہ تعالیٰ کے عرش کی طرف چڑھنے کا بھی ذکر ہے، پس جس طرح نزول (اترنے) میں تاویل کی جاتی ہے اسی طرح صعود (چڑھنے) میں بھی تاویل کی جائے گی، اور سلامتی اس میں ہے کہ ان

احادیث کو تسلیم کیا جائے اور اس کی مراد کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا جائے۔ (ارشاد الساری ج ۱۵ ص ۵۳۶، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۷۴۹۴ کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمادیا کہ ہمارا رب تبارک وتعالیٰ ہر رات کو آسمانِ دنیا کی طرف نازل ہوتا ہے تو اب اس میں تحریف کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ یہ کہا جائے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم نازل ہوتا ہے یا اس کی رحمت نازل ہوتی ہے یا اس کے فرشتوں میں سے کوئی فرشتہ نازل ہوتا ہے بلکہ ہم کہتے ہیں کہ خود اللہ تعالیٰ نازل ہوتا ہے لیکن وہ کیسے نازل ہوتا ہے یہاں ہم ٹھہر جاتے ہیں اور کہتے ہیں: اللہ ہی جانتا ہے کہ وہ کیسے نازل ہوتا ہے، اس کی کیفیت مجہول ہے اور اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس سے سوال کرنا بدعت ہے، اور جب وہ آسمانِ دنیا کی طرف نازل ہوجاتا ہے تو کیا اس سے یہ لازم آتا ہے کہ عرش خالی ہوگیا؟ ہم کہتے ہیں کہ یہ سوال کرنا بھی بدعت ہے، کیونکہ اگر اس چیز کو جاننا دین میں ضروری ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات سے پہلے اس کو بیان فرمادیتے، نیز صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جو اللہ تعالیٰ کی صفات کی معرفت کو جاننے میں بہت حریص تھے، انہوں نے یہ سوال نہیں کیا، اگر اس کا دین میں جاننا ضروری ہوتا تو صحابہ کرام ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق پوچھتے، کیونکہ صحابہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی جتنی تعظیم اور ادب تھا اتنا بعد کے لوگوں میں نہیں ہے۔

سوال: جب اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا کی طرف نازل ہوتا ہے تو کیا اس کا یہ نزول اللہ تعالیٰ کی بلندی کے منافی ہے؟

تو ہم کہیں گے: نہیں کیونکہ اس کا عالی ہونا اس کا وصفِ لازم ہے اور وصفِ لازم میں تحول اور تغیر ممکن نہیں ہے، پس اگر کوئی کہے کہ جب تم اللہ تعالیٰ کے لیے علو اور بلندی کو ثابت کرتے ہو تو وہ کیسے نازل ہوتا ہے تو ہم کہیں گے: اللہ تعالیٰ کا آسمانِ دنیا کی طرف نازل ہونا اس کا کوئی معنی ہماری عقل میں نہیں آسکتا، اور ہمارے لیے اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہے کہ ہم اس حدیث کو تسلیم کرلیں اگرچہ ہماری عقلیں اس کی کیفیت کو سمجھنے سے حیران ہیں۔ (شرح صحیح البخاری ج ۸ ص ۵۲۶-۵۲۷، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۷۴۹۵- حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ أَنَّ الْأَعْرَجَ حَدَّثَهُ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ نَحْنُ الْآخِرُونَ السَّابِقُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوالزناد نے حدیث بیان کی، وہ بیان کرتے ہیں کہ الاعرج نے ان کو حدیث بیان کی، انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ہم (دنیا میں) آخر ہیں اور آخرت میں سابق ہیں۔

(صحیح البخاری: ۲۳۸، ۸۷۶، ۸۹۶، ۲۹۵۶، ۳۴۸۶، ۶۶۲۴، ۶۸۸۷، ۷۰۳۶، ۷۴۹۵، صحیح مسلم: ۸۵۵، سنن نسائی: ۱۳۶۷، مسند احمد: ۱۰۱۷۰)

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین اور آخری نبی ہونے کی دلیل ہے، اور اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ فضیلت ہے کہ باوجود اس کے کہ آپ تمام انبیاء کے بعد مبعوث ہوئے قیامت کے دن آپ سب پر مقدم ہوں گے۔

۷۴۹۶- وَبِهَذَا الْإِسْنَادِ قَالَ اللهُ أَنْفِقْ أُنْفِقْ

اور اسی سند کے ساتھ یہ حدیث ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: تم خرچ

عَلَیْكَ۔ کرو میں تم پر خرچ کروں گا۔

(صحیح البخاری: ۴۶۸۴، ۵۳۵۲، ۷۴۱۱، ۷۴۱۹، ۷۴۹۶، صحیح مسلم: ۹۹۳، سنن ترمذی: ۳۰۴۵، سنن ابن ماجہ: ۱۹۷، مسند احمد: ۷۲۵۶، ۷۳۵۷)

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کی صفتِ کلام کا ثبوت ہے کیونکہ اس حدیث میں مذکور ہے: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمانا ہی اس کا کلام ہے۔ نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس طرح لوگ دوسرے لوگوں کے ساتھ سلوک کریں اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ویسا سلوک کرتا ہے، اگر لوگ ضرورت مندوں پر خرچ کریں تو اللہ تعالیٰ بھی ان کے اوپر خرچ فرماتا ہے۔

۷۴۹۷۔ حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا ابْنُ فُضَيْلٍ عَنْ عُمَارَةَ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ فَقَالَ هَذِهِ خَدِيجَةُ أَتَتْكَ بِإِنَاءٍ فِيهِ طَعَامٌ أَوْ إِنَاءٍ فِيهِ شَرَابٌ فَأَقْرِئْهَا مِنْ رَبِّهَا السَّلَامَ وَبَشِّرْهَا بِبَيْتٍ مِنْ قَصَبٍ لَا صَخَبَ فِيهِ وَلَا نَصَبَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں زہیر بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن فضیل نے حدیث بیان کی از عمارہ از ابی زرعہ از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں: (پس حضرت جبریل نے کہا:) یہ حضرت خدیجہ ہیں، آپ کے پاس ایک برتن میں طعام لے کر آئی ہیں یا ایک برتن میں مشروب لے کر آئی ہیں، آپ ان پر ان کے رب کی طرف سے سلام پڑھیے اور ان کو اس گھر کی بشارت دیجئے جو کھوکھلے موتیوں سے بنا ہوا ہے، اس میں نہ کوئی شور ہوگا اور نہ کوئی تھکاوٹ ہوگی۔

(صحیح البخاری: ۳۸۲۰، ۷۴۹۷، صحیح مسلم: ۲۴۳۲، مسند احمد: ۷۱۱۶)

صحیح البخاری: ۷۴۹۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "فقال هذه خديجة اتتك" یعنی یہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہیں جو آپ کے پاس آئی ہیں، اس کلام کے کہنے والے حضرت جبریل علیہ السلام ہیں، اور کتاب المناقب میں یہ حدیث گزری ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضرت جبریل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، پس کہا: یا رسول اللہ! یہ خدیجہ ہیں جو آپ کے پاس آئی ہیں۔۔۔ الحدیث

اس حدیث میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے اوپر اللہ تعالیٰ کے سلام پڑھنے کا ذکر ہے، اور سلام پڑھنا بھی کلام سے ہوتا ہے تو اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کی صفتِ کلام کا ثبوت ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۹۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۴۹۸۔ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ أَسَدٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ قَالَ اللهُ أَعْدَدْتُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں معاذ بن اسد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از ہمام بن منبہ از حضرت

لِعِبَادِي الصَّالِحِينَ مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلَى قَلْبِ بَشَرٍ۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے ایسی نعمتیں تیار کی ہیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے اور نہ جن کے متعلق کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی بشر کے دل میں ان کا خیال آیا۔

(صحیح البخاری: ۳۲۴۴، ۴۷۷۹، ۴۷۸۰، ۷۴۹۸، صحیح مسلم: ۲۸۲۴، سنن ترمذی: ۳۱۹۷، سنن ابن ماجہ: ۴۳۲۸، مسند احمد: ۱۰۰۵۱، سنن دارمی: ۲۸۲۸)

صحیح البخاری: ۷۴۹۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے "میں نے اپنے بندوں کے لیے نعمتیں تیار کی ہیں" اللہ تعالیٰ نے بندوں کی اپنی طرف اضافت فرمائی ہے اور یہ اضافت تشریف کے لیے ہے، اور بندوں سے مراد مخلص بندے ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۲۴۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۴۹۹۔ حَدَّثَنَا مَحْمُودٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ أَخْبَرَنِي سُلَيْمَانُ الْأَحْوَلُ أَنَّ طَاوُسًا أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ يَقُولُ كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم إِذَا تَهَجَّدَ مِنَ اللَّيْلِ قَالَ اللَّهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ نُورُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ قَيِّمُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ رَبُّ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ أَنْتَ الْحَقُّ وَوَعْدُكَ الْحَقُّ وَقَوْلُكَ الْحَقُّ وَلِقَاؤُكَ الْحَقُّ وَالْجَنَّةُ حَقٌّ وَالنَّارُ حَقٌّ وَالنَّبِيُّونَ حَقٌّ وَالسَّاعَةُ حَقٌّ اللَّهُمَّ لَكَ أَسْلَمْتُ وَبِكَ آمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْكَ أَنَبْتُ وَبِكَ خَاصَمْتُ وَإِلَيْكَ حَاكَمْتُ فَاغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ أَنْتَ إِلٰهِي لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمود نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرزاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن جریج نے خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے سلیمان الاحول نے خبر دی، وہ بیان کرتے ہیں کہ ان کو طاؤس نے خبر دی، انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو تہجد کی نماز کے لیے اٹھتے تو یہ دعا کرتے: اے اللہ! تیرے لیے ہی حمد ہے تو آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے، اور تیرے لیے ہی حمد ہے تو آسمانوں اور زمینوں کو قائم کرنے والا ہے، اور تیرے لیے ہی حمد ہے تو آسمانوں اور زمینوں کا اور جو کچھ ان میں ہے ان کا رب ہے، تو حق ہے تیرا وعدہ حق ہے، تیرا قول حق ہے اور تجھ سے ملاقات حق ہے، اور جنت حق ہے اور دوزخ حق ہے اور نبی حق ہیں، اور قیامت حق ہے، اے اللہ! میں تیرے لیے ہی اسلام لایا اور تجھ پر ہی ایمان لایا اور تجھ پر ہی توکل کیا، اور میں نے تیری ہی طرف رجوع کیا اور تیرے سبب سے جھگڑا کیا اور جھگڑے میں تجھ ہی کو حکم بنایا، سو تو میرے ان کاموں کی مغفرت فرما جو میں نے پہلے کیے اور جو میں نے بعد میں کیے اور جو میں نے چھپ کر کیے اور جو میں نے ظاہراً

کہے، تو میرا معبود ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

(صحیح البخاری: ۱۱۲۰، ۶۳۱۷، ۷۳۸۵، ۷۴۴۲، ۷۴۹۹، صحیح مسلم: ۷۶۹، سنن ترمذی: ۳۴۱۸، سنن نسائی: ۱۶۱۹، سنن ابوداؤد: ۷۷۱، سنن ابن ماجہ: ۱۳۵۵، مسند احمد: ۳۳۵۸، موطا امام مالک: ۵۰۰، سنن داری: ۱۴۸۶)

اس حدیث کی شرح کتاب التوحید کے اوائل میں تفصیل سے گزر چکی ہے، یہاں امام بخاری نے اس حدیث کی اس لیے روایت کی ہے کہ اس حدیث میں مذکور ہے "تیرا قول حق ہے" اور اللہ تعالیٰ کا قول اس کے کلام کو مستلزم ہے، سو اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کی صفتِ کلام کا ذکر ہے۔

۷۵۰۰۔ حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ النُّمَيْرِيُّ حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ يَزِيدَ الْأَيْلِيُّ قَالَ سَمِعْتُ الزُّهْرِيَّ قَالَ سَمِعْتُ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ وَسَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ وَعَلْقَمَةَ بْنَ وَقَّاصٍ وَعُبَيْدَ اللهِ بْنَ عَبْدِ اللهِ عَنْ حَدِيثِ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ حِينَ قَالَ لَهَا أَهْلُ الْإِفْكِ مَا قَالُوا فَبَرَّأَهَا اللهُ مِمَّا قَالُوا وَكُلٌّ حَدَّثَنِي طَائِفَةً مِنَ الْحَدِيثِ الَّذِي حَدَّثَنِي عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ وَلَكِنِّي وَاللهِ مَا كُنْتُ أَظُنُّ أَنَّ اللهَ يُنْزِلُ فِي بَرَاءَتِي وَحْيًا يُتْلَى وَلَشَأْنِي فِي نَفْسِي كَانَ أَحْقَرَ مِنْ أَنْ يَتَكَلَّمَ اللهُ فِيَّ بِأَمْرٍ يُتْلَى وَلَكِنِّي كُنْتُ أَرْجُو أَنْ يَرَى رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي النَّوْمِ رُؤْيَا يُبَرِّئُنِي اللهُ بِهَا فَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ الْعَشْرَ الْآيَاتِ۔

(صحیح البخاری: ۲۶۶۱، صحیح مسلم: ۲۷۷۰، مسند احمد: ۲۵۰۹۵)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں حجاج بن منہال نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ بن عمر النمیری نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یونس بن یزید الایلی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے الزہری سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عروہ بن الزبیر اور سعید بن المسیب اور علقمہ بن وقاص اور عبید اللہ بن عبداللہ سے سنا از حدیثِ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جو نبی ﷺ کی زوجہ محترمہ ہیں جب ان کے لیے تہمت لگانے والوں نے جو کہا سو کہا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر تہمت لگانے والوں سے ان کو بری کر دیا اور ہر ایک نے مجھے حدیث کا ایک جملہ بیان کیا جو انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کر کے مجھے بیان کیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اللہ کی قسم: مجھے یہ گمان نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ میری براءت کے متعلق وحی نازل فرمائے گا جس کی قرآن میں تلاوت کی جائے گی اور میں اپنے آپ کو اس سے کم تر خیال کرتی تھی کہ اللہ تعالیٰ میرے متعلق ایسا کلام نازل فرمائے جس کی تلاوت کی جائے، لیکن میں یہ امید کرتی تھی کہ رسول اللہ ﷺ نیند میں کوئی خواب دیکھیں گے جس میں اللہ تعالیٰ میری براءت کو بیان فرما دے گا تو اللہ تعالیٰ نے "ان الذین جاؤا بالافك۔۔ الآیۃ"، دس آیات نازل فرمائیں۔

امام بخاری نے اس حدیث کی یہاں پر اس لیے روایت کی ہے کہ اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے کلام کرنے کا ذکر ہے، اور اس میں اللہ تعالیٰ کی صفتِ کلام کا ثبوت ہے۔

۷۵۰۱۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا الْمُغِيرَةُ بْنُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن

عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ يَقُولُ اللّٰهُ إِذَا أَرَادَ عَبْدِي أَنْ يَعْمَلَ سَيِّئَةً فَلَا تَكْتُبُوهَا عَلَيْهِ حَتّٰى يَعْمَلَهَا فَإِنْ عَمِلَهَا فَاكْتُبُوهَا بِمِثْلِهَا وَإِنْ تَرَكَهَا مِنْ أَجْلِي فَاكْتُبُوهَا لَهُ حَسَنَةً وَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَعْمَلَ حَسَنَةً فَلَمْ يَعْمَلْهَا فَاكْتُبُوهَا لَهُ حَسَنَةً فَإِنْ عَمِلَهَا فَاكْتُبُوهَا لَهُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا إِلٰى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ۔

سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں المغیرہ بن عبدالرحمٰن نے حدیث بیان کی از ابی الزناد از الاعرج از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: جب میرا بندہ کوئی برا کام کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اس کے اس برے کام کو اس وقت تک نہ لکھو جب تک کہ وہ اس پر عمل نہ کرلے، پس اگر وہ اس برائی کا عمل کر لے تو اس کی ایک برائی لکھ دو، اور اگر اس برے کام کو میرے خوف کی وجہ سے ترک کر دے تو اس کے لیے ایک نیکی لکھ دو، اور جب وہ نیک کام کو کرنے کا ارادہ کرے اور اس نیکی پر عمل نہ کرے تو اس کے لیے ایک نیکی لکھ دو، اگر وہ اس نیکی کا عمل کر لے تو اس بندہ کے لیے اس نیکی کی دس مثلیں سات سو سے لے کر چودہ سو تک لکھ دو۔

(صحیح مسلم:۱۲۹، سنن ترمذی:۳۰۷۳، مسند احمد:۹۰۷۰)

صحیح البخاری:۷۵۰۱، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بندوں پر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا بیان

اس حدیث میں اللہ عزوجل کے اپنے بندوں کے اوپر فضل کا بیان ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے بندہ کی برائی کو اس وقت تک نہیں لکھتے جب تک کہ وہ اس برائی کا ارتکاب نہیں کرتا، اگر بندہ اس برائی کا ارادہ کرے اور پھر اللہ کے خوف کی وجہ سے اس برے کام کے کرنے کو چھوڑ دے تو اس کی ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے برے کام پر عمل کرنے کو ترک کر دیا، اور نیکی کا جب بندہ ارادہ کرے اور اس نیک کام کو نہ کرے پھر بھی اس کی ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے، کیونکہ اس نے نیکی کے کرنے کا ارادہ کیا تھا، پس اگر وہ اس نیک کام کو کر لے تو اس کی نیکیاں دس سے لے کر سات سو اور پھر اس کو دگنا کر کے چودہ سو تک لکھ دی جاتی ہیں۔

جو شخص برائی کا ارادہ کرے پھر برائی کا ارتکاب نہ کرے اس کے تین حال

(۱) پہلا حال یہ ہے کہ بندہ برے کام کرنے کا ارادہ کرے پھر وہ اللہ عزوجل کے خوف کی وجہ سے اس برے کام کو ترک کر دے جیسا کہ غار میں پھنسے ہوئے تین مردوں میں سے ایک مرد نے اپنے چچا کی بیٹی کے ساتھ بدکاری کا ارادہ کیا پھر جب وہ اس کے ساتھ بدکاری کے لیے بیٹھا تو اس کے چچا کی بیٹی نے کہا: اے شخص! اللہ سے ڈر اور مہر کو صاحب حق کے سوا نہ توڑ! تو وہ مرد اپنے چچا

کی بیٹی کے پاس سے کھڑا ہو گیا حالانکہ وہ اس کو لوگوں میں سے سب سے زیادہ محبوب تھی، پس اس شخص نے اس برے کام کو اللہ تعالیٰ کی وجہ سے ترک کیا تو اس کا یہ ترک کرنا ایک نیکی لکھا جائے گا، اور اس کا ترک کرنا بندہ پر جس قدر دشوار ہوگا اس کے حساب سے اس کا اجر لکھا جائے گا۔

(۲) کوئی شخص برائی کا ارادہ کرے اور پھر اس برائی کو چھوڑ دے نہ اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے اور نہ کسی اور کے ڈر کی وجہ سے، لیکن اس کے دل میں جو برائی کا ارادہ تھا وہ زائل ہو گیا تو نہ اس کو کوئی ضرر ہوگا اور نہ کوئی نفع ہوگا۔

(۳) ایک شخص برائی کا ارادہ کرے لیکن اس برائی کے کرنے سے وہ عاجز ہو اس وجہ سے اس برے کام کو ترک کر دے، یعنی وہ یہ جان لے کہ وہ اس برے کام کے کرنے پر قادر نہیں ہو سکے گا، مثلاً کسی شخص نے چوری کرنے کا ارادہ کیا لیکن اس نے جان لیا کہ حکومت کی طرف سے ایسے محافظین ہیں جو اس کو چوری نہیں کرنے دیں گے جب کہ اس شخص کا پورا ارادہ تھا کہ وہ چوری کرے گا، پس اس شخص کی ایک برائی لکھی جائے گی، لیکن اگر کوئی شخص چوری یا کسی اور برائی کے کرنے کا ارادہ کرے لیکن وہ اپنے عاجز ہونے کی وجہ سے اس برائی کو نہ کر سکے تو اس کے لیے اس برائی کا پورا پورا عذاب لکھا جائے گا، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حدیث میں ہے:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت احنف بن قیس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا کہ میں اس شخص (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کی مدد کرنے کے لیے گیا تو مجھے حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ ملے، پس انہوں نے کہا: تم کہاں کا ارادہ کر رہے ہو؟ میں نے کہا: میں اس مرد (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کی (جنگِ صفین میں) مدد کروں گا تو حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ لوٹ جائیں کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب دو مسلمان اپنی تلواروں کے ساتھ مقابلہ کریں تو قاتل اور مقتول دونوں دوزخ میں ہیں، میں نے کہا: یا رسول اللہ! یہ تو قاتل ہے، پس مقتول (کے دوزخی ہونے) کا کیا سبب ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ بھی تو اپنے صاحب کے قتل پر حریص تھا۔ (صحیح البخاری: ۳۱، صحیح مسلم: ۲۸۸۸، سنن نسائی: ۴۱۲۰، سنن ابوداؤد: ۴۲۶۸، سنن ابن ماجہ: ۳۹۶۵، مسند احمد: ۱۹۹۹۵)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جو شخص قتل کرنے کا عزم کرے اور بجائے اپنے صاحب کے قتل کرنے کے خود قتل ہو جائے تو اس کو بھی قتل کرنے کی سزا ملے گی کیونکہ اس نے برائی کا عزم کیا تھا۔ (شرح صحیح البخاری ج ۸ ص ۵۳۲۔ ۵۳۳، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۷۵۰۲۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي مُزَرِّدٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ خَلَقَ اللهُ الْخَلْقَ فَلَمَّا فَرَغَ مِنْهُ قَامَتِ الرَّحِمُ فَقَالَ مَهْ قَالَتْ هٰذَا مَقَامُ الْعَائِذِ بِكَ مِنَ الْقَطِيعَةِ فَقَالَ أَلَا تَرْضَيْنَ أَنْ أَصِلَ مَنْ وَصَلَكِ وَأَقْطَعَ مَنْ قَطَعَكِ قَالَتْ بَلَى يَا رَبِّ قَالَ فَذٰلِكِ لَكِ ثُمَّ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ ﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے سلیمان بن بلال نے حدیث بیان کی از معاویہ بن ابی مزرّد از سعید بن یسار از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ مخلوق کو پیدا کر کے فارغ ہو گیا تو رحم کھڑا ہو گیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ٹھہر جاؤ! رحم نے کہا: یہ قطع رحم سے تیری پناہ مانگنے کا مقام ہے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: کیا تم اس سے راضی نہیں ہو کہ جو تم سے رشتہ ملائے میں اس کے ساتھ رحم کو ملاؤں، اور جو تم سے رشتہ توڑے میں اس سے رحم کو منقطع

اَنْ حَامَكُمْ ۝٢٢ ﴾

کردوں، رحم نے کہا: کیوں نہیں اے میرے رب! اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پس تمہارا یہی مقام ہے، پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی:

''تم سے یہ بعید نہیں ہے کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو تم زمین میں فساد کرو گے اور اپنے رشتے توڑ ڈالو گے ۝'' (محمد:۲۲)

(صحیح البخاری: ۴۸۳۰، ۴۸۳۱، ۴۸۳۲، ۵۹۸۷، ۷۵۰۲، صحیح مسلم: ۲۵۵۴، مسند احمد: ۷۱۶۷)

صحیح البخاری: ۷۵۰۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''فرغ منه'' اس حدیث کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی مکمل تکمیل کر دی اور اللہ تعالیٰ کو ایک کام دوسرے کام کے کرنے سے مشغول نہیں کرتا۔

رحم کے کلام کرنے کی توجیہ

علامہ النووی نے کہا ہے کہ رحم جس سے تعلق کو ملایا جاتا ہے یا تعلق کو منقطع کیا جاتا ہے یہ معانی میں سے ایک معنی ہے، یہ کلام نہیں کرتا اور اس حدیث میں رحم کے کلام کرنے کا ذکر ہے، پس اس حدیث سے مراد رحم کی شان کی تعظیم ہے اور اس کی فضیلت ہے اور جو رحم کو ملائے اس کا ثواب اور جو رحم کو منقطع کرے اس کے عذاب کا بیان ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''مَه'' یہ کسی کو جھڑکنے اور ڈانٹنے کا کلمہ ہے، یا یہ کلمہ سوال کرنے کے لیے ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''هذا مقام العائذ'' یعنی جو شخص رحم کے رشتوں کو منقطع کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے فریاد کرے اور اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرے۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ بعض لوگوں نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رحم کی بات کے جواب میں ارشاد فرمایا اور کسی کی بات کے جواب میں جو بات کہی جائے تو وہ کلام حادث ہوتا ہے، پھر علامہ کرمانی نے اس کے جواب میں کہا: جب دلائل سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام قدیم ہے تو اس کا محمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رحم کو سمجھایا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۲۴۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ شہاب الدین ابوالعباس احمد القسطلانی المتوفی ۹۱۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رحم کے کھڑے ہونے کی توجیہ

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''رحم کھڑا ہوگا'' اور سورۂ محمد میں یہ اضافہ ہے کہ رحم کو جسمانی ہیئت عطا کی جائے گی، پھر رحم کھڑا ہو کر رحمٰن کی ازار کو پکڑ لے گا اور یہ بھی تشبیہ اور استعارہ ہے کیونکہ جو پناہ طلب کرتا ہے وہ اس کے ازار کے پلو کو پکڑ لیتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ

اس سے فرمائے گا "مَه" یعنی "رُک جا" تو رحم زبانِ حال سے یا زبانِ مقال سے کہے گا اور مسند احمد کی روایت میں ہے کہ وہ زبان سے کلام کرے گا، یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کو یہ مرتبہ عطا کیا ہے کہ جو اس سے تعلق جوڑے گا اللہ تعالیٰ اس سے تعلق جوڑے گا اور جو اس سے تعلق منقطع کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے تعلق منقطع کرے گا۔ ارشاد الساری ج ۱۵ ص ۵۴۱۔ ۵۴۲، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

یزید پر لعنت کرنے کی بحث

علامہ سید محمود آلوسی بغدادی متوفی ۱۲۷۰ھ نے سورہ محمد: ۲۲ کی تفسیر میں لکھا ہے:

یزید نے رحم کے رشتوں کو منقطع کیا تھا اور محمد: ۲۲۔ ۲۳ میں فرمایا ہے: "تم سے یہ بعید نہیں کہ اگر تم کو زمین میں حکومت مل جائے تو تم زمین میں فساد کرو گے اور رشتے توڑ ڈالو گے ○ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی تو ان کو بہرہ بنا دیا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا○"

یزید نے واقعہ حرّہ میں اہل مدینہ پر ظلم کیا اور اُن کو دھمکایا، اہلِ مدینہ کو قتل کیا اور ان کے اموال لوٹ لیے، مسجد نبوی میں گھوڑے باندھ لیے گئے اور تین دن تک اذان نہ ہو سکی اور سب سے بڑی قیامت یہ ہے کہ اس نے اہل بیت پر ظلم کیا اور حضرت حسین علیہ السلام کے قتل پر راضی ہوا اور ان کے گھر والوں کی اہانت کی اور یہ خبر تواتر سے ثابت ہے، اگرچہ اس کی تفاصیل اخبار احاد سے ثابت ہیں۔ اس سلسلہ میں ایک اور حدیث یہ ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں چھ شخصوں پر لعنت کرتا ہوں اور ہر نبی نے ان پر لعنت کی ہے اور ہر نبی کی دعا مستجاب ہوتی ہے: (۱) جو اللہ کی کتاب میں زیادتی کرے (۲) جو اللہ کی تقدیر کا انکار کرے (۳) جو جبر سے لوگوں پر مسلط ہو جائے تاکہ ان کو عزت دے جن کو اللہ نے ذلیل کیا اور ان کو ذلیل کرے جن کو اللہ نے عزت دی (۴) جس کو اللہ نے حرام کیا اس کو حلال کرے (۵) اور میری اولاد پر ان کاموں کو حلال کرے جن کو اللہ نے حرام کیا (۶) اور میری سنت کو (بطورِ اہانت) ترک کرے۔ (سنن ترمذی: ۲۱۵۴، المستدرک ج ۱ ص ۳۶، مشکوٰۃ: ۱۹)

یزید کے متعلق اختلاف ہے، بعض کا قول یہ ہے کہ وہ مسلمان تھا اور اس نے اہلِ بیت کرام کے ساتھ جو کچھ کیا اس سے وہ گنہگار ہوا لیکن اس وجہ سے اس پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے اور بعض نے کہا: وہ اسی طرح تھا لیکن اس پر لعنت کرنا مکروہ ہے یا بغیر کراہت کے جائز ہے، اور بعض نے کہا: وہ کافر ملعون ہے اور بعض نے کہا: اس نے کوئی گناہ نہیں کیا اور اس پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے اور اس قول کا قائل یزید کے حامیوں کے سلسلہ میں منسلک ہے۔

(علامہ آلوسی لکھتے ہیں:) اور میں کہتا ہوں کہ میرا ظنِ غالب یہ ہے کہ وہ خبیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا مصدِق نہیں تھا اور اللہ تعالیٰ کے حرم (کعبہ مکرمہ) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم (مدینہ) کے ساتھ اس کے افعال کا مجموعہ اور آپ کی عترتِ طیبہ طاہرہ کے ساتھ جو اس کا سلوک رہا اس سے اس کا اتنا ایمان بھی ظاہر نہیں ہوتا جتنا اس کا ایمان ہو جو قرآن مجید کو گندگی میں ڈال دے، اور میرا یہ گمان نہیں کہ اس کا حال اکابر مسلمانوں سے مخفی تھا لیکن وہ حضرات مجبور اور مقہور تھے اور صبر کے سوا ان کے لیے اور کوئی چارہ کار نہیں تھا، اور اگر مان لیا جائے کہ وہ خبیث مسلمان تھا تو وہ اتنے زیادہ گناہائے کبیرہ کے ساتھ مسلمان تھا جن کا شمار بیان میں نہیں آ سکتا، اور میرا مذہب یہ ہے کہ اس جیسے شخص پر معین کر کے لعنت کرنا جائز ہے اور یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ فاسقوں میں اس کی کوئی مثال ہو سکتی ہے

اور ظاہر یہ ہے کہ اس نے اپنے افعال پر توبہ نہیں کی اور اس کی توبہ کا احتمال اس کے ایمان کے احتمال سے بھی زیادہ ضعیف ہے۔
اور ابن زیاد، ابن سعد اور ان کے متبعین بھی اسی کے ساتھ لاحق ہیں، اللہ تعالیٰ کی ان سب پر لعنت ہو اور ان کے انصار و اعوان پر اور ان کی جماعت پر اور قیامت تک جو بھی ان کی طرف مائل ہو ان سب پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو، اور جو ان پر شخصی لعنت کرنے سے گریز کرتا ہو اس کو یوں کہنا چاہیے کہ جو شخص قتل حسین سے راضی ہوا اور جس شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عترت طاہرہ کو ناحق اذیت پہنچائی اور جس شخص نے ان کا حق غصب کیا، ان سب پر اللہ عزوجل کی لعنت ہو، اور اب وہ یزید اور اس کے موافقین کے ساتھ صراحت کے ساتھ لعنت کرنے والا نہیں ہوگا اور ان الفاظ کے ساتھ لعنت کرنے میں کسی کا اختلاف نہیں ہوگا سوائے علامہ ابوبکر بن العربی اور ان کے موافقین کے جیسا کہ ان سے منقول ہے وہ اس پر لعنت کرنے کو جائز نہیں کہتے جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل پر راضی ہوا اور یہ ایسی گمراہی ہے جو یزید کی گمراہی سے بھی بڑھ کر ہے۔ (روح المعانی جز ۲۶ ص ۱۰۸۔۱۱۱، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۶ھ)
میں کہتا ہوں: ہم علامہ آلوسی کی آخری عبارت سے سو فیصد متفق ہیں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۷۵۰۳۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ صَالِحٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ قَالَ مُطِرَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ قَالَ اللهُ أَصْبَحَ مِنْ عِبَادِي كَافِرٌ بِي وَمُؤْمِنٌ بِي۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از صالح از عبید اللہ از زید بن خالد، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے بارش ہوئی تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: صبح کو میرے بندے اٹھتے ہیں، بعض میرا کفر کرنے والے ہوتے ہیں اور بعض مجھ پر ایمان لانے والے ہوتے ہیں۔

(صحیح البخاری: ۸۴۶، ۱۰۳۸، ۴۱۴۷، ۷۵۰۳، صحیح مسلم: ۷۱، سنن نسائی: ۱۵۲۵، سنن ابوداؤد: ۳۹۰۶، مسند احمد: ۱۶۶۱۳، موطا امام مالک: ۴۵۱)

صحیح البخاری: ۷۵۰۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "مطر النبی صلی اللہ علیہ وسلم" یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے بارش ہوگئی، ہم نے ذکر کیا ہے مطر کا لفظ رحمت میں بھی استعمال ہوتا ہے اور عذاب میں بھی، علامہ ہروی نے کہا ہے: عرب کہتے ہیں "مطرت السماء وامطرت" اور دونوں لفظوں کا ایک معنی ہے۔
اس حدیث میں مذکور ہے "اصبح من عبادی" اس کا بیان دوسری حدیث میں ہے، آپ نے فرمایا: جس نے کہا: اللہ کے فضل سے اور اس کی رحمت سے ہم پر بارش ہوئی ہے تو وہ مجھ پر ایمان لانے والا ہے اور کافر کا انکار کرنے والا ہے اور جس نے کہا کہ فلاں ستارے کی وجہ سے بارش ہوئی ہے تو وہ اس ستارے پر ایمان لانے والا ہے اور میرا کفر کرنے والا ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۲۴۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

ستاروں کو بارش کا سبب قرار دینے کی تفصیل

میں کہتا ہوں: اگر ستاروں کو مؤثر حقیقی مان کر کوئی شخص یہ کہے: ستاروں کی وجہ سے بارش ہوئی ہے پھر تو یہ کفر ہے، اور اگر ستاروں کو سبب قرار دے کر کہے تو یہ کفر تو نہیں ہے لیکن بغیر شرعی دلیل کے ستاروں کو بارش کا سبب قرار دینا گمراہی سے خالی نہیں ہے۔ اور جو مسلمان محکمہ موسمیات کی اطلاع کی بناء پر یا محکمہ موسمیات والے اپنے آلات کی روشنی میں پیش گوئی کرتے ہیں کہ فلاں دن بارش ہوگی تو اگر ان اطلاعات کو علامات کے درجہ میں مانا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۷۵۰۴۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ قَالَ اللهُ إِذَا أَحَبَّ عَبْدِي لِقَائِي أَحْبَبْتُ لِقَاءَهُ وَإِذَا كَرِهَ لِقَائِي كَرِهْتُ لِقَاءَهُ۔

(سنن نسائی: ۱۸۳۵، مسند احمد: ۲۷۶۰۹، موطا امام مالک: ۵۶۷)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از ابی الزناد از الاعرج از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: جب میرا بندہ مجھ سے ملاقات کو پسند کرتا ہے تو میں بھی اس سے ملاقات کو پسند کرتا ہوں، اور جب میرا بندہ مجھ سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے تو میں بھی اس سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہوں۔

علامہ شہاب الدین ابو العباس احمد القسطلانی التوفی ۹۱۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے "جب میرا بندہ مجھ سے ملاقات کو پسند کرتا ہے"۔

علامہ ابن الاثیر نے کہا: اللہ تعالیٰ کے ساتھ ملاقات سے مراد یہ ہے کہ بندہ دنیا سے دارِ آخرت کی طرف منتقل ہو اور اللہ تعالیٰ کے پاس جو اجر ہے اس کو طلب کرے، اور اس سے مراد موت نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے موت کی تمنا کرنے سے منع فرمایا ہے، حدیث میں ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص کسی مصیبت کی وجہ سے ہرگز موت کی تمنا نہ کرے، اور اگر اس نے ضرور دعا کرنی ہو تو وہ یوں دعا کرے: اے اللہ! جب تک میرے لیے زندگی بہتر ہو تو مجھے زندہ رکھ اور جب میرے لیے موت بہتر ہو تو مجھے موت عطا فرما۔

(صحیح البخاری: ۵۶۷۱، صحیح مسلم: ۲۶۸۰، سنن ابوداؤد: ۳۱۰۸، سنن ترمذی: ۹۷۱، سنن نسائی: ۱۸۱۹، سنن ابن ماجہ: ۴۲۶۵، مسند احمد ج ۳ ص ۱۰۱)

نیز ہر شخص موت کو ناپسند کرتا ہے، پس جس شخص نے دنیا کو ترک کر دیا اور دنیا سے بغض رکھا اور اللہ تعالیٰ کی ملاقات سے محبت رکھی اور جس نے دارِ آخرت کو ترجیح دی اور اس کی طرف مائل ہوا تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی ملاقات سے محبت رکھتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتا ہے اور اس کو انعام عطا فرمانے کا ارادہ فرماتا ہے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "جب بندہ میری ملاقات کو ناپسند کرتا ہے تو میں بھی اس سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہوں"۔

اللہ تعالیٰ کی ملاقات سے محبت کرنا موت کی تمنا کرنے کے معنی میں نہیں ہے کیونکہ موت کی تمنا کرنا ممنوع ہے، اور یہ ممانعت

زندگی کے حال میں ہے لیکن جب آدمی موت کے فرشتوں کو دیکھتا ہے اور اس کو اخروی انعامات دکھائے جاتے ہیں اور اس وقت وہ موت کی تمنا کرتا ہے تو یہ ممانعت میں داخل نہیں ہے بلکہ مستحب ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ (یونس: ٦٤) ان کے لیے دنیا کی زندگی میں (بھی) بشارت ہے اور آخرت میں بھی۔

اولیاء اللہ کے لیے دنیا میں بشارت کے متعلق یہ آیات ہیں:

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۞ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ۞ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ۞ (حم السجدہ: ٣٠۔٣٢)

بے شک جن لوگوں نے کہا: ہمارا رب اللہ ہے، پھر وہ اس پر دائماً قائم رہے، ان پر فرشتے (یہ کہتے ہوئے) نازل ہوتے ہیں کہ تم نہ خوف کرو اور نہ غمگین ہو اور اس جنت کے ساتھ خوش ہو جاؤ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا○ ہم دنیا کی زندگی میں تمہارے مددگار ہیں اور آخرت میں (بھی)، اور تمہارے لیے اس جنت میں ہر وہ چیز ہے جس کو تمہارا دل پسند کرے اور تمہارے لیے اس میں ہر وہ چیز ہے جس کو تم طلب کرو○ بہت بخشنے والے بے حد رحم فرمانے والے کی طرف سے مہمانی ہے○

علامہ زمخشری یونس: ٦٤ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

عطاء نے ''لهم البشرٰی'' کی تفسیر میں کہا کہ موت کے وقت ان کے پاس رحمت کے فرشتے آتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''تتنزل عليهم الملائكة الا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنة... الآية'' اور آخرت میں ان کی بشارت یہ ہے کہ فرشتے ان مسلمانوں سے ملیں گے اور ان کو کامیابی اور کامرانی کی بشارت دیں گے اور ان کے چہروں پر سفیدی دکھائی دے گی اور ان کے اعمال نامے ان کے دائیں ہاتھ میں ہوں گے۔ (تفسیر الکشاف ص ٤٦٨، دار المعرفہ، بیروت، ١٤٣٠ھ)

٧٥٠٥۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ قَالَ اللّٰهُ أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِيْ بِيْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوالزناد نے حدیث بیان کی از الاعرج از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ''میں اپنے بندہ کے گمان کے ساتھ ہوں''۔

(صحیح البخاری: ٧٤٠٥، ٧٥٠٥، ٧٥٣٧، صحیح مسلم: ٢٦٧٥، سنن ترمذی: ٣٦٠٣، سنن ابن ماجہ: ٣٨٢٢، مسند احمد: ٧٤٢٣)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ٧٤٠٥ میں گزر چکی ہے۔

٧٥٠٦۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ أَبِي امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل

الزِّنَادِ عَنْ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ قَالَ رَجُلٌ لَمْ يَعْمَلْ خَيْرًا قَطُّ فَإِذَا مَاتَ فَحَرِّقُوهُ وَاذْرُوا نِصْفَهُ فِي الْبَرِّ وَنِصْفَهُ فِي الْبَحْرِ فَوَاللَّهِ لَئِنْ قَدَرَ اللَّهُ عَلَيْهِ لَيُعَذِّبَنَّهُ عَذَابًا لَا يُعَذِّبُهُ أَحَدًا مِنَ الْعَالَمِينَ فَأَمَرَ اللَّهُ الْبَحْرَ فَجَمَعَ مَا فِيهِ وَأَمَرَ الْبَرَّ فَجَمَعَ مَا فِيهِ ثُمَّ قَالَ لِمَ فَعَلْتَ قَالَ مِنْ خَشْيَتِكَ وَأَنْتَ أَعْلَمُ فَغَفَرَ لَهُ۔

نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے حدیث بیان کی از ابی الزناد از الاعرج از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک مرد جس نے نیکی کا کوئی کام بالکل نہیں کیا تھا (اس نے کہا:) پس جب وہ مر جائے تو اس کو جلا دینا اور اس کی آدھی راکھ خشکی میں اور آدھی راکھ سمندر میں بکھیر دینا، پس اللہ کی قسم! اگر اللہ اس پر قادر ہوا تو اس کو ضرور ایسا عذاب دے گا جیسا عذاب وہ جہان والوں میں سے کسی کو نہیں دے گا، پس اللہ تعالیٰ نے سمندر کو حکم دیا تو اس نے اس کی تمام راکھ کو جمع کر لیا اور خشکی کو حکم دیا تو اس نے بھی اس کی تمام راکھ کو جمع کر لیا، پھر اللہ تعالیٰ نے اس مرد سے پوچھا: تم نے ایسا کیوں کیا تھا؟ اس نے کہا: تیرے خوف کی وجہ سے اور تو زیادہ بہتر جاننے والا ہے، سو اللہ تعالیٰ نے اس کو بخش دیا۔

(صحیح البخاری: ۳۴۸۱، ۷۵۰۶، صحیح مسلم: ۲۷۵۶، سنن نسائی: ۲۰۷۹، سنن ابن ماجہ: ۴۲۵۵، مسند احمد: ۷۵۹۱، موطا امام مالک: ۵۶۸)

صحیح البخاری: ۷۵۰۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس اشکال کا جواب کہ جو مرد اللہ تعالیٰ کی قدرت کا منکر تھا اس کو اللہ تعالیٰ نے کیسے بخش دیا؟

جس مرد کا اس حدیث میں ذکر ہے وہ بنی اسرائیل میں کفن چور تھا، اس نے مرتے وقت یہ نصیحت کی کہ جب وہ مر جائے تو اس کو جلا دیا جائے اور آدھی راکھ خشکی میں بکھیر دی جائے اور آدھی راکھ سمندر میں بہا دی جائے، پھر اس نے کہا: اگر اللہ تعالیٰ اس مرد پر قادر ہوا تو اس کو ضرور ایسا عذاب دے گا جیسا عذاب اس نے کسی کو نہیں دیا تھا۔

اشکال یہ ہے کہ اگر وہ مرد مومن تھا تو اس کو اللہ تعالیٰ کی قدرت میں شک نہیں ہونا چاہیے تھا کیونکہ اس نے کہا: اگر اللہ تعالیٰ قادر ہوا تو، اور اگر وہ مرد کافر تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو بخش کیسے دیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس مرد نے جو کہا تھا "لئن قدر" اس کا معنی ہے "لَإِن قَدَّر" یعنی اگر اللہ تعالیٰ نے میرے لیے عذاب دینے کو مقدر کر دیا ہے یا اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے عذاب دینے کا فیصلہ کر لیا ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ اس نے یہی کہا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے عذاب دینے پر قادر ہوا لیکن چونکہ وہ اس وقت بہت پریشان تھا اس لیے اپنے مدعا کو صحیح الفاظ سے بیان نہیں کر سکا اور اس کا مدعا یہی تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے میرے لیے عذاب دینے کو مقدر کر دیا ہے تو وہ اتنا عذاب دے گا جتنا کسی کو نہ دیا ہوگا، سو اس نے یہ الفاظ دہشت کی کیفیت میں کہے یا غلبۂ خوف سے کہے یا اس وقت وہ اللہ تعالیٰ کی صفات سے غافل تھا یا اللہ تعالیٰ کی صفات سے جاہل تھا،

یا اس بات سے جاہل تھا کہ ایسا کہنا کفر ہے یا وہ اس زمانہ میں تھا کہ جس زمانہ میں صرف اللہ تعالیٰ کو واحد مان لینا نجات کے لیے کافی تھا، یا ان کی شریعت میں یہ مقرر تھا کہ اللہ تعالیٰ کافر کو بھی معاف فرما دیتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۲۴۴۔۲۴۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۷۵۰۶، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''اس مرد نے کوئی نیکی کا کام بالکل نہیں کیا تھا'' اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ انسان اپنے عمل کے سبب سے جنت میں داخل نہیں ہوتا جب تک اللہ کی رحمت اس کو ڈھانپ نہ لے، جیسا کہ حدیث میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ٹھیک ٹھیک کام کرو اور صحت کے قریب کرو اور بشارت لو، کیونکہ کسی شخص کو اس کا عمل جنت میں داخل نہیں کرے گا، صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ! آپ کو بھی؟ آپ نے فرمایا: اور نہ میں، سوا اس کے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مغفرت اور رحمت سے مجھے ڈھانپ لے۔ (صحیح البخاری: ۶۴۶۷، صحیح مسلم: ۲۸۱۸، مسند احمد: ۲۴۴۲۰)

(۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انسان اپنی وصیت کرنے میں حسنِ نیت کے ساتھ جنت میں داخل ہو جائے گا کیونکہ اس مرد سے جب اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ تم نے ایسی وصیت کیوں کی ہے تو اس نے کہا: اے میرے رب تیرے ڈر کی وجہ سے۔

(۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی بعض صفات سے جہالت کفر نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ صفات کی کنہ تک کوئی نہیں پہنچ سکتا، اسی وجہ سے بعض متقدمین نے کہا ہے کہ تم کنواری عورتوں کے دین پر رہو، کیا تم دیکھتے ہو کہ کنواری عورتیں اللہ تعالیٰ کی صفات کی حقیقت کو جانتی ہیں۔

(۴) اور جو شخص موت کے وقت ڈر رہا ہو تو اس کے احوال خوف کی زیادتی کی وجہ سے مختلف ہو جاتے ہیں اور بسا اوقات وہ ایسی بات کہتا ہے جو اس کا عقیدہ نہیں ہوتی اور جس کا یہ حال ہو اس کو ایمان سے نکالنا جائز نہیں ہے، کیونکہ جو اس نے کہا وہ اس کا دیناً اور شرعاً اعتقاد نہیں تھا۔

مومن ہونے کے لیے اللہ تعالیٰ کی صفات کے علم کا شرط نہ ہونا

(۵) اگر اللہ تعالیٰ کی بعض صفات سے جہالت کی وجہ سے کسی کو کافر قرار دیا جائے تو عام لوگوں کا کافر ہونا لازم آئے گا، کیونکہ تم ان میں سے ایسے لوگوں کو نہیں تلاش کر سکتے جو اللہ تعالیٰ کی صفاتِ ذات کو اور اس کے احکام کو جانتے ہوں، اور اگر تم لوگوں سے یہ سوال کرو کیا: اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے یا اللہ تعالیٰ کا علم ہے یا اس کی سمع ہے یا بصر ہے یا ارادہ ہے اور کیا اس کی قدرت ہر اس چیز کے ساتھ متعلق ہے جس کے ساتھ اس کا علم متعلق ہے تو لوگ اس جواب کی حقیقت کو نہیں پا سکتے، اور اگر اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے کسی صفت کی جہالت کی بناء پر کفر کا حکم لگایا جائے تو تمام عام لوگوں پر کفر کا حکم لگایا جائے گا اور اکثر خاص لوگوں پر بھی اور یہ محال ہے۔

ایمان کے ثبوت کے لیے اللہ تعالیٰ کی صفات کے علم کی شرط نہ ہونے پر دلیل

اور ہمارے اس قول پر دلیل یہ حدیث ہے:

امام مالک اپنی سند کے ساتھ حضرت عمر بن الحکم رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، پس میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میری ایک باندی تھی جو میری بکریاں چراتی تھی، پس میں اس کے پاس آیا اور میں نے بکریوں میں سے ایک بکری گم پائی، میں نے اس سے اس کے متعلق پوچھا تو اس نے کہا: اس کو بھیڑیا کھا گیا تو مجھے اس پر افسوس ہوا اور میں بھی بنو آدم میں سے ہوں، میں نے اس کے چہرہ پر تھپڑ مارا اور مجھ پر ایک غلام کو آزاد کرنا تھا، کیا پس میں اس باندی کو آزاد کردوں، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس باندی سے پوچھا: اللہ کہاں ہے؟ اس نے کہا: آسمان میں، آپ نے پوچھا: میں کون ہوں؟ اس نے کہا: آپ رسول اللہ ہیں، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس عورت کے مالک سے فرمایا: اس کو آزاد کردو، یہ مومنہ ہے۔

(موطا امام مالک ج ۲ ص ۲۰۳۔ ۲۰۴، المکتبۃ التوفیقیہ)

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حبشی عورت کے اوپر مومنہ ہونے کا حکم لگایا اور اس سے اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کے اسماء کے متعلق سوال نہیں کیا اور اگر اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کے اسماء کا علم ایمان میں شرط ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے ان کے متعلق سوال فرماتے جیسا کہ آپ نے اس عورت سے یہ سوال کیا کہ کیا آپ اللہ کے رسول ہیں، اور اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب نے اور حضرت عمر بن خطاب وغیرہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تقدیر کے متعلق سوال کیا، پس کہا: یارسول اللہ! یہ بتایئے کیا ہم ابتداءً کوئی کام کرتے ہیں یا وہ کام پہلے لکھا جاچکا ہے، آپ نے فرمایا: بلکہ وہ کام پہلے لکھا جاچکا ہے تو انہوں نے کہا: یارسول اللہ! پھر ہم کیوں عمل کریں، تو آپ نے فرمایا: تم عمل کرتے رہو، پس تم کو وہی چیز آسانی سے حاصل ہوگی جس کے لیے اس کو پیدا کیا گیا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کو یہ تعلیم دی کہ جو چیز ان سے تجاوز کرچکی ہے وہ ان کو پہنچنے والی نہیں تھی اور یہ معلوم ہے کہ وہ صحابہ سوال کرنے سے پہلے مومنین تھے، اور کوئی مسلمان ان کے متعلق اس کے سوا نہیں کہہ سکتا، اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کو اللہ تعالیٰ کے علم قدیم اور اس کی قدرت کا پتا نہیں تھا، اور اگر اس کا جاننا ضروری ہوتا تو آپ ان کو کلمہ توحید کے ساتھ اس کی تعلیم دیتے اور اس علم کو اسلام کا چھٹا رکن قرار دیتے۔ (شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۸ ص ۵۱۲۔ ۵۱۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۷۵۰۷۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ إِسْحَاقَ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَاصِمٍ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ عَبْدِ اللهِ سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ أَبِي عَمْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ إِنَّ عَبْدًا أَصَابَ ذَنْبًا وَرُبَّمَا قَالَ أَذْنَبَ ذَنْبًا فَقَالَ رَبِّ أَذْنَبْتُ وَرُبَّمَا قَالَ أَصَبْتُ فَاغْفِرْ لِي فَقَالَ رَبُّهُ أَعَلِمَ عَبْدِي أَنَّ لَهُ رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ وَيَأْخُذُ بِهِ غَفَرْتُ لِعَبْدِي ثُمَّ مَكَثَ مَا شَاءَ اللهُ ثُمَّ أَصَابَ ذَنْبًا أَوْ أَذْنَبَ ذَنْبًا فَقَالَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن اسحاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عمرو بن عاصم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہمام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسحاق بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے عبدالرحمٰن بن ابی عمرہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا، آپ نے فرمایا: بے شک ایک بندہ سے کوئی گناہ ہوگیا اور بعض اوقات آپ نے فرمایا: بندہ

رَبِّ أَذْنَبْتُ أَوْ أَصَبْتُ آخَرَ فَاغْفِرْهُ فَقَالَ أَعَلِمَ عَبْدِي أَنَّ لَهُ رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ وَيَأْخُذُ بِهِ غَفَرْتُ لِعَبْدِي ثُمَّ مَكَثَ مَا شَاءَ اللهُ ثُمَّ أَذْنَبَ ذَنْبًا وَرُبَّمَا قَالَ أَصَابَ ذَنْبًا قَالَ قَالَ رَبِّ أَصَبْتُ أَوْ قَالَ أَذْنَبْتُ آخَرَ فَاغْفِرْهُ لِي فَقَالَ أَعَلِمَ عَبْدِي أَنَّ لَهُ رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ وَيَأْخُذُ بِهِ غَفَرْتُ لِعَبْدِي ثَلَاثًا فَلْيَعْمَلْ مَا شَاءَ۔

(صحیح مسلم:۲۷۵۸، مسند احمد:۷۸۸۸)

نے کوئی گناہ کرلیا، پھر اس بندہ نے کہا: اے میرے رب! میں نے ایک گناہ کیا ہے اور بعض اوقات کہا: اے میرے رب! مجھ سے گناہ ہو گیا ہے، سو تو میری مغفرت فرما، پس اس کے رب نے فرمایا: کیا میرے بندے کو یہ علم تھا کہ اس کا ایک رب ہے جو گناہ کو معاف فرماتا ہے اور گناہ پر پکڑ فرماتا ہے؟ میں نے اپنے اس بندہ کو بخش دیا، پھر کچھ عرصہ وہ بندہ ٹھہرا رہا جتنا اللہ نے چاہا پھر اس سے دوبارہ گناہ ہو گیا یا اس نے دوبارہ گناہ کرلیا، پس اس نے کہا: اے میرے رب! میں نے گناہ کرلیا ہے یا مجھ سے گناہ ہو گیا ہے سو تو اس کو معاف فرمادے، پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا میرے بندے کو علم ہے کہ بے شک اس کا ایک رب ہے جو گناہ کی مغفرت فرماتا ہے اور گناہ پر گرفت فرماتا ہے؟ میں نے اپنے اس بندہ کو بخش دیا، پھر وہ بندہ جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا ٹھہرا رہا، پھر اس نے کوئی گناہ کیا اور بعض اوقات فرمایا: پھر اس سے کوئی گناہ ہو گیا تو اس نے کہا: اے میرے رب! مجھ سے گناہ ہو گیا یا میں نے اور گناہ کرلیا، سو تو میری مغفرت فرما، پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا میرے اس بندہ کو علم ہے کہ بے شک اس کا رب ہے جو گناہ کو معاف فرماتا ہے اور گناہ پر گرفت کرتا ہے، پھر تین مرتبہ فرمایا: میں نے اپنے بندہ کی مغفرت فرمادی، سو وہ جو چاہے عمل کرے۔

صحیح البخاری: ۷۵۰۷، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بار بار گناہ کرنے کے باوجود بندہ کے استغفار کرنے سے اللہ تعالیٰ کا اس کو معاف فرمادینا

علامہ ابن بطال مالکی المتوفی ۴۴۹ھ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے: جو شخص بار بار گناہ کرے اور گناہوں پر اصرار کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے، اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو اس کو عذاب دے گا اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو اس کی مغفرت فرمادے گا، جب کہ اس بندہ کے دل میں نیکی غالب ہو اور وہ نیکی یہ ہے کہ بندہ کا اعتقاد یہ ہو کہ اس کا ایک رب ہے جو خالق ہے وہ اس کو عذاب دینے پر قادر ہے اور اس کی مغفرت پر بھی قادر ہے اور اس بندہ کا اپنے گناہوں پر استغفار کرنا اس پر دلیل ہے کہ اس کا یہ اعتقاد ہے، نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا (الانعام:۱۶۰) جو شخص اللہ کے پاس ایک نیکی لے کر آئے گا اس کے لیے اس جیسی

دس نیکیوں کا اجر ہوگا۔
اور اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کے وجود کے اقرار سے بڑھ کر کوئی نیکی نہیں ہے اور مغفرت کے حصول کے لیے اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑانا اس سے بڑھ کر کوئی نیکی نہیں ہے۔
اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب اس بندے نے اپنے رب سے استغفار کیا تو یہ اس کی طرف سے توبہ ہے تو پھر وہ گناہ پر اصرار کرنے والا نہ ہوا (کیونکہ گناہ پر اصرار کرنے والا وہ ہوتا ہے جو گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کرے اور پھر توبہ نہ کرے اور دوبارہ گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کرے اور توبہ نہ کرے اور یونہی بار بار گناہ کرتا رہے اور توبہ نہ کرے تو وہ گناہ پر اصرار کرنے والا ہے۔)
اس کا جواب یہ ہے کہ استغفار اس سے زیادہ نہیں ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے اپنی مغفرت طلب کرے اور کبھی گناہ پر اصرار کرنے والا بھی اللہ تعالیٰ سے مغفرت کو طلب کرتا ہے اور توبہ کرنے والا بھی اللہ تعالیٰ سے مغفرت کو طلب کرتا ہے اور اس حدیث میں یہ دلیل نہیں ہے کہ اس بندے نے اسی گناہ سے مغفرت طلب کی جس پر وہ توبہ کر چکا تھا، کیونکہ توبہ کا معنی ہے: گناہ سے رجوع کرنا اور دوبارہ اس گناہ کے نہ کرنے کا عزم کرنا اور استغفار سے یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس نے اسی گناہ پر توبہ کی جس گناہ سے وہ پہلے استغفار کر چکا تھا۔ (شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۵۱۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

توبہ کی شرائط

دوسرے علماء نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ توبہ کی تین شرطیں ہیں: (۱) گناہ کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دینا مثلاً اگر وہ شراب پیتا تھا تو شراب کو بہادے، یا اگر وہ آلاتِ موسیقی میں مشغول رہتا ہو تو آلاتِ موسیقی کو توڑ دے (۲) گناہ پر نادم ہونا (۳) یہ عزم کرنا کہ وہ دوبارہ اس گناہ کو نہیں کرے گا، اور گناہ سے رجوع کرنے کی تعبیر گناہ پر ندامت کا فائدہ نہیں دیتی بلکہ یہ گناہ کو اکھاڑنے کے زیادہ قریب ہے۔
اور بعض علماء نے کہا ہے کہ توبہ کے لیے یہ کافی ہے کہ اس گناہ کے صدور اور تحقق پر بندہ نادم ہو کیونکہ یہ اس گناہ کے اکھاڑنے کو مستلزم ہے اور گناہ کو دوبارہ نہ کرنے کے عزم کو بھی مستلزم ہے، پس یہ دونوں چیزیں ندامت سے حاصل ہو جاتی ہیں، اسی وجہ سے حدیث میں وارد ہے:
حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ندامت توبہ ہے۔
(سنن ابن ماجہ: ۴۲۵۲، مسند احمد: ۳۵۶۸، سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۱۵۴، المستدرک للحاکم ج ۴ ص ۲۴۳، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۹۹، حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۲۵۱، کنز العمال: ۱۰۳۰۱، تاریخ بغداد ج ۹ ص ۴۰۵)
یہ حدیث حسن ہے۔ اور امام ابن حبان نے اس حدیث کی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔
علامہ ابو العباس احمد بن عمر ابراہیم القرطبی المالکی المتوفی ۶۵۶ھ نے المفہم شرح مسلم میں لکھا ہے:
یہ حدیث استغفار کے عظیم فائدہ پر دلالت کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے عظیم فضل اور اس کی وسیع رحمت اور اس کے حلم اور کرم پر دلالت کرتی ہے لیکن یہ وہ استغفار ہے جس کا معنی دل میں ثابت ہوتا ہے جس سے معصیت پر اصرار کی گرہ کھل جاتی ہے، اور اس کے ساتھ ندامت حاصل ہوتی ہے پس یہ توبہ کا عنوان ہے اور اس پر یہ حدیث شاہد ہے:

خیارکم کل مفتن تواب۔ تم میں بہتر وہ لوگ ہیں جو فتنہ میں مبتلا ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ توبہ کرتے ہیں۔

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جو شخص بار بار گناہ کرتا ہے اور توبہ کرتا ہے، پس جب بھی وہ کسی گناہ میں واقع ہوتا ہے تو پھر پلٹ کر توبہ کرتا ہے اور یہ ان لوگوں میں سے نہیں ہے جو اپنی زبان سے تو کہتے ہیں: استغفر اللہ یعنی میں اللہ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور ان کا دل اس معصیت کے اوپر اصرار کرتا ہو، سو ایسا استغفار بجائے خود استغفار کا محتاج ہوتا ہے۔ اور اس کی شاہد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی درجِ ذیل حدیث ہے جس کی امام ابن ابی الدنیا نے روایت کی ہے:

التائب من الذنب کمن لا ذنب له والمستغفر من الذنب وهو مقيم کالمستهزی بربه۔ جو شخص گناہ سے توبہ کرے وہ اس شخص کی مثل ہے جس کا کوئی گناہ نہ ہو، اور جو شخص گناہ سے توبہ کرے اور وہ اس گناہ پر قائم ہو تو یہ اس شخص کی مثل ہے جو اللہ تعالیٰ سے مذاق کرتا ہے۔

اس حدیث کا اگلا حصہ سنن ابن ماجہ اور معجم الطبرانی میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مسند الفردوس میں یہ حدیث ہے: ”خیارکم کل مفتن تواب“۔

علامہ القرطبی نے کہا: اس حدیث کا فائدہ یہ ہے کہ دوبارہ گناہ کرنا ہر چند کہ گناہ کی ابتداء کرنے سے زیادہ قبیح ہے کیونکہ اس میں گناہ کے ارتکاب کے ساتھ توبہ کو توڑنا بھی ہے لیکن دوبارہ توبہ کرنا توبہ کی ابتداء سے زیادہ عمدہ ہے کیونکہ اس توبہ کے ساتھ رب کریم سے التجا اور اس کی بارگاہ میں گڑگڑانا اور سوال کرنا اور یہ اعتراف کرنا ملا ہوا ہے کہ اس کے سوا کوئی اور گناہ کا معاف کرنے والا نہیں ہے۔

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ، نے کہا ہے:

اس حدیث میں یہ ثبوت ہے کہ اگر کوئی شخص سو بار گناہ کرے بلکہ ہزار بار گناہ کرے یا اس سے بھی زیادہ گناہ کرے اور ہر مرتبہ توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول کی جائے گی، یا اگر وہ تمام گناہوں سے ایک توبہ کرے تب بھی اس کی توبہ صحیح ہے۔

اس حدیث کے آخر میں ہے: اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ”اعمل ما شئت“ تو جو چاہے کر، اس کا معنی یہ ہے کہ جب تک تو گناہ کرتا رہے گا پھر توبہ کرتا رہے گا تو میں تیری مغفرت کرتا رہوں گا۔ علامہ نووی نے ”کتاب الاذکار“ میں لکھا ہے۔

نیز اس کی تائید درجِ ذیل حدیث سے ہوتی ہے:

امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جس شخص نے کہا:

استغفر الله الذی لا اله الا هو الحی القیوم واتوب الیه۔ میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتا ہوں جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور وہ ہمیشہ زندہ رہنے والا اور قائم رہنے والا ہے اور میں اس سے توبہ کرتا ہوں۔

تو اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے اگرچہ وہ میدانِ جہاد سے پیٹھ موڑ کر بھاگا ہو۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ توبہ صرف استغفار کے ساتھ مکمل ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ (ہود: ۳) اور یہ کہ تم اپنے رب سے مغفرت طلب کرو اور اس کے سامنے توبہ

کرو۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۵۹۱۔ ۵۹۲، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۵۰۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي الْأَسْوَدِ حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ سَمِعْتُ أَبِي حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَبْدِ الْغَافِرِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ ذَكَرَ رَجُلًا فِيمَنْ سَلَفَ أَوْ فِيمَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ قَالَ كَلِمَةً يَعْنِي أَعْطَاهُ اللهُ مَالًا وَوَلَدًا فَلَمَّا حَضَرَتِ الْوَفَاةُ قَالَ لِبَنِيهِ أَيَّ أَبٍ كُنْتُ لَكُمْ قَالُوا خَيْرَ أَبٍ قَالَ فَإِنَّهُ لَمْ يَبْتَئِرْ أَوْ لَمْ يَبْتَئِزْ عِنْدَ اللهِ خَيْرًا وَإِنْ يَقْدِرِ اللهُ عَلَيْهِ يُعَذِّبْهُ فَانْظُرُوا إِذَا مُتُّ فَأَحْرِقُونِي حَتَّى إِذَا صِرْتُ فَحْمًا فَاسْحَقُونِي أَوْ قَالَ فَاسْحَكُونِي فَإِذَا كَانَ يَوْمُ رِيحٍ عَاصِفٍ فَأَذْرُونِي فِيهَا فَقَالَ نَبِيُّ اللهِ ﷺ فَأَخَذَ مَوَاثِيقَهُمْ عَلَى ذَلِكَ وَرَبِّي فَفَعَلُوا ثُمَّ أَذْرَوْهُ فِي يَوْمٍ عَاصِفٍ فَقَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ كُنْ فَإِذَا هُوَ رَجُلٌ قَائِمٌ قَالَ اللهُ أَيْ عَبْدِي مَا حَمَلَكَ عَلَى أَنْ فَعَلْتَ مَا فَعَلْتَ قَالَ مَخَافَتُكَ أَوْ فَرَقٌ مِنْكَ قَالَ فَمَا تَلَافَاهُ أَنْ رَحِمَهُ عِنْدَهَا وَقَالَ مَرَّةً أُخْرَى فَمَا تَلَافَاهُ غَيْرُهَا فَحَدَّثْتُ بِهِ أَبَا عُثْمَانَ فَقَالَ سَمِعْتُ هَذَا مِنْ سَلْمَانَ غَيْرَ أَنَّهُ زَادَ فِيهِ أَذْرُونِي فِي الْبَحْرِ أَوْ كَمَا حَدَّثَ حَدَّثَنَا مُوسَى حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ وَقَالَ لَمْ يَبْتَئِرْ وَقَالَ خَلِيفَةُ حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ وَقَالَ لَمْ يَبْتَئِزْ فَسَّرَهُ قَتَادَةُ لَمْ يَدَّخِرْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن ابی الاسود نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معتمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے اپنے والد سے سنا، انہوں نے کہا: ہمیں قتادہ نے حدیث بیان کی از عقبہ بن عبدالغافر از حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے پچھلی امتوں میں سے ایک مرد کا ذکر کیا یا تم سے پہلے لوگوں میں سے ایک مرد کا ذکر کیا، اس کے متعلق آپ نے ایک بات فرمائی یعنی اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو مال اور اولاد عطا کیے، پس جب اس شخص کی وفات کا وقت قریب آیا تو اس نے اپنے بیٹوں سے کہا: میں تم لوگوں کے لیے کیسا باپ ثابت ہوا؟ بیٹوں نے کہا: آپ بہترین باپ تھے، اس مرد نے کہا: "لیکن اس نے اللہ تعالیٰ کے پاس کوئی نیکی نہیں بھیجی اور اگر اللہ تعالیٰ نے اس کی گرفت کی تو اس کو عذاب دے گا، پس تم دیکھو جب میں مر جاؤں تو مجھ کو جلا دینا حتیٰ کہ جب میں جل کر کوئلہ ہو جاؤں تو ان کوئلوں کو خوب باریک پیس لینا اور جس دن سخت تیز آندھی آئے اس دن میری اس راکھ کو اڑا دینا"، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس مرد نے اپنے بیٹوں سے اس بات پر عمل کرنے کا پختہ وعدہ لیا اور میرے رب کی قسم! ان لڑکوں نے ایسا ہی کیا، اس کو جلا کر راکھ بنا ڈالا پھر اس کی راکھ کو تیز ہوا کے دن اڑا دیا، پھر اللہ عزوجل نے لفظ "کن" فرمایا، پس اس وقت وہ مرد کھڑا ہوا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے میرے بندے! تو نے جو کچھ کیا اس پر تجھ کو کس نے برانگیختہ کیا؟ اس مرد نے کہا: تیرے ڈرنے یا تیرے خوف نے، اللہ تعالیٰ نے اس کو کوئی سزا نہیں دی اور اپنے پاس سے اس پر رحم فرمایا، اور دوسری بار فرمایا: اس کے غیر نے اس کی تلافی نہیں۔ (قتادہ کہتے ہیں:) پھر میں نے یہ حدیث ابوعثمان النہدی سے بیان کی تو انہوں نے کہا: میں نے اس حدیث کو حضرت سلمان

فارسی رضی اللہ عنہ سے سنا، البتہ ان کی روایت میں ان الفاظ کا اضافہ ہے کہ میری راکھ کو دریا میں ڈال دینا یا کچھ اس سے ملتی جلتی حدیث بیان کی۔

ہمیں موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معتمر نے حدیث بیان کی اور کہا: ''لم یبتئر''، اور خلیفہ نے کہا: ہمیں معتمر نے حدیث بیان کی اور کہا: ''لم یبتئز'' قتادہ نے اس کی تفسیر میں کہا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے پاس کسی نیکی کو جمع نہیں کیا اور ان دونوں لفظوں کا معنی ایک ہے۔

(صحیح البخاری: ۳۴۷۸، ۶۴۸۱، ۷۵۰۸، صحیح مسلم: ۲۷۵۷، مسند احمد: ۱۱۳۲۷)

اس حدیث کی بابِ مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے ''اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے میرے بندے'' اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد فرمانا اس کا کلام ہے، سو اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کی صفتِ کلام کا ثبوت ہے، اس حدیث کے باقی مضامین کی شرح عنقریب صحیح البخاری: ۷۵۰۶ میں گزر چکی ہے۔

علامہ شہاب الدین ابو العباس احمد القسطلانی المتوفی ۹۱۱ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ پر توبہ قبول کرنے کے متعلق اہلِ اسلام کے مذاہب

السفاقسی نے کہا ہے: المعتزلہ کے نزدیک اس مرد کی مغفرت اس لیے کر دی گئی کہ اس نے اللہ تعالیٰ سے توبہ کی تھی اور توبہ کا قبول کرنا اللہ تعالیٰ پر عقلاً واجب ہے، اور امام اشعری کے نزدیک دلائلِ سمعیہ سے اللہ تعالیٰ پر توبہ کا قبول کرنا واجب ہے، اور دوسروں کے نزدیک اللہ تعالیٰ جس طرح دیگر عبادات اور اطاعات کو قبول فرماتا ہے اسی طرح توبہ کو بھی قبول فرماتا ہے، علامہ ابن المنیّر نے کہا: المعتزلہ کے نزدیک توبہ کا قبول کرنا اللہ تعالیٰ پر عقلاً واجب ہے اور ہمارے نزدیک توبہ کا قبول کرنا اس لیے واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے توبہ قبول کرنے کا اپنے فضل و کرم سے اور اپنے احسان سے وعدہ فرمایا ہے اور کریم جب کسی چیز کا وعدہ کرتا ہے تو اس کی مخالفت نہیں کرتا۔

اللہ تعالیٰ پر توبہ قبول کرنے کے وجوب کی نفی پر دلائل

(۱) کسی کام کے کسی پر واجب ہونے کا معنی یہ ہے کہ جب اس نے اس کام کو نہیں کیا تو وہ مذمت کا مستحق ہوگا، پس اگر اللہ تعالیٰ پر توبہ کا قبول کرنا واجب ہو اور وہ توبہ کو قبول نہ کرے تو اللہ تعالیٰ مذمت کا مستحق ہوگا اور یہ محال ہے، کیونکہ پھر اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے کی وجہ سے کمال کو حاصل کرے گا اور جو اپنے کمال کو غیر سے حاصل کرے وہ اپنی ذات میں ناقص ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حق میں نقص محال ہے۔

(۲) مذمت کے خوف سے کسی کام کو اس وقت ترک کیا جاتا ہے جب اس مذمت کو سننے سے اس کو ایذاء پہنچے اور اس کی طبیعت اس سے متنفر ہو اور اس وجہ سے اس میں کوئی نقصان اور کمی ہو لیکن اللہ عزوجل جو شہوت اور نفرت اور کمی اور زیادتی سے بلند و بالا ہے، اس کے حق میں یہ متصور نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ مذمت کے خوف سے توبہ کو قبول فرمائے۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے توبہ قبول کرنے پر اپنی مدح فرمائی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَ يَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ۝ (التوبہ: ۱۰۴)

کیا یہ نہیں جانتے کہ بے شک اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور صدقات کو لیتا ہے اور بے شک اللہ ہی بہت توبہ قبول کرنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے O

اگر اللہ تعالیٰ پر توبہ کو قبول کرنا واجب ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس پر اپنی مدح نہ فرماتا، کیونکہ کسی واجب کو ادا کرنے سے اس پر مدح اور ثنا اور تعظیم نہیں کی جاتی۔

اور بعض مفسرین نے کہا ہے: اس پر اجماع ہے کہ کفر کی توبہ کو قبول فرمانا قطعی ہے اور اس لیے یہ آیت نازل ہوئی ہے، رہے معاصی اور نافرمانیاں تو ان میں قطعی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ امت کے بعض افراد کی معاصی پر توبہ کو قبول فرماتا ہے اور اس میں اختلاف ہے کہ آیا تمام امت کی نافرمانیوں پر توبہ قبول فرماتا ہے یا نہیں، لیکن جب ہم یہ فرض کریں کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتا ہے اور اس کی توبہ صحیح ہوتی ہے تو ایک قول یہ ہے کہ اس کی توبہ قطعیت کے ساتھ قبول ہوتی ہے اور فقہاء اور محدثین کے گروہ کا یہی نظریہ ہے، اور اس قول کی بناء پر لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول فرمائے، اور ابوالمعالی وغیرہ نے کہا ہے کہ قطعیت کے ساتھ نہیں کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرمائے گا، البتہ اس میں توبہ کے قبول کرنے کی امید رکھی جائے گی۔

(ارشاد الساری ج ۱۵ ص ۵۴۸۔۵۴۹، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۳۶۔ بَابُ: كَلَامِ الرَّبِّ عَزَّ وَجَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَعَ الْاَنْبِيَاءِ وَغَيْرِهِمْ

قیامت کے دن رب عز وجل کا انبیاء علیہم السلام اور دیگر لوگوں سے کلام فرمانا

باب مذکور کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے والوں کی تفصیل

علامہ المہلب المالکی نے کہا ہے: اس سے پہلے یہ بیان ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کے ساتھ کلام فرمائے گا اور فرشتے اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ کر رہے ہوں گے، اور اس باب میں یہ بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام اور دیگر لوگوں سے قیامت کے دن کلام فرمائے گا سو ان کے جن کو دنیا میں اللہ تعالیٰ نے اپنے دیدار سے محروم رکھا کہ ان کی آنکھوں پر اس کو دیکھنے سے حجاب ڈال دیا، پھر اللہ تعالیٰ آخرت میں ان حجابات کو ان کی آنکھوں سے اٹھا دے گا اور ان سے اس حال میں کلام فرمائے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ کر رہے ہوں گے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: اللہ تعالیٰ کے درمیان اور ان کے درمیان کوئی ترجمان نہیں ہوگا، اور اس باب میں امام بخاری نے ان تمام احادیث کو جمع کر لیا جن میں اللہ تعالیٰ کے اپنے بندوں کے ساتھ کلام کرنے کا ذکر ہے اور ان احادیث کا تفصیل سے ذکر آ رہا ہے۔ (شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۵۱۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۷۵۰۹۔ حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ رَاشِدٍ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یوسف

عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ عَنْ حُمَيْدٍ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسًا رضی الله عنه قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ شُفِّعْتُ فَقُلْتُ يَا رَبِّ أَدْخِلِ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ خَرْدَلَةٌ فَيَدْخُلُونَ ثُمَّ أَقُولُ أَدْخِلِ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ أَدْنَى شَيْءٍ فَقَالَ أَنَسٌ كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى أَصَابِعِ رَسُولِ اللهِ ﷺ۔

بن راشد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں احمد بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوبکر بن عیاش نے حدیث بیان کی از حمید، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب قیامت کا دن قائم ہوگا تو مجھے شفیع بنایا جائے گا، پس میں کہوں گا: اے میرے رب! جس کے دل میں بھی ایک رائی کے دانہ کے برابر ایمان ہے اس کو جنت میں داخل فرما دے، پس ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے، پھر میں کہوں گا: جس کے دل میں تھوڑا سا بھی ایمان ہے اس کو جنت میں داخل کر دے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں گویا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی انگلیوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔

(صحیح البخاری: ۴۴، ۷۴۴۰، ۶۵۶۵، ۷۴۱۰، ۷۴۴۰، ۷۵۰۹، ۷۵۱۰، ۷۵۱۶، صحیح مسلم: ۱۹۳، سنن ترمذی: ۲۵۹۳، سنن ابن ماجہ: ۴۳۱۲، مسند احمد: ۱۲۳۶۱)

علامہ شہاب الدین ابوالعباس احمد القسطلانی المتوفی ۹۱۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''اذا کان یوم القیامۃ شفعت'' یعنی جب قیامت کا دن ہوگا تو مجھے شفاعت کرنے والا بنایا جائے گا، یہ لفظ التشفیع سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے: شفاعت کو سپرد کرنا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''رب ادخل الجنۃ من کان فی قلبہ ادنی شیء'' یعنی اے میرے رب! جس کے دل میں تھوڑا سا بھی ایمان ہو تو اس کو تو جنت میں داخل کر دے، تھوڑے سے ایمان سے مراد یہ ہے کہ جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور سیدنا محمد ﷺ کی رسالت کی تصدیق ہو اور یہ ضروری ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی انگلیوں کی طرف دیکھ رہا تھا، یعنی رسول اللہ ﷺ نے انگلیوں کے سروں کو ملا کر تھوڑے سے ایمان کی طرف اشارہ فرمایا۔ (ارشاد الساری ج ۱۵ ص ۵۴۹۔ ۵۵۰، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۵۱۰۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ حَدَّثَنَا مَعْبَدُ بْنُ هِلَالٍ الْعَنَزِيُّ قَالَ اجْتَمَعْنَا نَاسٌ مِنْ أَهْلِ الْبَصْرَةِ فَذَهَبْنَا إِلَى أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ وَذَهَبْنَا مَعَنَا بِثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ إِلَيْهِ يَسْأَلُهُ لَنَا عَنْ حَدِيثِ الشَّفَاعَةِ فَإِذَا هُوَ فِي قَصْرِهِ فَوَافَقْنَاهُ يُصَلِّي

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد بن زید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معبد بن ہلال العنزی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہم اہلِ بصرہ کے بعض لوگ جمع ہوئے، پس ہم لوگ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس

الْبُنَانِيِّ فَاسْتَأْذَنَّا فَأَذِنَ لَنَا وَهُوَ قَاعِدٌ عَلَى فِرَاشِهِ
فَقُلْنَا لِثَابِتٍ لَا تَسْأَلْهُ عَنْ شَيْءٍ أَوَّلَ مِنْ حَدِيثِ
الشَّفَاعَةِ فَقَالَ يَا أَبَا حَمْزَةَ هَؤُلَاءِ إِخْوَانُكَ مِنْ أَهْلِ
الْبَصْرَةِ جَاءُوكَ يَسْأَلُونَكَ عَنْ حَدِيثِ الشَّفَاعَةِ فَقَالَ
حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ ﷺ قَالَ إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ
مَاجَ النَّاسُ بَعْضُهُمْ فِي بَعْضٍ فَيَأْتُونَ آدَمَ فَيَقُولُونَ
اشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ فَيَقُولُ لَسْتُ لَهَا وَلَكِنْ عَلَيْكُمْ
بِإِبْرَاهِيمَ فَإِنَّهُ خَلِيلُ الرَّحْمَنِ فَيَأْتُونَ إِبْرَاهِيمَ فَيَقُولُ
لَسْتُ لَهَا وَلَكِنْ عَلَيْكُمْ بِمُوسَى فَإِنَّهُ كَلِيمُ اللهِ فَيَأْتُونَ
مُوسَى فَيَقُولُ لَسْتُ لَهَا وَلَكِنْ عَلَيْكُمْ بِعِيسَى فَإِنَّهُ
رُوحُ اللهِ وَكَلِمَتُهُ فَيَأْتُونَ عِيسَى فَيَقُولُ لَسْتُ لَهَا
وَلَكِنْ عَلَيْكُمْ بِمُحَمَّدٍ ﷺ فَيَأْتُونِي فَأَقُولُ أَنَا لَهَا
فَأَسْتَأْذِنُ عَلَى رَبِّي فَيُؤْذَنُ لِي وَيُلْهِمُنِي مَحَامِدَ
أَحْمَدُهُ بِهَا لَا تَحْضُرُنِي الْآنَ فَأَحْمَدُهُ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ
وَأَخِرُّ لَهُ سَاجِدًا فَيَقُولُ يَا مُحَمَّدُ ارْفَعْ رَأْسَكَ وَقُلْ
يُسْمَعْ لَكَ وَسَلْ تُعْطَ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَأَقُولُ يَا رَبِّ
أُمَّتِي أُمَّتِي فَيَقُولُ انْطَلِقْ فَأَخْرِجْ مِنْهَا مَنْ كَانَ فِي
قَلْبِهِ مِثْقَالُ شَعِيرَةٍ مِنْ إِيمَانٍ فَأَنْطَلِقُ فَأَفْعَلُ ثُمَّ
أَعُودُ فَأَحْمَدُهُ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ ثُمَّ أَخِرُّ لَهُ سَاجِدًا
فَيُقَالُ يَا مُحَمَّدُ ارْفَعْ رَأْسَكَ وَقُلْ يُسْمَعْ لَكَ وَسَلْ
تُعْطَ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَأَقُولُ يَا رَبِّ أُمَّتِي أُمَّتِي
فَيَقُولُ انْطَلِقْ فَأَخْرِجْ مِنْهَا مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ
ذَرَّةٍ أَوْ خَرْدَلَةٍ مِنْ إِيمَانٍ فَأَخْرِجْهُ فَأَنْطَلِقُ فَأَفْعَلُ
ثُمَّ أَعُودُ فَأَحْمَدُهُ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ ثُمَّ أَخِرُّ لَهُ سَاجِدًا
فَيَقُولُ يَا مُحَمَّدُ ارْفَعْ رَأْسَكَ وَقُلْ يُسْمَعْ لَكَ وَسَلْ
تُعْطَ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَأَقُولُ يَا رَبِّ أُمَّتِي أُمَّتِي
فَيَقُولُ انْطَلِقْ فَأَخْرِجْ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ أَدْنَى أَدْنَى أَدْنَى

گئے اور ہم اپنے ساتھ ثابت البنانی کو بھی ان کے پاس لے گئے، وہ ان سے ہمارے لیے شفاعت کی حدیث کا سوال کرتے تھے، پس اس وقت حضرت انس رضی اللہ عنہ اپنے محل میں چاشت کی نماز پڑھ رہے تھے، سو ہم نے اجازت طلب کی، پس انہوں نے ہمارے لیے اجازت دی اور وہ اپنے بستر پر بیٹھے ہوئے تھے، پس ہم نے ثابت سے کہا کہ تم حضرت انس رضی اللہ عنہ سے شفاعت کی حدیث سے پہلے کچھ اور نہ پوچھنا، پس ثابت نے کہا: اے ابوحمزہ! یہ آپ کے بھائی ہیں جو اہل بصرہ سے ہیں یہ آپ کے پاس شفاعت کی حدیث کے متعلق سوال کرنے کے لیے آئے ہیں، پس حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: ہم سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث بیان کی، آپ نے فرمایا: جب قیامت کا دن ہوگا تو لوگ ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کی طرح موج در موج پھر رہے ہوں گے، پس وہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے پس کہیں گے: آپ اپنے رب کے پاس ہمارے لیے شفاعت کیجئے، پس وہ کہیں گے: میں اس کا اہل نہیں ہوں لیکن تم پر لازم ہے ابراہیم کے پاس جاؤ، پس بے شک وہ خلیل الرحمٰن ہیں، پھر لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جائیں گے، پس وہ کہیں گے: میں اس کا اہل نہیں ہوں لیکن تم پر لازم ہے کہ تم موسیٰ کے پاس جاؤ، وہ اللہ کے کلیم ہیں، پس لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے، پس وہ کہیں گے: میں اسکا اہل نہیں ہوں لیکن تم پر لازم ہے کہ تم عیسیٰ کے پاس جاؤ، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی روح اور اس کا کلمہ ہیں، پھر لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے، وہ کہیں گے: میں اس کا اہل نہیں ہوں لیکن تم پر لازم ہے کہ تم (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جاؤ، سو لوگ میرے پاس آئیں گے، پس میں کہوں گا: میں ہی اس شفاعت کے لیے ہوں، پس میں اپنے رب سے اجازت طلب کروں گا، سو مجھ کو اجازت دی جائے گی، اور مجھے حمد کے چند کلمات الہام کیے جائیں گے جن سے میں اللہ تعالیٰ کی حمد

مِثْقَالِ حَبَّةِ خَرْدَلٍ مِنْ إِيمَانٍ فَأَخْرِجْهُ مِنَ النَّارِ فَأَنْطَلِقُ فَأَفْعَلُ فَلَمَّا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِ أَنَسٍ قُلْتُ لِبَعْضِ أَصْحَابِنَا لَوْ مَرَرْنَا بِالْحَسَنِ وَهُوَ مُتَوَارٍ فِي مَنْزِلِ أَبِي خَلِيفَةَ فَحَدَّثْنَاهُ بِمَا حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ فَأَتَيْنَاهُ فَسَلَّمْنَا عَلَيْهِ فَأَذِنَ لَنَا فَقُلْنَا لَهُ يَا أَبَا سَعِيدٍ جِئْنَاكَ مِنْ عِنْدِ أَخِيكَ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ فَلَمْ نَرَ مِثْلَ مَا حَدَّثَنَا فِي الشَّفَاعَةِ فَقَالَ هِيهْ فَحَدَّثْنَاهُ بِالْحَدِيثِ فَانْتَهَى إِلَى هَذَا الْمَوْضِعِ فَقَالَ هِيهْ فَقُلْنَا لَمْ يَزِدْ لَنَا عَلَى هَذَا فَقَالَ لَقَدْ حَدَّثَنِي وَهُوَ جَمِيعٌ مُنْذُ عِشْرِينَ سَنَةً فَلَا أَدْرِي أَنَسِيَ أَمْ كَرِهَ أَنْ تَتَّكِلُوا قُلْنَا يَا أَبَا سَعِيدٍ فَحَدِّثْنَا فَضَحِكَ وَقَالَ خُلِقَ الْإِنْسَانُ عَجُولًا مَا ذَكَرْتُهُ إِلَّا وَأَنَا أُرِيدُ أَنْ أُحَدِّثَكُمْ حَدَّثَنِي كَمَا حَدَّثَكُمْ بِهِ قَالَ ثُمَّ أَعُودُ الرَّابِعَةَ فَأَحْمَدُهُ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ ثُمَّ أَخِرُّ لَهُ سَاجِدًا فَيُقَالُ يَا مُحَمَّدُ ارْفَعْ رَأْسَكَ وَقُلْ يُسْمَعْ وَسَلْ تُعْطَهْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَأَقُولُ يَا رَبِّ ائْذَنْ لِي فِيمَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ فَيَقُولُ وَعِزَّتِي وَجَلَالِي وَكِبْرِيَائِي وَعَظَمَتِي لَأُخْرِجَنَّ مِنْهَا مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ۔

(صحیح مسلم: ۱۹۳)

کروں گا، وہ کلمات اس وقت مجھے مستحضر نہیں ہیں، پس میں اللہ تعالیٰ کی ان کلمات حمد کے ساتھ حمد کروں گا اور اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ میں گر جاؤں گا، پس مجھ سے کہا جائے گا: اے محمد اپنا سر اٹھائیے اور کہیے آپ کی بات سنی جائے گی اور سوال کیجئے آپ کو عطا کیا جائے گا اور شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی، پس میں کہوں گا: اے میرے رب! میری امت، میری امت، پس کہا جائے گا: آپ جائیں اور دوزخ میں سے ان کو نکال لیں جس کے دل میں جَو کے برابر بھی ایمان ہو، پس میں جاؤں گا سو اس طرح کروں گا، پھر میں واپس آؤں گا، پھر اللہ تعالیٰ کی ان کلماتِ حمد کے ساتھ حمد کروں گا، پھر اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ میں گر جاؤں گا، پس کہا جائے گا: اے محمد! اپنا سر اٹھائیے اور آپ کہیے آپ کی بات سنی جائے گی اور آپ سوال کیجئے آپ کو عطا کیا جائے گا اور آپ شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی، پس میں کہوں گا: اے میرے رب! میری امت، میری امت، پس کہا جائے گا: آپ جائیے اور دوزخ میں سے ان کو نکال لیں جن کے دل میں ایک ذرہ کے برابر بھی ایمان ہو یا رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہو، پس میں جاؤں گا پس اس طرح کروں گا، پھر واپس آؤں گا پھر اللہ تعالیٰ کی ان کلماتِ حمد کے ساتھ حمد کروں گا پھر اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ میں گر جاؤں گا، پھر کہا جائے گا: اے محمد! اپنا سر اٹھائیے، آپ کہیے آپ کی بات سنی جائے گی اور سوال کیجئے آپ کو عطا کیا جائے گا اور شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی، پس میں کہوں گا: اے میرے رب! میری امت، میری امت، پس اللہ عزوجل فرمائے گا: جائیے، پس دوزخ میں سے ان کو نکال لیں جن کے دل میں تھوڑا تھوڑا بھی رائی کے دانہ کے برابر ایمان ہو، پس میں جاؤں گا اور اس طرح کروں گا۔

(راوی نے کہا:) پس جب ہم حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس سے

نکلے تو میں نے اپنے بعض اصحاب سے کہا: اگر ہم حسن (بصری) کے پاس جائیں اور وہ (اس وقت) ابوخلیفہ کے گھر میں (حجاج بن یوسف کے خوف سے) چھپے ہوئے ہوں، اور ان سے وہ حدیث بیان کریں جو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ابھی ہم سے بیان کی ہے سو ہم ان کے پاس آئے اور ان کو سلام کیا، پھر انہوں نے ہمیں آنے کی اجازت دی اور ہم نے ان سے کہا: اے ابوسعید! ہم آپ کے پاس آپ کے بھائی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے ہاں سے آئے ہیں، اور انہوں نے ہم سے شفاعت کے متعلق جو حدیث بیان کی ہے ایسی حدیث ہم نے اس سے پہلے نہیں سنی، حسن بصری نے کہا: مجھے وہ حدیث بیان کرو، ہم نے ان کے سامنے وہ حدیث بیان کی جب ہم اس مقام تک پہنچے تو انہوں نے کہا: اور بیان کرو، ہم نے کہا: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس حدیث پر مزید اضافہ نہیں کیا، تب حسن بصری نے کہا کہ جب حضرت انس رضی اللہ عنہ بیس سال پہلے جوان تھے اس وقت انہوں نے میرے سامنے یہ حدیث بیان کی تھی میں نہیں جانتا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ اب اس اضافہ کو بھول گئے یا انہوں نے اس کے بیان کرنے کو اس وجہ سے ناپسند کیا کہ تم اس پر اعتماد کرلو گے، ہم نے کہا: اے ابوسعید! آپ ہمارے سامنے وہ اضافہ بیان کیجئے تو حضرت حسن بصری ہنسے اور انہوں نے کہا: انسان بہت جلد باز پیدا کیا گیا ہے، میں نے تم سے یہ بات صرف اس لیے کہی تھی کہ میں اس حدیث کو تمہارے سامنے بیان کروں، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے مجھ سے یہ حدیث اسی طرح بیان کی تھی جس طرح تم سے بیان کی ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا تھا کہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:) پھر میں چوتھی مرتبہ واپس جاؤں گا، پس اللہ تعالیٰ کی ان کلمات کے ساتھ حمد کروں گا پھر اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ میں گر جاؤں گا، پس کہا جائے گا: اے محمد! اپنا سر اٹھائیے اور آپ کہیے آپ کی بات سنی جائے گی اور آپ سوال کیجئے آپ کو عطا کیا جائے

گا، آپ شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی، پس میں کہوں گا: اے میرے رب! مجھے ان کے متعلق بھی شفاعت کرنے کی اجازت دیجئے جنہوں نے کہا لا الٰہ الا اللہ، تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میری عزت اور جلال کی اور میری کبریائی کی اور میری عظمت کی قسم! میں ضرور ان کو دوزخ سے نکال دوں گا جنہوں نے پڑھا لا الٰہ الا اللہ۔

علامہ شہاب الدین ابو العباس احمد القسطلانی المتوفی ۹۱۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے "یا اباحمزہ" یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اذا کان یوم القیامۃ ماج الناس بعضهم فی بعض" یعنی لوگ قیامت کی ہولناکیوں کی وجہ سے اس طرح مضطرب ہوں گے جیسے سمندر کی موجیں حالتِ اضطراب میں ایک دوسرے سے ٹکراتی ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فاقول انا لها" یعنی میں ہی شفاعت کے لیے مقرر کیا گیا ہوں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فاستئذن علیٰ ربی فیؤذن لی" اس جگہ کچھ عبارت محذوف ہے اور مسند البزار میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عرض کریں گے: اے میرے رب! مخلوق سے حساب لینے میں جلدی فرما۔۔۔ الخ، پھر ہر امت اس کے ساتھ جائے گی جس کی وہ عبادت کرتی تھی اور جہنم کو لایا جائے گا اور میزان کو لایا جائے گا اور صراط کو لایا جائے گا اور صحائف کو بکھیر دیا جائے گا، اس کے بعد دوسری شفاعت کا بیان ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت کے ساتھ کریں گے۔

قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دو شفاعتیں، پہلی شفاعت تمام لوگوں کا جلدی حساب لینے کے لیے اور دوسری شفاعت خصوصاً اپنی امت کی دوزخ سے نجات کے لیے

اس حدیث میں مذکور ہے "فاقول یارب امتی امتی" یعنی میں کہوں گا کہ مجھے اپنی امت کے لیے شفاعت کرنے والا بنادے، یہاں پر کچھ عبارت مقام کی تنگی کی وجہ سے محذوف ہے کہ اس حدیث کے اول میں تمام اہلِ محشر کے لیے اس شفاعت کا ذکر ہے جو لوگوں کے لیے اس لیے کی جائے گی تاکہ ان کا حساب جلدی لیا جائے اور محشر کی ہولناکیوں سے ان کو نجات ملے اور آخر میں اس شفاعت کا ذکر ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خصوصاً اپنی امت کے لیے کریں گے اور آپ اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے: اے میرے رب! میری امت، میری امت۔

حدیثِ شفاعت پر ایک اشکال کا جواب

اگر تصدیق بالقلب کے ساتھ زبان سے اقرار کا بھی اعتبار کیا جائے تو یہ کامل ایمان ہے، پھر اس کی ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی کا کیا معنی ہے، اور اگر تصدیق بالقلب کا اعتبار نہ کیا جائے بلکہ محض الفاظ سے تصدیق کا اعتبار کیا جائے تو پھر اس میں منافق بھی داخل ہو جائیں گے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جس شخص نے زبان سے تصدیق کا اقرار کیا اور اس کے تقاضا کے مطابق عمل نہیں کیا اور دل کی تصدیق کے خلاف اس کے دل میں کوئی شبہ نہیں ہوا تو اس سے منافق نکل جائے گا کیونکہ منافق کفر کے اوپر پختہ ہوتا ہے جیسا کہ دوسری حدیث میں ہے "پس میں کہوں گا: اے میرے رب! اب دوزخ میں صرف وہی لوگ رہ گئے ہیں جن کو قرآن نے روک دیا ہے" یعنی دوزخ میں جن کا ہمیشہ رہنا واجب ہو چکا ہے اور وہ کافر ہیں۔

علامہ الطیبی نے اس اشکال کا یہ جواب دیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس شخص کی شفاعت مخصوص ہے جس نے دل کے ساتھ تصدیق بھی کی ہو اور اس پر اس کا یقین زیادہ ہوا ور اس کے تقاضا پر اس نے عمل بھی کیا ہو، اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ وہ تصدیق مخصوص ہے جو صرف تصدیق ہو اور اس کے تقاضا کے مطابق اس نے عمل نہ کیا ہو۔

(ارشاد الساری ج ۱۵ ص ۵۵۲۔ ۵۵۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۷۵۱۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "جب لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے تو وہ کہیں گے کہ تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ"۔ اس حدیث میں حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر کیا ہو لیکن راوی سے وہ رہ گیا ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فاقول یا رب امتی امتی" اس پر یہ اشکال ہے کہ آپ سے شفاعت کے طلب کرنے والے عام مخلوق ہوں گے اور وہ اس لیے شفاعت طلب کریں گے تا کہ انہیں محشر کی ہولناکیوں سے راحت ملے، نہ اس لیے شفاعت کو طلب کریں گے کہ ان کو دوزخ سے نکالا جائے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو امتی امتی فرمائیں گے تو وہ اپنی امت کو دوزخ سے نکالنے کے لیے فرمائیں گے۔

القاضی عیاض نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ مراد یہ ہے کہ مجھے اس شفاعت کی اجازت دی جائے گی جس کا وعدہ کیا گیا ہے کہ اس شفاعت سے قیامت کی ہولناکیوں کو اللہ تعالیٰ زائل فرمادے گا اور اس شفاعت کے علاوہ آپ کی اور شفاعات بھی ہیں جو اس امت کے ساتھ خاص ہیں جن کا ذکر کیا گیا ہے اور اس حدیث میں اختصار ہے۔

اور علامہ المہلب نے کہا ہے: پس میں کہوں گا: اے میرے رب! امتی امتی، یہاں سلیمان بن حرب راوی نے باقی راویوں پر اضافہ کیا۔ علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ میری رائے میں یہ اضافہ محفوظ نہیں ہے کیونکہ تمام مخلوق جمع ہوگی اور شفاعت کو طلب کرے گی، اور اگر یہ امت اپنے نبی کے علاوہ اور کسی کے پاس نہیں گئی تھی تو اس حدیث کا اول اس حدیث کے آخر کے ساتھ متصل نہیں ہے۔

اس حدیث میں میدانِ محشر کے اول کا بھی ذکر کیا گیا اور آخر کا بھی ذکر کیا گیا اور ان کے درمیان کے امور کا ذکر نہیں کیا گیا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۲۵۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

یا محمد کہنے کا ثبوت

میں کہتا ہوں: اس حدیث میں چار مرتبہ یہ ذکر ہے کہ اللہ عزوجل فرمائے گا: یا محمد، اس سے معلوم ہوا کہ یا محمد کہنا جائز ہے، البتہ

یا محمد اس طرح نہیں کہنا چاہیے جس طرح لوگ ایک دوسرے کو نام لے کر بلاتے ہیں، یا محمد آپ کو متوجہ کرنے کے لیے کہنا جائز ہے، یا جب یا محمد کہا جائے تو اس سے آپ کے اسم علم کا ارادہ نہ کیا جائے بلکہ اسم صفت کا ارادہ کیا جائے، یعنی اے وہ جس کی بے حد حمد کی گئی ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

۷۵۱۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى عَنْ إِسْرَائِيلَ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَبِيدَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِنَّ آخِرَ أَهْلِ الْجَنَّةِ دُخُولًا الْجَنَّةَ وَآخِرَ أَهْلِ النَّارِ خُرُوجًا مِنَ النَّارِ رَجُلٌ يَخْرُجُ حَبْوًا فَيَقُولُ لَهُ رَبُّهُ ادْخُلِ الْجَنَّةَ فَيَقُولُ رَبِّ الْجَنَّةُ مَلْأَى فَيَقُولُ لَهُ ذَلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَكُلُّ ذَلِكَ يُعِيدُ عَلَيْهِ الْجَنَّةُ مَلْأَى فَيَقُولُ إِنَّ لَكَ مِثْلَ الدُّنْيَا عَشْرَ مِرَارٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن خالد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبید اللہ بن موسیٰ نے حدیث بیان کی از اسرائیل از منصور از ابراہیم از عبیدہ از حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص سب سے آخر میں اہلِ جنت میں سے جنت میں داخل ہوگا اور جو شخص سب سے آخر میں اہلِ نار میں سے دوزخ سے نکلے گا وہ ایک مرد ہے جو سرین کے بل گھسٹتا ہوا نکلے گا، پس اس سے اس کا رب فرمائے گا: جنت میں داخل ہو جا، پس وہ کہے گا: اے میرے رب! جنت تو بھری ہوئی ہے، پس اللہ تعالیٰ اس سے تین مرتبہ فرمائے گا اور ہر مرتبہ وہ کہے گا کہ جنت تو بھری ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ اس سے دس مرتبہ فرمائے گا: تیرے لیے پوری دنیا کی مثل ہے۔

(صحیح البخاری: ۶۵۷۱، ۷۵۱۲، صحیح مسلم: ۱۸۶، سنن ترمذی: ۲۵۹۵، سنن ابن ماجہ: ۴۳۳۹، مسند احمد: ۳۵۸۴)

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری: ۶۵۷۱ میں گزر چکی ہے اور یہاں اس حدیث کو ذکر کرنے سے امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جنت میں داخل ہونے والے آخری بندہ سے فرمائے گا "جنت میں داخل ہو جا"، اور یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ سو اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے کلام فرمانے کا ثبوت ہے۔

۷۵۱۲۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ أَخْبَرَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ خَيْثَمَةَ عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَا مِنْكُمْ أَحَدٌ إِلَّا سَيُكَلِّمُهُ رَبُّهُ لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ تُرْجُمَانٌ فَيَنْظُرُ أَيْمَنَ مِنْهُ فَلَا يَرَى إِلَّا مَا قَدَّمَ مِنْ عَمَلِهِ وَيَنْظُرُ أَشْأَمَ مِنْهُ فَلَا يَرَى إِلَّا مَا قَدَّمَ وَيَنْظُرُ بَيْنَ يَدَيْهِ فَلَا يَرَى إِلَّا النَّارَ تِلْقَاءَ وَجْهِهِ فَاتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ قَالَ الْأَعْمَشُ وَحَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ مُرَّةَ عَنْ خَيْثَمَةَ مِثْلَهُ وَزَادَ فِيهِ وَلَوْ بِكَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن حجر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عیسیٰ بن یونس نے خبر دی از الاعمش از خیثمہ از عدی بن حاتم، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے ہر شخص کے ساتھ عنقریب اس کا رب کلام فرمائے گا اور بندے اور اس کے رب کے درمیان کوئی ترجمان نہیں ہوگا، پس بندہ اپنی دائیں جانب دیکھے گا تو اس کو اپنے پہلے کیے ہوئے اعمال دکھائی دیں گے اور وہ اپنی بائیں جانب دیکھے گا تو اس کو اپنے پہلے بھیجے ہوئے اعمال دکھائی دیں گے اور وہ اپنے سامنے دیکھے گا تو وہ اپنے چہرہ کے سامنے صرف

دوزخ کو دیکھے گا، سوتم دوزخ کی آگ سے بچو خواہ ایک کھجور کے ٹکڑے (کے صدقہ) سے۔

اور الاعمش نے کہا: مجھے عمرو بن مرہ نے حدیث بیان کی از خیثمہ اسی کی مثل اور اس میں یہ اضافہ ہے کہ خواہ ایک اچھی بات کی وجہ سے۔

(صحیح البخاری: ۱۴۱۳، ۱۴۱۷، ۳۵۹۵، ۶۰۲۳، ۶۵۳۹، ۶۵۴۰، ۶۵۶۳، ۷۴۴۳، ۷۵۱۲، صحیح مسلم: ۱۰۱۶، سنن ترمذی: ۲۴۱۵، سنن نسائی: ۲۵۵۳، سنن ابن ماجہ: ۱۸۴۳، مسند احمد: ۱۷۷۸۲، سنن دارمی: ۱۶۵۷)

صحیح البخاری: ۷۵۱۲ کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جہل کے عذر ہونے کی تحقیق

ایک سوال یہ ہے کہ جو مسلمان عقائد باطلہ پر مر جائیں اور ان پر حق واضح نہ ہوا ہو ان کا کیا حکم ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم کہتے ہیں: یہ لوگ جہالت کی وجہ سے معذور ہوں گے اور ان پر اسلام کا حکم لگایا جائے گا کیونکہ وہ اپنے آپ کو اسلام کی طرف منسوب کرتے ہیں لیکن ایسے افعال کرتے ہیں جن کے متعلق انہیں یہ علم نہیں ہے کہ یہ افعال اسلام کے مخالف ہیں، اس لیے ان کو جہل کی وجہ سے معذور قرار دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۶۵﴾ (النساء: ۱۶۵)

(اور ہم نے) خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے رسول بھیجے تاکہ رسولوں کے بعد لوگوں کے لیے اللہ پر کوئی حجت نہ رہے، اور اللہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۸ ص ۵۴۱، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۷۵۱۳۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَبِيدَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ رضی اللہ عنہ قَالَ جَاءَ حَبْرٌ مِنَ الْيَهُودِ فَقَالَ إِنَّهُ إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ جَعَلَ اللهُ السَّمٰوَاتِ عَلٰى إِصْبَعٍ وَالْأَرَضِينَ عَلٰى إِصْبَعٍ وَالْمَاءَ وَالثَّرٰى عَلٰى إِصْبَعٍ وَالْخَلَائِقَ عَلٰى إِصْبَعٍ ثُمَّ يَهُزُّهُنَّ ثُمَّ يَقُولُ أَنَا الْمَلِكُ أَنَا الْمَلِكُ فَلَقَدْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم يَضْحَكُ حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ تَعَجُّبًا وَتَصْدِيقًا لِقَوْلِهِ ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم ﴿وَ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ﴾ إِلٰى قَوْلِهِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عثمان بن ابی شیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از منصور از ابراہیم از عبیدہ از حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی عالم آیا، پس اس نے کہا: جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ آسمانوں کو ایک انگلی پر رکھے گا اور زمینوں کو ایک انگلی پر رکھے گا اور پانی کو اور کیچڑ کو ایک انگلی پر رکھے گا اور تمام مخلوقات کو ایک انگلی پر رکھے گا، اور پھر ان انگلیوں کو ہلائے گا اور فرمائے گا: میں بادشاہ ہوں، میں بادشاہ ہوں، پس میں نے دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کی تصدیق

﴿يُشْرِكُوْنَ۝﴾

کرتے ہوئے تعجب سے ہنسے حتیٰ کہ آپ کی ڈاڑھیں ظاہر ہو گئیں، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی:
انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ایسی قدر نہیں کی جو اس کی قدر کرنے کا حق ہے۔۔۔الآیہ (الزمر:٦٧)

(صحیح البخاری:٤٨١١، ٧٤١٤، ٧٤١٥، ٧٤٥١، ٧٥١٣، صحیح مسلم:٢٧٨٦، سنن ترمذی:٣٢٣٨، مسند احمد:٤٣٥٥)

یہ حدیث متشابہات میں سے ہے، یا تو اس حدیث کے معنی کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دینا چاہیے اور یا اس کی تاویل کرنی چاہیے، کیونکہ کسی چیز کو انگلی سے اٹھانا اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس کو اٹھانا بہت آسان ہے، تو اس حدیث سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں بہت آسان ہے کہ وہ تمام جہانوں کو ایک انگلی پر اٹھالے، جیسے کوئی آدمی کسی کام کو حقیر بتانا چاہتا ہو تو وہ کہتا ہے: میں تو اس کام کو ایک چھنگلی سے کرسکتا ہوں۔

٧٥١٤۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ مُحْرِزٍ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ ابْنَ عُمَرَ كَيْفَ سَمِعْتَ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ فِي النَّجْوَى قَالَ يَدْنُو أَحَدُكُمْ مِنْ رَبِّهِ حَتَّى يَضَعَ كَنَفَهُ عَلَيْهِ فَيَقُولُ أَعَمِلْتَ كَذَا وَكَذَا فَيَقُولُ نَعَمْ وَيَقُولُ عَمِلْتَ كَذَا وَكَذَا فَيَقُولُ نَعَمْ فَيُقَرِّرُهُ ثُمَّ يَقُولُ إِنِّي سَتَرْتُ عَلَيْكَ فِي الدُّنْيَا وَأَنَا أَغْفِرُهَا لَكَ الْيَوْمَ وَقَالَ آدَمُ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ حَدَّثَنَا صَفْوَانُ عَنِ ابْنِ عُمَرَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوعوانہ نے حدیث بیان کی از قتادہ از صفوان بن محرز، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا: آپ نے رسول اللہ ﷺ سے النجویٰ (سرگوشی) کے متعلق کیا سنا ہے؟ انہوں نے بیان کیا: تم میں سے کوئی ایک شخص اپنے رب کے قریب ہوگا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس کے اوپر اپنا پردہ رکھ دے گا، پس فرمائے گا: کیا تو نے فلاں فلاں کام کیا تھا؟ وہ کہے گا: جی ہاں، اور فرمائے گا: کیا تو نے فلاں فلاں کام کیا تھا؟، وہ کہے گا: جی ہاں، پس اللہ تعالیٰ اس سے اقرار کرائے گا پھر فرمائے گا: میں نے دنیا میں تجھ پر پردہ رکھا تھا اور آج کے دن تیری مغفرت کرتا ہوں۔
آدم نے کہا: ہمیں شیبان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں قتادہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں صفوان نے حدیث بیان کی از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما انہوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ سے سنا۔

(صحیح البخاری:٢٤٤١، ٤٦٨٥، ٦٠٧٠، ٧٥١٤، صحیح مسلم:٢٧٦٨، سنن ابن ماجہ:١٨٣، مسند احمد:٥٤١٣)

صحیح البخاری: ٧٥١٤، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ٨٥٥ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "فی النجوی" اس سے مراد ہے: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اور اس کے نیک بندہ کے درمیان جو سرگوشی ہوگی۔
اس حدیث میں مذکور ہے "یدنو" اس سے مراد ہے قرب رتبی اور قربِ مکانی مراد نہیں ہے۔
اس حدیث میں مذکور ہے "کنفہ" یعنی چھپانے والا اور یہ متشابہات میں سے ہے اور اس میں اللہ عزوجل کا اپنے مومن بندہ پر فضلِ عظیم ہے۔
اس حدیث میں مذکور ہے "فیقررہ" یعنی اس بندہ کو اقرار کرنے والا بنا دے گا۔
(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۲۵۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ شہاب الدین ابوالعباس احمد القسطلانی المتوفی ۹۱۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس حدیث میں مذکور ہے "یدنو احدکم بربہ" یعنی اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندہ کو اپنی رحمت کے قریب کر لے گا۔
اس حدیث میں مذکور ہے "حتی یضع اللہ تعالیٰ کنفہ علیہ" یعنی اللہ تعالیٰ اس مومن بندہ کو تمام اہلِ محشر سے چھپائے گا اور اس بندہ کو اس کی نافرمانیاں اور اس کے گناہ پوشیدہ طریقہ پر یاد دلائے گا، پھر بندہ سے اقرار کرائے گا تا کہ بندہ کو معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر پردہ رکھ کر کتنا عظیم احسان فرمایا، دنیا میں اس کے گناہوں پر پردہ رکھا اور آخرت میں اسے معاف فرما دیا۔
(ارشاد الساری ج ۱۵ ص ۵۵۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۳۷۔ بَابُ: مَا جَاءَ فِیْ قَوْلِہٖ تَعَالٰی: وَ کَلَّمَ اللّٰہُ مُوْسٰی تَکْلِیْمًا (النساء: ۱۶۴)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "اور اللہ نے موسیٰ سے (بلا واسطہ) بہ کثرت کلام فرمایا"

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:
امام بخاری نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ متکلم ہے، اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بغیر کسی واسطہ اور بغیر کسی ترجمان کے کلام کیا اور حضرت موسیٰ کو اپنے کلام کے معانی سمجھائے اور ان کو اپنا کلام سنایا، کیونکہ کلام اس کو کہتے ہیں جس کا سننا صحیح ہو اور یہ آیت معتزلہ کے رد میں انتہائی قوی ہے۔
علامہ ابن التین نے کہا ہے: متکلمین کا اللہ تعالیٰ کے کلام کے سننے کی کیفیت میں اختلاف ہے، امام اشعری نے کہا: اللہ تعالیٰ کا کلام اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور ہر تلاوت کرنے والے کی تلاوت کے وقت وہ کلام سنائی دیتا ہے اور ہر قاری کی قراءت کے وقت وہ کلام سنائی دیتا ہے، اور علامہ الباقلانی نے کہا: صرف تلاوت سنی جاتی ہے اور جس کی تلاوت کی جاتی ہے یعنی متلو، اس کو نہیں سنا جاتا، اور صرف قراءت سنی جاتی ہے اور جس کی قراءت کی جاتی ہے یعنی مقرو، اس کو نہیں سنا جاتا۔
(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۲۵۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۵۱۵۔ حَدَّثَنَا یَحْیَی بْنُ بُکَیْرٍ حَدَّثَنَا اللَّیْثُ حَدَّثَنَا عُقَیْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ حَدَّثَنَا حُمَیْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ أَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ احْتَجَّ آدَمُ وَمُوسَی فَقَالَ مُوسَی أَنْتَ آدَمُ الَّذِی أَخْرَجْتَ ذُرِّیَّتَكَ مِنَ الْجَنَّةِ قَالَ آدَمُ أَنْتَ مُوسَی الَّذِی اصْطَفَاكَ اللّٰهُ بِرِسَالَاتِهِ وَکَلَامِهِ ثُمَّ تَلُومُنِی عَلَی أَمْرٍ قَدْ قُدِّرَ عَلَیَّ قَبْلَ أَنْ أُخْلَقَ فَحَجَّ آدَمُ مُوسَی۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عقیل نے حدیث بیان کی از ابن شہاب، انہوں نے کہا: ہمیں حمید بن عبدالرحمٰن نے حدیث بیان کی از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام میں مباحثہ ہوا، پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: آپ وہ آدم ہیں جنہوں نے اپنی اولاد کو جنت سے نکالا، حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا: آپ موسیٰ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت اور کلام سے فضیلت دی آپ مجھے ایسے کام پر کیوں ملامت کر رہے ہیں جس کام کو اللہ تعالیٰ نے مجھے پیدا کرنے سے پہلے مقدر کر دیا تھا، پس حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے۔

(صحیح البخاری: ۳۴۰۹، ۴۷۳۶، ۴۷۳۸، ۶۶۱۴، ۷۵۱۵، صحیح مسلم: ۲۶۵۲، سنن ترمذی: ۲۱۳۴، سنن ابوداؤد: ۴۷۰۱، سنن ابن ماجہ: ۸۰، مسند احمد: ۷۵۳۴، موطا امام مالک: ۱۶۶۰)

علامہ شہاب الدین ابوالعباس احمد القسطلانی المتوفی ۹۱۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت آدم علیہ السلام کے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر دلیل میں غالب ہونے کی توجیہ

حضرت آدم علیہ السلام کا مطلب یہ تھا کہ ان سے جو کام صادر ہوا جس کے نتیجہ میں مخلوق جنت سے نکلی وہ اس کام کے کرنے میں مستقل نہیں تھے اور ان کو اس کام کے ترک کرنے کا اختیار نہیں تھا بلکہ یہ وہ کام تھا جو مقدر ہو چکا تھا اور حضرت آدم علیہ السلام نے جو کہا: ''آپ مجھے اس کام پر کیوں ملامت کر رہے ہیں جو میری پیدائش سے پہلے مقدر ہو چکا تھا؟'' اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا اس میں کسب اور اختیار نہیں تھا بلکہ معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوحِ محفوظ میں میری پیدائش سے پہلے یہ لکھ دیا تھا کہ آدم اس کام کو اپنے کسب اور اختیار سے کریں گے اور چونکہ اللہ تعالیٰ کا علم معلوم کے مطابق ہوتا ہے تو یہ کیسے ممکن تھا کہ میں اللہ تعالیٰ کے علم کے خلاف کام کرتا اور آپ اللہ تعالیٰ کے علمِ سابق سے کیسے غافل ہو گئے اور آپ میرے کسب کا ذکر کر رہے ہیں جو کہ سبب ہے اور آپ اصل کو بھول گئے جو کہ تقدیر ہے حالانکہ آپ ان نبیوں میں سے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے پسند کر لیا ہے جو اللہ تعالیٰ کے اسرار کو جانتے ہیں۔ (ارشاد الساری ج ۱۵ ص ۵۵۹، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

کیا عام لوگ بھی اپنے گناہوں اور نافرمانیوں پر تقدیر کا عذر پیش کر سکتے ہیں؟

میں کہتا ہوں: حضرت آدم علیہ السلام جب تک دنیا میں رہے تو وہ شجرِ ممنوع سے کھانے پر توبہ اور استغفار کرتے رہے اور اس کو اپنا ظلم اور قصور کہتے رہے، لیکن جب وہ دنیا سے برزخ میں چلے گئے اور برزخ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان پر یہ اعتراض کیا تو حضرت

آدم علیہ السلام نے تقدیر کا عذر پیش کیا، اس سے یہ معلوم ہوا کہ جب تک کوئی شخص دنیا میں ہے اس پر تقدیر کا معاملہ منکشف نہیں ہوتا اور وہ اپنی کسی نافرمانی اور گناہ پر تقدیر کا عذر پیش نہیں کر سکتا، حقیقت یہ ہے کہ ہم نے جو کچھ اپنے کسب اور اختیار سے کرنا ہوتا ہے اس کا اللہ تبارک وتعالیٰ کو پیشگی علم ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے اس علم کو لوحِ محفوظ میں لکھ دیتا ہے، اسی کو تقدیر سے تعبیر کیا جاتا ہے، سو جب تک بندہ دنیا میں ہے وہ اپنی تقصیرات پر تقدیر کا عذر پیش نہیں کر سکتا اور آخرت میں تقدیر کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۷۵۱۲۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَنَسٍ رضی الله عنه قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم يُجْمَعُ الْمُؤْمِنُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَقُولُونَ لَوِ اسْتَشْفَعْنَا إِلَى رَبِّنَا فَيُرِيحُنَا مِنْ مَكَانِنَا هَذَا فَيَأْتُونَ آدَمَ فَيَقُولُونَ لَهُ أَنْتَ آدَمُ أَبُو الْبَشَرِ خَلَقَكَ اللهُ بِيَدِهِ وَأَسْجَدَ لَكَ الْمَلَائِكَةَ وَعَلَّمَكَ أَسْمَاءَ كُلِّ شَيْءٍ فَاشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّنَا حَتَّى يُرِيحَنَا فَيَقُولُ لَهُمْ لَسْتُ هُنَاكُمْ فَيَذْكُرُ لَهُمْ خَطِيئَتَهُ الَّتِي أَصَابَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسلم بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں قتادہ نے حدیث بیان کی از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن لوگوں کو جمع کیا جائے گا، سو وہ کہیں گے: اگر ہم اپنے رب کی طرف کسی شفاعت کرنے والے کو لائیں جو ہم کو اس جگہ سے راحت میں لائے، پس وہ حضرت آدم کے پاس آئیں گے، پس ان سے کہیں گے: آپ آدم ابوالبشر ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور فرشتوں سے آپ کو سجدہ کرایا اور آپ کو تمام چیزوں کے نام سکھائے، سو آپ اپنے رب کے پاس ہماری شفاعت کریں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ہم کو راحت میں لائے، سو وہ کہیں گے: میں اس مرتبہ کا نہیں ہوں اور وہ ان سے اپنی اس (اجتہادی) خطا کا تذکرہ کریں گے جس کو وہ کر چکے تھے۔

(صحیح البخاری: ۷۴۴۰، صحیح مسلم: ۱۹۳، سنن ابن ماجہ: ۴۳۱۲، مسند احمد: ۱۳۱۵۰)

علامہ شہاب الدین ابوالعباس احمد القسطلانی المتوفی ۹۱۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیثِ مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''فیقولون له انت آدم ابوالبشر خلقه الله بیده'' یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی قدرت سے پیدا کیا اور اس کا خصوصیت کے ساتھ آدم علیہ السلام کے اکرام اور ان کے شرف کو بیان کرنے کے لیے ذکر کیا، یا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بغیر واسطہ کے پیدا کیا۔

سجدۂ تعظیم کے منسوخ ہونے کا بیان

اس حدیث میں مذکور ہے ''واسجد لك الملائكة'' بایں طور کہ فرشتوں کو حکم دیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے لیے جھک جائیں، اور جمہور یہ کہتے ہیں کہ انہیں یہ حکم دیا تھا کہ وہ اپنا چہرہ زمین پر رکھ دیں اور یہ سجدہ تعظیم ہے، کیونکہ اگر یہ اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ ہوتا تو ابلیس حضرت آدم کے سامنے سجدہ کرنے سے انکار نہ کرتا اور پہلے سجدہ تعظیم جائز تھا پھر بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے

منسوخ ہو گیا جب حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے آپ کو سجدہ کرنے کا ارادہ کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا: کسی مخلوق کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اللہ کے سوا کسی اور کے لیے سجدہ کرے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وعلمك اسماء کل شیء" یعنی تمام مسمّیات اور تمام چیزوں کے نام حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بتا دیے۔ (ارشاد الساری ج ۱۵ ص ۵۶۰، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۵۱۷۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ عَنْ شَرِيكِ بْنِ عَبْدِ اللهِ أَنَّهُ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِرَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم مِنْ مَسْجِدِ الْكَعْبَةِ أَنَّهُ جَاءَهُ ثَلَاثَةُ نَفَرٍ قَبْلَ أَنْ يُوحَى إِلَيْهِ وَهُوَ نَائِمٌ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَقَالَ أَوَّلُهُمْ أَيُّهُمْ هُوَ فَقَالَ أَوْسَطُهُمْ هُوَ خَيْرُهُمْ فَقَالَ آخِرُهُمْ خُذُوا خَيْرَهُمْ فَكَانَتْ تِلْكَ اللَّيْلَةَ فَلَمْ يَرَهُمْ حَتَّى أَتَوْهُ لَيْلَةً أُخْرَى فِيمَا يَرَى قَلْبُهُ وَتَنَامُ عَيْنُهُ وَلَا يَنَامُ قَلْبُهُ وَكَذَلِكَ الْأَنْبِيَاءُ تَنَامُ أَعْيُنُهُمْ وَلَا تَنَامُ قُلُوبُهُمْ فَلَمْ يُكَلِّمُوهُ حَتَّى احْتَمَلُوهُ فَوَضَعُوهُ عِنْدَ بِئْرِ زَمْزَمَ فَتَوَلَّاهُ مِنْهُمْ جِبْرِيلُ فَشَقَّ جِبْرِيلُ مَا بَيْنَ نَحْرِهِ إِلَى لَبَّتِهِ حَتَّى فَرَغَ مِنْ صَدْرِهِ وَجَوْفِهِ فَغَسَلَهُ مِنْ مَاءِ زَمْزَمَ بِيَدِهِ حَتَّى أَنْقَى جَوْفَهُ ثُمَّ أُتِيَ بِطَسْتٍ مِنْ ذَهَبٍ فِيهِ تَوْرٌ مِنْ ذَهَبٍ مَحْشُوًّا إِيمَانًا وَحِكْمَةً فَحَشَا بِهِ صَدْرَهُ وَلَغَادِيدَهُ يَعْنِي عُرُوقَ حَلْقِهِ ثُمَّ أَطْبَقَهُ ثُمَّ عَرَجَ بِهِ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا فَضَرَبَ بَابًا مِنْ أَبْوَابِهَا فَنَادَاهُ أَهْلُ السَّمَاءِ مَنْ هَذَا فَقَالَ جِبْرِيلُ قَالُوا وَمَنْ مَعَكَ قَالَ مَعِيَ مُحَمَّدٌ قَالَ وَقَدْ بُعِثَ قَالَ نَعَمْ قَالُوا فَمَرْحَبًا بِهِ وَأَهْلًا فَيَسْتَبْشِرُ بِهِ أَهْلُ السَّمَاءِ لَا يَعْلَمُ أَهْلُ السَّمَاءِ بِمَا يُرِيدُ اللهُ بِهِ فِي الْأَرْضِ حَتَّى يُعْلِمَهُمْ فَوَجَدَ فِي السَّمَاءِ الدُّنْيَا آدَمَ فَقَالَ لَهُ جِبْرِيلُ هَذَا أَبُوكَ آدَمُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ وَرَدَّ عَلَيْهِ آدَمُ وَقَالَ مَرْحَبًا وَأَهْلًا بِابْنِي نِعْمَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد العزیز بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے سلیمان نے حدیث بیان کی از شریک بن عبد اللہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا جس رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد کعبہ سے لے جایا گیا تو آپ کی طرف وحی کیے جانے سے پہلے تین فرشتے آئے، اس وقت آپ مسجد حرام میں سوئے ہوئے تھے، پس ان تین میں سے ایک نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ دوسرے نے جواب دیا کہ وہ ان میں سب سے بہتر ہیں، تیسرے نے کہا: جو ان میں سب سے بہتر ہیں انہیں لے لو، اس رات اتنا ہی واقعہ پیش آیا، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نہیں دیکھا حتیٰ کہ وہ آپ کے پاس دوسری رات آئے، اس وقت آپ کا دل جاگ رہا تھا اور آپ کی آنکھیں سو رہی تھیں اور آپ کا دل نہیں سوتا، اور اسی طرح انبیاء علیہم السلام کی آنکھیں سوتی ہیں اور ان کے دل نہیں سوتے، پھر ان فرشتوں نے آپ سے کوئی بات نہیں کی حتیٰ کہ آپ کو اٹھا لیا اور آپ کو زمزم کے کنویں کے پاس لے آئے، یہاں سے ان میں سے حضرت جبریل علیہ السلام نے کارروائی کی، پس حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کے حلقوم سے لے کر آپ کے سینہ کے نیچے تک جسم کو چاک کیا حتیٰ کہ حضرت جبریل آپ کے سینہ اور پیٹ سے فارغ ہو گئے، پس انہوں نے اپنے ہاتھ سے آپ کے سینہ کو زمزم کے پانی سے دھویا حتیٰ کہ آپ کے پیٹ کو صاف کر دیا، پھر آپ کے پاس سونے کا تھال لایا گیا جس میں سونے کا ایک برتن ایمان اور حکمت سے بھرا ہوا تھا، اس سے آپ کے سینہ کو بھر دیا اور آپ کے حلقوم کی

الْأَبُ أَنْتَ فَإِذَا هُوَ فِي السَّمَاءِ الدُّنْيَا بِنَهَرَيْنِ يَطَّرِدَانِ قَالَ مَا هَذَانِ النَّهَرَانِ يَا جِبْرِيلُ قَالَ هَذَا النِّيلُ وَالْفُرَاتُ عُنْصُرُهُمَا ثُمَّ مَضَى بِهِ فِي السَّمَاءِ فَإِذَا هُوَ بِنَهَرٍ آخَرَ عَلَيْهِ قَصْرٌ مِنْ لُؤْلُؤٍ وَزَبَرْجَدٍ فَضَرَبَ يَدَهُ فَإِذَا هُوَ مِسْكٌ أَذْفَرُ قَالَ مَا هَذَا يَا جِبْرِيلُ قَالَ هَذَا الْكَوْثَرُ الَّذِي خَبَأَ لَكَ رَبُّكَ ثُمَّ عَرَجَ بِهِ إِلَى السَّمَاءِ الثَّانِيَةِ فَقَالَتِ الْمَلَائِكَةُ لَهُ مِثْلَ مَا قَالَتْ لَهُ الْأُولَى مَنْ هَذَا قَالَ جِبْرِيلُ قَالُوا وَمَنْ مَعَكَ قَالَ مُحَمَّدٌ ﷺ قَالُوا وَقَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ قَالَ نَعَمْ قَالُوا مَرْحَبًا بِهِ وَأَهْلًا ثُمَّ عَرَجَ بِهِ إِلَى السَّمَاءِ الثَّالِثَةِ وَقَالُوا لَهُ مِثْلَ مَا قَالَتِ الْأُولَى وَالثَّانِيَةُ ثُمَّ عَرَجَ بِهِ إِلَى الرَّابِعَةِ فَقَالُوا لَهُ مِثْلَ ذَلِكَ ثُمَّ عَرَجَ بِهِ إِلَى السَّمَاءِ الْخَامِسَةِ فَقَالُوا مِثْلَ ذَلِكَ ثُمَّ عَرَجَ بِهِ إِلَى السَّمَاءِ السَّادِسَةِ فَقَالُوا لَهُ مِثْلَ ذَلِكَ ثُمَّ عَرَجَ بِهِ إِلَى السَّمَاءِ السَّابِعَةِ فَقَالُوا لَهُ مِثْلَ ذَلِكَ كُلُّ سَمَاءٍ فِيهَا أَنْبِيَاءُ قَدْ سَمَّاهُمْ فَأَوْعَيْتُ مِنْهُمْ إِدْرِيسَ فِي الثَّانِيَةِ وَهَارُونَ فِي الرَّابِعَةِ وَآخَرَ فِي الْخَامِسَةِ لَمْ أَحْفَظِ اسْمَهُ وَإِبْرَاهِيمَ فِي السَّادِسَةِ وَمُوسَى فِي السَّابِعَةِ بِتَفْضِيلِ كَلَامِ اللَّهِ فَقَالَ مُوسَى رَبِّ لَمْ أَظُنَّ أَنْ يُرْفَعَ عَلَيَّ أَحَدٌ ثُمَّ عَلَا بِهِ فَوْقَ ذَلِكَ بِمَا لَا يَعْلَمُهُ إِلَّا اللَّهُ حَتَّى جَاءَ سِدْرَةَ الْمُنْتَهَى وَدَنَا لِلْجَبَّارِ رَبِّ الْعِزَّةِ فَتَدَلَّى حَتَّى كَانَ مِنْهُ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَى فَأَوْحَى اللَّهُ فِيمَا أَوْحَى إِلَيْهِ خَمْسِينَ صَلَاةً عَلَى أُمَّتِكَ كُلَّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ ثُمَّ هَبَطَ حَتَّى بَلَغَ مُوسَى فَاحْتَبَسَهُ مُوسَى فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ مَاذَا عَهِدَ إِلَيْكَ رَبُّكَ قَالَ عَهِدَ إِلَيَّ خَمْسِينَ صَلَاةً كُلَّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ قَالَ إِنَّ أُمَّتَكَ لَا تَسْتَطِيعُ ذَلِكَ فَارْجِعْ فَلْيُخَفِّفْ عَنْكَ

رگوں کو سی دیا پھر آپ کے سینہ کو برابر کر دیا، پھر آپ کو آسمانِ دنیا کی طرف لے گئے اور اس کے دروازوں میں سے کسی دروازہ کو کھٹکھٹایا تو اس آسمان والوں نے پوچھا: یہ کون ہے؟ تو انہوں نے کہا: جبریل، انہوں نے کہا: آپ کے ساتھ کون ہیں؟ انہوں نے کہا: میرے ساتھ محمد ہیں، انہوں نے پوچھا: کیا انہیں بلایا گیا ہے؟ حضرت جبریل نے کہا: ہاں، تو آسمان والوں نے کہا: انہیں خوش آمدید ہو وہ اپنے ہی لوگوں میں آئے ہیں، پھر آسمان والے اس سے خوش ہوئے اور آسمان والے نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ زمین والوں کے ساتھ کیا ارادہ فرماتا ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ان کو بتادے، پس آپ نے آسمانِ دنیا میں حضرت آدم علیہ السلام کو پایا، پس آپ سے حضرت جبریل نے کہا: یہ آپ کے باپ ہیں آپ ان کو سلام کیجئے، سو آپ نے حضرت آدم علیہ السلام کو سلام کیا اور حضرت آدم نے آپ کے سلام کا جواب دیا، پس انہوں نے کہا: مرحبا، آپ اپنے ہی لوگوں میں آئے ہیں، میرے بیٹے کو مبارک ہو اور آپ کیا ہی اچھے بیٹے ہیں، پس جب آپ آسمانِ دنیا میں تھے تو وہاں پر آپ نے دو بہتے ہوئے دریا دیکھے، آپ نے پوچھا: اے جبریل! یہ کیسے دریا ہیں؟ انہوں نے کہا: یہ نیل اور فرات کا منبع ہیں، پھر آپ آسمان میں آگے گئے تو وہاں پر ایک اور دریا تھا جس کے اوپر موتی اور زمرد کا محل تھا، آپ نے اس پر اپنا ہاتھ مارا تو وہ مُشک تھا، آپ نے پوچھا: اے جبریل یہ کیسا دریا ہے؟ فرمایا: یہ کوثر ہے جس کو آپ کے رب نے آپ کے لیے چھپا کر رکھا ہے، پھر آپ دوسرے آسمان کی طرف چڑھے تو دوسرے آسمان کے فرشتوں نے بھی پہلے آسمان کے فرشتوں کی مثل کلام کیا، انہوں نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ تو حضرت جبریل نے کہا: جبریل، پوچھا: آپ کے ساتھ کون ہیں؟ کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم، آسمان والوں نے کہا: کیا انہیں بلایا گیا ہے، انہوں نے کہا: ہاں، آسمان والوں نے کہا: ان کو خوش آمدید ہو وہ اپنے اہل میں آئے ہیں، پھر آپ کو تیسرے آسمان کی

رَبُّكَ وَعَنْهُمْ فَالْتَفَتَ النَّبِيُّ ﷺ إِلَى جِبْرِيلَ كَأَنَّهُ يَسْتَشِيرُهُ فِي ذَلِكَ فَأَشَارَ إِلَيْهِ جِبْرِيلُ أَنْ نَعَمْ إِنْ شِئْتَ فَعَلَا بِهِ إِلَى الْجَبَّارِ فَقَالَ وَهُوَ مَكَانَهُ يَا رَبِّ خَفِّفْ عَنَّا فَإِنَّ أُمَّتِي لَا تَسْتَطِيعُ هَذَا فَوَضَعَ عَنْهُ عَشْرَ صَلَوَاتٍ ثُمَّ رَجَعَ إِلَى مُوسَى فَاحْتَبَسَهُ فَلَمْ يَزَلْ يُرَدِّدُهُ مُوسَى إِلَى رَبِّهِ حَتَّى صَارَتْ إِلَى خَمْسِ صَلَوَاتٍ ثُمَّ احْتَبَسَهُ مُوسَى عِنْدَ الْخَمْسِ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ وَاللهِ لَقَدْ رَاوَدْتُ بَنِي إِسْرَائِيلَ قَوْمِي عَلَى أَدْنَى مِنْ هَذَا فَضَعُفُوا فَتَرَكُوهُ فَأُمَّتُكَ أَضْعَفُ أَجْسَادًا وَقُلُوبًا وَأَبْدَانًا وَأَبْصَارًا وَأَسْمَاعًا فَارْجِعْ فَلْيُخَفِّفْ عَنْكَ رَبُّكَ كُلَّ ذَلِكَ يَلْتَفِتُ النَّبِيُّ ﷺ إِلَى جِبْرِيلَ لِيُشِيرَ عَلَيْهِ وَلَا يَكْرَهُ ذَلِكَ جِبْرِيلُ فَرَفَعَهُ عِنْدَ الْخَامِسَةِ فَقَالَ يَا رَبِّ إِنَّ أُمَّتِي ضُعَفَاءُ أَجْسَادُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ وَأَسْمَاعُهُمْ وَأَبْصَارُهُمْ وَأَبْدَانُهُمْ فَخَفِّفْ عَنَّا فَقَالَ الْجَبَّارُ يَا مُحَمَّدُ قَالَ لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ قَالَ إِنَّهُ لَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ كَمَا فَرَضْتُهُ عَلَيْكَ فِي أُمِّ الْكِتَابِ قَالَ فَكُلُّ حَسَنَةٍ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا فَهِيَ خَمْسُونَ فِي أُمِّ الْكِتَابِ وَهِيَ خَمْسٌ عَلَيْكَ فَرَجَعَ إِلَى مُوسَى فَقَالَ كَيْفَ فَعَلْتَ فَقَالَ خَفَّفَ عَنَّا أَعْطَانَا بِكُلِّ حَسَنَةٍ عَشْرَ أَمْثَالِهَا قَالَ مُوسَى قَدْ وَاللهِ رَاوَدْتُ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَى أَدْنَى مِنْ ذَلِكَ فَتَرَكُوهُ ارْجِعْ إِلَى رَبِّكَ فَلْيُخَفِّفْ عَنْكَ أَيْضًا قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَا مُوسَى قَدْ وَاللهِ اسْتَحْيَيْتُ مِنْ رَبِّي مِمَّا اخْتَلَفْتُ إِلَيْهِ قَالَ فَاهْبِطْ بِاسْمِ اللهِ قَالَ وَاسْتَيْقَظَ وَهُوَ فِي مَسْجِدِ الْحَرَامِ۔

طرف لے جایا گیا، تیسرے آسمان والوں نے بھی اسی طرح کہا جس طرح پہلے اور دوسرے آسمان والوں نے کہا تھا، پھر آپ کو چوتھے آسمان کی طرف لے جایا گیا، انہوں نے بھی اسی طرح کہا، پھر آپ کو پانچویں آسمان کی طرف لے جایا گیا، انہوں نے بھی اسی کی مثل کہا، پھر آپ کو چھٹے آسمان کی طرف لے جایا گیا، انہوں نے بھی اسی کی مثل کہا، پھر آپ کو ساتویں آسمان کی طرف لے جایا گیا، انہوں نے بھی اسی کی مثل کہا، ہر آسمان پر اللہ کے نبی ہیں، راوی نے ان کے نام لیے تھے میں نے ان کو یاد رکھا، ان میں سے دوسرے آسمان میں حضرت ادریس علیہ السلام تھے اور چوتھے آسمان میں حضرت ہارون علیہ السلام تھے اور پانچویں آسمان میں کوئی اور نبی تھے جن کا نام مجھے یاد نہیں رہا، حضرت ابراہیم علیہ السلام چھٹے آسمان میں تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام ساتویں آسمان میں تھے، ان کو یہ شرف اللہ تعالیٰ سے کلام کی وجہ سے حاصل ہوا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے میرے رب! میرا یہ گمان نہیں تھا کہ کسی کو مجھ سے بڑھایا جائے گا، پھر حضرت جبریل علیہ السلام آپ کو لے کر اس سے بھی اوپر گئے جس جگہ کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کو نہیں یہاں تک کہ آپ کو سدرۃ المنتہیٰ پر لے آئے، اور آپ جبار رب العزت کے قریب ہوئے اور زیادہ قریب ہوئے حتیٰ کہ اتنے قریب ہوئے جیسے کمان کے دو کنارے ایک دوسرے کے قریب ہوتے ہیں یا اس سے بھی زیادہ قریب ہوئے، پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی کہ آپ کی امت پر ہر دن اور رات میں پچاس نمازیں ہیں، پھر آپ نیچے اترے حتیٰ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپ کو روک لیا اور پوچھا: اے محمد! آپ کے رب نے آپ سے کیا عہد لیا ہے؟ آپ نے فرمایا: مجھ سے اللہ تعالیٰ نے ہر دن اور رات میں پچاس نمازیں پڑھنے کا عہد لیا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: بے شک آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھتی، آپ واپس جائیں اور اپنے رب سے اپنی

اور اپنی امت کی تخفیف کا سوال کریں، سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبریل علیہ السلام کی طرف مڑے گویا کہ ان سے اس معاملہ میں مشورہ طلب کر رہے ہیں تو حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کی طرف اشارہ کیا، اگر آپ چاہیں تو ٹھیک ہے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان نمازوں کو لے کر جبار کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے عرض کی: اور آپ اسی جگہ پر تھے: اے میرے رب! ہمارے لیے تخفیف فرما دیجئے کیونکہ میری امت اتنی نمازیں پڑھنے کی طاقت نہیں رکھتی، پس جبار رب العزت نے آپ سے دس نمازیں کم کر دیں، پھر آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف واپس تشریف لے گئے تو انہوں نے آپ کو روک لیا اور ہمیشہ آپ کو آپ کے رب کی طرف لوٹنے کی تلقین کرتے رہے حتیٰ کہ پانچ نمازیں رہ گئیں، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپ کو پانچ نمازوں پر روک لیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے محمد! اللہ کی قسم! میں اس سے پہلے اپنی قوم بنی اسرائیل پر اس سے کم نمازوں کا تجربہ کر چکا ہوں، سو وہ تھک گئے اور انہوں نے ان نمازوں کو ترک کر دیا تو آپ کی امت تو ان کی بہ نسبت کمزور جسموں اور کمزور دلوں اور کمزور بدنوں اور کمزور بصارت اور کمزور سماعت کی ہے، پس آپ واپس جائیں تا کہ آپ کا رب آپ کی طرف سے پوری پوری تخفیف فرما دے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مڑ کر حضرت جبریل علیہ السلام کی طرف دیکھا تا کہ ان سے مشورہ لیں، اور حضرت جبریل علیہ السلام نے اس کو ناپسند نہیں کیا، پانچویں بار جبریل آپ کو اوپر لے گئے تو عرض کی: یا رب! میری امت کے جسم، دل، کان، آنکھیں اور بدن کمزور ہیں ہم سے تخفیف فرما۔ پس جبار رب العزت نے فرمایا: اے محمد! آپ نے عرض کیا: لبیک وسعدیک (میں حاضر ہوں)، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک میرے ہاں قول کو بدلا نہیں جاتا جس طرح میں نے آپ پر نمازیں فرض کی ہیں جو ام الکتاب (لوحِ محفوظ) میں ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہر نیکی کا اجر اس جیسی دس مثالیں ہوتی ہیں، پس ام الکتاب

میں یہ پچاس نمازیں ہیں اور آپ پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹ کر گئے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا آپ نے کیا کیا؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہم سے تخفیف فرمادی اور ہمیں ہر نیکی کا دس گنا اجر عطا فرمایا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اللہ کی قسم! میں اس سے کم نمازوں میں بنی اسرائیل کا تجربہ کر چکا ہوں، انہوں نے نمازوں کو ترک کر دیا تھا، آپ اپنے رب کی طرف واپس حاضر ہوں، پس چاہیے کہ وہ ان نمازوں کی بھی آپ سے تخفیف فرمادے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے موسیٰ! بے شک اللہ کی قسم! اب مجھے اپنے رب سے حیا آتی ہے کیونکہ میں بار بار تخفیف کے لیے اس کے پاس حاضر ہوا ہوں، انہوں نے کہا: پھر آپ اللہ کا نام لے کر آسمانوں سے اتر جائیں، راوی نے کہا: آپ بیدار ہوئے اور اس وقت آپ مسجد حرام میں تھے۔

(صحیح البخاری: ۳۵۷۰، ۴۹۶۴، ۵۶۱۰، ۶۵۸۱، ۷۵۱۷، صحیح مسلم: ۱۶۲)

صحیح البخاری: ۷۵۱۷، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

شب معراج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تین آنے والے فرشتے

اس حدیث میں مذکور ہے "لیلة اسری برسول الله صلی اللہ علیہ وسلم من مسجد الکعبة انه جاء ثلاثة نفر قبل ان یوحی الیه"

یعنی شب معراج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل کرنے سے پہلے مسجد الکعبہ میں آپ کے پاس تین فرشتے آئے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے کہ میں ان تین فرشتوں کے ناموں پر صراحۃً واقع نہیں ہوسکا لیکن بہر حال یہ فرشتوں میں سے تھے۔

کتاب الاعتصام کے اوائل میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرشتے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور اس وقت آپ سوئے ہوئے تھے، بعض فرشتوں نے کہا کہ یہ سوئے ہوئے ہیں اور بعض نے یہ کہا کہ آنکھ سوئی ہوئی ہے اور دل بیدار ہے اور اس حدیث کی شرح میں، میں نے بیان کیا ہے کہ یہاں پر ان فرشتوں میں سے حضرت جبریل اور حضرت میکائیل تھے اور میں نے ان کے ناموں کی تصریح امام طبرانی کی روایت از میمون بن سیاہ میں از حضرت انس رضی اللہ عنہ دیکھی ہے، اس حدیث کی عبارت یہ ہے:

آپ کے پاس حضرت جبریل اور حضرت میکائیل آئے، پس ان دونوں نے کہا: یہ کون ہیں؟ اور قریش بھی کعبہ کے گرد سویا کرتے تھے، پس ان دونوں نے کہا: ہمیں قریش کے سردار کے پاس جانے کا حکم دیا گیا ہے، پھر وہ دونوں چلے گئے اور پھر آئے

اور وہ تین فرشتے تھے، پھر انہوں نے آپ پر وحی کی۔

شریک کی روایت میں مذکور ہے ''آپ کی طرف نزولِ وحی سے پہلے معراج ہوئی'' اس پر علماء کا طعن

اس حدیث میں ہے ''آپ کی طرف وحی کیے جانے سے پہلے'' علامہ خطابی اور ابن حزم اور عبد الحق اور قاضی عیاض اور علامہ نووی نے اس اضافہ کا انکار کیا ہے، علامہ نووی نے کہا ہے کہ شریک کی اس روایت میں اوہام ہیں جن کا علماء نے انکار کیا ہے، ان میں سے ایک شریک کا یہ قول ہے ''آپ کی طرف وحی کیے جانے سے پہلے'' اور یہ غلط ہے، اس پر اتفاق نہیں ہوسکا اور علماء کا اس پر اجماع ہے کہ نماز شبِ معراج فرض ہوئی تھی تو آپ کی طرف وحی نازل ہونے سے پہلے کیسے فرض ہوئی، اور ان علماء نے تصریح کی ہے کہ شریک اس اضافہ کے ساتھ منفرد ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''وھو نائم فی المسجد الحرام'' یعنی آپ مسجدِ حرام میں سوئے ہوئے تھے اور اس حدیث کے آخر میں مذکور ہے ''آپ جس وقت بیدار ہوئے تو آپ مسجدِ حرام میں تھے'' اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ آپ اس وقت مسجدِ حرام میں تھے۔

مسجدِ حرام میں آپ کے ساتھ دیگر سونے والے صحابہ کا بیان

اس حدیث میں مذکور ہے ''فقال اولھم ایھم ھو؟'' یعنی پہلے فرشتہ نے کہا کہ جو لوگ سوئے ہوئے ہیں ان میں سے وہ کون ہیں؟ اس میں یہ خبر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک جماعت کے درمیان سوئے ہوئے تھے اور جماعت کے کم سے کم افراد دو ہوتے ہیں، اور دیگر روایات میں ہے کہ اس وقت آپ حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ آپ کے عم محترم اور حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ آپ کے عم زاد کے درمیان سوئے ہوئے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فلم یرھم حتیٰ اتوہ لیلۃ اخریٰ'' یعنی فرشتوں نے ان کو نہیں دیکھا حتیٰ کہ وہ آپ کے پاس دوسری رات آئے۔

شریک کی روایت پر علامہ خطابی اور دیگر علماء کے طعن کا جواب

حدیث میں اس مدت کی تعیین نہیں ہے جو فرشتوں کے دونوں مرتبہ آنے کے درمیان مدت تھی، سو اس حدیث کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ دوسری مرتبہ فرشتے اس وقت آئے جب آپ پر وحی کی گئی تھی اور اسی وقت اسراء اور معراج کا وقوع ہوا، اور اسی سے شریک کی روایت پر جو اشکال واقع ہوا تھا وہ اٹھ جاتا ہے، اور اس پر اتفاق حاصل ہوگیا کہ شبِ معراج کا سفر بعثت کے بعد ہجرت سے پہلے بیداری میں ہوا اور شریک کی روایت پر جو علامہ خطابی اور ابنِ حزم وغیرہ نے طعن کیا تھا وہ طعن دور ہوجاتا ہے، کیونکہ اس روایت میں جو مذکور ہے ''وحی نازل ہونے سے پہلے'' یہ فرشتوں کے پہلی مرتبہ آنے کے متعلق ہے، اور جب دوسری مرتبہ فرشتے آئے تب آپ کا سفرِ معراج شروع ہوا اور اس وقت آپ پر وحی نازل ہوئی۔

فرشتوں کے دو مرتبہ راتوں میں آپ کے پاس آنے کی مدت

بعض شارحین نے کہا ہے: فرشتے دو مرتبہ آئے اور ان دو راتوں میں سات راتوں کا فاصلہ تھا اور دوسرا قول ہے کہ آٹھ راتوں کا

فاصلہ تھا، تیسرا قول ہے کہ نو راتوں کا فاصلہ تھا، چوتھا قول ہے دس راتوں کا فاصلہ تھا اور پانچواں قول ہے تیرہ راتوں کا فاصلہ تھا۔

اس پر دلیل کہ معراج آپ کی بعثت کے بعد ہوئی ہے

رہا یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آسمانوں پر جانا اور سفرِ معراج بعثت کے بعد ہوا تو اس پر قوی دلیل یہ ہے کہ آسمان کے پہرہ داروں نے حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھا: کیا یہ مبعوث ہو چکے ہیں؟ انہوں نے کہا: ہاں، اس سے ظاہر ہے کہ معراج بعثت کے بعد ہوئی، اور اس سے وہ تاویل متعین ہو جاتی ہے جو میں نے بیان کی ہے، نیز اس حدیث میں ہے: پس جب آپ بیدار ہوئے تو آپ مسجدِ حرام میں تھے، اگر اس حدیث کو ظاہر پر محمول کیا جائے تو ہو سکتا ہے کہ آپ آسمان سے اترنے کے بعد مسجدِ حرام میں آ کر سو گئے ہوں، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کی بیداری سے مراد یہ ہے کہ نزولِ وحی کے وقت آپ پر جو کیفیت طاری ہوتی تھی وہ کیفیت زائل ہو گئی اور آپ اپنی پہلی حالت کی طرف لوٹ آئے اور اس کو بیدار ہونے سے تعبیر کیا گیا۔

اسراء کے متعلق متعدد روایات اور ان میں تطبیق

اس حدیث میں مذکور ہے "فلم یکلموہ حتیٰ احتملوہ فوضعوہ عند بئر زمزم" یعنی ان فرشتوں نے آپ سے کوئی بات نہیں کی حتیٰ کہ انہوں نے آپ کو اٹھایا اور زمزم کے کنویں کے پاس آپ کو رکھ دیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "فرشتوں نے آپ کو مسجدِ حرام سے اٹھا کر زمزم کے کنویں کے پاس رکھا" اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میرے گھر کی چھت میں شگاف کیا گیا" اور مالک بن صعصعہ کی حدیث میں ہے کہ "آپ حطیم میں تھے" یہ مختلف روایات اس پر مبنی ہیں کہ الاسراء کا قصہ واحد ہے اور اگر ہم یہ کہیں کہ اسراء متعدد بار ہوئی ہے تو پھر کوئی اشکال نہیں ہے یعنی ایک مرتبہ فرشتے آپ کو مسجدِ حرام سے اٹھا کر زمزم پر لے گئے اور دوسری مرتبہ آپ کے گھر کی چھت میں شگاف کیا گیا اور تیسری مرتبہ آپ حطیم میں تھے تو وہاں سے آپ کو لے جایا گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدرِ کریم کے شق کی تعداد کے متعلق روایات

اس حدیث میں مذکور ہے "فشق جبریل ما بین نحرہ الی لبتہ" یعنی حضرت جبریل نے آپ کے گلے کے نیچے سے لے کر سینہ تک کے درمیانی حصہ کو چاک کیا۔

اس حدیث میں "لبہ" کا ذکر ہے، یہ سینہ کی اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں ہار ڈالنے کی جگہ ہوتی ہے اور اسی جگہ اونٹوں کو نحر کیا جاتا ہے۔

امام ابوداؤد الطیالسی نے اپنی مسند میں اور امام ابونعیم اور امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں اپنی اپنی سندوں کے ساتھ یہ حدیث روایت کی ہے کہ ابو بشر الدولابی نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ آپ کے پیٹ کو نکالا گیا اور پھر اس کو اپنی جگہ لوٹا دیا، گیا آپ نے اس کا ذکر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کیا۔۔۔ الحدیث۔

نیز آپ کے صدرِ کریم کے شق کے متعلق یہ روایت ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب آپ کی عمر دس سال تھی تو آپ کا سینہ مبارک چاک کیا گیا اور الشفاء میں مذکور ہے کہ حضرت جبریل امین نے جب آپ کے دل کو دھویا تو کہا: یہ ہدایت یافتہ

دل ہے اس میں دو آنکھیں ہیں اور دو کان ہیں جو سنتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعدد بار شق صدر کی حکمتیں

حافظ ابن حجر عسقلانی نے صحیح البخاری: ۳۴۹ کی شرح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعدد مرتبہ شق صدر کی حکمتوں کے بیان میں لکھا ہے کہ قاضی عیاض نے یہ کہا ہے کہ آپ کا شقِ صدر اس وقت ہوا جب آپ کم سن تھے اور آپ کو دودھ پلانے والی حضرت حلیمہ کے پاس تھے، خلاصہ یہ ہے کہ پہلی بار جو آپ کا شقِ صدر ہوا وہ اس لیے تھا کہ آپ میں یہ استعداد اور صلاحیت ہو کہ آپ کے دل سے اس جمے ہوئے خون کو نکال دیا جائے جس کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ یہ آپ کے جسم میں شیطان کا حصہ تھا سو اس کو نکال دیا گیا، اور دوسری مرتبہ آپ کا شقِ صدر اس لیے ہوا کہ شبِ معراج جو فرشتوں نے آپ سے ملاقات کی آپ کے دل میں اس کی استعداد اور صلاحیت رکھی جائے۔

اور امام الطیالسی اور الحارث نے اپنی مسندوں میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ اور آپ کا شقِ صدر ہوا تھا جب حضرت جبریل امین علیہ السلام وحی لے کر آپ کے پاس غارِ حرا میں آئے تھے واللہ اعلم، سو آپ کا تین مرتبہ شقِ صدر ہونا حدیثِ صحیح سے ثابت ہے، ہر چند کہ یہ بھی روایت ہے کہ آپ کا پانچ مرتبہ شقِ صدر ہوا ہے، خلاصہ یہ کہ ایک مرتبہ دس سال کی عمر میں آپ کا شقِ صدر ہوا اور دوسری مرتبہ اس وقت شقِ صدر ہوا جب غارِ حرا میں حضرت جبریل علیہ السلام آپ کے پاس وحی لے کر آئے تھے تا کہ آپ کے دل میں وحی کے حصول کی صلاحیت ہو اور تیسری مرتبہ اسراء اور معراج کے موقع پر شقِ صدر ہوا تا کہ فرشتوں سے آپ کو ملاقات کی صلاحیت ہو۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۲۹، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلبِ اطہر کو ایمان اور حکمت سے بھرنا

اس حدیث میں مذکور ہے "ثم اتی بطست محشوا" یعنی آپ کے پاس سونے کا ایک طشت لایا گیا جو ایمان اور حکمت سے بھرا ہوا تھا۔ صحیح البخاری: ۳۴۹ میں مذکور ہے کہ ان فرشتوں نے آپ کے دل کو زمزم کے پانی سے دھویا، یعنی اس طشت میں ایسی چیز رکھ دی گئی جس سے ایمان کامل ہو اور حکمت تام ہو، سو اس وجہ سے اس کا نام حکمت اور ایمان مجازاً رکھا گیا۔

حکمت اور ایمان اگرچہ معانی ہیں لیکن کبھی معانی کو سمجھانے کے لیے ان کی مثال اجسام سے دی جاتی ہے جیسے حدیث میں موت کی مثال بکری کے ساتھ دی ہے۔

علامہ النووی نے کہا ہے: حکمت کی تفسیر میں اقوال کثیرہ مضطربہ ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ حکمت سے مراد وہ علم ہے جو اللہ تعالیٰ کی معرفت پر مشتمل ہو اور اس میں یہ بصیرت ہو جس سے نفس کی تہذیب ہو اور حق پر عمل کرنے کی تحقیق ہو، اور کبھی حکمت کا اطلاق قرآن مجید پر بھی ہوتا ہے وہ بھی ان امور پر مشتمل ہے، اور کبھی حکمت کا اطلاق نبوت پر ہوتا ہے اور کبھی حکمت کا اطلاق فقط علم پر ہوتا ہے یا فقط معرفت پر ہوتا ہے۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۲۹، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

شقِ صدر کے بعد براق پر سوار ہو کر مسجد اقصیٰ میں جانے کا بیان

اس حدیث میں مذکور ہے "ثم اطبقه ثم عرج به الی السماء الدنیا" یعنی پھر آپ کے سینہ کو سیا اور اس کو برابر کر دیا، پھر آپ

کو آسمانِ دنیا کی طرف لے جایا گیا۔

اس حدیث میں یہ ذکر نہیں ہے کہ پھر آپ کو براق پر سوار کرا کر مسجد اقصیٰ تک لے جایا گیا بلکہ اس میں یہ مذکور ہے کہ شق صدر کے بعد آپ کو آسمانوں کی طرف لے جایا گیا، اس میں تطبیق اس طرح ہے یا تو معراج کے متعلق متعدد احادیث ہیں اور کسی حدیث میں شقِ صدر کے بعد آسمانوں کی طرف لے جانے کا ذکر ہے جیسا کہ یہاں ہے اور کسی حدیث میں شقِ صدر کے بعد آپ کو براق پر سوار کرانے کا ذکر ہے جیسا کہ مالک بن صعصعہ کی حدیث میں ہے، آپ نے فرمایا کہ میرے قلب کو زمزم کے پانی سے غسل دیا گیا، پھر اس میں ایمان اور حکمت کو بھرا گیا، پھر اس کو دوبارہ اپنی جگہ پر رکھ دیا گیا، پھر میرے پاس ایک سواری لائی گئی سو مجھ کو اس پر سوار کرایا گیا، پس حضرت جبریل علیہ السلام مجھے لے کر چلے حتیٰ کہ آسمانِ دنیا پر پہنچے، یہاں بھی کچھ عبارت محذوف ہے، اصل عبارت یوں ہے ''حتیٰ کہ مجھے بیت المقدس پر لایا گیا، پھر وہاں پر معراج (سیڑھی) لائی گئی، حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس براق کو لایا گیا، میں اس پر سوار ہوا حتیٰ کہ بیت المقدس میں براق کو لایا گیا، میں نے اس کو باندھا، پھر میں مسجد میں داخل ہوا، پھر میں نے دو رکعت نماز پڑھی، پھر مجھے آسمان کی طرف چڑھایا گیا''۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فاستبشر به اهل السماء'' یعنی آپ کے آنے سے آسمان والے خوش ہوئے۔

گویا کہ آسمان کے فرشتوں کو معلوم تھا کہ عنقریب آپ کو معراج کرائی جائے گی تو وہ آپ کے آنے کا انتظار کر رہے تھے۔

جنت میں کوثر کو دکھانا

اس حدیث میں مذکور ہے ''ماهذا یا جبریل؟ قال هذا الکوثر الذی خبأ'' یعنی آپ نے پوچھا: اے جبریل! یہ دریا کون سا ہے؟ انہوں نے کہا: یہ کوثر ہے جو آپ کے لیے چھپایا گیا ہے۔

شریک کی اس روایت پر یہ اشکال ہے کہ کوثر جنت میں ہے اور جنت ساتویں آسمان میں ہے اور امام احمد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث روایت کی ہے جس میں مذکور ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں جنت میں داخل ہوا، پس وہاں ایک دریا تھا جس کے دونوں کناروں پر موتیوں کے خیمے تھے، پس میں نے پانی جاری ہونے کی جگہ پر اپنا ہاتھ پانی میں مارا تو وہ خوشبودار مشک تھی تو حضرت جبریل نے کہا: یہ وہ کوثر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کی ہے، اور کتاب التفسیر میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں جنت کا ذکر نہیں ہے، اور امام ابوداؤد اور امام طبری نے از قتادہ روایت کی ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کرائی گئی تو آپ کے سامنے جنت میں ایک دریا پیش کیا گیا۔ الحدیث، یہاں بھی کچھ عبارت محذوف ہے اور مراد یہ ہے کہ آپ آسمانوں پر چڑھتے گئے حتیٰ کہ آسمانِ دنیا سے ساتویں آسمان تک پہنچے تو وہاں پر ایک دریا تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام چھٹے آسمان میں تھے یا ساتویں آسمان میں تھے، دو روایتوں کا اختلاف اور ان میں تطبیق

اس حدیث میں مذکور ہے ''وموسیٰ فی السابعة بفضل کلام الله'' یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہم کلام ہونے کی وجہ سے جو فضیلت عطا کی تھی اس کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام ساتویں آسمان میں تھے۔

اس تعلیق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شریک کے نزدیک منضبط یہ تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ساتویں آسمان میں تھے، اور مشہور روایات میں یہ ہے کہ ساتویں آسمان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے، تو اگر یہ متعدد واقعات ہوں تو کوئی اشکال نہیں ہے، اور اگر یہ

ایک ہی واقعہ ہو تو اس میں تطبیق اس طرح ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم حالتِ عروج میں تھے یعنی آسمانوں پر چڑھتے جا رہے تھے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام چھٹے آسمان میں تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ساتویں آسمان میں تھے جیسا کہ مالک بن صعصعہ کی ظاہر حدیث ہے، اور جب آپ آسمانوں سے اتر رہے تھے تو اب حضرت موسیٰ علیہ السلام ساتویں آسمان میں تھے، کیونکہ کسی حدیث میں یہ ذکر نہیں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا ہو کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت پر کتنی نمازیں فرض کی ہیں جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سوال کیا تھا، اور ساتواں آسمان وہ ہے کہ اترتے وقت وہ سب سے پہلا آسمان ہے تو مناسب تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ساتویں آسمان میں ہوں، کیونکہ جب آپ آسمانوں سے اتر رہے تھے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپ سے کلام کیا، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چھٹے آسمان میں آپ سے ملاقات کی، پھر آپ کے ساتھ وہ اوپر چڑھتے گئے حتیٰ کہ ساتویں آسمان تک پہنچے اور انہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم کلام ہونے کی وجہ سے یہ فضیلت دی گئی۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فقال موسیٰ رب لم اظن ان یرفع علی احد'' یعنی اے میرے رب! میرا یہ گمان نہیں تھا کہ کسی اور کو مجھ سے بلند مرتبہ عطا کیا جائے گا۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہم کلام ہونے کے ساتھ مخصوص فرمایا، قرآن مجید میں ہے:

إِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِي وَبِكَلَامِي میں نے تم کو لوگوں پر اپنے پیغامات اور اپنے کلام سے فضیلت دی۔ (الاعراف: ۱۴۴)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: میں نے اپنے کلام سے اور اپنی رسالت سے تم کو لوگوں پر فضیلت دی ہے، اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ سمجھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تمام بشروں پر فضیلت عطا فرمائی ہے اور کوئی شخص ان سے بڑے مرتبہ کا نہیں ہوگا، پھر جب اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مقامِ محمود عطا کر کے فضیلت دی اور دیگر فضائل عطاء فرمائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بلند ہو گیا، تب انہوں نے یہ کہا: اے میرے رب! میرا یہ گمان نہیں تھا کہ تو کسی اور کو مجھ سے بلند مرتبہ عطاء فرمائے گا۔

پھر علامہ ابن بطال نے کہا: اس میں اختلاف ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے شبِ معراج سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بلاواسطہ کلام فرمایا، یا بالواسطہ کلام فرمایا، اور اس میں بھی اختلاف ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رات اللہ تعالیٰ کو اپنے سر کی آنکھ سے دیکھا یا دل کی آنکھ سے دیکھا، بیداری میں دیکھا یا نیند میں دیکھا، اس کا بیان ہم سورۃ النجم کی تفسیر میں کر چکے ہیں۔

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر عسقلانی نے شبِ معراج نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:

شبِ معراج نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کے متعلق فقہاء امت کا اختلاف

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شبِ معراج اپنے رب کو دیکھا اس میں متقدمین کا اختلاف ہے، حضرت عائشہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما اس کا انکار کرتے ہیں اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایات مختلف ہیں، اور ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ آپ نے شبِ معراج اپنے رب کو دیکھا۔

امام عبدالرزاق نے از معمر از الحسن یہ روایت کی ہے کہ وہ حلف اٹھا کر کہتے تھے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے۔

اور امام ابن خزیمہ نے از عروہ بن زبیر روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج اپنے رب کو دیکھا اور جب ان کے سامنے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے انکار کا ذکر کیا جاتا تو وہ اس پر بہت سختی کرتے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے تمام اصحاب کا بھی یہی قول ہے اور کعب احبار اور الزہری اور ان کے صاحب معمر اور دوسروں نے بھی اسی کو وثوق سے کہا ہے اور یہی امام اشعری اور ان کے اکثر پیروکاروں کا قول ہے۔

پھر اس میں اختلاف ہے کہ آپ نے اپنے رب کو سر کی آنکھوں سے دیکھا یا دل سے دیکھا، امام احمد کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں، میں کہتا ہوں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مطلقاً دیکھنے کی روایات بھی ہیں اور دل سے دیکھنے کی روایات بھی ہیں، اس کی تائید درج ذیل روایت سے ہوتی ہے:

امام نسائی نے سند صحیح کے ساتھ اور امام حاکم نے تصحیح سند کے ساتھ از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے، انہوں نے فرمایا: کیا تم اس پر تعجب کرتے ہو کہ خلیل ہونا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے ہو اور کلیم ہونا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے ہو اور دیدار سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہو؟

اور امام ابن خزیمہ کی روایت اس طرح ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل ہونے کے ساتھ فضیلت دی۔۔۔الحدیث۔

اور امام ابن اسحاق اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف کسی کو بھیجا اور پوچھا: کیا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: ہاں!

اور امام مسلم نے از ابوالعالیہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما درج ذیل آیت کی تفسیر میں روایت کی ہے:

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ⑪ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ⑫ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ⑬ (النجم: ۱۱۔۱۳)

(آپ کے) قلب نے اس کی تکذیب نہ کی جو آپ کی آنکھوں نے دیکھا O کیا تم ان سے اس پر جھگڑ رہے ہو جو انہوں نے دیکھا O بے شک انہوں نے اسے ضرور دوسری بار دیکھا O

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: آپ نے اپنے رب کو اپنے دل سے دو مرتبہ دیکھا، اور زیادہ صریح روایت وہ ہے جو امام ابن مردویہ نے از عطاء از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا، آپ نے اپنے رب کو اپنے دل سے دیکھا۔

اس تقدیر پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما جو دیدار کا اثبات کرتے ہیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جو دیدار کی نفی کرتی ہیں ان دونوں کے اقوال کی تطبیق ممکن ہے، بایں طور کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دیدار کی نفی کو آنکھ سے دیکھنے پر محمول کیا جائے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے دیدار کو ثابت کرنے پر دل سے دیکھنے پر محمول کیا جائے، اور دل سے دیکھنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کا علم ہو گیا، کیونکہ آپ کو ہمیشہ سے اللہ تعالیٰ کا علم تھا بلکہ دل سے دیکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں ایسی دیکھنے کی صفت پیدا کر دی جیسے دیکھنے کی صفت اس نے آنکھوں میں پیدا کی ہے۔

علامہ قرطبی نے کہا ہے: راجح یہ ہے کہ اس مسئلہ میں توقف کرنا چاہیے کیونکہ اس باب میں کسی طرف بھی دلیلِ قطعی نہیں ہے، زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ دونوں فریق ظاہر آیت اور ظاہر حدیث سے استدلال کرتے ہیں اور یہ مسئلہ عملیات میں سے نہیں ہے جس میں دلائل ظنیہ کافی ہوتے ہیں یہ مسئلہ عقائد سے ہے۔ المروزی نے امام احمد سے پوچھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: جس کا یہ زعم ہے کہ محمد نے اپنے رب کو دیکھا اس نے اللہ پر بہت بڑا جھوٹ باندھا، آپ کس دلیل سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قول کا جواب دیں گے؟ تو امام احمد نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے آپ نے فرمایا: ''رایت ربی'' میں نے اپنے رب کو دیکھا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول سے بہت بڑا ہے۔ (فتح الباری ج۶ ص ۳۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

اس حدیث میں مذکور ہے ''ودنا الجبار رب العزة فتدلی حتی کان منه قاب قوسین او ادنی'' یعنی آپ رب العزۃ تبارک وتعالیٰ سے قریب ہوئے اور اتنے قریب ہوئے جیسے کمان کے دو کنارے ایک دوسرے کے قریب ہوتے ہیں یا اس سے بھی زیادہ قریب ہوئے۔

صحیح البخاری کی جس روایت میں ''دنا فتدلی'' مذکور ہے، اس پر علامہ خطابی کا طعن

میمون کی اس روایت میں مذکور ہے کہ ''پس آپ کا رب عزوجل قریب ہوا، پس دو کمانوں کی مقدار قریب ہوا یا اس سے بھی زیادہ''۔ علامہ خطابی نے کہا ہے: صحیح البخاری میں اس سے زیادہ ظاہراً قبیح اور لائقِ ملامت اور کوئی حدیث نہیں ہے، کیونکہ اس حدیث سے لازم آتا ہے کہ اللہ عزوجل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان مسافت کی تحدید ہو۔

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ ہوسکتا ہے یہ قصہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف سے حکایت کیا ہو اور اس کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت نہ کی ہو اور نہ آپ سے نقل کیا ہو اور نہ آپ کی طرف اس قول کی اضافت کی ہو، خلاصہ یہ ہے کہ یہ راوی کی جہت سے ہے، رہے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی طرف سے یا شریک کی طرف سے، کیونکہ وہ منکر اور غریب الفاظ کے لانے میں متفرد ہیں اور باقی راوی ان کی اتباع نہیں کرتے۔

پھر علامہ خطابی نے کہا: اس روایت میں جو اللہ تعالیٰ کی طرف تدلی یعنی زیادہ قریب ہونے کی نسبت ہے یہ عامۃ السلف اور علماء اور اہلِ تفسیر کے خلاف ہے خواہ متقدمین ہوں یا متاخرین، انہوں نے کہا: اس حدیث کی توجیہ میں تین اقوال ہیں:

(۱) حضرت جبریل سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوئے ''فتدلی'' یعنی اور زیادہ قریب ہوئے۔

(۲) حضرت جبریل علیہ السلام اپنے بلند ہونے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ قریب ہوئے اور یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے وہ جس کو چاہتا ہے بغیر کسی چیز کے سہارے کے ہوا میں لٹکا دیتا ہے۔

(۳) حضرت جبریل علیہ السلام قریب ہوئے تو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کے سامنے سجدہ ریز ہو کر زیادہ قریب ہو گئے تا کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں پر شکر ادا کریں۔

علامہ خطابی نے کہا: اس حدیث کی روایت شریک کے علاوہ دوسرے راویوں سے کی گئی ہے اور اس میں یہ الفاظِ شنیعہ نہیں ہیں اور اس سے یہ گمان قوی ہو جاتا ہے کہ یہ روایت شریک کی جہت سے صادر ہے۔

صحیح البخاری کی روایت جس میں ''دنا فتدلی'' مذکور ہے اس پر طعن کے جوابات

یہ جو کہا گیا ہے کہ تمام متقدمین اور متاخرین نے شریک کی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اس روایت کی مخالفت کی ہے جس میں تدلی مذکور ہے، اس کے متعدد جوابات ہیں:

(۱) علامہ القرطبی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے ''دنا اللہ سبحانہ و تعالیٰ'' اس کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا امر اور اس کا حکم قریب ہے (نہ یہ کہ اللہ تعالیٰ قریب ہوا) اور تدلی کا اصل معنی ہے: کسی چیز کی طرف اتر نا حتیٰ کہ اس کے قریب ہو جائے۔

(۲) اس سے مراد ہے رفرف کی تدلی، یعنی رفرف کو نیچے لٹکایا تا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس پر بیٹھ جائیں، پھر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کے قریب ہوئے۔

(۳) قاضی عیاض نے الشفاء میں کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف قریب ہونے سے یہ مراد نہیں ہے جس طرح کوئی شخص کسی جگہ اور مکان میں قریب ہوتا ہے اور نہ زمانہ کا قرب مراد ہے اور اگر اس کی نسبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہو تو یہ آپ کے مرتبہ کی عظمت کے اظہار کے لیے ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی نسبت ہو تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اکرام اور آپ کو مانوس کرنے کے لیے ہے، اور اللہ تعالیٰ کے قریب ہونے کی وہی تاویل کی جائے گی جو اس حدیث میں ہے کہ ''ہمارا رب آسمان کی طرف نازل ہوتا ہے''، اسی طرح جس حدیث میں ہے کہ ''جو شخص مجھ سے ایک بالشت قریب ہوتا ہے تو میں اس سے ایک ہاتھ قریب ہو جاتا ہوں''۔

(۴) دوسرے علماء نے کہا: یہاں پر قریب ہونا قربِ معنوی سے مجاز ہے تا کہ رب تعالیٰ کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم مرتبہ کو ظاہر کیا جائے، اور تدلی سے مراد ہے زیادہ قرب کی طلب، اور قاب قوسین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتبار سے لطفِ محل اور ایضاحِ معرفت سے عبارت ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی نسبت ہو تو اس کا معنی ہے: آپ کی دعا کو اللہ تعالیٰ کا قبول فرمانا اور آپ کے درجہ کو بلند فرمانا۔

شریک کی روایت میں دیگر خدشات

شریک کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ معراج بعثت سے پہلے ہوئی، کیونکہ شریک کی روایت میں مذکور ہے کہ تین فرشتے آپ کے پاس آپ کی طرف وحی کی جانے سے پہلے آئے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد ہے کسی امرِ مخصوص میں وحی کیے جانے سے پہلے نہ کہ مطلقاً وحی کی جانے سے پہلے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا معنی ہو کہ آپ کے پاس تین فرشتے آئے اس سے پہلے کہ آپ کی طرف اسراء اور معراج کے متعلق وحی کی جائے، یعنی معراج کا وقوع اچانک ہوا تھا اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے کہ میرے گھر کی چھت میں شگاف کیا گیا۔

شریک کی روایت میں دوسرا خدشہ یہ ہے کہ اس روایت میں ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ ساتویں آسمان کے اوپر ہے اور اللہ کے سوا اس کو کوئی نہیں جانتا، اور مشہور یہ ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ ساتویں یا چھٹے آسمان میں ہے۔

شریک کی روایت میں تیسرا خدشہ یہ ہے کہ اس روایت میں ہے کہ نیل اور فرات کا عنصر آسمان دنیا میں ہے اور دوسری مشہور روایات میں ہے کہ وہ ساتویں آسمان میں ہے اور سدرۃ المنتہیٰ کے نیچے ہے۔

شریک کی روایت میں چوتھا خدشہ یہ ہے کہ اس روایت میں مذکور ہے کہ دریائے کوثر آسمانِ دنیا میں ہے اور مشہور یہ ہے کہ کوثر

جنت میں ہے۔
شریک کی روایت میں پانچواں خدشہ یہ ہے کہ انہوں نے دنو اور تدلی کی نسبت اللہ عزوجل کی طرف کی ہے اور مشہور یہ ہے کہ اس کی نسبت حضرت جبریل علیہ السلام کی طرف ہے۔
شریک کی روایت میں چھٹا خدشہ یہ ہے کہ اس میں یہ تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پانچویں بار جانے کے بعد سوال کرنے سے رک گئے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے ثابت ہے کہ نویں مرتبہ آپ سوال کرنے سے رک گئے۔
(فتح الباری ج ۸ ص ۵۹۸۔۶۰۵ ملخصا وملتقطا، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

معراج جسمانی کی تحقیق

بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سفرِ معراج جس کو اسراء کہا جاتا ہے آپ کو نیند میں دکھایا گیا تھا، لیکن یہ رائے اس لیے غلط ہے کہ اگر یہ نیند کا واقعہ ہوتا تو کفارِ قریش کو اس قدر شد ومد سے اس کی تکذیب کی کیا ضرورت تھی کیونکہ نیند میں آدمی جو چاہے دیکھ لے اس پر کسی کو کیا اعتراض ہے۔
اور بعض دوسرے لوگوں کی رائے یہ ہے کہ یہ معراج آپ کے جسم کے ساتھ نہیں ہوئی تھی بلکہ آپ کی روح کو معراج ہوئی تھی، اور وہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک گم نہیں ہوا لیکن آپ کی روح کو معراج کرائی گئی تھی، یہ رائے بھی غلط ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۝ (بنی اسرائیل: ۱)

ہر عیب سے پاک ہے وہ جو اپنے (مکرم) بندہ کو رات کے ایک قلیل وقفہ میں مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک لے گیا جس کے اردگرد کو ہم نے برکتیں رکھ دی ہیں تا کہ ہم اس (عبدِ مکرم) کو اپنی بعض نشانیاں دکھائیں، بے شک وہی بہت سننے والا، بہت دیکھنے والا ہے ۝

اس آیت مبارکہ میں عبد کو معراج کرانے کا ذکر ہے اور عبد روح مع الجسد کو کہتے ہیں صرف روح کو عربی زبان میں عبد نہیں کہا جاتا، اس سے معلوم ہوا کہ آپ کو جسمانی معراج کرائی گئی تھی، نیز احادیثِ صحیحہ میں جو شبِ معراج کے واقعات ذکر کئے گئے ہیں ان سب سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ یہ جسمانی معراج تھی مثلاً جب آپ کو مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ لے جایا گیا تو براق پر سوار کرایا گیا تو براق پر سوار ہونا اس کو مستلزم ہے کہ آپ کا جسم مبارک براق پر سوار ہوا تھا ورنہ روح کو تو کہیں آنے جانے کے لیے سواری کی ضرورت نہیں ہوتی۔ نیز مسجدِ اقصیٰ سے آسمانوں تک جانے کے لیے ایک نورانی سیڑھی رکھ دی گئی تھی جس پر چڑھ کر آپ مسجدِ اقصیٰ سے پہلے آسمان اور پھر دوسرے آسمان تک گئے، سو سیڑھی پر چڑھنے کی ضرورت بھی جسم کو ہوتی ہے روح کو کہیں آنے جانے کے لیے سیڑھی کی ضرورت نہیں ہوتی۔ نیز معراج کی احادیث میں یہ ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر عرب کے قافلے والوں کا ایک اونٹ بدک کر بھاگا، وہ اس اونٹ کو ڈھونڈنے کے لیے چلے گئے، آپ نے ان کے اونٹ کے کجاوہ سے پانی نکال کر پیا اور پانی پینے کی ضرورت بھی جسم کو ہوتی ہے، روح کو اس کی ضرورت نہیں ہوتی۔ نیز یہ بھی احادیث میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سدرۃ المنتہیٰ سے پار گئے تو آپ کو ایک آواز سنائی دی "قف یا محمد فان ربك یصلی" "یصلی" کا لفظ صلوٰۃ سے ماخوذ ہے

اور صلوٰۃ کا معنی نماز پڑھنا بھی ہے اور صلوٰۃ کا معنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا بھی ہے، اس وقت آپ کا ذہن یصلی سے نماز پڑھنے کی طرف منتقل ہوا، آپ کو تعجب ہوا کہ رب کیسے نماز پڑھتا ہے! تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مشابہ آواز آئی ''ان اللہ وملئکتہ یصلون علی النبی'' تب آپ کا ذہن اس طرف متوجہ ہوا کہ یہاں یصلی کا معنی نماز پڑھنا نہیں ہے بلکہ درود پڑھنا ہے، اس سے یہ ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تعجب ہوا تھا اور تعجب کا محل ذہن اور دماغ ہے اور ذہن اور دماغ جسم کا ہوتا ہے روح کا نہیں ہوتا، ان تمام قرائن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم کو معراج ہوئی تھی، اور جو شخص آپ کی معراجِ جسمانی کا قائل نہیں ہے اس پر یہ لازم آئے گا کہ وہ ان تمام احادیث کا انکار کر دے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۳۸۔ بَابُ: كَلَامِ الرَّبِّ مَعَ أَهْلِ الْجَنَّةِ — اللہ عزوجل کا اہلِ جنت سے کلام فرمانا

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں رب عزوجل کا اہلِ جنت سے کلام کرنے کا ذکر کیا گیا ہے، یعنی اہلِ جنت کے جنت میں داخل ہونے کے بعد، اس سے پہلے رب جل جلالہٗ کا انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ علیہم السلام سے کلام کا ذکر کیا تھا، اور اب رب عزوجل کا اہل جنت سے کلام کے متعلق احادیث ذکر کر رہے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۲۶۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۵۱۸۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم إِنَّ اللهَ يَقُولُ لِأَهْلِ الْجَنَّةِ يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ فَيَقُولُونَ لَبَّيْكَ رَبَّنَا وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ فِي يَدَيْكَ فَيَقُولُ هَلْ رَضِيتُمْ فَيَقُولُونَ وَمَا لَنَا لَا نَرْضَى يَا رَبِّ وَقَدْ أَعْطَيْتَنَا مَا لَمْ تُعْطِ أَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ فَيَقُولُ أَلَا أُعْطِيكُمْ أَفْضَلَ مِنْ ذَلِكَ فَيَقُولُونَ يَا رَبِّ وَأَيُّ شَيْءٍ أَفْضَلُ مِنْ ذَلِكَ فَيَقُولُ أُحِلُّ عَلَيْكُمْ رِضْوَانِي فَلَا أَسْخَطُ عَلَيْكُمْ بَعْدَهُ أَبَدًا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن سلیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابن وہب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے مالک نے حدیث بیان کی از زید بن اسلم از عطاء بن یسار از حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل اہلِ جنت سے فرمائے گا: اے اہلِ جنت! تو وہ کہیں گے: ہم حاضر ہیں اے ہمارے رب! اور ہم تیری اطاعت کے لیے تیار ہیں اور خیر تیرے دونوں ہاتھوں میں ہے، پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: کیا تم راضی ہو گئے؟ وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! ہمیں کیا ہے کہ ہم راضی نہ ہوں حالانکہ تو نے ہمیں اتنا کچھ عطا کیا ہے جو تو نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو عطا نہیں کیا، اللہ عزوجل ارشاد فرمائے گا: کیا میں تم کو اس سے زیادہ افضل چیز عطا نہ کروں؟ سو وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! اس سے زیادہ افضل اور کون سی چیز ہے؟ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: میں تمہارے اوپر اپنی رضا کو حلال کر دیتا ہوں

پس اس کے بعد میں تم سے کبھی ناراض نہیں ہوں گا۔

(صحیح البخاری: ۶۵۴۹، ۷۵۱۸، صحیح مسلم: ۲۸۲۹، سنن ترمذی: ۲۵۵۵، مسند احمد: ۱۱۴۲۵)

صحیح البخاری: ۷۵۱۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور پر بعض سوالات کے جوابات

اس حدیث میں مذکور ہے "اور خیر تیرے دونوں ہاتھوں میں ہے" اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ شر بھی تو اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھوں میں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور مؤثر اور خالق نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ادب کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف حسن کی نسبت کی جائے، نیز اللہ تعالیٰ جو کام بھی کرتا ہے وہ خیر ہی ہوتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "میں تمہیں اس سے افضل چیز عطا فرماتا ہوں اور فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا راضی ہونا ہے"۔ اس پر یہ سوال ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ سے ملاقات یہ افضل نعمت نہیں ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ میں ہمیشہ تم سے راضی رہوں گا اور کبھی ناراض نہیں ہوں گا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۲۶۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۵۱۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ حَدَّثَنَا فُلَيْحٌ حَدَّثَنَا هِلَالٌ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَوْمًا يُحَدِّثُ وَعِنْدَهُ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْبَادِيَةِ أَنَّ رَجُلًا مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ اسْتَأْذَنَ رَبَّهُ فِي الزَّرْعِ فَقَالَ لَهُ أَوَلَسْتَ فِيمَا شِئْتَ قَالَ بَلَى وَلَكِنِّي أُحِبُّ أَنْ أَزْرَعَ فَأَسْرَعَ وَبَذَرَ فَتَبَادَرَ الطَّرْفَ نَبَاتُهُ وَاسْتِوَاؤُهُ وَاسْتِحْصَادُهُ وَتَكْوِيرُهُ أَمْثَالَ الْجِبَالِ فَيَقُولُ اللهُ تَعَالَى دُونَكَ يَا ابْنَ آدَمَ فَإِنَّهُ لَا يُشْبِعُكَ شَيْءٌ فَقَالَ الْأَعْرَابِيُّ يَا رَسُولَ اللهِ لَا تَجِدُ هَذَا إِلَّا قُرَشِيًّا أَوْ أَنْصَارِيًّا فَإِنَّهُمْ أَصْحَابُ زَرْعٍ فَأَمَّا نَحْنُ فَلَسْنَا بِأَصْحَابِ زَرْعٍ فَضَحِكَ رَسُولُ اللهِ۔

(صحیح البخاری: ۲۳۴۸، ۷۵۱۹، مسند احمد: ۱۰۲۶۴)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن سنان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں فلیح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہلال نے حدیث بیان کی از عطاء بن یسار از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم حدیث بیان فرما رہے تھے اور آپ کے پاس ایک دیہاتی مرد تھا، آپ نے فرمایا کہ اہلِ جنت میں سے ایک مرد اللہ تعالیٰ سے کھیتی باڑی کرنے کی اجازت طلب کرے گا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تیری ہر خواہش یہاں پوری نہیں ہوتی؟ وہ عرض کرے گا کیوں نہیں لیکن میں کھیتی باڑی کرنا پسند کرتا ہوں، پھر وہ جلدی سے بیج بوئے گا تو اس کی ایک طرف سے پیداوار بڑھنی شروع ہو جائے گی اور اسی وقت وہ ہموار ہو جائے گی اور اسی وقت وہ کٹ جائے گی اور پہاڑوں کی طرح اس کا ڈھیر لگ جائے گا، تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: لے اے ابن آدم! بے شک تجھے کوئی چیز سیر نہیں کرتی، اس دیہاتی نے کہا: یارسول اللہ! یہ شخص یا قرشی ہوگا یا

انصاری ہوگا کیونکہ یہی لوگ کھیتی باڑی کرتے ہیں، رہے ہم لوگ تو ہم کھیتی باڑی نہیں کرتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے۔

علامہ شہاب الدین ابوالعباس احمد القسطلانی التوفی ۹۱۱ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور پر ایک اشکال کا جواب

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ﴿۱۱۸﴾ (طٰہٰ:۱۱۸) بے شک آپ جنت میں نہ بھوکے رہیں گے اور نہ برہنہ O

اس سے معلوم ہوا کہ جنت میں ہر شخص سیر ہوگا، کیونکہ اس آیت میں فرمایا ہے کہ جنت میں آپ بھوکے نہیں رہیں گے، اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ اس دیہاتی سے فرمائے گا: ''تجھے کوئی چیز سیر نہیں کرسکتی''۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد اس شخص کی مذمت ہے جس نے قناعت کو ترک کر دیا اور، اور زیادہ کو طلب کیا ورنہ جنت میں تو ہر شخص سیر ہوگا اور جو کچھ کھائے گا یا پیئے گا تو وہ بھوک اور پیاس مٹانے کے لیے نہیں کھائے گا بلکہ حصولِ لذت کے لیے کھائے گا اور پیئے گا۔ (ارشاد الساری ج ۱۵ ص ۵۶۹، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۱ ھ)

۳۹۔ بَابُ: ذِكْرِ اللهِ بِالْاَمْرِ وَذِكْرِ الْعِبَادِ بِالدُّعَاءِ وَالتَّضَرُّعِ وَالرِّسَالَةِ وَالْاِبْلَاغِ

اللہ تعالیٰ کا بندوں کو حکم دینے سے یاد فرمانا اور بندوں کا اللہ تعالیٰ سے دعا کر کے اور گڑگڑا کر اور اللہ تعالیٰ کے پیغام کو مخلوق تک پہنچا کر اس کو یاد کرنا

بابِ مذکور کی شرح از علامہ قسطلانی

علامہ شہاب الدین ابوالعباس احمد القسطلانی التوفی ۹۱۱ ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا ذکر اس طرح کرتا ہے کہ ان پر احکام جاری کرتا ہے اور ان پر انعام فرماتا ہے جب وہ اس کی اطاعت کریں یا ان کو عذاب دیتا ہے جب وہ اس کی نافرمانی کریں، اور بندوں کا اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے عاجزی کے ساتھ دعا کریں گڑگڑا کر اور اللہ تعالیٰ کے احکام کو مخلوق تک پہنچائیں اور جو علوم ان تک پہنچے ہیں وہ دوسروں تک پہنچائیں۔

بابِ مذکور کی تعلیقات

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

لِقَوْلِهِ تَعَالٰى: فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ (البقرہ:۱۵۲) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔

تعلیقِ مذکور کی شرح از علامہ قسطلانی

ذکر دل سے ہوتا ہے اور اعضاء سے ہوتا ہے اور زبان سے ہوتا ہے، پس زبان سے ذکر اللہ تعالیٰ کی حمد اور تسبیح اور تمجید ہے اور قرآن کا پڑھنا ہے اور دل کا ذکر یہ ہے کہ ان دلائل کے اندر غور و فکر کرے جو اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات پر قائم ہیں اور ان دلائل

ہیں جو شبہات قائم کیے جاتے ہیں ان شبہات کے جوابات میں غور کرے، پس جب لوگ جان لیں گے کہ ان کو کیوں مکلف کیا گیا ہے تو وہ جان لیں گے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم بجالانے میں جو ثواب ہوگا اور جو اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل نہ کرنے سے عذاب ہوگا، تو جب یہ جان لیں گے تو ان کے اوپر اللہ تعالیٰ کے احکام کو بجالانا آسان ہوگا اور اعضاء کے ساتھ ذکر کرنا وہ یہ ہے کہ جن اعضاء سے جن عبادات کا حکم دیا گیا ہے ان اعضاء سے ان عبادات کو انجام دیا جائے۔ (ارشاد الساری ج ۱۵ ص ۵۰۷، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ۘ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْۤا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْۤا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ۝ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۙ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ (یونس: ۷۱۔۷۲)

اور ان کے سامنے نوح کا قصہ بیان کیجئے جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! اگر تم کو میرا (تمہارے درمیان) رہنا اور تمہیں اللہ کی آیتوں کے ساتھ نصیحت کرنا ناگوار ہے تو میں نے صرف اللہ پر توکل کیا ہے تم اپنے (خود ساختہ) معبودوں کے ساتھ مل کر اپنی سازش کو پختہ کرلو، پھر تمہاری وہ سازش تمہارے (گروہ پر) مخفی نہ رہے، پھر تم جو کچھ میرے خلاف کرسکتے ہو وہ کر گزرو اور مجھے مہلت نہ دو O پھر اگر تم اعراض کرو تو میں نے (تبلیغ دین کا) تم سے کوئی اجر طلب نہیں کیا، میرا اجر تو صرف اللہ پر ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں مسلمانوں میں سے رہوں O

تعلیق مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ ابن بطال نے کہا: اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر فرما کے اور جو کچھ انہوں نے تبلیغ کی ہے اس کا ذکر فرما کے یہ اشارہ دیا ہے کہ نبی پر تبلیغ کرنا فرض ہے اور جس طرح حضرت نوح علیہ السلام نے تبلیغ کی اسی طرح ہر نبی پر اپنی کتاب کی اور اپنی شریعت کی تبلیغ کرنا فرض ہے، مفسرین نے کہا: اے محمد! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مشرکین پر نوح علیہ السلام کی خبر کو پڑھیے یعنی ان کا قصہ بیان کیجئے اور اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت پر دلیل ہے کیونکہ آپ نے انبیاء سابقین علیہم السلام کے قصے بیان فرمائے اور آپ گزشتہ کتابوں کو پڑھنے والے نہ تھے۔

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

غُمَّةٌ: هَمٌّ وَضِيْقٌ

غمة: اس کا معنی ہے: غم اور تنگی۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: جب کسی قوم کے اوپر کوئی معاملہ مشکل اور دشوار ہوجائے تو کہا جاتا ہے "القوم فی غمة" اور اسی سے ماخوذ ہے غم الهلال، یعنی چاند کی رویت کو بادلوں نے ڈھانپ لیا۔

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

قَالَ مُجَاهِدٌ: اقْضُوْا اِلَيَّ مَا فِيْ اَنْفُسِكُمْ
يُقَالُ: افْرُقْ اقْضِ

مجاہد نے کہا: جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اس کو میرے ساتھ پورا پورا کرلو۔

اہل عرب کہتے ہیں: اُفرق: یعنی فیصلہ کردو۔

علامہ عینی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس تعلیق سے مجاہد کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

یٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِیْ وَتَذْكِيْرِیْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَیَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ۝ (یونس:۷۱)

اے میری قوم! اگر تم کو میرا (تمہارے درمیان) رہنا اور تمہیں اللہ کی آیتوں کے ساتھ نصیحت کرنا ناگوار ہے تو میں نے صرف اللہ پر توکل کیا ہے تم اپنے (خود ساختہ) معبودوں کے ساتھ مل کر اپنی سازش کو پختہ کرلو، پھر تمہاری وہ سازش تمہارے (گروہ پر) مخفی نہ رہے، پھر تم جو کچھ میرے خلاف کرسکتے ہو وہ کر گزرو اور مجھے مہلت نہ دو O

ابن التین نے اس کی تفسیر میں کہا: جو تمہارے دل میں آئے وہ کرلو، اور دوسروں نے کہا: تم معاملہ کو ظاہر کردو اور اس کو دوسرے معاملات سے متمیز کردو اس حیثیت سے کہ کوئی شبہ باقی نہ رہے پھر تم جو چاہو وہ کرو خواہ مجھے قتل کردو یا مجھے مہلت دو۔

اس تعلیق میں مذکور ہے: ''اُفرق'' اقض، ایک قول یہ ہے کہ یہ مجاہد کا کلام نہیں ہے، یعنی تمہارے دل میں جو کچھ ہے اس کو ظاہر کردو اور اس کو مخفی نہ رکھو، پھر تم مجھے اگر قتل کرنا چاہتے ہو ظاہراً تو مجھے قتل کردو اور اس میں مجھے مہلت نہ دو۔

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ (التوبہ:۶)

''اور اگر مشرکین میں سے کوئی شخص آپ سے پناہ طلب کرے تو آپ اسے پناہ دے دیجئے حتیٰ کہ وہ اللہ کا کلام سنے''۔

إِنْسَانٌ يَأْتِيهِ فَيَسْتَمِعُ مَا يَقُولُ وَمَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ فَهُوَ آمِنٌ حَتَّى يَأْتِيَهُ فَيَسْمَعَ كَلَامَ اللهِ وَحَتَّى يَبْلُغَ مَأْمَنَهُ حَيْثُ جَاءَهُ۔

مجاہد نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: آپ کے پاس کوئی انسان آئے اور جو کچھ آپ فرماتے ہیں وہ سنے اور جو کچھ آپ پر نازل کیا گیا ہے اس کو سنے تو وہ امن میں ہوگا حتیٰ کہ وہ آپ کے پاس آتا رہے اور اللہ تعالیٰ کا کلام سنتا رہے اور جب تک وہ اس امن کی جگہ نہ پہنچ جائے جہاں سے وہ آیا تھا۔

علامہ عینی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ ابن بطال نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو اس وجہ سے ذکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا ہے کہ جو انسان آپ کے پاس آ کر اللہ کا کلام سنے تو اگر وہ ایمان لے آئے تو فبہا ورنہ جب تک وہ اپنی امن کی جگہ میں نہ پہنچے اس کو امن ہوگا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کے متعلق جو چاہے وہ فیصلہ فرمادے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: انسان سے مراد ہے مشرک، یعنی اگر کوئی مشرک اللہ تعالیٰ کے کلام کو سننے کا ارادہ کرے تو آپ اس کے سامنے قرآن مجید کو پیش کریں اور اس کو تبلیغ فرمائیں اور جب وہ اللہ کا کلام سن رہا ہو تو اس کو امن میں رکھیں، پس اگر اس نے اسلام

قبول کرلیا تو فبہا ورنہ وہ جس امن کی جگہ سے آیا ہے اس کو وہاں واپس لوٹا دیں۔

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

اَلنَّبَأُ الْعَظِيمُ: اَلْقُرْآنُ۔ عظیم خبر سے مراد قرآن ہے۔

علامہ عینی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ بھی مجاہد کی تفسیر ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ۝ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ۝ (النبا:۱۔۲) یہ لوگ کس چیز کے متعلق ایک دوسرے سے سوال کررہے ہیں؟ ○ عظیم خبر کے متعلق ○

علامہ کرمانی نے کہا کہ "النَّبَاِ الْعَظِيْمِ" سے مراد قرآن ہے، یعنی آپ ان کے سوال کا جواب دیجئے اور ان کی طرف قرآن کی تبلیغ کیجئے۔ علامہ ابن بطال نے کہا: قرآن مجید کو "نبأ" یعنی خبر فرمایا ہے کیونکہ قرآن مجید سے خبر دی جاتی ہے، اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب یہ لوگ آپ سے عظیم خبر کے متعلق سوال کریں تو آپ ان کو یہ جواب دیجئے اور قرآن کی ان کی طرف تبلیغ کیجئے، دوسرا قول یہ ہے کہ جو خبر برحق ہو اس کو "نبأ" کہا جاتا ہے یعنی وہ جھوٹ سے خالی ہے۔

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

صَوَابًا: حَقًّا فِي الدُّنْيَا وَعَمَلٌ بِهِ صوابا: اس سے حق بات کہنا اور اس پر عمل کرنا مراد ہے۔

علامہ عینی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ ہے:

يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۙ لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ۝ (النبا:۳۸) جس دن جبریل اور تمام فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے، اس سے کوئی بات نہیں کرسکے گا سوا اس کے جس کو رحمٰن نے اجازت دی اور اس نے صحیح بات کی ○

امام بخاری نے اس آیت کو اس لیے ذکر کیا ہے کہ امام بخاری کی عادت ہے کہ جب کوئی ایسی آیت ذکر کرتے ہیں جو ان کے مقصود پر دلالت کرے تو اس کی مناسب آیات کو بھی بالتبع ذکر کردیتے ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۲۶۲۔ ۲۶۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۰۔ بَابُ: قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا (البقرہ:۲۲)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "لہٰذا تم اللہ کے لیے شرکاء نہ بناؤ"

وَقَوْلِهِ جَلَّ ذِكْرُهُ: وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ۭ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (حم السجدہ:۹) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تم اس کے لیے شرکاء قرار دے رہے ہو، حالانکہ وہی تمام جہانوں کا رب ہے ○

وَقَوْلِهِ: وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ (الفرقان:٦٨)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت نہیں کرتے۔

وَ لَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْكَ وَ اِلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَىٕنْ اَشْرَكْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۶۵﴾ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَ كُنْ مِّنَ الشّٰكِرِیْنَ ﴿۶۶﴾ (الزمر:٦٥۔٦٦)

اور بے شک آپ کی طرف (توحید کی) وحی کی گئی ہے اور آپ سے پہلے نبیوں کی طرف کہ اگر (بالفرض) آپ نے شرک کیا تو آپ کے عمل ضرور ضائع ہو جائیں گے اور آپ ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے O بلکہ آپ اللہ ہی کی عبادت کریں اور شکر ادا کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔

بابِ مذکور کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

بندوں کے افعال کا اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور بندوں کے کسب سے متعلق ہونا

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: امام بخاری کی اس باب کو قائم کرنے سے غرض یہ ہے کہ مخلوقات کے تمام افعال اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں خواہ وہ افعال خیر ہوں یا شر ہوں سو ان سب کی اللہ تعالیٰ نے تخلیق کی ہے اور بندوں نے ان کا کسب کیا ہے اور ان میں سے کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے غیر کی طرف منسوب نہیں ہے، کیونکہ اگر کسی فعل کو اللہ تعالیٰ کے غیر کی طرف منسوب کیا جائے تو اس غیر کو اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دیا جائے گا اور فعل کی نسبت کرنے میں اللہ تعالیٰ کے مساوی قرار دیا جائے گا، اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اس ارشاد سے متنبہ فرمایا "فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا۔۔۔ (البقرہ:۲۲)" یعنی اللہ تعالیٰ تمہارا بھی خالق ہے اور تمہارے افعال کا بھی خالق ہے اور تمہارے ارزاق کا بھی خالق ہے، اس میں ان قدریہ کا رد کیا ہے جو کہتے ہیں کہ انسان اپنے افعال کا خالق ہے، اسی لیے امام بخاری نے ان آیات کا ذکر کیا جو شرکاء کی اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کے معبود ہونے کی نفی کرتی ہیں، ان آیات میں سے بعض وہ ہیں جن سے مومنین کو ڈرایا ہے اور بعض وہ ہیں جن سے کافروں اور گمراہوں کو زجر و توبیخ کی ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے اس ارشاد سے مومنین کی تحسین کی ہے "وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ۔۔۔ (الفرقان:٦٨)" یعنی وہ مومنین جو اپنی حاجات میں اس طرح اللہ تعالیٰ کے غیر کو نہیں پکارتے جس طرح بت پرست اپنی ضروریات میں بتوں کو پکارتے ہیں تا کہ وہ ان کو رزق دے اور ان کو عافیت سے رکھے، کیونکہ یہ بت ان کے لیے نہ کسی نقصان کے مالک ہیں اور نہ کسی نفع کے مالک ہیں۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۵۲۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

بابِ مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

بندوں کے افعال کا اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہونا

علامہ محمد بن یوسف الکرمانی المتوفی ۷۸۶ھ نے لکھا ہے: اس باب کے عنوان سے مقصود یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے شریک

کی نفی کی جائے، پس مناسب یہ تھا کہ امام بخاری اس کو کتاب التوحید کے اوائل میں ذکر کرتے لیکن یہاں پر یہ مقصود نہیں ہے بلکہ یہ بیان کرنا مطلوب ہے کہ بندوں کے تمام افعال اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں، کیونکہ اگر بندے اپنے افعال کے خود خالق ہوتے تو وہ تخلیق میں اللہ تعالیٰ کے انداد اور شرکاء ہو جاتے۔

اور یہ باب الجہمیہ (الجبریہ) کے رد کو بھی متضمن ہے جو کہتے ہیں کہ بندہ کی بالکل قدرت نہیں ہے، اور المعتزلہ کے رد کو بھی متضمن ہے جو کہتے ہیں کہ بندوں کے افعال کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ کا کوئی دخل نہیں ہے اور حق مذہب یہ ہے کہ یہاں پر نہ جبر ہے اور نہ قدر ہے بلکہ معاملہ ان دونوں کے درمیان میں ہے۔

پس اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ بندوں کا فعل یا تو بندوں کی قدرت سے ہوگا یا نہیں ہوگا کیونکہ نفی اور اثبات کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہے، پس اگر بندوں کے فعل میں بندوں کی قدرت ہو تو یہ وہی مذہب ہے جس کی المعتزلہ دعوت دیتے ہیں ورنہ یعنی اگر بندوں کی قدرت نہ ہو تو پھر جبر ثابت ہوگا جو کہ الجہمیہ کا قول ہے۔

اس کا جواب یہ ہے بلکہ بندہ کی قدرت ہے اور اس میں فرق اس طرح کیا جاسکتا ہے کہ کوئی آدمی مینار سے از خود چھلانگ لگائے (تو اس کے مینار سے گرنے میں اس کے کسب کا دخل ہے اور خلق اللہ تعالیٰ کی ہے) یا مینار سے اتفاقاً گر جائے (تو اس میں اس کے کسب کا بالکل دخل نہیں ہے اور یہ محض اللہ تعالیٰ کی خلق ہے) اور اس میں اس آدمی کی تاثیر نہیں ہے بلکہ یہ فعل محض اللہ تعالیٰ کی قدرت سے واقع ہوا ہے، پس اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ظہور بندہ کی قدرت کے بعد ظاہر ہوتا ہے اور بندہ کی اس قدرت کو کسب کہتے ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ بندہ کی قدرت کی تعریف یہ ہے کہ جس صفت کے اوپر بندہ کا فعل کرنا یا فعل کو ترک کرنا عادتاً مترتب ہوتا ہے اور یہ بندہ کے ارادہ کے موافق ہوتا ہے، اس کو کسب کہتے ہیں اور بندہ جس فعل کا ارادہ کرے اس فعل کو اللہ تبارک وتعالیٰ وقوع میں لے آئے اس کو خلق کہتے ہیں، اور بندوں سے آخرت میں حساب وکتاب اور جزا وسزا کا مدار بندوں کے کسب کے اوپر ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اپنی کتاب "خلق افعال العباد" میں اس مسئلہ کے بیان میں بہت تفصیل کی ہے اور قرآن مجید کی آیات اور احادیث اور آثار کی روشنی میں اس کو بیان کیا ہے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۶۰۸، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

وَقَالَ عِكْرِمَةُ: وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ۝ (یوسف:۱۰۶)

اور عکرمہ نے کہا: "اور ان میں سے اکثر لوگ اللہ پر ایمان لانے کے باوجود بھی شرک ہی کرتے ہیں ۝"

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ (الزخرف:۸۷)

اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ ان کو کس نے پیدا کیا ہے۔

مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ۔ (لقمان:۲۵)

اور "آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا ہے تو یہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے۔

فَذٰلِكَ اِيْمَانُهُمْ وَهُمْ يَعْبُدُوْنَ غَيْرَهٗ۔

پس یہ (مشرکین کا) ایمان ہے حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کے غیر کی عبادت کرتے ہیں۔

علامہ عینی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ تعلیق عکرمہ سے مروی ہے اور وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام ہیں، اور اس تعلیق کی امام طبری نے سندِ موصول کے ساتھ از ھناد بن السری از ابی الاحوص از سماک بن حرب از عکرمہ روایت کی ہے، پھر اللہ تعالیٰ کے اس قول کا ذکر کیا: ''الا وھم مشرکون۔۔۔ (مگر وہ شرک کرنے والے ہیں)'' یعنی جب لوگوں نے ان سے اللہ تعالیٰ کے متعلق سوال کیا اور اس کی صفت کے متعلق پوچھا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی صفت کے بغیر کوئی صفت بیان کی اور اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد قرار دی، اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا۔

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

وَمَا ذُكِرَ فِي خَلْقِ أَفْعَالِ الْعِبَادِ وَأَكْسَابِهِمْ لِقَوْلِهِ تَعَالَى: وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا ۞ (الفرقان:۲)

اور وہ جو بندوں کے افعال کی تخلیق اور ان کے کسب کے متعلق ذکر کیا گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اس نے ہر چیز کو پیدا کیا، پھر اس کو ایک مقرر کردہ اندازے پر رکھا O''

علامہ عینی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول پر عطفِ بیان ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ یہ باب ان احادیث کے ذکر میں ہے جو بندوں کے افعال کی تخلیق اور ان کے کسب کے متعلق ہیں۔

امام بخاری نے اس عنوان پر اس آیت سے استدلال کیا ہے ''وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ۔۔۔ (الانعام:۱۰۱)'' افعال کا خلق اللہ تعالیٰ نے کیا ہے اور کسب بندوں نے کیا ہے، کیونکہ لفظِ کُل جب نکرہ کی طرف مضاف ہو تو وہ افراد کے عموم کا تقاضا کرتا ہے۔

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: مَا تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ إِلَّا بِالْحَقِّ بِالرِّسَالَةِ وَالْعَذَابِ۔

اور مجاہد نے کہا: فرشتے جس چیز کو بھی لے کر نازل ہوتے ہیں وہ حق ہوتی ہے یعنی وہ اللہ تعالیٰ کا پیغام لے کر نازل ہوتے ہیں اور عذاب کو لے کر نازل ہوتے ہیں۔

علامہ عینی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس تعلیق کی الفریابی نے از ورقاء از ابن ابی نجیح از مجاہد سندِ موصول کے ساتھ روایت کی ہے، علامہ کرمانی نے کہا: ''ماننزل الملئكة'' (ہم جن ملائکہ کو نازل کرتے ہیں) اور اس میں یہ دلیل ہے کہ فرشتوں کا نازل ہونا اللہ تعالیٰ کے خلق اور اس کی تخلیق سے ہے، اور اگر یہ ''ماتنزل الملئكة'' ہو یعنی فرشتے صرف حق کے ساتھ نازل ہوتے ہیں تو پھر یہ فرشتوں کا کسب ہے۔

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

لِيَسْأَلَ الصَّادِقِينَ عَنْ صِدْقِهِمْ (الاحزاب:۸)، الْمُبَلِّغِينَ الْمُؤَدِّينَ مِنَ الرُّسُلِ

''تاکہ (اللہ تعالیٰ) سچوں سے ان کے سچ کے متعلق دریافت کرے''، اس سے مراد وہ مبلغین ہیں جو رسول ہیں اور پیغام پہنچاتے ہیں۔

علامہ عینی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ بھی فریابی کی اسی سند کے ساتھ تفسیر ہے، یعنی انبیاء علیہم السلام تبلیغ فرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جو پیغام انہیں دیا اسے پہنچاتے ہیں۔

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

وَإِنَّا لَهُ لَحٰفِظُوْنَ ○ (یوسف:۱۲) "بے شک ہم اس کی حفاظت فرمانے والے ہیں"۔

عِنْدَنَا ہمارے نزدیک۔

علامہ عینی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ بھی مجاہد کا قول ہے جس کی الفریابی نے سندِ مذکور کے ساتھ روایت کی ہے۔

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ (الزمر:۳۳) "اور جو صدق کو لے کر آئے" یعنی قرآنِ مجید کو۔

اَلْقُرْآنُ وَصَدَّقَ بِهِ الْمُؤْمِنُ يَقُولُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ هَذَا الَّذِي أَعْطَيْتَنِي عَمِلْتُ بِمَا فِيهِ

اور جس کی مومن نے تصدیق کی، وہ قیامت کے دن کہے گا: یہ وہ کتاب ہے جو تو نے مجھے عطا فرمائی تھی اور اس میں جو کچھ احکام دیئے گئے تھے میں نے ان پر عمل کیا۔

علامہ عینی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس تعلیق کی امام طبری نے سندِ موصول کے ساتھ از منصور بن المعتمر از مجاہد روایت کی ہے، یعنی اس سے مراد اہلِ قرآن ہیں جو قیامت کے دن قرآن مجید کے ساتھ آئیں گے اور کہیں گے: یہ وہ کتاب ہے جو آپ نے ہمیں دی تھی، اس میں جو کچھ لکھا ہوا تھا ہم نے اس پر عمل کیا اور علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ "الذی جاء بالصدق" سے مراد لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے، اور "وصدّق به" سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ "الذی جاء بالصدق" سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور "وصدق به" سے مراد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۲۶۴-۲۶۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۵۲۰۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُرَحْبِيلَ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ سَأَلْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم أَيُّ الذَّنْبِ أَعْظَمُ عِنْدَ اللهِ قَالَ أَنْ تَجْعَلَ لِلّٰهِ نِدًّا وَهُوَ خَلَقَكَ قُلْتُ إِنَّ ذٰلِكَ لَعَظِيمٌ قُلْتُ ثُمَّ أَيُّ قَالَ ثُمَّ أَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ تَخَافُ أَنْ يَطْعَمَ مَعَكَ قُلْتُ ثُمَّ أَيُّ قَالَ ثُمَّ أَنْ تُزَانِيَ بِحَلِيلَةِ جَارِكَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از منصور از ابی وائل از عمرو بن شرحبیل از حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کا شریک بناؤ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تم کو پیدا کیا ہے، میں نے کہا: یہ واقعی بہت سنگین گناہ ہے، میں نے پوچھا: پھر کونسا گناہ زیادہ بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تم اپنے بیٹے کو اس خوف سے قتل کرو کہ وہ تمہارے ساتھ کھانا کھائے

گا، میں نے پوچھا: پھر کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تم اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرو۔

(صحیح البخاری: ۴۴۷۷، ۴۷۶۱، ۶۰۰۱، ۶۸۱۱، ۶۸۶۱، ۷۵۲۰، ۷۵۳۲، صحیح مسلم: ۸۶، سنن ترمذی: ۳۱۸۲، سنن نسائی: ۴۰۱۳، سنن ابوداؤد: ۲۳۱۰، مسند احمد: ۴۱۲۰)

اس حدیث کو وارد کرنے سے غرض یہ ہے کہ اس طرف اشارہ کیا جائے کہ جس کا یہ زعم ہے کہ بندہ خود فعل کو پیدا کرتا ہے تو وہ ایسا ہو گا جیسا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے شریک بناتا ہے اور اس پر سخت وعید وارد ہے، سو یہ اعتقاد حرام ہے، اور اس حدیث کی مفصل شرح صحیح البخاری: ۴۴۷۷ میں گزر چکی ہے۔

صحیح البخاری: ۷۵۲۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ ابن الملقن نے التوضیح میں لکھا ہے: اس سے مراد وہ لڑکی ہے جس کو زندہ درگور کیا گیا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: جس لڑکی کو زندہ درگور کیا جائے اس کو عار اور غیرت کی وجہ سے قتل کیا جاتا تھا، اور اس حدیث میں مراد یہ ہے کہ جو اپنے بیٹے کو فقر اور تنگی کی وجہ سے قتل کرتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ (بنی اسرائیل: ۳۱) اور اپنی اولاد کو رزق کی تنگی کے ڈر سے قتل نہ کرو۔

اس پر یہ اعتراض ہے کہ اس حدیث کا منشا یہ ہے کہ اگر کسی نے اپنے بیٹے کو رزق کی تنگی کے ڈر سے قتل کیا اس خوف سے کہ وہ اس کے ساتھ کھائے گا تب یہ سب سے بڑا گناہ ہے، حالانکہ کوئی شخص اپنے بیٹے کو تنگی رزق کے خوف کے بغیر بھی قتل کرے پھر بھی یہ سب سے بڑا گناہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اعتراض مفہوم مخالف کے اعتبار کی بنیاد پر کیا گیا ہے، حالانکہ یہ شرط اکثر کے اعتبار سے عائد کی گئی ہے اور اس میں مفہوم مخالف کا اعتبار نہیں ہے۔

نیز اس میں فرمایا کہ تم اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرو، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے بیوی کو پیدا کیا ہے اور تم زنا کر کے رحم کو اور نسب کو منقطع کرتے ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۲۶۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۱۔ بَابُ: قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ (حم السجدہ: ۲۲)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تم اس وجہ سے اپنے گناہ نہیں چھپاتے تھے کہ تمہارے خلاف تمہارے کان، تمہاری آنکھیں اور تمہاری کھالیں گواہی دیں گی لیکن تمہارا یہ گمان تھا کہ تم جو کچھ کام کر رہے ہو ان میں سے اکثر کو اللہ نہیں جانتا ○

باب مذکور کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے سننے اور اس کی صفتِ سماعت کا ثبوت

امام بخاری کی اس باب کے لکھنے سے غرض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے سننے کو ثابت کیا جائے اور کلام کی نیت کے علم کو ثابت کیا جائے جیسا کہ اس آیت میں ہے اور قرآن مجید کی دیگر آیات میں بھی ہے، اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ سمیع ہے تو واجب ہے کہ وہ کلام کو سنتا ہو جیسا کہ جب اللہ تعالیٰ عالم ہے تو واجب ہے کہ اس کو معلومات کا علم ہو، اس کے برخلاف المعتزلہ نے اللہ تعالیٰ کی صفات کا انکار کیا اور انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے سمیع ہونے کا معنی یہ ہے کہ اس کو مسموعات کا علم ہے اور وہ سنتا نہیں ہے اور نہ وہ حقیقتاً سامع ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت پر سخت طعن ہے، اور اس سے یہ لازم آتا ہے کہ مخلوق کا وصف خالق سے زیادہ کامل ہو کیونکہ مخلوق میں سے سننے والا جب کسی چیز کو سنتا ہے اور اس کو اس کا علم بھی ہوتا ہے تو اس کے لیے سننا بھی ثابت ہوتا ہے اور مسموعات کا علم بھی ثابت ہوتا ہے، اسی طرح جب کوئی کسی چیز کو دیکھتا ہے تو اس کے لیے اس چیز کا دیکھنا بھی ثابت ہوتا ہے اور مبصرات کا علم بھی ثابت ہوتا ہے، اور اگر اللہ تعالیٰ نہ سنتا ہو نہ دیکھتا ہو صرف اس کو مسموعات اور مبصرات کا علم ہو تو اس سے لازم آئے گا کہ مخلوق کا مرتبہ خالق سے زیادہ ہے بلکہ العیاذ باللہ اللہ تعالیٰ بہرہ کی طرح ہو۔

(شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۵۲۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۷۵۲۱۔ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا مَنْصُورٌ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ أَبِي مَعْمَرٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ رضی اللہ عنہ قَالَ اجْتَمَعَ عِنْدَ الْبَيْتِ ثَقَفِيَّانِ وَقُرَشِيٌّ أَوْ قُرَشِيَّانِ وَثَقَفِيٌّ كَثِيرَةٌ شَحْمُ بُطُونِهِمْ قَلِيلَةٌ فِقْهُ قُلُوبِهِمْ فَقَالَ أَحَدُهُمْ أَتَرَوْنَ أَنَّ اللهَ يَسْمَعُ مَا نَقُولُ قَالَ الْآخَرُ يَسْمَعُ إِنْ جَهَرْنَا وَلَا يَسْمَعُ إِنْ أَخْفَيْنَا وَقَالَ الْآخَرُ إِنْ كَانَ يَسْمَعُ إِذَا جَهَرْنَا فَإِنَّهُ يَسْمَعُ إِذَا أَخْفَيْنَا فَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى ﴿وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُونَ أَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ أَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ﴾ الآيَةَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں الحمیدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں منصور نے حدیث بیان کی از مجاہد از ابی معمر از حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ بیت اللہ کے قریب دو ثقفی اور ایک قریشی یا یہ کہا کہ دو قریشی اور ایک ثقفی جمع ہوئے جن کے پیٹ کی چربی بہت زیادہ تھی (یعنی ان کی توند بہت بڑی تھی) اور ان کے دلوں میں سمجھ کی بہت کمی تھی، ان میں سے ایک نے کہا: کیا تمہاری رائے ہے کہ اللہ تعالیٰ وہ سب کچھ سنتا ہے جو کچھ ہم کہتے ہیں، اور دوسرے نے کہا: اگر ہم بلند آواز سے کہیں تو اللہ سنتا ہے اور اگر ہم آہستہ آواز سے کہیں تو وہ نہیں سنتا، اور دوسرے نے کہا: اگر وہ ہماری بلند آواز کو سن لیتا ہے تو وہ ہماری پست آواز کو بھی سنے گا، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

"اور تم اس وجہ سے اپنے گناہ نہیں چھپاتے تھے کہ تمہارے خلاف تمہارے کان، تمہاری آنکھیں اور تمہاری کھالیں گواہی دیں گی"۔ (حم السجدہ:۲۲)

(صحیح البخاری:۴۸۱۶، ۴۸۱۷، ۷۵۲۱، صحیح مسلم:۲۷۷۵، سنن ترمذی:۳۲۴۹، مسند احمد:۴۲۲۶)

حدیث مذکور کے فوائد

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے سننے کا ذکر ہے اور اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے صفتِ سماعت ثابت ہے، نیز اس حدیث میں قیاسِ صحیح کو ثابت کرنا ہے اور قیاسِ فاسد کو باطل کرنا ہے، کیونکہ جس نے یہ کہا کہ جب اللہ تعالیٰ ہماری بلند آواز سے کہی ہوئی بات کو سن لیتا ہے تو وہ ضرور ہماری آہستہ کی ہوئی بات کو بھی سن لے گا، تو اس شخص کا قیاس صحیح تھا اور جس نے یہ کہا کہ ہم بلند آواز سے بات کریں تو اللہ تعالیٰ سن لیتا ہے اور آہستہ آواز سے بات کریں تو اللہ تعالیٰ نہیں سنتا، تو اس کا قیاس فاسد ہے۔

۴۲۔ بَابُ: قَوْلِ اللهِ تَعَالٰی: كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ ﴿۲۹﴾ (الرحمٰن:۲۹)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ ہر آن نئی شان میں ہے O

مَا يَأْتِيهِم مِّن ذِكْرٍ مِّن رَّبِّهِم مُّحْدَثٍ (الانبیاء:۲)

ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے جو بھی نئی نصیحت آتی ہے۔

وَقَوْلِهِ تَعَالٰی: لَعَلَّ اللَّهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَٰلِكَ أَمْرًا ﴿۱﴾ (الطلاق:۱)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: شاید اس کے بعد اللہ تعالیٰ کوئی نئی صورت پیدا فرمادے O

وَأَنَّ حَدَثَهُ لَا يُشْبِهُ حَدَثَ الْمَخْلُوقِينَ لِقَوْلِهِ تَعَالٰی: لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۖ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴿۱۱﴾ (الشوریٰ:۱۱)

اور بے شک اللہ تعالیٰ کا کسی نئے حکم کو بھیجنا مخلوق کے کلام حادث کے مشابہ نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اس کی مثل کوئی چیز نہیں ہے، وہ ہر بات کو سننے والا، ہر چیز کو دیکھنے والا ہے O"

وَقَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: إِنَّ اللهَ يُحْدِثُ مِنْ أَمْرِهِ مَا يَشَاءُ وَإِنَّ مِمَّا أَحْدَثَ أَنْ لَا تَكَلَّمُوا فِي الصَّلَاةِ۔

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا: بے شک اللہ عزوجل اپنے احکام میں سے جو چاہے نیا حکم نازل فرماتا ہے، اور بے شک اس نے جو نئے احکام نازل کیے ہیں ان میں سے یہ ہے کہ تم نماز میں کلام نہ کرو۔

بابِ مذکور کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

معتزلہ کا اللہ تعالیٰ کے کلام کو حادث قرار دینا اور اس کا ابطال

ان آیات میں جو حدوث کا لفظ آیا ہے، اس سے مراد نیا حکم ہے اور اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے کلام کا حادث ہونا نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا کلام اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کے کلام کو حادث قرار دینا جائز نہیں ہے۔ (شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۱۰

۵۲۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہر دن ایک نئی شان ہے، وہ کسی کو عزت دیتا ہے اور کسی کو پست کرتا ہے، کسی کو زندہ کرتا ہے اور کسی کو مار دیتا ہے، کسی کو جھکا تا ہے اور کسی کو بلند کرتا ہے، اور کسی کے گناہ کو بخش دیتا ہے، کسی سے مصیبت کو زائل کر دیتا ہے، کسی کی دعا کو قبول کرتا ہے، غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ ہر روز ایک نئی شان میں ہے۔

معتزلہ قرآنِ مجید کو حادث قرار دیتے ہیں، اور ان کا استدلال درجِ ذیل آیت سے ہے:

مَا يَأْتِيهِم مِّن ذِكْرٍ مِّن رَّبِّهِم مُّحْدَثٍ (الانبیاء: ۲) ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے جو بھی نئی نصیحت آتی ہے۔

معتزلہ نے یہ کہا کہ ذکر سے مراد قرآن ہے، اور اس آیت میں یہ بیان کیا ہے کہ ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے جو حادث قرآن آتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ان کا یہ کہنا غلط ہے، کیونکہ اس ذکر سے مراد قرآنِ مجید نہیں ہے بلکہ اس ذکر سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایک اور آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی ذکر فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قَدْ أَنزَلَ اللَّهُ إِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۝ رَّسُولًا (الطلاق: ۱۰-۱۱) بے شک اللہ نے تمہاری طرف (سراپا) نصیحت نازل کی ہے ○ جو رسول ہے۔

اس لیے الانبیاء: ۲ کا معنی اس طرح ہے کہ ذکر سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وعظ اور آپ کی نصیحت ہے اور آپ کا مسلمانوں کو نافرمانیوں سے ڈرانا ہے، پس اس وعظ کو ذکر فرمایا، یعنی لوگوں کے پاس جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نئی نصیحت آتی ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قرآن مجید تدریجاً نازل ہوا تھا، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وقفہ وقفہ سے اللہ تعالیٰ کے احکام بیان فرماتے تھے۔

نیز ذکر علم کے معنی میں بھی آتا ہے جیسے قرآن مجید میں ہے:

فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝ (النحل: ۴۳) اگر تم لوگ نہیں جانتے تو اہل ذکر (اہل کتاب) سے پوچھ لو ○

اس آیت میں ذکر سے مراد علم ہے، اور جب ذکر متعدد معانی میں مستعمل ہے تو یہاں پر ذکر سے مراد قرآن مجید کو لینا بلا دلیل ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۲۶۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۵۲۲۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَنَا حَاتِمُ بْنُ وَرْدَانَ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ كَيْفَ تَسْأَلُونَ أَهْلَ الْكِتَابِ عَنْ كُتُبِهِمْ وَعِنْدَكُمْ كِتَابُ اللَّهِ أَقْرَبُ الْكُتُبِ عَهْدًا بِاللَّهِ تَقْرَءُونَهُ مَحْضًا لَمْ يُشَبْ۔

(صحیح البخاری: ۲۶۸۵، ۷۳۶۳، ۷۵۲۲، ۷۵۲۳)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حاتم بن وردان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ایوب نے حدیث بیان کی از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں: تم اہلِ کتاب سے ان کی کتابوں کے متعلق کیوں سوال کرتے ہو حالانکہ تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی کتاب موجود ہے جو زمانہ کے

اعتبار سے تمام کتابوں میں سب سے زیادہ قریب ہے، تم اس کو پڑھتے ہو اور وہ خالص ہے اس میں کوئی ملاوٹ نہیں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اقرب الکتب" یعنی دیگر آسمانی کتابوں کے بعد میں یہ کتاب نازل ہوئی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "لم یُشب" یعنی اس کتاب میں قرآن مجید کے ساتھ غیرِ قرآن کو نہیں ملایا گیا جیسا کہ یہود نے تورات میں تحریف کر دی تھی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۲۰۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۵۲۳۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ قَالَ يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِينَ كَيْفَ تَسْأَلُونَ أَهْلَ الْكِتَابِ عَنْ شَيْءٍ وَكِتَابُكُمُ الَّذِي أَنْزَلَ اللهُ عَلَى نَبِيِّكُمْ صلی اللہ علیہ وسلم أَحْدَثُ الْأَخْبَارِ بِاللهِ مَحْضًا لَمْ يُشَبْ وَقَدْ حَدَّثَكُمُ اللهُ أَنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ بَدَّلُوا مِنْ كُتُبِ اللهِ وَغَيَّرُوا فَكَتَبُوا بِأَيْدِيهِمُ الْكُتُبَ قَالُوا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللهِ لِيَشْتَرُوا بِذَلِكَ ثَمَنًا قَلِيلًا أَوَلَا يَنْهَاكُمْ مَا جَاءَكُمْ مِنَ الْعِلْمِ عَنْ مَسْأَلَتِهِمْ فَلَا وَاللهِ مَا رَأَيْنَا رَجُلًا مِنْهُمْ يَسْأَلُكُمْ عَنِ الَّذِي أُنْزِلَ عَلَيْكُمْ۔ (صحیح البخاری: ۲۶۸۵، ۷۳۶۳، ۷۵۲۲، ۷۵۲۳)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے عبید اللہ بن عبد اللہ نے خبر دی، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ اے مسلمانوں کی جماعت! تم اہلِ کتاب سے کسی مسئلہ کے متعلق کیوں سوال کرتے ہو حالانکہ تمہاری جس کتاب کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی سب سے نئی اور تازہ خبر ہے، وہ خالص ہے اس میں کوئی ملاوٹ نہیں ہے؟ اور بے شک تمہیں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اہلِ کتاب نے اللہ تعالیٰ کی کتابوں میں تبدیلی کر دی اور تغیر کر دیا، پس انہوں نے اپنے ہاتھوں سے لکھا اور کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تاکہ وہ اس کے بدلہ میں تھوڑی قیمت لیتے، اور کیا تمہارے پاس یہ علم نہیں پہنچا جس میں ان سے سوالات کرنے سے منع فرمایا ہے، پس اللہ کی قسم! ہم نے اہلِ کتاب میں سے کسی مرد کو نہیں دیکھا جو تم سے اس چیز کے متعلق سوال کرتا ہو جو تم پر نازل کی گئی ہے۔

صحیح البخاری: ۷۵۲۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مشکل الفاظ کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "احدث الاخبار" یعنی جس کتاب میں سب سے تازہ اور نئی خبریں ہیں، یعنی لفظاً نئی خبریں ہیں کیونکہ قرآن مجید تو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور وہ اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے، یا اس کا معنی یہ ہے کہ اس میں جو خبریں نازل ہوئی ہیں وہ نئی خبریں ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''وقد حدثکم اللہ'' یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ بیان فرمادیا ہے کہ اہلِ کتاب نے اپنی کتابوں میں تبدیلی اور تحریف کرلی ہے جیسا کہ درجِ ذیل آیت میں ذکر ہے:

فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتٰبَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيلًا فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُونَ (البقرہ:۷۹)

پس عذاب ہے ان لوگوں کے لیے جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے تاکہ اس کے بدلہ میں تھوڑی قیمت لیں، سو ان کے لیے عذاب ہے کہ انہوں نے اپنے ہاتھوں سے لکھا اور جو کچھ انہوں نے کمایا اس کے سبب سے ان کو عذاب ہوگاO

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''فلا واللہ ما راینا رجلا'' یعنی اللہ کی قسم! ہم نے اہلِ کتاب میں سے کسی مرد کو نہیں دیکھا جو ان سے تمہاری کتابوں کے متعلق سوال کرتا ہو، اور کتاب الاعتصام کے آخر میں یہ حدیث گزری ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہلِ کتاب سے کسی چیز کے متعلق سوال نہ کرو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۲۰۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۴۳۔ بَابُ: قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ (القیامۃ:۱۶)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ (قرآن کو یاد کرنے کے لیے) (عجلت سے) اپنی زبان کو حرکت نہ دیں

وَفِعْلِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم حِينَ يُنْزَلُ عَلَيْهِ الْوَحْيُ۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل جب آپ پر وحی نازل ہوتی۔

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں اللہ عزوجل کے اس ارشاد کا بیان کیا گیا ہے کہ آپ قرآن پڑھتے وقت اپنی زبان کو جلدی جلدی حرکت نہ دیں، اور امام بخاری کی اس سے غرض یہ ہے کہ جب انسان پڑھتا ہے اور اپنے ہونٹوں کو اور زبان کو حرکت دیتا ہے تو یہ اس کا وہ عمل ہے جس پر اجر دیا جاتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبریل علیہ السلام کے قرآن پڑھتے وقت اپنی زبان کو حرکت دیتے تھے تاکہ آپ حضرت جبریل علیہ السلام سے جو کچھ قراءت سنتے تھے اسے سن کر جلدی جلدی پڑھ لیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے منع فرمایا اور اس طرح پڑھنے سے جو آپ کو تکلیف اور مشقت ہوتی تھی اس کو آپ سے اٹھالیا اور اللہ تعالیٰ نے اس بات کی ضمانت دی کہ آپ یاد کرنے کے لیے جلدی جلدی پڑھتے ہیں تو اس کا یاد کرانا اور اس کو آپ کے سینہ میں جمع کرانا یہ ہمارے ذمہ کرم ہے۔

بابِ مذکور کی تعلیق

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

وَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: أَنَا مَعَ عَبْدِي حَيْثُمَا ذَكَرَنِي وَتَحَرَّكَتْ بِي شَفَتَاهُ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: میں اپنے بندہ کے ساتھ ہوتا ہوں جہاں بھی وہ میرا ذکر کرتا ہے اور میرے ذکر سے اس کے ہونٹ ہلتے ہیں۔

باب مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

علامہ عینی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس تعلیق میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "میں اپنے بندہ کے ساتھ ہوں" اس سے مراد یہ ہے کہ میری رحمت اس کے ساتھ ہے، اور معیت سے مراد معیت رحمت ہے، نیز قرآن مجید میں ہے:

وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ (الحدید:۴) اور وہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں بھی ہو۔

اس آیت میں معیت سے مراد معیت علمی ہے یعنی تم جہاں بھی ہو اللہ تعالیٰ کو تمہارا علم ہے۔

اس کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ جس زمانہ میں بندہ میرا ذکر کرتا ہے اور مجھے یاد کرتا ہے تو میری رحمت اس کے ساتھ ہوتی ہے یہ معنی نہیں ہے کہ میری ذات اس کے ساتھ ہوتی ہے۔

نیز اس تعلیق میں ارشاد ہے "جب میرے ذکر کے ساتھ اس کے ہونٹ ہلتے ہیں" یعنی میرے نام کے ساتھ اس کے ہونٹ ہلتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا کسی جگہ میں حلول کرنا محال ہے اور منہ میں اس کا وجود محال ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۱۷۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۵۲۴۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ مُوسَى بْنِ أَبِي عَائِشَةَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ﴾ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يُعَالِجُ مِنَ التَّنْزِيلِ شِدَّةً وَكَانَ يُحَرِّكُ شَفَتَيْهِ فَقَالَ لِي ابْنُ عَبَّاسٍ فَأَنَا أُحَرِّكُهُمَا لَكَ كَمَا كَانَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم يُحَرِّكُهُمَا فَقَالَ سَعِيدٌ أَنَا أُحَرِّكُهُمَا كَمَا كَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يُحَرِّكُهُمَا فَحَرَّكَ شَفَتَيْهِ فَأَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ ۝ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ۝﴾ قَالَ جَمْعُهُ فِي صَدْرِكَ ثُمَّ تَقْرَؤُهُ ﴿فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ۝﴾ قَالَ فَاسْتَمِعْ لَهُ وَأَنْصِتْ ﴿ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا﴾ أَنْ تَقْرَأَهُ قَالَ فَكَانَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِذَا أَتَاهُ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ اسْتَمَعَ فَإِذَا انْطَلَقَ جِبْرِيلُ قَرَأَهُ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم كَمَا أَقْرَأَهُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو عوانہ نے حدیث بیان کی از موسیٰ بن ابی عائشہ از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد "لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ ... (القیامۃ:۱۶)" کی تفسیر میں بیان کیا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تو اس وحی کے حصول میں بہت مشقت اٹھاتے تھے اور آپ اپنے ہونٹوں کو ہلاتے تھے، پس حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مجھ سے کہا: میں تمہارے لیے اپنے ہونٹوں کو اس طرح ہلاتا ہوں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ہونٹوں کو ہلاتے تھے، اور سعید نے کہا: میں ان ہونٹوں کو اس طرح ہلاتا ہوں جس طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ان ہونٹوں کو ہلاتے تھے، پس انہوں نے اپنے ہونٹوں کو ہلایا، پس اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی:

"آپ (قرآن کو یاد کرنے کے لیے) عجلت سے اپنی زبان کو حرکت نہ دیں ۝ بے شک اس کو (آپ کے سینہ میں) جمع کرنا اور آپ کو اس کا پڑھانا ہماری ذمہ داری ہے ۝"

(القیامہ:۱۶-۱۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: قرآن کو آپ کے سینہ میں جمع کرنا، پھر آپ اس کو پڑھیں:
''سو جب ہم اس کو پڑھ چکیں تو آپ اس پڑھے ہوئے کی اتباع کریں O'' (القیامہ:۱۸)
فرمایا: پس آپ قرآن مجید کو سنیں اور خاموش رہیں، ''پھر بے شک ہمارے ذمہ ہے قرآن کو جمع کرنا کہ آپ اس کو پڑھیں'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بتایا، پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جبریل علیہ السلام آتے (تو آپ) غور سے سنتے، اور جب حضرت جبریل علیہ السلام چلے جاتے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس نازل کیے ہوئے قرآن کو اسی طرح پڑھتے جس طرح حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کو پڑھایا تھا۔

(صحیح البخاری:۵،۴۹۲۷،۴۹۲۸،۴۹۲۹،۵۰۴۴،۷۵۲۴، صحیح مسلم:۴۴۸، سنن ترمذی:۳۳۲۹، سنن نسائی:۹۳۵، مسند احمد:۳۱۸۱)

صحیح البخاری: ۷۵۲۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حصولِ وحی کی کیفیت اور قراءت کا حادث ہونا اور مقروء کا قدیم ہونا

اس حدیث کی شرح صحیح البخاری کے اول میں گزر چکی ہے اور یہاں اس حدیث کو وارد کرنے سے مقصود یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت جبریل علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کے کلام کو کس طرح حاصل کرتے تھے۔ اور تعلیق کی حدیث اور متن کی حدیث دونوں سے امام بخاری کی مراد ان لوگوں کا رد کرنا ہے جو کہتے ہیں کہ قرآن پڑھنے والے کی قراءت قدیم ہے، پس امام بخاری نے یہ ظاہر کیا کہ قرآن پڑھنے سے زبان کی حرکت ہوتی ہے اور یہ قرآن پڑھنے والے کا فعل ہے اور وہ حادث ہے، اس کے برخلاف المقروء یعنی جس کی قراءت کی جاتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور قدیم ہے جیسے کوئی انسان اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کے لیے زبان کو حرکت دے تو اس کا یہ حرکت دینا اس کا فعل ہے اور حادث ہے اور جس کا وہ ذکر کر رہا ہے وہ اللہ تعالیٰ ہے اور قدیم ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۲۷۱۔۲۷۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۴۔ بَابُ: قَوْلِ اللهِ تَعَالٰى: وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِاجْهَرُوْا بِهٖ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۳﴾ اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۴﴾ (الملک:۱۳۔۱۴)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تم چھپا کر بات کرو یا ظاہر کر کے، بے شک وہ دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے O کیا وہ نہیں جانتا جس کو اس نے پیدا کیا ہے حالانکہ وہ بہت باریک بین اور بہت خبر رکھنے والا ہے O

يَتَخَافَتُونَ: يَتَسَارُّونَ
''یتخافتون'' کا معنی ہے: چپکے چپکے باتیں کرتے ہیں۔

بابِ مذکور کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے علم کا اس کی صفت ذات ہونا

اس باب سے مقصود یہ ہے کہ یہ بیان کیا جائے کہ علم اللہ تعالیٰ کی ذات کی صفت ہے، کیونکہ کوئی بات بلند آواز سے کہی جائے یا پست آواز سے، اللہ تعالیٰ کے لیے اس کا سننا برابر ہے جیسا کہ درج ذیل آیت میں ارشاد ہے:

سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَ مَنْ جَهَرَ بِهٖ وَ مَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۭ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ۝ (الرعد:۱۰)
تم میں سے کوئی آہستہ بات کرتا ہے یا زور سے بولتا ہے، وہ رات کو چھپ جائے یا دن میں چلنے والا ہو، اس کے علم میں برابر ہے O

یہ جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''الا یعلم من خلق'' (کیا وہ نہیں جانتا جس کو اس نے پیدا کیا ہے)، اس آیت میں خلق کا تعلق قول کے ساتھ ہے، یعنی لوگوں کے اقوال اور ان کی باتوں کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہے، اور اس میں یہ دلیل ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ لوگوں کے اقوال کا خالق ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ لوگوں کے افعال کا بھی خالق ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۵۳۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۷۵۲۵۔ حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ زُرَارَةَ عَنْ هُشَيْمٍ أَخْبَرَنَا أَبُو بِشْرٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما فِي قَوْلِهِ تَعَالَى ﴿وَ لَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَ لَا تُخَافِتْ بِهَا﴾ قَالَ نَزَلَتْ وَرَسُولُ اللهِ ﷺ مُخْتَفٍ بِمَكَّةَ فَكَانَ إِذَا صَلَّى بِأَصْحَابِهِ رَفَعَ صَوْتَهُ بِالْقُرْآنِ فَإِذَا سَمِعَهُ الْمُشْرِكُونَ سَبُّوا الْقُرْآنَ وَمَنْ أَنْزَلَهُ وَمَنْ جَاءَ بِهِ فَقَالَ اللهُ لِنَبِيِّهِ ﷺ ﴿وَ لَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ﴾ أَيْ بِقِرَاءَتِكَ فَيَسْمَعَ الْمُشْرِكُونَ فَيَسُبُّوا الْقُرْآنَ ﴿وَ لَا تُخَافِتْ بِهَا﴾ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا عَنْ أَصْحَابِكَ فَلَا تُسْمِعُهُمْ ﴿وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا۝﴾

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے عمرو بن زرارہ نے حدیث بیان کی از ہشیم، انہوں نے بیان کیا کہ ہمیں ابو بشر نے خبر دی از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد:

''اور آپ نماز میں نہ بہت بلند آواز سے قرآن پڑھیں اور نہ بہت پست آواز سے'' (بنی اسرائیل:۱۱۰)

کی تفسیر میں بیان کیا کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب رسول اللہ ﷺ مکہ میں چھپے ہوئے تھے، پس جب آپ اپنے اصحاب کو نماز پڑھاتے تو بلند آواز سے قرآن پڑھتے، پھر جب مشرکین قرآن کو سنتے تو قرآن کو برا کہتے اور قرآن کے نازل کرنے والے کو برا کہتے اور جو قرآن لے کر آیا اس کو برا کہتے، تو اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ سے ارشاد فرمایا ''وَ لَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ۔۔۔۔ (بنی اسرائیل:۱۱۰)'' یعنی قرآن پڑھتے وقت، پس مشرکین قرآن کو سنیں گے تو قرآن کو برا کہیں گے، ''وَ لَا تُخَافِتْ بِهَا'' یعنی آپ قرآن

مجید کو اتنا چپکے چپکے نہ پڑھیں کہ آپ اپنے اصحاب کو نہ سنا سکیں، ''وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا'' (اور ان دونوں کے درمیان طریقہ اختیار کریں۔

(صحیح البخاری: ۴۷۲۲، ۷۴۹۰، ۷۵۲۵، ۷۵۴۷، صحیح مسلم: ۴۴۶، سنن ترمذی: ۳۱۴۶، سنن نسائی: ۱۰۱۱، مسند احمد: ۱۵۶)

صحیح البخاری: ۷۵۲۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ایک سوال کا جواب

جب آپ کفار سے چھپے ہوئے تھے تو پھر آپ نماز میں بلند آواز سے قرآن کیوں پڑھتے تھے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ بلند آواز سے قرآن نہ پڑھیں، کیونکہ یہ تو آپ کے چھپنے کے منافی ہے۔

اس کا یہ جواب ہے کہ آپ بلند آواز کے مشابہ پڑھتے تھے، یا جب آپ نماز میں اللہ تعالیٰ سے مناجات کی آیات پڑھتے تو آپ ان کے معانی میں مستغرق ہو جاتے اور پھر آپ کو یہ اختیار نہ رہتا کہ آپ آہستہ قراءت کریں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۲۷۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۵۲۶۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ ﴿وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا﴾ فِي الدُّعَاءِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبید بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو اسامہ نے حدیث بیان کی از ہشام از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ یہ آیت:

''اور آپ نماز میں نہ بہت بلند آواز سے قرآن پڑھیں اور نہ بہت پست آواز سے'' (بنی اسرائیل: ۱۱۰)

دعا کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

(صحیح البخاری: ۴۷۲۳، ۶۳۲۷، ۷۵۲۶، صحیح مسلم: ۴۴۷، موطا امام مالک: ۵۰۵)

اس حدیث پر یہ اشکال ہے کہ قرآن مجید میں تو نماز کے متعلق حکم دیا ہے کہ بلند آواز سے قراءت نہ کریں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ یہ آیت دعا کے متعلق نازل ہوئی کہ آپ بہت زیادہ بلند آواز کے ساتھ دعا نہ کریں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں صلوٰۃ کا لفظ ہے اور دعا نماز کا جزو ہے تو گویا یہاں پر کل کا اطلاق کیا گیا ہے اور اس سے جزو کا ارادہ کیا گیا ہے۔

۷۵۲۷۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ أَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو عاصم نے حدیث

هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَتَغَنَّ بِالْقُرْآنِ وَزَادَ غَيْرُهُ يَجْهَرُ بِهِ۔

(سنن ابوداؤد: ۱۴۶۹، مسند احمد: ۹۷۱۴، سنن دارمی: ۱۴۹۰)

بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن جریج نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن شہاب نے خبر دی از ابوسلمہ از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص قرآن مجید کو خوش الحانی کے ساتھ نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں ہے اور دوسروں نے یہ اضافہ کیا جو قرآن مجید کو بلند آواز سے نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

علامہ شہاب الدین ابو العباس احمد القسطلانی المتوفی ۹۱۱ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قرآن مجید کی خوش الحانی کے ساتھ تلاوت کرنے کا محمل

اس حدیث میں مذکور ہے "جو شخص قرآن مجید کو خوش الحانی کے ساتھ نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں ہے"۔ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ ہمارے طریقہ محمودہ پر نہیں ہے، یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ ہمارے دین پر نہیں ہے۔ اکثر علماء نے یہ کہا ہے کہ تغنی کا معنی ہے: قرآن مجید کو خوش الحانی اور عمدہ آواز کے ساتھ پڑھنا، اور سفیان بن عیینہ نے کہا ہے: اس کا معنی یہ ہے کہ جو شخص قرآن مجید کی وجہ سے لوگوں سے مستغنی نہ ہو وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ اور بعض علماء نے کہا: اس سے مراد یہ ہے کہ جو قرآن مجید کو بلند آواز سے نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

اس باب کے قائم کرنے سے امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ لوگ قرآن مجید کو آہستہ آواز کے ساتھ بھی پڑھتے ہیں اور بلند آواز کے ساتھ بھی پڑھتے ہیں اور ان کا آہستہ یا بلند آواز کے ساتھ پڑھنا ان کا فعل ہے اور ان کا فعل مخلوق ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ قراءت مخلوق ہے اور بندوں کے افعال مخلوق ہیں اور مقرو یعنی اللہ تعالیٰ کا کلام وہ قدیم ہے جس کو پڑھا جاتا ہے۔

(ارشاد الساری ج ۱۵ ص ۵۸۳، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۴۵۔ باب: قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ رَجُلٌ آتَاهُ اللهُ الْقُرْآنَ فَهُوَ يَقُومُ بِهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ وَرَجُلٌ يَقُولُ لَوْ أُوتِيتُ مِثْلَ مَا أُوتِيَ هَذَا فَعَلْتُ كَمَا يَفْعَلُ فَبَيَّنَ أَنَّ قِيَامَهُ بِالْكِتَابِ هُوَ فِعْلُهُ

نبی ﷺ کا یہ ارشاد کہ ایک مرد کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید عطا فرمایا، پس وہ اس کی تلاوت کے ساتھ رات کے اوقات میں اور دن کے اوقات میں نمازوں میں قیام کرتا ہے اور ایک مرد یہ کہتا ہے کہ اگر مجھے بھی اس کی مثل دی جائے جیسی اس شخص کو دی گئی ہے تو میں بھی اسی طرح کرتا ہوں جس طرح یہ کرتا ہے، پس یہ بیان کیا کہ مرد کا رات کو کتاب اللہ کے ساتھ قیام کرنا اس کا فعل ہے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کو قائم کرنے سے امام بخاری کی غرض یہ ہے کہ بندوں کا قول اور ان کا فعل بندوں کی طرف منسوب ہوتا ہے اور بندے مخلوق ہیں اور ان کے اقوال اور افعال بھی مخلوق ہیں، اور اس حدیث میں جو ذکر ہے کہ جو نعمت فلاں شخص کو دی گئی ہے اگر وہ نعمت مجھے بھی دی جاتی تو میں بھی اس نعمت میں اسی طرح کرتا جیسا کہ وہ کرتا ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی تلاوت کی نعمت عطا فرمائی اگر مجھے بھی اس طرح قرآن مجید کی تلاوت کی نعمت عطا فرماتا تو میں بھی اسی طرح کرتا، اور مجھے بھی اللہ تعالیٰ مال کی نعمت عطا فرماتا تو میں بھی اس مال کو نیکی کے راستہ میں اس طرح خرچ کرتا جس طرح وہ خرچ کرتا ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَ مِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ (الروم:۲۲)

اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش ہے اور تمہاری زبانوں اور تمہارے رنگوں کا اختلاف ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے "تمہاری زبانوں میں اختلاف ہے" اس سے مراد ہے یعنی تمہاری بولیوں میں اور تمہاری لغات میں اختلاف ہے، کیونکہ لوگوں کی زبانوں میں جو اختلاف ہے، وہ زبان کے عضو مخصوص میں اختلاف نہیں ہے بلکہ وہ یہ اختلاف ہے کہ مختلف لوگ مختلف بولیاں بولتے ہیں اور اسی میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں۔

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

وَقَالَ جَلَّ ذِكْرُهٗ: وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (الحج:۷۷)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور نیکی کے کام کرو تا کہ تم کامیاب ہو O

اس آیت میں فرمایا ہے "اور تم خیر کا فعل کرو" یہ عام ہے یعنی قرآن مجید کی تلاوت کرو، اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۲۷۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۷۵۲۸۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ لَا تَحَاسُدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ رَجُلٌ آتَاهُ اللهُ الْقُرْآنَ فَهُوَ يَتْلُوْهُ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ فَهُوَ يَقُوْلُ لَوْ أُوْتِيْتُ مِثْلَ مَا أُوْتِيَ هٰذَا لَفَعَلْتُ كَمَا يَفْعَلُ وَرَجُلٌ آتَاهُ اللهُ مَالًا فَهُوَ يُنْفِقُهُ فِي حَقِّهِ فَيَقُوْلُ لَوْ أُوْتِيْتُ مِثْلَ مَا أُوْتِيَ عَمِلْتُ فِيْهِ مِثْلَ مَا يَعْمَلُ۔

(صحیح البخاری: ۵۰۲۶، ۷۲۳۲، ۷۵۲۸، مسند احمد: ۹۸۵۷)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از الاعمش از ابوصالح از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: صرف دو شخصوں میں حسد کرنا جائز ہے، ایک وہ مرد جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی تلاوت کی نعمت عطا فرمائی سو وہ دن اور رات کے اوقات میں قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے، پس وہ کہتا ہے: اگر مجھے اس نعمت کی مثل دی جائے جو اس مرد کو نعمت دی گئی ہے تو میں بھی اسی طرح کروں گا جس طرح

وہ کرتا ہے اور دوسرا وہ مرد ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مال عطا فرمایا سو وہ اس کو حق کے راستوں میں خرچ کرتا ہے پس وہ کہتا ہے: اگر مجھے اس کی مثل مال دیا جائے تو میں اس میں اس طرح عمل کروں گا جس طرح وہ عمل کرتا ہے۔

صحیح البخاری: ۷۵۲۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

کسی کی نعمت پر حسد کرنے کی تحقیق

حسد کا معنی یہ ہے کہ انسان کسی شخص کے پاس کوئی نعمت دیکھ کر یہ تمنا کرے کہ مجھے یہ نعمت ملے یا نہ ملے اس شخص کی یہ نعمت زائل ہو جائے اور حسد تو مطلقاً جائز نہیں ہے، کیونکہ حسد نیکی کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے تو پھر اس حدیث میں یہ کیسے فرمایا کہ صرف دو نعمتوں پر حسد کرنا جائز ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں حسد سے مراد غبطة ہے یعنی رشک کرنا، اور رشک کا معنی یہ ہے کہ انسان کسی شخص کے پاس نعمت دیکھ کر یہ تمنا کرے کہ اس شخص کی یہ نعمت قائم رہے اور مجھے بھی اللہ تعالیٰ یہ نعمت عطا فرمائے، سو اس حدیث میں حسد رشک کے معنی میں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۲۷۴۔ ۲۷۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۵۲۹۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ الزُّهْرِيُّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ رَجُلٌ آتَاهُ اللهُ الْقُرْآنَ فَهُوَ يَتْلُوهُ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ وَرَجُلٌ آتَاهُ اللهُ مَالًا فَهُوَ يُنْفِقُهُ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ سَمِعْتُ سُفْيَانَ مِرَارًا لَمْ أَسْمَعْهُ يَذْكُرُ الْخَبَرَ وَهُوَ مِنْ صَحِيحِ حَدِيثِهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے بیان کیا کہ زہری نے کہا از سالم از والد خود از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: صرف دو مردوں کے متعلق حسد کرنا مشروع ہے، ایک وہ مرد جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کی تلاوت کی نعمت عطا فرمائی سو وہ رات اور دن کے اوقات میں قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے، دوسرا وہ مرد جس کو اللہ تعالیٰ نے مال عطاء فرمایا، سو وہ رات اور دن کے اوقات میں مال کو نیکی کی راہ میں خرچ کرتا ہے۔

میں نے سفیان سے کئی مرتبہ سنا لیکن ہر بار میں نے ان سے اس حدیث کو اخبرنا کے صیغہ کے ساتھ سنا حالانکہ یہ حدیث ان کی سند کے ساتھ صحیح ہے۔

(صحیح البخاری: ۵۰۲۵، ۷۵۲۹، صحیح مسلم: ۸۱۵، سنن ترمذی: ۱۹۳۶، سنن ابن ماجہ: ۴۲۰۹، مسند احمد: ۴۵۳۶)

اس حدیث کی شرح بھی حدیثِ سابق کی شرح کی مثل ہے۔

۴۶۔ بَابُ: قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ (المائدہ:٦٧)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے رسول! جو آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس کو پہنچا دیجئے، اور اگر (بالفرض) آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اپنے رب کا پیغام نہیں پہنچایا

وَقَالَ الزُّهْرِيُّ: مِنَ اللّٰهِ الرِّسَالَةُ وَعَلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ الْبَلَاغُ وَعَلَيْنَا التَّسْلِيمُ۔

اور الزہری نے کہا: اللہ عزوجل کی طرف سے پیغام بھیجنا ہے اور رسول اللہ ﷺ پر اس پیغام کو پہنچانا فرض ہے اور ہم پر اس پیغام کو تسلیم کرنا فرض ہے۔

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس اعتراض کا جواب کہ المائدہ: ٦٧ میں شرط اور جزا دونوں واحد ہیں، کیونکہ شرط میں بھی تبلیغ کا ذکر ہے فرمایا: اے رسول! آپ اللہ تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے کی تبلیغ کیجئے اور جزا میں بھی تبلیغ کا ذکر ہے، کیونکہ "وان لم تفعل" کا معنی ہے "وان لم تبلغ"، یعنی اگر آپ نے تبلیغ نہیں کی تو آپ نے اپنے رب کا پیغام نہیں پہنچایا، حالانکہ شرط اور جزا میں تغایر ہوتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جزا سے مراد یہاں اس کا لازم ہے جیسے حدیث میں ہے "جس کی ہجرت دنیا کو پانے کے لیے ہو تو اس کی ہجرت اسی کی طرف شمار ہوگی (یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک) جس کی طرف اس نے ہجرت کی (نیت کی) ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے "فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ" ارسال یعنی پیغام پہنچانے میں تین امور ہوتے ہیں المُرسِل، المُرسَل الیہ، اور الرسول۔ مُرسِل یعنی پیغام بھیجنے والا اللہ تعالیٰ ہے، اور مُرسَل الیہ یعنی جس کی طرف پیغام بھیجا ہے وہ رسول اللہ ﷺ کی امت ہیں، اور رسول یعنی جن کو پیغام دے کر بھیجا۔ رسول کا کام یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دے اور مُرسَل الیہ کا کام یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پیغام کو قبول کرے اور تسلیم کرے۔

بابِ مذکور کی تعلیقات

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: لِيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ (الجن:٢٨)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تاکہ اللہ اس بات کو ظاہر فرما دے کہ بے شک ان سب رسولوں نے اپنے پیغامات پہنچا دیئے ہیں۔

وَقَالَ تَعَالٰى: اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ (الاعراف:٦٢)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا:) میں تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں۔

ان دونوں آیتوں میں رسالت کا معنی اللہ تعالیٰ کا پیغام ہے۔

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

وَقَالَ كَعْبُ بْنُ مَالِكٍ حِيْنَ تَخَلَّفَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ (التوبہ:۱۰۵)

جب حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ (غزوۂ تبوک میں) نبی ﷺ سے پیچھے رہ گئے تو انہوں نے کہا: پس عنقریب اللہ تمہارے عمل کو دیکھ لے گا اور اس کا رسول اور مومنین (بھی)۔

علامہ عینی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس تعلیق میں حضرت کعب بن مالک الانصاری رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے، یہ ان تین صحابہ میں سے ایک ہیں جو غزوۂ تبوک میں نبی ﷺ کے ساتھ نہیں گئے تھے اور پیچھے رہ گئے تھے حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ تبوک سے واپس تشریف لے آئے، اور یہ صحابہ اس وقت تک مدینہ میں ہی تھے۔

علامہ الکرمانی نے کہا ہے: اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مناسبت اس طرح ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے حکم کو ماننا چاہیے اور تسلیم کرنا چاہیے اور کسی شخص کے لیے یہ اچھی بات نہیں ہے کہ وہ اپنے کاموں کی عجلت کی وجہ سے تعریف کرے بلکہ اپنے کاموں کے نتیجہ کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دے، اور حضرت کعب رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کی تفصیل سورۂ توبہ میں پوری تشریح کے ساتھ گزر چکی ہے۔

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

وَقَالَتْ عَائِشَةُ: إِذَا أَعْجَبَكَ حُسْنُ عَمَلِ امْرِئٍ فَقُلْ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ أَحَدٌ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: جب تمہیں کسی مرد کا عمل اچھا لگے تو تم کہو: "تم عمل کرتے رہو پس عنقریب اللہ تمہارے عمل کو دیکھ لے گا اور اس کا رسول اور مومنین (بھی)" اور تمہیں کوئی شخص حقیر نہ سمجھے۔

علامہ عینی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے اس قول سے یہ ارادہ کیا کہ کوئی شخص دوسرے کے عمل کو اچھا نہ سمجھے، پس جب اس کو اس کا عمل اچھا لگے تو وہ یہ آیت پڑھے "اِعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ۔ (التوبہ:۱۰۵)"

نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا "ولا یستخفنك احد" اس کے معنی کا حاصل یہ ہے کہ تم کسی کے عمل سے دھوکا نہ کھاؤ، پس تم اس کو اچھا عمل گمان کرو سوا اس کے کہ تم یہ دیکھو کہ اس کا عمل شریعت کی حدود کے موافق ہے، اس حدیث کی امام بخاری نے "کتاب خلق افعال العباد" میں تفصیل سے روایت کی ہے اور اس میں یہ مذکور ہے "جب تمہیں کسی مرد کا عمل اچھا لگے تو کہو "اِعْمَلُوْا ..... الآیۃ" اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمل سے مراد یہ ہے کہ جو شخص قرآن پڑھتا ہو، نماز پڑھتا ہو اور اس کی مثل عبادات انجام دیتا ہو۔

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

وَقَالَ مَعْمَرٌ: ذٰلِكَ الْكِتَابُ هٰذَا الْقُرْآنُ، هُدًى

معمر نے کہا: "ذالک الکتاب" سے مراد ہے یہ قرآن، اور

وَقَالَ مَعْمَرٌ: ذٰلِكَ الْكِتَابُ هَذَا الْقُرْآنُ، هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٢﴾ (البقرہ:۲): بَيَانٌ وَدِلَالَةٌ، كَقَوْلِهِ تَعَالَى: ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ (الممتحنہ:۱۰)هَذَا حُكْمُ اللّٰهِ۔

"هدى للمتقين" سے مراد ہے اس کتاب کا بیان اور اس کی دلالت، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ" اس سے مراد ہے یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔

علامہ عینی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ تعلیق معمر سے مروی ہے، مَعْمَر میں دونوں میموں پر زبر ہے اور ایک قول یہ ہے کہ مَعْمَر ابوعبیدہ اللغوی ہیں، اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ معمر بن راشد البصری ہیں پھر تیمی ہیں۔

امام بخاری نے "ذٰلِكَ الْكِتٰبُ" کی تفسیر میں کہا: "هذا القرآن" اس سے امام بخاری کی مراد یہ ہے کہ "ذالك" "هذا" کے معنی میں ہے اور اس میں اختلاف مشہور ہے اور وہ یہ ہے کہ ذالك کا لفظ بعید کے لیے ہے اور هذا کا لفظ قریب کے لیے ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ" یعنی یہ اللہ کا حکم ہے، اس آیت میں بھی "ذالك" "هذا" کے معنی میں ہے۔ اور جس طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ" (البقرہ:۲۵۲) یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں، یہاں پر "تِلْكَ" "هٰذِهٖ" کے معنی میں ہے۔

امام بخاری نے "هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٢﴾" کی تفسیر بیان اور دلالت کے ساتھ کی ہے، علامہ کرمانی نے کہا: اس تعلیق کی عنوان کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ اس کا تعلق بھی تبلیغ کے ساتھ ہے خواہ تبلیغ بیان کے ساتھ ہو یا دلالت کے ساتھ۔

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

لَا رَيْبَ: لَا شَكَّ، تِلْكَ آيَاتُ اللّٰهِ: يَعْنِي هَذِهِ أَعْلَامُ الْقُرْآنِ

لاریب کا معنی ہے: کوئی شک نہیں، اور "تِلْكَ آيَاتُ الله" کا معنی ہے: یہ قرآن مجید کی نشانیاں ہیں۔

علامہ عینی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے "لاریبَ" کی تفسیر "لا شكَ" کے ساتھ کی ہے اور "تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ" کی تفسیر "هذهٖ آیات الله" کے ساتھ کی ہے اور لفظِ تلكَ کا استعمال بعید کے لیے ہوتا ہے اور هذهٖ کا استعمال قریب کے لیے ہوتا ہے۔

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

وَمِثْلُهُ: حَتّٰۤى اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ۚ وَ جَرَيْنَ بِهِمْ (یونس:۲۲) يَعْنِي بِكُمْ۔

حتیٰ کہ جب تم کشتیوں میں (محوِ سفر) ہو اور وہ کشتیاں موافق ہوا کے ساتھ ان کو لے کر جارہی ہوں، اس آیت میں "بهم" "بِكُمْ" کے معنی میں ہے۔

علامہ عینی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی جس طرح پہلی مثالوں میں ذالك کے لفظ سے جو بعید کے لیے ہے هذا کا ارادہ کیا تھا جو قریب کے لیے ہے، اسی طرح یونس: ۲۲ میں "جَرَيْنَ بِهِمْ" سے جرین بكم کا ارادہ کیا ہے، اب اس کا معنی ہوگا: حتیٰ کہ جب تم کشتیوں میں (محوِ سفر) ہو اور وہ کشتیاں موافق ہوا کے ساتھ تم کو لے کر جارہی ہوں۔

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

وَقَالَ أَنَسٌ: بَعَثَ النَّبِيُّ ﷺ خَالَهُ حَرَامًا إِلَى قَوْمِهِ وَقَالَ: أَتُؤْمِنُونِي أُبَلِّغْ رِسَالَةَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَجَعَلَ يُحَدِّثُهُمْ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ماموں حرام کو ان کی قوم (بنو عامر) کی طرف بھیجا، حرام نے ان سے کہا: کیا تم مجھے اس بات پر امان دو گے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام تمہیں پہنچاؤں اور ان سے باتیں کرنے لگے۔

علامہ عینی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ تعلیق ایک طویل حدیث کا قطعہ ہے جو کتاب الجہاد میں سندِ موصول کے ساتھ گزر چکی ہے از اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کو بنو سُلیم کی طرف بھیجا۔۔۔ الحدیث۔ اور ''کتاب المغازی'' کی عبارت اس طرح ہے از حضرت انس، پس حرام ام سلیم کے بھائی کے پاس گئے، پھر ان سے حدیث بیان کی۔ یہ حضرت حرام بن ملحان الانصاری البدری الاحدی رضی اللہ عنہ ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو عامر کی طرف بھیجا، پس حضرت حرام رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: کیا تم مجھے اس وجہ سے امان دو گے تو انہوں نے امان دی، پھر حضرت حرام رضی اللہ عنہ نے ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کی، اس وقت بنو عامر نے اپنے ایک مرد کی طرف اشارہ کیا، اس نے حضرت حرام رضی اللہ عنہ کو نیزہ مارا تو انہوں نے کہا: اللہ اکبر، رب کعبہ کی قسم! میں کامیاب ہو گیا، اور یہ حدیث بئر معونہ کے قصہ میں گزر چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۲۷۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۵۳۰۔ حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ يَعْقُوبَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ جَعْفَرٍ الرَّقِّيُّ حَدَّثَنَا الْمُعْتَمِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُبَيْدِ اللهِ الثَّقَفِيُّ حَدَّثَنَا بَكْرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْمُزَنِيُّ وَزِيَادُ بْنُ جُبَيْرِ بْنِ حَيَّةَ عَنْ جُبَيْرِ بْنِ حَيَّةَ قَالَ الْمُغِيرَةُ أَخْبَرَنَا نَبِيُّنَا ﷺ عَنْ رِسَالَةِ رَبِّنَا أَنَّهُ مَنْ قُتِلَ مِنَّا صَارَ إِلَى الْجَنَّةِ۔

(صحیح البخاری: ۳۱۵۹، ۷۵۳۰)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں الفضل بن یعقوب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ بن جعفر الرقی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں المعتمر بن سلیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سعید بن عبداللہ الثقفی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں بکر بن عبداللہ المزنی اور زیاد بن جبیر ابن حیۃ نے حدیث بیان کی از جبیر بن حیۃ، وہ بیان کرتے ہیں کہ مغیرہ نے کہا: ہمیں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے رب کی طرف سے اس پیغام کی خبر دی کہ جو شخص بھی ہم میں سے قتل کیا گیا وہ جنت کی طرف چلا جائے گا۔

امام بخاری نے صحیح البخاری: ۳۱۵۹ میں یہ حدیث تفصیل سے روایت کی ہے، اس کے آخر میں ہے کہ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ دشمن کے علاقہ میں پہنچے تو ان کا ایک ترجمان کھڑا ہوا، اس نے کہا: تم میں سے کوئی شخص مجھ سے معاملات پر گفتگو کرے، تب حضرت المغیرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: تم جو سوال کرنا چاہتے ہو وہ سوال کرو، اس نے پوچھا: تم لوگ کون ہو؟ حضرت المغیرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم عرب لوگ ہیں، ہم سخت بدبختی اور مصائب میں مبتلاء تھے، ہم لوگ بھوک کی شدت سے جانوروں کی کھال کھا لیتے تھے اور گٹھلیاں چوستے تھے، ہم اون اور بالوں سے بنے ہوئے کپڑے پہنتے تھے اور ہم درختوں اور پتھروں کی عبادت کرتے تھے، ہم اسی حال میں تھے کہ آسمانوں اور زمینوں کے رب نے جس کا ذکر اپنی عظمت اور جلال کے ساتھ بلند ہے، اس نے ہماری طرف ہم ہی میں سے ایک

نبی بھیجا جن کے والد اور والدہ کو ہم پہچانتے تھے، پس ہمارے نبی اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم تم سے اس وقت تک قتال کرتے ہیں حتیٰ کہ تم اللہ وحدہٗ کی عبادت کرو یا تم جزیہ ادا کرو اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ہمارے رب کا یہ پیغام پہنچایا ہے کہ ہم میں سے جو شخص قتل کیا جائے گا تو وہ جنت کی ایسی نعمت کی طرف جائے گا جس کی مثل اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھی ہوگی اور جو ہم میں سے زندہ رہیں گے وہ تمہاری گردنوں کے مالک بن جائیں گے۔

۷۵۳۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ إِسْمَاعِيلَ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ مَنْ حَدَّثَكَ أَنَّ مُحَمَّدًا ﷺ كَتَمَ شَيْئًا وَقَالَ مُحَمَّدٌ حَدَّثَنَا أَبُو عَامِرٍ الْعَقَدِيُّ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَنْ حَدَّثَكَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَتَمَ شَيْئًا مِنَ الْوَحْيِ فَلَا تُصَدِّقْهُ إِنَّ اللهَ تَعَالَى يَقُولُ ﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ۖ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ﴾

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از اسماعیل از الشعبی از مسروق از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ جو شخص تم سے یہ بیان کرے کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کوئی چیز چھپائی۔

اور محمد (بن یوسف) نے کہا: ہمیں ابو عامر العقدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از اسماعیل بن ابی خالد از الشعبی از مسروق از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ فرماتی ہیں: جو شخص تم سے یہ بیان کرے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی میں سے کوئی چیز چھپائی تو تم اس کی تصدیق نہ کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
''اے رسول! جو آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس کو پہنچا دیجئے، اور اگر (بالفرض) آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اپنے رب کا پیغام نہیں پہنچایا'' (المائدہ:٦٧)

(صحیح البخاری:۴۶۱۲، ۷۵۳۱، صحیح مسلم:۱۷۷، سنن ترمذی:۳۰۶۸، مسند احمد:۲۳۷۰۷)

اس حدیث سے وجہ استدلال یہ ہے کہ اس آیت میں لفظِ ما عام ہے اور امر وجوب کے لیے ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ واجب ہے کہ آپ پر جو کچھ بھی نازل کیا گیا اس کی تبلیغ کر دیں۔

علامہ شہاب الدین ابو العباس احمد القسطلانی المتوفی ۹۱۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کچھ نازل کیا گیا اس کی دو طرفیں ہیں، ایک طرف یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبریل امین علیہ السلام سے اس وحی کو حاصل کرتے تھے اور اس کی دوسری طرف یہ ہے کہ آپ اس وحی کی تبلیغ کر کے امت کو پہنچاتے تھے۔

(ارشاد الساری ج ۱۵ ص ۵۹۰، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۵۳۲۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُرَحْبِيلَ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللهِ قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللهِ أَيُّ الذَّنْبِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از الاعمش از ابو وائل از عمرو بن شرحبیل، وہ بیان کرتے ہیں

أَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ قَالَ أَنْ تَدْعُوَ لِلّٰهِ نِدًّا وَهُوَ خَلَقَكَ قَالَ ثُمَّ أَيٌّ قَالَ ثُمَّ أَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ مَخَافَةَ أَنْ يَطْعَمَ مَعَكَ قَالَ ثُمَّ أَيٌّ قَالَ أَنْ تُزَانِيَ حَلِيلَةَ جَارِكَ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَصْدِيقَهَا ﴿وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللّٰهِ إِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ﴿٦٨﴾ يُضَاعَفْ لَهُ الْعَذَابُ الْاٰيَةَ۔

کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک مرد نے کہا: یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ کے نزدیک کون سا گناہ سب سے زیادہ بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کا شریک بناؤ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تم کو پیدا کیا ہے، اس مرد نے کہا: پھر کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا: تم اپنے بیٹے کو اس وجہ سے قتل کرو کہ وہ تمہارے ساتھ کھانا کھائے گا، اس مرد نے کہا: پھر کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تم اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرو تو اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق میں یہ آیت نازل فرمائی:

''اور وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت نہیں کرتے اور نہ وہ کسی ایسے شخص کو قتل کرتے ہیں جس کے ناحق قتل کرنے کو اللہ نے حرام کر دیا ہے اور نہ وہ زنا کرتے ہیں اور جو ایسے کام کرے گا وہ اپنے گناہوں کی سزا پائے گاO قیامت کے دن اس کو دگنا عذاب دیا جائے گا''۔ (الفرقان: ۶۸۔۶۹)

(صحیح البخاری: ۴۴۷۷، ۴۷۶۱، ۶۰۰۱، ۶۸۱۱، ۶۸۶۱، ۷۵۲۰، ۷۵۳۲، صحیح مسلم: ۸۶، سنن ترمذی: ۳۱۸۲، سنن نسائی: ۴۰۱۳، سنن ابوداؤد: ۲۳۱۰، مسند احمد: ۴۱۲۰)

علامہ شہاب الدین ابوالعباس احمد القسطلانی المتوفی ۹۱۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بڑے بڑے گناہ بیان فرمائے، پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق میں یہ آیت نازل فرمائی، اب یہ سوال ہے کہ یہ تین بڑے بڑے گناہ اس آیت کی تصدیق کیسے ہوگئے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو تبلیغ فرض ہے اس کی دو قسمیں ہیں، ایک یہ ہے کہ آپ پر جو آیت نازل کی گئی آپ وہ بعینہٖ امت تک پہنچا دیں، یہ تبلیغ قرآن مجید کے ساتھ مخصوص ہے۔ دوسری قسم یہ ہے کہ پہلے جو آیات نازل ہوئی ہیں ان سے جو حکم مستنبط ہوتا ہے آپ اس کو بیان فرمائیں جیسا کہ یہ آیت، کیونکہ اس آیت میں شرک پر سخت وعید سنائی ہے اور یہ قرآن مجید کی نص کے مطابق ہے، اور قتلِ ناحق پر بھی سخت وعید سنائی ہے اور یہ بھی حدیث میں مذکور ہے، کیونکہ ناحق قتل کرنا اگرچہ بہت سنگین گناہ ہے لیکن بیٹے کو قتل کرنا کسی اور کو قتل کرنے کی بہ نسبت زیادہ سنگین ہے، اسی طرح مطلقاً زنا کرنا سنگین گناہ ہے لیکن اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرنا بہت زیادہ سنگین ہے۔

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ الفرقان: ۶۸ پہلے نازل ہوئی ہو اور اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین بڑے بڑے گناہوں کی خبر دی ہو جو الفرقان: ۶۸ میں مذکور ہیں۔ (ارشاد الساری ج ۱۵ ص ۵۹۰۔۵۹۱، دارالفکر، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۴۔ بَابُ: قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: قُلْ فَأْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۳﴾ (آل عمران: ۹۳)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے: اگر تم سچے ہو تو تورات کو لا کر اس کی تلاوت کرو O

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

عنوان میں جو آیت مذکور ہے اس کا شانِ نزول یہ ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو عرق النساء (ٹانگ کا درد جو ران سے لے کر گھٹنے یا ٹخنے تک ہوتا ہے) کی بیماری ہوگئی جس میں درد کی شدت سے ان کی چیخیں نکل جاتی تھیں، تو پھر انہوں نے یہ نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے اس بیماری سے شفاء دے دی تو میں اونٹ کا گوشت نہیں کھاؤں گا اور اونٹنیوں کا دودھ نہیں پیوں گا۔

ضحاک نے بیان کیا کہ یہود نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: ہم پر تورات میں اونٹ کا گوشت حرام کر دیا گیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو جھوٹا قرار دیا اور یہ خبر دی کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے تورات کے نازل ہونے سے پہلے اپنے اوپر اونٹ کے گوشت کو حرام قرار دیا تھا اور آپ نے ان کو بلایا کہ تم دکھاؤ یہ تورات میں کہاں لکھا ہے؟

امام بخاری کی اس عنوان سے غرض یہ ہے کہ وہ یہ بیان کریں کہ تلاوت اور قراءت دونوں کا ایک معنی ہے اور تلاوت کی تفسیر عمل کے ساتھ بھی کی جاتی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۲۷۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

باب مذکور کی تعلیقات

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

وَقَوْلِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم أُعْطِيَ أَهْلُ التَّوْرَاةِ التَّوْرَاةَ فَعَمِلُوا بِهَا وَأُعْطِيَ أَهْلُ الْإِنْجِيلِ الْإِنْجِيلَ فَعَمِلُوا بِهِ وَأُعْطِيتُمُ الْقُرْآنَ فَعَمِلْتُمْ بِهِ۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اہلِ تورات کو تورات دی گئی تو انہوں نے اس کے مطابق عمل کیا، اور اہلِ انجیل کو انجیل دی گئی سو انہوں نے اس کے مطابق عمل کیا، اور تم کو قرآن مجید عطا کیا گیا سو تم نے اس کے احکام پر عمل کیا۔

علامہ عینی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب اور اس تعلیق سے امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ رسولوں کے بھیجنے سے اور قرآنِ مجید کو نازل کرنے سے غرض یہ ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت کی جائے اور اس پر ایمان لایا جائے اور اس کے احکام پر عمل کیا جائے۔

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

وَقَالَ أَبُو رَزِينٍ: يَتْلُونَهُ حَقَّ تِلَاوَتِهِ: يَتَّبِعُونَهُ وَيَعْمَلُونَ بِهِ حَقَّ عَمَلِهِ

اور ابورزین نے کہا: ''یتلونه حق تلاوته'' کا معنی ہے: وہ قرآن مجید کی اتباع کرتے ہیں اور اس کے اوپر اس طرح عمل

کرتے ہیں جو عمل کرنے کا حق ہے۔

علامہ عینی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ تعلیق ابورزین سے مروی ہے، یہ مسعود مالک اسدی التابعین کبیر کوفی کے بیٹے ہیں، انہوں نے ''یتلونہ حق تلاوتہ (البقرہ:۱۲۱)'' کی تفسیر کی ہے کہ وہ قرآن مجید کی تلاوت کی اتباع کرتے ہیں اور اس کے احکام پر اس طرح عمل کرتے ہیں جس طرح عمل کرنے کا حق ہے۔

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

يُقَالُ يُتْلَى: يُقْرَأُ، حَسَنُ التِّلَاوَةِ: حَسَنُ الْقِرَائَةِ لِلْقُرْآنِ۔

''یتلی'' کے معنی میں کہا جاتا ہے کہ اس کی قراءت کی جاتی ہے، اور ''حسن التلاوۃ'' کا معنی ہے حسن القراءۃ، یعنی قرآن مجید کو عمدہ طریقہ سے پڑھنا۔

علامہ عینی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس تعلیق سے یہ ارادہ کیا ہے کہ تلاوت کا معنی قراءت ہے یعنی پڑھنا، اور اس پر دلیل یہ ہے کہ کہا جاتا ہے: فلاں شخص اچھی تلاوت کرنے والا ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ اچھی قراءت کرنے والا ہے، یعنی قرآن مجید کی اچھی قراءت کرنے والا ہے، اور تلاوت اور قراءت میں فرق یہ ہے کہ تلاوت اتباع کے معنی میں مستعمل ہے اور کبھی جسم سے اتباع کی جاتی ہے اور کبھی اس کا معنی ہوتا ہے: حکم میں اقتداء کرنا، اور کبھی تلاوت کا معنی قراءت ہوتا ہے اور معنی میں تدبر کرنا ہوتا ہے۔

امام راغب اصفہانی نے کہا ہے: عرف شرع میں تلاوت کا لفظ اللہ عزوجل کی نازل کی ہوئی کتابوں کی اتباع کے ساتھ مخصوص ہے، کبھی اس کا معنی ہوتا ہے: پڑھنا اور کبھی اس کا معنی ہوتا ہے: اللہ کی کتاب میں جو حکم ہے اور ممانعت ہے اس پر عمل کرنا، اور یہ قراءت سے عام ہے، پس ہر قراءت کو تلاوت کہا جاتا ہے اور ہر تلاوت کو قراءت نہیں کہا جاتا۔

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

لَا يَمَسُّهُ: لَا يَجِدُ طَعْمَهُ وَنَفْعَهُ إِلَّا مَنْ آمَنَ بِالْقُرْآنِ، وَلَا يَحْمِلُهُ بِحَقِّهِ إِلَّا الْمُوقِنُ لِقَوْلِهِ تَعَالَى: مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ؕ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ○ (الجمعہ:۵)

''لایمسہ'' کا معنی ہے: کہ قرآن مجید کے ذائقہ کو اور اس کے نفع کو وہی پاتا ہے جو قرآن پر ایمان لایا ہو، اور قرآن مجید کو حق کے ساتھ وہی اٹھاتا ہے جو قرآن مجید پر یقین کرنے والا ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''جن لوگوں کو تورات دی گئی اور انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا، ان کی مثال اس گدھے کی طرح ہے جس پر کتابوں کا بوجھ لدا ہوا ہے، ان لوگوں کی کیسی بری مثال ہے جنہوں نے اللہ کی آیتوں کی تکذیب کی اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا ○''

علامہ عینی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس تعلیق میں "لا یمسّہ" کے لفظ سے اس آیت کی طرف اشارہ کیا ہے "لَّا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ" (الواقعہ: ۷۹) اور "لا یمسّہ" کی تفسیر اپنے اس قول سے کی ہے کہ قرآن مجید کا ذائقہ اور اس کا نفع وہی شخص پا سکتا ہے جو قرآن مجید پر ایمان لائے، یعنی جو کفر سے پاک ہو چکے ہوں، اور قرآن مجید کو حق کے ساتھ وہی اٹھا سکتے ہیں جو قرآن مجید پر یقین کرنے والے ہوں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ جہل اور شک سے پاک ہوں، نہ غافلوں کی طرح جیسے گدھا مثلاً کتابوں کا بوجھ اٹھاتا ہے اور وہ نہیں جانتا کہ ان کتابوں میں کیا لکھا ہے سوا اس کے جو قرآن مجید پر یقین کرنے والا ہو، اور المستملی کی روایت میں ہے "الا المومن" یعنی سوائے اس کے جو مومن ہو۔

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

وَسَمَّى النَّبِيُّ ﷺ الْإِسْلَامَ وَالْإِيمَانَ وَالصَّلَاةَ عَمَلًا، قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِبِلَالٍ: أَخْبِرْنِي بِأَرْجَى عَمَلٍ عَمِلْتَهُ فِي الْإِسْلَامِ، قَالَ: مَا عَمِلْتُ عَمَلًا أَرْجَى عِنْدِي أَنِّي لَمْ أَتَطَهَّرْ إِلَّا صَلَّيْتُ، وَسُئِلَ: أَيُّ الْعَمَلِ أَفْضَلُ قَالَ: إِيمَانٌ بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ الْجِهَادُ ثُمَّ حَجٌّ مَبْرُورٌ۔

نبی ﷺ نے اسلام، ایمان اور نماز کا نام عمل رکھا، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھا: مجھے بتاؤ تمہارے نزدیک تمہارا اسلام میں کیا ہوا وہ کون سا عمل ہے جس پر اجر کی تم کو سب سے زیادہ توقع ہو، تو انہوں نے جواب دیا: میں نے کوئی ایسا عمل نہیں کیا جس کی میرے نزدیک زیادہ اجر کی توقع ہو سوا اس کے کہ میں جب بھی وضو کرتا ہوں تو میں نماز پڑھتا ہوں، اور آپ سے سوال کیا گیا کہ کون سا عمل افضل ہے؟ تو آپ نے فرمایا: اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لانا، پھر جہاد کرنا پھر حج مبرور کرنا۔

علامہ عینی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے جو یہ کہا ہے کہ اسلام، ایمان اور نماز پر عمل کا اطلاق ہوتا ہے اس کا کوئی خاص فائدہ نہیں ہے کیونکہ کسی نے بھی اس کا انکار نہیں کیا کہ اسلام، ایمان اور نماز اعمال ہیں، کیونکہ اسلام اور ایمان دل اور زبان سے عمل کرنے کا نام ہے اور نماز اعضاء ظاہریہ سے عمل کرنے کا نام ہے، اس کے بعد امام بخاری نے حدیث ذکر کی ہے جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، یہ کتاب التہجد میں باب فضل الطھور باللیل والنہار میں مذکور ہے، نیز امام بخاری نے کہا کہ نبی ﷺ سے سوال کیا گیا کہ کونسا عمل افضل ہے؟ اس کا ذکر بھی کتاب الایمان میں اس باب میں گزر چکا ہے "من قال: ان الایمان ھو العمل"۔

(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۲۷۹۔ ۲۸۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۵۳۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَخْبَرَنِي سَالِمٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضي الله عنهما أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ إِنَّمَا بَقَاؤُكُمْ فِيمَنْ سَلَفَ مِنَ الْأُمَمِ كَمَا بَيْنَ صَلَاةِ الْعَصْرِ إِلَى

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں یونس نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے سالم نے خبر دی از حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے

غُرُوبِ الشَّمْسِ أُوتِيَ أَهْلُ التَّوْرَاةِ التَّوْرَاةَ فَعَمِلُوا بِهَا حَتَّى انْتَصَفَ النَّهَارُ ثُمَّ عَجَزُوا فَأُعْطُوا قِيرَاطًا قِيرَاطًا ثُمَّ أُوتِيَ أَهْلُ الْإِنْجِيلِ الْإِنْجِيلَ فَعَمِلُوا بِهِ حَتَّى صُلِّيَتْ الْعَصْرُ ثُمَّ عَجَزُوا فَأُعْطُوا قِيرَاطًا قِيرَاطًا ثُمَّ أُوتِيتُمْ الْقُرْآنَ فَعَمِلْتُمْ بِهِ حَتَّى غَرَبَتْ الشَّمْسُ فَأُعْطِيتُمْ قِيرَاطَيْنِ قِيرَاطَيْنِ فَقَالَ أَهْلُ الْكِتَابِ هَؤُلَاءِ أَقَلُّ مِنَّا عَمَلًا وَأَكْثَرُ أَجْرًا قَالَ اللهُ هَلْ ظَلَمْتُكُمْ مِنْ حَقِّكُمْ شَيْئًا قَالُوا لَا قَالَ فَهُوَ فَضْلِي أُوتِيهِ مَنْ أَشَاءُ۔

ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گزری ہوئی امتوں کی بہ نسبت تمہاری بقاء اتنی ہے جتنا وقت عصر کی نماز سے غروبِ آفتاب تک ہوتا ہے، اہلِ تورات کو تورات دی گئی سو انہوں نے اس کے مطابق عمل کیا حتیٰ کہ جب آدھا دن ہو گیا تو پھر وہ کام سے عاجز ہو گئے، پس ان کو ایک ایک قیراط دیا گیا، پھر اہلِ انجیل کو انجیل دی گئی سو انہوں نے اس پر عمل کیا حتیٰ کہ عصر کی نماز پڑھ لی گئی پھر وہ عاجز ہو گئے، سو انہیں بھی ایک ایک قیراط دیا گیا، پھر تم کو قرآن دیا گیا، پس تم نے اس پر عمل کیا حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا، سو تم کو دو دو قیراط اجر دیے گئے، پس اہلِ کتاب نے کہا: ان لوگوں نے کام ہم سے کم کیا ہے اور اجرت ان کو زیادہ دی ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا میں نے تم کو تمہارے حق سے کچھ کم دیا ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سو یہ میرا فضل ہے میں جس کو چاہوں اپنا فضل عطا فرماتا ہوں۔

(صحیح البخاری: ۵۵۷، ۲۲۶۸، ۲۲۶۹، ۳۴۵۹، ۵۰۲۱، ۷۴۶۷، ۷۵۳۳، سنن ترمذی: ۲۸۷۱، مسند احمد: ۵۹۹۳)

اس حدیث کی شرح ''کتاب مواقیت الصلوٰۃ، باب من ادرک رکعۃ من العصر'' میں تفصیل کے ساتھ گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور سے فقہاء احناف کے مذہب کی تائید

میں کہتا ہوں: اس حدیث سے ظہر کے وقت کے متعلق فقہاء احناف کے مذہب کی تائید ہوتی ہے، کیونکہ فقہاء احناف کے نزدیک ظہر کا وقت زوالِ آفتاب سے لے کر دو مثل سائے تک رہتا ہے اور امام شافعی وغیرہ کے نزدیک ایک مثل سائے تک وقت رہتا ہے، تو فقہاء احناف کے نزدیک ظہر کا وقت فقہاء شافعیہ کے بیان کردہ وقت سے دگنا ہوتا ہے اور اس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ پہلی امتوں نے یہ کہا کہ امتِ محمدیہ نے کام کم کیا ہے اور ہم نے کام زیادہ کیا ہے اور پہلی امتوں نے ظہر سے عصر تک کام کیا اور ہم نے عصر سے مغرب تک کام کیا ہے، اگر ظہر کے وقت کو ایک مثل سائے تک قرار دیا جائے تو پھر ظہر کا وقت اور عصر کا وقت برابر ہو جاتا ہے اور اگر ظہر کا وقت دو مثل سائے تک قرار دیا جائے تو پھر ظہر کا وقت عصر کے وقت سے دگنا ہوتا ہے، لہٰذا اس صورت میں پچھلی امتوں کا اعتراض صحیح ہوگا کہ انہوں نے زیادہ وقت کام کیا ہے کیونکہ ظہر سے عصر تک کا وقت اس سے زیادہ ہے جو عصر سے مغرب تک کا وقت ہے، لہٰذا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ظہر کا وقت زوالِ آفتاب سے لے کر دو مثل سائے تک ہے اور یہی فقہاء احناف کثرھم اللہ کا مذہب ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۴۸۔ بَابُ: وَسَمَّى النَّبِيُّ ﷺ الصَّلَاةَ عَمَلًا وَقَالَ لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ

اور نبی ﷺ نے نماز کا نام عمل رکھا، آپ نے فرمایا: جس شخص نے نماز میں سورۂ فاتحہ کی قراءت نہیں کی اس کی نماز نہیں ہوئی

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کا وجوب

کتاب الصلوٰۃ کے باب ''وجوب القراءۃ للامام والماموم'' میں حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ حدیث گزری ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے نماز میں سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز نہیں ہے''۔

علامہ کرمانی نے کہا: اس حدیث میں ارشاد ہے ''لا صلاۃ'' یعنی اس کی نماز نہیں ہے، اس کا قریب ترین محمل یہ ہے کہ اس کی نماز صحیح نہیں ہے اور اگر اس کا یہ محمل بیان کیا جائے کہ اس کی نماز کامل نہیں ہوئی تو یہ محمل بعید ہے۔

علامہ عینی، علامہ کرمانی سے معارضہ کرتے ہیں پھر ان کو چاہیے کہ جس حدیث میں ارشاد ہے ''مسجد کے پڑوسی کی نماز مسجد کے سوا نہیں ہے'' اس کا بھی یہ محمل بیان کریں کہ اس کی نماز مسجد کے سوا صحیح نہیں ہے حالانکہ اس حدیث کا یہ حضرات بھی یہ محمل بیان کرتے ہیں کہ اس کی نماز کامل نہیں ہے، نیز بغیر سورۂ فاتحہ کے نماز کا کامل نہ ہونا متعین ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے ''فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ...... (المزمل: ۲۰)'' (یعنی جتنا آسانی سے نماز میں قرآن پڑھ سکو وہ پڑھو)، تو نماز میں مطلقاً قرآن مجید پڑھنا فرض ہے اور اس حدیث کی وجہ سے نماز میں سورۂ فاتحہ کے پڑھنے کو واجب قرار دیا جائے گا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۲۸۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۷۵۳۴۔ حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْوَلِيدِ ح وَحَدَّثَنِي عَبَّادُ بْنُ يَعْقُوبَ الْأَسَدِيُّ أَخْبَرَنَا عَبَّادُ بْنُ الْعَوَّامِ عَنِ الشَّيْبَانِيِّ عَنِ الْوَلِيدِ بْنِ الْعَيْزَارِ عَنْ أَبِي عَمْرٍو الشَّيْبَانِيِّ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رضی الله عنه أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ أَيُّ الْأَعْمَالِ أَفْضَلُ قَالَ الصَّلَاةُ لِوَقْتِهَا وَبِرُّ الْوَالِدَيْنِ ثُمَّ الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے سلیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از الولید، ح اور مجھے عباد بن یعقوب الاسدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عباد بن العوام نے خبر دی از الشیبانی از الولید بن العیزار از ابی عمرو الشیبانی از حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد نے نبی ﷺ سے سوال کیا: کون سا عمل کرنا سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: نماز کو اپنے وقت میں پڑھنا اور والدین کے ساتھ نیکی کرنا پھر اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا۔

(صحیح البخاری: ۵۲۷، ۲۷۸۲، ۵۹۷۰، ۷۵۳۴، صحیح مسلم: ۸۵، سنن ترمذی: ۱۸۹۸، سنن نسائی: ۶۱۰، مسند احمد: ۳۸۸۰، سنن دارمی: ۱۲۲۵)

مذکورہ تین اعمال کی خصوصیت

نماز کو اپنے وقت میں پڑھنے کی افضلیت اس وجہ سے ہے کہ نماز دین کا ستون ہے اور جو شخص نماز میں سستی کرے گا وہ اسلام کے باقی احکام پر عمل کرنے میں زیادہ سستی کرے گا اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے کی افضلیت اس وجہ سے ہے کہ جو شخص ماں باپ کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کرے گا وہ دوسروں کے حقوق کی ادائیگی میں زیادہ کوتاہی کا مرتکب ہوگا اور جہاد کی افضلیت اس وجہ سے ہے جو شخص جہاد میں تقصیر کرے گا تو دیگر نیک کاموں میں اس کی تقصیر کا زیادہ خطرہ ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲ ص ۵۹ ۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۹۔ بَابُ: قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ﴿۱۹﴾ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ﴿۲۰﴾ وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ﴿۲۱﴾ (المعارج: ۱۹۔۲۱)

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: بے شک انسان کم حوصلہ پیدا کیا گیا ہے ○ جب اس پر مصیبت آئے تو وہ گھبرا جاتا ہے ○ اور جب اسے نفع پہنچے تو بخل کرتا ہے ○

هَلُوعًا: ضَجُورًا

''ھلوعا'' کا معنی ہے: ضجورا، یعنی بے قرار، کبیدہ خاطر

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

انسان کے خلقی اور جبلی اوصاف

اس باب کے قائم کرنے سے امام بخاری کی غرض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو چند خلقی اور جبلی اوصاف پر پیدا کیا ہے، یعنی انسان میں برداشت کا مادہ کم ہے اور وہ خرچ کرنے سے گریز کرتا ہے اور مصائب میں صبر نہیں کرتا، امام بخاری نے ''الھلوع'' کی تفسیر ضجور کے ساتھ کی ہے اور الجوہری نے کہا ہے: الھلع کا معنی ہے: بہت زیادہ بھوکا، اور داؤدی نے کہا ہے کہ یہ بے صبری کے معنی میں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۲۸۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۵۳۵۔ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ عَنِ الْحَسَنِ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ تَغْلِبَ قَالَ أَتَى النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم مَالٌ فَأَعْطَى قَوْمًا وَمَنَعَ آخَرِينَ فَبَلَغَهُ أَنَّهُمْ عَتَبُوا فَقَالَ إِنِّي أُعْطِي الرَّجُلَ وَأَدَعُ الرَّجُلَ وَالَّذِي أَدَعُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنَ الَّذِي أُعْطِي أُعْطِي أَقْوَامًا لِمَا فِي قُلُوبِهِمْ مِنَ الْجَزَعِ وَالْهَلَعِ وَأَكِلُ أَقْوَامًا إِلَى مَا جَعَلَ اللّٰهُ فِي قُلُوبِهِمْ مِنَ الْغِنَى وَالْخَيْرِ مِنْهُمْ عَمْرُو

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالنعمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر بن حازم نے حدیث بیان کی از الحسن، انہوں نے کہا: ہمیں عمرو بن تغلب نے حدیث بیان کی، انہوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مال آیا، آپ نے بعض لوگوں کو عطا فرمایا اور بعض دوسرے لوگوں کو نہ دیا، پھر آپ کو یہ خبر پہنچی کہ وہ لوگ اس پر ناراض ہوئے تو آپ نے فرمایا: بے شک میں ایک مرد کو عطا کرتا ہوں اور دوسرے مرد کو

بْنُ تَغْلِبَ فَقَالَ عَمْرٌو مَا أُحِبُّ أَنَّ لِي بِكَلِمَةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ حُمْرَ النَّعَمِ۔

(صحیح البخاری: ۹۲۳، ۳۱۴۵، ۷۵۳۵، مسند احمد: ۲۰۱۴۹)

چھوڑ دیتا ہوں، اور جس کو میں چھوڑ دیتا ہوں وہ مجھے اس کی بہ نسبت زیادہ محبوب ہوتا ہے جس کو میں عطا کرتا ہوں، میں بعض لوگوں کو اس لیے عطا کرتا ہوں کہ ان کے دلوں میں بے صبری ہوتی ہے اور قوتِ برداشت کم ہوتی ہے، اور بعض لوگوں کے دلوں میں جو اللہ تعالیٰ نے استغناء اور خیر رکھی ہے میں ان کو اس کے سپرد کر دیتا ہوں، اور عمرو بن تغلب بھی انہی میں سے ہیں۔
پس عمرو نے کہا: رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کے بدلہ میں اگر مجھے سرخ اونٹ بھی مل جاتے تو پسندیدہ نہ ہوتے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بعض اوقات کسی مصلحت کی وجہ سے کسی کو نہ دینا افضل ہوتا ہے جیسے نبی ﷺ ان لوگوں کو عطاء نہیں فرماتے جن کے متعلق آپ کو معلوم تھا کہ ان کے دلوں میں استغناء ہے اور خیر ہے۔

۵۰۔ بَابُ: ذِكْرِ النَّبِيِّ ﷺ وَرِوَايَتِهِ عَنْ رَبِّهِ

نبی ﷺ کا اپنے رب سے ذکر کرنا اور اس سے روایت کرنا

باب مذکور کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس باب کا معنی یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے رب کی طرف سے سنت کو روایت کرتے ہیں جس طرح آپ اپنے رب کی طرف سے قرآن مجید کی آیات کی روایت کرتے ہیں، اور اس کا اللہ کی کتاب کی اس آیت میں بیان ہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ (النجم: ۳۔۴)

وہ اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتے O ان کا کہا ہوا وہی ہے جس کی ان کی طرف وحی کی جاتی ہے O

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۳ ص ۵۴۷، ملخصاً و ملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۷۵۳۶۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ حَدَّثَنَا أَبُو زَيْدٍ سَعِيدُ بْنُ الرَّبِيعِ الْهَرَوِيُّ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ يَرْوِيهِ عَنْ رَبِّهِ قَالَ إِذَا تَقَرَّبَ الْعَبْدُ إِلَيَّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ ذِرَاعًا وَإِذَا تَقَرَّبَ مِنِّي ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ بَاعًا وَإِذَا أَتَانِي مَشْيًا أَتَيْتُهُ هَرْوَلَةً۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن عبدالرحیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوزید سعید بن الربیع الہروی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از قتادہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ، آپ اپنے رب سے روایت کرتے ہیں کہ آپ کے رب نے ارشاد فرمایا: جب بندہ میری طرف ایک بالشت قریب ہوتا ہے تو میں اس کی طرف ایک ہاتھ قریب ہوتا ہوں، اور جب بندہ میری

طرف ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے تو میں اس سے دو ہاتھ قریب ہوتا ہوں، اور جب بندہ میرے پاس چلتا ہوا آتا ہے تو میں اس کے پاس دوڑتا ہوا آتا ہوں۔

(صحیح البخاری: ۷۴۰۵، ۷۵۰۵، ۷۵۳۷، صحیح مسلم: ۲۶۷۵، سنن ترمذی: ۳۶۰۳، سنن ابن ماجہ: ۳۶۲۲، مسند احمد: ۷۴۲۷)

صحیح البخاری: ۷۵۳۶، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے ایک ہاتھ یا دو ہاتھ قریب ہونے کی توجیہ

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جب بندہ میری اطاعت اور میری عبادت کر کے میرے قریب ہوتا ہے تو میں اس پر اپنی رحمت کر کے اور اس کی عزت افزائی کر کے اور اس پر شفقت کر کے اس پر قریب ہوتا ہوں، اسی کی مثل یہ آیت ہے:

فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ ۝ (النجم: ۹) پھر وہ (اللہ، نبی سے) زیادہ قریب ہوا، پھر زیادہ قریب ہوا۝

یعنی اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اور توقیر ظاہر کرتے ہوئے ان کو اپنے قریب کیا، پھر اور زیادہ قریب کیا۔

اس حدیث میں ''الھرولة'' کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: تیزی سے چلنا، اور یہاں اس سے مراد ہے: اللہ تعالیٰ کا سرعت کے ساتھ رحمت کو نازل فرمانا اور اپنے بندہ سے جلد راضی ہو جانا اور اس کو بڑھا چڑھا کر اجر عطا فرمانا جیسے کوئی شخص اپنے صاحب کی طرف ایک بالشت چل کر جائے تو دوسرا اس کا استقبال دو ہاتھ چل کر کرے، یا وہ اپنے صاحب کے پاس پیدل چلتا ہوا جائے تو اس کا صاحب اس کے پاس دوڑتا ہوا آئے۔

اللہ تعالیٰ کے ایک ہاتھ قریب ہونے یا دو ہاتھ قریب ہونے کے متعلق علماء کی آراء

سلف صالحین اس قسم کی نصوص کو اپنے ظاہر پر محمول کرتے ہیں اور اس کا معنی وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہے بغیر اس کے کہ ہمیں اس کی کیفیت کا علم ہو اور بغیر اس کے کہ ہم اس کی مخلوقات میں سے کسی کے ساتھ مثال دیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مثل کوئی چیز نہیں ہے۔

اس حدیث میں ''الباع'' کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے دونوں ہاتھوں کو پھیلانا، یعنی جب کوئی شخص اپنے دونوں ہاتھوں کو پھیلائے اور دونوں ہاتھوں کو پھیلا کر کسی کو اپنے قریب کرے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۳ ص ۷۵۳، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۷۵۳۷۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ عَنْ يَحْيَى عَنِ التَّيْمِيِّ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ رُبَّمَا ذَكَرَ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ إِذَا تَقَرَّبَ الْعَبْدُ مِنِّي شِبْرًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ ذِرَاعًا وَإِذَا تَقَرَّبَ مِنِّي ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی از یحییٰ از التیمی از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، ان سے مروی ہے، بسا اوقات انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا، فرمایا کہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: جب

بَاعًا أَوْ بُوعًا وَقَالَ مُعْتَمِرٌ سَمِعْتُ أَبِي سَمِعْتُ أَنَسًا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ يَرْوِيهِ عَنْ رَبِّهِ عَزَّ وَجَلَّ۔

بندہ مجھ سے ایک بالشت قریب ہوتا ہے تب میں اس سے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہوں، اور جب بندہ مجھ سے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے تو میں اس سے دو ہاتھ قریب ہوتا ہوں۔
اور معتمر نے کہا: میں نے اپنے والد سے سنا، انہوں نے کہا: میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سنا، انہوں نے بیان کیا کہ نبی ﷺ اپنے رب عزوجل سے روایت کرتے ہیں۔

(صحیح البخاری:۷۴۰۵، ۷۵۰۵، ۷۵۳۷، صحیح مسلم:۲۶۷۵، سنن ترمذی:۳۶۰۳، سنن ابن ماجہ:۳۸۲۲، مسند احمد:۷۴۲۴)

اس حدیث کی شرح بھی حدیث سابق کی مثل ہے۔

۷۵۳۸۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ زِيَادٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ يَرْوِيهِ عَنْ رَبِّكُمْ قَالَ لِكُلِّ عَمَلٍ كَفَّارَةٌ وَالصَّوْمُ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ وَلَخُلُوفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللهِ مِنْ رِيحِ الْمِسْكِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن زیاد نے حدیث بیان کی، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا از نبی ﷺ، آپ اس حدیث کو تمہارے رب سے روایت کرتے ہیں، اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: ہر عمل کا ایک کفارہ ہوتا ہے اور روزہ خاص میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا اور ضرور روزہ دار کے منہ کی بُو اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ عمدہ ہے۔

(صحیح البخاری:۱۸۹۴، ۱۹۰۴، ۵۹۲۷، ۷۴۹۲، ۷۵۳۸، صحیح مسلم:۱۱۵۱، سنن ترمذی:۷۶۴، سنن نسائی:۲۲۱۶، سنن ابوداؤد:۲۳۶۳، سنن ابن ماجہ:۱۶۳۸، مسند احمد:۷۶۳۶، موطا امام مالک:۶۸۹)

صحیح البخاری:۷۵۳۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ہر عمل کے کفارہ ہونے کا محمل

یعنی انسان سے جو گناہ سرزد ہو جاتے ہیں ان کا کوئی نہ کوئی کفارہ ہوتا ہے اور کفارہ ادا کرنے سے اللہ تعالیٰ اس کے گناہ پر پردہ رکھتا ہے اور اس کی مغفرت فرماتا ہے۔

روزہ کی اللہ تعالیٰ کے ساتھ خصوصیت کی توجیہ

بندہ تمام اطاعات اور عبادات اللہ عزوجل کے لیے کرتا ہے لیکن روزہ ایسی عبادت ہے کہ روزہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی

اور معبود کا تقرب حاصل نہیں کیا گیا، اس کے برخلاف دوسری عبادات مثلاً قربانی کرنا، سجدہ کرنا یا قیام کرنا یا صدقہ کرنا، ان عبادات کے ساتھ بتوں کا تقرب بھی حاصل کیا گیا ہے۔

اس حدیث میں فرمایا ہے کہ ''روزہ کی جزا میں خود دوں گا''، اس پر یہ سوال ہے کہ تمام عبادات اور اطاعات کی جزا اللہ تعالیٰ خود عطا فرماتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ بسا اوقات دیگر اطاعات اور عبادات کی جزا اللہ تعالیٰ فرشتوں کے حوالے فرما دیتا ہے لیکن روزہ کی جزا اللہ تعالیٰ بلاواسطہ خود عطا فرماتا ہے۔

روزہ دار کی منہ کی بو کے پسندیدہ ہونے پر ابحاث

اس حدیث میں ''لخلوف'' کا لفظ ہے یعنی منہ سے جو بو آتی ہے، اس پر یہ سوال ہے کہ اللہ تعالیٰ تو خوشبو کو سونگھنے سے مبرّا اور منزّہ ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ارشاد بطور فرض ہے یعنی اگر بالفرض اللہ تعالیٰ خوشبو کو سونگھتا تو روزہ دار کے منہ کی بو اس کو مشک سے زیادہ پسند ہوتی۔

اس حدیث پر دوسرا سوال یہ ہے کہ شہید کے خون کے متعلق حدیث میں وارد ہے کہ ''اس کی خوشبو مشک کی مثل ہوتی ہے'' اور روزہ دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک سے زیادہ پسندیدہ ہے تو اس سے لازم آیا کہ روزہ دار کا درجہ شہید سے افضل ہو؟

اس کا جواب یہ ہے کہ روزہ دار کے منہ کی بو اس کے لعاب سے آتی ہے اور روزہ دار کے منہ کا لعاب طاہر ہے اور شہید کا خون نجس ہے اس لیے روزہ دار کے منہ کی بو کا درجہ مُشک کی خوشبو کے درجہ سے افضل ہے۔

اس پر تیسرا سوال یہ ہے کہ جب شہید کا خون مشک کی خوشبو کی مثل ہے تو پھر اس خون کے زائل کرنے کو کیوں حرام قرار دیا ہے؟ اور روزہ دار کے منہ کی بو کے زائل کرنے کو حرام قرار نہیں دیا گیا حالانکہ وہ مشک کی خوشبو سے افضل ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ شہید کے خون کو زائل کرنا محال ہے اس کے برخلاف روزہ دار کے منہ کی بو کو زائل کرنا محال نہیں ہے، یا اگر شہید کے خون کو حرام قرار دیا جائے تو اس سے اس کے جسم کو زخمی کرنا لازم آئے گا یا اس سے اس کو ضرر ہوگا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۲۸۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۷۵۳۹۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ ح وَقَالَ لِی خَلِیفَةُ حَدَّثَنَا یَزِیدُ بْنُ زُرَیْعٍ عَنْ سَعِیدٍ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَبِی الْعَالِیَةِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِیِّ ﷺ فِیمَا یَرْوِیهِ عَنْ رَبِّهِ قَالَ لَا یَنْبَغِی لِعَبْدٍ أَنْ یَقُولَ إِنَّهُ خَیْرٌ مِنْ یُونُسَ بْنِ مَتَّى وَنَسَبَهُ إِلَى أَبِیهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں حفص بن عمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از قتادہ، ح اور مجھ سے خلیفہ نے بیان کیا، انہوں نے کہا: ہمیں یزید بن زریع نے حدیث بیان کی از سعید از قتادہ از ابو العالیہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما از نبی ﷺ، آپ نے اپنے رب سے روایت کرتے ہوئے فرمایا: کسی بندہ کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ یہ کہے کہ میں حضرت یونس بن متّٰی سے خیر یا افضل

ہوں اور آپ نے حضرت یونس علیہ السلام کو ان کے باپ کی طرف منسوب فرمایا۔

(صحیح البخاری: ۳۳۹۵، ۳۴۱۳، ۴۶۳۰، ۷۵۳۹، صحیح مسلم: ۲۳۷۷، سنن ترمذی: ۱۸۳، سنن ابوداؤد: ۴۶۶۹، مسند احمد: ۲۱۶۸، سنن دارمی: ۲۷۴۶)

صحیح البخاری: ۷۵۳۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے افضل ہیں پھر یہ کیسے فرمایا کہ کسی بندہ کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ یہ کہے کہ میں حضرت یونس بن متی سے افضل ہوں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ آپ نے یہ ارشاد تواضعاً فرمایا یا انکساراً فرمایا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۲۸۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۵۴۰۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ أَبِي سُرَيْجٍ أَخْبَرَنَا شَبَابَةُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ قُرَّةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُغَفَّلٍ الْمُزَنِيِّ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَوْمَ الْفَتْحِ عَلَى نَاقَةٍ لَهُ يَقْرَأُ سُورَةَ الْفَتْحِ أَوْ مِنْ سُورَةِ الْفَتْحِ قَالَ فَرَجَّعَ فِيهَا قَالَ ثُمَّ قَرَأَ مُعَاوِيَةُ يَحْكِي قِرَاءَةَ ابْنِ مُغَفَّلٍ وَقَالَ لَوْلَا أَنْ يَجْتَمِعَ النَّاسُ عَلَيْكُمْ لَرَجَّعْتُ كَمَا رَجَّعَ ابْنُ مُغَفَّلٍ يَحْكِي النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم فَقُلْتُ لِمُعَاوِيَةَ كَيْفَ كَانَ تَرْجِيعُهُ قَالَ آ آ آ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن ابی سریج نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شبابہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از معاویہ بن قرۃ المزنی از حضرت عبداللہ بن المغفل المزنی رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح (مکہ) کے دن ایک اونٹنی پر سوار دیکھا، آپ سورۃ الفتح کی تلاوت فرما رہے تھے یا سورۃ الفتح سے تلاوت فرما رہے تھے، پھر آپ نے اس میں ترجیع کی، شعبہ نے بیان کیا، پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کی تلاوت کی اور حضرت ابن مغفل رضی اللہ عنہ کی قراءت کی نقل کی، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر مجھے یہ خطرہ نہ ہوتا کہ لوگ تمہارے پاس جمع ہو جائیں گے تو میں اس طرح ترجیع کرتا جس طرح حضرت ابن مغفل رضی اللہ عنہ نے ترجیع کی تھی۔ حضرت ابن مغفل رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے انداز میں تلاوت کرتے تھے۔ شعبہ نے کہا: میں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ وہ کس طرح ترجیع کرتے تھے؟ تو انہوں نے کہا وہ الف کو تین مد کے برابر کھینچ کر پڑھتے تھے: آ آ آ، تین مرتبہ۔

(صحیح البخاری: ۴۲۸۱، ۴۸۳۵، ۵۰۳۴، ۵۰۴۷، ۷۵۴۰، صحیح مسلم: ۷۹۴، سنن ابوداؤد: ۱۴۶۷، مسند احمد: ۲۰۰۱۹)

صحیح البخاری: ۷۵۴۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مناسبت

اس باب کا عنوان ہے: ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ تعالیٰ سے روایت کرنا'' اور یہ روایت عام ہے کہ فرشتے کی وساطت کے بغیر ہو یا بلاواسطہ ہو، نیز اس سے بھی عام ہے کہ وہ قرآن کی حکایت ہو یا اس کے غیر کی، علامہ المہلب مالکی نے کہا ہے: اس باب کا معنی یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب سے سنت کی بھی اسی طرح روایت کی ہے جس طرح آپ نے اپنے رب سے قرآن مجید کی وحی کی روایت کی ہے، اور اس باب میں امام بخاری نے حضرت ابن مغفل رضی اللہ عنہ کی حدیث کو اس پر تنبیہ کرنے کے لیے درج کیا ہے کہ قرآن مجید بھی آپ کے رب سے روایت ہے۔

ترجیع کا معنی

اس حدیث میں مذکور ہے ''فرجّع فیها'' یہ لفظ ترجیع سے ماخوذ ہے، ترجیع کا معنی ہے: حلق میں آواز کو لوٹانا اور پست آواز سے پڑھنے کے بعد دوبارہ اس کلام کو بلند آواز سے پڑھنا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا قول اس پر دلالت کرتا ہے کہ جب قرآن مجید کو ترجیع اور خوش الحانی کے ساتھ پڑھا جائے تو لوگ اس کو غور سے سننے اور سمجھنے کے لیے جمع ہو جاتے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''کیف کان ترجیعہ؟ قال: آآآ ثلاث مرات'' یعنی جس جگہ ایک بار الف پر مد ہو تو آپ اس کو تین مد کے برابر پڑھتے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۲۸۵۔۲۸۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۱۔ بَابُ: مَا يَجُوزُ مِنْ تَفْسِيرِ التَّوْرَاةِ وَغَيْرِهَا مِنْ كُتُبِ اللهِ بِالْعَرَبِيَّةِ وَغَيْرِهَا لِقَوْلِ اللهِ تَعَالَى: قُلْ فَأْتُوا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَا إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۳﴾ (آل عمران: ۹۳)

تورات اور دیگر آسمانی کتابوں کے عربی میں ترجمہ کا جواز، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''آپ کہیے: اگر تم سچے ہو تو تورات کو لا کر اس کی تلاوت کرو''O

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ تورات، انجیل، زبور اور دیگر صحائف جو بعض انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوئے تھے ان کا لغت عربی میں ترجمہ کرنا یا کسی اور زبان میں ان کا ترجمہ کرنا یہ جائز ہے۔

آل عمران: ۹۳ سے استدلال کی تقریر یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم تورات لا کر اس کی تلاوت کرو اگر تم سچے ہو'' تورات عبرانی زبان میں ہے اور وہ اس کو عربی زبان میں منتقل کر کے پڑھتے تھے اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہوا تو اس سے معلوم ہوا کہ تورات جو عبرانی زبان میں ہے اس کا عربی میں ترجمہ کرنا یعنی عربی میں منتقل کر کے اس کو پڑھنا یہ جائز ہے، اور وہب بن منبہ

اور دیگر علماء آسمانی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کر کے بیان کرتے تھے لیکن اس کی صحت قطعی نہیں ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "اہلِ کتاب جو تورات کی تفسیر عربی زبان میں کرتے ہیں اس کی تصدیق نہ کرو" کیونکہ یہ ثابت ہے کہ وہ اپنی کتاب میں سے بعض آیات کو چھپا لیتے ہیں اور بعض آیات میں تحریف کر دیتے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۲۸۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۷۵۴۱۔ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ أَخْبَرَنِي أَبُو سُفْيَانَ بْنُ حَرْبٍ أَنَّ هِرَقْلَ دَعَا تَرْجُمَانَهُ ثُمَّ دَعَا بِكِتَابِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَرَأَهُ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللهِ وَرَسُولِهِ إِلَى هِرَقْلَ وَ ﴿يَآ أَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ﴾ الْآيَةَ

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ مجھے ابو سفیان بن حرب نے خبر دی کہ ہرقل نے اپنے ترجمان کو بلایا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوب کو منگوایا، پس اس کو پڑھا: "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، محمد اللہ کے بندے اور اللہ کے رسول کی جانب سے ہرقل کی طرف ہے:

"اے اہلِ کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر (مسلّم) ہے ○" (آل عمران: ۶۴)

(صحیح البخاری: ۷، ۵۱، ۲۶۸۱، ۲۸۰۴، ۲۹۴۱، ۲۹۷۸، ۳۱۷۴، ۴۵۵۳، ۵۹۸۰، ۶۲۶۰، ۷۱۹۶، ۷۵۴۱، صحیح مسلم: ۱۷۷۳، سنن ترمذی: ۲۷۱۷، سنن ابوداؤد: ۵۱۳۶، مسند احمد: ۲۳۶۶)

صحیح البخاری: ۷۵۴۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں ترجمان کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: وہ شخص جو ایک زبان یا ایک لغت کو دوسری زبان یا دوسری لغت کی طرف نقل کرے تاکہ اس کا مضمون دوسروں کی سمجھ میں آجائے۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ ہرقل کے ترجمان نے قرآن مجید کی آیات کا اپنی زبان میں ترجمہ کیا ہے حتیٰ کہ ہرقل نے قرآن مجید کی آیات کا معنی سمجھ لیا، اس سے معلوم ہوا کہ تفہیم کی غرض سے قرآن مجید کی فارسی میں تلاوت جائز ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۲۸۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قرآن مجید کو فارسی زبان میں پڑھنے پر امام ابوحنیفہ کے دلائل

امام ابوحنیفہ نے ہرقل کی حدیث سے اور ہرقل کے ترجمان کو بلانے سے اور ترجمان نے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوب کو اپنی زبان میں پڑھا حتیٰ کہ ہرقل نے اس مکتوب کا مضمون سمجھ لیا، امام ابوحنیفہ نے کہا: اس سے معلوم ہوا کہ قرآنِ مجید کو فارسی میں پڑھنا جائز ہے اور یہ کہا کہ نماز میں فارسی زبان میں قراءت کی جائے تو نماز صحیح ہے اور باقی تمام فقہاء نے اس کی مخالفت کی ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ نماز میں قرآن کو فارسی میں پڑھنے سے نماز صحیح نہیں ہوگی، اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے کہا: اگر وہ شخص عربی زبان اچھی طرح پڑھ سکتا ہے تو اس کے لیے قرآن مجید کو فارسی میں پڑھنا جائز نہیں ہے۔

امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ المقرو (یعنی جس کی قرأت کی جاتی ہے) اس کا نام قرآن ہے خواہ وہ دوسری لغت یا دوسری زبان

میں ہو جب کہ معنی ظاہر ہو جائے اور کسی لفظ کے معنی کو چھوڑا نہ جائے خواہ الفاظ بدل جائیں جب کہ معنی نہ بدلے، اور اگر اس نے ایسا لفظ پڑھا جو قرآن کے لفظ کے مطابق نہیں ہے مثلاً حمد کی جگہ شکر پڑھا تو پھر جائز نہیں ہے، اور ان کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاءِ سابقین علیہم السلام کے اقوال کو قرآنِ مجید میں عربی زبان میں ذکر کیا ہے جب کہ ظاہر یہ ہے کہ انبیاء سابقین کے وہ اقوال ان کی اپنی زبانوں میں تھے عربی زبان میں نہیں تھے مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ حضرت نوح نے اپنے بیٹے سے کہا:

یٰبُنَیَّ ارْكَبْ مَّعَنَا (ہود:۴۲) اے بیٹے! ہمارے ساتھ سوار ہو جاؤ۔

اور ظاہر ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے یہ بات اپنی زبان میں کہی تھی، پس اسی طرح جائز ہے کہ قرآن مجید کو ان کی زبانوں میں پڑھا جائے، نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ (الانعام:۱۹) اور میری طرف اس قرآن کی وحی کی گئی ہے تا کہ میں تم کو اس قرآن سے ڈراؤں اور جس (تک) یہ پہنچے۔

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قرآن سے تمام لوگوں کو ڈرایا اور تمام لوگوں کو ڈرانا اس وقت متحقق ہوگا جب سب لوگوں کو ان کی اپنی اپنی زبانوں میں ڈرایا جائے، پس ہر زبان والا اس کو اپنی زبان میں پڑھے گا حتیٰ کہ اس کا ڈرانا متحقق ہو جائے اور جب کسی مبلغ نے لوگوں کو ان کی زبان میں قرآن مجید کی آیات پڑھ کر سنائیں تو اس مبلغ نے اپنی تبلیغ پوری کر دی اور اللہ تعالیٰ نے اس کا نام قرآن رکھا، اسی طرح ایمان لانا جس طرح عربی زبان میں صحیح ہے اسی طرح فارسی زبان میں بھی صحیح ہے۔

دوسرے فقہاء جو قرآن مجید کو فارسی زبان میں پڑھنے سے منع کرتے ہیں ان کے دلائل

دوسرے فقہاء نے کہا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِیًّا (یوسف:۲) بے شک ہم نے اس قرآن کو عربی (زبان) میں نازل کیا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ اس نے قرآن مجید کو عربی زبان میں نازل کیا ہے، پس عجمی زبان میں قرآن مجید کا نزول باطل ہو گیا، اور جو لوگ قرآن مجید کی فارسی زبان میں تلاوت کو جائز کہتے ہیں، ان سے یہ کہا جائے گا کہ جب کوئی شخص فاتحۃ الکتاب کو فارسی زبان میں پڑھے تو آیا اس کی اس قراءت کو فاتحۃ الکتاب کا نام دینا جائز ہے یا یہ کہا جائے گا کہ یہ فاتحۃ الکتاب کی تفسیر ہے، پس اگر وہ یہ کہیں کہ یہ فاتحۃ الکتاب کی تفسیر ہے تو ان سے کہا جائے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص فاتحۃ الکتاب کی قراءت نہ کرے اس کی نماز نہیں ہوتی'' اور آپ نے یہ نہیں فرمایا: جو فاتحۃ الکتاب کی تفسیر نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی، نیز اگر کوئی شخص عربی میں سورۂ فاتحہ کی تفسیر نماز میں پڑھے تو اس کی نماز جائز نہیں ہوگی، اگر وہ فارسی میں سورۂ فاتحہ کی تفسیر پڑھے تو اس کی نماز بدرجہ اولیٰ ناجائز ہونی چاہیے۔

فارسی میں قرآن مجید کو پڑھنے پر امام ابوحنیفہ کے دلائل کے جوابات

فقہاءِ احناف نے اس سے استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء سابقین علیہم السلام کے اقوال کو عربی زبان میں منتقل کر کے نازل فرمایا ہے جیسے حضرت نوح علیہ السلام کا قول ''یٰبُنَیَّ ارْكَبْ مَّعَنَا ---- (ہود:۴۲)'' اور بے شک حضرت نوح علیہ السلام نے یہ بات اپنی زبان میں کہی تھی، پس جس طرح حضرت نوح علیہ السلام کی کہی ہوئی بات کو عربی میں منتقل کرنا جائز ہے اسی طرح قرآن مجید کو عجمی زبان

میں منتقل کرنا جائز ہے۔

فقہاءِ احناف کی اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاءِ سابقین کے اقوال کو عربی زبان میں منتقل کر کے نازل فرمایا اور ہم اس کی عربی زبان میں تلاوت کر کے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں، پس ہمارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ ہم اس سے تجاوز کریں اور قرآنِ مجید کو دوسری لغات اور زبانوں میں پڑھیں اور کہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور قرآن ہے، ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا ترجمہ ہے یا یہ قرآن کی آیات کا ترجمہ ہے۔

رہا فقہاءِ احناف کا یہ کہنا کہ فارسی زبان میں ایمان لانا صحیح ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ ایمان صرف اعتقاد کا نام ہے نہ کہ الفاظ کا، اس لیے جائز ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی شہادت ہر لغت میں دی جائے۔

دوسرے فقہاء کے دلائل کا امام ابوحنیفہ کی طرف سے جواب

امام ابوحنیفہ نے اس شخص کے لیے نماز میں سورہ فاتحہ کو فارسی میں پڑھنے کی اجازت دی ہے جو عربی زبان کے پڑھنے اور اس کے تلفظ کرنے پر قادر نہ ہو، اور یہ اجازت ضرورت کی بناء پر ہے اور جو چیز ضرورت کی بناء پر جائز ہو وہ بغیر ضرورت کے قدرت کی صورت میں جائز نہیں ہوتی جیسا کہ جو شخص پانی کے استعمال پر قادر نہ ہو اس کے لیے تیمم کرنا جائز ہے اور جب یہ عذر نہ ہو تو پھر اس کے لیے تیمم کر کے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے، اسی طرح جو عجمی شخص عربی زبان بولنے پر قادر نہ ہو اور اس کو فارسی زبان بولنے پر قدرت اور مہارت ہو اس کے لیے فارسی میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا جائز ہے اور جب وہ عربی زبان میں سورۂ فاتحہ پڑھنے پر قادر ہو تو پھر اس کے لیے سورۂ فاتحہ کا پڑھنا فارسی زبان میں جائز نہیں ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۵۴۱۔۵۴۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۷۵۴۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ أَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ أَهْلُ الْكِتَابِ يَقْرَءُونَ التَّوْرَاةَ بِالْعِبْرَانِيَّةِ وَيُفَسِّرُونَهَا بِالْعَرَبِيَّةِ لِأَهْلِ الْإِسْلَامِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَا تُصَدِّقُوا أَهْلَ الْكِتَابِ وَلَا تُكَذِّبُوهُمْ ﴿قُولُوا آمَنَّا بِاللهِ وَمَا أُنْزِلَ﴾ الْآيَةَ

(صحیح البخاری: ۴۴۸۵، ۷۳۶۲، ۷۵۴۲)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عثمان بن عمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں علی بن المبارک نے خبر دی از یحییٰ بن کثیر از ابوسلمہ از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ اہلِ کتاب تورات کو عربی زبان میں پڑھتے تھے اور اہلِ اسلام کے لیے اس کی تفسیر عربی زبان میں کرتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہلِ کتاب کی نہ تصدیق کرو اور نہ تکذیب کرو "اور تم یہ کہو: ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہماری طرف نازل کیا گیا اور اس پر جو ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کی اولاد پر نازل کیا گیا، اور اس پر جو موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا گیا اور جو دوسرے نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا، ہم (ایمان لانے میں) نبیوں میں سے کسی ایک میں (بھی) فرق نہیں کرتے

اور ہم اسی (ایک رب) کے فرمانبردار ہیں O'' (البقرہ:۱۳۶)

صحیح البخاری: ۷۵۴۲، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نماز میں سورۂ فاتحہ کو فارسی زبان میں پڑھنے کی تحقیق

اس مسئلہ میں تفصیل یہ ہے کہ اگر نمازی عربی زبان میں تلاوت کرنے پر قادر ہو تو اس کے لیے عربی زبان سے عدول کر کے دوسری زبان میں قرآن پڑھنا جائز نہیں ہے اور اگر پڑھے گا تو اس کی نماز صحیح نہیں ہوگی، اور اگر وہ نماز سے باہر ہے تو پھر اس کے لیے قرآن مجید کو فارسی زبان میں پڑھنا ناجائز نہیں ہے، کیونکہ وہ معذور ہے اور جو شخص نماز پڑھ رہا ہو اور وہ عربی زبان میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھ سکے تو اس کے لیے شارع علیہ السلام نے بدل رکھا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کا ہر کلمہ زبان سے ادا کرنا محال نہیں ہے، پس جس کو عربی زبان نہ آتی ہو وہ اللہ تعالیٰ کے اذکار میں سے کسی ایک ذکر کو بار بار دہراتا رہے حتیٰ کہ وہ اس ذکر کو ادا کرنے پر قادر ہو جائے، ایسی صورت میں سورۂ فاتحہ کی جگہ وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا رہے تو اس کی نماز ہو جائے گی، اسی بناء پر ہم کہتے ہیں کہ جو شخص اسلام میں داخل ہو یا اسلام میں داخل ہونے کا ارادہ کرے تو اس کو قرآن مجید پڑھایا جائے اگرچہ وہ اس کے معنی نہیں سمجھتا لیکن اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ قرآن مجید کے الفاظ ادا کرتا رہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''جب تم سے اہلِ کتاب قرآن مجید کی تفسیر عربی زبان میں بیان کریں تو تم ان کی نہ تصدیق کرو اور نہ تکذیب کرو''۔

امام بیہقی نے کہا: اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ اہلِ کتاب اگر اپنی کتاب کی عبرانی زبان کی عربی میں تفسیر کریں اور وہ سچی بات بھی بیان کریں تو تم اس کی تصدیق نہ کرو، کیونکہ ہو سکتا ہے انہوں نے اس میں تحریف کی ہو۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۶۲۸، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۵۴۳۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ أُتِيَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم بِرَجُلٍ وَامْرَأَةٍ مِنَ الْيَهُودِ قَدْ زَنَيَا فَقَالَ لِلْيَهُودِ مَا تَصْنَعُونَ بِهِمَا قَالُوا نُسَخِّمُ وُجُوهَهُمَا وَنُخْزِيهِمَا قَالَ ﴿قُلْ فَأْتُوا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَا إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ فَجَاؤُوا فَقَالُوا لِرَجُلٍ مِمَّنْ يَرْضَوْنَ يَا أَعْوَرُ اقْرَأْ فَقَرَأَ حَتَّى انْتَهَى إِلَى مَوْضِعٍ مِنْهَا فَوَضَعَ يَدَهُ عَلَيْهِ قَالَ ارْفَعْ يَدَكَ فَرَفَعَ يَدَهُ فَإِذَا فِيهِ آيَةُ الرَّجْمِ تَلُوحُ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ إِنَّ عَلَيْهِمَا الرَّجْمَ وَلَكِنَّا نُكَاتِمُهُ بَيْنَنَا فَأَمَرَ بِهِمَا فَرُجِمَا فَرَأَيْتُهُ يُجَانِئُ عَلَيْهَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی از ایوب از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہود کے ایک مرد اور ایک عورت کو لایا گیا جنہوں نے زنا کیا تھا، آپ نے یہود سے پوچھا: تم ان دونوں (زناکاروں) کے ساتھ کیا کرتے ہو؟ انہوں نے کہا: ہم ان کے مونہوں کو کالا کرتے ہیں اور ان کو رسوا کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: ''اگر تم سچے ہو تو تورات کو لا کر اس کی تلاوت کرو O'' (آل عمران: ۹۳) پس وہ تورات کو لے کر آئے اور انہوں نے اپنے ایک پسندیدہ مرد سے کہا: اے اعور! تم پڑھو، سو اس نے پڑھا حتیٰ کہ جب اس جگہ

الْحِجَارَةَ.

پہنچا (جہاں زنا کی سزا کا ذکر تھا) تو اس نے اس کے اوپر اپنا ہاتھ رکھ دیا، کہا: تم اپنا ہاتھ اٹھاؤ، اس نے اپنا ہاتھ اٹھایا تو اس میں رجم (سنگسار کرنے) کرنے کی آیت ظاہر تھی، پس اس نے کہا: اے محمد! ان دونوں کے اوپر رجم ہے لیکن ہم آپس میں اس حکم کو چھپاتے تھے، پس آپ کے حکم سے ان دونوں کو رجم کیا گیا، (حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا:) پس میں نے دیکھا کہ مرد اس عورت کے اوپر جھک کر اس کو پتھروں سے بچا رہا تھا۔

(صحیح البخاری: ۳۶۳۵، صحیح مسلم: ۱۶۹۹، سنن ابوداؤد: ۴۴۴۶، مسند احمد: ۴۴۸۴، موطا امام مالک: ۱۵۵۱، سنن دارمی: ۲۳۲۱)

صحیح البخاری: ۷۵۴۳، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے "قال ارفع يدك" اس حدیث میں قال کا فاعل مبہم ہے کہ کس نے کہا، اور پہلے گزر چکا ہے کہ یہ کہنے والے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ تھے، اور جس نے رجم کی آیت پر اپنا ہاتھ رکھا تھا وہ عبداللہ بن صوریہ تھا۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "نُكاتمه" یعنی ہم رجم کو چھپاتے تھے۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۶۲۹، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۵۲۔ بَابُ: قَوْلِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم الْمَاهِرُ بِالْقُرْآنِ مَعَ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ وَزَيِّنُوا الْقُرْآنَ بِأَصْوَاتِكُمْ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: قرآن مجید کی تلاوت میں ماہر معزز نیکوکار فرشتوں کے ساتھ ہوگا، (اور آپ کا ارشاد:) قرآنِ مجید کو اپنی آوازوں کے ساتھ مزین کر کے پڑھو

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی التوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

"الماهر بالقرآن" کا معنی ہے: جو شخص تلاوتِ قرآن میں حاذق ہو، یعنی بار بار قرآنِ مجید کی تلاوت کر کے اس کو قرآن مجید کی تلاوت کا ملکہ حاصل ہو گیا ہو اور وہ بہت عمدہ تلاوت کرتا ہو اور اس کا حفظِ قرآن بھی پختہ ہو۔

نیز اس عنوان میں مذکور ہے "مع السفرة الكرام" السفرة سافر کی جمع ہے جیسے کاتب کی جمع کتبہ ہے، اس کا معنی بھی لکھنے والے ہے، اور یہ وہ فرشتے ہیں جو لوحِ محفوظ سے نقل کر کے لکھتے ہیں اور الکرام کا معنی ہے: وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزت والے ہیں اور البررة کا معنی ہے: یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والے ہیں اور اپنے آپ کو گناہوں سے پاک رکھنے والے ہیں، سنن ترمذی میں حدیث ہے کہ جو شخص قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہو اور وہ اس میں ماہر ہو تو وہ معزز نیک فرشتوں کے ساتھ ہوگا، امام

ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

علامہ ابن الاثیر نے کہا: ''السفرۃ الکرام البررۃ'' کا معنی ہے ملائکہ یعنی فرشتے۔

اس عنوان میں مذکور ہے ''وزینوا القرآن باصواتکم'' یعنی اپنی آوازوں کے ساتھ قرآن مجید کو خوش الحانی کے ساتھ پڑھو، یہ ان احادیث میں سے ہے جن کو امام بخاری نے بطور تعلیق ذکر کیا ہے اور اپنی کتاب میں کسی اور جگہ ان کی سند کے ساتھ روایت نہیں کی، اور اپنی کتاب ''خلق افعال العباد'' میں اس حدیث کی از عبدالرحمٰن بن عوسجہ از حضرت البراء رضی اللہ عنہ روایت کی ہے، اور اسی سند کے ساتھ اس حدیث کو امام احمد، امام ابوداؤد، امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ اور امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں لکھا ہے کہ ''زینوا القرآن باصواتکم'' کا معنی ہے: یعنی قرآن مجید کو مد اور ترتیل کے ساتھ پڑھو اور اتنا لمبا مد نہ کرو جو غنا کی حد میں داخل ہو جائے (جیسے میں نے ایک خوش الحان واعظ سے سنا وہ بار بار ترنم کے ساتھ پڑھ رہے تھے ابی آآآ واستکبرآآ سو اس طرح ترنم کے ساتھ بلاضرورت کھینچ کر قرآن مجید کے الفاظ پڑھنا ممنوع ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)

(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۲۸۸، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

بابِ مذکور کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

قرآن مجید کی مہارت سے مراد یہ ہے کہ قرآن پڑھنے والے کو قرآن مجید پختہ یاد ہو اور وہ عمدگی سے تلاوت کرے اور اپنی قراءت کے درمیان پس و پیش اور سوچ و بچار نہ کرے، اللہ تعالیٰ نے اس پر قراءت کو آسان کر دیا ہو اور وہ قرآن مجید کو اس طرح روانی سے پڑھے جس طرح اللہ تعالیٰ نے معزز نیک فرشتوں پر قرآن مجید کا پڑھنا آسان کر دیا ہے، سو اس کے اوپر تلاوت آسان ہو گی اور وہ ان شاء اللہ معزز نیک فرشتوں کے درجہ میں ہو گا۔

امام بخاری نے اس کے ضمن میں خوش آوازی کی احادیث کو بھی ذکر کیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''قرآن مجید کو اپنی آوازوں کے ساتھ خوش نما بناؤ''۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ان آوازوں پر محمول کیا جو سننے میں اچھی لگتی ہیں نہ کہ ایسی آواز جن کو سن کر کان ان کو دور پھینکتے ہیں جیسے گدھے کی آواز ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ﴿۱۹﴾ (لقمان: ۱۹) بے شک تمام آوازوں میں سب سے بری آواز گدھے کی ہے ○

اور اسی معنی میں یہ حدیث ہے کہ ''اللہ تعالیٰ کسی بات کو اتنی توجہ سے نہیں سنتا جتنی توجہ سے اچھی آواز کے ساتھ قرآن مجید کو سنتا ہے''۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص قرآن پڑھتا ہے اور وہ اس میں ماہر ہو تو وہ معزز نیک فرشتوں کے ساتھ ہو گا اور جو شخص قرآن پڑھتا ہے اور قرآن کا پڑھنا اس پر دشوار ہو تو اس کو دو اجر ملتے ہیں''۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس شخص نے قرآن مجید کو پڑھا تو ہر حرف کے پڑھنے سے اس کو دس نیکیاں ملتی ہیں اور جس کے لیے دو اجر ہیں اس کے لیے نیکیوں کو دگنا کر دیا جائے گا، پس اسے ہر حرف کے بدلہ میں بیس نیکیاں ملیں گی۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ قرآن مجید بہت عمدہ آواز کے ساتھ پڑھتے تھے، ان سے ایک دن حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ فلاں سورت پڑھو، انہوں نے وہ سورت پڑھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ رونے لگے اور کہا کہ میرا یہ گمان نہیں تھا کہ یہ سورت نازل

ہوچکی ہے، پس اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کو عمدہ آواز کے ساتھ پڑھنا اس لیے ہے کہ قرآن مجید دلوں میں اتر جائے اور قرآن مجید کی نصیحتیں دلوں میں گھر کر جائیں، اور جو شخص ہمیشہ قرآن مجید کی قراءت کرتا رہتا ہے تو اس کی آواز عمدہ ہو جاتی ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۵۴۶۔ ۵۴۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۷۵۴۴۔ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ حَمْزَةَ حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي حَازِمٍ عَنْ يَزِيدَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ مَا أَذِنَ اللَّهُ لِشَيْءٍ مَا أَذِنَ لِنَبِيٍّ حَسَنِ الصَّوْتِ بِالْقُرْآنِ يَجْهَرُ بِهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابراہیم بن حمزہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابن ابی حازم نے حدیث بیان کی از یزید از محمد بن ابراہیم از ابوسلمہ از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کسی بات کو اتنی توجہ سے نہیں سنتا جتنی توجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمدہ آواز سے قرآن پڑھنے کو سنتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۵۰۲۳، ۵۰۲۴، ۷۴۸۲، ۷۵۴۴، صحیح مسلم: ۷۹۲، سنن نسائی: ۱۰۱۷، سنن ابوداؤد: ۱۴۷۳، مسند احمد: ۷۷۷۳، سنن دارمی: ۱۴۸۸)

اللہ تعالیٰ کے توجہ سے سننے سے مراد اس کا لازمی معنی ہے یعنی اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے اور خوش ہوتا ہے۔

۷۵۴۵۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يُونُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ وَسَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ وَعَلْقَمَةُ بْنُ وَقَّاصٍ وَعُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ حَدِيثِ عَائِشَةَ حِينَ قَالَ لَهَا أَهْلُ الْإِفْكِ مَا قَالُوا وَكُلٌّ حَدَّثَنِي طَائِفَةً مِنَ الْحَدِيثِ قَالَتْ فَاضْطَجَعْتُ عَلَى فِرَاشِي وَأَنَا حِينَئِذٍ أَعْلَمُ أَنِّي بَرِيئَةٌ وَأَنَّ اللَّهَ يُبَرِّئُنِي وَلَكِنِّي وَاللَّهِ مَا كُنْتُ أَظُنُّ أَنَّ اللَّهَ يُنْزِلُ فِي شَأْنِي وَحْيًا يُتْلَى وَلَشَأْنِي فِي نَفْسِي كَانَ أَحْقَرَ مِنْ أَنْ يَتَكَلَّمَ اللَّهُ فِيَّ بِأَمْرٍ يُتْلَى وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ ﴿إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِنْكُمْ﴾ الْعَشْرَ الْآيَاتِ كُلَّهَا۔

(صحیح البخاری: ۲۶۶۱، صحیح مسلم: ۲۷۷۰، مسند احمد: ۲۵۰۹۵)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از یونس از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے عروہ بن الزبیر اور سعید بن المسیب اور علقمہ بن وقاص اور عبید اللہ بن عبد اللہ نے خبر دی از حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، جب تہمت لگانے والوں نے ان کے متعلق وہ کہا جو کہا، اور ہر ایک نے حدیث کا ایک ٹکڑا مجھ سے بیان کیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں اپنے بستر پر لیٹ گئی اور مجھے اس وقت علم تھا کہ بے شک میں بے قصور ہوں اور بے شک اللہ تعالیٰ میری بے قصوری کو ظاہر فرمادے گا لیکن اللہ کی قسم! میں یہ گمان نہیں کرتی تھی کہ اللہ تعالیٰ میرے متعلق ایسی وحی نازل فرمائے گا جس کی تلاوت کی جائے گی اور میرے دل میں میرا مقام اس سے بہت کم تر تھا کہ اللہ تعالیٰ میرے متعلق ایسا کلام نازل فرمائے جس کی تلاوت کی جائے اور اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی:

''بے شک جن لوگوں نے (حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر) تہمت

لگائی وہ تم میں سے ایک گروہ ہے" (النور:۱۱)، یہ کل دس آیات ہیں۔

صحیح البخاری: ۷۵۴۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیثِ مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "میں اپنے آپ کو اس سے کمتر خیال کرتی تھی کہ میرے متعلق اللہ تعالیٰ ایسا کلام نازل فرمائے جس کی تلاوت کی جائے" یعنی محرابوں اور محفلوں میں ان آیات کی تلاوت کی جائے۔

اور اس باب کے عنوان میں ذکر ہے کہ "قرآنِ مجید کو اپنی آوازوں کے ساتھ مزیّن کرو"۔

بعض مشکل جملوں کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "کل حدثنی طائفة من الحدیث" یعنی زہری نے کہا: اور ان ائمہ میں سے ہر ایک نے تہمت کی حدیث کا ایک ٹکڑا بیان کیا۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "یبرئنی" یعنی اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی ایسا خواب دکھا دے گا جس سے میرا بے قصور ہونا ظاہر فرما دے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۲۸۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۵۴۶۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ أُرَاهُ قَالَ سَمِعْتُ الْبَرَاءَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم يَقْرَأُ فِي الْعِشَاءِ ﴿وَالتِّيْنِ وَ الزَّيْتُوْنِ۝﴾ فَمَا سَمِعْتُ أَحَدًا أَحْسَنَ صَوْتًا أَوْ قِرَاءَةً مِنْهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مسعر نے حدیث بیان کی از عدی بن ثابت، میرا گمان ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے حضرت البراء رضی اللہ عنہ سے سنا، انہوں نے کہا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ عشاء کی نماز میں یہ قراءت کرتے تھے: وَالتِّيْنِ وَ الزَّيْتُوْنِ۝۔۔ (التین:۱)، پس میں نے نہیں سنا کہ کسی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عمدہ آواز یا عمدہ قرأت کے ساتھ اس آیت کو پڑھا ہو۔

(صحیح البخاری: ۷۶۷، ۷۶۹، ۴۹۵۲، ۷۵۴۶، صحیح مسلم: ۴۶۴، سنن ترمذی ۳۱۰، سنن نسائی: ۱۰۰۱، سنن ابوداؤد: ۱۲۲۱، سنن ابن ماجہ: ۸۳۵، موطا امام مالک: ۱۷۶)

اس حدیث کو اس باب میں وارد کرنے سے امام بخاری کی غرض یہ ہے کہ یہ بیان کیا جائے کہ ترنم کے اعتبار سے لوگوں کے قرآن پڑھنے کی آوازیں مختلف ہوتی ہیں۔

۷۵۴۷۔ حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ عَنْ أَبِي بِشْرٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم مُتَوَارِيًا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں حجاج بن منہال نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشیم نے حدیث بیان کی از ابی بشر از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس

رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم (بعثت کے آغاز میں مشرکین سے) مکہ میں چھپے ہوئے تھے اور آپ (نماز میں) اپنی آواز بلند فرماتے تھے، پس جب مشرکین سنتے تو قرآن مجید کو برا کہتے اور جو قرآن مجید کو لے کر آیا اس کو برا کہتے تو اللہ عزوجل نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ارشاد فرمایا:

''اور آپ نماز میں نہ بہت بلند آواز سے قرآن پڑھیں اور نہ بہت پست آواز سے''۔ (بنی اسرائیل:۱۱۰)

وَكَانَ يَرْفَعُ صَوْتَهُ فَإِذَا سَمِعَ الْمُشْرِكُونَ سَبُّوا الْقُرْآنَ وَمَنْ جَاءَ بِهِ فَقَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ لِنَبِيِّهِ ﷺ ﴿وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا﴾

(صحیح البخاری:۴۷۲۲، ۷۴۹۰، ۷۵۲۶، صحیح مسلم:۴۴۶، موطا امام مالک:۵۰۵)

اس حدیث کی شرح عنقریب صحیح البخاری:۷۵۲۶ میں گزر چکی ہے۔

۷۵۴۸۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي صَعْصَعَةَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ رضي الله عنه قَالَ لَهُ إِنِّي أَرَاكَ تُحِبُّ الْغَنَمَ وَالْبَادِيَةَ فَإِذَا كُنْتَ فِي غَنَمِكَ أَوْ بَادِيَتِكَ فَأَذَّنْتَ لِلصَّلَاةِ فَارْفَعْ صَوْتَكَ بِالنِّدَاءِ فَإِنَّهُ لَا يَسْمَعُ مَدَى صَوْتِ الْمُؤَذِّنِ جِنٌّ وَلَا إِنْسٌ وَلَا شَيْءٌ إِلَّا شَهِدَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَ أَبُو سَعِيدٍ سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی صعصعہ از والد خود، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: بے شک میں دیکھتا ہوں کہ تم بکریوں کو اور جنگل میں رہنے کو پسند کرتے ہو، پس جب تم اپنی بکریوں میں ہو یا جنگل میں ہو پس تم نماز کی اذان دو تو اذان میں اپنی آواز کو بلند کرو کیونکہ مؤذن کی آواز جہاں تک پہنچے گی اور اس آواز کو جن اور انسان یا اور کوئی چیز بھی سنے گی تو وہ اس کے حق میں قیامت کے دن گواہی دے گی، حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے اس حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے۔

(صحیح البخاری:۶۰۹، ۳۲۹۶، ۷۵۴۸، سنن نسائی:۶۴۴، سنن ابن ماجہ:۷۲۳، مسند احمد:۱۰۹۱۲، موطا امام مالک:۱۵۳)

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مناسبت اس طرح ہے کہ جب اذان کی آواز سن کر سننے والے قیامت کے دن اذان دینے والے کے حق میں گواہی دیں گے تو قرآنِ مجید کو اگر بلند آواز سے پڑھا جائے تو اس کو سننے والے بطریقِ اولیٰ قیامت کے دن اس کے حق میں گواہی دیں گے۔

۷۵۴۹۔ حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ أُمِّهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَرَأْسُهُ فِي حَجْرِي وَأَنَا حَائِضٌ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قبیصہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے بیان کیا کہ ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از منصور از والدۂ خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وہ بیان کرتی

ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید پڑھ رہے تھے اور آپ کا سر میری گود میں تھا اور اس وقت میں حائضہ تھی۔

(صحیح البخاری: ۲۹۷، ۷۵۴۹، صحیح مسلم: ۳۰۱، سنن نسائی: ۳۸۱، سنن ابوداؤد: ۲۶۰، سنن ابن ماجہ: ۶۳۴، مسند احمد: ۲۴۳۴۱)

اس حدیث میں ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی تلاوت فرماتے تھے اور اسی جملہ سے اس حدیث کی باب کے ساتھ مطابقت ہے۔

نیز اس حدیث سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ جس عورت کو حیض آیا ہوا ہو وہ نجس العین نہیں ہوتی بلکہ طاہرہ ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گود میں سر رکھ کر لیٹے ہوئے تھے اور آپ اس حالت میں قرآن مجید کی تلاوت فرما رہے تھے۔

۵۳۔ بَابُ: قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ (المزمل: ۲۰)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس تم جتنا آسانی سے قرآن پڑھ سکتے ہو پڑھ لیا کرو

۷۵۵۰۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ حَدَّثَنِي عُرْوَةُ أَنَّ الْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ وَعَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ عَبْدٍ الْقَارِيَّ حَدَّثَاهُ أَنَّهُمَا سَمِعَا عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَقُولُ سَمِعْتُ هِشَامَ بْنَ حَكِيمٍ يَقْرَأُ سُورَةَ الْفُرْقَانِ فِي حَيَاةِ رَسُولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَاسْتَمَعْتُ لِقِرَائَتِهِ فَإِذَا هُوَ يَقْرَأُ عَلَى حُرُوفٍ كَثِيرَةٍ لَمْ يُقْرِئْنِيهَا رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَكِدْتُ أُسَاوِرُهُ فِي الصَّلَاةِ فَتَصَبَّرْتُ حَتّٰى سَلَّمَ فَلَبَّبْتُهُ بِرِدَائِهِ فَقُلْتُ مَنْ أَقْرَأَكَ هٰذِهِ السُّورَةَ الَّتِي سَمِعْتُكَ تَقْرَأُ قَالَ أَقْرَأَنِيهَا رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَقُلْتُ كَذَبْتَ أَقْرَأَنِيهَا عَلَى غَيْرِ مَا قَرَأْتَ فَانْطَلَقْتُ بِهِ أَقُودُهُ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَقُلْتُ إِنِّي سَمِعْتُ هٰذَا يَقْرَأُ سُورَةَ الْفُرْقَانِ عَلَى حُرُوفٍ لَمْ تُقْرِئْنِيهَا فَقَالَ أَرْسِلْهُ اقْرَأْ يَا هِشَامُ فَقَرَأَ الْقِرَائَةَ الَّتِي سَمِعْتُهُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم كَذٰلِكَ أُنْزِلَتْ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم اقْرَأْ يَا عُمَرُ فَقَرَأْتُ الَّتِي أَقْرَأَنِي فَقَالَ كَذٰلِكَ أُنْزِلَتْ إِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ أُنْزِلَ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے بیان کیا کہ ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از عقیل از ابن شہاب، انہوں نے بیان کیا کہ مجھ سے عروہ نے حدیث بیان کی، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت المسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہما اور حضرت عبدالرحمٰن بن عبد القاری رضی اللہ عنہ یہ دونوں بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا کہ میں نے حضرت ہشام بن حکیم رضی اللہ عنہ سے سنا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں سورۃ الفرقان پڑھ رہے تھے تو میں نے ان کی قراءت کو بغور سنا، پس وہ اس سورت میں بہت حروف ایسے پڑھ رہے تھے جو مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں پڑھائے تھے، پس قریب تھا کہ میں نماز میں ان پر جھپٹ پڑتا سو میں نے صبر کیا حتیٰ کہ انہوں نے سلام پھیرا، پھر میں نے ان کو اپنی چادر سے پکڑ کر گھسیٹا، پس میں نے کہا: میں نے جو تم سے ابھی سورت سنی ہے تم کو یہ سورت کس نے پڑھائی؟ انہوں نے کہا: مجھے یہ سورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھائی ہے، میں نے کہا: تم جھوٹ بولتے ہو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مجھے یہ سورت پڑھائی ہے وہ ان الفاظ کے سوا ہے جو تم نے پڑھے ہیں، پس میں ان کو گھسیٹتا ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گیا سو میں

نے کہا: میں نے اس کو سورۃ الفرقان ان حروف کے ساتھ پڑھتے ہوئے سنا جو آپ نے مجھے نہیں پڑھائے، آپ نے فرمایا: تم اس کو چھوڑ دو! اے ہشام! تم پڑھو، پس حضرت ہشام رضی اللہ عنہ نے اسی قراءت کے ساتھ وہ سورت پڑھی جس قراءت کے ساتھ میں نے ان سے سنی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ سورت اسی طرح نازل ہوئی ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمر! تم پڑھو، پس میں نے وہ سورت پڑھی جس طرح آپ نے مجھے پڑھائی تھی، تو آپ نے فرمایا: اسی طرح نازل ہوئی ہے! بے شک یہ قرآن سات حروف پر نازل ہوا ہے، پس تم اس حرف کے مطابق پڑھو جو تم کو آسان لگے۔

(صحیح البخاری: ۲۴۱۹، ۴۹۹۲، ۵۰۴۱، ۶۹۳۶، ۷۵۵۰، صحیح مسلم: ۸۱۸، سنن ترمذی: ۲۹۴۳، سنن نسائی: ۹۳۷، سنن ابوداؤد: ۱۴۷۵، مسند احمد: ۲۷۹، موطا امام مالک: ۴۷۲)

صحیح البخاری: ۷۵۵۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "فلببته" یہ لفظ تلبیب سے ماخوذ ہے، اس کا معنی ہے: جھگڑے کے وقت کسی کے کپڑے کو اکٹھا کر کے پکڑنا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "علی سبعة احرف" سات حروف سے مراد سات لغات ہیں، دوسرا قول یہ ہے کہ حرف سے مراد اعراب ہے یعنی کسی قاری کی قراءت میں ایک اعراب ہوتا ہے اور دوسرے قاری کی قراءت میں دوسری قسم کا اعراب ہوتا ہے، اور اکثر علماء نے یہ کہا ہے کہ ان سات حروف سے مراد یہ ہے کہ ایک سورت میں تلاوت میں ایک لفظ کو بطورِ ادغام ذکر کیا ہو اور دوسری سورت میں اس کو ظاہر کیا ہو مثلاً "مَدَّ" اس میں ادغام ہے، اور "مَدَدَ" اس میں اظہار ہے، تو ہر ایک کو یہ اجازت دی گئی کہ اس کی لغت میں جس طرح وہ لفظ بولا جاتا ہو اسی طرح پڑھے، اور قرشی کو ہمزہ کا مکلف نہیں کیا جائے گا اور نہ اسدی کو حرفِ مضارع پر فتح کا مکلف کیا جائے گا، اور ایک قول یہ ہے کہ یہ سات لغات صرف قبیلہ مُضر کی ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۲۹۱۔ ۲۹۲، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۷۵۵۰، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کی عدم فرضیت پر دلیل

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ لکھتے ہیں: '' فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ۔۔۔ (المزمل: ۲۰)'' کا معنی یہ ہے کہ قرآن مجید کی ان آیات کو پڑھو جن آیات کو دل میں حفظ کرنا آسان ہو اور زبان سے ان کا پڑھنا سہل ہو۔

فقہاء احناف نے اس آیت سے یہ ثابت کیا ہے کہ نماز میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا فرض نہیں ہے بلکہ مطلقاً قرآن مجید کا پڑھنا فرض ہے خواہ وہ سورۂ فاتحہ ہو یا کوئی اور سورت ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''پس تم جتنا آسانی سے قرآن پڑھ سکتے ہو پڑھ لیا کرو'' اور نماز میں قرآن مجید پڑھنے کو سورۂ فاتحہ کے ساتھ مقید نہیں فرمایا۔

سات حروف کی تحقیق

اس حدیث میں مذکور ہے کہ یہ قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا ہے، پس تم اس حرف پر پڑھو جو تم کو آسان لگے۔

اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ جب یہ ثابت ہے کہ قرآن مجید سات حروف پر نازل ہوا ہے تو قراء کرام کے لیے یہ کیسے جائز ہوا کہ وہ قراءت کی زیادہ روایات کریں اور ان کی قراءت کی ستر بلکہ ایک سو سے زیادہ روایات ہیں۔

علامہ المہلب مالکی نے اس کے جواب میں یہ لکھا ہے کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مصاحف کو لکھنے کا حکم دیا اور ان مصاحف کو مختلف شہروں میں بھیج دیا، پھر قراء نے اپنے اپنے لکھے ہوئے مصاحف کو دیکھا تو ان کے لکھنے کی صورتوں میں فرق تھا مثلاً وہ کانوا کو اس طرح لکھتے تھے ''کنوا'' اور قالوا کو اس طرح لکھتے تھے ''قلوا''، پس جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مصحف پہنچا تو انہوں نے اس میں الف کو زیادہ کر دیا، اسی طرح بعض قراءت میں ماء غیر یاسن لکھا ہوا تھا تو حجاج بن یوسف نے قراء کی جماعت کی طرف لوٹایا تو انہوں نے اس کو ''آسن'' لکھ دیا۔

اور وہ جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت سے ذکر کیا گیا ہے اس میں ایک کلمہ کو دوسرے کلمہ کے ساتھ تبدیل کر دیا گیا ہے مثلاً قرآن مجید میں ہے ''صَيْحَةً وَّاحِدَةً ۔۔۔ (یٰس: ۲۹)'' تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں یہ لفظ اس طرح ہے ''زقية واحدة'' اور قرآن مجید میں ہے ''بَيْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ۝ ۔۔۔ (الصافات: ۴۶)'' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں بیضاء کی جگہ ''صفراء'' ہے، پس اس سے لفظ اور معنی دونوں بدل جاتے ہیں، اسی لیے امت کا اس پر اجماع ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت کو ترک کر دیا گیا ہے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۵۴۸۔ ۵۴۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

میں کہتا ہوں کہ عرب کے مختلف قبائل میں مختلف لغات مستعمل تھیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن مجید سات حروف پر یعنی سات لغات پر نازل ہوا ہے اور جس قبیلہ کے نزدیک جو لغت مستعمل ہو وہ اس لغت کے مطابق قرآن مجید کو پڑھ لے تاکہ امت کو آسانی ہو مثلاً کسی قبیلہ کی لغت میں تعال کہا جاتا تھا اور دوسرے قبیلہ کی لغت میں ''اقبل'' کہا جاتا تھا، یا کسی قبیلہ کی لغت میں نحوی کہا جاتا تھا اور دوسرے قبیلہ کی لغت میں قصدی کہا جاتا تھا، اور ان حروف کے بدلنے سے معنی تبدیل نہیں ہوتا تھا، پھر اسی طرح لوگ اپنی اپنی لغات میں قرآن مجید کو پڑھتے رہے اور قرآن مجید کو سات لغات پر پڑھا جاتا رہا، پھر ایک شخص کی لغت دوسرے شخص کی لغت کے مخالف ہوتی تو وہ کہتا کہ تم جو آیت پڑھ رہے ہو یہ قرآن نہیں ہے، اس طرح مسلمان قرآن مجید میں مختلف

ہو گئے تب حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف مکتوب لکھا کہ اس سے پہلے کہ ہماری امت یہود و نصاریٰ کی طرح اپنی کتاب میں مختلف ہو جائے آپ اس کا تدارک کر لیں، تب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کا وہ نسخہ منگوایا جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت زید بن ثابت اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم سے لکھوا کر حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس جمع کر دیا تھا اور وہ لغتِ قریش پر تھا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس مصحف یا اس نسخہ کی متعدد نقول تیار کرائیں اور ہر بڑے شہر میں اس کی ایک نقل بھیج دی کہ اس کے مطابق قرآن مجید کو لکھیں اور اس سے پہلے جو مختلف لغات کے اعتبار سے قرآن مجید کے نسخے لکھے ہوئے ہیں ان کو مٹا دیں، پھر فتنہ کے سدِ باب کے لیے کہا کہ ان کاغذات کو جلا دیں اور اس طرح اب پوری دنیا میں وہی قرآن مجید ہے جس کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تیار کرا کے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس رکھوا دیا تھا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۵۴۔ بَابُ: قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۱۷﴾ (القمر:۱۷)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے نصیحت کے حصول کے لیے قرآن کو آسان کر دیا ہے تو ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا ○

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں اللہ عزوجل کے ارشاد "وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ" کا معنی بیان کیا گیا ہے، "يَسَّرْنَا" کا لفظ تیسیر سے ماخوذ ہے یعنی قرآن مجید کے پڑھنے کو زبان پر سہل اور آسان کر دیا ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد ہے نصیحت حاصل کرنا اور تیسرا قول ہے اس سے مراد ہے: قرآن مجید کو حفظ کرنا اور یاد کرنا۔

نیز قرآن مجید میں ہے "فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۱۵﴾" "مدّکر" اصل میں مذتکر تھا، ذال کو دال سے بدلا اور پھر تاء کو دال سے بدل کر دال کا دال میں ادغام کر دیا تو پھر یہ لفظ مدّکر ہو گیا۔

بابِ مذکور کی تعلیقات

امام بخاری بیان کرتے ہیں۔

وَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم: كُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ

يُقَالُ: مُيَسَّرٌ: مُهَيَّأٌ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر شخص کے لیے اسی کام کو آسان کر دیا گیا ہے جس کام کے لیے اسے پیدا کیا گیا ہے۔

میسّر کہا جاتا ہے اور اس سے مراد لیا جاتا ہے تیار کیا گیا۔

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ بِلِسَانِكَ هَوَّنَّا قِرَاءَتَهُ عَلَيْكَ

مجاہد نے کہا: "یسرنا القرآن" کا معنی ہے: ہم نے آپ کی زبان پر قرآن مجید کے پڑھنے کو آسان کر دیا۔

وَقَالَ مَطَرٌ الْوَرَّاقُ: وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ

اور مطر الوراق نے کہا "وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ

مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿١٧﴾ (القمر: ١٧)
قَالَ: هَلْ مِنْ طَالِبِ عِلْمٍ فَيُعَانَ عَلَيْهِ

مُّدَّكِرٍ ﴿١٧﴾'' کا معنی ہے: کوئی طالب علم ہے کہ علم پر اس کی اعانت کی جائے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۲۹۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

٧٥٥١۔ حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ قَالَ يَزِيدُ حَدَّثَنِي مُطَرِّفُ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنْ عِمْرَانَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ فِيمَا يَعْمَلُ الْعَامِلُونَ قَالَ كُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو معمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الوارث نے حدیث بیان کی، انہوں نے بیان کیا کہ یزید نے کہا: مجھے مطرف بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی از حضرت عمران رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! عمل کرنے والے کس چیز میں عمل کرتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: ہر ایک کے لیے وہ کام آسان کر دیا گیا ہے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے۔

(صحیح البخاری: ٦٥٩٦، ٧٥٥١، صحیح مسلم: ٢٦٤٩، سنن ابوداؤد: ٤٧٠٩، مسند احمد: ١٩٣٣٣)

علامہ شہاب الدین ابو العباس احمد القسطلانی المتوفی ۹۱۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث مختصر ہے، کتاب القدر میں پوری روایت اس طرح سے ہے کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد نے کہا: یا رسول اللہ! کیا اہلِ جنت اہلِ نار سے ممتاز ہو جائیں گے، آپ نے فرمایا: ہاں، اس نے کہا: پھر عمل کرنے والے عمل کیوں کریں؟ تو آپ نے فرمایا: ہر مرد وہی عمل کرتا ہے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے یا جو اس کے لیے آسان کیا گیا ہے۔ (صحیح البخاری: ٦٥٩٦)

سائل کا منشاء یہ تھا کہ جب اللہ تعالیٰ نے لوحِ محفوظ میں پہلے ہی لکھ دیا ہے کہ کون شخص اہل جنت میں سے ہے اور کون شخص اہلِ نار میں سے ہے پھر اسی طرح سے ہوگا تو پھر ہم عمل کاہے کو کریں، آپ نے فرمایا: تم نیک عمل کرتے رہو اور جس کام کے لیے تمہیں پیدا کیا گیا ہے وہ کام تمہارے لیے آسان کر دیا گیا ہے، یعنی مکلف کو چاہیے کہ وہ نیک اعمال میں کوشش کرتا رہے کیونکہ اس کا عمل اس کی علامت ہے کہ اس کا انجام کیا ہوگا۔ (ارشاد الساری ج ۱۵ ص ۶۰۷، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

٧٥٥٢۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مَنْصُورٍ وَالْأَعْمَشِ سَمِعَا سَعْدَ بْنَ عُبَيْدَةَ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَلِيٍّ رضي الله عنه عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم أَنَّهُ كَانَ فِي جَنَازَةٍ فَأَخَذَ عُودًا فَجَعَلَ يَنْكُتُ فِي الْأَرْضِ فَقَالَ مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا كُتِبَ مَقْعَدُهُ مِنَ النَّارِ أَوْ مِنَ الْجَنَّةِ قَالُوا أَلَا نَتَّكِلُ قَالَ اعْمَلُوا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ ﴿فَأَمَّا مَنْ أَعْطٰى وَاتَّقٰى ﴿٥﴾﴾ الْآيَةَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں غندر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از منصور اور الاعمش، ان دونوں نے سعد بن عبیدہ سے سنا از ابو عبد الرحمٰن از حضرت علی رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، وہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ایک جنازہ میں تھے، آپ ایک لکڑی لے کر اس سے زمین کو کریدنے لگے، پس آپ نے فرمایا: تم میں سے ہر شخص کا ٹھکانا لکھ دیا گیا ہے خواہ اس کا ٹھکانا دوزخ میں ہے یا جنت میں، صحابہ نے عرض کیا:

کیا ہم اس لکھے ہوئے پر اعتماد نہ کرلیں؟ آپ نے فرمایا: تم عمل
کرتے رہو، پس ہر شخص کے لیے اس کام کو آسان کردیا گیا ہے
جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی:
''پس جس نے (اللہ کی راہ) میں دیا اور اللہ سے ڈر کر گناہوں سے
بچتا رہاO'' (اللیل:۵)

(صحیح البخاری: ۱۳۶۲، ۴۹۴۵، ۴۹۴۶، ۴۹۴۷، ۴۹۴۸، ۴۹۴۹، ۶۲۱۷، ۶۶۰۵، ۷۵۵۲، صحیح مسلم: ۲۶۴۷، سنن ترمذی: ۳۳۴۴، سنن ابوداؤد: ۴۶۹۴، مسند احمد: ۱۰۷۰)

صحیح البخاری: ۷۵۵۲، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

تقدیر میں لکھے ہوئے پر تکیہ کرنے کی بحث

علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ حاصلِ کلام یہ ہے کہ صحابہ نے کہا کہ جب معاملہ پہلے ہی مقدر ہو چکا ہے تو ہم عمل کرنے کی مشقت کیوں اٹھائیں، سو ہم عمل کو ترک کردیتے ہیں اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ جس کو جس کام کے لیے پیدا کیا گیا ہے اس کے لیے اسی عمل کو آسان کردیا گیا ہے اور آسان کرنے میں کوئی مشقت نہیں ہے۔

اور علامہ الخطابی نے کہا ہے: صحابہ نے یہ ارادہ کیا تھا کہ جب ان کا انجام پہلے ہی لکھا جا چکا ہے تو اب وہ عمل کس لیے کریں؟ تو آپ نے ان کو یہ خبر دی کہ یہاں دو چیزیں ہیں اور ایک چیز سے دوسری چیز باطل نہیں ہوتی، ایک چیز وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم کا تقاضا ہے اور یہ ظاہر ہے، اور دوسری چیز وہ ہے جو عبودیت کے حق کی علامت ہے، پس آپ نے ان سے یہ بیان فرمایا کہ دنیا میں عمل کرنے کا اثر آخرت میں ظاہر ہوگا اور ظاہر کو امرِ باطنی کی وجہ سے ترک نہیں کیا جاتا۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۶۳۲، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

اشکالِ مذکور کا مصنف کی طرف سے جواب

میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو نیک عمل یا بدعمل کرنے کا اختیار دیا ہے، سو وہ اپنے اختیار سے نیک عمل کرتا ہے اور اسی پر اس کا خاتمہ ہوتا ہے تو اس کی آخرت میں نجات ہو جائے گی، اور اگر وہ اپنے اختیار سے بدعمل کرتا ہے اور اسی پر اس کا خاتمہ ہوتا ہے تو اس کی نجات نہیں ہوگی، اور اللہ تعالیٰ علام الغیوب ہے اس کو ازل میں بھی علم تھا کہ جب میں بندوں کو اختیار دوں گا اور وہ اپنے اختیار سے عمل کریں گے تو ان کے عمل نیک ہوں گے یا بد ہوں گے اور اس نے اپنے اس علم کو لوحِ محفوظ میں لکھ دیا ہے، سو لوحِ محفوظ میں تمام لوگوں کے اعمال اور ان کے انجام لکھے ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ ۝ (القمر: ۵۲) اور انہوں نے جو کچھ کیا ہے وہ سب، صحائف میں لکھا ہوا ہےO

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جو کچھ لوگوں نے کیا ہے وہ صحائف میں لکھا ہوا ہے، یہ معنی نہیں ہے کہ جو کچھ صحائف میں لکھا ہوا ہے وہ انہوں نے کیا ہے، کیونکہ علم معلوم کے تابع ہے معلوم علم کے تابع نہیں ہے، اس کی مثال اس طرح دی جا سکتی ہے کہ ایک شخص نے

کراچی سے اسلام آباد جانے کے لیے پی آئی اے کا ٹکٹ خریدا اور اس ٹکٹ میں لکھا ہوا تھا کہ اس کی پرواز فلاں دن اتنے بج کر اتنے منٹ پر ہوگی، اب اس شخص کو علم ہے کہ فلاں دن اتنے بج کر اتنے منٹ پر اس کا طیارہ پرواز کرے گا، اب اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ چونکہ اس کو یہ علم ہے کہ فلاں دن اتنے بجے طیارہ پرواز کرے گا اس لیے وہ طیارہ اتنے بجے پرواز کر رہا ہے بلکہ طیارہ تو اپنے شیڈول کے مطابق فلاں دن اتنے بجے پرواز کر رہا ہے، اس شخص کو کسی ذریعہ سے اس کا پہلے علم ہو گیا، اسی طرح ہم جو کچھ عمل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کو اس کا پہلے سے علم ہے، اب اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کو ہمارے عمل کا علم ہے اس لیے ہم وہ عمل کر رہے ہیں بلکہ ہم تو اپنے اختیار اور ارادہ سے اپنے پروگرام اور اپنے منصوبہ کے مطابق عمل کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ چونکہ علام الغیوب ہے اس لیے اس کو ہمارے ارادوں کا اور ہمارے کیے ہوئے کاموں کا پیشگی علم ہے اور اس کا یہ پیشگی علم ہی تقدیر ہے، لہٰذا اب یہ اشکال لازم نہیں آتا جب اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی سب کچھ لکھ دیا ہے تو پھر ہمیں عمل کرنے کی کیا ضرورت ہے! (سعیدی غفرلہٗ)

۵۵۔ بَابُ: قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ۙ﴿۲۱﴾ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ﴿۲۲﴾

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بلکہ قرآن بہت عظمت والا ہے ○ لوحِ محفوظ میں (مکتوب) ہے ○ (البروج: ۲۱۔۲۲)

وَالطُّوْرِ ۙ﴿۱﴾ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۙ﴿۲﴾ (الطور: ۱۔۲)

اور (پہاڑ) طور کی قسم ○ اور اس کتاب کی جو لکھی ہوئی ہے ○

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کے عنوان میں "قرآنٌ مجیدٌ" کا لفظ ہے، مجید کا معنی ہے کریم، یعنی قرآن اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکرم ہے اور اس لفظ کو "قرآنُ مجیدٍ" بھی پڑھا گیا ہے یعنی رب مجید کا قرآن، دوسرا قول یہ ہے کہ مجید کا معنی ہے اس کی آیات محکم ہیں اور ان کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، نافع کی قراءت میں ہے "قرآنٌ محفوظٌ" گویا محفوظ کا لفظ قرآن کی صفت ہے اور اس آیت میں "الطُّوْرِ" کا لفظ ہے، ایک قول یہ ہے کہ یہ شام کا پہاڑ ہے اور اس کے بعد مذکور ہے "كِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ"۔

بابِ مذکور کی تعلیقات

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

قَالَ قَتَادَةُ: مَكْتُوبٌ، يَسْطُرُونَ: يَخُطُّونَ، فِي أُمِّ الْكِتَابِ: جُمْلَةِ الْكِتَابِ وَأَصْلِهِ، مَا يَلْفِظُ: مَا يَتَكَلَّمُ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا كُتِبَ عَلَيْهِ

قتادہ نے کہا: مسطور کا مطلب ہے: لکھا ہوا، یسطرون کا معنی ہے: وہ لکھتے ہیں، ام الکتاب سے مراد جملہ کتاب اور اس کی اصل ہے، اور "ما یلفظ من قول" کا معنی ہے کہ جو شخص جو بھی بات کرتا ہے وہ لکھ دی جاتی ہے۔

علامہ عینی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

قتادہ نے کہا کہ "مَسْطُوْرٍ" کا معنی ہے مکتوب یعنی لکھا ہوا، اور "یسطرون" کا معنی ہے یکتبون، یعنی وہ لکھتے ہیں۔
اور امام عبد بن حمید نے اپنی سند کے ساتھ از قتادہ روایت کی ہے کہ "وما یسطرون" سے مراد ہے قلم اور جو کچھ وہ قلم سے لکھتے ہیں۔
اور اس تعلیق میں مذکور ہے "فی ام الکتاب" یعنی مکمل کتاب اور اس کی اصل کو لکھتے ہیں، امام ابوداؤد نے اس تعلیق کی سند موصول کے ساتھ کتاب "الناسخ والمنسوخ" میں از معمر از قتادہ اسی کی مثل روایت کی ہے۔

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: يُكْتَبُ الْخَيْرُ وَالشَّرُّ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ خیر اور شر کو لکھا جاتا ہے۔

علامہ عینی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

"ما یلفظ من قول" کا معنی ہے کہ بندہ جو کچھ بھی خیر یا شر کی بات کرتا ہے فرشتے اس کو لکھ لیتے ہیں، اس کی امام طبری اور امام ابن ابی حاتم نے روایت کی ہے۔

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

يُحَرِّفُونَ: يُزِيلُونَ، وَلَيْسَ أَحَدٌ يُزِيلُ لَفْظَ كِتَابٍ مِنْ كُتُبِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ وَلٰكِنَّهُمْ يُحَرِّفُونَهُ يَتَأَوَّلُونَهُ عَلَى غَيْرِ تَأْوِيلِهِ

"یحرفون" کا معنی ہے: وہ قرآن مجید کے الفاظ کو زائل کرتے ہیں، (اس پر یہ اشکال ہے کہ) اللہ عزوجل کی کتابوں میں سے کسی کتاب سے بھی کوئی شخص کوئی لفظ زائل نہیں کر سکتا، اس لیے اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ کی کتاب کے الفاظ کی تاویل میں تحریف کرتے ہیں جو اصل تاویل کے مطابق نہیں ہوتی۔

دِرَاسَتُهُمْ: تِلَاوَتُهُمْ، وَاعِيَةٌ: حَافِظَةٌ، وَتَعِيَهَا: تَحْفَظُهَا

"دراستھم" کا معنی ہے جب وہ تلاوت کرتے ہیں، اور "واعیۃ" کا معنی ہے حافظہ یعنی یاد رکھنے والے، "تعیھا" کا معنی ہے: اس کو یاد رکھتے ہیں۔

وَأُوحِيَ إِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِأُنْذِرَكُمْ بِهٖ (الانعام:١٩): يَعْنِي أَهْلَ مَكَّةَ وَمَنْ بَلَغَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ فَهُوَ لَهُ نَذِيرٌ

(اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:) "اور میری طرف اس قرآن کی وحی کی گئی ہے تاکہ میں تم کو اس قرآن کے ذریعہ اللہ کے عذاب سے ڈراؤں"۔ یعنی اہلِ مکہ کو اور جن لوگوں تک یہ قرآن تبلیغ سے پہنچ گیا ہے ان کے لیے یہ قرآن اللہ کے عذاب سے ڈرانے والا ہے۔

علامہ عینی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس تعلیق میں "یحرفون" کا ذکر ہے، یہ درج ذیل آیت میں مذکور ہے:

يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ (المائدہ:١٣) وہ (اللہ کے) کلام کو اس کے مقامات سے بدل دیتے ہیں۔

یعنی قرآن مجید کی آیات کے معانی کو زائل کر دیتے ہیں اور اس کی ایسی تاویل کرتے ہیں جو حق کے خلاف ہوتی ہے۔
اس تعلیق میں مذکور ہے "دراستھم" اس کا ذکر درج ذیل آیت میں ہے:

وَاِنۡ كُنَّا عَنۡ دِرَاسَتِهِمۡ لَغٰفِلِيۡنَ ۞ (الانعام:۱۵۶) اور بے شک ہم اس کے پڑھنے پڑھانے سے غافل تھے O

یعنی ہم ان آیات کی تلاوت سے غافل تھے اور امام ابوعبیدہ نے بیان کیا کہ "يُحَرِّفُوۡنَ الۡكَلِمَ عَنۡ مَّوَاضِعِهٖ ... (المائدہ:۱۳)" کا معنی ہے کہ وہ ان آیات کے معانی کو تبدیل کر دیتے ہیں اور الٹ بیان کرتے ہیں۔

اس تعلیق میں مذکور ہے "واعية" اس کا ذکر درج ذیل آیت میں ہے:

لِنَجۡعَلَهَا لَكُمۡ تَذۡكِرَةً وَّتَعِيَهَاۤ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ۞ (الحاقۃ:۱۲) تاکہ ہم اس کو تمہارے لیے نصیحت بنادیں اور حفاظت کرنے والے کان اس کو محفوظ رکھیں O

اس آیت میں "واعية" کا معنی ہے حافظة یعنی یاد رکھنے والے۔

اس تعلیق کی امام ابن ابی حاتم نے سندِ موصول کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۲۹۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

بابِ مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری کے نزدیک یہود کی تحریف سے مراد ان کی باطل تاویلات ہیں

ہمارے شیخ علامہ ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ نے لکھا ہے کہ امام بخاری نے جو کہا ہے کہ یہود کی تحریف سے مراد آسمانی کتابوں سے ان آیات کو مٹانا نہیں ہے بلکہ ان کی غلط تاویل کرنا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی کتاب سے کوئی کسی آیت کو مٹا نہیں سکتا۔

یہ المائدہ:۱۳ کی تفسیر میں دو قولوں میں سے ایک قول ہے اور یہی امام بخاری کا مختار ہے اور ہمارے اکثر اصحاب نے یہ تصریح کی ہے کہ یہود اور نصاریٰ نے تورات اور انجیل کی آیات کو بدل ڈالا اور اس پر یہ مسئلہ متفرع کیا ہے کہ تورات اور انجیل کے اوراق کی بے حرمتی کرنا جائز ہے اور یہ تصریح امام بخاری کے مختار کے خلاف ہے حتیٰ کہ ہمارے اصحاب نے کہا کہ تورات اور انجیل کے اوراق سے استنجاء کرنا جائز ہے کیونکہ یہ الفاظ تبدیل ہو چکے ہیں۔ (علامہ ابن الملقن کا کلام ختم ہوا)۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۳ ص ۵۷۲، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

اور بعض متاخرین شارحین نے یہ کہا ہے کہ اس مسئلہ میں کئی اقوال ہیں:

یہود کی تحریف کے معنی کے متعلق شارحین سابقین کے چار اقوال

پہلا قول یہ ہے کہ پوری آسمانی کتاب بدل دی گئی ہے اور اسی قول کا یہ تقاضا ہے کہ اس کتاب کے اوراق کی بے حرمتی کرنا جائز ہے اور یہ افراط ہے اور یوں کہنا چاہیے کہ ہمارے اکثر علماء نے اس طرح کہا ہے ورنہ ان کتابوں کی آیات اور احادیث میں اکثر ایسی عبارات ہیں جن میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی اور انہی آیات میں سے یہ آیت بھی ہے:

اَلَّذِيۡنَ يَتَّبِعُوۡنَ الرَّسُوۡلَ النَّبِىَّ الۡاُمِّىَّ الَّذِىۡ يَجِدُوۡنَهٗ مَكۡتُوۡبًا عِنۡدَهُمۡ فِى التَّوۡرٰٮةِ وَالۡاِنۡجِيۡلِ (الاعراف:۱۵۷) جو اس عظیم رسول نبی امی کی پیروی کریں گے جس کو وہ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔

اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ تورات اور انجیل میں یہ لکھا ہوا ہے کہ جو لوگ رسول نبی امی کی اتباع کریں گے، پس ثابت ہوا کہ تورات اور انجیل میں بعض ایسی آیات ہیں جن میں تبدیلی نہیں کی گئی اور ان ہی آیات میں سے یہودیوں کے رجم کرنے کا قصہ ہے، اور تورات میں رجم کی آیت موجود ہے اور اس کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے:

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِیْلُ عَلٰی نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ (آل عمران: ۹۳)

ہر قسم کا طعام تورات کے نازل ہونے سے پہلے بنو اسرائیل کے لیے حلال تھا ماسوا اس کے جس کو یعقوب نے تورات کے نزول سے پہلے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا، آپ کہیے: اگر تم سچے ہو تو تورات کو لا کر اس کی تلاوت کرو O

اسی طرح تورات میں بھی مذکور ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام پر تمام کھانے کی چیزیں حلال تھیں سوائے اونٹ کے گوشت کے جس کو انہوں نے اپنے اوپر صحت کی نذر مان کر حرام کر لیا تھا، نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَكَیْفَ یُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِیْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ یَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ (المائدہ: ۴۳)

اور وہ آپ کو کیسے منصف بنائیں گے حالانکہ ان کے پاس تورات ہے جس میں اللہ کا حکم ہے، پھر اس کے باوجود وہ روگردانی کرتے ہیں۔

یعنی یہودی آپ کے پاس ایک زانی مرد اور زانی عورت کو لے کر آئے تھے کہ آپ ان کا حکم بیان کریں اور تورات میں ان کا حکم یہ ہے کہ ان کو رجم کر دیا جائے، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ یہودی آپ کو اس مسئلہ میں کیسے حَکَم بناتے ہیں حالانکہ ان کے پاس تورات موجود ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا حکم (یعنی زانیوں کو سنگسار کرنا) لکھا ہوا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ تورات میں تبدیلی واقع ہوئی ہے لیکن تورات کے اکثر حصہ میں تبدیلی ہوئی ہے اور اس کے دلائل بہت زیادہ ہیں اور پہلے قول کو بھی اسی پر محمول کرنا چاہیے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ تورات میں بہت کم تبدیلی واقع ہوئی ہے اور اکثر تورات اپنے حال پر باقی ہے۔

چوتھا قول یہ ہے کہ تبدیلی اور تغییر معانی میں ہوئی ہے الفاظ میں نہیں ہوئی، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۭ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝ (الانعام: ۱۱۵)

اور آپ کے رب کی بات سچائی اور عدل کے اعتبار سے پوری ہو گئی، اس کے احکام کو کوئی بدلنے والا نہیں ہے اور وہ بہت سننے والا خوب جاننے والا ہے O

تاویل اور تفسیر کا معنی

تاویل کا معنی تفسیر ہے اور دوسرے علماء نے ان دونوں میں فرق کیا ہے، پس امام ابو عبید الہروی نے کہا ہے: جس لفظ میں دو احتمال ہوں تو اس احتمال کو ترجیح دینا جو ظاہر کے مطابق ہو، اور تفسیر کا معنی ہے لفظِ مشکل کی مراد کا منکشف ہونا، اور صاحب النہایہ نے بیان کیا ہے: تاویل کا معنی ہے لفظ کے ظاہر کو اس کی اصلِ وضع سے کسی دلیل کی بناء پر دوسرے معنی کی طرف نقل کرنا۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۶۳۴۔ ۶۳۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۵۵۳۔ و قَالَ لِي خَلِيفَةُ بْنُ خَيَّاطٍ حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ سَمِعْتُ أَبِي عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَبِي رَافِعٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَمَّا قَضَى اللهُ الْخَلْقَ كَتَبَ كِتَابًا عِنْدَهُ غَلَبَتْ أَوْ قَالَ سَبَقَتْ رَحْمَتِي غَضَبِي فَهُوَ عِنْدَهُ فَوْقَ الْعَرْشِ۔

اور مجھ سے خلیفہ بن خیاط نے کہا: ہمیں معتمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے اپنے والد سے سنا از قتادہ از ابورافع از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو مکمل بنالیا تو اس نے اپنے پاس ایک کتاب میں لکھا: میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے یا میری رحمت میرے غضب پر سابق ہے، پس وہ کتاب اللہ کے پاس عرش کے اوپر ہے۔

(صحیح البخاری: ۳۱۹۴، ۷۴۰۴، ۷۴۲۲، ۷۴۵۳، ۷۵۵۳، ۷۵۵۴، صحیح مسلم: ۲۷۵۱، سنن ترمذی: ۳۵۴۳، سنن ابن ماجہ: ۴۲۹۵، مسند احمد: ۷۴۳۴۳)

۷۵۵۴۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي غَالِبٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ سَمِعْتُ أَبِي يَقُولُ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ أَنَّ أَبَا رَافِعٍ حَدَّثَهُ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رضی الله عنه يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ إِنَّ اللهَ كَتَبَ كِتَابًا قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ الْخَلْقَ إِنَّ رَحْمَتِي سَبَقَتْ غَضَبِي فَهُوَ مَكْتُوبٌ عِنْدَهُ فَوْقَ الْعَرْشِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن ابی غالب نے حدیث بیان کی، انہوں نے بیان کیا کہ ہمیں محمد بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معتمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا کہ میں نے اپنے والد سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں قتادہ نے حدیث بیان کی کہ بے شک ان کو ابورافع نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا کہ انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے تھے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے ایک کتاب لکھی کہ بے شک میری رحمت میرے غضب پر سابق ہے، پس یہ کتاب اس کے پاس عرش کے اوپر لکھی ہوئی ہے۔

(صحیح البخاری: ۳۱۹۴، ۷۴۰۴، ۷۴۲۲، ۷۴۵۳، ۷۵۵۳، ۷۵۵۴، صحیح مسلم: ۲۷۵۱، سنن ترمذی: ۳۵۴۳، سنن ابن ماجہ: ۴۲۹۵، مسند احمد: ۷۴۳۴۳)

صحیح البخاری: ۷۵۵۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "اللہ تعالیٰ کے پاس کتاب ہے" اس حدیث میں عِندَ کا لفظ ہے اور یہ مکان اور جگہ کے لیے آتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے مکان اور جگہ کا ثبوت محال ہے، سو یہ حدیث متشابہات میں سے ہے، یا اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق جو معنی ہو اس پر محمول کیا جائے گا، یا اس کے معنی کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا جائے گا۔

علامہ الکرمانی نے کہا ہے: اللہ تعالیٰ کی صفات قدیمہ ہیں اور صفات قدیمہ میں ایک صفت کا دوسری صفت کے بعد ہونا متصور

نہیں ہے، تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے غضب پر سابق ہو یعنی رحمت پہلے ہو اور غضب بعد میں ہو۔
علامہ کرمانی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے افعال کی صفات ہیں یا اس سے مراد یہ ہے کہ رحمت کا تعلق غضب کے تعلق سے پہلے ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۲۹۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۶۔ بَابُ: قَوْلِ اللهِ تَعَالٰی: وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ (الصافات:۹۶)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حالانکہ تم کو اور تمہارے کاموں کو اللہ نے ہی پیدا کیا ہے O

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:
یعنی یہ باب اللہ عزوجل کے اس قول کی تحقیق میں ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے ہی تم کو اور تمہارے کاموں کو پیدا کیا ہے"۔
علامہ المہلب المالکی نے کہا ہے: امام بخاری کی اس عنوان سے غرض یہ ہے کہ بندوں کے افعال اور ان کے اقوال اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں، دوسرا قول یہ ہے کہ تم جو لکڑیوں اور پتھروں سے بت تراش کر بناتے ہو ان کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے، اور قتادہ نے کہا: جو تم اپنے ہاتھوں سے کام کرتے ہو، ان کاموں کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔

باب مذکور کی تعلیقات

امام بخاری بیان کرتے ہیں:
اِنَّا كُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ (القمر:۴۹)　بے شک ہم نے ہر چیز اندازہ سے بنائی ہے O
علامہ کرمانی نے کہا ہے: اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم نے ہر چیز کو ایک اندازے سے پیدا کیا ہے، اس سے یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے۔
امام بخاری بیان کرتے ہیں:
وَيُقَالُ لِلْمُصَوِّرِيْنَ: اَحْيُوْا مَا خَلَقْتُمْ۔　اور تصویر بنانے والوں سے کہا جائے گا: تم نے جو تخلیق کی ہے اس کو زندہ کرو۔
یعنی اللہ عزوجل یہ فرمائے گا، یا اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرشتہ یہ کہے گا، اور یہ امر تعجیز کے لیے ہے یعنی ان کے عجز کو ظاہر کرنے کے لیے کہ وہ تخلیق پر قادر نہیں ہیں۔
امام بخاری بیان کرتے ہیں:
اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ يُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا وَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍ بِاَمْرِهٖ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ　بے شک تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا، پھر وہ عرش پر جلوہ فرما ہوا، وہ رات سے دن کو چھپا لیتا ہے (اور دن) اس کے پیچھے تیزی سے دوڑتا ہے، اور سورج اور چاند اور ستارے سب اس کے حکم کے تابع ہیں، سنو

الْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۴﴾ (الاعراف: ۵۴)

پیدا کرنا اور حکم دینا اسی کی شان کے لائق ہے، اللہ بہت برکت والا ہے تمام جہانوں کا رب O

قَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ: بَيَّنَ اللّٰهُ الْخَلْقَ مِنَ الْأَمْرِ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى: أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ (الاعراف: ۵۴))

ابن عیینہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے خلق کو امر سے ممتاز کیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "سنو پیدا کرنا اور حکم دینا اسی کی شان کے لائق ہے"۔

علامہ عینی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے بالعموم فرمایا ہے "اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ۔۔۔ (الرعد: ۱۶)" (اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے)، اور ہر چیز میں امر بھی داخل ہے لیکن چونکہ امر یعنی حکم دینا اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اس لیے اس کو الرعد: ۱۶ کے عموم سے خارج قرار دیا جائے گا، پس "خلق" اللہ تعالیٰ کی مخلوقات ہیں اور "امر" اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، علامہ الراغب اصفہانی نے کہا ہے: "الامر" کا لفظ افعال اور اقوال دونوں کو عام ہے۔

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

وَسَمَّى النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم: الْإِيمَانَ عَمَلًا قَالَ أَبُو ذَرٍّ وَأَبُو هُرَيْرَةَ: سُئِلَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم أَيُّ الْأَعْمَالِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: إِيمَانٌ بِاللّٰهِ وَجِهَادٌ فِي سَبِيلِهٖ، وَقَالَ: جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۷﴾ (السجدہ: ۱۷)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کا نام عمل رکھا، حضرت ابوذر اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کون سا عمل سب سے افضل ہے؟ تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اور اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کرنا، اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے "جو وہ دنیا میں ایمان لاتے تھے اور نیک عمل کرتے تھے، یہ اس کی جزاء ہے O"

وَقَالَ وَفْدُ عَبْدِ الْقَيْسِ لِلنَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم: مُرْنَا بِجُمَلٍ مِنَ الْأَمْرِ إِنْ عَمِلْنَا بِهَا دَخَلْنَا الْجَنَّةَ، فَأَمَرَهُمْ بِالْإِيمَانِ وَالشَّهَادَةِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، فَجَعَلَ ذٰلِكَ كُلَّهٗ عَمَلًا۔

اور عبدالقیس کے وفد نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: آپ ہمیں ایسے جامع احکام بیان فرمایئے جن پر عمل کر کے ہم جنت میں داخل ہو جائیں تو آپ نے ان کو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور اللہ تعالیٰ کی شہادت دینے اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا، آپ نے ان تمام چیزوں کو عمل قرار دیا۔

علامہ عینی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

السجدہ: ۱۷ میں ہے "جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۷﴾" یعنی جو وہ احکام کی اطاعت کرتے تھے یہ اس کی جزاء ہے، علامہ کرمانی نے کہا: یعنی جو وہ ایمان لاتے تھے اور باقی عبادات کرتے تھے اس کی جزاء ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۲۹۵-۲۹۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

بابِ مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کا عنوان ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد: ''وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٦﴾ ۔۔۔ (الصافات: ۹۶) حالانکہ تم کو اور تمہارے کاموں کو اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا فرمایا ہے O'' علامہ ابن بطال مالکی نے المہلب سے نقل کیا ہے کہ امام بخاری کی اس عنوان سے غرض یہ ہے کہ بندوں کے افعال اور ان کے اقوال اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''کُن'' اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''امر'' میں فرق ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ ؕ اور سورج اور چاند اور ستارے سب اس کے حکم کے تابع ہیں۔ (الاعراف: ۵۴)

پس ''امر'' خلق کا غیر ہے اور سورج اور چاند وغیرہ جو مسخر ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے امر یعنی اس کے حکم سے ہیں، پھر امام بخاری نے یہ بیان کیا کہ انسان کا نطق اس کے اعمال میں سے ایک عمل ہے جیسا کہ حدیث عبدالقیس کے قصہ میں مذکور ہے جب ان کے وفد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس عمل کے متعلق سوال کیا جو ان کو جنت میں داخل کر دے تو آپ نے ان کو ایمان لانے کا حکم دیا اور ایمان کی تفسیر یہ کی کہ اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے کی گواہی دیں اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے کی گواہی دیں، اور اس کے ساتھ جو ذکر کیا ہے حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں کہ انہوں نے کہا: ''بات یہ ہے کہ اللہ ہی نے تم کو سواری پر سوار کیا ہے'' ان احادیث میں قدریہ پر رد ہے جو یہ زعم کرتے ہیں کہ وہ اپنے اعمال کو خود خلق کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّا كُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ﴿٤٩﴾ (القمر: ۴۹) بے شک ہم نے ہر چیز اندازہ سے بنائی ہے O

علامہ کرمانی نے کہا ہے: اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے ہر چیز کو اندازہ سے پیدا فرمایا ہے، اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے جیسا کہ دوسری آیت میں تصریح فرمائی ہے، نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٦﴾ ۔۔۔ (الصافات: ۹۶) اللہ ہی نے تم کو پیدا فرمایا ہے اور ان کو جن کا تم عمل کرتے ہو O

اس آیت سے ظاہر ہے کہ عمل کی نسبت بندوں کی طرف ہے اور اس پر یہ اشکال ہے کہ پہلے یہ ذکر کیا تھا کہ بندوں کے اعمال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور یہاں بندوں کے عمل کی نسبت بندوں کی طرف فرمائی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں پر عمل خلق کا مغایر ہے اور اس سے مراد کسب ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے تم کو پیدا کیا اور جن کاموں کا تم کسب کرتے ہو ان کو پیدا کیا، کسب کی نسبت بندوں کی طرف اس اعتبار سے ہے کہ اس میں بندوں کی صنعت کا دخل ہے اور عمل کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف اس حیثیت سے ہے کہ عمل کا وجود اللہ تعالیٰ کی قدرت کی تاثیر سے ہوتا ہے، اور اس آیت میں دو جہتیں ہیں، ایک جہت قدریہ کے مذہب کو باطل کرتی ہے جو کہتے ہیں کہ بندہ اپنے اعمال کا خود خالق ہے اور دوسری جہت جبریہ کے مذہب کو باطل کرتی ہے جو کہتے ہیں کہ بندہ کا عمل میں کوئی اختیار نہیں ہوتا وہ مجبور ہے، پس عمل کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ازروئے حقیقت ہے اور بندوں کی طرف ازروئے عادت ہے اور یہ وہ صفت ہے جس پر امر اور نہی اور فعل اور ترک مترتب ہوتے ہیں، پس بندوں کے افعال میں سے جن کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت ہے وہ باعتبار تاثیر قدرت کے ہے اور اس کو خلق کہتے ہیں اور جن افعال کی نسبت بندوں کی طرف ہے وہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے حاصل ہوتے ہیں اور اس کو کسب کہتے ہیں اور اس کسب کی وجہ سے ہی

بندوں کے فعل کی مدح کی جاتی ہے یا مذمت کی جاتی ہے جیسے بدشکل کی مذمت کی جاتی ہے اور حسین وجمیل کی مدح کی جاتی ہے اور رہا ثواب اور عقاب تو وہ علامت ہے اور بندہ صرف اللہ تعالیٰ کا مملوک ہے اللہ تعالیٰ اس میں جو چاہے کرے۔

امام ابن ابی حاتم نے ''وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٦﴾ ...(الصافات:۹۶)'' کی تفسیر میں کہا: یعنی تم جو اپنے ہاتھوں سے کام کرتے ہو ان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے، اور امام ابن ابی حاتم نے قتادہ سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا: جن بتوں کو تم تراش خراش سے بناتے ہو اور ان کی پرستش کرتے ہو اللہ تعالیٰ نے تم کو بھی پیدا کیا ہے اور ان بتوں کو بھی پیدا کیا ہے۔

علامہ السہیلی نے کہا ہے: عقلاء کا اس پر اتفاق ہے کہ بندوں کے افعال جواہر اور اجسام کے ساتھ متعلق نہیں ہوتے، پس تم یہ نہیں کہو گے کہ میں نے پہاڑ کو بنایا یا میں نے اونٹ کو بنایا یا میں نے درخت کو بنایا، اور اصل عبارت یوں ہے کہ کیا تم پتھروں کی عبادت کرتے ہو اور ان کو تراش کر بت بناتے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تم کو پیدا فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان پتھروں کو پیدا فرمایا ہے جن سے تم بت بناتے ہو، اور یہ آیت اس لیے وارد ہوئی ہے کہ یہ بتایا جائے کہ خالق عبادت کے استحقاق میں منفرد ہے۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۶۳۸، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۵۵۵۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ وَالْقَاسِمِ التَّيْمِيِّ عَنْ زَهْدَمٍ قَالَ كَانَ بَيْنَ هٰذَا الْحَيِّ مِنْ جُرْمٍ وَبَيْنَ الْأَشْعَرِيِّينَ وُدٌّ وَإِخَاءٌ فَكُنَّا عِنْدَ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ فَقُرِّبَ إِلَيْهِ الطَّعَامُ فِيهِ لَحْمُ دَجَاجٍ وَعِنْدَهُ رَجُلٌ مِنْ بَنِي تَيْمِ اللّٰهِ كَأَنَّهُ مِنَ الْمَوَالِي فَدَعَاهُ إِلَيْهِ فَقَالَ إِنِّي رَأَيْتُهُ يَأْكُلُ شَيْئًا فَقَذِرْتُهُ فَحَلَفْتُ لَا آكُلُهُ فَقَالَ هَلُمَّ فَلْأُحَدِّثْكَ عَنْ ذَاكَ إِنِّي أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فِي نَفَرٍ مِنَ الْأَشْعَرِيِّينَ نَسْتَحْمِلُهُ قَالَ وَاللّٰهِ لَا أَحْمِلُكُمْ وَمَا عِنْدِي مَا أَحْمِلُكُمْ فَأُتِيَ النَّبِيُّ ﷺ بِنَهْبِ إِبِلٍ فَسَأَلَ عَنَّا فَقَالَ أَيْنَ النَّفَرُ الْأَشْعَرِيُّونَ فَأَمَرَ لَنَا بِخَمْسِ ذَوْدٍ غُرِّ الذُّرَى ثُمَّ انْطَلَقْنَا قُلْنَا مَا صَنَعْنَا حَلَفَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ لَا يَحْمِلَنَا وَمَا عِنْدَهُ مَا يَحْمِلُنَا ثُمَّ حَمَلَنَا تَغَفَّلْنَا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَمِينَهُ وَاللّٰهِ لَا نُفْلِحُ أَبَدًا فَرَجَعْنَا إِلَيْهِ فَقُلْنَا لَهُ فَقَالَ لَسْتُ أَنَا أَحْمِلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَمَلَكُمْ وَإِنِّي وَاللّٰهِ لَا أَحْلِفُ عَلَى يَمِينٍ فَأَرَى غَيْرَهَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن عبدالوہاب نے حدیث بیان کی، انہوں نے بیان کیا کہ ہمیں عبدالوہاب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ایوب نے حدیث بیان کی از ابوقلابہ اور القاسم التیمی از زہدم، وہ بیان کرتے ہیں کہ جرم کے اس قبیلہ اور اشعریین کے درمیان دوستی اور اخوت تھی، پس ہم حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس تھے تو ان کے پاس کھانا لایا گیا جس میں مرغی کا گوشت تھا اور ان کے پاس بنو تیم اللہ کا ایک مرد تھا گویا کہ وہ آزاد شدہ غلاموں میں سے تھا، حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے اس کو کھانے کی دعوت دی تو اس نے کہا: میں نے مرغی کو کوئی چیز کھاتے ہوئے دیکھا تھا تو مجھے اس سے گھن آئی تو میں نے قسم کھائی کہ میں مرغی کا گوشت نہیں کھاؤں گا، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا: ادھر آؤ میں تمہیں اس کے متعلق حدیث بیان کرتا ہوں، بے شک میں اشعریین کی ایک جماعت کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، ہم آپ سے سواری طلب کر رہے تھے، آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں تم کو سوار نہیں کروں گا اور نہ میرے پاس ایسی کوئی چیز ہے جس پر میں تمہیں سوار کروں، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مال غنیمت کے (سفید کوہان

هٰذَا مِنْهَا إِلَّا أَتَيْتُ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ مِنْهُ وَتَحَلَّلْتُهَا

والے پانچ) اونٹ آئے، تو آپ نے ہمارے متعلق سوال کیا: پس آپ نے فرمایا: وہ اشعریین کی جماعت کہاں ہے؟ تو آپ نے ہمارے لیے سفید کوہان والے اونٹوں میں سے پانچ اونٹوں کے دینے کا حکم فرمایا، پھر ہم چلے گئے، پھر ہم نے کہا: ہم نے یہ کیا کیا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قسم کھائی تھی کہ آپ ہم کو سوار نہیں کریں گے اور نہ اس وقت آپ کے پاس کوئی چیز تھی جس پر آپ ہمیں سوار کرتے پھر آپ نے ہمیں سوار فردیا، ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قسم سے آپ کو غافل کر دیا، اللہ کی قسم! ہم کبھی کامیاب نہیں ہوں گے، ہم لوٹ کر آپ کے پاس حاضر ہوئے ہم نے آپ سے یہ بات عرض کی تو آپ نے فرمایا: میں تم کو سواری پر سوار کرنے والا نہیں ہوں یہ تو اللہ تعالیٰ نے تم کو سواری پر سوار فرمایا ہے، اور بے شک میں اللہ کی قسم! کسی چیز کے اوپر قسم کھاؤں پھر اس کے علاوہ دوسری چیز کو اس سے بہتر جانوں تو میں اس کو کرتا ہوں جو بہتر ہوتا ہے اور اپنی قسم کا کفارہ دیتا ہوں۔

(صحیح البخاری: ۳۱۳۳، ۴۳۸۵، ۴۴۱۵، ۵۵۱۷، ۵۵۱۸، ۶۶۲۳، ۶۶۴۹، ۶۶۷۸، ۶۶۸۰، ۶۷۱۸، ۶۷۱۹، ۶۷۲۱، ۷۵۵۵، صحیح مسلم: ۱۶۴۹، سنن نسائی: ۳۷۸۰، سنن ابن ماجہ: ۲۱۰۷، مسند احمد: ۱۹۰۹۴)

صحیح البخاری: ۷۵۵۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیثِ مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "بین الاشعریین" اشعریین، اشعری کی جمع ہے، اس میں اشعر کی طرف نسبت ہے جو یمن کے ایک قبیلہ کا باپ تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "یاکل شیئا" یعنی وہ مرغی کچھ نجاست کھا رہی تھی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فقذِرتہ" یعنی اس وجہ سے میں نے اس مرغی کے کھانے کو مکروہ جانا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "نستحملہٗ" یعنی ہم آپ سے سواریاں طلب کرتے تھے جو ہم کو اٹھا کر لے جائیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "بنھب" اس سے مراد ہے مالِ غنیمت۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ذود" تین اونٹوں سے لے کر دس اونٹوں تک ذود کہا جاتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "الذرٰی" یہ ذروۃ کی جمع ہے، اس کا معنی ہے: ہر چیز کا بلند حصہ، یعنی وہ سفید کوہان والے اونٹ

تھے اور بہت سفید اونٹ تھے اور ان میں چربی بہت تھی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "تغفلنا" یعنی ہم نے آپ کی غفلت کو طلب کیا اور ہم آپ کی توجہ ہٹنے کا سبب بن گئے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ولکن اللہ حملکم" اس کا ایک محمل یہ ہے کہ آپ نے یہ ارادہ فرمایا کہ یہ میرا تم پر احسان نہیں ہے یہ تم پر اللہ تعالیٰ کا احسان ہے، دوسرا محمل یہ ہے کہ آپ بھول گئے تھے اور بھولنے والے کی فعل کی اللہ تعالیٰ کی طرف اضافت کی جاتی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے "روزہ دار جب بھول کر کھا لے تو اللہ تعالیٰ اس کو کھلاتا ہے" اور جب اللہ تعالیٰ نے یہ غنیمت عطا فرمائی تو یہ اونٹ بھی تم کو اسی نے عطا فرمائے، یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حقیقت کی طرف نظر فرمائی کیونکہ حقیقت میں تمام افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وتحللتها" یعنی قسم کا کفارہ دے کر میں اس قسم کی ذمہ داری سے نکل جاتا ہوں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۲۹۷۔۲۹۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۵۵۶۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ حَدَّثَنَا قُرَّةُ بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا أَبُو جَمْرَةَ الضُّبَعِيُّ قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ فَقَالَ قَدِمَ وَفْدُ عَبْدِ الْقَيْسِ عَلَى رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَقَالُوا إِنَّ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ الْمُشْرِكِينَ مِنْ مُضَرَ وَإِنَّا لَا نَصِلُ إِلَيْكَ إِلَّا فِي أَشْهُرٍ حُرُمٍ فَمُرْنَا بِجُمَلٍ مِنَ الْأَمْرِ إِنْ عَمِلْنَا بِهِ دَخَلْنَا الْجَنَّةَ وَنَدْعُو إِلَيْهَا مَنْ وَرَاءَنَا قَالَ آمُرُكُمْ بِأَرْبَعٍ وَأَنْهَاكُمْ عَنْ أَرْبَعٍ آمُرُكُمْ بِالْإِيمَانِ بِاللهِ وَهَلْ تَدْرُونَ مَا الْإِيمَانُ بِاللهِ شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَإِقَامُ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءُ الزَّكَاةِ وَتُعْطُوا مِنَ الْمَغْنَمِ الْخُمُسَ وَأَنْهَاكُمْ عَنْ أَرْبَعٍ لَا تَشْرَبُوا فِي الدُّبَّاءِ وَالنَّقِيرِ وَالظُّرُوفِ الْمُزَفَّتَةِ وَالْحَنْتَمَةِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمرو بن علی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوعاصم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں قرۃ بن خالد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوجمرہ الضبعی نے حدیث بیان کی، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے (وفد عبدالقیس کے متعلق) پوچھا تو انہوں نے کہا: عبدالقیس کا وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، پس انہوں نے کہا: ہمارے اور آپ کے درمیان قبیلہ مضر کے مشرکین ہیں اور ہم آپ کے پاس صرف حرمت والے مہینوں میں آ سکتے ہیں، پس آپ ہمیں ایسے احکام کا مجموعہ بیان فرمائیں کہ ہم ان پر عمل کر کے جنت میں داخل ہو جائیں اور جو لوگ ہمارے پیچھے ہیں ان کو بھی ان امور کی دعوت دیں، آپ نے فرمایا: میں تم کو چار چیزوں کا حکم دیتا ہوں اور چار چیزوں سے روکتا ہوں، میں تمہیں اللہ پر ایمان لانے کا حکم دیتا ہوں اور کیا تم جانتے ہو کہ اللہ پر ایمان لانا کیا ہے؟ اس بات کی شہادت کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، اور نماز کو قائم کرنا اور زکوٰۃ کو ادا کرنا اور یہ کہ تم مالِ غنیمت میں سے پانچواں حصہ بیت المال کے لیے دو، اور میں تم کو چار چیزوں سے روکتا ہوں: خشک کدو میں نہ پیو اور نہ کھوکھلی لکڑی میں، اور نہ ان برتنوں میں جن کے اوپر تارکول ملا ہوا ہو، اور نہ سبز مرتبانوں میں۔

(صحیح البخاری: ۵۳، ۸۷، ۵۲۳، ۱۳۹۸، ۳۰۹۵، ۳۵۱۰، ۴۳۶۸، ۴۳۶۹، ۶۱۷۶، ۷۲۶۶، ۷۵۵۶، صحیح مسلم: ۱۷، سنن ترمذی: ۲۶۱۱، سنن نسائی: ۵۶۹۲، سنن ابوداؤد: ۳۶۹۲، مسند احمد: ۳۴۹۶)

صحیح البخاری: ۷۵۵۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے "قلت لابن عباس فقال قدم" اس عبارت میں مفعول کا ذکر نہیں کیا گیا، اصل عبارت یوں ہے کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے وفدِ عبدالقیس کے قصہ کے متعلق دریافت کیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "من مضر" یہ لفظ غیر منصرف ہے، یہ ایک قبیلہ ہے جو ربیعہ اور المدینہ کے درمیان ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فی اشهر حرم" یہ مہینے ذوالقعدہ، ذوالحجہ، المحرم اور رجب ہیں۔

وفدِ عبدالقیس نے کہا: ہم صرف حرمت والے مہینوں میں آپ کے پاس آسکتے ہیں، کیونکہ حرمت والے مہینوں میں عرب ایک دوسرے سے لڑتے نہیں تھے اور قتل وغارت گری سے رکے رہتے تھے گویا یہ امن کا زمانہ ہوتا تھا تو اس مہینہ میں ہم سفر کر سکتے تھے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۲۹۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۵۵۷۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ نَافِعٍ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ إِنَّ أَصْحَابَ هٰذِهِ الصُّوَرِ يُعَذَّبُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيُقَالُ لَهُمْ أَحْيُوا مَا خَلَقْتُمْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از نافع از القاسم بن محمد از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان تصویروں کے بنانے والوں کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا: جن کی تم نے تخلیق کی ہے ان کو زندہ کرو۔

(صحیح البخاری: ۲۱۰۵، ۳۲۲۴، ۵۱۸۱، ۵۹۵۷، ۵۹۶۱، ۷۵۵۷، صحیح مسلم: ۲۱۰۷، مسند احمد: ۲۵۵۵۹، موطا امام مالک: ۱۸۰۳)

صحیح البخاری: ۷۵۵۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیثِ مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث میں ان لوگوں کا رد ہے جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اپنے افعال کے خود خالق ہیں، کیونکہ اگر ان کا دعویٰ صحیح ہوتا تو ان تصویر بنانے والوں پر انکار نہ کیا جاتا۔

اور علامہ الکرمانی نے کہا ہے: اس حدیث میں صراحۃً خلق کی نسبت تصویر بنانے والوں کی طرف کی ہے، فرمایا "احیوا ما خلقتم" یعنی جن کی تم نے تخلیق کی تھی ان کو زندہ کرو، لیکن یہاں تخلیق سے مراد ان کا کسب ہے اور ان کے کسب کے اوپر خلق کا اطلاق استہزاءً کیا ہے، یا ان کے زعم کی بناء پر کیا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''احیوا'' یعنی جن کی تم نے تصویر بنائی تھی ان میں جان ڈالو، اور یہ امر ان کو عاجز کرنے کے لیے ہے ورنہ حقیقت میں وہ اس پر قادر نہ دنیا میں تھے اور نہ قیامت کے دن ہوں گے کہ وہ کسی تصویر میں روح پھونک دیں یا جان ڈال دیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۲۹۸-۲۹۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

تصویر بنانے کا شرعی حکم

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ تصویر بنانا ناجائز اور گناہ ہے اور گناہِ کبیرہ ہے اور بعض علماء نے کہا ہے کہ جو تصاویر مجسم ہوں جیسے بت ہوتے ہیں اور جن کی تعظیم اور پرستش کی جاتی ہے ان کا بنانا حرام ہے، اور کاغذ یا کپڑے پر جو تصویریں چھپی ہوئی ہوتی ہیں ان کا بنانا جائز ہے اور اس کی دلیل درجِ ذیل حدیث ہے:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ بُسر بن سعید سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت زید بن خالد الجہنی رضی اللہ عنہ نے ان کو حدیث بیان کی اور ان کے ساتھ اس وقت بُسر بن سعید بھی تھے اور عبید اللہ الخولانی بھی تھے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے زیرِ پرورش تھے ان دونوں کو حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے ان کو حدیث بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں صورت ہو، بُسر نے کہا: پس حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے ہم ان کی عیادت کے لیے گئے، پس جب ہم ان کے گھر میں تھے تو وہاں ان کے گھر میں ایک پردہ تھا جس میں تصاویر بنی ہوئی تھیں، میں نے عبید اللہ الخولانی سے کہا: کیا حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ نے ہم کو تصاویر (کی ممانعت) میں احادیث نہیں بیان کیں؟ انہوں نے بیان کیا کہ انہوں نے کہا تھا: سوا ان تصاویر کے جو کپڑے پر چھپی ہوئی ہوں، کیا تم نے ان سے نہیں سنا، میں نے کہا: نہیں! انہوں نے کہا: کیوں نہیں حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ نے اس کا ذکر کیا تھا۔

(صحیح البخاری: ۳۲۲۶، صحیح مسلم: ۲۱۰۶، سنن ترمذی: ۱۷۵۰، سنن نسائی: ۵۳۵۰، سنن ابوداؤد: ۴۱۵۵، مسند احمد: ۱۵۹۱۰، موطا امام مالک: ۱۸۰۲)

اس حدیث سے بعض علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ کپڑے پر یا کاغذ پر چھپی ہوئی تصاویر جائز ہیں اور جب ان کا رکھنا جائز ہے تو ظاہر ہے ان کا بنانا بھی جائز ہے۔

اور دوسرے علماء نے یہ کہا کہ مطلقاً تصاویر کا بنانا ناجائز اور گناہِ کبیرہ ہے، ان کا استدلال درجِ ذیل حدیث سے ہے:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں، وہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک تکیہ بنایا جس میں تصاویر تھیں گویا کہ وہ گدا تھا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ دروازوں کے درمیان کھڑے ہو گئے اور آپ کے چہرہ کا رنگ متغیر ہو گیا، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم سے کیا ہو گیا؟ آپ نے فرمایا: یہ گدا کیسا ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا: یہ گدا میں نے اس لیے بنایا ہے تاکہ آپ اس کے اوپر لیٹیں، آپ نے فرمایا: کیا تم نہیں جانتیں کہ فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کوئی تصویر ہو اور بے شک جس نے یہ تصویر بنائی اس کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا، پس اللہ عزوجل فرمائے گا: ''اس کو زندہ کرو جس کی تم نے تخلیق کی تھی''۔

(صحیح البخاری: ۲۱۰۵، ۳۲۲۴، ۵۱۸۱، ۵۹۵۷، ۵۹۶۱، ۷۵۵۷، صحیح مسلم: ۲۱۰۷، مسند احمد: ۲۵۵۵۹، موطا امام مالک: ۱۸۰۳)

اس حدیث سے ان علماء نے استدلال کیا ہے جو تصویر بنانے کو مطلقاً ناجائز قرار دیتے ہیں خواہ وہ تصویر کاغذ یا کپڑے پر چھپی

ہوئی ہو یا وہ تصویر مجسم ہو جیسے بت ہوتے ہیں۔

جس کپڑے میں نقش ہو اس کے جواز کا بیان

علامہ بدرالدین عینی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے ''الا رقما فی ثوب'' اس سے یہ ارادہ کیا ہے کہ کپڑے میں ایسے نقوش ہوں جن کو روندا جائے جیسے چادر ہو اور گدا ہو۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس کپڑے پر صورت منقوش ہو یا تصویر منقوش ہو تو اگر وہ پردہ ہو تو اس کو ناپسند فرمایا، اور اگر اس کپڑے کو پیروں تلے روندا جائے تو اس کپڑے کو ناپسند نہیں فرمایا، حضرت سعد بن ابی وقاص، سالم، عروہ، ابن سیرین، عطاء اور عکرمہ نے اسی طرح کہا ہے، عکرمہ نے کہا ہے کہ جن تصویروں کو روندا جائے اور بطور توہین ان کا استعمال ہو، وہ جائز ہے۔ امام مالک، الثوری اور امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کا یہی قول ہے۔ اور شارع علیہ السلام نے پہلے تمام تصویروں سے منع فرمایا تھا خواہ وہ کپڑے میں نقش ہوں، کیونکہ اس وقت لوگ اس زمانہ کے قریب تھے جس زمانہ میں تصویروں کی عبادت کی جاتی تھی تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر قسم کی تصویر سے منع فرما دیا، پھر جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ممانعت مقرر اور ثابت ہو گئی تو آپ نے ان تصویروں کو مباح قرار دیا جو کپڑے میں نقش ہوں، یہ کپڑوں کو ایجاد کرنے کی ضرورت کی وجہ سے تھا، پس آپ نے ان تصویروں کو مباح قرار دیا جن کا بطور اہانت استعمال ہو اور جن کا بطور اہانت استعمال نہ ہو، وہ اپنی ممانعت پر باقی ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۱۵-۱۱۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

جن کپڑوں پر تصویر نقش ہو ان کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی کی تحقیق

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی الشافعی المتوفی ۸۵۲ھ، لکھتے ہیں:

علامہ نووی نے کہا ہے کہ ان احادیث میں اس طرح تطبیق ہے کہ جس کپڑے میں تصویر نقش ہو، اس کے استثناء سے مراد ایسی تصویر ہے جو جانداروں کی تصویر نہ ہو جیسے درخت کی تصویر۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ آپ نے تصویر کی ممانعت سے پہلے فرمایا ہو جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے جس کو اصحاب السنہ نے روایت کیا ہے اور میں عنقریب اس کا اس باب کے متصل باب میں ذکر کروں گا۔

اور علامہ ابن العربی نے کہا ہے: کہ خلاصہ یہ ہے کہ اگر اس صورت کا جسم ہو تو وہ بالاجماع حرام ہے، اگر اس صورت کا جسم نہ ہو بلکہ وہ کپڑے پر نقش ہو تو اس میں چار اقوال ہیں۔ پہلا قول یہ ہے کہ وہ تصویر مطلقاً جائز ہے جیسا کہ اس باب کی حدیث سے ظاہر ہوتا ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ تصویر مطلقاً ممنوع ہے، حتیٰ کہ جو کپڑے میں نقش ہو وہ بھی ممنوع ہے، تیسرا قول یہ ہے کہ اگر وہ صورت اپنی شکل پر باقی ہو اور اس میں تغیر نہ کیا گیا ہو تو وہ حرام ہے، اور اگر صورت میں تغیر کیا گیا ہو، اس کا سر کاٹ دیا گیا ہو یا اس کے اجزاء متفرق کر دیئے گئے ہوں تو پھر ایسی تصویر جائز ہے، علامہ ابن العربی نے کہا اور یہی قول زیادہ صحیح ہے۔ چوتھا قول یہ ہے کہ اگر وہ تصویر پیروں میں روندی جاتی ہو تو پھر تو جائز ہے اور اگر وہ تصویر گھر میں لٹکائی ہوئی ہو تو پھر جائز نہیں ہے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۱۱۵، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

تصویروں کو بنانے، ان کو رکھنے اور ان کو دیکھنے کی تحقیق

میں کہتا ہوں: ہمارے زمانہ میں شناختی کارڈ کے لیے تصویر کھنچوانا ناگزیر ہے کیونکہ انسان شناختی کارڈ کے بغیر کسی جگہ کا سفر نہیں کرسکتا، نہ ملازمت کے حصول کے لیے کسی ملک میں جاسکتا ہے، نہ تجارت کے لیے کسی ملک میں جاسکتا ہے، نہ حج اور عمرہ کا سفر کرسکتا ہے، اسی طرح پاسپورٹ اور ویزہ کے لیے بھی تصویر کا کھنچوانا ضروری امر ہے، پھر ڈرائیونگ لائسنس کے لیے بھی تصویر کا کھنچوانا ضروری ہے، بہت سارے امتحانات میں شرکت کے لیے بھی تصویر کا کھنچوانا ضروری ہے، بینک میں اکاؤنٹ کھلوانے کے لیے تصویر کھنچوانا ضروری ہے، اسکول، کالج اور دینی مدارس میں داخلہ کے لیے بھی شناختی کارڈ کی ضرورت ہوتی ہے جس کے لیے تصویر کھنچوانا ناگزیر ہے، اس لیے ضرورت کے مواقع پر تصویر کھنچوانے کی گنجائش ہے لیکن یہ تصویر پاسپورٹ سائز کی آدھی تصویر ہونی چاہیے، کیونکہ فقہاء کرام نے کہا ہے: جو ممنوع کام ضرورت کی بناء پر کیا جائے وہ بقدرِ ضرورت کیا جانا چاہیے اور اس سے زائد کی شرعاً اجازت نہیں ہے جیسے جو آدمی بھوک پیاس سے مر رہا ہو اس کے لیے اتنی مقدار میں حرام کھانا جائز ہے جتنی مقدار کھانے سے اس کی رمقِ حیات برقرار رہے اور اس سے زائد کھانے کی اس کو شرعاً اجازت نہیں ہے۔

ہاں شوقیہ فوٹو گرافی کی شرعاً اجازت نہیں ہے مثلاً لوگ پکنک پر جاتے ہیں تو وہاں تصویریں بناتے ہیں یا شادی کے موقع پر تصویریں بناتے ہیں، ان تصویروں کے بنانے کی شرعاً کوئی ضرورت نہیں ہے اس لیے ان کی اجازت بھی نہیں ہے۔ البتہ تصویروں کا دیکھنا ایک مختلف امر ہے، آج کل کوئی اخبار تصویروں سے خالی نہیں ہوتا، اسی طرح کرنسی نوٹ تصویروں کے بغیر نہیں ہوتے اور ان کو خواہی نہ خواہی دیکھنا پڑتا ہے اور خصوصاً کرنسی نوٹوں کو تو حفاظت کے ساتھ رکھنا بھی پڑتا ہے، اس لیے ان تصویروں کو دیکھنا اور ان کو رکھنا ممنوع نہیں ہے، البتہ فلموں میں جو تصویریں ہوتی ہیں اور ان کے ساتھ موسیقی بھی ہوتی ہے اور اکثر فلمیں مخرب اخلاق ہوتی ہیں لہٰذا ان تصویروں کا دیکھنا جائز نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۷۵۵۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِنَّ أَصْحَابَ هَذِهِ الصُّوَرِ يُعَذَّبُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيُقَالُ لَهُمْ أَحْيُوا مَا خَلَقْتُمْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالنعمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد بن زید نے حدیث بیان کی از ایوب از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ان تصویروں کے بنانے والوں کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا: اس کو زندہ کرو جس کی تم نے تخلیق کی تھی۔

(صحیح البخاری: ۲۱۰۵، ۳۲۲۴، ۵۱۸۱، ۵۹۵۷، ۵۹۶۱، ۷۵۵۷، صحیح مسلم: ۲۱۰۷، مسند احمد: ۲۵۵۵۹، موطا امام مالک: ۱۸۰۳)

اس حدیث کی شرح بھی صحیح البخاری: ۷۵۵۷ کی شرح کی مثل ہے۔

۷۵۵۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا ابْنُ فُضَيْلٍ عَنْ عُمَارَةَ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ قَالَ اللّٰهُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن العلاء نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن فضیل نے حدیث بیان کی از عمارہ از ابی زرعہ، انہوں نے حضرت ابوہریرہ

عَزَّ وَجَلَّ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذَهَبَ يَخْلُقُ كَخَلْقِي فَلْيَخْلُقُوا ذَرَّةً أَوْ لِيَخْلُقُوا حَبَّةً أَوْ شَعِيرَةً.

(صحیح البخاری: ۵۹۵۳، ۷۵۵۹، صحیح مسلم: ۲۱۱۱، مسند احمد: ۷۱۲۶)

رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: اس سے بڑا کون ظالم ہوگا جو میرے خلق کرنے کی مثل خلق کرتا ہے پس یہ ایک چیونٹی کو خلق کریں یا ایک دانہ کو خلق کریں یا ایک جَو کو خلق کریں۔

صحیح البخاری: ۷۵۵۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی شرح بھی اسی طرح ہے جس طرح اس سے پہلے پہلی حدیثوں کی شرح گزر چکی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ذهب" یہ لفظ ذہاب سے ماخوذ ہے اور یہاں پر اس کا معنی ہے قصد کرنا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فليخلقوا ذرة" ذرّۃ کا معنی چھوٹی چیونٹی ہے اور یہ بطورِ استہزاء فرمایا ہے۔

اس حدیث سے مقصود قیامت کے دن تصویر بنانے والوں کے عجز کو ظاہر کرنا ہے اور ان کو عذاب دینا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۲۹۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۸۔ بَابُ: قِرَاءَةِ الْفَاجِرِ وَالْمُنَافِقِ وَأَصْوَاتُهُمْ وَتِلَاوَتُهُمْ لَا تُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ

فاجر اور منافق کے قرآن پڑھنے کا بیان اور یہ کہ ان کی آوازیں اور ان کی تلاوت ان کے حلقوم سے تجاوز نہیں کرتی

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

فاجر کا منافق ہونا

اس باب میں فاجر کی قراءت کا حال بیان کیا گیا ہے، علامہ الکرمانی نے کہا: الفاجر منافق ہے کیونکہ حدیث میں اس کو مومن کے مقابل میں فرمایا ہے اور منافق کا فاجر پر عطف، عطفِ تفسیری ہے۔

اس عنوان میں حناجر کا لفظ ہے، یہ حنجرۃ کی جمع ہے، اس کا معنی ہے حلقوم اور یہ سانس کے آنے جانے کی نالی ہے جیسا کہ مِرّی طعام اور مشروب کے گزرنے کی نالی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۲۹۹۔۳۰۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

بابِ مذکور کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کا معنی یہ ہے کہ فاجر اور منافق کی تلاوتِ قرآن اللہ تعالیٰ تک بلند نہیں ہوتی اور نہ اس کے نزدیک وہ پاکیزہ ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کے پاس وہی اعمال اوپر چڑھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے ارادہ کے لیے کیے جائیں اور جن میں اخلاص ہو، اور ان کی

نیت اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فاجر کی تلاوتِ قرآن کو ریحانہ کے ساتھ تشبیہ دی ہے جس کی خوشبو تو عمدہ ہوتی ہے اور اس کا ذائقہ کڑوا ہوتا ہے، کیونکہ وہ اس تلاوت سے قرآن مجید کی برکت حاصل نہیں کر سکتا، اور اس کے اجر کی حلاوت کے حصول میں کامیاب نہیں ہوتا، پس اس کی خوشبو اس کے حلقوم سے متجاوز ہو کر اس کے دل تک نہیں پہنچتی کیونکہ ان کے دلوں کا ذائقہ کڑوا ہے اور وہ نفاق ہے جو منافق کے دل میں دائماً رہتا ہے، اور یہ لوگ وہ ہیں جو دین سے اس طرح نکل گئے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔

اس حدیث نے منافقین کو اسلام سے نکال دیا اور ہو سکتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ان لوگوں کے متعلق فرمایا ہو جن کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وحی سے یہ معلوم ہو چکا کہ یہ لوگ توبہ کرنے سے پہلے دین سے نکل جائیں گے اور انہوں نے ایسی بدعات کا ارتکاب کیا اور اس کی ایسی غلط تاویلیں کیں جن کی وجہ سے یہ کفر تک پہنچ گئے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی ایسی علامت بیان کی جس علامت کی وجہ سے یہ دوسروں سے ممتاز ہو جاتے ہیں، اور وہ علامت ہے ان کا سر منڈانا، اور یہ وہ لوگ ہیں جن کے خلاف حضرت علی رضی اللہ عنہ نے النہروان میں جنگ کی، جب ان لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ کہا تھا کہ آپ ہمارے رب ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ ان پر غضب ناک ہوئے اور ان کو آگ میں جلانے کا حکم دیا تو شیطان نے ان کے فتنہ کو بڑھایا اور انہوں نے کہا: اب تو ہمیں یقین ہو گیا کہ آپ ہمارے رب ہیں کیونکہ آگ کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ ہی عذاب دیتا ہے۔

اور بعض علماء نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن کی یہ علامت بیان کی ہے کہ وہ سر منڈاتے ہیں ان سے توبہ نہیں طلب کی جائے گی جب ان میں یہ علامت پائی جائے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ منقول نہیں ہے کہ انہوں نے ان میں سے کسی سے بھی توبہ طلب کی ہو اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ روایت کی ہے، آپ نے فرمایا: تم جہاں بھی ان سے ملو تو ان کو قتل کر دو کیونکہ ان کو قتل کرنے میں اجر ہے، اور فرمایا: اگر میں ان کو پاتا تو ان کو ضرور قتل کرتا جس طرح قوم عاد کو قتل کیا گیا تھا۔

(شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۵۵۷۔۵۵۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۷۵۶۰۔ حَدَّثَنَا هُدْبَةُ بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ حَدَّثَنَا أَنَسٌ عَنْ أَبِي مُوسَى رضی الله عنه عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَالْأُتْرُجَّةِ طَعْمُهَا طَيِّبٌ وَرِيحُهَا طَيِّبٌ وَمَثَلُ الَّذِي لَا يَقْرَأُ كَالتَّمْرَةِ طَعْمُهَا طَيِّبٌ وَلَا رِيحَ لَهَا وَمَثَلُ الْفَاجِرِ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الرَّيْحَانَةِ رِيحُهَا طَيِّبٌ وَطَعْمُهَا مُرٌّ وَمَثَلُ الْفَاجِرِ الَّذِي لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الْحَنْظَلَةِ طَعْمُهَا مُرٌّ وَلَا رِيحَ لَهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ہدبہ بن خالد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہمام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں قتادہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی، از حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آپ نے فرمایا: اس مومن کی مثال جو قرآن پڑھتا ہے سنگترہ کی مثل ہے، اس کا ذائقہ بھی خوش گوار ہے اور اس کی خوشبو بھی عمدہ ہے اور جو مومن قرآن نہیں پڑھتا اس کی مثال کھجور کی طرح ہے، اس کا ذائقہ تو خوش گوار ہے اور اس میں خوشبو نہیں ہے، اور فاجر جو قرآن پڑھتا ہے اس کی مثال ریحانۃ (پھول) کی طرح ہے، اس کی خوشبو تو عمدہ ہے اور اس کا ذائقہ کڑوا

ہے، اور جو فاجر قرآن نہیں پڑھتا اندرائن کی طرح ہے، اس کا ذائقہ کڑوا ہے اور اس میں خوشبو نہیں ہے۔

(صحیح البخاری: ۵۰۲۰، ۵۰۵۹، ۵۴۲۷، ۷۵۶۰، صحیح مسلم: ۷۹۷، سنن ترمذی: ۲۸۶۵، سنن نسائی: ۵۰۳۸، سنن ابوداؤد: ۴۸۲۹، سنن ابن ماجہ: ۲۱۴، مسند احمد: ۱۹۰۵۵، سنن دارمی: ۳۳۶۳)

صحیح البخاری: ۷۵۶۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے از انس از ابی موسیٰ رضی اللہ عنہما، انس سے مراد حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں جو صحابی ہیں اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بھی صحابی ہیں، سو اس حدیث کی صحابی نے صحابی سے روایت کی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۳۰۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۵۶۱۔ حَدَّثَنَا عَلِيٌّ حَدَّثَنَا هِشَامٌ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ ح وحَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ حَدَّثَنَا عَنْبَسَةُ حَدَّثَنَا يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي يَحْيَى بْنُ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ أَنَّهُ سَمِعَ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ قَالَتْ عَائِشَةُ رضى الله عنها سَأَلَ أُنَاسٌ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم عَنِ الْكُهَّانِ فَقَالَ إِنَّهُمْ لَيْسُوا بِشَيْءٍ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ فَإِنَّهُمْ يُحَدِّثُونَ بِالشَّيْءِ يَكُونُ حَقًّا قَالَ فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم تِلْكَ الْكَلِمَةُ مِنَ الْحَقِّ يَخْطَفُهَا الْجِنِّيُّ فَيُقَرْقِرُهَا فِي أُذُنِ وَلِيِّهِ كَقَرْقَرَةِ الدَّجَاجَةِ فَيَخْلِطُونَ فِيهِ أَكْثَرَ مِنْ مِائَةِ كَذْبَةٍ۔

(صحیح البخاری: ۵۷۶۲، صحیح مسلم: ۲۲۲۸، مسند احمد: ۲۴۰۴۹)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از الزہری ح اور مجھے احمد بن صالح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عنبسہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یونس نے حدیث بیان کی از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے یحییٰ بن عروہ بن زبیر نے خبر دی، وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے عروہ بن زبیر سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کاہنوں کے متعلق دریافت کیا، آپ نے فرمایا: وہ کچھ نہیں ہیں، لوگوں نے کہا: یارسول اللہ! وہ کسی چیز کے بارے میں بات کرتے ہیں اور وہ حق ہوتی ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ حق بات وہ ہے جسے شیطان فرشتوں سے سن کر یاد رکھ لیتا ہے اور پھر اسے مرغی کے کٹ کٹ کرنے کی طرح کاہنوں کے کان میں ڈال دیتا ہے اور کاہن اس میں سو سے زیادہ جھوٹ ملاتے ہیں۔

صحیح البخاری: ۷۵۶۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں منافق کی قراءت کا ذکر تھا اور اس حدیث کی مطابقت اس طرح ہے کہ کاہن منافق کے مشابہ ہے، جس طرح کاہن کسی سچی بات سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا کیونکہ اس پر جھوٹ کا غلبہ ہوتا ہے اس کا حال فاسد ہوتا ہے، اسی طرح منافق بھی اپنے قرآن پڑھنے سے کوئی نفع حاصل نہیں کر سکتا کیونکہ اس کا عقیدہ فاسد ہوتا ہے اور دیگر خبیث اعمال کے ساتھ وہ متصف ہوتا ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

کاہنوں کا بیان

اس حدیث میں مذکور ہے ''عن الکھان'' کھان، کاھن کی جمع ہے اور یہ وہ شخص ہے جو مستقبل میں ہونے والے کاموں کی پیشگی خبر دیتا ہے اور اسرار کی معرفت کا دعویٰ کرتا ہے، تو لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے حال کے متعلق سوال کیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''یخطفھا'' اور اس حدیث میں الجنی کا ذکر ہے، یہ الجن کا مفرد ہے یعنی شیطان فرشتوں کی خبروں سے کوئی سچی خبر سن کر یاد کر لیتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فیقرقرھا'' یہ لفظ القرقرۃ سے ماخوذ ہے، اور قرقرۃ کی مرغی کی طرف اضافت فاعل کی طرف اضافت ہے، علامہ خطابی نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے غرض یہ ہے کہ کاہن جو غیب کی خبریں بیان کرتے ہیں ان کا ثبوت نہیں ہے اور وہ صحیح نہیں ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۳۰۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۵۶۲۔ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا مَهْدِيُّ بْنُ مَيْمُونٍ سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ سِيرِينَ يُحَدِّثُ عَنْ مَعْبَدِ بْنِ سِيرِينَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ يَخْرُجُ نَاسٌ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ وَيَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ ثُمَّ لَا يَعُودُونَ فِيهِ حَتَّى يَعُودَ السَّهْمُ إِلَى فُوقِهِ قِيلَ مَا سِيمَاهُمْ قَالَ سِيمَاهُمُ التَّحْلِيقُ أَوْ قَالَ التَّسْبِيدُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو النعمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مہدی بن میمون نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے محمد بن سیرین سے سنا وہ حدیث بیان کرتے ہیں از معبد بن سیرین از حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: مشرق کی طرف سے کچھ لوگ نکلیں گے اور قرآن پڑھیں گے اور قرآن ان کی ہنسلی سے نیچے نہیں اترے گا وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے پار نکل جاتا ہے، پھر وہ دین میں اس وقت تک واپس نہیں آئیں گے حتیٰ کہ تیر اپنی جگہ پر واپس آ جائے، آپ سے پوچھا گیا: ان کی علامت کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ان کی علامت سر کے بالوں کو مونڈنا ہے یا بالوں کو جڑ سے اکھاڑنا ہے۔

(صحیح مسلم: ۱۰۶۴، سنن نسائی: ۴۱۰۸، سنن ابو داؤد: ۴۷۶۴، مسند احمد: ۱۰۶۲۵)

صحیح البخاری: ۷۵۶۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیثِ مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "یخرج ناس من قبل المشرق" کتاب الفتن میں یہ گزر چکا ہے کہ ان لوگوں کا مصداق الخوارج ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "تراقیھم" یہ ترقوۃ کی جمع ہے یعنی ہنسلی، یہ وہ ہڈی ہے جو گردن اور سینہ کے بالائی حصہ کے درمیان ہوتی ہے۔

اس سوال کا جواب کہ اگر سر منڈانا خوارج کی علامت ہے تو پھر تو بہت لوگ خوارج کا مصداق ہوں گے؟

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس حدیث میں خوارج کی علامت سر کے بال منڈانا فرمائی ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو لوگ بھی سر منڈاتے ہیں وہ خوارج ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ صحابہ کے زمانہ میں لوگ اپنا سر صرف قربانی کے بعد منڈاتے تھے یا کسی ضرورت کے وقت سر منڈاتے تھے مثلاً سر میں جوئیں پڑ جائیں تو سر منڈاتے تھے اور الخوارج نے تو سر کے بالوں کو منڈانا اپنا شعار بنالیا تھا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۳۰۱۔ ۳۰۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ شہاب الدین ابوالعباس احمد القسطلانی المتوفی ۹۱۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

خوارج کی تعریف اور ان کا مصداق

اس حدیث میں مذکور ہے "یخرج ناس من قبل المشرق" یعنی مدینہ کی مشرق کی جانب جو کہ نجد ہے وہاں سے کچھ لوگ نکلیں گے اور وہ لوگ خوارج ہیں اور ان کے عقائد میں سے یہ تھا کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو کافر قرار دیتے ہیں، حالانکہ وہ حق کی راہ میں قتل کیے گئے تھے اور یہ لوگ ہمیشہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے حتیٰ کہ صفین میں تحکیم کا واقعہ ہوا، یعنی حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما جو ایک دوسرے سے برسرِ جنگ تھے انہوں نے اس وقت جنگ موقوف کردی جب فریقین نے اس معاملہ میں ایک ایک حَکَم بنالیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو حکم بنایا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو حکم بنایا، خوارج نے اس تحکیم کا انکار کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کیا اور ان کو کافر قرار دیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "خوارج کی علامت سر کے بالوں کو منڈانا یا سر کے بالوں کو جڑ سے اکھاڑنا ہے"۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے: بہ کثرت احادیث میں مذکور ہے کہ سر کے بالوں کو منڈانا یہ خوارج کی علامت ہے، اگرچہ دوسرے لوگ بھی سر منڈاتے ہیں لیکن خوارج دائماً سر کو منڈاتے تھے اور صحابہ کے زمانہ میں لوگ حج کی قربانی کرنے کے بعد سر منڈاتے تھے یا کسی ضرورت کی بناء پر سر منڈاتے تھے، دوسرا قول یہ ہے کہ ان کی علامت یہ تھی کہ وہ سر اور ڈاڑھی دونوں کے بال

منڈاتے تھے اور تمام بال منڈاتے تھے۔ (ارشاد الساری ج ۱۵ ص ۶۲۶۔ ۶۲۷، دارالفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۷۵۶۲، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

خوارج کے اسلام سے خارج ہونے کا بیان

اس حدیث نے منافقین کو اسلام سے نکال دیا اور ہو سکتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ان لوگوں کے متعلق فرمایا ہو جن کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی سے یہ معلوم ہو چکا کہ یہ لوگ توبہ کرنے سے پہلے دین سے نکل جائیں گے اور انہوں نے ایسی بدعات کا ارتکاب کیا اور اس کی ایسی غلط تاویلیں کیں جن کی وجہ سے یہ کفر تک پہنچ گئے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ایسی علامت بیان کی جس علامت کی وجہ سے یہ دوسروں سے ممتاز ہو جاتے ہیں، اور وہ علامت ہے ان کا سر منڈانا، اور یہ وہ لوگ ہیں جن کے خلاف حضرت علی رضی اللہ عنہ نے النہروان میں جنگ کی، جب ان لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ کہا تھا کہ آپ ہمارے رب ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ ان پر غضب ناک ہوئے اور ان کو آگ میں جلانے کا حکم دیا تو شیطان نے ان کے فتنہ کو بڑھایا اور انہوں نے کہا: اب تو ہمیں یقین ہو گیا کہ آپ ہمارے رب ہیں کیونکہ آگ کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ ہی عذاب دیتا ہے۔

اور بعض علماء نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کی یہ علامت بیان کی ہے کہ وہ سر منڈاتے ہیں ان سے توبہ نہیں طلب کی جائے گی جب ان میں یہ علامت پائی جائے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ منقول نہیں ہے کہ انہوں نے ان میں سے کسی سے بھی توبہ طلب کی ہو اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت کی ہے، آپ نے فرمایا: تم جہاں بھی ان سے ملو تو ان کو قتل کر دو کیونکہ ان کو قتل کرنے میں اجر ہے اور فرمایا: اگر میں ان کو پاتا تو ان کو ضرور قتل کرتا جس طرح قومِ عاد کو قتل کیا گیا تھا۔

(شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۵۵۷۔ ۵۵۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

خوارج کے متعلق مفصل حدیث

میں کہتا ہوں: امام بخاری نے خوارج کے متعلق یہاں پر مختصر حدیث روایت کی ہے اور خوارج کے متعلق مفصل حدیث درجِ ذیل ہے:

امام بخاری بیان کرتے ہیں کہ ابنِ کثیر نے کہا از سفیان از والد خود از ابنِ ابی نعم از حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سونے کا ایک چھوٹا ٹکڑا بھیجا، سو آپ نے اس کو چار آدمیوں میں تقسیم کر دیا: (۱) الاقرع بن حابس الحنظلی (۲) المجاشعی (۳) عیینہ بن بدر الفزاری (۴) زید الطائی، اور پھر بنو نبہان میں سے ایک شخص اور علقمہ بن علاثہ العامری، پھر بنو کلاب میں سے ایک شخص کے درمیان میں تقسیم کر دیا تو قریش اور انصار غضب ناک ہوئے اور کہا کہ آپ اہلِ نجد کے سرداروں کو دیتے ہیں اور ہمیں چھوڑ دیتے ہیں، آپ نے فرمایا: میں صرف ان کی تالیفِ قلب کرتا ہوں، پھر ایک ایسا شخص آیا جس کی آنکھیں اندر دھنسی ہوئی تھیں اور کلّے ابھرے ہوئے تھے، پیشانی ابھری ہوئی تھی اور ڈاڑھی گھنی تھی اور سر منڈا ہوا تھا، پس اس نے کہا: اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) اللہ سے ڈریے، تو آپ نے فرمایا: جب میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کروں گا تو کون اللہ

تعالیٰ کی اطاعت کرے گا! اللہ تعالیٰ نے مجھے زمین والوں پر اپنا امین قرار دیا ہے کیا تم مجھے امین نہیں سمجھتے ؟ پھر ایک شخص نے اس کو قتل کرنے کا سوال کیا، میرا گمان ہے وہ حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ تھے، تو آپ نے ان کو منع فرمایا، پھر جب وہ شخص پیٹھ پھیر کر چلا گیا تو آپ نے فرمایا: اس شخص کی اصل سے یا اس شخص کی پشت سے ایسے لوگ نکلیں گے جو قرآن مجید کی تلاوت کریں گے اور قرآن مجید ان کے حلق سے نہیں اترے گا، وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے (دوسری طرف) نکل جاتا ہے، یہ لوگ مسلمانوں کو قتل کریں گے اور بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے، اگر میں نے ان لوگوں کا زمانہ پایا تو ان کو اس طرح قتل کروں گا جس طرح قومِ عاد کو قتل کیا گیا تھا۔ (صحیح البخاری: ۳۳۴۴، صحیح مسلم: ۱۰۶۴، سنن ابوداؤد: ۴۷۶۴، سنن نسائی: ۲۵۷۴)

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تقسیم پر اعتراض کرنے والے کا نام

جس شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا "اللہ سے ڈریے" یہ مرد بنو تمیم سے تھا اور اس کو ذوالخویصرہ کہا جاتا تھا اور اس کا نام حرقوص بن زہیر تھا۔ اور "کامل المبرد" میں مذکور ہے کہ اس مرد کی تخلیق مضطرب تھی، یہ سیاہ رنگ کا تھا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس مال سے عطا فرما رہے تھے اس کے متعلق متعدد اقوال

(۱) یہ مال خمس کا پانچواں حصہ تھا، یہ قول صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ مال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت تھا۔

(۲) یہ مال اصل غنیمت میں سے تھا اور وہ آپ کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ (الانفال:۱) آپ کہیے کہ انفال (کے حکم) کا اللہ اور اس کا رسول مالک ہے۔

یہ قول بھی صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ اس آیت کا حکم منسوخ ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ انصار غزوۂ حنین کے دن شکست کھا گئے تھے، پس اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی تائید فرمائی اور فرشتوں سے آپ کی مدد فرمائی، پھر انصار نہ لوٹے حتیٰ کہ فتح ہوگئی، اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے حنین کی غنیمتیں اپنے رسول کی طرف لوٹا دیں، پس آپ نے انصار کو ان میں سے کچھ نہیں دیا اور اس ارشاد سے ان کے دلوں کو خوش کیا کہ کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ لوگ اپنے گھروں میں مال لے کر جائیں اور تم اپنے گھروں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر جاؤ۔ (صحیح البخاری: ۳۱۴۷)

(۳) یہ قول امام ابوعبید کا مختار ہے کہ آپ خُمس میں سے عطا فرما رہے تھے نہ کہ خُمس کے خُمس میں سے اور نہ اصل مالِ غنیمت میں سے عطا فرما رہے تھے، اور بے شک امام کے لیے جائز ہے کہ آیتِ خُمس میں جو اقسام ذکر کی گئی ہیں ان میں سے جس کو چاہے عطا فرمائے، اور جہاں مسلمانوں کی مصلحت دیکھے وہاں خرچ کرے لیکن پہلے یہ بات جاننی چاہیے کہ اس حدیث میں جو سونے کے ٹکڑے کا ذکر ہے وہ حنین کے مالِ غنیمت میں سے بھی نہیں تھا اور نہ خیبر کے مالِ غنیمت میں سے تھا اور نہ خُمس میں سے تھا۔

خوارج کی قراءت ان کے حلقوم سے تجاوز نہیں کرے گی

اس حدیث میں مذکور ہے "لا یجاوز حناجرھم" یعنی ان کے اعمالِ صالحہ قبول ہونے کے لیے آسمانوں کے اوپر نہیں چڑھائے جائیں گے، یہ ابن التین کا قول ہے اور قاضی عیاض نے کہا کہ یہ قرآن مجید کو پڑھیں گے لیکن ان کے دل قرآن مجید کو نہیں

سمجھیں گے اور جو یہ تلاوت کریں گے اس سے نفع حاصل نہیں کریں گے اور سوائے منہ سے الفاظ نکالنے کے ان کی تلاوت کا اور کوئی ثمرہ نہیں ہے۔

خوارج کی صفات

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''یہ لوگ دین سے نکل جائیں گے'' اور ایک روایت میں ہے کہ ''اسلام سے نکل جائیں گے''۔ (صحیح البخاری:۷۴۳۲)

یہ لوگ دین سے نکل جائیں گے، اس سے مراد ہے کہ یہ ائمہ کی اطاعت سے نکل جائیں گے۔

یہ خوارج کی صفات ہیں جو ائمہ اور خلفاء کی اطاعت نہیں کرتے اور لوگوں کو تلواروں سے قتل کرتے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''وہ اہلِ اسلام کو قتل کریں گے'' اسی طرح خوارج نے کیا اور وہ اسی عقیدہ پر قائم رہے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''اور وہ بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے''۔

کہا گیا ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنا ایک نمائندہ خوارج کے پاس بھیجا اور اس نے ان کو نصیحت کی تو ان میں سے ایک شخص گزرا اور اس نے ایک ذمی کی کھجور لے کر اپنے منہ میں رکھ لی تو ان کے بعض ساتھیوں نے کہا کہ تم نے ذمی کی کھجور کو حلال قرار دے ڈالا؟ حضرت عبداللہ بن خباب رضی اللہ عنہ نے کہا: میں تم کو ان کا اس سے زیادہ بڑا جرم بیان کرتا ہوں، انہوں نے ایک مسلمان مرد کو قتل کر دیا، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی مراد ان کی اپنی ذات تھی کیونکہ خوارج نے ان کو قتل کر دیا تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خوارج کی طرف پیغام بھیجا کہ حضرت عبداللہ بن خباب کا قصاص دو، تو خوارج نے کہا: ہم کیسے قصاص دیں گے ہم سب نے مل کر اس کو قتل کیا ہے، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے جنگ کی اور اکثر خوارج قتل کر دیئے گئے، ایک قول یہ ہے کہ پانچ ہزار خوارج قتل کر دیئے گئے، دوسرا قول ہے کہ دس ہزار خوارج قتل کر دیئے گئے۔

خوارج کی تکفیر میں فقہاء کا اختلاف

علامہ قرطبی نے کہا ہے: ہمارے ائمہ کی ایک جماعت نے ان کو کافر قرار دیا ہے اور بہت علماء نے ان کی تکفیر میں توقف کیا۔ (المفہم ج ۳ ص ۱۱۰)

نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے متعلق فرمایا: اگر میں ان کو پاؤں تو ان کو قومِ عاد کی طرح قتل کر دوں گا، اس سے خوارج کے کفر پر استدلال کیا گیا ہے، کیونکہ قومِ عاد کو کفر کی وجہ سے قتل کیا گیا تھا۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۱۹ ص ۳۲۸۔۳۳۱، ملخصاً و ملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

خوارج کی صفات کا مظہر اور مصداق

میں کہتا ہوں: ہر دور میں ایسے نظریات رکھنے والے گزرے ہیں جن کے نظریات وہ تھے جو خوارج کے نظریات تھے، ہمارے دور میں طالبان کے نام سے جو خونخوار لوگ ظہور میں آئے ہیں ان کی یہی صفات ہیں، یہ بطورِ شعار ڈاڑھی گھنی رکھتے ہیں، سر کے بال منڈاتے ہیں، قرآن مجید کی تلاوت بہت کرتے ہیں اور مسلمانوں کو قتل کرتے ہیں اور بت پرستوں اور کافروں سے کوئی

تعرض نہیں کرتے، یہ کم عمر اور کم عقل لوگ ہوتے ہیں جیسے حدیث میں ہے:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ از سوید بن غفلہ روایت کرتے ہیں، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب میں تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کروں تو میرے نزدیک آسمان سے گرنا اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھوں، اور جب میں تم سے آپس میں کوئی بات کروں تو بے شک جنگ ایک دھوکا ہے، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آخر زمانہ میں کچھ کم عمر اور کم عقل لوگ آئیں گے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث بیان کریں گے، وہ اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار کے پار نکل جاتا ہے، ان کا ایمان ان کے حلقوم سے تجاوز نہیں کرے گا، پس تم جس جگہ اور جب بھی ان سے ملاقات کرو تو ان کو قتل کر دو، کیونکہ ان کو قتل کرنے سے قتل کرنے والوں کو قیامت تک اجر ملتا رہے گا۔

(صحیح البخاری: ۳۶۱۱، صحیح مسلم: ۱۰۶۶، سنن نسائی: ۴۱۰۲، سنن ابوداؤد: ۴۷۶۷، مسند احمد: ۱۰۸۹)

۵۸۔ بَابُ: قَوْلِ اللهِ تَعَالٰی: وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ (الانبیاء: ۴۷)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم قیامت کے دن انصاف کے ترازو رکھیں گے

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کے عنوان میں "الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ" کا ذکر ہے، "الموازین" کا لفظ میزان کی جمع ہے، یہ اصل میں مِوْزان تھا، واؤ کو یاء سے تبدیل کر دیا کیونکہ واؤ ساکن ہے اور اس کا ماقبل مکسور ہے اور "القسط" کا لفظ مصدر ہے، اس میں مفرد، تثنیہ اور جمع تینوں برابر ہیں اور اس کا معنی ہے کہ عدل کرنے والے ترازو رکھے جائیں گے۔

"الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ" پر اس اعتراض کا جواب کہ قیامت کے دن ایک ہی میزان ہوگی، پھر "الموازین" جمع کا صیغہ کیوں لایا گیا؟ اور اس اعتراض کا جواب کہ "الموازین" جمع ہے اور "القِسط" واحد ہے، سو یہ واحد کا لفظ جمع کی صفت کیسے ہوگا؟

اس کا یہ جواب ہے کہ جمع کا صیغہ بندوں کے اعتبار سے ہے کیونکہ جن بندوں کے اعمال کا وزن کیا جائے گا وہ بہت زیادہ ہیں اس لیے موازین کا لفظ لایا گیا ہے جو جمع کا صیغہ ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ موزونات کی مختلف انواع ہیں، ان کے اعتبار سے جمع کا صیغہ موازین لایا گیا ہے۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ "الموازین" جمع کا صیغہ ہے اور "القسط" واحد ہے اور "القسط" موازین کی صفت ہے اور موصوف اور صفت میں مطابقت ضروری ہے؟

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ القِسط مصدر ہے اور یہ واحد، تثنیہ اور جمع سب میں مساوی ہے لہٰذا موازین کی صفت "القسط" ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ زجاج نے کہا ہے: اصل عبارت یوں ہے: "نضع الموازين ذوات القسط" ہم ایسے ترازو رکھیں گے

جو انصاف کرنے والی ہوں گی۔

میزان کی تعریف

اہلِ سنت نے یہ کہا ہے کہ میزان ایک جسمِ محسوس ہے، اس کا ایک ڈنڈا ہے (جو تولتے وقت ہاتھ میں رہتا ہے) اور اس کے دو پلڑے ہیں جن میں وزن کے لیے کچھ رکھا جاتا ہے۔

اس سوال کا جواب کہ میزان میں بندوں کے اقوال اور اعمال کا وزن کیا جائے گا اور وہ اعراض ہیں اور وزن اجسام کا ہوتا ہے

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان اعمال اور اقوال کو جسم بنادے گا تو ان کا وزن کیا جائے گا، یا مراد یہ ہے کہ بندوں کے صحائفِ اعمال کا وزن کیا جائے گا اور اس میزان کا فائدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے عدل کو ظاہر فرمائے اور انصاف میں مبالغہ کو ظاہر فرمائے، اور بندوں کے اعذار کو قطع کرنے کے لیے ان کے اعمال کا وزن کیا جائے گا۔

بابِ مذکور کی تعلیقات

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

وَأَنَّ أَعْمَالَ بَنِي آدَمَ وَقَوْلَهُمْ يُوزَنُ اور بنو آدم کے اعمال اور ان کے قول کا وزن کیا جائے گا۔

علامہ عینی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

علماء نے ذکر کیا ہے کہ بندوں کے اعمال اور ان کے اقوال اللہ تعالیٰ کے اذن سے جسم بن جائیں گے، پھر ان کا وزن کیا جائے گا، یا بندوں کے ان صحائف اعمال کا وزن کیا جائے گا جس میں اعمال لکھے ہوئے ہیں۔

اعمال کو وزن کرنے کی تحقیق از مصنف

میں کہتا ہوں: علامہ عینی کی یہ عبارت دراصل اس سوال کا جواب ہے کہ وزن تو اس چیز کا کیا جاتا ہے جس کا جسم ہو اور اعمال تو از قبیلِ اعراض ہیں، ان کا وزن کیسے ہوگا؟

اس کا ایک جواب تو علامہ عینی نے دیا ہے کہ اعمال کو جسم بنا دیا جائے گا یا صحیفۂ اعمال کا وزن کیا جائے گا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ جدید تحقیق سے ثابت ہے کہ اعراض کا بھی وزن کیا جاتا ہے مثلاً حرارت اور برودت اعراض ہیں، اور تھرمامیٹر سے بخار کی مقدار کا وزن کیا جاتا ہے کہ کتنے سینٹی گریڈ بخار ہے یا کتنے فورن ہائیٹ بخار ہے۔ اسی طرح مٹھاس بھی ایک کیفیت اور عرض ہے اور جس مشین سے شوگر کی مقدار معلوم کی جاتی ہے اس سے مٹھاس کا وزن معلوم ہو جاتا ہے، خون کے ایک قطرہ کو اسٹرپ پر لگا کر مشین میں ڈالتے ہیں تو معلوم ہو جاتا ہے کہ اس قطرہ میں کتنے ملی گرام مٹھاس ہے۔ اسی طرح چکنائی بھی عرض ہے، اور اس کی مقدار بھی مشین سے معلوم ہو جاتی ہے کہ انسان نے جو کچھ کھایا ہے اس میں کتنے ملی گرام کولیسٹرول تھا۔ اسی طرح آلات سے ہوا کے دباؤ کی مقدار کا بھی علم ہو جاتا ہے، اور یہ سب اعراض ہیں۔ تو جب انسان آلات کے ذریعہ اعراض کی مقدار اور اس کے وزن کو معلوم کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ جو ان تمام چیزوں کا خالق ہے، اس کے لیے کیا بعید ہے کہ وہ انسان کے اعمال کا میزان

میں وزن فرمالے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: الْقُسْطَاسُ: الْعَدْلُ بِالرُّومِيَّةِ

اور مجاہد نے کہا: ''القسطاس'' کا معنی رومی زبان میں عدل ہے۔

علامہ عینی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی مجاہد نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ۔۔۔ (بنی اسرائیل: ۳۵)'' (جب تم وزن کرو تو درست ترازو سے پورا پورا وزن کرو)، ''قسطاس'' کا لفظ پیش کے ساتھ بھی ہے یعنی قُسطاس اور زیر کے ساتھ بھی ہے یعنی قِسطاس اور اس کا معنی رومی زبان میں عدل کرنا ہے۔

امام بخاری بیان کرتے ہیں:

وَيُقَالُ: الْقِسْطُ مَصْدَرُ الْمُقْسِطِ وَهُوَ الْعَادِلُ وَأَمَّا الْقَاسِطُ فَهُوَ الْجَائِرُ

اور کہا جاتا ہے کہ ''القسط'' یہ المقسط کا مصدر ہے اور اس کا معنی ہے العادل، اور رہا ''القاسط'' تو اس کا معنی ہے: ظالم۔

علامہ عینی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ ''القِسط'' کا لفظ جب ثلاثی مزید فیہ بابِ افعال سے ہو تو اس کا اسم فاعل ہوگا المُقسِط اور اس کا معنی ہے: عدل کرنے والا، اور جب یہ لفظ ثلاثی مجرد سے ہو تو اس کا اسمِ فاعل ہوگا ''القاسِط'' اور اس کا معنی ہے ظالم۔

الاسماعیلی نے امام بخاری پر اعتراض کیا ہے کہ انہوں نے کہا ہے: ''القِسط'' ''المُقسِط'' کا مصدر ہے، ان کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کیونکہ المُقسِط کا مصدر الاِقساط ہے، جب کوئی شخص عدل کرے تو کہا جاتا ہے ''اَقسَطَ''، اور جب کوئی شخص ظلم کرے تو کہا جاتا ہے ''قَسَطَ''۔ (عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۳۰۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۷۵۶۳۔ حَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ إِشْكَابٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ عَنْ عُمَارَةَ بْنِ الْقَعْقَاعِ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ كَلِمَتَانِ حَبِيبَتَانِ إِلَى الرَّحْمَنِ خَفِيفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيلَتَانِ فِي الْمِيزَانِ سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيمِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے احمد بن اشکاب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا کہ ہمیں محمد بن فُضیل نے حدیث بیان کی از عمارہ بن القعقاع از ابوزرعہ از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: دو کلمے (دو لفظ) رحمٰن کو محبوب ہیں اور زبان پر پڑھنے میں ہلکے ہیں اور میزان میں بھاری ہیں: ''سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيمِ''۔

(صحیح البخاری: ۶۴۰۶، ۶۶۸۲، ۷۵۶۳، صحیح مسلم: ۲۶۹۴، سنن ترمذی: ۳۴۶۷، سنن ابن ماجہ: ۳۸۰۶، مسند احمد: ۷۱۶۷)

صحیح البخاری: ۷۵۶۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

''کلمتان'' کا معنی

اس حدیث میں مذکور ہے دو کلمے، اس سے مراد ہیں دو کلام، کلام کے اوپر کلمہ کا اطلاق کیا جاتا ہے جیسے کہا جاتا ہے کلمۃ الشہادۃ۔

''حبیبتان'' کا معنی

اس حدیث میں مذکور ہے ''دو کلمے رحمٰن کے نزدیک حبیب ہیں'' یعنی محبوب ہیں اور حبیب کا لفظ فعیل کے وزن پر ہے اور یہ محبوب کے معنی میں ہے فاعل کے معنی میں نہیں ہے، اور اس سے مراد یہ ہے کہ ان دو کلموں کے پڑھنے والا اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ہے، اور اللہ تعالیٰ کی بندہ سے محبت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ کی طرف خیر پہنچانے کا ارادہ فرماتا ہے اور اس کی تکریم کرتا ہے۔

یہاں پر یہ اعتراض ہے کہ ''حبیبتان'' میں تاء لانے کی کیا ضرورت ہے جب کہ فعیل کا وزن جب مفعول کے معنی میں ہوتو اس میں مذکر اور مؤنث برابر ہوتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے: جب فعیل کا وزن مفعول کے معنی میں ہوتو وہ مذکر اور مونث میں برابر ہوتے ہیں لیکن یہ برابر ہونا واجب نہیں ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ تاء، تانیث کی نہیں ہے بلکہ وصفیت سے اسمیت کی طرف منتقل کرنے کے لیے ہے۔

تاء کی آٹھ قسمیں

میں کہتا ہوں: یہاں پر تاء، تانیث کی نہیں ہے بلکہ تاء کی کئی اقسام ہیں:

(۱) وحدت کی تاء: جیسے تمرۃ ایک کھجور، یا دُرّۃٌ ایک موتی۔

(۲) مصدریت کی تاء: جیسے فاعلیت اور مفعولیت کی تاء، یعنی کسی لفظ کا فاعل یا مفعول بنانا۔

(۳) مبالغہ کی تاء: جیسے علّامۃ کیونکہ اس لفظ میں علّام سے زیادہ مبالغہ ہے۔

(۴) عوض کی تاء: جیسے عِدۃٌ، یہ لفظ اصل میں وِعدتھا، واؤ کو حذف کر کے اس کے عوض میں آخر میں تاء لے آئے۔ اسی طرح زِنۃٌ۔

(۵) زائدہ: جیسے حجارۃ، جمع کا وزن حجار ہے، اور یہ تاء زائدہ ہے۔ اور اسی طرح ملائکۃٌ، اس میں بھی تاء زائدہ ہے۔

(۶) تذکیر کی تاء: جیسے ثلاثۃ رجال، اور جیسے قرآن کی درج ذیل آیت ہے:

سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ۙ حُسُوْمًا (اللہ نے) اس آندھی کو ان پر مسلسل سات راتیں اور آٹھ دن تک مسلط رکھا۔ (الحاقۃ:۷)

رِجال اور ایام کے لفظ مذکر ہیں اور ان کا ممیز ثلاثۃ اور ثمانیۃ ہے، سو یہ تاء، تانیث کی نہیں ہے بلکہ تذکیر کی ہے۔

(۷) تانیث کی تاء: جیسے ضاربۃ، قائمۃ۔

(۸) اسمیت کی تاء: یعنی کسی وصف کو اسم بنانے کے لیے آخر میں تاء لگا دیتے ہیں جیسے کافیۃ، شافیۃ۔

اسی طرح یہاں بھی حبیبتان کے اندر تاء، اسمیت کی ہے یعنی حبیب کا لفظ جو کہ وصف تھا اس کے آخر میں تاء لگا کر اس کو اسم بنا دیا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

لفظِ رحمٰن کی خصوصیت کی توجیہ

اس حدیث میں مذکور ہے "الی الرحمٰن" یعنی سبحان الله وبحمدہ سبحان الله العظیم، یہ دو کلمے رحمٰن کو محبوب ہیں۔
اس پر یہ سوال ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے "رحمٰن" کو یہاں پر ذکر کرنے کی کیا خصوصیت ہے؟
اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں پر مقصود اللہ تعالیٰ کی بندوں پر رحمت کی وسعت کو بیان کرنا ہے کہ وہ کم کام کے اوپر زیادہ ثواب عطا فرماتا ہے۔

لفظ "سبحان" کی تحقیق

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "سبحان الله"، لفظِ سبحان اللہ تسبیح کا عَلَم ہے جیسے عثمان مرد کا علم ہے۔ اور عَلَم کی دو قسمیں ہیں، ایک عَلَم شخصی اور ایک عَلَم جنسی۔ اور کبھی یہ عین کے لیے ہوتا ہے اور کبھی معنی کے لیے ہوتا ہے، پس یہ عَلَم جنسی ہے جو معنی کے لیے ہے۔
اب یہاں یہ سوال ہے کہ آپ نے بتایا کہ سبحان عَلَم ہے، اور یہ لفظ واجب الاضافۃ ہے، اور یہاں بھی اس کی اضافت لفظِ اللہ کی طرف ہے، اور علم مضاف نہیں ہوتا۔
اس کا جواب یہ ہے کہ عَلَم کو نکرہ کر دیا جائے تو پھر اس کی اضافت جائز ہے۔
نیز اس حدیث میں لفظ سبحان کا دو مرتبہ ذکر ہے "سبحان الله العظيم" اور "سبحان الله وبحمده"، اور اس تکرار کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ علی الاطلاق نقائص سے منزہ ہے، اور اللہ تعالیٰ کی یہ تسبیح اس کی حمد کے ساتھ مقارن ہے، تا کہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ سلبیہ کا بھی ذکر ہو اور صفتِ ایجابیہ کا بھی ذکر ہو۔ اللہ تعالیٰ کا نقائص سے بری ہونا صفتِ سلبیہ ہے اور اس کا حمد کے ساتھ مقارن ہونا صفتِ ایجابیہ ہے۔ اور حمد صفتِ کمال پر ہوتی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ مطلقاً صفاتِ کمالیہ کا جامع ہے اور مطلقاً نقائص سے بری ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۸ ص ۳۰۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۷۵۶۳، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بنو آدم کے اعمال کے وزن کی توجیہ

المعتزلہ اعمال کے وزن کا انکار کرتے ہیں اور میزان کا بھی انکار کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو اعمال کے وزن کرنے کی کیا ضرورت ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ تو عالم الغیب والشہادۃ ہے۔ اور اہل سنت و جماعت یہ کہتے ہیں کہ میزان پر ایمان لانا واجب ہے اور اس پر کہ بندوں کے اعمال قیامت کے دن وزن کیے جائیں گے۔
علامہ المہلب نے کہا ہے: اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ وہ موازین کو رکھے گا تا کہ بندوں کے اعمال کا وزن کیا جائے اور بندوں کو ان کے اعمال دکھائے گا اور وہ اعمال تمام عمل کرنے والوں کی آنکھوں کے سامنے مثالی صورت میں ہوں گے تا کہ تمام لوگ اپنے اوپر یہ شہادت دیں کہ انہوں نے یہ اعمال کیے ہیں اور اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو بہت سارے اعمال کا علم نہیں ہوتا، سو اللہ تعالیٰ تمام اعمال کا وزن کر کے دکھائے گا اور اپنے عدل پر برہان قائم فرمائے گا اور یہ واضح فرمائے گا کہ اللہ تعالیٰ

ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی ظلم نہیں فرماتا۔ (شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۵۵۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۷۵۶۳، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صحیح البخاری کے آخر میں ''سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم'' پر مشتمل حدیث کو ذکر کرنے کی توجیہات

(۱) اگر مجلس کے آخر میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح کی جائے تو اس مجلس میں کیے ہوئے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے، سو امام بخاری نے بھی آخر میں اس حدیث کی روایت کی کہ اگر صحیح البخاری کی تصنیف میں ان سے کوئی فروگزاشت ہوگئی ہے تو اس کا کفارہ ہو جائے، حدیث میں ہے:

امام ابوداؤد اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں: چند کلمات ایسے ہیں کہ جو شخص بھی اپنی مجلس سے اٹھتے وقت ان کلمات کو تین مرتبہ پڑھے گا تو وہ کلمات اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جائیں گے اور جو شخص کسی نیک مجلس میں یا ذکر کی مجلس میں ان کلمات کو پڑھے گا تو ان کلمات سے اس کی مجلس پر مہر لگا دی جائے گی جیسا کہ صحیفہ کو ختم کر کے مہر لگائی جاتی ہے، وہ کلمات یہ ہیں: ''سبحانك اللهم وبحمدك لا اله الا انت استغفرك واتوب اليك''۔ (سنن ابوداؤد: ۴۸۵۷)

نیز حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی حدیث کی مثل روایت کی ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۴۸۵۸، سنن ترمذی: ۳۴۳۳)

حضرت ابوبرزہ الاسلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب آخر میں کسی مجلس سے اٹھنے کا ارادہ فرماتے تو آپ پڑھتے: ''سبحانك اللهم وبحمدك اشهد ان لا اله الا انت استغفرك واتوب اليك''، ایک مرد نے پوچھا: یا رسول اللہ! آپ جو یہ کلمات پڑھ رہے ہیں اس سے پہلے نہیں پڑھتے تھے، آپ نے فرمایا کہ مجلس میں جو گناہ ہو جائیں یہ کلمات ان کا کفارہ ہیں۔ (سنن ابوداؤد: ۴۸۵۹)

(۲) امام بخاری نے صحیح البخاری میں پہلی حدیث روایت کی ہے ''انما الاعمال بالنیات'' اس روایت میں امام بخاری نے ادب کو ملحوظ رکھا کہ انہوں نے اخلاص کے ساتھ اس کتاب کی تالیف کی ہے اور آخری حدیث روایت کی ہے ''سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم'' تا کہ اخیر میں دل سے پچھلے خیالات منقطع ہو جائیں اور آخرت کی طرف دل بالکلیہ متوجہ ہو جائے۔

(۳) (میں کہتا ہوں: حدیث ''انما الاعمال بالنیات'' بھی سنداً غریب ہے اور حدیث ''سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم'' بھی سنداً غریب ہے، اس سے امام بخاری نے اس حدیث کی طرف اشارہ کیا ''بدأ الاسلام غریبا وسیعود فی الغرباء''۔ (سعیدی غفرلہ)

''الاعمال بالنیات'' کا تعلق دنیا میں عمل کرنے کے ساتھ ہے اور اعمال کا وزن کیا جانا قیامت کے ساتھ خاص ہے، اور دنیا آخرت پر مقدم ہے اس لیے جس حدیث کا تعلق دنیا میں عمل کے ساتھ تھا اس کے ساتھ صحیح البخاری کی ابتداء کی اور جس حدیث کا تعلق آخرت کے اجر کے ساتھ تھا اس پر صحیح البخاری کو ختم کیا کیونکہ دنیا آخرت پر مقدم ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

اللہ تعالیٰ کی حمد اور تسبیح کے متعلق دیگر احادیث

امام دیلمی نے از وہب بن منبہ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، انہوں نے بیان کیا کہ جو بندہ بھی "سبحان اللہ وبحمدہٖ" کہتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندہ نے سچ بولا اور میں سبحان ہوں اور میری حمد ہے۔ اگر اس نے سوال کیا تو میں اس کے سوال کے مطابق عطا فرماؤں گا، اور اگر وہ خاموش رہا تو میں اس کی اتنی مغفرت فرماؤں گا جس کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔ (کنز العمال: ۲۰۲۹)

امام طبری نے اپنی تفسیر میں روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ملائکہ کی صلوٰۃ التسبیح ہے۔ پس آسمانِ دنیا کے فرشتے سجدہ میں قیامت تک کہتے رہیں گے "سبحان ذی الملك والملكوت" اور دوسرے آسمان کے فرشتے حالتِ قیام میں قیامت تک کہتے رہیں گے "سبحان ذی العزة والجبروت" اور تیسرے آسمان کے فرشتے حالتِ قیام میں قیامت تک کہتے رہیں گے "سبحان الحی الذی لا یموت"۔ (تفسیر الطبری: ۶۱۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے "وَالْبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ" (الکہف: ۴۶) کی تفسیر میں کہا: "سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر"۔ (تفسیر الطبری: ۲۳۰۹۴)

اگر تم سوال کرو کہ بار بار سبحان اللہ اور الحمد للہ کی تکرار کا کوئی قائم مقام ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرے پاس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گزرے اور میں چار ہزار گٹھلیوں پر تسبیح پڑھ رہی تھی تو آپ نے فرمایا: میں تمہارے سامنے ایک کلمہ پڑھوں جو تمہاری تسبیح سے افضل ہو، میں نے پوچھا: وہ کونسا کلمہ ہے؟ تو آپ نے فرمایا: "سبحان اللہ عدد ما خلق"۔

(سنن ترمذی: ۳۵۵۴، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۲۴ ص ۷۴، المعجم الاوسط ج ۸ ص ۲۳۶، رقم: ۸۵۰۴، المستدرک للحاکم ج ۱ ص ۵۴۷)

امام مسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے پاس سے گزرے، وہ اپنی جائے نماز پر صبح کے وقت اللہ کا ذکر کر رہی تھیں اور اللہ کی تسبیح کر رہی تھیں، پس آپ اپنے کام سے چلے گئے، پھر دن چڑھنے کے بعد واپس آئے تو آپ نے ان سے پوچھا: تم جب سے اسی جگہ بیٹھی تسبیح پڑھ رہی ہو؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں نے ایسے کلمات پڑھے ہیں کہ اگر ان کو تمہارے پڑھے ہوئے کلمات کے ساتھ وزن کیا جائے تو وہ راجح ہوں گے، وہ کلمات یہ ہیں: "سبحان اللہ عدد ما خلق، سبحان اللہ رضا نفسه، سبحان اللہ زنة عرشه، سبحان اللہ مداد کلماته، والحمد للہ مثل ذٰلك"۔ (صحیح مسلم: ۲۷۲۶، کتاب الذکر والدعاء، باب التسبیح اول النہار وعند النوم)

"سبحان اللہ وبحمدہٖ" سے تمام گناہوں کا معاف ہونا آیا صرف متقین کے لیے ہے یا تمام لوگوں کے لیے

بعض علماء نے کہا ہے کہ تسبیح پڑھنے کے یہ فضائل جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہیں کہ جس نے "سبحان اللہ وبحمدہٖ" ایک سو مرتبہ کہا تو اس کے گناہ بخش دیے جائیں گے خواہ اس کے گناہ سمندر کے جھاگ کی مثل ہوں، یہ بشارت ان لوگوں کے لیے ہے جو دین میں بزرگ ہیں اور کاملین ہیں اور بڑے بڑے جرائم سے پاک ہیں اور یہ نہ گمان کیا جائے کہ جس نے یہ تسبیح پڑھی اور اپنی

شہوات پر اصرار کیا اور اللہ تعالیٰ کی حدود کی بے حرمتی کرتا رہا تو وہ بھی سابقین مطہرین کے ساتھ لاحق ہو جائے گا اور ان کے مرتبہ کو پالے گا خواہ اس میں نہ تقویٰ ہو نہ اخلاص ہو اور نہ اعمالِ صالحہ ہوں۔ اور وہ اپنے نفس پر ظلم کرتا ہو اور اللہ کے دین پر عمل کرنے کے بجائے اپنی خواہشات پر عمل کرتا ہو۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۳۶۴۔۳۶۶ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

اس قول پر مصنف کا تعاقب

میں کہتا ہوں کہ جو کاملین اور متقین ہیں ان کے کب اتنے گناہ ہوتے ہیں جو سمندر کے جھاگ سے زیادہ ہوں۔ سو جب کاملین سو مرتبہ اس تسبیح کو پڑھیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے بے حد و بے حساب درجات کو بڑھا دے گا۔ باقی رہا یہ کہ اگر چور اور ڈاکو اور قاتل اور زانی بھی سو مرتبہ یہ تسبیح پڑھ لیں تو اللہ تعالیٰ ان کے گناہ بھی معاف فرما دے گا تو بھائی اللہ تعالیٰ رحیم و کریم ہے، اگر اللہ تعالیٰ مرتکبین کبائر کے گناہ کو بھی معاف فرما دے، تو یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت ہے، آپ کو اس سے کیا تکلیف ہے؟

نیز یہ درست ہے کہ سو مرتبہ یہ تسبیح پڑھنے سے بندہ کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں خواہ وہ سمندر کے جھاگ سے زیادہ ہوں، لیکن سو مرتبہ یہ تسبیح پڑھنے کی توفیق ہر ایک کو نہیں ہوتی۔ جو قاتل، زانی اور شدید مرتکبِ کبیرہ ہوں، ان کو یہ توفیق ہی نہیں ہوتی کہ وہ سو مرتبہ یہ تسبیح پڑھیں۔ اب جیسے سننِ نسائی میں یہ حدیث ہے کہ جو فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھے، اس کے اور جنت کے درمیان صرف موت حائل ہوتی ہے یعنی وہ مرتے ہی جنت میں چلا جائے گا، تو اگر مرتکبِ کبیرہ یہ پڑھے تو وہ بھی مرتے ہی جنت میں چلا جائے گا، لیکن ہر ایک کو یہ توفیق نہیں ہوتی۔ جو مرتکبِ کبیرہ ہوں انہیں کہاں نماز پڑھنے کی توفیق ہوتی ہے، چہ جائیکہ فرض نماز کے بعد متصلاً وہ آیت الکرسی بھی پڑھیں۔ لیکن اگر بالفرض وہ پڑھ لیں تو ہم اللہ تعالیٰ کی رحمت کو تنگ نہیں کرتے، ''ان رحمتی وسعت کل شیء'' اللہ تعالیٰ کی رحمت ہر چیز کو شامل ہے اور بڑے سے بڑا گناہِ کبیرہ کرنے والا بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ (الزمر: ۵۳)

آپ کہیے: اے میرے وہ بندو جو (گناہ کر کے) اپنی جانوں پر زیادتی کر چکے ہو، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، بے شک اللہ تمام گناہوں کو بخش دے گا، بے شک وہی بہت بخشنے والا، بے حد رحم فرمانے والا ہے ۝

میں اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت کا دامن تھام کر دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ میرے اور میرے تمام قارئین کے گناہوں کو معاف فرمائے۔ آمین یارب العلمین۔

صحیح البخاری: ۷۵۶۳، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

تسبیح اور تہلیل کی احادیث کا موازنہ

صحیح البخاری: ۶۴۰۳ میں مذکور ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ایک دن میں سو مرتبہ کہا "لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کل شیء قدیر" تو یہ اس کے لیے دس غلام آزاد کرنے کے برابر ہے، اس کے لیے سو نیکیاں لکھی جائیں گی اور اس کے سو گناہ مٹا دیئے جائیں گے اور وہ شخص اس دن شام تک شیطان سے حفاظت میں رہے گا۔ الحدیث۔

اور صحیح البخاری: ۶۴۰۵ میں مذکور ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ایک دن میں سو مرتبہ "سبحان اللہ وبحمدہٖ" کہا، اس کے تمام گناہ مٹا دیئے جائیں گے خواہ وہ گناہ سمندر کے جھاگ کی مثل ہوں۔

بہ ظاہر اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تسبیح پڑھنے کا ثواب "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" پڑھنے سے زیادہ ہے، کیونکہ سمندر کے جھاگ کا عدد سو نیکیوں سے کئی گنا زیادہ ہے، لیکن "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔۔۔ الحدیث" پڑھنے کے متعلق حدیث میں ہے کہ جس نے ایک دن میں سو مرتبہ یہ پڑھا تو یہ اس کی مثل ہے جس نے دس غلام آزاد کیے۔ اور غلام آزاد کرنے کا اجر بہت بڑا ہے۔ حدیث میں ہے: جس نے اللہ کے لیے غلام کو آزاد کیا تو اس غلام کے ہر عضو کے بدلہ میں اس شخص کے عضو کو دوزخ سے آزاد کر دیا جائے گا، تو اس سے معلوم ہوا کہ جس کو غلام آزاد کرنے کا اجر ہوگا اس کے تمام گناہوں کو معاف کر دیا جائے گا۔ اور اس کے اندر یہ بھی ہے کہ اس کے سو درجے بڑھا دیے جائیں گے۔

اور اس کی تائید دوسری احادیث سے ہوتی ہے کہ افضل الذکر "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" پڑھنا ہے، اور یہ اس لیے افضل ہے کہ آپ سے پہلے انبیاء علیہم السلام نے "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" پڑھا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اللہ کا اسمِ اعظم ہے۔ اور اس سے پہلے تسبیح کی شرح میں یہ گزر چکا ہے کہ تسبیح پڑھنے سے ان چیزوں سے اللہ تعالیٰ کی تنزیہ کی جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں ہیں۔ اور یہ "لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کل شیء قدیر" کے ضمن میں داخل ہے۔

نیز امام ترمذی، امام نسائی، امام ابن حبان اور امام حاکم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ سب سے افضل ذکر "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" پڑھنا ہے۔

بہ ظاہر اس کے معارض یہ حدیث ہے کہ امام مسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے بتائیے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ کلام کون سا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ کلام "سبحان اللہ وبحمدہٖ" ہے، اور ایک روایت میں ہے آپ سے سوال کیا گیا کہ کون سا کلام سب سے افضل ہے؟ تو آپ نے فرمایا: وہ کلام سب سے پسندیدہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ملائکہ کے لیے پسند فرما لیا ہے اور وہ کلام ہے "سبحان اللہ وبحمدہٖ"۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ "سبحان اللہ وبحمدہٖ" ان چار کلمات کا اختصار ہو اور وہ یہ ہیں: "سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر"۔

سبحان اللہ، میں ان چیزوں سے تنزیہ ہے جو اللہ عز وجل کی شان کے لائق نہیں ہیں اور اس کی صفات کی نقائص سے تقدیس

ہے تو اس میں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا معنی مندرج ہو جاتا ہے۔ اور ''بحمدہٖ'' الحمد للہ کے معنی میں صریح ہے اور یہ اللہ اکبر کے معنی کو شامل ہے۔

اس تمام بحث کے باوجود یہ لازم نہیں آتا کہ سبحان اللہ کہنا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہنے سے افضل ہے، کیونکہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ میں توحید کی تصریح ہے اور تسبیح توحید کو متضمن ہے۔

امام مسلم نے حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ اللہ کے نزدیک پسندیدہ کلام چار ہیں، تم ان میں سے جس سے بھی ابتداء کرو گے تو اس میں کوئی ضرر نہیں ہے: ''سبحان اللہ، والحمد للہ، ولا الٰہ الا اللہ، واللہ اکبر۔''

کیونکہ ان تمام کلمات کا حاصل اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور تنزیہہ ہے، اور جس نے اللہ تعالیٰ کی تنزیہہ کی، اس نے اس کی تعظیم کی، اور جس نے اللہ تعالیٰ کی تعظیم کی، اس نے اللہ تعالیٰ کی تنزیہہ کی، اس لیے علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ جب ان اذکار کے متعلق مطلقاً کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ سب سے زیادہ محبوب اذکار ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ اذکار اور ان کی مثل جو دوسرے اذکار ہیں۔

علامہ نووی نے کہا ہے کہ حدیث میں وارد ہے ''افضل الذکر لا الٰہ الا اللہ''، اس سے مراد ہے جب بندہ ذکر کرے تو سب سے افضل ذکر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے ورنہ مطلقاً قرآن افضل الذکر ہے۔

اور علامہ بیضاوی نے کہا ہے کہ زیادہ ظاہر یہ ہے کہ کلام سے مراد کلام بشر ہے، کیونکہ ''سبحان اللہ، والحمد للہ، ولا الٰہ الا اللہ، واللہ اکبر'' میں پہلے تین کا ذکر تو قرآن مجید میں ہے اور چوتھے کا ذکر یعنی ''اللہ اکبر'' قرآن مجید میں نہیں ہے۔ اور جو قرآن مجید میں نہ ہو وہ اس سے افضل نہیں ہوگا جو قرآن مجید میں ہے۔

امام طبری نے حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جب مرد نے کہا ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' تو یہ کلمۃ الاخلاص ہے جس کے بغیر اللہ تعالیٰ کسی عمل کو قبول نہیں فرماتا۔ اور جب اس نے کہا ''الحمد للہ'' تو یہ کلمۃ الشکر ہے اور بندہ اس وقت تک اللہ تعالیٰ کا شکر گزار نہیں ہوتا جب تک کہ الحمد للہ کہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جس نے کہا ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' اسے چاہیے کہ وہ اس کے بعد الحمد للہ بھی کہے۔

امام نسائی نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے میرے رب! مجھے ایسی چیز کی تعلیم عطا فرما جس سے میں تجھے یاد کروں، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ کہیں: ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' الحدیث۔ اور اس حدیث میں ہے کہ اگر سات آسمانوں کو اور جو کچھ ان میں ہے اور سات زمینوں کو ایک پلڑے میں رکھا جائے اور ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کو دوسرے پلڑے میں رکھا جائے تو وہ پلڑا راجح ہوگا جس میں ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' ہے۔ اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' سے ذکر کرنا الحمد للہ سے ذکر کرنے پر راجح ہے۔

اور اس کے معارض حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''الحمد للہ'' میزان کو بھر لیتی ہے، کیونکہ بھرنا مساوات پر دلالت کرتا ہے اور راجح ہونا زیادہ ہونے میں صریح ہے۔ پس ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کا ذکر اولیٰ ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۴۵۱۔ ۴۵۲، فتح الباری ج ۸ ص ۶۴۸۔ ۶۴۹، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری کی احادیث کا اختتام

صحیح البخاری کی کتاب التوحید میں دوسو پینتالیس (۲۴۵) احادیث روایت کی گئی ہیں، ان میں سے پچپن (۵۵) تعلیقات اور متابعات ہیں اوران کے علاوہ باقی احادیث موصولہ ہیں، اور کتاب التوحید میں اکثر مکررات ہیں اور خالص احادیث گیارہ (۱۱) ہیں۔

"نِعَمُ الباری" کی سولہویں (۱۶) جلد کی تکمیل

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد المرسلين سيدنا محمد وعلى آله واصحابه اجمعين!!

سبحانك اللهم وبحمدك لا اله الا انت استغفرك واتوب اليك، لا اله الا الله العظيم الحليم، لا اله الا الله رب العرش العظيم، لا اله الا الله رب السموات ورب الارض ورب العرش الكريم، لا اله الا الله الحليم الكريم، سبحان الله رب العرش العظيم، الحمد لله رب العالمين، اسالك موجبات رحمتك وعزائم مغفرتك والسلامة من كل اثم والغنيمة من كل بر لاتدع لى ذنبا الاغفرته ولا حاجة هى لك رضا الا قضيتها يا ارحم الراحمين، اللهم رحمتك ارجو فلاتكلنى الى نفسى طرفة عين واصلح لى شانى كله لا اله الا انت!!!

آج یکم رجب ۱۴۳۵ھ/ یکم مئی 2014ء بروز جمعرات "نعم الباری شرح صحیح البخاری" کی سولہویں اور آخری جلد مکمل ہوگئی۔ اس سولہویں جلد میں چار سو ستائیس (۴۲۷) احادیث کی شرح آ گئی ہے، اس جلد کی ابتداء ۱۲ صفر المظفر ۱۴۳۵ھ/ 16 دسمبر 2013ء بروز پیر کو ہوئی تھی، اس جلد کی تکمیل میں چار ماہ پندرہ دن کا عرصہ صرف ہوا۔

مکمل صحیح البخاری کی شرح کی تکمیل تقریباً 8 سال 3 ماہ اور 13 دن میں ہوئی، اس کی ابتداء نعمۃ الباری کے نام سے 18 جنوری 2006ء میں ہوئی اور اس کی تکمیل یکم مئی 2014ء کو ہوئی، نعمۃ الباری کی سات (۷) جلدیں ہیں جو فرید بک اسٹال لاہور نے طبع کی ہیں اور نعم الباری کی نو (۹) جلدیں ہیں جن کو ضیاء القرآن پبلی کیشنز نے طبع کی ہیں۔

سولہویں جلد کی کمپوزنگ حافظ محمد جمشید ہاشمی سلمہ اللہ تعالیٰ نے کی ہے اور اس کی پروف ریڈنگ محترم حافظ محمد اکرم ساجد زید علمہٗ فاضل دار العلوم محمدیہ غوثیہ، بھیرہ شریف، لیکچرر شعبہ عربی گورنمنٹ دیال سنگھ کالج لاہور، اور میرے محب اور مکرم دوست سید عمیر الحسن البرنی زید حبہٗ نے کی ہے، ان دونوں حضرات نے نہایت اخلاص اور محنت اور عرق ریزی سے اس پورے مسودہ کو پڑھا اور اغلاط کی نشاندہی کی اور ان کی تصحیح کرائی اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے امید ہے کہ ان شاء اللہ طبع ہونے کے بعد اس جلد میں کمپوزنگ کی کوئی غلطی باقی نہیں رہے گی، رہا یہ کہ اس کی تصنیف اور تالیف میں مجھ سے جو فروگزاشت اور کوتاہیاں ہوئی ہیں سو میں ان کا اعتراف کرتا ہوں اور قارئین کرام سے امید کرتا ہوں کہ وہ مجھے ان کوتاہیوں پر مطلع فرمائیں گے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری لغزشوں کو معاف فرمائے، اس شرح میں جو حسن اور کمال ہے وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا اور فیضان سے ہے اور جو اس میں قبح اور نقص ہے وہ میرے مطالعہ کی کمی اور نظر و استدلال میں خامی کی وجہ سے ہے، اللہ تعالیٰ میری اس کاوش کو شرف قبول عطا فرمائے اور نعم الباری کی تمام مجلدات کو اپنی بارگاہِ الٰہیہ میں مشکور اور مسعود فرمائے اور موافقین کے لیے اس کتاب کو موجب استقامت بنائے اور مخالفین اور منکرین کے لیے سبب ہدایت بنائے۔ وما ذالك على الله بعزيز

''نعمۃ الباری'' اور ''نِعم الباری'' کا اجمالی ذکر

صحیح البخاری کی شرح پہلے ''نعمۃ الباری فی شرح صحیح البخاری'' کے نام سے کی گئی تھی، بعدازاں کسی حکمت اور مصلحت کی بناء پر میں نے اس شرح کا نام ''نِعم الباری فی شرح صحیح البخاری'' رکھ دیا نعمۃ الباری کے نام سے اس شرح کا آغاز ۲۷ ذوالحجہ ۱۴۲۶ھ/ ۱۸ جنوری ۲۰۰۶ء بروز جمعہ کو ہوا اور اس کی سات جلدیں اسی نام سے شائع ہوتی رہیں، پھر میں نے ۵ شوال ۱۴۳۱ھ / ۱۵ ستمبر ۲۰۱۰ء بروز بدھ کو اس شرح کی آٹھویں جلد کی ابتداء کی جو ''نعم الباری فی شرح صحیح البخاری'' کے نام سے شائع ہوئی اور سولھویں جلد تک اسی نام سے یہ شرح شائع ہوئی ہے اور صحیح البخاری کی شرح جو پہلے نعمۃ الباری اور پھر نعم الباری کے نام سے شائع ہوئی ان دونوں شرحوں کی تکمیل میں ۸ سال اور ۳ ماہ صرف ہوئے، اور اس مدت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے توسّل اور تصدق سے اس ناتواں اور عاجز بندہ کے ہاتھوں اس شرح کو مکمل کرادیا اور میں نے گونا گوں بیماریوں اور تکلیفوں اور سختیوں کو برداشت کرتے ہوئے محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اس کام کو جاری رکھا، اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ میری نہ صرف اس شرح کو بلکہ میری تمام تصانیف کو قیامت تک باقی رکھے گا اور امتِ مسلمہ کو ان سے فیضیاب فرماتا رہے گا اور میری ان تصانیف کو اپنی عظیم بارگاہ اور حضرتِ رسالت پناہ کے حضور شرفِ قبول عطا فرمائے گا، صحیح البخاری کی شرح کی تکمیل کے بعد میرا عزم ہے کہ میں تبیان القرآن کی طرز پر ایک مختصر تفسیر لکھوں جس کا نام میں نے ''تبیان الفرقان'' تجویز کیا ہے، اس تفسیر کے مندرجات کے متعلق میں الگ عنوان کے تحت تحریر کروں گا، اللہ تعالیٰ سے میں دعا کرتا ہوں اور قارئین سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ بھی میرے ساتھ اس دعا میں شریک ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح میری باقی تصانیف کو اپنے فضل و کرم سے تکمیل تک پہنچایا اور امتِ مسلمہ کو ان کے فیوضات سے بہرہ مند فرمایا، اسی طرح میری آئندہ تفسیر تبیان الفرقان کو بھی اللہ تعالیٰ مکمل فرمادے اور اس سے بھی تمام اہلِ علم اور محبین کو نفع پہنچائے۔ آمین یارب العالمین بجاہ حبیبك سید المرسلین علیه وعلی آله صلوات الله وتسلیماته دائما ابدا۔

صحیح البخاری کی شروحات پر ایک اجمالی نظر

نعمۃ الباری اور نِعَم الباری کی تصنیف کے دوران صحیح البخاری کی حسبِ ذیل شروح میرے پیشِ نظر رہی ہیں:

(۱) ''اعلام السنن'' از علامہ ابوسلیمان حمد بن محمد الخطابی الشافعی المتوفی ۳۸۸ھ۔

(۲) ''شرح صحیح البخاری'' از علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال مالکی المتوفی ۴۴۹ھ۔

(۳) ''کشف المشکل علی صحیح البخاری'' از علامہ عبدالرحمٰن بن علی بن محمد الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ۔

(۴) ''فتح الباری'' از علامہ ابن رجب حنبلی متوفی ۷۳۶ھ۔

(۵) ''تحقیق الکواکب الدراری'' از علامہ محمد بن یوسف کرمانی شافعی متوفی ۷۸۶ھ۔

(۶) ''التوضیح لشرح الجامع الصحیح'' از علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن متوفی ۸۰۴ھ۔

(۷) ''مصابیح الجامع'' از قاضی بدرالدین الدمامینی المالکی المتوفی ۸۲۷ھ۔

(۸) ''فتح الباری'' از حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر العسقلانی الشافعی المتوفی ۸۵۲ھ۔
(۹) ''عمدۃ القاری'' از حافظ بدر الدین محمد بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ۔
(۱۰) ''ارشاد الساری'' از علامہ احمد القسطلانی الشافعی المتوفی ۹۱۱ھ۔
(۱۱) ''التوشیح علی الجامع الصحیح'' از حافظ جلال الدین السیوطی الشافعی المتوفی ۹۱۱ھ۔
(۱۲) ''عون الباری لحل ادلۃ صحیح البخاری'' از شیخ ابوالطیب صدیق بن حسن الحسینی القنوجی (غیر مقلد) المتوفی ۱۳۰۷ھ۔
(۱۳) ''الفجر الساطع علی الصحیح الجامع'' از امام محمد الفضیل بن الفاطمی الشبیہی الزرہونی المالکی المتوفی ۱۳۹۸ھ۔
(۱۴) ''شرح صحیح البخاری'' از شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ۔

ان شروحات کے علاوہ میں دیگر کتب حدیث کی شروح سے بھی استفادہ کرتا رہا ہوں۔

علامہ ابن بطال مالکی کی شرح پر تبصرہ

صحیح البخاری کی جن شروح کا میں مطالعہ کرتا رہا ہوں ان میں سب سے منفرد اور مرتجل شرح علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ کی ہے، اس شرح میں علامہ ابن بطال نے تمام فقہی مذاہب اور ان کے دلائل بیان کیے ہیں اور زیادہ تر فقہ مالکی کو ترجیح دی ہے، بعد میں جتنی شروحات آئیں ان میں سے کوئی شرح بھی علامہ ابن بطال کی شرح سے مستغنی نہیں رہی اور تمام شارحین نے ان کی شرح کو نقل کیا ہے اور اس سے استفادہ کیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کی فتح الباری پر تبصرہ

اس کے بعد قابلِ ذکر شرح حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ کی فتح الباری ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی کا بہت وسیع مطالعہ تھا اور بے شمار کتب حدیث سے انہوں نے احادیث نقل کی ہیں، تاہم وہ کسی حدیث کو مکمل نہیں بیان کرتے شروع کے چند اجزاء بیان کرنے کے بعد حدیث کو چھوڑ دیتے ہیں اور کسی حدیث کا ایسا حوالہ نہیں دیتے جس سے اس حدیث کی نشاندہی ہو جائے اور قاری اس کو کتب حدیث سے آسانی کے ساتھ تلاش کر سکے، نیز حافظ ابن حجر عسقلانی اکثر بھول جاتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کی شرح میں نے فلاں باب میں کی ہے اور اس باب میں اس حدیث کو تلاش کرو تو پھر کسی اور باب کا حوالہ دیتے ہیں، پھر اس باب میں جاؤ تو کسی اور باب کا حوالہ دیتے ہیں اور جب اس باب میں جاؤ تو کہتے ہیں کہ ہم اس حدیث کی شرح پچھلے ابواب میں کر چکے ہیں، اس کے علاوہ حافظ ابن حجر عسقلانی کی عبارت بہت مغلق اور منتشر ہے آدمی ان کی شرح کے تین چار صفحات کا مطالعہ کرے تو بمشکل ایک دو کام کی باتیں حاصل کر سکتا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی المذہب ہیں اور جس حدیث سے فقہ شافعی کی تائید ہوتی ہے اس حدیث کی تائید میں بہ کثرت احادیث پیش کرتے ہیں اور فقہ شافعی کے ثبوت میں بہت دلائل فراہم کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ کا جہاں موقع ملے خوب رد کرتے ہیں۔

علامہ عینی حنفی کی عمدۃ القاری پر تبصرہ

علامہ عینی کی شرح عمدۃ القاری کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ حافظ ابن حجر عسقلانی کی فتح الباری کی نقل ہے اور یہ شہرت کچھ

ایسی غلط بھی نہیں ہے لیکن علامہ عینی کی عبارت بہت شستہ اور بہت سلجھی ہوئی ہوتی ہے اس میں اغلاق نہیں ہوتا، علامہ عینی فقہ حنفی کے وکیل ہیں اور جہاں حافظ ابن حجر عسقلانی یا کوئی اور شارح امام ابوحنیفہ پر کوئی طعن کرتا ہے تو علامہ عینی دلائل کے ساتھ اس کا رد کرتے ہیں اور فقہ حنفی کے ثبوت میں کثیر شہادات پیش کرتے ہیں، اس کے باوجود کہیں کہیں ان کا لہجہ سخت بھی ہو جاتا ہے اور امام ابوحنیفہ کی محبت میں وہ ان کے مخالفین کے خلاف جلال میں آجاتے ہیں۔

علامہ ابن الملقن کی ''التوضیح لشرح الجامع الصحیح'' پر تبصرہ

علامہ ابن الملقن کی شرح بہت مبسوط ہے لیکن اس میں ان کی اپنی تحقیق کم ہوتی ہے علامہ ابن بطال کی شرح کو وہ من وعن نقل کر دیتے ہیں۔

علامہ کورانی کی ''الکوثر الجاری'' پر تبصرہ

یہ نہایت مختصر شرح ہے اور اس میں طویل ابحاث نہیں ہیں لیکن چند جملوں میں وہ کام کی باتیں لکھ دیتے ہیں اور یہ شرح کافی نکات آفریں ہے۔

علامہ قسطلانی کی ''ارشاد الساری'' پر تبصرہ

علامہ قسطلانی کی یہ شرح دراصل حافظ ابن حجر عسقلانی کی فتح الباری کا خلاصہ ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی طول طویل عبارات میں جو کچھ لکھتے ہیں علامہ قسطلانی اس کا خلاصہ چند سطروں میں لکھ دیتے ہیں اور چونکہ علامہ قسطلانی شافعی المذہب ہیں اس لیے وہ فقہ شافعی کو ترجیح دیتے ہیں۔

شیخ ابن عثیمین حنبلی نجدی کی ''شرح صحیح البخاری'' پر تبصرہ

شیخ ابن عثیمین نجدی عقائد کے حامل ہیں اور شیخ ابن تیمیہ کے افکار کے پیروکار ہیں اور زیادہ تر شیخ ابن تیمیہ کے نظریات کو پیش کرتے ہیں اور شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے عقائد کے حامل ہیں اور صوفیاء کرام اور اہل سنت و جماعت کے نظریات کا اپنے طور پر تفصیل سے رد کرتے ہیں، ہم نے اپنی شرح میں ایسے مقامات پر شیخ ابن عثیمین کا بہت زیادہ تعاقب کیا ہے۔

''تبیان الفرقان''

میں نے سب سے پہلے شرح صحیح مسلم لکھی جو سات جلدوں میں چھپی ہوئی ہے، اس کے بعد بارہ جلدوں پر مشتمل قرآن مجید کی تفسیر تبیان القرآن لکھی، یہ بہت مبسوط تفسیر ہے، اس تفسیر میں اہل سنت و جماعت کے عقائد پر مستحکم دلائل ہیں، فقہ حنفی کے ثبوت میں مضبوط براہین ہیں اور قرآن مجید کی تفسیر کے نکات ہیں، میں نے اس تفسیر میں قرآن مجید کا ترجمہ بھی خود کیا ہے اور اس کا نام ''نور القرآن'' رکھا ہے اور اب ''انوار تبیان القرآن'' کے نام سے کچھ عرصہ قبل میرا ترجمہ اور حاشیہ پر تفسیر تبیان القرآن کا خلاصہ چھپ چکا ہے۔

تاہم بہت سارے احباب یہ کہتے تھے کہ تبیان القرآن بارہ جلدوں پر مشتمل ہے اور عام قاری کے لیے اس کتاب کو خریدنا اور پھر اس کا مطالعہ کرنا بہت مشکل ہے اس لیے ضروری ہے کہ تبیان القرآن کے جامع مضامین پر مشتمل ایک مختصر تفسیر لکھ دی جائے اور

یہ کتاب زیادہ سے زیادہ چھ یا سات جلدوں پر مشتمل ہو، اس ضرورت کے پیش نظر صحیح البخاری کی شرح سے فارغ ہونے کے بعد میں نے عزم کیا کہ میں قرآنِ مجید کی ایک مختصر تفسیر لکھوں جس میں نہ صرف یہ کہ تبیان القرآن کے مضامین مختصر طور پر ہوں بلکہ اس سے زیادہ مضامین کا اضافہ بھی ہو اور اس تفسیر میں بعض آزاد خیال مفسرین کی تفسیروں پر تبصرہ بھی ہو، اور جب سے امام ابومنصور الماتریدی المتوفی ۳۳۳ھ کی تفسیر ''تاویلات اہل السنۃ'' طبع ہو کر میرے پاس پہنچی تو میری شدید خواہش تھی کہ میں اپنی تفسیر میں اس سے استفادہ کروں کیونکہ میں تبیان القرآن میں امام محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ کی ''تفسیر کبیر'' سے اکتسابِ فیض کر رہا تھا جب کہ امام رازی شافعی المذہب ہیں اور امام ماتریدی حنفی المذہب ہیں اور امام ماتریدی کی تفسیر سے استفادہ نہ صرف میرے لیے زیادہ باعثِ سعادت ہوگا بلکہ ہمارے قارئین کو بھی اس سے فقہ حنفی کی حقانیت پر مزید بہ افراط مضبوط دلائل حاصل ہوں گے، پس اللہ تعالیٰ نے مجھے امام ماتریدی کی تفسیر سے اکتسابِ فیض کا موقع مہیا کیا، سو میں نے چاہا کہ اس مختصر تفسیر کا نام ''تبیان الفرقان'' رکھوں اور اس کا ترجمہ بھی میں دوبارہ از خود کر رہا ہوں اور کوشش یہ ہے کہ تبیان الفرقان میں قرآن مجید کا ترجمہ تبیان القرآن میں مذکور ترجمہ سے زیادہ آسان اور زیادہ سہل ہو اور اس ترجمہ کا نام میں نے ''نور الفرقان'' تجویز کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے تبیان الفرقان کو لکھنے اور مکمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے تاکہ زیادہ سے زیادہ قارئین اس سے استفادہ کر سکیں، اللہ تعالیٰ میرے اس عزم کو پورا فرمائے۔ وما ذالك على الله بعزيز

حضرت حفیظ البرکات شاہ صاحب کے لیے کلماتِ تشکر

مفتی اعظم پاکستان علامہ منیب الرحمٰن دامت الطافہم العالیہ نے مارچ ۲۰۱۰ء میں حضرت صاحبزادہ حفیظ البرکات حفظہ اللہ سے میرا تعارف کرایا، میں اس وقت فرید بک اسٹال کی سست رفتاری سے بہت بیزار تھا، وہ ایک جلد کے چھاپنے میں دو سے تین سال لگا دیتے تھے اور میں سوچتا تھا کہ میری عمرِ مستعار میں اتنی گنجائش نہیں ہے کہ میں اس سست رفتاری کے ساتھ کوئی وقیع کام کر سکوں، تب حضرت صاحبزادہ محمد حفیظ البرکات شاہ صاحب نے میری خواہش پر لبیک کہا اور تیز رفتاری کے ساتھ صحیح البخاری کی شرح کو چھاپنے کا عزم کیا، چونکہ فرید بک اسٹال کے لیے میں جو شرح لکھ رہا تھا اس کا نام میں نے نعمۃ الباری رکھا تھا اور اب چونکہ میں ضیاء القرآن پبلیکیشنز کو صحیح البخاری کی شرح طبع کرنے کی ذمہ داری سونپ رہا تھا اس لیے میں نے مناسب جانا کہ اس کا نام نعمۃ الباری سے تبدیل کر کے نعم الباری رکھ دوں، حضرت صاحبزادہ محمد حفیظ البرکات شاہ صاحب نے مجھے بہت آسانیاں مہیا کیں، پہلے میں خود لکھتا تھا، حضرت شاہ صاحب نے میرے لیے یہ آسانی مہیا کی کہ آپ خود لکھنے کے بجائے اس کو کمپیوٹر پر کمپوز کرا دیں اور USB میں فائل کو محفوظ کر کے بھجوا دیں، اسی طرح پہلے میں خود کتاب کو پیک کر کے فرید بک اسٹال کی طرف کوریئر سروس سے روانہ کرتا تھا اسی طرح پروف بھی میں خود بھیجتا تھا لیکن اب میری عمر کا تقاضا اتنی مشقت کا متحمل نہیں تھا، حضرت حفیظ البرکات شاہ صاحب نے مجھے یہ سہولت مہیا کی کہ میں ان کے نمائندہ محترم مختار احمد انچارج ضیاء القرآن پبلی کیشنز، کراچی سے رابطہ رکھوں اور جب کتاب مکمل ہو تو میں ان کو فون پر مطلع کر دوں وہ خود آ کر مجھ سے USB لے جائیں گے، اسی طرح محترم مختار احمد صاحب نے مجھے اور بھی بہت سہولیات مہیا کیں، مجھے ایک متبادل کمپیوٹر مہیا کیا کہ اگر آپ کے کمپیوٹر میں وقتی خرابی ہو جائے تو آپ اس کمپیوٹر پر کام کریں، اس کے علاوہ مجھے جس کتاب کی ضرورت ہوتی ہے میں انہیں فون کر دیتا ہوں تو وہ مجھے وہ کتاب بھجوا دیتے ہیں، سو میں

حضرت صاحبزادہ محمد حفیظ البرکات شاہ صاحب شکر اللہ سعیہم کا بے حد شکر گزار ہوں اور ان کے نمائندہ محترم و مکرم مختار احمد صاحب کا بھی بے حد سپاس گزار ہوں۔

حضرت مفتی اعظم پاکستان کے لیے کلمات تشکر

سب سے زیادہ میرے تشکر کے مستحق حضرت مفتی اعظم پاکستان علامہ پروفیسر الحاج مفتی منیب الرحمٰن (مہتمم دارالعلوم نعیمیہ، کراچی، چیئرمین مرکزی رویت ہلال کمیٹی، پاکستان، صدر تنظیم المدارس اہل سنت، پاکستان، صدر جامع مسجد اقصیٰ، کراچی) کی ذات گرامی ہے، حضرت مفتی صاحب کی بے پناہ محبت اور شفقت اور ان کے بے کراں اخلاص نے مجھے اس پیرانہ سالی اور انواع واقسام کے امراض میں مبتلاء ہونے کے باوجود یہ حوصلہ اور ولولہ دیا کہ میں نے ان کی سرپرستی میں پہلے شرح صحیح مسلم لکھی، پھر تفسیر تبیان القرآن لکھی اور اس کے بعد صحیح البخاری کی شرح نعم الباری لکھی۔

میں ٦ جولائی ١٩٨٥ء میں کراچی وارد ہوا تھا اس وقت میرے خواب وخیال میں بھی نہیں تھا کہ میں تصنیف وتالیف کا اتنا کام کرسکوں گا لیکن حضرت مفتی اعظم پاکستان میرے دل میں لگن پیدا کرتے رہے اور میرے شوق کو ابھارتے رہے اور اس دارالعلوم میں مجھے بے پناہ سہولتیں فراہم کرتے رہے اور ہنوز ان سہولتوں میں مسلسل اضافہ فرما رہے ہیں، اب مجھے اس دارالعلوم میں ٢٩ سال ہو چکے ہیں اور اس تمام عرصہ میں حضرت مفتی اعظم پاکستان کے اخلاص، ان کی محبت اور شفقت میں کوئی کمی نہیں آئی بلکہ روز افزوں اس میں ترقی ہو رہی ہے اور یہ انہی کی شفقتوں کا نتیجہ ہے کہ میں نے تصنیف وتالیف کا وہ کام انجام دیا جس کا میں نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔

چار مہینے پہلے میری دونوں آنکھوں میں موتیا اتر آیا تھا اور مجھے لکھنے پڑھنے میں سخت دشواری ہو رہی تھی، حضرت مفتی اعظم پاکستان پروفیسر مفتی منیب الرحمٰن زید حبہم مجھے اپنے ساتھ اختر آئی ہسپتال لے گئے اور وہاں میری آنکھوں کے علاج کا بندوبست کیا، میں اللہ تعالیٰ کا بے حد وحساب شکر ادا کرتا ہوں کہ میری دونوں آنکھوں کا آپریشن کامیاب ہو گیا اور اب میری بینائی پہلے سے بھی زیادہ تیز ہو گئی ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے جس طرح اس نے میری آنکھوں کی تکلیف کو دور فرما دیا اس طرح میری دیگر بیماریوں اور تکلیفوں کو بھی دور فرما دے۔

حضرت مفتی اعظم پاکستان کو اللہ تعالیٰ نے بہت اعصابی قوت عطا فرمائی ہے اور ان کو دینی مہمات سر کرنے کی بے حد لگن سے نوازا ہے، میں نے اپنی زندگی میں ان جیسا صابر وشاکر اور بلند ہمت شخص کوئی اور نہیں دیکھا، اللہ تعالیٰ ان کی ہمت اور قوت میں مزید اضافہ فرمائے اور ان کو تادیر صحت اور سلامتی کے ساتھ قائم رکھے، ان کے فرزند ارجمند صاحبزادہ ضیاء الرحمٰن علیل ہیں مولیٰ عزوجل ان کو صحت اور شفاء نصیب فرمائے اور اس ناکارہ کو بھی اپنی بیماریوں میں صحت اور شفاء اور کمزوریوں میں طاقت اور توانائی عطا فرمائے اور تبیان الفرقان کو میرے ہاتھوں سے مکمل کرا دے۔ آمین

دیگر معاونین اور محبین کے لیے کلمات تشکر

دیگر محبین اور معاونین میں الحاج سید عمیر الحسن برنی زید حبہم، الحاج پروفیسر سید جمیل الرحمٰن شاہ صاحب (کامونکی)،

مولانا عارف حسین سعیدی (چیشم لندن)، صاحبزادہ حبیب الرحمٰن محبوبی (بریڈ فورڈ)، مولانا حافظ عبدالمجید شرقپوری (برسٹل)، مولانا سید محمد اشرف (ناروے)، ڈاکٹر خالد اعوان (امریکا)، مفتی محمد اسماعیل نورانی (پاکستان)، الحاج محمد شفیق قریشی (کراچی)، حافظ محمد اکرم ساجد مدظلہ (لاہور)، حافظ مختار احمد (مانسہرہ) ہیں، میری حقیقی بہن شمیم اختر سلمہا اور میری دینی بہن ثمینہ زید حسھا۔

میری دعا کے خصوصاً مستحق مولانا حافظ محمد جمشید ہاشمی ہیں جو نہ صرف میری تصنیفات کی کمپوزنگ کر رہے ہیں بلکہ دن رات میری خدمت میں مصروف رہتے ہیں اور میری تمام ضروریات کو پورا کرنے میں لگے رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان تمام محبین اور محسنین کا حامی وناصر ہو۔ آمین

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دینِ حق پر قائم رکھے، ہمیں زندگی میں صرف اپنا محتاج بنائے کسی مخلوق کا محتاج نہ کرے، صحت اور عافیت کے ساتھ ہم سب کا ایمان پر خاتمہ فرمائے اور دنیا میں ہمیں زیارتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اہل بنادے اور آخرت میں ہمیں آپ کی شفاعت سے مستفید و مستنیر فرمائے اور ہمیں ہر قسم کے عذاب سے اپنی پناہ میں رکھے اور اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو دنیا اور آخرت میں عزت اور سعادت عطا فرمائے اور ہم سب کا ایمان پر خاتمہ فرمائے اور ہمیں بڑھاپے کی تکلیفوں، موت کی سختیوں، قبر کی آزمائشوں، محشر کی ہولناکیوں اور عذابِ دوزخ سے محفوظ فرمائے اور اپنے فضل و کرم اور اپنے حبیبِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی شفاعت سے ہم سب کو بہرہ مند فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
خادم الحدیث دار العلوم نعیمیہ، کراچی
بلاک ۱۵ فیڈرل بی ایریا، کراچی ۳۸
یکم رجب المرجب ۱۴۳۵ھ/ یکم مئی 2014ء

نعم الباری فی شرح صحیح البخاری، جلد سادس عشر (۱۶) کی ڈائری

افتتاح ۱۲ صفر المظفر ۱۴۳۵ھ/16 دسمبر 2013ء بروز پیر

تقویم میلادی	تقویم ہجری	دن	ایک ماہ کے صفحات	کل صفحات	ایک ماہ کی احادیث	تعدادِ حدیث
16 دسمبر 2013u	۱۲ صفر المظفر ۱۴۳۵ھ	=	=	=	=	۷۱۳۶
یکم جنوری 2014ء	۲۸ صفر المظفر ۱۴۳۵ھ	بدھ	۷۸	۷۸	۳۷	۷۱۷۳
یکم فروری 2014ء	۳۰ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ	ہفتہ	۱۵۲	۲۳۰	۹۵	۷۲۶۸
یکم مارچ 2014ء	۲۸ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ	ہفتہ	۱۸۷	۴۱۷	۷۲	۷۳۴۰
یکم اپریل 2014ء	۳۰ جمادی الاول ۱۴۳۵ھ	منگل	۳۱۳	۷۳۰	۱۰۰	۷۴۴۰
یکم مئی 2014ء	یکم رجب المرجب ۱۴۳۵ھ	جمعرات	۲۸۴	۱۰۱۴	۱۲۳	۷۵۶۳

مصادر التحقیق فی نعم الباری

کتب سماویہ

١۔ قرآن مجید

٢۔ تورات

٣۔ زبور

٤۔ انجیل

کتب احادیث

٥۔ امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی 150ھ، مسند امام اعظم، مطبوعہ، محمد سعید اینڈ سنز کراچی، المکتبۃ الامدادیہ، مکہ مکرمہ ١٤٣١ھ

٦۔ امام مالک بن انس اصبحی، متوفی 179ھ، موطا امام مالک، مطبوعہ: دار الفکر بیروت، 1409ھ، المکتبۃ التوفیقیہ، دار المعرفہ بیروت، 1420ھ

٧۔ امام عبداللہ بن مبارک حنفی، متوفی 181ھ، کتاب الزہد، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت

٨۔ امام ابویوسف یعقوب بن ابراہیم حنفی، متوفی 183ھ، کتاب الآثار، مطبوعہ: مکتبہ اثریہ، سانگلہ ہل

٩۔ امام محمد بن حسن شیبانی حنفی، متوفی 189ھ، موطا امام محمد، مطبوعہ: نور محمد، کارخانہ تجارت کتب، کراچی

١٠۔ امام محمد بن حسن شیبانی حنفی، متوفی 189ھ، کتاب الآثار، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی 1407ھ

١١۔ امام محمد بن ادریس شافعی، متوفی 204ھ، المسند، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1400ھ

١٢۔ امام سلیمان بن داؤد الجارود شافعی، متوفی 204ھ، مسند ابوداؤد الطیالسی، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1425ھ

١٣۔ امام محمد بن عمر بن واقد شافعی، متوفی 207ھ، کتاب المغازی، مطبوعہ: عالم الکتب، بیروت، 1404ھ

١٤۔ امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی شیعی، متوفی 211ھ، مصنف عبدالرزاق، مطبوعہ: مکتب اسلامی بیروت 1390ھ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ

١٥۔ الامام الجلیل ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق الاسفرائنی، متوفی 216ھ، مسند ابوعوانہ، دار المعرفہ بیروت

١٦۔ امام عبداللہ بن الزبیر حمیدی شافعی، متوفی 219ھ، المسند، مطبوعہ: عالم الکتب، بیروت

١٧۔ امام سعید بن منصور خراسانی مکی شافعی، متوفی 227ھ، سنن سعید بن منصور، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، دار الصمیعی 1428ھ

١٨۔ امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ شافعی، متوفی 235ھ، المصنف، مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی 1406ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ

۱۹۔ امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ شافعی، متوفی 235ھ مصنف ابن ابی شیبہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ

۲۰۔ امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ شافعی، متوفی 235ھ، مصنف ابن ابی شیبہ، مطبوعہ: مجلس علمی، بیروت 1427ھ

۲۱۔ امام احمد بن حنبل، متوفی 241ھ، المسند، مطبوعہ: مکتب اسلامی، بیروت، 1398ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1413ھ، دار احیاء التراث العربی، بیروت 1415ھ، دار الفکر، بیروت 1415ھ، موسسۃ الرسالہ، بیروت 1420، عالم الکتب، بیروت 1419ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1429ھ

۲۲۔ امام ابوعبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی شافعی، متوفی 255ھ، سنن دارمی، مطبوعہ: دار الکتاب العربی 1407ھ، دار المعرفہ، بیروت 1420ھ

۲۳۔ امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری شافعی، متوفی 256ھ، صحیح بخاری، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1430ھ، دار ارقم، بیروت، المکتبۃ العصریہ، بیروت 1431ھ، دار الفکر بیروت 1421ھ، موسسۃ الرسالہ 1431ھ، دار المعرفہ، بیروت 1425ھ، دار العلم الحدیث: 1426ھ

۲۴۔ امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری شافعی، متوفی 256ھ، الادب المفرد، مطبوعہ: دار المعرفہ، بیروت 1412ھ

۲۵۔ امام ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری شافعی، متوفی 261ھ، صحیح مسلم، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفی الباز، مکہ مکرمہ 1417ھ، دار الفکر، بیروت 1424ھ

۲۶۔ امام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ شافعی، متوفی 273ھ، سنن ابن ماجہ: مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1415ھ، دار الجیل، بیروت، دار الفکر، بیروت 1421ھ

۲۷۔ امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی، متوفی 275ھ، سنن ابو داؤد، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1414ھ، دار الفکر بیروت، 1421ھ

۲۸۔ امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی، متوفی 275ھ، مراسیل ابوداؤد، مطبوعہ: نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی

۲۹۔ امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی شافعی، متوفی 279ھ، سنن ترمذی، مطبوعہ: دار الفکر بیروت 1422ھ، دار الجیل، بیروت 1998ء، دار المعرفہ بیروت 1423ھ

۳۰۔ امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی شافعی، متوفی 279ھ، شمائل محمدیہ، مطبوعہ: المکتبۃ التجاریہ، مکہ مکرمہ، 1415ھ

۳۱۔ حافظ ابوبکر عمرو بن ضحاک بن مخلد الشیبانی، متوفی، 287ھ، کتاب السنہ، المکتب الاسلامی 1400ھ

۳۲۔ امام ابن ابی عاصم شافعی، متوفی 287ھ، الاحاد والمثانی، مطبوعہ: دار الرایہ، ریاض، 1411ھ

۳۳۔ امام احمد عمرو بن عبدالخالق بزار شافعی، متوفی 292ھ، البحر الزخار المعروف بہ مسند البزار، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ، بیروت

۳۴۔ امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی شافعی، متوفی 303ھ، سنن نسائی، مطبوعہ: دار المعرفہ، بیروت 1412ھ، دار الفکر، بیروت، 1421ھ

۳۵۔ امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی شافعی، متوفی 303ھ، عمل الیوم واللیلہ، مطبوعہ: موسسۃ الکتب الثقافیہ، بیروت 1408ھ

۳۶۔ امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی شافعی، متوفّٰی 303ھ، سنن کبریٰ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1411ھ موسسۃ الرسالہ 1421ھ

۳۷۔ امام ابوبکر محمد بن ہارون الرویانی شافعی، متوفّٰی 307ھ، مسند الصحابہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ

۳۸۔ امام احمد بن عالی المثنی التمیمی شافعی، متوفّٰی 307ھ، مسند ابویعلیٰ موصلی، مطبوعہ: دارالمامون التراث، بیروت، 1404ھ

۳۹۔ امام عبداللہ بن علی بن جارود نیشاپوری شافعی، متوفّٰی 307ھ، المنتقیٰ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1417ھ

۴۰۔ امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ شافعی، متوفّٰی 311ھ، صحیح ابن خزیمہ، مطبوعہ: مکتب اسلامی، بیروت 1395ھ

۴۱۔ امام ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق شافعی، متوفّٰی 316ھ، مسند ابوعوانہ، مطبوعہ: دارالباز، مکہ مکرمہ

۴۲۔ امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی، متوفّٰی 321ھ، تحفۃ الاخیار، مطبوعہ: دار بلنسیہ، ریاض 1420ھ

۴۳۔ امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی، متوفّٰی 321ھ، مشکل الآثار، مطبوعہ: مکتبہ دارالباز 1415ھ

۴۴۔ امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی، متوفّٰی 321ھ، شرح معانی الآثار، مطبوعہ: مطبع مجتبائی، پاکستان لاہور، 1404ھ، قدیمی کتب خانہ کراچی

۴۵۔ امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی، متوفّٰی 321ھ، شرح مشکل الآثار، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ، بیروت 1427ھ

۴۶۔ امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی، متوفّٰی 321ھ مسند الطحاوی، مطبوعہ: مکتبۃ الحرمین، دبئی 1426ھ

۴۷۔ امام ابوجعفر محمد بن عمرو العقیلی شافعی، متوفّٰی 322ھ، کتاب الضعفاء الکبیر، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1418ھ

۴۸۔ امام ابوبکر احمد بن مروان بن محمد الدینوری القاضی المالکی، متوفّٰی 333ھ، المجالسۃ وجواھر العلم، دار ابن حزم بیروت، 1419ھ

۴۹۔ امام ابو حاتم محمد بن حبان البستی شافعی، متوفّٰی 354ھ، الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ بیروت، 1407ھ

۵۰۔ امام ابوحاتم محمد بن حبان البستی شافعی، متوفّٰی 354ھ، الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان، مطبوعہ: دارالفکر بیروت 1425ھ

۵۱۔ امام ابوبکر محمد بن الحسین بن عبداللہ الآجری الشافعی، متوفّٰی 360ھ، کتاب الشریعہ، مطبوعہ: موسسۃ الریان 1429ھ

۵۲۔ امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی شافعی، متوفّٰی 360ھ، معجم صغیر، مطبوعہ: مکتبہ سلفیہ، مدینہ منورہ 1388ھ، مکتبہ اسلامی، بیروت 1405ھ

۵۳۔ امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی شافعی، متوفّٰی 360ھ، معجم کبیر، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت

۵۴۔ امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی شافعی، متوفّٰی 360ھ، معجم اوسط، مطبوعہ: مکتبۃ المعارف، ریاض 1405ھ، دارالفکر بیروت، 1420ھ

۵۵۔ امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی شافعی، متوفّٰی 360ھ، مسند الشامیین، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ، بیروت 1409ھ

۵۶۔ حافظ ابوبکر احمد بن محمد بن اسحاق الدینوری المعروف بابن السنی، شافعی، متوفّٰی 364ھ، کتاب عمل الیوم واللیلۃ، مطبوعہ: موسسۃ الکتب الثقافیہ، 1408ھ

۵۷۔ امام عبد اللہ بن عدی الجرجانی شافعی، متوفی 365ھ، الکامل فی ضعفاء الرجال، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ

۵۸۔ امام ابوحفص عمر بن احمد المعروف بابن شاہین شافعی، متوفی 385ھ، الناسخ والمنسوخ من الحدیث، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1412ھ

۵۹۔ امام الحافظ علی بن عمر الدار قطنی، متوفی 385ھ، سنن الدار قطنی، مطبوعہ: دار المعرفہ بیروت، لبنان 1422ھ

۶۰۔ امام عبد اللہ بن محمد بن جعفر المعروف بابی الشیخ شافعی، متوفی 396ھ، کتاب العظمۃ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت

۶۱۔ امام ابوعبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری شافعی، متوفی 405ھ، المستدرک، مطبوعہ: دار الباز، مکہ مکرمہ، دار المعرفہ بیروت، 1427ھ، المکتبۃ العصریہ، بیروت 1420ھ

۶۲۔ امام ابوعبد اللہ محمد بن عمر واقد الواقدی شافعی، متوفی 407ھ، کتاب المغازی، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ

۶۳۔ امام ابونعیم احمد بن عبد اللہ اصبہانی شافعی، متوفی 430ھ، حلیۃ الاولیاء، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ، دار الکتب العربی 1407ھ

۶۴۔ امام ابونعیم احمد بن عبد اللہ اصبہانی شافعی، متوفی 430ھ، دلائل النبوۃ، مطبوعہ: دار النفائس، بیروت

۶۵۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، سنن کبریٰ، مطبوعہ: نشر السنہ، ملتان

۶۶۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، کتاب الاسماء والصفات، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت

۶۷۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، معرفۃ السنن والآثار، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت

۶۸۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ،، دلائل النبوۃ، مطبوعہ: دارلکتب العلمیہ، بیروت، 1423ھ

۶۹۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ،، کتاب الآداب، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1406ھ

۷۰۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، کتاب فضائل الاوقات، مطبوعہ: مکتبۃ المینارہ، مکہ مکرمہ 1410ھ

۷۱۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، شعب الایمان، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1401ھ

۷۲۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، الجامع لشعب الایمان، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد، ریاض 1423ھ

۷۳۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، البعث والنشور، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1414ھ

۷۴۔ امام ابوعمر یوسف ابن عبد البر قرطبی مالکی، متوفی 463ھ، جامع بیان العلم وفضلہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت

۷۵۔ حافظ ابی بکر عبد اللہ بن محمد بن عبید بن سفیان القرشی المعروف بابن ابی الدنیا، متوفی 184ھ، موسوعہ الامام ابن ابی الدنیا، مکتبۃ العصریہ، بیروت

۷۶۔ امام محمد بن فتوح الحمیدی شافعی، متوفی 488ھ، الجمع بین الصحیحین، مطبوعہ: دار ابن حزم 1423ھ

۷۷۔ امام ابوشجاع شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ الدیلمی شافعی، متوفی 509ھ، الفردوس بماثور الخطاب، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1406ھ

۷۸۔ امام حسین بن مسعود بغوی شافعی، متوفی 516ھ، شرح السنہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1412ھ
۷۹۔ علامہ عمر بن عبد العزیز ابن مازہ البخاری الحنفی الملقب بالصدر الشہید المتوفی 536ھ، شرح الجامع الصغیر، دار الکتب العلمیہ بیروت 1427ھ
۸۰۔ امام ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر شافعی، متوفیٰ 571ھ، تاریخ دمشق الکبیر، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1421ھ
۸۱۔ امام ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر شافعی، متوفی 571ھ، تہذیب تاریخ دمشق، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1407ھ
۸۲۔ امام ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی، متوفی 597ھ، جامع المسانید، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد، ریاض 1426ھ
۸۳۔ امام مجد الدین بن محمد الشیبانی المعروف بابن الاثیر الجزری شافعی، متوفی 606ھ، جامع الاصول، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1418ھ، دار ابن کثیر، بیروت 1432ھ
۸۴۔ امام زکی الدین عبد العظیم بن عبد القوی المنذری شافعی، متوفی 656ھ، الترغیب والترہیب، مطبوعہ: دار الحدیث، قاہرہ 1407ھ، دار ابن کثیر، بیروت 1414ھ
۸۵۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی، متوفی 668ھ، التذکرہ فی امور الآخرہ، مطبوعہ: دار البخاری، مدینہ منورہ
۸۶۔ امام محی الدین ابو زکریا یحییٰ بن شرف النووی شافعی، متوفی 676ھ، الاذکار من کلام سید الابرار، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفی الباز 1417ھ
۸۷۔ امام محی الدین ابو زکریا یحییٰ بن شرف النووی الشافعی، متوفی 676ھ، ریاض الصالحین، قدیمی کتب خانہ، کراچی
۸۸۔ امام ابو محمد علی بن زکریا المنبجی الحنفی، متوفی 686ھ، اللباب فی الجمع بین السنۃ والکتاب، دار خضر، بیروت 1419ھ
۸۹۔ امام محی الدین تبریزی شافعی، متوفی 742ھ، مشکوٰۃ، مطبوعہ: اصح المطابع، دہلی، دار ارقم، بیروت، دار ابن حزم 1423ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت
۹۰۔ امام علی بن عبد الکافی تقی الدین سبکی الشافعی، متوفی 746ھ، شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام، مطبوعہ: الدائر المعارف النظامیہ، بحیدر آباد، دکن
۹۱۔ تاج الدین علی بن عبد اللہ بن الحسن الارذ دیلی التبریزی الشافعی، متوفی 746ھ، المعیار فی الاحادیث الضعیفہ والموضوعۃ التی استشھد بھا الفقہاء، دار الاصلاح 2009ء
۹۲۔ امام شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن ابو بکر المعروف بابن قیم الجوزیہ حنبلی، متوفی 751ھ، جلاء الافہام فی فضل الصلوٰۃ والسلام علیٰ محمد خیر الانام، مطبوعہ: دار الکتاب العربی، بیروت 1417ھ، دار الطباعۃ المحمدیہ 1388ھ
۹۳۔ حافظ جمال الدین عبد اللہ بن یوسف زیلعی حنفی، متوفی 762ھ، نصب الرایہ، مطبوعہ: مجلس علمی سورۃ ہند، 1357ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ
۹۴۔ حافظ ابو الفرج زین الدین عبد الرحمٰن بن احمد بن رجب الحنبلی البغدادی الدمشقی، متوفی 795ھ، احوال القبور واحوال اھلھا الی النشور، دار الکتب العربی، بیروت 1418ھ
۹۵۔ حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی الشافعی، متوفی 807ھ، مجمع الزوائد، مطبوعہ: دار الکتاب العربی، بیروت 1402ھ، دار الفکر،

بیروت 1414ھ

۹۶۔ حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی الشافعی، متوفّٰی 807ھ، کشف الاستار، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ، بیروت 1404ھ

۹۷۔ حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی الشافعی، متوفّٰی 807ھ تقریب البغیہ بترتیب احادیث الحلیہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1420ھ

۹۸۔ امام ابو العباس احمد بن ابوبکر بوصیری شافعی، متوفّٰی 840ھ، اتحاف الخیرۃ المہرۃ بزوائد المسانید العشرۃ، مطبوعہ: مکتبہ دار الکتب العلمیہ، بیروت 1442ھ

۹۹۔ امام ابو العباس احمد بن ابوبکر بوصیری شافعی، متوفّٰی 840ھ، زوائد ابن ماجہ علی الکتب الخمسہ، مطبوعہ: دار الفکر بیروت 1414ھ،

۱۰۰۔ حافظ علاؤ الدین بن علی بن عثمان ماردینی ترکمانی حنفی، متوفّٰی 845ھ، الجوہر النقی، مطبوعہ: نشر السنہ ملتان

۱۰۱۔ حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی شافعی، متوفّٰی 848ھ، تلخیص المستدرک، مطبوعہ: مکتبہ دار الباز، مکہ مکرمہ

۱۰۲۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، شافعی، متوفّٰی 852ھ، المطالب العالیہ، مطبوعہ: مکتبۃ دار الباز، مکہ مکرمہ، ودار الکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ

۱۰۳۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، شافعی، متوفّٰی 852ھ، نتائج الافکار فی احادیث الاذکار، مطبوعہ: دار ابن کثیر، 1421ھ

۱۰۴۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، شافعی، متوفّٰی 852ھ، تلخیص الحبیر فی تخریج احادیث رافعی الکبیر، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفٰی الباز، 1417ھ

۱۰۵۔ امام زین الدین ابو العباس احمد بن عبد اللطیف الزبیری حنفی متوفّٰی 893ھ، التجرید الصریح لاحادیث الجامع الصحیح، مطبوعہ موسسۃ الرسالہ بیروت، 1430ھ

۱۰۶۔ امام عبد الرحمٰن بن عبد السلام بن عبد الرحمٰن بن عثمان الصفوری الشافعی، متوفّٰی 894ھ، نزہۃ المجالس ومنتخب النفائس، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1419ھ

۱۰۷۔ حافظ شمس الدین محمد بن عبد الرحمٰن السخاوی الشافعی، متوفّٰی 902ھ، القول البدیع فی الصلاۃ علی الحبیب الشفیع، مطبوعہ: مکتبۃ المؤید، دمشق 1408ھ

۱۰۸۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفّٰی 911ھ، الجامع الصغیر، مطبوعہ: دار المعرفہ، بیروت 1391ھ، مکتبہ نزار مصطفٰی الباز، مکہ مکرمہ

۱۰۹۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفّٰی 911ھ، جامع الاحادیث الکبیر، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1414ھ

۱۱۰۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفّٰی 911ھ، جمع الجوامع، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1421ھ

۱۱۱۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفّٰی 911ھ، البدور السافرہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ، دار ابن حزم، بیروت 1414ھ

۱۱۲۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفّٰی 911ھ، شرح الصدور بشرح حال الموتی والقبور، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1414ھ

۱۱۳۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفّٰی 911ھ، الخصائص الکبریٰ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1405ھ

۱۱۴۔ شیخ الاسلام احمد بن محمد بن علی بن حجر الہیتمی الشافی، متوفی 974ھ، الصواعق المحرقۃ فی الرد علی اہل البدع والزندقۃ، مطبوعہ: مکتبۃ القاہرہ، مصر 1385ھ

۱۱۵۔ علامہ علی متقی بن حسام الدین ہندی برہان پوری حنفی، متوفی 975ھ، کنز العمال، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ بیروت

۱۱۶۔ حافظ عبد الرؤف بن علی بن زین العابدین المناوی الشافعی، متوفی 1031ھ، کنوز الحقائق من حدیث خیر الخلائق، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ

۱۱۷۔ امام محمد بن سلیمان المغربی المالکی، متوفی 1094ھ، جمع الفوائد من جامع الاصول ومجمع الزوائد، مطبوعہ: مکتبہ ابن کثیر 1418ھ

۱۱۸۔ امام ابو عبداللہ محمد بن درویش الحوت البیرونی الحنفی، متوفی 1276ھ، اسنی المطالب فی احادیث مختلف المراتب، مطبوعہ: دارالفکر بیروت 1412ھ

۱۱۹۔ الحافظ ابوالفیض احمد بن محمد بن الصدیق الغماری الحسنی الشافعی، متوفی 1380ھ، المداوی لعلل الجامع الصغیر وشرح المناوی، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1996ھ

۱۲۰۔ علامہ محمد ناصر الدین البانی المتوفی 1420ھ، سلسہ احادیث صحیحہ، انصار السنہ پبلی کیشنز لاہور، مکتبۃ المعارف للنشر والتوزیع 1420ھ

۱۲۱۔ مولانا صالح بن عبداللہ بن حمید، نضرۃ النعیم فی مکارم اخلاق الرسول الکریم، دارالوسیلہ للنشر والتوزیع 1425ھ

۱۲۲۔ مولانا عبدالسلام بن محمد بن عمر علوش، کتاب الجامع فی الاحادیث القدسیہ، مطبوعہ: المکتبۃ الاسلامی، 1426ھ

کتب تفاسیر

۱۲۳۔ امام ابوزکریا یحییٰ بن زیاد فراء حنفی، متوفی 207ھ، معانی القرآن، مطبوعہ: بیروت

۱۲۴۔ امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری شافعی، متوفی 310ھ، جامع البیان، مطبوعہ: دارالمعرفہ، بیروت 1409ھ، دارالفکر بیروت

۱۲۵۔ امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس بن ابی حاتم رازی شافعی، متوفی 327ھ، تفسیر القرآن العظیم، مطبوعہ: نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ 1417ھ

۱۲۶۔ امام ابومنصور محمد بن محمد ماتریدی حنفی، متوفی 333ھ، تاویلات اہل السنہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1426ھ

۱۲۷۔ امام ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی، متوفی 370ھ، احکام القرآن، مطبوعہ سہیل اکیڈمی، لاہور، 1400ھ

۱۲۸۔ امام ابواسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم الثعلبی، متوفی 427ھ، تفسیر الثعلبی، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1422ھ

۱۲۹۔ امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن بن عبدالملک القشیری الشافعی، متوفی 465ھ، تفسیر القشیری المسمیٰ لطائف الاسرار، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1420ھ

۱۳۰۔ علامہ ابوالحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری شافعی، متوفی 468ھ، الوسیط، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1415ھ

۱۳۱۔ امام شیخ الاسلام ابوالمظفر السمعانی الشافعی، متوفی 489ھ، تفسیر القرآن، مطبوعہ: دارالوطن، ریاض 1418ھ

۱۳۲۔ علامہ محمود بن عمر زمخشری معتزلی، متوفی 538ھ، الکشاف، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1417ھ،

۱۳۳۔ علامہ ابوبکر محمد بن عبداللہ المعروف بابن العربی المالکی المتوفی 543ھ، احکام القرآن، مطبوعہ: دار الفکر بیروت

۱۳۴۔ امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی، متوفی 606ھ تفسیر کبیر، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1415ھ

۱۳۵۔ امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی، متوفی 606ھ، اسرار التنزیل وانوار التاویل، مطبوعہ: دار الکتب الوثاق، بغداد، عراق 1990ء

۱۳۶۔ علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی، متوفی 668ھ، الجامع لاحکام القرآن، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1415ھ

۱۳۷۔ قاضی ابوالخیر عبداللہ بن عمر بیضاوی شیرازی شافعی، متوفی 685ھ، انوار التنزیل واسرار التاویل، مطبوعہ: دار فراس للنشر والتوزیع، مصر

۱۳۸۔ علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد نسفی حنفی، متوفی 710ھ، مدارک التنزیل، مطبوعہ: دار الکتب العربیہ، پشاور

۱۳۹۔ علامہ عبدالرحمٰن بن محمد بن مخلوف ثعالبی، متوفی 857ھ، تفسیر الثعالبی، مطبوعہ: موسسۃ العالمی للمطبوعات، بیروت

۱۴۰۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، جلالین، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت

۱۴۱۔ علامہ اسماعیل حقی حنفی، متوفی 1137ھ، روح البیان، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1421ھ

۱۴۲۔ علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی، متوفی 1223ھ، تفسیر صاوی، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1421ھ

۱۴۳۔ علامہ السید عبداللہ سبّر، متوفی 1242ھ، تفسیر القرآن الکریم، مطبوعہ: دار الاسوہ للطباعۃ والنشر، 1421ھ

۱۴۴۔ علامہ ابوالفضل سید محمود آلوسی حنفی، متوفی 1270ھ، روح المعانی، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت، دار الفکر بیروت 1417ھ

۱۴۵۔ نواب صدیق حسن بھوپالی غیر مقلد، متوفی 1307ھ، فتح البیان، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1420ھ

۱۴۶۔ شیخ محمود الحسن دیوبندی، متوفی 1339ھ، حاشیۃ القرآن، مطبوعہ: تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور

۱۴۷۔ شیخ اشرف علی تھانوی دیوبندی، متوفی 1364ھ، بیان القرآن، مطبوعہ: تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور

۱۴۸۔ علامہ سید محمد نعیم الدین مرادآبادی بریلوی، متوفی 1367ھ، خزائن العرفان

۱۴۹۔ مفتی احمد یار خان نعیمی حنفی بریلوی، متوفی 1391ھ، نور العرفان، مطبوعہ: دار الکتب الاسلامیہ، گجرات

۱۵۰۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی دیوبندی، متوفی 1399ھ، تفہیم القرآن، مطبوعہ: ادارہ ترجمان القرآن، لاہور

۱۵۱۔ غزالیٔ زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی بریلوی، متوفی 1406ھ، التبیان العظیم فی تفسیر سورۃ التحریم، مطبوعہ: مکتبہ فانوس پبلی کیشنز، پاکستان 2003ء

۱۵۲۔ جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری حنفی بریلوی، متوفی 1418ھ، ضیاء القرآن، مطبوعہ: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور

۱۵۳۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، تبیان القرآن، مطبوعہ: فرید بک اسٹال لاہور، 1428ھ

۱۵۴۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، انوار تبیان القرآن، مطبوعہ: فرید بک اسٹال لاہور، 1431ھ

۱۵۵۔ مفتی محمد اسماعیل حسین نورانی حنفی بریلوی غفرلہ، ترجمہ وتحقیق وتخریج تفسیر خازن، مطبوعہ: فرید بک اسٹال لاہور 1427ھ

۱۵۶۔ مولانا حافظ محمد واحد بخش غوثوی مہاروی حنفی بریلوی غفرلہ، برکات القرآن، ترجمہ، تفسیر مدارک التنزیل، فرید بک اسٹال لاہور 1430ھ

شروح احادیث

۱۵۷۔ امام ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری التوفی 318ھ، الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف، مطبوعہ: دار الفلاح 1430ھ

۱۵۸۔ الامام ابوسلیمان حمد بن محمد الخطابی الشافعی، متوفی 388ھ، معالم السنن، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1426ھ

۱۵۹۔ الامام ابوسلیمان حمد بن محمد الخطابی الشافعی، متوفی 388ھ، اعلام السنن، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1426ھ

۱۶۰۔ علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال مالکی، متوفی 449ھ، شرح صحیح البخاری، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد، ریاض 1420ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ

۱۶۱۔ حافظ ابوعمرو ابن عبد البر مالکی، متوفی 463ھ، الاستذکار (شرح الموطا)، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ بیروت، 1413ھ

۱۶۲۔ حافظ ابوعمرو بن عبد البر مالکی، متوفی 463ھ، التمہید، مطبوعہ: مکتبۃ القدوسیہ، لاہور 1404ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1419ھ

۱۶۳۔ امام قاضی ابوبکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی اندلسی مالکی متوفی 543ھ، القبس فی شرح موطا بن انس، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1419ھ

۱۶۴۔ امام قاضی ابوبکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی اندلسی مالکی متوفی 543ھ، عارضۃ الاحوذی بشرح صحیح الترمذی، دار الکتب العلمیہ بیروت، 1418ھ

۱۶۵۔ قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی، متوفی 544ھ، اکمال المعلم بفوائد مسلم، مطبوعہ: دار الوفاء بیروت 1419ھ

۱۶۶۔ علامہ عبد الرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی، متوفی 597ھ، کشف المشکل علی صحیح البخاری، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1444ھ

۱۶۷۔ امام ابومحمد عبد الجلیل بن موسیٰ اندلسی مالکی، متوفی 608ھ، شعب الایمان، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1416ھ

۱۶۸۔ امام عبد العظیم بن عبد القوی منذری شافعی، متوفی 656ھ، مختصر سنن ابوداؤد، مطبوعہ: دار المعرفہ، بیروت

۱۶۹۔ علامہ ابوالعباس احمد بن عمر ابراہیم القرطبی المالکی، متوفی 656ھ، المفہم، مطبوعہ: دار ابن کثیر، بیروت 1417ھ

۱۷۰۔ علامہ ابوعبد اللہ فضل اللہ بن الحسن التورپشتی الشافعی، متوفی 661ھ، کتاب المیسر فی شرح مصابیح السنہ، مکتبہ نزار مصطفیٰ 1422ھ

۱۷۱۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی، متوفی 676ھ، شرح مسلم، مطبوعہ: نور محمد اصح المطابع، کراچی 1375ھ، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز 1417ھ

۱۷۲۔ امام ابومحمد عبد اللہ بن ابی حمزہ الاندلسی المالکی، متوفی 699ھ، بہجۃ النفوس، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1428ھ

۱۷۳۔ علامہ ابن رجب حنبلی، متوفی 736ھ، فتح الباری، دار ابن الجوزی، ریاض 1417ھ

۱۷۴۔ علامہ ابن رجب حنبلی، متوفی 736ھ، الاحادیث والآثار، مطبوعہ: مکتبۃ الرشید 1429ھ

۱۷۵۔ علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی الشافعی، متوفی 743ھ، شرح الطیبی، ادارۃ القرآن 1413ھ

۱۷۶۔ حافظ علاء الدین مغلطائی ابن قلیج بن عبد اللہ الحنفی التوفی 762ھ، شرح ابن ماجہ، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز 1424ھ

۱۷۷۔ علامہ محمد بن یوسف کرمانی شافعی، متوفی 786ھ، تحقیق الکواکب الدراری شرح البخاری، دار احیاء التراث العربی، بیروت 1401ھ

۱۷۸۔ علامہ محمد بن بہادر الزرکشی المتوفی 794ھ، التنقیح لالفاظ الجامع الصحیح، دار الکتب العلمیہ بیروت 1424ھ
۱۷۹۔ علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن، متوفی 804ھ، التوضیح لشرح الجامع الصحیح، مطبوعہ: وزارۃ الاوقاف، قطر 1429ھ
۱۸۰۔ امام قاضی بدر الدین الدمامینی المالکی، متوفی 827ھ، مصابیح الجامع، مطبوعہ: دار النور 1431ھ
۱۸۱۔ علامہ ابوعبداللہ محمد بن خلیفہ وشتانی مالکی، متوفی 828ھ، اکمال اکمال المعلم، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1415ھ
۱۸۲۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، تغلیق التعلیق علی صحیح البخاری، المکتب الاسلامی بیروت 1420ھ
۱۸۳۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، فتح الباری، مطبوعہ: دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور 1401ھ، بیروت 1420ھ، دار المعرفہ، بیروت 1426ھ
۱۸۴۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری، مکتبۃ الرشد، ریاض 1418ھ
۱۸۵۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، نتائج الافکار فی تخریج احادیث الاذکار، مطبوعہ: دار ابن کثیر، بیروت
۱۸۶۔ حافظ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی، متوفی 855ھ، عمدۃ القاری، مطبوعہ: ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، مصر 1348ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ
۱۸۷۔ حافظ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی، متوفی 855ھ، شرح سنن ابوداؤد، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد للنشر والتوزیع 1420ھ
۱۸۸۔ علامہ محمد بن محمد سنوسی مالکی، متوفی 895ھ، مکمل اکمال المعلم، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1415ھ
۱۸۹۔ علامہ احمد قسطلانی شافعی، متوفی 911ھ، ارشاد الساری، مطبوعہ: مطبع میمنہ مصر 1306ھ
۱۹۰۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، التوشیح علی الجامع الصحیح، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ بیروت 1420ھ
۱۹۱۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، الدیباج علی صحیح مسلم بن الحجاج، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی 1412ھ
۱۹۲۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، تنویر الحوالک شرح موطا امام مالک، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، بیروت 1418ھ
۱۹۳۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، الرسائل العشر، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1409ھ
۱۹۴۔ علامہ ابویحییٰ زکریا بن محمد انصاری شافعی، متوفی 926ھ، تحفۃ الباری فی شرح صحیح البخاری، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1425ھ
۱۹۵۔ علامہ ابویحییٰ زکریا بن محمد انصاری شافعی، متوفی 926ھ، منحۃ الباری بشرح صحیح البخاری، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد 1426ھ
۱۹۶۔ علامہ شہاب الدین احمد بن حجر الہیتمی الشافعی، متوفی 974ھ، اشرف الوسائل الی فہم الشمائل، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1419ھ
۱۹۷۔ علامہ عبد الرؤف مناوی شافعی، متوفی 1003ھ، فیض القدیر، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1391ھ، مکتبہ نزار مصطفی الباز،

مکہ مکرمہ 1418ھ

۱۹۸۔ علامہ عبد الرؤف مناوی شافعی، متوفی 1003ھ، شرح الشمائل، مطبوعہ: اصح المطابع، کراچی

۱۹۹۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، شرح الشفاء، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ

۲۰۰۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، شرح مسند ابی حنیفہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1405ھ

۲۰۱۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، مرقات، مطبوعہ: مکتبہ امدادیہ، ملتان 1390ھ

۲۰۲۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، الاسرار المرفوعہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1405ھ

۲۰۳۔ شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی غیر مقلد، متوفی 1025ھ، تحفۃ الذاکرین، مطبوعہ: مطبع مصطفی البابی، مصر 1350ھ

۲۰۴۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی حنفی، متوفی 1052ھ، اشعۃ اللمعات، مطبوعہ: مطبع تیج کمار لکھنو، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

۲۰۵۔ علامہ شہاب الدین احمد بن محمد بن عمر الخفاجی المصری الحنفی، متوفی 1069ھ، نسیم الریاض فی شرح الشفاء قاضی عیاض، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ

۲۰۶۔ شیخ نور الحق محدث دہلوی حنفی، متوفی 1073ھ، تیسیر القاری فی شرح صحیح بخاری، مطبوعہ: مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

۲۰۷۔ امام محمد بن عبد الباقی بن یوسف الزرقانی المصری المالکی، متوفی 1122ھ، شرح الزرقانی (شرح موطا امام مالک)، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1417ھ

۲۰۸۔ شیخ ابو الطیب صدیق بن حسن الحسینی القنوجی غیر مقلد، متوفی 1307ھ، عون الباری لحل ادلۃ الصحیح البخاری، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1429ھ

۲۰۹۔ امام محمد الفضیل بن الفاطمی الشبیہی الزرہونی المالکی، متوفی 1398ھ، الفجر الساطع علی الصحیح الجامع، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد 1430ھ

۲۱۰۔ شیخ رشید احمد گنگوہی دیوبندی، متوفی 1323ھ، لامع الدراری علی جامع البخاری، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی

۲۱۱۔ شیخ عبد الرحمن مبارک پوری غیر مقلد، متوفی 1325ھ، تحفۃ الاحوذی، مطبوعہ: نشر السنہ، ملتان، دار احیاء التراث العربی، بیروت 1419ھ

۲۱۲۔ شیخ وحید الزمان غیر مقلد، متوفی 1328ھ، تیسیر الباری ترجمہ وتشریح صحیح بخاری، مطبوعہ: نعمانی کتب خانہ، لاہور 1990ھ

۲۱۳۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، جامع الاحادیث مطبوعہ: مکتبہ مرکز اہلسنت برکات رضا، گجرات 1422ھ

۲۱۴۔ شیخ انور شاہ کشمیری دیوبندی، متوفی 1352ھ، فیض الباری، مطبوعہ: مطبع حجازی، مصر 1375ھ

۲۱۵۔ شیخ شبیر احمد عثمانی دیوبندی، متوفی 1369ھ، فتح الملہم، مطبوعہ: مکتبۃ الحجاز، کراچی

۲۱۶۔ الشیخ اسعد محمد سعید الصاغرجی الحنفی، متوفی 1414ھ، شعب الایمان، مطبوعہ: دار الکلم الطیب، بیروت 1430ھ

۲۱۷۔ شیخ محمد بن زکریا بن محمد کاندھلوی دیوبندی، اوجز المسالک الی موطا امام مالک، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1420ھ

۲۱۸۔ شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی، متوفی 1421ھ، شرح صحیح بخاری، مکتبۃ الطبری، 1429ھ

۲۱۹۔ ابو محمد عبد اللہ بن مانع الروقی، الحلل الابریزیہ من التعلیقات البازیہ علی صحیح البخاری، دار التدمریہ، ریاض 1428ھ

۲۲۰۔ شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی، کشف الباری، مطبوعہ: مکتبہ فاروقیہ، کراچی

۲۲۱۔ شیخ محمد تقی عثمانی دیوبندی، انعام الباری شرح صحیح البخاری، مطبوعہ: مکتبۃ الحراء

کتب اصول احادیث

۲۲۲۔ علامہ ابوبکر محمد بن موسیٰ بن عثمان بن حازم الحازمی الہمدانی المتوفی 584ھ، کتاب الفیصل فی علم الحدیث، مکتبۃ الرشد، ریاض 1428ھ

۲۲۳۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی، متوفی 676ھ، تقریب النواوی، مطبوعہ: مکتبہ علمیہ، مدینہ منورہ 1392ھ

۲۲۴۔ علامہ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، تدریب الراوی، مطبوعہ: مکتبہ علمیہ، مدینہ منورہ 1392ھ

۲۲۵۔ ملا علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، شرح نخبۃ الفکر، مطبوعہ: مکتبہ اسلامیہ، کوئٹہ

کتب اسماء الرجال

۲۲۶۔ امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری شافعی، متوفی 256ھ، التاریخ الکبیر، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1422ھ

۲۲۷۔ امام احمد بن شعیب نسائی شافعی، متوفی 303ھ، منہج الامام النسائی فی الجرح والتعدیل، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1424ھ

۲۲۸۔ امام ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی شافعی، متوفی 436ھ، تاریخ بغداد، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ

۲۲۹۔ حافظ جمال الدین ابوالحجاج یوسف مزی شافعی، متوفی 742ھ، تہذیب الکمال، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1414ھ

۲۳۰۔ حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی شافعی، متوفی 748ھ، میزان الاعتدال، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ

۲۳۱۔ حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی شافعی، متوفی 748ھ، الکاشف، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1418ھ

۲۳۲۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، تہذیب التہذیب، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت

۲۳۳۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ج، تقریب التہذیب، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت

۲۳۴۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ اللآلی المصنوعہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ

۲۳۵۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، طبقات الحفاظ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1414ھ

۲۳۶۔ حافظ صفی الدین احمد بن عبداللہ الخزرجی الشافعی، متوفی 923ھ، خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1422ھ

۲۳۷۔ علامہ محمد بن طولون شافعی، متوفی 953ھ، الشذرہ فی الاحادیث المشتہرہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1413ھ

۲۳۸۔ علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن عراق الکنانی شافعی، متوفی 963ھ، تنزیہہ الشریعہ المرفوعہ عن الاخبار الشریعہ الموضوعہ

۲۳۹۔ علامہ محمد طاہر پٹنی حنفی، متوفی 986ھ، تذکرۃ الموضوعات، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1415ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1401ھ

۲۴۰۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، موضوعات کبیر، مطبوعہ: مکتبہ مجتبائی دہلی
۲۴۱۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، الاسرار المرفوعہ فی الاخبار الموضوعہ، مطبوعہ: دار الباز للنشر والتوزیع 1405ھ
۲۴۲۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع، مطبوعہ: مکتبہ المطبوعات الاسلامیہ، حلب 1389ھ
۲۴۳۔ علامہ اسماعیل بن محمد العجلونی، متوفی 1164ھ، کشف الخفاء ومزیل الالباس، مطبوعہ: مکتبہ الغزالی، دمشق
۲۴۴۔ شیخ محمد بن علی شوکانی غیر مقلد، متوفی 1250ھ، الفوائد المجموعہ فی الاحادیث الضعیفہ والموضوعہ، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفی الباز 1415ھ
۲۴۵۔ یوسف عبدالرحمٰن المرعشلی، معجم المعاجم والمشیخات، مکتبۃ الرشد، ریاض 1426ھ

کتب لغت

۲۴۶۔ امام اللغۃ خلیل بن احمد فراہیدی، متوفی 175ھ، کتاب العین، مطبوعہ: انتشارات اسوہ، ایران 1414ھ
۲۴۷۔ امام ابوعبید القاسم بن سلام الھروی الشافعی، متوفی 224ھ، غریب الحدیث، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ
۲۴۸۔ امام ابومحمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ الدینوری، متوفی 276ھ، غریب الحدیث، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1408ھ
۲۴۹۔ علامہ اسماعیل بن حماد الجوہری الشافعی، متوفی 398ھ، الصحاح، مطبوعہ: دار العلم، بیروت 1404ھ
۲۵۰۔ علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی شافعی، متوفی 502ھ، المفردات، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ 1418ھ
۲۵۱۔ علامہ نجم الدین ابوحفص عمر بن محمد النسفی الحنفی، متوفی 537ھ، طلبۃ الطلبہ فی الاصلاحات الفقہیہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ
۲۵۲۔ امام ابونصر احمد بن محمد سمرقندی حنفی، متوفی 550ھ، انیس الفقہاء، فی تعریفات الالفاظ المتداولۃ بین الفقہاء، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1426ھ،
۲۵۳۔ علامہ محمد بن اثیر الجزری الشافعی، متوفی 606ھ، نہایہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ
۲۵۴۔ علامہ محمد بن ابوبکر بن عبدالقادر رازی حنفی، متوفی 660ھ، مختار الصحاح، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1419ھ
۲۵۵۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی، متوفی 676ھ، تہذیب الاسماء واللغات، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت
۲۵۶۔ علامہ جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور افریقی، متوفی 711ھ، لسان العرب، مطبوعہ: نشر ادب الحوزہ، قم ایران، دار صادر، بیروت 2003ء
۲۵۷۔ علامہ علی بن محمد بن علی الجرجانی الحنفی، متوفی 816ھ، کتاب التعریفات، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت
۲۵۸۔ علامہ مجدالدین محمد بن یعقوب فیروزآبادی، متوفی 817ھ، القاموس المحیط، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت
۲۵۹۔ علامہ محمد طاہر پٹنی حنفی، متوفی 986ھ، مجمع بحار الانوار، مطبوعہ: مکتبہ دار الایمان، مدینہ منورہ 1415ھ

۲۶۰۔ علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی، متوفی 1205ھ، تاج العروس، مطبوعہ: المطبعۃ الخیریہ، مصر
۲۶۱۔ لوئیس معلوف الیسوعی، متوفی 1867ء، المنجد، مطبوعہ المطبع الفاثولیکہ، بیروت 1927ء
۲۶۲۔ لوئیس معلوف الیسوعی، متوفی 1867ء، المنجد مترجم، مطبوعہ: دارالاشاعت، کراچی
۲۶۳۔ لوئیس معلوف الیسوعی، متوفی 1867ء، المنجد فی الاعلام، مطبوعہ: دارالمشرق، بیروت 1976ء
۲۶۴۔ لوئیس معلوف الیسوعی، متوفی 1867ء، المنجد فی اللغت، مطبوعہ: انتشارات اسلام 1379ء
۲۶۵۔ مولانا محمد غیاث الدین، غیاث اللغات (فارسی)، مطبوعہ: مطبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی
۲۶۶۔ الحاج مولوی فیروز الدین، فیروز اللغات (اردو)، مطبوعہ، مطبع فیروز سنز لمیٹڈ
۲۶۷۔ سعدی الوجیب، القاموس الفقہی لغۃ واصطلاحا، مطبوعہ: ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، پاکستان
۲۶۸۔ غلام احمد پرویز، متوفی 1985، لغات القرآن، ادارہ طلوع اسلام گلبرگ لاہور 1984ء
۲۶۹۔ قاضی عبدالنبی بن عبدالرسول احمد نگری حنفی، دستور العلماء، مطبوعہ: دارالکتب الاسلامیہ، بیروت 1421ھ
۲۷۰۔ ابونعیم عبدالحکیم خان نشتر جالندھری، قائد اللغات، مطبوعہ: حامد اینڈ کمپنی، لاہور

کتب تاریخ، سیرت وفضائل

۲۷۱۔ امام ابومحمد عبدالملک بن ہشام المعافری، متوفی 218ھ، السیرۃ النبویہ، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1415ھ
۲۷۲۔ امام محمد بن سعد، متوفی 230ھ، الطبقات الکبریٰ، مطبوعہ: دارصادر، بیروت 1388ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1418ھ
۲۷۳۔ امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری شافعی، متوفی 310ھ، تاریخ الامم والملوک، مطبوعہ: دارالقلم، بیروت
۲۷۴۔ امام ابوبکر محمد بن جعفر بن محمد بن سھل السامری الخرائطی، متوفی 327ھ، مکارم الاخلاق ومعالیہا ومحمود طرائقہا ومرضیہا، مطبوعہ: مطبع المدنی، موسسۃ السعودیہ، 1411ھ
۲۷۵۔ امام ابوالحسن علی بن محمد الماوردی الشافعی، متوفی 405ھ، اعلام النبوۃ، داراحیاء العلوم، بیروت 1408ھ
۲۷۶۔ امام ابوسعید عبدالملک بن ابی عثمان نیشاپوری شافعی، متوفی 406ھ، شرف المصطفیٰ، مطبوعہ: دارالبشائر الاسلامیہ، مکہ مکرمہ 1424ھ
۲۷۷۔ امام ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی، متوفی 463ھ، تاریخ بغداد، دارالفکر بیروت، 1424ھ
۲۷۸۔ حافظ ابوعمرو یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر مالکی، متوفی 463ھ، الاستیعاب، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت
۲۷۹۔ امام محی السنہ الحسین بن مسعود بن محمد الفراء البغوی الشافعی، متوفی 510ھ، الانوار فی شمائل النبی المختار، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1426ھ
۲۸۰۔ قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی، متوفی 544ھ، الشفاء، مطبوعہ: عبدالتواب اکیڈمی، ملتان، دارالفکر بیروت 1415ھ
۲۸۱۔ امام ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن احمد الخثعمی السہیلی، متوفی 581ھ، الروض الانف فی تفسیر سیرۃ النبویہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ

۲۸۲۔ علامہ عبدالرحمن بن علی جوزی حنبلی، متوفی 597ھ، الوفاء، مطبوعہ: مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد

۲۸۳۔ علامہ عبدالرحمن بن علی جوزی حنبلی، متوفی 597ھ، مولد العروس الشہیر بابن الجوزی، مطبوعہ: المکتبۃ الثقافیہ، بیروت

۲۸۴۔ علامہ ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر شافعی، متوفی 630ھ، اسد الغابہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، دار الفکر بیروت

۲۸۵۔ علامہ ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر، متوفی 630ھ، الکامل فی التاریخ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت

۲۸۶۔ علامہ شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر بن خلکان شافعی، متوفی 681ھ، وفیات الاعیان، مطبوعہ: منشورات الشریف الرضی، ایران

۲۸۷۔ امام ابوجعفر احمد الشہیر بالمحب الطبری، متوفی 694ھ، الریاض النضرۃ فی مناقب العشرہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت

۲۸۸۔ حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی شافعی، متوفی 748ھ، سیر اعلام النبلاء، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1417ھ

۲۸۹۔ شیخ ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ الحنبلی، متوفی 751ھ، زاد المعاد، مطبوعہ: دار الفکر بیروت 1419ھ

۲۹۰۔ حافظ علاؤ الدین ابوعبداللہ مغلطائی بن قلیج، متوفی 762ھ، الاشارۃ الیٰ سیرۃ المصطفیٰ وتاریخ من بعدہ من الخلفاء، مطبوعہ: دار القلم، دمشق 1416ھ

۲۹۱۔ علامہ تاج الدین ابونصر عبدالوہاب سبکی شافعی، متوفی 771ھ، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1420ھ

۲۹۲۔ حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی، متوفی 774ھ، البدایہ والنہایہ، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1418ھ

۲۹۳۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، الاصابہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت

۲۹۴۔ شیخ عبدالرحمن الثعلبی، متوفی 875ھ، الانوار فی آیات النبی المختار، مطبوعہ: دار ابن حزم 1426ھ

۲۹۵۔ علامہ نور الدین علی بن احمد سمہودی شافعی، متوفی 911ھ، وفاء الوفاء، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1401ھ

۲۹۶۔ علامہ احمد قسطلانی شافعی، متوفی 911ھ، المواہب اللدنیہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ

۲۹۷۔ علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشامی، متوفی 942ھ، سبل الہدیٰ والرشاد، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1414ھ

۲۹۸۔ شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی حنفی، متوفی 1052ھ، مدارج النبوۃ، مکتبہ نوریہ، سکھر پاکستان 1397ھ

۲۹۹۔ علامہ محمد عبدالباقی زرقانی مالکی، متوفی 1124ھ، شرح المواہب اللدنیہ، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1393ھ

۳۰۰۔ شیخ عبداللہ بن الشیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی، متوفی 1242ھ، مختصر سیرۃ الرسول، مطبوعہ: المکتبۃ السلفیہ 1399ھ

کتب فقہ حنفی

۳۰۱۔ امام محمد بن حسن الشیبانی، متوفی 189ھ، مبسوط (کتاب الاصل)، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی

۳۰۲۔ امام محمد بن حسن الشیبانی، متوفی 189ھ، مبسوط (شرح الکافی)، مطبوعہ: دار المعرفہ بیروت، 1398ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ

۳۰۳۔ امام محمد بن حسن الشیبانی، متوفی 189ھ، الجامع الصغیر، مطبوعہ: مصطفائی ہند 1291ھ

۳۰۴۔ امام محمد بن الشهير الحاكم الشهيد البلخی الحنفی، متوفی 344ھ، الکافی، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ

۳۰۵۔ امام ابوبکر الرازی الجصاص المتوفی 370ھ، شرح مختصر الطحاوی، فتاوی فی الفقہ الحنفی، مکتبۃ الکریمیہ کانسی روڈ کوئٹہ

۳۰۶۔ ابو اللیث نصر بن محمد بن ابراہیم السمر قندی، متوفی 373ھ، خزانۃ الفقہ، مطبوعہ: مکتبہ اسلامیہ، کوئٹہ، امجد اکیڈمی، لاہور 1397ھ

۳۰۷۔ امام ابو اللیث نصر بن محمد ابراہیم السمر قندی المتوفی 373ھ، فتاوی ابو اللیث سمرقندی، السیاۃ بمختلف الروایۃ، مکتبہ محمدیہ 1423ھ

۳۰۸۔ امام ابو اللیث نصر بن محمد ابراہیم السمر قندی، متوفی 373ھ، خزانۃ الفقہ، المکتبۃ الغفوریہ العاصمیہ، کراچی

۳۰۹۔ شیخ الاسلام قاضی القضاۃ ابوالحفص علی بن الحسن بن محمد السغدی الحنفی المتوفی 461ھ، النتف فی الفتاوی، مکتبہ عثمانیہ، کوئٹہ

۳۱۰۔ شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی، متوفی 483ھ، المبسوط، مطبوعہ: دار المعرفہ بیروت 1398ھ

۳۱۱۔ شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی، متوفی 483ھ، شرح سیر کبیر، مطبوعہ: المکتبۃ الاسلامیہ، افغانستان 1405ھ

۳۱۲۔ علامہ علاؤ الدین محمد السمر قندی، متوفی 539ھ، تحفۃ الفقہاء، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1405ھ

۳۱۳۔ الامام الاکمل الفقیہ الامجد طاہر بن عبد الرشید البخاری، متوفی 542ھ، خلاصۃ الفتاوی مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ

۳۱۴۔ الوزیر عون الدین ابوالمظفر یحیی بن محمد ہبیرہ، متوفی 560ھ، الافصاح عن معانی الصحاح، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ

۳۱۵۔ علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی، متوفی 587ھ، بدائع الصنائع، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ

۳۱۶۔ علامہ حسین بن منصور اوز جندی، متوفی 592ھ، فتاوی قاضی خان، مطبوعہ: کبری بولاق، مصر 1310ھ

۳۱۷۔ علامہ حسین بن منصور اوز جندی، متوفی 592ھ، شرح الزیادات، دار احیاء التراث العربی، بیروت 1426ھ

۳۱۸۔ علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی، متوفی 593ھ، ہدایہ اولین و آخرین، مطبوعہ: شرکت علمیہ، ملتان

۳۱۹۔ علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی، متوفی 593ھ، کتاب التجنیس والمزید، مطبوعہ: ادارۃ القرآن العلوم الاسلامیہ 1424ھ

۳۲۰۔ علامہ برہان الدین محمود بن صدر الشریعہ ابن مازہ البخاری، متوفی 616ھ، المحیط البرہانی، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی 1424ھ

۳۲۱۔ علامہ عبداللہ بن محمود بن مودود حنفی، متوفی 683ھ، الاختیار لتعلیل المختار، مطبوعہ: دار فراس للنشر والتوزیع

۳۲۲۔ امام فخر الدین عثمان بن علی، متوفی 743ھ، تبیین الحقائق، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی 1421ھ

۳۲۳۔ علامہ محمد بن محمود بابرتی، متوفی 786ھ، عنایہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ بیروت 1415ھ

۳۲۴۔ علامہ عالم بن العلاء انصاری دہلوی، متوفی 786ھ، فتاوی تاتارخانیہ، مطبوعہ: ادارۃ القرآن کراچی 1411ھ

۳۲۵۔ علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی، متوفی 855ھ، بنایہ، مطبوعہ: دار الفکر بیروت، 1411ھ

۳۲۶۔ علامہ کمال الدین بن ہمام، متوفی 861ھ، فتح القدیر، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1415ھ

۳۲۷۔ علامہ ابراہیم بن محمد حلبی، متوفی 956ھ، غنیۃ المستملی، مطبوعہ: سہیل اکیڈمی، لاہور 1412ھ

۳۲۸۔ امام شمس الدین محمد الخراسانی القہستانی، متوفی 962ھ، جامع الرموز، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی

۳۲۹۔ علامہ زین الدین بن نجیم، متوفی 970ھ، البحر الرائق، مطبوعہ: علمیہ، مصر 1311ھ

۳۴۰۔ امام شہاب الدین احمد محمد بن علی بن حجر الہیتمی، متوفّٰی 974ھ، الفتاوی الکبری الفقہیہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ

۳۴۱۔ امام سراج الدین عمر بن ابراہیم بن نجیم الحنفی، متوفّٰی 1005ھ، النہر الفائق، مطبوعہ: قدیمی کتب خانہ، کراچی

۳۴۲۔ ملا علی بن سلطان محمد القاری، متوفّٰی 1014ھ، فتح باب العنایہ، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1426ھ

۳۴۳۔ ملا علی بن سلطان محمد القاری، متوفّٰی 1014ھ، مناسک ملا علی قاری، مطبوعہ: ادارۃ القرآن العلوم الاسلامیہ 1417ھ

۳۴۴۔ ملا نظام الدین، متوفّٰی 1061ھ، فتاویٰ عالمگیری، مطبوعہ: مطبع کبریٰ امیریہ بولاق مصر، 1310ھ

۳۴۵۔ علامہ ابو الاخلاص حسن بن عمار بن علی الفقیہ العصری الحنفی، متوفّٰی 1069ھ، امداد الفتاح شرح نور الایضاح ونجات الارواح، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1421ھ،

۳۴۶۔ علامہ محمد سلیمان داماد آفندی، متوفّٰی 1078ھ، مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر، مطبوعہ: المکتبۃ الغفاریہ، کوئٹہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1419ھ

۳۴۷۔ علامہ خیر الدین رملی، متوفّٰی 1081ھ، جامع الفصولین، مکتبۃ القدس، کوئٹہ 1300ھ

۳۴۸۔ علامہ علاؤ الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی، متوفّٰی 1088ھ، الدر المختار، دار احیاء التراث العربی، بیروت 1426ھ

۳۴۹۔ علامہ السید اسعد بن ابی بکر آفندی الحنفی التوفی 110ھ، الفتاوی الاسعدیہ فی الفقہ الحنفیہ، المکتبۃ الحقانیہ، کوئٹہ 1431ھ

۳۵۰۔ علامہ شاہ عبد العزیز محمد دہلوی، متوفّٰی 1229ھ، فتاویٰ عزیزی، مطبوعہ: مدینہ پبلی کیشنز، کراچی 1390ھ

۳۵۱۔ علامہ احمد بن محمد طحطاوی، متوفّٰی 1231ھ، حاشیۃ الطحطاوی، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ

۳۵۲۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفّٰی 1252ھ، منحۃ الخالق، مطبوعہ: مکتبہ علمیہ، مصر 1311ھ

۳۵۳۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفّٰی 1252ھ، تنقیح الفتاوی الحامدیہ، مطبوعہ: دار الاشاعۃ العربی، کوئٹہ

۳۵۴۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفّٰی 1252ھ، رسائل ابن عابدین شامی، مطبوعہ: سہیل اکیڈمی، لاہور

۳۵۵۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفّٰی 1252ھ، رد المحتار، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1419ھ

۳۵۶۔ علامہ شاہ محمد مسعود محدث دہلوی، متوفّٰی 1309ھ، فتاویٰ مسعودی، سرہند پبلی کیشنز 1407ھ

۳۵۷۔ شیخ رشید احمد گنگوہی دیوبندی، متوفّٰی 1323ھ، فتاویٰ رشیدیہ، مطبوعہ: محمد سعید اینڈ سنز، کراچی

۳۵۸۔ شیخ رشید احمد گنگوہی دیوبندی، متوفّٰی 1323ھ، احسن الفتاویٰ، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی 1425ھ

۳۵۹۔ امام احمد رضا خان بریلوی، متوفّٰی 1340ھ، العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ، رضا فاؤنڈیشن لاہور 1427ھ

۳۶۰۔ علامہ سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی، متوفّٰی 1356ھ، فتاویٰ مہریہ، مطبوعہ: پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز، لاہور 1418ھ

۳۶۱۔ صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی حنفی بریلوی، متوفّٰی 1367ھ، بہارِ شریعت، مطبوعہ: ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور 1416ھ

۳۶۲۔ صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی حنفی بریلوی، متوفّٰی 1367ھ، فتاویٰ امجدیہ، مطبوعہ: مکتبہ رضویہ 1419ھ

۳۶۳۔ شیخ محمد شفیع دیوبندی، متوفّٰی 1396ھ، جواہر الفقہ، مطبوعہ: مکتبہ دار العلوم کراچی 1395ھ

۳۶۴۔ مولانا نور اللہ نعیمی بصیر پوری حنفی بریلوی، متوفّٰی 1403ھ، فتاویٰ نوریہ، مطبوعہ: کمبائن پرنٹرز، لاہور 1983ء

۳۶۵۔ مولانا وقار الدین حنفی بریلوی، متوفّٰی 1413ھ، وقار الفتاویٰ، مطبوعہ: بزم وقار الدین 1997ء

۳۶۶۔ الشیخ اسعد محمد سعید الصاگرجی الحنفی المتوفی 1414ھ، الفقہ الحنفی وادلتہ، دار الکلم الطیب، بیروت 1420ھ

۳۶۷۔ مولانا محمد عبد اللہ نعیمی حنفی بریلوی، متوفّٰی 1982ء، فتاویٰ مجددیہ نعیمیہ، ناشر: مفتی اعظم سندھ اکیڈمی 1411ھ

۳۶۸۔ شیخ الاسلام علامہ الشیخ عبد الغنی النابلسی الحنفی النقشبندی المتوفی 1123ھ، فتاوی النابلسی المسماۃ بنہایۃ المراد فی شرح ہدایہ، ابن العماد، مکتبہ حقانیہ کوئٹہ 1429ھ

۳۶۹۔ مفتی اہلسنت علامہ سید شجاعت علی قادری حنفی بریلوی، متوفّٰی 1993ء، فقہ اہلسنت، مطبوعہ: مدینہ پبلی کیشنز، کراچی 1978ء

۳۷۰۔ مفتی اعظم پاکستان علامہ مفتی منیب الرحمٰن حنفی بریلوی غفرلہ، تفہیم المسائل، مطبوعہ: ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، 1407ھ

۳۷۱۔ مفتی محمد اسماعیل حسین نورانی حنفی بریلوی، انوار الفتاویٰ، مطبوعہ: فرید بک اسٹال، لاہور 1428ھ

۳۷۲۔ شیخ سعید بن علی السمرقندی الحنفی الفتاویٰ فی الحیل والمخارج المسمی بجنۃ الاحکام وجنۃ الخصام، المکتبۃ الحقانیہ، کوئٹہ 1431ھ

۳۷۳۔ شیخ عبد الحمید محمود طہمار، الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید، المکتبۃ الحقانیہ کوئٹہ 1418ھ

کتب فقہ شافعیہ

۳۷۴۔ امام محمد بن ادریس شافعی، متوفّٰی 204ھ، الام، مطبوعہ: دار الفکر بیروت، 1403ھ

۳۷۵۔ علامہ ابو الحسین علی بن محمد حبیب الماوردی شافعی، متوفّٰی 450ھ، الحاوی الکبیر، مطبوعہ: دار الفکر بیروت، 1414ھ

۳۷۶۔ علامہ ابو اسحاق شیرازی، متوفّٰی 455ھ، المہذب، مطبوعہ: دار المعرفہ بیروت، 1393ھ

۳۷۷۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی، متوفّٰی 676ھ، شرح المہذب، مطبوعہ: دار الفکر بیروت، دار الفکر بیروت، دار الکتب العلمیہ بیروت 1423ھ

۳۷۸۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی، متوفّٰی 676ھ، روضۃ الطالبین، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1412ھ

۳۷۹۔ شیخ الاسلام احمد بن محمد بن علی بن حجر الہیتمی الشافعی، متوفّٰی 974ھ، الفتاوی الحدیثیہ، 1419ھ

کتب فقہ مالکیہ

۳۸۰۔ امام سحنون بن سعید تنوخی مالکی، متوفّٰی 256ھ، المدونۃ الکبریٰ، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت

۳۸۱۔ امام ابو الولید سلیمان بن خلف الباجی المالکی، متوفّٰی 494ھ، المنتقیٰ شرح موطا امام مالک، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1331ھ

۳۸۲۔ قاضی عبد الولید محمد بن احمد بن رشد مالکی اندلسی، متوفّٰی 595ھ، بدایۃ المجتہد، مطبوعہ: دار الفکر بیروت

۳۸۳۔ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن الخطاب المغربی، متوفّٰی 954ھ، مواہب الجلیل لشرح مختصر خلیل، مطبوعہ: مکتبۃ النجاح، لیبیا

۳۸۴۔ علامہ علی بن عبد اللہ بن الخرشی، متوفّٰی 1101ھ، الخرشی علی مختصر خلیل، مطبوعہ: دار صادر، بیروت

۳۸۵۔ علامہ ابو البرکات، احمد دردیر مالکی، متوفّٰی 1197ھ، الشرح الکبیر، مطبوعہ: دار الفکر بیروت

۳۸۶۔ علامہ شمس الدین محمد بن عرفہ دسوقی، متوفّٰی 1219ھ، حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر، مطبوعہ: دار الفکر بیروت

کتب فقہ حنبلی

۳۸۷۔ علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ، متوفّٰی 620ھ، المغنی، مطبوعہ: دار الحدیث قاہرہ، 1425ھ

۳۸۸۔ علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ، متوفّٰی 620ھ، الکافی، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1414ھ

۳۸۹۔ شیخ ابوالعباس تقی الدین بن تیمیہ، متوفّٰی 728ھ، مجموعۃ الفتاویٰ، مطبوعہ: ریاض، دار الجیل، بیروت 1418ھ

۳۹۰۔ شیخ ابوالعباس تقی الدین بن تیمیہ، متوفّٰی 728ھ، اقتضاء الصراط المستقیم مخالفۃ اصحاب الجحیم، مطبوعہ: دار الفکر بیروت 1424ھ، دار الکتب العلمیہ بیروت 1426ھ

۳۹۱۔ علامہ شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن فتاح مقدسی، متوفّٰی 763ھ، کتاب الفروع، مطبوعہ: عالم الکتب، بیروت

۳۹۲۔ علامہ ابوالحسین علی بن سلیمان مرداوی، متوفّٰی 885ھ، الانصاف، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1387ھ

۳۹۳۔ علامہ موسیٰ بن احمد صالحی، متوفّٰی 960ھ، الاقناع، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ بیروت، 1418ھ

۳۹۴۔ شیخ منصور بن یونس البھوتی الحنبلی، متوفّٰی 1015ھ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ

۳۹۵۔ شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن ابن باز حنبلی، متوفّٰی 1420ھ، 1999ء، مجموع فتویٰ ومقالات متنوعہ، مکتبۃ المورد، ریاض 1427ھ

کتب فقہ غیر مقلدین

۳۹۶۔ شیخ علی بن احمد بن حزم اندلسی، متوفّٰی 456ھ، المحلی بالآثار، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ

۳۹۷۔ شیخ محمد بن علی شوکانی، متوفّٰی 1250ھ، نیل الاوطار، مکتبۃ الکلیات الازہریہ، مصر 1398ھ، دار الوفاء، 1421ھ

۳۹۸۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری، متوفّٰی 1367ھ، فتاویٰ ثنائیہ، مطبوعہ: النور اکیڈمی، مکتبہ ثنائیہ سرگودھا

۳۹۹۔ مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی، متوفّٰی 1805ھ، فتاویٰ نذیریہ، مکتبۃ المعارف الاسلامیہ، پاکستان 1333ھ

۴۰۰۔ شیخ حافظ عبداللہ محدث روپڑی، متوفّٰی 1920ھ، فتاویٰ اہلحدیث، مطبوعہ: دار احیاء السنۃ النبویہ، پاکستان 1404ھ

کتب اصول فقہ

۴۰۱۔ امام محمد بن ادریس شافعی، متوفّٰی 204ھ، الرسالہ، مطبوعہ: مطبع امیریہ کبریٰ، بولاق مصر 1312ھ

۴۰۲۔ فخر الاسلام علی بن محمد بزدوی حنفی، متوفّٰی 482ھ، اصول بزدوی، مطبوعہ: نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی

۴۰۳۔ علامہ ابوبکر محمد بن احمد بن ابی سہل السرخسی الحنفی، متوفّٰی 483ھ، اصول السرخسی، مطبوعہ: دار المعرفہ، بیروت

۴۰۴۔ امام ابوحامد محمد بن محمد غزالی شافعی، متوفّٰی 505ھ، مستصفیٰ، مطبوعہ: مطبعہ امیریہ کبریٰ، بولاق مصر 1294ھ

۴۰۵۔ علامہ علاؤ الدین عبدالعزیز بن احمد البخاری الحنفی، متوفّٰی 730ھ، کشف الاسرار، مطبوعہ: دار الکتاب العربی 1411ھ

۴۰۶۔ علامہ جمال الدین اسنوی، متوفی 772ھ، شرح المنہاج، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1403ھ
۴۰۷۔ علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی، متوفی 861ھ تحریر، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1403ھ
۴۰۸۔ علامہ ابن امیر الحاج حنفی، متوفی 879ھ، التقریر والتحریر، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1403ھ
۴۰۹۔ بحر العلوم عبد العلی بن نظام الدین حنفی، متوفی 1225ھ، فواتح الرحموت، مطبوعہ: مطبعہ امیریہ کبریٰ، بولاق مصر 1294ھ
۴۱۰۔ شیخ محمد بن علی شوکانی غیر مقلد، متوفی 1250ھ، ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الاصول، مطبوعہ: مکتبہ اثریہ، سانگلہ ہل
۴۱۱۔ علامہ محمد امین بن عمر بن عابدین شامی حنفی، متوفی 1252ھ، شرح شرح المنار للعلامۃ الشامی، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی

مذاہب اربعہ

۴۱۲۔ امام ابوبکر احمد بن علی الجصاص الرازی المتوفی 370ھ مختصر اختلاف العلماء، دار البشاء الاسلامیہ، 1417ھ
۴۱۳۔ علامہ عبد الوہاب شعرانی حنفی، متوفی 973ھ، میزان الشریعۃ الکبریٰ، مطبوعہ: مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ، مصر 1359ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ
۴۱۴۔ علامہ عبد الرحمٰن الجزیری، الفقہ علی مذاہب الاربعہ، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت
۴۱۵۔ الفتاویٰ الاسلامیہ من دار الافتاء المصریہ القاہرہ، 1400ھ
۴۱۶۔ ڈاکٹر وہبہ زحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، مطبوعہ: دار الفکر بیروت 1405ھ
۴۱۷۔ موسوعۃ الفقہ الاسلامی، مطبوعہ: القاہرہ 1410ھ

کتب شیعہ

۴۱۸۔ شیخ ابوجعفر محمد یعقوب کلینی، متوفی 329ھ، الاصول من الکافی، دارالکتب الاسلامیہ، تہران
۴۱۹۔ شیخ ابوجعفر محمد یعقوب کلینی، متوفی 329ھ، الفروع من الکافی، مطبوعہ: دارالکتب الاسلامیہ، تہران
۴۲۰۔ شیخ ابوجعفر محمد بن حسن طوسی، متوفی 460ھ، تہذیب الاحکام، مطبوعہ: دارالکتب الاسلامیہ، تہران
۴۲۱۔ شیخ ابوجعفر محمد بن حسن طوسی، متوفی 460ھ، الاستبصار، مطبوعہ: دارالکتب الاسلامیہ، تہران
۴۲۲۔ نہج البلاغہ (مع فارسی)، مطبوعہ: انتشارات زرین، ایران
۴۲۳۔ نہج البلاغہ (مع اردو)، مطبوعہ: شیخ غلام علی اینڈ سنز
۴۲۴۔ شیخ عز الدین عبد الحمید بن ابی الحدید، متوفی 656ھ، شرح نہج البلاغہ، مطبوعہ: موسسۃ مطبوعاتی اسماعیلیان ایران
۴۲۵۔ ملا باقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی 1110ھ، بحار الانوار، مطبوعۃ المطبعہ الاسلامیہ، تہران 1392ھ
۴۲۶۔ ملا باقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی 1110ھ، حق الیقین، مطبوعہ: خیابان ناصر خسرو، ایران 1347ھ
۴۲۷۔ ملا باقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی 1110ھ، جلاء العیون (مترجم)، مطبوعہ: انصاف پریس، لاہور
۴۲۸۔ ملا باقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی 1110ھ، حیات القلوب (مترجم) مطبوعہ: حمایت اہل بیت وقف، لاہور

۴۲۹۔ شیخ محمد بن حسین طباطبائی، متوفی 1293ھ، المیزان، مطبوعہ: دارالکتب الاسلامیہ، ایران 1302ھ

کتب متفرقات

۴۳۰۔ ابوالمعالی عبدالملک الجوینی الشہیر بامام الحرمین الشافعی، متوفی 478ھ، مغیث الخلق فی ترجیح القول الحق، مطبوعہ: مکتبہ قدوسیہ، لاہور 1400ھ

۴۳۱۔ امام ابوالفتح ظہیرالدین الولوالجیہ حنفی، متوفی 540ھ، الفتاوی الولوالجیہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ

۴۳۲۔ ابوعبداللہ شمس الدین محمد بن ابوبکر الدمشقی المعروف بابن قیم حنبلی، متوفی 751ھ، الداء والدواء، مطبوعہ: المکتبۃ التجاریہ، 1410ھ

۴۳۳۔ علامہ علی بن سلطان القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، القائلین بوحدۃ الوجود، مطبوعہ: دارالمامون للتراث 1415ھ

۴۳۴۔ میر عبدالواحد بلگرامی حنفی، متوفی 1016ھ، سبع سنابل، مطبوعہ: حامد اینڈ کمپنی، لاہور 1402ھ

۴۳۵۔ ملاباقر مجلسی شیعی، متوفی 1110ھ، ضیاء العیون، مطبوعہ: ایرانی کتب خانہ

۴۳۶۔ شیخ سید محمد اسماعیل دہلوی دیوبندی، متوفی 1246ھ، تقویۃ الایمان، مطبوعہ: مطبع علیمی، اندرون لاہور

۴۳۷۔ مولانا حاجی امداداللہ مہاجر مکی حنفی، متوفی 1258ھ، شمائم امدادیہ، مطبوعہ: مدنی کتب خانہ، ملتان 1405ھ

۴۳۸۔ شیخ محمد قاسم نانوتوی دیوبندی، متوفی 1297ھ، آب حیات، ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ، ملتان 1413ھ

۴۳۹۔ شیخ محمد قاسم نانوتوی دیوبندی، متوفی 1297ھ، تحذیر الناس، دارالاشاعت، کراچی

۴۴۰۔ ابوالحسنات محمد عبدالحی لکھنوی حنفی، متوفی 1304ھ، سباحۃ الفکر فی الجہر بالذکر، دارالبشائر الاسلامیہ، بیروت 1408ھ

۴۴۱۔ شیخ محمود بن حسن دیوبندی، متوفی 1339ھ، الجہد المقل فی تنزیہ المعز والمذل، مکتبہ مدینہ، لاہور 1409ھ

۴۴۲۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، ملفوظات، حامد اینڈ کمپنی، لاہور

۴۴۳۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین، حامد اینڈ کمپنی، لاہور، 1401ھ

۴۴۴۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، احکام شریعت، ضیاء القرآن پبلی کیشنز 2002ء

۴۴۵۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، الامن والعلیٰ، شبیر برادرز، لاہور 1396ھ

۴۴۶۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، جمل مجلیۃ ان المکروہ تنزیھا لیس بمعصیۃ، صدیقی پبلشرز 2009ء

۴۴۷۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ، مطبوعہ: موسسۃ رضا الجامعۃ النظامیہ الرضویہ، لاہور پاکستان 1422ھ

۴۴۸۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، انباء الحی، موسسۃ رضا الجامعہ النظامیہ الرضویہ، لاہور پاکستان 1422ھ

۴۴۹۔ شیخ خلیل احمد انبیٹھوی دیوبندی، متوفی 1346ھ، البراہین القاطعہ علی ظلام الانوار الساطعہ، مطبوعہ: مطبع بلالی، ڈھونڈ

۴۵۰۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفی 1356ھ، تحقیق الحق فی کلمۃ الحق، گولڑہ شریف، اسلام آباد 1421ھ

۴۵۱۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفی 1356ھ، ملفوظات مہریہ، پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز لمیٹڈ، لاہور 1406ھ

۴۵۲۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفی 1356ھ، اعلاء کلمۃ اللہ فی بیان وما اھل بہ لغیر اللہ، گولڑہ شریف، کتب خانہ درگاہ غوثیہ 1421ھ

۴۵۳۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفی 1356ھ، شمس الہدایہ فی اثبات حیات المسیح، مطبوعہ: پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز لاہور، 1406ھ

۴۵۴۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفی 1356ھ، مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم، پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز 1415ھ

۴۵۵۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفی 1356ھ، تصفیہ ما بین السنی والشیعہ، پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز، لاہور 1399ھ

۴۵۷۔ شیخ اشرف علی تھانوی دیوبندی، متوفی 1364ھ، حفظ الایمان مع بسط البنان وتغیر العنوان، مکتبہ تھانوی، کراچی

۴۵۸۔ شیخ اشرف علی تھانوی دیوبندی، متوفی 1364ھ، امداد المشتاق الی اشرف الاخلاق

۴۵۹۔ شیخ اشرف علی تھانوی دیوبندی، متوفی 1364ھ، جمال الاولیاء

۴۶۰۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی دیوبندی، متوفی 1399ھ، خلافت وملوکیت، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور 1975ھ

۴۶۱۔ مولانا محمد عبداللہ معمار امرتسری غیر مقلد، محمدیہ پاکٹ بک بجواب احمدیہ پاکٹ بک، المکتبۃ السلفیہ، لاہور 1391ھ

۴۶۲۔ ابوالحسنات علامہ محمد اشرف سیالوی حنفی بریلوی، انبیاء سابقین اور بشارات سید المرسلین، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور 1998ء

۴۶۳۔ شیخ عبدالحی الکتانی، نظام الحکومت النبویہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت

۴۶۴۔ ڈاکٹر غلام جیلانی برق، متوفی 1985ء، دو اسلام، مطبوعہ: شیخ غلام علی اینڈ سنز، کراچی

۴۶۵۔ ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی، انشورنس اسلامی معیشت میں، مطبوعہ: اسلامی پبلی کیشنز لمیٹڈ، لاہور 1982ء

۴۶۶۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، مطبوعہ: دانش گاہ پنجاب، لاہور

۴۶۷۔ میر عبدالواحد بلگرامی، سبع سنابل، حامد اینڈ کمپنی، لاہور

۴۶۸۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، صحیفہ ہمام بن منبہ، اکیڈمی آف لائف اینڈ لیٹرز

۴۶۹۔ عقیدہ ختم نبوت، الادارۃ لتحفظ العقائد الاسلامیہ، پاکستان

۴۷۰۔ شیخ خلیل احمد سہارنپوری، دیوبندی، متوفی 1346ھ، المھند علی المفند، ادارہ اسلامیات 1404ھ

۴۷۱۔ شیخ خلیل احمد سہارنپوری، حسین احمد دیوبندی، متوفی 1377ھ، منظور نعمانی، عقائد علماء دیوبند اور حسام الحرمین، دار الاشاعت، کراچی

۴۷۲۔ شیخ حسین احمد دیوبندی، متوفی 1377ھ، الشہاب الثاقب علی المسترق الکاذب، میر محمد کتب خانہ، کراچی

۴۷۳۔ شیخ محمد سرفراز خان صفدر دیوبندی، متوفی 2009ء، تسکین الصدور فی تحقیق احوال الموتی فی البرزخ والقبور، ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم، گوجرانوالہ 1407ھ

۴۷۴۔ شیخ محمد سرفراز خان صفدر دیوبندی، متوفی 2009ء، عبارات اکابر، مکتبہ صفدریہ، گوجرانوالہ

۴۷۵۔ شیخ محمد یوسف لدھیانوی دیوبندی، متوفی 2000ء، تحفۂ قادیانیت، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، ملتان 2001ء

۴۷۶۔ شیخ محمد یوسف لدھیانوی دیوبندی، متوفی 2000ء، اختلاف امت اور صراط مستقیم، مکتبہ بینات بنوری ٹاؤن، کراچی 1399ھ

۴۷۷۔ مخدوم محمد ہاشم سندھی، متوفی 1174ھ، ذریعۃ الوصول الی جناب الرسول، مکتبہ لدھیانوی، کراچی 1995ء
۴۷۸۔ محمد الیاس برنی، قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت 2001ء
۴۷۹۔ مولانا سید محمد دیدار علی شاہ الوری بریلوی، متوفی 1354ھ، فتاویٰ دیداریہ، مطبوعہ: مکتبۃ العصر، گجرات
۴۸۰۔ مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی حنفی بریلوی، متوفی 2003ء، مقالاتِ مفتیٔ اعظم، مطبوعہ: بزم رضا، لاہور 1428ھ
۴۸۱۔ مولانا محمد منشاء تابش قصوری حنفی بریلوی غفرلہ، دعوتِ فکر، مطبوعہ: مکتبہ اشرفیہ، مرید کے شیخوپورہ 1403ھ
۴۸۲۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، حیاتِ استاذ العلماء، مطبوعہ: دار الاسلام لاہور 1433ھ
۴۸۳۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، توضیح البیان، مطبوعہ: حامد اینڈ کمپنی، لاہور 1422ھ
۴۸۴۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، ذکر بالجہر، مطبوعہ فرید بک اسٹال، لاہور 1427ھ
۴۸۵۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، تذکرۃ المحدثین، مطبوعہ: فرید بک اسٹال لاہور، 1426ھ
۴۸۶۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، مقالاتِ سعیدی، مطبوعہ: فرید بک اسٹال لاہور، 1428ھ
۴۸۷۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، مقامِ ولایت ونبوت، مطبوعہ: فرید بک اسٹال لاہور، 1426ھ
۴۸۸۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، تاریخ نجد وحجاز، مطبوعہ: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور 2004ء
۴۸۹۔ مفتی محمد اسماعیل حسین نورانی حنفی بریلوی غفرلہ، حقائق شرح صحیح مسلم ودقائق تبیان القرآن، فرید بک اسٹال لاہور، 1425ھ
۴۹۰۔ مولانا غلام نصیر الدین گولڑوی حنفی بریلوی، غفرلہ سفر آخرت کی منازل، فرید بک اسٹال لاہور، 1427ھ